بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

سوانح، تصانیف، مطالعات

محمد اکرام چغتائی

Marfat.com

بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

سوانح، تصانیف، مطالعات

مرتبہ

محمد اکرام چغتائی

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

Marfat.com

923.4 Chaghatai, M. Ikram
Baba Fariduddin Masud Ganj-i Shakar (Life, Works and Studies)/ M. Ikram Chaghatai.- Lahore : Sang-e-Meel Publications, 2007.
872pp.
1. Sufism - Fariduddin Ganj-i Shakar.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/ مصنف سے باقاعدہ
تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کی
کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

2007
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
سے شائع کی۔

ISBN 969-35-2050-5

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall), P.O. Box 997 Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 7220100-7228143 Fax: 7245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز، لاہور

Marfat.com

فہرست مندرجات

دیباچہ ۵

حصۂ اول (سوانح وملفوظات)

۱۔ بابا فریدؒ کا روزنامچہ (خواجہ نظام الدین اولیاءؒ/ مترجم: سید ملا محمد واحدی دہلوی) ۷
۲۔ اسرار الاولیاء (بدرالدین اسحاقؒ/ مترجم: عبدالسمیع ضیاء) ۷۷
۳۔ ملفوظات بابا فرید گنج شکر (مترجم: محمد معین الدین دردائی) ۱۱۳
۴۔ گنج اسرار یعنی چراغ فریدی (مترجم: غلام دستگیر نامی سہروردی) ۱۲۳
۵۔ وقائع فریدالدین چشتی معروف بہ گلزار فریدی (پیر محمد حسین) ۱۴۹
۶۔ چراغ الچشت یا احوال المسعود (پیر خادم حسین عمر فریدی) ۲۳۰
۷۔ انوار الفرید المعروف بہ تاریخ فریدی (سید مسلم نظامی)۔ تبصرہ ۳۰۷
۸۔ تذکرۂ فریدیہ (مولوی محمد مشتاق احمد) ۳۱۷
۹۔ ذکر سعید در سیرت بابا فریدؒ (محمد سعید شبلی فرید کوٹی) ۳۴۱
۱۰۔ سوانح عمری شیخ فریدالدین گنج شکر (محمد نثار علی شہرت) ۳۷۸
۱۱۔ سوانح حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ (وحید احمد مسعود) ۴۶۶
۱۲۔ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ (احوال وآثار) (خلیق احمد نظامی/ مترجم: قاضی محمد حفیظ اللہ) ۵۲۷
۱۳۔ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ (جعفر قاسمی/ مترجم: طاہر اسدی) ۵۵۹

حصۂ دوم (مطالعات)

۱۴۔ نسب نامہ حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ (بلدیو سنگھ) ۶۰۴
۱۵۔ بابا فرید گنج شکرؒ شیخ ابراہیم اور فرید ثانی (ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ) ۶۱۰
۱۶۔ حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ (صوفی غلام مصطفیٰ تبسم) ۶۵۵
۱۷۔ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ (مولانا علم الدین سالک) ۶۵۹
۱۸۔ بابا فریدؒ کی مبارک زندگی (نثار احمد فاروقی) ۶۶۶
۱۹۔ حضرت فرید گنج شکرؒ (خواجہ حسن ثانی نظامی) ۶۷۰

Marfat.com

۲۰۔ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کا دور، تعلیمات اور شخصیت (فیروزالدین احمد فریدی) ۶۷۳
۲۱۔ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ (قاضی جاوید) ۶۸۳
۲۲۔ صوفیائے برصغیر اور حضرت بابا صاحبؒ (محمد نسیم عباسی) ۷۰۱
۲۳۔ فلسفہ تکریم انسانیت، معقولیت، فلسفہ کے جدید تصوّرات اور حضرت بابا صاحبؒ کی تعلیمات (محمد مسعود خالد) ۷۱۱
۲۴۔ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کا سال وفات (فیروزالدین احمد فریدی) ۷۳۰
۲۵۔ شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ کے ملفوظات ''راحت القلوب'' کا مطالعہ (مولانا اخلاق حسین دہلوی) ۷۸۰
۲۶۔ شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ کے مجموعہ ملفوظات ''اسرار الاولیاء'' کا مطالعہ (مولانا اخلاق حسین دہلوی) ۸۲۴

Marfat.com

دیباچہ

دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کا ایک ہی دروازہ ہے اور وہ ہے کلمہ شہادت۔ اس دروازے کے دو پٹ ہیں' ایک خالق کائنات اور دوسرے رحمت اللعالمین حضرت محمدؐ۔ یہ دونوں پٹ بیک وقت کھلے ہوں تو اس قریۂ امن و سلامتی یعنی اسلام میں ہر کہ دمہ بآسانی داخل ہوسکتا ہے' بلکہ بعض اہل محبت' جو اپنے سفر حرم پاک کا آغاز مدینہ طیبہ سے کرتے ہیں' پورے یقین سے کہتے ہیں کہ اگر رحمت اللعالمینی کا پٹ کھلا ہو تو دوسرا پٹ بند بھی ہو تو خود بخود وا ہو جاتا ہے۔ یہ محبّ کون ہیں؟ بچشم بینا دیکھا جائے تو یہ وہی نفوس پاک ہیں جو اس محبت کی برکات و فیوضات کو عام کرنے کے لیے اس دنیا میں بھجوائے جاتے ہیں اور عمر بھر اسی ردائے محبت کو پھیلانے میں کوشاں رہتے ہیں تاکہ ہر کوئی اس کے نیچے سکون و عافیت سے زندگی گزار سکے۔ پروردگار کی جانب سے ان ''انعام یافتگان'' کو جو مقصد حیات تفویض ہوا' جب وہ اسے بطریق احسن پورا کر کے اپنے حقیقی مالک کی جانب لوٹتے ہیں تو اس مراجعت کو داغ مفارقت کے بجائے وصال کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے اور جب وہ سرخرو ہو کر بارگاہ ایزدی کے دربار میں پہنچتے ہیں تو اس محبت کے صدقے زمین پر ان کے ظاہری نشان یعنی مزارات بھی منبع نور اور رشد و ہدایت کے مراکز بنا دیے جاتے ہیں' جہاں سے اس جادۂ محبت کے راہرو آسودۂ منزل ہوتے ہیں۔ پروردگار کی انہی برگزیدہ ہستیوں یا اولیائے کرام میں بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی ذات بابرکات بھی شامل ہے' جن کی گروہ محبان رسول اکرمؐ میں ایک امتیازی شان یہ بھی ہے کہ انہوں نے اسلام میں داخلے کے دروازے کے ساتھ ایک ایسا دروازہ بھی نصب فرما دیا جو عامۃ الناس کو بہشت کی نوید دیتا ہے اور خوش کن دائمی زندگی پر ان کے یقین کو استحکام بخشتا ہے۔

برصغیر صدیوں مسلمان حکمرانوں کے زیر نگیں رہا۔ وقفے وقفے سے وہ مسند اقتدار پر براجمان ہوتے رہے اور صفحۂ ہستی پر اپنے عروج و زوال کی داستان رقم کر کے ملک عدم کو سدھار گئے۔ وہ زیادہ تر زمام سلطنت پر اپنی گرفت مضبوط کرنے یا زیر تسلط علاقوں کی حدود کو وسعت دینے میں کوشاں رہے۔ ان کے علاوہ ان کے دیگر مختلف النوع اقدام دیرپا ثابت نہیں ہوئے اور ان کی مثال کسی بڑے پتھر پر مٹی ڈال کر فصل کی بوائی جیسی ہے کہ ایک زور کی بارش اس کا نام و نشان مٹا دے۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو ''ظل سبحانی'' کہلانے والے ان بادشاہوں کا سایہ اپنے گرد و نواح ہی منڈلاتا رہا اور ان کے شاہانہ رعب ودبدبہ سے رعایا کے صرف جسم ہی لرزاں رہے۔ مقام حیرت ہے کہ انہی کے ادوار میں بلاتفریق مذہب و ملت عامۃ الناس کے دلوں پر حکومت کرنے والی ''بوریہ نشین'' برگزیدہ ہستیاں بھی موجود تھیں۔ یہ پاک نفوس اسوۂ حسنہ کے پیروکار' محبت رسولؐ کے سفیر' روحانی راہبروں کے فیض یافتہ' علم و عمل کے زندہ جاوید نمونے' دنیاوی آلائشوں سے پاک و منزہ اور یک مقصدیت کی راہ پر پامردی سے گامزن تھے۔ یہ بھی اپنی اقلیم کے بادشاہ تھے' لیکن انہوں نے لوگوں کے جسم نہیں بلکہ دل فتح کیے' انہیں حقیقی روح اسلام سے روشناس کرایا اور ایسے دربار قائم کیے جو دربار عالی مقام کہلائے۔ رشد و ہدایت اور فیض کے چشمے جاری کیے' جن سے اب تک رہ نوردان شوق' طالبان حقیقت عظمیٰ اور تشنگان راہ سلوک اپنی پیاس

Marfat.com

بکھار رہے ہیں۔ برصغیر کے انہی اولیائے عظام میں بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی ذات والا صفات بھی شامل ہے' جنہوں نے اپنی مقناطیسی شخصیت اور اپنے پروردگار پر کلی اعتماد کے بھروسے جنگل کو منگل بنانے کی مثال قائم کردی۔ مالک حقیقی نے بھی ان کی پُرخلوص محبت و عقیدت کا یہ ثمر دیا کہ ان کے نام کو ابدیت سے نواز دیا۔ انہوں نے لوگوں کے دلوں پر جو حکومت قائم کی' اس کو استحکام بخشا اور روز بروز اس کی حدُود دور دراز علاقوں تک پھیلتی چلی گئیں اور آئندہ بھی توسیع کا یہ عمل جاری و ساری رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

چند سال قبل یہ خیال آیا کہ برصغیر کے ایسے بے تاج بادشاہوں اور حقیقی معنوں میں مبلغین اسلام کی حیات مبارکہ اور ایمان افروز و حیات آفرین تعلیمات پر اردو انگریزی میں ایسی الگ الگ کتابیں ترتیب دی جائیں' جو ان کے معتقدین و محبین کے ساتھ ساتھ عام شائقینِ راہِ طریقت نیز تصوف سے عمومی دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بھی معلومات افزا ثابت ہوں۔ نیز یہ کہ ان میں عصر حاضر کے قارئین کے طرز احساس اور ذوق نظر کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ چنانچہ اس خیال نے جب ایک بڑے منصوبے کی شکل اختیار کرلی تو اس کا آغاز داتا نگری کے فرمانروا حضرت علی الہجویریؒ المعروف بہ داتا گنج بخشؒ کی ذات بابرکات سے ہوا۔ ان کی حیات و تعلیمات پر دونوں کتابوں (انگریزی/اردو) کی تکمیل و اشاعت کے بعد فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی سوانح' تصانیف وغیرہ کی تلاش و جستجو کا عمل شروع ہوا۔ بحمد اللہ ان پر ''باباجی'' کے زیرعنوان انگریزی کتاب منظر عام پر آچکی ہے اور اب اسی سلسلہ کی اردو کتاب پیش خدمت ہے۔ اس میں باباجیؒ کے احوال و آثار پر بعض نایاب و کمیاب تحریریں' ان کی تصانیف (راحت القلوب' اسرار الاولیاء وغیرہ) کے مندرجات اور ان کے استناد کے متعلق تنقیدی و تحقیقی مباحث' شاعرانہ کلام کے ترجمہ و تبصرہ اور دیگر معتبر مضامین کو یکجا کیا گیا ہے۔ عرصہ دراز سے باباجیؒ کی خدمت اقدس میں اہل علم و بصیرت تحریراً نذرانۂ عقیدت پیش کرتے رہے اور یہ سلسلہ ابھی تک زور و شور سے جاری ہے۔[1] کاغذ کی یہ ناؤ طریقت کے اس بحر بیکراں کی رواں دواں لہروں کے سپرد کی جارہی ہے' اس دعا کے ساتھ کہ پروردگار اسے آسودۂ منزل فرمادے۔ آمین۔

دانش نورانی سے متصف سیانوں کا کہنا ہے کہ نیکی وہ جو قبول ہوجائے۔ بصد عقیدت و احترام باباجیؒ کی بارگاہ عالیہ میں اس حقیری کوشش کو قبول فرمانے کی استدعا ہے۔ ان کے اشارۂ قبولیت سے بڑھ کر اور کیا انعام ہوسکتا ہے۔ اس اشارے کا منتظر:

لاہور
۷۔۷۔۲۰۰۷ء

محمد اکرام چغتائی

۱۔ اس بات کا اندازہ ان چند کتابوں کے حوالوں سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے' جو گذشتہ پانچ چھ برسوں میں طبع ہوئی ہیں' مثلاً مقام فرید (از مفتی محمد اقبال کھرل' لاہور ۲۰۰۱ء)' زندگی نامہ بابا فرید گنج شکرؒ (از سید افضل حیدر' اسلام آباد' ۲۰۰۱ء)' کلام بابا فرید مع اردو ترجمہ (از محمد یونس حسرت' لاہور ۲۰۰۴ء)' فرید' نانک' بلّھا (مرتبہ آدم بٹ' لاہور ۲۰۰۵ء)' معارف فریدیہ (تعارف و ترجمہ ظہور احمد اظہر' لاہور ۲۰۰۵ء)' کلام فرید کا انگریزی ترجمہ (از مقصود ثاقب و فائزہ رعنا' لاہور' ۲۰۰۵ء)' انوار الفرید (سید مسلم نظامی دہلوی' طبع مکرر۔ لاہور' ۲۰۰۶ء)' معارف اولیاء (لاہور' بابا فرید گنج شکر نمبر' ۲۰۰۶ء) وغیرہ وغیرہ۔

Marfat.com

خواجہ نظام الدین اولیاء

مترجم: سید ملا محمد واحدی دہلوی

بابا فریدؒ کا روزنامچہ

خواجہ حسن نظامی کا پہلا دیباچہ

''راحت القلوب'' مشہور ملفوظ ہے جس کو حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلویؒ نے اپنے شیخ طریقت سے حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی زبان مبارک سے سن کر جمع کیا تھا اور جو طبقہ صوفیا میں عموماً اور سلسلہ نظامیہ میں خصوصاً نہایت مقبول کتاب ہے۔

یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور اس کا اصلی لطف فارسی ہی میں حاصل ہوسکتا ہے۔ مگر آج کل فارسی زبان کے جاننے والے بہت کم رہ گئے ہیں' اردو کا رواج بڑھتا جاتا ہے اور دینی اور دنیاوی کتابیں اب اردو ہی میں لکھی جاتی ہیں۔ نیز عربی فارسی کی جس قدر کتابیں ہیں' وقت کی ضرورت کا خیال کر کے لوگ ان کے ترجمے شائع کر رہے ہیں۔ اگرچہ میں ملفوظات صوفیہ کے تراجم کا طرفدار نہیں ہوں کیونکہ میرا خیال ہے کہ ترجمے میں ملفوظات کی اصلی شان اور برکت و تاثیر باقی نہیں رہتی۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ اب ملک میں اردو زبان کے بغیر بزرگوں کے خیالات پھیل نہیں سکتے۔ مجبوراً اپنی رائے کو بدل لیا ہے اور ضروری کتب تصوف و ملفوظات صوفیہ کے ترجمے شائع کرنا چاہتا ہوں۔

حلقہ نظام المشائخ کا یہ پہلا مقصد ہے کہ علم تصوف کی حفاظت و اشاعت کی جائے۔ پس علم تصوف کا دور جدید کی نسلوں میں پھیلانا بغیر اس کے ناممکن ہے کہ تصوف کی کتابیں اردو انگریزی میں ترجمے کر کے شائع کی جائیں۔ لہٰذا سب سے پہلے ''راحت القلوب'' جیسے پُرسوز و گداز ملفوظ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

میرے لئے اور تمام محبان تصوف کے لئے یہ معلوم کرنا باعث مسرت و شادمانی ہوگا کہ یہ ترجمہ ایک انگریزی خواں و انگریزی داں نوجوان نے کیا ہے جو طبقہ مشائخ کی خدمت گزاری کے سبب گروہ صوفیہ میں معقول شہرت رکھتے ہیں اور جنہوں نے معلومات درویشی حاصل کرنے اور فقراء کی خادمی کے لئے اپنی زندگی قربان کر دی ہے یعنی سید محمد ارتضٰی واحدی عرف ملا محمد الواحدی جنہوں نے محض خدمت مشائخ کے خیال سے رسالہ ''نظام المشائخ'' جاری کیا اور عنقریب ہفتہ وار اخبار ''درویش'' جاری کرنا چاہتے ہیں۔ ''راحت القلوب'' کے ترجمے پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ واحدی صاحب ترجمے جیسے مشکل اور دشوار مرحلے میں آسانی سے کامیاب ہوئے ہیں۔ ترجمے میں انہوں نے الفاظ کی رعایت بھی رکھی ہے تاکہ لفظی اثر فوت نہ ہو جائے اور عبارت کی صفائی اور سلاست کو بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ان دونوں باتوں کا نباہنا آسان بات نہیں۔ جو لوگ اس فن سے واقف ہیں' وہی ترجمے کی مشکلات کو جانتے ہیں۔

واحدی صاحب نے جب سے حلقہ نظام المشائخ کی کارکنی اختیار کی ہے' برابر عربی زبان حاصل کر رہے ہیں اور

Marfat.com

اب اس قابل ہو گئے ہیں کہ عربی کا ترجمہ بھی کر لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتاب ''الاخلاق'' کا ترجمہ شروع کر دیا تھا اور چاہتے تھے کہ اول یہی کتاب شائع ہو۔ مگر میں نے پہلے ''راحت القلوب'' کے ترجمے کی جانب توجہ کرنے کی رائے دی، جس کو انہوں نے قبول کیا۔

امید ہے کہ یہ ترجمہ بہت فائدہ مند ثابت ہو گا اور نئی روشنی کے لوگوں کو ساڑھے چھ سو برس پہلے کا زمانہ نظر آ جائے گا اور وہ دیکھیں گے کہ اگلے وقت کے بزرگوں کی محفلوں میں کیا چرچے رہا کرتے تھے اور آج کل کے مشائخ کی صحبتوں میں کیا افسانے ہوتے ہیں۔

کتاب میں بعض مضامین ایسے بھی آئیں گے جو آج کل کے تخیل اور مذاق کے خلاف معلوم ہوں گے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ ان مضامین کی نسبت زبان طعن دراز کی جائے، مناسب ہے کہ ان کی اچھی تاویل نکال کر دل کو سمجھا لیا جائے۔ ورنہ اندیشہ ہے کہ سیکڑوں مفید باتوں کی تاثیر کو وہ باتیں جو بظاہر خلاف قیاس معلوم ہوتی ہیں، برباد کر دیں گی۔

حسن نظامی۔ ۷ مئی ۱۹۱۱ء

حسن نظامی کا دوسرا دیباچہ

مذکورہ بالا دیباچہ مئی ۱۹۱۱ء میں کتاب ''بزم فرید'' کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد یہ کتاب دوبارہ نہیں چھپی اور عرصہ دراز سے نایاب تھی۔ نہ میرے پاس اس کا کوئی نسخہ تھا نہ واحدی صاحب کے پاس باقی رہا تھا۔ آخر ملا واحدی صاحب نے اس کو اپنے دفتر میں تلاش کیا تو ایک نسخہ مل گیا اور انہوں نے مجھے اپنی یہ کتاب ''منادی'' میں شائع کرنے کی اجازت دے دی اور اب میں اس کو حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے روزنامچے کے نام سے ''منادی'' میں شائع کرنا شروع کرتا ہوں۔ تاکہ وہ لوگ جو بزرگوں کے حالات اور مجلسوں کی کیفیت اور اولیاء اللہ کے الفاظ و ملفوظات سے بے اعتقاد ہیں یا بے التفات ہیں یا بے خبر ہیں، ان کو مجبوراً یہ حالات پڑھنے پڑیں۔

میں جانتا ہوں کہ پونے سات سو برس پرانے زمانے کے یہ حالات ہیں اور اس وقت مشائخ اور اولیاء اللہ کی مجلسوں میں جن باتوں کے چرچے رہتے تھے، اُن کو آج کل کے زمانے میں خلاف عقل یا غیر ضروری یا توہمات پیدا کرنے والا کہا جاتا ہے۔ تاہم ''منادی'' کے ناظرین کی اکثریت کا خیال رکھتا ہوں جو ایسی چیزوں کی بہت قدردان ہے۔

مجھے یہ لکھنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بیگم نواب ولی الدولہ بہادر مرحوم اور نواب ظہیر یار جنگ بہادر امیر پائگاہ حیدر آباد دکن اور نواب حسن یار جنگ بہادر اور نواب مظفر نواز جنگ بہادر اور نواب فرید نواز جنگ بہادر اور نواب نذیر نواز جنگ بہادر وغیرہ امراء پائگاہ کے اس ذوق کو مدنظر رکھ کر یہ سلسلہ ''منادی'' میں شائع کیا جاتا ہے جو ان سب کو اپنے دادا حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے حالات و ملفوظات کی اشاعت سے ہے اور جو اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ حیدر آباد دکن میں ان کا عروج و اقبال بہت کچھ حضرت بابا صاحب کے فیضان روح و تصرفات باطن کے اثر سے ہے۔

Marfat.com

حضرت بابا صاحب کی کرامت

ناظرین کو ۳۲ سال پرانے دیباچے میں میرے یہ الفاظ غور سے پڑھنے چاہئیں کہ یہ ترجمہ ایک انگریزی خواں و انگریزی داں نوجوان نے کیا ہے جو طبقہ مشائخ کی خدمت گزاری کے سبب گروہ صوفیا میں معقول شہرت رکھتے ہیں اور جنہوں نے معلومات درویشی حاصل کرنے اور فقراء کی خادمی کے لئے اپنی زندگی قربان کردی ہے۔

اب ۳۲ سال کے بعد میں ملا واحدی صاحب کے حالات کا مختصر تذکرہ شائع کرنا چاہتا ہوں جس سے ظاہر ہوگا کہ انہوں نے اپنی ابتدائی زندگی میں جو نیکی شروع کی تھی یعنی بزم فرید کتاب ترجمہ کرکے شائع کی تھی' اس کا اجر خدا نے ان کو یہ دیا کہ وہ ۳۲ برس سے آج تک دہلی کے ہندوؤں میں اور مسلمانوں میں اور سکھوں میں اور حکومت کے افسروں میں نیک نام اور ہر دل عزیز ہیں اور ان کی دانشمندی اور دیانت داری اور خدمت خلق کی سارے صوبے میں بہت بڑی دھاک اور شہرت ہے۔ انہوں نے ۱۹۰۸ء میں میرے ساتھ مل کر ماہوار رسالہ ''نظام المشائخ'' جاری کیا تھا جو آج تک جاری ہے۔ اس کے علاوہ ''طبیب'' و ''خطیب'' و ''انقلاب'' و ''درویش'' اخبارات جاری کئے تھے اور اب بھی وہ ''بیداری'' اور ''ادیب'' دہلی کے ایڈیٹر ہیں اور نو سال سے میونسپل کمیٹی کے ممبر بھی ہیں اور ابھی حال میں حکومت دہلی نے ان کو راشننگ افسر مقرر کیا ہے۔

میرا اعتقاد ہے کہ یہ سب چیزیں خاص کر یہ بات کہ ان کا دل اللہ کی طرف اور دیانتداری کی طرف اور خدمت خلق کی طرف راغب اور مائل ہے' یہ سب کچھ حضرت شیخ شیوخ العالم بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی روحانی برکت اور کرامت کی تاثیرات ہیں اور مجھے یقین ہے کہ جو لوگ اس روزنامچے کو خلوص واعتقاد سے پڑھیں گے اللہ تعالیٰ ان کو بھی دین و دنیا کی بہت سی نعمتیں عطا فرمائے گا۔

حسن نظامی۔ نومبر ۱۹۴۵ء ☆

☆ خواجہ عابد نظامی نے ''راحت القلوب'' کی اردو کو آسان اور سلیس پیرائے میں شائع کرایا تھا ۱۹۸۴ء (مرتب)

Marfat.com

روزنامچہ حضرت بابا صاحبؒ

۶۵۵ ہجری رجب کی پندرہ تاریخ چہار شنبے کے دن مسلمانوں کے دعا گو اور سلطان الطریقت (حضرت بابا صاحب) کے ایک مرید بندے نظام الدین احمد بدایونی (یعنی حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ) کو (جوان ملفوظات کے مؤلف ہیں۔ مترجم) دولت پائے بوسی حضرت سید العابدین (بابا صاحب) حاصل ہوئی۔ حضرت بابا صاحب نے کلاہ چار ترکی جو اس وقت ان کے سر مبارک پر تھی اتار کر اپنے ہاتھ میں لی اور دعا گو کے سر پر رکھ دی اور خرقہ خاص اور چوبی نعلین (یعنی کھڑاویں) عطا فرمائیں۔ الحمدللہ علی ذلک۔

نیز ارشاد کیا کہ میں ہندوستان کی ولایت کسی دوسرے کو دینی چاہتا تھا مگر تم راستے میں تھے اور دل میں ندا ہوئی کہ صبر سے کام لیا جائے۔ نظام الدین احمد بدایونی پہنچتا ہے۔ یہ ولایت اس کی ہے اس کو دینا۔ یہ دعا گو یہ کلمات سن کر کھڑا ہو گیا اور اشتیاق زیارت کی بابت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر حضور شیخ الاسلام کی اتنی دہشت طاری ہوئی کہ کہہ نہ سکا۔ حضرت شیخ الاسلام نے حالت معلوم کر لی اور فوراً یہ الفاظ ان کی زبان مبارک پر آئے کہ بیشک تمہارے دل میں اشتیاق تھا اور یہ بھی فرمایا کہ ''ہر داخل ہونے والے کے لئے دہشت ہوتی ہے۔''

سلسلہ گفتگو یہاں تک پہنچا تھا کہ دعا گو کو خیال پیدا ہوا کہ اب شیخ الاسلام سے جو کچھ سنوں گا' لکھ لیا کروں گا۔ یہ خیال ابھی پختہ نہ ہوا تھا کہ حضرت نے فرمایا وہ مرید نہایت خوش نصیب ہے جو اپنے پیر کے الفاظ گوش ہوش سے سنتا اور انہیں لکھ لیتا ہے۔ چنانچہ ''ابرار الاولیاء'' میں مرقوم ہے کہ جو مرید اپنے پیر کے ملفوظات سن کر لکھ لیتا ہے' اسے ہر ہر حرف کے بدلے ہزار ہزار سال کی طاعت کا ثواب ملتا ہے اور مرنے کے بعد اس کا مقام علیین میں بنایا جاتا ہے۔ اسی وقت یہ مثنوی بھی پڑھی:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اور فرمایا کہ انسان کی ہر وقت یہ حالت رہنی چاہیے کیونکہ ایسے شخص پر کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں آواز نہ آتی ہو کہ ''زندہ دل وہ ہے جس میں ہماری محبت کو برابر ترقی ہوتی رہے۔'' ابتداء میں گفتگو درویشی پر ہو رہی تھی (پھر اسی کی سلسلہ جنبانی ہوئی) ارشاد کیا درویشی پردہ پوشی کا نام ہے اور خرقہ پہننا اس شخص کا کام ہے جو بھائی مسلمانوں اور دوسرے انسانوں کے عیبوں کو چھپائے اور انہیں کسی پر ظاہر نہ کرے۔ مال دنیا میں سے اس کے پاس جو کچھ آئے' اسے راہ خدا میں صرف کرے اور جائز مصرف میں اٹھائے۔ خود اس میں سے ایک ذرے پر نظر نہ رکھے۔ پھر فرمایا کہ اصحاب طریقت اور مشائخ کبار نے اپنی بیاضوں میں لکھا ہے کہ زکوٰۃ کی تین قسمیں ہیں۔ اول زکوٰۃ شریعت' دوسری زکوٰۃ طریقت اور تیسری زکوٰۃ حقیقت۔ زکوٰۃ شریعت یہ ہے کہ اگر چالیس درم پاس ہوں تو ان میں سے پانچ درم راہ خدا میں دے دے۔ اور زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ چالیس میں سے پانچ درم اپنے پاس رکھے اور باقی کل راہ حق میں دے دے۔ اور زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ چالیس میں سے پانچ بھی اپنے لئے نہ رکھے اور سب اس کی راہ میں لگا دے۔ اس لئے کہ درویشی خود فروشی ہے۔ اسی سلسلے

Marfat.com

میں یہ حکایت بھی فرمائی کہ میں شیخ شہاب الدین سہروردی (قدس اللہ سرہ العزیز) کو دیکھا ہے اور کچھ دن ان کی خدمت میں بھی رہا ہوں۔ ایک دن ان کی خانقاہ میں قریباً ایک ہزار دینار بطور فتوح آئے۔ انہوں نے کل راہ مولیٰ میں لٹا دیئے اور شام تک ایک پیسہ بھی اپنے لئے نہ رکھا۔ اور فرمایا کہ اگر میں اس میں سے کچھ اپنے لئے رکھ لیتا تو درویش نہ رہتا۔ بلکہ درویش مالدار کا لقب پاتا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ درویشی کے معنی قناعت ہیں۔ درویش کے پاس جو کچھ آئے اسی پر چون وچرانہ کرے کیونکہ میں نے اولیاء اللہ کے حالات میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک دفعہ مالک دینارؒ کسی درویش سے ملنے کے لئے گئے۔ درویش اور مالک دینار میں سلوک کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں۔ درویش نے دو جو کی روٹیاں نکالیں اور سامنے رکھ دیں۔ وہ روٹیاں بالکل پھیکی تھیں۔ حضرت مالک دینار نے کہا کہ اگر ان میں نمک پڑا ہوتا تو اچھا تھا۔ درویش موصوف کی ایک لڑکی تھی۔ اس نے مالک دینار کا یہ جملہ سنا تو فوراً برتن گروکر کے بنئے کی دکان سے کچھ نمک لے آئی اور دونوں بزرگوں کے آگے رکھ دیا۔ کھانے کے بعد مالک دینار نے کہا ''اس کو قناعت کہتے ہیں۔'' درویش کی لڑکی نے زمین چومی اور کہا اے خواجہ! اگر تم میں قناعت ہوتی تو میرا برتن بنئے کے ہاں گرو نہ کراتے۔ اے مالک دینار! یہ قناعت نہیں ہے جو تم سمجھے ہوئے ہو۔ ہمارا حال سنو۔ آج سترہ سال گزر گئے ہم نے اپنے نفس کو نمک نہیں دیا ہے۔ درویشی تم سے بہت دور ہے۔ اس کے بعد یہ رباعی زبان مبارک پر آئی:

چوں عمر در گذشت درویشی بہ — چوں کار بقسمت است کم کوشی بہ
چوں ترس حیات است نمد پوشی بہ — چوں گفتہ نوشت است خاموشی بہ

اورا بھی خبر نہیں ہے کہ درویشوں کے سروں پر کیسے کیسے آرے چلتے ہیں۔

پھر گفتگو خرقے پر ہونے لگی۔ ارشاد ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات خرقہ ملا تھا۔ جب حضورؐ معراج سے واپس آ گئے تو حضورؐ نے تمام صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کو طلب فرمایا اور کہا کہ اس خرقے کی بابت مجھے اللہ کا حکم ہے کہ تم میں سے ایک کو دے دوں۔ اب میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں۔ جو اس کا جواب باصواب دے گا وہ اس کا مستحق ٹھہرے گا۔ اول (حضرت) ابوبکر صدیقؓ کی طرف رخ کیا اور فرمایا اے ابابکر! اگر یہ خرقہ میں تمہیں دے دوں تو کیا بات اختیار کرو گے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! صدق وصفا اور طاعت خدا اختیار کروں گا۔ پھر امیر المومنین (حضرت) عمر بن خطابؓ سے خطاب کیا اور کہا کہ اگر تمہیں دوں تو تم کیا اختیار کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ! میں عدل و انصاف اختیار کروں گا اور مظلوموں کی دادرسی کروں گا۔ پھر امیر المومنین حضرت عثمانؓ کا نمبر آیا۔ انہوں نے جواب دیا میں آپس کے مشورے سے کام کرنا اختیار کروں گا' حیا کروں گا اور سخاوت سے کام لوں گا۔ آخر میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مخاطب کیا اور پوچھا کہ علی! اگر یہ خرقہ تمہیں دیا جائے تو تم کیا کرو؟ انہوں نے کہا پردہ پوشی کیا کروں گا اور بندگان خدا ان کے عیبوں کو چھپایا کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' لے لو علی یہ خرقہ تم ہی کو دیتا ہوں۔ رب العزت کا مجھے فرمان تھا کہ تمہارے دوستوں میں سے جو شخص یہ جواب دے خرقہ اسے ہی دینا'' یہاں تک کہہ کر شیخ الاسلام چشم پُر آب ہو گئے اور رونے لگے اور بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب دوبارہ ہوش میں آئے تو فرمایا ''معلوم ہوا کہ درویشی پردہ پوشی ہے۔ لہٰذا درویش کو چاہیے کہ یہ چار باتیں اختیار کر لے۔ اول آنکھیں اندھی کر لے تا کہ لوگوں کے معائب نہ دیکھ سکے۔

Marfat.com

دوسرے کان بہرے کر لے تا کہ فضول اور لغو باتیں سننے سے بچ جائے۔ تیسرے زبان گونگی کر لے تا کہ ناحق بکواس سے پاک رہے۔ چوتھے پیر توڑ کر بیٹھ جائے تا کہ ناجائز جگہ نہ جا سکے۔ پس اگر کسی میں یہ خصلتیں پائی جائیں تو بلاشک اس کو درویش تسلیم کرنا چاہیے ورنہ حاشا وکلا مدعی جھوٹا ہے اور درویشی کی کسی چیز سے تعلق نہیں رکھتا۔ اسی گفتگو میں ارشاد ہوا کہ شیخ شہاب الدین سہروردی (قدس سرہ العزیز) چالیس سال تک آنکھیں باندھے رہے۔ سبب پوچھا گیا تو کہنے لگے۔ اس لئے کہ لوگوں کے عیب نہ دیکھوں اور اتفاق سے دیکھ لوں تو چھپاؤں اور کسی سے نہ کہوں۔ اتنا بیان کر کے شیخ الاسلام مراقبے میں چلے گئے اور بہت دیر تک اس حالت میں رہنے کے بعد سر اٹھا کر دعا گو کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمانے لگے۔ بابا نظام الدین! جب درویش ایسا ہو جائے تب وہ درویش ہے۔ پھر جو کچھ وہ کہے گا اور چاہے گا ہو جائے گا۔ اس وقت شیخ الاسلام کو رقت ہونے لگی۔ محمد شاہ نامی ایک حاضر باش آیا اور زمین بوس ہوا۔ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا۔ محمد شاہ بہت پریشان تھا۔ اس کے بھائی پر نزع کی حالت طاری تھی۔ حضرت شیخ الاسلام کو حالت معلوم ہوگئی۔ پوچھا متفکر کیوں ہو؟ عرض کیا بھائی کی وجہ سے۔ آپ پر سب روشن ہے۔ فرمایا جاؤ تمہارا بھائی اچھا ہو گیا۔ محمد شاہ گھر گیا اور دیکھا کہ بھائی کو صحت کلی ہوگئی اور وہ بیٹھا کھانا کھا رہا ہے اس طرح جیسے کبھی بیمار تھا ہی نہیں۔ اسی جلسے میں ارشاد فرمایا کہ درویشی یہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھی کہ صبح سے دوپہر تک اور دوپہر سے شام تک جو کچھ آتا' سب راہ خدا میں صرف کر دیتے تھے۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ اکثر اپنے خطبوں میں کہا کرتے تھے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے شام تک کسی چیز کو سینت کر رکھا ہو۔

اس کے بعد مولانا سید بدر الدین اسحٰق نے پوچھا کہ اسراف کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی حد کیا ہے؟ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ جو کچھ بے سوچے سمجھے اور خلاف رضائے خدا خرچ ہو' وہ کل اسراف ہے اور جو رضائے الٰہی کے موافق ہو' وہ اسراف نہیں ہے۔ حضرت شیخ الاسلام اتنا کہنے پائے تھے کہ اذان ہوئی۔ حضرت نے نماز پڑھی اور مراقبے میں مشغول ہو گئے۔ الحمد للہ علی ذلک۔

۱۶ شعبان روز پنج شنبہ ۶۵۵ھ

آج دولت پائے بوسی میسر آئی۔ شیخ بدر الدین غزنوی' شیخ جمال الدین ہانسوی' مولانا شرف الدین نبیہ' قاضی حمید الدین ناگوری (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) وغیرہ بھی حاضر تھے۔ ارشاد ہوا امیر غریب' درویش مسکین' کوئی آئے اسے خالی پیٹ مت جانے دو۔ کچھ نہ کچھ دے دو تا کہ وہ درویش صفت بن جائے۔ فرمایا کہ میرے پاس جو آتا ہے خواہ وہ امیر ہو یا غریب اور خواہ وہ کچھ لائے یا نہ لائے' مجھے لازم ہو جاتا ہے کہ اسے کچھ دوں۔ اس کے بعد شیخ الاسلام چشم پُر آب ہو گئے اور یہ حکایت فرمانے لگے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو صحابہ طلب علم اور احکام شرع کے سیکھنے کو آیا کرتے تھے' وہ بعد میں وہی باتیں دوسروں کو سنا دیا کرتے تھے تا کہ وہ بھی ان سے مستفید ہو جائیں۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نے فرمایا کہ عمدۃ الابرار تاج الاتقیاء حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہ العزیز کا قاعدہ تھا کہ جس دن ان کے لنگر خانے میں کوئی چیز نہ ہوتی تو شیخ بدر الدین غزنوی خادم خانقاہ سے کہہ دیا کرتے کہ پانی رکھ دو اور جو آئے اسے وہی

Marfat.com

دوتا کہ بخشش وعطا سے کوئی محروم نہ جائے۔ بعدازاں اسی سلسلے میں فرمایا کہ جس زمانے میں میں سفر بغداد کررہا تھا شیخ اجل سنجریؒ سے ملاقات ہوگئی۔ بزرگ اور باہیبت شخص تھے۔ میں ان کے جماعت خانے میں گیا اور سلام بجالایا۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میری طرف دیکھ کر بولے ''آؤ شکر عالم خوب آئے۔ بیٹھو'' میں بیٹھ گیا۔ وہ میرے فوراً حکم پر بیٹھ جانے سے بہت خوش ہوئے۔ میں ان کی خدمت میں کئی دن تک رہا۔ لیکن ایک دفعہ بھی نہ دیکھا کہ کوئی ان کی خانقاہ سے محروم گیا ہو۔ اگر کچھ نہ ہوتا تو سوکھے چھوارے ہی ہاتھ پر رکھ دیتے اور دعا کرتے کہ خدا تعالیٰ تیرے رزق میں برکت دے۔ شہر کے لوگ کہا کرتے تھے کہ جس کو شیخ نے کھجور دی، وہ عمر بھر کسی کا محتاج نہ ہوا۔

پھر اسی سلسلے میں ارشاد ہوا کہ جب میں وہاں سے رخصت ہو گیا تو ایک اور درویش بغداد کے باہر ایک غار میں ملے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے جواب سلام دے کر کہا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ یہ درویش اس قدر کمزور اور لاغر تھے کہ بس ہڈی سے چمڑا لگ رہا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اس جنگل میں انہیں کھانے کو کہاں سے ملتا ہوگا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ بزرگ موصوف نے سر اٹھایا اور بولے ''اے فرید! آج چالیس سال گزر گئے کہ اس غار میں رہتا ہوں اور گھانس پات سے پیٹ بھرتا ہوں۔'' جب یہ حال دیکھا تو میں نے اپنا سر ان کے قدموں پر رکھ دیا۔ کچھ دن اور ان کی صحبت میں گزرے پھر روانہ ہوا کہ بخارا میں شیخ شرف الدین باخرزی کے پاس پہنچا۔ یہ بڑے باعظمت و پُرہیبت بزرگ تھے۔ جب میں سامنے حاضر ہوا اور زمیں بوسی کر چکا تو فرمایا ''بیٹھ جاؤ'' میں بیٹھ گیا۔ جتنی دفعہ میری طرف دیکھا برابر ارشاد کرتے رہے کہ ''یہ شخص اپنے زمانے کے مشائخ میں ہوگا اور ایک عالم اس کا مرید و کیرو بنے گا'' اس وقت ایک کالا کمبل حضرت کے کندھے پر پڑا ہوا تھا۔ اسے میری طرف پھینکا اور حکم کیا کہ ''اوڑھ لو'' میں نے تعمیل کی۔ کئی دن حاضر خدمت رہا۔ مگر کبھی ایسا نہ ہوا کہ ہزار بلکہ اس سے زیادہ آدمیوں نے حضرت کے دسترخوان پر کھانا نہ کھایا ہو۔ کھانا ہو چکنے کے بعد بھی اگر کوئی آتا تو خالی نہ جاتا۔ کچھ نہ کچھ ضرور پاتا۔ بالآخر میں حضرت سے بھی رخصت ہوا اور ایک مسجد میں شب باش ہوا۔ صبح سنا کہ وہاں ایک صومعہ ہے۔ اس میں بھی ایک درویش رہتے ہیں۔ پہنچا۔ وہ جلال دیکھا کہ اب تک کسی بزرگ میں نظر نہ آیا تھا۔ نگاہ آسمان کی طرف تھی اور عالم تفکر میں خاموش کھڑے تھے۔ تین چار دن کے بعد ہوش میں آئے۔ میں نے سلام کیا۔ جواب دیا اور فرمایا۔ آپ کو میری وجہ سے تکلیف اٹھانی پڑی۔ بیٹھیے۔ میں بیٹھ گیا۔ ارشاد ہوا کہ ''میں شمس العارفین کا نواسہ ہوں۔ آج تیس سال ہوئے کہ اس صومعے میں معتکف ہوں۔ لیکن اے فرید! اتنے طویل زمانے میں مجھے سوائے حیرت اور دہشت کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ سمجھتے ہو اس کی وجہ کیا ہے؟'' دعا گو نے گردن جھکائی تاکہ وہی کچھ فرمائیں۔ ارشاد ہوا کہ یہ صراط مستقیم (راہ راست) ہے۔ جس نے اس میں سچائی سے قدم رکھا وہ تو پار ہو گیا۔ مگر جو ذرا خلاف مرضی دوست چلا وہ جلا دیا گیا۔ اس کے بعد اپنا حال بیان کیا کہ ''اے فرید! جس دن سے مجھے درمولیٰ میں باریابی ہوئی ہے ستر ہزار حجاب (میرے اور ان کے درمیان) تھے۔ فرمان ہوا کہ اندر آؤ۔ پہلا حجاب ہٹا تو مقربان درگاہ دکھائی دیئے کہ نگاہ اوپر کیے اپنی اپنی شان میں کھڑے ہیں (ایسی شان میں کہ جسے سوائے خدائے عزوجل کے کوئی نہیں سمجھ سکتا) اور زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ خدایا! تیرے دیدار کا اشتیاق ہے۔ اسی طرح تمام حجابات کو طے کیا۔ ہر جگہ نئے آثار اور نئی شانیں دیکھیں۔ جب پردۂ خاص کے قریب پہنچا تو آواز آئی کہ اے فلاں اس میں صرف وہی آسکتا ہے جو دنیا اور تمام موجودات دنیا بلکہ

Marfat.com

اپنی ذات سے بھی بیگانہ ہو جائے۔ میں نے عرض کی۔ میں سب کو چھوڑ چکا۔ جواب ملا سب کو چھوڑ چکے تو بس ہمارے ہو گئے۔ آنکھ جو کھولی تو اسی صومعے میں تھا۔ تو اے فرید! اس راستے میں سب کو چھوڑے تو حق کا یگانہ بنے۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نے فرمایا کہ رات آ گئی۔ شام کی نماز انہی بزرگ کے ساتھ پڑھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دیکھا کہ دو پیالے آش جو کے اور چار روٹیاں غیب سے ان کے سامنے آ گئیں۔ مجھے اشارہ کیا کہ اندر آ ؤ۔ میں گیا اور کھانے بیٹھ گیا۔ جو لطف ان روٹیوں اور آش کے پیالوں میں آیا آج تک کسی کھانے میں نصیب نہیں ہوا۔ خیر رات بھی وہیں بسر کی۔ صبح جو اٹھا تو ان بزرگ کا پتہ نہ تھا۔ چلا آیا اور ملتان پہنچا۔ اپنے بھائی بہاء الدین زکریا سے ملا اور مصافحہ کیا۔ وہ پوچھنے لگے کہو کہاں تک پہنچے؟ کیا حاصل کیا؟ میں نے کہا کہ اس کرسی کو جس پر تم بیٹھے ہو' کہوں تو ہوا میں اڑنے لگے۔ ابھی یہ جملہ زبان سے نہ نکلا تھا کہ کرسی معلق ہو گئی۔ بہاء الدین زکریا نے کرسی پر ہاتھ مارا اور نیچے اتر آئے اور فرمانے لگے مولانا فرید! تم تو خوب ہو گئے۔ یہاں سے میں دہلی گیا اور شیخ الاسلام قطب الدین بخت یار اوشی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جو بات کہیں نہ دیکھی تھی وہ یہاں پائی۔ اپنے میں ان کے دامن سے وابستہ کر دیا اور بیعت سے مشرف ہوا۔ تین دن تک میرے پیر مجھے نعمت پر نعمت بخشتے رہے۔ اس کے بعد فرمانے لگے کہ مولانا فرید نے اپنا کام پورا کر لیا۔ پھر میرے قریب آئے اور کلام ختم کرتے ہی نعرہ مار کر بیہوش ہو گئے اور گر پڑے۔ یک شبانہ روز اسی حالت میں رہے۔ جب ہوش آیا تو دعا گو سے مخاطب ہوئے اور فرمانے لگے۔ مردان خدا ایسے ایسے مرحلے طے کر کے اس مقام کو پہنچتے ہیں۔ یہ سعادت سب لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے۔ خدا کا فیض عام ہے لیکن مرد ہونا چاہیے جو منزل پر پہنچنے کی کوشش کرتا رہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا اے بھائی! اس راہ میں جب تک صدق سے قدم نہ رکھے اور دل نہ جلے' حاشا و کلا کبھی مقام قرب تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس وقت یہ اشعار زبان مبارک پر آئے:

تو راہ نرفتہ ازاں نمودند	ورنے کہ زدایں درگہ برونکشودند
جاں در رہ دلہاست اگر میخواہی	تو نیز چناں بشو کہ ایشاں بودند

اور پھر کھڑے ہو گئے۔ نماز کا وقت آ گیا۔ عالم تحیر میں مشغول ہو گئے۔ یہ دعا گو اور تمام لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ **الحمد للّٰہ علی ذلک۔**

۲۰ شعبان دوشنبہ ۶۵۵ھ

دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ مولانا ناصح الدین پسر قاضی حمید الدین ناگوری ناگور سے آئے ہوئے تھے اور مولانا شمس الدین برہان بھی حاضر خدمت تھے۔ گفتگو دنیا کے بارے میں ہو رہی تھی۔ حضرت نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: **حب الدنیا راس کل خطیئة** یعنی دنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے۔ پھر ارشاد ہوا: **قال اھل المعرفة من ترک الدنیا ملک و من اخذھا ھلک**۔ اہل معرفت نے کہا ہے جس نے دنیا کو چھوڑ دیا وہ اس پر حاوی ہو گیا اور جس نے اسے اختیار کر لیا وہ مارا گیا۔

شیخ عبداللہ تستری کہتے ہیں کہ مولیٰ اور بندے کے درمیان دنیا سے بڑھ کر کوئی حجاب نہیں۔ جس قدر انسان دنیا

میں مشغول ہوتا ہے اسی قدر حق سے دور رہتا ہے۔ اگر انسان چاہے کہ پشت کا حال معلوم کرنے لگے تو سامنے پردہ ڈال لے۔ غرضیکہ ہر وقت دنیا میں منہمک رہنا ٹھیک نہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز سے سنا ہے اور اپنے استاد کے حوالے سے روایت فرماتے تھے کہ جب تک بندہ بذریعہ صیقل محبت اپنے آئینہ قلب کو زنگار دنیا سے پاک وصاف نہیں کرتا اور ذکر حق تعالیٰ سے دل نہیں لگاتا اور غیر کو درمیان سے نہیں ہٹاتا اس وقت تک خدا تعالیٰ کو ہرگز نہیں پاتا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ''تحفۃ العارفین'' میں خواجہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ اصل صلاحیت دل سے ہے۔ جب دل راستی پر آ گیا تو انسان خود بخود درست ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ دل کے لئے بھی زندگی وموت ہے اور دونوں کی علیحدہ علیحدہ صورت ہے۔ کلام اللہ میں ہے: او من کان میتاً یعنی دنیا میں زیادہ مشغول رہنے سے دل مرجاتا ہے۔ فاحیاہ بذکر المولیٰ پس زندہ کرتے ہیں اسے ذکر مولیٰ سے۔ پھر فرمایا کہ جب دنیا کی لذتوں اور خواہشوں اور کھانے پینے میں مشغول ہو جاتا ہے تو غفلت اور خرابی اس پر اثر کرتی ہے اور ہوا و حرص اس پر غالب آ جاتی ہے۔ غیر اللہ کا فکر و اندیشہ دل کو سیاہ کر دیتا ہے اور جب دل سیاہ ہو گیا تو اس کی موت ہے۔ جس طرح وہ زمین جس میں خس وخاشاک کی زیادتی ہو اور جو بیج کو قبول نہ کرے' مردہ کہلاتی ہے۔ اسی طرح وہ دل جس سے خدا کا ذکر نکل گیا ہو اور جس پر دیو و پری نے غلبہ پالیا ہو' اس انقلاب کے سبب مردہ کہلاتا ہے۔ برخلاف اس کے جب تعلق دنیا دل سے جاتا رہتا ہے اور ہوائے نفس نابود ہو جاتی ہے اور بندہ ذکر و شغل کرتا ہے تو دل زندہ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا ''عمدہ'' میں حضرت جنید بغدادی نے بھی لکھا ہے کہ اصل اس راہ میں صلاحیت قلب ہے اور یہ صلاحیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان مذمومات دنیا' جیسے غل وغش' حسد و کبر' حرص' بخل' چھوڑ دیتا ہے۔ ان سے بچنا دل کو طہارت کراتا ہے۔ درویشوں کے یہی کام ہے اور جو ہر درویشی انہی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس کے بعد شیخ الاسلام چشم پُر آب ہو گئے اور فرمانے لگے جو درویش دنیا میں مصروف رہتا ہو اور جاہ و رفعت کا طلب گار ہو سمجھ لو کہ وہ درویش نہیں بلکہ طریقت کا مرتد ہے۔ کیونکہ فقر نام اسی کا ہے کہ دنیا سے اعراض کیا جائے۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ ایک دفعہ میں بغداد میں خواجہ اجل سنجری کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں اس وقت درویشوں کی گفتگو ہو رہی تھی۔ خواجہ اجل سنجری نے فرمایا ''عمدہ'' میں خواجہ جنید تحریر کرتے ہیں کہ درویش کے لئے مذہب فقر میں یہ حرام ہے کہ وہ اہل دنیا سے ملت رکھے یا بادشاہوں اور سلطانوں کے پاس آئے جائے۔

ارشاد ہوا کہ ''حدائق'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ عراق نے جو تین سال سے کسی مرض میں مبتلا تھا خواجہ شہاب تستری کو استعانت کے لئے طلب کیا۔ وہ تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی پاک دعا سے اسے شفا دے دی۔ مگر اس ایک ساعت کے بدلے جو بادشاہ کی صحبت میں گزری تھی' وہ سات سال تک خلقت سے عزلت گزیں رہے۔ پھر ارشاد کیا مشائخ طریقت نے اس باب میں فرمایا ہے: صحبۃ الاغنیاء للفقراء سم قاتل امیروں کی ہم نشینی فقیروں کے لئے زہر قاتل ہے۔ پس حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ جس قدر تونگر لوگوں سے بچو گے اسی قدر خدا سے نزدیکی ہوتی جائے گی۔ چونکہ محبت دنیا امراء لوگوں کے دلوں میں استوار ہوتی ہے اس لئے ان کی صحبت سے نقصان پہنچتا ہے۔ تقرب

Marfat.com

اور طریقت یہ ہے کہ درویش کے دل میں دنیا اور اہل دنیا کی دوستی کا ذرہ بھی اثر نہ ہو۔ فقیر کے نزدیک تمام خلق اللہ برابر و یکساں ہے۔

اس کے بعد ذکر پر گفتگو شروع ہوئی۔ حضرت نے فرمایا ''درویش کو ذکر میں ایسا محو ہونا چاہیے کہ اس کے بدن کا رونگٹا رونگٹا زبان بن جائے۔'' چنانچہ کتاب ''اسرار العارفین'' میں میں نے دیکھا ہے کہ ایک دفعہ خواجہ ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ العزیز نہایت حضور باطن سے ذکر میں مصروف تھے کہ حضرت کے ہر رونگٹے سے خون کے فوارے جاری ہو گئے۔ کسی گھر والے نے حضرت کے برابر لکڑی کا ایک برتن رکھ دیا۔ جب وہ خون سے بھر جاتا تو حضرت اس کو پی لیتے۔

یہ کہہ کر شیخ الاسلام نے دعا گو سے خطاب فرمایا کہ اصل چیز اس راہ میں حضوری قلب ہے اور یہ حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ لقمہ حرام سے پرہیز اور اہل دنیا سے اجتناب نہ کیا جائے۔ مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کوئی لقمہ حرام اور مجلس ملوک و اہل دنیا سے پرہیز نہ کرے تو اس کو گلیم پہنانے کی اجازت نہیں کیونکہ یہ انبیاء (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کا لباس رہا ہے اور تمام ابدال و اوتاد و زہاد نے اس کو اوڑھا ہے۔ گلیم کی قدر موسیٰ کلیم اللہ جانتے ہیں۔ آدم صفی اللہ جانتے ہیں۔ ابراہیم خلیل اللہ جانتے ہیں۔ محمد حبیب اللہ جانتے ہیں۔

پھر فرمایا شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرہ العزیز کا بیان ہے کہ میں خواجہ مودود چشتیؒ کی خدمت میں دس سال تک حاضر رہا۔ میں نے کبھی نہ دیکھا کہ حضور کسی بادشاہ یا امیر کے گھر گئے ہوں۔ حضرت ہی کا قول ہے کہ جو درویش کسی بادشاہ یا امیر کے در پر چلا جائے' اس سے گلیم اور تمام اسباب درویشی چھین لینا چاہیے اور کہہ دینا چاہیے کہ درویشی کا نام لینا موقوف کرے۔ اگر نہ مانے تو اس کے جامہ و گلیم کو آگ میں جلا دو کیونکہ جو فقیر اہل دنیا میں جاتا اور ان میں مل جل کر بیٹھتا ہے' وہ درویش نہیں۔ مدعی کذاب ہے۔ میں نے بعض اہل طریقت کو دیکھا ہے کہ جب انہیں کوئی حاجت یا مصیبت پیش آئی انہوں نے گلیم اتار کر علیحدہ رکھ دیا۔ اس کے بعد گلے میں زنجیر ڈال کر حق تعالیٰ سے مناجات شروع کی۔ مہم طے ہوگئی۔

پھر شیخ الاسلام نے مجھ کو مخاطب کیا اور فرمایا جو بالوں کا جامہ پہنے اُسے چرب و شیریں کھانا نہ کھانا چاہیے اور نہ اہل دنیا میں خلط ملط ہونا چاہیے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا وہ اولیاء کے لباس کا خائن ہے۔

اس کے بعد ارشاد کیا ''میں نے ''آثار العارفین'' میں دیکھا ہے کہ خواجہ ذوالنون مصری کا کوئی درویش مرید بادشاہ کے ہاں بہت آمد و رفت رکھتا تھا۔ خواجہ صاحب نے اسے بلوایا اور اس سے لباس فقر لے کر آگ میں ڈال دیا اور بہت غضبناک ہو کر فرمایا۔ اولیاء و انبیاء کے لباس کو خبیثوں میں دکھاتا پھرتا ہے اور پھر ارادہ ہے کہ اسی سے خدا کے سامنے جائے۔

پھر فرمایا'' کہتے ہیں امام مالکؒ تین کپڑے پہنا کرتے تھے۔ جب نماز کا وقت آتا تو اوپر کا اور نیچے کا لباس اتار دیتے اور بیچ کے کپڑوں سے عبادت الٰہی ادا کرتے۔ کسی نے سبب پوچھا۔ فرمایا ''اوپر کے پیراہن میں خلق کی نظر پڑنے کے سبب ریا و رسم کا شائبہ پیدا ہو گیا ہے اور اندر کے لباس میں حرص و حسد اور غل و غش کی بو آتی ہے۔ بیچ کے کپڑے ان دونوں باتوں سے پاک ہیں۔ اسی لئے انہی سے نماز پڑھنی پسند کرتا ہوں۔'' اس کے بعد شیخ چشم پُر آب ہو گئے اور بولے

Marfat.com

متقدمین کا یہ حال تھا جب منزل مقصود پر پہنچتے نماز کا وقت آ گیا تھا شیخ اس میں مشغول ہو گئے اور سب اٹھ کھڑے ہوئے۔
الحمد للہ علیٰ ذلک۔

اسی ماہ اور اسی سنہ کی ۲۷ تاریخ کو پھر سعادت پائے بوسی نصیب ہوئی۔ شیخ جمال الدین متوکل، شمس دبیر، شیخ نجم الدین اور کئی عزیز حاضر تھے۔

شب معراج اور اس کی فضیلت پر بحث چھڑی۔ حضرت نے فرمایا ''راتوں میں سب سے افضل رات ۲۷ رجب کی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر پہنچے۔ جو شخص اس شب کو بیدار رہے۔ بس اس کے لئے بھی وہ شب معراج ہے۔ اسے بھی سعادت معراج حاصل ہوگئی اور اس کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا گیا۔''

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ''ایک دفعہ میں نے بغداد کا سفر کیا۔ جب شہر میں پہنچا تو میں نے ہر شخص سے وہاں کے بزرگوں اور ان کے ٹھکانوں کا پتہ پوچھنا شروع کیا۔ آخر ایک درویش کا پتہ لگا کہ وہ دجلے کے کنارے رہتے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ ٹھہر گیا اور ان کی فراغت کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے آداب عرض کیا۔ اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ گیا۔ ایسا باعظمت و باہیبت چہرہ تھا کہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ چودھویں رات کے چاند کی طرح تاباں۔ دریافت فرمایا کہاں سے آتے ہو؟ عرض کی اجودھن سے۔ فرمایا جو درویش کے پاس ارادت سے آئے گا وہ کبھی نہ کبھی بزرگ ہوگا۔ یہ جملہ سن کر میں نے سر جھکا لیا۔ فرمانے لگے مولانا فرید! میں پچاس سال سے غار میں مقیم ہوں۔ خار و خاشاک غذا ہے اور بندہ خواجہ جنید بغدادی کی اولاد سے ہے۔ کل ماہ رجب کی ۲۷ تاریخ تھی۔ میں رات بھر جاگتا رہا۔ اگر سنو تو اس رات کی کیفیت بیان کروں۔ میں نے نہایت ادب سے عرض کی ''فرمایئے۔'' کہا تیس سال گزر گئے میں نہیں جانتا کہ رات کہاں آتی ہے۔ میرا پہلو زمین پر نہیں ٹکا۔ لیکن کل شب مصلے پر لیٹ کر سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ ستر ہزار مقرب فرشتے زمین پر آئے اور میری روح کو اوپر لے گئے۔ جب آسمان اول پر پہنچا تو دیکھا کہ فرشتے کھڑے ہیں اور ایک طرف نگاہ جمائے یہ پڑھ رہے ہیں: سبحان ذی الملک والملکوت۔ ندا آئی کہ جس دن سے یہ پیدا ہوئے ان کی یہی تسبیح ہے۔ بعدازاں میری روح آگے بڑھائی گئی اور آسمان دوم پر پہنچی۔ پھر تیسرے پر پھر چوتھے پر پھر پانچویں پر وغیرہ۔ جہاں گیا خدائے تعالیٰ عزوجل کی قدرت کے عجیب عجیب تماشے دیکھے کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ جب عرش سامنے آیا تو حکم ہوا بس ٹھہر جاؤ۔ جملہ اولیاء و انبیاء حاضر تھے۔ اپنے جد امجد حضرت جنید کو دیکھا کہ سر جھکائے بالکل خاموش کھڑے ہیں۔ آواز آئی ''اے فلاں'' میں نے کہا ''لبیک اے بار خدایا!'' فرمایا ''شاباش تو نے عبادت کا حق خوب ادا کیا۔ اب تیری محنت کا صلہ یہ ہے کہ تجھے علیین میں جگہ دی جاتی ہے۔'' میں بے حد خوش ہو کر سجدے میں گر پڑا۔ ارشاد ہوا ''سر اٹھاؤ'' میں نے سر اٹھایا اور عرض کیا ''کچھ آگے بڑھ سکتا ہوں؟'' جواب ملا ''بس ابھی تمہاری معراج یہیں تک تھی۔ اگر اپنے کام میں اور ترقی کرو گے تو یہاں بھی تمہارا درجہ بڑھ جائے گا۔ تم سے جو کامل تر ہیں ان کی حجاب عظمت تک رسائی ہے۔'' یہ سن کر میں نے خواجہ جنید کی طرف رخ کیا اور اپنے سر کو ان کے قدموں پر رکھ دیا۔ دیکھتا کیا ہوں وہ خود سر بسجود ہیں۔ میں نے پوچھا کہ ''اے جد من یہ کیا ماجرا ہے؟'' کہا ''جب تیری یہاں بلاؤ ہوئی تو میں اس فکر میں پڑ گیا کہ کہیں کچھ میرے خلاف تو عمل میں نہیں آنے والا۔ مجھے گمان تھا کہ تجھ سے کوئی

Marfat.com

تقصیر ہوئی ہے۔ اور میں اس کے سبب شرمندہ کیا جاؤں گا کہ نبیسۂ جنید نے ایسا کیا۔"

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ پس اے فرید! جو شخص خدا کا کام کرتا ہے خدا اس کے کام بنا دیتا ہے۔ اس لئے چاہیے کہ انسان اپنے فرائض کی ادائیگی میں ہمت سے بڑھ کر منہمک ہو۔ اور فرمایا جو شخص شب زندہ دار ہے اسے یہ سعادت حاصل ہو سکتی ہے۔

یہ دعا گو کچھ دن تک ان بزرگ کی ملازمت میں رہا۔ وہ نماز عشاء کے بعد نوافل پڑھنے لگتے تھے اور ایسے پاؤں باندھ کر کھڑے ہوتے کہ صبح ہو جاتی۔

اس کے بعد شیخ الاسلام نے فرمایا کہ اس شب میں سو رکعتیں آئی ہیں۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ اخلاص پانچ بار، اور اختتام نماز پر سو دفعہ درود شریف۔ اب جو دعا مانگی جائے گی قبول ہوگی انشاءاللہ تعالیٰ۔

پھر ارشاد ہوا کہ میں نے شیخ معین الدین سنجری سے سنا ہے کہتے تھے کہ یہ شب شبِ رحمت ہے۔ جو اس میں جاگتا ہے نعمتہائے خداوندی سے محروم نہیں رہتا۔ بعد ازاں کہا رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس رات ستر ہزار فرشتے نور سے بھرے ہوئے طباق لے کر آسمان سے زمین پر آتے ہیں اور ہر ہر گھر میں گھس کر جو بیدار ہوتا ہے اس پر انہیں ڈال دیتے ہیں۔ شیخ الاسلام یہ بات کہہ کر چشم پُر آب ہو گئے اور فرمانے لگے کہ "نہ معلوم لوگ کیوں ان نعمتوں کو حاصل نہیں کرتے اور خدا کی عبادت سے غافل رہتے ہیں۔" یہی گفتگو جاری تھی کہ شیخ بدرالدین غزنوی چھ درویشوں کو ساتھ لئے ہوئے آئے اور اظہار آداب کرنے لگے۔ حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔

سماع کی بحث

سماع پر بحث چھڑ گئی۔ سب چپ تھے۔ شیخ جمال الدین ہانسوی نے فرمایا کہ "سماع دلوں کے لئے موجب راحت ہے۔ اس سے اہل محبت کو جو دریائے آشنائی میں تیرتے رہتے ہیں، جنبش و حرکت ہوتی ہے۔" شیخ الاسلام نے جواب دیا "بیشک عاشقوں کی رسم یہی ہے کہ جب محبوب کا نام سنتے ہیں مزہ لیتے ہیں۔" اس پر شیخ بدرالدین غزنوی نے عرض کی کہ "حضرت! سماع والوں پر بیہوشی کیوں طاری ہو جاتی ہے؟" شیخ الاسلام نے فرمایا "جس دن سے وہ ندائے الست بربکم سن کر بیہوش ہوئے ہیں، سرور و بیہوشی ان کے خمیر میں ڈال دی گئی ہے۔ اس لئے آج بھی جب ان کے کان مین کوئی اچھی آواز آتی ہے وہ مست ہو جاتے ہیں۔" شمس دبیر نے سجدۂ تعظیم بجالا کر پوچھا کہ "حضور ندائے الست بربکم کے وقت تمام روحیں ایک جگہ تھیں یا علیحدہ علیحدہ؟" فرمایا "سب ایک جگہ۔" سوال ہوا "پھر یہ ہندو، یہودی، آتش پرست وغیرہ کیسے بن گئے؟" شیخ الاسلام نے ارشاد کیا "امام غزالی لکھتے ہیں کہ جب حضرت حق نے ندائے الست بربکم بلند کی تو تمام روحیں برابر برابر تھیں۔ لیکن اس کے سنتے ہی چار صفیں ہو گئیں۔ پہلی صف نے دل و زبان دونوں سے کہا "بلیٰ" یعنی بیشک تو ہمارا پروردگار ہے اور فوراً سجدے میں گر پڑی۔ اس میں انبیاء و اولیاء صدیقین اور صالحین تھے۔ دوسری طرف کے دل نے تسلیم کیا مگر زبان سے نہ نکلا۔ لیکن سجدہ اس نے بھی دیا۔ یہ وہ ہیں جن کی پیدائش کفار میں ہوئی۔ مگر خاتمہ ایمان و اسلام کے ساتھ۔ تیسرے گروہ نے زبان سے کہہ دیا مگر ان کے دل کو قبول نہ ہوا۔ سجدہ کر گئے مگر پھر پچھتائے کہ یہ

Marfat.com

کیا جہالت کی۔ یہ مسلمان پیدا ہوئے اور کافر مرے عیاذا باللّٰہ منہا۔ چوتھی صف نے نہ دل سے کہا نہ زبان سے اور سجدے میں بھی نہیں شریک ہوئے۔ یہ اول و آخر شرف اقرار سے محروم رہے۔'' جب شیخ الاسلام یہاں تک بیان کر چکے تو پھر پہلی بحث شروع ہوئی۔ فرمایا کہ سماع میں جو لوگ بیہوش ہو جایا کرتے ہیں یہ وہی ہیں جو ندائے الست بربکم سن کر بیہوش ہو گئے تھے۔ وہی چیز ان میں اب تک موجود ہے۔ جب دوست کا نام سنتے ہیں تو حیرت و ذوق و بیہوشی کا ظہور ہونے لگتا ہے اور یہ سب معرفت کی باتیں ہیں۔ یعنی جب تک دوست کی شناخت نہ ہو جائے۔ خواہ ہزار سال عبادت کرتا رہے اس میں لطف نہیں آئے گا۔ کیونکہ اسے معلوم ہی نہیں کہ میں طاعت کس کی کر رہا ہوں۔ اور طاعت کا مقصود یہی ہے کہ جو اہل سلوک و اہل عشق کہہ گئے ہیں۔ کلام مجید میں ہے: ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون۔ اس کے معنی امام زاہد لکھتے ہیں کہ ''نہیں پیدا کیا جن و انس کو مگر اس واسطے کہ وہ بندگی کریں۔'' اہل سلوک کا قول ہے کہ: لیعبدون ای لیعرفون یعنی عبادت کرنے کے لئے یا معرفت کے لئے کیونکہ جب تک معرفت نہ ہو گی لطف عبادت کیا ملے گا۔ عشق مجازی میں دیکھ لو۔ جب تک کوئی کسی کو دیکھتا نہیں عاشق نہیں ہوتا اور عاشق ہونے کے بعد محبوب کے متعلقین کی مدد کے بغیر محبوب تک رسائی نہیں ہوتی۔ اسی طرح حقیقت و طریقت کا حال ہے کہ جب تک خدائے عز و جل کو نہیں پہچانتا اور اس کے اولیاء سے دوستی نہیں کرتا یعنی اپنے آپ کو ان کے پلے سے نہیں باندھ دیتا طاعت و عبادت میں کیفیت نہیں پاتا۔'' اس کے بعد شیخ الاسلام ذکرہ اللہ بالخیر نے فرمایا ندائے الست بربکم سے مراد یہی شناخت دوست ہے۔ یکا یک محمد شاہ نامی حضرت اوحد کرمانی کے سامنے گانے والا ایک قوال بھی اپنی ٹولی کے ساتھ آ گیا۔ شیخ جمال الدین ہانسوی اور شیخ بدر الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہا حاضر تھے۔ حضرت نے قوالوں سے فرمایا کچھ سناؤ۔ انہوں نے گانا شروع کیا۔ شیخ الاسلام کھڑے ہو گئے اور رقص کرنے لگے۔ ایک دن رات یہی حالت طاری رہی۔ نماز کے وقت نماز پڑھ لیتے اور پھر سماع میں آ جاتے۔ غزل یہ تھی:

ملامت کردن اندر عاشقی است — ملامت کسے کند آں کس کہ بیناست
نہ ہر تر دامنے را عشق زیبد — نشان عاشقی از دور پیدا ست
نظامی ناتوانی پارسا باش — کہ نور پارسائی شمع دلہاست

ہوشیار ہوئے تو سلوک پر گفتگو چھڑ گئی۔ فرمایا اہل سماع وہ لوگ ہیں جن پر حالت تحیر و استغراق میں اگر سو ہزار تلواریں چلائی جاتیں تو بھی انہیں مطلق خبر نہ ہو۔ جس وقت انسان دوست کی محبت میں محو ہوتا ہے اسے دنیا و مافیہا کی سوجھ نہیں رہتی۔ کوئی آئے کوئی جائے وہ نہیں جانتا کہ کیا ہوا۔

اس کے بعد چند درویشوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کی کہ ہم مسافر ہیں جانا چاہتے ہیں۔ مگر خرچ نہیں ہے۔ شیخ الاسلام کے سامنے کچھ خستہ کھجوریں رکھی تھیں۔ وہی اٹھا کر درویشوں کو دے دیں اور کہا جاؤ۔ جب درویش باہر آئے۔ انہوں نے آپس میں کہنا شروع کیا کہ ان خستہ کھجوروں کو کیا کریں۔ لاؤ یہیں پھینک چلیں پھر جو دیکھا تو وہ کھجوریں نہیں تھیں اشرفیاں تھیں۔ موذن نے اذان دی۔ خواجہ نماز میں مشغول ہوئے اور میں سب کے ساتھ رخصت ہو کر چلا آیا۔

Marfat.com

۹ شعبان ۶۵۵ھ روز پنجشنبہ
رسم مقراض رانی

دولت قدمبوسی حاصل ہوئی۔ شیخ جمال الدین ہانسوی حاضر خدمت تھے اور بال کترنے پر بحث ہو رہی تھی۔ ارشاد ہوا میں نے ''سیر العارفین'' میں پڑھا ہے کہ جب کوئی مسلمان چاہے کہ کسی پیر کا مرید ہو تو اول غسل کرے اور اگر بن سکے تو رات بھر جاگے اور اپنی بھلائی کے لئے حضرت حق میں ملتجی رہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو خیر جمعرات کے دن چاشت کے وقت یا دوشنبے کو سہی۔ سب دوستوں اور عزیزوں کو جمع کرے۔ پیر کے پاس جائے۔ پھر پیر قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور دو رکعت استخارہ پڑھے۔ اس کے بعد مرید کو سامنے بٹھا کر آیات متبرکہ پڑھے اور اس پر پھونکے اور مرید سے استغفار کرائے اور مستقبل قبلہ بٹھا کر قینچی ہاتھ میں لے اور تین مرتبہ باآواز تکبیر کہے۔ قینچی چلانے کے متعلق مشائخ میں اختلاف ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ تکبیر پڑھتے وقت نفس امارہ کی طرف متوجہ ہو اور سمجھے کہ آج اس سے جنگ کرنی ہے۔ بالکل وہی حالت ہو جیسی ایک غازی لشکر اسلام کی لڑائی کے وقت ہونی چاہیے (تکبیر بالجبر سے مدد کے لئے فرشتے اتر آتے ہیں) پھر لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم پڑھے اور کوئی وسوسہ نہ آنے دے۔ تیسری تکبیر سے فارغ ہو کر ایک بار کلمہ توحید اور بیس دفعہ درود شریف اور ایک دفعہ استغفار پڑھے۔ جب سب کچھ ہو چکے تو ایک بال مرید کی پیشانی سے لے لے اور کہے ''بادشاہوں کے بادشاہ! تیری درگاہ سے بھاگا ہوا غلام پھر تیرے حضور میں آیا ہے اور چاہتا ہے کہ تیری عبادت کرے اور جو کچھ ماسوا ہے اس سے بیگانہ ہو جائے۔ اس کے بعد ایک بال پیشانی کی دائیں طرف سے اور ایک بائیں طرف سے کترے۔''

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ صرف ایک بال پیشانی سے لے لے' زیادہ کی ضرورت نہیں۔ حسن بصری امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک ہی بال لینا بہتر ہے۔ حضرت علی اہل صفہ کے خلیفہ ہیں اور یہ حدیث ان کی شان میں آئی ہے: انا مدینۃ العلم و علی بابھا۔ اس کے بعد دعا گو نے عرض کی کہ حضور یہ قینچی چلانے کی رسم کہاں سے پیدا ہوئی؟ فرمایا مہتر ابراہیم علیہ السلام سے۔ صلوات اللہ علیہ وعلی نبینا اور انہیں تلقین کیا تھا' جبرئیل علیہ السلام نے۔ پھر اسی کے متعلق ارشاد فرمایا۔ ایک دن حبیب عجمی اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما دونوں بیٹھے ہوئے تھے' کوئی شخص آیا اور بولا۔ میں فلاں فلاں کا مرید ہوں۔ آپ نے پوچھا تمہارے پیر نے تمہیں کیا تعلیم دی ہے؟ اس نے کہا میرے پیر نے بال تو کترے تھے باقی تعلیم وغیرہ کچھ نہیں دی۔ دونوں بزرگوں نے چلا کر کہا: ھو مضل و ضال یعنی وہ خود بھی گمراہ ہے اوروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ اس واقعے سے معلوم ہوا کہ ''پیر کو چاہیے کہ مرید کرنے سے پہلے مرید کو جانچ لے۔''

اس کے بعد شیخ الاسلام نے تمام حاضرین سے خطاب کیا کہ شیخ ایسا ہونا چاہیے کہ جب کوئی اس کے پاس بہ نیت ارادت آئے تو نظر نور معرفت سے ارادتمند کے سینے کو صیقل دے دے تاکہ اس میں کسی قسم کی کدورت باقی نہ رہے اور مانند آئینے کے روشن ہو جائے۔ اگر یہ قوت نہیں ہے تو مرید نہ کرے۔ کیونکہ اس سے بیچارے گمراہ کو کیا حاصل ہوگا۔

Marfat.com

نفس امارہ لوّامہ اور مطمئنہ

ارشاد ہوا جب کسی پیر یا صاحب ولایت کی مریدی کی خواہش کرے تو چاہیے کہ پہلے اس کے نفوس ثلاثہ کی حرکات وسکنات پر غور کرے اور دیکھے کہ کہیں وہ پوشیدہ طور پر نفس امارہ کے قبضے میں تو نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الخ۔ پھر نفس لوامہ پر توجہ کرے کہ کہیں اس میں تو مبتلا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولا اقسم بالنفس اللوامۃ۔ اس کے بعد نفس مطمئنہ پر نظر ڈالے: قال اللّٰہ تعالیٰ یا ایھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ۔ پھر قلب کو دیکھے کہ وہ بھی سلیم ہے یا نہیں۔ ان سب مرحلوں سے فارغ ہو کر اپنے ضمیر کو روشن کرے اور ہاتھ دے دے۔

اگر کوئی شخص سنت اہل سلوک کے مطابقت مقراض رانی اور مقراض گھری نہیں جانتا وہ گمراہ ہے اور اس غریب کو بھی ضلالت میں ڈالتا ہے جو اس کا مرید ہوتا ہے۔ یہ جملہ کہہ کر شیخ الاسلام چشم پُر آب ہو گئے اور فرمانے لگے جس دن بشر حافی نے توبہ کی تھی اس روز کا قصہ ہے کہ آپ پشیمان ہوتے ہوئے خواجہ جنید بغدادی کی خدمت میں آئے اور ان کے ہاتھ پر تائب ہوئے۔ حضرت نے رسم مقراض اور خرقہ آپ کو تعلیم کی۔ اس کے بعد بشر حافی چلے آئے اور جتنے زمانے تک جئے برہنہ پا رہے۔ پوچھنے والے نے پوچھا خواجہ جوتی کیوں نہیں پہنتے؟ فرمایا میری مجال نہیں کہ بادشاہوں کے فرش پر جوتی پہن کر پھروں۔ ایک تو سبب یہ ہے۔ دوسرا بھی سن لیجئے۔ جس دن خدائے عز وجل سے معاملہ کیا ہے اس روز ننگے پیر تھا۔ اس لئے اب جوتی پہنتے ہوئے شرم آتی ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ اہل سلوک کا قول ہے کہ جو شیخ مریدوں کو قانون مذہب وسنت جماعت پر نہیں چلاتا اور اپنی حالت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے موافق نہیں رکھتا' وہ رہزن ہے۔ دھوئیں سے آگ کا پتہ چلتا ہے اور مرید سے پیر کا۔ یہ جو بیسیوں آدمی گمراہی میں پڑے دکھائی دیتے ہیں' پس اس کی وجہ کیا ہے کہ ان کو پیر کامل نہیں ملے۔ مقراض کا معاملہ ایک الٰہی رمز ہے۔ جس کا انکشاف کسی پر نہ ہوا۔ اگرچہ بعضوں نے مطلب برآری کی ہے کہ اس قینچی سے بندے اور مولیٰ کے درمیان جو پردے ہوتے ہیں وہ کٹ جاتے ہیں۔ پھر فرمایا مومن کے دل کی درگاہ خداوندی میں بڑی قدر و منزلت ہے لیکن لوگ اس کی اصلاح نہیں کرتے۔ یقیناً وہ ضلالت اور گمراہی میں ہیں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قلب المومن عرش اللہ تعالیٰ۔ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہوتا ہے۔ بعد ازاں ارشاد کیا کہ جس درویش کے آگے ابھی حجاب کے ستر پردے پڑے ہوئے ہوں جس تک ذرا سی روشنی نہ پہنچی ہو۔ جو مقراض اور خرقے کا علم نہ رکھتا ہو وہ اگر چاہے کہ لوگ اس کے مرید ہوں تو سمجھو گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔ درویش کو عالم اور صاحب قوت ہونا چاہیے تاکہ مقراض چلانے اور خرقہ دینے میں اس سے کوئی فعل خلاف سنت و جماعت نہ سرزد ہو جائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ شفیق بلخیؒ ''دلیل الشافی'' میں لکھتے ہیں جو فقیر خلق سے علیحدہ نہ رہتا ہو جان لو کہ وہ خدا سے دور ہے۔ کیونکہ عوام کی صحبت فقیر کے لئے خالی از مضرت نہیں۔ اس سے سالک مولیٰ کے راستے میں پیچھے رہ جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے ''سلک سلوک'' مصنفہ خواجہ بایزید بسطامی میں پڑھا ہے کہ سالک راہ طریقت کو چاہیے کہ بے ضرورت گھر سے نہ نکلے اور لوگوں میں زیادہ نشست برخاست نہ رکھے۔ ہاں مجلس علماء میں جائے مگر وہاں بھی فضول گفتگو نہ کرے۔ پھر دیکھئے کہ اسکی عبادت

Marfat.com

کیا رنگ لاتی ہے اور اس کا ضمیر کس قدر روشن و منور ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جب پیر مرید کے سر پر قینچی چلائے تو پہلے مرید کو نہلوا دے اور پھر اس کے منہ میں اپنے ہاتھ سے کچھ شیرینی دے اور تین دفعہ کہے کہ اے خدا!! اپنے بندے کو اپنی طلب میں پُر لطف ذوق بخش۔ اس کے بعد اگر خلوت مناسب سمجھے تو خلوت کرے ورنہ سکوت و ارادت کی تعلیم دے۔

بعد ازاں ارشاد ہوا کہ ''اسرار العارفین'' میں لکھا ہے کہ خلوت بعض کے نزدیک چالیس دن کی ہونی چاہیے اور بعض کے نزدیک ستر دن کی۔ اور بعض کے نزدیک ننانوے دن کی۔ لیکن ننانوے دن کی خلوت معتبر ہے۔ جو شیخ عبداللہ تستری سے مروی ہے۔ مگر طبقہ جنیدیہ میں بارہ سال آئے ہیں اور طبقہ بصیریہ میں بیس سال۔ ریاضت سے مطلب یہ ہے کہ نفس امارہ مغلوب ہو اور گوشہ نشینی سے مراد یہ کہ سگ نفس کو محبوس کیا جائے۔ بہت سے مشائخ کے نزدیک مراقبہ کرنا ہی سلوک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تنہائی میں سوائے مراقب ہونے کے کچھ نہ کرو۔ عزلت نشینی کے وقت سر کو کپڑے سے ڈھک لینا چاہیے تا کہ اس کی برکت سے اس میں روشنی پیدا ہو جائے۔ خرقہ انہی کاموں کے لئے دیا جاتا ہے۔

تلقین ذکر

بعض مشائخ نے کہا ہے مثلاً خواجہ فضیل عیاض و خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہما کہ پیر کو لازم ہے کہ اول اپنی ٹوپی مرید کے سر پر رکھ دے۔ پھر اس کے بعد تلقین ذکر کرے۔ ذکر تین ہیں: اول لا الـه الا اللـه۔ دوم سبحـان اللـه والحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر۔ سوئم یا حی یا قیوم۔

اگر پہلا ذکر اختیار کیا جائے تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ نو دفعہ لا الـہ الا اللہ کہے اور دسویں دفعہ محمد رسول اللہ۔ پھر اکیس دفعہ سبحان اللہ پڑھے۔ بعد ازاں تیس دفعہ یا حی یا قیوم۔ لیکن یہ سب اس طرح پڑھنا چاہیے کہ حاضرین بھی سنیں اور ذوق حاصل کریں۔ لیکن ایسا چیخ کر نہیں کہ دوسرے گھروں تک آواز جائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ طبقہ جنیدیہ میں بارہ دفعہ کا حکم ہے اور میں بھی اس سے متفق ہوں۔ پھر ارشاد ہوا کہ ''ذکر اس شان میں کرنا چاہیے کہ بدن کا رونگٹا رونگٹا زبان کا کام دے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام جب ذکر کرتے تھے تو ایسے بے خود ہو جاتے تھے کہ صحرا کی طرف منہ کر لیتے اور غلبات شوق سے چلا چلا کر پکارتے کہ ''اے وہ جو مکان سے منزہ اور پاک ہے' چل میرا دل تیرے ذکر سے پُر ہو گیا۔ اگر سوائے تیرے نام کے کوئی لفظ میری زبان سے نکلے تو میں مر جاؤں۔''

بعد ازاں فرمایا کہ ''خواجہ یوسف چشتیؒ نے ''شرح الاسرار'' میں لکھا ہے کہ حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ شیخ و مرید کی مثال دایہ اور بچے کی سی ہے۔ جس طرح بچہ کوئی بدخوئی کی حرکت کرتا ہے تو دایہ اسے دوسرے اچھے کاموں میں مشغول کر کے خوش دل اور نیک بنانے کی سعی کرتی ہے۔ اسی طرح پیر بھی مرید سے کبھی ذکر کراتا ہے اور کبھی قرآن پڑھواتا ہے تا کہ کہیں اس کا دل کسی خراب بات کی طرف نہ لگ جائے۔'' اس کے بعد فرمایا ''ہاں یہ بھی ارشاد ہے کہ فقیر کو اہل دنیا کے ساتھ زیادہ خلا ملا نہ ہو۔ ان سے بہت صحبت نہ رکھے' کیونکہ ان کی صحبت سے فقیر کا دل پریشان ہو جاتا ہے۔ کوئی چیز درویش کے لئے تونگروں کی صحبت سے بڑھ کر مضر نہیں۔ فقیر کے دین و دنیا گوشے ہی میں ٹھیک ہوتے ہیں۔'' پھر فرمایا

٤٩١٥١

Marfat.com

کہ بس پیرومرید کی یہ کیفیت ہونی چاہیے جو اس وقت بیان کی گئی۔ اگر کسی کو ایسا شیخ کامل نہ ملے جس کی کتب اہل سلوک پر نظر ہو یا جو پورے طور سے بزرگان سلف کی اتباع نہ کرسکتا ہو تو سوچ سمجھ کر مرید ہونا چاہیے۔

پھر فرمایا کہ شیخ پر واجب ہے کہ مرید کو وصیت کرے کہ وہ بادشاہوں اور امیروں کی صحبت سے بچے اور طالب شہرت وثروت نہ بنے۔ زیادہ گوئی سے احتراز کرے اور بے حاجت کہیں نہ جائے۔ کیونکہ یہ سب باتیں دنیاوالوں کی ہیں اور حب دنیا کل خطاؤں کی جڑ ہے۔ حب الدنیا راس کل خطیئة۔ پھر فرمایا کہ سجادے کو ضرورت بے ضرورت نہ چھوڑنا چاہیے کیونکہ اصحاب طریقت کہہ گئے ہیں کہ جب کوئی شخص روز روز طلب دنیا میں پھرتا ہے تو اسے علم حلال وحرام نہیں رہتا اور اگر کوئی صوفی سلوک وسجادے کو چھوڑ کر کوچہ وبازار کا چکر لگاتا ہے تو وہ بھی کھوکھلا ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ابوبکر شبلی فرماتے ہیں کہ راہ قبول پر چلنے والے کی علامت یہ ہے کہ جس طرح ہو جمعے کی شب کو جاگ کر گزارے اور اس میں ذکر یا تلاوت یا نماز خوانی کرتا ہے لیکن نماز پڑھنی افضل ہے کیونکہ ارشاد ہے الصلوٰۃ معراج المومنین۔ اس کے بعد فرمایا کہ اہل سلوک کا قول ہے کہ اصل سلوک ریاضت اور ثمرۂ ارادت ہے۔ اس لئے بندے کو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے ہمنشینی اغنیاء وملوک سے محترز رہے اور نفسانی خواہشات کو مارے اور صالحین کی صحبت اختیار کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: صحبة الصلحین نور و رحمة للعلمین۔ الحمد للّٰہ علیٰ ذلک۔

۱۱ شعبان ۶۵۵ھ

استغراق وبے خودی

دولت پائے بوسی نصیب ہوئی۔ ان لوگوں کا تذکرہ جاری تھا جو نماز میں مشغول ہوتے ہیں تو بہ سبب استغراق خود کو بھی بھول جاتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا جب میں غزنی میں مسافر تھا تو میں نے چند درویشوں کو دیکھا کہ بے حد ذاکرو شاغل تھے۔ شب کو انہیں کے پاس قیام کیا۔ صبح نزدیک کے ایک حوض پر وضو کرنے گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ وہاں ایک اور نہایت ضعیف بزرگ بیٹھے ہیں۔ میں نے ان کا حال دریافت کیا۔ کہنے لگے بہت عرصے سے مجھے عارضہ شکم ہے۔ اس نے یہ کیفیت کر دی ہے۔ میں نے وہ دن ان کی صحبت میں گزارا۔ جب رات آئی تو معلوم ہوا کہ ہر شب ایک سوبیس رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ جتنی مرتبہ قضائے حاجت کے لئے جاتے اتنی دفعہ آکر فوراً غسل کرتے اور دوگانہ نماز پڑھتے۔ چنانچہ میں نے اس کا خوب تجربہ کیا۔ ایک دن اسی طرح غسل کرنے تالاب میں اترے اور اس میں سے نکل کر جان بحق تسلیم ہو گئے۔ یہ کہہ کر شیخ الاسلام رونے لگے اور ارشاد کیا زہے راسخ الاعتقادی کہ آخردم تک اس کی بندگی میں قاعدے اور ضابطے کو ترک نہ کیا اور اسے کمال تک پہنچا کر جان دی۔

پھر فرمایا تکلیف وزحمت اٹھانے کے بعد ہی انسان کو گناہ سے بچنے کا خیال ہوتا ہے جس سے اس کی خیر ہو جاتی ہے۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ ایک دن میں بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزی کے پاس حاضر تھا۔ کوئی شخص ان کی خدمت میں آیا اور سلام کرکے بولا ''اے امام! میرے پاس کچھ مال ہے۔ اس میں عرصے سے گھاٹا ہو رہا ہے اور کبھی کبھی اعضاء

بھی دیکھتے ہیں۔'' شیخ نے فرمایا ''زکوٰۃ کے دینے میں کوئی کمی ہوئی ہوگی۔ اور مرض کا آنا تو دلیل ایمان ہے۔'' پھر اسی گفتگو میں ارشاد کیا کہ اصحاب تابعین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ قیامت کے روز فقرا کو ایسے درجے ملیں گے کہ خلق ہاتھ ملے گی کہ کاش ہم دنیا میں فقیر کیوں نہ ہوئے۔ اور مریضوں کو وہ اجر ملے گا کہ لوگوں کو حسرت ہوگی کہ ہم بھی زندگی بھر رنجور رہے ہوتے اور ان مرتبوں کو پہنچتے۔ اس کے بعد فرمایا کہ آدمی کو چاہیے کہ ہر درد و رنج کے وقت اس کی علت پر غور کرے کیونکہ اپنے نفس کا علاج اپنے ہی سے خوب ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر شیخ الاسلام چشم پُر آب ہو گئے اور یہ مثنوی زبان مبارک پر آئی:

اے بسا درد کاں ترا در دست　　　اے بسا شیر کاں ترا آہوست

درویشوں سے عقیدت اور حسنِ ظن

بعد ازاں اس مسئلے پر بحث شروع ہوئی کہ درویشوں سے ہمیشہ عقیدت اور حسن ظن رکھنا چاہیے تاکہ ان کی برکت سے اللہ تم کو اپنے سائے میں لے لے۔

فرمایا شیر خاں والی اوچہ وملتان مجھ سے مخالف رہتا تھا۔ میں نے بارہا یہ بیت اس کے حق میں دوہرائی:

افسوس کہ از حال منت نیست خبر　　　آنکہ کہ خبرت شود افسوس خوری

آخر ایک ہی سال میں کفار نے اس پر چڑھائی کی اور اسے برباد کر دیا۔

پھر اسی محل میں ارشاد کیا کہ ایک دن میں سیوستان میں شیخ اوحد کرمانیؒ کی خدمت میں پہنچا۔ شیخ نے مجھے گلے سے لگایا اور فرمایا کہ زہے سعادت کہ میرے پاس آئے۔ غرض کہ میں جماعت خانے میں بیٹھا تھا کہ دس درویش صاحب نعمت تشریف لائے اور آپس میں کرامت و بزرگی پر گفتگو کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے کہا کہ اگر کوئی شخص صاحب کرامت ہے تو اسے چاہیے کہ اس کو ظاہر کرے۔ سب نے کہا اول تم ہی کچھ دکھاؤ۔ شیخ اوحد کرمانی نے بھی ان کی طرف رخ کیا اور بولے کہ اس شہر کا حاکم ان دنوں مجھ سے بگڑا ہوا ہے اور مجھے روز کچھ نہ کچھ تکالیف دیتا رہتا ہے۔ لیکن آج وہ میدان سے سلامت نہیں آ سکتا۔ ان الفاظ کا شیخ کی زبان سے نکلنا تھا کہ ایک شخص باہر سے آیا اور خبر سنانے لگا کہ بادشاہ سیر و شکار کو گیا تھا اور اس وقت گھوڑے سے گر کر اس کی گردن ٹوٹ گئی اور مر گیا۔ اس پر درویشوں نے دعا گو کی طرف دیکھا اور بولے تم کہو۔ میں نے مراقبہ کیا اور تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔ ''آنکھیں سامنے کرو۔'' سب نے تعمیل کی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ میں اور وہ سب خانہ کعبہ میں کھڑے ہیں۔ آخر واپسی ہوئی اور سب نے اقرار کیا کہ بیشک یہ درویش ہے۔ اس کے بعد میں نے اور شیخ اوحد کرمانی نے ان درویشوں سے سوال کیا کہ ہم اپنا کام کر چکے۔ اب تمہاری باری ہے۔ یہ سن کر سب نے اپنے سر خرقوں میں کر لئے اور اندر ہی اندر غائب ہو گئے۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نے راقم دعا گو کو مخاطب کیا کہ اے مولانا نظام الدین! جو خدا کے کام میں لگا ہوا ہے خدا اس کے کام بناتا رہتا ہے۔ یعنی جو خدمت حق تعالیٰ میں کمی نہیں کرتا اور جس کے تمام افعال رضائے دوست کے موافق ہوتے ہیں اور جو اپنے نفس کے لئے ہر وقت غازی بنا رہتا ہے خدا بھی اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ میں بدخشاں گیا۔ وہاں بہت سے

Marfat.com

بزرگ اولیاء اللہ تھے۔ چنانچہ عبدالواحد نواسہ شیخ ذوالنون مصریؒ جنھوں نے شہر کے باہر ایک غار میں اپنا مسکن بنا رکھا تھا' جب مجھے ان کی کیفیت معلوم ہوئی تو ان کے پاس گیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ نہایت زار و نزار ہیں اور ایک پاؤں غار کے اندر اور ایک غار کے باہر کئے عالم تحیر میں کھڑے ہیں۔ میں نے نزدیک پہنچ کر سلام کیا۔ فرمایا کیسے آئے؟ اس کے بعد تین شبانہ روز منتظر رہا۔ کوئی کلمہ زبان سے نہ سنا۔ تیسرے دن عالم صحو میں آئے اور بولے اے فرید! میرے قریب مت آئیو ورنہ سوختہ ہو جائے گا اور نہ مجھ سے دور ہو کیونکہ پھر مسحور ہو جائے گا۔ ہاں میرا ماجرا سن۔ آج ستر سال ہو گئے کہ اس غار میں ایستادہ ہوں۔ ایک دن ایک عورت یہاں سے گزری۔ میرا دل اس کی طرف مائل ہوا' چاہا کہ باہر نکلوں۔ اتنے میں ہاتف غیب نے آواز دی کہ ''اے مدعی عہد! تو تو کہتا تھا کہ میں نے غیر اللہ کو چھوڑ دیا۔ بس اتنا سننا تھا کہ میرا ابا ہر آیا ہوا پیر باہر رہ گیا اور اندر کا اندر۔ اس حال کو تیس سال گزر گئے۔ عالم تحیر میں ہوں اور ڈر ہے کہ قیامت کے دن اس منہ کو کیونکر سامنے کر سکوں گا۔ بڑی شرمندگی ہے۔'' اس کی بعد ملک المشائخ نے فرمایا کہ رات وہیں پوری کی دیکھا کہ بوقت افطار کچھ دودھ اور کچھ خرمے ایک طباق میں لگے ہوئے ان بزرگ کے سامنے آئے۔ خرمے شمار میں دس تھے۔ ارشاد کیا کہ میرے واسطے ہر روز صرف پانچ خرمے آیا کرتے تھے۔ آج یہ دس تمہاری وجہ سے بھیجے گئے ہیں۔ آؤ دودھ لو اور روزہ افطار کرو۔ میں نے اپنے سر کو زمین پر رکھا اور اس کھانے کو کھالیا۔ بعد ازاں وہ شیخ اپنے عالم میں مشغول ہو گئے۔ اتنے میں بدخشاں کا خلیفہ آیا اور سجدہ تعظیمی کر کے کھڑا ہو گیا۔ سوال کیا'' کیا حاجت لائے ہو؟'' بولا کہ والی سیوستان نے میرا مال غصب کر لیا ہے۔ اجازت دیجئے کہ اس کا مقابلہ کروں۔ حضرت مسکرائے اور سامنے پڑی ہوئی ایک لکڑی کو سیوستان کی طرف کر کے گویا ہوئے کہ میں مارے دیتا ہوں۔ خلیفہ یہ سن کر چل دیا۔ کچھ زمانہ گزرا تھا کہ لوگ اس کا مال لے کر آئے اور قصہ سنانے لگے کہ والی سیوستان دربار عام میں بیٹھا احکام جاری کر رہا تھا کہ ایک لکڑی دیوار میں نمودار ہوئی اور ایسے زور سے اس کی گردن پر پڑی کہ گردن جدا ہو گئی۔ اس کے بعد آواز آئی کہ یہ شیخ عبدالوحد بدخشانی کا ہاتھ تھا جس نے اس کو ہلاک کیا۔

بعد ازاں شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میں چند روز ان کی ملازمت میں رہا۔ آخر اجازت عنایت ہوئی۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نماز میں مشغول ہو گئے۔

۱۳ شعبان ۶۵۵ھ

کرامات اولیاء

دولت قدم بوسی میسر آئی۔ شیخ ابوالغیث یمنی اور شیخ سعدالدین حمویہ کی بزرگی کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا شیخ ابوالغیث عینی الحسینیؒ بڑے صاحب باطن شخص تھے۔ انہوں نے شیخ یوسف الحسینی' شیخ شہاب الدین سہروردی' شیخ فریدالدین عطار اور شیخ عثمان ہارونی قدس اللہ اسرار ہم جیسے مشائخ کو دیکھا تھا۔ ایک دفعہ یمن پر ملا مغل چڑھ آیا۔ خواجہ ابوالغیث صومعے میں تشریف فرما تھے۔ خلیفہ شہر نے حال عرض کیا۔ آپ نے اپنی چھی نکالی اور کہا آج رات کو اسے ان کافروں کے لشکر کے پاس جلانا۔ خلیفہ نے تعمیل ارشاد کی۔ لکڑی کا جلانا تھا کہ ان حملہ آوروں میں آپس میں لکڑی چل گئی۔ ایک دوسرے کو ہلاک کرنے لگا۔ آخر معلوم ہوا کہ کوئی سبز پوشوں کی جماعت آئی تھی جس نے ان میں یہ کھلبلی مچا دی۔ جب صبح ہوئی تو مغلوں

Marfat.com

میں کا ایک شخص زندہ نہ تھا۔ اس کے بعد اسی محل میں ارشاد کیا کہ شیخ قطب الدین بختیار کاکی سے نقل ہے کہ ایک دفعہ وہ اور شیخ جلال تبریزی اور شیخ بہاءالدین زکریا ملتان میں مقیم تھے کہ وہاں کا حاکم قباچہ نامی ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مغل شہر کے قریب آ گئے ہیں۔ فرمائیے کیا کروں؟ شیخ قطب الدین کے پاس ایک تیر تھا۔ وہ آپ نے اسے دے کر کہا کہ جاؤ اور اسے ان کے لشکر کی طرف پھینکو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ تمام مغل بھاگ گئے۔ پھر ارشاد کیا۔ یمن میں ایک دفعہ مینہ نہ برسا۔ کھیتیاں خشک ہو گئیں اور مخلوق قحط کے مارے مرنے لگی۔ خلیفہ تمام اہل یمن کے ساتھ شیخ ابوالغیث کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضور دعائے باراں کیجئے۔ فرمایا کل میری نماز گاہ میں آؤ۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ شیخ ابوالغیث تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کر خدا کی حمد وثنا کرنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر آپ نے آسمان کی طرف نظر کی اور بولے ''اے میرے اللہ! اگر میری اطاعت تیری جناب میں مقبول ہے تو باران رحمت کر۔'' ان کلمات کا زبان سے نکلنا تھا کہ فوراً بارش آ گئی اور ایسی برسی کہ پانچ چھ روز تک نہ تھمی۔ لوگ قسمیں کھاتے تھے کہ ایسا پانی ہم نے مدت العمر نہیں دیکھا۔ اس کے بعد ان کے انتقال کا حال بیان فرمایا کہ شیخ نماز فجر پڑھ کر حسب معمول مصلے پر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق ادا کر کے مرد حاضر کو حکم دیا کہ غسال کو بلا لاؤ اور جامہ وخوشبو مہیا رکھو۔ غسال کو طلب کر لیا گیا اور سب چیزیں بھی آ گئیں۔ بعد ازاں کہا کہ مجھے تنہا چھوڑ دو کہ شہسواران خدا آئیں۔ پھر سورۂ یٰسین پڑھنی شروع کی۔ جب اس مقام پر پہنچے سبحن الذی بیدہ ملکوت کل شیء و الیه ترجعون تو جان دوست کے حوالے کر دی۔ گوشہ دیوار سے آواز آئی کہ ''دوست دوست سے پیوست ہو گیا۔'' یہ فرما کر شیخ الاسلام ہائے ہائے کر کے رونے لگے اور نعرہ مار کر بیہوش ہو گئے۔ جب پھر ہوشیار ہوئے تو یہ مثنوی زبان مبارک پر آئی:

درکوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند   کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

اس کے بعد انہی غلبات شوق کی حالت میں ارشاد کیا کہ جب مہتر موسیٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی عمر پوری ہونے کو تھی تو آپ ایک دن گھر سے باہر نکلے پھر رہے تھے کہ ملک الموت سے ملاقات ہوئی۔ اس نے آپ کو سلام کیا۔ آپ نے جواب دے کر پوچھا کہ تو کون ہے؟ کہا ''ملک الموت۔'' آپ اس وقت ذوق وشوق میں تھے۔ ہاتھ بڑھا کر ایسا طمانچہ مارا(1) کہ ملک الموت نے راہ فرار اختیار کی اور بولے بابا اب نہیں آؤں گا۔ اپنی جگہ پہنچ کر حضرت عزرائیل سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے۔ الٰہی! تو نے مجھے کس کے پاس بھیجا تھا۔ اگر میں وہاں سے بھاگتا نہیں تو خود میری جان خطرے میں تھی۔ جواب ملا اے ملک الموت! میرے اور میرے محبوں کے درمیان غیر دخل نہیں پا سکتا۔ میں جانوں اور میرا دوست جانے۔ مہتر موسیٰ علیہ السلام کی سنئے کہ اس کے دوسرے دن نماز پڑھ کر بیت المقدس کی طرف رخ کئے بیٹھے تھے۔ مہتر جبرئیل آئے اور انہوں نے سلام کر کے حضرت موسیٰ کو ایک بہشتی سیب دیا۔ اس کے سونگھنے سے بوئے دوست دماغ میں پہنچی۔ چیخ ماری اور جان دے دی۔ شیخ الاسلام اس واقعے کو ختم کر کے آب دیدہ ہو گئے اور ان کے رونے نے حاضرین پر ایسا اثر کیا کہ بے تابانہ آہ وبکا کرنے لگے۔ شیخ الاسلام کی حالت اور بڑھی۔ بار بار یہ شعر زبان مبارک پر آتا تھا:

درکوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند   کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

اسی گفتگو میں فرمایا کہ کوئی بڑے بزرگ اپنے احباب کے ساتھ روضہ مہتر موسیٰ کی زیارت کو گئے تھے۔ اس میں

Marfat.com

سے آواز سنائی دی: رب ارنی انظر الیک۔ کہا کہ یہ عشق ہے کہ زندگی اور موت دونوں صورتوں میں قائم رہتا ہے۔ پھر ارشاد ہوُا کہ قیامت کے دن بھی حضرت موسیٰؑ کنگرۂ عرش پکڑ کر یہی فریاد کریں گے: رب ارنی انظر الیک۔ اور اس وقت اگر فرشتوں نے انہیں نہ تھاما تو زیادتی اشتیاق کے سبب قیامت پر قیامت آ جائے گی۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نے میری طرف رخ کیا اور فرمایا طالب کو چاہیے کہ مطلوب کے عشق و محبت میں ہر لحہ مستغرق رہے اور اس کی یاد کبھی دل سے محو نہ کرے۔ پل پل میں اسے ترقی دے۔ اسی اثناء میں کئی دفعہ جھوم جھوم کر مثنوی مذکور کو دہرایا:

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند کانجا ملک الموت نہ گنجد ہر گز

بعد ازاں ارشاد ہوا کہ ایک جوان کا وقت آخر آیا۔ یہ واصلان حق میں سے تھے۔ جب ملک الموت ان کی روح قبض کرنے کے لئے روانہ ہوئے تو مشرق، مغرب، جنوب، شمال سب چھان ڈالا۔ کہیں پتہ نہ پایا۔ واپس آئے اور سجدۂ خداوندی بجالا کر عرض گزار ہوئے کہ الہ العالمین وہ جوان تو مجھے ملتا ہی نہیں۔ فرمان ہوا جاؤں فلاں فلاں خرابے میں دیکھو۔ وہاں بھی موجود نہ تھے دوبارہ حاضر ہو کر اطلاع دی۔ ندا آئی ملک الموت! میرے پیاروں کی جان تم نہیں نکال سکتے۔ وہ تو میرے نام، میری یاد، میری تمنا پر مر جاتے ہیں اور تمہیں اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ شیخ الاسلام رضی اللہ عنہ چشم پُر آب ہو کر پھر اسی مثنوی کو دہرانے لگے

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند کانجا ملک الموت نہ گنجد ہر گز

پھر ارشاد ہوا کہ میرے بھائی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا جب انتقال ہونے کو تھا تو ان کے صاحبزادے شیخ صدرالدین دروازے کے باہر ایستادہ تھے۔ کسی شخص نے آن کر ان کے ہاتھ میں ایک خط دیا اور کہا اسے کھولنا مت۔ حکم صرف یہ ہے کہ تمہاری معرفت تمہارے باپ تک پہنچا دیا جائے۔ شیخ صدرالدین نے عنوان پر نام دیکھا اور رو رو کر فرمانے لگے میں نے پہچان لیا۔ تم ملک الموت ہو۔ جواب دیا ہاں۔ فرمایا پھر خود کیوں نہیں جاتے؟ کہا یہ کام تم سے ہی لیا جائے گا۔ میرا اتنا فرض تھا کہ خط تمہارے حوالے کر دوں۔ صدرالدین اندر گئے۔ شیخ بہاء الدین مشغول تھے۔ جب فارغ ہوئے تو شیخ صدرالدین نے خط پیش کیا۔ شیخ نے اسے کھولا اور اس کے معاملے سے مشرف ہو کر سجدہ کیا اور جان دے دی۔ غیب سے آواز آئی ''دوست بہ دوست پیوست'' یہ کہہ کر شیخ الاسلام نے نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے اور کہا کہ ایک دن ہمیں بھی ایسا کرنا پڑے گا اور ہم بھی اپنے دوست کے پاس جائیں گے اور پھر یہ بیت پڑھی:

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند کانجا ملک الموت نہ گنجد ہر گز

اس محل پر شیخ سعدالدین حمویہ کی حکایت سنائی۔ فرمایا یہ صاحب بے حد بزرگ تھے۔ کسی مسجد میں گئے اور وہاں چند دن مقیم رہے۔ اس شہر کے مسلمان اکثر امراض میں مبتلا تھے۔ آپ نے فرمایا سب کو میرے پاس لاؤ۔ ہاتھ پھیر دیتے اور خدا تعالیٰ اس کی برکت سے بیمار کو اچھا کر دیتا۔ اسی طرح کئی ہزار آدمی صحت یاب ہو گئے۔ وہاں سے وہ غزنین گئے۔ غزنین میں بھی بہتیروں کو ان کے طفیل دوبارہ زندگی ملی۔ پھر شیخ سعدالدین اوچہ پہنچے۔ جب ان کا وقت آخر قریب آیا تو خاص انتقال کے دن ان کے تمام دوست احباب اس جگہ جہاں یہ ٹھہرے ہوئے تھے آن جمع ہوئے۔ آپ نے روبقبلہ ہو کر سورۃ البقرہ شروع کی۔ اشراق تک قرآن شریف ختم ہو گیا۔ ختم کر کے سجدہ کیا اور جان دے دی۔ شیخ الاسلام پھر چشم پُر

Marfat.com

آب ہو گئے اور وہی بیت زبان پر آنے لگی:

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند   کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

پھر فرمایا کہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ کا قاعدہ تھا کہ جس جگہ نماز عشاء پڑھتے اسی جگہ سو بھی جاتے۔ جب ایک ثلث شب گزر جاتی تو اٹھ بیٹھتے۔ امام و موذن حاضر رہتے تھے۔ صبح تک خوب اللہ اللہ کرتے۔ اسی طرح عمر بسر ہو گئی۔ بعد ازاں ارشاد ہوا۔ ایک شخص نے بخارا میں خواب دیکھا کہ کوئی روشن شمع دروازہ بخارا سے باہر جاتی ہے۔ بیدار ہو کر کسی بزرگ سے تعبیر لینے گئے۔ بزرگ نے کہا کوئی صاحب نعمت فوت ہونے والا ہے۔

پھر ارشاد کیا شیخ سیف الدین باخرزی نے بھی ایک دفعہ اپنے پیر کو خواب میں دیکھا کہ بڑا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے بعد قریباً ہفتہ بھر تک فراق و وداع کا ذکر بار بار شیخ سیف الدین کی زبان پر آتا رہا۔ خلق حیران تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ آخر خود فرمایا کہ اے مسلمانو! میرے مرشد نے مجھے طلب کیا ہے اور میں جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر مکان میں چلے گئے۔ اس رات کو کہ جس میں رحلت ہونے والی تھی، سب احباب جمع ہوئے اور مشعل جلائی گئی۔ شیخ سیف الدین نے ہجر یار میں کچھ حصہ شب گزارا کہ ایک بزرگ کمبل پوش سیب ہاتھ میں لئے تشریف لائے اور ادب سے اسے شیخ کے سامنے پیش کیا۔ اس کا سونگھنا تھا کہ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ شیخ الاسلام پھر چشم پُر آب ہوئے اور وہی شعر پڑھنے لگے:

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند   کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

یہاں تک کہ شیخ بدر الدین اور مولانا اسحٰق کو حکم ہوا کہ تم اس مثنوی کو کہو۔ انہوں نے تعمیل کی۔ تین دن رات کیفیت طاری رہی۔ بعد ازاں عالم صحو میں آ گئے۔ الحمد للہ علی ذلک۔

۲۵ شعبان ۶۵۵ھ

سلوک راہ طریقت

دولت پائے بوسی نصیب ہوئی۔ چند درویش شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے پاس سے آئے ہوئے تھے اور سلوک پر بحث ہو رہی تھی۔ شیخ الاسلام نے فرمایا۔ راہ طریقت محض تسلیم و رضا کا نام ہے۔ اگر کوئی گردن پر تلوار رکھ دے تو بھی نارضامند نہ ہو اور دم نہ مارے۔

پھر ارشاد ہوا کہ جس کی یہ کیفیت ہو اسے درویش جانو۔ اسی اثناء میں ایک ضعیف شخص حاضر خدمت ہوا۔ چشم گریاں۔ دل بریاں۔ سجدۂ تعظیمی بجا لایا۔ شیخ نے فرمایا۔ قریب آؤ۔ جب اس نے تعمیل ارشاد کی تو پوچھا "کیا حال ہے؟" ضعیف نے کہا۔ اے میرے آقا! بیس سال ہو گئے کہ بیٹے کی جدائی کی تکلیف سہہ رہا ہوں۔ نہ معلوم مر گیا، نہ معلوم جیتا ہے۔ شیخ الاسلام نے مراقبہ کیا اور تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر ارشاد کیا۔ جا تیرا بیٹا آ گیا۔ ضعیف خوش خوش چل دیا۔ گھر پہنچے کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ ضعیف نے آواز دی کون ہے؟ جواب ملا فلاں ابن فلاں۔ ضعیف باہر نکل آیا اور بیٹے کو گلے سے لگا کر اندر لے گیا اور دریافت کیا اتنے زمانے سے کہاں تھا؟ کہا یہاں سے ڈیڑھ ہزار کوس کے فاصلے پر۔ پوچھا پھر آج یہاں کیسے آ گیا؟ بولا میں دریا کے کنارے کھڑا تھا۔ یکا یک میرے دل میں تمہارا خیال پیدا

ہوا اور وہ تکلیف کی حد تک بڑھ گیا۔ روتا تھا۔ ناگہاں ایک خرقہ پوش سفید رنگ بزرگ پانی سے نمودار ہوئے اور فرمانے لگے کہ کیوں روتا ہے؟ میں نے حال بیان کیا۔ کہا اگر ہم تجھے ابھی پہنچا دیں تو تُو کیا کرے؟ مجھے یہ امر بہت مشکل معلوم ہوا۔ ان درویش نے کہا لاؤ اپنا ہاتھ مجھے دو اور آنکھیں بند کر لو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ گھر کے دروازے پر کھڑا ہوں۔ بڑے میاں سمجھ گئے کہ وہ بزرگ حضرت شیخ الاسلام ہی تھے۔ فوراً حاضر خدمت ہو کر قدم بوس ہوئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد شیخ الاسلام نے فرمایا کہ اگر کوئی طاعت یا ورد بندے سے فوت ہو جائے تو اسے اس کی موت تصور کرنا چاہیے۔ پھر ارشاد ہوا جب میں شیخ یوسف چشتی کی خدمت میں تھا ایک صوفی ان کے پاس آیا اور سجدۂ تعظیمی بجالا کر بولا آج شب کو میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ کوئی کہتا ہے تیری موت نزدیک آ گئی۔ شیخ یوسف چشتی نے پوچھا کہ کیا کل تجھ سے کوئی نماز قضا ہو گئی تھی؟ اس نے سوچ کر جواب دیا "بیشک۔" تعبیر دی کہ موت سے اشارہ اسی کی طرف تھا۔ صاحب ورد سے کسی ورد کا چھوٹ جانا اس کی موت ہی کے برابر ہوتا ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ ایک زمانے میں قاضی رضی الدین سورۂ یٰسین کا وظیفہ پڑھتے تھے۔ اتفاقاً ایک دن ناغہ ہو گیا۔ شام کو گھوڑے پر سوار جا رہے تھے کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور آپ ایسے زور سے گرے کہ پائے مبارک ٹوٹ گیا۔ غور کیا تو مندرجہ بالا قصور کھلا کہ اس روز سورۂ یٰسین نہ پڑھی تھی۔ بعد ازاں شیخ الاسلام نے ارشاد کیا کہ اہل ورد کو مناسب ہے کہ جو کچھ وہ پڑھتا ہو اسے اگر دن کے وقت نہ پڑھ سکے تو رات کو پڑھ لے۔ ہرگز ہرگز ترک نہ کرے۔ کیونکہ اس کا اثر اس سے گذر کر تمام شہر والوں پر پڑتا ہے۔ ایک کے ساتھ بہت سی خلق اللہ کی شامت آ جاتی ہے۔ پھر اسی گفتگو کے تحت میں فرمایا کہ ایک زمانے میں ایک سیاح دعا گو کا مہمان تھا۔ اس نے مجھے دمشق کا حال سنانا شروع کیا کہ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے اسے تباہ و برباد پایا۔ بیس سے زیادہ خوش گھر نظر نہ آئے۔ تحقیقات کرنے سے معلوم ہوا کہ وہاں کے اکثر مسلمان صاحب ورد تھے۔ ایک دفعہ ان میں سے اکثر نے معمول میں کوتاہی کی۔ بس پورا سال نہ گزرا تھا کہ مغل چڑھ آئے اور سب کو تہس نہس کر گئے۔

اس کے بعد شیخ الاسلام نے کہا کہ حضرت شیخ معین الدین سنجریؒ کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی ان کے ہمسایوں میں انتقال کرتا اس کے جنازے کے ہمراہ جاتے اور لوگوں کے واپس چلے آنے تک اس کی قبر پر بیٹھے رہتے اور جو کچھ ایسے موقع کے لئے مقرر کر رکھا تھا' پڑھتے۔ ایک مرتبہ اسی طرح ایک موتی کے ساتھ جانا ہوا۔ اس کے متعلقین کے واپس آ جانے کے بعد قبر پر پڑھتے رہے۔ شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین اوشی کا بیان ہے کہ میں معیت میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ بار بار چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا تھا۔ آخر یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے کہ الحمد للہ معیت خوب چیز ہے۔ شیخ الاسلام نے مطلب دریافت کیا۔ فرمایا کہ جس وقت اس آدمی کو دفن کیا گیا تو فوراً عذاب کے فرشتے آ گئے۔ چاہتے تھے کہ اپنا کام شروع کریں۔ یکایک شیخ عثمان ہارونی نمودار ہوئے اور بولے یہ میرا مرید ہے۔ ان الفاظ کا زبان شیخ سے نکلنا تھا کہ فرشتوں کو حکم ہوا کہ شیخ سے کہہ دو کہ اس نے تمہاری مخالفت کی تھی۔ خواجہ نے فرمایا "کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر اس نے مجھے برا بھلا کہا تو اپنے تئیں پلے سے بھی تو میرے ہی باندھا تھا۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اس پر سختی ہو۔" ندا آئی کہ "فرشتو! جانے دو اور شیخ کے مرید کو چھوڑ دو۔ میں نے اسے بخشا۔" یہ کیفیت بیان فرما کر حضرت شیخ الاسلام چشم پُر آب ہو گئے اور کہنے لگے "کسی کا ہو جانا بڑی بات ہے۔" اور یہ مثنوی زبان پر آئی:

Marfat.com

گر نیک شوم مرا از ایشاں گیرند　　　　در بد باشم مرا بدیشاں بخشند

ایک دن شیخ الاسلام پر کیفیت طاری ہوئی۔ حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرمایا اگر اس وقت قوال ہوتے تو ہم کچھ سنتے۔ قضارا اس دن قوال موجود نہ تھے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق ان مکتوبات اور رقعات کو جو خریطے میں تھے ملاحظہ کر رہے تھے۔ ایک خط نکل آیا جسے انہوں نے حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں پیش کیا۔ فرمایا تم خود پڑھو۔ مولانا ایستادہ ہو گئے اور پڑھنے لگے۔ ''فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطا کہ بندۂ درویشاں است واز سرو دیدہ خاک قدم ایشاں۔'' اس قدر سننا تھا کہ شیخ الاسلام کو وجد ہو گیا اور یہ رباعی پڑھنے لگے:

آں عقل کجا کہ از کمال تو رسد　　　　واں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال　　　　آں روح کجا کہ در جلال تو رسد

شیخ الاسلام پر اسی حالت میں ایک دن گزر گیا۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نے حضرت خواجہ قطب الاقطاب کی حکایت کہنی شروع کی۔ فرمایا شیخ قطب الدین اور شیخ جلال الدین تبریزی ملاقی ہوئے اور آپس میں اپنی اپنی سیاحت کا حال بیان کرنے لگے۔ دعا گو ان کی خدمت میں حاضر تھا۔ شیخ جلال الدین تبریزی نے کہا کہ جب میں قرش کی جانب جا رہا تھا تو رستے میں بہت سے بزرگوں سے نیاز حاصل ہوا۔ ان میں ایک بزرگ کو دیکھا جو غار میں رہتے تھے۔ میں نے ان کے پاس جا کر قدمبوسی کی۔ جب میں پہنچا ہوں تو وہ نماز میں مصروف تھے۔ مجھے تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا۔ جب نماز پڑھ چکے تو میں نے سلام کیا۔ جواب دیا وعلیکم السلام یا شیخ جلال الدین! میں متحیر ہوا اور حیران رہ گیا کہ یہ میرا نام کیونکر جان گئے۔ راز دل کو سمجھ کر بولے: نبا نی العلیم الخبیر۔ جس نے تجھے مجھ تک پہنچا دیا اسی نے تیرا نام بھی مجھے بتا دیا۔ میں نے زمین چومی۔ حکم کیا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ وہ بزرگ کہنے لگے کہ ایک مرتبہ میں صفاہان میں تھا' میں نے ایک درویش کو دیکھا نہایت باعظمت کوئی پچپن سالہ۔ خواجہ حسن بصریؒ کے نواسوں میں۔ مسلمان یا نامسلمان جس کسی کو کچھ ضرورت پڑتی ان کا خیال کرتا۔ امداد طلبی کے لئے پاس تک نہ پہنچتا کہ کام ہو جاتا۔ پھر کہا مجھے بہت بزرگوں نے پند و نصائح کی ہیں۔ لیکن آخری شخص جس کا قول میرے دل سے محو نہیں ہوتا خواجہ شمس الدین والعارفین تھے۔ انہوں نے فرمایا ''درویش اگر چاہتا ہے کہ خدا تک پہنچے اور اس کا قرب حاصل کرے تو اسے لازم ہے کہ دنیا سے بیزار ہو جائے اور اہل دنیا سے دور رہے۔ کیونکہ درویش کے لئے سب سے زیادہ مضر شے دنیا و اہل دنیا کی محبت ہے۔ غرضیکہ اے جلال الدین! خدا والوں نے جب سب کو چھوڑ دیا ہے اس وقت خدا کو پایا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ میں ایک روز و شب ان کی خدمت میں رہا۔ افطار کے وقت میں نے دیکھا کہ دو جو کی روٹیاں عالم غیب سے پیدا ہوئیں۔ ان بزرگ نے ایک میرے آگے کر دی اور کہا کہ افطار کر لو اور پھر فلاں گوشے میں بیٹھ کر مشغول عبادت ہو جاؤ۔ جب ایک ثلث رات گذر گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ سبز کمبل کا لباس پہنے ہوئے اور سات شیروں کو اردگرد لئے ہوئے آئے اور ہمارے شاہ صاحب کے سامنے بیٹھ گئے۔ مجھے لرزہ چڑھا کہ الٰہی یہ کون حضرت ہیں جو شیروں سے محبت کرتے ہیں۔ وہ قرآن شریف پڑھنے لگے۔ جب ایک ختم کر چکے تو اٹھ کھڑے ہوئے اور نیا وضو کیا اور پھر اول سرے سے تلاوت کرنے لگے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ میں بھی ان کے پاس جا پہنچا اور نماز میں شریک ہوا۔ بعد نماز میرے میزبان بزرگ نے مجھے بتایا کہ یہ شیروں والے درویش حضرت خضر علیہ السلام

Marfat.com

ہیں۔ کیا تم ان سے ملنا چاہتے تھے؟ میں نے یہ سنتے ہی ان سے دوبارہ مصافحہ کیا۔ بڑی شفقت سے پیش آئے اور بالآخر مع شیروں کے واپس چلے گئے۔ میں نے رخصت چاہی۔ ان بزرگوار نے کہا اے جلال! جاتے ہو تو جاؤ۔ لیکن دیکھو بندگان خدا کی خدمت گزاری سے کبھی نہ چوکنا۔ اپنے تئیں ان کا غلام بنائے رکھنا۔ اچھا اب تم ایک ایسی جگہ پہنچو گے جہاں دریا بہتا ہوگا۔ وہاں اگر تمہیں دو شیر ملیں اور کسی نقصان کے درپے ہوں تو میرا نام لے دینا۔ پھر کچھ نہ کہیں گے۔ شیخ جلال الدین فرماتے تھے کہ اس کے بعد میں زمین نیاز چوم کر روانہ ہوگیا۔ جب میں اس مقام پر پہنچا تو دونوں شیر موجود پائے۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دونوں غرائے اور میری طرف لپکے۔ مگر میں چلایا کہ میں فلاں فلاں بزرگ کے ہاں سے آ رہا ہوں۔ بس اتنا کہنا تھا کہ شیر لومڑی بن گئے اور سر کو میرے قدموں پر رکھ کر ملنے لگے اور خاموش چلے گئے اور میں بسلامتی وہاں سے نکل آیا۔ یہاں تک بیان کر کے شیخ الاسلام نے فرمایا کہ جب شیخ جلال الدین اپنے سفر کا حال کہہ چکے تو شیخ قطب الدین کی باری آئی۔ ارشاد ہوا کہ ابتدا میں میں ایک شہر میں پہنچا۔ اس میں ایک درویش رہتے تھے۔ ان کے مسکن کے قریب ایک مسجد تھی جو بہت خستہ ہو رہی تھی اور اس میں ایک منارہ تھا جو ہفت منارہ کہلاتا تھا۔ مگر تھا وہ ایک ہی۔ اس پر چڑھ کر جو دعا کی جاتی تھی اس کی بابت لوگوں کا خیال تھا کہ ایک دعا کا اثر سات دعاؤں کے برابر ہوتا ہے اور اگر فلاں فلاں دعا وہاں بیٹھ کر پڑھی جائے تو خواجہ خضر سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ القصہ میں اس مسجد میں پہنچا اور دوگانہ ادا کر کے اس منارے پر چڑھ گیا اور اس دعا کو پڑھ کر نیچے آیا۔ تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا کہ اب خواجہ خضر علیہ السلام آتے ہوں گے۔ مگر خواجہ خضر آئے نہ کوئی اور۔ آخر ناامید ہو کر دروازے سے باہر قدم رکھنے ہی کو تھا کہ ایک صاحب نظر آئے۔ جنہوں نے چھوٹتے ہی مجھ سے سوال کیا کہ اندر کیا کر رہے تھے؟ میں نے جواب دیا خواجہ خضر کا انتظار کر رہا تھا۔ دوگانہ نماز کا پڑھا، دعا کا ورد بھی کیا۔ مگر وہ دولت میسر نہ آئی۔ اب گھر جاتا ہوں۔ مستفسر نے کہا کہ خواجہ خضر سے تمہیں کیا کام ہے۔ وہ بھی تمہاری طرح سرگرداں پھرتے ہیں۔ تم ان کو دیکھ کر کیا کرو گے؟ دنیا مانگو گے؟ میں نے جواب دیا، نہیں۔ کہا اچھا تو دیکھا اس شہر میں ایک بزرگ ہیں جن کے دروازے پر خضر روز آتے ہیں۔ لیکن اندر گھسنے نہیں پاتے۔ میری اور ان مستفسر کی اتنی ہی باتیں ہوئی تھیں کہ یکا یک ایک سبز پوش شخص نظر آئے۔ مستفسر نے آگے بڑھ کر ان کے پیر چومے۔ انہوں نے میری بابت دریافت کیا کہ یہ دنیا چاہتا ہے یا کوئی اور چیز؟ مستفسر نے کہا صرف آپ کی ملاقات۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک دفعہ ہی اذان کی آواز آئی۔ چاروں طرف سے خود بخود درویش نمودار ہونے شروع ہوگئے۔ ایک نے تکبیر کہی۔ ایک آگے کھڑا ہوا امامت کرنے لگا۔ تراویح کا زمانہ تھا۔ بارہ سیپارے پڑھے۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ کاش اور زیادہ پڑھے جاتے۔ مگر خیر نماز ختم ہوئی اور ہر شخص جدھر سے آیا تھا ادھر چل دیا۔ میں بھی اپنی جگہ آ گیا۔ دوسری شب وضو کر کے پھر پہنچا۔ لیکن صبح تک بیٹھا رہا کوئی نظر نہ آیا۔ شیخ الاسلام اس قدر فوائد بیان کر کے نماز کے لئے کھڑے ہوگئے۔ حاضرین نے بھی اپنی اپنی راہ لی۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

۵ رمضان المبارک ۶۵۵ ھ

فضائل رمضان

دولت قدم بوسی میسر آئی۔ عزیزان اہل صفا حاضر تھے۔ ماہ صیام پر بحث چھڑ گئی۔ ارشاد ہوا یہ بڑا بزرگ مہینہ

Marfat.com

ہے۔اس میں ابلیس لعین بند کر دیا جاتا ہے تاکہ مسلمان اس کے بہکانے سے محفوظ رہیں اور رحمت کے کل دروازے کھل جاتے ہیں۔ ہر ہر مسلمان کے ہاں ایک ایک فرشتہ طبق رحمت لانے کے لئے مقرر ہو جاتا ہے۔روز و شب زمین و آسمان کے درمیان ان فرشتوں کی آمد و رفت کا تانتا بندھا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ روزہ افطار کرے۔فوراً اس پر ایک طبق رحمت ڈال دو۔ پھر ارشاد ہوا کہ روزہ بندے اور مولیٰ کے درمیان ایک سرّ ہے۔ ہر عبادت کی جزا خدا کی طرف سے مقرر ہو گئی ہے لیکن روزے کے ثواب کا بجز خدا کے کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ خود فرمایا ہے: الصوم لی و انا اجزی به۔روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی جانتا ہوں کہ روزے کا ثواب کیا دوں گا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا۔اس مہینے کی تین قسمیں ہیں۔ایک کا نام وہلہ رحمت۔دوسری کا نام وہلہ مغفرت۔تیسری کا وہلہ آزادی۔ازین آتش دوزخ۔ پہلے وہلے میں بندے پر آسمان سے رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے۔دوسرے وہلے میں مغفرت اور انعام اور بخشش ہے۔ اس میں کوئی لمحہ ایسا نہیں جاتا' جس میں لاکھوں مسلمانوں کو حق تعالیٰ کی رضامندی نہ ملتی ہو۔تیسرے وہلے میں وہ تمام مسلمان جنہوں نے زندگی میں روزے رکھے ہیں' دوزخ سے آزاد کر دیئے جاتے ہیں۔اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جو شخص رمضان شریف کی آمد سے خوش ہوتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے پھر کسی وقت غمناک نہیں کرتا اور خیر و برکت اس پر بڑھاتا ہے۔اور جو اس ماہ مبارکؐ کے ختم ہونے سے رنجیدہ ہوتا ہے' حق سبحانہ تعالیٰ اسے دونوں جہان کی مسرت بخشتا ہے۔ بعدازاں فرمایا کہ رمضان کے روزے رکھنے کا ثواب ہزار سال کی عبادت کے برابر لکھا جاتا ہے اور اسی حساب سے گناہ بھی دھلتے ہیں۔

شب قدر

پھر ارشاد ہوا کہ شب قدر آخر وہلے میں ہوتی ہے۔انسان کو چاہیے کہ اس زمانے میں غافل نہ رہے اور شب مذکورہ سے فائدہ اٹھائے۔

اس کے بعد فرمایا اہل باطن کے نزدیک ہر شب شب قدر ہے۔اسے روز وہی نعمتیں ملتی ہیں جو عوام صرف شب قدر میں پاتے ہیں۔تاہم مناسب یہی ہے کہ شب قدر کی خصوصیت سے قدر کی جائے۔

پھر فرمایا کہ خواجگان کا قاعدہ تھا کہ رمضان کی ہر شب کو تراویح میں ایک قرآن ختم کرتے تھے اور شیخ عثمان ہارونیؒ تو دو دو قرآن ختم کرتے تھے۔اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ دعا گو مغرب کی طرف سفر کر رہا تھا کہ رمضان کا مہینہ آ گیا۔میں نے مسجد امام حدادی میں قیام کیا۔ایک بڑے باعظمت بزرگ تھے جن کا نام شیخ عبداللہ محمد باخرزی تھا۔وہ اس مسجد میں امامت کرتے تھے۔انہوں نے ایک ایک شب میں تین تین قرآن اور اس پر اور چار چار سیپارے سنائے۔ چنانچہ دعا گو نے مہینہ بھر خوب ثواب سمیٹا۔ چلتے وقت فرمایا ''اس طرح محنت و مجاہدہ کیا جاتا ہے تب کہیں کام بنتا ہے۔اہل صفہ کا قول ہے کہ یہ راہ بغیر مجاہدے کے طے نہیں ہو سکتی۔'' پھر ارشاد ہوا کہ خواجہ بایزید بسطامی نے ستر سال خدائے عزوجل کی عبادت کی۔کئی کئی دن پانی نہ پیتے تھے اور کئی کئی دن کھانا نہ کھاتے تھے۔جب اتنی تکلیفیں اٹھائیں تو حضوری ملی اور جس وقت حضوری ملی اس وقت ہاتف کی آواز آئی کہ ابھی آلائش دنیا باقی ہے۔جب تک اسے دور نہ کرو گے آگے نہ بڑھ سکو گے۔عرض کیا کہ الٰہ العلمین! اب میرا تو کسی چیز سے بھی تعلق نہیں۔جواب ملا کہ پوستین اور کوزے کو دیکھو۔حضرت بایزید

Marfat.com

نے اس سے بھی دست کشی کر لی۔ پھر اور بار پایا۔ شیخ الاسلام اتنا بیان کر کے رونے لگے اور ارشاد فرمایا "بایزید! ایک پوستین اور کوزے کے ہونے کے سبب روک دیئے گئے۔ لوگ اس قدر دنیا کے جنجالوں میں پھنس کر کیونکر کسی بات کی امید کریں۔" اس کے بعد فرمایا کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے۔ میں روز و شب کی تراویح میں قرآن ختم کیا کروں گا۔ کوئی ہے جو میرا ساتھ دے؟ کل حاضرین نے سر تسلیم زمین پر رکھ دیا اور کہا کہ زہے سعادت۔ پھر شیخ الاسلام نے ایک ایک شب میں دو دو قرآن ختم کرنے شروع کئے۔ فی رکعت دس دس پارے پڑھے جاتے اور تھوڑی رات رہے فارغ ہوتے۔ اس رمضان میں دعا گو بھی برابر حاضر رہا۔

کشف و کرامات

المختصر اس کے بعد کشف و کرامات کا تذکرہ ہونے لگا۔ فرمایا ایک دفعہ دعا گو اور شیخ جمال الدین ساکن اوچہ ایک جا تھے۔ شیخ جمال الدین صاحب نعمت اور باقوت درویش تھے۔ چنانچہ ایک دن میں ان کے پاس بیٹھا تھا۔ چند قلندر کمر میں لوہے کی سیخیں لگائے ہوئے آئے اور سلام کر کے شیخ مذکور کے پاس بیٹھ گئے۔ ان قلندروں میں سے ہر ہر فرد نہایت اوندھے مزاج کا تھا۔ چنانچہ ان دنوں اتفاقاً جماعت خانہ شیخ میں دہی موجود نہ تھا۔ قلندروں نے اسی کو طلب کیا۔ شیخ نے میری طرف دیکھا اور میں نے شیخ کی طرف۔ اس خیال سے کہ کوئی تدبیر دہی پیدا کرنے کی کی جائے۔ ندی قریب بہتی تھی۔ شیخ نے قلندروں سے کہا۔ دہی چاہتے ہو تو اس ندی میں گھس جاؤ۔ وہاں جتنا چاہنا کھانا۔ قلندروں کو یہ بات بہت دشوار معلوم ہوئی۔ تاہم زور میں آ کر کھڑے ہو گئے اور پانی کے پاس پہنچے۔ نظر اٹھا کر جو دیکھتے ہیں تو سب دہی ہی دہی ہے۔ خوب شکم سیر ہوئے۔ شیخ جمال الدین نے درویشوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا اب خانقاہ کے اندر چلے جاؤ اور آرام کرو۔

پھر اسی ذکر میں ذکر کیا کہ ایک بزرگ نے یہ حکایت سنائی کہ شیخ جمال الدین کی خدمت میں کوئی آدمی حج کر کے آیا اور سر نیاز زمین پر رکھ کر عرض کرنے لگا کہ میں نے حضور کو حج میں طواف کرتے دیکھا تھا۔ شیخ نے جھنجھلا کر کہا۔ "نادان! فقیروں کا حال فاش کرتا ہے۔ چپ رہ۔ مردان خدا کملی میں رہتے ہیں۔ یہ بات کیا بڑی ہوئی۔ ہمارے سامنے اس وقت کعبہ موجود ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ایک پلک جھپکاتے میں مشرق سے مغرب تک پھر آئیں۔" اور اس شخص کا ہاتھ پکڑ کر کہا "آنکھیں تو بند کر۔" اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ دیکھتا کیا ہے کہ شیخ کوہ قاف میں اس فرشتے کے پاس جو وہاں کا موکل ہے' تشریف رکھتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں اپنے مقام پر آ گئے۔ بہت قائل ہوا اور یہ کہتا ہوا چل دیا کہ "بیشک خدا کے دوستوں کو خدا کے سوا کوئی نہیں پہچان سکتا۔"

اس کے بعد شیخ الاسلام نے فرمایا کہ شیخ جمال الدین کو کسی وقت کسی نے نماز میں نہیں دیکھا۔ نماز کا وقت آتا ہے اور وہ غائب ہو جاتے ہیں۔ آخر بھید کھلا کہ خانہ کعبہ میں نماز ادا کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام یہ بیان کر ہی رہے تھے کہ ایک بوڑھا جوگی جس نے اچھے اچھے مجاہدے کئے تھے' کسی دور دراز جگہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس پر حضرت کی ایسی ہیبت چھائی کہ سر جھکا کر اونچا نہ کر سکا۔ یہاں تک کہ خود حضرت کی نظر پڑی اور حضرت نے بآواز بلند فرمایا "سر اٹھا۔" تب اس نے سر اٹھایا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ شیخ الاسلام نے

Marfat.com

پوچھا کہ کہاں سے آیا ہے اور کیا حال ہے۔ وہ مارے رعب کے کچھ جواب نہ دے سکا۔ آپ نے پھر اپنے الفاظ دہرائے مگر وہ بدستور صم، بکم، رہا۔ دو تین دفعہ کے اصرار پر آہستہ سے اتنا بولا کہ مجھ سے حضور کے سامنے بات نہیں ہوسکتی۔ اس پر شیخ الاسلام نے دعا گو کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ جوگی میرے پاس بڑے دعوے کر کے آیا تھا۔ جب اس نے سرزمین پر رکھا تو ہمارے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس کے سر کو زمین پکڑ لے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ ہر چند سر اٹھانا چاہتا تھا مگر نہ اٹھا سکتا تھا۔ اگر یہ اپنے زعم و تکبر سے مستغفر نہ ہوتا تو قیامت تک یوں ہی پڑا رہتا۔ پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور استفسار کیا کہ جوگی جی! تم نے اپنا کام کس حد تک پہنچایا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہم لوگوں کا کمال یہ ہے کہ ہوا میں اڑنے لگتے ہیں۔ یہ بات میں حاصل کر چکا ہوں۔ ارشاد ہوا ''اچھا اڑ۔ ہم بھی تماشا دیکھیں گے۔'' جوگی کے اڑتے ہی شیخ الاسلام نے اپنی نعلین کی طرف اشارہ کیا۔ وہ حکم الٰہی سے اڑ کر جوگی کے سر پر پہنچیں اور تڑ تڑ آواز دینے لگیں۔ آخر جوگی گھبرا کر اتر آیا اور مقر ہوا کہ جس شخص کی نعلین کا یہ مرتبہ ہے اس کی خود کی کوئی کیا برابری کرے گا اور مسلمان ہو کر واصلان حق میں شامل ہو گیا۔

اس نئے رنگ میں آ کر جوگی نے کہنا شروع کیا کہ عالم میں نیک و بد سب طرح کی اولاد پیدا ہوتی ہے، جس کا باعث والدین کا احکام مباشرت سے واقف و ناواقف ہونا ہے۔ یہ ایک مفصل تقریر تھی۔ دعا گو نے ایک دن اس حقیقت پر شیخ الاسلام سے روشنی ڈلوانی چاہی۔ حضرت نے تبسم فرما کر ارشاد کیا کہ مولانا نظام الدین! خوب ہوا جو تم نے اس کو سیکھ لیا۔ مگر یہ تمہارے کس کام کا۔ واپس کر دو۔ اسی وقت ایک صاحب چند نفر درویشان صوف پوش کے ساتھ بیت المقدس سے وارد ہوئے اور شیخ الاسلام کے سامنے سر خم کیا۔ ارشاد ہوا ''بیٹھ جاؤ'' بیٹھ گئے۔ وہ بزرگ بار بار چہرۂ مبارک کو دیکھتے اور نگاہ نیچی کر لیتے۔ آخر جب طاقت ضبط نہ رہی تو اٹھے اور حضرت کے پیروں میں سر رکھ کر عرض کرنے لگے کہ اے مخدوم! آپ کو میں نے بیت المقدس میں جاروب کشی کرتے دیکھا ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا سچ کہتے ہو۔ مگر تم سے عہد جو ہوا تھا اس کی بھی خبر ہے یا اسے بھول گئے۔ تمہیں یہ راز کھولنا نہ چاہیے تھا۔ درویش شرمندہ ہوئے کہ میں نے یہ کیا کر دیا۔ الغرض جب انفعال انتہا سے بڑھا تو حضرت نے ارشاد کیا کہ اے عزیز! مردان خدا جس جگہ بیٹھتے ہیں، وہیں خانہ کعبہ ہوتا ہے۔ وہیں عرش ہوتا ہے۔ وہیں کرسی ہوتی ہے اور جو جو کچھ خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے انہیں سب دکھائی دیتا ہے۔ پھر انہیں حکم دیا کہ آنکھیں بند کرو۔ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر فرمایا کھول دو۔ انہوں نے کھول دیں اور نعرہ مار کر بیہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں ہوش آیا تو کہا واقعی جو حضرت نے فرمایا تھا وہ سب دکھا بھی دیا۔ شیخ الاسلام نے ان کو کلاہ عنایت کی اور سیوستان کی خلافت سے سرفراز فرما کر رخصت کر دیا۔ بعد میں اور مسافروں سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الاسلام ہر روز ایک دفعہ بیت المقدس میں حاضر ہو کر جھاڑو دیتے ہیں۔

المختصر ان باتوں کے ہو چکنے پر شیخ الاسلام نے ارشاد فرمایا کہ میں بیس سال عالم تفکر میں رہا ہوں اور ان بیس سال میں ہمیشہ کھڑا رہا۔ چنانچہ تمام خون پیروں میں جمع ہو ہو کر نکلنے لگا تھا اور اس زمانے میں مَیں نے عہد کر لیا تھا کہ کبھی ٹھنڈا پانی یا لقمہ طعام نفس کو نہ دوں گا۔ شیخ الاسلام یہ کیفیت کہہ رہے تھے کہ ایک درویش شہاب الدین غزنوی جو شیخ الاسلام کے مریدوں میں سے تھے، حاضر خدمت ہوئے اور سر زمین پر رکھ کر حسب حکم بیٹھ گئے۔ انہیں والیٔ لاہور نے سو دینار دے کر حضرت کے پاس بھیجا تھا کہ یہ دینار حضرت کی نذر کر دیں۔ حضرت نے چھوتے ہی فرمایا ''لاؤ'' انہوں نے حالانکہ ان

Marfat.com

کے پاس پورے دینار موجود تھے مگر پچاس دیئے۔ شیخ الاسلام متبسم ہوئے اور کہنے لگے شہاب نے خوب برادرانہ تقسیم کی۔ درویش کو ایسا نہ کرنا چاہیے۔ شہاب بہت خجل ہوئے اور فوراً سو دینار حاضر کر دیئے۔ شیخ الاسلام نے ارشاد کیا کہ اگر میں تمہیں یہ تادیب نہ کرتا تو تم اپنے راستے سے بھٹک جاتے اور ہرگز مقصد تک نہ پہنچ سکتے۔ یہ کہہ کر وہ کل دینار انہیں عطا کر دیئے اور کہا کہ تجدید بیعت کرو۔ کیونکہ پہلی بیعت میں خلل پڑ گیا۔ دوبارہ بیعت لینے کے بعد فرمایا جاؤ' اور جس کسی کو کلاہ دینی ہو دو۔ کام تمہارا پورا ہو گیا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

۱۵ ماہ شوال ۶۵۵ھ روز دوشنبہ

عالم علوی اور عالم سفلی

دولت قدم بوسی حاصل ہوئی۔ شیخ جمال الدین ہانسوی اور شیخ بدرالدین غزنوی اور مولانا بدرالدین اسحٰق اور دیگر عزیزان باصفا حاضر خدمت تھے۔ کچھ دیر بعد ایک جوگی بھی آ پہنچا۔ دعا گو نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں اصل کار کیا چیز ہے؟ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں دو عالم مانے گئے ہیں۔ عالم علوی اور عالم سفلی۔ پیشانی سے ناف تک کا تعلق عالم علوی سے ہے اور ناف سے پیر تک کا عالم سفلی سے۔ یہ سن کر شیخ الاسلام نے فرمایا۔'' ہاں اس نے سچ بتایا مگر اتنا اور یاد رکھو کہ عالم علوی میں صدق وصفا اور خوش اخلاقی اور حسن معاملہ کا ہونا ضروری ہے۔ عالم سفلی میں پارسائی اور پاکی اور زہد کی نگاہداشت کی جاتی ہے۔'' پھر شیخ الاسلام پُر آب ہو گئے اور بولے'' مجھے اس کا یہ بیان بہت پسند آیا۔'' اور کہا'' جو شخص خداوند تعالیٰ کی دوستی اور محبت کا دعویٰ کرے اور دنیا کی محبت بھی اس کے دل میں ہو وہ دروغ گو اور جھوٹا ہے۔''

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ قاضی حمید الدین ناگوری تاریخ میں لکھتے ہیں کہ تین اوقات میں رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ سماع کے وقت اور کھانا کھاتے وقت جو طاعت کے لئے قوت پیدا کرنے کی نیت سے کھایا جائے اور درویشوں کے صفاء قلب کرنے کے وقت۔ اس گفتگو کے اثناء میں چھ سات جوان وخوردسال درویش خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم سب کا ایک قضیہ ہے۔ حضور اپنے یاروں میں سے کسی کو حکم دیں کہ وہ ہماری باتیں سن لیں۔ شیخ الاسلام نے مجھے اس کام پر متعین فرمایا اور مولانا بدرالدین اسحاق کو میرے ساتھ کیا۔ چنانچہ ہم نے تعمیل ارشاد کی اور انہوں نے نہایت نرمی کے ساتھ ایک دوسرے سے کہنا شروع کیا کہ فلاں روز تم نے ایسا کہا تھا اور میں نے یہ جواب دیا تھا وغیرہ وغیرہ۔ مجھ پر اور بدرالدین اسحٰق پر ان کی تقریر کے لطف سے گریہ طاری ہو گیا اور ہم نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ فرشتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہماری تعلیم کے واسطے بھیجا ہے کہ جھگڑوں کو اس طرح طے کرنا چاہیے۔ یہ کیفیت شیخ الاسلام کو بھی معلوم ہوئی۔ وہ بھی چشم پُر آب ہو گئے اور بولے بیشک ایسے موقع پر یہی چاہیے کہ گردن کی رگ نہ ابھرے اور غصے کا اثر تک ظاہر نہ ہو۔

بعد ازاں اسی محل میں ارشاد فرمایا کہ جب تک کھانا کھائے تو لازم ہے کہ طاعت بجا لائے تاکہ وہ کھانا بھی عبادت میں شامل ہو جائے۔ فقیر کو نفس کی خواہش پر ہرگز نہ کھانا چاہیے۔ پھر کہا کہ'' راحت الارواح'' میں قاضی حمید الدین ناگوری تحریر فرماتے ہیں کہ کسی درویش نے دریائے دجلہ کے کنارے اپنا صومعہ بنایا تھا اور کئی برس سے اس میں سکونت

Marfat.com

رکھتے تھے۔ایک اور درویش بھی وہاں آئے اور دریا کی دوسری طرف فروکش ہوئے۔جب پہلے درویش کا کھانا تیار ہوا اور انہوں نے اپنے بال بچوں کو اکٹھا کیا اور بیوی سے کہا کہ یہ کھانا لے جا کر ان درویشوں کو دے دو۔ بیوی نے جواب دیا کہ دریا میں کشتی تو ہے نہیں، میں کیونکر جاؤں؟ فرمایا جب کنارے پر پہنچو تو یہ کہنا کہ اے دریا! بحرمت اس درویش کے جس نے تیس سال میں ایک دفعہ بھی مجھ سے صحبت نہیں کی مجھے راستہ دے۔ دریا تجھ کو راستہ دے گا۔ بیوی کو ان کے یہ الفاظ سن کر بڑا تعجب ہوا کہ ان سے اس قدر تو میرے فرزند ہوئے اور یہ کہتے ہیں مگروہ خاموش روانہ ہوگئی اور دریا کے کنارے پہنچ کر وہی الفاظ کہنے لگی۔ دریا شق ہو گیا اور عورت اس کے اندر چلی گئی اور نئے درویش کے قریب جا کر سلام کیا اور کھانا رکھ دیا۔ ان بزرگ نے کھانا نوش فرمایا اور کہا جاؤ۔ عورت متفکر ہوئی کہ اب واپس کیونکر جاؤں۔ درویش نے دریافت کیا کہ تم آئیں کس طرح تھیں؟ عورت نے کہا کہ میرے خاوند نے مجھے یہ بتا دیا تھا۔ یہ کہہ کر میں آ گئی۔ انہوں نے فرمایا اب یہ کہہ دینا کہ اے دریا! بحرمت اس شخص کے جس نے تیس سال سے کھانا نہیں کھایا' مجھے راستہ دے دے۔ الغرض عورت نے یہی کیا اور دریا نے بدستور راستہ دے دیا۔ جب شوہر کے پاس پہنچی تو پوچھنے لگی کہ ان دروغ بافیوں کی حقیقت مجھ پر ظاہر کیجئے۔ فرمایا میں نے اور ان درویش نے سچ کہا تھا۔ تیس سال سے میں نے خواہش نفس سے کبھی صحبت نہیں کی۔ فقط تیرے حق کی ادائیگی کی نیت رکھتا تھا اور ان درویش نے تیس سال سے کبھی کھانا نہیں کھایا جب تک یہ ذہن میں نہ جما لیا کہ اس سے عبادت کے لئے طاقت حاصل کروں گا۔ سمجھ میں آیا؟

اس کے بعد اس بارے میں گفتگو شروع ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود چھوٹے قد کے تھے اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں **کیفة العلم** فرمایا ہے۔ یعنی علم کی تھیلی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چھوٹے قد کے تھے۔ پھر اسی محل میں ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ میں شیخ الاسلام بختیار اوشیؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ رئیس نام دعا گو کے ہم خرقہ بھی آ گئے اور سر زمین پر رکھ کر عرض گزار ہوئے کہ آج رات کو میں نے خواب دیکھا کہ ایک قبہ ہے اور اس کے اردگرد خلائق کے انبوہ آ جا رہے ہیں۔ میں نے استفسار کیا کہ قبے کے اندر کون ہے؟ کہا گیا ''حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور یہ شخص جو اندر سے باہر اور باہر سے اندر آمد و رفت کر رہے ہیں' عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ میں نے بڑھ کر عبداللہ بن مسعودؓ سے کہا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیجئے تا کہ میں بھی سعادت پائے بوسی حاصل کروں اور زیارت سے مشرف ہوں۔ وہ اندر گئے اور پھر باہر آن کر بولے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تجھ کو ابھی اس کی اہلیت نہیں ہے۔ مگر تو بختیار کاکی کو جا کر ہمارا اسلام پہنچا اور کہہ کہ جو تحفہ وہ ہر شب بھیجا کرتے تھے' وہ ہمیں ملتا تھا۔ مگر اب نو راتوں سے نہیں ملا۔ مانع بخیر باد۔ شیخ الاسلام اللہ برکاتہ نے فرمایا کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ہمیشہ سوتے وقت تین ہزار مرتبہ درود پڑھا کرتے تھے۔ پھر ان کے مجاہدے کا حال بیان کیا کہ عبادت خداوندی میں بیس سال انہوں نے استراحت نہیں فرمائی۔ پہلوئے مبارک زمین سے نہیں لگایا۔ پھر فرمایا کہ درویش پر خواب حرام ہے۔

ایک دن شمس دبیر ''مطول'' کا نسخہ لے کر حاضر ہوئے اور پڑھنے کی اجازت چاہی۔ شیخ الاسلام نے حکم دیا بیٹھ جاؤ اور پڑھو۔ شمس دبیر پڑھتے تھے اور شیخ الاسلام بتکرار معنی بیان فرماتے تھے اور بعض مقامات پر اصلاح بھی کرتے تھے۔ شمس دبیر اس عنایت سے بے حد مسرور ہوئے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا تمہارا دلی مطلب کیا ہے؟ شمس دبیر نے عرض کی

میری والدہ نہایت ضعیف اور عمر رسیدہ ہیں۔ میں ان کی پرورش کرتا ہوں اور معاش کی بڑی تنگی ہے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا جا کر شکرانہ لے آؤ۔ شمس دبیر گئے اور پچاس جیتل لے آئے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا انہیں تقسیم کر دو۔ ایک ایک دو دو سب کو پہنچے اور چار جیتل حضرت نے دست خاص سے دعا گو کو عنایت فرمائے اور پھر فاتحہ پڑھی۔ اس کے بعد شمس دبیر کے ہاں ایسی فراخی ہوئی کہ چند روز میں وہ سلطان غیاث الدین بلبن کے دبیر بن گئے اور ان کے گھر میں گھما گھمی ہوگئی۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

۱۵ ماہ شوال ۶۵۵ھ

درویشی اور جاگیر

دولت قدم بوسی نصیب ہوئی۔ حضرت شیخ الاسلام بیٹھے ہوئے تھے کہ والی اجودھن نے اپنے کارکنوں کے ہاتھ دو گاؤں کی مثال اور دو سو تنکہ نقد حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے بھیجے۔ کارکنوں کو حکم ہوا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے اور مال منال سامنے رکھ دیا۔ شیخ الاسلام نے مسکرا کر فرمایا کہ میں نے آج تک یہ چیز کسی کی قبول نہیں کی اور نہ یہ میرے خواجگان کی سنت ہے۔ واپس لے جاؤ اور کہو کہ اس کے طالب اور بہت ہیں' ان کو دے دو۔

اس کے بعد شیخ الاسلام نے اس حال کے مناسب ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک مرتبہ سلطان ناصر الدین محمود نے سلطان غیاث الدین بلبن کے ہاتھ جو ملتان کی طرف آئے تھے' چار دیہات کی مثال اور کچھ نقد دعا گو کے پاس بھیجا' جس میں مثال خاص میرے لئے اور نقد درویشوں کے اخراجات کے واسطے تھی۔ میں نے اس کے لینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ یہ کہہ کر شیخ الاسلام رونے لگے اور بولے کہ ان چیزوں کو ہم قبول کرنے لگیں تو ہم کو درویش کون کہے۔ ہم تو پھر اہل دول کی صف میں شامل ہو جائیں۔ (کارکنان والی اجودھن سے مخاطب ہو کر) حاشا وکلا یہ سب لے جاؤ اور کسی دوسرے کو عطا کر دو۔ بعد ازاں ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ دعا گو شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی کی خدمت میں حاضر تھا کہ سلطان شمس الدین انار اللہ برہانہ کے وزیر کوکبہ دولت کے ساتھ آئے اور عرض پرداز ہوئے کہ سلطان نے چھ سات دیہات کی مثال اور کچھ چیزیں بطریق نذرارسال کی ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام نے تبسم فرما کر ارشاد کیا کہ اگر ہمارے خواجگان انہیں لے لیا کرتے ہوتے تو ہمیں بھی عذر نہ تھا۔ مگر انہوں نے یہ رسم نہیں رکھی۔ ایسی صورت میں ہم ان کی متابعت نہ کریں گے تو کل بروز قیامت کس منہ سے ان کے سامنے جا سکیں گے۔

حسن ادب

اس کے بعد ''مشارق الانوار'' کی حدیثوں پر گفتگو چلی۔ ارشاد ہوا ''مشارق الانوار'' میں جس قدر حدیثیں درج ہیں سب صحیح ہیں۔ ایک بزرگ مولانا رضی الدین اصفہانی سے روایت کرتے ہیں کہ جب مولانا کو کسی حدیث میں دقت واقع ہوتی اور لوگوں سے نزاع کا موقع آ جاتا تو مولانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو کر خواب میں اس حدیث کی صحت کر لیتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک دفعہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنی چاہی۔ عبداللہ بن عباسؓ کے سوا کوئی حاضر نہ تھا۔ حضورؐ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کھڑا کر لیا۔ جب نماز شروع ہوئی تو

عبداللہ بن عباسؓ بخیال ادب پیچھے ہٹ آئے۔ حضورؐ نے نیت توڑ کر پھر انہیں برابر کھڑا کر لیا۔ یہ پھر پیچھے ہٹ آئے۔ یہاں تک کہ تین چار بار ایسا ہوا۔ آخر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم کیوں پیچھے ہٹ جاتے ہو؟ عبداللہ بن عباسؓ نے عرض کی۔ میری کیا مجال ہے جو رسول خداؐ کے برابر کھڑا ہوسکوں۔ حضورؐ کو ان کا حسن ادب بہت پسند آیا اور ان کے حق میں دعا فرمائی۔ اللھم فقھه فی الدین یعنی اے خدا اس کو دینؐ کی سمجھ عطا فرما۔

کشف وکرامت

اس کے بعد کشف وکرامت کا قصہ چھڑا۔ فرمایا کرامت کو مکاشفہ نہیں کہتے اور یہ کام کم حوصلے والوں کا ہے۔ مشائخ عظام نے اس کو کچھ وقعت نہیں دی۔ لہٰذا لازم ہے کہ جسے کشف ہو وہ اپنے تئیں کسی شمار میں نہ لائے۔ پھر ارشاد ہوا۔ ایک دفعہ خواجہ حسن نوری نور اللہ مرقدہ دریائے دجلہ کے کنارے پہنچے۔ ایک ماہی گیر نے جال ڈال رکھا تھا۔ خواجہ حسن نوری نے کہا اگر مجھ میں کرامت ہے تو اب کے جال میں ڈھائی من کی مچھلی آئے گی۔ اس امر کی خبر خواجہ جنید بغدادی کو ملی۔ انہوں نے کہا کہ کاش اس جال میں ایک سانپ آ کر انہیں کاٹتا اور وہ شہید ہو کر مرتے۔ اب کسی کو کیا معلوم ہے کہ ان کا انجام کیسا ہوگا۔ پھر اسی اثناء میں فرمایا کہ شیخ سعدالدین حمویہ کا قول ہے کہ کرامت کا ظاہر کرنا فرض کا ترک کرنا ہے۔ پھر اسی مضمون کے متعلق ارشاد ہوا کہ برادرم سعدالدین کہتے تھے کہ میرے شہرؒ کا والی میرے ساتھ عقیدت نہ رکھتا تھا۔ ایک روز اس کا میرے دروازے کے آگے سے گزر ہوا۔ اس نے چوبدار کو یہ کہہ کر میرے پاس بھیجا کہ اس صوفی کو باہر لے آؤ۔ تا کہ میں دیکھوں کہ یہ کیسا شخص ہے۔ چوبدار نے اندر آ کر یہ حال مجھے سنایا۔ میں نے اس کی بات کی طرف التفات نہ کیا اور نماز میں مشغول ہو گیا۔ چوبدار نے جا کر بادشاہ سے کہہ دیا۔ بادشاہ خود اتر پڑا اور دعا گو کے پاس آیا۔ میں یہ دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور خندہ پیشانی سے پیش آیا۔ الغرض ہم دونوں ایک جگہ بیٹھ گئے۔ میں نے خادم کو اشارہ کیا کہ سیب لے آؤ۔ اور ایک سیب تراش کر بادشاہ کو کھلایا اور خود بھی کھایا۔ خوان میں ایک سیب سب سے بڑا تھا۔ بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ اگر یہ شیخ صفائے قلب رکھتے ہیں تو یہ سیب مجھ کو دیں گے۔ اس کے دل میں اس خطرے کا آنا تھا کہ میں نے ہاتھ بڑھا کر اس سیب کو اٹھالیا اور بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں ایک دفعہ سفر میں تھا کہ ایک شہر میں پہنچا۔ وہاں ایک جگہ بہت سے لوگ جمع تھے اور ان کے بیچ میں ایک شخص گدھا ہاتھ میں پکڑے بیٹھا تھا' جس کی آنکھیں بندھی ہوئی تھیں۔ اس گدھے والے نے مجمع میں ایک شخص کو انگوٹھی دے دی اور گدھے سے کہا کہ اسے تلاش کرے۔ گدھے نے ہر شخص کو سونگھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ انگوٹھی والے کے پاس پہنچا اور اس کو سونگھ کر وہیں کھڑا ہو گیا اور اس نے انگوٹھی لے لی۔ المختصر اس قصے کے بیان کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ اگر میں اس وقت کوئی کشف وکرامت کی بات کہوں تو میری یہ حرکت مجھے اس گدھے کے برابر رتبہ دے دے گی اور بس اور اگر نہیں کہتا تو تم خیال کرتے ہو کہ یہ درویش صفائے قلب نہیں رکھتا۔ یہ کہہ کر میں نے وہ سیب بادشاہ کے سامنے ڈال دیا۔ پھر شیخ الاسلام چشم پُر آب ہو گئے اور کہنے لگے کہ مردان خدا اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا کرتے ہیں اور کرامات کو کسی کے سامنے الم نشرح نہیں کرتے۔ شیخ الاسلام یہی فوائد بیان کر رہے تھے کہ اذان کی آواز آئی۔ حضرت نماز میں مشغول ہوئے اور حاضرین رخصت۔ الحمد للّٰہ علی ذلک۔

Marfat.com

۲۰ ماہ شوال ۶۵۵ھ

خرقِ عادت

شرف پائے بوسی حاصل ہوا۔ شیخ بدرالدین غزنوی اور چند دیگر عزیز موجود تھے اور حضرت امیر المومنین عمر فاروقؓ کی عدالت کا بیان ہو رہا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ جب حضرت فاروقؓ مسلمان ہو گئے تو تلوار نکال کر انہوں نے بلالؓ کو ساتھ لیا اور کہا کہ مسجد کے مینار پر چڑھو اور اذان دو۔ چنانچہ اذان دی گئی۔ بلالؓ کی آواز بلند ہوئی تھی کہ کفار میں تہلکہ مچ گیا کہ آج عمر اسلام لے آئے۔ اب ہماری کارروائیوں کی کامیابی مشکل ہو گئی۔ اس موقع پر ایک دوسری حکایت بھی کہی کہ ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ راستے میں جا رہے تھے کہ ایک ضعیفہ کو روتے ہوئے دیکھا۔ ضعیفہ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ کیا آپ اسے جائز سمجھتے ہیں کہ آپ کے دور میں زمین میرا دہی نگل جائے؟ امیر المومنینؓ نے زمین سے خطاب کیا کہ اے زمین! تو بڑھیا کا دہی واپس کر دے ورنہ درے سے تجھے سزا دوں گا۔ ہنوز یہ بات پوری زبان مبارک سے کہی نہ گئی تھی کہ زمین پھٹی اور اس ضعیفہ کا دہی ابل آیا جو اس نے ہنڈیا میں بھر لیا۔ اس کے بعد حضرت امیر المومنینؓ کی بزرگی پر گفتگو ہونے لگی کہ ایک دن حضرت حجرے میں تشریف رکھتے تھے اور اپنے خرقے میں بخیہ کر رہے تھے اور پشت مبارک حضرتؓ کی آفتاب کی جانب تھی اور پشت تمازت آفتاب سے جلنے لگی۔ حضرتؓ نے غصے کے ساتھ آفتاب کو دیکھا۔ بس دیکھنا تھا کہ فرشتوں کو حکم الٰہی پہنچا کہ آفتاب کا نور سلب کر لو۔ اس نے عمرؓ کو کیوں تکلیف دی۔ فرشتوں نے تعمیل کی اور ایک دم تمام جہان تاریک ہو گیا۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے میں حیات تھے۔ حضورؐ از حد غمناک ہوئے اور فرمایا کہ شاید قیامت قائم ہو گئی جو آفتاب سے نور چھن گیا اور تمام جہان اور افلاک تیرہ و تار ہو گئے۔ آخر جبرئیل آئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! قیامت قائم نہیں ہوئی بلکہ حضرت عمرؓ کی نظر نے یہ سب کام کرایا ہے۔ آفتاب نے ان کی پشت کو زیادہ گرم کر دیا تھا۔ انہوں نے اسے غصے سے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نور چھین لیا۔ اگر حضرت عمرؓ اب اسے معاف کر دیں تو پھر روشنی ہو جائے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو طلب فرما کر آفتاب کی سفارش کی۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی۔ ہاں! بیشک میں نے آفتاب کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھا تھا لیکن میں نے اسے بخش دیا۔ فوراً آفتاب میں چمک دمک پیدا ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت امیر المومنینؓ کی بزرگی میں ایک اور حکایت بھی سنائی کہ ایک دفعہ قیصر روم کو حضرتؓ نے پیغام بھیجا کہ اب کے سال خراج کیوں ادا نہیں ہوا؟ اس نے کچھ بہانہ کر دیا اور اپنے چند آدمیوں کو مدینہ منورہ روانہ کیا کہ تم جا کر دیکھو کہ عمرؓ کیسے آدمی ہیں۔ اگر اس قابل ہوئے کہ انہیں خراج دیا جائے تو میں مال ارسال کروں گا۔ ورنہ نہیں۔ خیر وہ لوگ حضرت امیر المومنینؓ کے مکان پر آئے۔ حضرتؓ اس وقت مکان میں نہ تھے۔ وہ حظیرے میں پہنچا۔ وہاں دیکھا کہ بیٹھے خرقے میں بخیہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے سلام کیا اور حضرتؓ نے اپنی روشن ضمیری سے انہیں پہچان لیا اور منہ اونچا کر کے کہا کہ مال لائے؟ انہوں نے جواب دیا کہ مال تو وہ نہیں دیتا۔ یہ سن کر حضرت امیر المومنینؓ نے درہ اٹھایا اور فرمایا۔ اب ٹھیک ہو گیا۔ یہ لوگ واپس ہوئے۔ راہ ہی میں تھے کہ اطلاع ملی کہ قیصر روم تخت پر بیٹھا تھا۔ یکایک دیوار شق ہوئی اور اس میں سے ایک ہاتھ برآمد ہوا اور اس نے قیصر کے ایک ایسا درہ لگایا کہ اس کا سر اڑ کر الگ جا پڑا۔ قاصدوں نے اپنا مشاہدہ کہہ سنایا۔ پھر تو بہت سا مال بھیجا گیا اور کئی ہزار کافر مسلمان ہو گئے۔ (۲) الحمد للہ علیٰ ذلک۔

۲۱ ماہ شوال ۶۵۵ ھ

ترک دنیا

دولت قدمبوسی میسر آئی۔ ترک دنیا کے متعلق گفتگو ہورہی تھی۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ایک دفعہ کسی بزرگ نے پانی پر مصلے بچھا کر نماز پڑھی اور کہا کہ خداوندا! خضر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہورہا ہے۔ اس کو توبہ کی توفیق عنایت کر۔ قضا عند اللہ حضرت خضرؑ آ گئے اور بولے "اے بزرگوار! میں نے کیا کیا؟ بتلایئے تاکہ میں اپنے مولا سے معافی مانگوں۔" کہا "تم نے فلاں بیابان میں ایک درخت لگایا ہے۔ اس کے سائے میں تم خود بیٹھتے ہو اور آرام کرتے ہو اور دعویٰ یہ ہے کہ میں نے یہ کام خدا کے واسطے کیا ہے۔ حضرت خضرؑ نے اقرار کیا اور تائب ہوئے۔ بعد ازاں ان بزرگ نے حضرت خضرؑ سے ترک دنیا کی حقیقت بیان کی کہ اس طرح ہونا چاہیے اور فرمایا میں ایسا ہوں کہ اگر تمام جہان مجھے ملے اور وعدہ کیا جائے کہ تجھ سے حساب نہیں لیں گے تب بھی میں اسے قبول نہ کروں اور اگر کہا جائے کہ دنیا قبول کرو۔ ورنہ دوزخ میں ڈال دیں گے، تو میں دوسری بات منظور کرلوں مگر دنیا کو قبول نہ کروں۔" حضرت خضرؑ نے سوال کیا کہ اتنی بے تعلقی کا کیا سبب ہے؟ کہا دنیا مغضوب خدائے عزوجل ہے۔ جس چیز کا خدا دشمن ہو میں بھی اس کا دشمن ہوں۔

ذکر خدا میں استغراق

پھر اس بارے میں بحث شروع ہوئی کہ ہر حال میں اللہ کی یاد میں مستغرق رہنا چاہیے۔ شیخ الاسلام دام اللہ برکاتہ نے ارشاد کیا کہ ایک شخص نے کسی درویش صاحب نعمت سے درخواست کی کہ جس وقت آپ یاد حق میں مشغول ہوں تو مجھے بھی یاد رکھیں۔ درویش نے فرمایا کہ افسوس ہے اس گھڑی پر کہ جب یاد خدا بھی ہو اور تیرا خیال بھی آئے۔

عقل و علم

پھر عقل و علم کی نسبت باتیں ہونے لگیں۔ کتاب مفصل بھی آگے رکھی تھی۔ ارشاد ہوا کہ خداوند تعالیٰ کی بندوں پر دو عنایتیں ہیں۔ ایک ظاہری یعنی پیغمبروں کا بھیجنا اور دوسری باطنی۔ وہ عقل ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص عالم ہے مگر عقل نہیں رکھتا تو علم اس کو کچھ نفع نہیں پہنچائے گا۔ پھر اسی گفتگو میں فرمایا کہ میں نے "آثار تابعین" میں لکھا دیکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر جو کچھ نازل ہوا وہ موجودات کا علم ہے جس کی نسبت فرمان ہے کہ **علم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملئکۃ** آدم علیہ السلام کے سامنے علم و عقل دونوں چیزیں پیش کی گئی تھیں۔ پہلے تو آدم علیہ السلام حیران ہوئے کہ کسے منتخب کروں لیکن بالآخر انہوں نے عقل کو اختیار کرلیا اور کہا کہ عقل کے ذریعے علم بھی آجائے گا۔

پھر اسی محل میں یہ حکایت فرمائی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو مصحف میں حکم ہوا تھا کہ عاشق اور صالح لوگوں کو معلوم ہو کہ وہ چار ساعتوں سے غافل نہ رہا کریں۔ پہلی ساعت میں چاہیے کہ اپنے پروردگار سے نماز کے اندر اور نماز کے آخر مناجات کریں۔ دوسری ساعت میں انہیں اعمال کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ تیسری ساعت میں ان کو چاہیے کہ بھائی بندوں میں بیٹھیں اٹھیں اور ان کے عیبوں کو دیکھ کر ان کی اصلاح کی کوشش کریں۔ لیکن ان کی پردہ پوشی لازمی ہے اور چوتھی ساعت میں نہ کھائیں نہ پیئیں۔ نہ بری صحبت میں جائیں۔ بلکہ صرف نیک کام کریں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ حدیث شریف میں

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے کہ یقیناً علم و عقل ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ علم عقل سے الگ ہے اور نہ عقل علم سے۔ پس لوگوں میں افضل کون ہے؟ وہ جو اپنے آپ کو پہچانے تو اس صورت میں عقل ممتاز رہی۔

پھر اسی محل میں ارشاد فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوری تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ہر چیز کی انتہا ہوتی ہے اور عبادت کی انتہا عقل ہے۔ کیونکہ بغیر علم عبادت بیہودہ اور بغیر عقل علم دردسر۔ قیامت کے روز حجت یہی ہوگی۔ امام اعظم سے دریافت کیا گیا کہ آپ جو ہر آیت اور ہر حدیث سے ہزار ہزار مسئلے نکالتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا میری عقل مجھے مدد دیتی ہے۔ اگر عقل صحیح نہ ہوتی تو ایک بات بھی نہ سمجھ سکتا۔ شیخ الاسلام نے ارشاد کیا کہ عقل تمام چیزوں سے شریف تر ہے۔ اگر عقل نہ ہوتی تو اللہ کی معرفت بھی نہ نصیب ہوتی۔

اتنی گفتگو کے بعد اذان ہوگئی۔ شیخ الاسلام نماز میں مشغول ہوگئے اور دعا گو خلقت رخصت۔ **الحمد للّٰہ علی ذلک۔**

۱۰ ماہ ذیقعدہ ۶۵۵ھ

بسلسلہ علم و عقل

دولت قدمبوسی حاصل ہوئی۔ پھر علم و عقل کی گفتگو جاری تھی۔ فرمایا ''علم خدا کے نزدیک کل عبادتوں سے افضل اور بالاتر ہے۔'' اس کے بعد شیخ الاسلام چشم پُر آب ہوگئے اور کہنے لگے ''علم وہ ہے جسے عالم نہیں جانتے اور زہد وہ ہے جس کو زاہد نہیں جانتے اور اصل کاران دونوں سے باہر ہے۔ مرد کو چاہیے کہ ان دونوں سے دل اٹھالے۔''

پھر ارشاد کیا کہ کاش لوگوں کو علم کا درجہ معلوم ہوتا تو سب کاموں سے دست بردار ہو کر اس کی تحصیل میں لگ جاتے۔ علم ایک ابر ہے جو رحمت کے سوا کچھ نہیں برساتا۔ جو اس ابر سے حصہ لیتا ہے' گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔

پھر اسی مضمون کے موافق ارشاد ہوا کہ ایک روز ہم اور شیخ جلال الدین تبریزی ایک جگہ بیٹھے تھے۔ ذکر ہوا کہ علم کی مثال شیشے کی قندیل میں ایک روشن چراغ کی سی ہے' جس سے کل عالم ناسوت و ملکوت روشن ہیں۔ جو اس کے پرتو سے مستفیض ہوا اسے تاریکی کا اندیشہ نہیں۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ علماء علم سے غافل ہیں۔ انہوں نے دنیا کو اپنا قبلہ گاہ بنا رکھا ہے اور دانائی کے غرور سے اپنے نفسوں کو موٹا کر لیا ہے۔ یہ کہہ کر شیخ الاسلام رونے لگے اور بولے کہ شرح علماء میں مرقوم ہے کہ فردائے قیامت کو ان صلحاء و علماء کے لئے جو دنیا میں اہل دنیا کے ساتھ مشغول رہتے تھے اور اپنا منصبی کام نہ کرتے تھے' حکم ہوگا کہ انہیں عرصات میں حاضر کرو۔ پھر فرشتگان عذاب سے کہا جائے گا کہ ان کی گردنیں آتشیں زنجیروں سے جکڑ کر دوزخ میں لے جاؤ۔ پھر فرمایا ان علماء سے مراد وہ علماء ہیں جو بظاہر پارسائی دکھلاتے ہیں اور باطن میں علم و عمل نہیں کرتے اور مکر و حیلے کے ساتھ دنیا کماتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ 'راحت الارواح'' میں رقم طراز ہیں کہ انسان اگر اپنے علم پر مغرور نہ ہو اور اس کا جائز استعمال کرے تو خدا تعالیٰ اسے حلال و حرام' حق و باطل اور نیک و بد کی صحیح تمیز عنایت فرما دیتا ہے۔

عقل کی بہت سی قسمیں ہیں۔مگر عالم نام مطلق ہے۔عالم درحقیقت اسے کہتے ہیں جو علم نبویؐ جانتا ہو اور علم نبویؐ کا تعلق آسمان سے ہے۔کیونکہ وہ کل ہمارے پروردگار نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل کیا تھا۔ بعدازاں معرفت میں گفتگو ہونے لگی۔فرمایا کہ آدمی اپنے آپ کو نہیں پہچانتا۔ہوا و ہوس اسے دوسری باتوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔ورنہ جو خود کو پہچان لیتا ہے اسے خدا کی محبت ہو جاتی ہے اور کسی غیر کی اس کے دل میں جگہ نہیں رہتی۔اگر ہژدہ ہزار عالم اس کے سامنے آئیں تو وہ التفات نہ کرے۔پھر دعا گو سے مخاطب ہو کر ارشاد کیا کہ اہل معرفت وہ لوگ ہیں کہ جن کے آگے جبرئیل، اسرافیل اور میکائیل جیسے لاکھوں مقرب فرشتے بھی عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک جمع ہو جائیں تو وہ انہیں موجود نہ سمجھیں اور نہ انہیں ان کے آنے اور جانے کی خبر ہو۔یہ شان کسی کی نہ دیکھو اور وہ اپنے کو اہل معرفت کہے تو سمجھ لو کہ دروغگو ہے۔

پھر اسی محل مین فرمایا کہ ایک روز میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر تھا۔انہوں نے کہا کہ جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے کسی بندے کو اپنا دوست بنائے تو ذکر کا دروازہ اس پر کھول دیتا ہے اور سرائے حیرت و دہشت میں اس کو جگہ دیتا ہے جو اس کی عظمت و جلال کا محل ہے۔اسی طرح ہر بندہ خدا تعالیٰ کی حفاظت و حمایت میں آ جاتا ہے۔

پھر اسی اثناء میں فرمایا کہ ایک روز میں شیخ الاسلام حضرت معین الدین سنجری کی خدمت میں حاضر تھا۔انہوں نے فرمایا کہ اہل معرفت کو اوقات میں توکل کرنا چاہیے اور یہ علم علوی شوق سے حاصل ہوتا ہے۔جب عارف کو یہ مقام مل جاتا ہے تو اسے اپنی خبر نہیں رہتی، خواہ اسے آگ میں ڈال دو۔

پھر ارشاد ہوا کہ اہل معرفت گفتگو کا دعویٰ اس وقت کر سکتے ہیں کہ پہلے اپنے تئیں خلق کو ثمرۂ معرفت سے بہرہ ور دکھائیں اور جو لوگ ادعائے محبت پر نکتہ چینی کرتے ہوں، انہیں شکست دیں۔

بعدازاں شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے اشغال کا حال فرمانے لگے کہ ان کی رحلت کے موقع پر ایک مرید حاضر تھے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے شیخ کو ایسی حالت میں تبسم کناں دیکھ کر عرض کیا کہ اے مخدوم! آپ اب دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کوچ کر رہے ہیں اور آپ کو رنج نہیں۔چہرے پر اور الٹی ہنسی ہے۔کہا میاں خدا تعالیٰ کے پہچاننے والوں کی یہی شان ہونی چاہیے۔اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ وہ شخص بیشک عاشق و عارف ہے جس کے دل میں ہر چیز سے خدا تعالیٰ کی یاد پیدا ہو۔پھر ارشاد ہوا کہ میں نے شیخ الاسلام حضرت قطب الدین بختیار اوشی کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ عقل کے درخت کو فکر کا پانی دیا کرو تا کہ وہ خشک نہ ہو جائے بلکہ روز بروز بڑھتا رہے اور غفلت کے درخت کو جہل کا پانی مناسب ہے۔اس کی اس سے جڑ بندھتی ہے اور توبہ کا درخت ندامت کے پانی سے پرورش پاتا ہے اور بار آور ہوتا ہے اور محبت کا درخت موافقت کے پانی سے پھلتا پھولتا ہے۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ حضرت خواجہ معین الدین سنجری کے واقعات میں مرقوم ہے کہ جس رات کو حضرت کا انتقال ہونے والا تھا، اس رات کو حضرت نے کئی سو بار جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ خدا کا دوست معین الدین آتا ہے۔ہم اس کے استقبال کے لئے آئے ہیں اور

Marfat.com

جب حضرت کا وصال ہو گیا تو حضرت کی پیشانی پر لکھا ہوا دیکھا کہ حبیب اللّٰہ مات فی حب اللّٰہ۔

شیخ الاسلام ان الفاظ تک پہنچے تھے کہ بانگ نماز سنائی دی۔ خواجہ نماز میں مشغول ہوئے اور خلق و دعا گو واپس آئے۔ الحمد للّٰہ علیٰ ذلک۔

۱۲ ذیقعدہ ۶۵۵ھ

ترک دنیا کی فضیلت

دولت پائے بوسی میسر آئی۔ مولانا بدرالدین غزنوی اور شیخ جمال الدین ہانسوی اور دیگر عزیز حاضر خدمت تھے اور ترک دنیا کی بزرگی پر بحث ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ جس روز سے حق تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا ہے' دشمنی کے باعث اس کی طرف نظر نہیں کی۔

پھر اسی اثناء میں ارشاد کیا کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ میں دو چیزوں سے ڈرتا ہوں۔ ایک درازی اہل کی آرزو سے اور دوسرے دنیا اور خواہش نفس کی متابعت سے۔ کیونکہ نفس بندے کو یاد حق سے باز رکھتا ہے اور درازی اہل کی آرزو آخرت کو بھلا دیتی ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ غزنین میں ایک بزرگ تھے۔ ان سے میں نے پوچھا کہ دنیا کی ہماری طرف پشت ہے اور آخرت کا ہماری طرف منہ ہے۔ ہم کسے عزیز رکھیں؟ جواب دیا کہ ''آخرت کو اور اس کے بہتر بنانے کی کوشش کرو۔ کیونکہ کل بروز قیامت وہ کوششیں کام آئیں گی اور دیکھو آج جو کام یہاں کئے جا سکتے ہیں' کل ان کا موقع نصیب نہ ہوگا۔''

پھر اسی محل میں حکایت بیان کی کہ خواجہ عبداللہ بن سہل تستری نے جو کچھ مال و منال دنیا ان کے پاس تھا' سب اللہ کی راہ میں دے دیا۔ اہل خاندان ملامت کرنے لگے کہ خرچ کے واسطے تو کچھ بچا لیا ہوتا۔ خواجہ نے کہا۔ مجھے اس فکر کی ضرورت نہیں۔ پھر اسی گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ ''اسرار العارفین'' میں خواجہ یحییٰ معاذ رازی کی ایک تحریر میرے مطالعے سے گذری کہ جب حکمت آسمان سے اترتی ہے تو ہر دل کو اپنا مسکن نہیں بناتی۔ جن لوگوں کو ان چار امراض میں سے ایک مرض بھی ہوگا' حکمت ان سے ہمیشہ دور رہے گی۔

(۱) حرص دنیا۔ (۲) فکر فردا۔ (۳) مسلمانوں سے بغض و حسد۔ (۴) شرف و جاہ کی محبت۔

پھر فرمایا کہ برادر بہاء الدین زکریا کے ساتھ ایک دفعہ میں کہیں بیٹھا تھا کہ زہد پر یہ گفتگو چھڑ گئی کہ تین چیزیں زہد و درویشی کے لئے لازمی ہیں۔ جس شخص میں یہ تین چیزیں نہ ہوں گی زہد بھی نہ ہوگا۔ (۱) دنیا کی شناخت پر اس سے ہاتھ اٹھانا (۲) مولیٰ کی خدمت کرنی اور ادب ملحوظ رکھنا (۳) آخرت کی آرزومندی اور اس کا طلب کرنا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ہمارے خواجگان میں سے خواجہ فضیل بن عیاض سے منقول ہے کہ قیامت کے دن دنیا نہایت زیب و زینت کے ساتھ آراستہ ہو کر میدان میں نکلے گی اور عرض کرے گی کہ اے پروردگار! اب تو مجھے اپنا بندہ بنا۔ اس پر خدا تعالیٰ جواب دے گا کہ میں تجھے منہ نہیں لگاتا۔ تیرے پیروؤں سے مجھے کبھی خوشی نہیں ہوئی۔ اتنے میں دنیا ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

پھر دعا گو کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ دنیا ترک کر دو تا کہ قیامت کے روز دوزخ سے محفوظ رہو۔ پھر ارشاد ہوا کہ

Marfat.com

جس قدر فتوحات اور نقد میرے پاس آتا ہے میں اگر اسے جمع کروں تو خزانے بھر جائیں لیکن میں سب کچھ اسی کی راہ میں صرف کر دیتا ہوں۔ پھر اسی محل میں فرمایا کہ خواجہ مودود چشتی "شرح اولیاء" میں کہ تمام بدی اور برائی ایک مکان میں جمع کر کے اس کی کنجی دنیا کو بنایا گیا ہے۔ جو لوگ دانا اور دور اندیش ہیں وہ اس مکان اور اس مکان کی کنجی کے پاس نہیں پھٹکتے۔ امام زاہد کی تفسیر سامنے رکھی تھی۔ اس میں یہ روایت دکھائی دی: نجی المخفضون و ھلک المثقلون یعنی سبکساروں نے نجات پائی اور گراں بار ہلاک ہوئے۔

بعد ازاں خدا تعالیٰ کی بزرگی میں گفتگو شروع ہوئی۔ ارشاد ہوا کہ خدا تعالیٰ سب سے بزرگ ہے۔ لیکن جب یہ بات کل دنیا جانتی ہے تو اس نعمت سے محروم کیوں رہتی ہے اور فکر و ذکر میں عمر کس لئے صرف نہیں کرتی۔

پھر ارشاد ہوا کہ بعض بندے اللہ کے ایسے ہیں جو دوست کا نام سن کر جان و مال فدا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ "اسرار تابعین" میں مرقوم ہے کہ کسی درویش نے جنگل میں اپنا مسکن بنایا تھا اور ساٹھ برس سے عالم تفکر میں ایستادہ تھے۔ ناگاہ غیب سے ندا آئی کہ "یا اللہ!" درویش مذکور نے جو دوست کا نام نامی سنا' ایک نعرہ مار کر گر پڑے۔ دیکھا تو جان بحق تسلیم ہو چکے تھے۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ اگر اہل سلوک کبھی خدا کی یادؔ سے غافل ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس وقت مردہ ہیں۔ اگر زندہ ہوتے تو مولیٰ کا ذکر ہم سے ترک نہ ہوتا۔

پھر اسی موقع پر ارشاد کیا کہ بغداد میں ایک بزرگ تھے کہ ہزار بار ذکر اللہ ان کا روزانہ وظیفہ تھا۔ ایک دن وہ ناغہ ہو گیا۔ غیب سے آواز آئی کہ فلاں ابن فلاں نہ رہا۔ لوگ اس آواز کو سن کر جمع ہوئے اور ان بزرگ کے دروازے پر پہنچے مگر وہ زندہ تھے۔ سب حیرت میں پڑ گئے اور بزرگ سے معذرت کرنے لگے کہ غلطی یا غلط فہمی ہوئی۔ انہوں نے تبسم فرمایا اور کہا کہ آپ صاحبان ٹھیک آئے۔ جیسا کہ آواز میں سنا ویسا ہی جانو۔ میرا وظیفہ ناغہ ہو گیا تھا۔ وہاں اعلان کر دیا کہ میں مر گیا۔
پھر اسی گفتگو میں ارشاد ہوا کہ زبان پر مولیٰ کا ذکر رکھنا ایمان کی نشانی اور نفاق سے بیزاری اور شیطان سے حصار اور آتش دوزخ سے حفاظت ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ "شرح مشائخ" میں لکھا ہے کہ جب مومن ذکر الٰہی کے ساتھ زبان کھولتا ہے آسمان سے ایک ندا آتی ہے کہ اٹھو اور خوشی کرو کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے گناہ بخش دیئے۔

پھر فرمایا کہ جب میں سیستان میں تھا تو میں نے ایک درویش کو عالم سکر میں کھڑا دیکھا۔ سوائے ذکر کے کوئی بات نہ کرتے تھے۔ الغرض جبکہ ذکر میں سعادت ابدی ہو تو لازم ہے کہ ہم رات دن' اٹھتے بیٹھتے' کھڑے لیٹے' پاک و ناپاک ہر حالت میں بجز وقت قضائے حاجت کے ذکر سے غافل نہ ہوں۔

پھر اسی محل میں ارشاد ہوا کہ ایک بزرگ تھے کہ جس شخص کو حدیث شریف میں کوئی مشکل درپیش ہوتی' یہ اسے حل کر دیتے۔ ایک روز کنگھی کرنے کی نسبت گفتگو ہو رہی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ کنگھی کرنی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر پیغمبران علیہم السلام کی سنت ہے۔ جو شخص رات گئے وقت ڈاڑھی میں کنگھی کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ اس کو فقر کی آفت میں مبتلا نہ کرے گا۔ ڈاڑھی میں جس قدر بال ہوتے ہیں' ان میں سے ہر ایک کے بدلے ہزار غلام آزاد کرنے کا ثواب دے گا اور اسی قدر گناہ دور کرے گا۔ اگر لوگ کنگھی کرنے کے اجر کو جان جائیں تو سب عبادتوں سے باز رہ کر اسی ایک

عبادت کو پکڑلیں۔ پھر فرمایا کہ ایک کنگھی دو آدمیوں میں مشترک نہ ہونی چاہیے کیونکہ یہ بات ان دو آدمیوں میں جدائی ڈال دے گی۔ پھر ارشاد ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت کے ہاں دو بچے ہوئے تھے۔ اس کے لواحقین نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ ان کو کیوں کر علیحدہ علیحدہ کریں۔ حضورؐ سوچنے لگے۔ یہاں تک کہ جناب جبرئیلؑ تشریف لائے اور عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ! حکم فرمایئے کہ ان دونوں بچوں کے سروں میں ایک کنگھی کرو۔ دونوں علیحدہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور چند دنوں میں وہ علیحدہ ہو گئے۔

بعدازاں نماز باجماعت کی بابت باتیں ہونے لگیں۔ شیخ الاسلام نے نہایت تاکید سے ارشاد فرمایا کہ اگر دو شخص ہوں تب بھی جماعت ہی سے نماز ادا کرنی چاہیے۔ اگرچہ دو آدمیوں کی جماعت پر جماعت کا حکم نہیں لگتا مگر ثواب جماعت ہی کا ملتا ہے۔

بعدہ حضرت نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ میں لاہور کی طرف سفر کر رہا تھا کہ ایک عزیز صاحب نعمت سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے کہا کہ خداوند تعالیٰ کے ذکر سے چھ باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ ایسی حالت میں پہنچ جاتا ہے کہ حضرت تعالیٰ و تقدس کو چشم دل سے دیکھنے لگتا ہے۔ دوسرے یہ کہ خداوند تعالیٰ اسے گناہوں سے باز رکھتا ہے۔ اور جو شخص ذکر کے وقت معاصی کا خیال نہ چھوڑے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اسے دور کر دیا ہے۔ تیسرے یہ کہ جو شخص کثرت سے ذکر الٰہی کرے گا خدا کی دوستی اس کے دل میں مستحکم ہوگی۔ چوتھے جو خدا کا ذکر زیادہ کرتا ہے خدا اس کو عزیز رکھتا ہے۔ پانچویں یہ کہ ذکر کرنے والا دیو اور پری کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ چھٹے یہ کہ خدا تعالیٰ قبر میں اس کا مونس ہوتا ہے۔ پھر اسی مضمون کے مطابق فرمایا کہ کوئی ذکر کلام اللہ پڑھنے کے برابر نہیں ہے۔ اس کو تلاوت کرتے رہنا چاہیے کہ اس کا ثمرہ تمام طاعتوں سے فاضل تر ہے۔

سورۂ ملک کی فضیلت

اس کے بعد ارشاد ہوا۔ میں نے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ حدیث شریف میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے کہ سورۂ ملک کا نام توریت میں ماثور اور پارسی میں ماثورہ ہے اور یہ سورہ عذاب قبر سے محفوظ رکھنے والی ہے۔ پھر فرمایا حدیث شریف میں مسطور ہے کہ جو شخص رات کو سورۂ یٰسین پڑھے اسے ایسا ثواب ہوتا ہے کہ گویا اس نے شب قدر پائی۔

ذکر اللہ کی فضیلت

پھر ارشاد کیا کہ بغداد میں ایک بزرگ اللہ اللہ بہت کہتے تھے۔ ایک روز راستے میں ان کا گزر ہوا اور ایک لکڑی ان کے سر پر ایسی گری کہ ان کا سر پھٹ گیا اور خون نکلنے لگا۔ سننے کی بات یہ ہے کہ جو قطرۂ خون زمین پر گرتا تھا۔ اس سے نقش اللہ بن جاتا تھا۔ واقعی یہ درست ہے کہ جو شخص جس کام میں مرے گا اسی میں اس کا حشر ہوگا۔

دعا کی فضیلت

بعدہ دعا کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ فرمایا میں نے ''فتاویٰ کبریٰ'' میں مرقوم دیکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: لیس شیء اکبر عند اللہ من الدعاء۔ یعنی خداوند تعالیٰ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ حضرت شیخ الاسلام معین الدین سنجری خواجہ عثمان ہارونی سے روایت کرتے ہیں کہ ''قوت القلوب'' میں لکھا ہے کہ ان اللّٰہ یحب المسلمین فی الدعاء یعنی خداوند تعالیٰ مسلمانوں کو دعا کرنے کے وقت دوست رکھتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ میں اور برادرم بہاء الدین زکریا ملتانی ایک جگہ تھے کہ ایک اور بزرگ صاحب نعمت بھی وہاں آ پہنچے اور ہم تینوں میں دعا کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ جو شخص ان چار باتوں کا خیال کامل نہیں رکھتا اللہ بھی اسے چار چیزوں سے محروم کر دیتا ہے۔ (۱) زکوٰۃ (۲) صدقہ وقربانی (۳) نماز (۴) دعا۔ ترک زکوٰۃ سے برکت جاتی رہتی ہے۔ ترک صدقے سے صحت بگڑنے لگتی ہے۔ ترک نماز سے مرتے وقت ایمان سلب ہو جاتا ہے (العیاذ باللہ) ترک دعا سے پھر دعا مستجاب نہیں ہوتی۔

سلامتی کا وظیفہ

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بغداد میں ایک بزرگ کو شیر کے آگے ڈالا گیا تا کہ شیر انہیں ہلاک کر دے۔ مگر وہ سات روز تک اس کے آگے پڑے رہے اور اس نے ان کا بال بیکا نہ کیا۔ یہ سلامتی ان کی اس اسم باری تعالیٰ کے سبب سے تھی جو ہر وقت ان کے پاس رہتا تھا۔ **بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم یا دائم بلا فناء و یاقائم بلا زوال و یا امیر بلا و زیر** ۔ یہ کہہ کر شیخ الاسلام چشم پُر آب ہو گئے اور بولے ''تیرا دشمن یہی نفس امارہ اور ابلیس لعین ہے۔'' اسی اثناء میں اذان کی آواز آئی۔ شیخ الاسلام نماز میں مشغول ہوئے اور خلق و دعا گو رخصت۔ **الحمد للّٰہ علی ذلک۔**

۲ ماہ ذی الحجہ ۶۵۵ھ

ماہ ذی الحجہ کے اعمال وفضائل

دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ ماہ ذی الحجہ کی فضیلت میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ارشاد ہوا کہ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی کے اوراد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ دو رکعت نماز ذی الحجہ کی پہلی شب کو ادا کرے۔ پہلی رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ اور تین آیتیں سورۂ انعام کی اور دوسری رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ اور ایک بار **قل یا ایھا الکافرون** پڑھے۔ خدا تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں حج کرنے والوں کا ثواب ثبت فرمائے گا۔

اس کے بعد شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ایک جوان فاسق کا انتقال ہوا جو نہایت گنہگار اور بڑا بدکردار تھا۔ لوگ متفکر ہوئے کہ خدا جانے اس کا تنگ و تاریک قبر میں کیا حال ہوگا۔ انہی ایام میں وہ کسی بزرگ کے خواب میں آیا۔ بزرگ نے پوچھا کہ کہو کیسی گذری۔ خدا کے ساتھ کیا معاملہ رہا؟ اس نے کہا کہ جب سب مجھے دفن کر کے واپس چلے گئے تو فرشتگان عذاب نمودار ہوئے کہ گرزوں سے میری خبر لیں۔ مگر فوراً حکم الٰہی پہنچا کہ نہیں ہم نے اس بندے کو بخشا اور اسے بہشت میں جگہ دی۔ یہ حج کرنے والوں میں سے ہے۔ فرشتے رک گئے اور حضرت بے نیاز میں عرض گزار ہوئے یہ شخص تو حد درجے کا فاسق و فاجر تھا۔ اس سے کونسی نیکی وجود میں آئی جو تو نے پسند کر لی۔ جواب ملا کہ ہاں حقیقت تو یہی ہے جو تم کہتے ہو۔ لیکن اس نے ایک سال ماہ ذی الحجہ کی پہلی شب میں دو رکعت نماز ادا کی تھی اس لئے میں نے اس کے تمام معاصی کو نظر انداز کر دیا۔

بعد ازاں اسی محل میں فرمایا کہ وہب بن منبہؒ سے روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہدیہ بھیجا۔ جبرئیلؑ وہ ہدیہ لے کر آئے اور کہنے لگے کہ اے موسیٰ! جو شخص ذی الحجہ کے دس دنوں میں یہ کلمات پڑھے اس کو ایسا ثواب ہو گویا اس نے بارہ ہزار بار توریت کی تلاوت کی ہے اور بارہ ہزار نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں اور بارہ ہزار گناہ اس کے معاف ہوں اور ایک ہزار فرشتے اس کے واسطے دعا کریں اور اس کا یہ عمل کل اہل زمین کے عملوں سے فاضل تر ہو۔

پھر ارشاد ہوا کہ میں نے شیخ الاسلام شہاب الدین سہروردی کی ''عوارف'' میں بروایت فقیہ ابواللیث سمرقندی لکھا دیکھا ہے کہ یہ کلمات انجیل میں بھی نازل ہوئے تھے اور ان کی برکت سے نابینا بینا ہو کر دیکھنے لگتا تھا کہ آسمان سے نور اتر رہا ہے۔ اس کے بعد شیخ الاسلام نے فرمایا کہ جو شخص ان کلمات کی حرمت و تعظیم کا خیال رکھے گا وہ ان کے اثر کو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور دیکھے گا۔ اول روز سو مرتبہ پڑھے: لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد یحی و یمیت و ھو حی لا یموت و ھو علی کل شی ء قدیر o دوسرے روز سو مرتبہ کہے: اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ الٰھا واحدا احدا صمدا فردا و تر الم یتخز صاحبۃ و لا ولدا۔ تیسرے روز پڑھے: اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ احدا صمدا لم یلد و لم یو لد و لم یکن لہ کفوا احد۔ چوتھے روز سو مرتبہ یہ پڑھے: اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد یحی و یمیت و ھو حی لا یموت بیدہ الخیر و ھو علیٰ کل شی ء قدیر o پانچویں روز سو مرتبہ پڑھے: حسبی اللّٰہ و کفیٰ و سمع اللّٰہ لمن دعا و لیس وراء ہ المنتھیٰ سبحان من لم یزل کریما و لا یزال رحیما۔ چھٹے روز وہی روز اول کا وظیفہ اور ساتویں دن روز دوم کا وظیفہ اور آٹھویں دن روز سوم کا اور نویں دن روز چہارم کا اور دسویں دن روز پنجم کا۔

پھر ارشاد ہوا کہ عشرہ ذی الحجہ میں وتروں کے بعد اور سونے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرے۔ ہر رکعت میں فاتحہ اور انا اعطینک ایک ایک دفعہ ہو تو خداوند تعالیٰ اس کو اس قدر ثواب عنایت فرمائے گا کہ جس کا اندازہ سوائے اس کے کوئی نہیں کر سکتا۔ اس نماز کے پڑھنے والے کو موت نہیں آتی جب تک وہ جنت میں اپنی جگہ اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ لیتا۔

اس کے بعد اسی مضمون کے موافق فرمایا کہ شیخ الاسلام نے شیخ سعد الدین حمویہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ کیا حال ہے؟ شیخ نے کہا خدا تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور ہر ہر طاعت کا بدل اس کے اندازے سے عطا کیا۔ مگر ان دو رکعتوں کا اجر جو میں عشرۂ ذی الحجہ میں پڑھا کرتا تھا' بے اندازہ دیا۔

بعد ازاں فرمایا کہ اس عشرے کے اندر جو شب جمعہ اور روز جمعہ آئے تو اس میں چھ رکعتیں ادا کرنی چاہئیں۔ ہر رکعت میں فاتحہ ایک بار اور اخلاص پندرہ بار اور پھر سلام پھیر کر درود شریف اور یہ کلمات پڑھے: لا الہ الا اللّٰہ الملک الحق المبین۔ حق تعالیٰ اس کے بدلے انسان کو اس قدر ثواب دیتا ہے کہ جس کی انتہا نہیں۔ چوبیس ہزار پیغمبروں کا ثواب اور سال آئندہ کے اختتام تک کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ میرے دوستوں میں سے ایک شخص نہایت صالح اور صاحب نعمت تھے اور یہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد میں نے انہیں خواب میں دیکھا اور

Marfat.com

دریافت کیا کہ کہو کیسی گذری؟ کہنے لگے کہ شیخ الاسلام معین الدین سنجری کے اوراد میں لکھا دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص عشرہ ذی الحجہ میں سورۂ والفجر پڑھے گا' خدا تعالیٰ اسے آتش دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ حضرت شیخ الاسلام معین الدین سنجری کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا گیا کہ کہتے ہیں موت قبر اور منکر نکیر کے سب مرحلے بفضلہٖ تعالیٰ آسان ہو گئے۔ مگر جب عرش کے نیچے پہنچا اور سجدے میں گر پڑا تو ندا آئی کہ معین الدین سر اٹھا اور بول کہ تو اس قدر خائف کیوں رہتا تھا؟ عرض کیا کہ تیری جباری اور قہاری کے ڈر سے۔ فرمان ہوا جو آدمی ہمارے کام میں لگ جائے ہم اس کے کام میں لگ جاتے ہیں اور جو عشرۂ ذی الحجہ میں سورۂ والفجر بھی پڑھے اسے خوف اور ڈر سے کیا کام۔ جا تجھے بخش دیا گیا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دن کو چھ رکعت نماز ادا کرے اور پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد ایک بار والعصر اور دوسری میں ایک بار لایلٰف اور تیسری میں ایک بار اخلاص اور چوتھی میں ایک بار اذا جاء نصر اللہ پڑھے اور سلام پھیر کر دو رکعت اور ادا کرے اور ہر رکعت میں تین دفعہ اخلاص پڑھے تو اس کا ثواب اتنا ہے کہ تمام خلائق مل کر بیان کرنا چاہے تو نہ بیان کر سکے۔

پھر ارشاد ہوا کہ جو شخص عرفہ ذی الحجہ کی شب میں دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی سو سو بار تلاوت کرے۔ ہزار حجوں کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے۔

بعد ازاں فرمایا کہ ایک دفعہ میں حضرت شیخ الاسلام معین الدین سنجری کے روضہ مبارک میں معتکف تھا کہ ماہ ذی الحجہ آ گیا۔ میں نے عرفے کی شب میں نماز ادا کی اور روضہ مطہرہ کے پاس بیٹھ کر کلام مجید پڑھنے لگا۔ تھوڑی رات گزری ہو گی میں پندرہویں پارے پر پہنچ گیا۔ لیکن غلطی سے بیچ میں سورۂ کہف یا سورۂ مریم کا کوئی حرف زبان سے ادا نہیں ہوا۔ مخدوم کے روضہ پاک سے آواز آئی کہ اس رہے ہوئے حرف کو پھر پڑھو۔ میں نے اعادہ کیا۔ فرمایا خوب پڑھتے ہو۔ فرزند خلف کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ جب سارا قرآن پاک ختم کر چکا تو میں نے اپنا سر پائیں روضہ مبارک پر رکھا اور رو رو کر کہنا شروع کیا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرا کس گروہ میں شمار ہے۔ ندا آئی کہ مولانا جو شخص یہ نماز (مذکورۂ بالا) ادا کرے وہ یقیناً جنتی ہے۔ میں نے فوراً مزار کو چوم لیا اور سمجھا کہ میں کچھ ہوں تو سہی اور میری خاطر جمعی ہو گئی۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جو شخص عرفے کے روز ظہر و عصر کے درمیان چار رکعت نماز ادا کرے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۂ اخلاص پچاس دفعہ پڑھے تو اس کی دعا ضرور مستجاب ہو گی۔

پھر فرمایا کہ عرفے کے روز سو مرتبہ پڑھنا چاہیے: بسم اللّٰہ ما شاء اللّٰہ لا یوت الخیر الا اللّٰہ ما شاء اللّٰہ الخیر کلہ بید اللّٰہ بسم اللّٰہ ما شاء اللّٰہ لا یصرف السوء الا اللّٰہ بسم اللّٰہ ما شاء اللّٰہ ما بنا من نعمۃ فمن اللّٰہ بسم اللّٰہ ما شاء اللّٰہ لا قوت الا باللّٰہ۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے کہ جو شخص عرفے کے روز غروب آفتاب سے پہلے ان کلمات کو پڑھتا ہے خدا تعالیٰ اس سے خطاب کرتا ہے کہ اے بندے! تو نے مجھ کو خوش کیا۔ اب تو جو چاہے مجھ سے مانگ۔ اور جو شخص ان کلمات کو سوتے یا جاگتے وقت پڑھے وہ شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے اور تمام بلائیں اس سے دور رہتی ہیں۔

Marfat.com

بعدازاں فرمایا کہ عیدالاضحیٰ کی رات میں بھی بارہ رکعتیں پڑھنی آئی ہیں۔ ہر رکعت میں فاتحہ ایک بار اور اخلاص پانچ بار ان کا ثواب بہت ہے۔

بعدازاں فرمایا کہ عیدالاضحیٰ کے روز جب خطبے سے فارغ ہو چکے چار رکعت نماز ادا کرے۔ پہلی رکعت میں بعد فاتحہ الم نشرح ایک بار اور دوسری میں بعد فاتحہ والمرسلات ایک بار۔ تیسری میں بعد فاتحہ والضحیٰ ایک بار۔ چوتھی میں بعد فاتحہ اخلاص ایک بار۔

پھر فرمایا شیخ الاسلام شیخ شہاب الدین سہروردی کے اوراد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جو شخص نماز عیدالاضحیٰ کے بعد اپنے گھر میں آ کر دو رکعت اور پڑھے اور ہر رکعت میں بعد فاتحہ سورہ والمرسلات پانچ پانچ بار تلاوت کرے اسے حج، عمرہ اور دعا طواف کا ثواب ملے گا اور اس کے مال میں برکت ہوگی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ میں نے شیخ الاسلام شیخ عثمان ہارونی کے اوراد میں مرقوم دیکھا ہے کہ جو شخص ماہ ذی الحجہ کے آخری روز جو سال ہجری کا بھی یوم الآخر ہے، یہ دعا پڑھے حق تعالیٰ تمام سال اسے اپنی حفظ و امان میں رکھے گا: بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم اللھم ما عملت من عمل فی ھذہ السنة مما نھیتنی عنه و لم مرضه و نسیته و لم تنسه و حلمت عنی بعد قدرتک علی عقربتی و دعوتنی الی التوبة بعد حوالی علیک اللھم انی فاستغفربک فیھا یا غفور فاغفرلی و ما عملت من عمل ترضاہ عنی و وعدتنی الثواب فتقبله منی و لا تقطع رجائی یا عظیم الرجاء۔ اللھم ارزقنی خیر ھذہ السنة و ما فیھا برحمتک یا ارحم الراحمین٥

پھر فرمایا کہ برادرم شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس اللہ سرہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو شخص آخر ماہ ذی الحجہ میں دو رکعت نماز ادا کرے اور ہر رکعت میں فاتحہ ایک بار اور کچھ قرآن شریف اور سلام کے بعد مذکورہ بالا دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے سال بھر کے گناہ بخش دیتا ہے اور اسے بھی بخش دیتا ہے۔ شیخ الاسلام یہ فوائد بیان فرما رہے تھے کہ اذان ہوگئی۔ خواجہ نماز میں مشغول ہوئے اور خلق و دعا گو واپس۔ الحمد للّٰہ علی ذلک۔

۷ ماہ ذی الحجہ ۶۵۵ھ

مذہب امام اعظم

دولت پائے بوسی میسر آئی۔ مذہب کی بابت گفتگو ہو رہی تھی۔ ارشاد فرمایا کہ اول مذہب امام اعظم ابوحنیفہ کا۔ دوسرا امام شافعی کا۔ تیسرا امام مالک کا اور چوتھا امام احمد بن حنبل کا۔ لوگوں کو چاہیے کہ ان میں سے کسی پر شک نہ کریں۔ لیکن یہ یقین رکھیں کہ امام اعظم کا مذہب فاضل تر ہے اور باقی مذاہب اس کے بعد۔ کیونکہ پہلا مذہب امام اعظم کا ہے الفضل للم تمدم مشہور بات ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ "فتاویٰ ظہیری" کے باب خاتم میں اس کے مصنف نے یہ حکایت لکھی ہے کہ امام المسلمین امام ابوحنیفہ کوفی نے جب آخری حج کیا تو ان کے دل میں خیال گذرا کہ بس اب شاید پھر یہاں کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ اس لئے خانہ کعبے کے دربانوں سے درخواست کی کہ دروازے کھول دو تا کہ میں اندر جا کر ایک شب عبادت الٰہی کرلوں۔

Marfat.com

دربانوں نے جواب دیا کہ یہ نئی بات ہوگی۔تم سے پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا۔لیکن چونکہ بلحاظ علم وفضل تمہارا درجہ بہت عالی ہے اور دنیا تمہاری اقتداء کرتی ہے لہٰذا تمہارے مدعا کو پورا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ امام صاحب کو اندر جانے دیا گیا اور امام صاحب نے اندر دوستوں کے ساتھ کھڑے ہوکر دو رکعت نماز کی نیت باندھی اور دائیں پیر پر بایاں پیر رکھ کر آدھا قرآن پڑھ ڈالا اور پھر بائیں پیر پر دایاں پیر رکھ کر باقی ختم کر دیا اور سلام پھیر کر مناجات کی۔''الٰہ العلمین! جو تیری عبادت کا حق ہے وہ میں نہ ادا کر سکا ورنہ میں نے پہچاننے کی طرح تجھے پہچانا۔تو مجھ ناچیز کے نقائص خدمت کو نظر انداز فرما دے۔'' ہاتف نے آواز دی کہ نہیں ابوحنیفہ تو نے ہمیں خوب پہچانا اور ہماری کافی خدمت بجالایا۔ہم تجھے بخشتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی جو قیامت تک تیری پیروی کریں گے۔ اس قدر بیان کرنے کے بعد شیخ الاسلام نے فرمایا الحمد للہ کہ ہم انہیں کے مذہب میں ہیں۔

پھر ارشاد ہوا کہ امام اسمٰعیل بخاری کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسن شیبانی کو خواب میں دیکھا اور ان سے پوچھا کہ مرنے کے بعد کیا کیا گزری؟ امام محمد نے جواب دیا کہ خدا نے یہ کہہ کر میری مغفرت کر دی کہ اگر میں چاہتا تو تجھے عذاب دیتا۔ پر تو علم کی اشاعت کیا کرتا تھا۔اس لئے تیری بخشش کی گئی۔امام بخاری نے سوال کیا کہ اچھا ابو یوسف قاضی کہاں ہیں؟ کہا درمیان ارض وسما میں۔ پوچھا اور امام ابوحنیفہ؟ کہا وہ تو علّیین میں پہنچے۔

پھر فرق مذاہب میں گفتگو ہونے لگی کہ بہتر کون ہے؟ شیخ الاسلام نے چشم پُر آب کی اور فرمایا کہ میں امام اعظم کا نام (ان کی عظمت و بزرگی کے سبب) نہیں لے سکتا۔مگر ان کے ایک شاگرد تھے ''امام محمد شیبانی'' جب وہ سوار ہوتے تھے تو امام شافعی ان کی رکاب پکڑتے تھے۔پس یہیں سے مذاہب کا فرق ظاہر ہوگیا کہ امام شافعی امام اعظم کے شاگرد کے شاگرد تھے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ قاضی حمیدالدین ناگوری اور شیخ قطب الدین بختیار اوشی اور شیخ جمال الدین تبریزی اور شیخ بدرالدین غزنوی قدس اللہ اسرار ہم جامع مسجد دہلی میں معتکف ہوئے اور سب نے روز قرآن شریف کے دو دو ختم کرنے کا عزم بالجزم کیا۔ پھر ایک شب مل کر صلاح کی کہ اگر ہو سکے تو ایک پیر سے کھڑے ہوکر خدا کی عبادت کریں۔ یہ تجویز باتفاق کل منظور ہوئی۔ قاضی حمیدالدین امام بنے اور باقیوں نے ان کا اقتداء کیا۔ قاضی حمیدالدین نے پہلی رکعت میں ایک قرآن اور چار پارے پڑھے اور دوسری میں ایک اور ختم کر کے سلام پھیرا اور دعا کی کہ خداوندا! جیسی کہ تیری عبادت کرنی چاہیے تھی ویسی ہم نے نہیں کی لیکن تو اپنی رحمت سے ہمیں بخش دے۔ آواز آئی کہ تم سب بخشے گئے اور جو تمہارا مطلب ہے وہ پورا ہوا۔اس کے بعد یہ بزرگ وہاں سے متفرق ہو گئے اور جدھر جس کا منہ اٹھا اُدھر چل دیا۔

مذہب کا شجرہ

بعد ازاں ذکر فرمایا کہ جس طرح مرید کو اپنے پیر کے شجرہ کی واقفیت ضروری ہے۔اسی طرح اپنے مذہب کا شجرہ یاد رکھنا چاہیے کہ کیونکہ حضرت الوہیت تک پہنچتا ہے۔ پھر شیخ الاسلام نے فرمایا اگر کوئی پوچھے کہ تم کس کے مذہب میں ہو؟ تو کہو کہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفی کے مذہب میں۔اور امام ابوحنیفہ امام ابراہیم علقمہ کے مذہب میں تھے اور وہ امام ابراہیم نخعی کے مذہب میں اور وہ عبداللہ بن مسعودؓ کے مذہب میں اور وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب میں اور وہ

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مذہب میں اور وہ نوح علیہ السلام کے مذہب میں اور وہ جبرئیل علیہ السلام کے مذہب میں اور وہ میکائیل علیہ السلام کے مذہب میں اور وہ اسرافیل علیہ السلام کے مذہب میں اور وہ عزرائیل علیہ السلام کے مذہب میں اور وہ حضرت احدیت صمدیت کے مذہب میں اور اس مقام کو بجز خداوند تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

ادعیہ ماثورہ

بعد ازاں ادعیہ ماثورہ اور آیات قرآنی پر گفتگو چھڑ گئی۔ فرمایا کہ کسی گھر کو دعا اور آیات قرآنی سے خالی نہ رہنا چاہیے۔

تہجد کی نماز

پھر ارشاد ہوا کہ تہجد کی نماز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی اور لوگوں کے لئے سنت ہے۔ تہجد سحر کے وقت کی آٹھ رکعتوں کا نام ہے۔ جو سورت یاد ہو ان میں پڑھے۔ کچھ تعین نہیں ہے۔ مگر یہ خیال رہے کہ قرأت دراز ہو۔ کیونکہ یہ آنحضرتؐ کا معمول تھا۔ اس کے بعد مناسب حال فرمایا کہ ایک بہت بڑے بزرگ تھے جن کا شیخ قطب الدین نام تھا۔ ایک دفعہ ان کی نماز تہجد فوت ہوگئی۔ دن چڑھتے ہی معلوم ہوا کہ زانو میں درد ہے۔ باعث سوچا تو غیب سے ندا آئی کہ نماز تہجد چھوڑنے کا بدلہ ہے۔

شیطان سے بچنے کا عمل

پھر ارشاد ہوا کہ شیخ معین الدین قدس سرہ کے اوراد میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں جو شخص دن کے وقت سورۂ بقر کی دس آیتیں اس ترتیب سے پڑھے کہ چار آیتیں آیۃ الکرسی سے اول کی اور چار آیتیں آیۃ الکرسی کے بعد کی اور دو آیتیں آخر کی' تو اس کے گھر میں دن کو شیطان نہیں آئے گا۔ اور جو شخص رات کو پڑھے تو اس کے گھر میں رات کو نہیں آئے گا۔

محتاجی دور ہونے کا وظیفہ

پھر فرمایا جو شخص فقر میں مبتلا ہو جائے تو **لا حول و لا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** کے ورد رکھنے سے اس کی حالت درست ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا ایک روز میں شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آ کر حضور کی قدم بوسی کی۔ فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ معاش کی تنگی میں گرفتار ہوں۔ ارشاد کیا کہ یہ کلمہ نہیں پڑھتے **لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** اس نے عرض کی جی ہاں یہ تو نہیں پڑھتا۔ حضرت نے فرمایا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جو شخص اسے بکثرت پڑھے گا خدا تعالیٰ اسے محتاجی سے محفوظ رکھے گا۔

پھر ارشاد ہوا کہ میں نے بقیۃ المجتہدین سمرقندی کی کتاب میں دیکھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ مجھے چار گروہوں پر تعجب آتا ہے جو چار چیزوں سے غافل رہتے ہیں۔

غم دور کرنے کا وظیفہ

(۱) جو غم میں مبتلا ہوں اور اس آیت کو نہ پڑھیں: **لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین** o

کیونکہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے: فاستجبنا له و نجیناه من الغم و کذلک ننجی المومنین o اس کے بعد اسی سلسلے میں فرمایا کہ جب حضرت ایوب علیہ السلام بیمار ہوئے اور ان کے جسم کے اندر کیڑے پڑ گئے اور چالیس سال تک اسی زحمت میں پڑے رہے تو حضرت نے دعا کی۔ جواب ملا کہ یہ کلمہ بکثرت پڑھو: لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین o چند ہی روز اس کی پابندی کی تھی کہ خدا تعالیٰ نے انہیں بیماری کی بلا سے نجات دی۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ ایک جوان کو ہارون رشید نے کسی خطا پر قید کر دیا اور اس کے ہلاک کرنے کی فکر میں تھا کہ کوئی بزرگ بروقت پہنچ گئے اور اس جوان کو یہی آیت تعلیم کر کے چل دیئے۔ جوان نے تھوڑے ہی دن اس کو پڑھا تھا کہ قید سے رہائی پائی اور خلعت خاص سے مشرف ہوا۔

درد کے دور ہونے کا وظیفہ

(۲) مجھ کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو کسی سے ڈرتے ہیں اور حسبی اللّٰہ و نعم الوکیل نہیں پڑھتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کلام مجید میں فرماتا ہے: فانقلبوا بنعمة من الله و فضل لم یمسسهم سوء۔ پھر اسی کے متعلق حکایت فرمائی کہ ایک بادشاہ تھا بڑا ظالم۔ اس کے سر میں یہ ہوا بھری کہ خدائی کا دعویٰ کروں۔ ایک دن اس نے اپنے مشیروں سے پوچھا کہ اس کی کیا ترکیب کرنی چاہیے۔ ایک وزیر مکار آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ شہر میں جتنے پڑھے لکھے مولوی ملّا ہیں سب کو قتل کرا دیجئے۔ جب وہ نہ رہیں گے تو کوئی اسلام کا نام بھی نہ لے گا اور جو حضور چاہیں گے ہو جائے گا۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور کر کے پوچھا ''اب؟'' بولا ''کاتبوں کو بھی مروا دیجئے تا کہ کل لکھنا پڑھنا ہی موقوف ہو جائے۔'' اس کی بھی تعمیل کی گئی اور مسلمان گمراہی میں پڑنے لگے۔ الحتصر ان کاتبوں میں ایک بزرگ بھی گرفتار ہوئے جو حضرت حسن بصری کے نواسوں میں سے تھے۔ ان کو دیکھتے ہی بادشاہ تخت سے نیچے اتر آیا اور بڑی معذرت کے ساتھ ان کو رہا کر دیا اور خلعت خاص دیا۔ اور جب وہ بزرگ چلے گئے تو حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا کہ جب یہ میرے سامنے آئے تو میں نے دیکھا کہ ان کے دائیں بائیں دو عظیم الشان اژدہے منہ کھولے ہوئے کھڑے ہیں اور آگ کے شعلے نکال رہے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ انہیں چھوڑ دے ورنہ ہم تجھے زندہ نگل جائیں گے۔ پھر لوگوں نے ان بزرگ سے پوچھا کہ آپ کی کیوں کر بریت ہو گئی۔ انہوں نے فرمایا میں اکثر یہ پڑھا کرتا ہوں: حسبی الله و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر o پس جو شخص ان کلمات کا ورد رکھے گا۔ اسے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔

دشمن کے مکر سے بچنے کا وظیفہ

(۳) بعد ازاں شیخ الاسلام نے ارشاد کیا کہ تیسرے مجھے ان آدمیوں پر تعجب آتا ہے جو کسی کے مکر سے ڈرتے ہیں اور یہ آیت نہیں پڑھتے: افوض امری الی الله ط ان الله بصیر م بالعباد o کیونکہ ارشاد باری ہے: فوقاه الله سیات ما مکروا۔ پھر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ حضرت خواجہ حسن بصری جس وقت حجاج بن یوسف کے پاس تشریف لے جاتے تھے تو یہی آیت پڑھا کرتے تھے اور حجاج بن یوسف کہا کرتا تھا کہ میں جس قدر حسن بصری سے ڈرتا ہوں اور کسی سے نہیں ڈرتا۔ جب وہ تشریف لاتے ہیں تو میرے تمام اعضاء میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے اور مجھے دو شیر ان کے ساتھ آتے معلوم ہوتے ہیں، جو مجھ کو ذرہ ذرہ کرنا چاہتے ہیں۔

Marfat.com

جنت حاصل کرنے کا عمل

(۴) اس کے بعد ارشاد ہوا کہ چوتھے مجھے ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو بہشت کے مشتاق ہیں اور یہ نہیں پڑھتے: ما شاء اللّٰہ لا قوۃ الا باللّٰہ ۔ کیونکہ اللہ فرماتا ہے کہ: فعسیٰ ربی ان یوتین خیرا من جنتک ۔ پھر فرمایا کہ میں نے ''آثار تابعین'' میں پڑھا ہے کہ ایک جوان ازحد فاسق ہمیشہ گناہوں میں مبتلا رہتا تھا مگر سوتے وقت اس کلمے کو بہت پڑھتا تھا۔ جب وہ مرا تو لوگوں نے اس کو خواب مین بہشت کے اندر پھرتے دیکھا۔ دریافت کیا تو راز کھلا کہ کلمۂ مذکورہ بالا کے صدقے میں نجات ملی۔

عذاب قبر کی آسانی کا وظیفہ

بعدازاں قبر کے خوف اور منکر نکیر کی ہیبت کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی۔ ارشاد ہوا کہ عبداللہ بن عباس سے ایک شخص نے کہا کہ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں۔ اگر اسے کرو گے تو منکر نکیر سے خوف نہ کھاؤ گے۔ شب جمعہ میں دو رکعت نماز ادا کیا کرو۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار اور سورۂ اخلاص پچاس پچاس بار۔ اس کے بعد فرمایا کہ وہ اس کے عامل تھے۔ ''شرح اولیاء'' میں لکھا ہے کہ ان کے انتقال کے بعد کسی نے انہیں خواب میں دیکھ کر پوچھا کہو منکر نکیر سے کیا معاملہ رہا؟ انہوں نے جواب دیا کہ پہلے تو مجھ پر ان کی بڑی ہیبت چھائی اور انہوں نے میرے ایک گرز بھی مارا۔ مگر آخر حکم آیا کہ اس بندے کو چھوڑ دو۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس ضغطے (تنگی) کے واسطے بھی کوئی چیز ہے؟ فرمایا ہاں۔ جو شب جمعہ میں دو رکعت نماز پڑھے گا۔ ہر رکعت میں الحمد کے بعد اذا زلزلت الارض پندرہ بار پڑھے گا' وہ اس مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ میں شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی کی خدمت میں حاضر تھا اور بہت سے مشائخ کبار بھی موجود تھے کہ خوف قبر پر گفتگو چھڑ گئی۔ مولانا شہاب الدین نے کہا کہ جو شخص یہ اوراد اپنی کتاب میں لکھ لے اور ان کا ورد رکھے' وہ قبر کے عذاب سے مامون رہے گا۔ سورۂ واقعہ' سورۂ مزمل' سورۂ والشمس اور واللیل اور الم نشرح۔

اس کے بعد ایک دوسرے درویش نے فرمایا کہ ایک بزرگ کا انتقال ہوا جو خاندان چشت سے تعلق رکھتے تھے۔ جب ان کو سپرد زمین کر چکے تو اسی وقت فرشتے نازل ہوئے اور ان سے سوالات کرنے لگے۔ درویش نے خوب جواب دیئے یہاں تک کہ ان کی قبر منور ہوگئی۔ کسی نے انہیں خواب میں دیکھ کر پوچھا۔ کیا حال ہے؟ بولے۔ میری حق تعالیٰ نے مغفرت کردی اور نہایت مہربانی فرمائی اور ارشاد کیا کہ ہم نے تجھ کو اس دعا کے سبب بخشا ہے۔

فراخی رزق کا وظیفہ

بعدازاں شیخ الاسلام نے فرمایا کہ احادیث میں مسطور ہے جو شخص فرض کے بعد تین بار سورۂ اخلاص اور تین بار درود اور اسکے بعد ایک بار یہ آیت: و من یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب و من یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ ط ان اللّٰہ بالغ امرہ ط قد جعل اللّٰہ لکل شیء قدرا ۰ پڑھے گا' اللہ تعالیٰ اسے تین نعمتیں عطا فرمائے گا۔ (۱) درازی عمر (۲) مال بسیار (۳) برخورداری کہ بے حساب جنت میں داخل ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ شیخ الاسلام یہ بیان فرمارہے تھے کہ اذان ہوگئی۔ شیخ الاسلام نماز میں مشغول ہوگئے۔ اور خلق و دعا گو رخصت

ہوئے۔الحمد للہ علیٰ ذلک۔

۲۰ ماہ ذی الحجہ ۶۵۵ھ

حضرت بابا صاحب کی دعا

سعادت قدمبوسی حاصل ہوئی۔ چاشت کا وقت تھا اور حضرت جماعت خانے میں تشریف رکھتے تھے۔ایک گروہ مسافروں کا حاضر ہوا۔حضرت نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ مولانا نظام الدین جو کچھ تجھ سے چاہیں پائیں۔

درود شریف کی فضیلت

اس کے بعد درود شریف کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ارشاد ہوا کہ ''آثار مشائخ'' میں لکھا ہے اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہے وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے کبھی گناہ کیا ہی نہیں اور ایک لاکھ نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں اور اس کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ صحابہ و تابعین اور مشائخ طبقات نے درود شریف کا وظیفہ مقرر کیا تھا۔اگر کسی دن ان کا یہ وظیفہ فوت ہو جاتا تو وہ اپنے تئیں مردہ سمجھتے اور ماتم کرتے کہ آج کی رات ہم مر گئے تھے۔اگر زندہ ہوتے تو سرور کائناتؐ پر درود بھیجتے۔اس کے بعد ارشاد کیا کہ ایک مرتبہ خواجہ یحییٰ بن معاذ رازی کا وظیفہ درود فوت ہو گیا اور وہ تین ہزار بار درود شریف پڑھا کرتے تھے۔خیر جب وہ صبح اٹھے تو اس طرح ماتم میں مشغول ہوئے کہ گویا سچ مچ کوئی مر گیا۔لوگ آتے تھے اور استفسار حال کرتے تھے اور یحییٰ بن معاذ اسی کیفیت میں مبتلا تھے کہ ہاتف نے آواز دی کہ یحییٰ! جتنا میں تجھے درود پڑھنے کا ثواب دیتا اس سے سوگنا اب دیا گیا اور تیرا نام درود پڑھنے والوں میں آج بھی لکھ لیا ہے۔اس موقع پر شیخ الاسلام چشم پُر آب ہو گئے اور یہ حکایت فرمانے لگے کہ ایک شب خواجہ سنائی نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضورؐ اپنا روئے مبارک ان سے چھپاتے ہیں۔خواجہ سنائی دوڑے اور قدموں کو بوسہ دے کر عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہؐ! میری جان آپ پر قربان۔کیا سبب ہے جو آج مجھے یہ محرومی ہو رہی ہے۔حضورؐ نے خواجہ سنائی کو گلے سے لگا لیا اور فرمایا کہ بھئی تم نے اس قدر درود خوانی کی ہے کہ مجھ کو تم سے شرم آتی ہے۔بعد ازاں شیخ الاسلام نے فرمایا سبحان اللہ! یہ بھی بندگان خدا ہیں جن کی کثرت درود خوانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محجوب ہوتے ہیں۔ہزار رحمت ان کی روحوں پر۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ یہودیوں کا ایک گروہ بیٹھا تھا۔ایک مسلمان فقیر نے آ کر اس سے سوال کیا۔اسی وقت اتفاقاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی سامنے سے گذرے۔یہودیوں نے حضرتؓ کو دیکھ کر بطور تمسخر کہا کہ دیکھو شاہ جواں مرداں آ رہے ہیں۔وہ مسلمان فقیر امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے فقر و فاقے کا حال بیان کرنے لگا۔ حضرتؓ سمجھ گئے کہ اسے میرے پاس آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے۔لیکن اس وقت حضرتؓ کے پاس کچھ نہیں تھا۔حضرتؓ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دس دفعہ درود پڑھا اور اس کی ہتھیلی پر دم کر کے فرمایا مٹھی بند کر لے۔اس نے تعمیل کی اور یہودیوں کے پاس واپس گیا۔انہوں نے مٹھی کھلوائی تو اس میں ایک دینار تھا۔اسی روز کئی یہودی مسلمان ہوئے۔

Marfat.com

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ایک دفعہ ہارون رشید بیمار پڑا اور بیماری کو آدھا سال گزر گیا۔ نزدیک تھا کہ روح پرواز کر جائے کہ شیخ ابوبکر شبلی کا اُدھر سے گذر ہوا۔ ہارون رشید کو اطلاع ملی کہ امام ابوبکر شبلی تشریف لے جارہے ہیں۔ لوگوں کو بھیجا کہ جس طرح ہو سکے خواجہ کو یہاں لے آؤ۔ چنانچہ حضرت آئے اور ہارون رشید کو دیکھتے ہی بولے کہ خاطر جمع رکھو اب تم اچھے ہو گئے اور درود شریف پڑھ کر اس پر دم کر دیا اور ہاتھ پھیرا۔ ہارون رشید اسی وقت تندرست ہو گیا۔ آخر معلوم ہوا کہ خواجہ ابوبکر شبلی نے یہ درود دم کیا تھا جس کی برکت سے اس نے صحت پائی۔ پھر فرمایا کہ یہ پانچوں درود نماز میں پڑھا کرو۔ کیونکہ یہ درود سب درودوں سے افضل اور بہتر ہیں۔ اگرچہ سب درودوں کا ثواب ایک ہے۔ مگر ہر درود فضیلت جداگانہ رکھتا ہے۔ اور وہ پانچوں درود یہ ہیں:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیمo اللهم صل علے محمد بعدد من صلے عليه. و صل علے محمد بعدد من لم يصل عليه. و صل علىٰ محمد كما تحب و ترضے بان تصلے عليه. و صل علےٰ محمد كما ينبغى الصلوة عليه. و صل علے محمد كما امرتنا بالصلوة عليه.

بعدہ شیخ الاسلام ادام اللہ حرمتہ نے فرمایا کہ اس کو افضل اس لئے کہا گیا کہ مولانا فقیہ ابوالحسن رندوسی نے روضہ منورہ میں یہی درود لکھا ہے اور لکھا ہے کہ امام شافعی کا جب انتقال ہوا تو لوگوں نے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ جواب ملا کہ مجھ کو اس درود شریف کی برکت سے بخش دیا۔ اور دوسری فضیلت اس درود شریف کی یہ ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضورؐ کے اردگرد صحابہ کرامؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دائیں جانب بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ آنحضرتؐ نے اسے حکم دیا کہ ابوبکرؓ سے بالاتر بیٹھو۔ صحابہؓ نے جانا کہ شاید یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں کیونکہ اور کس کی اتنی عزت کی جاسکتی تھی۔ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ شخص مجھ پر اس قدر درود پڑھتا ہے کہ کوئی شخص نہیں پڑھ سکتا۔ ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! شاید یہ شخص کھاتا پیتا اور دیگر ضروریات میں مشغول نہ ہوتا ہوگا اور ہر وقت درود خوانی ہی سے غرض رکھتا ہوگا۔ فرمایا کھاتا پیتا بھی ہے اور کاروبار بھی کرتا ہے۔ مگر ایک دفعہ دن میں اور ایک دفعہ رات میں یہ درود پڑھ لیتا ہے (جو اوپر مذکور ہوا)۔

شیخ الاسلام یہی فوائد بیان فرمارہے تھے کہ پانچ درویش حاضر ہو کر قدمبوس ہوئے۔ فرمان ہوا بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم مسافر ہیں اور خانہ کعبہ کی نیت رکھتے ہیں مگر خرچ نہیں کچھ عنایت ہو جائے تو اطمینان سے روانہ ہوں۔ شیخ الاسلام کو فکر ہوا اور تھوڑی دیر مراقبہ کر کے سر اٹھایا۔ سامنے ایک ٹھیکرے میں خستہ خرمے رکھے تھے۔ اس ٹھیکرے پر کچھ دم کر کے درویشوں کو عطا کیا۔ درویش حیران ہوئے۔ حضرت نے اپنی روشن ضمیری سے ان کی حیرت کا حال معلوم کیا اور فرمایا کہ دیکھو تو سہی۔ اب جو دیکھتے ہیں تو وہ خرمے نہ تھے۔ سونا تھا۔ آخر شیخ بدرالدین اسحٰق سے معلوم ہوا کہ شیخ الاسلام نے یہی درود پڑھ کر اس پر دم کیا تھا۔

آیت الکرسی کے فضائل وظائف

پھر آیت الکرسی کی بابت گفتگو شروع ہوئی۔ فرمایا کہ جس روز آیت الکرسی نازل ہوئی ہے تو ستر ہزار فرشتے مہتر

Marfat.com

جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ آئے تھے اور جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اسے باعزاز واکرام لیجئے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ جو بندہ میرے بندوں میں سے آیت الکرسی پڑھے گا ہر حرف کے بدلے ہزار سال کی عبادت کا ثواب پائے گا اور ہزار فرشتے جو کرسی کے پاس کھڑے پڑھ رہے ہیں' ان کا ثواب بھی اسی کو ملے گا اور اسے اپنے مقربوں میں شمار کروں گا۔

بعدازاں شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ''فتاویٰ ظہیری'' میں مرقوم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنے گھر سے باہر جانے کے وقت آیۃ الکرسی پڑھے خدا تعالیٰ ستر ہزار فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کے واپس آنے تک اس کے واسطے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ بعدازاں فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام حضرت قطب الدین بختیار اوشی سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے گھر میں جانے کے وقت آیۃ الکرسی پڑھے گا خدا اس کے گھر سے فقر و فاقے کو دور فرمائے گا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ میں نے ''جامع الحکایات'' میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک درویش کے گھر میں رات کو چور آئے۔ درویش نے آیۃ الکرسی پڑھ کر گھر کا حصار باندھ رکھا تھا۔ چوروں نے جو اس کے اندر منہ داخل کیا سب کے سب اندھے ہو گئے۔ درویش صاحب بیدار ہوئے اور اس حال کو معلوم کر کے باہر آئے اور پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا کہ چور ہیں۔ چوری کے واسطے آپ کے ہاں آئے تھے۔ لیکن قدرت نے ہمیں اندھا کر دیا۔ آپ دعا فرمایئے کہ ہماری آنکھیں مل جائیں۔ ہم اس کام سے تائب ہو کر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ درویش نے تبسم فرمایا اور کہا کہ آنکھیں کھولو۔ آنکھیں کھولیں تو ان میں بینائی تھی۔ **الحمد للہ علی ذلک۔**

۲۷ ماہ ذی الحجہ ۶۵۵ھ

رنج وغم دور ہونے کی دعا

دولت قدم بوسی میسر آئی۔ دعا کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ارشاد ہوا میں نے امام محمد شیبانی کی کتاب میں پڑھا ہے۔ امام جعفر صادق کی روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کسی کو کوئی رنج وغم پیش آئے یا ایسا مرحلہ جس کا ہٹنا ممکن نہ ہو تو وہ جب صبح کی نماز ادا کر چکے تو سو مرتبہ کہے: **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یا فرد یا وتر یا احد یا صمد۔**

کشائش رزق کی دعا

بعدازاں شیخ الاسلام نے ارشاد کیا کہ ایک دفعہ میں شیخ الاسلام حضرت قطب الدین بختیار اوشی کی خدمت میں حاضر تھا اور وہاں دعا کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ حضرت قطب صاحب نے فرمایا جس کو معاش کی تنگی ہو وہ اس دعا کا ورد کرے: **بسم اللہ الرحمن الرحیم یا دائم العز والملک والبقاء یا ذالمجد والعطاء یا ودود ذاالعرش المجید فعال لما یرید.**

Marfat.com

ہر مہم میں کامیاب ہونے کی دعا

پھر ارشاد ہوا کہ بحالت درماندگی و لاچارگی جو شخص ان کلمات کو ایک ہزار مرتبہ پڑھے گا وہ مہم اس کی ضرور پوری ہوگی۔ اقویٰ معین و اھدی دلیل ایاک نعبدو و ایاک نستعینo

اعمال مقبول ہونے کی دعا

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ میں نے ''تفسیر زاہدی'' میں دیکھا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے اعمال مقبول ہوں تو اس کے لئے یہ آیت ہے: ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیمo

دنیا و دین کی بھلائی کی دعا

اگر کوئی چاہے کہ دنیا و آخرت میں بھلائی پائے اور آتش دوزخ سے محفوظ رہے تو یہ آیت پڑھا کرے: ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة وقنا عذاب النارo

ثابت قدم رہنے کی دعا

اور اگر بڑے بڑے کاموں میں صابر رہنے کا آرزومند ہو اور ہر معاملے میں ثابت قدم اور دشمنوں پر ظفریاب رہنا چاہتا ہو تو یہ آیت مجرب ہے: ربنا افرغ علینا صبرا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرینo

اطمینان قلب کی دعا

اور اگر یہ منظور ہو کہ اس کا دل ایمان اور امان کے ساتھ رہے اور رحمت الٰہی اس کے شامل حال ہو تو یہ آیت پڑھے: ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا و ھب لنا من لدنک رحمة ط انک انت الوھابo پھر اسی محل میں فرمایا کہ ایک روز حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور صحابہ حضرت کے گرد حاضر تھے اور سابقہ پیغمبروں کا حال بیان ہو رہا تھا کہ ایک صحابی نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ! میرا دل کیونکر مطمئن ہو کہ میں بالایمان جاؤں گا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اس سوال پر متفکر ہوئے۔ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ! میں یہ آیت لایا ہوں۔ جو شخص اس آیت کا ورد رکھے گا اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہوگا اور امید ہے کہ وہ بالایمان ہی جائے گا۔ پھر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ آیت مذکورہ کا نزول ان صحابی کے التماس ہی پر ہوا تھا۔

خاصان خدا میں شامل ہونے کی دعا

پھر ارشاد کیا کہ جو شخص دوستان خدا میں جمع ہونا چاہے وہ یہ آیت بکثرت پڑھے: ربنا انک جامع الناس لیوم لا ریب فیه ط ان اللّٰه لا یخلف المیعادo اس کے بعد فرمایا نہ معلوم پھر کیا وجہ ہے کہ اس سعادت سے لوگ اپنے آپ کو محروم رکھتے ہیں۔

اولاد طلب کرنے کی دعا

پھر فرمایا جب کسی کو کوئی مہم درپیش ہو یا کسی کا غلام بھاگ گیا ہو یا نیک و پارسا فرزند کی خواہش رکھتا ہو تو یہ آیت پڑھا کرے: رب ھب لی من لدنک ذریة طیبة انک سمیع الدعاءo بعد ازاں فرمایا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہی آیت پڑھی تھی جو خداوند تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسا فرزند ان کو عنایت کیا جو صغر سنی میں ہی خوف

Marfat.com

الٰہی سے اس قدر روتے تھے کہ رخساروں کا گوشت گل گیا تھا۔ ان کے والد حضرت زکریاؑ اوران کی والدہ ان کو سمجھاتیں کہ تم ابھی بچہ ہو تم کو اس قدر خوف کس لئے ہے؟ تو جواب دیتے تھے کہ اے والدہ! میں دیکھتا ہوں کہ جب تم ہنڈیا کے نیچے آگ سلگاتی ہو تو پہلے چھوٹی لکڑیاں رکھتی ہو۔ جب ان میں آگ کی بنیاد مضبوط ہو جاتی ہے اس وقت بڑی لکڑیاں لگاتی ہو تو مجھ کو بھی اندیشہ ہے کہ دوزخ میں پہلے چھوٹوں کو ڈالا جائے گا۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ میں سیوستان کی طرف سفر کر رہا تھا اور اس شہر کے بزرگوں کی زیارت کرتا تھا۔ ایک روز حضرت محمد سیوستانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نہایت بزرگ اور بوڑھے آدمی اور صاحب ولایت تھے۔ سلوک کے متعلق حکایت ہو رہی تھی اور درویش آپس میں بحث کر رہے تھے۔ ایک شخص آیا اور قدم بوس ہو کر بیٹھ گیا۔ خواجہ محمد سیوستانی نے اپنی روشن ضمیری سے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ایک حاجت مند آیا ہے۔ فوراً وہ قدمبوس ہوا اور عرض کی کہ ہاں۔ فرمایا جا اس آیت کو پڑھا کر۔ خداوند تعالیٰ تجھ کو فرزند صالح عنایت کرے گا۔ آیت یہ ہے:
رب ھب لی من لدنک ذریة طیبة انک سمیع الدعاء ط وہ شخص چلا گیا اور حق تعالیٰ نے اس کو ایسا نیک فرزند عنایت کیا جو صاحب سجادہ ہوا اور جس نے برہنہ پا سترحج کئے اور اسی نیت میں مرا۔

صالحین کے ساتھ حشر ہونے کی دعا

بعد ازاں فرمایا کہ ''کشاف'' میں لکھا دیکھا ہے کہ جب آدمی یہ چاہے کہ اس کا حشر نیک مردوں کے ساتھ ہو اور عرصات قیامت کو دیکھ لے تو یہ آیت پڑھا کرے: **ربنا و آتنا ما وعدتنا علیٰ رسلک و لا تخزنا یوم القیمة** ط **انک لا تخلف المیعاد**o پھر حکایت فرمائی کہ بخارا میں ایک شخص فسق و فجور کے سبب مشہور تھا۔ جب وہ مرا تو اس کو خواب میں اولیاء اللہ اور دوستان خدا کے ساتھ دیکھا۔ تعجب سے پوچھا کہ یہ دولت کہاں سے پائی؟ کہا میں نے تفسیر کشاف میں دیکھا تھا کہ جو شخص اس آیت کو پڑھے گا وہ نیک مُردوں کے ساتھ ہوگا۔ پس میں اس کو صدق دل سے پڑھتا تھا خداوند تعالیٰ نے جو تھوڑی چیز کا قبول کرنے والا اور بڑی بخشش فرمانے والا ہے میری یہ ذرا سی عبادت قبول فرمائی اور میرے تمام گناہوں کو بخش دیا۔ اب مجھ کو حکم ہے کہ دوستان خدا ہی میں رہوں۔ آیت یہی ہے: **ربنا و اتنا ما وعدتنا علیٰ رسلک و لا یخزنا یوم القیمة** ط **انک لا تخلف المیعاد**o

ظالموں سے نجات

پھر شیخ الاسلام ادام اللہ برکاتہ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص ظالموں کے ہاتھ سے نجات پانی چاہے تو لازم ہے کہ اس آیت کا ورد کرے: **ربنا اخرجنا من ھذہ القریة الظالم اھلھا واجعل لنا من لدنک و لیا واجعل لنا من لدنک نصیرا**o اس آیت کا پڑھنے والا ہمیشہ مظفر و منصور رہے گا۔ بعد ازاں فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ غول بیابانی سے مشغول جنگ تھے اور بہت پریشان ہو گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عریضہ بھیجا کہ تمام تدبیریں کرلیں اور جو کچھ کہ جنگ کے طریقے تھے، بجالایا۔ جب عریضہ حضور کی خدمت میں پیش ہوا از حد دل تنگ ہوئے۔ فوراً جبرئیل علیہ السلام یہ پیغام لائے کہ اس آیت کو پڑھیں اس کی برکت سے مظفر و منصور ہوں گے۔ حضورؐ نے یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لکھ کر بھیج دی اور انہوں نے تعمیل ارشاد کی اور غالب ہوئے۔ اس غول کو زندہ گرفتار کر کے مدینے میں لائے۔ وہ فتح اسی آیت ہی کی برکت سے ہوئی تھی۔

Marfat.com

وسعت رزق اور رحمت و برکت نازل ہونے کی دعا

پھر فرمایا کہ مولانا برہان الدین زاہدؒ صاحب ہدایہ "تفسیر زاہدی" میں لکھتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ رحمت و برکت اس پر نازل ہو اور روزی اس کی وسعت پائے اور کسی کا محتاج نہ رہے تو یہ آیت پڑھا کرے: ربنا انزل علینا مآئدة من السماء تکون ط لنا عیدا لا ولنا و اخرنا و ایة منک وارزقنا و انت خیر الرازقین o پھر فرمایا کہ یہ آیت حضرت موسیٰ کی قوم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ مگر انہوں نے کفران نعمت کیا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ان کو جنہوں نے اس مائدے میں سے کھایا تھا' کتا اور خنزیر بنا دیا۔

ظلم سے بچنے کی دعا

پھر فرمایا کہ جب یہ چاہے کہ دنیا وآخرت میں ظالموں کے ساتھ شریک نہ ہو تو یہ آیت پڑھا کرے ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظلمین۔

اطمینان قلب کی دعا

پھر فرمایا کہ جو شخص اسلام کے ساتھ اپنی زندگانی خوش گذرانی چاہے وہ یہ آیت بکثرت پڑھا کرے: ربنا افرغ علینا صبرا و ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکفرین o

قید سے رہائی کی دعا

بعد ازاں فرمایا کہ جو شخص کسی ظالم کے ہاتھ میں گرفتار ہو وہ یہ آیت پڑھے: ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظلمین o لا و نجنا برحمتک من القوم الکفرین o ط

ایمان واسلام پر خاتمہ ہونے کی دعا

اور اگر چاہے کہ مسلمان مرے اور صالحین کے درجے میں پہنچے تو یہ آیت پڑھا کرے فاطر السموت والارض ط انت ولی فی الدنیا والاخرة ط توفنی مسلما و الحقنی بالصلحین o بعد ازاں شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ جب ایک مدت کے بعد یعقوب اور یوسف علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی ملاقات ہوئی تو یوسف علیہ السلام نے سر سجدے میں رکھ کر یہی آیت پڑھی اور عرض کی کہ خداوندا تو نے مجھ کو بادشاہ بنایا یہ تیری مرضی تھی۔ میں نے اس کی درخواست نہ کی تھی۔ اب قیامت کے روز بادشاہوں کے ساتھ میرا حشر نہ کیجیو۔ میں بیچارہ مسکین وضعیف اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ بادشاہوں کے ساتھ میرا حشر ہو۔

آسیب سے محفوظ رہنے اور بت پرستی سے بچنے کی دعا

پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص دیو و پری کے شر اور ظالموں کے ظلم اور بت پرستی سے محفوظ رہنا چاہے تو یہ آیت پڑھا کرے: رب اجعل هذا البلد امنا و اجنبنی و بنی ان نعبد الاصنام o بعد ازاں شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ اس آیت کا نزول اس طرح ہوا ہے کہ ایک روز حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور صحابہ حضورؐ کے گرد بیٹھے ہوئے نصائح سن رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور سلام کر کے عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہؐ! مجھ کو کوئی ایسی چیز بتائیے جس کے باعث میں اور میری اولاد بت پرستوں کے شر سے محفوظ رہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سوچنے لگے کہ

Marfat.com

اس کو کیا چیز بتاؤں کہ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ! خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ آیت اس کو تعلیم کیجئے اور حکم دیجئے کہ یہ اس کو بکثرت پڑھا کرے۔ خداوند تعالیٰ اس کو بت پرستوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

کافروں پر فتح یاب ہونے کی دعا

بعدازاں فرمایا کہ جو شخص یہ چاہے کہ کفار اس پر حاوی نہ ہوں وہ یہ آیت پڑھا کرے: ربنا لا تجعلنا فتنة للذين كفروا واغفرلنا ربنا انک انتت العزيز الحكيمo

نور ایمان کامل ہونے کی دعا

اور جب یہ چاہے کہ نور ایمان اس کے دل میں کامل ہو تو یہ آیت پڑھا کرے: ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علی کل شیء قدیرo

بعدازاں شیخ الاسلام یہ فوائد بیان فرما کر دعا گو کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ ساری ترغیب تمہارے واسطے کرتا ہوں کیونکہ پیر مرید کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جب تک کہ مرید کو جیسا کہ چاہیے تمام آلائشوں سے پاک نہ کیا جائے وہ طریقت کا راستہ طے نہیں کر سکتا اور گمراہی سے باہر نہیں نکل سکتا۔

روزانہ پڑھنے کا وظیفہ

بعدازاں نطق مبارک سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص ہر روز ایک بار یہ دعا پڑھتا رہے اور زمانہ ورد میں مر جائے وہ بہشتی ہوگا۔ دعا یہ ہے: بسم اللّٰه الرحمن الرحيمoلا اله الا انت خلقتنی و اناعبدک و انا علىٰ عهدک و وعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی و ابوء لک بذنبی فاغفر لی فانه لا يغفر الذنوب الا انت برحمتک يا ارحم الراحمين o بعدازاں اسی محل میں فرمایا کہ حضرت عباسؓ ارشاد کرتے ہیں جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا سنی ہے ہر فرض کے بعد اس کو پڑھتا ہوں اور میں نے اس کو اپنا ورد بنا لیا ہے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو کسی نے خواب میں ان سے پوچھا کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ فرمایا کہ مجھ کو اسی دعا کی برکت سے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی، بخش دیا اور جنت میں جگہ دی۔ بعدازاں فرمایا کہ جو شخص اس دعا کو پڑھے گا خداوند تعالیٰ اس کی برکت سے شام تک اس کو ہر ایک بلا سے محفوظ رکھے گا اور آسمان سے جو بلا نازل ہوگی وہ اس دعا کے پڑھنے والے سے بالا بالا گذر جائے گی۔ لیکن اگر اس شخص میں اخلاص اور صدق نہ ہوگا تب وہ اس کے اوپر آ جائے گی۔ اور میں نے یہ خواص حضرت شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی کی زبان مبارک سے سنے ہیں اور ہر شخص کو لازم ہے کہ کسی وقت دعا کے پڑھنے اور شفاعت چاہنے سے خالی نہ رہے۔

دوسری دعا

پھر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ شیخ ابو طالب مکیؒ "قوت القلوب" میں لکھتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص یہ دعا پڑھے گا رات تک کسی بلا میں مبتلا نہ ہوگا۔ دعا یہ ہے:

Marfat.com

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ○ انت ربی لا الہ الا انت علیک توکلت و انت رب العرش العظیم ○ ما شاء اللّٰہ کان و ما لم یشاکم یکن اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و اعلم ان اللّٰہ علیٰ کل شیء قدیر و ان اللّٰہ قد احاط بکل شیٔ علما و احصیٰ کل شیٔ عددا. انی اعوذ بک من شر نفسی و من شر غیری و من شر کل دابۃ انت اخذ بنا صیتھا ان ربی علیٰ صراط مستقیم۔

تیسری دعا

پھر اسی محل میں فرمایا کہ قاضی امام شعبی نے اپنی کتاب ''کفایہ'' میں یہ حکایت لکھی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بوڑھے زاہد کے پاس نوجوان وحسین کنیزک تھی۔ زاہد چونکہ بوڑھا تھا کنیزک اس سے محبت نہ کرتی تھی اور چاہتی تھی کہ کسی طرح اس کے ہاتھ سے نجات پائے۔ ایک پڑوسن بڑھیا نے اس سے کہا کہ میں تجھ کو زہر ہلاہل تیار کر دیتی ہوں۔ روزہ افطار کرنے کے وقت زاہد کو دے دیجو۔ کنیزک نے ایسا ہی کیا اور تمام رات منتظر رہی کہ زاہد کس وقت مرتا ہے۔ جب صبح ہوئی اور دیکھا کہ زاہد کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا۔ اس سے نہ رہا گیا اور زاہد سے عرض کی کہ تمہارا جی چاہے مجھ کو رکھو یا مارو۔ میں نے تم کو زہر ہلاہل دیا تھا۔ کیا سبب ہے کہ اس نے تم پر اثر نہ کیا؟ زاہد نے متبسم ہو کر فرمایا کہ میرے پاس ایسی دعا ہے کہ ایک زہر کیا کوئی چیز مجھ کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہ یہ ہے: بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ○ بسم اللّٰہ خیر الاسماء بسم اللّٰہ رب الارض والسماء. بسم اللّٰہ الذی لا یضر مع اسمہ شیٔ فی الارض و لا فی السماء و ھوا السمیع العلیم ○

دعا کی شرائط

بعد ازاں شیخ الاسلام قدس سرہ نے فرمایا کہ شرائط اسباب دعا کے بہت ہیں اگر سب کو بیان کروں تو طول ہو جائے۔ مگر پہلی شرط یہ ہے کہ خداوند جل جلالہ وعم نوالہ کے نام پاک سے شروع کی جائے۔ کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کل امر ذی بال لم یبدء فیہ ببسم اللّٰہ فھوا ابتر ○ پس لازم ہے کہ پہلے بسم اللہ پڑھے پھر دعا کرے تاکہ قبول ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اپنی عورتوں کو آواز دار زیور مثل پازیب وغیرہ کے نہ پہننے دے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خداوند تعالیٰ ان لوگوں کی دعا قبول نہیں فرماتا ہے جو اپنی عورتوں کے آواز دار زیور پہننے سے خوش ہوتے ہیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دعا کے آغاز واتمام پر صدقہ دے۔ جیسا کہ امام شافعی سے روایت ہے کہ ان کی کسی بادشاہ سے کوئی حاجت تھی اور اس کے واسطے جا رہے تھے۔ ایک درویش کو صدقہ دیا اور کہا کہ دعا کیجئے میری حاجت پوری ہو جائے۔ کیونکہ جو شخص بادشاہ کے پاس جاتا ہے اس کے واسطے ضروری ہے کہ پہلے دربان کو کچھ دے اور درویش خدا کا دربان ہے۔ جب یہ راضی ہوا تو حاجت بھی پوری ہو گئی۔ الحمد للّٰہ علی ذلک۔

غرۂ محرم ۶۵۶ ہجری

ماہ محرم کے فضائل اور دعائیں

دولت قدم بوسی میسر ہوئی۔ اجودھن کی تمام مخلوق چھوٹے بڑے اور مشائخ و درویش و مساکین آتے تھے اور شیخ

Marfat.com

الاسلام کے دست مبارک کو بوسہ دیتے تھے اور حضرت شیخ الاسلام مصلے کے نیچے ہاتھ ڈال کر روپیہ پیسہ جو جس کی تقدیر کا ہوتا، نکال کر عنایت فرما رہے تھے اور لوگ جو شیرینی لاتے تھے اس کا ایک انبار لگا ہوا تھا۔ تھوڑی تھوڑی درویشوں کو بھی دی جا رہی تھی۔ اس روز شہر کا کوئی شخص مسافر یا متوطن زیارت سے محروم نہ رہا۔ حضرت شیخ الاسلام کی یہ رسم تھی کہ ہر ماہ کے غرے کو اسی طرح کہا کرتے تھے۔

بعد ازاں شیخ عبداللہ محمد بن احمد بلخی جو واصلان حق میں سے تھے، شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قدمبوسی کر کے بیٹھ گئے۔ شیخ الاسلام مراقبے میں تھے۔ اسی وقت ذکر کرنے لگے اور اس قدر ذکر کیا کہ بیہوش ہو گئے۔ حضرت شیخ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہ کا خرقہ آپ کے اوپر ڈالا گیا۔ تب تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آئے۔ حاضرین نے قدمبوسی کی۔ عبداللہ بلخی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم نے دیکھا ہمارے بھائی بہاء الدین زکریا ملتانی اس بیابان فنا سے شہرستان بقا کی طرف کوچ فرما گئے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں اسی وقت انتقال کیا ہے۔ آئیے نماز جنازہ پڑھ لیں۔ پھر شیخ الاسلام اور حاضرین نے نماز جنازہ ادا کی۔ بعد ازاں فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب کی نماز جنازہ پڑھنی منقول ہے۔ کیونکہ جب امیر المومنین سید الشہداء حضرت حمزہ اور دیگر صحابہؓ شہید ہوئے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی تھی۔ پس لازم ہے کہ ہم بھی پڑھیں۔

اس کے بعد غرۂ ماہ محرم کی فضیلت میں گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا کہ اس عشرے کے اندر بجز طاعت و تلاوت اور نماز و دعا کے کسی کام میں مشغول نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس عشرے میں قہر جاتا رہتا ہے اور رحمت الٰہی بکثرت نازل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس عشرے میں بہت سے طبقات مشائخ نے گریہ وزاری و نیاز اپنے اوپر لازم کیا ہے۔

پھر فرمایا تم نہیں جانتے ہو کہ اس عشرے میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گذرا تھا اور حضورؐ کے فرزندان کیسے زار و نزار ہوئے تھے اور بعض تو پیاس ہی سے ہلاک ہو گئے تھے اور پانی کا ایک قطرہ بدبختوں نے ان صاحبزادوں کو نہ دیا تھا۔ جب شیخ الاسلام اس کلام پر پہنچے تو ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو فرمایا کہ کیسے کافر اور سنگدل اور بے عاقبت اور بے سعادت اور نامہربان تھے۔ جانتے تھے کہ یہ بادشاہ دین و دنیا کے فرزند ہیں اور پھر ان کو اس بیکسی کے ساتھ شہید کرتے تھے اور اتنا خیال نہ آتا تھا کہ کل قیامت کے روز حضرت خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے۔ الغرض فرمایا کہ شروع سال غرۂ محرم میں یہ دعا پڑھنی آئی ہے: بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ط اللھم انت اللّٰہ الا بدی القدیم و ھذہ سنة جدیدة اسالک فیه العصمة من الشیطن الرجیم و الامان من الشیطن و من شر کل دین و من البلایا و الافات فذلک و نساء لک العون و العدل علیٰ ھذہ النفس الامارة بالسوء و الاشتعال بما یقربنی الیک یا برو یا رء وف یا رحیم یا ذوالجلال و الاکرام برحمتک یا ارحم الراحمین ط

پھر اسی محل میں فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام معین الدین سنجری قدس اللہ سرہ کے اوراد میں لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص ماہ محرم کی پہلی شب میں چھ رکعت نماز ادا کرے۔ ہر رکعت میں فاتحہ ایک بار اور اخلاص دس بار اور صحیح روایت میں آیا ہے کہ دو رکعت نماز ادا کرے ہر رکعت میں فاتحہ ایک بار اور سورۂ یٰسین ایک بار پڑھے۔ خداوند تعالیٰ اس کو بہشت میں دو

ہزار محل عنایت فرمائے گا۔ ہر محل میں دو ہزار دروازے یاقوت کے اور ہر دروازے میں ایک تخت زبرجد سبز کا بچھا ہوگا اور ایک حور اس پر جلوہ افروز ہوگی اور یہ نماز چھ ہزار بلاؤں کو دور کرتی ہے اور چھ ہزار نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔

پھر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میں نے ''کفایہ'' امام شعبی میں لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص ماہ محرم میں ہر روز سو مرتبہ یہ کلمہ پڑھا کرے گا خداوند تعالیٰ اس کو آتش دوزخ سے رہائی دے گا۔ وہ کلمہ یہ ہے: لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد یحی و یمیت و ھو حی لا یموت بیدہ الخیر و ھوا علے کل شئ قدیر ٥ لا مانع لما اعطیت و لا معطی لما منعت و لاراد لما قضیت و لا ینفع ذا الجد منک الجد۔ پھر اپنے ہاتھوں پر دم کر کے منہ پر پھیر لے۔ حق تعالیٰ اس کو گناہوں سے ایسا پاک کردے گا گویا ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا ہے۔ شیخ الاسلام یہ فوائد بیان فرما رہے تھے کہ نماز کی اذان ہوئی۔ شیخ الاسلام نماز میں مشغول ہوئے۔ مخلوق اور دعا گو واپس آئے۔ الحمد للّٰہ علی ذلک کہ یہ نعمت حاصل ہوئی۔

۱۰ ماہ محرم ۶۵۶ ہجری

عاشورے کی فضیلت اور اعمال

دولت قدمبوسی نصیب ہوئی۔ شمس دبیر اور شیخ جمال الدین ہانسوی اور شیخ بدر الدین غزنوی اور عزیزان دیگر حاضر تھے۔ روز عاشورہ کی برکت میں گفتگو ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: من صام یوم عاشوراء فکانما صام الدھر کلہ یعنی جس نے عاشورہ کے روز روزہ رکھا اس نے گویا تمام سال روزے رکھے۔

پھر فرمایا کہ عاشورہ کے روز جنگل کے ہرن اپنے بچوں کو دودھ نہیں پلاتے پھر کیا باعث ہے کہ مسلمان اس دن روزہ نہ رکھیں۔

پھر فرمایا کہ بغداد میں ایک بزرگ تھے۔ جب انہوں نے حضرت امیر المومنین حسن اور حسین علیہما السلام کے شہید ہونے کا واقعہ سنا خاندان رسول خدا صلی اللہ علیہ سلم کی محبت کے سبب سے اس قدر اپنا سر زمین پر مارا کہ سر پھٹ گیا اور خون جاری ہوا اور یہ زمین پر گر پڑے۔ تھوڑی دیر بعد جو دیکھا گیا تو جاں بحق تسلیم کر چکے تھے۔ اسی شب ایک بزرگوار نے ان کو خواب میں دیکھا کہ حضرت امیر المومنین امام حسین علیہ السلام کے روبرو ایستادہ ہیں۔ پوچھا کہ خداوند تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ فرمایا مجھ کو بخش دیا اور حکم دیا ہے کہ حضرت امیر المومنین حسین علیہ السلام کے سامنے کھڑے رہا کرو۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کبار کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ معاویہؓ یزید پلید کو اپنے کندھے پر سوار کئے ہوئے سامنے سے گذرے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر تبسم فرمایا اور ارشاد کیا کہ جنتی کے دوش پر دوزخی سوار ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ (حاضر الوقت) نے حضورؐ کا ارشاد سن کر پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! معاویہ کا بیٹا دوزخی کیونکر؟ حضورؐ نے ارشاد کیا کہ یہ یزید وہ شخص ہے جو حسنؓ اور حسینؓ اور میری تمام آل کو شہید کرے گا۔ حضرت علی علیہ السلام نے یزید کے قتل کرنے کے لئے نیام سے تلوار نکال لی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے

Marfat.com

علیؓ! ایسا نہ کرو۔ کیونکہ تقدیر الٰہی اسی طرح ہے۔ حضرت علیؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپؐ اس وقت موجود ہوں گے؟ فرمایا نہیں۔ عرض کی کہ یاروں سے کوئی ہوگا؟ فرمایا نہیں۔ عرض کی میں موجود ہوں گا؟ فرمایا نہیں۔ عرض کی کہ حضرت فاطمہؓ موجود ہوں گی؟ فرمایا نہیں۔ تب عرض کی کہ میرے غریبوں کا ماتم کون کرے گا؟ فرمایا اے علیؓ! میری امت کرے گی۔ پھر حضرت علیؓ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں روئے اور حضرت شاہزادگان کو گود میں لے کر ایک نعرہ مارا اور فرمایا کہ اے غریبو! ہم کو نہیں معلوم کہ اس صحرا میں تمہارا کیا حال ہوگا؟

بعد ازاں شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ جس روز امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہونے والی تھی ایک بزرگ نے خواب مین دیکھا کہ حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تمام انبیاء کی عورات کے ساتھ تشریف لائی ہیں اور دامن مبارک کمر سے باندھے ہوئے دشت کربلا کی زمین جس جگہ حضرت امامؑ نے شہادت پائی اپنی مبارک آستین سے صاف کر رہی ہیں۔ پوچھا کہ اے خاتون قیامت اور اے شفیع روز محشر! یہ کیا مقام ہے جس کو اپنی مبارک آستین سے پاک فرما رہی ہیں؟ فرمایا یہ وہ مقام ہے جہاں میرا غریب حسینؓ سر دے گا اور شہادت پائے گا۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ سے یہ واقعہ دریافت کیا اور فرمایا کہ جب ہم میں سے کوئی نہ ہوگا تو پھر ان مظلوموں کی تعزیت کون کرے گا؟ جبرئیلؑ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپکی امت ان کی ایسی تعزیت کرے گی جس کا بیان زبان سے ممکن نہیں۔

بعد ازاں شیخ الاسلام نے فرمایا کہ شب عاشورہ میں چار رکعت نماز پڑھنی چاہیے۔ ہر رکعت میں فاتحہ ایک بار اور آیۃ الکرسی تین بار اور اخلاص دس بار اور جب نماز سے فارغ ہو تو سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے۔

پھر فرمایا کہ شیخ الاسلام عثمان ہارونی کے اوراد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ روز عاشورہ میں آفتاب طلوع ہونے کے بعد دو رکعت نماز ادا کرے اور جو سورتیں یاد ہوں پڑھے۔ ثواب بہت ہے۔ پھر یہ دعا پڑھے: بسم اللہ الرحمن الرحیم o یا اول الاولین یا اخر الاخرین لا الہ الا انت اول ما خلقت فی ھذا الیوم و اخر ما تخلق فی ھذا الیوم اعطنی فیہ خیر ما اولیت فیہ بانبیاء ک و اصفیاء ک من النوئب و البلایا و اعطنی ما اعطیتم فیہ من الکرامۃ بحق محمد علیہ السلام ط

بعد ازاں فرمایا کہ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی کے اوراد میں خاص انہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا ہے کہ روز عاشورہ میں چھ رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں فاتحہ اور والشمس اور انا انزلنا اور اذا زلزلت الارض اور اخلاص اور معوذتین سب ایک ایک بار پڑھے۔ پھر سلام کے بعد سجدے میں سر رکھ کر قل یا ایھا الکفرون پڑھے اور حاجت چاہے روا ہوگی۔ پھر فرمایا کہ اسی میں لکھا دیکھا ہے کہ عاشورہ کے روز ستر بار پڑھے: حسبی اللہ و نعم الوکیل نعم المولیٰ و نعم النصیر۔ حق تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اولیاء اللہ و مشائخ کبار کے زمرے میں اس کا نام درج فرمائے گا۔ پھر اسی محل میں فرمایا کہ پہلے زمانے میں ایک شخص کفن چوری کیا کرتا تھا اور قریباً دو ہزار دو سو آدمیوں کے کفن اس نے چرائے تھے۔ الغرض اس کام سے اس نے حضرت خواجہ حسن بصری کے ہاتھ پر توبہ کی۔ خواجہ نے دریافت کیا کہ تو نے قبروں میں مسلمانوں کا کیا حال دیکھا؟ عرض کی کہ سب کا حال بیان کرنا تو نہایت مشکل ہے دو تین واقعے عرض کرتا ہوں۔ ایک قبر جو

میں نے کھولی تو دیکھا کہ اس میں ایک شخص ہے جس کا چہرہ نہایت سیاہ ہے اور ہاتھ پیروں میں اس کے آگ کی زنجیریں بندھی ہوئی ہیں اور اس کے منہ سے پیپ اور خون جاری ہے۔ اس قدر بو آتی تھی کہ دماغ پریشان ہو گیا اور میں وہاں سے الٹا پھرا۔ اس مردے نے مجھ کو آواز دی کہ کیوں بھاگتا ہے۔ یہاں آ اور میرا حال دریافت کر اور سن کہ میں کیا کام کرتا تھا جس کے سبب سے اس بلا میں مبتلا ہوا۔ میں پھر اس کی قبر میں گیا اور دیکھا کہ فرشتگان عذاب نے اس کی گردن میں زنجیریں باندھ رکھی ہیں اور بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں مسلمان اور مسلمان کا فرزند ہوں مگر میں شراب خوار اور زانی تھا اور اسی بدمستی کی حالت میں مر گیا اور اس ذلت میں گرفتار ہوا۔ پھر میں نے دوسری قبر کھودی تو دیکھا ایک شخص سیاہ رو برہنہ کھڑا ہے اور چاروں طرف اس کے آگ روشن ہے اور زبان اس کی باہر نکلی ہوئی ہے اور فرشتے اس کی گردن میں زنجیریں باندھے ہوئے کھڑے ہیں۔ اس شخص نے مجھ کو دیکھتے ہی فریاد کی کہ جناب تھوڑا سا پانی مجھ کو پلائیے کہ میں پیاس کے مارے عاجز ہو گیا ہوں۔ اس کے یہ بات کہتے ہی میں نے چاہا کہ پانی دوں۔ فرشتوں نے دھمکایا کہ خبردار اس تارک نماز کو پانی نہ دیجئو۔ کیونکہ خدا کے حکم کے خلاف ہوگا۔ پھر میں نے اس شخص سے دریافت کیا کہ تو کیا کام کرتا تھا؟ اس نے کہا میں مسلمان تھا مگر کبھی میں نے خدا کی اطاعت نہیں کی اور میری طرح بہت سے لوگ عذاب میں گرفتار ہیں۔ پھر اس کے بعد میں نے ایک اور قبر کھودی۔ دیکھا کہ ایک جوان ایسا خوبصورت جس کے حسن کا بیان نہیں ہو سکتا اور گرداگرد اس کے سبزہ زار تھا اور چشمے بہہ رہے تھے اور اس کے سامنے حوران بہشتی تخت پر بیٹھی تھیں۔ میں نے پوچھا کہ اے جوان! تو کون ہے؟ اور کیا کام کرتا تھا؟ اور کس عمل سے تو نے یہ درجہ پایا؟ اس نے کہا اے شخص! میں تم ہی جیسا تھا۔ لیکن ماہ محرم میں عاشورہ کے روز میں نے ایک واعظ سے سنا تھا کہ جو شخص چھ رکعتیں پڑھے خدا تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے۔ پس میں ہمیشہ ان کو پڑھتا تھا۔ پھر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص شب یا روز عاشورہ میں دشمنی دور کرنے کے لئے چار رکعت نماز پڑھے خداوند تعالیٰ اس کو منکر و نکیر کے سوال سے محفوظ رکھے گا اور اس کے دشمنوں کو اس سے خوشنود کرے گا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

۱۷ ماہ صفر ۶۵۶ ہجری

عطائے خرقہ خاص و رخصت

دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ دعا گو چند روز کے واسطے ہانسی میں شیخ محمد ہانسوی کے پاس چلا گیا تھا جو حضرت قطب الدین بختیار اوشی کے یاران اعلیٰ میں تھے۔ جب حضرت شیخ الاسلام کی دولت پائے بوسی حاصل ہوئی۔ فرمان ہوا کہ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ گیا اور جو مکتوب کہ شیخ برہان الدین نے دیا تھا پیش کیا۔ خود مطالعہ فرمایا۔ پھر ارشاد کیا کہ بہت دیر کر دی۔ بندے نے سر زمین پر رکھ کر عرض کی کہ تن خاکی وہاں تھا۔ مگر دل یہیں۔ پھر فرمایا ہاں یونہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو۔ تم پر ہمارا اشتیاق غالب تھا اور تم کہتے تھے کہ اگر میرے پر ہوں تو اڑ کر چلا جاؤں اور خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ شیخ کا مرید اور فرزند ایسا ہونا چاہیے جیسے کہ مولانا نظام الدین ہیں۔ پھر مجھ سے ارشاد کیا کہ تم نے ایک خط بھی لکھا تھا جس میں اشتیاق پائے بوسی بہت تھا اور تم نے ایک بیت بھی لکھی تھی جس کو میں نے یاد کر لیا ہے اور جب

Marfat.com

تم یاد آتے ہو تو میں اس بیت کو پڑھ لیتا ہوں۔ بے نظیر ہے۔ اگر تم پڑھو تو میں سنوں۔ میں نے قدم بوس ہو کر یہ بیت پڑھی:

زانگاہ کہ بندۂ تو دانند مرا ... بر مردمک دیدہ نشانند مرا

لطف عامت عنایتے فرمودہ است ... ورنہ کیم از کجا چہ دانند مرا

میں نے جو یہ بیت پڑھی شیخ الاسلام پر رقت طاری ہوئی اور بے حد و نہایت رقص فرمایا یعنی چاشت سے دو پہر تک اس وجد و کیف میں مصروف رہے۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو خرقہ خاص اور عصا اور مصلے اور نعلین چوبی مرحمت فرمائیں اور دعا گو کو پہلو میں لے کر فرمایا کہ مولانا نظام الدین! نزدیک ہے کہ میں تم کو رخصت کروں اور پھر تمہارا دیدار نہ دیکھوں۔ بس اب جاؤ کہ اسی روز تمہاری رخصت ہے مگر اور چند روز بھی رہنا چاہیے کیونکہ دیدار غنیمت ہے۔ پھر چشم پُر آب کی اور رو رو کر یہ بیت پڑھی:

دیدار دوستان موافق غنیمت است ... چوں یافتیم حیف بود گر رہا کنم

ماہ صفر کی سختی و گرانی اور بلاؤں سے بچنے کے اعمال

بعد ازاں ماہ صفر کی نسبت گفتگو ہونے لگی۔ فرمایا نہایت سخت اور گراں مہینہ ہے۔ کیونکہ جب ماہ صفر آتا تھا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تنگ دل ہوتے تھے اور جب یہ نکل جاتا تھا تو آپ خوشی کرتے تھے اور حضورؐ کا یہ تغیر ماہ صفر کی گرانی اور سختی کے باعث سے ہوتا تھا۔

پھر ارشاد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے مجھ کو ماہ صفر کے ختم ہونے کی بشارت دی میں اس کو جنت کی بشارت دیتا ہوں: من بشرنی بخروج الصفر انا بشرته بدخول الجنة۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ خداوند تعالیٰ ہر سال دس لاکھ اسی ہزار بلائیں آسمان سے بھیجتا ہے جن میں سے خاص اس مہینے میں نو لاکھ بیس ہزار نازل ہوتی ہیں۔ اس مہینے میں دعا اور عبادت کے اندر مشغول رہنا چاہیے تا کہ بلا سے کچھ نقصان نہ پہنچے۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے جو شخص چاہے کہ ماہ صفر کی بلاؤں سے محفوظ رہے ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرے: بسم اللہ الرحمن الرحیم o اعوذ باللہ من شر ھذا الزمان و استعیذہ من شرور الازمان انی اعوذ بجلال و جھک و کمال قدرتک ان تجیر نی من فتنة ھذہ السنة وقنا شر ما قضیت فیھا و اکرمنی بالفقر باکرم النظر و اختمه بالسلامة و السعادة لاھلی و اولیائی و اقربائی و جمیع امة محمد ن المصطفےٰ صلی اللہ علیه و آله وسلم.

بعد ازاں اسی محل میں فرمایا کہ ماہ صفر کی پہلی شب میں کل مسلمانوں کی حفاظت کے واسطے عشاء کی نماز کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔ پہلی میں فاتحہ کے بعد قل یا ایھا الکفرون پندرہ بار اور دوسری میں فاتحہ کے بعد اخلاص گیارہ بار اور تیسری میں قل اعوذ برب الفلق پندرہ بار اور چوتھی میں قل اعوذ برب الناس پندرہ بار۔ پھر سلام کے بعد کئی بار ایاک نعبدو و ایاک نستعین پڑھ کر اس کے بعد ستر مرتبہ درود شریف پڑھے۔ چونکہ یہ نماز قبل از وقت پڑھی جاتی ہے خداوند تعالیٰ ان تمام بلاؤں سے جو اس روز نازل ہوں گی محفوظ رکھتا ہے۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ میں نے شرح شیخ الاسلام شیخ معین الدین چشتی میں لکھا دیکھا ہے کہ ماہ صفر کے آخری

Marfat.com

روز تین لاکھ بیس ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ یہ دن سب دنوں سے زیادہ سخت ہے۔ اس واسطے آخری چہار شنبے کو چار رکعت نماز ادا کرے۔ خداوند تعالیٰ اس کو تمام بلاؤں سے محفوظ رکھے گا اور سال آئندہ تک کوئی بلا اس کے پاس نہ آئے گی۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥ یا شدید القوی و یا شدید المحَال یا مفضل یا مکرم یا لا الہ الا انت برحمتک یا ارحم الراحمین ٥

پھر فرمایا جو لوگ بلا میں مبتلا ہوئے ہیں وہ اسی ماہ صفر میں ہوئے ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسی ماہ صفر میں گیہوں کھایا تھا جو بہشت سے نکالے گئے اور ایک خطا کے سبب تین سو برس روتے رہے۔ تمام گوشت و پوست ان کا گل کر جھڑ گیا تھا۔ تب حکم ہوا کہ توبہ کرو میں قبول کروں گا۔ غرضیکہ یہ ساری زحمت ماہ صفر ہی سے شروع ہوئی تھی۔ پھر اس کے مناسب فرمایا کہ وہب ابن منبہؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ قابیل اور ہابیل دونوں بھائیوں نے ماہ صفر میں حضرت آدم علیہ السلام سے شکار کی اجازت چاہی۔ حضرت آدم نے ان کو منع کیا کہ ماہ صفر میں باہر نہ جاؤ۔ مگر انہوں نے حضرت کا کہنا نہ سنا۔ الغرض جب یہ جنگل میں پہنچے تو دونوں بھائیوں میں کسی بات پر تکرار ہوئی اور قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔ پھر پشیمان ہوا کہ مجھ سے یہ کیا حرکت ہوئی۔ یہ خبر حضرت آدم علیہ السلام کو پہنچی۔ حضرت کو بہت رنج ہوا۔ اسی وقت جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کی کہ اے آدمؑ! حکم الٰہی ہے کہ ہابیل کی اولاد سے تمام لوگ مسلمان ہوں گے اور قابیل کی اولاد سے تمام یہودی اور آتش پرست اور کافر ہوں گے۔ کیونکہ اس نے ماہ صفر میں اپنے بھائی کو ہلاک کیا ہے۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ نوح علیہ السلام کی قوم اسی ماہ صفر میں طوفان کے اندر غرق اور ہلاک کی گئی تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صفر کی پہلی تاریخ کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور ماہ صفر ہی میں ایوب علیہ السلام کیڑوں کی بلا میں مبتلا ہوئے تھے اور حضرت زکریا علیہ السلام پر جس روز آرہ چلایا گیا ہے وہ بھی ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ تھا اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حلق پر جو چھری چلی ہے تو اسی ماہ صفر میں اور اسی ماہ صفر میں حضرت جرجیس علیہ السلام کے سات ٹکڑے کئے گئے اور یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں بند ہوئے۔

بعد ازاں شیخ الاسلام ادام اللہ برکاتہ نے چشم پُر آب کی اور ایک نعرہ مار کر بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا کہ حضرت سلطان انبیاء کو جو زحمت لاحق ہوئی اور رحمت حق سے پیوست ہوئے تو یہی ماہ صفر تھا۔ پھر فرمایا کہ اسی طرح تمام انبیاء پر جو بلائیں نازل ہوئی ہیں' اسی ماہ صفر میں ہوئی ہیں۔ یہ مہینہ بہت سخت ہے۔ حق تعالیٰ ہم کو اور تم کو اور کل مسلمانوں کو اس مہینے کی گرانی سے اپنی امان اور حفاظت میں رکھے۔ الحمد للہ علی ذلک

۲۷ ماہ صفر ۶۵۶ھ

مجاہدۂ نفس

دولت پائے بوسی میسر آئی۔ عزیزان اہل سلوک مثلاً شیخ برہان الدین ہانسوی اور شیخ ملہولا ہوری اور شیخ جمال الدین ہانسوی علیہم الرحمۃ والغفران حاضر تھے اور چند اور صوفی بھی خاندان چشت کے آئے ہوئے تھے اور مجاہدے کے

Marfat.com

متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ ارشاد کیا کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی سے کسی نے ان کے مجاہدے کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا کہ میں بیس سال عالم تفکر میں ہوا کے اندر آنکھیں کھولے کھڑا رہا ہوں اور ان بیس سال میں کبھی بیٹھنا اور اٹھنا اور سونا مجھ کو یاد نہیں۔ میرے پیروں سے خون جاری ہو گیا تھا اور پیر ورم کر گئے تھے۔ پھر اس کے بعد دو سال عالم محو میں رہا اور کبھی نفس کو سیر ہو کر پانی نہیں پلایا۔ صرف ایک ہفتے یا مہینے میں دو درم کے انداز سے دیتا تھا۔ پھر اس کے بعد نفس کو انار شیریں کی خواہش ہوئی۔ میں ہر روز اس سے وعدہ کرتا رہا یہاں تک کہ دس سال گزر گئے تب نفس نے فریاد کی کہ تمہارا وعدہ کب پورا ہوگا۔ میں نے کہا آخری وقت میں۔ اگر اپنے مجاہدے کی مفصل کیفیت بیان کروں تو اس کے سننے کی تم میں طاقت نہیں ہے۔ جو معاملے کہ میں نے اپنے اور اپنے نفس کے ساتھ کئے ہیں تم ان کا یقین نہیں کر سکتے۔ الغرض جب ستر برس اسی طرح سے گذر گئے' درمیان سے حجاب اٹھ گیا اور آواز آئی کہ اندر آؤ تم نے ہمارے کام میں کوئی کسر نہیں رکھی۔ لہٰذا واجب ہوا کہ ہم بھی تم پر تجلی کریں۔ اس آواز کے آتے ہی خواجہ بایزید نے نعرہ مارا اور جاں بحق تسلیم کی۔ بعد ازاں شیخ الاسلام نے فرمایا کہ حضرت بایزید کے انتقال کا یہ واقعہ ہے اور فرمایا کہ جو مجاہدہ کرتا ہے وہی مشاہدے کو جانتا ہے اور یہ مثنوی زبان مبارک سے فرمائی:

درکوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند　　کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

پھر اسی محل میں فرمایا کہ ایک بزرگ سے پوچھا گیا کہ مجاہدہ کیا ہے؟ فرمایا نفس کو مارنا یعنی اس کی مراد پوری نہ کرنی اور وہ طاعت اختیار کرنی جس سے نفس راضی نہ ہو۔ پھر اسی محل میں فرمایا کہ خواجہ ابو یوسف چشتیؒ نے اپنے نفس سے فرمایا کہ اے نفس! اگر آج کی رات تو میرا ساتھ دے تو میں دو رکعت نماز میں ختم قرآن شریف کرلوں۔ روز اسی طرح کرتے رہے۔ آخر ایک دن نفس نے موافقت نہ کی اور حضرت کی دو رکعتیں فوت ہو گئیں۔ دوسرے روز حضرت نے مناجات کے وقت عہد کیا کہ بیس سال تک نفس کو سیر ہو کر پانی نہ دوں گا۔ کیونکہ اس شب جو نفس نے کاہلی کی تھی اس کا سبب یہی تھا کہ اس نے سیر ہو کر پانی پیا تھا۔

پھر اسی محل میں فرمایا کہ شاہ شجاع کرمانی چالیس سال نہ سوئے تھے۔ بعد چالیس سال کے ایک شب حضرت رب عزت کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ پھر جہاں جاتے کپڑا اوڑھ کر لیٹ رہتے کہ پھر وہ دولت حاصل ہو۔ ہاتف نے آواز دی کہ اے شاہ شجاع! وہ دیدار چالیس سال کی بیداری کا نتیجہ تھا۔ اب چالیس سال اور بیدار رہو تب وہ نصیب ہو۔ پھر شیخ الاسلام نے چشم پُر آب کی اور فرمایا کہ جب شاہ شجاع کرمانی کے انتقال کا وقت قریب پہنچا تو جس روز کہ حضرت انتقال کرنے والے تھے ایک ہزار رکعت نماز حضرت نے ادا کی اور مصلے ہی پر سو رہے۔ دوبارہ حضرت ذوالجلال کی زیارت ہوئی اور حکم ہوا کہ اے شاہ شجاع آنا چاہتے ہو یا ابھی کچھ دن اور رہو گے؟ عرض کی کہ خداوندا اب رہنے کی تاب نہیں ہے۔ میں تو آؤں گا۔ چنانچہ اسی وقت بیدار ہوئے اور وضو کر کے دوگانہ پڑھا۔ عشا کی نماز کا وقت تھا۔ جو سر بسجدہ ہو کر جاں بحق تسلیم کی۔ شیخ الاسلام نے ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو یہ مثنوی آپ کی زبان پر جاری ہوئی:

درکوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند　　کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

بعد ازاں فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت بایزید سے کسی نے پوچھا کہ اپنے مجاہدے کا کچھ حال بیان کیجئے۔ فرمایا اگر

Marfat.com

تھوڑا سا بھی بیان کروں تو تم اس کو سن نہیں سکتے۔ مگر میں تمہاری درخواست سے بہت تھوڑا بیان کرتا ہوں۔ ایک شب میں نے نفس کو عبادت کے واسطے طلب کیا۔ نفس نے سستی کی۔ کیونکہ اس شب اس نے عادت سے زیادہ دو کھجوریں کھائی تھیں۔ غرض کہ نفس نے میرا ساتھ نہ دیا۔ جب دن ہوا تو میں نے عہد کیا کہ عرصے تک خرما نہ کھاؤں گا۔ چنانچہ پندرہ برس خرما نہیں کھایا اور نفس اس کی آرزو ہی میں رہا اور کہنے لگا کہ جو کچھ حکم دو گے میں تابعدار ہوں۔ تب میں نے خرمے خرید کر اس کو کھلائے اور وہ مطیع ہو گیا۔ جو کچھ میں اس کو حکم دیتا تھا وہ بجالاتا تھا بلکہ اس سے زیادہ کرتا تھا۔

پھر فرمایا کہ خواجہ ذوالنون مصری سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اپنا مجاہدہ کہاں تک پہنچایا ہے؟ فرمایا یہاں تک کہ دو دو اور تین تین سال ہو جاتے ہیں جو میں نفس کو سیر ہو کر پانی نہیں دیتا۔ چنانچہ اب دس سال ہو گئے ہیں کہ اس کو پانی نہیں دیا ہے اور جب تک کہ ہر شب میں دو ختم قرآن شریف کے نہیں کر لیتا اور کسی کام میں مشغول نہیں ہوتا۔ بعدازاں خواجہ ذوالنون مصری کے انتقال کی حکایت بیان فرمائی کہ ایک روز خواجہ اپنے یاروں کے ساتھ تشریف رکھتے تھے اور اولیاء اللہ کے انتقال فرمانے کا ذکر ہو رہا تھا کہ ایک شخص سبز لباس پہنے ہوئے اور ایک سیب ہاتھ میں لئے ہوئے آیا۔ نہایت خوبرو اور نیک سیرت۔ فرمان ہوا کہ بیٹھ جاؤ اور خواجہ ذوالنون مصری ہر بار اس شخص سے فرماتے تھے کہ خوب آئے اور بہت اچھے آئے۔ پھر وہ سیب اس شخص نے خواجہ کو دیا۔ خواجہ نے اس سیب کو دونوں ہاتھوں میں لے کر تبسم کیا اور فرمایا کہ آپ تشریف لے جائیے۔ جب وہ چلا گیا تو خواجہ نے لوگوں کو بھی معذرت کے ساتھ رخصت کیا۔ پھر قبلہ رو ہو کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا۔ جب ختم کر چکے تو اس سیب کو سونگھا اور جاں بحق تسلیم کی۔ بعدازاں جب خواجہ کا جنازہ مسجد کے آگے لائے نماز کا وقت تھا اور موذن اذان کہہ رہا تھا۔ جب اس نے کہا اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ خواجہ نے کفن سے ہاتھ باہر نکالے اور انگشت شہادت کھڑی کر کے فرمایا اشھد ان محمد رسول اللّٰہ۔ ہر چند لوگوں نے چاہا کہ انگلی کو نیچا کریں مگر نہ ہو سکی اور آواز آئی کہ اے مسلمانو! جو انگلی ذوالنون نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اٹھائی ہے وہ اس وقت تک نیچی نہ ہو گی جب تک کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اسے نہ پکڑے گا۔ بعدازاں شیخ الاسلام نے یہ مثنوی پڑھی اور خوب روئے:

درکوئے تو عاشقاں چناں جان بدہند　　کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

بعدازاں فرمایا کہ جب خواجہ سہل بن عبداللہ تستری کا انتقال ہوا اور خواجہ کا جنازہ لے کر باہر آئے تو شہر تستر کے یہودی جو از حد منکر تھے ان کا سردار برہنہ پا حاضر ہوا اور کہا جنازے کو نیچے اتارو کہ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ جب جنازہ نیچے اتارا تو یہ یہودی جنازے کے پاس کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے خواجہ! مجھ کو کلمہ تلقین کر تا کہ میں مسلمان ہوں اور اس سردار کے ساتھ اس کی قوم کے ہزار آدمی اس وقت موجود تھے۔ اس کے یہ کلمے سنتے ہی خواجہ نے کفن سے ہاتھ نکالے اور آنکھیں کھول کر کہا کہ: اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمد عبدہ و رسولہ۔ یہ کہہ پھر کفن کے اندر ہاتھ کر لئے اور آنکھیں بند کر لیں۔ لوگوں نے اس یہودی سے پوچھا کہ تو نے کیا برہان دیکھی جو مسلمان ہوا؟ اس نے کہا جس وقت تم لوگ یہ جنازہ لے کر باہر آئے ہو میں نے آسمان میں ایک سخت آواز سنی اور اپنے دل میں کہا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ پھر میں نے آسمان کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ فرشتے آسمان سے نازل ہوئے ہیں اور ہاتھوں میں ان کے نور کے طبق ہیں۔ خواجہ کے جنازے پر آئے ہیں اور اس نور کو نثار کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اللہ اکبر! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں

Marfat.com

ایسے لوگ ہیں اور اسی سبب سے میں مسلمان ہو گیا۔ پھر شیخ الاسلام نے چشم پُر آب کی اور عالم تفکر میں ہو گئے اور یہ مثنوی پڑھی:

درکوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند　　　　کانجا ملک الموت نگنجد ہر گز

پھر اسی موقعے کے مناسب فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ علی مکی نے خواب میں دیکھا کہ گویا وہ عرش کو سر پر رکھ کر لے جا رہے ہیں۔ جب دن ہوا تو انہوں نے خیال کہا کہ یہ خواب کسی شخص سے بیان کرنا چاہیے جو اس کی تعبیر دے۔ آخر کہا کہ حضرت بایزید بسطامی کے پاس چلو کہ ان کے سوا اور کوئی شخص اس کام کا نہیں ہے۔ فرماتے ہیں جب میں گھر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ تمام شہر بسطام میں ایک شور و غوغا برپا ہے۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت بایزید کا انتقال ہو گیا۔ شیخ علی نے یہ سن کر ایک نعرہ مارا اور روتے ہوئے روانہ ہوئے۔ جب حضرت بایزید کے جنازے کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ جنازے کو لوگ باہر لا رہے ہیں۔ شیخ علی نے بڑی مشقت اور دشواری سے کیونکہ لوگوں کی بے حد کثرت تھی حضرت بایزید کے جنازے کو کندھا دیا اور دل میں کہا کہ میرے خواب کی تعبیر پوری ہو گئی۔ خواجہ بایزید کا جنازہ ہی خدا کا عرش ہے جس کو تو سر پر رکھے ہوئے لے جا رہا ہوں۔

بعد ازاں شیخ الاسلام نے فرمایا کہ تیس سال دعا گو عالم مجاہدے میں رہا ہے۔ نہ دن کی خبر تھی نہ رات کی۔ نماز پڑھ لیتا تھا اور پھر اسی عالم میں مشغول ہو جاتا تھا۔ پھر فرمایا کہ جس روز حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی نے رحلت فرمائی ہے اس روز حضرت کا جسم نہایت مضحمل تھا اور حضرت منتظر بیٹھے تھے کہ ایک شخص ہاتھ میں حریری کاغذ لئے ہوئے آیا جس میں اسم اللہ لکھا تھا۔ اس شخص نے سلام کر کے وہ کاغذ حضرت خواجہ کو دیا۔ حضرت نے ہاتھ میں لے کر اس کا مطالعہ کیا اور نام اللہ پر آنکھیں رکھ کر جان بحق تسلیم کی۔ ایک شور عالم میں برپا ہوا کہ خواجہ قطب الدین نے رحلت فرمائی۔ الغرض جب غسل دے کر جنازہ تیار کیا تو کسی کی مجال نہ ہوئی کہ جنازے کو اٹھا سکے۔ سب لوگ حیرت میں تھے کہ ایک سخت آواز آنی شروع ہوئی۔ لوگ واپس ہوئے۔ پھر نماز جنازہ پڑھی اور جنازے کے اٹھانے کا قصد کیا کہ جنازہ خود بخود ہوا میں معلق روانہ ہوا اور لوگ پیچھے پیچھے تھے اور جس قدر کفار اور غیر مذاہب کے لوگ تھے سب مسلمان ہو گئے۔ ان سے دریافت کیا کہ تم نے کیا برہان دیکھی جو اسلام اختیار کیا؟ کہنے لگے کہ ہم نے دیکھا خواجہ کا جنازہ فرشتے سر پر رکھے ہوئے لے جا رہے ہیں۔ جب شیخ الاسلام نے یہ حکایت تمام کی ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے۔ پھر ہوش میں آ کر یہ مثنوی پڑھی:

درکوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند　　　　کانجا ملک الموت نگنجد ہر گز

حضرت خواجہ انہی فوائد کے فرمانے میں مشغول تھے کہ نماز کی اذان ہوئی۔ شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ نماز میں مشغول ہوئے اور خلق و دعا گو واپس۔ الحمد للہ علی ذلک۔

۲ ماہ مبارک ربیع الاول ۶۵۶ھ

عطائے خلعت خاص و ولایت و سجادہ نشینی و دستار فضیلت

دولت قدمبوسی میسر آئی۔ اس بندے کو خلعت خاص کے ساتھ مشرف فرمایا۔ عزیزان اہل صفہ حاضر تھے۔

Marfat.com

زبان مبارک سے ارشاد کیا کہ مولانا نظام الدین کو میں نے ہندوستان کی ولایت دی اور صاحب سجادہ بنایا۔ اس ارشاد پر بندے نے دوبارہ قدمبوسی کی۔ فرمان ہوا کہ اے جہاں گیر عالم! سر اٹھا اور فوراً ہی حضرت شیخ قطب الدین کی دستار جو اپنے سر پر باندھے ہوئے تھے عطا کی اور عصا ہاتھ میں دیا اور اپنے دست مبارک سے خرقہ پہنایا اور فرمایا کہ جاؤ دوگانہ ادا کرو۔ میں جب قبلہ رو ہوا تو میرے ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف نظر کی اور فرمایا کہ میں نے تم کو خدا کے سپرد کیا۔ پھر فرمایا کہ یہ سب چیزیں میں تم کو اس سبب سے دیتا ہوں کہ تم آخری وقت میرے پاس نہ ہو گے اور یہ بھی فرمایا کہ میں بھی اپنے مرشد حضرت شیخ قطب الدین کے وصال کے وقت حاضر نہ تھا۔ اس وقت میں ہانسی میں تھا۔ الغرض اس کے بعد مولانا بدرالدین اسحٰق کو حکم دیا کہ سند تحریر کریں۔ پھر جب سند مجھ کو مل گئی تو میرا سر پہلو میں لے کر فرمایا کہ میں نے تم کو خدا تک پہنچا دیا۔ پھر فرمایا جمال الدین سے ہانسی میں مل کر جانا۔ پھر فرمایا کہ آج جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عرس کا روز ہے ٹھہر جاؤ کل رخصت ہونا۔ پھر اسی موقعہ پر فرمایا کہ حضرت امام شافعی نے اپنی کتاب ''کفایہ'' میں حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ کی صحیح روایت سے نقل کیا ہے کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری تاریخ ربیع الاول کو انتقال فرمایا تھا اور دو روز معجزے کے سبب سے جسم مبارک کو دفن نہ کیا گیا تھا۔ جسد اقدس سے ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ گویا تمام عالم کے عطریات اس کے اندر بھر گئے ہیں اور جو خوشبو کہ بحالت حیات حضور انورؐ سے آتی تھی' اس میں ذرہ برابر فرق نہ ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے مشاہدے سے اس روز کئی ہزار یہودی مسلمان ہوئے۔ پس اس معجزے کے سبب سے دو روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رکھا گیا تھا۔ پھر اس کے بعد فرمایا حضورؐ کی نو بیبیاں تھیں۔ ہر بی بی نے ایک ایک روز کھانا تقسیم کیا۔ اور بارہویں تاریخ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس قدر کھانا تقسیم کیا کہ مدینے میں کوئی شخص محروم نہ رہا۔ اور یہی وجہ ہے کہ بارہویں تاریخ حضورؐ کے عرس کی مسلمانوں میں مشہور ہو گئی۔ مگر صحیح روایت کے موافق وصال حضورؐ کا دوسری تاریخ ہی کو ہوا ہے۔ پھر اسی محل میں فرمایا کہ جب حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت زیادہ ہوئی تو حضورؐ تین روز مسجد میں تشریف نہ لا سکے۔ تیسرے روز بلالؓ نے حجرے شریف کے دروازے پر جا کر عرض کی کہ الصلوٰۃ یا رسول اللہ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور فرمایا کہ بلالؓ سے کہو کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ آئیں تاکہ ہم مسجد میں چلیں۔ ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین حاضر ہوئے اور حضور اقدسؐ ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لائے اور چاہا کہ امامت کریں۔ مگر طاقت نہ تھی۔ ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا۔ مسلمانوں نے یہ حال دیکھ کر ایک نعرہ مارا اور قریب تھا کہ ان کا زہرہ آب ہو جائے۔ الغرض رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم واپس حجرے میں تشریف لائے اور سیاہ کمبل اوڑھ کر لیٹ رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اعرابی دروازے پر حاضر ہوا اور کواڑوں پر ہاتھ مارا جس سے تمام در و دیوار میں لرزہ ہو گیا۔ حضرت فاطمہؓ دروازے پر تشریف لائیں اور فرمایا کہ یہ موقعہ (گفتگو وغیرہ کا) نہیں ہے۔ ہر چند کہ حضرت فاطمہؓ اس سے معذرت کرتی تھیں مگر وہ کچھ نہ سنتا تھا۔ آخر یہ آواز حضور اقدسؐ کے گوش گذار ہوئی۔ حضرت فاطمہؓ کو بلا کر فرمایا کہ اے جان پدر! یہ عزیز اعرابی نہیں ہے بلکہ یہ وہ شخص ہے کہ تم دروازہ بند کر دو گی تو یہ دیوار میں سے چلا آئے گا۔ یہ وہ شخص ہے جو فرزندوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ کرتا ہے۔ تمہارے باپ کی حرمت پر اس نے نگاہ رکھی ہے جو اجازت چاہتا ہے۔ اس کو بلا لو تاکہ یہ جس حکم کے واسطے آیا ہے اس کو پورا کرے۔ حجرے میں سے ایک نعرہ بلند ہوا اور ملک الموت اندر آئے اور قدمبوس ہوئے۔ فرمان ہوا کہ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ گئے۔ حضورؐ نے

Marfat.com

فرمایا کہ کس کام کو آئے ہو؟ عرض کی کہ حضورؐ کی زیارت کا مجھ کو حکم ہوا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی تاکید کی گئی کہ جب تک اجازت نہ ملے اندر نہ جانا اور یہ عرض کرنا کہ اگر حضورؐ تشریف لے چلنا چاہیں تو میں روح قبض کروں۔ ورنہ واپس چلا جاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا اتنی دیر ٹھہرو کہ جبرئیل آ جائیں۔ اسی وقت جبرئیل بھی حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یـــا اخـی کیف حـــالک؟ عرض کی کہ یارسول اللہ! فرشتے آسمانوں میں نور کے طباق لئے ہوئے آپ کی جان پاک کے منتظر ہیں۔ آسمان اور بہشت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی روحیں آپ کے استقبال کے لئے کھڑی ہیں۔ حوران بہشتی مشتاق دیدار ہیں۔ رضوان نے جنت آراستہ کی ہے تا کہ آپ تشریف لائیں۔ حضورؐ نے فرمایا اخی جبرئیل! میں یہ دریافت نہیں کرتا۔ بلکہ تم یہ بتاؤ کہ میرے بعد میری امت کا کیا حال ہوگا؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یارسول اللہ! خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اپنی امت کو میرے سپرد کر دو تا کہ قیامت کے روز میں ان کو تمہیں ویسا ہی واپس کر دوں جیسی کہ وہ تمہاری زندگی میں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں بس میرا مقصود یہی ہے۔ پھر حضورؐ نے ملک الموت کو حکم دیا کہ اب تم اپنا کام شروع کرو۔ یہ حکم ملتے ہی ملک الموت نے اپنا ہاتھ حضورؐ کے پائے مبارک پر رکھا اور ہاتھ پیر کے اندر اتر گیا۔ پھر ملک الموت نے روح مبارک قبض کی۔ حضورؐ نے پانی کا ایک پیالہ بھروا کر پاس رکھ لیا تھا اور بار بار ہاتھ اس میں تر کر کے سینے پر ملتے تھے اور فرماتے تھے: اللھم ھون علینـــا سکرات الموت۔ یعنی اے خدا جاں کنی کی تلخی مجھ پر آسان کر۔ پھر جب روح حلق مبارک میں پہنچی تو حضورؐ نے ہونٹ ہلائے۔ حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کان لگائے تو سنا کہ فرماتے ہیں اے خدا! محمدؐ کے جان دینے کے طفیل میری امت پر رحم فرما اور آخری وقت تک یہی فرماتے رہے۔

جب شیخ الاسلام نے یہ حکایت تمام کی۔ جملہ حاضرین مجلس سے ایک نعرہ بلند ہوا۔ شیخ الاسلام بے ہوش ہو گئے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو دعا گو کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جن کے واسطے تمام عالم پیدا کیا انہیں کو جب عالم میں نہ رکھا تو پھر میں اور تم کون ہیں کہ زندگی کا دم بھریں۔ پس ہم بھی اپنے آپ کو رفتگان میں شمار کرتے ہیں۔ مگر زادراہ کا فکر کرنا بہت ضروری ہے۔ غفلت اور گفتگو میں وقت کھونا نہ چاہیے تا کہ کل قیامت کے روز شرمندہ نہ ہوں۔

جب شیخ الاسلام نے یہ کلام ختم فرمایا شمس دبیر خدمت میں حاضر تھے۔ قدم بوس ہو کر بولے کہ مولانا نظامی کی ایک نظم دستیاب ہوئی ہے۔ حکم ہو تو عرض کروں۔ فرمان ہوا کہ پڑھو۔ جب شمس دبیر نے نظم پڑھی تو گویا شیخ الاسلام میں جان آ گئی۔ ایک پہر حال میں رہے۔ یہ وقت نہایت راحت کا تھا اور اس روز بارانیٔ (برساتی) خاص شمس دبیر کو عطا ہوئی۔ اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام تلاوت میں مشغول ہوئے اور یہاں حاضر باش بندگان سے میں نے سنا ہے کہ پھر وقت انتقال تک حضرت شیخ الاسلام کسی کے ساتھ مل کر نہیں بیٹھے۔ صرف مشغولی حق میں مصروف رہے۔ واللہ اعلم۔ شمس دبیر نے جو نظم پڑھی وہ یہ ہے:

نظم

جہاں چیست بگذر زنیرنگ او — رہائے بچنگ آر از چنگ او
مقیمے نہ بینی دریں باغ کس — تماشا کند ہر کیے یک نفس
دریں چار سو ہیچ بیگانہ نیست — کہ کیسہ بہر مرد خود کامہ نیست

Marfat.com

درو ہر دمے تو برے میرسد — یکے میر و د دیگرے میرسد
جہاں گرچہ آرامگاہے خوش است — شتابندہ رانعل در آتش است
دو در دارد ایں باغ آراستہ — درو بند ایں ہر دو برخاستہ
در آ از درے باغ بنگر تمام — ز دیگر در باغ بیروں خرام
اگر زیرگی باگلے خوگیر — کہ باشد بجا ماندنش ناگزیر
دریں دم کہ داری بشادی بسیج — کہ آئندہ در زیر ہچست و پیچ
یکے را رد بہ ہنگامہ تیز — دگر راز ہنگامہ گوید کہ خیز

نظامی سبک بار یاراں شدند
تو ماندی بغم غم گساراں شدند

حضرت بابافرید گنج شکر کا ملفوظ مبارک ''راحت القلوب'' یہاں ختم ہوا۔

چونکہ آنکھوں سے معذور ہوگیا ہوں اس واسطے اس کتاب کی لکھائی اور چھپائی کی کماحقہ نگرانی نہیں کر سکا اور شائقین کے خطوط تمام ہندوستان سے آتے رہتے ہیں کہ حضرت بابا صاحب کا روزنامچہ جلدی شائع کیا جائے۔ اچھا کاغذ بھی باوجود کوشش کے میسر نہ آیا۔ اس لئے مجبوراً رف کاغذ پر چھپوایا ہے۔ اس ایڈیشن کے ختم ہوتے ہی تیسرے ایڈیشن کی لکھائی شروع کرادی جائے گی اور اس میں اصل فارسی مضمون بھی رکھا جائے گا تاکہ دونوں حضرات کے بابرکت الفاظ پڑھنے والوں کے دلوں اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں۔

اگر لکھائی یا چھپائی کی کوئی غلطی کسی کو نظر آئے تو مجھے فوراً اطلاع دی جائے تاکہ طبع سوئم کے وقت اس کی اصلاح کردی جائے۔

حسن نظامی جانشین حضرت سلطان المشائخ خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلی۔ ۲۱ ج ۱۳۶۴ھ

☆ ☆ ☆

مختصر احوال حیات حضرت بابافرید گنج شکرؒ

حضرت بابافریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے اجداد بلخ خراسان افغانستان کے بادشاہ تھے۔ چنگیزی حملوں کی وجہ سے ہجرت کر کے افغانستان سے ہندوستان میں آئے۔ حضرت بابا صاحب کے والد قاضی سلیمان صاحب اور دادا قاضی شعیب صاحب بھی ساتھ تھے۔ یہ قافلہ پہلے قصور پنجاب میں آ کر ٹھہرا۔ قصور کے قاضی صاحب نے اس قافلے کی مہمانداری کی اور دہلی کے بادشاہ کو ان کے آنے کی خبر بھیجی۔ بادشاہ نے فوراً جواب دیا اگر یہ لوگ اپنا ملک مغلوں سے واپس لینا چاہیں تو میں ان کو فوجی مدد دوں گا اور اگر ہندوستان میں رہنا چاہیں تو ان کو منصب اور جاگیر اور عہدے دیئے جائیں گے۔ قاضی شعیب صاحب نے ہندوستان میں رہنے کا ارادہ ظاہر کیا اس لئے بادشاہ نے ملتان کے قریب کھتوال شہر کا قاضی مقرر کردیا۔

Marfat.com

قاضی شعیب کے فرزند قاضی سلیمان صاحب کا نوجوانی میں انتقال ہو گیا اور ان کے پوتے قاضی مسعود یعنی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہو گئے اور اپنی اولدہ ماجدہ کی نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔

حضرت کی والدہ حضرت کو نماز کا پابند بنانے کے لئے یہ حکمت کرتی تھیں کہ جانماز کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیا کرتی تھیں اور بچے سے کہتی تھیں ''جو بچے نماز پڑھتے ہیں ان کو جانماز کے نیچے سے شکر مل جاتی ہے۔'' حضرت بابا صاحب ہمیشہ نماز کے بعد شکر کی پڑیا نکال کر شکر کھا لیا کرتے تھے۔ ایک روز والدہ شکر رکھنی بھول گئیں اور جب نماز کا وقت ختم ہوا۔ تب ان کو یاد آیا کہ شکر رکھنی بھول گئی ہیں اور انہوں نے گھبرا کر بابا صاحب سے پوچھا ''فرید تو نے نماز پڑھی؟'' بابا صاحب نے جواب دیا۔ ''ہاں۔ اماں نماز پڑھی اور شکر بھی مل گئی۔'' والدہ صاحبہ کو بہت تعجب ہوا اور وہ سمجھیں کہ فرید کو غیب سے شکر ملی ہے۔ اس واسطے وہ بابا صاحب کو شکر گنج کہنے لگیں۔ جب سے بابا صاحب کا لقب شکر گنج مشہور ہو گیا۔ حضرت کی والدہ نے حضرت کو کھتوال کے علماء سے اعلیٰ درجے کی تعلیم دلوائی تھی اور جب یہاں کی تعلیم پوری ہو گئی تو حضرت کو تعلیم کی تکمیل کے لئے ملتان بھیجا گیا اور وہاں حضرت ایک مسجد میں ٹھہرے اور تعلیم حاصل کرنے لگے۔

حضرت خواجہ قطب صاحب سے ملاقات

ایک روز حضرت بابا صاحب اپنی تعلیمی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے جس کا نام ''نافع'' تھا۔ یکا یک مسجد میں ایک درویش آئے اور انہوں نے حضرت بابا صاحب سے پوچھا ''اے جوان کیا پڑھ رہا ہے؟'' بابا صاحب نے کتاب سے نظر اٹھا کر ان درویش کو دیکھا اور جواب دیا ''کتاب ''نافع'' پڑھ رہا ہوں۔'' ان درویش نے مسکرا کر دوسرا سوال کیا ''یہ کتاب تجھ کو کچھ نفع دے گی؟'' بابا صاحب نے یہ سوال سن کر درویش کے چہرے کی طرف دیکھا اور بابا صاحب کی درویش سے آنکھیں چار ہوئیں اور ایک خاص اثر بابا صاحب کے دل پر ہوا اور بابا صاحب بیتاب ہو کر کھڑے ہو گئے اور جواب دیا ''جی نہیں مجھے اس کتاب سے کچھ نفع نہیں ہو گا۔ بلکہ آپ کی نظر فیض اثر سے نفع ہو گا۔'' یہ کہہ کر بابا صاحب نے ان درویش کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا اور ان درویش سے کچھ باطنی بھید دریافت کئے۔ درویش نے ان سب بھیدوں کو بتا دیا۔ تب حضرت بابا صاحب نے پوچھا ''آپ کون ہیں؟'' جواب دیا میرا نام قطب الدین بخت یار ہے اور میں اوش سے آیا ہوں اور دہلی جا رہا ہوں۔ میں حضرت خواجہ سید معین الدین حسن اجمیریؒ کا مرید اور خلیفہ ہوں۔''

بابا صاحب نے عرض کی ''مجھے بھی اپنے ساتھ دہلی لے چلئے۔'' چنانچہ حضرت خواجہ قطب صاحب بابا صاحب کو اپنے ساتھ دہلی لے گئے اور بابا صاحب نے حضرت سے بیعت کر لی۔ پھر حضرت بابا صاحب کو حضرت خواجہ قطب صاحب نے روحانی تعلیم دی۔ اسی زمانے میں اجمیر شریف سے حضرت خواجہ صاحب اجمیری دہلی میں تشریف لائے اور انہوں نے بھی حضرت بابا صاحب کو بہت کچھ فیض باطنی عطا فرمایا اور حکم دیا کہ تم دنیا کی سیاحت کرو۔ اس لئے بابا صاحب ہندوستان سے باہر تشریف لے گئے اور تمام اسلامی دنیا کی سیر کی اور جگہ جگہ چلے کئے۔ اس کے بعد دہلی میں واپس آئے اور حضرت خواجہ قطب صاحب سے خلافت حاصل کی اور پھر بمقام اجودھن (پاکپتن شریف ضلع منٹگمری پنجاب) میں مقیم ہو گئے اور اسی جگہ ساری عمر قیام رہا اور یہیں کئی شادیاں کیں، جن میں ایک لڑکی شہنشاہ ہندوستان سلطان غیاث الدین بلبن

نے بھی حضرت کے نکاح میں پیش کی تھی۔

سب سے پہلے خلیفہ

حضرت باباصاحب کے سب سے پہلے خلیفہ حضرت مخدوم جمال الدین تھے جو ہانسی میں رہتے تھے اور حضرت باباصاحب جب کسی کو خلافت دیتے تھے تو حکم ہوتا تھا کہ خلافت نامہ جمال الدین کو دکھانا۔ اگر وہ تصدیق کردیں گے تب خلافت نامہ منظور ہوگا۔

حضرت مخدوم جمال الدین ہانسوی کے بعد اور بھی پنجاب میں اور دوسرے مقامات پر بہت سے خلفا حضرت باباصاحب کے ہوئے تھے۔ اسی زمانے میں حضرت شیخ علی صابر کو بھی حضرت باباصاحب نے خلافت نامہ دے کر تصدیق کے لئے مخدوم جمال الدین کے پاس ہانسی میں بھیجا تھا۔ یہ خلافت نامہ دہلی کے لئے تھا۔ مگر حضرت مخدوم جمال الدین نے دہلی کے لئے شیخ علی صابر صاحب کو موزوں نہیں سمجھا اور شیخ علی صابر ہانسی سے اجودھن واپس گئے اور حضرت باباصاحب نے ان کو کلیر شریف کی خلافت عطا فرمائی اور ان سے صابریہ سلسلہ جاری ہوا۔

بڑے خلیفہ

اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ بیس برس کی عمر میں حضرت باباصاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت باباصاحب نے ان کو تعلیم وتربیت روحانی کے بعد دہلی کی خلافت عطا فرمائی۔ مگر ان کو بھی حکم دیا کہ حضرت مخدوم جمال الدین سے ہانسی میں جاکر تصدیق کرائیں اور جب حضرت مخدوم جمال الدین نے خلافت نامے کی تصدیق کردی تب حضرت سلطان المشائخ نے دہلی میں قیام کیا اور نوے برس کی عمر تک دہلی میں مقیم رہے اور یہیں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔

یہ ملفوظ حضرت سلطان المشائخ نے ۶۵۵ھ میں لکھنا شروع کیا تھا اور ربیع اول ۶۵۶ھ کی دوسری تاریخ کو یہ کتاب ختم ہوئی تھی۔ جیسا کہ ناظرین کو اس کتاب کے آخری مضمون سے معلوم ہوجائے گا۔

لقب جہانگیر

اس روزنامچے کی آخری تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت باباصاحب نے حضرت سلطان المشائخ کو خلافت دینے کے وقت جہانگیر فرمایا تھا اور اس لقب میں ایک بڑی پیش گوئی تھی کہ تمام جہان میں حضرت کا سلسلہ پھیل جائے گا۔ اگرچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے القاب چھ سو برس سے آج تک سلطان المشائخ اور اولیاء اور محبوب الٰہی صرف تین ہی مشہور ہیں اور کسی کتاب میں لفظ جہانگیر مذکور نہیں ہے لیکن آج یہ مختصر تذکرہ لکھتے وقت میرا خیال ادھر متوجہ ہوا کہ حضرت باباصاحب نے حضرت کو جہانگیر کہہ کر آئندہ زمانے کی نسبت پیش گوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب کے ذریعے اب آخر زمانے میں نظامیہ سلسلہ بہت پھیلا اور حضرت کے ایک خلیفہ حضرت اخی سراج کے ذریعے نظامیہ

Marfat.com

سلسلہ بہار، بنگال اور آسام ہوتا ہوا چین تک پہنچ گیا اور چین میں اب تک نظامیہ سلسلے کی ڈیڑھ سو خانقاہیں موجود ہیں۔

میرے ذریعے سے نظامیہ سلسلہ سرین فرانس، روم اٹلی اور سوئٹزرلینڈ اور ہالینڈ اور امریکہ میں بھی پھیلا۔ جہاں میرے مقرر کئے ہوئے پروفیسر عنایت خاں صاحب نے نظامیہ سلسلہ پھیلایا تھا، جن کا مزار میرے مکان کے قریب واقع ہے اور تاروں اور خطوں اور بعض مقامات کے ذاتی سفر کے ذریعے مشرقی افریقہ اور جنوبی افریقہ اور مصر اور شام اور سوڈان اور فلسطین اور ایران اور افغانستان اور برما میں بھی میں نے نظامیہ سلسلے کو پھیلایا اور ہر مقام پر اپنے نائب مقرر کئے جو سلسلے کی اشاعت کا کام کر رہے ہیں۔

لہٰذا حضرت بابا صاحب کی پیش گوئی کا بڑا حصہ پورا ہو چکا ہے اور دنیا جہان کے جو مقامات نظامیہ سلسلے کے فیضان سے باقی رہ گئے ہیں، وہاں بھی انشاءاللہ میرے جانشین نظامیہ فیضان پہنچا دیں گے۔

حسن نظامی جانشین حضرت سلطان المشائخ خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی دہلی

☆ ☆ ☆

حواشی

۱۔ ملک الموت اور حضرت موسیٰ کا قصہ ظاہری آنکھ سے دیکھنے اور ظاہری عقل میں آنے کے قابل نہیں ہے۔ یہ عالم مثال کی باتیں ہیں۔ جو فضیلت آدمی کو سب مخلوقات پر دی گئی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں پر جناب انسان کا اور اپنی ذات پاک کا تعلق و قرب ظاہر کرے۔ اسی پر اس سارے قصے کو محمول کرنا اور شان انسانیت کو دکھانا چاہیے۔ (مترجم)

۲۔ مجھے ان دونوں روایتوں کی نسبت قوی شبہ ہے کہ کسی شخص نے بعد میں شریک کتاب کر دی ہیں، ورنہ حضرت بابا صاحب ایسی غیر مستند روایتیں بیان نہیں فرما سکتے تھے۔ (حسن نظامی)

Marfat.com

بدرالدین اسحاقؒ
مترجم: عبدالسمیع ضیاء

اسرارالاولیاء

(حضرت بابا فریدالدین مسعود شکر گنجؒ کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر وفکر اور آنحضور سرور کائنات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور محبت میں بسر ہوئی۔ حضرت بابا فریدالدین مسعودؒ کی ذات بابرکات کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ وہ انتہائی باعمل درویش تھے۔ وہ تمام شرعی شعائر اور آداب کی سختی سے پابندی کرتے۔ ہر وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہتے اور اپنے اردگرد جمع ہونے والے مریدوں اور درویشوں کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے۔ حضرت بابا فریدؒ کا شمار عظیم صوفی شاعر کے طور پر بھی ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ہزاروں ملفوظات ارشاد فرمائے اور بہت سے شعر کہے۔ اس زمانہ میں عام بول چال فارسی میں تھی۔ حضرت بابا فرید بھی زیادہ تر فارسی میں باتیں کرتے تاہم انہیں پنجابی، سرائیکی اور دوسری زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ روزانہ مجلسوں اور عبادت کی محفلوں میں رہ کر جو ارشاد فرماتے انہیں ان کے مریدین نوٹ کرتے جاتے۔ ان ملفوظات کو ان کے داماد اور معتقد مرید حضرت شیخ بدرلدین اسحاقؒ نے فارسی زبان میں "اسرارالاولیاء" کے نام سے شائع کیا۔ ایک اور مجموعہ ملفوظات حضرت بابا شکر گنجؒ کے مرید خاص اور اپنے وقت کے عظیم بزرگ حضرت نظام الدین اولیا نے بھی فارسی زبان میں "راحت القلوب" کے نام سے ۶۵۶ھ میں مرتب کیا۔

"اسرارالاولیاء" کا اردو ترجمہ پروفیسر عبدالسمیع ضیاء نے ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو شائع کیا۔ جبکہ "راحت القلوب" کا ترجمہ حضرت خواجہ حسن نظامی کے خلیفہ اور ماہنامہ "نظام المشائخ" کے ایڈیٹر خلیفہ سید محمد ارتضٰی المعروف ملاواحدی نے 1911ء میں شائع کیا تھا۔ حضرت بدرالدین اسحاق اور حضرت نظام الدین اولیاؒ اپنے زمانہ کے عظیم بزرگ رہنما تھے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا وہ حضرت بابا فریدالدین مسعودؒ کی دن رات قربت میں رہ کر اور ان کی مجالس میں دیگر علماء ومشائخ کی موجودگی مین حاضری دے کر سنا اور نوٹ کیا اس لئے ان ملفوظات کی اپنی خاص اہمیت بنتی ہے۔ یہ ملفوظات دنیائے تصوف کے حوالے سے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں تصوف کے مختلف پہلوؤں کو بڑی آسان اور قابل فہم زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی کل بائیس فصلات ہیں۔ ہر باب فریدؒ کی اس گفتگو پر مشتمل ہے جو انہوں نے ایک نشست میں فرمائی۔ آج کے اندازہ کے مطابق ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کتابوں میں مختلف موضوعات پر بابا صاحبؒ کے لیکچروں کا خلاصہ دیا گیا ہے۔ ان موضوعات پر بابا صاحب کے خیالات پڑھنے کے بعد انداز ہوتا ہے کہ کس کس شان والے لوگ آپ کی مجلس میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے والے مختلف ممالک سے طویل سفر طے کرنے

کے بعد آ کر فیض یاب ہوئے۔ظاہر ہے کہ تصوف کے مسائل پر گفتگو کا مخاطب خاص طبقہ تھا جن کی تربیت درکار تھی تاکہ وہ عوامی رابطے کے مشن پر جانے سے پہلے کورس مکمل کر لیں اور انہیں مخلوق خدا سے معاملہ کرنے کا طور طریقہ اور اہمیت کا اندازہ ہو جائے۔ہم کوشش کریں گے کہ ہر مجلس کے متعلق جو ان ابواب میں درج ہے اس کا خلاصہ قارئین کرام تک پہنچا دیں۔

اس کتاب کا ایک افتتاحیہ ہے جسے آج کی لغت میں ہم دیباچہ کہہ سکتے ہیں۔اس میں مولانا سید بدرالدین اسحاقؒ نے فرمایا ہے کہ آپ نے اپنے کانوں سے جو باتیں صاحب المکارم (حضرت بابا فریدؒ) کی سنی ہیں انہیں اس فوائد میں لکھ دیا ہے جس کا نام ''اسرارالاولیاء'' رکھا گیا ہے اس دیباچے میں مزید رقم ہے کہ جب انہیں پہلی بار قطب العالم (بابا صاحبؒ) کی پابوسی کا شرف حاصل ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ ''انوار و اسرار'' الٰہی کے لئے وسیع حوصلہ کی ضرورت ہے تاکہ محبوب حقیقی کے اسرار دل میں قرار پا سکیں۔

فرمایا کہ اسرار الٰہی اولیاء کے قلوب پر نازل ہوتے ہیں۔یہ ابتدائی مقام ہے لہٰذا اس راستے پر صدق و خلوص سے چلنا چاہیے۔

مولانا سید بدرالدین اسحاق نے حضرت بابا صاحبؒ کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔حضرت قطب عالم، حضرت شیخ الاسلام، صاحب المکارم، سلطان الاولیاء، وارث الانبیاء، شمس العارفین، فرید الحق والشرع والدین، حضرت شیخ قدس سرہ اور حضرت اقدس۔صرف ایک بار فصل سوم میں مؤلف ''اسرارالاولیاء'' نے حضرت بابا صاحبؒ کو شیخ فریدالدین مسعود کے نام سے ذکر کیا ہے۔علاوہ ازیں قابل ذکر بات یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے نہایت انکساری کے ساتھ بابا صاحبؒ کی مجلس میں اپنی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔یعنی یہ کہ راقم پابوسی کی دولت سے سعادت مند ہوا یا پابوسی کی دولت بے پایاں نصیب ہوئی یا شرف پابوسی حاصل ہوا یا پھر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔اس سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ تصوف کی دنیا میں تکریم شیخ اور عجز و انکساری بنیادی شرائط ہیں۔

اس کتاب کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بابا صاحبؒ فارسی اشعار کو اکثر استعمال کرتے تھے اور اپنی بات کو تقویت دینے کے لئے اشعار بطور دلیل پیش کرتے۔اشعار بیان کر کے خود بھی لطف اندوز ہوتے اور محفل کے لئے علم و عرفان کا سامان مہیا کرتے۔اس رجحان سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بابا صاحب کے نزدیک پیغام کو دل کی گہرائی تک پہنچانے کا ایک ذریعہ شعر بھی تھا۔جو لوگ، اگرچہ وہ تعداد میں قلیل ہیں، باباجیؒ کے پنجابی کے اشعار کو ان کی اولاد میں سے ایک سجادہ نشین شیخ ابراہیم کی فکر کا نتیجہ قرار دیتے ہیں انہیں ''اسرارالاولیاء'' پڑھنے کے بعد یقین آ جانا چاہیے کہ بابا صاحب کے پاس اعلیٰ قسم کے اشعار کا ایک خزانہ موجود تھا۔بے شک باباجی صراف سخن تھے۔)

اسرار عشق اولیاء

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ خواجہ منصورؒ کی ہمشیرہ صحرا میں جا کر عبادت کرتیں تو واپسی پر اسرار الٰہی کے مشروب سے ایک

پیالہ ان کی خدمت میں پیش ہوتا۔ خواجہ منصورؒ نے یہ سب کچھ دیکھ لیا اور ایک روز ان کے تعاقب میں گئے اور جب فرشتہ پیالہ لے کر آیا تو خواجہ سامنے آ کر ضد کرنے لگے کہ کچھ انہیں بھی پلایا جائے۔ ہمشیرہ نے دیکھا کہ راز فاش ہو گیا لہٰذا کچھ حصہ خواجہ کو دیا۔ خواجہ نے جونہی ایک گھونٹ پیا' بے اختیار انا الحق پکار اٹھے۔ ہمشیرہ پریشان ہوئیں اور جب خواجہؒ کو سولی چڑھایا گیا تو بہن نے کہا کہ تم اسرار الٰہی کے مشروب کو پینے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ خلق خدا نے کہا کہ منصور نے محبوب کے راستے میں جان دے دی ہے لیکن بہن نے کہا کہ محبت کے شربت کے ایک گھونٹ سے از خود رفتہ ہو جانا شیوۂ مردانگی نہیں۔

پھر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ بیس سال سے ہر شب اسرار محبوب کا ایک پیالہ میرا معمول ہے اور کبھی از خود رفتہ نہیں ہوا بلکہ اور زیادہ کی طلب ہوتی ہے۔ اے درویش! جو عاشق اپنی محبت میں صادق اور ثابت قدم نہیں ہے وہ قیامت کے دن عشاق میں شرمسار رہے گا۔

فرمایا اے درویش! فقراء اہل عشق ہیں اور علماء اہل عقل ہیں اس لئے ان میں تضاد ہے۔ ایسے گروہ سے وابستگی پیدا کرو جس میں عشق اور عقل ہر دو موجود ہوں۔ یہ گروہ انبیاء کا ہے۔ راہ سلوک میں فقراء کا عشق علماء کی عقل پر غالب ہے۔

اسی موقع پر شیخ الاسلام نے فرمایا کہ

ایک بار مجنوں نے سنا کہ لیلیٰ خیرات دے رہی ہے۔ وہ پیالہ لے کر پہنچ گیا۔ لیلیٰ نے سب کو خیرات دی۔ مجنوں کو کچھ نہ دیا۔ مجنوں رقص کرنے لگا۔ لوگوں نے کہا کہ تجھے کچھ نہیں ملا' رقص کیوں کر رہا ہے؟ مجنوں نے کہا کہ کیا یہ کم ہے کہ لیلیٰ نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ فرمایا کہ جو شخص محبت و عشق کا دعویٰ کرتا ہے اس وقت تک در محبوب پر دستک دیتا رہتا ہے جب تک اس کے بدن میں جان باقی رہتی ہے۔ شاید کبھی کھل جائے اور وہ اپنی منزل حاصل کر لے۔

یادِ محبوب

پھر فرمایا کہ بنی اسرائیل کے زمانہ میں ایک شخص نے ستر برس عبادت کی۔ اللہ کے حکم پر اس زمانے کے نبی نے اس شخص سے کہا کہ خدا تعالیٰ نے تمہاری عبادت قبول نہیں کی۔ اس پر وہ شخص اٹھ کر رقص کرنے لگا۔ لوگوں کے سوال پر کہ عبادت نامنظور ہونے پر یہ رقص کیسا تو اس نے کہا کہ محبوب نے مجھے یاد تو کیا۔ میں اس کے شمار میں تو آ گیا۔

حضرت بابا فریدؒ نے بار بار فرمایا کہ عالم اسرار و سزا و جزا جو بھی نازل ہوا اس پر جو صابر و راضی رہے وہی عاشق صادق ہے۔ انہوں نے کلام اللہ کی ایک آیت پاک کا حوالہ دیا (سورہ البقرہ آیت نمبر 250: مؤلف) جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''اے رب! ہمارے صبر کو بڑھا اور ثابت قدمی عطا فرما اور انکار کرنے والی قوم پر نصرت عطا فرما۔''

اہل سلوک کے مطابق یہ آیت ان کی شان میں ہے جو محبوب کی آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں اور دم نہیں مارتے۔

حضرت شیخ الاسلام نے حالت خاص میں شعر کہے کہ:

سریست مرا درونِ جان در عشقت
گر سر رود اے دوست نگویم با کس

Marfat.com

سریست عاشقاں را در طاقت نہانی
پوشیدہ دار خود تا آنجا تجل نمانی

ترجمہ: تیرے عشق میں میری روح کے اندر راز ہے۔ سر بھی چلا جائے تو میں اسے افشانہ کروں گا۔ ایک خفیہ طاقت سے عاشقوں کے لئے راز ہوتے ہیں۔ اے صاحب اسرار! اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ تا کہ حضور یار میں شرمسار نہ رہے۔

اسرار دوست کا احوال

پھر صاحب اسرار کے پاس حضرت حق کی طرف سے نازل ہونے والے اسرار کی حفاظت کرنے کی طاقت ہونی چاہیے۔ پھر فرمایا کہ لوگوں نے یحیٰی معاذ رازی سے پوچھا کہ ہم نے آپ کو کبھی ہنستے اور حدیث لعب میں مصروف نہیں دیکھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھ پر کوئی وقت ایسا نہیں ہوتا کہ اسرار و انوار الٰہیہ جلوہ افروز نہ ہو رہے ہوں۔ جس دل میں اسرار دوست سکونت پذیر ہوں اس کو ہنسنے اور حدیث لعب سے کیا کام! بابا فرید نے اس حکایت کے بعد فرمایا کہ اے درویش! خوشی تو اسی دن نصیب ہوگی جب ندا آئے گی اور حکم ہوگا کہ دوست دوست کے پاس جا پہنچا۔

اخفائے حال

اس مقام پر آپ نے قاضی حمید الدین ناگوریؒ سے سنی ہوئی رباعی پڑھی:

عشق تو مرا اسیر و حیران کردہ است
در کوئے خرابات پریشان کردہ است
بایں ہم رنج و محبت اے دوست ببیں
اسرار تو در دلم کہ پنہاں کردہ است

ترجمہ: تیرے عشق نے مجھے پابند اور حیرت زدہ بنادیا ہے۔ خرابات کی دنیا میں پریشان کردیا ہے لیکن اے دوست! یہ بھی تو دیکھ کہ دنیا کی پریشانیوں کے باوجود میں نے تیرے اسرار اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہیں۔

حجام کا نام مزین

حضرت بابا فریدؒ نے ایک مجلس میں حجام کو مزین کا نام دیا۔ مزین کسی کی زینت بنانے والے کو کہتے ہیں (یہ اس وقت نہایت ترقی پسندانہ تصور تھا۔ امریکہ میں حجام کو Beautician کہتے ہیں اور حجام خود کو بار بر Barber کہلوانا پسند نہیں کرتے۔ مؤلف)

محبت غیریت کا پردہ اٹھادیتی ہے

فرمانے لگے جہاں محبت آ جاتی ہے دوئی اٹھ جاتی ہے وہاں یگانہ ہی بننا پڑتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک شعر پڑھا جو انہوں نے خواجہ بختیار کاکیؒ کی مجلس میں سنا تھا:

تانفس من از عشق دوست زوم
خاست ازما بسے دوئی جز دوست

ترجمہ: جب سے میں عشق دوست کا دم بھر رہا ہوں بہت ساری دوئی سوائے محبوب کے اٹھ گئی ہے۔

پھر فرمایا کہ مجاہدہ کے بعد جب مشاہدہ کی منزل ملتی ہے تو اس کے بعد غیر سے محبت عاشق صادق کے لئے ممکن نہیں۔

جلوہ محبوب

آپ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ کوہ طور پر انوار تجلی کا ایک ذرہ دیکھ کر بے ہوش ہو گئے۔ اس پر ندا آئی کہ ہم نہ کہتے تھے کہ تم ہماری تجلی کی تاب نہ لاسکو گے۔ تجلی کے ایک ذرہ سے بے ہوش ہو گئے اور ہمارا راز فاش کر دیا۔ پھر ندا آئی کہ آخر زمانے میں ہمارے محبوب رسول ﷺ کی امت میں میرے ایسے بندے پیدا ہوں گے کہ ہر روز ہزار باران پر تجلیات کے انوار کی بارش ہوگی اور وہ ذرہ بھر تجاوز نہیں کریں گے۔

عاشق کے سینہ کی آگ

فرمانے لگے کہ اے درویش! عشق کی آگ ایسی ہے جو سوائے درویش کے دل کے اور کہیں ٹھہر ہی نہیں سکتی کہ آتش عشق تمام آتشوں سے بالاتر اور روشن تر ہے۔ درویش کے سینہ میں محبت کی آگ اتنی تند و تیز ہے کہ اس کا ایک شعلہ ہی عرش و تحت الثریٰ تک جلا کر راکھ کر دے۔ فرمایا کہ نزول رحمت کے تین وقت ہیں:

1- سماع کے وقت صاحب حال پر نزول رحمت ہوتا ہے۔

2- فقراء کے ذکر و تذکرے کا وقت بھی نزول رحمت کا وقت ہے۔

3- اہل عشق پر انوار تجلی کے وارد ہونے کے وقت بھی نزول رحمت ہوتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام کو ایک درویش کا یہ شعر بہت پسند تھا:

جاں دہم از برائے جانان من
گر بود صد ہزار جان در تن

ترجمہ: اگر میری ہزار جانیں بھی ہوں تو میں محبوب کے لئے قربان کر دوں گا۔

دوسری فصل

ذکر متعبداں

''اسرار الاولیا'' کے دوسرے باب میں حضرت شیخ بدر الدین اسحاق نے عبادت گزاروں کے بارے میں حضرت شیخ الاسلام کے ملفوظات بیان کئے ہیں۔ ان میں اچھے عبادت گزار کے لئے متعبد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس مجلس میں حاکم اجودھن کمال الدین کے علاوہ مکہ مکرمہ سے آنے والے کچھ بزرگ بھی موجود تھے۔

متعبد اور درویش کی تعریف

حضرت بابا صاحب نے ارشاد فرمایا کہ متعبد اس شخص کو کہتے ہیں جس کا ظاہر و باطن صدق و خلوص سے آراستہ ہو' ریاکاری کا شائبہ تک موجود نہ ہو' فریب دھوکا' حسد وغیرہ اس کے دل میں نہ ہو۔ اطاعت بھی کرے تو خالص اللہ کے لئے کرے۔ مخلوق خدا میں نمود و نمائش کے لئے نہ کرے۔ ایسے عبادت گزار جن کا ظاہر تو اطاعت حق سے آراستہ ہو اور باطن

Marfat.com

خراب ہوان کی ساری اطاعت لپیٹ کران کے منہ پر ماردی جائے گی پھر فرمایا کہ متعبد چار قسم کے ہوتے ہیں:

1۔ جن کا ظاہر اطاعت الٰہی سے آراستہ ہوتا ہے لیکن باطن خراب ہوتا ہے۔

2۔ جن کا ظاہر خراب ہوتا ہے اور باطن آباد۔

3۔ جن کا ظاہر و باطن دونوں خراب ہوتے ہیں۔

4۔ جن کا ظاہر و باطن دونوں یادالٰہی سے آباد ہوتے ہیں۔

ان میں سب سے آخری درجہ ان صاحبان کمال کا ہے جو درویش و مشائخ کہلاتے ہیں۔ایک بار ایک شخص ایک درویش کے پاس آیا اور کہا کہ جب آپ پر محبت حق میں حال طاری ہو تو مجھے بھی یاد کرلیں۔ درویش نے کہا کہ اے شخص! حضرت حق کی یاد میں مشغول ہو کر میں کسی اور کو کیسے یاد رکھ سکتا ہوں؟ آپ نے (سورہ یٰسین کی آیت 65۔مؤلف) سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ کلام اللہ میں درج ہے کہ انسان میں جو بھی اچھائی یا برائی کرے گا قیامت کے دن اس کے اعضاء گواہی دیں گے۔ وہ درویش جنہوں نے اس زندگی ہی میں خود کو مردہ بنالیا اور ہر شے سے اپنے آپ کو روک لیا ہے اور کوتاہ دست بن کر برائی کو نہ پکڑ سکیں اور گونگے بن گئے ہیں تا کہ غلط بات نہ سنیں اور لنگڑے بن گئے ہیں تا کہ جہاں جانا ممنوع ہو وہاں نہ جاسکیں۔ پس اے درویش! جو سالک ان صفات کا حامل بن جائے مقام قرب میں داخل ہو کر آتش جہنم سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ (آپ غور فرمائیں کہ باباصاحب کی فکر کی بنیاد احکام خداوندی اور ان اصولوں پر استوار ہو رہی ہے جو کلام اللہ میں درج ہیں۔ اس بات کی گواہی ''اسرار الاولیاء'' سے میسر آرہی ہے۔ مؤلف)

جلوہ محبوب

فرمایا کہ مقام قرب رکھنے والا کہیں جاسکتا ہے نہ کچھ سن بول سکتا ہے۔ ایک شعر پڑھا کہ:

چشمے کہ در رخ تو بیند روا مدار
جز در جمال تو کہ دگر سو نظر کند

ترجمہ: وہ آنکھ جس نے تیرے رخ انوار کا دیدار کیا ہے پھر اسے کسی دوسری طرف نظر کرنے کی توفیق نہ دے۔

ایک موقع پر فرمایا کہ حضرت امام احمد حنبل زندگی بھر کبھی نہیں ہنسے مگر انہیں نزع کے عالم میں مسکراتے دیکھا گیا۔

حضرت بابا فریدؒ پر یہ شعر پڑھتے ہوئے عالم بے خودی طاری ہو گیا کہ:

ہر لحظہ کہ در شوق جمال تو شوم غرق
جز روئے تو در پیش نظر جلوہ گرے نیست

ترجمہ: جس وقت تیرے شوق جمال میں غرق ہوتا ہوں میرے سامنے تیرے روئے اقدس کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا۔

ذکر رزق

رزق کے بارے میں فرمایا کہ مرد درویش وہ ہے کہ روزی کے بارے میں دلگیر نہ ہوا اور فراغ خاطر کے ساتھ

Marfat.com

اطاعت خدا میں مصروف رہے۔ اس بات کو حق جانے کہ جو ازل سے اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے اسے ضرور مل کر رہے گا۔ اس میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوگی۔ فقر کے راستے میں ثابت قدم انسان وہ ہے کہ روزی کے بارے میں پریشان نہ ہو کہ آج مل گیا کل کیا کھاؤں گا۔ ایسے لوگ اصحاب طریقت کے نزدیک بددین و بددیانت کہلاتے ہیں۔ انسان جہاں کہیں جاتا ہے رزق اس کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ رزق موت کی طرح انسان کو تلاش کر لیتا ہے۔ تُو خدا کا طالب ہو جا اور جو کچھ خدا کی بادشاہی میں ہے سب تیرا ہو جائے گا۔ اے درویش! بے غم ہو جا کہ تیرا رزق تیرے کندھوں پر سوار ہے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ روزی کے لئے غمگین ہونا گناہ کبیرہ ہے۔

حضرت بابا فریدؒ نے مزید کہا کہ ہزار سال بھی روزی کے پیچھے پھرو گے تو وہ زیادہ نہیں ہوگی۔ پھر یہ شعر پڑھا:

گر کشی صد ہزار بارے چست
نخوری بیش ازانکہ روزی تست

ترجمہ: اگر لاکھوں تیز ہواؤں کے جھونکے بھی کھائے تجھے وہی کچھ ملے گا جو تیرا مقسوم ہے۔

صدقہ اور سخاوت

فرمانے لگے کہ میں نے اولیاء کے تذکرے میں دیکھا ہے کہ جب مسلمان طلب دنیا میں لگ جاتے ہیں تو دنیا ہرگز ان کے پاس نہیں آتی اور ان سے یوں بھاگتی ہے جیسے مسلمان مردار سے بھاگتا ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو آخرت کی کھیتی فرمایا ہے تو اس کا مطلب کیا ہے؟ یعنی دنیا میں سخاوت کی کاشت کرے صدقہ دیں اور اس کا حاصل آگے بھیجیں۔ سخاوت کا بیج بونے سے نعمت اخروی کی فصل حاصل ہوگی۔ دنیا میں کوئی چیز صدقہ اور سخاوت سے بڑھ کر نہیں جس نے مرتبہ پایا سخاوت سے پایا۔

عشق

حضرت بابا فریدؒ نے مزید کہا کہ جب عشق کی تخلیق کی گئی تو خلاق عالم نے فرمایا ''اے عشق! تمہارا مسکن و جائے قرار دردمند انسانوں کے دلوں میں بنا دیا ہے۔ جاؤ اور وہاں رہو۔ پھر انہوں نے وفور شوق میں رباعی کہی:

گفتم صنما مگر تو جانانِ منی
اکنوں کہ نگہ ہمی کنم جان منی
مرتد گردم اگر زمن برگذری
اے جان جہاں تو کفر و ایمان منی

ترجمہ: میں نے عرض کیا محبوب! شاید تو میرا معشوق ہی ہے۔ اب جب میں دیکھتا ہوں تو تُو ہی میری جان نظر آتا ہے۔ اگر تُو مجھ سے چلا جائے تو مرتد ہو جاؤں گا گویا اے جان جہاں تو میرا کفر و ایمان ہے۔

حضرت بابا فرید الدین مسعودؒ نے اس بیان کے ساتھ کہا کہ جو انسان فراغت دل کے ساتھ یاد خدا میں مشغول رہتا ہے اور ہرگز اندیشہ رزق نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ اسے ایسے ہی رزق عطا فرماتا ہے۔

Marfat.com

دل کی آزادی

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ مشائخ نے رزق کے چار درجے کیے ہیں۔ اول رزق مقسوم' دوم رزق مذموم' سوم رزق مملوک اور چہارم رزق موعود۔ پھر تشریح کی کہ رزق مقسوم وہ ہے جو لوح محفوظ پر ہر شخص کے لئے لکھ دیا گیا ہے۔ وہ اسے لازمی طور پر ملے گا۔ رزق مذموم وہ ہے جو کسی شخص کو ملے وہ اس کے لئے کافی ہو مگر وہ اس پر صبر نہ کرے۔ رزق مملوک وہ ہے کہ جو انسان روپے' کپڑے اور سامان ذخیرہ کرے تا کہ اس سے تجارت کی جا سکے اور شاید خدا اس میں برکت پیدا کرے مگر درویشوں کو روپیہ پیسہ اور سامان و اسباب ذخیرہ نہیں کرنا چاہیے۔ انہیں سب کچھ راہ خدا میں صرف کر دینا چاہیے اور رزق موعودہ وہ ہے جس کا وعدہ اللہ نے صالحین و عابدین سے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ صالحین کو اندیشہ معاش سے فارغ کر دیا گیا ہے۔ ان سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ بن مانگے ان کو ملے گا اور جتنی ضرورت ہو گی وہ دے گا۔ حضرت بابا فریدؒ نے اس ضمن میں (سورہ طلاق آیت نمبر 3۔ مؤلف) کلام اللہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ جو شخص متوکل ہو اللہ اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔ توکل کرنے والے کے لئے اللہ کافی ہے۔

(یہاں قرآن مجید کی ایک اور آیت کا حوالہ قابل ذکر ہے۔ سورہ الزمر کی آیت 36 میں اللہ تبارک تعالیٰ اپنے بندوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں؟ مؤلف) بابا جی نے فرمایا آپ نے قرآن پاک (سورہ ہود آیت نمبر 6 جو کہ بارہویں پارہ کی پہلی آیت ہے اور سورہ الذریت کی آیت نمبر 58......مؤلف) کی آیت کے حوالے سے فرمایا کہ اللہ کے بندوں کا نصیب انہیں مل کر رہتا ہے۔ آپ نے (سورہ طلاق آیت نمبر 3......مؤلف) قرآنی نص کا حوالہ دیا جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص متوکل ہو اللہ اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔ توکل کرنے والوں کے لئے اللہ کافی ہے۔ فرمایا توکل بہت مشکل چیز ہے۔ عمر کا تقریباً سارا حصہ دنیا کے لالچ سے پاک صاف رہ کر گزارنا ہوتا ہے۔ خواجہ ابراہیم ادھم اور حضرت خواجہ معین الرحمٰن چشتی توکل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

(سورہ الزمر کی آیت 36 کا حوالہ توکل کے سلسلہ میں قابل ذکر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے کیا اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں......مؤلف)

ذکر توبہ

حضرت بدرالدین غزنوی اور شیخ جمال الدین ہانسوی کی موجودگی میں حضرت اقدس نے جماعت خانہ میں فرمایا کہ توبہ چھ قسم کی ہے۔ اول قلب و زبان کی توبہ' دوم نظر کی توبہ' سوم کانوں کی توبہ' چہارم ہاتھوں کی توبہ' پنجم پاؤں کی توبہ اور ششم نفس کی توبہ۔ ان کی تشریح یوں فرمائی کہ سب سے پہلے دل سے توبہ کی تصدیق کی جائے۔ جب تک زبان سے اس کا اقرار نہ ہو گا توبہ درست نہ ہو گی۔ جب تک دل کو دنیا کی محبت' کھانے پینے کی اشیاء' دھوکا' فریب' حسد' بے حیائی' ریاکاری' لہو لعب سے پاک نہ کرے اور صدق دل سے ان معاملات سے تائب نہ ہو اس کی توبہ نہ ہو گی۔ کوئی شخص گناہ کا بھی مرتکب ہو رہا ہو اور توبہ بھی کرے تو یہ توبہ نہیں ہے۔ قرآن میں توبہ نصوح سے مراد بھی دل ہی سے توبہ کرنا ہے۔ زبان سے ہزار بار توبہ کرے مگر دل تصدیق نہ کرے تو توبہ درست نہ ہو گی۔ چنانچہ اقرار زبان اور تصدیق دل کا یہی مفہوم ہے۔

Marfat.com

قلب کی تین اقسام اور توبہ

حضرت شیخ الاسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول دہرایا کہ دل تین قسم کے ہوتے ہیں۔ قلب سلیم' قلب منیب اور قلب شہید۔ قلب سلیم میں معرفت الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ قلب منیب میں انسان ہر شے سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف یک سو ہو جاتا ہے۔ قلب شہید ہر شے میں مشاہدہ حق کرتا ہے۔ جب کسی شخص کے دل میں یہ تینوں صفات پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ سلیم' منیب اور شہید بن جاتا ہے اور اس کی توبہ توبہ نصوح ہو جاتی ہے۔ وہ اگر ابھی تک دنیا اور اس کی خواہشات ہی میں ملوث ہے تو وہ دل مردہ ہے۔ بندہ و مولیٰ کے درمیان حجاب آلائش دل کا ہی ہے۔ یہ اٹھ جاتا ہے تو بندہ و مولا کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہتا۔

زبان کی توبہ

زبان کی توبہ یہ ہے کہ ہر نا شائستہ' بے ہودہ اور ناگفتنی باتوں سے احتراز کرے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ تجدید وضو کے بعد دوگانہ ادا کرے اور قبلہ رو ہو کر کہے کہ اے اللہ! مجھے اس زبان کی بدگوئی پر معاف فرما دے اور سوائے اپنے ذکر کے اس زبان سے کوئی اور ذکر نہ ہونے دے۔ اسے کسی ناگفتنی بات کی توفیق نہ دے۔ دیکھنا صبح ہو گی تو ساتوں اعضا زبان حال سے بول اٹھیں گے کہ اے زبان! اگر تو نے اپنے آپ کو نہ روکا تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ خواجہ حاتم اصمؒ کی زبان پر کوئی ناگفتنی بات آ گئی تو بیس سال تک کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ حضرت اقدس پر رقت طاری ہو گی اور یہ شعر پڑھا:

درکام است زبانِ دشمن جاں
گرجاں بکار آید ہوشدار زباں

انسان کے منہ میں جان کی دشمن زبان ہی ہے۔ جان کی سلامتی درکار ہے تو زبان کی حفاظت کریں۔ زبان پیدا کرنے کی خاص غرض ہی یہ تھی کہ وہ خدائے تعالیٰ کے ذکر کے سوا کوئی ذکر نہ کرے۔

فرمانے لگے کہ انسان کے ہر عضو کے اندر خواہشات نفسانی کی ترکیب ہے جو اس کے لئے آفت و حجاب کا سبب بنتی ہے اور جب تک خواہشات و تحریصات سے توبہ کر کے اعضاء کو پاک نہ کرے ہرگز کسی مقام پر فائز نہ ہو سکے گا۔ اپنے نفس' نظر' کان' ناک' منہ' ہاتھ' زبان اور دل کی توبہ ضروری ہے کیونکہ قول حق ہے کہ میں نے مخلوق میں اس شخص کو حکمت کے ساتھ معزز فرمادیا جس نے دنیا کی محبت سے اپنے دل کو محفوظ رکھا۔ میں نے اس کو نظر و فکر کا اعزاز بخشا اور جس نے اپنے نفس کی حفاظت کی...... میں نے ترک گناہ سے اس کا اکرام کیا۔ جس نے میرے حضور قیام کیا میں قیامت کے دن اس کے اعزاز و اکرام کا اہتمام کروں گا۔

(نوٹ: آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ باباجی کے دل میں اللہ پر ایمان کتنی مضبوطی سے قائم ہے اور آپ کس یقین کے ساتھ اپنے سامعین کی تطہیر کر رہے ہیں......مؤلف)

زبان و دل کی ہم آہنگی

فرمایا کہ تمام نیکیوں کی سردار یہی بات ہے کہ انسان اپنے نفس پر ضبط رکھتا ہے اس طرح سے کہ کبھی نفس اپنی طبیعت کے تقاضوں کے مطابق خواہشات کا بندہ نہ بن جائے۔ زبان دل اور دل زبان کا دم ساز ہو تو یہ انوار عشق سالک کے دل

Marfat.com

میں قرار گزیں ہو جاتے ہیں ورنہ واپس لوٹ جاتے ہیں۔ عشق حقیقی میں ثابت قدم وہ شخص ہے جس کے دل و زبان ایک ہوں۔ زبان اعضاء کی بادشاہ ہے۔ جب یہ سلامت رہے گی تو جملہ اعضا محفوظ ہوں گے۔ مثل مشہور ہے کہ جب بادشاہ کا مزاج دین کے معاملات میں خلل ڈالتا ہے تو اس کے ملک کے تمام شہروں میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ کان' آنکھ' نفس جو کچھ بھی ہفت اندام میں ہے' سب کے سب زبان کے پیرو ہیں۔

نظر کی توبہ

نظر کی توبہ کی شرط یہ ہے کہ انسان غسل کرے نماز دوگانہ ادا کرے اور قبلہ رو ہو کر دعا کرے کہ یا اللہ! میں تمام نا قابل دید اشیا سے توبہ کرتا ہوں۔ اب کسی ایسی چیز کو نہ دیکھوں گا جس کا دیکھنا ممنوع ہے۔ عشق کی منزل اول نگاہ ہی ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ اس حال میں جب کہ وہ نعمت مشاہدہ سے لطف اندوز ہو رہے ہوں' اس بات کی کوشش کریں کہ سوائے حق کے اور کچھ نہ دیکھیں۔ حضرت سیدنا شعیبؑ اتنا روئے کہ بینائی جاتی رہی۔ لوگوں نے پوچھا کہ حضرت اتنا کیوں روئے ہیں کہ نابینا ہو گئے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ ایک تو اس لئے کہ نادیدنی کو نہ دیکھ سکوں۔ دوسرے یہ کہ وہ نظر جو جمال محبوب کا نظارہ کرتی ہے اور حسن یار کے مشاہدہ کے سرمہ سے منور ہوتی ہے' بڑا افسوس ہوگا کہ اس مشاہدہ کے بعد کسی اور کو دیکھے۔ حضرت شیخ الاسلام نے اس کے بعد ایک شعر پڑھا:

دیدۂ کو جمال دوست بدید
تابود زندہ مبتلا باشد

ترجمہ: وہ نظر جس نے جمال محبوب کو دیکھ لیا جب تک زندہ ہے اسی میں محو رہے گی۔

فرمایا کہ نظر کی توبہ تین طرح کی ہے۔ اول نادیدنی سے توبہ یعنی حرام سے توبہ' دوم مسلمان بھائی کی غیبت کرنے سے توبہ کہ مسلمان بھائی کا عیب کیوں دیکھا؟ سوم کسی ظلم کو ہوتے دیکھے تو توبہ کرے کہ ظلم ہوتے کیوں دیکھنا۔

کان کی توبہ

کوئی ایسی بات نہ سنے جس کا سننا جائز نہ ہو اور اگر سنے تو فوراً توبہ کر لے۔ تمام ناشنیدنی امور سے توبہ کرے۔ انسان کو سننے کی طاقت اس لئے دی گئی ہے کہ ذکر خدا سنے' قرآن حکیم کی تلاوت سنے تو اس پر کان دھرے کہ کیا حکم ہو رہا ہے۔ کان کی سماعت اس لئے عطا نہیں کی گئی کہ برائی' تمسخر' راگ رنگ یا نوحہ و بین کی آوازیں سنے۔ درویش لوگوں نے جو دنیا سے کنارہ کشی اور تنہائی اختیار کی ہے' اس وجہ سے ہے کہ وہ کوئی ناجائز بات نہ سن سکیں یہی کان کی توبہ ہے۔

ہاتھ کی توبہ

انسان کسی ایسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے جو از روئے شرع و اخلاق اس کے ہاتھ لگانے کے قابل نہیں ہے اور اس سے توبہ کرے۔

پاؤں کی توبہ

ایسی جگہ جانے سے احتراز کیا جائے جو از روئے شرع اس قابل نہیں کہ وہاں جائیں اور خواہشات نفسانی سے وہاں قدم رکھیں۔ اسی موقع پر فرمایا کہ ایک درویش نے خواجہ بایزید بسطامیؒ سے سوال کیا کہ عشاق بارگاہ کو ہر وقت حضوری ہوتی

ہے یا کسی خاص وقت پر؟ فرمایا کہ ہر وقت اگر عاشق حق کھڑا ہے تو مشاہدہ حق میں کھڑا ہے‘ اگر بیٹھا ہے تو مشاہدہ حق میں ہے‘ سویا ہے تو بھی مشاہدہ حق میں ہی محو ہے۔ عاشق کے لئے حضور وغیاب ہر دو یکساں ہیں۔

پھر بابا صاحب نے شیخ بہاءالدین ذکریا کے حوالے سے شعر سنایا:

حضور غیبت عاشق چو ہر دو یکسانیت

بغیب مست جمالش حضور نیز ہمانست

یعنی عاشق کے لئے حضوری اور غیبت دونوں ایک جیسی ہیں۔ وہ غیبت میں بھی جمال یار میں مست ہوتا ہے اور اسی کو حضور کہتے ہیں۔

نفس کی توبہ

فرمایا کہ انسان کو چاہیے کہ نفس کو تمام کھانے والی چیزوں‘ خواہشات اور حرص و آز سے باز رکھے۔ ان تمام سے توبہ کرے اور نفس کی خواہش پر کوئی کام نہ کرے۔ کلام اللہ شریف میں کہا گیا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو حرص و ہوا سے روک لیتا ہے اس کا مقام بہشت ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ توبہ کی تین حالتیں ہیں‘ حال‘ ماضی‘ مستقبل۔

حال کی توبہ یہ ہے کہ گناہ گاری پر پچھتائے اور شرمسار ہو‘ ماضی کی توبہ یہ ہے کہ دشمنوں کو خوش کرے‘ کسی کی رقم چھینی ہو تو پوری رقم واپس کر کے معذرت کرے۔ کسی کی منکوحہ یا کنیز کی بے حرمتی کی ہو تو اس آدمی کے پاس جانے کی بجائے خدائے غفور و رحیم کے دربار میں آئے اور توبہ کرے۔ شرابی توبہ کرے تو لوگوں کو صاف اور ٹھنڈا پانی پلائے۔ مستقبل کی توبہ یہ ہے کہ نیت کرے کہ وہ آئندہ گناہ کے کاموں سے باز آ جائے گا۔

بزرگوں کی خدمت

شیخ بدرالدین اسحاقؒ کتاب ''اسرار الاولیاء'' کی پانچویں فصل میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں پابوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے بھی سعادت حاصل کی خدمت سے ہی حاصل کی کیونکہ دین و دنیا کی نعمتیں پیران مشائخ عظام کی خدمت سے ہی میسر آتی ہیں۔ جو شخص سات دن پیران و مشائخ کی خدمت بجالاتا ہے حق تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں سات سو سال کی عبادت لکھ دیتا ہے۔ شیخ کی خدمت کرنے والے کو حج و عمرہ کا ثواب دیا جاتا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں حضرت خواجہ عبداللہ خفیف نے کہا کہ انہیں ولایت درویشوں کی خدمت سے ملی ہے۔ حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ انہیں ولایت اپنی والدہ کی خدمت سے ملی۔ والدہ نے سردیوں کی رات میں پانی مانگا۔ میں پانی لایا تو والدہ سو چکی تھیں۔ میں پانی لئے کھڑا رہا۔ والدہ کو بیدار نہیں کیا۔ رات کا تیسرا حصہ گزر گیا۔ والدہ بیدار ہوئیں تو پانی پیش کیا۔ اس پر والدہ نے آسمان کی طرف منہ کر کے دعا کی۔ دوسرے یہ کہ میں نے بیس برس تک دن رات اپنے پیر کی خدمت لی۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص اپنی جماعت کو پانی پلاتا ہے وہ خود سب سے آخر میں پیئے۔ یہی بات کھانے میں بھی ملحوظ رکھنی چاہیے۔

Marfat.com

آداب مہمان نوازی

میزبان کے لئے ضروری ہے کہ خود مہمان کے ہاتھ دھلوائے' پہلے خود ہاتھ دھوئے۔ پانی پہلے دوسروں کو پلائے پھر خود پیئے۔ درویش مہمانوں کے ہاتھ بیٹھ کر نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دھلاتے ہیں۔

حضرت امام شافعی ایک بار حضرت امام مالک کے پاس آئے۔ امام مالک خود اٹھے اور ان کے ہاتھ دھلوائے۔ حضرت گنج شکرؒ نے ایک روایت کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو حکم ہوا کہ جوتیاں اتار دیں تا کہ آپ کے پاؤں کو کوہ طور کی گرد لگے جب کہ آنحضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر تشریف لے گئے تو حکم ہوا کہ آپ جوتیاں پہنے ہوئے آئیں تا کہ آپ کی جوتیوں کی گرد عرش کو لگے۔ اسے قرار آ جائے اور ہلنے سے رک جائے۔

ایک جگہ روایت بیان کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام عظیم سلطنت کے فرماں روا ہونے کے باوجود دعوت عام میں کھانے سے پہلے رو پڑتے' لوٹا پکڑتے' خادم طشت اٹھاتا' خود مہمانوں کے ہاتھ دھلاتے' پانی خود پیش کرتے اور اس وقت تک پانی نہ پیتے جب تک سب لوگ نہ پی لیتے۔ اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی زنبیل بازار میں فروخت کر کے اس سے کھانا خریدتے۔ ایک روز خیال آیا کہ یا اللہ! اتنی بڑی سلطنت ہوتے ہوئے بھی میں جب تک اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی زنبیل نہیں بیچتا۔ میں اپنے لئے کھانا حاصل نہیں کر سکتا۔ اس خیال کے آتے ہی آپ بازار گئے لیکن زنبیل نہ بکی۔ سات روز بازار جاتے رہے لیکن زنبیل پھر بھی نہ بکی اور بھوک سے برا حال ہو گیا۔ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ نبیل کی قیمت سے افطار کیوں نہیں کرتے؟ ذرا اوپر دیکھیں۔ جب آپ نے اوپر نظر کی تمام زنبیلوں کو آسمان پر لٹکا ہوا دیکھا۔ فرمان آیا اے سلیمان علیہ السلام! یہ سب ہم نے خریدی تھیں۔ خلق خدا کا تو صرف بہانہ تھا کہ انہوں نے خریدی ہیں۔ سیدنا سلیمان علیہ السلام کو اپنے کہے پر افسوس ہوا' حالت غیر ہوئی اور توبہ کی۔ لہٰذا اے درویش! جہاں تک ہو سکے کوئی بات اپنی طرف سے نہ سمجھے۔

تلاوت قرآن پاک

سید بدرالدین اسحاق کتاب ''اسرار الاولیاء'' کے چھٹے باب میں لکھتے ہیں کہ مجلس میں شیخ برہان الدین ہانسویؒ اور شیخ بدرالدین غزنویؒ اور دوسرے مریدان حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تلاوت قرآن پاک سے بڑھ کر آخرت و دنیا میں کوئی عبادت نہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ اتنی بڑی نعمت سے غافل نہ ہوں۔ قرآن پاک کی تلاوت میں بہت فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ حظ چشم یعنی بینائی کی قوت اور آشوب چشم سے محفوظ ہونا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک حرف پڑھنے کے بدلے میں ہزار سال کی عبادت کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں درج کر دیا جاتا ہے اور اتنے ہی گناہ اس کے نامہ اعمال سے مٹا دیئے جاتے ہیں۔ تلاوت قرآن مجید اپنے محبوب حقیقی سے ہم کلام ہونا ہے۔ وہ انسان خوش نصیب ہے جو اپنے دوست سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اکثر لوگوں کو جو دولت حضوری سے شرف یاب ہیں' مشاہدہ حق بوقت تلاوت ہی ہوتا ہے۔ ہر حرف کی تلاوت اور معانی کے فکر میں مستغرق ہونے سے اس پر ولایتوں کے اسرار کھلنے لگتے ہیں۔ تلاوت قرآن مجید کے دوران آیت رحمت آتی ہے تو وہ لاکھوں نعمتوں سے سرفراز ہے۔ جب آیات عذاب تلاوت کرتا ہے تو خوف الٰہی سے یوں پگھل

Marfat.com

جاتا ہے جس طرح سونا کٹھالی میں پگھلتا ہے۔ حضرت شیخ قطب الدین بختیار اوشی تلاوت پر قرآن پاک کے دوران آیات وعید پر بار بار بے ہوش ہوتے اور آیات مشاہدہ کی تلاوت پر عالم مشاہدہ میں متحیر ہوتے۔

کلام پاک کے حافظ کا مقام

جب حافظ کلام پاک کا وصال ہوتا ہے تو اس کی روح کو قندیل نور میں رکھ کر عرش کے قریب آویزاں کرتے ہیں اور ہر روز ہزار دفعہ اس پر انوار کی تجلی ہوتی ہے۔ قیامت کے روز حافظوں کے لئے فرمان ہوگا کہ انہیں بہشت میں لے جاؤ۔ فرمایا کہ تلاوت قرآن مجید دراصل حق تعالیٰ کے ساتھ گفتگو ہے اور گفتگو کے ذریعے عاشق و معشوق کی محبت اور اُنس میں اضافہ ہوتا ہے۔ تلاوت کے دوران مخلوق کی طرف سے توجہ ہٹا لینی چاہیے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تلاوت فرماتے تو درخت کے پتے کی طرح آپ پر لرزہ طاری ہو جاتا۔ ہر آیت پر یوں کھڑے ہو جاتے جیسے کسی کا انتظار ہو۔ مزید فرمایا کہ جس طرح اس دنیا میں قاری تنہا تلاوت کلام پاک سے محظوظ ہوتا ہے اسی طرح قیامت کے روز بھی تنہا محبوب حقیقی کی تجلیات سے محظوظ ہوگا۔ فرمایا کہ قرآن پڑھنے سے کئی قسم کے لوگ بخش دیئے جاتے ہیں۔ اول قرآن پاک کو پڑھانے والے، دوم قرآن پاک کو پڑھنے والے، سوم قرآن پاک کو سننے والے اور چہارم وہ ہمسائے جو تلاوت کو دل و جان سے سنتے ہیں۔ مزید کہا کہ ہر شخص کو سورہ فاتحہ اور تلاوت قرآن پاک کا ثواب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور امامان دین کی ارواح کو نذر کرنے کے لئے مشغول رہنا چاہیے۔

برکات سورۂ فاتحہ و بقرہ

جو کوئی سورۂ فاتحہ کو بیماروں کی شفایابی کے لئے یا کسی بھی اہم کام کے لئے اکتالیس دفعہ تعوذ و تسمیہ کے ساتھ اس طرح کہ رحیم کی م کو الحمد کے ال میں ملا کر پڑھے اور مریض پر دم کرے فوراً شفا پائے کیونکہ سورۂ فاتحہ شریف اکتالیس دفعہ ہی ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''الفاتحہ شفاء لکل داء''۔ فاتحہ شریف ہر مرض کی دعا ہے۔ پھر فرمایا سورہ بقرہ شریف کا ختم پاک دن میں ایک بار ہے۔ جو شخص نماز فجر کے فرضوں اور سنتوں کے درمیان تین روز تک پڑھے جو نیت بھی اس کی ہو گی خدائے قدوس پوری کرے گا۔ ایک دفعہ خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ کو اللہ تعالیٰ سے حاجت تھی۔ آپ نے اس سورہ پاک کا وظیفہ فرمایا۔ ابھی ایک ہی نماز پوری نہ ہوئی تھی کہ خدائے قدوس نے ان کی حاجت پوری کر دی۔ پھر فرمایا سورہ آل عمران کا ختم شریف دن میں دس مرتبہ ہے۔ دین و دنیا میں کشائش کے لئے پڑھے۔ فرمایا اے بدر الدین! یہ تمام تشویق و ترغیب جو میں کر رہا ہوں، تمہارے اور تمام متبعین کے حال و مقام کو درجہ کمال تک پہنچانے کے لئے ہے۔ کیونکہ پیر مرید کے لئے مشاطہ کا کام سرانجام دیتا ہے۔ سورۂ نساء کا ختم پاک دن میں سات مرتبہ ہے جو شخص اس کو سات دفعہ ہر روز پڑھتا ہے۔ تمام دینی و دنیوی تکلیفوں سے محفوظ رہتا ہے۔ جو شخص دن میں سات دفعہ سورۂ مائدہ کا ختم شریف کرتا ہے۔ اس شہر میں بارش کی کمی نہ ہوگی۔ ختم سورۂ انعام سات دفعہ ہے۔ ایک روایت میں اکتالیس مرتبہ ہے جو شخص اپنی حاجت کے لئے پڑھے، پوری ہوگی۔ مسلسل سورۂ اعراف کا ختم قبولیت توبہ کے لئے یوں ہے کہ ستر دفعہ استغفار کرے۔ پھر دو رکعت نماز ادا کرے۔ پہلی رکعت میں ایک دفعہ فاتحہ شریف اور سو مرتبہ قل یایھا الکافرون اور دوسری رکعت میں فاتحہ شریف ایک دفعہ اور سورۂ اخلاص شریف سو مرتبہ پڑھے۔ پھر سورۂ اعراف پڑھے۔ سورۂ انفال کا ختم قیدیوں کی آزادی کے لئے چار مرتبہ

Marfat.com

پڑھا جائے۔ جو شخص اس سورۂ پاک کو دن میں چار دفعہ پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی قیدوں اور سختیوں سے نجات دے گا اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ سورۂ توبہ کا ختم مشکل کاموں میں کامیابی اور عاقبت کے اچھا ہونے کے لئے چالیس مرتبہ پڑھنا چاہیے۔ بخشش و عزت اور قرآن کے پڑھنے اور حفظ کرنے کے لئے سورۂ ابراہیم کو دس بار پڑھنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ یوسف کو پڑھے۔ قرآن پاک اسے یاد ہو جائے گا۔ سورہ رعد کا ختم سات بار ہے۔ اس سورۂ پاک کو دشمنانِ دین کے خوف و ہراس کے لئے پڑھنا چاہیے سورۂ حج ستر دفعہ مرگی اور جنوں کے مریضوں پر دم کرنے سے فی الفور شفا ہوتی ہے۔ سورۂ نحل کا وظیفہ دن میں دس مرتبہ ہے۔ جو کچھ خدا سے مانگے گا ملے گا۔ سورۂ بنی اسرائیل دن میں دس بار پڑھنی چاہیے۔ سورۂ کہف کا ختم شریف چالیس دفعہ ہے۔ ہر جمعہ کو اپنی تمام مشکلات کے لئے پڑھے۔ مال و دولت کی فراوانی اور امور عظیمہ کے لئے سورۂ مریم ہر روز بیس دفعہ بلا ناغہ پڑھنا چاہیے۔ سورۂ طٰہٰ شب جمعہ کو تین مرتبہ پڑھنے سے ایسا معلوم ہو گا کہ خداوند تعالیٰ خود کلام فرما رہے ہیں۔ مقہوریٔ دشمنان کے لئے سورۂ انبیاء کا ختم پچھتر بار کرنا چاہیے۔ دین و دنیا کی نجات اور زکوٰۃ دینے والوں کی دریافت کے لئے قد افلح المومنون سات مرتبہ پڑھنا چاہیے۔ سورۂ نور کا ختم تمام مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے روزانہ سات دفعہ کرنا چاہیے۔ فرمایا سورۂ فرقان سات مرتبہ پڑھنا چاہیے۔ ختم سورۂ شعراء پچھتر مرتبہ ہے۔ دشمنان دین کے دور کرنے کے لئے پڑھنا چاہیے۔ شکر نعمت خداوندی کے طور پر سورۂ نمل پڑھنا چاہیے۔ قصص الانبیاء کا ختم شریف دس دفعہ کا ہے۔ جتنا ثواب انبیائے کرام کو ہو گا اتنا ہی ثواب اس سورہ پاک کے قاری کو ہو گا۔ وسواس شیطانی دور کرنے کے لئے سورہ عنکبوت دس مرتبہ پڑھنے کا التزام کرے۔ رفع دشمن کی نیت سے سورۂ الروم اکیس بار پڑھنے کا حکم ہے۔ دین و دنیا کی سعادتیں حاصل کرنے کے لئے سورۂ لقمان ستر دفعہ۔ شہادت کا درجہ عظمیٰ حاصل کرنے کے لئے سورۂ السجدہ' الم نشرح کی سورۂ پاک کا ختم پچھتر دفعہ برائے امور مشکلہ' سورۂ سبا کا ختم اکتالیس مرتبہ۔ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور دشمنوں سے صلح کرنے کے لئے تمام مصیبتوں سے حفاظت اور بزرگوں کے ایصال ثواب کے لئے سورۂ فاطر ستر مرتبہ اور ہر مشکل کام کو آسان بنانے کے لئے سورۂ یٰسین کا ختم کفایت کرتا ہے۔ امن و امان میں رہنے کے لئے سورہ والصفت اکیس بار۔ پھر فرمایا اے درویش! سورۂ تنزیل الکتاب جمعرات کو پانچ مرتبہ خدائے تعالیٰ کی اطاعت میں سستی و غفلت دور کرنے کے لئے پڑھیں۔ ظالموں کے دفع کرنے کے لئے سورۂ سجدہ کا ختم دس دفعہ کرنا چاہیے۔ سورۂ حٰم عسق تمام مصیبتوں کے دفعیہ اور سعادت کے حصول کے لئے۔ اسرار الٰہی کے ظہور کے لئے سورۂ محمد کا ختم پاک اکتالیس بار کرنا چاہیے۔

جب حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ العزیز یہاں تک پہنچے تو فرمایا کہ عاقل تلاوت قرآن سے غافل نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اس قرآن کریم کا ایک ایک حرف اپنے اندر اسرار و انوار کے بحرِ ذخار رکھتا ہے۔ جب کسی چیز سے نعمت الٰہیہ کا ظہور ہو تو انسان کیسے اپنے آپ کو اسے سے محروم رکھ سکتا ہے؟

ذکر فضیلت سورۂ اخلاص

سید بدر الدین اسحاقؒ لکھتے ہیں کہ اس روز جب باباجی کے قدموں کو چومنے کی سعادت حاصل ہوئی تو قاضی حمید

الدین ناگوری کے صاحبزادے مولانا ناصح الدین' شیخ جمال الدین ہانسوی' شمس تبریز اور چند صوفی حاضر خدمت تھے اور بابا جی نے زبان مبارک سے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جو ختم قرآن پاک کا ثواب حاصل کرنا چاہے وہ سورۂ اخلاص رات کو پچیس مرتبہ پڑھ لے۔ سورۂ اخلاص تمام واحدنیت خدا پر مشتمل ہے۔ قل ھو اللّٰہ احد خداوند کریم کی صفت عالیہ ہے۔ جو شخص یقین کامل کے ساتھ اس سورہ مبارکہ کی تلاوت کرے گا صفات خداوندی سے متصف ہو جائے گا' اگرچہ وہ ذات پاک کسی صفات میں سما نہیں سکتی۔ فرمایا کہ ایک روز رسول کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ اے ساتھیو! جب تک یہ کام نہ کرلو رات کو ہرگز نہ سونا۔ اول جب قرآن پاک ختم نہ کرلو۔ دوم جب تک راہ خدا میں جہاد نہ کرلو۔ سوم جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش نہ کرلو۔ چہارم جب تک حج نہ کرلو۔ پنجم جب تک خدائے کریم کو راضی نہ کرلو۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے یہ پانچ باتیں پوری کیں تو صحابہ کرام نے حیران ہو کر عرض کیا کہ حضور یہ پانچوں باتیں ایک رات میں کیسے ممکن ہیں؟ فرمایا کہ ممکن ہیں اس طرح کہ جو شخص قرآن مجید رات کو ختم کرنا چاہتا ہے وہ پچیس بار سورۂ اخلاف پڑھے' جو جہاد کرنا چاہتا ہے دس بار کلمہ سبحان اللہ کہے' جو رسول اللہ کو خوش کرنا چاہتا ہے سو دفعہ درود شریف بھیجے' جو حج بیت اللہ کا خواہاں ہے رات کو ایک سو بار کلمہ شریف لا الہ اللہ الحکیم الکریم پڑھ لے اور جو خدائے کریم کو خوش کرنا چاہتا ہے' رات کو کثرت سے کلمہ طیبہ پڑھے۔

پھر فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود فرمایا کہ وہ باب خیبر فتح کرنے گئے تو پہلے باب خیبر نہ کھل سکا۔ آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا تو سرکار دو عالم نے خط میں ارشاد فرمایا کہ سورہ اخلاص پڑھ کر حملہ کرو۔ اس پر حضرت علیؓ نے پورا دن سورہ اخلاص پڑھی اور پھر باب خیبر کو اکھاڑ کر چالیس قدم دور پھینک دیا۔

صوفی کا ذکر

شیخ بدر الدین اسحاقؒ رقم طراز ہیں کہ انہیں حضرت شیخ الاسلام کی پابوسی کا شرف حاصل ہوا۔ یاران طریقت کی ایک جماعت موجود تھی۔ زبان فیض نشان سے آپ نے مجلس میں فرمایا کہ گلیم وصدف انبیائے کرام کا لباس ہے۔ لباس اسی کو زیبا ہے جس کا ظاہر و باطن صاف اور مصفی ہو۔ پھر فرمایا کہ صوفی وہ شخص ہوتا ہے کہ اس میں بشریت یعنی دنیا کی کوئی میل نہ ہو۔

خرقہ کی تحقیق

بعض مشائخ کے نزدیک خرقہ عطا کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ جس وقت انہیں آگ میں پھینکا گیا تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام بہشت سے ایک کرتہ لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنا دیا۔ وہی خرقہ تھا جو بعد میں سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام اور سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنایا گیا۔ محققین صوفیا کے نزدیک خرقہ دراصل دربار خداوندی کا عطیہ ہے جو سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش مبارکہ پر ان کو پہنایا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ خرقہ عطیہ خداوندی ہے۔ اس کے بغیر جو شخص بغیر خرقہ' مقراض' صحبت' ارادت اپنے آپ کو مرید گردانے' گمراہ ہوتا ہے۔ مرید نہیں ہوتا اور جو شخص مقراض کا منکر ہوتا ہے وہ اہل سلوک اور مشائخ تصوف کے ہاں صدیق نہیں ہوتا بلکہ زندیق ہوتا ہے۔ مزید

Marfat.com

فرمایا کہ شب معراج حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس خاص علم (سلوک) کے بارے میں صحابہ کرام سے سوالات کئے۔ کوئی بھی حسب خواہش جواب نہ دے سکا۔ جب باب مدینۃ العلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی باری آئی تو سرکار رسالت مآبؐ نے ان سے سوال کیا کہ اگر یہ خرقہ آپ کو عطا کروں تو آپ کیا کریں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضور میں پردہ پوشی کروں گا اور اپنے بھائیوں مسلمانوں اور بندگان خدا کی عیب پوشی کیا کروں گا۔ پس سرکار مدینہؐ نے یہ خرقہ مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کر دیا اور سیدنا علی مرتضیٰؓ سے اس خرقہ نے چار دانگ عالم میں نفوذ و اشاعت پائی۔

خرقہ پوشی کا مجاز

حضرت شیخ الاسلام نے اس مقام پر فرمایا کہ خرقہ ہر کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔ ایک نوجوان حضرت شیخ بہاء الدین سہروردی کے زیر تربیت تھے۔ انہوں نے ایک روز عرض کیا کہ انہیں خرقہ مبارک سے نوازا جائے۔ حضرت شیخ سہروردی نے فرمایا کہ خرقہ پوشی اسے زیب دیتی ہے جو ہر دو عالم سے سلسلہ تعلقات منقطع کر لے اور اپنے مشائخ کے طریقہ پر چلے اور تُو تو ابھی ستر حجابوں میں ہے۔ تیری خرقہ پوشی کا ابھی وقت نہیں آیا تو واپس چلا جا۔ حضرت بابا فریدؒ نے فرمایا کہ خرقہ انبیاء و اولیاء کی پوشاک ہے۔ جب تک پیر اپنے مرید کے زنگ آلود باطن کو اچھی طرح پاک صاف نہ کر لے اسے خرقہ عطا نہیں کرنا چاہیے۔ مرید آلائش دنیا میں ملوث ہوگا تو خرقہ پوشی کے حق کو بجا نہیں لا سکے گا۔ وہ مجبوراً گمراہ ہوگا اور اپنے مریدوں کو بھی گمراہی کی دلدل میں پھنسائے گا۔ خرقہ پہننا آسان ہے۔ اس کا حق بجا لانا بہت مشکل ہے۔ محض خرقہ پوشی سے ہی نجات مل جاتی تو بہت سے لوگ خرقہ پہن لیتے۔ خرقہ پہن کر شایان شان سیرت بھی اختیار کرنی ہوگی اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ہوگا۔ خرقہ مخلوق خدا میں نمائش کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے پہننا چاہیے۔

پیرِ روشن ضمیر کے فرائض

فرمایا کہ سلوک کے اس مقدس راستے میں پیر کے اندر ذاتی قوت اور روشن ضمیر کا ہونا بہت ضروری ہے۔ جب کوئی شخص اس کی خدمت میں ارادت کی نیت سے حاضر ہو تو وہ اپنی نظر معرفت سے دیکھ سکے کہ اس کے دل کی تہوں میں کیا ہے۔ وہ عرفان کی روشنی سے مرید کے باطن کو آلائش ہائے دنیا و مافیہا سے مصفا و مطہر بنا دے۔ کچھ عرصہ اسے حضرت حق میں مجاہدہ و ریاض کرائے اور جب اس کے وجود کے اندر دنیوی خواہشات کی کوئی میل کچیل نہ رہے تو اسے خرقہ پوشی سے نواز دے۔ اگر پیر خود ہی صاحب استعداد نہ ہو تو گویا اس نے اس شخص کو کلاہ و خرقہ دے کر گمراہی کے اندھے کنوئیں میں دھکیل دیا اور خود بھی گمراہ ہوا۔ پھر فرمایا کہ حضرت مولانا بہاء الدین زکریا کو ان کے پیر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے تین روز خدمت میں رہنے کے بعد چوتھے روز خرقہ، مصلہ، عصا، نعلین عطا فرمائیں۔ حاضرین حیران ہوئے کہ ہم تو اتنے برسوں سے شیخ کی خدمت میں ہیں اور ویسے کے ویسے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بہاء الدین اپنا کام مکمل کر کے آیا ہے۔ اپنے ساتھ خشک لکڑی لایا جو تین روز کی پھونک سے ہی جل پڑی ہے۔ تمہارا ایندھن گیلا ہے۔ عشق کی آگ سلگانے میں وقت درکار ہوگا۔

فرمایا، خرقہ وہ پہنے جو مخلوق خدا کی عیب بینی سے آنکھوں کو سی لے۔ فرمایا کہ خرقہ خود کوئی قابل اعتبار چیز نہیں ورنہ ساری دنیا خرقہ پوش ہوتی۔ خرقہ کا اعتبار تو اس شخص سے ہے جس نے اسے اوڑھ لیا۔

Marfat.com

خرقہ پوش صوفیا کے احوال و کیفیات

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ حضرت خواجہ داؤد طائیؒ کے حضور ایک قبا پوش بزرگ آئے اور سر جھکا کر بیٹھ گئے۔ خواجہ داؤد مسکرا کر کہنے لگے کہ میں خرقہ پوشوں میں جو نعمت تلاش کرتا تھا وہ ان صاحب میں مل گئی ہے۔ اس موقع پر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگے کہ جس وقت خرقہ پوش حضرات عالم سماع میں خرقہ چاک کر دیتے ہیں اور دوستی و محبت حق کے سمندر میں شناوری کرتے ہیں' عشق حبیب میں ایسے مستغرق ہو جاتے ہیں کہ زندگی کے آثار کا ایک ذرہ بھی ان میں موجود نہیں ہوتا' محبت کی بھٹی میں پگھل جاتے ہیں۔ اس وقت رشک و غیرت کی انتہا سے یہ خرقہ پوش دوئی کے پردے کو چاک کر دیتے ہیں۔ یہ صاحب حال لوگ ہوتے ہیں جو محبوب حقیقی کے عشق میں سرشار ہوتے ہیں۔

فقیری و درویشی

اس موقع پر فرمایا کہ درویش اسے کہتے ہیں جو روزانہ فتوحات کو شام تک خرچ کر دے یہاں تک کہ رات کے لئے کوئی رقم باقی نہ رہے اور اگر رات ہے تو دن کے لئے کچھ باقی نہ بچے۔ سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔ ایسے لوگ درویش کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے جو لنگوٹی باندھ کر چمڑے کی تھیلی گلے میں ڈال کر گلی گلی روٹی کے دو لقموں کی خاطر پھرتے رہتے ہیں اور اپنے جیسے انسانوں کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ درویشی کا سرمایہ ناز وہ لوگ ہیں جو اپنی مسند سے جدا نہیں ہوتے' لطیف لباس پہنتے ہیں اور جو موجود ہو اس سے کھانا تیار کرا کے درویشان خدا کی تواضع کرتے ہیں اور کچھ بچا کر نہیں رکھتے۔ جو ملتا ہے اسے آگے پہنچا دیتے ہیں۔ حضرت خواجہ بایزید نے فرمایا کہ درویش کے ہاتھوں اٹھارہ ہزار دنیاؤں کا سیم و زر لٹما دیا جائے تو وہ سارے کا سارا اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔

گلیم وصوف کا ذکر

شیخ بدرالدینؒ لکھتے ہیں کہ حضرت اقدس کی مجلس مبارک میں برہان الدین اور مولانا یحیٰی غریب حاضر مجلس تھے۔ بات گلیم وصوف پر چل رہی تھی۔ فرمایا کہ گلیم وصوف انبیاء و اولیاء کا لباس ہے۔ اسے پہننا سنت انبیاء ہے۔ ایک بار آنحضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صحابہ! میرے پاس یہ گلیم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی یادگار موجود ہے جو اسی حالت میں مجھ تک پہنچی ہے۔ مجھے حکم ہے کہ اسے علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو دے دوں تاکہ وہ میری امت کو منتقل کر دیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ گلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سیدنا جبرائیل علیہ السلام بہشت سے لائے تھے۔

گلیم پوشی کے آداب

فرمایا کہ حضرت خواجہ بشیر صافیؒ کو ان کے شیخ نے گلیم وصوف سے نوازا پھر چالیس برس تک انہیں کسی نے خندہ زن نہیں دیکھا۔ فرمایا کہ جب سے مجھے میرے شیخ نے یہ گلیم وصوف دی ہے عالم حیرت میں ہوں اور مجھے اپنی خبر نہیں رہی۔ اس گلیم پوشی کے بعد جو کچھ انہوں نے نہیں کیا میں بھی نہیں کر سکتا۔ پھر فرمایا کہ گلیم پوشی کے بعد انسان کو چاہیے کہ انسان صوف پہن کر عزلت گزینی کو اپنائے' دنیاداروں سے اجتناب کرے' سرمایہ داروں کی صحبت ترک کر دے پھر سمجھے کہ واقعی

درویش ہے۔ کوئی شخص یہ لباس پہن کر امرا و ملوک کی مجلسوں میں جاتا ہے اور سرمایہ داروں سے میل جول بڑھاتا ہے۔ انبیاء اولیاء کے لباس کو گلیوں بازاروں میں پھراتا اور رسوا کرتا ہے تو اس سے یہ متبرک لباس واپس لے لینا چاہیے۔ اس مقام پر بیان فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے گلیم پوشی کی استدعا کی۔ دربار خداوندی سے حکم ہوا کہ یہ ہمارے عشاق کا لباس ہے۔ پہلے شکرانہ ادا کرو پھر یہ لباس زیب تن کرو۔ وہ فوراً گھر تشریف لے گئے سارا مال و جاندار خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔ کچھ باقی نہ رہا تو محبوب حقیقی کی بارگاہ میں کھڑے ہو گئے۔ فرمان ہوا کہ اے موسیٰ! دنیا کی آلائشات میں سے تیرے پاس کچھ بھی نہ رہا اب تو گلیم پہن لے۔ اب تو اس کا مستحق ٹھہرا۔ حضرت موسیٰ گلیم پہن کر دس برس تک تنہائی میں ذکر و فکر الٰہی میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ فرعون سرکش سے مقابلہ کی ساعت آ گئی۔

درویش کب بنتا ہے؟

فرمایا کہ درویش کے دل کی اصلاح اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے باطن کی دنیا کو تمام آلودگیوں اور نجاستوں سے صاف کر لیتا ہے جب تک صوفی کا دل دھوکا، کینہ، حسد، حرص، تکبر، بغض اور غرور کی برائیوں سے پاک نہیں ہوتا وہ گلیم و صوف کا جامہ درویشی پہننے کا اہل نہیں ہوتا۔ فقیر تو وہ ہوتا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔

درویش کی شان

فرمایا کہ اہل گلیم و صوف کو مرغن اور شیریں غذاؤں سے بھی اجتناب کرنا چاہیے کہ اس طرح وہ بادشاہوں اور دنیا داروں سے مل جائیں گے۔ وہ ایسا کریں گے تو انبیاء کرام اور سالکین کے لباس مبارک میں خیانت کے مرتکب ہوں گے۔ صدف و گلیم کی اون کے رنگ میں حضرات صوفیا کو اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک سرخ یا سبز رنگ کا لباس نہیں پہننا چاہیے۔ ایک بزرگ شیخ شہاب الدین زندیس کو علم ہوا کہ ان کا ایک مرید زیادہ وقت دنیا داروں کی مجلسوں میں گزارتا ہے۔ انہوں نے مرید کو بلا کر اس کا گلیم و صوف کا لباس آگ میں جلا دیا اور کہا کہ یہ ابھی صوف پہننے کا اہل نہیں ہوا۔

عشق کی حقیقت

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ عشق کی تحریک مشاہدہ معشوق سے ہوتی ہے۔ لوگ مجاہدہ میں مبالغہ کرتے ہیں تو مجاہدہ مکاشفہ بن جاتا ہے اور جب مکاشفہ مشاہدہ بنتا ہے تو عاشق خود کو معشوق کی بارگاہ میں حاضر پاتا ہے۔ اس کا جذبہ عشق ترقی پذیر ہوتا ہے۔ بتدریج منازل عرفان طے کرتا جاتا ہے۔ حجابات درمیان سے اٹھتے جاتے ہیں۔ ایک مقام پر پہنچ کر اسے قرار آ جاتا ہے گویا وہ عالم تحیر میں پڑ گیا۔ معشوق دن میں ہر لحہ ہزار بار اسرار عشق کی جلوہ نمائی بھی کرے تو بھی اس سے عاشق زار کی سیری نہیں ہوتی۔ عاشق کے لئے معشوق کا ہر حکم واجب التعمیل ہوتا ہے۔ خواہ وہ اسے اپنی گلی میں داخلے سے ہی روک دے۔ ایک دفعہ مجنوں بہت بھوکا تھا۔ اس کے جال میں ایک ہرن آ گیا۔ اس نے یہ کہہ کر اسے چھوڑ دیا کہ اسے کیسے ایذا دوں جب اس کی آنکھیں لیلیٰ جیسی ہیں۔

ذکر محبت

شیخ بدرالدین اسحاقؒ ملفوظات کی دسویں فصل میں لکھتے ہیں کہ خدمت اقدس میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔

شیخ برہان الدین، شیخ جمال الدین ہانسوی، شیخ بدرالدین غزنوی اور دیگر نیاز مند موجود تھے۔ حضرت نے زبان حق ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ محبت میں سات سو مقامات ہیں مگر پہلا مقام یہ ہے کہ جو آزمائش محبوب کی طرف سے اس عاشق زار پر نازل ہو وہ اس پر صبر کرے۔ آنحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ محبت حق ایک ایسا بادشاہ ہے جو ہر دل میں جلوہ افروز نہیں ہوتا بلکہ ایسے دل میں متمکن ہوتا ہے جو اس کے شایان شان ہو۔ عشق خدا ایسی بساط ہے کہ جس میں کوئی ایسا شخص قدم رکھنے کی جسارت نہیں کر سکتا جس نے اٹھارہ ہزار دنیاؤں کو لات نہ ماردی ہو اور محبت دوست کے سوا اس کی نظر میں کوئی چیز نہ جچتی ہو پھر وہ اپنی محبت میں منفرد ہوگا۔ محبت الہیٰ کا تقاضا تھا کہ اللہ کریم کی دوستی کے لئے حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ آنحضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ روز ازل سے عشاق کا گروہ عشق محبت الٰہی سے اٹھایا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ازل سے آج تک ان لوگوں کی زبان پر رب ارنی انظر الیک ہی کا کلمہ ہے۔ جس آنکھ میں عشق کا سرمہ لگا دیا گیا ہے، عرش سے تحت الثریٰ تک کوئی چیز اس کی نظر میں غیب نہیں۔

حضرت ابراہیم کے عشق کا امتحان

فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے خدائے قدوس کی بارگاہ میں عرض کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی اجازت دی جائے۔ یہ اجازت عطا ہوئی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے ''یا اللہ'' پکارا۔ حضرت ابراہیمؑ خانہ کعبہ کے اندر تھے۔ فوراً باہر تشریف لائے اور کہا کہ اے خواجہ! ایک بار پھر اللہ پاک کا نام اسی طرح لو۔ انہوں نے کہا کہ اس نام پاک کے سننے کا شکرانہ ادا کرو تو پھر یہ نام لوں۔ حضرت ابراہیمؑ کے پاس ایک ہزار اونٹ تھے۔ وہ سب اللہ کی رضا و محبت میں قربان کر دیئے۔ حضرت جبرائیلؑ نے پھر ''یا اللہ'' کا کلمہ کہا۔ حضرت ابراہیمؑ نے باقی سارا مال و متاع بھی اللہ کی راہ میں دے دیا۔ حضرت جبرائیلؑ نے پھر کہا کہ اب کیا فرمائش ہے۔ فرمایا کہ ایک بار پھر یہ نام لو میرے جسم میں جان ہے وہ بھی دوست کی راہ میں فدا کر دوں۔ حضرت جبرائیلؑ نے پھر یا اللہ پکارا تو حضرت ابراہیمؑ نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آئے تو حضرت جبرائیلؑ پکار اٹھے کہ آپ محبت حق میں صادق ہیں۔ یہی بات حضرت جبرائیلؑ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی۔

ذکر یار کا تقاضا

اہل سلوک کے ہاں معروف ہے کہ لوگ جس سے محبت کرتے ہیں اس کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں اس لئے خدا سے محبت کرنے کا دعویٰ کرنے والوں پر لازم ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ذکر خدا سے غافل نہ رہیں۔ ایک موقع پر حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ طالبان حق دنیا بھر کا سارا ساز و سامان بے حساب و کتاب لینے سے عار محسوس کریں گے۔ ایک موقع پر کہا کہ اہل محبت کی نظر میں سوائے دیدار حق کے اور کوئی چیز نہیں جچتی۔ بلخ کے بادشاہ خواہ ابراہیم نے بادشاہی ترک کر دی۔ اس کا سبب بتایا کہ ایک دن محبت کا آئینہ میرے سامنے کر دیا گیا۔ میں نے دیکھا کہ میری منزل قبر ہے۔ راستے میں کوئی مونس و غم خوار نہیں۔ میرا دل بادشاہی سے بے زار ہو گیا۔ اپنے ملک کو ترک کر کے دوسرے ملک میں آ گیا یعنی ملک ظاہری سے ملک باطنی کی طرف ہو گیا۔ فرمایا کہ ایک بار میرے اس سوال پر کہ عشق الٰہی کی انتہا ہے یا نہیں۔ ایک درویش

Marfat.com

نے کہا کہ عشق الٰہی کی کوئی انتہا نہیں۔ خدا کی محبت کی آگ کے سامنے کوئی آگ سر اٹھانے کے قابل نہیں۔ یہ جس جسم میں سے گزرتی ہے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔

عاشق کا دل انوار الٰہی کا گھر

فرمایا کہ عاشق کا دل قندیل انوار میں آویزاں ہوتا ہے۔ اس کی روشنی سے سارا عالم ملکوت جگمگاتا ہے۔ اپنی ذات کو بھول جانا یاد حق کی دلیل ہے۔ جسے یاد حق کی نعمت میسر ہوگئی اس کا دل کبھی نہیں مرتا۔ میں نے کتاب حق میں لکھا پایا کہ بھوک ایسا بادل ہے جس سے رحمت کی بارش برستی ہے۔ ایک بار حضرت بایزید بسطامیؒ سے پوچھا گیا کہ محبت حق کس چیز کا نام ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا اور آخرت اور جو کچھ اس کے اندر ہے' سب کی محبت سے دل سے نکل جائے اور صرف محبت حقیقی ہی کا عشق باقی رہ جائے۔ جو درویش عاشق خدا ہے اگر ہزار بار اس کا سر تن سے جدا کیا جائے تو دوبارہ سر اور تن کا رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام نے اس موقع پر ایک رباعی ارشاد فرمائی:

در یادِ تو ہر روز چناں مدہوشم
صد تیغ گر زنند زان نخر و شم
آہے کہ زیاد تو زنم وقت سحر
گر ہر دو جہاں دہند آں نفروشم

ترجمہ: تیری یاد میں ہر روز اتنا بے خود رہتا ہوں کہ سینکڑوں تلواروں سے مجھے زخمی کریں تو آواز نہ نکالوں گا۔ صبح کے وقت تیری یاد میں جو آہ بھرتا ہوں وہ دونوں جہانوں کے عوض نہ دوں گا۔ حضرت شیخ الاسلام نے عشق اور عشاق کے بیان میں ایک موقع پر دو بیت ارشاد فرمائے:

آیم بسر کوئے تو پویاں پویاں
تاجاں بدہم نام تو گویاں گویاں
رخسارز آب دیدہ شویاں شویاں
ہنجار وصالِ یار جویاں جویاں

ترجمہ: میں تیری گلی میں دوڑتا دوڑتا آیا ہوں تا کہ تیرے نام کی تکرار کرتے ہوئے جان دے دوں۔ آنکھوں کے پانی سے رخساروں کو دھوتے دھوتے وصالِ محبوب کے راستے تلاش کر رہا ہوں۔

فرمایا کہ دہلی میں ایک بہت بزرگ صاحب نعمت اور عشق کے زخم خوردہ درویش سے میری ملاقات حوض شمسی پر ایک سماع کی محفل میں ہوئی۔ میں نے وہاں ان سے دو بیت سنے اور اس قدر محظوظ ہوا کہ آج تک ایسا حظ نہیں اٹھایا۔ بیت یہ ہے:

عشق تو بہم جان مرا رسوا کرد
واندر طلب جمال تو شیدا کرد

دردے کہ زعشق تو بدل پنہاں بود
آن جملہ زشوق تو رخم پیدا کرد

ترجمہ: اے محبوب! تیرے عشق نے میری جان کو رسوا کر دیا۔ تیرے حسن کی طلب میں اسے وارفتہ بنا دیا۔ وہ درد جو تیرے عشق کی وجہ سے دل میں پوشیدہ تھا تیرے دید کے اشتیاق سے اب میرے چہرے کی زینت بن گیا ہے۔

حضرت بابا فریدؒ شکر گنج نے حضرت قاضی حمیدالدین ناگوریؒ کی زبانی ایک رباعی سن کر اسے بہت پسند کیا اور اس کو بار بار پڑھا۔ رباعی یہ ہے:

در خوردن نعمت تو دندانم سود
یک سجدہ چناں نشد کہ فرمانم بود
ہم بودی' وہم باشی وہم خواہی بود
نے بودم و نے باشم و نے خواہم بود

ترجمہ: اے اللہ تیری نعمتیں کھاتے کھاتے میرے دانت گھس گئے' ایک سجدہ بھی تیرے فرمان کے مطابق ادا نہ ہو سکا۔ تو ازل میں بھی تھا اب بھی ہے اور ابدالآباد تک رہے گا' میں تو کبھی نہ تھا' نہ اب ہوں نہ آئندہ ہوں گا۔

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ اے درویش! زندگی معرفت خدا کا نام ہے۔ راحت عاشق راہ سلوک ہے۔ شوق دیدار کی تڑپ محبت سے ملتی ہے اور نشہ ذوق ذکر یار میں ہے۔ مزید فرمایا کہ ایک بار حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرمانے لگے کہ اصلی علم ذات خداوندی کا ادراک ہے اور معرفت اس کی تدبیر ہے۔ محبت مشاہدہ سے بڑھتی ہے اور مشاہدہ کے لئے مجاہدہ لازمی ہے۔

حضرت بابا فریدؒ نے فرمایا کہ جس شخص نے دنیا کی خواہشات اور لذتوں سے اپنے دل کو مردہ بنا لیا قضا و قدر کے کارکن اسے لعنت کے کفن میں لپیٹ کر ندامت کی سرزمین میں دفنا دیتے ہیں۔ محبت حق کے متوالے مشاہدہ ذات کے سوا کسی اور چیز پر راضی نہیں ہوتے۔ حق کی حضوری کی نعمت دنیا سے کنارہ گیر ہونے کے بغیر نہیں ملتی۔ خلوت نشینی اور عزلت گزینی سے ہی یہ سعادت میسر آتی ہے۔

اس موقع پر انہوں نے ایک رباعی ارشاد فرمائی:

گر عاشق دوستی بہ تنہاش طلب
در خلوتِ عشق آئے دپیداش طلب
گر میخواہی حضور نعمت ہر روز
آنجا کہ کسے نباشد آنجاش طلب

ترجمہ: اگر تو محبوب پر فریفتہ ہے تو اسے اکیلے تلاش کر' خلوتوں میں جا اور ظاہراً جستجو کر۔ محبوب کی زیارت سے ہر روز بہرہ ور ہونا چاہتا ہے تو اسے وہاں تلاش کر جہاں کوئی اور نہ ہو۔

اہل سلوک کے فرض وسنت

ایک بار فرمانے لگے کہ ایک بار مجلس میں ایک شخص نے سوال کیا کہ اہل سلوک کے ہاں فرض اور سنت کیا ہیں؟ وہیں موجود قاضی حمید الدین ناگوری نے جواب دیا کہ فرض پیر کی صحبت ہے اور سنت ترک دنیا اور جو کچھ اس کے اندر ہے۔ پھر فرمایا کہ میں نے ایک درویش سے سنا کہ درویش وہ ہے جو دل کے خزانے کے اندر غوطہ زن ہو جائے اور وہاں سے محبت کا موتی تلاش کر لے تو درویش کامل ہو جائے گا۔

پھر فرمایا کہ محبت میں درجہ کمال تب حاصل ہوتا ہے جب انسان عشق میں عیب جُو نہیں رہتا اور ہر ماسوا سے ترک تعلق کر لیتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ مقام قرب پر فائز کرتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت قطب الدین بختیار اوشیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت خدا تک پہنچنے کی کیا سبیل ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ گونگا بہرہ اور اندھا بن جانے سے! جب یہ تینوں دشمن چشم، گوش اور زبان بند ہو جاتے ہیں تو بندہ خداوند کریم کے ہاں رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ اہل محبت کے دل کو سوائے چار مقامات کے کہیں سکون نہیں ملتا۔ اول گھر کے کونے میں جہاں کوئی اور شخص ذکر و شغل میں حائل نہ ہو، دوم مسجد میں کیونکہ وہ عشاق بارگاہ کی محبوب جگہ ہے۔ سوم قبرستان جو عبرت کا مقام ہے۔ چہارم کنج تنہائی جہاں یا محب ہو یا محبوب کے علاوہ اور کوئی نہ ہو۔

یہ کہہ کر حضرت شیخ الاسلامؒ زار زار رونے لگے اور کہا کہ میرے نزدیک عشق الٰہی میں ہر مل کے دانے کی طرح چند لحظوں کے لئے تڑپ تڑپ کر جان دے دینا ستر سال کی بے عشق و محبت عمر سے بہتر ہے۔ ہمارا معاملہ تو عورتوں سے بھی گیا گزرا ہے۔ وہ ایک ماہ میں تو غسل طہارت کرتی ہیں۔ ہم ساری عمر میں ایسا غسل نہ کر سکے کہ پاک و صاف بن سکتے۔

عاشق کا دل عرش الٰہی کا طواف کرتا ہے

خواجہ بایزید بسطامیؒ کی ایک واردات کا ذکر یوں فرمایا کہ ایک روز جذب و کیف کی حالت میں اکیلے بارگاہ محبوب میں پہنچنے کا شرف حاصل ہوا۔ فرمان ہوا کہ اے بایزید! ہمارے حضور کیا تحفہ لائے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ باری تعالیٰ تیری خدمت اقدس میں تیری محبت اور رضا کا ہدیہ پیش کرنے کو لایا ہوں۔ آواز آئی بایزید! تو اچھی چیز لایا ہے۔ ہمارے شایان شان نذرانہ ہے۔ پھر حضرت اقدسؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بار لاہور میں ایک عالی مقام بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ وہ ذکر کے بعد فرمانے لگے کہ کتاب عشق میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''جب میرا ذکر بندہ مومن پر غالب ہو جاتا ہے تو میں اس کا پروردگار اس کا عاشق ہو جاتا ہوں اور وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے۔ عشق سے مراد محبت ہے۔ پھر انسان کو اس نعمت عظمیٰ سے کیوں محروم کر دینا چاہیے اور ذکر خدا سے کیوں غافل رہنا چاہیے۔ خالق کائنات نے دل کو اس لئے پیدا فرمایا کہ عرش الٰہی کا طواف کرے۔ دل کی تین قسمیں ہیں۔ بعض دل پہاڑ کی مانند ہوتے ہیں جو اپنی جگہ سے ذرہ بھر حرکت نہیں کرتے۔ یہ سچے عاشقوں کے دل ہوتے ہیں۔ کچھ دلوں کی جڑ تو قائم ہوتی ہے مگر شاخیں ہوا سے ہلنے لگتی ہیں اور کچھ دل ایسے ہوتے ہیں جو درخت کے پتوں کی طرح ہوا کے ایک جھونکے سے اِدھر سے اُدھر ہو جاتے ہیں مگر محبت میں پختہ اور سچا شخص وہ ہے جو یاد محبوب کے سوا کسی چیز کو پسند نہ کرتا ہو۔

ذات حق کی شان رحمت

ایک مجلس میں فرمایا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کو حکم ہوا کہ فرعون سرکش کو اسلام کی دعوت نرمی و آہستگی کے

Marfat.com

ساتھ دینا تا کہ وہ ناراض نہ ہو۔ اس پر روتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ وہ شخص جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اس پر خدائے کریم کے لطف و کرم کا یہ حال ہے تو اے عزیز! اس انسان کو جو پانچ وقت سبحان ربی الاعلیٰ پکارتا ہے اور اس کی محبت کا دم بھرتا ہے' اس کے لطف و کرم کا درجہ اولیٰ مستحق ہونا چاہیے۔ اسے ہرگز ہرگز رحمت خداوندی سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔ اس کی رحمت کا یہ عالم ہے وہ تیرے معاملہ میں کیوں فیاضی نہ کرے گا۔ جو آج اس کی محبت کا دم بھرتا ہے اور اس کی یاد میں مشغول رہتا ہے' وہ قیامت کے عذاب کی شدت سے بے غم ہو جاتا ہے۔

فرمایا کہ جب قارون زمین کے چوتھے طبق میں اپنے مال و متاع کے ساتھ دھنستا ہوا چلا گیا تو اس طبقے کے رہنے والوں نے پوچھا کہ تُو کون ہے اور کیا گناہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ہوں۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں نے خدا کے ایک رسول کی برابری کی اور زکوٰۃ نہ دینے کے جرم کا مرتب ہوا تو مجھے یہ دن دیکھنا پڑا۔ جونہی قارون کی زبان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام نامی نکلا' فرشتوں کو حکم ہوا کہ قارون کو اب اسی مقام پر رکھو نیچے نہ لے جاؤ۔ جو شخص ہمارے دوست کا نام بھی زبان پر لاتا ہے اس کو عذاب نہ دینا ہماری ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ یہ بیان کر کے شیخ الاسلام رو پڑے اور فرمایا کہ جو شخص محبت کی خواہش سے اپنی منزل کا آغاز کرتا ہے جلد ہی خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے اور جو دنیا کی خواہش لے کر چلتا ہے دوزخ کے قریب ہی پہنچتا ہے۔ صرف دعویٰ کر لینے سے مملکت محبت تک رسائی ناممکن ہے۔

خوف و توکل

شیخ بدرالدین اسحاق اپنی کتاب ''اسرارالاولیاء'' کی گیارہویں فصل میں لکھتے ہیں کہ میں حاضر خدمت اقدس ہوا تو مولانا برہان الدین ہانسوی' شیخ بدرالدین غزنوی اور دیگر ارادت مند موجود تھے۔ حضرت خوف و توکل کے موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے۔

فرمایا درویشو! خوف حق بے ادب بندوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے باز آ جائیں اور راہ راست پر پختہ گام زن ہو جائیں۔ کلام پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ ''اے بندو! وقت آ گیا ہے کہ تمہارے دل ہمارے خوف سے نرم ہو جائیں۔ تم میں سے کوئی ہے جو ہمارے ساتھ صلح کر کے توبہ کرے اور ہم اس کی توبہ منظور فرمائیں۔''

خوف کا سرچشمہ

حضرت اقدس نے فرمایا کہ خوف عدل خداوندی سے ہے اور رجا (امید کرم) اس کے فضل سے ہے۔ خداوند کریم کے ہاں عزیز ترین انسان وہ ہیں جن کا مقام خوف و رجا کے درمیان ہے۔ انہوں نے ایک واقعہ فرمایا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بچپن میں ہی بہت زیادہ رویا کرتے تھے۔ ایک روز ایک پہاڑ کی چوٹی پر سر رکھے رو رہے تھے کہ ان کی والدہ ماجدہ تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئیں۔ دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ انہوں نے شفقت سے ان کا سر اپنی گود میں رکھا۔ حضرت یحییٰ سمجھے کہ موت کا فرشتہ آ گیا۔ کہنے لگے کہ تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ میں اپنی والدہ کی زیارت کر آؤں۔ والدہ زور سے بول اٹھیں کہ میں موت کا فرشتہ نہیں تیری ماں ہوں۔ آؤ میری آغوش میں آ جاؤ۔ میں تمہارے لئے تھوڑا سا کھانا لائی ہوں۔

Marfat.com

اٹھواوراسے کھالو۔حضرت یحیٰ علیہ السلام والدہ کے حکم سے سرتابی نہ کرسکے۔والدہ کے ساتھ گھر آ گئے۔والدہ نے کہا کہ یحیٰ بیٹے! تو ابھی بچہ ہے۔تیرا وجود گناہوں سے پاک وصاف ہے۔اتنا گریہ نہ کیا کر۔حضرت یحیٰ نے جواب دیا کہ آپ صحیح فرما رہی ہیں مگر قیامت کے روز اگر مجھے دوزخ کے شعلوں میں ڈالا جانے لگا تو کیا آپ مجھے بچالیں گی؟ والدہ نے جواب دیا کہ نہیں۔اس پر انہوں نے فرمایا کہ تو پھر والدہ صاحبہ! آپ رونے اور خوف الٰہی سے نہ روکیں کہ مجھے آج اس کا چارہ کرنا چاہیے تاکہ کل کو دوزخ کے شعلوں سے رہائی مل جائے۔

انبیاءواولیاءاور خوف الٰہی

فرمایا' اے درویش! انبیائے علیہ السلام واولیائے کرام خدا کے خوف سے یوں نرم ہو جاتے تھے جیسے سونا کٹھالی میں پگھلتا ہے کیونکہ عاقبت کی فکر ہر ایک کو لگی رہتی ہے۔بزرگان دین میں سے ایک بزرگ عبداللہ خفیف چالیس برس تک رات کو نہ سوئے اور پہلوئے مبارک زمین سے نہ لگایا۔خدا کے خوف سے اس طرح حیران رہتے کہ ان کے آنے جانے کی خبر تک نہ ہوتی۔وہ بزرگ قیامت اور قبر کے بارے میں گفتگو کرتے وقت بید کے پتے کی مانند لرزتے اور بے ہوش کر تڑپتے رہتے۔اسی طرح امام اعظمؒ تیس برس تک خواب استراحت سے کنارہ کش رہے۔کبھی نیند کا غلبہ ہوتا تو وہ بے ہوش ہو جاتے۔جب سنبھلتے تو اپنے نفس سے ارشاد فرماتے کہ اے نفس! حضرت باری جل کے شان شایان کوئی اطاعت نہ کی کہ قیامت کے روز نجات پاجاتا اور خدا کے پہچاننے کا حق ادا کرتا جیسا کہ چاہیے تھا۔اے نفس! تو تو دنیا وآخرت میں ناکارہ رہا۔فرماتے کہ قیامت کے روز اگر ابوحنیفہ رہا ہو گیا تو حیرت والی بات ہوگی۔اسی طرح حضرت بابا گنج شکرؒ سے ایک روایت بیان کی کہ ایک نیک و پارسا نوجوان خوف الٰہی سے ہروقت کانپتا رہتا اور روتا رہتا تھا۔اس کی رحلت کا وقت آ گیا اس نے اپنی بوڑھی ماں سے کہا کہ میری رحلت کے بعد میرے گلے میں رسی ڈال کر گھر کے چاروں طرف پھرانا کہ یہ وہ شخص ہے جو اپنے خدا کی حضوری سے بھاگتا تھا۔اس کے وصال کے بعد ماں نے اس کی وصیت کے مطابق اس کے گلے میں رسی ڈالنی چاہی تو گھر کے کونے سے صدا آئی کہ اے خاتون! عاشق اپنے محبوب کی بارگاہ میں پہنچ گیا۔اس جوان سے ہاتھ روک لے۔اس کی گردن میں رسی ڈالنے کی بے ادبی نہ کرنا کہ وہ تو ہمارے عاشقوں میں سے تھا اور خدا کے اولیا کے ساتھ ایسا سلوک کون کرسکتا ہے؟ اس کو چھوڑ دے۔ہم نے اس کی مغفرت فرمادی۔ایک بار حضرت رابعہ بصری حضرت خواجہ حسن بصری کے بالاخانہ کے نیچے سے گزریں تو ان کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔وہ اوپر گئیں اور پوچھا کہ حسن! کیوں اتنا رو رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے خوف سے رو رہا ہوں کہ خدا جانے قیامت کو کس گروہ میں حشر فرمائیں گے۔

قیامت کا دن اور اولیاء

ایک روز فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز تمام لوگ ڈرتے اور روتے ہوئے اٹھیں گے سوائے اولیاللہ کے کیونکہ وہ دنیا میں خوف خداوندی سے گریہ وزاری کرتے رہے۔عقبیٰ میں ہنستے مسکراتے ہوئے قبروں سے تشریف لائیں گے۔حضرت گنج شکرؒ نے مزید کہا کہ حق تعالیٰ نے خواجہ کائنات کو اپنا حبیب کہا۔اس عظمت شان کے باوجود جب خوف حق کا جذبہ غالب آجاتا تو اتنے محو ہو جاتے کہ نہ دن کو دن سمجھتے نہ رات کو رات۔راتوں کو نماز میں اتنا قیام

فرماتے کہ قدم مبارک پھٹ جاتے اور خون جاری ہو جاتا۔ ایک موقع پر بابا فرید گنج شکرؒ نے فرمایا کہ میرے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل بڑے ذاکر بزرگ ہیں۔ ان پر جب غلبہ خوف طاری ہوتا تو انہیں یہ بھول جاتا کہ آج کون سا دن' مہینہ اور سال ہے۔ ان پر ایک عجیب عالم حیرت طاری ہو جاتا ہے۔

خوف کے درجے

فرمایا عزیزو! عقلمند انسان وہ ہے کہ تمام کاموں میں اس کا توکل خداوند تعالیٰ پر ہی ہو اور کسی سے اس کے سوا توقع نہ رکھے۔ فرمایا کہ خدا کے تین درجے ہیں: اول کم کھانا یعنی روزہ رکھنا' دوم کم بولنا یعنی زیادہ تر نماز پڑھنا اور سوم کم سونا یعنی زیادہ وقت ذکر الٰہی میں گزارنا۔ جس شخص کو یہ صفات میسر نہیں اسے خائف نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ایمان کے لئے بھی تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول خوف' دوم رجا' سوم محبت۔ دل میں خوف خدا کا ہونا انسان کو گناہ ترک کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ رجا (امید کرم) کا ہونا اطاعت خداوندی کی راہ دکھاتا ہے تاکہ وہ بہشت میں مقام حاصل کرے اور محبت انسان کو منکرات اور مکروہات سے پرہیز دلاتی ہے تاکہ محبوب کی خوشنودی اور رضا کی دولت بے پایاں سے بہرہ ور ہو۔

توکل

حضرت نے فرمایا' عزیزو! عقلمند انسان وہ ہے کہ تمام کاموں میں اس کا توکل خداوند تعالیٰ پر ہی ہو اور کسی سے اس کے سوا امید نہ ہو۔ فرمایا کہ حضرت خواجہ ابراہیم ادھمؒ کے توکل کا یہ عالم تھا کہ تیس برس تک خلق خدا سے الگ رہے اور کبھی کسی کے پاس نہ گئے۔ ایک بار اس ارادہ کے ساتھ حج کے سفر پر روانہ ہوئے کہ لوگ تو قدموں کے ساتھ چل کر خانہ کعبہ تک جاتے ہیں۔ میں آنکھوں کے بل جاؤں گا اس طرح کہ ہر قدم پر دوگانہ ادا کروں گا۔ وہ اسی طرح روانہ ہوئے اور چودہ سال گزر گئے۔ اس دوران ایک جنگل سے گزرے۔ دیکھا کہ حضرت رابعہ بصری تشریف فرما ہیں اور ان کے گرد خانہ کعبہ طواف کر رہا ہے۔ حضرت ابراہیم ادھم نے پوچھا کہ اے رابعہ! یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہر جگہ مشہور ہے کہ ابراہیم ادھم چودہ برسوں سے آنکھوں کو قدم بنا کر زیارت کعبہ کے لئے عازم سفر ہے اور ابھی تک کعبہ سے سرفراز نہیں ہوا۔ فرمانے لگیں کہ آپ کو کعبہ دیکھنے کی آرزو ہے اور مجھے خانہ کعبہ کے مالک کے دیکھنے کی آرزو ہے۔ جس شخص کو مالک دیکھنے کی آرزو ہو وہ اس کا گھر بھی دیکھ لیتا ہے اس لئے کہ گھر تو مالک کے پاس ہی ہوتا ہے۔ حضرت بابا فریدؒ نے فرمایا کہ اہل توکل کی شان یہ ہے کہ عالم حقیقت کے خاص اوقات میں انہیں زخمی کر دیں یا آگ میں ڈال دیں تو انہیں خبر نہیں ہوتی۔ صاحب سجادہ وہی بن سکتا ہے جو صاحب توکل ہے اور مخلوق میں سے کسی سے روزی اور فائدہ کی توقع نہ رکھے۔

ذکر طاقیہ

شیخ بدرالدین نے بارہویں فصل میں لکھا ہے کہ حاضری نصیب ہوئی اور مجلس معلیٰ میں بغداد کے چند صوفیوں کے علاوہ شیخ برہان الدین ہانسوی اور شیخ بدرالدین غزنوی موجود تھے اور گفتگو طاقیہ کے بارے میں ہو رہی تھی۔

فرمایا کہ طاقیہ کلاہ صوفیا کو کہتے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ قاضی ابو یوسفؒ کی روایت کے مطابق ایک طاقیہ لاقیہ کے نام سے موسوم ہے اور دوسری کو طاقیہ ناشزہ کہا جاتا ہے۔ طاقیہ لاقیہ اس ٹوپی کو کہتے ہیں جو سر سے متصل ہو۔ یہ وہ کلاہ ہے جو

Marfat.com

آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اقدس پر زیب فرمائی۔ اسے اہل صفہ نے بھی پہنا ہے۔ طاقیہ ناشزہ سر پر متصل نہیں ہوتی بلکہ اونچی ہوتی ہے۔ اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ بعض مشائخ کرام نے اسے سر پر پہنا ہے۔ بعض مشائخ کے نزدیک اس کا استعمال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ ایک روز قاضی ابو یوسفؒ ساتھیوں کو حدیث کا درس لکھوا رہے تھے ان کے سر پر کلاہ صوفیا تھی مگر وہ سفید نہ تھی یعنی کلاہ ناشزہ تھی۔ ایک شخص نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہ رنگ کی کلاہ پہنی تھی یا سفید رنگ کی؟ قاضی ابو یوسفؒ نے جواب دیا کہ سفید رنگ کی۔ سائل نے پھر پوچھا کہ سرور کائنات ﷺ نے کلاہ لاقیہ کو شرف پوشیدن بخشا ہے یا کلاہ ناشزہ کو؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ کلاہ لاقیہ پہنتے رہے ہیں تو سائل نے قاضی صاحب کو کہا کہ آپ نے کلاہ ناشزہ پہن رکھی ہے۔ کیا آنحضورﷺ کی حدیث کا درس اس طرح لکھواتے ہو کہ اس ایک فعل میں خلاف سنت دو اعمال کے مرتکب ہو رہے ہیں؟

قاضی صاحب سوچ میں پڑ گئے۔ کہنے لگے کہ یہ بات تم نے اظہار حق کے لئے کہی ہے تو مجھے منظور ہے۔ اگر مجھے ایذا پہنچانے کے لئے کہی ہے تو تم پر ہلاکت آئے۔ سائل نے کہا کہ میں نے کلمہ حق کے اظہار کے طور پر آپ سے کہا ہے کیونکہ آپ دین اسلام کے امام ہیں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل نہ کرنا چاہیے۔

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ عزیز! یہ صوفیا کی ٹوپی جسے طاقیہ کہتے ہیں وہی سر پر رکھنے کا اہل ہے جو دنیا کو تج دے، سرمایہ داروں اور بادشاہوں کی مجلسوں سے کلی اجتناب کرے اور اس کلاہ مقدس کے تمام تقاضے بکمال وتمام پورے کرے۔ کلاہ صوفیا کا سر پر رکھ لینا تو آسان ہے لیکن اس کے حقوق کا ادا کرنا اور شرائط کا بجالانا اور اوامر کی اطاعت اور مناہی سے روگردانی بہت مشکل ہے۔ ان شرائط میں سے اگر ذرہ برابر پوری نہ کر سکے گا تو جھوٹا آدمی کہلائے گا اور اہل تصوف کے نزدیک صدیق کہلانے کا روادار ہرگز نہ ہوگا۔ بدنصیب ہے وہ انسان جو کلاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سر پر سجاتا ہے اور اس کے حقوق پورے نہیں کرتا اور کلاہ پہن کر امیروں اور بادشاہوں کی ہم نشینی اختیار کرتا ہے۔ پیر طریقت کو چاہیے کہ طاقیہ پوشی اس شخص کی کرے جس کا ظاہر و باطن روشن ہو۔ جب کوئی شخص کلاہ پوشی کے لئے درخواست کرے تو پہلے نور معرفت کی نظر سے مرید کے دل کے زنگ کو دنیا کی تمام آلائشات سے پاک صاف بنا دے تاکہ اس کا ظاہر و باطن پاکیزہ ہو جائے۔ پھر اسے کلاہ خلافت سے سرفراز کرے وگرنہ خود بھی گمراہ ہوگا اور جو شخص اس کے پاس حسن ارادت لے کر آئے گا، وہ بھی برباد ہوگا۔

اوصاف طاقیہ

فرمایا کہ طاقیہ کے چار خانے ہوتے ہیں۔ پہلا شریعت کا خانہ ہے، دوسرا طریقت کا، تیسرا معرفت کا، چوتھا حقیقت کا! جو شخص ان چار خانوں کے اوصاف پر استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہوتا ہے وہی اس بات کا اہل ہے کہ طاقیہ زیب سر کرے۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ وہ لوگ طاقیہ پہننے کے اہل نہیں جو پندرہ ہزار دنیاؤں اور جو کچھ ان میں ہے ان سب سے کنارہ کش نہ ہو جائیں۔ حضرت بابا گنج شکرؒ نے فرمایا کہ چار حالتوں کی نگہداشت نہ کرنے والے کلاہ درویشاں پہننے کے قابل نہ ہوں گے۔ اول اپنی نظروں کو ان تمام چیزوں سے روک لیں جن کا دیکھنا ممنوع ہے۔ دوم اپنے کانوں کو ان تمام باتوں سے بند رکھیں جن کا سننا ممنوع ہے۔ اپنی زبان کو ان تمام اقوال سے جن کا کہنا ممنوع ہے باز رکھیں اور

چہارم یہ کہ اپنے ہاتھ اور پاؤں کو ان تمام امور سے جن کا کرنا ممنوع ہے نگہداشت کر لیں۔ اپنی صورت میں جب یہ چار حالتیں میسر آ جائیں انسان کلاہ پوشی کا اہل ہو جاتا ہے۔ مزید فرمایا کہ حضرت ذوالنون مصری کے مطابق طاقیہ پہننا اس شخص کے لئے جائز ہے جو دنیا و مافیہا کو طلاق ثلاثہ دے کر فارغ ہو جائے۔

حضرت بایزید بسطامیؒ کے نزدیک سچا طاقیہ پوش وہ ہے جو اپنا سب کچھ راہ خدا میں صرف کر دے اور اپنے پاس ایک تنکا تک نہ رہنے دے۔ ایک بار حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے رباعی پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ طاقیہ پوشی میں فقر و زہد کا اختیار کرنا سب شوق و محبت کا ہی سبب ہے۔ محبوب کے اسرار جمال کی جلوہ ریزیاں ذوق دیدار ہی کا نتیجہ ہیں۔ جب تو نے اس کلاہ کو سر پر سجا لیا تو اس کے عشق میں جلتا رہ کہ یہی محبت ہے۔

ذکر درویشی

سید کائنات ﷺ کی شان فقر

شیخ بدرالدین اسحاق فرماتے ہیں کہ دولت پابوسی حاصل ہوئی۔ شیخ بدرالدین غزنوی، شیخ جمال الدین ہانسوی، شیخ جمال الدین غریب، شیخ علاء الدین درویش اور دیگر مریدین شریک مجلس تھے۔ درویشی کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ اصل درویشی تو وہ تھی جو سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی۔ وہ مالک و مختار کائنات تھے لیکن آپ نے یہی فرمایا کہ فقیری میں مجھے فخر ہے۔ گلیم درویشی زیب تن کی اور فقر و فاقہ کی زندگی کو ترجیح دی۔ آپ نے گلیم درویشی کو اختیار فرمایا تو حجاب عظمت سے لے کر اول آسمان تک تمام ملکوت کو حکم ہوا کہ تم سب گلیم درویشی زیب تن کرو۔ جب سب نے اسے پہن لیا تو بیک بار سر بسجود ہو کر عرض کیا کہ بار خدایا وہ کون عظیم ہستی ہے جس کے اتباع میں ہمیں گلیم پوشی کا فرمان دیا گیا۔ حکم ہوا کہ وہ ہمارے حبیب اور سید الرسل محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا ہیں۔ آج انہوں نے گلیم پہنی اور درویشی کو قبول کیا۔ ہم نے ملکوت اعلیٰ کی ساری دنیا کو ان کی تقلید و اتباع کا حکم دے دیا۔ حضرت بابا فریدؒ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درویشی قبول نہ فرماتے اور ان کی درویشی کی برکت اس کائنات کو محیط نہ ہوتی تو یہ کائنات اب تک تباہ و برباد ہو چکی ہوتی۔

درویش کا مقام

فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کے وقت پروردگار سے سوال کیا "الٰہی! اس دنیا و مافیہا کا قیام اثبات کس چیز میں ہے۔ فرمان ہوا درویشوں کے قدوم سعادت لزوم سے۔ اے عیسیٰ! اگر اس دنیا میں درویش موجود نہ ہوتے یا فرش زمین ان حضرات کو قبول کرنے میں تامل کرتا تو میں اغنیا کو زمین میں دھنسا کر تباہ و برباد کر دیتا۔

پھر فرمایا کہ دنیا میں کسی انسان کی ہم نشینی باعث سعادت و فلاح دارین ہے تو انہی بوریہ نشین حضرات ہی کی ہے۔

جس روز حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی کی خانقاہ معلیٰ میں کوئی درویش وارد نہ ہوتا تو فرماتے کہ آج ہمیں نعمت عظمیٰ سے محروم رکھا گیا کیونکہ کوئی درویش آج ہمارے ہاں مہمان نہیں ہوا۔ مزید فرمایا کہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک صابر درویش کی دو رکعت نماز کا درجہ شاکر مالدار کی ستر رکعتوں سے بڑھ کر ہے اور شاکر مالدار بھی وہ جو اپنا سب

کچھ راہ خدا میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرتا ہو۔ حضرت سلیمانؑ کا معمول یہ تھا کہ جب افطار کا وقت ہوتا تو مسجدوں میں چکر لگاتے جہاں کوئی بھوکا آدمی بیٹھا ہوتا اس کے ساتھ روزہ افطار کرتے اور واپس آ جاتے۔ قیامت والے دن امیر لوگوں سے ان کے مال ومتاع کا حساب لیا جائے گا تو درویشوں سے معذرت کی جائے گی۔ نعمت درویشی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں مگر اس کا حصول بہت مشکل ہے۔

درویش کی معراج

فرمایا کہ فاقہ کی رات درویش کی معراج ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کی نظر سے پنہاں ہو جاتا ہے۔ اگر شہروں اور قصبوں میں درویشوں کی بہتات نہ ہوتی تو یہ شہر ومقامات اب تک کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہوتے۔ دنیا کی آبادی ان مقدس لوگوں کے مبارک قدموں کی بدولت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اگر درویشوں کی دعائیں راستے میں حائل نہ ہوتیں تو ہم اہل دنیا اور گنہگاروں کے جرائم کے سبب اس دنیا کو اب تک تہ وبالا کر چکے ہوتے۔

درویشوں سے فساد کی سزا

کوئی درویش کسی شہر سے دلگیر و مغموم ہو کر نہیں جانا چاہیے ورنہ اس شہر کی تباہی لازمی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کسی آبادی کو قحط ووبا میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو وہاں سے مشائخ اور علماء کو واپس بلا لیتا ہے۔ جس شہر میں مشائخ و علماء میں سے کوئی انتقال کرتا ہے تو فرشتے اس کی موت پر روتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جس مقام پر درویش کا بسیرا نہیں وہ مقام خیر وعافیت کا مسکن نہیں۔

ترکِ دُنیا سب سے بڑی عبادت ہے

فرمایا کہ ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک درویش کے پاس سے گزرے۔ وہ سو رہے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ نے انہیں اٹھایا اور فرمایا کہ اٹھو اور خدا کی عبادت کرو۔ اس درویش نے جواب دیا کہ میں نے خدا کی وہ عبادت کی ہے جو تمام عبادتوں سے اچھی ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے پوچھا کہ کون سی عبادت ہے؟ کہنے لگا کہ میں نے دنیا اور دنیا والوں کو چھوڑ دیا۔

جس شخص کے پاس دنیا چھوڑتے وقت کوئی مال و دولت نہ ہو اس کے بارے میں حدیث میں ارشاد ہے کہ وہ جنت میں جائے گا' نار دوزخ سے آزاد ہو گیا۔ ایک بار حضرت جبرائیل نے آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا بھر کے خزانوں کی چابیاں پیش کیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے اختیار و رضا سے درویشی قبول کی اس نے دنیا کو کیا کرنا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ سخاوت کا بیج زمین میں بویئے یعنی صدقہ وخیرات کیجئے کیونکہ جو تم بوؤ گے وہی قیامت کو کاٹو گے۔

احوالِ درویشاں

حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ عزیزو! درویشی تو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے کی۔ حال یہ تھا کہ صبح سے شام تک خانقاہ معلّی میں ہر آنے جانے والے کو جب تک کچھ کھلا پلا نہ لیتے' جانے کی اجازت نہ دیتے۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ چھ روز تک کھانے سے محروم رہے' پورے گھر میں فاقہ کی نوبت تھی۔ چھ روز کے بعد تھوڑا سا کھانا فراہم ہوا۔ کھانا چاہتے تھے کہ دروازے پر سائل نے آواز دی کہ سات دنوں سے کچھ نہیں کھایا۔ امیر المومنین نے فوراً کھانا صاحبزادوں

Marfat.com

کے سامنے سے اٹھایا اور سائل کو دے دیا۔ فرمایا کہ تم سات دن سے بھوکے ہو اس لئے زیادہ مستحق ہو۔ حضرت بابا فریدؒ نے فرمایا کہ درویشی اسی کا نام ہے۔ درویش مراقبہ میں سر جھکاتا ہے تو اٹھارہ ہزار عالم اس کے سامنے ہوتے ہیں اور جب قدم رکھتا ہے تو عرش پر تحت الثریٰ تک گزر جاتا ہے۔ یہ درویشی کی منزل اول ہے:

چو درویش در عشق گرد و فرود

بیک دم سراز عرش بالاکند

ترجمہ: درویش عشق کے دریا میں غوطہ لگاتا ہے تو عرش سے اوپر جا کر سر نکالتا ہے۔

ذکرمحبت وعداوت دُنیا

شیخ صاحب چودھویں فصل میں لکھتے ہیں کہ انہیں مجلس میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہاں مولانا بہاء الدین بخاری' مولانا شہاب الدین غزنوی' شیخ برہان الدین ہانسوی اور چند دیگر صوفیا موجود تھے۔ بات محبت اور عداوت کے ضمن میں ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ مخلوق تین قسم کی ہے۔ اول وہ لوگ جو دنیا سے محبت رکھتے ہیں اور ہمہ تن اسی کی یاد میں مستغرق اور اس کے حصول میں مصروف و مشغول ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو دنیا کو دشمن سمجھتے ہیں۔ اس کا ذکر محبت سے نہیں کرتے بلکہ یکسر عداوت کا سلوک کرتے ہیں' تیسری قسم ایسے لوگوں کی ہے کہ وہ دنیا کو نہ دوست رکھتے ہیں نہ عداوت کرتے ہیں۔ اس کا ذکر نہ محبت سے کرتے ہیں نہ عداوت سے' یہ تیسری قسم پہلی دو قسموں سے بہتر ہے۔

محبوب کاذکر

فرمایا کہ حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس ایک شخص نے دنیا کی بہت برائی کی۔ انہوں نے اس شخص سے کہا کہ چلے جائیں آپ نے دنیا کا بہت ذکر کیا ہے۔ آپ دنیا سے محبت کرنے والے معلوم ہوتے ہیں۔ مزید فرمایا کہ کہرام کے علاقہ بدنی میں ایک درویش دنیاداری کی بات کرنے والے کو دنیا کے نقصانات بتا کر اس سے دور رکھنے کی تلقین کرے۔ درویش نے کہا کہ یہ کہنے کی بات نہیں۔ کہنا آسان ہے کرنا مشکل ہے۔ زبان قال سے وعظ و نصیحت کام نہیں کرتی۔

دُنیا' خدااور بندے کے درمیان حجاب

فرمایا کہ حضرت ابراہیم ادھم سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ مقام و مرتبہ کہاں سے حاصل کیا۔ اس نے فرمایا کہ میں نے دنیا کو طلاق ثلاثہ دی۔ انسان جتنا دنیا سے محبت کرتا ہے فکر آخرت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ پس بندہ مولا کے درمیان یہی دنیا پردہ بنتی ہے۔

آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا کا طالب ہمارے لئے نہیں ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ جس چیز کو اللہ کریم نے دشمن جانا آپ کی بھی اس سے دشمنی ضروری ہے۔ اس کے قریب نہ پھٹکیں۔ جو شخص اطاعت خداوندی اختیار کرتا ہے دنیا اس کی خدمت گزار بن جاتی ہے اور جو شخص دنیا کی خدمت میں مگن ہو جاتا ہے وہ مصیبتوں اور تکلیفوں میں گرفتار رہتا ہے۔ جتنا کوئی خداوند کریم سے غافل ہوتا ہے اتنا ہی وہ دنیا میں مشغول رہتا ہے۔ ایک بار میں نے غزنی شہر میں ایک بزرگ کو مسلسل گریہ وزاری کرتے دیکھا۔ میرے سوال پر بتایا کہ تیس سال پہلے ایک درویش میرے پاس آیا تھا۔

Marfat.com

اس نے دنیا کی باتیں شروع کیں۔غیب سے آواز آئی۔اے فقیر! یا تو دنیا کی بات چلے گی یا ہماری۔اس دن سے شرمندگی کے باعث رو رہا ہوں کہ قیامت کے روز اس کریم کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

موت کا ذکر کثرت سے کرو

اہل سلوک کے ہاں معروف ہے کہ لذات ختم کرنے والی موت کا ذکر کثرت سے کرو۔جو موت کو کثرت سے یاد کرتا ہے ہمیشہ خدائے کریم کی رضا میں رہتا ہے۔جتنا کوئی شخص موت سے غافل ہوتا ہے دنیا کی دوستی اور اس کا ذکر اس کے دل میں مستحکم ہوتا ہے‘ اطاعت خدائے کریم سے اتنی ہی گراں گزرتی ہے اور نافرمانی اتنی ہی آسان ہو جاتی ہے۔حضرت خواجہ مودود چشتیؒ نے فرمایا کہ تمام برائیوں کو ایک خانہ میں جمع کر دیا جائے تو وہ خانہ دنیا ہے۔قدرت نے دنیا کی چادر جس پر بچھا دی دنیا کی محبت اس کے دل میں راسخ کر دی اور اپنے آپ سے دور کر دیا۔دنیا کو ہر روز پانچ بار ندا ہوتی ہے۔اے دنیا! ہمارے دوستوں کے لئے تلخ ہو جا تا کہ وہ تیری طرف اچھی نگاہ نہ ڈال سکیں اور اپنے چاہنے والوں کے لئے میٹھی ہو جا تا کہ فتنہ و بلا میں گرفتار ہو جائیں۔

مریدوں کا حسنِ عقیدہ

شیخ بدرالدین اسحاق اپنی تالیف ''اسرار الاولیاء'' کے پندرہویں باب میں رقم طراز ہیں کہ جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو (بابا فریدؒ کی مجلس میں) شیخ جمال الدین ہانسوی‘ مولانا نظام الدین بدایونی‘ شمس دبیر‘ مولانا شمس الدین بخاری‘ شیخ بدرالدین غزنوی‘ شیخ نجم الدین سنامی اور چند دیگر حضرات اہل چشت تشریف فرما تھے۔بات مریدوں کے عقیدے کے بارے میں ہو رہی تھی۔فرمایا کہ ایک بار حضرت عمر بن خطابؓ اور حضرت عبداللہؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ آنحضور نبی کریم ﷺ نے آواز دی۔انہوں نے حالت نماز میں جواب نہ دیا۔نماز کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے اور عرض کیا کہ ہم حالت نماز میں تھے اس لئے جواب عرض نہ کر سکے۔آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ کی آواز پر نماز و نفل میں بھی تم اگر ہو تو اسے چھوڑ کر جواب دو۔یہ جواب تمہاری نماز سے افضل ہے۔حضرت بابا فریدؒ نے مزید کہا کہ پیر کامل کے اندر اتنی استعداد ہونی چاہیے کہ کوئی شخص ارادت کی غرض سے آئے تو پیر اس کے حسن عقیدہ کو دیکھ لے۔اگر معلوم ہو کہ وہ تمام امور میں فرمان باری پر پختگی نہیں رکھتا تو اسے نرمی سے کہے کہ ابھی آپ کا وقت نہیں آیا آپ ٹھہر جائیں۔فرمایا کہ مرید جب پیر کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو زمین خدمت کو چومتے ہیں۔اس صورت میں یہ آسان ہوتا ہے کیونکہ مرید کی ارادت و بیعت سے مراد مرشد سے عشق و محبت ہی تو ہوتا ہے اور عشق و محبت میں سر محبوب کے قدموں میں رکھا جاتا ہے۔پھر فرمایا کہ جب تک شیخ میں قوت ذات نہ ہو اس کو شیخ نہیں کہنا چاہیے۔

وفاداری بشرط استواری

فرمایا کہ جب حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو کئی ہزار مسلمان زکوٰۃ کے مسئلہ پر اسلام سے پھر گئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ ہم میں سے زکوٰۃ کا حکم واپس لے لیا جائے تو اسلام پر قائم رہیں گے ورنہ نہیں۔ساتھیوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مشورہ دیا کہ ان لوگوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے زکوٰۃ کا حکم واپس لے لیا

جائے تا کہ وہ اسلام سے برگشتہ نہ ہوں۔اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تلوار کھینچ لی اور کہا کہ جو کچھ خداوند تعالیٰ کا حق ہے اس سے اگر اونٹ کی رسی کے برابر بھی کم دیں گے تو میں اس تلوار سے ان سے لڑوں گا۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک یہ خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ٹھیک حکم دیا۔اگر وہ زکوٰۃ کا حکم واپس لینے پر راضی ہو جاتے تو شریعت حقہ کے تمام احکام کی قدر و منزلت ختم ہو جاتی۔

سلطان الاولیاء پیرومرشد کی نظر میں

ایک روز حضرت نظام الدینؒ بدایونی کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میرے پاس بے شمار درویش آئے بہت کم اس قاعدہ و قرار پر استقامت پذیر ہوئے مگر مولانا نظام الدین وہ مرید ہیں جو بیعت کے وقت سے اسی مزاج واردات کے ساتھ اپنے اصول سے روگردانی نہیں کر پائے۔وہ جب تک زندہ ہیں میری محبت میں ایک ذرہ بھی کم نہیں ہونے دیں گے بلکہ ہر روز اس میں اضافہ کریں گے۔یہ سن کر حضرت نظام الدین قدموں پر گر پڑے۔حضرت نے اسی وقت انہیں خرقہ خاص اور گلیم سیاہ عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے مریدوں میں مولانا نظام الدین کی شخصیت عالمگیر ہے۔ان کے مریدوں کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہ ہوگا۔

بزرگوں کے ہاتھ چومنا

مولانا بدرالدینؒ "اسرار اولیاء" کے سولھویں باب میں بیان کرتے ہیں کہ اس روز جب انہیں (بابا فریدؒ) کی پابوسی کی دولت میسر آئی تو اس مجلس اقدس میں مولانا نظام الدین بدایونی، مولانا یحییٰ غریب، شیخ برہان الدین ہانسوی، شیخ بدر الدین غزنوی اور دیگر حضرات اہل سلوک حاضر خدمت تھے۔حضرت اقدس نے ارشاد فرمایا کہ اے درویش! ایک دوسرے کے ہاتھ چومنا آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور انبیائے کرام کی سنت ہے۔آنحضور رسالت مآب کا معمول تھا کہ سلام کہنے اور مصافحہ کرنے میں سبقت فرماتے تھے۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ میں نے کتنی ہی مرتبہ کوشش کی کہ سلام و مصافحہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہل کروں مگر یہ سعادت نصیب نہ ہوئی۔

شیخ خواجہ بختیار اوشی بھی گلی محلہ میں سب لوگوں کے ہاتھ چومتے اور سلام کہتے اور ان سے دعائے خیر طلب فرماتے۔لوگ نماز سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کے ہاتھ چومتے ہیں اور ہلاتے ہیں تو گویا اپنے گناہ جھاڑتے ہیں جیسا کہ خزاں کے موسم میں درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے سلطان سنجر کو اس لئے معاف کر دیا کہ اس نے ایک بار جامع دمشق میں حاجی خواجہ شریف کے ہاتھ چومے تھے۔بزرگوں کے ہاتھ چومنے والے کتنے ہی لوگ قیامت والے دن بخشے جائیں گے۔

حضرت بابا فریدؒ جمعہ کی نماز کے بعد مسجد سے باہر آتے تو بے شمار عقیدت مند ان کے ہاتھ چومتے۔ایک بار فرمایا کہ میں نے اولیائے کرام کے آثار میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک بزرگ نے قسم اٹھائی کہ جو شخص دنیا میں کسی بزرگ یا شیخ کا ہاتھ چومنے کی سعادت حاصل کر لے وہ دنیا سے بخشا ہوا جائے گا کیونکہ مشائخ کا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہوتا ہے۔جو مشائخ کا ہاتھ پکڑتا ہے اس طرح سے ہے جیسے اس نے سرکار رسالت مآب ﷺ کے دستِ مبارک تک رسائی حاصل کر

لی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا معمول تھا کہ ان کی مجلس میں کوئی حاضر ہوتا تو اٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے اور جب وہ اٹھ کر جاتا تو پھر اسی طرح یہی سلوک کرتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام تخت شاہی پر بیٹھ کر فریاد خواہوں کی دادرسی کرتے تو اس وقت بنی اسرائیل کے معززین میں سے کوئی ملاقات کو حاضر ہوتا تو اپنی مسند سے اٹھ کر کھڑے ہو جاتے اور اس کا ہاتھ چومتے اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر دعا کرتے کہ اے اللہ! بنی اسرائیل کے اس بزرگ کے دست مبارک کی برکت سے میری عصمت کی حفاظت فرما۔ انبیائے کرام معصوم ہیں مگر دعائے خیر کی برکت کے طالب ضرور ہوتے ہیں۔ جس روز حضرت یعقوبؑ کی ملاقات اپنے فرزند حضرت یوسفؑ سے ہوئی تو آپ راستے میں کھڑے ہو گئے اور آنے جانے والوں کے ہاتھ چومتے اور فرماتے کہ یہ بزرگوں کی دست بوسی کی سعادت ہے کہ خدائے کریم نے مجھے دوبارہ یوسف سے ملا دیا۔ فرمایا کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول شریف بھی تھا کہ راستہ چلتے کسی عمر رسیدہ انسان سے ان کے سفید بالوں کا لحاظ کرتے ہوئے آگے نہ بڑھتے اور وہ دست بوسی کے شرف کے لئے پیش قدمی کرتا تو آپ اس سے فوراً مصافحہ فرماتے۔ حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ جب صوفیا ایک دوسرے کے ہاتھ چومتے ہیں تو اللہ کریم کی ہزار نعمتیں نزول فرماتی ہیں۔ جب وہ اس کار خیر سے فارغ ہوتے ہیں تو یہ رحمتیں ان پر نثار کر دی جاتی ہیں۔

اہل حاجت کی بات سننا

فرمایا کہ اہل سلوک کی کتابوں میں درج ہے کہ درویش اپنے جماعت خانوں میں بیٹھے رہیں کہ کوئی شخص آئے تو اس کی دست بوسی کی سعادت حاصل کریں خواہ وہ تلاوت قرآن مجید میں ہی مشغول کیوں نہ ہوں۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی مصلیٰ پر مصروف تلاوت ہوتے تھے۔ جب کوئی شخص آتا تو ترک تلاوت فرماتے، اس کا ہاتھ چومتے اور اس سے محو کلام ہوتے۔ اس کی ضرورت پوری کرتے اور پھر تلاوت قرآن پاک میں مصروف ہو جاتے۔ ہمارے سجادہ نشین اور مشائخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ آنے والے لوگوں کے لئے ترک شغل کریں اور احوال پرسی کریں کیونکہ اہل سلوک کے ہاں ضرورت مندوں کی بات سننا اور ان کی ضرورت پوری کرنا اور ادوظائف سے زیادہ فضیلت کی حامل بات ہے۔ حضرت ابوسعیدؓ ایک بار کسی حاجت سے کسی کے پاس گئے۔ وہ بزرگ وظائف میں مصروف رہے۔ حضرت ابوسعیدؓ واپس آ گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو فرمایا کہ اس کے لئے ضروری امر تھا کہ ترک اوراد کر کے تمہاری بات سنتا اور تمہاری ضرورت پوری کرنے کے بعد اوراد شروع کرتا۔ خواجہ شبلیؒ تلاوت قرآن حکیم چھوڑ کر ضرورت مند کی بات سنتے، جب تک وہ بیٹھا رہتا اس سے مصروف گفتگو رہتے۔ اس کے جانے کے بعد پھر اپنے شغل میں لگ جاتے۔ بقول حضرت خواجہ شمعون معبؒ انسان کیسے ولی بن سکتا ہے کہ عرش الٰہی (بندہ مومن کا دل) چل کر اس کے دروازے پر آئے اور حاجت لائے اور انسان اپنے مقدور کے مطابق اسے پورا نہ کر سکے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن کا دل اللہ کا عرش ہے۔

خالق اور مخلوق کی نظر میں عزیز

فرمایا کہ ایک بار سلطان ناصر الدین اجودھن میں آئے تو مجھ سے ملنے کے لئے آ گئے اور حق خدمت بجا لائے۔ پھر واپس گئے۔ میں لوگوں کے ہجوم سے عاجز آ گیا اور تنہائی اختیار کرنا چاہی مگر پھر سوچا کہ میرے مشائخ کا تو یہ اصول نہیں

رہا۔ میں ایک بالا خانہ پر بیٹھ کر دونوں ہاتھ نیچے کر دیتا' لوگ آتے اور مصافحہ کر کے چلے جاتے۔ انبوہ خلائق کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک دن میں دس دس قمیصیں جو میں پہنے ہوتا' پارہ پارہ کر کے اپنے ساتھ لے جاتے۔ جمعہ کے روز مسجد میں خلقت کا ہجوم ہو جاتا۔ میں سخت عاجز آ گیا اور پریشان ہوا۔ ایک فراش نے میرے پاؤں کو کھینچا۔ مجھے یہ بات اچھی نہ لگی۔ اس نے فوراً کہا کہ شیخ خدا کا شکر کرو اس سے بہتر اور کیا ہو گا کہ تیرے اپنے جیسے لاکھوں تیری دست بوسی کے آرزومند ہیں۔ مجھے اس فراش کی یہ بات بہت پسند آئی کہ اس نے خوب کہا جو شخص بارگاہ الٰہی میں عزیز ہوتا ہے اس کی مخلوق میں بھی عزت ہوتی ہے۔

خرقۂ عزت

فرمایا کہ میں اپنے شیخ کی بارگاہ میں ہفتہ دو ہفتہ کے بعد حاضر ہوتا تھا۔ جب حضرت کے وصال کا وقت آیا تو ایک بزرگ کو سجادہ نشینی کی آرزو تھی مگر حضرت قطب الاقطاب قدس سرہ العزیز نے فرمایا کہ میرا عصا' لکڑی کی کھڑاؤں اور جامہ مبارک شیخ فرید کے سپرد کر دیا جائے۔ دن ہوا تو میں ہانسی سے دلی کی جانب روانہ ہوا۔ چوتھے روز دلی پہنچا۔ قاضی حمید الدین ناگوری وہ جامہ مبارک' کھڑاویں اور عصا میرے پاس لے آئے۔ میں نے دوگانہ ادا کیا اور جامہ مبارک زیب تن کیا۔ حضرت کی خانقاہ میں تین روز قیام کے بعد ہانسی روانہ ہو گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ہانسی میں میرا ایک ساتھی سرہنگا نام کا تھا۔ وہ ہانسی سے مجھے ملنے آیا تو تین روز تک خانقاہ کے دربان نے اسے اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ ایک روز میں گھر سے نکلا تو وہ سرہنگا آیا اور میرے قدموں سے لپٹ کر رونے لگا۔ میں نے اسی وقت ساتھیوں سے کہا کہ ہانسی جائیں گے۔ حاضرین نے تقاضا کیا کہ حضرت قطب الاقطاب نے آپ کو یہیں رہنے کی وصیت فرمائی ہے۔ میں نے کہا کہ میرے حضور خواجہ نے مجھے جس نعمت عظمیٰ سے سرفراز کیا ہے اس کا فیضان شہر و بیابان میں یکساں ہے۔ مقصود اس بات کا یہ ہے کہ ہر حالت میں بزرگوں کی دست بوسی کا شرف حاصل کرنا چاہیے کہ ان میں کوئی ایسا مغفور انسان ہو جس کے مصافحہ سے آپ کی بھی مغفرت ہو جائے۔

ذکر حق

مولانا بدر الدین اسحاق کتاب ''اسرار الاولیاء'' کے سترہویں باب میں فرماتے ہیں کہ جس مجلس کا وہ ذکر بیان کرنے لگے ہیں اس میں مولانا بدر الدین غزنوی' مولانا نظام الدین بدایونی' مولانا یحییٰ' شیخ جمال الدین ہانسوی اور دیگر صوفیا حاضر تھے اور ذکر حق کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے شیخ نے فرمایا کہ مذہب تصوف میں معروف ہے کہ جو شخص یاد حق سے غافل ہے ہم میں سے نہیں۔ جس گھڑی انسان یاد حق سے غافل ہوتا ہے اس سے بے شمار سعادتیں واپس لے لی جاتی ہیں۔ جو صوفیا یاد حق میں مستغرق رہتے ہیں ان کے جسم سے ہزار تلواریں بھی پار ہو جائیں تو انہیں کوئی خبر نہ ہو گی۔ بد بخت ہے وہ شخص جسے یاد حق کے دوران مخلوق کی یاد آ جائے اور فکر ذات سے روک دے۔ صاحب حال یاد حق میں مشغول ہوتا ہے تو دونوں عالم اس کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔ اس وقت جس کے نصیب میں نعمت ہوتی ہے اس کو نعمت عطا کرتے ہیں۔ جس کے بلا مقدر ہے وہ بلا سے دوچار ہوتا ہے۔ عقلمند وہ ہے جو درویش کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے اور مقابلہ و مزاحمت کی

راہ اختیار نہ کرے۔ اہل تصوف صرف اس ولی کو زندہ سمجھتے ہیں جو ہر وقت یادِ حق میں مستغرق رہے۔ جن لوگوں کے دل یادِ حق سے غافل ہیں وہ زندہ نہیں مردہ ہیں۔ ابن ملجم بدبخت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس وقت کٹارا مارا جب وہ نماز کی حالت میں تھے اور خود سے بے بالکل بے خبر تھے۔

خدمت علماء و مشائخ

مولانا اسحٰقؒ اپنی تالیف کے اٹھارہویں باب میں لکھتے ہیں کہ ان کے علاوہ شیخ بدرالدین غزنوی، مولانا نظام الدین بدایونی، شیخ جمال ہانسوی اور دیگر احباب حاضر خدمت تھے اور علماء و مشائخ کی تعظیم کے موضوع پر گفتگو کرتے آپ نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جس کو علم اور علماء سے محبت ہو اس کے گناہ نہ لکھے جائیں گے۔ محبت کی سچائی ان کی پیروی ہے۔ علماء و مشائخ سے محبت اللہ اور اس کے محبوب ﷺ سے محبت ہوتی ہے۔ جو شخص سات روز علماء و مشائخ کی خدمت میں بسر کرتا ہے سات ہزار سال کی محبت اس کے نامہ اعمال میں لکھ دی جاتی ہے۔ ابلیس لعین ہر ایک کو فریب دے سکتا ہے مگر علماء و مشائخ کے نیازمند اس کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ علماء و مشائخ کی محبت کا ایک ذرہ گناہوں کے بڑے کھلیانوں کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ علماء انبیائے کرام کے وارث ہیں۔ ان کی برکت اس دنیا میں نہ ہوتی تو ہزاروں مصیبتیں انسانوں کی نافرمانیوں اور بدبختیوں کے باعث آسمان سے نازل ہوتیں۔ سید الانبیاء ﷺ اپنی جماعت میں سے ان دو جماعتوں پر فخر فرمایا کرتے اول علماء دوم مشائخ کیونکہ یہ حضرات دین کے ستون ہیں۔ جس نے ان کے دامن کو پکڑ لیا قیامت کے دن تمام عذابوں سے نجات پا لیا۔ فقیہان عالم ایسے عابد سے بہتر ہیں جو تمام رات نماز پڑھے اور تمام دن روزے رکھے۔ عالم کی ایک دن کی عبادت عابد کی چالیس سالہ عبادت کے برابر ہے جو کہ عالم نہ ہو۔ جس وقت دنیا سے کوئی عالم اور شیخ انتقال فرماتا ہے تو دنیا کی ہر چیز اس پر روتی ہے کیونکہ اہل عالم کی زندگی کا مدار علماء و مشائخ کی حیات مبارکہ ہی سے ہے۔

بارش کا نزول

مولانا بدرالدین اسحاقؒ انیسویں فصل میں بیان کرتے ہیں کہ مولانا بدرالدین غزنوی، مولانا نظام الدین بدایونی، شیخ جمال الدین ہانسوی اور دیگر احباب موجود تھے اور حضرت نے فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا میں جب کبھی بارش کی کمی ہوئی لوگوں کی شامت اعمال سے ہوئی۔ اس لئے بارش کی کمی کے زمانہ میں دعا و صدقہ و عبادت میں مشغول ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان اعمال حسنہ کی برکت سے بارش برسا دیتا ہے۔ حضرت بابا فرید الدینؒ نے اس موقع پر مختلف اولیائے کرام اور مشائخ کے واقعات سنائے جن کی دعا سے مختلف مقامات پر بارش کا نزول ہوا۔ ان بزرگان کرام میں حضرت خواجہ حسن بصریؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ حضرت خواجہ ذوالنون مصریؒ اور حضرت شیخ نظام الدین ابو المویدؒ شامل تھے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ جس شہر میں بارش کی کمی ہو وہاں رات کو سورۃ دخان کا ورد کثرت سے کیا جائے۔

کشف وکرامات کا ذکر

''اسرار الاولیاء'' کے بیسویں باب میں حضرت مولانا بدر الدین اسحاق لکھتے ہیں کہ انہیں (بابا صاحب کی) قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی جبکہ مولانا شہاب الدین بخاری اور دیگر احباب بھی موجود تھے۔ شیخ الاسلام کشف و کرامات کے متعلق گفتگو فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء کے معجزوں کی طرح اولیا کی کرامت حق ہے لیکن خدا تعالیٰ نے اولیاء کو کرامت مخفی رکھنے کی ہدایت کی ہے جب کہ انبیاء پر معجزوں کا اظہار فرض کیا ہے۔ اگر کوئی شخص کرامت کا اظہار کرے تو اس نے فرض کو ترک کیا۔ ہمارے خواجگان سلسلہ عالیہ چشتیہ نے سلوک کے پندرہ درجے مقرر فرمائے ہیں۔ ان میں سے پانچ درجے کشف و کرامت کے ہیں اس لئے مسالک کو ان پانچ درجوں میں مقید ہو کر نہ رہنا چاہیے بلکہ تمام پندرہ درجوں کی سیر کرنی چاہیے۔ جب تمام مقامات کا حصول ہو جائے تو بے شک اظہار کرے۔

خدا کے بندے

حضرت شیخ الاسلامؒ نے ایک مجلس میں متعدد چشم دید واقعات سنائے جن میں مردان حق کے ہاتھوں مختلف کرامات کا ذکر تھا۔ ان کرامات کی بدولت بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور بہت سے لوگ راہ راست پر آ گئے۔

پیر کی تعظیم

مولانا بدر الدین اسحاقؒ نے ''اسرار الاولیاء'' کے اکیسویں باب میں لکھا ہے کہ انہیں (ایک بار) حضور اقدس (بابا فریدؒ کی مجلس) میں حاضری کا موقع ملا جہاں مولانا یحییٰ غریب، مولانا نظام الدین بدایونی، شیخ جمال الدین ہانسوی، شیخ برہان الدین ہانسوی اور چند دیگر احباب موجود تھے اور موضوع سخن پیر کی تعظیم تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مرید کے لئے ضروری ہے کہ پیر جو حکم دے دل و جان سے بجالائے۔ ایک بار خواجہ قطب الاقطاب نے اپنے پیر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی کرامت بیان کی کہ ایک لق و دق صحرا میں تین روز دن رات سفر کے بعد ایک پہاڑ کے نزدیک پہنچے اور اپنے مصلے کے نیچے سے دو گرم روٹیاں نکال کر اپنے مرید کو دیں جو مرید خاص نے پہاڑ کے اوپر جا کر محو عبادت ایک بزرگ کو دے دیں۔

حضرت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ پیر کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مانند ہے۔ جو شخص پیر کا حکم بجالاتا ہے وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بجالایا۔

روزے کے بارے میں ارشاد

فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ روزہ دار کے لئے دو فرحتیں ہیں۔ ایک افطاری کے وقت اور دوسری دیدار باری کے وقت۔ الحمد للہ میں نے یہ عبادت پوری کی اور اب اس کی نعمت کا امیدوار ہوں۔ فرمایا کہ ہر عبادت کی جزا مقرر ہے۔ روزہ کی جزا دیدار خدا ہے۔ بے شک روزہ دار خوش ہوتا ہے کہ اس نعمت کا حقدار ہو گیا۔

رنج ومحنت ومشقت

کتاب ''اسرار الاولیاء'' کے آخری باب میں مولانا بدر الدین اسحاقؒ رقم طراز ہیں کہ جب وہ مجلس شیخ قدس اللہ سرہ

Marfat.com

العزیز میں حاضر ہوئے تو مولانا بہاء الدین غریب' مولانا نظام الدین بدایونی' شیخ جمال الدین ہانسوی اور سلسلہ چشت کے چھ دیگر صوفی بھی موجود تھے۔ موضوع ارشاد رنج و محنت تھا۔ فرمایا کہ انسان پر جو دکھ اور تکلیف نازل ہوتی ہے اس کے نزول کا سبب جاننا چاہیے۔ خیریت اس میں ہے کہ وہ اس مصیبت پر خبردار ہو جائے اور عبرت حاصل کرے۔ اصحاب خیر کے لئے تو یہ تنبیہہ کافی ہے۔ البتہ اہل شہرؒ کے لئے انداز جداگانہ ہے۔ وہ لوگ جو ہمیشہ برسر باطل ہوں ان پر کوئی مصیبت نازل نہیں کی جاتی۔ یہ امر ان کی ابدی ذلت و رسوائی کا سبب بنتا ہے کیونکہ قدرت ان کی رسی دراز کر دیتی ہے اور انہیں مہلت دے دیتی ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاؤں میں اگر کانٹا بھی چبھتا ہے تو میں جانتی ہوں کہ یہ تکلیف کس وجہ سے ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ انسان پر کوئی دکھ یا مصیبت آئے تو اسے اس پر صبر کرنا چاہیے۔ اس کے گناہوں کے انبار بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ختم کر دے گا۔ دکھ اور تکلیف بھی اچھی چیزیں ہیں۔ انسانوں کو نافرمانیوں سے پاک اور صاف کرتی ہیں کیونکہ مصیبت ہی گناہوں کو پاک کرنے والی ہے۔ ایک بار میں حضرت خواجہ خواجگان غریب نواز اجمیریؒ کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ ان کے کسی عضو مبارک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ میں نے مناجات کے دوران ان کی زبان سے کبھی نہ سنا کہ اللہ مجھے صحت دے دے بلکہ فرماتے کہ الٰہی جتنی مصیبتیں اور تکلیفیں ہیں معین الدین کی جان پر مقدر فرما دے۔ وہ اس کے بارے میں پوچھنے پر فرمانے لگے کہ کوئی اس قسم کی دعا کرتا ہے تو یہ اس کے ایمان کے درست ہونے کی علامت ہے۔ وہ گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے اس موضوع کے سلسلے میں انبیاء اور بزرگان کرام کے واقعات اور اقوال سنائے۔ ان میں حضرت ایوبؑ' رابعہ بصریؒ' حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ' حضرت شیخ بختیار اوشیؒ اور دوسرے مشائخ و اولیاء کے نام شامل ہیں۔ فرمایا کہ ایک بار سلطان شمس الدین التمش کو کوئی عارضہ ہوا۔ اس نے حضرت بختیار اوشیؒ کے پاس وزیر بھیجا کہ بادشاہ کی صحت کے لئے دعا فرمائیں۔ حضرت قطب الدین بختیار اوشیؒ نے حاضرین سے کہا کہ بادشاہ وقت کی صحت کے لئے اخلاص سے دعا کی جائے۔ جب حضورؒ دعا مانگ چکے تو فرمایا کہ جاؤ بادشاہ تندرست ہو گئے لیکن ایک بات یاد رکھو کہ بیماری ایمان کی صحت کی نشانی ہوتی ہے۔ وہ شخص گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

ازاں بعد ارشاد فرمایا کہ عشاق اس راہ میں مصیبتوں کو اپنی غذا بناتے ہیں۔ جس دن ان پر کوئی بلا نازل نہیں ہوتی وہ اپنی موت پر افسوس کرتے ہیں کہ آج محبوب نے ہمیں یاد نہیں کیا اور فراموش کر دیا۔ فراموش نہ کرتے تو کسی نہ کسی بات میں تو یاد کرتے۔ عشق کی راہ میں مخلص وہی ہے جو دکھ' تکلیف اور مصیبت کی آرزو کرے کیونکہ یہ درد اور رنج بھی اسرار و انوار محبوب کا حصہ ہیں۔ خواجہ منصور حلاج ایک سال تک بخار میں مبتلا رہے مگر وظائف و عبادات میں ذرہ برابر کمی نہ آنے دی بلکہ زیادہ کر دی۔ سالکین کا ارشاد ہے کہ تکلیف اور دکھ تو عاشقین کے لئے شیرینی کی مانند ہے جو خوشی کے وقت بچوں میں تقسیم کرتے ہیں تاکہ وہ خوش ہو جائیں۔ درد و محنت میں نعمت نہ ہوتی تو حضرت آدمؑ اسے قبول نہ فرماتے اور حضرت ایوبؑ صبر نہ کرتے۔ پس یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام انبیاء و اولیاء اور عشاق بارگاہ ہزار آرزوؤں سے خدائے کریم سے ان مصیبتوں کے طالب ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا کہ ہم مسافر ہیں اور برسر بلا بیٹھے ہیں اور یہ بلا دنیا ہے۔ اچانک ہماری عمر کی بساط لپیٹ دی جائے گی اور ہمارا ٹھکانہ قبر کو قرار دے دیا جائے گا۔

☆ ☆ ☆

Marfat.com

مترجم: محمد معین الدین دردائی

ملفوظات بابا فرید گنج شکرؒ

محبت

ہم لوگ خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ محبت کے موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔ شیخ برہان الدین' شیخ جمال الدین ہانسوی اور شیخ بدر الدین غزنوی اور دوسرے عزیزان بھی مجلس میں موجود تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! محبت کے سات مقامات ہیں۔ اور اس میں سے پہلا مقام یہ ہے کہ جب کسی شخص پر دوست کی طرف سے کوئی مصیبت نازل ہو تو وہ اس پر صابر رہے۔

حق تعالیٰ کی محبت

پھر فرمایا کہ اے درویش! ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے میں نے کتاب محبت میں لکھا دیکھا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کی محبت ایک بادشاہی ہے جو صرف انہیں قلوب کو بخشی جاتی ہے جو اس کے لیے موزوں ہوتے ہیں۔ ایک یہ قضائے قدرت ہے کہ محبت صرف عقل مندوں کے یہاں ٹھکانا بناتی ہے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ محبت ایک ایسی بساط ہے جس پر صرف وہی لوگ قدم رکھ سکتے ہیں جو کہ ہیژدہ ہزار عالم سے گزرنے پر سوائے محبت دوست کے اور کسی چیز کو حائل نہیں دیکھیں اور سب سے بیگانہ رہیں۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! حدیث میں آیا ہے کہ تمام اعضاء کی سرشت ہوئی ہے اور عاشقوں کی سرشت عشق و محبت سے ہوتی ہے۔ جو لوگ کہ شروع سے آخر تک رب ارنی انظر الیک کا نعرہ مارتے ہیں ان کا عشق و محبت ہیچ ہے۔ پس اے درویش! جس آنکھ میں عشق کا سرمہ لگ گیا اس کے سامنے سے عرش سے فرش تک کے سارے پردے اُٹھ جائیں گے۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! حق تعالیٰ کی محبت وہ تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ظاہر ہوئی کہ انہوں نے حق تعالیٰ کی دوستی کے لیے لڑکے کو قربان کر دیا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ وہ محبت میں ثابت قدم اور سچے نکلے تو اس نے حکم دیا کہ اپنے لڑکے کو قربان مت کرو۔ میں نے بدلہ میں بہشت سے قربانی کے لیے جانور بھیجا ہے اس کو قربان کرو۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا امتحان

پھر فرمایا کہ اے درویش! جب حضرت ابراہیم خلیلؑ نے حق تعالیٰ کی دوستی کا دعویٰ کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ خداوندا! اگر مجھ کو حکم ہو تو حضرت ابراہیم کو تیری محبت کے سلسلے میں آزماؤں یعنی امتحان لوں۔ حکم ہوا کہ اچھا تو ہے۔ جاؤ اور آزماؤ۔ حضرت جبریلؑ نیچے آ کر ایک پہاڑ پر کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابراہیمؑ اس وقت کعبہ کی عمارت

Marfat.com

میں تھے۔ جبریلؑ نے اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر یا اللہ کا نعرہ مارا۔ ابراہیمؑ نے جیسے ہی اللہ کی آواز سنی فوراً خانہ کعبہ سے نکل آئے اور کہا اے حضرت! ایک مرتبہ اور اللہ کا نام لے کر پکاریئے۔ جبریلؑ نے کہا پہلے شکرانہ تو ادا کر لیجئے۔ جب حضرت شیخ الاسلام اس جگہ پر پہنچے تو آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور یہ مثنوی زبان مبارک سے پڑھی:

شکرانہ دہم ہر آنچہ در ملک من است
بہر خدا بگوے اللہ تو باز
جان نیز دہم و آنچہ در قلب نیست
یک بار اگر بگوے اللہ توباز

جو کچھ میرے پاس ہے سب تمہارے شکرانہ میں نچھاور کر دوں، صرف خدا کے واسطے ایک مرتبہ اور اللہ کہہ دو۔
جان بھی نثار کر دوں اور جو کچھ دل میں ہے وہ بھی دے دوں، اگر تم صرف ایک مرتبہ اور اللہ کہہ دو۔

غرض ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہزاروں اونٹ جو میں رکھتا ہوں وہ سب اللہ کی رضا اور دوستی کے لیے میں نے تصدق کیے۔ آپ پھر اللہ کا نام لیجئے۔ جبریل علیہ السلام نے یا اللہ کا نعرہ لگایا۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس مال اور سامان جو کچھ تھا سب انہوں نے وعدہ کے مطابق دے دیا۔ جبریل علیہ السلام نے تھوڑی دیر کے بعد کہا اب کیا کہتے ہو۔ ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اک بار اور یا اللہ کہہ دیجئے کہ جان بھی فدا کر دوں۔ جبریل علیہ السلام نے پھر یا اللہ کا نعرہ لگایا۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایک نعرہ مارا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اب جبریل علیہ السلام کو ابرہیم خلیل اللہ کی سچائی کا اندازہ ہو گیا۔ جب انہیں ہوش آیا تو جبریل علیہ السلام نے کہا حق تعالیٰ کی محبت میں آپ کو صادق کہلانا زیب دیتا ہے۔ پھر وہ اپنے مقام پر واپس ہو گئے اور سر بہ سجود ہو کر کہا کہ خداوندا! تیری محبت میں ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ویسا ہی پایا جیسا کہ کہا جاتا تھا۔

یادالٰہی

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! حق کی محبت میں سچا وہ شخص ہے جو کہ تمام وقت دوست کی یاد اور ذکر میں مشغول رہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی حق تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ رہے۔ اہل سلوک کہتے ہیں کہ جو آدمی خدا کو دوست رکھتا ہے وہ اس کا ذکر بہت کرتا ہے اور ذرا دیر کے لیے بھی اس کی یاد سے خالی نہیں رہتا ہے چنانچہ ''حجۃ العارفین'' میں آیا ہے من احب شیئا اکثر ذکرہ (معنی: جو کسی چیز کو پسند کرتا ہے اس کا ذکر بار بار کرتا ہے)۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! ایک مرتبہ خواجہ حسن بصریؒ حضرت رابعہ بصریؒ کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اور حق تعالیٰ کی محبت پر بات ہو رہی تھی۔ خواجہ حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ جب تک بات ہوتی رہی نہ میرے دل میں یہ خیال ہوا کہ میں مرد ہوں اور نہ ان کے دل میں بات گزری کہ وہ عورت ہیں اور پھر قسم کھا کر فرمایا کہ جب میں رابعہ کے پاس سے اٹھا تو اپنے کو مفلس پایا اور ان کو مخلص۔

محبت کی آگ

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہے طالبان حق کو حلال اور بے حساب دیا جاتا

ہے لیکن وہ سب ان لوگوں کو ایسا ہی ذلیل اور خراب معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آدمی کو مردار معلوم ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اے درویش! ایک مرتبہ ایک بزرگ سے بغداد میں ملاقات ہوئی۔ کئی روز میں ان کی صحبت میں رہا۔ وہ بزرگ بار بار سربسجود ہو کر یہ دعا مانگتے تھے کہ خداوندا! اگر کل قیامت کے دن تو نے مجھ کو دوزخ میں بھیجا تو تیری محبت کا ایک راز مجھ سے فاش ہو جائے گا اور وہ اس طرح کہ دوزخ مجھ سے ہزاروں سال دور بھاگے گی۔ کیونکہ محبت کی آگ کے سامنے کوئی آگ ٹھہر ہی کب سکتی ہے اور اگر کوشش بھی کرے گی تو ٹھنڈی ہو جائے گی۔

حضرت رابعہ بصریؒ کی دعا

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! ایک مرتبہ رابعہ بصری رحمہا اللہ عالم شوق اور اشتیاق میں تھیں۔ بار بار سجدہ کرتی تھیں اور پھر کھڑی ہو جاتی تھیں۔ ایسا وہ مسلسل کرتی رہیں۔ آخر میں انہوں نے فرمایا کہ خداوندا! اگر تیری پرستش میں نے دوزخ کے ڈر سے کی ہے تو مجھے دوزخ ہی میں جلائیو اور اگر بہشت کی امید میں تیری عبادت کی ہے تو مجھے دوزخ ہی کا ایندھن بنا دینا اور بہشت مجھ پر حرام کر دینا۔ اور اگر صرف تیرے واسطے میں نے تیری پرستش کی ہے تو پھر اپنے جمال سے مجھ کو محروم نہ کرنا۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! اس کی مملکت میں ہے اللہ تعالیٰ اپنے چاہنے والوں کو سب کچھ سجا کر دیتا ہے، اور ان کے سامنے پیش کرتا ہے لیکن یہ عشاق اپنے گوشہ چشم سے ان چیزوں کو دیکھ کر ٹھکرا دیتے ہیں۔ ان کی مانگ صرف دیدار حق کی ہوتی ہے اور وہ اسی کے طلبگار ہوتے ہیں۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! جب خواجہ بایزید بسطامیؒ عالم شوق میں ہوتے تو تین تین چار چار شبانہ یوم کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہتے رہتے: یوم تبدل الارض یعنی جس روز کہ زمین لپیٹی جائے گی اور دوسری زمین پیدا کی جائے گی۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! ایک مرتبہ خواجہ ابراہیم قدس اللہ سرہ العزیز سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا بات ہوئی جو آپ نے ملک بلخ کو چھوڑ دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا کہ محبت کا آئینہ میرے سامنے رکھ دیا گیا۔ میں نے جو اس طرف نظر کی تو اپنی منزل کو دیکھا اور وہ منزل قبر تھی جہاں نہ کوئی مددگار تھا نہ غمگسار۔ سفر بھی بڑا طویل تھا، اور زادِ راہ بھی کچھ ساتھ نہیں۔ پھر اس مقام کا حاکم اعلیٰ جو تھا وہ بڑا انصاف والا جس کے سامنے میری حجت اور دلیل سب بے کار تھی۔

یہ سب دیکھ کر میرا دل سلطنت سے اچاٹ اور متنفر ہو گیا اور میں نے اپنا ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں سکونت اختیار کر لی۔

حق تعالیٰ کی محبت

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! حق تعالیٰ کی محبت ایک بادشاہ کی طرح ہے کہ جب وہ عاشق کے دل پر قابض ہو جاتا ہے تو پھر اس میں کسی دوسرے کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ ایک مرتبہ غزنین میں میری ملاقات ایک درویش سے ہوئی۔ وہ درویش محبت والے

تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ محبت کی انتہا ہوتی ہے یا نہیں۔ جیسے ہی میں نے ان سے یہ سوال کیا، وہ زور سے بولے: اے نادان! حق تعالیٰ کی محبت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! محبت کی آگ خدا کی تلوار ہے کہ جس پر پڑی اسے ٹکڑے ٹکڑے کیے بغیر نہ چھوڑے گی۔

پھر فرمایا کہ اے درویش! میں نے خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز کی زبان سے سنا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت انسان کے تمام اعضاء میں سرشت کی گئی ہے اور ہر انسان کو اللہ نے اپنی محبت کے خمیر سے گوندھا ہے چنانچہ آنکھ سے تو وہ دوست کی محبت میں مستغرق اور لبالب ہے۔ کان ہے تو دوست کی بات سننے کی محبت میں مشغول ہے۔ ہاتھ اور پیر ہیں تو سب کے سب اس کی محبت میں سرشار ہیں۔ پس اے درویش! انسانی عضو کا ذرا سا حصہ بھی حق تعالیٰ کی محبت سے خالی نہیں ہے۔

عاشقانِ حق کا دل

پھر حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ عاشقانِ حق کا دل چراغ کی طرح انوار کی قندیل میں آویزاں ہے اور اس کی روشنی سے تمام کائنات روشن ہے۔ پھر ان کو اندھیرے کا کیا ڈر۔ پھر فرمایا کہ اے درویش! اپنے کو بھلا دینا حق تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ اور جس دل میں کہ اس کی یاد ہے وہ دل کبھی نہیں مرے گا۔ اور جس میں کہ اس کی یاد نہیں ہے اس کو فنا ہو جانا ہے اور کسی نعمت کا اس پر اثر نہیں ہوگا۔

پھر فرمایا کہ:

اے درویش! کتاب محبت میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ گرسنگی ایک بادل کی مانند ہے جس سے رحمت کی بارش ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ:

اے درویش! ایک مرتبہ خواجہ بایزید قدس اللہ سرہ العزیز نے لوگوں نے پوچھا کہ حق تعالیٰ کی محبت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ محبت وہ ہے کہ دین و دنیا اور اس کی چیزوں میں سوائے دوست کے کسی اور چیز سے دل نہیں لگایا جائے۔ پھر فرمایا کہ اے درویش! حق کی محبت مملکت عشق میں دار کے شوق کی مانند ہے اور اس دار پر تختہ رکھا ہوا ہے۔ سامنے فراق کی تلوار اور ہجر کی تیغ کھنچی ہوئی ہے اور نرگس وصال کی شاخ قضا کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے۔ اور ایک سانس میں ہزاروں سرکٹ کر گر رہے ہیں۔ پس جو شخص حق تعالیٰ کا عاشق ہے اگر اس کے سر کو ایک لحہ میں ہزار بار بھی کاٹیں گے تو پھر دوسرا اسرار اس کے جسم پر پیدا ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ہزار بار بھی کاٹیں گے تو بھی وہی سلسلہ جاری رہے گا۔ پھر حضرت نے یہ رباعی پڑھی:

رباعی

دریا و تو ہر روز چناں مدہوشے
صد تیغ اگر تیغ زنند ز آں نخر و شم

Marfat.com

آہی کہ زیاد تو زنم وقتِ سحر
گر ہر دوجہان دہند آن نفر و شم

تیری یاد میں میں ہر روز ایسا مدہوش ہوں، کہ اگر سینکڑوں تلواریں بھی مجھ پر پڑیں تو میں نہ چلاؤں۔
جو آہ کو صبح کے وقت تیری یاد میں مَیں کھینچتا ہوں، اگر اس کے بدلے میں دونوں جہان بھی مجھ کو دیے جائیں تو میں نہ بیچوں۔

ایک عاشق حق عالمِ نزع میں

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! ایک مرتبہ ایک عاشق حق پر نزع کا عالم طاری ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے احباب جو اس کے سرہانے تھے کان لگا کر سننے لگے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ عاشقِ خدا کہہ رہا تھا کہ اے میرے محبوب! جب تک زندہ رہا تیرے نام کی یاد میں زندہ رہا۔ اور آج جب اس دنیا سے جا رہا ہوں تو تیرے ہی نام کی یاد لیے جا رہا ہوں، اور جب قیامت کے دن اٹھوں گا تو تیرے ہی نام میں مستغرق اُٹھوں گا۔ اور اتنا کہنے کے بعد اس نے اللہ کا نام زور سے لیا، اور واصل بحق ہو گیا۔ جب شیخ الاسلام اس جملے پر پہنچے تو آنکھیں پُرنم ہو گئیں، اور فرمایا کہ عاشقوں نے اسی طرح جان دی ہے اور پھر یہ دو اشعار پڑھے:

آیم بسر کوئے تو پویاں پویاں
تاجاں ندہم نام تو گویاں گویاں
رخسارہ ز آب دیدہ شویاں شویاں
ہنجار وصال یار جویاں جویاں

میں تیری گلی میں دوڑا دوڑا آؤں، اور جب تک جان نہ جائے تیرا ہی نام وردِ زبان رہے۔
آنسوؤں سے گال دھلاتے رہیں، اور وصال یار کے راستے ڈھونڈھتا ہی رہوں۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! دہلی میں ایک درویش سے میری ملاقات ہوئی، جو بہت بزرگ، صاحب دولت اور عشق حق میں سرشار تھے۔ حوض شمسی کے اوپر مجلس سماع میں ہم لوگ ایک ساتھ تھے۔ یہ دو شعر میں نے ان سے سنے۔ اور جو وقت کہ اس روز مجلس سماع میں مجھ پر گزرا پھر اس کا تجربہ مجھے کبھی نہیں ہوا۔

وہ دو اشعار یہ ہیں:

عشق ہم جاں برا رسوا کرد
واند طلب جمال تو شیدا کرد
دردے کہ زعشق تو بدل پنہاں بود
ازاں جملہ زشوق تو زخم پیدا کرد

تیرے عشق نے مجھ کو رسوا کیا، اور تیرے جمال کی طلب میں میں شیدا ہوا۔
تیرے عشق کی وجہ سے جو درد دل میں پیدا ہوا۔ اسی سے تیرے اشتیاق میں زخم پیدا ہوا۔

Marfat.com

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ کی زبان سے میں نے سنا ہے۔ وہ بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں بغداد سے واپس ہو رہا تھا، بخارا کے پاس ایک بزرگ سے میری ملاقات ہوگئی۔ وہ صاحب نعمت اور عشق و محبت والے انسان تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ وہ اس وقت ایسے احوال میں تھے جس کو زبان سے ادا نہیں کیا جا سکتا۔ وہ یاد حق میں مستغرق اور اپنے سے بے خبر تھے۔ الغرض کئی روز میں ان کی خدمت میں رہا، وہ بار بار سجدہ کرتے اور روتے جاتے اور گریہ وزاری کیساتھ یہ رباعی پڑھتے اور بے ہوش ہو جاتے اور ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

''خداوندا! میں نے ایک سجدہ بھی ایسا نہ کیا جو تیرے شایان شان ہوتا۔'' وہ رباعی یہ ہے:۔

رباعی

از خوردن نعمت تو دندانم شود
یک سجدہ چناں نشد کہ فرمانم بود
ہم بودے وہم باشی وہم خواہی بود
نے بودم نے باشم و نے خواہم بود

علم معرفت اور ذوق و شوق

پھر حضرت نے فرمایا کہ اے درویش! زندگی ہے تو علم میں، اور راحت ہے تو معرفت میں، اور شوق ہے تو محبت میں اور ذوق ہے تو ذکر میں۔

پھر فرمایا کہ:

اے درویش! ایک مرتبہ میں شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز اور شیخ اوحد کرمانیؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ سلوک کے موضوع پر باتیں ہو رہی تھیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ علم خدا ہے اور معرفت مکر ہے اور محبت مشاہدہ ہے۔ اور مشاہدہ مجاہدہ سے ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ:

جو شخص لذت و شہوت سے اپنے دل کو مردہ کر لیتا ہے اس کو لعنت کے کفن میں لپیٹ کر ندامت کی زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ:

اے درویش! حق تعالیٰ کے چاہنے والے سوائے وصال دوست کے کسی چیز سے خوش نہیں ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ:

حق تعالیٰ کے عشاق جب تک لوگوں سے علیحدگی نہیں اختیار کر لیتے اور خلوت نشین نہیں ہو جاتے ان کو حضوری نہیں ہوتی۔ اور وہ اپنے دوستوں کو دشمن، اور بیوی بچوں کو یتیم اور اسیر کی طرح سمجھتے ہیں تب کہیں جا کر ان کو حق کی حضوری حاصل ہوتی ہے۔ پھر حضرت شیخ الاسلام نے آبدیدہ ہو کر یہ رباعی پڑھنا شروع کیا:

Marfat.com

رباعی

گر عاشق دوستی نہ تنہاش طلب
در خلوت و عشق آئی و پیدائش طلب
گری خواہی حضور نعمت ہر روز
آنجا کہ کسے نباشد آنجائش طلب

اگر تم عاشق ہو تو تنہائی میں اس کی طلب کرو، خلوت میں آؤ اور اس کے طلبگار ہو۔
اگر تم ہر روز حضوری کی نعمت کے خواستگار ہو، جس جگہ کہ کوئی نہ ہو اس جگہ اس کے طلب گار ہو۔

پھر حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ:

ایک مرتبہ اہل مجانین (دیوانے) میں سے ایک بزرگ سے راستہ میں میری ملاقات ہوگئی۔ ہم اور وہ دونوں ایک ساتھ مل کر سفر کر رہے تھے۔ ہم لوگ ایک صحرا میں پہنچے جہاں پانی کی بہت کمی تھی اور مجھ کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی۔ پیاسا ہونے کی وجہ سے میں ان بزرگ سے بات نہیں کر رہا تھا۔ چونکہ وہ بزرگ روشن ضمیر تھے، کھڑے ہو کر فرمایا: میں جانتا ہوں کہ تم پیاسے ہو۔ میں نے کہا جی ہاں صحیح ہے۔ انہوں نے فوراً پائے مبارک زمین پر مارا۔ وہاں پر چشمہ جاری ہو گیا۔ پھر انہوں نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا: جس قدر تم پینا چاہتے ہو پی لو۔ جب میں نے اس چشمہ سے پانی پیا تو اس پانی میں مجھ کو وہ مزہ ملا جو عمر بھر کبھی بھی مجھ کو ویسا نہیں ملا۔ وہاں سے چل کر ہم لوگ منزل پر آئے، عشاء کی نماز پڑھی، پھر وہ بزرگ علم و فکر میں مشغول ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے فرزند! کل قیامت کے دن عشاق جب قبر سے اُٹھیں گے تو وہ سیدھے دوزخ کے دروازے پر جائیں گے، اور اس کے سامنے اس طرح بیٹھ جائیں گے کہ ان کی نظر دوزخ پر پڑے۔ ان کی نظر پڑتے ہی آگ کم اور ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اور اسے سر اٹھانے کی ہمت نہیں ہوگی۔ جب دوزخ کی آگ کم ہو جائے گی تو لوگوں کو اس سے آرام ملے گا۔ اور عذاب سے ان کو چھٹکارا نصیب ہوگا، اور یہی وجہ ان کے دوزخ کے دروازے پر بیٹھنے کی ہوگی۔

پیر کی صحبت

پھر حضرت نے فرمایا کہ:

اے درویش! ایک مرتبہ ہم قاضی حمید الدین ناگوریؒ ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدمی نے پوچھا کہ فریضہ اور سنت کیا ہے؟ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے فوراً جواب دیا کہ فریضہ پیر کی صحبت ہے اور سنت دنیا اور دنیا کی چیزوں کو ترک کرنا ہے۔

پھر فرمایا:

اے درویش! ایک بزرگ سے میں نے سنا ہے کہ جس درویش کے دل میں خودی ہوگی وہ آخرت کی رسوائی کا باعث ہوگی۔ اور جس دل میں محبت ہوگی اسی کو درویشی نصیب ہوگی۔ محبت کا گوہر دل میں رکھنے والا ہی حقیقی درویش ہے۔

Marfat.com

پھر فرمایا کہ:

اے درویش! محبت درجہ کمالیت کو اس وقت پہنچتی ہے جب کہ عشق میں کوئی عیب اس کو نظر نہ آئے اور عوام کی محبت سے وہ دست بردار ہو جائے تب اللہ تعالیٰ اس کو اپنی قربت بخشتا ہے۔

خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا طریقہ

پھر فرمایا کہ:

اے درویش! ایک مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ خدا تک آدمی کس طرح پہنچ سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اندھا، گونگا اور بہرہ ہو کر۔ جس شخص نے یہ تینوں صفتیں اختیار کر لیں وہ خدا تک پہنچ گیا۔ لیکن جب یہ دشمن سب اس کے ساتھ ہوں تو محبت والوں کے لیے دروازہ بند ہے لیکن چار جگہیں ایسی ہیں جہاں وہ بیٹھ کر پھر بھی خدا سے دل لگا سکتا ہے۔ پہلی جگہ تو اس کے گھر کا گوشہ ہے جہاں کوئی دوسرا مزاحم نہ ہو، دوسری جگہ مسجد ہے کہ وہ دوست کے گھر کا گوشہ ہے، تیسری جگہ قبرستان ہے جہاں انسان کو گناہوں سے عبرت ہوتی ہے، چوتھی جگہ وہ ویرانہ ہے جہاں سوائے اس کے اور حق تعالیٰ کے کسی کا گزر نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ اتنا فرمانے کے بعد حضرت قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز ہائے ہائے کر کے رونے لگے......

اور یہ رباعی پڑھنے لگے:

رباعی

گر عاشقی دوستی بہ تنہاش طلب
درخلوت عشق آئے و پیدائش طلب
گرمی خواہی حضور نعمت ہر روز
آنجا کہ کسے نبا شد آنجائش طلب

اگر تم عاشق ہو تو دوست کو تنہائی میں بلاؤ، عشق کی خلوت میں آؤ، اور پھر اسے بلاؤ۔
اگر تم ہر روز حضوری کی نعمت چاہتے ہو، تو پھر اسے وہاں بلاؤ جہاں کوئی نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ:

اے درویش! عورتیں ہم لوگوں سے زیادہ بہتر ہیں کہ یہ لوگ مہینہ میں ایک مرتبہ ناپاکی دور کرنے کے لیے غسل کر لیتی ہیں، لیکن ہم نے تو زندگی بھر میں کوئی غسل ایسا نہ کیا جس سے نجاست دور ہوتی۔

محبت اور رضا

پھر فرمایا کہ:

اے درویش! ایک مرتبہ خواجہ یزید بسطامیؒ عالم شوق و اشتیاق میں مستغرق اپنے دوست کے حضور تنہا بیٹھے ہوئے تھے، اور جملہ عالم ملکوت کے گرد گشت کر رہے تھے کہ حکم باری تعالیٰ ہوا کہ اے بایزید! میری جناب میں کیا تحفہ لائے ہو۔ انہوں نے جواب دیا محبت اور تیری رضا کہ یہ دونوں تجھے پسند ہیں۔ پھر آواز آئی کہ اے بایزید! اچھی چیز تحفہ لائے

Marfat.com

ہو۔ یہ میرے شایان شان ہے اور مجھے پسند ہے۔

پھر حضرت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ:

اے درویش! ایک مرتبہ لاہور میں ایک ذاکر درویش سے میری ملاقات ہوگئی۔ وہ ذکر فکر کرنے والے بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ کئی روز میں ان کی خدمت اقدس میں حاضر رہا۔ ہر مرتبہ فرض نماز کے بعد وہ ذکر میں مشغول ہو جاتے۔ اور اتنا ذکر کرتے کہ پیشانی عرق عرق ہو جاتی اور سینکڑوں بار وہ زمین پر گرتے اور پھر اُٹھتے۔ ذکر سے فارغ ہونے کے بعد وہ فرماتے کہ کتاب محبت میں آیا ہے کہ جب میرا ذکر مومن پر غالب آتا ہے اور وہ غایت خشوع اور خضوع کے ساتھ میرے ذکر میں مستغرق ہو جاتا ہے تو میں اس پر عاشق ہو جاتا ہوں۔ اور عشق کے معنی محبت کے ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی اس سعادت سے اپنے کو محروم کرے، اور تمام وقت ذکر حق میں مشغول نہ رہے۔

دل کی تین اقسام

پھر حضرت نے فرمایا کہ:

اے درویش! اللہ تعالیٰ نے دلوں کو خاص کر عرش کے طواف ہی کے لیے پیدا کیا ہے، اور دل کی تین قسمیں ہیں:

ایک دل تو وہ ہے جو پہاڑ کی چٹان کی طرح ہے کہ کوئی اس کو اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتا۔ یہ عشاق کا دل ہے۔ دوسرا دل وہ ہے جو درخت کی طرح کھڑا ہے اور جڑیں اس کی نیچے گڑی ہوئی ہیں، ہوا اس کو صرف ہلاتی رہتی ہے اور تیسرا دل وہ ہے جو پتے کی طرح ہوا کے ہر جھونکے سے اِدھر سے اُدھر ہوتا رہتا ہے۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ:

اے درویش! محبت میں سچا وہ شخص ہے جو ذکر دوست کے سوا کسی چیز کو پسند نہیں کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ:

اے درویش! جب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کو حکم ہوا کہ سرکش فرعون کے پاس جائیں اور اس کو صحیح راستہ پر چلنے کی دعوت دیں تو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ اس کو نرمی اور آہستگی سے سمجھائیں کہ اس کو رنج نہ پہنچے۔ اس جگہ حضرت شیخ الاسلام پہنچ کر رونے لگے اور فرمایا کہ جو ذات خدائی کا دعویٰ کرتی ہے اور اپنے کو انا ربکم الاعلیٰ کہتی ہے، جب کوئی شخص پانچ وقت اس کے سامنے سربسجود ہو کر سبحان ربی الاعلیٰ کہے گا، اور اس کی محبت کا دم بھرے گا کیسے نہیں اس کی رحمت کا امیدوار رہے گا۔ بیشک اس کی رحمت کا امیدوار رہنا چاہیے۔ ہرگز ہرگز اس سے ناامید مت ہو اور تم نے جب اپنا فرض ادا کر دیا ہے تو پھر دیکھو مالک تمہارے لیے کیا کرتا ہے۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ:

اے درویش! جو کہ آج حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت کا دم بھرے گا اور اس کی یاد میں مشغول رہے گا، کل قیامت کے دن اس پر کوئی عذاب اور تکلیف نہیں ہوگی اور میدان حشر کی سزاؤں سے وہ بے فکر ہو جائے گا۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ:

اے درویش! جب قارون علیہ اللعنۃ اپنے مال واسباب کے ساتھ چوتھے طبق زمین میں دھنستے ہوئے پہنچا

Marfat.com

تو اس جگہ کی مخلوق نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کس گناہ کی سزا میں تم کو زمین کے اندر دھنسایا جا رہا ہے۔ قارون نے جواب دیا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ہوں، میں نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں ادا کی، اور خدا کے پیغمبر کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کیا۔ اسی کی وجہ سے یہ برا دن مجھے دیکھنا پڑا۔ جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام قارون کی زبان پر آیا' فرشتوں کو حکم ہوا کہ قارون کو اسی جگہ (یعنی چوتھے طبق زمین میں) رہنے دو، جس نے کہ میرے دوست کا نام زبان سے لے لیا، اب ضروری ہے کہ اس پر میں عذاب نہ کروں۔ جب شیخ الاسلامؒ اس حرف پر پہنچے آنکھیں نم ہو گئیں، اور فرمایا کہ اے درویش! جو شخص کہ ہمیشہ دوست کا نام لیتا رہتا ہے اور اس کی یاد میں مستغرق رہتا ہے، ضروری ہے کہ قیامت کے دن اس کا دامن اس کی مرادوں سے بھر دیا جائے، اور انوار تجلی سے اس کو مشرف کر دیا جائے۔

خواجہ یوسف چشتیؒ کا قول

پھر حضرت نے فرمایا کہ:

اے درویش! ایک دن خواجہ یوسف چشتیؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ اہل محبت کون لوگ ہیں۔ جواب دیا وہ لوگ جو دوست کے سوا کسی دوسرے کی یاد میں مشغول نہیں رہتے۔ اس لیے کہ دوست کے ماسوا کسی سے اگر کوئی شاد ہوتا تو پھر یقین جانو کہ تمام غم واندوہ سے وہ نزدیک ہو گیا ہے اور جو شخص کہ دوست کی خدمت اور محبت سے مانوس ہے تمام قسم کے اندوہ اس سے دور ہو جائیں گے، جس کا دل دوست سے لگا ہوا نہیں ہے۔ اور اس کو محبت کا دعویٰ کرنا زیب نہیں دیتا۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ:

اے درویش! جس کا پہلا قدم محبت کے ارادہ سے اُٹھتا ہے' وہ بہت جلد خدا تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے، اور جس کا راستہ دُنیا کی طرف ہوتا ہے وہ دوزخ سے نزدیک ہو جاتا ہے۔

پھر حضرت نے فرمایا کہ:

اے درویش! جب صاحب محبت مملکت کا دعویٰ کرے تو پھر یقین کے ساتھ سمجھ لو کہ محبت اس سے دور ہو گئی۔

جیسے ہی حضرت شیخ الاسلامؒ اس حرف پر پہنچے، مجلس برخاست ہوئی۔ وہ اندر تشریف لے گئے اور ہم لوگ واپس ہو گئے۔

الحمد للّٰہ علیٰ ذلک

گنجِ اسرار
یعنی
چراغِ فریدی

عرض حال

یہ رسالہ ''گنج اسرار'' مجھے اپنے خاندانی کتب خانہ رتہ پیراں تحصیل شاہدرہ ضلع شیخوپورہ کے ایک مجلّہ میں دستیاب ہوا۔ اس مجلد میں ایک تو مثنوی ''زادالسافرین'' منظومہ ۷۲۹ھ مطابق ۱۳۲۹ء ہے۔ ناظم کا نام سید حسین بلخیؒ دیا ہے۔ یہ محمد بن تغلق بادشاہ ہند کا عہد تھا' جو ۷۲۵ھ سے ۷۵۲ھ تک حکمران رہا۔

یہ مثنوی ۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ میں ۱۵ سطریں۔ مگر شروع کے ۱۸ صفحے گم ہیں۔ اس کے ناقل نے اسے ختم کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''تمام شد نسخہ حقیقت آئین وکتاب تصوف تزئین یعنی زادالمسافرین کہ الحق نوشتۂ رہروان طریقت بلکہ رہنمائے راہ حقیقت من مصنفات قدوۂ ارباب صدق ویقین معروف تراز معروف کرخیؒ سید (۱) بلخیؒ روز سہ شنبہ تاریخ ۳۰ ربیع الاول ۱۲۲۵ھ یک ہزار دو صد و بست و پنج ہجری مقدس مطابق (۱۸۱۰ء) مخط کمترین عباداللہ الصمد واحقر خلق اللہ الاحد رحمت بعون المومن در موضع مہر علی بپاس خاطر سید برحق و مشفق مطلق حضرت شاہ صاحب قلندر جیؒ (جد مادر نامی) کہ فی الحقیقت قلندر راست نقل گرفتہ شد خدا کند کہ قبول باد''

اس مجلد میں دوسری کتاب ''مرأت العارفین'' ہے' جسے سیدنا امام حسین علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور طبع بھی ہو چکی ہے۔ اس کے آخر میں بدستخط مرادؒ یہ عبادت مسطور ہے۔

''تمت ہذہ النسخۃ المبارکۃ الشریفۃ مسمّیٰ بمرأت العارفین من کلام حضرت امام علیہم السلام بیدہ الضعیف المذنب العاصی غلام رکن الدین الملقب بالمراد ابن کرم شاہ المشہور بہ محمد مستا شاہ قریشی الہاشمی الحارثی الہکاری فی اللیل جمعہ وقت عشائی الشہر ربیع الاول فی سبع وماتین والف سنہ'' (۱۲۰۷ھ)

اس اختتام کے بعد ایک ورق پر حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظ سے سورۂ فاتحہ کے متعلق منقول ہے کہ اس میں قرآن شریف کی دس جزوں میں سے آٹھ مندرج ہیں۔ یعنی متعلق ذات وصفات وافعال باری تعالےٰ۔ ذکر معاد۔ تزکیہ وتجلیہ۔ ذکر اولیا و ذکر اعدا۔

نیز لکھا ہے کہ حکیم لقمان نے کہا ہے کہ میں نے چار سو انبیا علیہم السلام کی خدمت کی ہے اور میں نے اس کے

Marfat.com

ارشادات سے چار کلمات اخذ کئے ہیں۔

۱۔ جب تم نماز پڑھ رہے ہو تو اپنے دل کو خطرات سے بچائے رکھو۔

۲۔ جب لوگوں میں بیٹھے ہو تو اپنی زبان کو قابو رکھو۔

۳۔ جب دستر خوان پر بیٹھو تو (پُر خوری سے) اپنے حلق کا بچاؤ کرو۔

۴۔ جب دوسروں کے ہاں ہو تو اپنی آنکھ کی حفاظت کرو (کہ اِدھر اُدھر نہ دیکھے) اس کے سوا اور بھی باتیں درج ہیں۔

ان دو کتابوں کے بعد حضرت باوا فرید شکر گنج کا رسالہ ''گنج اسرار'' درج ہے۔ اسے پیر مراد شاہؒ نے نقل کیا ہے جو میرے نانا (غلام محی الدین شاہ) کے بڑے چچا تھے۔ ان کی تصنیفات یہ ہیں۔ (۱) مثنوی مراد العاشقین بزبان فارسی (جسے اللہ والے کی قومی دکان بازار کشمیری نے شائع کیا ہے۔) (۲) مامریداں (جو میرے بھائی وزیر علی شاہ حامی مرحوم نے چھپوا کر مفت تقسیم کی) (۳) نامۂ مراد (جو آپ نے ۱۲۰۳ھ میں لکھنؤ سے اردو نظم میں لکھا اور اس میں سب سے پہلے لفظ اردو کو زبان کے معنوں میں استعمال کیا۔ یہ نامہ پہلے میرے خال محترم پیر محمد اشرف عالم شاہ مرحوم کے صرف سے تقسیم ہوا اور پھر میں نے درگاہ حضرت عبد الجلیلؒ سے طبع کرا کے تقسیم کیا اور بہت مقبول ہوا۔ (۴) مثنوی مگس نامہ (۵) مثنوی موش نامہ۔ اول الذکر علامہ محمود خاں صاحب شیرانی مرحوم نے کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں اا اور میں نے دونوں ''نامہ مراد'' میں درج کئے۔ (۶) دیوان مراد اور (۷) مراد المحبین قصہ چار درویشاں نظم اردو (انجمن ترقی اردو دہلی نے اپنے رسالہ ''اردو'' میں شائع کیا) (۸) فارسی غزلیات (میں نے تبرک کلام (میں ان کے بھائی قلندر شاہؒ اور سکندر شاہؒ کے تبرکات کے ساتھ شائع کیں۔) (۹) مکتوبات منظوم بزبان فارسی (کچھ اشعار میں نے ''تاریخ جلیلہ'' میں درج کئے ہیں۔ باقی غیر مطبوعہ ان کی کلیات قلمی میں موجود ہیں۔) (۱۰) شجرہ سہروردیہ (تبرک عرس میں درج ہے)۔

حضرت عبد الجلیلؒ اور باوا فریدؒ کا فیض

رسالہ ''گنج الاسرار'' میں رتہ پیراں (تحصیل شاہدرہ، نارنگ اسٹیشن) سے لاہور لایا۔ معلوم ہوا کہ یہ ابھی شائع نہیں ہوا۔ لہٰذا میں نے ملک چنن الدین تاجر کتب کے مشورہ سے اس کا اردو میں ترجمہ کیا تاکہ باوا صاحبؒ کے عقیدتمند اس سے بہرہ یاب ہوں۔

ہمارے خاندانی بزرگوں میں سے حضرت قطب العالم عبد الجلیل چوہڑ شاہ بندگی علیہ الرحمتہ داماد سلطان بہلول لودھی (متوفی یکم رجب ۹۱۰ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۵۰۴ء) جب مُو مبارک ریاست بہاولپور سے روانہ ہو کر ملتان پہنچے تھے۔ اور پھر تبلیغ و اشاعت دین حقہ کیلئے حسب الارشاد ہادی سبل ختم الرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لاہور کی طرف نہضت فرما ہوئے تھے۔ تو شیخ فرید الدین شکر گنج غیب سے ظاہر ہو کر آپ سے ملے تھے اور فرمایا تھا کہ اے فرزند حاکمؒ (شیخ حمید الدین حاکمؒ متوفی ۷۳۷ھ/۱۳۳۶ء مدفون مُو مبارک) چند روز میرے مہمان رہو اور مشغول شغل رہو۔ چنانچہ آپ پاکپٹن تشریف لے گئے تھے اور چالیس دن معتکف رہ کر اور خلافت ظاہری اور باطنی اور خرقہ خلافت حاصل کر کے لاہور کے محلہ کوٹ کروڑ میں جہاں اب آپ کی خانقاہ معلّے میکلوڈ روڈ پر میری تولیت میں آباد ہے، سکونت گزیں ہوئے تھے۔ اس واقعہ

Marfat.com

کو حضرت قطب العالمؒ کے بھائی شیخ جمال الدین ابو بکرؒ مدفون محلہ جوگی پورہ آگرہ نے اپنی کتاب ''تذکرہ قطبیہ'' کے صفحہ ۶ اور ۷ میں درج کیا ہے۔ میں نے یہ کتاب درگاہ جلیلہ کی طرف سے چھپوا کر مفت تقسیم کی ہے۔

پاکپتن میں ایک بزرگ ہستی

پنجاب مسلم ایکٹ ۱۹۵۲ء کے متعلق مشاورت کے لئے مجھے بحیثیت سکرٹری انجمن تحفظ اوقاف اسلامیہ و متولی اوقاف اسلامیہ و ماہر قانون وقف دیوان صاحب پاکپتن شریف نے تار دے کر فروری ۱۹۵۲ء میں طلب کیا۔ انہوں نے خطیب مسجد واقع روضہ شیخ فریدؒ کے پاس بھیجا اور انہوں نے مولانا علی محمد خاں صاحب المشہور میاں صاحب سجادہ نشین بستی شریف کے سپرد فرمایا۔ خطیب صاحب کو میں نے مطبوعہ رسائل جو انجمن مذکور کی طرف سے چھپوائے تھے' دیدیئے اور پھر وہ نہ ملے۔ مگر میاں صاحب موصوف نے جو حق مہماں نوازی ادا کیا' وہ انہیں کا حصہ تھا۔

آپ عالم باعمل اور صوفی دریا دل ہیں۔ ٹھاٹھ امیرانہ اور دل درویشانہ ہے۔ درگاہ حضرت باوا صاحبؒ میں اکثر وقت بسر کرتے ہیں۔ خلق ان کے خلق و مروت اور علم و فضل کی وجہ سے معتقد ہے۔ بزرگوں کی مجاورت میں اسے بزرگ کا ہونا مغتنمات سے ہے۔

....

شجرہ چشتیہ

میرے جد امجد پیر قلندر شاہ ولیؒ مدفون رتہ پیراں کے حالات میں کتاب ''اذکار قلندری'' مصنفہ پیر فرخ بخش مرحوم برادر ولی موصوف وجد مادری والد نامی میں جو شجرے منظوم درج ہیں' ان میں سے دو سلسلہ چشتیہ کے ہیں جو ہدیہ ناظرین ہیں۔ وہو ہذا:

شجرہ چشتیہ شیخ فریدؒ سے لے کر اوپر تک

خدایا بشاہنشہ بحر و بر — فرید جہاں شیخ گنج شکر
خدایا بآں قطبؒ دیں بختیار — شہ دو جہاں کا کئی نامدار
خدایا بآں خواجہ اہل دیں — کہ در کار ماہست ہر ع دم معینؒ
باجمیر آں شاہ دارد مقام — کشادہ در فیض برخاص وعام
خدایا بآں خواجہؒ ہارون — شہ ذوالکرم یعنی عثمان من
خدایا بآں قوت برضعیف — شہنشاہ دیں یعنی حاجی شریفؒ
خدایا بآں پیشوائے امام — شہ چشتیاں خواجہ مودود نام
خدایا بآں شاہ مصروفا — ابو یوسف آں ناصر دین ما
خدایا بآں خواجہ چشتیاں — کہ نامش بود بو محمد عیاں
خدایا بآں خواجہ اہل چشت — ابواحمد ابدال اہل بہشت

خدایا بآں خواجہ بو سحاق کہ شامی وچشتی ست بالاتفاق
خدایا بآں شاہ ممشاد راد علوی کہ در دیں شرف زوبزاد
خواجہ بآں خواجہ نیک فن ہبیرا کہ بصری ست مثلِ حسن
خدایا بآں خواجہ نیک خو حذیفہ کہ مرعش بود جائے او
خدایا بآں غرقِ بحرِ شہود براہیم ادہم کہ سلطان بود
خدایا بآں صاحب وجدوحال فضیل عیاضؒ آں شہ خوش خصال
خدایا بآں خواجہ پورزیدؒ شہ عبدواحدؒ مبراز کید
خدایابآں شاہ بصرہ حسنؒ کہ مقبول کردش شہ ابوالحسنؒ
خدایا بشاہ ولایت پناہ علیؓ ولی صاحب عزوجاہ
خدایا بشاہنشہ انبیاؑ بروزجزاشافع جرم ما
محمدؐ کہ بادا بردبار بار فداجان ہچو من صد ہزار
مراد من وجملہ یارانِ من محبان من دوستداران من
برآور برآور بفضل وکرم بدنیا و عقبےٰ و در دین ہم
بہ پیران عظام عالی مقام بجاہ محمد علیہ السلام
قلندر دگربار دست دعا برآور بدرگاہ رب العلےٰ

مناجات سعدیؒ فرایاد کہ
بدرگاہ دادارفریاد کن

خدایا بذات خداوندیت باوصاف بے مثل ومانندیت
بلبیک حجاج بیت الحرام بمدفون یثرب علیہ السلام
بتکبیر مردان شمشیرزن کہ مردوغارا شمارند زن
بطاعات پیران آراستہ بصدق جوانان نوخاستہ
کہ مارا دریں ورطہ یک نفس زنگ دو گفتن بفریادرس
گراز جہل غایب شدم روز چند چوباز آمدم دربرویم مبند
بحقت کہ چشمم زباطل بدوز بنورت کہ فردابنارم مسوز
خدایا بحق بنی فاطمہؓ کہ بر قول ایماں کنم خاتمہ

اگر دعوتم ردکنی ور قبول
من و دست و دامانِ آل رسولؐ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم

حضرت ابو بکر صدیقؓ ۱۱ھ			حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۴۰ھ
سلسلہ نقشبندہ کے شیخ کبیر			خواجہ حسن بصریؒ ۱۱۴ھ
			خواجہ عبدالواحدؒ ۱۷۷ھ
		شیخ فرید الدین شکر گنج پاکپٹنیؒ ۶۶۷ھ	خواجہ فضیل بن عیاضؒ ۱۸۷ھ
حضرت مخدوم علاء الدین احمد صابرؒ ۶۹۰ھ		شیخ نظام الدین دہلویؒ ۷۲۵ھ	خواجہ ابراہیم ادھمؒ ۶۸۶ھ
(پیران کلیر (نزد رڑکی)			
شیخ شمس الدین ترک پانی پت ۷۲۲ھ		خواجہ امیر خسروؒ ۷۲۵ھ	خواجہ حذیفہ مرعشیؒ ۲۷۶ھ
شاہ ولایت شیخ جلال الدینؒ پانی پت ۷۶۵ھ		شیخ سراج الدینؒ ۷۲۵ھ	خواجہ ہبیرہ بصریؒ ۲۸۷ھ
شیخ عبدالحق ردولویؒ (یوپی) ۸۳۶ھ		شیخ علاء الدینؒ	خواجہ علو ممشادؒ ۲۹۸ھ
شیخ عارف صاحبؒ		سید محمد کالپوری ۷۲۵ھ	خواجہ ابو اسحاق شامیؒ ۳۲۹ھ
شیخ محمد صاحبؒ		شیخ افضل الہ آبادی	خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ ۳۵۵ھ
شیخ عبدالقدوس قطب گنگوہیؒ		شیخ خوب اللہ	خواجہ ابو محمد زاہد مقبول چشتی ۴۱۱ھ
شیخ جلال الدین تھانیسریؒ	شیخ فاخر	شیخ ناصر	خواجہ ابو یوسف ناصر الدین چشتی ۴۵۹ھ
شیخ نظام الدین بلخیؒ	شیخ مصیب	شاہ اجمل الہ آبادی	خواجہ قطب الدین مودود چشتی ۵۲۷ھ
شیخ ابو سعید گنگوہیؒ	شاہ اجمل الہ آبادی	پیر قلندر شاہ ولی	خواجہ حاجی شریف زندنی ۶۱۲ھ
	برادرزادہ	رتہ پیراں	خواجہ عثمان ہارونیؒ ۶۱۷ھ
شیخ محمد صادق گنگوہیؒ		شیخ ابراہیم رامپوری	خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ۶۳۳ھ
شیخ داؤد صاحب گنگوہیؒ		شیخ محمد شریف	خواجہ قطب الدین قطب دہلی ۶۳۴ھ
شاہ ابو المعالیؒ		شیخ فتح محمد	
حضرت میراں سید شاہ بھیک المشہور میراں صاحبؒ		شیخ بدر الدین رہتکی	
مقبور گہرام ریاست پٹیالہ	پیر مراد شاہ لاہوری	پیر قلندر شاہ رتوی	
	ناقل ''گنج اسرار''	ناظم شجرہ چشتیہ	
	۱۲۰۷ھ	۱۲۴۸ھ	

Marfat.com

مشہور خلفائے شیخ فریدالدینؒ

آپ کے ہزاروں مریدوں میں سے چند ایک کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) سلطان المشائخ شیخ نظام الدین علیہ الرحمتہ بدایونی ثم دہلوی۔
(۲) علاء الدین علی احمدؒ صابری ہمشیرہ زادہ و داماد۔
(۳) جمال الدین قطب ہانسویؒ
(۴) بدرالدین سلیمانؒ (پسر)
(۵) شہاب الدین گنج علمؒ (فرزند)
(۶) نظام الدین شہید شکر گنج
(۷) یعقوب بن شکر گنجؒ
(۸) شیخ نصیرالدین شکر گنجؒ
(۹) بدرالدین اسحاق غزنویؒ
(۱۰) شیخ دھارو خادمؒ
(۱۱) شیخ زین الدین دمشقیؒ
(۱۲) شیخ شکر ریزؒ
(۱۳) شیخ علی شکر بارانؒ
(۱۴) شیخ علی الحق سیالکوٹیؒ
(۱۵) شیخ محمد سراجؒ
(۱۶) وہنی دیاؒ
(۱۷) شیخ جمال عاشق کاملؒ
(۱۸) شیخ نجیب الدین متوکلؒ (برادر)
(۱۹) شیخ عارف سیستانیؒ
(۲۰) شیخ زکریا سندھیؒ
(۲۱) شیخ صدر دیوانہؒ
(۲۲) داؤد دو پالیؒ
(۲۳) شیخ جلال الدینؒ
(۲۴) شیخ رکن الدینؒ
(۲۵) شیخ محمد بن محمود کرمانیؒ
(۲۶) شیخ یوسفؒ

Marfat.com

(۲۷) شیخ منتخب الدینؒ برادر شیخ برہان الدین غریبؒ

(۲۸) شیخ محمد شاہ غوریؒ

(۲۹) برہان الدین صوفی ہانسویؒ

(۳۰) مولانا محمد مولہانیؒ

(۳۱) مولانا علی بہاریؒ

(۳۲) شیخ محمد نیشاپوریؒ

(۳۳) شیخ حمیدالدین مکانیؒ

رَحْمَةُاللّٰه عَلَیهِمْ اَجْمَعِیْن

التماس۔ اگر کسی بزرگ کا نام نامکمل یا صحیح نہ لکھا گیا ہوتو درست فرمالیں۔ نامی

حضرت شیخ فریدالدینؒ کی اولاد

حضرت گنج شکرؒ کی اولاد کا نقشہ حسب ذیل ہے:

بیٹے

(۱) شیخ بدالدین سلیمانؒ سجادنشین۔ مدفون اندرون گنبد معلّٰی' جو چھ بیٹوں اور پانچ بیٹیوں کے پدر بزرگوار تھے۔

(۲) شیخ بہاءالدینؒ الملقب شہاب الدین گنج علمؒ جو علیحدہ گنبد میں مدفون ہیں۔ ان کے پانچ پسر تھے۔

(۳) شیخ یعقوبؒ۔ مرقد نامعلوم۔ دو پسر کے والد۔

(۴) نظام الدین شہیدؒ۔ مقبور تھہپور۔

(۵) نصیرالدین نصراللہؒ مزار موضع چاولیانہ پرگنہ قبولہ میں۔ چھ پسر خداداد

(۶) عبداللہ بیابانیؒ خردسالی میں شہید۔ مزار بیرون پاکپتن۔

بیٹیاں

(۱) بی بی فاطمہؒ زوجہ شیخ بدرالدین اسحاق بخاری خلیفہ شیخ داوٗدؒ۔ خواجہ نور محمدؒ اور خواجہ موسےٰؒ دو فرزند۔

(۲) بی بی شریفہ ولیہؒ۔ جوانی میں بیوہ ہوگئیں اور باقی عمر یاد الٰہی میں مصروف رہیں۔ اگر عورت کی خلافت روا ہوتی تو والد بزرگوار انہی کو سجادہ نشین مقرر کرجاتے۔

(۳) بی بی مستورہؒ۔ زوجہ شیخ عمرؒ صوفی فاروقی۔ شیخ محمدؒ پسر۔

(۴) ایک اور دختر۔ جن کا نکاح شیخ علی احمد صابر کلیریؒ سے ہوا۔

رَحْمَةُاللّٰه عَلَیهِمْ اَجْمَعِیْن

....

سلسلہ چشتیہ میں مرید ہونے کے لئے شرائط اوران کا اثر

جو شخص سلسلہ چشتیہ میں مرید ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دو رکعت نماز ادا کرے۔ اور پھر ابتدا میں ان شرائط پر کاربند ہو:

(۱) جو کچھ کھائے اللہ کا نام لے کر کھائے۔ (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر)

(۲) یاد الٰہی میں عمر گزارے۔

(۳) سوئے تو خیال کرے کہ یہ موت کی نیند ہے (اور اسے اللہ کے پاس جانا ہے)۔

(۴) جاگتے ہی کلمہ پڑھے۔

پھر اسے پیر یہ تلقین کرے کہ اے مرید! تو فقیر بن گیا ہے اور تجھے میری بات غور سے سننی چاہئے۔ سنو! لفظ فقیر چار حروف سے مرکب ہے۔ ف۔ ق۔ ی اور ر سے ف سے مراد فاقہ ہے یعنی روزے رکھنا۔ ق سے مراد قناعت ہے۔ یعنی ہر حال میں قانع رہنا۔ ی سے مراد یاد الٰہی ہے۔ یعنی اللہ کی یاد میں محو رہنا اور ر سے مراد ریاضت ہے۔ لہٰذا تمہیں ان چار صفات سے متصف ہونا ضروری ہے۔

جب مرید ان صفات میں کامل ہو جاتا ہے تو اسے تصور مرشد کی مشق کرائی جاتی ہے۔ پھر اسے کوئی اسم مبارک بتایا جاتا ہے اور خانقاہ پر چلہ کاٹنے کی ہدایت کی جاتی ہے اور اسم مبارک کا ورد کرایا جاتا ہے۔ پھر اسے شجرہ پڑھایا جاتا ہے۔ ان باتوں پر عامل ہو کر اس کی روحانی ترقی بڑھتی ہے اور اس پر چودہ طبق تاعرش روشن ہو جاتے ہیں۔ پھر اسے صحو (روحانی بیداری) حاصل ہوتی ہے اور لوح محفوظ تک اس کی نظر پہنچتی ہے اور اسے ماضی، حال اور مستقبل کا علم ہو جاتا ہے۔ اور درجہ تقویم کو پہنچتا ہے اور روحوں اور ناز و نیاز کے اسرار سے واقف ہو جاتا ہے۔ اور اسم ذات اس پر خود بخود منکشف ہو جاتا ہے۔

(ماخوذ از ''گلوسری آف ٹرائبز'')

حالات حضرت شیخ فریدالدین مسعود اجودھنی قدس سرہ العزیز

شیخ عبدالحق دہلوی: یہ حالات کتاب ''اخبار الاخیار'' قلمی سے ماخوذ ہیں جو میرے پاس موجود ہے۔ اس کے اخیر میں لکھا ہے۔

''تمت تمام نسخہ اخبار الاخیار تصنیف شیخ عبدالحق در بلدۂ شاہ جہان آباد در محرم الحرام ۲۴ھ جلوس عالم گیری بوقت عصر روز پنج شنبہ دستخط اضعف العباد سید فاضل جونپوری بحسب فرمودہ حقائق حق آگاہ معارف دستگاہ عنایت اللہ نبیرۂ سلطان العارفین برہان العاشقین مخدوم محمد خیالی قدس سرہ۔''

یعنی یہ نسخہ ۱۰۹۲ھ مطابق ۱۶۸۱ء کا مرقومہ ہے۔ چونکہ مؤلف کتاب ہذا ۱۰۵۱ھ مطابق ۱۶۴۱ء فوت ہوئے تھے۔ اس لیے یہ صرف ۴۱ سال بعد کی تحریر ہے۔ مؤلف بڑے جلیل القدر عالم وفاضل تھے۔ دہلی کے رہنے والے فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم باعمل اور زہد و ریاضت میں بے نظیر تھے۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے کمال عقیدت

Marfat.com

رکھنے کی وجہ سے آپ کا خطاب عاشق غوثیہ تھا۔ پہلے آپ نے شیخ جمال الدین موسئے پاک شہید اوچی بن سید حامد گیلانیؒ سے بیعت کر کے فیض عظیم حاصل کیا۔ پھر مکہ معظمہ میں شیخ حسام الدین متقیؒ اور شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے تکمیل کی اور شریعت وطریقت وحقیقت میں مقتدائے وقت ہوئے۔ آپ کی تصانیف سے ایک تو یہی ''اخبار الاخیار فی اسرار الابرار'' ہے اور شرح مشکوٰۃ شریف، صراط مستقیم، شرح فتوح الغیب، جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب اور رسالہ علم تصوف وغیرہ علاوہ ازیں ہیں۔ آپ عہد جہانگیری اور شاہجہانی میں مقبول خاص وعام تھے۔ مفتی غلام سرور لاہوری نے آپ کی تاریخ وفات یہ لکھی ہے:

زدنیا وصل باحق یافت آخر　　　چو عبدالحق ولی پاک مخدوم
وصالش یافت باطرز رنگیں　　　زعبدالحق امام دین مخدوم

اب ''اخبار الاخیار'' سے حالات لکھے جاتے ہیں۔

شانِ فریدؒ

شیخ فرید الدین اجودھنیؒ خواجہ قطب الدینؒ کے خلیفہ تھے اور خواجہ بزرگ معین الحق والدینؒ سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ آپ جلیل القدر ولی اور سلسلہ چشتیہ کے رکن رکین تھے۔ بڑی ریاضت اور مجاہدہ سے فقر وتجرید میں کمال حاصل کیا۔ آپ کشف وکرامت میں ایک نشان تھے اور ذوق ومحبت میں آپ کو اونچا مقام حاصل تھا۔ ہمیشہ سرّ واخفا سے کام لیتے اور اپنے آپ کو خلقت کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے۔ اسی لئے ایک شہر سے دوسرے شہر چلے جاتے۔ یعنی جہاں آپ کی بزرگی ظاہر ہونے لگتی وہاں سے دوسری جگہ تشریف لے جاتے۔ آخر کار گوشہ تنہائی اجودھن میں ملا، مگر آپ کی بزرگی نہ چھپ سکی۔

خواجہ قطب الدینؒ کی ملاقات

کہا جاتا ہے کہ ملتان میں ایک جگہ سرائے حلوائی کے نام سے مشہور تھی۔ اس کے پاس والی مسجد میں آپ پڑھ رہے تھے کہ خواجہ قطب الدین قدس سرہ وہاں پہنچے اور دو رکعت پڑھ کر شیخ فریدؒ کو دیکھا کہ ایک گوشے میں بیٹھے کتاب ''نافع'' کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ خواجہ صاحبؒ اپنی جگہ سے اُٹھ کر شیخ موصوف کے سر پر آ کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ مولانا کیا پڑھ رہے ہو؟ آپ نے کہا یہ کتاب ''نافع'' ہے۔ فرمایا کہ کیا تمہارا فائدہ اس کتاب میں رکھا ہے؟ آپ نے عرض کیا کہ میرا نفع تو آپ کی سعادت بخش کیمیا اثر نظر میں ہے۔ یہ کہہ کر آپ خواجہ صاحبؒ کے پاؤں میں گر پڑے، توانہوں نے زبان مبارک سے یہ شعر پڑھے:

مقبول توجز مقبل جاوید نشد　　　وزلطف تو ہیچ بندہ نو مید نشد
لطف بکدام ذرہ پیوست دمے　　　کاں ذرہ بہ از ہزار خورشید نشد

یعنی یا اللہ! جو تیرا مقبول ہے وہ ہمیشہ مقبول ہی رہتا ہے۔ تیری مہربانی سے کوئی بندہ ناامید نہیں۔ وہ کونسا ذرہ

ہے جو تجھ سے ملا اور ہزار سورج سے بڑھ نہ گیا۔

امت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے امن

اس کے بعد یہ حدیث ارشاد فرمائی۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے: انزل اللّٰہ علی امتی امانین وما کان اللّٰہ لیعذ بھم و انت فیھم وما کان اللّٰہ معذ بھم وھم یستغفرون فاذا امضیت ای مت ترکت فیھم الا ستغفار الیٰ یوم القیامۃ یعنی میری امت کے لیے اللہ تعالےٰ نے دو امانیں نازل کی ہیں۔ ایک یہ کہ جب تک آپ (رسول اللہؐ) امت میں موجود ہیں وہ گرفتار رغذاب نہ ہوگی اور اللہ امتیوں کو پھر بھی عذاب نہیں کرے گا جب کہ وہ استغفار پڑھتے ہوں گے اور جب آپ گزر جائیں گے تو ان کے عذاب سے بچاؤ کے لئے استغفار قیامت تک باقی رہے گا۔

ہانسی سے اجودھن میں

جب شیخ الاسلام قطب الدینؒ نے انتقال فرمایا تو شیخ فرید الدینؒ اُن کے روضہ کی زیارت کے لیے ہانسی سے شہر میں آئے، اور شیخ بدر الدین غزنویؒ سجادہ نشین کو خواجہؒ کی وصیت کے مطابق آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور کہا گیا کہ دوسری وصیت یہ تھی میرے حرم کو بھی خدمت میں پیش کیا جائے، شیخؒ نے فرمایا یہ بات میں قبول نہیں کرسکتا۔ پھر کسی کو خبر کئے بغیر آپ چپکے سے باہر آئے اور ہانسی پہنچ گئے مگر یہ بھی بڑا قصبہ تھا اُسے بھی چھوڑا اور آگے چل دیئے اور کہا کہ مجھے ایسا گاؤں چاہیے جہاں کوئی معتقد نہ ہو اور میں بفراغت عبادت کرسکوں، چنانچہ سفر کرتے ہوئے اجودھن پہنچ گئے۔

کنج تنہائی اور خوراک

اجودھن کو آپ نے پسند کرلیا، کیونکہ یہاں کے لوگ بڑے سخت مزاج اور بدعقیدہ تھے، اور درویشوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ شیخ نے فرمایا یہ جگہ میرے رہنے کے لائق ہے، چنانچہ اس جگہ سکونت اختیار کرلی اور کوئی آپ کا پرسان حال نہ ہوا۔ قصبہ کے باہر کریر کے گنجان درخت تھے۔ وہاں آپ مشغول عبادت ہوگئے۔ ہاں جمعہ کی نماز پڑھنے مسجد میں تشریف لے جاتے۔ اجودھن میں آپ کو حسب منشا فراغ خاطر حاصل ہوگیا۔ اسی جگہ آپ صاحب اولاد ہوئے۔ اُنہیں بھی فاقوں پر فاقے آتے تھے اور مصیبت اُٹھاتے تھے، مگر آپ اس قدر عبادت میں مشغول تھے کہ یہ فاقے آپ کو شغل عبادت روک نہ سکے۔

لباس پسندیدہ

ایک دفعہ آپ کے کپڑے میلے ہوکر پھٹ گئے۔ ایک شخص نے نئے کپڑے لاکر آپ کو پہنا دیئے۔ آپ نے وہ اُتار کر شیخ نجیب الدین متوکل کو دے دیئے، اور فرمایا کہ جو ذوق اُس لباس میں حاصل تھا، اس میں نہیں ملا۔

Marfat.com

سامانِ افطاری

روزہ کھولنے کے لئے جو شربت آتا اس کے ساتھ کچھ مویز (منقی) بھی ہوتا۔ آپ اس سے نصف بلکہ دو حصے حاضرین کو عطا کر دیتے اور باقی تیسرا حصہ اپنے لیے رکھ لیتے اور اس سے بھی ایثار فرما دیتے۔ پھر دو چپڑی ہوئی روٹیاں آتیں۔ اُن سے تھوڑا سا خود تناول فرماتے اور باقی حاضرین کو بانٹ دیتے۔ بعض وقت مائدہ (خوان پُر از طعام) آپ کے واسطے لاتے۔ اس میں ہر رنگ کا طعام ہوتا۔ لوگ کھاتے ور آپ نوش نہ فرماتے اور اس میں سے قدرے دوسرے دن کا روزہ افطار کے لیے رکھ لیتے۔

گودڑی

آپ کے پاس ایک گودڑی تھی جو آپ دن کو پہنتے اور رات کو بچھا کر سوتے۔ وہی اخیر تک رہی۔

کچکول

شیخ فرید الدینؒ زیادہ تر روٹی زنبیل (کاسۂ گدائی) کی کھاتے اور افطار کے وقت اسی سے دو ایک ٹکڑے آپ کے پاس رکھے ہوئے تھے۔

شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ سے روایت ہے کہ شیخ فرید الدینؒ نے کئی سال زنبیل گردانی کی ہے۔ شیخ نظام الدینؒ نے بارہا فرمایا کہ جس رات ہم آپ کے ہاں کریر کا پھل (ڈیلے) سیر ہو کر کھاتے تھے، وہ ہمارے لئے عید ہوتی تھی۔ یہ پھل ہمیں مفت ملتا تھا۔ ایک دوست انہیں چن کر لاتا تھا اور ہم سب استعمال کرتے تھے اور جب ڈیلے ختم ہو جاتے تھے تو زنبیل پھراتے تھے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے سالہا سال آپ کی خدمت میں زنبیل پھیری ہے اور ایسا کھانے سے ہی ہم اس مقام پر پہنچے ہیں۔

طعام بے نمک

ایک دفعہ شیخ فرید الدینؒ کا خادم تھوڑا سا نمک اُدھار لے آیا۔ جب وہ افطار کے وقت کھانا سامنے لایا تو آپ نے نورِ باطن سے دریافت کر کے فرمایا کہ اس کھانے سے تصرف کی بو آتی ہے، اس کو استعمال میں لانا روا نہیں۔

راضی بقضا

ایک بار آپ کے اہل خانہ نے آ کر عرض کیا کہ بیٹا بھوک سے جاں بلب ہے۔ آپ نے سر اُٹھا کر فرمایا کہ مسعود بندہ کیا کرے۔ اگر اس کی قضا آ گئی ہے تو جب وہ جہان سے سفر کرے تو اُس کے پاؤں میں رسی باندھ کر اُسے باہر ڈال دینا۔

سنگریزے شکر پارے

جب شیخ فرید الدینؒ نے مجاہدہ کرنے کا ارادہ کیا، تو اس بارے میں خواجہ قطب الدینؒ کی خدمت میں عرض کی۔ حکم ہوا کہ روزۂ طی رکھو، چنانچہ آپ نے تین دن تک کوئی چیز نہ کھائی۔ تیسرے روز افطار کے وقت ایک شخص چند روٹیاں لے آیا۔ آپ نے اُسے غیبی مدد سمجھ کر روزہ کھول لیا، مگر وہ طعام ہضم نہ ہوا، اور بذریعہ قے خارج ہو گیا۔ آپ نے جب

Marfat.com

حضرت پیر صاحب سے یہ حالت بیان کی تو اُنہوں نے فرمایا کہ تین دن کے بعد جو تم نے خماری طعام کھایا تھا، خدا کے فضل سے معدہ نے اسے قبول نہ کیا۔ اب جا کر تین دن روزہ پھر رکھو اور غیب سے جو ملے اُس سے روزہ افطار کر لینا۔ چنانچہ تین دن کے روز کے بعد وقت افطار کچھ بہم نہ پہنچا۔ ایک گھڑی رات گزر گئی تو ضعف غالب ہوا اور نفس حرارت سے جلنے لگا، آپ نے دست مبارک زمین کی طرف بڑھایا اور چند سنگریزے اُٹھا کر منہ میں ڈال لئے اور وہ شکر بن گئے۔ معاً خیال آیا کہ یہ کوئی فریب نہ ہو، لہٰذا اُنہیں اُگل ڈالا۔ پھر مشغول عبادت ہو گئے، حتیٰ کہ آدھی گزر گئی۔ ضعف اور زیادہ ہوا۔ پھر سنگریزے اُٹھا کر منہ میں ڈالے۔ وہ بھی شکر بن گئے، چنانچہ تین دفعہ یہی کرامت معائنہ کی۔ پھر آپ نے جان لیا کہ یہ حق کی طرف سے ہے۔ جب دن ہوا تو یہ ماجرا خواجہ قطب الدینؒ کی خدمت میں بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جو کچھ ہوا غیب سے تھا۔ تم شکر کی طرح شیریں ہو گئے۔ اسی روز سے آپ گنج شکر مشہور ہوئے۔ ''سیر الاولیاء'' میں یونہی لکھا ہے۔

خطابِ شکر گنج

آپ کے شکر گنج کے خطاب کی دوسری وجہ یہ مشہور ہے، کہ ایک شخص شکر لادے لئے جا رہا تھا، آپ نے اُس سے شکر طلب کی، اُس نے کہا میرے پاس نمک ہے، شکر نہیں۔ آپؒ نے فرمایا، نمک ہی ہوگا۔ جب اُس نے باردان کھولا تو اُس سے نمک ہی نکلا۔ یہ دیکھ کر وہ شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معافی مانگی۔ آپؒ نے فرمایا کہ جاؤ شکر ہو جائے گی، چنانچہ نمک شکر ہو گیا۔ اس کے متعلق کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

کان نمک جہان شکر شیخ بحر و بر | آن کز شکر نمک کند و از نمک شکر

معکوس چلہ

اس کے بعد شیخ فرید الدینؒ نے مسجد حاج کے کنویں واقع اوچ میں معکوس چلہ کیا۔ اُس چاہ میں آپ کو کنارے پر روئیدہ درخت سے رسہ باندھ کر لٹکا دیتے، جہاں آپ رات بھر رہتے۔ صبح خادم آپ کو باہر نکال لیتے، اسی طرح چالیس دن پورے کئے۔

خطرۂ دل سے آگاہی

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے منقول ہے کہ مجھ سے ایک دانشمند عالم ضیاء الدین نے جو منارہ کے نیچے درس دیتے تھے، بیان کیا کہ میں ایک دفعہ حضرت شیخ فرید الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں ایک علم میں ہی ماہر ہوں۔ اگر مجھ سے شیخ اس کے سوا کوئی اور بات پوچھ بیٹھے تو کیا جواب دوں گا۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ آپ نے سوال کیا کہ تنقیح مناط کیا ہے، اور تنقیح مناط (۲) ایک علمی مسئلہ ہے۔ میں یہ سن کر خوش ہوا اور بیان کرنے لگا، اور اس کی نفی و اثبات کو خوش دلی سے واضح کیا، (مراد اس بیان سے یہ ہے کہ شیخ کسی کے خطرات دل سے آگاہ ہو جاتے تھے، اسلئے کہتے ہیں کہ جب کسی اہل اللہ کے پاس بیٹھو تو دل میں خیالاتِ فاسدہ نہ آنے دو)

Marfat.com

وفات شیخؒ

شیخ فریدالدینؒ ۵ محرم ۶۶۷ھ مطابق ۱۴ ستمبر ۱۲۶۸ء کو پچانوے سال عمر پا کر فوت ہوئے۔ پانچویں رات ہی آپ پر بیماری کا غلبہ ہوا۔ عشا کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی اور پھر بے ہوش ہو گئے۔ ایک گھڑی بعد ہوش میں آئے اور دریافت کیا کہ کیا میں نے نماز عشاء ادا کی ہے۔ حاضرین نے عرض کیا، ہاں۔ فرمایا ایک دفعہ پھر پڑھ لوں، کون جانتا ہے کہ پھر کیا ہو، چنانچہ بار دیگر نماز پڑھی اور فرمایا "یاحی یاقیوم" اور جان جان آفرین کے سپرد کی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ملفوظات حضرت شیخ فریدالدینؒ

شیخ نظام الدینؒ کے لکھے ہوئے ملفوظات سے چند درج کئے جاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ رات کو مشائخ سے یہ چار مسائل دریافت کئے گئے اور سب نے ایک ہی جواب دیا اور وہ مسائل یہ ہیں:

(الف) سب سے زیادہ عقلمند وہ ہے جو گناہوں کا تارک ہو۔

(ب) انسانوں میں اکیس (زیادہ عقلمند) وہ ہے جس میں کسی شئے سے تغیر واقع نہ ہو۔

(ج) سب سے زیادہ غنی وہ ہے جو قانع ہو۔

(د) سب سے زیادہ محتاج وہ ہے جس نے قناعت چھوڑ دی ہو۔

شیخ فریدالدینؒ فرماتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کو گوارا نہیں کہ اس کا بندہ اُس کی طرف دستِ سوال دراز کرے اور وہ اسے خالی لوٹا دے۔

(۲) میرے پاس اگر کچھ ہو تو بھی اگر نہ ہو تو بھی کچھ غم نہیں ہوتا۔

(۳) اپنی سخاوت کا کام کسی کی ناگوار بات پر چھوڑنا نہیں چاہیے۔

(۴) شیخ الاسلام جلال الدین کا قول ہے، بات کرنے سے پہلے اس کے اوّل اور آخر کو وزن کر لو۔ اگر کہنے کے لائق معلوم ہو تو کہو ورنہ چپ رہو۔

(۵) جب فقیر کپڑا پہننے لگے تو سمجھ لے کہ کفن پہن رہا ہے۔

(۶) تم دراصل جیسے ہو ویسے ہی اپنے آپ کو ظاہر کرو، ورنہ لوگ ظاہر کر دیں گے کہ تمہاری اصلیت کیا ہے۔

(۷) حق کا جذبہ حاصل کرنا ثقلین (دونوں جہان) کی عبادت سے بہتر ہے۔

(۸) بشارت ہے اُس شخص کے لئے جو لوگوں کے عیب دیکھنے سے آنکھ بند کر لے۔

(۹) صوفی وہ ہے جس کی صحبت سے ہر شے صاف ہو جائے اور وہ کسی سے مکدر و ملوث نہ ہو۔

(۱۰) اگر تم بزرگی کے خواہشمند ہو تو بندگان شاہی کی طرف التفات نہ کرو۔

(۱۱) فرمایا:

Marfat.com

دوشینہ شہم دل حزینم بگرفت — واندیشہ یار نازنینم بگرفت
گفتم بسر و دیدروم برورتو — اشکم بدو یدوآستینم بگرفت

(ترجمہ) یعنی میں کل رات محبوب کے دل میں گرفتہ ہوا اور چاہا کہ بسر و چشم اُس کے دروازے پر پہنچوں تو آنسوؤں نے رواں ہوکر میرا دامن پکڑ لیا۔

(۱۲) شیخؒ کے سامنے سماع کے مباح یا حرام ہونے کی بات پیش ہوئی، کیونکہ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سبحان اللہ، ایک جل کر خاک ہوگیا اور دوسرا ابھی تک اختلاف میں پڑا ہے۔

(۱۳) تدبیر میں آفت ہے اور تسلیم میں سلامتی۔

(۱۴) علما اشرف الناس ہیں اور فقرا اشرف الاشراف۔

(۱۵) علما میں فقیر ایسا ہے، جیسا ستاروں میں چاند۔

(۱۶) انسانوں میں سب سے ذلیل وہ شخص ہے جو کھانے پینے میں مشغول رہے۔

شیخؒ کا بادشاہ کی طرف سفارشی رقعہ

ایک شخص نے فرید الدینؒ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے سلطان غیاث الدین بلبن کی طرف سفارشی رقعہ لکھ دیں۔ آپؒ نے لکھ دیا کہ میں حامل رقعہ کا کام پہلے خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ پھر تیرے۔ اگر تو اس کی مراد دیدے تو اصل معطی خدا ہے اور تو مفت کا مشکور۔ اگر نہ دے تو مانع اللہ ہے اور تو معذور۔

(مولانا عبدالحق علیہ الرحمۃ کا بیان ختم ہوا)

نامی

شیخ فریدؒ کا نسب اور تذکرہ نویسوں کی غلطیاں

مفتی غلام سرور مرحوم لاہوری نے جو تاریخ گوئی میں بڑے ماہر تھے، ''گنج تاریخ'' میں لکھا ہے کہ شیخ فرید الدینؒ کے والد ماجد جمال الدین سلیمان، سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۲ھ) کے خواہرزادہ تھے۔ سلطان شہاب الدین غوری (متوفی ۶۰۲ھ) کے عہد میں کابل سے لاہور آئے اور کچھ عرصہ قصور میں سکونت رکھ کر ملتان پہنچے اور مولانا وجیہہ الدین خجندی عباسی کی دختر قرسم خاتون سے شادی کی جس کے بطن سے اعزالدین محمود، فرید الدین مسعود اور نجیب الدین متوکل پیدا ہوئے۔

شیخ فریدؒ کا نسب آٹھ واسطوں سے فرخ شاہ بادشاہ کابل سے، سترہ واسطوں سے سلطان ابراہیم ادہمؒ سے (حالانکہ ثقہ مؤرخوں ابن اثیر اور ابن خلکان کی تحقیق کے مطابق سلطان موصوف کے دادا کا نام منصور بن یزید بن جابر عجلی تھا اور عجل قبیلہ بکر بن وائل کی ایک شاخ تھی، یعنی آپ قریشی نہ تھے، شیخ مجددؒ اور دیگر فاروقی خاندان جن کا تعلق فرخ شاہ کابلی سے ہے، ابراہیم کے ساتھ ادہم زیادہ نہیں کرتے، لہٰذا صرف ابراہیم لکھنا چاہیے اور ۲۳ واسطوں سے حضرت عمرؓ بن خطاب

سے ملتا ہے۔)

مصنف ''جواہر فریدی'' نے ابراہیم بن ادہم کا نسب چار واسطوں سے حضرت فاروق اعظمؓ تک اس طرح پہنچایا ہے۔ ابراہیم بن ادہم بن سلیمان بن منصور بن ناصر بن عبداللہ بن حضرت عمر بن خطابؓ، مگر ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) نے حضرت عبداللہؓ بن حضرت عمر کے بیٹوں کے نام عبداللہ، سالم، عاصم، حمزہ، بلال اور واقد لکھے ہیں۔ ناصر کوئی نہیں لکھا اور نہ ہی اُن کے کسی پوتے کا نام منصور تحریر کیا ہے۔

حضرت شیخ فریدؒ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (متوفی ۱۰۳۴ھ) اور مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) اور مولانا شاہ عبدالرحیم (متوفی ۱۱۳۱ھ) اور شاہ میر لاہوری کی طرح فاروقی ضرور ہونگے، جیسا کہ اُن کے فقر و فاقہ اور سادہ طرز معاشرت سے ثابت ہے، مگر نسب نامہ کی صحت ضروری ہے۔

شاہ ابوالخیر عبداللہ دہلوی مجددی اور خواجہ ضیاء معصوم صاحب نزیل چار باغ (کابل) کا خاندان بھی اسی نژادِ عالی (فاروقی) سے ہے اور حیدر آباد کا مشہور شمس الامرائی خاندان باوا صاحبؒ کی اولاد سے ہے۔ (تحقیق خان بہادر مولوی محمد حسین جج مترجم سفر نامہ ابن بطوطہ۔ صفحہ نمبر ۳۶)۔

مفتی صاحب مرحوم نے ''گنج تاریخ'' میں لکھا ہے کہ غزنوی سلطنت کے زوال کے بعد جب چنگیز خان نے حملہ کیا تو شیخ فریدؒ کے جد بزرگوار شہید ہو گئے اور شیخ فریدؒ کے والد بزرگوار ہندوستان آئے اور شیخ قصبہ کوتوال (مضافات ملتان) میں پیدا ہوئے۔ مفتی صاحب نے حضرت شیخ کا سال ولادت ۵۸۵ھ اور سال رحلت ۶۶۴ھ یا ۶۶۶ھ یا ۶۷۰ھ لکھا ہے، حالانکہ چنگیز کا عہد حکومت ۶۰۳ھ/ ۱۲۰۶ء سے ۶۲۴ھ/ ۱۲۲۷ء تک ہے جیسا کہ مسٹر لین پول نے شجرات فرمانروایان اسلام میں لکھا ہے، یعنی وہ ولادت شیخؒ سے ۱۷ سال بعد اُٹھا اور آپ کی زندگی ہی میں مر گیا۔ اندریں حالات آپ کے دادا کا چنگیز خاں کے ہاتھ سے شہید ہونا غلط بات معلوم ہوتی ہے۔ ہلاکو نے بغداد کو ۶۵۱ھ/ ۱۲۵۸ء میں برباد اور خلیفہ مستعصم کو شہید کیا تھا، یعنی حضرت شیخؒ کی وفات سے آٹھ برس پہلے، اُس وقت ہندوستان میں خاندان غلاماں کے بعد بادشاہ محمود شاہ اول ناصر الدین کی حکومت تھی۔

یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ شیخ فرید الدینؒ کی ہمارے دل میں عزت و عظمت محض اُن کے قریشی فاروقی ہونے کے باعث نہیں بلکہ اُن کی ذاتی بزرگی اور تقدس کی وجہ سے ہے۔ حضرت بلال حبشی غلام تھے مگر عشق و متابعت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعادت حاصل کر کے حضرت فاروق اعظمؓ کی زبان سے سید کہلائے اور ابولہب ہاشمی ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت اور دشمنی کی وجہ سے فی النار ہوا۔ کیا ہی ٹھیک فرمایا ہے عارف جامیؒ نے

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

شانِ فریدؒ

شاہ دین و رہنمائے گمرہاں بابا فریدؒ مرشد محبوب و فخر چشتیاں بابا فریدؒ

Marfat.com

جانشین قطب دین وثانی پیران پیرؒ — خواجہ اجمیرؒ کے ہیں دودماں بابا فریدؒ
مظہر مہر خدا ہیں اور ہیں بیکس نواز — آپ کے فیضان اب بھی ہیں عیاں بابا فریدؒ
ہندو پاکستان روشن نور سے ہیں آپکے — شمع بزم مصطفیٰؐ ہیں بے گماں بابا فریدؒ
روضۂ انور پہ اپنے اَب بلا لیجئے حضور — آپ ہیں آقائے عالم مہرباں بابا فریدؒ
مہربانی کی نظر ہو خانما برباد ہوں — در پہ مل جائے مجھے ایک آشیاں بابا فریدؒ

بحر غم کا خوف ہاتف کچھ نہیں ہے پھر مجھے
دیں سہارا گر مجھے شاہ شہاں بابا فریدؒ

دیگر

موودود دا لاڈلا پیر چشتی شکر گنج مسعودؒ بھر پور ہے جی
بائیس قطباندے وچہ پیر کامل جس دی عاجزی زہد منظور ہے جی
خانداں وچہ چشت دے قابلیت شہر فقر دا پٹن معمور ہے جی
شکر گنج نے آن مقام کیتا دکھ درد پنجاب دا دور ہے جی

سید وارث شاہ

☆ ☆ ☆

اُردو ترجمہ کتاب

گنج اسرار

یعنی

چراغ فریدی

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم o

الحمد للّٰہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

تعریف کا مستحق اللہ تعالیٰ دُنیا جہان کا پالنے والا ہے اور عاقبت بالخیر متقیوں کے لیے ہے اور درود اور سلام بے پایاں کے سزاوار خدا کے رسول محمدؐ اور اُن کی آل اور تمام اصحاب کبار ہیں۔

حسن تقریب

حمد وثنا کے بعد درویش فرید مسعود اجودھنی غفر اللّٰہ لہ ولوالدیہ و احسن الیھما والیہ (اللہ تعالیٰ اس کی اور اس کے والدین کی مغفرت فرمائے اور اُس کے ماں باپ کے ساتھ اس پر بھی احسان کرے) بیان کرتا ہے کہ میں جو یہ

Marfat.com

فارسی رسالہ پیش کرتا ہوں اس میں دل کی معرفت (شناخت) اور اُس کی ماہیت (پہچان) کی تشریح ہے۔ حدیث قدسی ہے: لا یسعنی فی ارضی و لا سمائی و لکن یسعنی فی قلب عبد مومن یعنی زمین و آسمان میرے متحمل نہیں لیکن قلب مومن میرا متحمل ہے۔

اور نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: قلب المؤمن اکبر من العرش و اوسع من الکرسی (یعنی مسلمان کا دل عرش سے بڑا اور کرسی سے زیادہ وسیع ہے)۔ اس سے مومن کے دل کی عظمت اور بزرگی کا اظہار مقصود ہے، کیونکہ یہ (قلب مومن) اللہ تعالیٰ کے عشق، اسرار، روح، معرفت اور ذکر کا گنجینہ ہے۔

دل کی اصلاح

اے عزیز! جان لیکر اگر دُنیا میں یہ دل اصلاح پذیر ہو جائے تو تمام سراپا اصلاح ہو جاتا ہے اور اگر اس میں فساد واقع ہو، تو پھر تمام جسم کے لیے خرابی ہی خرابی ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان فی جسد بنی آدم مضغة اذا صلحت صلح بها سائر الجسد و اذا فسدت فسد بها سائر الجسد الا و هی القلب۔ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جس کے اصلاح پذیر ہونے سے تمام جسم درست ہو جاتا ہے اور خراب ہونے سے سارے تن بدن میں خرابی واقع ہو جاتی ہے اور وہ گوشت کا لوتھڑ دال ہے۔

اور لا یسعنی فی ارضی و لا سمائی و لکن یسعنی فی قلب عبد مومن کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں زمین میں سما سکتا ہوں نہ آسمان میں، میری سمائی صرف مومن بندے کے دل میں ہوسکتی ہے۔

اے عزیز! اگر کوئی کہے کہ دل خواہ مومن ہی کا ہو صرف ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، وہ زمین و آسمان سے کس طرح وسیع ہوسکتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وسعت سے مراد اس کی اصلاح (نیکی) اور راستی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دل کی اصلاح تزکیہ (پاکیزگی) تصفیہ (صفا) اور تجلیہ (جلا) سے حاصل ہوتی ہے۔

تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ بُرے اور صاف سے نفس کو پاک کیا جائے اور تصفیہ سے یہ کہ دل کو بُری باتوں سے صاف رکھا جائے اور تجلیہ روح کی روشنائی کا نام ہے۔ جب تک دل ماسویٰ اللہ سے پاک نہ ہو یہ صفات حاصل نہیں ہوسکتیں۔

بیماری دل کا علاج

مرید کو یقین ہونا چاہیے کہ نفس بڑی ریاضت، مجاہدہ اور طاعت گوناگوں (طرح طرح کی عبادت) سے پاک ہوتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ گوشت اور خون کم ہوتا ہوتا مغز کی ہڈیوں تک پہنچ جائے اور مغز بھی ہڈیوں کو چھوڑ دے۔ جب یہ حالت ہو جائے تو نفس کے لیے پاکیزگی یقینی ہے پھر افعال کا حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق سرزد ہونا لازمی ہے۔

Marfat.com

کم خوری کی برکت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اتحبون ان الجنة مریض النعیم فواللّٰہ لا ید خلوھا حتی تکونوا کا البردة التی بہ تنزل من السما (یعنی کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہارا ٹھکانا جنت ہو۔ خدا کی قسم اس میں داخل نہیں ہو گے جب تک کہ تم آسمان سے نازل ہونے والے ژالہ کی طرح نہ ہو جاؤ)۔

اور اس کام کی اصل کم کھانا اور رات کو بیدار رہنا ہے۔ غذا خشک ہو تو کم کھائی جاتی ہے اور نفس خشک کھانے سے دُبلا ہوتا ہے۔ جب غذا کھاتے جائیں اور نیم سیری (آدھا شکم خالی رہنے) تک نوبت پہنچ جائے تو جسم گھٹنا اور خون کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اے عزیز! جان لے کہ جسم اور اعضا کا عبادت میں سست ہونا اس وجہ سے ہے کہ جسم کا گوشت اور خون گھٹتا نہیں۔ جب گوشت اور خون میں کمی ہو جائے تو اعضا سبک ہو کر عبادت کی طرف راغب اور مشغول ہو جاتے ہیں۔

نماز تہجد پڑھنے کی تاکید

مرید کو چاہیے کہ رات نفل پڑھتا رہے خاص کر رات کے آخری حصہ میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے ومن اللیل فتھجد بہ نافلة لک عسی انْ یبعثک ربک مقاما محمود (یعنی رات کے ایک حصے میں نماز تہجد پڑھا کرو جو آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے فائدہ مند ہے۔ اُمید ہے آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا)۔

دل کی صفائی کا طریقہ

جب کام میں استقامت آجائے تو نفس پاک ہو جاتا ہے اور اسی کا نام تزکیہ ہے۔ حصول تزکیہ سے صفات میں پختگی آتی ہے۔ دل کی صفائی سے یہی مقصد حاصل ہوتا ہے اور جب تک صفائی قلب کا جوہر پیدا نہ ہو دل پاک نہیں ہوتا، اور دل پاس انفاس، (محافظت نفس) سے ہی پاک ہوتا ہے اور پاس انفاس سے مراد یہ ہے کہ جو سانس سینے میں آئے جائے اُس میں اللہ ہی کا ذکر ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لکل شئی مصقلة ومصقلة القلب ذکر اللّٰہ تعالی (یعنی ہر چیز کے لیے صیقل کرنے کا آلہ ہوتا ہے اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جلا پاتا ہے)۔

پاس انفاس کا حصول اور اثر

اے عزیز! اب جان لے کہ پاس انفاس دو طرح حاصل ہوتا ہے، ایک ذکر جلی (آواز سے ذکر) سے اور دوسرا ذکر خفی (آہستگی سے ذکر) سے۔ عزیز من! ابتدائے حال میں مرید کو ذکر جلی میں مشغول ہونا چاہیے۔ ذکر جلی سے مراد زبان سے ذکر کرنا ہے۔ اسی میں مواظبت (پے در پے تکرار) ضروری ہے، تاکہ حضور دل ہو جائے اور حضور دل سے مراد یہ ہے کہ نفس کا زماں اور مکاں معلوم ہو جائے زماں سے سانس کا باہر نکالنا اور مکاں اندر لے جانا ہے لہٰذا نفس کو اللہ کے ذکر

Marfat.com

سے خالی رکھنا نہیں چاہیے۔ذکر جلی کی کثرت سے ذکر خفی حاصل ہوتا ہے۔
سالک کو آگاہ ہونا اور یقین رکھنا چاہئے کہ ہر ایک دن جوبیس ساعت میں منقسم ہے اور ہر ساعت میں ہزار انفاس (سانس) ان سب کو عبادت میں بسر کرتے تو راہ خدا کا سالک ہوسکتا ہے۔

طاعتِ ظاہر و باطن

اے عزیز! جان لے کہ طاعت کی دو قسمیں ہیں، ایک طاعت ظاہر اور دوسری طاعت باطن۔مرید کو ابتدائے حال میں طاعت ظاہر اختیار کرنا چاہیے اور اُس کے لیے پاس انفاس، نماز، روزہ، کم خوری، کم خوابی اور خلقت سے کم میل جول رکھنا اور ہمیشہ ذکر میں مشغول رہنا ضروری ہے۔

مرید کو طاعت باطن میں ہمیشہ مشغول ذکر رہنے کے علاوہ حبس دم اس قدر رکھنا لازم ہے کہ سانس میں تنگی واقع ہو جائے۔جب تنگی نفس کی حد سے گزر جائیں تو بشریت کی طاقت محو ہو جاتی ہے۔رات دن کی چوبیس ساعتوں میں چوبیس ہزار سانس آتے جاتے ہیں۔ایک ساعت کے لیے بھی سانس کی تنگی کا مشغلہ بہت سخت ہے،اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدین ساعة فاجعلها طاعة (یعنی دین (حساب، جزا، طاعت) ایک گھڑی ہے اس میں عبادت کرلو) اس نے طاعت باطن مراد ہے،یعنی ذکر خفی سے پاس انفاس،اور جو گھڑی اس میں بسر ہو وہ سب ساعتوں سے بہتر ہے چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تفکر ساعة خير من عبادة ستين سنة (یعنی ایک گھڑی ذکر الٰہی میں محو رہنا ساٹھ برس کی عبادت سے اچھا ہے)۔

حبسِ دم

عزیز من! تفکر میں ایک گھڑی پاس انفاس رکھنے اور تنگی نفس میں مشغول رہنے سے ہی تصفیۂ دل ہوتا ہے اور جب تک ہر حالت میں ذاکر نہ ہوں دل صاف نہیں ہوتا اور نہ حبس دم اس حد تک کرنا کہ سانس میں تنگی واقع ہو جائے۔آتش نفس سے دل کے اردگرد......خناس کی نشست گاہ ہے۔وہ برسر دل بیٹھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: خناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس (یعنی خناس وہ ہے جو جنوں اور انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے)۔

دفع خناس کا نسخہ

اے عزیز! ان خناسی قوتوں کے دفع کرنے کیلئے ہر گھڑی ذکر خفی میں مشغول رہنا چاہیے۔اسی کے ذریعے تم خناس سے، اُس کے لشکروں سے، اُس کی خواہش سے جنگ کر سکتے ہو۔یہی جہاد اکبر ہے۔

جہادِ اکبر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث میں وارد ہے: رجعنا من جهاد الاصغر الى جهاد الا كبر (یعنی ہم جہاد اصغر (سیفی) سے جہاد اکبر (مجاہدہ) کی طرف رجوع کرتے ہیں) مراد اس سے یہ ہے کہ بیان کردہ ساعتوں میں سے ایک ساعت پاس انفاس سے نفس کو تنگی نفسؒ کی حد تک بند کرتے ہوئے ہر حال میں ذکر الٰہی کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ادعوا ربكم تضرعا و خفيه (یعنی اپنے رب کا ذکر گڑگڑا کر اور خفیہ کرو)۔

رُوح کا خزانہ اور اُس کے گوہر

اے عزیز! جب تنگی نفس سے کام گزر جائے اور طاقت بشریت محو ہو جائے تو حق تعالیٰ کے نور تجلیات سے ایک عمود (ستون) انسان کے باطن میں اُترتا ہے اور اس جگہ ذات الٰہی کا جذبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ نفس دل کی صفت اور دل روح کی صفت ہو جاتا ہے اور یہ روح دل کا خزانہ اور اس خزانے میں سات خزانے ہیں اور ہر خزانے میں تجلی الٰہی کے نور کا ایک گوہر ہے۔ ان گوہروں کے حصول سے خناس اور تمام خطرات اور بُرے اوصاف زائل ہو جاتے ہیں۔

دعوتِ الٰہی

نبی علیہ الصلوٰۃ السلام کی حدیث قدسی ہے: یا عبدی انا عند ظنک و انا معک اذا دعوتنی (یعنی اے میرے بندے! میں تیرے گمان کے مطابق تیرے ساتھ ہوں جبکہ تو مجھے پکارے) لہٰذا انسان کو ہر حالت میں خدا کو پکارنا چاہیے۔

اے عزیز! جان لے کہ طاعت باطن یہی ہے (کہ ہر دم اللہ کا ذکر کرے) مرید کو چاہیے کہ دل کی صفائی کے لیے کوئی دم یاد حق سے غافل نہ رہے، کیونکہ زندگی میں جتنے سانس لینے ہیں اُن کو تمہارے جسم میں گن کر رکھا ہوا ہے اور اس سے تنگی نفس کی حد تک پاس انفاس مقصود ہے۔

دل کے دو باب اور اُن کے کھلنے کی ترکیب اور دل کے گوشے

جب سالک تنگی نفس کی سرحد تک پہنچ جاتا ہے تو وہ نفس کا زمان و مکاں پا لیتا ہے۔ زمان اوّل یہ ہے کہ ذاکر ہر سانس میں ذکر جلی کرتا رہے، تا کہ دل کا کواڑ کھل جائے۔ دل کے دو دروازے ہیں، ایک اوپر اور ایک نیچے۔ سانس لینے سے بالائی دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ کام ذکر جلی کی کثرت سے صورت پذیر ہوتا ہے۔

اے عزیز! دل کی شکل گل نیلوفر کی سی ہے۔ خناس نے اُسے دو طرف سے پکڑا ہوا اور مکڑی کی طرح جالا تنا ہوا ہے اور نچلے جو پردے ہیں وہی اُسکی جائے پیدائش ہے۔ دل کے نیچے بھی نیلوفر کے پھول جیسے پردے ہیں۔

لہٰذا طریق الٰہی کے سالک کو لازم ہے کہ وہ سانس لینے کے وقت پاس انفاس رکھے اور ذکر جلی میں مشغول رہے۔ ذکر جلی کی کثرت سے بالائی در اور ذکر خفی سے نچلا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور دل کے سات گوشے ہیں۔ ہر گوشے

Marfat.com

میں ایک گوہر ہے۔ پہلا گوہر ذکر ہے، دوسرا محبت، تیسرا عشق، چوتھا سر (بھید) ہے، پانچواں روح' چھٹا معرفت اور ساتواں گوہر فقر ہے۔ دل کو ان گوہروں کی وجہ سے گنج (خزانہ) کہتے ہیں۔ اس پر خناس موکل ہے۔

دل کی بیماری کا باعث اور اُس کا علاج

اے عزیز! جان لے کہ دل میں غلیظ خون ہے جو ذکر خفی سے ہی صاف ہوتا ہے۔ دل اندر اور باہر سے بڑی سخت بیماری میں مبتلا ہے اور اس میں مرض کا باعث ناقص اور ناموافق غذائیں اور فانی چیزوں کی محبت ہے اور دل کی اصل علت خناس کی صورت ہے، جس کی اژدہا کی طرح خرتوم (سونڈ) ہے اور خرتوم میں زہر بھرا خار ہے۔ جب مرید ناقص اور ناموافق (حرام) غذا کھا لیتا ہے، تو خناس وہ زہر دار کانٹا اس کے دل میں پیوست کر دیتا ہے جس کے اثر سے خطرات اور بُرے اوصاف اس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

اے عزیز! دل کی صفائی حلال غذا اور کم کھانے میں ہے اور وہ غذا بھی خشک ہو، تاکہ خناس کا وجود کمزور ہو جائے اور غلیظ پردے پگھل جائیں اور نچلے پردے سوکھ جائیں اور (مرید) ذکر خفی میں مشغول ہو جائے، پھر بالائی دروازہ کھل جائے گا۔

اور دوسرا طریق (خناس سے محفوظ رہنے کا) یہ ہے کہ پاس انفاس ذکر خفی ذکر الٰہی میں مصروف رہنا چاہیے، یہاں تک کہ تنگی نفس حد تک پہنچ جائے اور دل کے اندرونی پردے کشادہ ہو جائیں اور دل کے اندر جو غلیظ خون ہے صاف ہو جائے۔

اور دل کے سات گوشوں میں جو گوہر ہیں وہ سالہا سال ہوائے نفس کی وجہ مکروہ غذائیں کھانے کی شامت سے سیاہ اور مکدر اور اپنا وصف کھو بیٹھتے ہیں۔ وہ اپنی اصلی حالت پر جبھی آ سکتے ہیں جب سالک مذکورہ ساعتوں کی ساعت میں ذکر خفی میں مشغول ہو جائے اور حبس دم کرے۔ پھر تنگی نفس کی حرارت سے دل اور اُس کے پہلو میں جو کدورتیں ہیں' مصفا ہو جائیں گی اور ساتوں گوہر اپنی اصل حالت پر جبھی آ سکتے ہیں جب سالک مذکورہ ساعتوں کی ساعت میں ذکر خفی میں مشغول ہو جائے اور حبس دم کرے۔ پھر تنگی نفس کی حرارت سے دل اور اُس کے پہلو میں جو کدورتیں ہیں مصفا ہو جائیں گی اور ساتوں گوہر اپنی اصل صفت پر لوٹ آئیں گے۔ دل کا اندرونی حصہ کھل جائے گا اور اُس میں سوئی جتنا سوراخ ہو جائے گا تاکہ سانس اس سوراخ سے نکل سکے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے حتی یلج الجمل فی سم الخیاط (یہاں تک اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے) اور جب تک کہ سالہا سال سے بند شدہ پردے نہ کھلیں' دل کا تزکیہ اور تصفیہ اور تجلیہ نہیں ہو سکتا۔

حصول مدعا کے تین درجے

عزیز من! حصول مدعا کے لیے عمل کے تین درجے ہیں: ایک شریعت' دوسرا طریقت اور تیسرا حقیقت۔
شریعت کے لئے تزکیہ نفس، کم کھانا اور بہت زیادہ نفل پڑھنا بالخصوص رات کو ضروری ہے اور طریقت تجلیہ'

Marfat.com

روح اور صیام طی (دوسرے دن افطار کرنے والے روزے) اور ذکر خفی کے شغل سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد دل کے پردوں کا سوراخ کھلتا ہے اور تجلیہ حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: انا جلیس من ذکر فی یعنی میں اُس کا ہمنشین ہوں جو مجھے یاد کرے۔ حق تعالیٰ بندے کے وصف کے مطابق نزدیک ہوتا ہے اور نزدیک ہونے کا وصف یہ ہے کہ گوہر کی صفت جو دل کے خزانے میں ہے، آشکارا ہو جائے۔

ذکر کے گوہروں کا بیان

اوّل گوہر ذکر ظاہر ہوا اور اس گوہر کا وصف یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر یقین کامل میں منفرد ہو جائے۔ پھر اسے یاعبدی انا عند ظنک وانا معک اذادعوتنی ذکراً کثیراً کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے، کیونکہ من احب شئی فکثر ذکرہ جس کو کوئی زیادہ محبوب رکھتا ہے وہ اُسی کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔ (قطعہ)

نفس و دل روح تا نگردد یک جا — واحد نشود بذکر ذاکر مذکور

باش اے زاہد مدام از تفرقہ دُور — ہاں تا نشوی بذکر ظاہر مغرور

یعنی جب تک ذکر کرتے وقت نفس، دل اور روح کو یک جانہ کرلے وہ ذاکر ہی نہیں کہلا سکتا۔ اے زاہد! ہمیشہ تفرقہ سے الگ رہ تا کہ تجھ میں ذکر سے غرور پیدا نہ ہو۔

اس کے بعد گوہر عشق کا وصف ظاہر ہوتا ہے اور اس (گوہر عشق) کا وصف یہ ہے کہ ہر عشق کو ہر وقت اشتیاق، غم اور حیرانی لاحق رہتی ہے اور وہ عاشق بظاہر بے خود نظر آتا ہے مگر حقیقت میں باخود ہوتا ہے، اور دیکھنے میں دیوانہ دکھائی دیتا ہے۔

پھر گوہر محبت کا وصف پیدا ہوتا ہے اور گوہر محبت کا وصف یہ ہے کہ محبّ راضی بقضا رہتا ہے اور اُسے ہر وقت اللہ کی رضا کی طلب رہتی ہے اور اس بندے سے اللہ بھی راضی ہوتا ہے۔

پھر گوہر سرّ کا وصف ظاہر ہوتا ہے اور وصف گوہر سر یہ ہے کہ بندہ اپنی ارادت کے مطابق انعامات الٰہی سے آگاہی رکھتا ہے۔

پھر وصف گوہر روح آشکار ہوتا ہے، اور وصف گوہر روح یہ ہے کہ بندہ بیان کردہ ساعتوں میں کسی ساعت بھی حق تعالیٰ کی عبادت سے خالی نہیں ہوتا۔

پھر وصف گوہر معرفت پیدا ہوتا ہے اور وصف گوہر معرفت یہ ہے کہ بندہ جو کچھ دیکھتا ہے حق دیکھتا ہے، جو کچھ سنتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے حق کہتا ہے اور جو کچھ اُس سے سرزد ہوتا ہے' حق سرزد ہوتا ہے۔

پھر وصف گوہر فقر ظاہر ہوتا ہے اور وصف گوہر فقر یہ ہے کہ وہ ہر شے سے مستغنی (بے پرواہ) ہو، کیونکہ الفقر لا یحتاج الا الی اللہ (فقر کو اللہ کے سوا اور کسی کی احتیاج نہیں ہوتی) اور دوسرا امر یہ کہ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لا عرف (یعنی میں مخفی خزانہ تھا، پس میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلقت پیدا کی اور بے شک پہچانا گیا)۔

Marfat.com

اور دل کو خانۂ خدا کہتے ہیں اور اُسی جگہ اُس کا مقام ہے اور اب تحقیق ہو گیا کہ دل خاص حرم الٰہی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: اللّٰہ نور السموت والارض ای منور ھا وھادی اھلھا ''(یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، یعنی زمین و آسمان کو روشن کرنے والا اور ہدایت کرنے والا۔)

اللہ تعالیٰ کو نور کہنا جائز نہیں

اگر ہم حق تعالیٰ عزوجل کو نور کہتے ہیں تو وصف عرض لازم آتا ہے اور العرض مایقوم بغیرہ (اور عرض وہ ہے جو اپنے غیر کے ساتھ قائم ہو) اور یہ کہنا جائز نہیں، کیونکہ خدائے تعالیٰ اجسام کا خالق ہے اور جسم و جوہر نہیں، وہ زمین اور آسمانوں کو روشن کرنے والا ہے۔

اے عزیز! سن کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو کس طرح روشن کیا ہے۔ وہ خلقت سے پہلے واحد، فرد اور قیوم (تھامنے والا تھا) تھا، اُس نے چاہا کہ مخلوقات کو پیدا کرے، اس لئے اُس نے پہلے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پیدا کی، پھر نور دل کو پیدا کیا اور یہ خدائے عزوجل کا نور ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا من نور اللّٰہ والمومن من نوری یعنی میں حق تعالیٰ کے نور سے ہوں اور مومن میرے نور سے ہیں۔

لیکن نور دل کی پیدائش نو لاکھ اسی ہزار (؟) تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولٰکن یسعنی قلب عبد المومن (یعنی زمین و آسمان میرے متحمل نہیں لیکن مسلمان بندے کا دل اس کا متحمل ہے) اس سے مراد مومن کی وسعت قلب ہے۔

نور دل کی تمنا کا جواب

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری قدرت کی وسعت نے بندۂ مومن کے دل میں جو نور دل ہے اُسے نو لاکھ سال پہلے اپنے قبضہ قدرت سے جدا کر دیا، تو دل نے التماس کی، یا اللہ! تو میرا سید اور مولا ہے، مجھے جدائی کی تاب نہیں۔ تو نے مجھے اتنے ہزار سال اپنے عشق و محبت میں پرورش کیا، اب میں جدا نہیں رہ سکتا۔ اس پر حضرت عزت کا فرمان پہنچا کہ اے بندہ مومن! تجھے میری رضا میں دخل دینے کا کیا کام۔ میں نے تجھے اپنی وحدانیت کے اظہار کے لئے پیدا کیا ہے۔

اس کے بعد نور دل نو لاکھ سال اور بحر ہجر میں مستغرق رہا، پھر خدائے تعالیٰ نے جو نظر رحمت کی تو اُس کی آنکھوں سے فراق و جدائی کے درد کی وجہ سے اتنا پانی نکلا کہ دریا ہو گیا۔ اُس دریا کو بحر العیون کہتے ہیں۔ حضرت عزت نے قہر کا تازیانہ دل کو مارا، غلبہ قہر سے ہوا اور آگ پیدا ہوئی اور اُن سے ایک نور عزرائیل ار ایک نور گندم ظاہر ہوا۔ اس کے بعد نور دل نو لاکھ سال اور چرخ کی طرح پھرتا رہا اور نور دل کے اجزا ذرہ ذرہ ہو گئے۔

Marfat.com

نوردل سے متعدد گوہروں کی تخلیق

پھر حضرت عزت نے نوردل کے ان اجزا کو تین حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک سے سرّ پیدا کئے، دوسرے سے جانیں اور تیسرے سے بہت سے نور، اور نوردل کو منکسر (شکستہ) کر دیا، اسی لئے فرمایا کہ انا عند قلب منکسرۃ لا جلی (یعنی میں شکستہ دلوں کے نزدیک ہوں) پھر حق تعالیٰ نے نور گوہر دل کے اجزا کو نو لاکھ برس عالم درازی میں مشغول رکھا، حتیٰ کہ مقام قرب فراموش ہو گیا۔ حضرت عزت نے دوسری دفعہ نوردل کے باقی اجزا کو گوہر بنا دیا، پھر جہان کو پیدا کرنے والے (خدا) نے ان دس گوہروں کو نو لاکھ سال اور نظر رحمت سے پرورش کیا۔

پہلے اس گوہر سے زمین اور آسمان پیدا کئے، پھر دوسرا گوہر عشق بنایا۔ تیسرا گوہر کرسی، چوتھا گوہر لوح، پانچواں گوہر قلم، چھٹا گوہر بیت المعمور، ساتواں گوہر دوزخ، آٹھواں گوہر شمس، نواں گوہر قمر اور پھر گوہروں سے دسواں گوہر دل پیدا کیا۔

اور جو حدیث میں ہے کہ: قلب المومن اکبر من العرش واوسع من الکرسی یعنی مومن کا دل عرش سے بڑا اور کرسی سے زیادہ وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گوہر کو اپنا خزانہ بنایا ہے اور اس خزانے میں سات خزانے اور ہیں اور ہر خزانے میں گوہر رکھے ہیں۔ ایک گوہر عشق ہے، دوسرا گوہر محبت، تیسرا گوہر سرّ، چوتھا گوہر روح، پانچواں گوہر معرفت، چھٹا گوہر فقر، ساتواں گوہر ذکر۔

حضرت آدمؑ کی پیدائش اور گوہر گندم

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اس گنج گوہر دل کو کئی ہزار سال عالم غیب میں چھپائے رکھا، حتیٰ کہ خاک آدم جمع فرما کر خمیر کی، جیسا کہ فرمایا: خمرت طینت ادم بیدی اربعین صباحاً یعنی حق تعالیٰ نے آدم کی مٹی کو اپنے قدرت کے ہاتھ سے چالیس صباح خمیر کیا، پھر اسے ترکیب سے قالب میں ڈالا اور قالب میں سینے کا طاق پیدا کیا اور اس گوہر گنج دل کو طاق سینہ میں رکھا اور تمام اسما سکھائے جیسا کہ قرآن شریف کی آیت وعلم ادم الا سماء کلھا سے ظاہر ہے۔

مہتر آدم علیہ السلام نے حکم الٰہی سے گندم کو بہشت میں رکھا اور وہ وہاں سے رکھتے ہی اُگی اور بڑی مہیب خوشہ دار درخت بن گئی۔ اُس کا ہر خوشہ مٹکے کی طرح اور ہر دانہ سیمرغ کے انڈے جتنا تھا اور گندم کے اندر شہد جیسی مٹھاس تھی۔ یہ دانہ بلا آدم صفی اللہ علیہ السلام کے لئے بطور حجاب رکھا گیا۔

پھر گوہر عشق نے جنبش کی اور گوہر محبت ملاقی ہوا اور گوہر سر نے تمام علوم ضبط کر لئے، گوہر روح پر ہیبت طاری ہوئی اور گوہر معرفت نے حق سے حق کو پہچان لیا۔ گوہر فقر نے اپنی سلطنت چمکائی۔ تمام اعضا حرکت میں آئے۔ ان سات نے خاکی گوہر کو خمار کاری میں سالوں کے فراق کو یاد کیا اور وہ تیس ہزار سال مدہوش اور بے ہوش پڑا رہا۔

خلافت آدم علیہ السلام

پھر حضرت عزّ وجل وعلا نے رحمت خلعت اسے پہنایا اور حکم دیا کہ ہم نے تجھے اپنا خلیفہ مقرر کیا، اور مہتر جبرائیل

Marfat.com

علیہ السلام کو حکم دیا کہ بہشت میں گندم کے درخت کے درمیان تخت آراستہ کریں اور آدم علیہ السلام کو تخت پر بٹھائیں، پھر باری تعالیٰ کا فرمان پہنچا کہ تمام فرشتے اسے سجدہ کریں۔ سب ملائکہ نے سجدہ کیا، مگر ابلیس لعین نے بغاوت کی۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے اُسے قہر کا تازیانہ مارا اور نور آتش سے خناس وجود پذیر ہوا۔ آدم علیہ السلام متعجب ہوئے اور کہا کہ اس میں کوئی حکمت ہوگی کہ اسے سجدہ کرنے کی توفیق نہ دی، شاید وہ میرا مخالف ہوگا، پھر اُس پر تنگی اور مدہوشی کی حالت طاری ہوگئی۔

گندم غذائے آدم علیہ السلام

پھر آدم علیہ السلام خاکی پتلے سے گوشت بن گئے اور غذا مایہ گندم سے ہوئی۔ جسم میں سانس پھرتے ہی آدم صفی اللہ علیہ السلام کو قوت حاصل ہوگئی اور چند دوسرے اعضا حق تعالیٰ کی حکمت سے پیدا ہوگئے، مثلاً جگر، پھیپھڑے وغیرہ جو جسم میں ہیں۔

عزیز من! انسان کا سارے جسم اور اعضا کی غذا مایہ گندم ہے اور اسی سے انسان کی تخلیق اور پرورش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے حوا کو پیدا کیا اور اُن سے نسل آدم بڑھی اور پھیلی۔

اے میرے عزیز! آدم علیہ السلام کی پیدائش سے مقصود وحدانیت حق تعالیٰ کا اظہار تھا اور بس۔

یہ رسالہ ''گنج اسرار'' جس میں حق کی تعلیم ہے ایزد غفار کی توفیق سے ختم ہوا۔

اس رسالہ کے ناقل پیر مراد شاہ کا نوٹ ملاحظہ ہو

یہ رسالہ جو حضرت شیخ فرید گنج شکرؒ متوفی پانچویں محرم کی تصنیف ہے، فقیر حقیر کثیر التقصیر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار غلام رکن الدین محمد مراد بخش سہروردی القادری ولد کرم شاہ المعروف میاں مسیتا شاہ ابن شیخ ابوالفتح المشہور شاہ جیو قریشی الہاشمی الہکاری الحارثی نے ۱۱ ربیع الاوّل کو جمعہ کے دن ۱۲۰۷ھ (مطابق ۲۶ اکتوبر ۱۷۹۲ء) ڈیرہ کنگرہ میں نقل کیا ہے۔ اے اللہ! مجھے اپنی محبت میں زندہ رکھ، اور محبت میں مار اور اپنے محبوں کے کتوں کے قدموں کی مٹی کے نیچے سے میرا حشر کر (دستخط مراد شاہ)

تاریخ طبع رسالہ ''گنج اسرار'' منقولہ حضرت مراد علیہ الرحمۃ

مترجمہ نامیؔ

گنج اسرار فرید الدینؒ جو در دستم فتاد — خواندنش سرمایۂ صد انبساط طبع شد
بہر تاریخ طباعت گفت نامیؔ بر محل — گنج اسرار فرید الدین جانی طبع شد
(۱۳۷۳ھ)

بار دیگر جلوہ گر شد چوں بدل انوار شیخ
شد عیاں تاریخ از قلب مراد ''اسرار شیخ''
(۱۳۷۳ھ)

Marfat.com

غلام دستگیری نامیؔ مکاندار محلہ چلہ بی بیاں، اکبری دروازہ لاہور
۳۔ جمادی الاخریٰ مطابق ۸ فروری ۱۹۵۴ء

حواشی

۱۔ تاریخ جلیلہ مطبوعہ ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۷ء کے صفحہ نمبر ۱۶۵ میں لکھا ہے کہ باوا فریدؒ سے اکبر بادشاہ کو خاص عقیدت تھی۔ وہ جب پنجاب آتا تو پاکپتن میں حاضر درگاہ ہو کر ضرور نذر پیش کرتا۔ اس کے جرنیل اور اتالیق بیرم خاں نے حضرت باوا صاحب کی شکر سے نمک ہو جانے والی کرامت کے متعلق یہ شعر کہے ہیں۔ ایک تو وہی جو اوپر درج ہو چکا ہے اور دوسرے دو یہ ہیں:

کان نمک و گنج شکر شیخ فریدؒ کز گنج شکر کا ن نمک کرد پدید
در کان نمک کرد نظر کرد شکر شریں ترازیں کرامتش کس نشنید

(نامیؔ)

۲۔ تنقیح کسی شئے کو زوائد اور عیوب سے پاک کرنے کو کہتے ہیں۔ مناط مصدر نوط سے اسم ظرف ہے، یعنی لٹکانے کی جگہ، مجازاً اصل و مدار۔

پیر محمد حسین

وقائع فرید الدین چشتی

معروف بہ

گلزار فریدی

حمد و سپاس خالق افلاک کو جو ایک لفظ کن سے جمیع موجودات و مخلوقات پیدا کر کے مشت خاک سے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور صلوٰت و السلام اس صاحب لولاک پر جس کی تعریف میں قرآن شریف نازل کیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ وسلام چار یار کبار حضرت امیر المومنین ابا بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ و امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ و امیر المومنین جناب حضرت مولا مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ و حضرات حسنین و شہداء کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہم و آلہ واصحابہ واہل بیتہ واتباعہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

بعدہٗ کاتب الحروف فقیر حقیر بندہ محمد حسین ولد حضرت پیر تاج محمود مرحوم مغفور متوطن خاص پاکپٹن شریف اولاد زہد الانبیاء فرد الاولیاء عاشق ذات کبریا خواجہ بحر و بر شاہ فرید الدین گنج شکر قدس اللہ العزیز کی خدمت میں صاحبان اہل اسلام ملتمس ہے کہ اکثر ان ایام میں زبان اردو کا بہت رواج ہو رہا ہے اور ملفوظات کی عبارت فارسی میں ہوتی ہے۔ ناظرین کو بدون کمال علم فارسی اور محاورہ کے مطلب حاصل کرنا محال ہوتا ہے۔ اس واسطے اس خاکپائے درویشان اہل تصوف نے حسب الارشاد فیض بنیاد مخزن لطف و سخا حضرت دیوان مخدوم پیر اللہ جوایا صاحب سجادہ نشین حضرت جناب بابا فرید الدین صاحب تمام احوال ابتداء سے انتہا تک سلسلہ وار کتب ہائے تواریخ قدیمہ مثل جواہر فریدی و سیر الاقطاب و سیر الاولیاء و مرأت الاسرار و فتوح الشام و فتوح المصر و مرغوب القلوب و تاریخ خورشید جاہ و رسالہ ہائے بہشتیہ فریدیہ مولوی بدر الدین صاحب و چند رسالہ ہائے دیگر سے حسب و نسب و حالات جد پاک و تولد و تعلیم علم مجاہدہ و تربیت پیر دستگیر اپنے سے و سیر ملک ہا و سکونت پاک پٹن و وفات و مرمت روضہ منورہ و تقرری دروازہ بہشتی بہ ارشاد روحی جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم و بناء رسوم عرس حسب تجویز حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین محمد احمد بدایونی صاحب و ذکر خلفاء و اولاد حضرت فرد الحق بابا فرید الدین علیہ الرحمۃ و الغفران اور چند مسائل تلقین و فوائد تعظیم و خدمت و صحت صالحین و اولاد صالحین کا بتوفیق ایزد منان و استعانت ارواح پاک بزرگان علیہم الرضوان کے ۱۳۰۱ ہجری المقدس میں یہ رسالہ یعنے کتاب جمع کر کے نام اس کا گلزار فریدی مقرر کیا جو مطالعہ اس کے سے سہل تر تمام حالات خاندان چشتیان و اولاد سجادہ نشینان و مریدان و معتقدان کا واضح ہو جائے اور بندہ کاتب الحروف کو دعائے خیر و عافیت ایمان سے یاد فرما کر جس جگہ سقم ہو تصحیح کریں۔ الانسان

مرکب خطاء و النسیان ۔ کیونکہ جائے پیدائش بندہ ملک پنجاب ہے۔غرض مطلب میرا حالات بزرگان کے اظہار کرنے کا ہے نہ کہ قافیہ سنجی کا۔

اوراس کتاب کو دوازدہ باب پر تقسیم کیا گیا۔ باب اول در بیان حسب ونسب وسلسلہ جدی وخلافت وآمدن جد پاک عرب سے ایران میں اور ملک پنجاب وتولد وتعلیم علوم مجاہدہ وسیر بابا صاحب۔ باب دوم در بیان سیر وملاقات بزرگان دین اور نعمت حاصل کرنا ہر ایک سے حرمین شریفین و بغداد مبارک جانا بابا صاحب۔ باب سوم در بیان فیض یافتن خدمت جناب پیران عظام اپنے سے نعمت وخرقہ خلافت ورخصت ملک پنجاب۔ باب چہارم در بیان سکونت اجودھن عرف پاکپٹن بہ ارشاد پیران عظام۔ باب پنجم در بیان شادی نکاح و اسمہاء اولاد بابا صاحب۔ باب ششم در بیان خلفاء ومریدان بابا صاحب وذکر رسومات عرس مولانا بدر دیوان صاحب۔ باب ہفتم در بیان انتقال و بناء روضہ و باب بہشتی۔ باب ہشتم آسامی ہائے پرشش فرزند و بائیس پوتے کا۔ باب نہم در بیان احوال سجادہ نشینی حضرت دیوان شیخ بدرالدین صاحب سجادہ اول و بناء رسوم عرس حسب تجویز محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء صاحب۔ باب دہم در بیان رسومات وخرچ بہ تفصیل عرس مبارک میلہ بابا صاحب کہ اب اس وقت ہوتا ہے۔ ابتداء رسوم عید فطر سے۔ باب یازدہم در بیان احوال سجادہ نشینان و اسامی اولاد و مدت خلافت ایشان تا زمانہ حال۔ باب دوازدہم در بیان مسائل تلقین ومبتدیان و بیان فوائد خدمت و تعظیم اولاد صالحین۔

باب اول حسب ونسب سلسلہ جدی وخلافت وآمدن جد پاک عرب سے ایران میں اور ملک پنجاب وتولد وتعلیم علوم مجاہدہ۔ وسیر بابا صاحب حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ بن حضرت خواجہ جمال الدین لقب سلیمان بن حضرت ملک العلماء مولانا شعیب قریشی شاہزادہ کابل بن حضرت خواجہ احمد شاہزادہ بن حضرت خواجہ یوسف شاہزادہ بن حضرت خواجہ شیخ محمد بن حضرت خواجہ شہاب الدین شاہزادہ بن حضرت شاہ احمد المعروف فرخ شاہ بادشاہ کابل بن حضرت نصیر الدین بادشاہ بن حضرت محمود شاہ المعروف بہ شہنشاہ بادشاہ بن حضرت سامان شاہ بن حضرت سلطان مسعود شاہ بن حضرت خواجہ عبداللہ شہزادہ بن حضرت خواجہ واعظ الاصغر بن حضرت خواجہ واعظ الاکبر بن خواجہ ابوالفتح کارخ بن شاہ اسحاق بادشاہ بن حضرت خواجہ ابراہیم بادشاہ بلخ بن حضرت خواجہ ادہم قریشی بن حضرت خواجہ سلیمان بن حضرت خواجہ منصور قریشی بن حضرت خواجہ ناصر الدین بن حضرت خواجہ عبداللہ بن حضرت امیر المومنین و امام المسلمین دوم اصحاب کبار سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمر قریشی مکی لقب فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پیشتر شجرہ جدی سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم و ہر چار یار متفق ہو کر اہل قریش کا حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ وحضرت مہتر ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ کو ملتا ہے اور پیشتر آدم صفی اللہ کو چنانچہ حضرت عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زواح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہرح بن مالک بن نصر بن کنانہ بن خذیمہ بن مدرک بن الیاس بن مضر بن ترار اکنی بن سعد کنی ابن عدنان ابن اودہ ابن امسع ابن ہمیغ ابن ثابت ابن بنت ابن المصیح ابن جمیل ابن قیدار ابن قیصان ابن حضرت مہتر اسمٰعیل علیہ السلام ابن مہتر ابراہیم علیہ السلام ابن آوز ابن تارخ ابن اشنوخ ابن زعران ابن قانع ابن غالب ابن شالح ابن فشد ابن سام ابن حضرت مہتر نوح پیغمبر علیہ السلام ابن کمل ابن متوشلخ ابن اخنوخ وہو حضرت ادریس علیہ السلام ابن نیرد ابن مہابیل ابن قیصان ابن

انوش ابن حضرت شیث پیغمبر علیہ السلام ابن حضرت مہتر آدم پیغمبر صلوات اللہ وسلام علیہ السلام اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

در بیان سلسلہ خلافت سجادہ نشینان خاندان فریدیہ کا۔ حضرت دیوان مخدوم پیر اللہ جوایا صاحب سجادہ خرقہ خلافت ودستار ونعمت باطنی حضرت دیوان مخدوم پیر شرف الدین صاحب سے حاصل کی۔ ایشان حضرت مخدومنا دیوان شیخ پیر محمد یار صاحب ایشان مخدومنا ومولانا دیوان پیر غلام رسول صاحب ایشان دیوان پیر عبدالسبحان صاحب شہید اکبر ایشان دیوان خواجہ محمد یوسف صاحب ایشان دیوان خواجہ محمد سعید صاحب ایشان دیوان خواجہ محمد اشرف صاحب ایشان دیوان خواجہ شیخ محمد صاحب ایشان دیوان خواجہ ابراہیم صغریٰ صاحب ایشان دیوان خواجہ فیض اللہ صاحب ایشان دیوان حضرت خواجہ حاجی الحرمین تاج الدین محمود صاحب ایشان دیوان حضرت ابراہیم کبریٰ صاحب ایشان دیوان خواجہ شیخ محمد صاحب ایشان دیوان خواجہ پیر عطاء اللہ صاحب ایشان دیوان خواجہ احمد شاہ صاحب ایشان خواجہ یونس صاحب ایشان دیوان خواجہ بہاؤ الدین صاحب ایشان دیوان خواجہ نور الدین صاحب ایشان دیوان خواجہ منور شاہ صاحب ایشان دیوان خواجہ فضیل صاحب ایشان دیوان خواجہ معز الدین صاحب ایشان دیوان خواجہ شاہ علاؤ الدین صاحب لقب موج دریا ایشان حضرت مخدوم خواجہ بدر الدین صاحب لقب سلیمان ایشان حضرت بابا فرید الدین گنج شکر صاحب ایشان حضرت شاہ قطب الدین صاحب بختیار اوشی کاکی دہلوی ایشان شاہ معین الدینؒ صاحب والی ہند اجمیریؒ ایشان حضرت خواجہ عثمان ہارونی صاحب ایشان حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی صاحب ایشان حضرت مودود چشتی صاحب ایشان حضرت خواجہ ابو یوسف صاحب ایشان حضرت خواجہ شاہ محمد صاحب چشتی ایشان حضرت خواجہ احمد شاہ صاحب ایشان حضرت خواجہ اسحاق شامی چشتی صاحب ایشان حضرت خواجہ ممشاد علی دینوری صاحب ایشان حضرت خواجہ ہیرت البصری ایشان حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ المرعشی صاحب ایشان حضرت ابراہیم بادشاہ بلخ صاحب ایشان حضرت خواجہ فضیل بن عیاض صاحب ایشان حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید صاحب ایشان حضرت خواجہ حسن بصری صاحب ایشان حضرت جناب مولا مرتضےٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ ایشان حضرت جناب رسالت مآب سرور عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

بیت

خواجگان چشت ما در ہر دو عالم بہتر اند — از عنایت حق تعالیٰ پیر د میر و مہتر اند
ہر کہ را جاوید باید جنت الماویٰ بہشت — ہر زمان با صدق خواند شجرۂ پیران چشت

دربیان آمدن جد پاک بابا فرید صاحب عرب سے ایران میں

نقل ہے کتاب فتوح الشام وفتوح المصر سے بعد وصال حبیب خدا اشرف الانبیاء سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم مسند خلافت پر حسب الارشاد صاحب لولاک جناب امیر المومنین حضرت ابا بکر صدیق جلوس فرما ہوئے۔ وقت خلافت ان کے میں اصحاب تمام نے مشورہ کر کے لشکر اسلام کو واسطے فتح ملک شام ومصر روانہ کیا تا حد دمشق تک۔ جس رات کو شہر دمشق لشکر اسلام نے فتح کیا اسی رات مدینہ منورہ میں جناب حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا۔ پھر مسند

Marfat.com

خلافت پر حسب الحکم سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب صاحبؓ جلوس فرما ہوئے۔ زمانہ خلافت ان کے میں تمام شہر وملکہا زیر حکم مسلمانوں کے ہوئے۔ نصاریٰ و یہود سب نے اسلام اختیار کر کے خراج واسطے بیت المال کے ذمہ اپنے مقرر کیا۔ تب حضرت عمرؓ صاحب نے تمام ملکہا وشہر ہا میں اصحاب کبار واولادان کی سے امیر مقرر کر کے واسطے لینے خراج وترقی امورات اسلام قائم مقام کر دیئے۔ اس زمانہ میں سلطنت اسلام قائم ہوئی۔ القصہ حضرت عمرؓ صاحب کی اولاد بعضے یمن میں اور بعضے ملک عرب میں فرمانروا رہے۔ ۱۱۵ ہجری المقدس میں حضرت ادہم درویش کامل اولاد جناب عمر خطابؓ صاحب میں تھے۔ عرب سے علائق دنیادی تمام راہ خدا تعالیٰ میں صرف کر کے عبادت الٰہی میں مشغول ہو کر سیاحی کے واسطے بلخ میں آ گئے۔ قدرت الٰہی سے ساتھ دختر شاہ بلخ کے شادی ہوئی۔ یہ قصہ طول واکثر کتابوں میں مشہور ومعروف ہے۔ او بطن اس دختر سلطان سے حضرت سلطان ابراہیم تولد ہوئے۔ چونکہ شاہ بلخ کا نرینہ فرزند اور کوئی نہ تھا۔ بعد انتقال بادشاہ کے سلطنت وحکومت حضرت ابراہیم صاحب کو ملی۔ پس چند مدت کے بعد حضرت ابراہیم صاحب کو جذبہ اشتیاق الٰہی پیدا ہوا۔ علائق دنیاوی وسلطنت سے دست بردار ہو کر تحویل فرزند اپنے شاہ اسحاق کے کر دیئے اور خود مجرد ہو کر صحبت پیر دستگیر اپنے حضرت جناب خواجہ فضیل بن عیاض میں داخل ہوئے اور شب وروز عبادت الٰہی میں مصروف ہو کر فیض باطنی وخرقہ خلافت حاصل کیا۔ القصہ نسل شاہ اسحاق میں سلطنت حکومت تا زمانہ فرخ شاہ بادشاہ کابل تک آئی۔ بعد انتقال فرخ شاہ سلطنت وحکومت خاندان غزنوی میں پہنچی اور اولاد فرخ شاہ کے واسطے شاہان غزنی نے علاقہ کابل خرچ ضروریات کے لیے سپرد کیا۔

ذکر دربیان آمدن جدّ پاک بابا صاحب کابل سے ملک پنجاب میں

نقل ہے تاریخ جواہر آفریدی سے جو حضرت قطب الاقطاب زہد الانبیاء فرد الاولیاء بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اولاد شاہزادگان فرخ شاہ بادشاہ کابل کے ہیں۔ چنانچہ سلسلہ میں مرقوم ہو چکا ہے۔ جس وقت مملکت کابل تصرف میں فرخ شاہ کے تھی، تمام شاہان زیر حکم فرخ شاہ تھے اور مملکت کابل زیادہ مملکت غزنی سے تھی۔ بعد انتقال فرخ شاہ کے مملکت وسلطنت نے بحوادث روزگار خلل پایا اور تحت شاہان غزنی کے ہوئی۔ شاہان غزنی نے شاہ زادگان فرخ شاہ کو علاقہ کابل کا واسطے خرچ ضروریات کے عطا کیا اور ہر طرح سے شاہان غزنی اعزاز واکرام اور پرورش اولاد فرخ شاہ کی کرتے رہے۔ چنانچہ ہمشیرہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا نکاح ساتھ خواجہ شعیبؒ جد بابا صاحب کے ہوا اور بطن سعیدان کے سے تین فرزند پیدا ہوئے۔ اول حضرت جناب خواجہ جمال الدین والد بابا فرید صاحب، دوم خواجہ احمد، سوم شیخ سعد حاجی۔

القصہ اولاد فرخ شاہ کابل میں آرام سے گذر اوقات کرتے رہے تا غایت جب چنگیز خان ہلاکو نے غدر کر کے کابل وملک ایران توران غزنی کو فتح کر کے تہ تیغ کیا۔ اس غدر چنگیز خان ہلاکو میں والد حضرت خواجہ شعیب صاحب بحالت جنگ شہید ہوئے اور سلطنت ایران میں زلزلہ پیدا ہوا۔ اس موقع پر اکثر بہت امرا وفضلا وعلماء درجہ شہادت کو پہنچے۔ بہت لوگ ملک چھوڑ کر پنجاب میں آ گئے۔ چنانچہ خواجہ شعیب صاحب معہ ہر سہ فرزندان واہل عیال کابل سے سال ۵۱۹ ہجری المقدس بہ عہد خلافت سلطان شہاب الدین غوری ہمشیرہ زادہ سلطان محمود غزنوی جو بادشاہ دہلی تھا اور اسی زمانہ

Marfat.com

میں سلطنت اسلام ہندوستان میں مقرر ہوئی تھی' لاہور میں آ گئے۔ چنانچہ صوبہ لاہور نے خدمت میں شاہ دہلی بذریعہ عرضی گذارش پردازی کی۔ اس پر شاہ دہلی کا حکم صادر ہوا کہ شاہزادگان اولاد فرخ شاہ کابل سے انتقال کر کے لاہور میں آ گئے ہیں۔ ان کے حسب خواہش عہدہ دینی یا دنیاوی دیا جائے اور جس جگہ چاہیں قیام فرمائیں بہ جنس پروانہ شاہی صوبہ لاہور نے خواجہ شعیب صاحب کو ملاحظہ کرایا' تو حضرت نے فرمایا کہ کام ریاست جدی ہمارے بخواہش ایزدی زیروزبر ہو گیا ہے۔ اب ریاست دنیاوی کی ہم کو کچھ خواہش نہیں اور علاوہ حضرت شعیب صاحب بڑے عالم اور فاضل تھے اور ہر وقت شغل علم اور عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ لاہور سے بھی انتقال کر کے براہ قصور طرف ملتان قبۃ الاسلام کے عازم ہوئے۔ صوبہ لاہور نے تمام کیفیت من وعن بخدمت شاہ دہلی تحریر کی۔ شاہ دہلی نے پروانہ واسطے خدمت گذاری بنام صوبہ ملتان ارقام فرمایا۔ صوبہ ملتان بہ تعمیل پروانہ مذکور استقبال کے واسطے راستہ میں حاضر ہو گیا مگر حضرت خواجہ شعیب صاحب قصبہ کوٹھیوال جس کو اب چاولی مشائخ کہتے ہیں' اپنی رہائش کے واسطے جگہ پسند فرما کر قیام فرمایا اور علاقہ ملتان میں اکثر اسلام اور ملک ہند سے زیادہ تھا بلکہ بہت لوگ شریف یعنی علوی سید قریشی عرب و ایران وطہران سے جو غدر مذکور میں گرد نواح ملتان میں آ گئے تھے' اس واسطے انہوں نے وہ جگہ پسند فرما کر قیام فرمایا اور شب و روز عبادت الٰہی و تدریس علم میں مصروف رہے۔ چنانچہ بہت لوگ ان سے درجہ فضیلت کو پہنچے اور شاہ دہلی نے جاگیر ہشت ہزار روپیہ معہ قصبہ کوٹھیوال مذکور بنام حضرت خواجہ شعیب صاحب واسطے خرچ ضروریات خانگی کے مقرر کیے اور شاہ دہلی جو رشتہ داران شاہان غزنی سے تھا بالحاح تمام عدالت کوٹھیوال جو سلطنت اسلام میں متعلق عہدہ قضا کے تھی' تحویل حضرت خواجہ شعیب صاحب کے کر دیئے اور خواجہ شعیب اس جگہ قیام پذیر ہو کر بود و باش کرنے لگے اور پسر اپنے حضرت خواجہ جمال الدین والد بابا صاحب کی شادی ساتھ بی بی قرسیم خاتون دختر حضرت مولانا وجیہ الدین لقب خجو ندی اولاد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عم پاک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جو اسی غدر چنگیز خان بیلاکون میں بہ نواح ملتان قصبہ کوٹ کروڑ میں سکونت پذیر ہوئے تھے' عقد نکاح کیا اور بطن سعید اس مائی صاحب سے تین فرزند اور ایک دختر والا گوہر پیدا ہوئے۔ اول حضرت عزیز الدین صاحب' دوم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر صاحب' سوم حضرت نجیب الدین متوکل۔ مزار عزیز الدین صاحب کی قصبہ مذکور میں واقعہ ہے اور اولاد ان کی کا کچھ پتہ نہیں اور حضرت نجیب الدی نصاحب کی مزار اور اولاد دہلی شریف میں زیارت گاہ خلق اللہ ہے اور عفت پیرایہ دختر مسماۃ جمیلہ خاتون والدہ ماجدہ جناب حضرت مخدوم علی احمد صابر صاحب کی تھی جو قصہ ان کا آگے آئے گا۔

اور حالات کشف کرامات مائی صاحبہ جناب بابا صاحب کے بہت ہیں۔ پہلے جو تلقین بابا صاحب کو حاصل ہوئی' مائی صاحبہ سے ہوئی۔ نقل ہے محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین صاحب سے جو ایک رات مائی صاحبہ جانب بابا صاحب نماز تہجد میں مشغول تھے ایک دُزد گھر میں واسطے دزدی کے آیا۔ کرامات اس مستورہ مقصورہ سے یکایک اندھا ہو گیا۔ تب اس نے زبان سے اقرار کیا اور کہا جس صاحب کشف کے کشف سے آنکھ میری نابینا ہو گئی ہے اگر آنکھ میری بینائی پائے تو پھر کار دزدی سے توبہ کر کے ہاتھ اس صاحب کشف سے مسلمان ہو جاؤں گا۔ تب مائی صاحبہ نے درگاہ ایزدی سے واسطے اس کی بینائی کے دعا طلب کی۔ اس کو بینائی حاصل ہوئی۔ وقت صبح وہ مرد اپنے عیال واطفال کے ساتھ ایک برتن جغرات کا پُر کر

Marfat.com

کے دروازہ مائی صاحبہ پر آیا اور ہاتھ مائی صاحبہ سے اسلام حاصل کیا۔ چنانچہ بہت خدمت اور مجاہدہ سے کمال درجہ ولایت کا حاصل کیا اور قبر شریف قصبہ مذکور میں ہے۔ بہت لوگ زیارت مزار شریف ان کی سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

نقل ہے جب وہ مرد دروازہ مائی صاحبہ پر آیا تو مائی صاحبہ نے ان سے نام دریافت کیا۔ تب اس نے عرض کی کہ نام میرا چاولہ قوم ڈہڈ ہے سے ہوں۔ مائی صاحبہ نے زبان سے فرمایا کہ نام تمہارا عبداللہ اور چاولی مشائخ لقب ہوا۔ اس روز سے قصبہ کوٹھیوال بھی بنام چاولی مشائخ کے مشہور ہوا۔ مزار والدۂ صاحبہ حضرت بابا صاحب اور والد صاحب اور جد پاک و برادر کلاں و عم اور پسر خواجہ نصیر الدین یہ مزار ہائے عالی قصبہ چاولی مشائخ میں موجود ہیں اور ان کی زیارت سے مردمان کو فیض حاصل ہوتا ہے۔

نقل ہے در بیان تولد آنحضرت کتاب جواہر فریدی میں مرقوم ہے کہ حضرت بابا صاحب شب غرہ ماہ رمضان المبارک شب سہ شنبہ ۵۶۹ ہجری المقدس میں تولد ہوئے۔ اس رات کو نہایت ابر تھا۔ چاند نظر نہ آیا۔ تب صبح کو مخلوق جمع ہو کر خدمت والد بزرگوار بابا صاحب حضرت خواجہ جمال الدین سلیمان جو عالم اور صاحب فتویٰ مسند شرع پر اس وقت تھے' واسطے لینے حکم رکھنے روزہ کے آئے۔ اس وقت ایک شخص ولی اللہ ان کے پاس بیٹھے تھے۔ اس ولی اللہ نے فرمایا آج لڑکا حضرت کے گھر میں پیدا ہوا ہے وہ قطب الاولیاء اور زہد الانبیاء ہوگا اور وہ مرد ابدال تھے تہنیت کے پاس حضرت جمال الدین صاحب کے آئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ جا کر مائی صاحبہ اس لڑکے کی سے دریافت کرو۔ اگر بعد صبح کے دودھ نہیں پیا تو رمضان شریف ہے۔ اگر پیا ہے تو نہیں۔ عندالدریافت مائی صاحبہ جناب بابا صاحب سے معلوم ہوا کہ بعد نصف شب کے دودھ نہیں پیا۔ اس وقت باپ حضرت نے باتفاق اس ولی اللہ کے حکم روزہ رکھنے کا تمام مردمان کو دیا۔ صبح کو گرد و نواح ملتان وغیرہ سے خبر آ گئی کہ رمضان کا روزہ آج ہی ہے۔ تمام رمضان شریف میں حضرت بابا صاحب شب کو دودھ پیتے اور دن کو نہ پیتے تھے۔ اس بات سے ثابت ہوا کہ حضرت بابا صاحب مادر زاد اولیا تھے۔ چنانچہ بجز د تولد لحاظ ماہ رمضان سے دن کو دودھ پینا بند کیا۔ چونکہ حضرت بابا صاحب سعید ماہ میں تولد ہوئے تھے اس واسطے والدین نے مسعود الدین نام رکھا اور نام فرید جناب الٰہی سے درجہ فردیت کا عطا ہوا اور نام گنج شکر جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوا اور نام بابا صاحب کا پیران عظام سے ملا۔ ان نامہائے مبارک کی روایات جواہر فریدی وغیرہ تواریخوں میں مرقوم بہت ہے۔

القصہ جب حضرت بابا صاحب عمر چار برس کو پہنچے تو بظاہر اگرچہ معصوم تھے لیکن باطن میں نور الٰہی سے آراستہ پیراستہ تھے۔ مائی صاحبہ نے مکتب میں بٹھلایا اور خود تعلیم نماز کی شروع کی۔ ایک روز حضرت بابا صاحب نے والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ نماز پڑھنے سے کیا چیز حاصل ہوتی ہے۔ تب مائی صاحبہ نے فرمایا کہ شکر حاصل ہوتی ہے کیونکہ اکثر بچوں کو الفت شکر کے ساتھ ہوتی ہے' اس واسطے مائی صاحبہ وقت نماز پارچہ بچھا کر نیچے پارچہ کے قدرے شکر مخفی رکھ دیا کرتے تھے۔ جب جناب بابا صاحب نماز سے فارغ ہوتے تو بعد دعا کے مائی صاحبہ نیچے مصلاً سے شکر نکال دیتے تھے۔ ایک روز بابا صاحب ہمعصروں کے ساتھ گھر سے باہر چلے گئے کہ وقت نماز کا ہو گیا۔ حضرت بابا صاحب نے ہمعصروں کو کہا کہ ہم نماز ادا کر لیں اور اس طرف مائی صاحبہ کو انتظار ہوئی کہ آج مسعود الدین وقت معہودہ پر باہر نماز گذارے گا۔ اگر اس کو حسب معمول شکر نہ ملی تو پردہ کھل جائے گا۔ تب جناب الٰہی میں متوجہ بدعا ہوئے یا الٰہی! فرید الدین کو شکر کے ساتھ خوش کرنا۔

Marfat.com

چنانچہ وہ دعا مائی صاحبہ کی جناب الٰہی میں مستجاب ہوئی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے اور حسب معمول پارچہ اٹھایا تو انبار یعنے تودہ شکر کا زیر پارچہ نماز کے پایا۔ ہمعصروں کو بھی آواز دی اور آپ بھی خوش دلی سے تناول فرمایا۔ جب حضور مائی صاحبہ کے پہنچے تو عرض کیا کہ اے مائی صاحبہ! روبرو آپ کے نماز پڑھنے سے قدرے شکر حاصل ہوتی تھی۔ آج میں نے جنگل میں نماز گذاری۔ جناب الٰہی سے اتنی شکر حاصل ہوئی کہ خود بھی کھائی اور تمام لڑکوں کو بھی تقسیم کی۔ جب مائی صاحبہ نے ملنا شکر کا جناب الٰہی سے معلوم کیا تو فرمایا کہ یہ لڑکا جناب الٰہی میں پسندیدہ ہوگا۔ اس واسطے شکر گنج کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور بھی بہت روایات نام کی جواہر فریدی میں مرقوم ہیں اس جگہ طوالت کے واسطے نہیں لکھا۔

اور مائی صاحبہ فرماتے تھے کہ وقت حمل کے جب فرد الحق شکم میں تھے' بہت اسرار غیبی مجھ کو معائنہ ہوتے تھے۔ بہت ابدال اوتاد و اولیاء اللہ پر ہونے سے پہلے بابا صاحب کے بیان فرماتے تھے کہ ایسا عارف کامل و عاشق صادق ذات کبریاء روئے زمین پر پیدا ہوگا اور بعد پیدا ہونے کے بہت اولیاء اللہ نے مبارک بادی والد حضرت کو دی ہے۔ علاوہ برآں پہلے حضرت بابا صاحب خوردسالی میں جس طرف جاتے' جمادات و نباتات و حیوانات ہر مخلوق الٰہی سے یہ آواز سنتے اے فرزند! تم کو رائیگاں پیدا نہیں کیا۔ واسطے عرفان اور عشق کے پیدا کیا ہے۔ اس کام پر مستعد ہو جاؤ۔

القصہ جب عمر سات برس کی ہوئی' قرآن شریف قصبہ مذکور میں حفظ کر لیا۔ ایک روز مائی صاحبہ جو راہبر اول حضرت کے تھے' سر پر پیار دے کر گود میں لیا اور وصیت فرمائی کہ اے فرزند! اللہ جل شانہ پیدائش انسان کے واسطے عبادت بلکہ معرفت کے کی ہے' نہ واسطے خواب خورش کے۔ اس واسطے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر اپنے کلام پاک میں تعریف بیان کی۔ ولقد کرمنا لبنی ادم۔ بسبب بوجھ اٹھانے عرفان و عشق کے چند جگہ تشریف فرمائی ہے تو پس انسان کو لازم ہے کہ جس لئے یہ قالب تیار ہوا ہے' اس کام پر مستعد ہونا چاہیے۔ اب تم کو حقوق اپنے سے ہم نے راہ خدا تعالیٰ میں آزاد کیا۔ اب تم زندگی اپنی کو علم و عبادت و عرفان و عشق الٰہی میں صرف کرو اور بدرگاہ اوسبحانہ کے استدعا کر دیا خداوند کریم! اپنے فضل عمیم سے اس لڑکے مجھ یتیم کو راستہ اپنے میں استعانت دارین نصیب فرماؤ۔ چنانچہ دعا مائی صاحبہ کی مستجاب ہو کر الہام ہوا کہ اس کو درجہ فردیت کا عطا ہوگا اور والد حضرت بابا صاحب کا انتقال اس دار پُر ملال سے ہو گیا تھا۔ القصہ قدمبوسی مائی صاحبہ کی کر کے گھر سے رخصت ہوئے۔ سبحان اللہ! زہے والدہ زہے فرزند۔

بعد اس کے جناب بابا صاحب ملتان میں پہنچ کر مسجد مولانا منہاج الدین میں پڑھنا علم شروع کیا اور حضرت جناب والا پیر دستگیر شہید عشق ذات کبریا شاہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی دہلوی صاحب بحکم الٰہی و خواجگان چشت سے آ کر اُسی مسجد میں نظر توجہ کی بابا صاحب پر مبذول فرمائی۔ کہتے ہیں مسجد مذکور میں حضرت بابا صاحب کتاب نافع المسلمین پڑھتے تھے جو حضرت شاہ قطب الدین صاحب سر پر بابا صاحب کے یکا یک آ گئے اور فرمایا اے فرزند سعادت مند! جو تمہارے ہونے سے ستارہ خاندان چشت ملک ہند میں بلند ہوگا یہ کیا پڑھتا ہے۔ اس نظر شفقت کو دیکھ کر عرض کی کہ کتاب نافع۔ حضرت شاہ قطب الدین صاحب نے فرمایا نفع تمہارا اس کتاب میں ہے اور باطن سے توجہ ڈال کر ہستی موہومہ سے خالی کر دیا۔ تب بابا صاحب دست بستہ قدموں پر گر پڑے اور عرض کیا جناب نفع بندہ کا کتاب میں نہیں نظر کیمیا اثر جناب میں ہے اور یہ بیت بھی زبان مبارک سے پڑھا

Marfat.com

بیت

مقبول تو جز مقبل جاوید نشد وز لطف تو ہیچ بندہ نا امید نشد
عونت بکدام ذرہ پیوست دمے کان ذرہ بہ از ہزار خورشید نشد

لکھتے ہیں کہ بیعت بھی اس روز کی۔ القصہ جب حضرت خواجہ قطب صاحب بطرف دہلی شریف روانہ ہوئے' بابا صاحب بھی ہمراہ چلے۔ راستہ میں جناب پیر دستگیر حضرت شاہ قطب الدین صاحب نے زبان مبارک سے فرمایا اے بابا فرید! تم ابھی علم ظاہر حاصل کرو کیونکہ جو فقیر بے علم ہے' مسخرہ شیطان کا ہوتا ہے۔ علم ظاہر کمال حاصل کرو اور ہر وقت میں تمہارے پاس ہوں۔ حسب الحکم بابا صاحب واپس ہو کر تحصیل علم کچھ کابل و غزنی سے اور کچھ عرب وغیرہ سے جگہ سے سیر کر کے بخوبی علم تحصیل کیا۔ جو کئی فتاوی اور احادیث حضور کو یاد تھے' محض سیر ملکوں کا واسطے تحصیل علم اور صحبت و ملازمت خاصان خدا تعالیٰ کے کیا ہے۔ جس جگہ اہل اللہ ہوتا اس جگہ خدمت ان کی میں رہ کر لطف نعمت اٹھاتے۔ چنانچہ ہر خاندان کے بزرگوں سے نعمت حاصل کی۔ اس مدت میں اکثر صائم الدہر رہ کر افطار اپنا شاخوں برگ درخت و آستین ہائے جنگل مثل پیلو و ڈیلہ جو میوہ جنگلی ہوتا ہے' کرتے رہے۔

بعد دوازدہ سال کے جب خدمت مائی صاحبہ میں آئے' مائی صاحبہ نے شفقت مادری سے گذر اوقات کا دریافت کیا۔ حضرت بابا صاحب نے عرض کی کہ افطار اپنا ساتھ برگ درختوں و رستینہائے جنگل سے کر کے عبادت الٰہی میں مشغول رہا ہوں۔ مائی صاحبہ نے شفقت مادری سے سر پر شانہ کرنا شروع کیا۔ چونکہ موئے سر بے روغن و ژولیدہ ہوئے تھے' درد ہوئی خدمت مائی صاحب میں عرض کی کہ درد ہوتا ہے۔ مائی صاحبہ نے فرمایا اے فرزند! جیسا تمہارے میں جان اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے ویسا درخت بھی زندہ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جل شانہ زندگی ان کی آیات قرآن شریف میں بیان فرماتے ہیں کہ تمام درخت اور انگوری میری عبادت کرتے ہیں۔ زندگی ان کی آیات قرآن شریف سے ثابت ہے جیسا ایک بال کھینچنے سے تم کو درد ہوا ویسا ان کو بھی درد ہوا ہوگا۔ تم نے ظلم کیا۔ فرمانے مائی صاحبہ سے بابا صاحب حیران ہو کر متاسف ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں زار زار روئے اور دل میں کہا اس قدر مدت العمر ہم نے ضائع کی۔ کچھ کام نہ کیا۔ پھر مائی صاحبہ کی قدم بوسی کر کے رخصت ہوئے اور نان چوبیں کہ اب دربار شریف میں موجود اور زیارت گاہ خلق اللہ ہے اور یہ نان چوبیں اول کاسہ جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا' جب حضرت بابا صاحب کو عنایت ہوا اور قصہ اس کا انشاء اللہ العزیز آگے آئے گا۔ بابا صاحب کنارہ اس کاسہ کا رگڑ کر پیتے رہے۔ جب تھلا رہ گیا مثل قرص نان کے واسطے تسکین نفس شکم پر باندھ دیا اور رگڑ کر پینے کنارہ کاسہ سے حضرت بابا صاحب کو فیض و برکت اتنے حاصل ہوئے کہ کچھ بیان نہیں اور اشتہا کلی نفسانی دور ہو گئی۔ کیوں نہ ہو جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس کاسہ میں خورد و نوش زبان مبارک سے فرماتے رہے۔ اس برکت سے نفسانیت تمام محو ہو گئی۔ مانند فرشتوں کے غذا ان کی ذکر الٰہی ہو گیا۔ جو کوئی استفسار تمام طعام کرتا تو بابا صاحب فرماتے طعام موجود ہے۔ کچھ کھایا اور کچھ پاس رکھا ہے۔ اس میں سنت نبوی بھی عطا ہوئی جیسا کہ چند مدت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سنگ شکم پر باندھے رکھا۔ دلیل: اے عزیز! ناف مقام ہوا کا ہے اور گرد بگرد ناف کے معدہ ہے جس کو سالک ارسیاہ نفس کہتے ہیں اور دہن اس ماس کا ناف سے ملا ہوا ہے اور معدہ جائے آتش کی ہے۔ جب ہوا آتش کو

پہنچتی ہے تو اشتہا پیدا ہوتی ہے۔ پس شاغل لوگ اس ہوا کو زیر شکم سے لا کر ام الدماغ میں بند کرتے ہیں اور سلطان الاذکار والخلد کا ذکر اسی کو کہتے ہیں اور ام الدماغ مقام ماہتاب کا ہے۔ تب ماہتاب سے آب لطیف پر آتش اشتہا کو زائل کر دیتا ہے۔ تب مثل فرشتوں کے غذا و تقویت ان کی ذکر بقاء الٰہی ہو جاتا ہے جیسا بابا صاحب نے کہا۔

القصہ بعد اس کے تا دوازدہ سال تحصیل علم ظاہری کر کے پھر خدمت والدہ صاحبہ میں تشریف لے گئے اور حال اپنا بیان کیا جو اس مدت میں قرص چوبیں شکم پر واسطے تسکین نفس کے باندھے رکھی ہے۔ القصہ مائی صاحبہ جو ہادی مراحل بابا صاحب کے تھے' زبان فیض ترجمان سے فرمایا اے فرزند! تم نے اس مرتبہ بھی خلاف واقع کیا جو قرص چوبیں پر جو نفس کو توقع کیا۔ تب حضرت نے دل میں کہا جو حقیقۃً اس مرتبہ بھی مجھ سے غیر واقعہ صادر ہوا۔ پھر حضرت بابا صاحب مائی صاحبہ سے رخصت ہو کر یاد الٰہی میں مشغول ہوئے۔ ایک روز سیر کرتے جنگل میں نیچے ایک درخت کے یاد الٰہی میں مشغول تھے اسی اثناء میں مرغ کنجشک ہائے نے جمع ہو کر اوپر اس درخت کے جہاں حضرت شغل کر رہے تھے' بولنا شروع کیا اور شور مچایا چنانچہ شور کرنے مرغاں سے یاد الٰہی اور جو شغل ذکر محویت کا حضرت پر وارد تھا' اس میں خلل واقع ہوا۔ تب اس وقت حضرت جلال میں آن کر زبان مسیحا نشان سے فرمایا اے مرغان! مر جاؤ جو تمہارے بولنے سے میرے شغل میں فتور پیدا ہوا۔ قدرت الٰہی سے وہ چڑیاں تمام مر گئیں۔ حضرت بابا صاحب نے جب شغل ربوبیت اور فنافی اللہ سے نزول درجہ عبودیت و عالم ناسوت میں کیا دیکھا تو تمام مرغان مرے ہوئے پڑے ہیں۔ بہت متاسف ہوئے اور نہایت عجز سے جناب الٰہی میں متوجہ دعا ہو کر التجا کی یا الٰہی! تو اپنی قدرت کاملہ و کرم سے خطا بندہ کی معاف فرما اور ان مرغان کو پھر زندگی عطا فرما۔ مجھ سے قصور سرزد ہوا۔ چنانچہ وہ دعا بابا صاحب کی مستجیب الدعوات میں قبول ہو کر حکم ربانی اور زبان فریدانی سے وہ چڑیاں مردہ زندہ ہوئیں۔ مقولہ از مصنف: اس میں کوئی جائے اعتراض نہیں کیونکہ اخبار میں وارد ہے الصوفی یحیی و یمیت۔ جب اولیا اللہ درجہ فنا کو پہنچتا ہے اور بقا باللہ ساتھ ذات کے ہوتا ہے' مردہ کرنا اور زندہ اس کے آگے آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ مسئلہ تصوف کا ہے' جب اہل اللہ فنافی اللہ اور بقا باللہ ہوا تو وہ بشریت اس کی نہ رہی۔ اس وقت جو کرتی ہے ذات کرتی ہے صرف نام اس ولی اللہ کا باقی رہتا ہے۔ تمثیل مولوی روم صاحب مثنوی میں فرماتے ہیں کہ وجود درویش کامل کا مثل شمع کے ہوتا ہے جیسا روشنی آفتاب کی روشنی شمع کو کم کر دیتی ہے اور ہستی آفتاب میں ہستی شمع کی کم ہوتی ہے اور پنبہ اگر اس پر رکھی جائے تو بسبب جلنے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شمع روشن ہے۔ ایسا وجود عارف کا ہستی ذات میں محو ہوتا ہے۔

بیت

چشم بتو افتاد وجودم ہمہ حک شد — ہر چیز کہ در کان نمک رفت نمک شد
رفت ز مسعود یک جملہ صفات بشر — چونکہ ہمان ذات بود باز ہمان ذات شد

نمودار وجود ولے بیتے واسطے رہبری و امتحان اہل ضلالت کے ہوتا ہے اور سوائے ذات کے بشر کو طاقت زندہ کرنا و مردہ کرنے کے نہیں۔ حدیث قدسی: لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی اجبتہ و کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرۃ الذی یبصروا بہ و یدہ التی یبطش بھا و رجلہ التی یمشی بھا یعنے ''ہمیشہ نزدیکی ڈھونڈتا ہے بندہ میری بسبب عبادت و خیرات تب اس کو دوست رکھتے ہیں ہم اور ہو جاتا ہوں کان اس کے جس کے ساتھ وہ سنتا ہے اور

Marfat.com

اس کی آنکھ جس کے ساتھ وہ دیکھتا ہے اور ہاتھ جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے اور پائے جس کے ساتھ وہ چلتا ہے۔'' اسی حدیث شریف کی روم صاحب تشریح کرتے ہیں مثنوی شریف میں کہ اس وقت کلام و فعل حق تعالیٰ سے ہوتا ہے نہ بندہ سے۔

مثنوی

اولیارا در درون نغمہاست — طالبان رازان حیات بے بہاست
ہین کہ اسرافیل وقتند اولیا — مردہ راز یشان حیاتست و نما
جانہای مردہ اندز گورتن — برجہد آواز شان اندر کفن
گوید این آواز آوازہا جداست — زندہ کردن کار آواز خداست
نشنود آن نغمہ ہار را گوش حس — کر بنخہا گوش حس باشد نجس
نشنود نغمہ پریرا آدمی — کو بوذ اسرار پریاں اعجمی
گرچہ ہم نغمہ پری این عالمست — نغمہ دل بر تر از ہر دو دمست
نغمہای اندرون اولیاء — اولاد گوید کہ ای اجزای لا
گربگویم شمہ زان نغمہا — جانہا ہر بر آنند از و خمہا

ہر ولی اللہ پر بغیر مجاذیب یہ دو درجہ قائم رہتے ہیں۔ کسی وقت درجہ ربوبیت کسی وقت درجہ عبودیت۔ درجہ ربوبیت میں تمام ذات قائم ہوتی ہیں اور درجہ عبودیت میں تلقین اور راہ ہدایت طالبین کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ درجہ سالک کا ہے جو عقل ظاہر ان کی قائم رہتی ہے واسطے رہنمائی مخلوق کے کیونکہ درجہ ولایت قائم مقام درجہ نبوت ہے بعد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی درجہ ولایت کا اصحاب کبار اور تبع تابعین و تا زمانہ حال تک جاری رہے اور تا قیام زمانہ جاری رہے گا۔ مثنوی روم صاحب:

مکسل از پیغمبر ایام خویش — تکیہ کم کن برفن بر کام خویش
پس بہر دوری ولی قائم ہست — آزمایش تا قیامت دایم ہست

اور حدیث میں وارد ہے: **الشیخ فی قومی کالنبی فی امتی** ۔ حدیث شریفہ: **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** ۔ زمانہ پیروی جناب صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم ہے۔ وہ نبی اپنے زمانے کا بیشک ہے اگر یہ سالک لوگ نہ ہوتے تو کسی متنفس کو راہ حق حاصل نہ ہوتا اور مجذوب جو ہوتے ہیں ابتداء حال میں جب دریائے عشق الہی میں پڑتے ہیں' یکبارگی ہوش ظاہر اور بشریت گم ہو جاتی ہے۔ ان سے تلقین کا راستہ جاری نہیں ہوتا جیسا کہ صوفیا عظام سے جاری ہوا البتہ جس پر عطا کریں یکبارگی آپ جیسا بنا دیتے ہیں۔ سبحان اللہ صوفی کا ہونا زمانہ میں بہتر ہے اور جو نبی ولی ہوئے ہیں دونوں درجہ ان پر تا اخیر دم قائم رہے ہیں جیسا جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم گاہے زبان معجز بیان سے فرماتے تھے' درجہ ربوبیت میں: **انا احمد بلا میم** ۔ گاہے: **انا عرب بلا عین** اور درجہ عبودیت میں فرماتے تھے: **عبدہ و رسولہ** ۔ اے عزیز! یہ

Marfat.com

دونوں درجہ سالکاں پر رہتے ہیں۔ اگر ان اسرار ہائے کا بیان کروں تو اختصار مطلب سے رہ جاتا اور علاوہ خوف لغزش مبتدیاں کا بھی۔ یہی قدرے اس ہیچمدان نے یہ مسئلہ تصوف کا اس نیت پر درج کتاب ہٰذا کیا ہے کہ بھائی مسلمانوں کو راہ عرفان سے بہرہ حاصل ہو اور بندہ کاتب الحروف کو دعا خیر و عافیت ایمان سے یاد فرمائیں۔

القصہ بعد اس کے حضرت بابا صاحب کو سیر کرتے جنگل میں پیاس غالب ہوئی۔ آبادی پر گئے تو ایک چاہ پر عورت کمال حسین نوکتخدا کنوئیں میں سے پانی بو کے چرمی کے ساتھ آب نکال رہی تھی۔ حضرت بابا صاحب نے اُس عورت سے درخواست پانی کی کی۔ اس عورت پارسا نے کہا یہ کچھ معاملہ چڑیوں کا نہیں جو تو مار دے گا۔ حوصلہ کر پانی فرصت سے ملے گا۔ پھر اس نے پانی نکال کر حضرت کو پلایا۔ حضرت نے اس عورت سے دریافت کیا کہ اس قدر نعمت کشف عالم مثال اور صفائی دل کی تم کو کس ذریعہ سے حاصل ہوئی۔ تب اس عورت نیک صفت نے راست راست حضرت بابا صاحب کے پاس بیان کیا کہ چند مدت ہوئی والدین میرے نے شادی میری ایک شخص کے ساتھ کر دی لیکن شوہر میرا بالکل کم عمر تھا۔ جب رات کو ہم دونوں ایک جگہ سوئے اچانک میرے شوہر کی زبان سے یہ آواز نکلی اے مائی! پانی پلانا کیونکہ طفولیت میں اکثر خواب یا بیداری کی حالت میں لڑکا لڑکی جو چیز طلب کرتا ہے نام مادر سے پکارتا ہے' کیونکہ الفت مادری بہ نسبت پدری زیادہ ہوتی ہے۔ جب میں نے آواز اس شوہر اپنے کی سنی' فی الفور کٹورہ پانی کا بھر کر ہاتھ پر پاس شوہر کے لائی۔ پہنچنے میرے سے پہلے وہ پھر خواب میں ہو گیا۔ میں پانی بدستور ہاتھ پر رکھ کر تمام رات کھڑی رہی۔ صبح کو وہ بیدار ہوا اور پانی پیا عوض اس خدمت کے حق تعالیٰ جل شانہ نے یہ مجھ کو نعمت صفائی قلب عطا کیا۔ بعد اس کے بابا صاحب کو وہ عورت پاک دامن گھر میں ساتھ اپنے لے گئی۔ شوہر اس کا اور وہ عورت صالح دونوں مرید ہوئے اور ایک ریسمان جو اس عورت نیک صفت نے اپنے ہاتھ سے کات کر رکھا تھا' بابا صاحب کو دیا۔

حضرت وہاں سے روانہ ہوئے۔ مدت تک سیر کر کے ایک جنگل مہیب ویران علاقہ گڑگانواں متصل قصبہ ریواڑی میں پہنچے۔ اُس جگہ حضرت کو پیاس ہوئی۔ تلاش کرتے کرتے ایک کنواں جنگل میں پایا۔ بابا صاحب رسن اور دلو کی تلاش میں ہوئے جو آ کر کہیں دستیاب ہو تو پانی نکال کر پئیں۔ ناگاہ رمہ آہواں دوڑتے ہوئے پہنچے اور آب چاہ کنارہ پر آ گیا۔ آہواں نے پانی پیا اور پھر روانہ جنگل ہوئے۔ جب بابا صاحب چاہ پر پانی پینے کے واسطے گئے تو پانی بدستور نیچے چلا گیا۔ تب بابا صاحب نے جناب ایزدی میں التجا کی کہ بندہ آہواں سے بھی کمتر ہوا۔ ان کے ساتھ بھی نسبت نہیں رکھتا ہے۔ ندا غیب الٰہی سے ہوئی اے فرید! آہواں صرف توکل پر آئے تھے اور تم دلو و رسن کے توکل رکھتے ہو۔ تب حضرت اس خیال فاسدہ سے تائب ہو کر اس چاہ میں نماز معکوس جو وظائف واسطے صفائی قلب کے اور محویت کے اکسیر اعظم اور خواجگان چشت سے کئی صاحبان نے کیا ہے اور ابتدا یہ وظائف کوہ حرا میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کرتے رہے تھے۔ یہ سنت نبوی بھی ادا کر کی ہے کیونکہ بندہ نے غور کر کے ملفوظات میں دیکھا ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی فعل حضرت نے بدون سنت کے نہیں کیا اور قدم بقدم جناب سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کے چلے ہیں۔ تب منزل مقصود کو پہنچے۔ بعضی روایات میں ہے جو بہت جگہ جس جگہ حضرت بابا صاحب جاتے' یہ وظائف کنوئیں میں کرتے جو روایات میں اور کئی جگہ بھی کنوئیں مشہور ہیں لیکن اصلیہ چاہ رواڑی والہ میں ثبوت ہے وظائف کیا۔ جیوڑہ معہ ریسمان جو اس عورت صالح نے دیا تھا

Marfat.com

اب درگاہ بابا صاحب میں موجود ہے۔ پاؤں میں ڈال کر لٹک رہے اور بعضے روایات میں ہے جو فریضہ باہر آ کر ادا کر لیتے اور پھر اسی وظائف میں مشغول ہوئے۔ اکثر ملفوظات میں مرقوم ہے جو حضرت بابا صاحب سے تمام عمر میں مستحب بھی نہیں فوت ہوا حالت سہو میں اور حالت محویت میں ماخوذگی شرع کی بھی نہیں واللہ اعلم۔ مثنوی روم صاحب میں فرماتے ہیں:

قوت جبرائیل از مطبخ نبود　　　بود از دیدار خلاق و دود

ہم چنیں این قوت ابدال حق　　　نے طعام و نے غذا و نے طبق

ساتھ ریسمان کے لٹکنا محض واسطے عالم اسباب کے تھا ورنہ چاہتے تو سوائے ریسمان کے آویزاں ہو جاتے کیونکہ ثقل بشریت اس وقت نہ تھا۔ مثل فرشتوں کے وجود مانند روح کے ہو گیا تھا۔

القصہ زہد ریاضت اور مجاہدہ اس مرتبہ واسطے صفائی زنگ بشریت وتعینات کثافت جو بقا ماندہ تھا اٹھایا کہ اول حال خون وریم وراہ بینی سے جاری ہوتا تھا۔ تب جناب الٰہی سے زہد الانبیاء کا خطاب پایا۔ لکھتے ہیں جو الیس چلیہ دوازدہ سال میں کمال درجہ فنافی اللہ اور بقاباللہ اور محویت کا انتہا حاصل ہوا جو جانوروں نے آنکھ ظاہری جسم پاؤں کے تلے آشیاں کیا اور سوائے استخوان کے گوشت و پوست قلیل رہ گیا۔ ایک روز ایک زاغ نے آن کر گوشت و پوست باقی ماندہ کو کھودنے لگا۔ اس وقت بابا صاحب نے زبان عجز انکسار ونیاز سے یہ دوہڑہ ہندی زبان پر لائے:

دوہڑہ

سر سوپے تن پنجرہ جولباں تھوکن کاگ　　　رسیا جیون جی باہوری تو دہن ہمارے بھاگ

دوہڑہ

کانگا سہب تن کھایو جو چن چن کھایو ماس　　　دو نین ہمارے چھوڑیو جو پیا ملن کی آس

نقل: چوداں چلہ اخیر حضرت بابا صاحب کا تھا۔ اس وقت ندا حق تعالیٰ جل شانہ سے ہوئی جو فرید کہے سو ہووے۔ تین مرتبہ یہ آواز غیبی ہوا۔ تیسری مرتبہ حضرت بابا صاحب نے زبان عجز سے درگاہ الٰہی میں عرض کی اللہ جل شانہ نہ کرے سو ہووے فقیر فرید کہے سو ہووے۔ یہ وعدہ اس وقت جناب الٰہی کا بابا صاحب کے ساتھ ہوا اور درجہ قبولیت کا کمال حاصل ہوا۔ تب امر الٰہی سے خود بخود پاؤں آپ کے ریسمان جیوڑہ سے کھل گئے۔ آپ پانی میں جا پڑے۔ غوطہ کھا کر جب کنارہ پر لگے سب بدن مبارک تر و تازہ ہو گیا۔ چہرہ نورانی مثل آفتاب کے منور ہوا۔ حالت مراقبہ میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ فرماتے ہیں اے فرزند! اب دہلی میں پاس خواجہ قطب الدین جو ہماری آل سے ہیں جا کر مرید ہو۔ نعمت باطنی تمہارے واسطے تیار ہے لو اور وہ کنواں اب قصبہ ریواڑی میں واقعہ ہے مردم دور نزدیک سے پانی اس کا نکال کر تبرکاً لے جاتے ہیں۔ محافظان و خادمان اس کنوئیں پر رہتے ہیں۔ معافی بھی کچھ اس جگہ مقرر ہے۔ واسطے پرورش مسافراں کے بعد اس مجاہدہ کے جب خدمت والدہ صاحبہ میں پہنچے اور احوال تمام اپنا بیان کیا تب مائی صاحبہ نے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا۔ آفرین آفرین! مجاہدہ تمہارا درگاہ خداتعالیٰ جل شانہ میں پسند ہوا۔ مرد اس طرح کرتے ہیں جس طرح اس مرتبہ تم نے نفس کے ساتھ خالص اللہ جہاد کیا کہ جہاد اکبر یہی ہے اور جہاد اصغر ہے مطابق فرمان حدیث شریفہ کے۔

Marfat.com

حضرت فرماتے ہیں: رجعنا الی جهادا لا صغر من جهادا لا کبر۔ شہید اکبر بھی یہی ہے جو نفس کے ساتھ جنگ کر کے شہید ہوا۔

نقل ہے: جواہر سے زبانی حضرت جناب مولانا بدرالدین اسحٰق صاحب کے۔ اول حال میں جب عشق الٰہی پیر دستگیر میری پر وارد ہوا اس شوق میں ایک روز کوہ پر ایک سنگ پر کھڑے تھے۔ جناب الٰہی سے الہام ہوا اے فرید! تم عاشق ہو گے یا معشوق۔ ہمارے حضرت بابا صاحب نے زبان عجز سے عرض کی خداوندا! استعانت وفضل وکرم تیرے سے عاشق ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تب غیب سے ندا ہوئی راہ عشق میں مصیبتہائے بہت ہیں۔ حضرت نے عرض کی کہ آسان کرنے والے بھی آپ ہیں۔ تب سنگ جس پر حضرت کھڑے تھے' اس کو امر الٰہی ہوا جو اس کے بدن سے پوست اتار لے۔ حکم غیبی سے سنگ مذکور سینہ کی طرف چسپاں ہو کر تمام پوست اکھاڑ لیا۔ اسی طرح پشت کی طرف سے القصہ تمام پوست اعضاء سے اتار گیا۔ صرف گوشت باقی رہ گیا۔ تب حکم ہوا اے فرید! تم کو کہا تھا جو راہ عشق میں رنج بہت ہے۔ اب بھی ہٹ رہو۔ حضرت بابا صاحب نے زبان عجز سے عرض کی خداوندا! اب تو بندہ نے توفیق تمہاری سے اس راستہ میں قدم رکھ دیا ہے۔ کشش حضور کی واپس نہیں ہونے دیتی۔ امید واثق ہے جو یہ کشش بندہ کو منزل مقصود تک پہنچائے گی۔ پھر باؤ کو حکم ہوا جوان کے گوشت میں سنگریزہ لگاؤ۔ تب سنگریزہ لگنا شروع ہوا۔ اس حال میں حصور انور استعانت الٰہی سے صابر و شاکر رہے۔ لکھتے ہیں جو مدت تک بابا صاحب نے عشق الٰہی سے بڑے بڑے مجاہدے اٹھائے تب خلعت محبوبی حاصل ہوئی اور درجہ احدیت سے فردیت کا عطا ہوا۔ اس وقات یہ نو دُنہ نام جناب باری تعالیٰ جل شانہ سے حضرت کو عطا ہوئے۔ جواہر میں نامہائے مبارک تمام درج ہیں اور ان پنج اسماء کے واسطے حکم ہوا جو شخص واسطے مقصد دینی یا دنیاوی کے خلوص نیت سے چہل روز میں ایک لاکھ مرتبہ پڑھے گا' مقصد آسان ہوگا۔ آسامی مبارک۔ خواجہ فرید۔ مولانا فرید۔ حاجی فرید۔ شیخ فرید۔ درویش فرید۔ سبحان اللہ ایسا مجاہدہ کیا جو کمال درجہ قبولیت کا حاصل ہوا۔ الحمد للہ الحمد للہ کہ احقر العباد ہیچو ما نا کس کاتب الحروف غلامان دروازہ فردیت نشان کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ طفیل حبیب پاک اپنے اور خواصان درگاہ کے بندہ مؤلف اور تمام آباؤ اجداد و اقربا و جمیع مومنین و مومنات کو خزانہ غفاری سے خلعت مغفرت کی عطا کرے۔ اے عزیز! بندہ جب خواہشہائے نفسانی کو ترک کر کے رضا و تسلیم کے درجہ پر قائم ہو جاتا ہے اور عاشق ثابت قدم راہ عشق پر ہستی اپنی گم کر دیتا ہے۔ تب معشوق عاشق پر عاشق ہو جاتا ہے اور جویائے رضائے عاشق کے معشوق ہوتا ہے جیسا عشق مجازی میں مائی زلیخا ابتداء حال عاشق یوسف علیہ السلام پر تھے۔ آخر یوسف علیہ السلام اسی طرح عاشق مائی صاحبہ پر ہوئے۔ عشق حقیقی میں بھی یہی صورت ہے۔ جب اہل اللہ بعد امتحانات گونا گوں کل آرزوہائے نفسانی ترک کر کے رضا و تسلیم حق تعالیٰ کے اختیار کرتا ہے' پھر ذات حق سبحانہ جویائے رضا بندہ خالص اپنے کے ہو جاتی ہے جیسا قرآن شریف میں ذات پاک وحدہ لاشریک کمال شفقت سے شان عبد خاص میں فرماتے ہیں۔ سورت مائدہ میں: یحبهم و یحبونه یعنی محبت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ساتھ ان لوگوں کے جو دوست رکھتے ہیں وہ لوگ۔ ان کو تفسیر حسینی وغیرہ میں اس آیت شریفہ کی بہت تشریح ہے۔ دیکھنے سے سرور پیدا ہوتا ہے اور دوسری جگہ سورت بقر میں ہے: فاذکرونی اذکرکم یعنی ذکر کرو میرا تو ذکر تمہارا کروں۔ سورت عمران میں: قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله جب عشق اور محبت جناب رسالت مآب صلی

اللہ علیہ وسلم کا اتم درجہ کو پہنچا تو ذات کبریا حبیب کا درجہ حضرت کو عطا فرما کر اس آیت میں محبت حبیب اپنے کی بیان فرمائی اور ذات حق جویائے رضائے حبیب اپنے کے ہو کر تمام مخلوق کے واسطے اس آیت میں تاکید دوستی حبیب اپنے کے فریضہ فرمائی۔ اے عزیز! ذات حق وراء الوراء ہے۔ سوائے برزخ کے وصول اس کا محال۔ اسی واسطے صوفیائے عظام واولیائے کرام نے یہ تین درجہ مقرر کئے ہیں۔ اول فنافی الشیخ۔ دوم فنافی الرسول۔ سوم فنافی اللہ۔ اول حال مبتدی کو فنافی الشیخ کا درجہ تلقین کیا جاتا ہے جب مبتدی تصور میں برزخ شیخ سا سامنے کر کے ہستی اپنی ہستی شیخ میں گم کرتا ہے تب ولایت کے درجہ کے آثار اطوار اس پر وارد ہوتے ہیں۔ پھر جب برزخ محمدی میں ہستی شیخ کی بھی بھول کر فنافی الرسول ہوتا ہے تو تمام آثار اطوار نبوت کے اس پر لامع ہوتے ہیں۔ بعد اس کے فنافی اللہ کے درجہ میں قائم ہو کر بقاباللہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ دوست رکھنا خدا تعالیٰ کا عبد کو بدون متابعت جناب رسول کریم صلی اللہ علی وسلم کے محال۔ اسی طرح دوست رکھنا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوائے متابعت شیخ کے محال' چنانچہ مولانا صاحب فرماتے ہیں۔ بیت:

پیر باشد نردبان آسمان　　　　تیر پرّان از کہ گردد وز کمان

اور خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **صحابی کالنجوم بایھم اقتدیھم منھم** یعنی اصحاب میرے مانند ستاروں کی ہیں جس کی روشنی پاؤ گے اس روشنی کے ساتھ روشنی آفتاب و ماہتاب میں مل جاؤ گے اور راہ ہدایت کا حاصل کرو گے اور جو شیخ زمانہ پیروی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم: **و ید اللہ فوق ایدھم** بوساطت سلک پیران عظام کے منسلک ہوتا ہے اور سوائے شیخ کے مجاہدہ راہ حق میں ہو نہیں سکتا اور سوائے مجاہدہ کے مشاہدہ حاصل نہیں چنانچہ قول صوفیہ سایرست: **المجاھدت تکزم المشاھدۃ** ۔جبتک تعینات کثافتوں کے رفع نہیں ہوتے وصول محال ہے مجاہدہ کے ساتھ دور ہوتے ہیں جو نبی ولی کو نبوت یا ولایت کا درجہ حاصل ہوا کمال مجاہدہ سے حاصل ہوا چنانچہ سرور کائنات خلاصہ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم جو نور سے جسم حضور کا پاک وصاف کر دیا تھا تاہم بھی آنحضرت نے کیسے کیسے مجاہدہ اٹھائے۔ تب خلعت نبوت سے مفخر خبر ہوئی اور وسیلہ جمیلہ مانند مایاں عاصیاں کے ہوئے۔ نقلہائے مجاہدات حضرت جناب اقدس خواجہ فرید الدین گنج شکر صاحب کتابوں میں بہت ہیں لیکن طوالت کے واسطے اختیار کیا گیا واللہ اعلم بالصواب۔ انشاء اللہ العزیز اگر جناب الٰہی سے مہلت زندگی کی ملی تو دوسری کتاب جس میں تمام احوال سلسلہ اور جملہ بزرگان دین کا ارادہ کاتب الحروف ہے اور کچھ جمع بھی کی ہے' یہ کتاب ناظرین کے واسطے احوال مرقوم کیا گیا ہے جو ہندی زبان میں مطالعہ اس کے سے تمام حالاً حضور انور کا واضح ہو جائے۔

باب دوم
دربیان سیر وملاقات بزرگان دین کے ساتھ اور نعمت حاصل کرنا ہر یک سے حرمین شریفین و بغداد مبارک کا جانا

نقل ہے کتاب خورشید جاہ سے زبانی سید محمد گیسو دراز خلیفہ عظام نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ جب والد بزرگوار صاحب نے وصال پایا' بارہ ہزار تھکنہ اور ایک قصبہ مذکور کوٹھیوال جو معافی شاہان دہلی سے تھا' میراث

چھوڑا۔ بعد چند عرصہ کے بھائیوں نے کہا کہ حصہ اپنا لے لو یا خط لا دعویٰ لکھ دو۔ حضرت بابا صاحب نے بوجہ تقاضائے بھائیوں کے خط لا دعویٰ لکھ دیا اور آپ ہر وقت مسجد میں عبادت الٰہی میں مشغول رہتے۔ اول حال میں ایک روز حضرت شیخ جلال الدین تبریزی جو کمال بزرگ زمانہ تھے' واسطے ملنے بابا صاحب کے تشریف لائے اور بہت الفت و مہربانی فرما کر ایک انار بابا صاحب کو دیا۔ حضرت نے وہ انار تمام حاضرین کو تقسیم کر دیا اور ایک دانہ واسطے افطار کے رکھ لیا۔ چنانچہ اسی دانہ کے ساتھ افطار کیا۔ مجرد کھانے کے کشف باطن زیادہ ہو گیا۔ دل میں کہا اگر تمام کھاتے اچھا ہوتا۔ جب خدمت میں شاہ قطب الدین صاحب پیر دستگیر اپنے کے گئے' ایک روز ماجرا انار کا رخدمت ان کی میں بیان کیا۔ حضرت خواجہ قطب الدین صاحب نے فرمایا جو برکت اور فیض تھا اسی دانہ میں تھا جو تمہارے مقسوم میں ہوا۔ حضرت اجل سروری رحمۃ اللہ علیہ پیشتر پیدائش جب آ کر ملے تو گلے میں لیا اور بہت شفقت کی۔ جب شیخ واحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کو ملے تو انہوں نے بھی آغوش میں لیا اور کہا آ میرے سعادت بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ کو ملے تو بغور دیکھنے سے فرمایا اے فرید! تم فرد عالم ہو گے اور فرمایا یہ کودک مشائخ روزگار کا ہو گا اور کالی کملی جو کاندھے پر رکھی تھی' عطا کی۔ غرض تمام مشائخ سلف جو اس زمانہ میں اور پیشتر گذرے تھے' بیان فرماتے رہے جو ایسا عارف خدا و عاشق ذات کبریا پیدا ہو گا اور ہر ولایت میں تمام مشائخان روئے زمین سے سیر کر کے فیض اٹھایا جو کتابوں میں تمام احوال مرقوم ہے۔ چنانچہ جناب والا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ جو قصہ آگے آئے گا اور حضرت فرید الدین عطار و شیخ شہاب الدی عمر سہروردی اور تمام اولیاء زمانہ جو نام ان کے راحت القلوب و سیر الاولیاء و جواہر میں درج ہیں' سب سے فیض اٹھایا۔

نقل ہے جواہر فریدی سے حضرت بابا صاحب فرید الدین اور حضرت مخدوم بہاؤ الدین زکریا صاحب جو مزار شریف ان کے ملتان میں زیارت گاہ خلق اللہ ہے اور سید جلال الدین صاحب بخاری جو مزار شریف ان کی اوچ میں زیارت گاہ خلق اللہ ہے اور حضرت لعل شہباز قلندر جو مزار شریف ان کی رسوان میں زیارت گاہ خلق اللہ ہے' یہ ہر چار یار نے آپس میں متفق ہو کر بہت سیر ملک خدا تعالیٰ کا کیا اور حرمین شریفین میں بھی گئے ہیں۔

نقل ہے ایک مرتبہ حضرت بہاؤ الدین صاحب جو خالہ زاد بھائی حضرت بابا صاحب کے تھے اور آپس میں محبت بھی دونوں صاحبان کی بہت تھی' ایک دوسرے کو بھائی صاحب کر کے بولتے تھے اور خط آپس میں نوشت خواند بہت کرتے تھے جو ملاحظہ ان خطوط سے عرفان پیدا ہوتا ہے۔ القصہ ایک روز تینوں صاحبان نے کہا جو کسی مشائخ کے زمانہ کے ساتھ بیعت کریں۔ حضرت بابا صاحب نے فرمایا بیعت میری تو حضرت خواجہ قطب صاحب کے ساتھ ہے۔ ارادہ بیعت کا تو میرا نہیں لیکن واسطے رضامندی تمہاری کے ساتھ چلوں گا۔ چنانچہ حسب تقاضائے ان کے ہر چار یار مل کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں حضرت بہاؤ الحق صاحب کے پائے مبارک پر سانپ نے کاٹا۔ بہت درد شروع ہوا۔ حضرت بابا صاحب نے فرمایا اگر اس وقت تریاق ملے تو اس زہر مار کے واسطے دوا مفید ہے۔ حضرت بہاؤ الحق صاحب نے فرمایا بھائی صاحب! جب ذات تمہاری موجود تریاق کی کیا ضرورت ہے۔ تب بابا صاحب نے قدرے خاک زمین پاک سے اٹھائی اور نام اس پر تین مرتبہ پیر دستگیر اپنے خواجہ قطب الدین صاحب کا پڑھ کر اس درد پر دم کر کے ملی۔ قدرت الٰہی سے فوراً درد جاتا رہا۔ سب یار کرامت خواجہ صاحب اور اعتقاد بابا صاحب پر معتقد ہوئے۔ آخر الامر جاتے جاتے کنارہ دریا پر پہنچے تو وہاں ایک

Marfat.com

شخص ماہی گیر شکستہ دل دام ماہی دریا میں ڈالے بیٹھا تھا اور ماہی دستیاب نہ ہوتی تھی۔ ہر چار یار فقیر صورت کو دیکھ کر پاس ان کے گیا اور عرض کیا کہ گذارہ میرا ماہی گیری پر ہے۔ چار روز سے دریا میں جال ڈال چکا ہوں۔ ماہی دستیاب نہیں ہوتی۔ اس سبب سے عیال اطفال میرے قوت سے عاجز ہیں۔ اول حضرت بہاؤالدین صاحب نے اس کے حال پر رحم فرما کر فرمایا۔ خدا کا نام لے کر میری قسمت کا جال ڈال۔ چنانچہ ماہی گیر نے حسب فرمان کیا۔ مچھلی وافر جال میں آئی۔ بعد اس کے سید جلال صاحب کے نام سے جال ڈالا تو بھی مچھلی وافر آئی۔ پھر لعل شہباز صاحب کے نام کا جال ڈالا تو بھی بھرا ہوا مچھلی کا آیا۔ جب حضرت بابا صاحب کے نام سے جال ڈالا تو جال پھنس گیا۔ کھینچنے لگا تو باہر نہ آیا۔ یہاں تک جو سبب ثقل کے نقصان جال کا اس نے سمجھا اور کہنے لگا۔ جو فرید نے اچھا جال ڈلوایا جو نقصان پایا۔ جب بابا صاحب نے یہ بات ماہی گیر کی سنی تو فرمایا جال فرید کو فرید ہی نکالے گا۔ آپ جا کر نام خدا کا زبان پر لائے اور جال کو دریا سے کھینچا تو دریا میں شور ہوا۔ جل بھی فرید، تھل بھی فرید۔ جال مچھلی سے بھرا ہوا آیا اور ان ماہیان کی شکل اس قسم کی تھی، روئے ان کا انسان کا بدن حیوان کا تھا اور وہ مخلوق جمع ہو کر آداب بجالائی اور طعام قسم پھوچی حلوا ایک صندوق سے نکال کر نذر کیا۔ تب یاروں نے بابا صاحب سے دریافت کیا یہ کون ہیں۔ بابا صاحب نے کہا ان سے دریافت کرو۔ تب یاروں نے ان ماہیان مخلوق الٰہی سے دریافت کیا تو انہوں نے عرض کی کہ ہم لوگ پیدائش اللہ تعالیٰ قوم جلہوڑہ سے ہیں جو ایک شہر قوم ہماری کا نیچے اس دریا کے آباد ہے۔ آواز غیب سے ہم لوگ کو پہنچی جو پیر تمہارا کنارہ دریا پر ہے اور ہم لوگ سب مرید بابا صاحب کے ہیں اور ورد ہمارا حکم الٰہی سے یہی ہے کہ جل بھی فرید تھل بھی فرید۔ ہم سب لوگ اس جال میں بیٹھ گئے۔ اور آج ہماری شادی ہو رہی تھی۔ اس واسطے طعام شادی میں سے کچھ بطور نذر کے لا کر پیش کیا۔ چنانچہ بابا صاحب نے وہ نذران کی قبول کی اور سب یاران کو تقسیم کیا اور کچھ بطور تبرک واسطے پس ماندگان دے کر رخصت کیا اور منجملہ ان کے ایک شخص کو خلیفہ اپنا کر کے خلافت عطا فرمائی اور رخصت کیا۔ اس سے معلوم ہوا جو حضرت خلفاء عالم آب میں بھی بہت ہیں اور حضرت ستر حال میں بہت رہتے تھے۔ چنانچہ تا حال عرس مبارک میں جلہ ومشتری کا طعام طیار ہو کر بعد ختم قرآن شریف ہر روز یاراں تقسیم ہوتا ہے۔ اور محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین صاحب خلیفہ کلاں حضرت بابا صاحب بانی رسوم عرس نے یہ طعام جو خاص کرامت بابا صاحب سے ہے، تبرک کا مقرر فرمایا جو تا زمانہ حال وہ تبرک تقسیم ہوتا ہے۔

القصہ جب یہ کرامت حضرت بابا صاحب کی یاروں نے ملاحظہ کی تو کہا۔ بھائی فرید نے جناب الٰہی سے خوب درجہ پایا ہے۔ جب اس امر سے فارغ ہوئے تو واسطے عبور دریا کشتی کے تلاش میں ہوئے۔ کشتی موجود نہ تھی۔ آخر لاچار ہو کر سب یاروں نے بابا صاحب کو فرمایا کوئی عبور دریا کی تجویز فرماؤ۔ حسب تقاضائے یاروں کے حضرت بابا صاحب نے گودڑی اپنی دریا پر بچھائی اور کہا انشاء اللہ العزیز یہ کشتی دریا میں ہم لوگ کی ہوگی۔ تب سب یار نام اللہ تعالیٰ جل شانہ وعزیز شانہ کا لے کر اس کشتی پر سوار ہوئے اور کشتی روانہ ہوئی۔ پار دریا کے کنارہ پر ایک محل سیرگاہ کا شیخ صوف صاحب کو جو اس زمانہ میں بڑے اولیاء اللہ تھے، واقع تھا اور دریچہ سے اس محل میں شیخ صوف صاحب سیر دریا کا سر مبارک باہر کر کے کر رہے تھے۔ یکایک نظر ان کی کشتی بابا صاحب پر پڑی۔ دیکھ کر حیران ہوئے جو ایسے کون ہیں جو گودڑی کی کشتی دریا میں چلاتے ہیں۔ یا الٰہی! کشتی ان کی بند ہو جائے۔ تاثیر زبان شیخ صوف صاحب سے کشتی دریا میں رک گئی۔ بند ہونے کشتی سے سب

Marfat.com

یار حیران ہوئے۔ آخر کو حضرت بابا صاحب نے صفائی باطن سے معلوم کر کے زبان سے فرمایا۔ جس نے کشتی ہماری روکی' اس کے سر پر سینگ ہیں۔ بغور فرمانے اس لفظ کے سر پر شیخ صوف صاحب کے سینگ پیدا ہوئے۔ اس قدر جو سرا نکا در یچہ میں پھنس گیا۔ ظہور اس امر سے وہ نہایت حیران ہوئے۔ آخر بصورت مجبوری شیخ صوف صاحب نے فرمایا الٰہی! کشتی ان کی رواں فرما۔ اسی وقت کشتی رواں ہوئی۔ اس طرف بابا صاحب نے دعا فرمائی یا الٰہی سینگ ان کے دور ہوں۔ فی الفور سینگ دور ہو گئے۔ کشتی کنارہ لگی۔ کہتے ہیں اب بھی اولادان کی میں ذرہ ذرہ نشان سینگ سر میں ہوتے ہیں۔ چاروں یار کشتی سے اتر کر خدمت میں شیخ صوف صاحب گئے اور درخواست مرید ہونے کی تینوں صاحبان نے کی۔ انہوں نے فرمایا جو میں تمہارے مرید کرنے کے لائق نہیں ہوں۔ بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی جو کمال زمانہ کے ہیں' جا کر بیعت کرو جو وہ تمہاری بیعت کرنے کے لائق ہیں۔ تب اس طرف روانہ ہوئے۔ جب گرد نواح میں شیخ شہاب الدین صاحب کے پہنچے گلہ شتراں کا چراگاہ میں چرتا دیکھا جو طوق زریں مرصع گلے میں ہر ایک کے ہیں۔ پوچھا یہ کس کے ہیں۔ محافظاں نے کہا یہ شیخ کے ہیں۔ القصہ جو مال گاؤمیشاں و گوسفنداں تا سگاں تھا' تمام کے گلے میں طوق زریں تھے اور جو مکان باغ یا حویلی دیکھتے اور پوچھتے یہ کس کا ہے تو یہی کہتے کہ شیخ کا ہے۔ سنتے سنتے حضرت شہباز قلندر نے کہا تمام دنیاوی علائق شیخ ہی کا ہے اور کوئی اس جگہ نہیں۔ پس گودڑی اپنی کاندھے سے زمین پر پھینک دی اور غصہ میں آ کر کہا جو فقیر کے پاس بھی علاقہ ہے یہ شیخ ہی لے لے۔ القصہ جب قریب مکان شیخ کے پہنچے تو اندر سے ایک خادم کو شیخ صاحب نے بھیجا جو چار صورت فلاں فلاں نام آئے ہیں' ان کو جگہ رہنے کے واسطے اور طعام تناول کے لئے دیجئے۔ خادم نے آ کر بموجب فرمانے شیخ صاحب کے جگہ آرام کو دی اور طعام لا کر حاضر کیا۔ تین صاحب نے طعام کھا لیا مگر بابا صاحب نے نہ کھایا۔ خادم نے کہا آپ کیوں نہیں کھاتے۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ ہم ساتھ حضرت شیخ شہاب الدین صاحب کے کھائیں گے۔ خادم نے جا کر اندر عرض کیا۔ خادم کو پھر بھیجا جو جا کر کہو کہ ہم کو طے کا یعنی تین روز کا روزہ ہے۔ تم کھا لو۔ حسب الحکم خادم نے آن کر کہا تب بابا صاحب نے فرمایا ہم کو بھی تین روز کا روزہ ہے۔ جب تین روز گذرے شیخ شہاب الدین نے ہر چار یار کو اندر بلایا۔ جب دروازہ پر پہنچے تو دو آدمیوں کو پکڑ کر اندر سے باہر لائے اور سامنے یاروں کے ان دونوں کا سر کاٹ دیا۔ اس معائنہ سے یہ سب متعجب ہوئے۔ لعل شہباز نے کہا ایسے شیخ کے دروازہ پر ناحق خون ہونے کا کیا سبب ہے۔ بابا صاحب نے کہا فعل کمال اللہ میں دخل دینا نہ چاہیے۔ کوئی مطلب اس امر میں ہوگا۔ جب روبروئے حضرت شیخ شہاب الدین صاحب کے پہنچے نیاز ادا کر کے ملاقات کی اور بیٹھے۔ شیخ صاحب نے فرمایا دو آدمیوں کا قتل کرنا یہ نفس دونوں کے تھے جو نفسانیت ان دونوں کی ظاہر شکل میں لایا کر سامنے ان کے قتل کرا دیا۔ جو نفسانیت کا ان کو ضرر نہ ہو اور یہ دونوں بہاؤ الدین صاحب اور بابا فرید صاحب ان کے نفس تو آگے ہی قتل ہوئے ہیں۔ بعد اس کے سفرہ واسطے کھانے کے بچھایا اور نان جو بے نمک واسطے تناول کے حاضر کی' تب شہباز قلندر صاحب کے دل میں گذرا کہ یہ طرفہ معاملہ ہے۔ باہر علائق دنیاوی سے ایسا ہے کہ طوق مرصع زریں چار پایاں کے گلے میں ہیں اور اندر سفرہ پر نان جو بے نمک ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین صاحب ضمیر سے آگاہ ہو کر فرمایا کہ اے قلندر! میں نے میخ زر کی گل پر ماری ہے نہ دل پر اور خادم کو فرمایا جو وہ گودڑی اس کی بھی جو رستہ میں غصہ سے پھینک آیا تھا' لا کر اس کو دے دو اور فرمایا کہ فقیر کو اتنا غصہ نہ چاہیے اور بہاؤ الدین صاحب و سید جلال الدین

Marfat.com

صاحب اور لعل شہباز صاحب تینوں کو بیعت فرمائی۔ بعض روایات صحیحہ میں ہے کہ سید جلال الدین صاحب اور لعل شہباز صاحب نے بیعت ساتھ جناب بہاؤ الدین صاحب کے کی ہے لیکن ان صاحبان نے نعمت حضرت بہاؤ الدین صاحب سے حاصل کی ہے اور حضرت بابا فرید صاحب کو فرمایا کہ بیعت تمہاری خواجہ قطب الدین صاحب کے ساتھ ہے اور نعمت بھی تیار ہے اور ایک کتاب معارف العوارف تصنیف اپنی بابا صاحب کو عطا فرمائی اور کہا کہ یہ محض تمہارے واسطے میں نے بنائی تھی اور نعمت بھی عطا کر کے دعا دی کہ اے فرید! تم لنگر عالم کے ہوگے۔

نقل ہے کہ یہ ہر چار یار اور شیخ شہاب الدین صاحب کھانے کے بعد نماز کی تیاری کرنے لگے۔ جب حضرت شیخ شہاب الدین صاحب وضو کرنے لگے چونکہ درد دنداں شیخ صاحب کو ہوتا رہا تھا' بارہا اس درد کے واسطے جناب الٰہی میں التجا کرتے۔ حکم ہوتا کہ مقدر میں لکھا ہوا ہے۔ اس وقت حضرت بابا صاحب نے واسطے درد دنداں شیخ شہاب الدین کے التماس جناب الٰہی میں کی۔ حکم ہوا کہ یہ مقدر میں لکھا ہوا ہے۔ تب بابا صاحب نے جناب الٰہی میں التجا کی کہ اگر مقدر میں ہے تو درد ان کی دور ہو کر بندہ کا عوض اس کے ہو۔ یہ دعا قبول ہوئی۔ ان کے دندان سے درد زائل ہو کر دندان بابا صاحب کو ہوگئی۔ تب حضرت شیخ شہاب الدین نے کشف سے معلوم کیا اور کہا کہ یہ کیا باعث جو آپ کو رنج میں ڈالا۔ بابا صاحب نے عرض کی کہ یہ درویشی سے بعید ہے جو دوسرے کو رنج میں دیکھنا اور آپ راحت میں۔ تب درگاہ ایزدی میں حضرت شہاب الدین صاحب نے بھی واسطے دور ہونے درد دنداں بابا فرید کے دعا کی اللہ تعالیٰ نے دعا اس کی بھی مستجاب کی اور درد دنداں ان کی بھی زائل ہوگئی۔ تب بابا صاحب نے رخصت طلب کی اور دعا چاہی کہ آپ بزرگ کمال ہو میرے حق میں دعا کرو جو شیطان لعین سے اللہ تعالیٰ اپنے حفظ میں رکھے۔ حضرت شہاب الدین صاحب نے فرمایا کہ شیطان لعین کو ساتھ ذات متین تمہارے کے کیا کام ہے۔ خدا تعالیٰ تم کو حفظ میں رکھے گا۔ نقل ہے خدمت شیخ شہاب الدین صاحب سے رخصت ہو کر ایران توران بدخشاں وغیرہ ملک کا سیر کرتے اور ہر جگہ اولیاء اللہ کی ملاقات کرتے اور فیض اٹھاتے حرمین شریفین کو چلے گئے۔ اگر تمام اولیائے کبار کا احوال ملاقات مرقوم ہووے تو طوالت ہوتی ہے اس واسطے ضروری مرقوم کیا گیا۔

القصہ بغداد آئے۔ حج مدینہ منورہ میں گئے۔ چند مدت حرم شریف جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا جو امانت ہم نے تمہارے واسطے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کو ارشاد باطنی سے دی تھی وہ ان کے پاس پڑی ہے' لو اور نعمت تمہاری خواجہ قطب الدین صاحب کے پاس دہلی میں تیار ہے۔ اور کتاب بہشتیہ فریدیہ تصنیف مولوی صاحب بدر الدین جو فاضل اجل تھے' تحقیق روایت سے مرقوم کرتے ہیں کہ بعد بیعت اور صحبت کے حسب الارشاد حضرت خواجہ معین الدین صاحب اور خواجہ قطب الدین صاحب مدینہ مبارک میں گئے ہیں۔ القصہ حسب الارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بابا صاحب خدمت میں شاہ گیلان پہنچے۔ اس وقت وکیلاں نے دروازہ روضہ مبارک بند کیا ہوا تھا۔ جب بابا صاحب دروازہ پر پہنچے اور واسطے کھولنے دروازہ کے آرزو کی کہ ہم فیض زیارت سے ہوویں' وکیلاں نے کہا اے درویش! حضرت اندر ہیں اور اس جگہ نہیں۔ اگر تمہارا اعتقاد درست ہے تو اس جگہ سے آداب نیاز کرلو۔ تب بابا صاحب نے کہا السلام علیکم یا محبوب سبحانی!! اندرون سے آواز آئی وعلیکم السلام یا عاشق ربانی۔ تب دروازہ کھل گیا اور حضرت بابا فرید

Marfat.com

نے قدم بوسی کی۔ تب حضرت شاہ گیلان نے فرمایا جو ہم کو تمہارے واسطے امانت چند اشیاء مدینہ منورہ سے ملی تھی اور حکم ہوا تھا کہ یہ اشیاء جب بابا فرید تمہارے پاس آئے گا اس کو دینا۔ حضرت شاہ گیلان نے کشف سے وہ صندوق جس میں یہ تبرکات تھے حوالہ بابا صاحب فرمایا اور ایک روایت میں مرقوم ہے کہ سید عبدالوہاب صاحب فرزند ارجمند حضرت گیلان صاحب بوقت زندگی و بعد انتقال چند مرتبہ واسطے ان تبرکات کے عرض پرداز ہوئے تھے کہ ان تبرکات کے واسطے کیا حکم ہے اور کس کو عنایت ہوں گی۔ حضرت سے کوئی ارشاد صادر نہ ہوا۔ جب بابا صاحب گئے تو ارشاد روحی سے بدست سید عبدالوہاب صاحب منگوا کر اندرون روضہ متبرکہ معہ صندوق حوالہ بابا صاحب فرمائے۔ مرقوم ہے کہ اس صندوق میں دو علم یعنی نشان جو بوقت جنگ پیش لشکر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تھے اور ایک دستار۔ بعضے لکھتے ہیں کہ زعفرانی رنگ تھی اور بعضی روایت میں کنارہ بردوز عفرانی رنگ تھی اور ایک کاسہ چوبیں جس میں خوردنوش جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اور مقراض۔ یہ تبرکات تھے۔ تب بابا صاحب نے وہ دستار مزار شریف پر سے شاہ گیلان کے سر پر باندھی اور بہت نعمت باطنی شاہ گیلان صاحب کی روح پُرفتوح سے عطا ہوئی۔ اسی واسطے قادریہ سلسلہ میں جس کو طلب ہوتی بابا فرید صاحب بیعت کرتے جو خلافت بلکہ مسند خاص بابا صاحب کو اس جناب نے عطا کی تھی۔ تب بابا صاحب نے عرض کی کہ بندہ کے واسطے سکونت ملک پنجاب میں ارشاد ہے۔ تب حضرت شاہ گیلان سے حکم ہوا جو ہماری طرف سے مالک نعمت اور تبرکات و مسند کے تم ہوئے۔ جیسا تمہاری صلاح ہو کرنا۔ تب حضرت بابا صاحب نے ایک دستار بازار سے منگوا کر اپنی طرف سے حضرت سید عبدالوہاب صاحب فرزد حضرت شاہ گیلان صاحب کو بندھائی۔ بعضی روایت میں ہے کہ جو تاج بابا صاحب کے سر پر تھی وہ سر پر سید عبدالوہاب صاحب کے عطا کی اس واسطے تاثیر دستار حضرت محبوب سبحانی صاحب کے سجادہ نشین حضرت گنج شکر صاحب پر ہوتی ہے اور تاثر تاج عاشق ربانی صاحب کے سجادہ نشین شاہ گیلان پر ہوتی ہے۔ القصہ بہت فیض اور نعمت خدمت شاہ گیلان صاحب سے حاصل کر کے عازم ملک ہندوستان کے ہوئے اور وہ دونوں علم یعنی نشان اب درگاہ بابا صاحب میں موجود ہیں جو بروز عیدین یہ تبرکات کی زیارت کل مخلوق کو حاصل ہوتی ہے اور جو کاسہ حضرت بابا صاحب کا تھا کنارہ اس کا رگڑ کر پیتے رہے اور تھلا شکم پر باندھ دیا۔ وہ نان چوبیں اب درگاہ میں بابا صاحب کے موجود ہے اور پہلی کتاب میں بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

باب سوم
دربیان یافتن نعمت و خرقہ خلافت و رخصت شدن بملک پنجاب

نقل ہے جب حضرت بابا فرید صاحب بخدمت پیر دستگیر شاہ قطب الدین صاحب پہنچے تو خواجہ قطب صاحب نے خدمت وضو کرانے کے سپرد کی۔ چنانچہ بارہ برس تک حضرت بابا صاحب اپنے پیر کی خدمت میں رہ کر بڑے بڑے مجاہدات اٹھا کر نعمت پیران عظام اور اسم اعظم جو سینہ بسینہ چلا آتا تھا حاصل کیا۔ نقل ہے کہ ایک رات شاہ قطب الدین صاحب نے بابا صاحب کو فرمایا جب کہ موسم سرما کا تھا کہ پانی گرم رات کو موجود رکھنا۔ جب وقت معمولی ہوا اور بابا صاحب واسطے تیاری پانی کے اٹھے تو کہیں آگ دستیاب نہ ہوئی۔ لاچار ہو کر تلاش آگ کی شہر دہلی میں کرنے لگے۔ کسی

جگہ سے حاصل نہ ہوئی مگر ایک جگہ مکان میں روشنی ہوتی دیکھی۔ دروازہ پر جا کر دستک کی۔ اندر سے لونڈی باہر آئی۔ پوچھا جو اس وقت تو کون ہے اور یہاں کس واسطے آیا۔ تب بابا صاحب نے کہا میں درویش خواجہ قطب الدین صاحب کا ہوں اور واسطے پانی گرم کرنے پیر اپنے کے آگ درکار ہے۔ اس نے جا کر بی بی کو بیان کیا۔ بی بی نے کہا۔ اس کو اندر بلالاؤ۔ تب لونڈی آ کر بابا صاحب کو اندر لے گئی۔ چونکہ حسن ظاہری بھی کمال خدا تعالیٰ نے بابا صاحب کو عطا کیا تھا۔ وہ بی بی مفتون ہوگئی اور کہا آپ آؤ اور میرے پاس آرام کرو پھر آگ ملے گی۔ حضرت بابا صاحب نے اس بات سے انکار کیا۔ واپس چلے آئے۔ ہر چند اور جگہ تلاش آگ کی کی۔ قدرت الٰہی سے کسی جگہ دستیاب نہ ہوئی۔ پھر لاچار ہو کر اسی جگہ منت وزاری سے طلب آگ کی کی۔ جب اس صاحب خانہ نے جانا کہ اس فقیر کو خواہش آگ کی ازبس ہے تو اس نے بطور حجت بابا صاحب کو کہا اگر درخواست میری قبول نہیں کرتے تو عوض آگ کے آنکھ یعنی چشم نکال دو تب آگ ملے گی۔ یہ بات حضرت کو سہل معلوم ہوئی۔ اسی وقت ایک آنکھ اپنی نکال دی اور آگ لے لی۔ مکان پر آن کر لکڑی جلانے کی تلاش کی تو وہ بھی نہ ملی۔ آخر کو بنظر ضرورت چارپائی اپنی جلا کر پانی وضو کا تیار کیا۔ جب پیر دستگیر خواجہ قطب صاحب نے پانی طلب کیا تو حضرت بابا فرید پانی لائے اور خواجہ قطب صاحب کو وضو کرانے لگے۔ جب نظر خواجہ قطب الدین صاحب کی چہرہ بابا صاحب پر پڑی۔ فرمایا اے فرید! اس آنکھ پر دستار کا پیچ کیوں بندھا ہے۔ تب بابا صاحب نے عرض کی حضرت آنکھ آئی ہے۔ جیسا رواج ملک ہند کا ہے جب آنکھ درد کرے تب کہتے ہیں آنکھ آئی ہے۔ تب حضرت خواجہ قطب الدین صاحب نے فرمایا۔ جب آنکھ آئی ہے تو کھول دو۔ حسب الحکم پیر اپنے کے آنکھ کھول دی۔ وہ چشم صحیح وسالم ہوگئی۔ لیکن بہ نسبت دوسری آنکھ کے قدرے تفاوت معلوم ہوتا تھا۔ تب حضرت خواجہ قطب صاحب نے بطور ظہور اس ادائے خدمت کے بہت نعمت عطا کی اور وہ عورت بھی معہ اپنے اہل عیال کے خدمت خواجہ صاحب میں تائب ہو کر مرید ہوئی۔

نقل ہے جب حضرت خواجہ معین الدین ہندالولی صاحب اجمیر شریف سے دہلی میں تشریف لائے بجز داستماع خواجہ قطب الدین صاحب واسطے اقبال کے روانہ ہوئے اور حضرت بابا فرید صاحب چلہ میں رہتے تھے۔ جب خواجہ کلاں نے مکان میں نزول کیا پوچھا کہ بابا صاحب کس جگہ ہیں۔ تب خواجہ قطب الدین صاحب نے عرض کی وہ چلہ میں ہے۔ تب خواجہ کلاں شاہ معین الدین صاحب نے فرمایا چلو پہلے ان کو دیکھیں۔ جب ہر دو صاحبان دروازہ حجرہ پر پہنچے تو بابا صاحب نے آن کر پیر اپنے خواجہ قطب صاحب کے قدم پر نیاز ادا کیا۔ تب خواجہ قطب الدین صاحب نے اشارت طرف خواجہ کلاں کے کی۔ پھر بابا صاحب نے نیاز خدمت طرف خواجہ قطب صاحب ادا کی۔ چنانچہ تی مرتبہ یہی طور ہوا اور حضرت بابا صاحب نے عرض کی۔ بندہ ایک دل رکھتا تھا سو مظہر حضور میں خرچ ہوگیا۔ آگے جو مرضی حضور۔ یہ حسن عقاید اور اخلاص بابا صاحب خواجہ کلاں نے دیکھ کر آفرین کہی اور فرمایا اسی ذریعہ سے کل مقصود حاصل ہوتا ہے اور خواجہ قطب صاحب کو فرمایا اے بابا قطب! تیرے بڑے بخت یاور ہیں کہ ایسا شہباز دام میں تمہارے آیا کہ وجود ذی جود اس کے سے خاندان چشت کو ملک ہند میں ترقی حاصل ہوگی کہ کان چشت کی ہے۔ اس روز سے اور لقب محو ہو کر صرف چشتی مشہور ہوئے اور اولاد پر بھی چشتی کا لقب جاری ہوا اور اسی روز سے جناب خواجہ قطب صاحب کا بھی لقب بختیار صادر ہوا۔

القصہ بعد اس الطاف کے خواجہ معین صاحب نے خواجہ قطب الدین صاحب کو فرمایا جو آج فریدالدین کو نعمت

Marfat.com

دیں۔ ایک طرف راست خواجہ قطب صاحب کو کھڑا کیا اور طرف چپ آپ کھڑے ہوئے اور بابا صاحب کو قبلہ رو کھڑا کیا درمیان۔ تب حضرت خواجہ قطب صاحب کو فرمایا۔ یہ کہو تم جو کچھ نعمت میں نے پیران عظم سے جو سینہ بسینہ چلی آئی تھی اور معین الدین سے حاصل کی تھی' وہ سب فرید الدین کو دی۔ حسب الارشاد شاہ معین الدین صاحب خواجہ قطب صاحب نے اسی طرح کہا اور خواجہ معین الدین صاحب آمین آمین کرتے رہے۔ پھر حضرت خواجہ معین الدین صاحب نے فرمایا جس وقت حضرت خواجہ عثمان ہارونی صاحب نے نعمت مجھے عطا کی تھی' اس وقت ارواح پاک جناب رسالت مآب واصحاب کبار وانبیاء واولیاء و پیران عظام چشت اور چار صد اولیاء دیگر یہ جملہ صاحبان نے بھی نعمت مجھ کو عطا کی تھی اور بائیس خواجہ اور تینتیس قطب کی نعمت بھی حضرت عثمان ہارونی صاحب نے سلب کر کے مجھے عطا کی تھی۔ قصہ اس کا کتابوں میں مرقوم ہے۔ وہ نعمت سب آج بابا فرید کو دی جو ارواح پاک سب صاحبان نے مجھ کو عطا کی تھی۔ اور یہ بھی کہا اے بابا قطب الدین! آنا ہمارا اور تمہارا ملک ہند میں حکم الٰہی سے اصلیہ مطلب یہی تھا کہ درجہ فردیت کا بابا صاحب پر قائم ہو۔ اور درجہ فردیت کا ایک ہی تھا سو فرید الدین کو ملا۔

نقل ہے جب حضرت شاہ معین الدین صاحب اور شاہ قطب الدین صاحب حضرت بابا صاحب کو بولتے یہی نام کہتے اے بابا فرید! تم بابا ہو یعنی مثل باپ کے ہر کہ مہ کے واسطے یہ نام فرمان پیران عظام سے حضرت بابا صاحب کو عطا ہوا اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے گنج شکر کا نام عطا ہوا۔ ان نام ہائے مبارک کے واسطے بہت روایات جواہر فریدی وغیرہ تواریخ میں مسطور ہیں۔ اس جگہ اختصار کے باعث مرقوم نہیں کی گئیں۔

نقل ہے جب حضرت بابا صاحب کو پیران عظام سے خرقہ خلافت اور نعمت تمام حاصل ہوئی اور ملک پنجاب قصبہ اجودہن یعنی پاک پٹن قیام کے واسطے عطا ہوا اور جناب الٰہی سے مالک ملک ظاہری باطنی کئے گئے' تب حضرت بابا صاحب دہلی شریف سے رخصت ہو کر پاک پٹن کو روانہ ہوئے۔ چند مدت ہانسی میں بھی قیام پذیر رہے۔ واسطے محبت خواجہ جمال الدین صاحب خلیفہ اپنے کے پھر تشریف فرمائے پاک پٹن کو ہوئے۔ بہت اقوام ہائے ملک ہند و پنجاب سے مسلمان کر کے مرید کیں جو اس جگہ بیان ان کے سے طوالت ہوتی ہے اور چارکس جوگی ساحر کو مسلمان کیا۔ جب حضرت پاک پٹن کو تشریف لائے بہت قومیں پیچھے آ گئیں۔ بعضے دریا ستلج پر اور بعضے دریا چناب وغیرہ ملک ہائے میں سکونت پذیر ہوئے۔

نقل ہے ایک مرتبہ بابا صاحب سیر کرتے ہوئے طرف دریائے جہلم کے گئے۔ جب دریائے چندل پر گئے اور مقام تخت ہزارہ میں پہنچے اس وقت شہر دریا کے مشرق تھا اور سردار منگل سین اس جگہ کا تھا۔ شکار مغرب کی طرف کھیل رہا تھا۔ اس جگہ جنگل میں حضرت کی ملاقات حاصل ہوئی۔ بابا صاحب نے منگل سین کو فرمایا اس جگہ آبادی کرو۔ اس نے عرض کی شہر پر بہت روپیہ خرچ ہوا ہے اور دوسری جگہ آبادی کرنی مشکل ہے۔ آپ اولیاء کمال ہو اگر دریا اس طرف ہو جائے تو شہر مغرب کی طرف ہو جائے گا۔ وہی آبادی میری قائم رہے گی اور ہم بھی مسلمان ہو کر مرید ہوں گے۔ حضرت نے فرمایا منگل سین! تم آج ہمارے پاس رہو اور قدرت الٰہی کا معائنہ کرو۔ تب منگل سین اور حضرت اس جگہ رہے۔ بوقت صبح کے دیکھا تو دریا مشرق کی طرف اور شہر مغرب کی طرف ہو گیا تب یہ کرامت منگل سین دیکھ کر ایمان لایا اور خلعت اسلام کی

Marfat.com

حاصل کر کے مرید ہو کر بیعت ہوا۔ حضرت نے زبان مبارک سے نام رانجھا رکھا اور خرقہ خلافت عطا کیا۔ اس سبب سے اس قوم کا لقب رانجھا ہوا۔ تب اس نے خدمت میں عرض کی کہ کچھ امداد باطنی میرے پر مبذول فرماؤ۔ حضرت نے فرمایا جو کوئی اولاد تمہاری سے ہمارے پاس آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ اس کو امداد باطنی حاصل دریائے چندل پر اول مرید رانجھا ہوا اور یہ رانجھے اس کی اولاد سے ہیں اور پھر گوندل کو مسلمان کیا۔

جب حضرت بابا صاحب رانجھا کو مسلمان کر کے مقام آدھی میں گئے' اس جگہ ایک فقیر ہندو ہندوستانی بنام گھنو رہتا تھا۔ ایک تالاب پر ان کا مقام تھا۔ اس فقیر کو قوم گوجر بہت ایذا دیتے۔ جب بابا صاحب کو اس نے دیکھا' عجز کر کے پیش ہوا اور عرض کی کہ میں تن تنہا مسافر ہوں اور یہ قوم گوجر مجھ کو ایذا دیتے ہیں۔ حضرت نے اس کو تسلی دی اور قوم گوجر کے واسطے فہمائش کی لیکن انہوں نے قبول نہ کیا۔ تب حضرت نے ناراض ہو کر فرمایا کہ انشاء اللہ سکونت تمہاری اس جگہ سے خارج ہوئی۔ حسب فرمان حضور کے ویسا ہوا۔ تب مسمی گھنوبھی آ کر مسلمان ہوا اور مرید ہوا۔ حضرت نے نام اس کا وہیر مقرر کر کے خلاف عطا کی اور مقام چیلیاں موجیاں پر عصا اپنا نشان کر دیا اور فرمایا جو اس جگہ تک حد اولاد تمہاری اور قوم گوجر کی ہوگی۔ تب سے اولاد وہیر کو گوندل لقب ہوا۔ پھر حضرت سیر کرتے ملک بناء میں گئے۔ قلعہ رہتاس کو مکان شاہ سفید پر تو اس جگہ جھب نامی شخص اولاد دلا دراجہ سالواہن سے ملاقی ہوا۔ اس وقت حضرت سوار گھوڑے پر تھے' جھب مذکور نے کہا کہتے ہیں جو بابا صاحب بڑا کمال ہے اور وہ گھوڑے پر سوار ہے۔ اولیاء کے واسطے تو ڈھائی قدم زمین ہوتی ہے اور یہ گھوڑے پر سوار ہیں۔ تب حضرت خدا تعالیٰ کا نام لے کر گھوڑے کو تھاپی مار کر گھوڑے سے اتر پڑے۔ جب اس جھب نے گھوڑا دیکھا تو وہ سنگ کا ہو گیا۔ تب یہ کرامت دیکھ کر جھب مذکور مسلمان ہو کر مرید ہوا اور اولاد جھب کی بنام جھب مشہور ہوئی اور جو اس علاقہ میں رہتے ہیں اور یہ تمام قومہا مسلمان کی ہوئی' بابا صاحب کی ہیں اور مرید خاص حضرت کے ہیں اور وہ گھوڑا سنگ کا اس جگہ موجود ہے مقام شاہ سفید سے بفاصلہ تین کوس جنگل میں ہے اور مجاور بھی اس جگہ رہتے ہیں اور مسافر خانہ بھی بنے ہوئے ہیں اور نذر نیاز اس جگہ چڑھتی ہے۔ قوم ورک' وڑائچ' وقوم چیمہ' قوم دریاہ' وقوم ٹوانہ وقوم کھیبہ وقوم کھیڑہ وقوم ہراج۔ ان قومہائے کے بزرگوں کو اسی سیر میں مسلمان کر کے مرید کیا اور خرقہ خلافت عطا کیا ہے۔ سیو کی اولاد سیال' کھیو کی اولاد کھیڑا' تیو کی اولاد ٹوانہ' گھیو کی اولاد گھیبہ' ہیو کی اولاد ہراج۔ یہ کشف اور حالات کتاب جواہر گنج' جو تمام اس میں مسلمان کرنا قومہائے کا ذکر مرقوم کیا گیا ہے اور زبانی مولوی محمد بخش قوم رانجھا سے بھی اسی طرح نقل پایا ہے۔

باب چہارم
دربیان سکونت اجودھن عرف پاک پٹن بارشاد پیران عظام

جب بابا فرید صاحب امر الٰہی اور ارشاد پیران عظام سے اجودھن یعنی پاک پٹن میں پہنچے تو یہاں آ کر شہر کی غرب کی طرف درمیان راستہ عزیزی کے جن کو خواجہ دیوان صاحب بھی کہتے ہیں اور اس جگہ اب ایک چبوترہ اور چار دیواری خشت پختہ سے بنی ہوئی ہے' ایک درخت کریر کے تلے رہنے لگے۔ یہاں کے لوگ اس وقت بہت سنگ دل اور سخت تھے کہ کوئی پرسان حال نہ ہو۔ اس بات پر بابا صاحب بہت خوش ہوئے کہ اس جگہ فراغ خاطر سے یاد الٰہی میں مشغول

Marfat.com

رہیں گے۔ آخر چند روز کے بعد شہر میں شہرہ بزرگی حضرت بابا صاحب کا ہونے لگا تو یہاں ایک جوگی بال ناتھ بعضی روایات میں پیر ناتھ نامی معہ ستر چیلہ رہتا تھا اور بڑا ساحر تھا۔ تمام خورد و کلاں مطیع اور فرمانبردار اس جوگی کے تھے۔ جب جوگی کو اطلاع بزرگی اور کرامات حضرت بابا صاحب کی ہوئی' حسد اور جوش سے کہا کہ ہم اس جگہ رہنے نہ دیں گے۔ اتفاقاً ایک دن ایک عورت خم دودھ کا سر پر لئے چلی آتی۔ راستہ میں بابا صاحب کو ملی تو حضرت نے پوچھا اے مائی یہ کیا لئے جاتی ہے۔ عورت نے زار و عاجز ہو کر عرض کی یا حضرت! یہ دودھ ہے واسطے جوگی کے لے جاتی ہوں۔ اگر ذرہ بھی لے جانے میرے میں توقف ہو جائے تو تمام چارپایاں ہمارے کے پستان میں خون پڑ جائے گا اور وہ جوگی بڑا ساحر ہے اور سحر کے باعث سے تمام لوگ مطیع اس کے ہیں۔ بابا صاحب نے یہ بات سن کر فرمایا کہ یہ دودھ تمام درویشاں ہمراہی میرے کو پلا دے اور آپ خاطر جمع سے اپنے گھر کو چلی جا۔ انشاء اللہ العزیز کچھ ضرر سحر کا تم کو نہ ہوگا۔ حسب الارشاد حضرت کے اس نے تمام دودھ درویشاں کو پلا دیا۔ القصہ یہ خبر جوگی کو پہنچی۔ سنتے ہی غضب غصہ میں ہو کر ایک چیلہ کو کہا کہ جا کر اس فقیر کو میرے پاس لے آؤ۔ چیلہ مذکور نے حضرت بابا صاحب کے پاس آن کر کہا کہ ہمارا گورو آپ کو بلاتا ہے۔ حضرت نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ جب زمین پر بیٹھا تو اٹھ نہ سکا۔ چنانچہ پھر دوسرا تیسرا علے ہذا القیاس تمام چیلوں کو بھیجا۔ پھر واپس کوئی نہ گیا اور حال سب کا یکساں ہو گیا۔ تب جوگی جوش میں آ کر آپ آیا اور جوش طبیعت سے بلایا۔ کچھ دیکھو یا دکھلاؤ۔ تب بابا صاحب نے فرمایا تم دکھلاؤ۔ اسی وقت جوگی غضب میں آن کر ایک کٹکہ چوبی یعنی ڈنڈا پر سوار ہو کر طرف آسمان کی اور اس درجہ تک بلند ہو گیا جو دیکھنے میں آتا تھا۔ تب بابا صاحب نے نعلین اپنی کو اشارت فرمائی جو وہ پرواز میں ہو کر سر جوگی پر پہنچی اور متواتر ہو کر سر جوگی پر لگنا شروع کیا اور اسی حالت میں جوگی کو لا کر زمین میں گردن تک غرق کیا۔ اس وقت جوگی نے عاجز اور لاچار ہو کر وسیلہ نام خدا کا پیش کیا جو مجھ کو امان دو۔ تب بابا صاحب نے حال جوگی پر رحم فرما کر دعا سے جوگی کو نکالا۔ اسی وقت جوگی نے شرمندہ ہو کر اسلام قبول کیا اور مرید ہوا۔ روایات میں ہے جو اس کا نام حضرت بابا صاحب نے پیر کمال رکھا۔ بہت ریاضت اور عبادت اور خدمت سے خلافت کا درجہ حاصل کیا اور دریائے قہر میں واسطے سکونت کے اس کو ارشاد فرمایا۔ جواہر میں مرقوم ہے جو اولاد اس کی اب تک لنگر بابا صاحب کا دیتے ہیں۔ اے عزیز! مجاہدہ کیا ہوا خدا تعالیٰ کسی کا رائیگاں نہیں کرتا' چاہے باطل راستہ پر ہو چنانچہ جوگی کو مجاہدہ سے استدراج کا درجہ حاصل تھا۔ جو اس درجہ سے وہ اڑا اور پیروی رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جو مجاہدہ کرے اس کو ولایت کا درجہ اور کرامات کا حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ صاحب ولایت کی نعلین نے مار کر زمین پر اتارا۔ سوائے متابعت اسلام کے کمال حاصل نہیں ہوتا۔

نقل ہے ایک قاضی بنام ابو مسلم اہل قریش سے قصبہ پاک پٹن میں مامور تھا۔ جب حضرت بابا صاحب رہنے لگے اور اکثر سماع حضرت کے پاس ہوتا تھا۔ چونکہ علمائے ظاہر میں ہوتے ہیں۔ قاضی صاحب مذکور نے حسد اور بغض حضرت کے ساتھ شروع کیا چنانکہ ایک دفعہ صوبہ ملتان کی طرف کہ پاک پٹن صوبہ ملتان میں متعلق تھا' پروانہ مرقوم کیا جو ایک شخص آپ کو فقیر کہلاتا ہے اور سماع سنتا ہے پیشگاہ صوبہ سے مرقوم ہوا کہ اس کو نکال دو۔ جب وہ پروانہ لفافہ کیا ہوا قاضی مذکور نے ملاحظہ کیا دیکھا تو اس میں مرقوم ہے کہ قاضی ابو مسلم کو شہر سے نکال دو۔ خاموش ہو کر یہ راز مخفی کر دیئے۔ چند عرصہ کے بعد قاضی نے پھر شکایت مرقوم کی اور اکثر متعلقان حضور کو ایذا دینا شروع کیا۔ پھر صوبہ سے حکم صادر ہوا پہلے تم اس فقیر کا

Marfat.com

نام لکھو کہ جس کے واسطے بار بار تاکید کرتے ہو۔ جب قاضی نے نام حضرت کا مرقوم کیا' وہ صوبہ و عالمان شہر اور جناب حضرت بہاؤ الدین ذکریا نے ملاحظہ کیا۔ انہوں نے فرمایا اے قاضی! بے شعور نام اس شخص کا مرقوم کرتا ہے کہ مجتہدان زمانہ کو طاقت گفتگو کی ساتھ اس کے نہیں اور جواب انہوں نے مرقوم کیا کہ تم آپ مجلس میں جا کر ساتھ ان کے گفتگو کرو۔ جب قاضی نے وہ پروانہ ملاحظہ کیا۔ ایک روز مجلس حضور میں حاضر ہوا۔ دیکھتے ہی بابا صاحب کو کدورت تمام باطن سے اس کی دور ہو گئی اور مرید ہوئے اور کفارت اعمال گذشتہ اپنی میں نسبتِ ناطہ دختر اپنی جو ولیہ زمانہ تھی' ساتھ فرزندار جمند حضرت بابا صاحب جناب شیخ بدر الدین صاحب کے کی بطن جس کے سے جناب علاؤ الدین موج دریا صاحب پیدا ہوئے۔

نقل ہے ایک روز حضرت بابا فرید صاحب اس جگہ جس جگہ پہلے قیام پذیر ہوئے تھے' یاد الٰہی میں مشغول تھے۔ ایک بیوہ عورت نے متصل اس جگہ کے آن کر رونا شروع کیا۔ حضرت نے اس عورت سے دریافت حال فرمایا۔ عورت مذکورہ نے بیان کیا کہ تمام عمر میں ایک لڑکا حاصل ہوا تھا۔ چند مدت میں شاہی ملازم اس کو پکڑ کر ساتھ لے گئے ہیں۔ کچھ پتہ نہیں زندہ ہے یا مردہ یا کس جگہ ہے۔ جب اس جگہ آتی ہوں لڑکا یاد کر کے روتی ہوں اور یہ زمین میری مزروعہ ملکیہ ہے۔ عورت اپنے گھر کو چلی گئی۔ حضرت بابا صاحب نے کشف سے معلوم کیا تو وہ لڑکا روہتاس کے پہاڑ پر چار پایاں کو چرا رہا ہے۔ بابا صاحب نے سامنے اس کے ہو کر فرمایا اے لڑکے! تمہارا کون وطن ہے۔ اس نے بیان کیا میرا وطن ایک شہر اجودھن ہے اور ایک مائی میری اس جگہ رہتی ہے۔ مدت سے مجھ کو ملازم شاہی پکڑ کر ساتھ لائے ہیں اور اب میں نہیں جانتا جو وہ کس طرف ہے۔ حضرت بابا صاحب نے فرمایا آنکھ اپنی بند کر لے اور بسم اللہ کر کے ہاتھ اپنا میرے ہاتھ میں دے۔ تب اس لڑکے نے ایسا کیا۔ جب آنکھ کھولی تو آپ کو اور حضرت کو اسی مکان پر دیکھا جس جگہ سے اس کو پکڑ لے گئے تھے۔ تب وہ آداب بجا لا کر گھر کو روانہ ہوا۔ عرصہ قلیل ہی گذرا تھا۔ پہلی اس کی مائی گھر میں پہنچی پھر اس نے جا کر قدم بوسی کی۔ عندالدریافت تمام سرگذشت اپنی بیان کی۔ تب وہ عورت پسر اپنے کو ساتھ لے کر مرید بابا صاحب کا کرایا اور وہ پنج کنال جس میں اب چاردیواری بنی ہوئی ہے' منداول جس جگہ پہلے قیام کیا تھا اور یہ حویلی جس میں اب درگاہ بابا صاحب ہے' للہ نذر کی اور آپ معہ فرزند ہر وقت خدمت گذاری لنگر درویشاں میں مصروف رہے۔ تب سے حضرت بابا صاحب شہر میں سکونت پذیر ہوئے۔

نقل ہے بعضے مردمان قوم نے جو پیشتر قصبہ میں سکونت پذیر تھے' واسطے اسی زمین کے تنازعہ پیش حاکم کیا۔ حاکم مذکور نے بابا صاحب کی طرف ملازم بھیجا۔ حضرت نے اس کو فرمایا یہ زمین ہم کو ایک عورت نے للہ دی ہے اور درویش ہمارے اس میں پھل ساگ واسطے افطار کے بھجواتے ہیں۔ ملازم نے پیش حاکم جا کر بیان کیا۔ پھر حاکم نے کہلا بھیجا یہ مقدمہ بے پرواہی تمہاری سے فیصلہ نہ ہوگا۔ اگر کچھ ثبوت سند کا رکھتے ہو تو عدالت میں پیش کرو۔ جب اس ملازم نے یہ پیغام اس کا خدمت بابا صاحب میں بیان کیا حضرت نے رنجیدہ خاطر ہو کر فرمایا کہ اس گردن شکستہ کو کہو ہم نہ سند رکھتے ہیں نہ گواہ۔ تم جا کر زمین متنازعہ سے پوچھو۔ انشاء اللہ تمام کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ ملازم نے حاکم پاس آ کر بیان کیا۔ تب دوسرے روز سوار ہو کر معہ بہت سے اژدحام خاص و عام تماشبین زمین متنازعہ پر گیا۔ پہلے حاکم نے مدعیان کو کہا تم استفسار زمین سے کرو۔ مدعیان نے ہر چند پوچھا کچھ جواب نہ آیا۔ تب ایک درویش حضرت بابا صاحب بھی اس جگہ موجود تھا۔ اس نے کہا

Marfat.com

اے زمین! امر الٰہی سے بیان کر۔ میرے پیر نے ہم کو تمہارے پاس بھیجا ہے۔ زمین نے قدرت الٰہی سے آواز فصیح کہا میں عاجز قدر چہ پنج کنال ہوں۔ اس کے ملک میں تمام روئے زمین ہے اور حاکم مذکور وقت معاودت گھوڑے سے گرا۔ گردن ٹوٹ گئی۔ جیسا زبان حضرت جونا ددان حکم الٰہی تھی نکلا تھا ویسا ہوا۔ بعد ان کشف کرامات وخوارق عادت کی تمام مخلوق شہر گردنواح آن کر مسلمان ہوئے اور تمام قومہائے نے ہاتھ بابا صاحب سے خلعت اسلام کی پہن کر فیضیاب ہوئے۔

اکثر ملک ہند میں اسلام بزرگان دین نے ساتھ نصیحات اور کشف کرامات کے آن کر ظاہر کیا ہے اور قومہائے جس اولیا کمال نے مسلمان کی وہ مریدان بزرگوں کے کہلاتے چلے آئے ہیں کیونکہ ذریعہ ان کے سے نعمت اسلام کی ان کو حاصل ہوئی اور اولادان کی کی خدمت گذاری میں حاضر رہتے ہیں۔ بہت قومہائے کو جناب خواجہ معین الدین صاحب اور خواجہ قطب صاحب اور بہت قومہائے حضرت بابا صاحب اور حضرت بہاؤالحق صاحب اور پیچھے ان کے بھی جو کمال اللہ گذرے ہیں' اسلام ملک ہند میں کرتے رہے ہیں۔ اظہار انشاءاللہ العزیز تا قیام قیامت دین حضرت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ترقی میں رہے گا۔ آمین یارب العالمین۔

نقل ہے جب حضرت بابا فرید صاحب قیام پذیر پاک پٹن شریف میں ہوئے اور تمام دور نزدیک سے آدمی زیارت اور فیض یابی کے واسطے خدمت شریف میں آنے لگے اور جو کوئی آتا یہی کہتے چلو پاک لوگ کے پٹن میں۔ اس شہرت سے نام اس شہر کا اجودھن سے پاک پٹن مشہور ہو گیا۔ نقل ایک روایت میں مرقوم ہے جو قریب پاک پٹن کے ایک نالہ آب رواں تھا' حضرت بابا صاحب وقت غسل یا وضو کے ایک جگہ پاک پر کنارہ اس کے بیٹھ کر کرتے تھے۔ سب مردمان باشندہ شہر وغیرہ اس جگہ کو پاک لوک کا پتن کہتے تھے اور اس جگہ کا ادب کرتے تھے۔ اس باعث سے نام شہر کا بھی پاک پٹن مشہور ہوا لیکن روایت اول صحیح تر ہے اور بہت اس جگہ حضرت کو اہل عیال واقعہ ہوا۔

باب پنجم

در بیان شادی نکاح واسمہائے اولاد حضرت بابا صاحب

جناب الٰہی سے حضرت بابا صاحب کو الہام ہوا۔ اے فرید! نکاح کرو اور سنت حبیبؐ میرے کی ادا کرو۔ حضرت بابا صاحب نے عرض کی خداوند! بندہ کو غیر کی طرف مبتلا کرتے ہو۔ حکم ہوا اس میں حکمت ہوگی۔ جو اولاد تمہاری سے بہت مقبول بارگاہ ہماری کے ہوں گے۔ حضرت بابا صاحب نے پھر عرض کی خداوندا! میں عاجز ہوں اور اس خوف سے ڈرتا ہوں کہ اگر اولاد میری سے ناقص اور بدکردار ہوں تو جناب الٰہی میں شرمندگی حاصل ہوگی۔ بندہ کو تب فصل مفصل حقیقی سے یہ ارشاد ہوا جو صالحین ہوں ان کو تم اپنی ذیل میں رکھنا' جو بدکردار ہوں گے ان کو ہم خلعت مغفرت کی پہنا کر مغفور کریں گے۔ تم خاطر جمع سے نکاح کرو۔

نقل ہے ایک دفعہ بابا صاحب پیر خواجہ قطب صاحب اور دادا پیر خواجہ معین الدین صاحب کی خدمت میں موجود تھے۔ ہر دو صاحبان نے بابا صاحب کو فرمایا اے فرید! تم نکاح کرو جو سنت نبوی ہے۔ بابا صاحب نے دست بستہ ہر دو صاحبان کی خدمت میں عرض کیا اس واسطے نکاح نہیں کرتا ہوں۔ شاید اولاد میری ناقص اور بدکردار ہو اور اتنا مجاہدہ کیا ہوا

Marfat.com

میرے کو درگاہ ایزدی میں وبال ہو۔ تب دونوں صاحبان نے فرمایا اے فرید! تم کو خدا تعالیٰ نے ایسا درجہ عطا کیا ہے جو ساتھ اولاد تمہاری اور مرید تمہارے کے تا قیام زمانہ تک بیعت یا مصافحہ کرے گا انشاء اللہ العزیز مغفرت پا کر داخل جنت ہوگا۔ جب یہ ارشاد فیض بنیاد پیران عظام اور جناب ایزدی سے صادر ہوا' تب بابا صاحب نے شادی ساتھ دختر سلطان غیاث الدین بلبن بادشاہ دہلی کے کی۔ بناء اس کی یوں کتاب جواہر فریدی و مرأت الاسرار وغیرہ میں مرقوم ہے۔

نقل ہے ایک وقت سلطان ناصر الدین بادشاہ دہلی واسطے سیر کے طرف ملتان کی گیا تھا۔ جب وہاں سے واپس ہو کر قرب جوار پاک پٹن بعضے لکھتے ہیں کہ بمقام دیپالپور جو پاک پٹن سے جانب شرق بیس کوس پر واقع ہے' آن کر اترا اس نے چاہا کہ پاک پٹن میں بسلام بابا صاحب کے مشرف ہوں جو بسا معتقد تھا اور عافیت ایمان کی دعا طلب کروں۔ مگر غیاث الدین بلبن جو اس وقت نام الف خاں تھا اور امیر کبیر سلطان ناصر الدین کا اور رشتہ داراں سے تھا۔ بادشاہ کی خدمت میں عرض کی کہ پاک پٹن موقع خشکی پر واقعہ ہے اور لشکر حضور کا وافر وہاں ہر طرح سے دقت اور ساکن اس جگہ کو تکلیف ہوگی۔ آپ کسی معتبر کو واسطے دعا طلبی کے معہ نذر نیاز بھیج دیں تو بہتر ہے۔ بادشاہ نے بجواب اس کے فرمایا تم ہی چلے جاؤ۔ تب الف خاں بموجب حکم شاہی چار ہزار اشرفی اور سند چار مواضعات معافی واسطے لنگر درویشاں و مسکیناں کے لے کر روانہ پاک پٹن کو ہوا اور بخدمت بابا صاحب سند اور نقد طرف بادشاہ ناصر الدین سے گذران کر درخواست دعا عافیت ایمان کی طلب کی۔ بعد دعا خیر کے بابا صاحب نے فرمایا کہ سند مواضعات ہم کو درکار نہیں۔ اگر ہم جاگیر لیں تو نام فقیراں میں کب لکھا جائے اور ہم سامنے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا کہیں۔ اگر علائق دنیا اچھی چیز ہوتی تو جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہ اختیار کرتے۔ پیغمبر ہمارے نے فقر اختیار کیا اور فرمایا الفقر فخری۔ فقر کو فخر اپنا مقرر کیا اور وہ جو نقد زر تھا اسی وقت مسکیناں اور درویشاں کو تقسیم کر دیا اور بادشاہ کے واسطے عافیت ایمان کی دعا فرما کر الف خاں کو رخصت کیا۔ جب الف خاں رخصت ہو کر چلا تو دل میں اس کو خیال گزرا جو میں ایسے مقبول اور اہل اللہ کے دروازہ پر آیا ہوں۔ اپنے واسطے بھی دعا طلب کروں اور کچھ بعید نہیں اگر بابا صاحب میرے حال پر توجہ فرمائیں کہ خدا تعالیٰ مجھ کو سلطنت دہلی عطا کرے اور بادشاہ ناصر الدین کو فرزند نہ تھا۔ واپس ہو کر خدمت بابا صاحب میں آیا۔ حضرت بابا صاحب بھی نور باطن سے ارادہ دلی الف خاں پر واقف ہوئے اور یہ رباعی زبان پر لائے:

رباعی

فریدوں فرخ فرشتہ نبود زعطر و زعنبر آغشتہ نبود
ز داد دہش یافت این نکوئی تو داد و دہش کن فریدون شوی

اور زبان زر افشاں سے کہا جو بادشاہ آسمان سے فرشتے نہیں آتے۔ تم فعل اچھے کرو جناب الٰہی سے تم کو سلطنت دہلی نصیب ہوگی۔ جب الف خان نے یہ ارشاد بشارت اور بیت زبان مبارک حضرت سے سنے' سر قدم پر رکھا اور مرید ہوا۔ واسطے حصول مقصود اپنے کے حسب الارشاد بابا صاحب گرہ دستار میں دے دی اور رخصت ہو کر خدمت بادشاہ میں پہنچا۔ جب سلطان ناصر الدین دہلی میں پہنچے۔ چند روز کے بعد فوت ہو گئے اور سلطنت دہلی کی الف خاں کو ملی۔ تب سے لقب اس کا سلطان غیاث الدین بلبن مقرر ہوا اور بہت مدت بعد ان کے خاندان میں سلطنت رہی۔ بعد اس کے حضرت بابا صاحب

واسطے زیارت مزار شریف پیرا اپنے کے دہلی میں تشریف لے گئے۔ سلطان مذکور بصد اشتیاق واسطے زیارت کے خدمت بابا صاحب میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور دعوت بندہ کی قبول فرمائیں اور غریب خانہ میں تشریف لے چلیں تو مستورات بھی شرف زیارت سے مستفید ہو کر مرید ہوں۔ آخر حضرت نے منظور فرما کر دعوت قبول فرمائی اور گھر میں بادشاہ کے تشریف لے گئے۔ تمام مستورات خورد و کلاں واسطے زیارت کے خدمت میں حاضر ہوئیں۔ منجملہ ان کے ایک دختر سلطان کی کچھ فاصلہ پر دور کھڑی تھی۔ نہایت پرہیزگار اور پیرایہ عفت سے آراستہ۔ جب نظر حضرت بابا صاحب کی اس دختر سلطان پر پڑی حضرت نے آسمان کی طرف دیکھا اور مراقبہ کے بادشاہ سے پوچھا یہ لڑکی کون ہے۔ بادشاہ نے عرض کیا کہ غلام زادی ہے۔ بعد تناول طعام کے حضرت مقام اپنے پر تشریف لے گئے۔ پہلے اس کے سلطان واسطے عفت اور صلاحیت دختر اپنے کے دل میں خیال کرتا رہتا تھا کہ کس جگہ ناطہ کیا جائے۔ اس وقت سلطان نے دل میں مقرر کیا اگر حضرت قبول فرمائیں تو عین سعادت میری ہے۔ اس بات کا تصور کر کے وزیر کو بلا کر کہا کہ حضرت نے اور کسی کو سوائے اس لڑکی کے نہیں پوچھا تم جا کر عرض کرو میری طرف سے خدمت میں حضرت کی اگر غلام زادی واسطے وضو کرانے حضور کے منظور ہو تو عین سعادت میری ہے۔ چنانچہ حسب الارشاد بادشاہ کے وزیر نے خدمت بابا صاحب میں آن کر عرض کیا۔ تب حضرت نے وزیر کو فرمایا مجھ کو جناب باری تعالیٰ اور پیران عظام اپنے سے چند مرتبہ ارشاد ہو چکا تھا جو نکاح کر اس واسطے میں حیران تھا جو کس جگہ کروں۔ جب نظر میری دختر بادشاہ پر پڑی اور لوح محفوظ کی طرف دیکھا تو میرا اور اس کا نام درج ہے۔ بعقد نکاح اس واسطے میں نے اس کا نام دریافت کیا۔ وزیر نے واپس جا کر خدمت بادشاہ میں عرض کیا۔ بادشاہ نے استماع اس بات سے خوش دل ہو کر کہا الحمد للہ! جو اولاد میری ایسے کمال کے ساتھ منسلک ہوئی اور دوگانہ شکرانہ ادا ئے کیا۔ پھر وزیر کو خدمت بابا صاحب میں بھیجا کہ جب حضور فرمائیں عقد نکاح کیا جائے تو سعادت دارین میری ہے۔ جب وزیر نے خدمت بابا صاحب جا کر یہ عرض کیا تو حضرت نے قبول فرمایا اور اسی وقت بادشاہ نے دختر اپنی کی شادی ساتھ بابا صاحب کے کر دی اور بہت اشیاء نقد جنس غلام و کنیزک بادشاہ نے جہیز میں دیا لیکن بابا صاحب نے تمام اشیاء للہ صرف کر دی۔ غلام و کنیزان کو آزاد کر دیا۔

القصہ دہلی میں بادشاہ ہر وقت جو اشیائے نقد و جنس ہر طرح کی دختر اپنی کو عطا فرماتے حضرت وہ تمام للہ صرف کر دیتے اس لیے حضرت کو اس جگہ عبادت الٰہی میں خلل لاحق حال ہوتا۔ ایک روز دختر سلطان نے یہ حال معلوم کر کے خدمت میں بابا صاحب عرض کی اگر ارادہ حضور کا اور جگہ ہو تو آپ اس جگہ سے انتقال کریں۔ یہ بات بابا صاحب کو اچھی معلوم ہوئی۔ تب تیار ہو کر روانہ پاک پٹن شریف کو مع دولت اپنے کے ہوئے اور پاک پٹن میں آن کر سکونت اختیار کی اور دہلی میں اپنی جگہ برادر خورد اپنے حضرت نجیب الدین متوکل صاحب کو مقرر کیا۔ نقل ہے کہ مائی صاحبہ عفت پناہ ہزیرہ خاتون دختر سلطان غیاث الدین سے حضرت بابا صاحب کے پانچ فرزند اور تین دختر پیدا ہوئے مفصلہ ذیل۔ اول حضرت جناب مخدوم خواجہ شہاب الدین صاحب' دوم حضرت مخدوم خواجہ بدر الدین صاحب' سوم حضرت مخدوم خواجہ نظام الدین صاحب' چہارم حضرت مخدوم خواجہ یعقوب صاحب' پنجم حضرت مخدوم خواجہ عبداللہ شاہ صاحب اور دختر عفت پیرایہ بی بی فاطمہ صاحبہ و عفت نشان بی بی شریفہ صاحبہ و عصمت عنوان بی بی مستورہ صاحبہ۔ اور حضرت خواجہ نصر اللہ صاحب متبنیٰ حضرت بابا فرید

Marfat.com

صاحب کے تھی۔ جس وقت مادر خواجہ نصر اللہ عفت نشان بی بی ام کلثوم کو بابا صاحب نے نکاح کیا۔ یہ ساتھ مادر کے تھی اور حضرت نے بمنزلہ فرزندان پرورش کیا اور الفت کمال فرماتے تھے اور نام بھی فرزندان میں درج ہے۔ تمام کتابوں میں ایک روایت مرقوم ہے جو دختر سلطان کے بطن سے پیدا ہوئی لیکن ضعیف روایت جواہر فریدی میں مرقوم ہے۔ اول روایت صحیح ہے۔

باب ششم

در بیان خلفاء و مریدان بابا صاحب و حال عرس مولانا بدر دیوان صاحب

کتاب ''جواہر فریدی'' و ''سیر الاقطاب'' میں درج ہے کہ حضرت بابا صاحب کی بہتر ہزار خلفائے ظاہری تھے جن کو باطنی فیض ہوا اور اب تک ہوتا ہے۔ ان کا کچھ حساب نہیں اور بہتر ہزار سے کئی ہزار آسمانوں میں اور کئی ہزار عالم آب میں اور کئی ہزار کوہستان میں ہیں۔ دس ہزار اس زمین پر منجملہ ان کے تینتیس ایسے ہیں جن کو خواجہ اور قطب کا درجہ ملا اور تینتیس سے دس دس ایسے ہیں جن کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں اور ان دس سے چار ایسے ہیں کہ حضرت اور ان میں کچھ فرق نہیں اور صاحب خاندان عظیمہ کے ہوئے نام بائیس خواجہ و تینتیس قطب کا یہ ہے: اول حضرت جناب محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین صاحب۔ دوم مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر صاحب۔ سوم خواجہ جمال الدین صاحب قطب ہانسوی۔ چہارم مولینا بدر الدین صاحب۔ پنجم حضرت بدر الدین صاحب فرزند بابا صاحب۔ ششم شیخ شہاب الدین صاحب فرزند بابا صاحب۔ ہفتم مخدوم نظام الدین صاحب فرزند بابا صاحب۔ ہشتم مخدوم خواجہ یعقوب صاحب فرزند بابا صاحب۔ نہم مخدوم حضرت نصیر الدین فرزند بابا صاحب۔ دہم شیخ دہار و خادم صاحب۔ یازدہم شیخ زین الدین دمشقی صاحب۔ دوازدہم شیخ علی شکر زیر صاحب۔ سیزدہم شیخ علی شکر بارن صاحب۔ چہاردہم شیخ علی صاحب سیالکوٹی۔ پانزدہم شیخ محمد سراج صاحب۔ شانزدہم شیخ ڈہنی دیا۔ ہفتدہم شیخ جمال عاشق کابلی۔ ہژدہم مخدوم خواجہ نجیب الدین متوکل برادر حقیقی خورد و آنجناب۔ نوزدہم شیخ عارف سیستانی۔ بیستم شیخ ذکریا سندھی۔ بیست و یکم شیخ صدر دیوانہ جن کو مستی کے باعث رین بانولا پاک پٹن میں کہتے ہیں۔ بیست و دوم سید محمد کرمانی۔ بیست و سوم شیخ شہاب الدین غزنوی۔ بیست و چہارم مولانا فصیح الدین لکھنوتی۔ بیست و پنجم شیخ عبد اللہ شاہ۔ بیست و ششم شیخ منتخب الدین برادر برہان الدین غریب۔ بیست و ہفتم شیخ یوسف۔ بیست و ہشتم خواجہ برہان الدین صوفی ہانسوی بن خواجہ جمال الدین صاحب۔ بیست و نہم محمد شاہ غوری۔ سی ام مولانا محمد ملتانی۔ سی و یکم مولانا علی۔ سی و دوم خواجہ محمد نیشاپوری۔ سی و سوم حمید الدین مکانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ وازین جملہ اسم دہ تن کہ عشرہ مبشرہ ہیں: اول حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام صاحب۔ دوم خواجہ قطب جمال ہانسوی صاحب۔ سوم مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر صاحب۔ چہارم حضرت مولانا بدر الدین صاحب۔ پنجم خواجہ سراج مکی صاحب۔ ششم حضرت علی شکر زیر صاحب۔ ہفتم زین الدین دمشقی صاحب۔ ہشتم خواجہ جمال کابلی۔ نہم خواجہ ذکریا سندھی۔ دہم خواجہ نجیب الدین متوکل۔ نام بر چہار خلفاء: اول خواجہ نظام الدین صاحب محبوب الٰہی سید۔ دوم مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر صاحب سید۔ سوم سید مولانا بدر الدین اسحاق صاحب سید۔ چہارم حضرت خواجہ قطب جمال ہانسوی۔ اولاد حضرت امام اعظم کوفی صاحبؒ تبرکاً احوال ہر چہار خلفاء کرام کا درج

Marfat.com

کتاب کرتا ہوں کہ عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ۔ نقل ہے۔ در بیان محبوب الٰہی صاحب لقب ان کا سلطان المشائخ اور محبوب الٰہی وسلطان الاولیاء سلطان السلاطین مرتبہ محبوبیت کو پہنچ کر ساتھ خطاب محبوب الٰہی کے مخاطب ہوئے۔ چند واسطہ سے محبوب الٰہی صاحب جناب امیر المومنین علی کرم اللہ کو ملتے ہیں۔ حضرت شاہ نظام الدین صاحب بن سید احمد بن سید علی بن سید عبداللہ بن سید حسن بن سید علی اصغر بن سید عبداللہ بن احمد بن سید جعفر بن سید امام علی ہادی بن امام تقی الجواد بن امام موسیٰ رضا بن امام علی موسیٰ کاظم بن ابی جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امیر المومنین علی ابن طالب کرم اللہ وجہہ۔ نقل ہے حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین صاحب کی پیدائش قصبہ بداؤن نواحی دہلی میں ہے اور علم تمام اور حفظ قرآن شریف دہلی میں حاصل کیا اور ایسے درجہ فضیلت کو پہنچے کہ کوئی عالم ان کے ساتھ بحث نہیں کر سکتا تھا۔ پھر جب اشتیاق الٰہی غالب ہوا خدمت حضرت بابا صاحب میں آ کر بمقام پاک پٹن بیعت کی اور اسی روز حضرت بابا صاحب نے کلاہ چارتر کی اپنے سر سے اتار کر محبوب الٰہی کے سر پر رکھ دی اور یہ بھی زبان مبارک سے فرمایا اے نظام! تم راستہ میں تھے کہ ہمارے دل میں خیال گزرا کہ دہلی شریف میں کسی کو تعین کیا جائے۔ ندا غیب سے ہوئی اے فرید باش نظام الدین بداؤنی آتا ہے۔ یہ ولایت لایق اس کے ہے۔ اس کو دیویں۔ نقل ہے جب حضرت محبوب الٰہی سامنے بابا فرید کے پہنچے چند قدم بابا صاحب نے استقبال کیا اور السلام علیکم پہلے کہا اور یہ بیت زبان پر لائے:

بیت

میں اے آتش فراق تو دلہا کباب کردہ　　　سیلاب اشتیاق تو جانہا خراب کردہ

لکھتے ہیں کتاب میں جو سلام پہلے بولنا اور یہ بیت زبان پر لانا کیا باعث تھا۔ جس وقت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا اور بعد معراج کے جناب ایزدی سے وصیت ہوئی کہ سلام ہمارا محبوب ہمارے کو جو تمہاری آل سے ہوگا اس کو پہنچانا وہ وصیت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب مولا مرتضیٰ صاحب کو کی اور انہوں نے خواجہ حسن بصری صاحب کو۔ ازیں طور تمام بزرگان سلف سے یہ وصیت چلی آئی جس کے پاس وہ محبوب آئے وہ ادا کرے۔ جب حضرت بابا صاحب پاس آئے حضرت نے وہ سنت وصیت اور سلام ادا کیا اور بیت اس واسطے پڑھا جو تمام بزرگان سلف تمہارے اشتیاق میں گزرے ہیں اور دوگانہ شکرانہ کا ادا کیا اور جس روز محبوب الٰہی صاحب پہلے خدمت میں آ کر بیعت کی بعد بیعت چھ ماہ برابر حاضر خدمت رہ کر مجالس میں جو زبان مبارک بابا صاحب سے ظہور پاتا' اس کو قلم بند کرتے رہتے۔ چنانچہ وہ کتاب 'راحت القلوب' جو واسطے تلقین کے ایک عمدہ ملفوظات سے بنائی اور 'مطلوب الطالبین' میں نقل ہے جو تین مرتبہ حضرت محبوب الٰہی صاحب حین حیات بابا صاحب پاک پٹن میں تشریف لا کر کمال مجاہدہ اور خدمات لنگر درویشاں سے رتبہ محبوبیت وولایت کا حاصل کیا اور ہفت مرتبہ بعد انتقال بابا صاحب پاک پٹن میں تشریف لائے اور تمام مرمت روضہ مقدسہ و بنا عرس و تجویز رسومات مجوزہ محبوب الٰہی صاحب کے ہیں۔ نقل ہے جو حضرت محبوب الٰہی صاحب ایسے خدمات دروازہ پیر دستگیر اپنے پر کی ہیں کہ جس کا حد شمار نہیں جو کئی مرتبہ واسطے تناول درویشاں کے زنبیل پکڑ کر گدائی کر کے لنگر میں ڈال کر وقت افطار گذر درویشاں کرتے تھے۔ نقل ہے محبوب الٰہی صاحب کتاب اپنی میں مرقوم کرتے ہیں جس روز لنگر پیر دستگیر اپنے میں ہم پیلو اور ڈیلہ ایک قسم کا جنگلی میوہ ہے رستیابی جنگل سے ہم کھاتے تھے اور ہم کو روز عید ہوتا۔ نقل ہے

Marfat.com

حضرت بابا فرید صاحب کے خلفاء سے پیچھے حضرت محبوب الٰہی کی بیعت ہوئی اور سب سے پہلے نعمت ملی اور نام درج ہوا اور کمال لطف حضرت بابا صاحب کا محبوب الٰہی صاحب پر تھا۔ اگر کوئی شخص سامنے ان کا نام لیتا تو بابا صاحب کی آنکھ میں خوشی پیدا ہوتی اور حضرت بابا صاحب کئی مرتبہ فرماتے تھے نظام دیدۂ ما ہست یعنی نظام آنکھ فرید کی ہے۔ نقل ہے حضرت نظام الدین صاحب کو حضرت بابا صاحب نے وصیت کی کہ بعد انتقال میرے کے اولاد میری کو تربیت کرنا اس واسطے حسب الارشاد پیر دستگیر اپنے کے محبوب الٰہی صاحب تا زندگی پاک پٹن میں آتے رہے اور تربیت ہا و پرورش ہا اولاد حضرت کی کرتے رہے۔ نقل ہے اعتقاد حضرت محبوب الٰہی کا پیر اپنے سے ایسا تھا اگر کسی آدمی سے نام حضرت بابا صاحب کا سنتے تو بے ہوش ہو جاتے اور آب آنکھوں سے جاری ہوتا بلکہ کئی مرتبہ خون جاری ہوتا تھا۔ نقل ہے در بیان درجہ محبوبیت کے جس جگہ اب روضہ حضرت بابا صاحب کا ہے، پہلے اس جگہ خلوت خانہ عبادت کا تھا۔ جب حضرت بابا صاحب خلوت میں بیٹھتے تھے تو دروازہ پر حضرت مولانا بدرالدین اسحٰق صاحب بیٹھتے۔ ایک روز مولانا صاحب کسی ضروریات کے واسطے گئے اور حضرت محبوب الٰہی کو کہا جو تم دروازہ پر بیٹھو اگر کوئی آیا تو خبر کرنے یا کوئی ارشاد بابا صاحب اندر سے فرمائیں تو حاضر رہنا۔ یکا یک بابا صاحب کو جذبہ عشق پیدا ہوا اور یہ رباعی اس شوق میں پڑھنی شروع کی:

رباعی

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم	خاک شوم بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی	از بہر تو بمیرم و برائے تو زیم

جب حضرت بابا صاحب یہ رباعی تمام پڑھتے سجدہ کرتے اور پھر شوق میں کھڑے ہوتے۔ اس وقت کو عین نزول رحمت اور برکت کا جان کر محبوب الٰہی صاحب دروازہ کھول کر اندر گئے اور سر قدم بابا صاحب پر رکھا۔ تب بابا صاحب نے فرمایا خواجہ نظام چہ خواہی۔ تب خواجہ نظام الٰہی صاحب نے عرض کیا جو کچھ میں نے چاہا سو پایا۔ حضرت نظام الدین صاحب فرماتے ہیں اس وقت میں نے استقامت درجہ محبوبیت کا چاہا تھا تو فوراً وہ درجہ محبوبیت کا تصدق قدم پیر دستگیر اپنے کے میرے پر وارد ہو گیا۔ زہے عظمت و کمال حضرت بابا صاحب کہ ایک لحظہ میں محبوب الٰہی بنا دیا۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالحق دہلویؒ محدث بھی اپنی کتاب 'اخبار الاخیار' میں مرقوم کرتے ہیں جو محبوبیت کا درجہ دونوں صاحبان کے واسطے عطا ہوا ہے اول حضرت جناب شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز' دوم حضرت خواجہ نظام الدین صاحب اور سلسلہ نظامیہ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین صاحب کے نام سے مشہور ہے اور ہزار ہائے کمال اس مسلک میں ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں اور ہمیشہ فیض جاری ہے' دوم خلیفہ بابا صاحب حضرت مخدوم علی احمد صابر ہمشیرہ زادہ بابا صاحب پیدائش ان کی اور پرورش قصبہ کوٹھوال یعنی چاولی مشائخ ہیں۔ گھر حضرت خواجہ جمال الدین والد بابا صاحب میں ہوئے ہیں اور سادات عظام سے ہیں۔ نسب شریف حضرت مخدوم علی احمد صابر بن سید عبداللہ بن سید فتح اللہ بن سید نور محمد بن سید امجد بن غیاث الدین بن سید بہاؤ الدین بن سید داؤد بن سید تاج الدین بن سید محمد بن سید علی بن سید ضیاء الدین بن سید اسماعیل بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین شہید دشت کربلا بن امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ نقل ہے جب حضرت سید عبداللہ والد علی احمد صاحب نے وفات پائی تو یہ خورد سالہ رہ گئے تھے اور

Marfat.com

حضرت بابا صاحب جب حسب الحکم پیران عظام کے پاک پٹن میں قیام فرمایا ہمشیرہ صاحبہ حضرت بابا صاحب فرزند اپنے علی احمد صاحب کو ساتھ لے کر خدمت برادر میں سپرد کیا اور کہا اے بھائی! اس لڑکے یتیم میرے کو پھرانا اور تربیت کرنے حضرت بابا صاحب نے تقسیم لنگر درویشاں پر تعین فرمایا اور یہ کار حوالہ علی احمد صاحب کے کردی۔ مرقوم ہے جو عرصہ بارہ سال بعضے لکھتے ہیں سال تک لنگر درویشاں وفقراء کو تقسیم کیا اور آپ نہ کھایا۔ ہمیشہ روزہ دار رہتے تھے۔ اس عرصہ میں حفظ قرآن شریف وتمام علوم ظاہری بخوبی تحصیل کرلیا۔ اس قدر فاقہ ومجاہدہ اٹھایا کہ سوائے استخوان کے نام گوشت کا وجود پر نہ رہا۔ بعد عرصہ کے والدہ صاحبہ حضرت علی احمد صاحب کے واسطے ملنے بھائی اور فرزند جگر گوشہ اپنے کے آئی تو حال زار فرزند دلبند دیکھ کر حیران ہوئی۔ کیونکہ الفت مادری از حد ہوتی ہے بازو علی احمد صاحب کا پکڑ کر پاس برادر اپنے یعنی حضرت بابا صاحب کے لے گئے اور چونکہ ہمشیرہ حقیقی حضور کی تھی زبان شکایت کی دراز کر کے فرمایا اے بھائی! ہزار ہا مخلوق لنگر میں تمہارے اس وقت کھاتے ہیں اور میں نے جگر گوشہ اپنا جو تمام عمر اس دنیا میں عنایت الٰہی سے یہی عطا ہوا ہے واسطے پرورش اور فیض یابی کے دیا تھا' نہ واسطے مارنے بھوکے کے جو تیرے لنگر میں اس لڑکے بیوہ عورت کا نصیب نہ تھا۔ ایسے کلام زبانی ہمشیرہ اپنی کے سنتے ہی بابا صاحب نے فرمایا اے بی بی جمیلہ خاتون! میں تم کو اور فرزند تمہارے کو ہر طرح سے عزیز رکھتا ہوں اور واسطے پاس خاطر تمہاری کے کل اخراجات تقسیم لنگر برخوردار کے حوالہ کر دیا تھا۔ تب اس وقت جناب والد علی احمد صاحب جو پاس مائی صاحبہ اپنے کے کھڑے تھے' زبان عجز سے عرض کی مگر حضور والا نے واسطے تقسیم کے حکم فرمایا تھا کھانے کے واسطے حکم نہیں دیا اور سوائے حکم کے بندہ کی کیا طاقت تھی جو باورچی خانہ حضور سے ایک دانہ منہ میں ڈالتا۔ اس بیان عجز آمیز حضرت علی احمد صاحب سے حضرت بابا صاحب کو جوش پیدا ہوا چنانچہ ہر بنِ مُو سے تجلیات انوار الٰہی کا پیدا ہونا شروع ہوا۔ جواہر میں مرقوم ہے جو اس وقت ارواح پاک خواجگان چشت تا صاحب لولاک حاضر ہوئے' ارواح سب صاحبان سے فیض ونعمت عطا ہوئی اور حضرت بابا صاحب نے علی احمد صاحب کو گلے میں لگا کر کہا کہ اے صابر! تو صبر میرا ہے اور جو باطن میرے کا علم ہے وہ سب خدا تعالیٰ تیرے نصیب کرے۔ لکھتے ہیں جو اس روز سے ایسا مظہر موسوئے ذات پاک مخدوم علی احمد صاحب پر وارد ہوا جو کچھ بیان نہیں اور اس دن سے لفظ صابر کا حضرت پر مشہور ہوا اور جو مریدان کے سلسلہ میں ہوئے صابریہ کہلاتے ہیں اور بڑے بڑے صاحب عظمت وجلال اس خاندان میں ہوئے اور اب بھی ہیں۔ اور حضرت عبدالحق صاحب دہلوی کتاب اپنی 'اخبار الاخیار' میں مرقوم کرتے ہیں کہ شرف دامادی کا بھی مخدوم علی احمد صاحب کو حضرت بابا صاحب سے عطا ہوا ہے اور 'سیر الاقطاب' میں مرقوم ہے کہ مظہر موسوئی دو شخص کے واسطے حاصل ہوا ہے ایک حضرت نجم الدین کبریٰ صاحب دوم مخدوم علی احمد صاحب صابر۔

خلیفہ سوم بابا صاحب حضرت مولانا بدرالدین اسحٰق سید بن سید علی بن سید اسحٰق بن سید معین الدین خطاب منہاج الدین بن سید احمد بن سید محمود بن سید محمد بن سید فتح اللہ بن سید جلال الدین بن سید صدرالدین بن سید قطب الدین بن سید ذکریا بن سید عمر بن سید زین العابدین بن علی اصغر بن امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو مزار شریف میان شہر پاک پٹن شریف موجود وزیارت گاہ خلق اللہ ہے عرس مبارک ان کا اس طور سے شروع ہوتا ہے۔ اول رسم چلہ ستائیسویں ربیع الآخر سجادہ نشین حضرت بابا صاحب درگاہ حضرت مولانا صاحب جیسا درگاہ بابا صاحب میں چلہ کے روز

Marfat.com

خرچ ہوتا ہے اور تفصیل اس کی آگے رسومات عرس بابا صاحب میں آئے گی، ویسا ہی اس درگاہ میں بھی خرچ کرتے ہیں اور تمام رسومات و درگاہ شریف کا تعلق سجادہ نشین بابا صاحب کا ہے اور رسومات بذاتہ سجادہ نشین بابا صاحب کرتے ہیں چنانچہ تفصیل عرس مولانا صاحب: دوسو من پختہ آرد۔ پچاس من پختہ نخود۔ دو من پختہ روغن زرد۔ تین من پختہ روغن سیاہ۔ پانچ من پختہ چاول۔ تین من شکر۔ تین من قند۔ دو من شکرتری۔ ایک من نمک۔ دس بیس راس بکرا۔ گرم مصالحہ لونگی وسلاری دستار۔ و پارچہ ہائے چادر واسطے سر و پاء خلفاء و مریدان دو سو روپیہ کا۔ ہیزم چھ سے من۔ کاہ پانصد من۔ مبلغہائے نقد بقدر سو روپیہ کے یہ تمام اشیاء عرس مذکور میں رسومات اور مہمانان و متعلقان کے خرچ میں جانب دیوان صاحب سجادہ نشین بابا صاحب سے ہوتا ہے اور عرس مبارک شروع یکم تاریخ ماہ جمادی الثانی سے ہوتا ہے۔ غرہ شب کو چراغ بندی پر بقدر بیست آثار روغن سیاہ خرچ ہوتا ہے اور بعد صبح ختم پوریہائے شکر پر دو دستہ کاغذات اور دو آثار ردی کاغذات اور شکر ہفت آثار اس کے کاغذوں میں شکر پا کر پوڑی باندھتے ہیں۔ پہلے سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں اور پھر تمام اولاد حضرت بابا صاحب و تمام شرفاء و خلفاء شہر کو بطور تبرک تقسیم کیے جاتے ہیں اور پھر وقت دو پہروں کے صاحب سجادہ نشین خاصہ میں سوار ہو کر معہ مردم برادری تمام صاحبزادگان و شرفاء و خلفاء درگاہ مولانا صاحب میں آتے ہیں اور اول اندر روضہ مبارک کے ختم پڑھ کر باہر روضہ مبارک ساتھ دیوار احاصہ جو سامنے دروازہ کے ہے، کھڑے ہوتے اور رسم سماع کی جیسا عرس بابا صاحب پر ہوتی ہے، اس جگہ بھی بدستور ساتھ تمام خرچ کے ویسی ہوتی ہے۔ بعد رسم سماع ختم ہو کر سجادہ نشین اندر روزہ مبارک کے پوڑیہائے شکر تبرکاً عام طور پر تقسیم فرماتے ہیں۔ پھر بدستور خاصہ میں سوار ہو کر معہ قوالاں و نقارچیاں دولتخانہ کو تشریف لے جاتے ہیں۔ بعد رسم سماع مجلس قوالاں کرتے رہتے ہیں اور چھٹی تاریخ تک یہی رسم مع خرچ ہر روز ہوتی رہتی ہے۔ چھٹی تاریخ کی نصف شب کو رسم بھرنی حجران کے شروع ہوتی ہے جو چھوٹے چھوٹے برتن گلی از قسم عمدہ سے ہوتے ہیں اور اس میں شربت قسم شکرتری و مصری و قند و شیر و شکر جیسا جیسا کسی کی منت و نیاز ہوتی ہے تمام دن تا نصف شب دوسری رات کے برابر یہ رسم رہتی ہے اور تمام مخلوق ہندو مسلمان درگاہ مولانا صاحب میں ختم دلا کر للہ تقسیم کرتے ہیں، مردمان و عورتاں گھڑولی گاتی ہوئی اور ساتھ خوشی کے درگاہ میں لاتی ہیں اور بوقت غروب سجادہ نشین معہ صاحبزادگان برادری و شرفاء و خلفاء بڑے جاہ و جلال سے و آگے ان کے قوالاں و نقارچیاں گاتے ہوئے گھڑولی اور ہر کسی کے ہاتھ میں جھجر شربت پتاشہ و مصری کی خم شربت قندی کے یازدہ جانب سجادہ نشین سے ہر ایک صاحبزادہ کا ایک خم یعنی مست یہ ملازموں کے سر پر رکھی ہوئی جس میں سوا آثار پختہ قند ہوتا ہے اور جھجر ہاتھ کے صاحب سجادہ میں دس آنہ پتاشہ ہوتا ہے، یہ سب اشیا جمع کچہری دیوان صاحب پر ہو کر پائے برہنہ سجادہ نشین صاحب معہ مردمان ہمراہی روانہ درگاہ میں مولانا صاحب کو ہوتے ہیں۔ آہستہ آہستہ نثار نقدی لواحقاں پر فرماتے درگاہ میں پہنچ کر اور ختم دلا کر تمام اشیاء و پانچ روپیہ نقد للہ ثواب اس کا ارواح انبیاء و اولیاء و مولانا صاحب کو گذران کر درگاہ میں دیا جاتا ہے۔ بعد اس کے مع تمام ہمراہیاں پائے برہنہ بیروں شہر سے چاہ پر جھجر ہائے کو پُر آب کر کے دروازہ حضرت مولانا صاحب پر لا کر ڈالتے ہیں اور اس جگہ سوا روپیہ کا انعام ماشکیوں کو ہوتا ہے۔ سجادہ نشین کی طرف سے پھر دعا فاتحہ خیر کہہ کر نثار نقد سے سب حقداروں و غرباء کو فرماتے روانہ دولتخانہ کو ہوتے ہیں۔ دروازہ محلسرائے پر پہنچ کر دعا فاتحہ خیر کہہ کر اور تمام لواحقان کو للہ نقدی عطا فرما کر بعد رخصت ہمراہیاں داخل محل خاص میں ہوتے

Marfat.com

ہیں۔ چنانچہ اس رات کو بقدر چالیس روپیہ کے منجانب سجادہ نشین صاحب خرچ ہوتا ہے اور پھر نصف شب کو سجادہ نشین ساتویں رات رسم سماع حسب دستور جیسا دن کو ہوتی ہے' کرتے ہیں۔ ساتویں تاریخ دن کو تبرک طہری تیار ہوتی ہے۔ ایک من پختہ چاول۔ دال نخود دس ثار۔ ہلدی سوا ثار۔ نمک دو ثار۔ روغن زرد دو ثار' مرچ سیاہ پاپختہ۔ یہ تمام اشیاء کا دیگھا ئے میں طعام تیار ہوتا ہے۔ جب سجادہ نشین واسطے رسم سماع کے روزہ مبارک میں آتے ہیں تو یہ طعام پختہ چاول چھوٹے چھوٹے پیالہ ہائے میں پُر کر کے پیش سجادہ نشین کے لائے جاتے ہیں۔ خوان ہائے میں بعد ختم کے ہاتھ اپنے سے سجادہ نشین عام طور پر وہ تبرک طہری تقسیم فرماتے ہیں اور باقی ماندہ تمام شہر میں تقسیم ہوتا ہے۔ اور شب آٹھویں تاریخ اول سجادہ نشین صاحب روضہ مبارک میں آن کر بذاتہ ختم پڑھ کر گیارہ چادر پارچہ فقراو حافظان کو تقسیم اور رسم اخیر سماع ہو کر صاحب سجادہ نشین اندر روضہ کے تبرک قرص جیسا کہ عرس بابا صاحب پر مقرر ہے' تقسیم فرماتے ہیں اور خاصہ میں بیٹھ کر تشریف فرما دولت خانہ کو ہوتے ہیں اور تمام راستہ میں مخلوق کو قرص تقسیم فرماتے چلے جاتے ہیں اور در دولت پر پہنچ کر بعد نثار نقدی قوالاں ونقارچیاں وحقداران دعا فاتحہ خیر فرما کر داخل محل سرائے خاص میں ہوتے ہیں اور بعد اختتام عرس لونگی وسلاری مسطورہ مہمانان خلفاء ومریدان کو بطور سرو پاء جانب سجادہ نشین وقت رخصت عطا حسب رتبہ ہوتا ہے۔

نقل ہے جواہر سے وجہ ادائے اس منت ونذر جھجراں کی یہ ہے جو اصل میں وطن مولانا صاحب کا بخارا ہے اور پھر دہلی شریف میں آ گئے اور اس جگہ تحصیل علوم ظاہری کے کی لیکن ایک مسئلہ ایسا پیش آیا جو اہل اس کا عالمان وفاضلان دہر سے نہ ہو سکا۔ تب عزم ملتان وایران وعربستان کے کر کے روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک شخص مرید بابا صاحب کا بھی ساتھ مل گیا۔ وہ شخص ہر وقت بیٹھتا اٹھتا نام فرید کا لیتا اور مولانا صاحب جو عالم متشرع تھے اور درویشوں کے ساتھ اعتقاد نہ رکھتے تھے اس شخص کو منع کرتے۔ اے شخص! تم بندہ کا نام کیوں لے کر ناحق گنہگار ہوتا ہے۔ نام خدا تعالیٰ کا زبان پر لایا کر۔ لیکن وہ مرد صاحب اعتقاد ان کے کہنے سے باز نہ آیا جو کچھ کہتا تھا وہ کہتا رہا۔ جب پاک پٹن شریف کے پاس پہنچے' اس شخص نے کہا اب میرے پیر دستگیر کا مکان آ گیا ہے۔ میں ان کی خدمت میں جاتا ہوں۔ تم بھی آ کر ملاقات کر کے جاؤ تو اچھا ہے۔ مولانا صاحب نے کہا میں نے ایسے مشائخ اور درویش بہت دیکھے ہیں۔ دکاندار عمر اپنی اور مریدوں کی بے فائدہ صرف کرتے ہیں۔ آخر اس شخص نے کہا شب گذران کر لو صبح کو پھر روانہ ہو جانا۔ تب مولانا صاحب نیم رضا ہو کر اس مرد کے ساتھ خدمت بابا صاحب میں پہنچے تو حضرت بابا صاحب از روئے صفا باطنی ارادہ مولانا صاحب پر واقف ہو کر بیٹے اپنے کو جو سبق پڑھا رہے تھے' وہی مسئلہ بیان کرنا شروع کیا جن کی تلاش میں مولانا صاحب جا بجا پھر رہے تھے۔ تب مولانا صاحب سن کر خوش اور حیران ہوئے کہ میں نے تمام ملک پھرا اور بابا صاحب ایک لڑکے کو اس قدر بھاری مسئلہ آسانی سے سمجھا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اس مسئلہ کو بخوبی انجام تک پہنچایا۔ اے عزیز! قال النبی علیہ السلام۔ ان اللّٰہ تعالیٰ عباد یعرفون الناس بالوھم و لہ عباد یعرفون الناس بالفراسۃ و لہ عباد لھم نور. یمشون فی الناس کما یمشی الارواح فی الاجساد و لہ عبادی یمشون فی الناس کیمشی المرض فی الاعصاب۔ یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں پہچانتے ہیں آدمی کو ساتھ وہم کے اور خدا تعالیٰ کے بندے ہیں پہچانتے ہیں ساتھ دانائی کے خدا تعالیٰ کے بندے ہیں جو ان کے پاس نور ہے اس نور کے ساتھ بیچ مخلوق کے پھرتے ہیں جیسا پھرتا

Marfat.com

ہے روح بدن میں اور خدا تعالیٰ کے بندے اور ہیں بیچ مخلوق کے مطلع وہ پھرتے ہیں جیسا مرض بیچ اعصاب وشرائین کے پھرتی ہے۔ اے عزیز! اہل اللہ کے سامنے صفائی دل کے ساتھ افضل ہے ہزار عبادت سے ہونا چرا کروہ نظیر بنور اللہ ہوتا ہے۔ القصہ بعد اس کشف کے معائنہ مولانا صاحب خیالات فاسدہ اپنے سے تائب ہوئے۔ چنانچہ مولانا صاحب بھی ولایت بابا صاحب کے قائل ہو کر اسی وقت مُرید ہوئے اور کمال جانفشانی خدمتگذاری بابا صاحب میں کر کے رتبہ ولایت کو پہنچے اور حضرت کے کل مختاری یعنی دیوان کا خطاب حاصل کیا تا آنکہ رُسوخ عقائد وخدمتگذاری مولانا صاحب سے حضرت بابا صاحب نے شرف دامادی کا عطا کیا جو حضرت بابا صاحب نے عقد نکاح دختر اپنی جو ولیہ زمانہ پیرایہ عفت سے آراستہ حضرت بی بی فاطمہ کا ساتھ مولانا صاحب کے محض خطبہ شرعیہ پڑھا کر نکاح کر دیا تھا۔

نقل ہے ایک روز مولانا صاحب خدمت بابا صاحب میں بیٹھے تھے۔ ایک مرد اور عورت سن رسیدہ خدمت بابا صاحب میں آئے اور التماس فرزند کے کی۔ تب بابا صاحب مراقبہ میں ہو کر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا تمہاری قسمت میں لوح محفوظ پر فرزند نہیں لکھا ہوا۔ اس عورت و مرد نے عرض کی اگر لوح محفوظ پر ہمارے نام کی اولاد لکھی ہوتی تو ہم آپ کے پاس کیوں آتے۔ تب بابا صاحب کو اس عورت پر رحم آیا اور فرمایا ایک دو تین چار پانچ چھ سات فرزند تم کو ملیں گے۔ جب یہ گفتگو زبان مبارک سے بابا صاحب نے فرمائی مولانا صاحب کے دل میں باعث علم ظاہری مسئلہ شرعی کدورت پیدا ہوئی۔ جو ایسے کمال اور عالم ومشائخ وقت ہو کر اپنی زبان سے۔ فرمایا تم کو لوح محفوظ پر اولاد نہیں لکھی اور پھر اپنی زبان سے سات کہہ دیئے۔ لیکن ظاہراً جواب کچھ نہ کیا محض دل میں خیال گذرا۔ دوسرا یہ کہ ایک روز مولانا صاحب کسی کی شادی کی گھڑولی بھرتے دیکھا جیسا کہ ملک پنجاب میں اکثر رواج ہے جو لڑکا یا لڑکی کی شادی ہوتی ہے ایک سبوچہ یعنی کھڑا نو کھوئی سے پانی کا عورتاں جمع ہو کر ساتھ شادی اور راگ گھڑولی کا گاتی ہوئی بھر لاتی ہیں اور اس پانی سے لڑکا لڑکی کو غسل دے کر نکاح پڑھاتے ہیں۔ اور حضرت بابا صاحب نے جب نکاح حضرت مولانا صاحب کا کیا تھا تو کچھ شادی کا سامان نہیں کیا تھا اس واسطے مولانا صاحب کو اس وقت گھڑولی اور شادی دیکھ کر یہ خیال دل میں گذرا۔ اگر ہماری شادی بھی قرابت اور ملک اپنے میں ہوتی تو ساتھ شادی کے ہوتی۔ اتفاقاً بابا صاحب سے رخصت لے کر واسطے حج کے چلے گئے اور پھر بعد مدت جب خدمت بابا صاحب کے آئے تو بعد مدت کے وہی عورت مرد ساتھ سات فرزند کے لڑکے کے سر پر کوزہ شیر، کسی کے سر پر کوزہ شربت شکرتری یا مصری یا قند کے ساتھ مرد مان قبائل اپنے کے یہ سب نذر نیاز لے کر ساتھ خوشی کے گاتے ہوئے خدمت بابا صاحب میں پہنچ کر وہ سب نذر و نیاز نقد و جنس پیش کیا۔ اس وقت حضرت مولانا صاحب بھی پاس بیٹھے تھے تب بابا صاحب نے فرمایا یہ سب چیز مولانا صاحب کو دے دو۔ اور فرمایا یہ سب منت اور نذر جناب الٰہی سے تمہاری مِلک ہے کہ بطور شادی تمام مخلوق الٰہی ہمیشہ دروازہ تمہارے پر ادا کرتے رہیں گے اور جس مطلب کے واسطے کوئی حضور دل کے ساتھ یہ نذر اللہ ثواب اس کا تمہارے واسطے نذر کرے گا انشاء اللہ العزیز وہ مطلب بر آئے گا۔ اور قیام زمانہ تک جاری رہے گا۔ بعد اس عطا کے بابا صاحب نے فرمایا مخاطب ہو کر مولانا صاحب کی طرف۔ یہ وہی مرد عورت جس کے واسطے آپ کے دل میں خلل گذرا تھا وجہ اس کی یہ تھی جب میں نے لوح محفوظ پر دیکھا تو اس جگہ اس عورت کے واسطے اولاد نہ لکھی تھی۔ پھر امر الٰہی سے جب میں نے اپنی زبان پر دیکھا تو سات لڑکے لکھے ہوئے بموجب حکم الٰہی میں نے سات کہہ دیئے

اور حق تعالیٰ نے عطا کئے۔ دوسرا خیال تمہارے دل میں یہ گذرا تھا اگر ہم وطن میں شادی کرتے ہمارے بھی گھڑولی کے ساتھ شادی خوشی ہوتی۔ یہ گھڑولی شادی تمہارے کی تمام مخلوق ہندو مسلمان بھرتے رہیں گے۔ تب مولانا صاحب نے اپنے خیال فاسدہ کا جو گذرے تھے' اقرار کیا اور تائب ہوئے اور یہ گھڑولی جو زبان پیر دستگیر اپنے سے ارشاد ہوا۔ دل وجان سے قبول کیا۔ تا حال وہ گھڑولی شادی مولانا صاحب کے ساتھ کوزہائے جھجراں معہ نقد جنس جیسا کسی کی منت ہوتی ہے' سال بسال اس زمانہ تک جاری ہے اور یہ نذر جو کوئی خلوص نیت سے مقرر کے واسطے حصول مقاصد کے اکسیر اعظم ہے اور وہ مرد عورت قوم دھون کھتری سے تھی اور اب اولادان کی پاک پٹن وقرب جوار میں کثرت سے ہے۔ اب تمام مرد عورت شکر سرخ نیاز بابا صاحب ومولانا صاحب دیتے ہیں اور اس وقت اس عورت مرد کی عمر اسی برس کی ہو چکی تھی جب بابا صاحب پاس آئے تھے اور یقین ہے کہ حسب فرمودہ صاحب ولایت تا قیام زمان یہ گھڑولی جاری رہے گی۔

اور حضرت مولانا صاحب کو دو فرزند بی بی صاحبہ دختر جناب گنج شکر صاحب سے پیدا ہوئے سید محمد وسید موسیٰ۔ چنانچہ بعد انتقال مولانا صاحب حسب الارشاد والد بزرگوار ہمراہ جناب محبوب الٰہی صاحب دہلی میں چلے گئے۔ اولادان کی ہندوستان میں کثرت سے ہے۔ نقل ہے زبانی سید نور نبی شاہ وقلندر شاہ کے جب حضرت جناب اقدس دیوان محمد اشرف صاحب سجادہ نشین حضرت گنج شکر صاحب دہلی شریف میں تشریف لے گئے اس جگہ سید جعفر وسید شاکر اولاد مولانا صاحب سے ساتھ دیوان محمد اشرف صاحب کے شرف بیعت حاصل کیا اور مرید ہوئے۔ واپسی کے وقت دیوان صاحب نے دونوں بھائی مذکور کو ساتھ پاک پٹن شریف میں لاکر متصل درگاہ مولانا صاحب کے مکانات سکونت کے واسطے عطا کئے۔ اب جو درگاہ مولانا صاحب پر ہیں خادم اولادان دونوں بھائیوں کے ہیں اور پہلے ان سے خادم دھووہی تھی۔

چہارم خلیفہ حضرت خواجہ قطب جمال الدین ہانسوی اولاد حضرت جناب امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ حضرت جمال الدین بن شیخ احمد بن شیخ مظفر بن شیخ ابراہیم بن ابوبکر بن عبداللہ بن عبدالرشید بن عبدالصمد بن امام حماد عرف عبدالسلام بن امام اعظم ابوحنیفہ بن نعمان بن ثابت بن طاؤس بن ہرمز بن شہنشاہ نوشیروان عادل بادشاہ۔ حضرت قطب جمال صاحب بہت عالم وفاضل تھے جو تصنیفات ان کی کتابہائے بہت ہیں۔ حضرت بابا صاحب کی سب سے پہلے بیعت حاصل ہوئی تھی۔ جواہر میں لکھتے ہیں جو واسطے ان کی محبت کے بابا صاحب بارہ برس ہانسی میں رہے ہیں اور فرماتے تھے جمال جمال میرا ہے اور فرماتے تھے پارہ کردہ جمال فرید نتواند دوخت اور جس کو تعین ولایت کی سند بابا صاحب مرقوم کر دیتے اگر مولانا جمال الدین صاحب قبول فرماتے اور مہر لگا دیتے تو منظور ہوتی نہیں تو نامنظور۔ اور بہت محبت اور شفقت بابا صاحب کی خواجہ قطب جمال صاحب پر تھی۔ مزار شریف ہانسی میں زیارتگاہ خلق اللہ ہے اور اولادان کی بھی اسی علاقہ میں کثرت سے ہے۔ حالات کشف کرامات ومجاہدات ہر چہار صاحبان کے بہت ہیں۔ اس کتاب میں واسطے طوالت کے مرقوم نہیں۔ جس صاحب کو اشتیاق ہو کتاب 'جواہر فریدی' جو بندہ کاتب الحروف نے حسب الارشاد سجادہ نشین دیوان اللہ جوایا صاحب مرقوم کر کے معرفت میاں خدا بخش تاجر کتب لاہور کشمیری بازار چھپ کر تیار ہوگئی ہے' دیکھ لیں کہ اس میں تمام حالات درج ہیں۔

Marfat.com

باب ہفتم
در بیان انتقال و بناء روضہ و باب بہشتی

جواہر فریدی وغیرہ کتابوں میں مرقوم ہے جو ۶۶۴ ہجری المقدس میں حضرت بابا صاحب کا وصال ہوا' اول حضرت بابا صاحب کو بیماری خلہ ہوئی۔ شب سہ شنبہ محرم وقت عشاء نماز ادا کی۔ بعد اس کے استغراق یعنی مستی میں ہوئی اور حالت صحو یعنی جیسے ہوشیاری میں حاضرین سے پوچھا نماز پڑھی ہے' تمام نے عرض کی پڑھی ہے۔ حضرت نے فرمایا پھر پڑھ لیں۔ شاید پڑھی ہو یا نہیں۔ اسی طور تین مرتبہ نماز ادا کی۔ تیسری دفعہ تجدید وضو کیا اور بعد تمام نماز اور نوافل کے سجدہ میں سر رکھ کر اسم الٰہی یا حیّ یا قیوم زبان مبارک سے فرمایا۔ حرف قیوم میں روح مبارک بابا صاحب جسم سے جدائی فرما کر ساتھ اصل اپنے کے ملی اور یہ آواز اس وقت غیب سے تمام حاضرین نے فصیح سنی۔ جو دوست ساتھ دوست کے ملے گا۔ وقت صبح تمام فرزند و خلفاء جو اس وقت موجود تھے یہ صلاح ٹھہرائی جو اس وقت جملہ خلفاء حضرت بابا صاحب موجود نہیں چنانچہ اکمل خلفاء ان کے محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین صاحب دہلی میں ہیں' ان سب کے آنے تک امانتاً نعش مبارک رکھی جائے اور سنت نبوی یہی ہے جو وصال حبیب خدا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بروز شنبہ ہے اور تین روز کے بعد جب تمام اصحاب کرام جمع ہوئے۔ بروز چہار شنبہ دفن کئے گئے۔

القصہ صاحبزادگان نے ارادہ روضہ بنانے کا کیا۔ جب ایک دو مرتبہ مرمت شروع کی۔ دن کو طیار کریں رات کو شکست ہو جائے۔ تب محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین صاحب و تمام خلفاء روئے زمین سن کر عرصہ قلیل میں حاضر ہوئے اور خواجہ نظام الدین صاحب کی یہ صلاح ہوئی جو اول روضہ تیار کیا جائے۔ جس حجرہ میں بابا صاحب شب و روز عبادت اور خلوت میں رہے ہیں اور وصال بھی اسی جگہ ہوا کیوں کہ اس میں سنت نبوی بھی ادا ہوگی۔ حضرت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے جس میں کہ سکونت اور خلوت عبادت حجرہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے رہے' اسی جگہ انتقال ہوا اور اسی جگہ مزار شریف ہوئی۔ القصہ جناب محبوب الٰہی صاحب مزار اقدس پر بروئے مراقبہ واسطے تعمیر روضہ مقدسہ کی اجازت طلب کی۔ روح پُر فتوح سے ممانعت ہوئی کہ شہرت سے گمنامی اچھی ہے۔ تس پر مکرر محبوب الٰہی صاحب بصد الحاح ملتجی ہوئے۔ جو تعمیر روضہ میں واسطے استفادہ ہچون ما مریداں و خلفایاں خواص و عام متصور ہے' اس سے محروم نہ فرمایا جائے۔ تب حالت مراقبہ میں جناب ایزدی سے حضرت محبوب الٰہی صاحب کو ارشاد ہوا کہ خشت ہائے پاکیزہ طیار کر کے ہر خشت پر ختم کلام اللہ پڑھ کر دم کرو اور ان خشتہائے سے روضہ تیار کراؤ جو اس میں بھید مغفرت کا ظاہر ہوگا۔

حسب الارشاد محبوب الٰہی جو اس وقت ہزار ہائے حافظان و ناظران کلام الٰہی موجود تھے' خشتہائے تیار کرا کر چند عرصہ میں روضہ مرمت کرایا۔ دروازہ طرف جنوب رکھا اور ایک پنجرہ جانب شمال جس میں اکثر خاص و عام ریسمان یعنی دھاگا واسطے حصول مقصود کے التجا جناب الٰہی و ارواح پاک بزرگان میں کر کے باندھتے ہیں اور حصول مقصد نذر و نیاز متہودہ ادا کر کے کھولتے ہیں۔ اور ایک پنجرہ طرف شرق القصہ بعد تیاری روضہ مبارک تمام فرزندان و خلفاء و محبوب الٰہی نعش مبارک حضرت بابا صاحب جو امانتاً جس جگہ اب روضہ صاحبزدہ گنج علم صاحب کا ہے اور اس میں مزار صاحب زادہ سے

جانب شرق چھوٹی سی مزار برائے نشان موجود ہے' نکال کر ساتھ عطر وخوشبو ہا کے عطرناک کرے' جنازہ پڑھا۔ رسالہ بہشتیہ میں مولوی بدرالدین صاحب مرقوم کرتے ہیں جو کفن بھی از سر نو دے کر جنازہ پڑھا گیا۔ وقت جنازہ ارواح جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کبار وانبیاء اولیاء شرف نزول فرمایا اور جنازہ پڑھ کر ساتھ نعش مبارک بابا صاحب داخل روضہ دروازہ جنوب سے ہوئے۔ مولوی صاحب مذکور اپنے رسالہ میں مرقوم کرتے ہیں جو ایک پائی یہ چارپائی جنازہ کو جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارواح پاک نے پکڑا اور باقی تمام انبیاء اولیاء نے۔ تب اس وقت روح پُرفتوح بابا صاحب سے محبوب الٰہی صاحب کو ارشاد ہوا جو یہ پنجرہ شرق گرادو۔ جو نور ارواح ہائے پاک اس دروازہ سے نزول فرمائیں اور اس وقت لحد کے واسطے خشت ہائے خام ختم کی موجود نہ تھیں اور وہ پنجرہ خشت خام کا تھا۔ وہ خشت ہائے پنجرہ کی لحد حضرت بابا صاحب میں خرچ ہوئیں۔ تب شرق سے دروازہ پیدا ہوا اور بعد تدفین کے اس دروازہ سے نور پاک صاحب لولاک وتمام انبیاء واولیاء نے نزول فرمایا۔ اس واسطے دروازہ شرق بنام نوری مشہور ہوا۔ تب باہر آن کر جس جگہ حجرہ خورد متصل روضہ مبارک بنا ہوا ہے۔ اُس جگہ نور ارواح پاک جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبوب الٰہی کو ارشاد ہوا جو ہم کو جناب الٰہی سے حکم ہوا ہے جو متنفس مسلمان انسان اس دروازہ سے مداخلت کرے گا۔ آتش دوزش سے امان پا کر داخل جنت ہوگا اور واسطے عورات کے بشارت مغفرت کا حکم پنجرہ شمال سے ہوا جو اس جگہ کی زیارت سے ان کو مغفرت حاصل ہوگی۔ اسی واسطے دیوار پردہ دروازہ شمال کے گرد کر دی گئی ہے جو ستر واسطے مستورات کے ہو کیونکہ ستر عورتوں کے واسطے فریضہ ہے۔ عورتاں زیارت اس جگہ سے فیض یاب ہوتی ہیں۔ تب خواجہ نظام الدین صاحب کو ارواح پاک سرور عالم سے یہ ارشاد ہوا جو اس بشارت مغفرت کی منادی کر دو۔ حسب الحکم محبوب الٰہی صاحب نے بلند آواز سے کہا اے مسلمانان و مسلمات دور ونزدیک اس وقت ارواح پاک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وتمام انبیاء واولیاء تشریف لائے ہیں اور جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی سے فرماتے ہیں: و من دخل ھذہ الباب امنا یعنی جو کوئی اس جگہ دروازہ میں داخل ہوا امان پائے گا اور یہ منادی محبوب الٰہی کی مثل منادی حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ جو ان کو بعد تیاری کعبۃ اللہ شریف کے حکم ہوا تھا شرق تا غرب واضح ہوئے۔ بہت مردمان جو اس وقت جمع ہوئے بعضے ان میں جو آنکھ باطن کی نہ رکھتے تھے انکار کیا جو یہ کلام محبوب الٰہی راست کہتے ہیں یا کیونکر تب محبوب الٰہی خدمت ارواح پاک صاحب لولاک میں عرض پرداز ہوئے۔ اگر شرف زیارت حضور کا خاص و عام سب مسلمانان امت جو اس وقت موجود بیٹھے ہیں حاصل ہو جائے تو کرم سے بعید نہیں۔ تب ارشاد ہوا جو شخص اس وقت آئے گا سب کسی کو چشم ظاہر سے معائنہ ہوگا۔ تس پر مکرر محبوب الٰہی صاحب نے دستک مار کر منادی کی۔ جو شخص اس وقت حاضر ہوا سب کسی کو کشف عالم مثال حاصل ہوگی اور چشم ظاہر سے جو محبوب الٰہی صاحب بیان فرماتے تھے' خاص و عام نے سنا اور دیکھا تب شوق سے طرف دروازہ کی فرید فرید کہتے ہوئے دوڑ کر داخل باب جنت میں ہوئے۔ العزیز یہ روحی ارشاد جناب سرور کائنات خلاصہ موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باب جنت ظاہر ہوا اور جس جگہ ارواح پاک سے یہ بشارت ہوئی اس جگہ حجرہ خورد طیار کیا گیا جو عوام کا قدم اس جگہ نہ آئے اور اس جگہ کو قدم رسول بولتے ہیں اور کلمہ مبشرہ وکلام بشارت ارتسام خواجہ نظام کا جو اس بشارت کو چھ سو چھتیس سال گذر چکے ہیں گویا آج فرمایا ہے اور تمام ملک ہا میں مشہور اور بہت صاحب ولایت دیگر خاندانوں کی نسبت اور خصوص

خاندان محبوب الٰہی سے پیران کے دروازہ موصوف میں داخل ہوتے چلے آئے ہیں۔ جو تمام صاحبان کا احوال مرقوم کرنے سے طوالت ہوتی ہے چنانچہ اس زمانہ میں خواجہ نور محمد صاحب مہاروی جن سے ہزار ہائے مخلوق الٰہی کو کمال حاصل ہوا مدت دروازہ پر آ کر فیض حاصل کرتے رہے اور اب بھی بہت عالم و فاضل وہر صدق دل سے عبور کرتے ہیں اور سعادت جانتے ہیں اور خلیفہ اعظم خواجہ نور محمد صاحب کے حضرت خواجہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمۃ والغفران جو صاحب ولایت اور قطب زمانہ تھے اور ہزار ہا کو ان سے فیض حاصل ہوا' ہر سال آ کر دروازہ موصوف میں داخل ہوتے اور پوتے ان کے خواجہ اللہ بخش سلمہ الدارین صاحب ولایت ہیں' وہ بھی دوسرے سال ہمیشہ آن کر داخل دروازہ شریفہ ہوتے ہیں۔

اے عزیز! خداوند کریم قرآن شریف میں قصہ اصحاب کہف کا بیان فرماتے ہیں جو ہفت تن تھے اور آٹھواں ان کا سگ تھا جب شہر دقیانوس سے نکل کر کہف میں چلے گئے اور سگ بھی قدم بقدم ان کے چلا جو اس کے سوائے اس کا کوئی عمل نہ تھا تو اس کو بھی بشارت بہشت حاصل ہوئی جیسا کہ قرآن شریف میں آیات کے ساتھ ثابت ہے: قول سعدی علیہ رحمۃ

سگ اصحاب کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

اگر انسان اہل ایمان حسب فرمان صاحب ولایت اس دروازہ سے جس سے گذرنا روح پاک انبیاء و اولیاء و ہزار ہائے صاحب ولایت کا ہو گیا ہو قدم بقدم ان کے عبور کرے گا تو اعلیٰ درجہ بہشت میں داخل ہو گا کیونکہ سگ سے تم کم نہیں۔ یہ اشرف المخلوقات ہے اور نقل کرنے والے اس بشارت مغفرت کی محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین صاحب جو درجہ ولایت اور محبوبیت ان کے کا اظہر من الشمس ہے اور پیروان خاندان ان کی بھی تمام ساتھ منصب علم و ولایت کے مزین ہیں جو تمام ناقل اس نقل کے چلے آئے ہیں اور یہ جو تصور کیا جائے کہ بعد انتقال جناب سرور عالم یہ ارشاد ہوا حکم نبوت نہیں۔ اے عزیز! بعد انتقال فقدان مورد خطاب کا ہے نہ کہ نہ ہونا درجہ نبوت کا' کس واسطے کہ الان لقب حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مدینہ شریفہ میں رائج ہے۔ اگر کوئی شخص مرتبہ تجرید و تصفیہ باطن کو پہنچا ہو تو صاف او پر اس کے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم زندہ و ہر امر تکوین کے امورات کے ارشاد کرنے والے ہیں۔ چہ نبی کمتر درجہ شہید سے نہیں جن کے حق میں آیت: و لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات ط بل احیاء و لکن لا تشعرون نازل ہے اور صاحب ولایت کے حق حدیث: لا یموتون ان اولیاء اللّٰہ کذافی صحیح بخاری و مسلم میں وارد ہے اور مثل محبوب الٰہی صاحب اگر محکوم بحکم نبوت کسی امر سے ہوں تعمیل اس امر کی نفس نفیس ان کے پر واجب اس میں فائدہ عوام کے واسطے ہو تو اظہار کرنا اس کا ان پر واجب بلکہ فرض عین جیسا کہ یہ بشارت ظاہر کی اور عدم اطاعت اس حکم کی اثم ہوتے ہیں۔ چنانچہ مولوی روم صاحب نے تفسیر اس آیت شریفہ کی کی ہے۔ و اوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا و من الشجر و مما یعرشون۔ مثنوی:

چونکہ اوحی الرب النحل آمدہ است	خانہ وحیش پُر از حلوا شدہ است
او بنور وحی حق عزّ و جلّ	کرد عالم را پُر از شمع عسل

Marfat.com

اینکہ کر مناست بالا امیر و د ‌‌‌ ‌ وحیش از زنبور کے کمتر بود

اے عزیز! جب وحی ہونا زنبور کا آیات الٰہی سے ثابت ہوا تو وحی ہونے صاحب ولایت میں کیا شک ہے بلکہ ہر فعل و کلام اس کا بدون وحی کے نہیں ہوتا۔ دوسرا اگر کوئی زمرہ منکرین سے کہے کہ جو شخص ایک مرتبہ دروازہ سے عمر اپنی میں داخل ہو جائے گا تو آگ کارگر نہ ہوگی اور احکام شرعی کی بھی اس کو کچھ ضرورت نہیں تو جواب اس کا کہ آیت: و من دخلہ کان امنا حق بیت اللہ شریف میں ثابت ہے اور حدیثات بھی وارد ہیں جو شخص حج کو جائے پاک گناہوں سے ہو جاتا ہے جیسا اب شکم مادر سے پیدا ہوا اور حدیث وارد ہے کہ: من قال لا الہ الا اللّٰہ فقد اغفر ذنبہ ۔ اس وقت ابی ذر صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان زنی و ان سرق یعنی جو زنا کرے اور چوری کرے وہ بھی بخشا جاتا ہے۔ پس فرمایا حضرت نے انگلی سے ناک اس کی طرف اشارت کر کے: من قال لا الہ الا اللّٰہ غفر اللّٰہ علی رغم ابی ذر' سہ مرتبہ۔ پس جیسا ان مسائل کا جواب ہے وہی عبور کرنے والے دروازہ کا جواب ہے۔

اور درجہ ولایت ان دونوں صاحبان یعنی حضرت بابا فرید صاحب و محبوب الٰہی صاحب بگواہے مردم بیشمار صاحبان رتبہ ولایت و علم وغیرہم کے ثابت ہے۔ جیسا کہ حدیث وارد ہے۔ ایک جنازہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذرا۔ حضرت نے حال اس میت کا دریافت کیا۔ چند کسان حاضران نے صلاحیت اس کی بیان کی۔ شہادت چند آدمیوں پر حضرت نے: والجنة و جبت الجنة فرمایا اور واسطے ایک میت کے چند آدمیوں کی شہادت پر: و جبت النار و جبت النار فرمایا۔ حسب مضمون آیت شریفہ: امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شهیداً بلکہ وارث ولایت و نسبت حقہ ان ہر دو بزرگوار سے اب تک جاری ہے اور تمام شہادت دینے والے ان کی ولایت والے ہیں اور ایسے صاحب ولایت سے خلاف صادر ہونا ناممکن۔ پس انکار فرمان ان کے میں خالی گمراہی سے نہیں اور دلائل عقلی یا نقلی واسطے رد اس بشارت کے عین ضلالت ہے۔ پس تعجب ہے جو شخص مقر ولایت ان دونوں صاحبان کا ہو مغفور ہونا عبور کرنے میں دروازہ سے منکر ہوا اور پر صاحب علموں کے۔ واضح ہے جو کشف صحیح کو رویاء پر فضیلت ہے چنانچہ حدیث: رویت النبی حق ثابت ہے جیسا عنایت بردہ یعنی چادر کے محمد بوصیری صاحب 'قصیدہ بردہ' پر اور کتاب 'فصوص الحکم' حضرت شیخ محی الدین عربی پر عطا عالم رویاء میں ہوئی تھی اور ویسا انہوں نے عالم ظاہر میں پائی اور اسی طرح سے بشارت عشرہ مبشرہ کے واسطے اور مبشر خروج شتا حدیث شریفہ: من بشر نی بخروج الصفر بشرية با الجنة ۔ اصحاب عکاشہ صاحب نے خبر دی اس کو بشارت جنت حاصل ہووے۔ بہت مرتبہ بہشت اور مغفرت کے ارشاد فرمایا ہے۔ اسی طرح سے موعود الغفر ان بحق صابران دروازہ موصوفہ کا ہے۔ اگر ولی سے کمال معیت حق و متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت بہشت حق کسی نیک سرشت میں صادر ہو تو برحق ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ قرب فرائض و قرب نوافل میں حق سبحانہ فعال و بندہ آلت ہو جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس وقت کلام حق سے ہے نہ بندی سے' چنانچہ مولوی روم فرماتے ہیں:

مطلق آن آواز شہ بود ‌‌ ‌ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

نقل ایک روز مولوی صاحب مرید غوث واجل والہ نے سامنے روضہ مبارک بیچ مجلس وعظ کے بیان فرمایا جو

Marfat.com

ایک عالم ظاہر میں خدمت شریف پیر دستگیر میرے حضرت خواجہ سلیمان صاحب کے سوال کیا جو یہ دروازہ بہشتی مشہور ہے اور آپ ہمیشہ جا کر داخل ہوتے ہیں کیا فائدہ ہے۔ تب خواجہ صاحب چپکے ہو رہے اور فرمایا جس وقت داخلے کا وقت ہو اس وقت تم نے میرے پاس آنا۔ جس وقت دروازہ موصوف سجادہ نشین صاحب نے کھولا اور تمام مردمان عبور کرنے لگے اس وقت عالم مذکور خدمت میں آن کر عرض کی۔ تب حضرت نے فرمایا یہ تاج میری لے اور سر پر رکھ اور جا کر دیکھ۔ جب وہ عالم تاج حضرت کے سر پر رکھ کر اور دیکھ کر پھر آیا تو حضرت نے کہا سچ کہہ جو تم نے دیکھا۔ تب اس نے بیان کیا جو میں نے دیکھا ہے بہت مردمان پاکیزہ شکل اور انسان صورت پیچھے کھڑے ہیں اور حیوان مثل بندر و سگ و ریچھ اول دروازہ میں داخل ہو کر جب اندرون دروازہ مقدسہ سے باہر دروازہ شرقی جس کو نوری کہتے ہیں' آتے ہیں' شکل انسان کی ہو جاتے ہیں۔ تب خواجہ سلیمان صاحب نے فرمایا اے عزیز! اول تم فائدہ دنیا میں داخل ہونے دروازہ کا یہ سمجھو جو حیوانوں سے انسان بنتے ہیں اور عقبیٰ میں مغفرت حاصل ہو گی۔ اے عزیز! امت حضرت کو مسخ بدن ظاہر کی نہیں جیسا امتان ماضی کو ہوتا تھا لیکن افعال ذمیمہ سے مسخ شکل باطن کا ہو جاتا ہے نعوذ باللہ منہا۔ چنانچہ مولانا روم صاحب مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

نقض عہد و توبہ اصحاب است — موجب مسخ آمد و اہلاک گشت

اندرین امت نہ بد مسخ بدن — لیک مسخ دل بودا ے ذوالفطن

چون دل بوزینہ گردد آن دلش — از دل بوزینہ شد خوار آن تنش

خواجہ صاحب نے فرمایا یہ فائدہ ہے جو تم اس روز پوچھتے تھے۔ امت مرحوم جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو طفیل ذات پاک فرد الحق حضرت بابا صاحب کے جو اول حیوانوں کو انسان بنایا جاتا ہے اور بعد ان کے جو انسان اور پاکیزہ شکل ہیں' داخل ہوں گے۔ جب عالم مذکور نے بہ چشم ظاہر سے کشف عالم مثال کا دیکھا اور زبانی حضرت کے بیان سنا فی الفور تائب ہو کر مرید ہوا۔ مولوی صاحب فرماتے تھے یہ کرامت میرے روبرو کی ہے اور مولوی صاحب بھی خلیفہ خواجہ سلیمان صاحب کے ہیں اور بڑے عارف کامل اور ہمیشہ عرس بابا صاحب پر ساتھ خواجہ اللہ بخش صاحب کے تشریف لاتے ہیں اور دروازہ صاحب پر وعظ میں ہر وقت تعریف ولی نبی کی بیان فرماتے ہیں۔

نقل ہے کتاب بہشتیہ فریدیہ مولوی بدر الدین صاحب سے جو وقت سجادگی دیوان ابراہیم کبریٰ صاحب کے جن کا لقب ثانی فرید ہے جس کو چار سو برس کا عرصہ ہو چکا ہے' خدمت شریف ان کی میں ایک عالم ظاہر بیں آیا اور کہا یہ رسوم عرس سماع اور طواف و داخل ہونا دروازہ بہشتی کا غیر شرع ہے۔ پس سجادہ نشین اس عالم کو پاس اپنے ساتھ عزت کے رکھا اور وقت کھولنے دروازہ کے جب کھڑے ہوئے اور مخلوق انبوہ سے تمام جمع ہوئی' تب سجادہ نشین صاحب نے روانی اپنی یعنی چادر منہ عالم مذکور پر پھیر دی۔ تب عالم مذکور کو کشف عالم مثال کی حاصل ہوئی۔ تب دیکھا جو مردمان تھے مثل حیوانات خشبہ کے ہیں۔ جب دروازہ سے داخل روضہ مقدسہ ہو کر دروازہ شرقی سے باہر آتے ہیں۔ صورت انسان ہو جاتے ہیں۔ عالم مذکور بعد اس کشف کے تائب ہو کر بیعت ساتھ دیوان ابراہیم صاحب کے کی۔ نقلہائے باب بہشتی جو واسطے زیران امت مرحومہ کے خدا تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ کتاب بہشتیہ فریدیہ تصنیف قاضی شیر محمد صاحب و مولوی بدر الدین صاحب میں ساتھ دلائل آیات حدیث کے بہت ہیں لیکن کتاب مولوی بدر الدین صاحب میں نہایت عمدہ ترکیب سے مرقوم ہیں۔ جس

Marfat.com

صاحب کو دیکھنا منظور ہو اس میں دیکھ لیں۔ طوالت کے واسطے اس جگہ مرقوم نہیں۔

باب ہشتم

دربیان احوال اسامی ہائے ہر شش فرزند و بائیس پوتے کا

نقل ہے جواہر فریدی وغیرہ کتابوں سے جو حضرت بابا صاحب کے چھ بیٹے اور بائیس پوتے ہوتے ہیں۔ بدیں تفصیل اول حضرت جناب مخدوم خواجہ بدرالدین صاحب لقب سلیمان جو اول صاحب سجادہ ہوئے اور ان کے چھ فرزند پیدا ہوئے۔ اول حضرت علاؤالدین لقب موج دریا صاحب۔ سجادہ دوم حضرت مخدوم خواجہ شیخ محمد شہید۔ سوم حضرت مخدوم خواجہ شیخ محمود صاحب۔ چہارم حضرت مخدوم خواجہ تاج الدین سرور صاحب۔ پنجم حضرت مخدوم خواجہ مودود صاحب۔ ششم حضرت مخدوم خواجہ احمد صاحب۔ دوم فرزند حضرت بابا صاحب حضرت مخدوم خواجہ شہاب الدین لقب گنج علم صاحب ان کے بھی چھ فرزند ہوئے۔ اول حضرت مخدوم خواجہ عبدالمجید صاحب۔ دوم حضرت خواجہ حسام الدین۔ سوم حضرت مخدوم خواجہ مسعود صاحب۔ چہارم حضرت مخدوم خواجہ شیخ محمد صاحب۔ پنجم حضرت مخدوم خواجہ علی شیر صاحب۔ ششم حضرت مخدوم خواجہ رشید صاحب۔ سوم فرزند حضرت بابا صاحب حضرت مخدوم خواجہ نظام الدین صاحب ان کے بھی دو فرزند ہوئے۔ اول حضرت خواجہ ابراہیم صاحب۔ دوم حضرت خواجہ علی صاحب۔ چہارم فرزند بابا صاحب حضرت مخدوم خواجہ یعقوب صاحب ان کے بھی دو فرزند ہوئے۔ اول حضرت خواجہ عزیز الدین صاحب۔ دوم حضرت خواجہ قاضی محمد صاحب۔ پنجم فرزند حضرت بابا صاحب حضرت خواجہ عبداللہ شاہ جو خوردسالی میں وفات پا گئے اور قصہ ان کا ایک کرامت عجیب ہے۔ مزار شریف ان کی طرف جنوب شہر سے واقعہ ہے اور اس جگہ مست مجذوب ملنگ بہت رہتے ہیں۔ ششم فرزند بابا صاحب حضرت مخدوم خواجہ نصیرالدین صاحب جن کو متبنیٰ لکھتے ہیں ان کے بھی چھ فرزند ہوئے۔ اول حضرت خواجہ بایزید صاحب۔ دوم خواجہ امین الدین صاحب۔ سوم خواجہ عبداللہ صاحب۔ چہارم خواجہ ابراہیم صاحب پنجم خواجہ کریم الدین صاحب۔ ششم خواجہ رشید الدین صاحب و حضرت بابا صاحب کے تین دختریں تھیں۔ اول عفت پناہ حضرت بی بی فاطمہ صاحبہ جس کا نکاح مولانا بدرالدین اسحٰق صاحب کے ساتھ ہوا اور قصہ ان کا آگے ہو چکا ہے۔ دوم عصمت پناہ حضرت بی بی مستورہ شریفہ۔ سوم عفت پناہ حضرت بی بی مستورہ جوان سے اولاد نہیں ہوئی اور بعضی کتابوں میں ثبوت ہے جو ایک دختر بابا صاحب کی نکاح حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر ہمشیرہ زادکے تھی۔ چند مدت کے بعد بی بی صاحبہ کا انتقال ہوا اور پھر حضرت علی احمد صابر پیران کلیر کو چلے گئے۔ مزار بی بی شریف و بی بی مستورہ و مائی صاحبہ ہزیرہ خاتون دختر سلطان غیاث الدین اندرون گنبد کلاں واقعہ پاک پٹن ہے اور مزار بی بی فاطمہ دہلی میں چچا اپنے نجیب الدین صاحب کے روضہ کے پاس ہے اور مزار حضرت شہاب الدین گنج العلم متصل روضہ بابا صاحب جانب غرب ہے جہاں پہلے نعش بابا صاحب امانتاً رکھی گئی تھی اور مزار خواجہ یعقوب شہر بدر میں بولایت دکھن ہے اور ان کی بھی اسی طرف مزار حضرت نظام الدین صاحب شہید شہر تھمبو رعلاقہ نواب ٹونک میں واقعہ ہے۔ مزار خواجہ نصیرالدین صاحب کی چاولی مشائخ میں ہے اور اولاد ان کی قرب و جوار پاک پٹن میں ساکن ہے اور لقب ان کا نصر الٰہی ہے اور اولاد حضرت گنج علم صاحب و خواجہ نظام الدین و خواجہ یعقوب ملکہا میں بہت

جگہ متفرق ساکن ہندوستان پنجاب و دکھن میں ہے۔

باب نہم

دربیان احوال سجادہ نشینی حضرت دیوان شیخ بدرالدین صاحب سجادہ اول و بناء رسوم عرس حسب تجویز محبوب الٰہی صاحب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء

جب حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین صاحب و تمام خلفاء عظام مرمت روضہ و تجہیز و تدفین سے فارغ ہوئے' وہ دستار جو حضرت بابا صاحب کو حسب الارشاد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم خدمت جناب شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز بغدادی سے معہ دیگر تبرکات کے عطا ہوئی تھی اور قصہ اس کا پہلے کتاب ہذا میں مرقوم ہو چکا ہے وہ دستار محبوب الٰہی صاحب دولتخانہ حضرت سے خوان میں رکھ کر لائے اور چند دستار سفید دیگر بازار سے خرید کر کے بھی درمیان میں رکھ کر ہمرنگ اس دستار کے کیا روایات میں ہے کہ دستار مذکور زعفرانی رنگ کی تھی۔ القصہ محبوب الٰہی صاحب خدمت حضرت صاحبزادہ صاحب مخدوم بدرالدین میں عرض کی جو یہ دستار مبارک سر پر باندھو اور وہ دوسری دستار ہائے ہاتھ اپنے سے تمام صاحبزادگان و خلفاء کو تقسیم کرو جو تمام حاضرین فیض یاب ہوں۔ چنانچہ محبوب الٰہی صاحب دستار مبارک مزار شریف پر رکھ کر کنارہ دستار کا ہاتھ صاحبزادہ صاحب میں دیا اور انہوں نے بسم اللہ کہہ کر وہ دستار سر پر باندھی اور وہ دوسری دستہار ہائے حسب الارشاد محبوب الٰہی صاحب حاضرین پر تقسیم کی۔ پھر دعا فاتحہ ارواح انبیاء و اولیاء کا شیرینی پر رکھ کر دروازہ بہشتی سے جملہ نے عبور کیا۔ چنانچہ یہی رسم اب تک جاری ہے جو وقت کھولنے دروازہ کے پہلے سجادہ نشین دستار زعفرانی مزار بابا صاحب پر باندھتا ہے اور پھر تمام صاحبزادگان و خلفاؤں کو دستار ہائے جن کو بنام پیچہ سے بولتے ہیں' دے جاتے ہیں۔

بعد اس کے حضرت محبوب الٰہی صاحب و تمام خلفائے مرخص ہوئے اور حضرت جناب مولانا بدرالدین اسحاق صاحب بدستور جیسا باپ صاحب کے وقت سرانجام امورات لنگر و خدمات تھے' تحویل ان کی رہی اور سب رخصت ہوئے۔ وقت رخصت کے محبوب الٰہی صاحب نے حضرت سجادہ نشین اول مخدوم خواجہ بدرالدین صاحب کو وصیت فرمائی۔ جواب بابا صاحب کی طرف سے اور خواجگان چشت کے مصلا پر بیٹھتے ہو۔ اب تم بزرگان کی طرف سے دیوان ہوئے۔ دیوان کارمختار کو بولتے ہیں۔ آپ کو لازم جو تمام صاحبزادگان و خلفاء خاندان فریدیہ کے حتی المقدور پرورش اور خبرگیری مہمانان کی رکھنی۔ تب سے لقب دیوان کا سجادہ نشین بابا صاحب پر بموجب فرمانے محبوب الٰہی صاحب کے مخاطب ہوا۔

نقل ہے جب ماہ رمضان شریف آیا' حضرت محبوب الٰہی صاحب خلفاؤں اپنے حضرت امیر خسرو صاحب و چراغ دہلوی صاحب و امیر حسن کو فرمایا میرا ارادہ ہے کہ یہ ماہ رمضان شریف پائیں۔ مزار مبارک پیر دستگیر اپنے کے گذاروں۔ سب خلفاؤں نے عرض کی زہے سعادت۔ تب خواجہ نظام الدین صاحب دہلی شریف سے روانہ ہو کر ساتھ تمام خلفاء کے پاک پٹن میں پہنچے۔ وہ ماہ مبارک روبروئے مزار مبارک پیر اپنے کے گذارا۔ بعد گذرنے ماہ مبارک کے بروز عید وقت نماز وہ تبرکات یعنی نشانہائے کو سامنے روضہ مبارک بابا صاحب پارچہ غلاف پہنا کر تمام مخلوق کو زیارت کرائی جو

Marfat.com

بغداد شریف سے بابا صاحب لائے تھے اور پوشاک حضرت بابا صاحب یعنی پیراہن گلے میں دردائے کتف پر سجادہ نشین صاحب کو پہنائی اور کاسہ بابا صاحب کا ایک ہاتھ میں اور دوسرے ہاتھ میں عصاء و تسبیح دیا اور مسجد میں پہنچ کر صلوات گویاں معہ تمام اولاد خلفاء نماز عید کی ادا کرے۔ چنانچہ یہی رسم اب بھی جاری ہے۔ اس کا بیان آگے آئے گا۔

القصہ محبوب الٰہی صاحب بعد انقضاء ایام صیام واسطے ختم و بناء عرس مبارک کی تا بروز انتقال بابا صاحب پاک پٹن میں قیام پذیر رہے اور تمام خلفاء روئے زمین کو اطلاع کر دی گئی۔ جب روز وصال بابا صاحب کا قریب پہنچا' سب خلفاء دور و نزدیک سے جمع ہوئے۔ حضرت محبوب الٰہی صاحب نے بیست و پنجم ماہ ذوالحج کو شروع رسم عرس مبارک کی کی۔ چنانچہ حلوا و طعام پکواتے اور بوقت صبح چند حافظ جمع کر کے ختم کلام اللہ شریف کرا کر فاتحہ دلاتے ہیں اور بعد اشراق ہمراہی صاحب سجادہ نشین روضہ مبارک میں آکر ایک سیر پابالا شکر تری پر ختم دلا کر ہاتھ مبارک سے سجادہ نشین کے تقسیم کراتے۔ چنانچہ اسی طور تا پنجم محرم ختم کراتے رہے اور چونکہ ابتدائی شروع محرم سے ایام عاشورہ ہوتے ہیں' بپاس لحاظ شہداء معصوم دہ امامین پانچ روز پہلے محرم سے شروع کیا گیا جو دس روز پنجم محرم تک بلکہ زیادہ روز ہو جاتے ہیں۔ ان روز ہائے میں شربت تیار کرا کر چھوٹے چھوٹے برتن، گلی میں بھر کر جس کو کوجی پیالے بولتے ہیں' ختم دلا کر تقسیم کرتے رہے۔ طعام کا نام محبوب الٰہی صاحب نے جلہ دشتری نامزد کیا جو قوم جلوڑہ ہائے نے وہ پیش کش کیا تھا۔ پھر جب پہلی تاریخ محرم بعد چاشت محبوب الٰہی صاحب سجادہ نشین کو سماع خانہ مین مصلاً بابا صاحب پر بٹھلا کر گرداگرد تمام خلفاء نے نشست فرما کر قوالاں درگاہ سماع شروع کرتے چنانچہ ایک مرتبہ محبوب الٰہی صاحب کو حالت سماع میں وجد پیدا ہوا۔ تمام حاضرین معہ سجادہ نشین صاحب دست بستہ کھڑے ہوئے اور محبوب الٰہی صاحب سماع خانہ سے تا بدروازہ روضہ مقدسہ پیر دستگیر اپنے کے گئے۔ قوالاں و حضرت امیر خسرو صاحب و نصیر الدین چراغ دہلوی صاحب و امیر حسن صاحب و مولانا بدرالدین اسحٰق صاحب بھی ساتھ محبوب الٰہی صاحب کے گئے جو طریقہ سلوک میں متابعت صوفی کی سنت بلکہ فرض ہوتی ہے۔ چنانچہ اس حالت سُکر و استغراق میں محبوب الٰہی صاحب تین دفعہ تا سماع خانہ جس جگہ سجادہ نشین کھڑے تھے اور بدروازہ روضہ مبارک پیر دستگیر اپنے کے آتے جاتے رہے۔ تب سجادہ نشین صاحب نے ایثار نقدی قوالاں پر فرمائی اور بعد انفراغ سماع ختم شکر سرخ پر دلا کر معہ سردیا عنایت فرمایا۔ تب سے یہ رسوم سماع میں تین دفعہ آنا جانا قوالاں معہ صوفیاں پنج کس خادمان درگاہ سے مقرر ہے۔ یہ سماع چھ روز ہوا۔ پھر پانچویں تاریخ محرم کو داخلی دروازہ کے ہوئے اور پھر شب ہفتم بعد ادائے نماز عشاء دروازہ بہشتی پر سماع ہو کر داخلی کرے۔ اس واقت نان لنگر کی موجود تھی۔ اسی پر ختم دلا کر تقسیم کی اور ختم پڑھنے والوں حافظوں کو پارچہ ہائے پوشاک و نقد عطا فرمایا۔ پھر بروز عاشورہ اندرون بیروں روضہ مبارک کو غسل دے کر عطریات و خوشبویات کے ساتھ معطر کیا چنانچہ یہ رسومہائے مجوزہ حضرت محبوب الٰہی صاحب تا حال جاری ہیں انشاء اللہ العزیز تا قیام زمان جاری رہیں گے۔

اور محبوب الٰہی صاحب جو واصلان حق سے تھے' انہوں نے یہ سنت طریقہ مقرر کیا۔ اس میں کئی طرح کے مفاد عام کے واسطے ہیں۔ اول تو زیارت کا حاصل ہونا مزار شریف اہل اللہ کا۔ دوم جمع ہونا ایک دن پر صدہا عالمان و فاضلان دہر کا اور آپس میں ملاقات حاصل ہو کر ایک دوسرے کی۔ سوم خرچ نقد و جنس و پارچات و طعام کا راہ خدا تعالیٰ میں واسطے

مہمانوں کے۔ چہارم ثواب ان اشیاء کا ارواح ہائے انبیاء اولیاء کو۔ چنانچہ خود جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ حدیث شریفہ: من من سنہ حسنة فله و اجرها و اجر من عمل بها من بعده من غیران ینقص من اجورهم شیئا ۔ جس نے سنت نکالی امت میری سے خوب جس میں فائدہ عام کے واسطے ہو ثواب اجر کا اس کو حاصل ہوگا۔ حدیث شریفہ میں وارد ہے اور محبوب الٰہی صاحب جو بانی مبانی عرس کے ہیں' کمال عالم و فاضل صاحب ولایت تھے جو درجہ ولایت و محبوبیت ان کی کا اظہر من الشمس ہے اور پیر و خاندان ان کے بھی تادم حال اس سنت پر قائم ہیں' لیکن بعض رسومات جو واسطے تجمل و آرائش محفلوں کے پیدا ہوئی ہیں' یہ پہلے زمانہ میں نہ تھے۔ محض واسطے زینت امورات اسلام کے جاری ہوئی ہیں۔ جیسا بناء مسجد با پختہ زمانہ اصحاب کبار میں تھے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں بھی اب باجہ بجانا عربی و تجمل شاہانہ بوقت آمدن پارچہ غلافہائے بعضے امورات پر واسطے زینت اسلام کے مقرر ہوئے ہیں اور جو سماع محبوب الٰہی صاحب کے وقت میں تھا بغیر مزامیر دتار ہوتا تھا چنانچہ اب سماع میں ایک دف و طبلہ ہوتا ہے اور مزامیر جو شرع میں ممنوع ہیں' نہیں ہوتے اور تجمل کے آنے جانے سجادہ نشین صاحب کے میں بھی کئی طرح کا اللہ خرچ غرباء و مسکین پر ہوتا ہے۔ اس میں بھی فائدہ عام کے واسطے متصور ہے جو آگے تفصیل خرچ میں بیان اس کا آئے گا اور جس میں کسی طرح کا فائدہ مخلوق کے واسطے حاصل ہو اس امر کو ممنوع نہیں سمجھا جاتا بلکہ طریقہ نیک ہے اور طریقہ نیک کا بڑھانا اچھا ہے۔ جس امر میں مخلوق الٰہی کو نفع پہنچے وہ کام جناب الٰہی میں پسند ہوتا ہے۔ جیسا حدیث شریفہ میں وارد ہے: الخلق عیال الله احبهم الی الله انفعهم بعیاله والبغضهم الی الله اضرهم بعیاله یعنی خلقت عیال اللہ کا ہے جو شخص دوستی رکھے ساتھ اللہ کے پاس نفع پہنچائے ساتھ عیال اس کے کے۔ اس حدیث شریفہ کے معانی سے معلوم ہوا جس کام میں مخلوق الٰہی کو نفع پہنچے' وہ جناب باری تعالیٰ میں پسند ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب دہم
در بیان رسومات و خرچ بہ تفصیل عرس مبارک میلہ بابا صاحب کہ اب اس وقت ہوتا ہے ابتدائے

رسوم عید الفطر سے

عید فطر پر گندم سفید بقدر چار من پختہ کے سیویاں رومالی بنا کر۔ دس من شیر و سوا دو روپیہ کا میوہ' گری' چھوہارہ' پستہ' چلغوزہ' پانچ آثار شکر تری۔ دس سیر شکر سرخ یہ جملہ اشیاء کا تبرک بنام کھیر خُرما طیار ہوتا ہے اور دو من پختہ گندم و ایک راس بکرا کلاں کا گوشت و دو سیر روغن زرد۔ یک پاؤ فلفل گرداں اشیاء کا تبرک بنام حلیم پہلے طیار ہو کر صبح کو ختم دلایا جاتا ہے۔ بوقت نماز عید اول سجادہ نشین صاحب معہ صاحبزادگان و شرفاء و خلفاء شہر جمع ہو کر صندوق تبرکات کا جو محل سرئی خاص میں ایک جگہ حفاظت و آداب سے رکھا ہوتا ہے' پہلے خادم کے سر پر رکھ کر لاتا ساتھ صلوات کہتے ہوئے درگاہ بابا صاحب میں آتے ہیں اول سجادہ صاحب عَلم یعنی نشان سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو بغداد شریف سے لائے تھے' پارچہ غلاف پہنا کر سامنے روضہ مقدسہ کے واسطے زیارت مخلوق کے کھڑی کرتے ہیں۔ بعد اس کے سماع خانہ میں وہ تبرک کھیر خُرما ماند کور جو پیالی ہائے میں بھرا ہوتا ہے عام طور پر تقسیم فرماتے ہیں۔ پھر سامنے دروازہ روضہ شریفہ کے مصلا پر نشست فرما کر پیراہن

Marfat.com

حضرت بابا صاحب کا گلے میں اور ردائی کنف پر ایک ہاتھ تسبیح وکاسہ دوسرے ہاتھ عصاء اس لباس بابا صاحب کو سجادہ نشین ملبس فرما کر معہ حاضرین واسطے نماز کے روانہ مسجد کو ہوتے ہیں اور ایک چادر سفید اس وقت پیش سجادہ نشین پھیلائی جاتی ہے اور اس میں اول منجانب سجادہ نشین سوا دو روپیہ کی تھوگری گری وپُڑی شکر کی کاغذوں میں بندھی ہوتی ہے' ڈالتے ہیں اور چند پُڑی بیچ کاسہ بابا صاحب کے ہوتی ہیں۔ سجادہ نشین صاحب وہ بھی نکال کر چادر مذکور میں ڈال دیتے ہیں اور نئی پُڑی پھر اس کاسہ میں رکھ دیتے ہیں۔ بعد اس چادر مذکور میں تمام مردمان شہر وقرب وجوار حسب توفیق پُڑی ہائے ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ پھر جامع مسجد میں پہنچ کر بعد ادائے نماز وخطبہ کے صندوق میں باقی ریسمان وجیورہ ونعلین جو تبرکات ہیں' زیارت ہوتی ہے۔ پھر بیرون مسجد سے اسی طور مسجد سنگین جو متصل روضہ مبارک ہے' آن کر تبرک حلیم مذکور پیالی ہائے میں عام طور پر تقسیم کرتے ہیں اور پھر روانہ دولت خانہ کو ہوتے ہیں۔ ایک دستار و دو روپیہ امام کو بوقت خطبہ و دستار موذن کو ایک روپیہ و دستار نقارچیوں کو ایک روپیہ نقد۔ قوالاں کو آٹھ آنہ گھڑیالی کو پانچ روپیہ۔ متفرقہ غرباء ولواحقاں کو خرچ اس روز للہ ہوتا ہے۔

جب دروازہ خاص محل سرائے میں پہنچ کر بعد رخصت ہمراہیاں اندر داخل ہوتے ہیں وہ لباس اور تمام تبرکات پھر صندوق میں رکھے جاتے ہیں۔ اور سوا روپیہ کی شیرینی پر ختم دلا کر تقسیم کرتے ہیں اور دو من غلہ گندم اندرون محل سرائے عورات غرباء مساکین قوالینوں پر خرچ ہوتا ہے اور عید الاضحیٰ پر تبرک کھیر خرما نہیں ہوتا لیکن تبرک حلیم پر بقدر دس گیارہ بکرا کا گوشت وغلہ گندم خرچ ہوتا ہے اور خرچ بدستور عید مذکور پر ہوتا ہے اور جو پُڑی ہائے شکر ونارجیل وبادام ہر دو عیدین پر چادر مذکور میں جمع ہوتے ہیں بعد عرس حضرت بابا صاحب ہفتم تاریخ محرم شریف کو مستورات قبائل دولت خانہ سجادہ نشین صاحب میں جمع ہو کر اور ختم دلا کر تقسیم کر دیتے ہیں۔ رسم چہلم گرہ جس کو چلہ بولتے ہیں' پچیسویں شب ذیقعد اول سجادہ نشین درگاہ بابا صاحب میں سوا سیر روغن سیاہ واسطے روشنی مشعل کے دیتے ہیں۔ پھر آپ درگاہ میں جا کر سوا روپیہ کی شیرینی پر ختم دلا کر دعاء فاتحہ خیر کہلاتے ہیں اور سوا سیر روغن سیاہ وسوا سیر قند خادموں کو دیا جاتا ہے اور وہ شیرینی تقسیم ہو کر دولت خانہ کو تشریف فرما ہوتے ہیں۔ تب اندرون محل سرائے ایک سیر روغن زرد۔ پانچ سیر چاول شکر تری' دو سیر کا خشکہ پکوا کر ختم دلا کر خانہ ہائے قبائل میں بھیجا جاتا ہے اور گندم دو من اندر عورات غرباء ومساکین پر خرچ ہوتا ہے اور اس رات کو عموماً ہر یک باشندہ شہر ہندو مسلمان بقدر وسعت روغن سیاہ وقند وغیرہ نقد جنس لے کر درگاہ میں دیتے ہیں۔ بعد عید الاضحیٰ کے شروع سائیدگی آرد کے خراسوں پر واسطے لنگر کے دن رات ہوئی رہتی ہے۔ تشریح خرچ عرس پنجاہ من غلہ گندم سفید قسم عمدہ جس کو پسی بولتے ہیں' معہ خرچ ان کو پاک کر کے تمام باشندگان شہر وقرب وجوار ہندو مسلمان اپنی مراد سے جتنا جتنا کسی کی منّت ہوتی ہے' لے کر سائیدگی کر کے دیتے ہیں اور اس کا میدہ واسطے تبرک چلہ ومشتری کے تیار ہوتا ہے۔

تعداد ہر جنس نقد وپارچات وغیرہ اشیاء جو میلہ پر خرچ ہوتا ہے۔ غلہ گندم پانچ من پختہ تا ایام عرس رسد جماعت ہائے مریداں وغیرہ میں معہ لنگر عام خرچ ہوتا ہے۔ ایک سو من پختہ دانہ نخود واسطے اسپان مہمانوں کے۔ ایک سو بکرا واسطے لنگر کے۔ دس من بڑیاں دال ماش سے تیار کر کی ہوئی واسطے لنگر کے۔ ہزار من۔ ہیزم ہزار من موسم سرما میں دو ہزار من قند سیاہ سات من پختہ۔ شکر سرخ پانچ من۔ شکر تری سات من پختہ۔ پنجاہ من دال واسطے لنگر کے۔ ہلدی دو من۔ نمک سات من۔ روغن زرد آٹھ من۔ روغن سیاہ بارہ من۔ مصالح گرم تیس روپیہ کا۔ چاول سو روپیہ کا۔ زعفران واسطے دستار ہائے بچہ

Marfat.com

کے مبلغ ایک سو روپیہ کا۔ تھان سفید واسطے دستار ہائے پیچہ و چادر ہائے فقراء مبلغ ایک سو روپیہ کا۔ سر و پاء لنگی سلاری جو بعد عرس کے مریداں و خلفاء کو خلعت عطا ہوتی ہے مبلغ سات صد روپیہ کا۔ نقدی روپیہ آٹھ آنہ چار آنہ تک رسومات پر لواحقان و سایلاں پر بقدر ڈیڑھ سو یا کم بیش کے خرچ ہوتا ہے۔ صندل بعد غسل واسطے مزار شریف پانچ سیر لال مرچ دو من تمباکو دس من۔ مسکرات بھی بقدر پانچ من کے فقراء ملنگوں کے واسطے خرچ ہو جاتا ہے۔ اور تول پختہ کا رواج پاک پٹن میں ہے۔ کیا سیر و کیا من۔

شروع میلہ: شب پچیسویں ذوالحج اول دیوانخانہ سے مختار کاراں سجادہ نشین صاحب واسطے لینے بستہ کے طیار ہوتے ہیں۔ پہلے سوا سیر شکرتری پر ختم دلا کر تقسیم کر دی جاتی ہے۔ پھر ایک سو گز پارچہ کے رومال واسطے باندھنے تبرکات کے بنائی جاتی ہیں۔ پھر بستہ طعام تبرک جلہ و مشتری کے لیتے ہیں۔ میدہ تین من پختہ، روغن زرد چار سیر پختہ جس کا حلوا واسطے جلہ مشتری کے بنایا جاتا ہے اور چار سیر حلوائے قندی بھی طیار ہوتا ہے اور قند واسطے شربت تو۔ تہائی دمت چار سیر شکر تری، ایک سیر یہ تمام شربت واسطے ارواح پاک امامین شہداء کے ختم دلایا جاتا ہے۔ اور طعام جلہ و مشتری تمام رات کو پکتا رہتا ہے۔ صبح کو ہفت کس حافظ بیٹھ کر ختم کلام اللہ شریف ایک ایک منزل پڑھ کر اطلاع طیاری کی سجادہ نشین صاحب کو کی جاتی ہے اور اول اس تبرک سے بقدر سوا سیر حلوا بھی کچہری پر سجادہ نشین کے پاس تقسیم کیا جاتا ہے۔ بعد اس کے سجادہ نشین صاحب ساتھ تمام صاحبزادگان و شرفاء و خلفاء پیش نقیب نعرہ کرتا ہوا۔ اللہ محمد چار یار۔ حاجی قطب فرید قطب شاہ شکر گنج ساتھ تمام ملازمان و معتبران کے درگاہ بابا صاحب میں آ کر پہلے روضہ شریفہ میں ختم بارواح پاک جناب رسالت مآب و بزرگان خواجگان چشت وغیرہم کا سوا سیر پختہ شکرتری پر دلا کر ہاتھ اپنے سے سجادہ نشین تمام مخلوق کو عام طور پر تقسیم فرماتے ہیں۔ پھر روضہ کلاں حضرت شاہ علاؤالدین موج دریا صاحب میں اگر ہمین طور سوا سیر شکرتری تقسیم کرتے ہیں۔ پھر سماع خانہ میں مسند پر بیٹھ کر مکرر ختم پاک شہداء امامین شربت ہائے شکرتری و قندی جو کوزہائے میں بھرا ہوتا ہے، پڑھ کر تقسیم کرتے ہیں۔ پھر جلہ مشتری چوکے پر رکھ کر پیش سجادہ نشین صاحب لایا جاتا ہے اور اس کو تقسیم کرتے ہیں۔ بعد فراغت اندرون روضہ مقدسہ بابا صاحب آ کر تنہا ہو کر مزار مبارک کا ہاتھ اپنے سے جاروب کرتے ہیں۔ بعد ادائے خدمت جاروب کشی ایک لحظہ بروئے مراقبہ پیش مزار شریف بیٹھ کر روضہ سے باہر آتے ہیں اور تھوڑی دیر مجلس قوالاں جو سامنے روضہ مبارک کے شروع ہوتی ہے اور اس میں اس وقت تمام علماء و فضلاء و خلفاء خاندانوں والے جمع ہوتے ہیں، کھڑے ہو کر بعد نثار نقدی دولت خانہ کو تشریف لے جاتے ہیں۔ اس رسم کو ختم شریف بولا جاتا ہے۔

بارہ روز تک بدستور تمام یہ خرچ ہوتا رہتا ہے اور ابتداء ختم سے فقراء و مساکین و مہمانان جو جمع ہوتے رہتے ہیں، لنگر عام طور پر شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ لنگر میں کبھی پانچ من پختہ آرد و چار دیگ گوشت و دال کبھی دس من گاہ بیس من تا اسی من بلکہ گاہے سو من و پچاس دیگ تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ایام عرس میں جو غلہ مذکور ہے، تمام رسدوں فقراء و مساکین و عالموں فاضلوں پر خرچ ہو جاتا ہے۔

بیان رسوم سماع: جب غرہ محرم الحرام کا دیکھا رات کو روشنی درگاہ پر ایک من پختہ روغن سیاہ خرچ ہوتا ہے اور اس رات کو تبرک نان چوپڑ یازدہ پائی آرد جو کے یعنی پونے تین من پختہ ساتھ جو ساگ کے جو اکثر حال حضرت بابا صاحب نے

Marfat.com

ساتھ طعام کے افطار کیا ہے' پکوا کر تقسیم کرایا جاتا ہے اور دوپہر کے وقت سجادہ نشین صاحب ساتھ تمام صاحبزادگان وشرفاء وخلفاء شہر وفضلاء بیرونجات جمع ہو کر اول سماع خانہ میں مسند پر جو سنگ مرمر کی چات رکھی ہوئی ہے' مصلا بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں اور حافظان آن کر ختم پڑھتے ہیں۔ بعد ختم کے قوالان سماع کرتے ہیں۔ تب سجادہ نشین صاحب بھی عصاء ہاتھ میں پکڑ کر واسطے آداب جو اہل صوفیاء کے مذہب میں سنت بلکہ فریضہ ہے اور اکثر اس موقع پر صوفیاں کو رقص بھی پیدا ہوتا ہے' کھڑے ہو جاتے ہیں اور تمام حاضرین درطرفی دست بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور قوالاں غزلیات تصنیف امیر خسرو صاحب ودیوان حافظ صاحب اور بعضے ہندی زبان جن کو ذکریاں بولتے ہیں' سماع میں گاتے ہیں۔ اول روز شروع سماع میں مبلغ دو روپیہ آٹھ آنہ کی کوڑی بادام صاحب سجادہ ہاتھ اپنے سے کودکاں کو جو اسوقت جمع ہوتے ہیں' نثار فرماتے ہیں اور پانچ صوفی مقرر خادمان درگاہ سے ہوتے ہیں اور تین دفعہ سماع میں معہ قوالاں محاذ روضہ بابا صاحب سماع خانہ میں آتے جاتے ہیں۔ بعد اختتام سماع ہر یک صوفی کو دستار روزمرہ بدھائی جاتی ہے اور ایک روپیہ قوالاں کو روزمرہ سجادہ نشین کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ مردمان مجلس بھی حسب توفیق اس وقت قوالاں کو دیتے ہیں۔ بعد سماع پھر روبروئے سجادہ نشین دو سیر شکر سرخ پر حافظان آ کر ختم کہتے ہیں اور پھر روضہ شریفہ میں وہ شکر تقسیم ہو کر سجادہ نشین معہ ہمراہیاں دولت خانہ کو تشریف لے جاتے ہیں۔ اس رسم کو سماع بولا جاتا ہے۔ چنانچہ چھٹی تاریخ تک ماہ محرم دن کو یہ رسم ہوتی رہتی ہے اور دوسری تاریخ ہائے میں کوڑی بادام دس آنہ کا خرچ ہوتا ہے اور خرچ بدستور بعد اس سماع کے مجلس قوالاں سامنے روضہ حضرت علاؤ الدین صاحب کے کرتے رہتے ہیں' نماز عصر تک۔

بیان احوال دروازہ بہشتی: پانچویں تاریخ محرم کو قریب غروب آفتاب ایک سو دستار بیست بیست ہاتھ موردی یعنی پندرہ گز کی بنائی جاتی ہیں اور ان دستاراں کو دس سیر گلاب عمدہ وسوا سیر کیسر میں بھگو کر رنگین کر کے معتبرین وکاسہ چوبی میں رکھ کر اور سجادہ نشین صاحب بھی نئی پوشاک سفید پہن کر ساتھ تمام صاحبزادگان وشرفاء وخلفاء جاہ وجلال وتجمل سے روانہ درگاہ شریف کو ہوتے ہیں۔ قوال ونقارچی آگے تصنیف امیر خسرو صاحب کی گاتے بجاتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ دروازہ شرقی سے داخل روضہ مقدسہ میں ہو کر تمام دستار ہائے رنگین مزار مبارک بابا صاحب پر رکھ کر سجادہ نشین سینہ سے مس کر کے اور دعا فاتحہ خیر کہہ کر پہلے سالم دستار صاحب سجادہ اپنے سر پر باندھتا ہے۔ بعد اس کے پرزہ ہائے دستار حسب رتبہ مردم برادری صاحبزادگان وشرفاء وخلفاء ہمراہی کو تبرکاً تقسیم کرتے ہیں۔ ان دستاروں خورد کو نام بیچہ سے بولتے ہیں۔ پھر دروازہ شرقی سے باہر آ کر دروازہ بہشتی پر تمام جمع ہوتے ہیں۔ بعد اس کے سجادہ نشین صاحب بسم اللہ کہہ کر کنجی کو پکڑتے ہیں اور دعا فاتحہ خیر فرما کر کلید کو قفل میں ڈالتے ہیں۔ چنانچہ قدرت الٰہی سے فوراً قفل جھولی میں خادم کے آپڑتا ہے۔ پھر ہاتھ مبارک سے صاحب سجادہ دروازہ کھول کر بسم اللہ کر کے پہلے آپ داخل ہوتے ہیں پھر تمام مخلوق اور دروازہ شرقی سے باہر آنے کے وقت جو بدیع الدین شاہ مدار صاحب کے ارواح کا ختم دلایا ہوتا ہے' تقسیم ہو کر پیالی ہائے خادم بھر کر پلاتے ہیں۔ پھر حجرہ ہائے خورد جو جانب جنوب واقعہ ہے' اس جگہ فرش ہوا ہوتا ہے' نشست فرماتے ہیں اور قریب دو گھنٹہ کے اس جگہ پرزہ ہائے دستار یعنی بیچہ وشیرینی مبلغ دو روپیہ آٹھ آنہ کی جو ختم دلایا جاتا ہے' تقسیم فرماتے ہیں۔ واسطے روشنی اس رات کے جو تمام درگاہ اور بیرونجات سڑکہائے پر روشنی ہوتی ہے روغن سیاہ سات من پختہ اور چار سو پیالہ۔ تین من پختہ پیوہ۔ دس

Marfat.com

روپیہ خرچ مردوزن کی مزدوری پر ہوتا ہے اور سرکار کی طرف سے بہت مردمان پولیس معہ افسران واسطے انتظام حفاظت مردمان کے تمام رات موجود رہتے ہیں۔ القصہ بعد تقسیم شیرینی دعاء خیر سجادہ نشین فرما کر ساتھ اسی جاہ وتجمل کے معہ صاحبزادگان وشرفاء قوالاں ولواحقان تمام آہستہ آہستہ نثار نقدی فرماتے جاتے ہیں' تا بدروازہ دولت خانہ خاص پر پہنچ کر ایثار نقدی ہر یک حقداران وغرباء ومساکین پر فرما کر بعد دعا فاتحہ خیر ہمراہیان کو رخصت فرما کر داخل محل سرا خاص میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسرات نقد بقدر چالیس روپیہ کے لواحقان ومساکین پر خرچ ہوتا ہے اور تمام رات دروازہ بہشتی واسطے داخلے مردم زیارتی کے کھلا رہتا ہے۔ وقت صبح بند ہو جاتا ہے۔ پھر ساتویں تاریخ دیدہ پھر رات گذشتہ کو صاحب سجادہ معہ صاحبزادگان وشرفاء درگاہ میں جا کر اندرون روضہ مقدسہ کے بذاتہ ختم پڑھ کر پندرہ چادر پارچہ لمدار چھ گز کی چادر حافظاں ومساکین آستانہ متبرکہ کو تقسیم کرتے ہیں۔ پھر روضہ سے باہر آ کر محاذ دروازہ بہشتی رسم سماع قوالاں جیسا کہ دن کو ہوا کرتا ہے' ہوتا ہے لیکن اس رات کو بھی دو روپیہ آٹھ آنہ کے کوڑی بادام لڑکیوں پر جو اس وقت موجود ہوتی ہیں' سجادہ نشین ہاتھ مبارک اپنے سے نثار فرماتے ہیں اور اکثر بعضے مردم صاحب اعتقاد وہ کوڑی بادام لڑکیوں سے خرید کر کے اپنے بچوں کے گلے میں ڈالتے ہیں۔

القصہ بعد سماع کے ختم شریف حافظان آن کر تبرک بنام قرص کہ مثل نان خورد کے دو من گندم سے پکوائے جاتے ہیں' پڑھتے ہیں۔ بعد ختم کے سجادہ نشین صاحب دعا فاتحہ خیر فرما کر ہاتھ مبارک سے دروازہ کھول کر داخل ہوتے ہیں اور دروازہ شرقی سے برآمد ہو کر حجرے خورد متصلہ روضہ مقدسہ پر نشست فرماتے ہیں اور وہ تبرک قرص مذکور عام طور تقسیم فرماتے ہیں۔ بعد دو تین ساعت تشریف فرما دولتخانہ کو ہو کر در دولت پر مثل شب گذشتہ ایثار نقدی و دعاء خیر وترخیص ہمراہیان متوجہ اندرون محل خاص کے ہوتے ہیں۔ بعد صبح کے دروازہ بند کیا جاتا ہے۔ پھر سال بھر تک بند رہتا ہے۔ اس رات کو اہل اسلام شعرسن بولتے ہیں اور اہل ہنود شکرلوت کی رات بولتے ہیں۔ اس رات کو روغن سیاہ وقند سیاہ اہل اسلام درگاہ میں جا کر دیتے ہیں واہل ہنود خاص کر اقوام دہنوں وتھتی وسہتی دوج وہانڈہ وغیرہ دیگر قوم ہا باشندہ شہر وگردنواح شکر سرخ آدمی چہ خورد وچہ بزرگ مرد عورت پانچ سر ساہی درگاہ میں عام طور تقسیم کرتے ہیں۔ بلکہ مثل باراں کے بساتے ہیں جس واسطے شکرلوٹ کی رات مشہور ہے اور اندرون محل سرائے میں سجادہ نشین صاحب توالیان وغرباء عورات کو بقدر چار روپیہ حسب رتبہ کم وبیش تمام کو دیا جاتا ہے۔ اور اس رات کو ایک سیر شکرتری۔ شکر پانچ آثار۔ چاول تین آثار۔ روغن زرد سواسیر۔ قند سواسیر۔ یہ طعام تیار کرا کر تمام خانہائے قبائل میں تبرک بعد ختم کر کے بھیجا جاتا ہے اور صبح کو ساتویں تاریخ مبلغ سات روپیہ حافظان جو ختم پڑھنے والے ہیں' اللہ عطا ہوتے ہیں۔

بیان روز عاشورہ: پھر بروز عاشورہ تمام روضہ مقدسہ بابا صاحب کو خود بذاتہ سجادہ نشین صاحب وتمام صاحبزادگان مشک پانی کے کاندھے پر اٹھا کر غسل دیا جاتا ہے۔ بعد غسل کے سوا روپیہ ماشکیوں کو معہ پوشاک سجادہ نشین عطا فرماتے ہیں۔ صندل عمدہ پانچ سیر۔ گلاب قسم اول بیست سیر۔ مشک خالص ایک تولہ۔ عطر عمدہ دس تولہ۔ صبح کو سولہ آدمی صندل رگڑنے کو شروع ہوتے ہیں جو ظہر تک وہ کنالوں میں رگڑ لیتے ہیں اور مزدوری ان کی ایک من پختہ آرد۔ پانچ سیر روغن زرد۔ سولہ سیر قند شیرینی سوا روپیہ بطور رسد کے دیا جاتا ہے۔ بوقت شام سجادہ نشین صاحب معہ ہمراہیان وہ صندل اور

Marfat.com

باقی تمام خوشبویات طشت ہائے میں ڈال کر اور درگاہ میں آن کر پہلے مزار مقدسہ باباصاحب میں پر کردیتے ہیں' پھر تمام روضہ مقدسہ پر اندر باہر چھڑکا جاتا ہے' پھر تمام آستانہ متبرکہ کی مزارات پر چھڑکتے ہیں۔ بعد فراغت شیرینی سوا روپیہ پر ختم دلا کر تقسیم ہوتی ہے پھر دروازہ شرقی کو قفل لگایا جاتا ہے۔ سوائے خادم کے بوقت چراغ و خدمات کے اندر کوئی نہیں جاتا۔ جب وہ تمام خوشبوہائے اندروں روضہ شریفہ سے خشک ہو جاتے ہیں تو یہ عمل ہوتا ہے۔

بیان پوشاک: ایک تھان سفید واسطے پارچہ ہائے غلاف مزار شریفہ' دوسرا تھان جہت غلافہائے تختہ دروازہ و پردہ ہائے منگوا کر درزی کو دے کر سماع خانہ میں طیار ہوتے ہیں۔ بروز جمعہ بعد جمعہ کے سجادہ نشین صاحب ہاتھ اپنے سے وہ پوشاک مزار ہائے و تختہ ہائے کو پہنا کر عطر قسم عمدہ بقدر چار تولہ لگایا جاتا ہے اور مزدوری درزیوں کو سوا روپیہ عطا ہوتا ہے۔ خزانہ درگاہ سے اور شیرینی سوا روپیہ پر ختم دلا کر اس وقت تقسیم کرتے ہیں اور جو روزمرہ خرچ مہمانوں کا ہوتا ہے اس کا کچھ انداز نہیں جو کبھی زیادہ کبھی کم' لیکن دو من غلہ گندم و نخود آسیان سوا من پختہ یومیہ سے کم نہیں ہوتا اور خرچ کے سوا اور جو عرس سجادہ نشین صاحبان گذشتہ و بزرگان سلف خواجگان چشت تا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے روز ہائے وفات میں خرچ ہوتا ہے' اس کا کچھ شمار نہیں جو ہر یک عرس کے ختم پر دو سو روپیہ یا تین سو یا کم و بیش خرچ ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ سلامت رکھے اس سجادہ نشین صاحب کو کہ بڑے اشتیاق دلی سے تمام صاحبان کے ختم دلاتے ہیں اور خرچ بھی آگے سے بہت زیادہ کر دیا ہے۔ رسومات وغیرہ کا اور جو کچھ نقد و جنس و پارچات تفصیل میں پیچھے مرقوم ہوا تھا' یہ تمام روز ہائے عرس باباصاحب بیچ لنگر اور رسومات کے خرچ ہوتا ہے۔ یہ تمام تشریح اخراجات و رسوم عرس مبارک خدمت صاحب سجادہ نشین حضرت دیوان صاحب و معتبران حضور سے اور دفتر سرکاری جس پر یہ تشریح مرقوم تھی' ساتھ کمال صحبت کے بندہ احقر العباد مصنف نے دریافت کر کے سامنے سجادہ نشین صاحب کتاب ہذا میں' درج کیا' کو مطالعہ کرنے والوں صاحبان اہل اسلام کو معلوم ہو جو اس قدر نقد و جنس للہ خرچ واسطے مہمانان و غربا و مساکین جو بڑے بڑے عالم فاضل و درویش صاحب تصرف خاندانوں مکانوں والے جمع ہوتے ہیں' سجادہ نشین صاحب کی طرف سے درگاہ باباصاحب میں خرچ ہوتا ہے اور تمام شہر کی مخلوق اور دکانداروں کو کئی طرح کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور یہ رسومات میلہ باباصاحب حضرت محبوب الٰہی کی مقرر کی ہوئی ہیں۔ چنانچہ قبل مرقوم ہو چکا ہے تین مرتبہ محبوب الٰہی صاحب حیات باباصاحب پاک پٹن شریف مین آئے ہیں اور تمام فیض حاصل کیا اور سات مرتبہ بعد ممات کے آن کر مرمت روضہ شریف و مقرر رسومات عرس و بنا لنگر خانہ و مسجد و حجرہ ہائے درویشاں انہوں نے طیار کرائے تھے۔ اب حضرت دیوان صاحب نے از سر نو بہت مکانات اور کچھ خواجہ اللہ بخش تونسوی نے طیار کرائے ہیں اور اب بھی طیاری و مرمت شروع ہے اور اکثر حال جناب محبوب الٰہی صاحب جس جگہ برج نظامیہ ہے' خلوت میں رہتے تھے اور جس جگہ صابریہ حجرہ ہے' مخدوم علی احمد صاحب رہتے تھے اور خواجہ جمال الدین ہانسوی صاحب شرقی برج جس جگہ تھا' رہتے تھے اور حضرت مولانا بدرالدین اسحٰق صاحب سامنے روضہ مبارک کے رہتے تھے' ہر وقت حضور میں۔ چنانچہ حیات میں بھی حضور ہے اور بعد وفات کے بھی' جو درمیان شہر کے روضہ مقدسہ ان کا ہوا۔

Marfat.com

باب یازدہم

دربیان احوال سجادہ نشینان وآسامی اولاد و مدت خلافت ایشان

اول صاحب سجادہ حضرت مخدوم بدرالدین صاحبزادہ حضرت بابا صاحب جو بعد انتقال حضرت کے سجادہ و مسجد پر جلوس فرمایا۔ مدت پنج سال مسند کا حق کما حقہٗ ادا کیا۔ سال ششصد وشست ونہ ہجری میں چہارم شعبان المعظم وفات پائی اور مزار شریف پہلوے حضرت بابا صاحب کے میان روضہ مقدسہ کی ہوئی۔ بوقت رحلت فرزند کلاں اپنے حضرت شاہ علاؤالدین صاحب خدمت سجادہ بابا صاحب کی ارشاد فرمائی۔ دوم صاحب سجادہ حضرت دیوان مخدوم علاؤالدین لقب موج دریا مشرف سجادہ باپ دادا کی ہو کر حق سجادگی کا ایسا ادا کیا جو کبھی سوا مسجد کے مصلا سے نہ اٹھتے تھے۔ بڑے صاحب عظمت و اولیاء زمانہ تھے اور بہت خلفاء ان کے فیض یاب ہوئے ہیں اور تراشا بھی انہوں نے دروازہ بہشتی پر لیا ہے اور دستار اس جگہ باندھی ہے۔ نقل ہے حضرت علاؤالدین صاحب سولہ برس کے تھے جب مسند پر بیٹھے اور پنجاہ و چار سال قائم رہے۔ صائم الدہر و قائم الیل تھے۔ مردمان ان کو فرید ثانی کہتے تھے جیسا قصیدہ امیر خسرو صاحب نے تعریف ان کی میں انشاء کیا ہے:

بیت

علائی دنیا و دین شیخ شیخ زادہ عصر   کہ شد بمرتبہ قائم مقام شاہ فرید

نقل ہے سید محمد کرمانی کتاب میں مرقوم کرتے ہیں کہ حضرت علاؤالدین اور ہم نے شیر مادر میری کا پیا ہے اور ایک روز ہم دونوں کھیلتے ہوئے نزدیک کہت جس پر حضرت بابا صاحب بیٹھے تھے، چلے گئے۔ بابا صاحب اس وقت پان کھا رہے تھے۔ حضرت راہ شفقت سے پان دہن مبارک سے نکال کر دہن علاؤالدین اور میرے میں ڈال دیا۔ برکت ان کے پان سے بندہ کو ظاہری باطنی علم حاصل ہوا اور حضرت علاؤالدین کو شرف سجادہ حاصل ہوا۔ اور ایک دن حضرت بابا صاحب وضو کرنے کو طیار ہوئے اور دستار مبارک اتار کر مصلا پر رکھ دی۔ پس پشت سے علاؤالدین صاحب نے آن کر وہ دستار سر پر رکھ لی۔ تب عیسیٰ نام خادم جو سامنے وضو کرا رہا تھا، منع کیا اے صاحبزادہ! بے ادبی نہ کرو۔ حضرت پس دیکھ کر فرمایا اور تبسم کیا کہ منع نہ کر لائق ہے اور یہ دستار اس کو اور اولاد اس کی کو پہنچے گی اور نعمت قالب میرے کی بھی اس کو سرایت کرے گی۔ برکت نفس حضرت سے بڑے صاحب اتقیا و پرہیزگاری کی تھی کہ دن کو طعام کھاتے کسی نے نہیں دیکھا بجز روز عیدین و ایام تشریق کے۔ اگر کوئی واسطے ارادت کے آتا تو حوالہ روضہ بابا صاحب کے کرتے اور دروازہ بہشتی پر کلاہ پہناتے۔ بیعت ان کی ساتھ والد اپنے کے تھی لیکن تمام فیض روح پاک جد اپنی سے حاصل ہوا ہے۔

نقل ہے ایک روز تجلیات سے اسرار حضرت علاؤالدین صاحب پر وارد ہوا۔ اس وقت جو شخص خدمت میں ان کی طالب دینی یا دنیاوی حاضر ہوا تمام کو فیض عطا ہوا کہ غرباء و فقراء کو غنی کر دیا۔ میان آدمیاں کے اس روز مشہور ہوا کہ علاؤالدین موج دریا ہے اس روز سے یہ لقب مشہور ہوا ہے۔

نقل ہے ایک مرتبہ جناب شاہ رکن عالم صاحب پوتے جناب بہاؤالحق صاحب کے دہلی سے واپس ہو کر پاک پٹن میں تشریف لائے۔ بعد زیارت روضہ بابا صاحب حضرت علاؤالدین صاحب کے ساتھ ملاقات کی چنانچہ بغل گیر ہو کر دو صاحبان ملے اور بیٹھے شاہ رکن عالم صاحب نے فرمایا بھائی صاحب! آپ کو خدا تعالیٰ نے درجہ استقامت کا عنایت کیا

Marfat.com

ہے جو اور کسی کو کم حاصل ہوگا۔ جب شاہ رکن عالم صاحب نے غسل اور لباس و مصلا کو دھوڈالا بعضے مرد مان نے حضرت شاہ رکن عالم صاحب کی خدمت میں اظہار کیا۔ آپ کمال اتحاد سے ملاقات کو آئے۔ انہوں نے ایسا کیا حضرت شاہ رکن عالم صاحب نے فرمایا قدر مولانا علاؤالدین صاحب کا تم کیا جانتے ہو۔ ان کے درجہ استقامت کا حاصل ہے اور ہم اکثر علایق دنیاوی کے ساتھ ہیں۔ ان کو شایاں تھا ایسا کرنا۔ ہیبت و دہشت علاؤالدین صاحب کی ایسی تھی جو کوئی شخص بدون حکم حرم شریف میں آنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

نقل ہے صوبہ شاہی ایک دفعہ حاکم تعین کیا جو تمام خانوادہ ہائے دریا سے مال لو۔ حاکم مذکور تمام جگہ سے مال لے کر پاک پٹن میں پہنچا اور حضرت کے پاس ملازموں کو واسطے مال لینے کے بھیجا۔ حضرت نے فرمایا وہ مال تمام جو جمع کیا ہے مجھ کو لاکر دکھلاؤ۔ بعد اس کے ہم بھی دے دیں گے۔ یہ بات انہوں نے حاکم کے پاس بیان کی۔ اس نے کہا لے جا کر دکھلاؤ کہ ان کو اطمینان حاصل ہو جو تمام جگہ سے مال حاصل کیا ہے۔ اس وقت حضرت نے تمام فقراء و مساکین شہر وغیرہ کو بلالیا تھا۔ جب ملازموں نے مال لاکر پیش کیا حضرت نے تمام مخلوق کو حکم دیا کہ لوٹ لو۔ حسب الحکم حضرت کے تمام مال لوٹا گیا اور آپ نے فرمایا مال فقیروں کے کام آیا۔ یہ خبر حاکم سن کر مع سپاہ سامنے حضرت کے آیا۔ حضرت نے آستین پیراہن اپنے کی جھاڑ دی۔ دو شیر نکل آئے اور گرجنا شروع کیا اور چاہا کہ حاکم کو مار دیں۔ بعد اس معائنہ کے تمام سپاہی بھاگ گئے اور حاکم تائب ہو کر مرید ہوا اور حضرت نے شیروں کو فرمایا چلے جاؤ۔ تب وہ بصورت گربہ ہو کر جنگل کو روانہ ہوئے۔

نقل ہے سلطان غیاث الدین محمد تغلق جو اول نام ملک غازی تھا۔ بسبب حوادث روزگار بحال زار و پریشان آکر پاک پٹن میں قیام کیا اور واسطے گذر اوقات کے لکڑی جنگل سے لاکر فروخت کر کے قوت اپنا کرتا ایک روز لشکر شاہی آگیا۔ جس جگہ گھاہ و لکڑی دیکھتے پکڑ لیتے۔ جب ملک غازی پشتارہ ہیزم کا جنگل سے لایا تو دل میں خیال کیا کہ اگر شاہی لشکر کے ہاتھ آیا تو مفت جائے گا۔ لازم ہے کہ آج یہ پشتارہ ہیزم لنگر درویشاں درگاہ علاؤالدین صاحب میں ڈال دیں۔ پشتارہ نے لنگر خانہ میں لاکر ڈال دیا اور حضرت کا خاصہ تھا کہ بدون قیمت کے کوئی چیز کسی کے لنگر میں نہ ڈالتے۔ حضرت علاؤالدین صاحب نے فرمایا اس کی قیمت بیان کر۔ ملک غازی نے عرض کیا جو کچھ حضور سے عطا ہو غنیمت ہے۔ جب دو تین مرتبہ حضرت نے واسطے قیمت کے تکرار کیا تب ملک غازی نے زبان عجز سے عرض کی یا مخدوم! قیمت اس پشتارہ ہیزم کچھ سلطنت دہلی کی ہے جو کچھ حضرت نے دینا ہے دے دیویں۔ نہیں تو لنگر سے قُوت اپنا کھالوں گا۔ یہ کلام عجز آمیز ملک غازی سے سن کر حضرت نے فرمایا سلطنت دہلی کچھ عجیب چیز ہے۔ انشاءاللہ العزیز قدرت کاملہ جناب ایزدی سے سلطنت دہلی تمہارے نصیب میں ہوگی۔ دہلی کو جا۔ حسب الحکم ملک غازی ساتھ اسی فوج کے روانہ ہوا اور منظور و مقبول حاکم فوج کا ہوا۔ جب دیپالپور میں پہنچے حاکم دیپالپور کو صوبہ نے موقوف کر کے ملک غازی کو مقرر کیا۔ بعد چند عرصہ کے تخت دہلی پر جلوس فرما ہوا اور غیاث الدین محمد تغلق خطاب پایا۔ بعد اس کے زیارت حضرت علاؤالدین صاحب کے واسطے تیار ہو کر پاک پٹن کو روانہ ہوا اور ایک تسبیح بیش قیمت کہ ایک دانہ اس کا خراج مملکت نہ تھا' واسطے نذر ہمراہ لاکر مع دیگر نقد جنس و پارچات پیش کر کے قدم بوسی حاصل کی سلطان جب لشکر میں گیا' حضرت نے وہ تمام نقد وغیرہ درویشوں مسکینوں کو تقسیم کر دیا

Marfat.com

جیسا حضور کا طریقہ تھا۔ بعد تمام کے ایک عورت ضعیفہ مسکین آ گئی اور سوال کیا جب حضرت کے پاس اور کچھ موجود نہ تھا' وہی تسبیح منگا کر اس کو دے دی۔ عورت بازار میں فروخت کرنے کے واسطے لے گئی۔ مردمان نے بادشاہ کو خبر دی وہ تسبیح جو آپ نے نذر گذرانی ہے وہ ایک عورت بازار میں فروخت کر رہی ہے۔ بادشاہ نے ملازم کے ہاتھ چند ہزار روپیہ بھیج کر منگوائی اور خدمت حضرت میں کہلا بھیجا کہ اگر وہ تسبیح دے دو تو قیمت اس کی ہم واسطے خرچ درویشاں کے کچھ نقدی بھیج دیں گے۔ ملازم مذکور نے آن کر خدمت حضرت میں عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا سلطان کو کہو آپ آن کر لے جائے۔ جب سلطان خدمت میں آیا حضرت نے فرمایا اس حجرہ سے جا کر اپنی تسبیح لے لے۔ جب حجرہ میں گیا اور دیکھا تو ہزار ہائے تسبیح اس سے بیش قیمت ساتھ میخہائے چار دیواری کے کھڑی ہیں۔ سلطان اس معاملہ سے شرمسار ہو کر تائب ہوا اور التماس بیعت کی کی۔ چنانچہ حضرت نے بعد الحاح بسیار کے پائیں روضہ حضرت باباصاحب بیعت کی اور بہت خدمت و ریاضت سے ایک پرہیزگاران خدا تعالیٰ سے ہوا۔ چند مدت خدمت میں رہ کر عرض کی کہ مجھ سے بہت خطا اور ظلم صادر ہوا ہے۔ اس عمر میں اب کوئی مخلصی کی حضور تدبیر فرمائیں۔ حضرت نے ایک رومال اپنا اس کو عطا فرمایا اور کہا کہ بعد نماز صبح یہ رومال منہ پر پھیر کر تخت پر اجلاس کرنا جو بعضے سر مخفی تم کو معائنہ ہوں گے۔ ظلم و تعدی تم سے ظہور میں نہ ہو گی۔ وصیت و تربیت ہائے حاصل کر کے روانہ دہلی ہوا۔

نقل ہے ایک دن سلطان غیاث الدین محمد تغلق وہ رومال مبارک چشم پر پھیر کر تخت پر اجلاس فرما ہوا۔ دیکھا کہ ایک لڑکا جوان ایک عورت پر فریفتہ تھا۔ قضاء الٰہی سے وہ عورت معشوقہ اس کی مر گئی۔ جب اس کو دفن کر کے آ گئے اس شخص نے قبر کو شگاف کر کے ساتھ اس مردہ کے بدی پر مستعد ہونا چاہا تو اس مردہ نے ہاتھ اپنا اندام نہانی پر رکھ دیا چنانچہ اس شخص نے ہاتھ کاٹ دیا۔ پھر دوسرا ہاتھ رکھا وہ بھی کاٹ دیا۔ یہ معاملہ سلطان کو قدرت الٰہی سے معائنہ ہوا۔ فوراً چند ملازموں کو حکم دیا کہ فلانے قبرستان میں جا کر فلانے آدمی کو گرفتار کر کے لاؤ۔ حسب الحکم ملازم جب گئے جس طرح سے سلطان نے کہا تھا ویسا ہی دیکھا اور گرفتار کر کے لائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دونوں ہاتھ اس کے کاٹ ڈالو۔ حسب الارشاد ایسا ہوا کہ مادر اس جوان کی آن کر واویلا و فریاد کی کہ لڑکے میرے کے ناحق ہاتھ کاٹ دیئے۔ سلطان نے فرمایا ملازمان و لڑکے اپنے سے قسمیہ حال دریافت کر میں نے ظلم کیا یا عدل۔ جب اس نے دریافت کیا قصوروار لڑکے اپنے کو پایا۔ اس روز سے سلطان کا نام عادل مشہور ہوا۔

نقل ہے ایک دن سلطان محمد تغلق نے خدمت میں حضرت جناب علاؤ الدین صاحب کی عرض کی اگر حکم ہو خواہش میرے دل میں ہے کہ ایک گنبد طیار کراؤں۔ حضرت نے فرمایا جب ہمارے جیسا کسی کی مرضی ہو کرنا۔ بعضے روایات میں ہے کہ حیات حضرت میں یہ گنبد طیار ہوا ہے اور ایک مسجد شہر میں سلطان نے بنائی جو اب تک بنام تغلق بادشاہ کے وہ مسجد مشہور ہے۔

نقل ہے بعد حضرت علاؤ الدین صاحب سلطان محمد تغلق نے دو امیر اپنے' ایک کا نام بشارت خاں دوسرے کا نام مقبول خاں' واسطے مرمت روضہ کے مستعد کیے۔ حسب الحکم بادشاہ مزار شریف حضرت علاؤ الدین صاحب پر ایسا گنبد عالی طیار کرایا جو ہر خشت ہائے و چوب پر آیات کلام الٰہی کی مرقوم ہے اور نہایت عمدہ عمارت سے بنا ہوا ہے۔ بعد طیاری

Marfat.com

روضہ امیران مذکور نے واسطے آبادی پانی نالہ دریا سے کھدوا کر زیر پاک پٹن جس کا نام اب تک (بشارت) ہے اور مقبول خاں نے شہر قبولہ بنا کیا جو پاک پٹن سے مفاصلہ پندرہ کوس پر واقعہ ہے۔

نقل ہے حضرت علاؤ الدین صاحب کے دو فرزند تولد ہوئے۔ اول حضرت دیوان معزالدین صاحب۔ دوم مخدوم حضرت علم الدین صاحب۔ جو مزار ان کی اور اولاد ملک گجرات پیران پٹن میں ہے۔ جو سلطان محمد تغلق نے بصد الحاح شیخ الاسلام ولایت ہند کا کر کے اس جگہ جاگیر علاقہ پیران پتن کا تحویل ان کے کر دیا تھا اور حضرت علاؤ الدین صاحب بوقت انتقال خدمت سجادہ حضرت بابا صاحب کی حضرت شیخ معزالدین صاحب کو سپرد کی۔

نقل ہے کہ وفات حضرت علاؤ الدین غرہ ماہ شوال ۷۲۳ ہفتصد بیست و سہ واقعہ ہوئے۔ مدت خلافت پنجاہ و چار سال ہے۔ کشف کرامات حضرت کی بہت ہیں۔

سوم سجادہ نشین دیوان معزالدین صاحب بن حضرت علاؤ الدین بن بابا صاحب سولہ برس مسند پر رہے۔ نہایت کمال و صاحب حال و وجد کے تھے کہ ہر وقت سماع میں رہتے۔ کشف و کرامات ان کی بہت ہیں اور سیاحی کا بہت شوق تھا۔ کبھی اجمیر شریف اور کبھی دہلی شریف و کبھی حرمین شریفین کو چلے جاتے۔ اس وقت سلطان محمد تغلق نے جاگیر ہشتاد ہزار روپیہ کے واسطے اخراجات لنگر کے مقرر کی۔ چونکہ حضرت ہر وقت سیر کو چلے جاتے تھے، بیٹے حضرت کے خواجہ دیوان محمد فضیل صاحب جو قائم مقام باپ کے تھے، خدمت آستانہ متبرکہ جد پاک کی وہ کرتے رہتے۔

نقل ہے ایک مرتبہ حضرت دیوان معزالدین صاحب واسطے ملاقات بھائی اپنے کے ملک گجرات میں گئے۔ اس جگہ قضا الٰہی سے فساد کافروں کے برپا ہوا۔ اس مفسدہ میں حضرت نے شہادت سیزدہم ماہ محرم سال ہفت صد چہل و نہ (۷۴۹) میں پائی اور شہید اکبر ہوئے۔ مزار شریف ملک گجرات میں ہے اور نعش مبارک اس جگہ سے لا کر متصل مزار اپنے کے دفن ہوئے۔ حضرت کے دو فرزند تھے اول حضرت دیوان محمد فضیل صاحب۔ دوم حضرت مخدوم شیخ صدرالدین صاحب چہارم صاحب سجادہ دیوان محمد فضیل جو حین حیات والد میں مسند پر بیٹھے۔ صاحب کشف کرامات علم و حلم کے تھے اور نظر کیمیا ایسی تھی جو شخص مجلس حضرت میں وعظ یا سماع میں داخل ہوتا فوراً خواہش ہائے دنیاوی سے تارک ہو جاتا۔ بوقت آخیر خدمت جانشینی مسجد بابا صاحب کی پسر اپنے دیوان منور شاہ کے سپرد کی اور سال ہفتصد و پنجاہ و شش میں وفات پائی اور اندرون گنبد کلاں متصل والد اپنے کے مزار ہوئی۔ بتاریخ بیست و نہم رجب رحلت فرما ہوئے اور سترہ سال مسند نشین رہے۔ اور حضرت کے دو فرزند تھے اول دیوان منور شاہ۔ دوم خواجہ سعد الدین لقب شمس الدین دریائی۔ پنجم صاحب سجادہ دیوان منور شاہ پنجاہ سال مسند پر رہے۔ صاحب فضیلت و ریاضت کے تھے اور نظر ان کی اکسیر اعظم تھی۔ بوقت رحلت خدمت جاء نشینی بابا صاحب فرزند اپنے دیوان شیخ نورالدین صاحب کو عطا کی۔ بتاریخ سیوم ماہ صفر سال ہشتصد و شش میں وصال پایا و مزار شریف متصل والد اندرون گنبد عالی کے ہوئی۔ پانچ فرزند تھے۔ اول حضرت دیوان نورالدین صاحب۔ دوم حضرت دیوان بہاؤ الدین صاحب۔ سوم شیخ خوجو۔ چہارم خواجہ محمد الدین۔ پنجم خواجہ ابراہیم۔ ششم صاحب سجادہ دیوان نورالدین صاحب صاحب حال و قال تھے اور حق سجادہ بابا صاحب کا اٹھارہ سال کما حقہ ادا کیا۔ سال ہشت صد بیست و چہار بیست و ہفتم ماہ رمضان المبارک انتقال کیا اور بوقت رحلت خدمت سجادہ بابا صاحب و خلافت پیران و عظام برادر خورد اپنے، دیوان

Marfat.com

بہاؤالدین صاحب کو سپرد کی۔ اولاد نہ رکھتے تھے۔ لاولد تھے۔ مزار شریف پائیں مزار حضرت علاؤالدین صاحب سطر دوم میں ہوئی۔ ہفتم صاحب سجادہ دیوان بہاؤالدین صاحب بھائی دیوان نورالدین صاحب کے تھے صاحب علم وحلم و وجد کے تھے۔ اٹھارہ سال حق سجادگی کا ایسا ادا کیا جیسا کہ حق ہوتا ہے۔ لحظہ ولحہ یاد الٰہی سے غافل نہ رہتے تھے۔ اٹھارہ سال مسند پر بیٹھ کر سال ہشتصد چہل دو د میں ہفتم رجب المرجب میں انتقال فرما ہوئے۔ مزار شریف متصل بھائی اپنے کے ہوئے۔ ایک فرزند رکھتے حضرت دیوان یونس بوقت رحلت خرقہ خلافت وسجادگی فرزند اپنے کو عطا فرمائی۔ ہشتم صاحب سجادہ دیوان حضرت یونس صاحب بڑے فیاض صاحب کرامت وعظمت کے تھے۔ چودہ سال سجادہ باپ دادا پر جلوس فرما ہو کر سال ہشت صد و پنجاہ وشش میں ہفتد ہم ربیع الاول وصال ہوا۔ مزار شریف متصل والد کے ہوئے گنبد میں۔ دو فرزند تھے۔ اول دیوان احمد شاہ۔ دوم خواجہ نعمت اللہ تھم۔ صاحب سجادہ دیوان احمد شاہ صاحب کشف وسخا کے تھے کہ بوقت عشاء جو کچھ حرم میں غلہ و پارچہ ونقد ضروریات سوائے ہوتا' للہ تصرف کر دیتے تب نماز ادا کرتے تھے بلکہ آب بھی کوزہ ہائے سے خالی کر دیتے۔ بوقت رحلت خدمت سجادہ بابا صاحب وخرقہ خلافت باشارت پیران عظام پسر اپنے دیوان مخدوم عطاء اللہ صاحب کو مرحمت فرمائی۔ بتاریخ ہشتم ذیقعد سال ہشتصد ہفتاد وہفت میں وفات پائی۔ مزار شریف گنبد عالی میں والد بزرگوار کے پہلو میں ہوئی۔ مدت خلافت بیست و دو سال ہے۔ چار فرزند تھے۔ اول دیوان پیر عطاء اللہ۔ دوم خواجہ برہان الدین۔ سیوم خواجہ عزیز اللہ۔ چہارم مخدوم بہاؤالدین۔ دہم صاحب سجادہ دیوان پیر عطاء اللہ سترہ سال مسند پر رہے۔ کمال زمانہ تھے اور صاحب ریاضت۔ ہفتم جمادی الاول سال ہشت صد و نود و پنجم میں رحلت فرما ہوئے۔ مزار شریف سطر سوم جانب چار دیواری مزار ہائے مستورات کے ہوئی۔ دو فرزند۔ اول دیوان شیخ محمد دوم مخدوم قطب الدین تھے۔ یازدہم صاحب سجادہ دیوان شیخ محمد صاحب جو کمال زمانہ وصاحب صفائی تھے۔ جو شخص روبرو آتا ضمیر اس کی سے آگاہ کر دیتے۔

نقل ہے ایک دن دیوان شیخ محمد صاحب محاذ روضہ منورہ بابا صاحب کے بیٹھے تھے۔ بابر بادشاہ ساتھ دو امیروں کے لباس قلندرانہ پہنا ہوا آ گئے۔ بعد فراغت زیارت روضہ مبارک سے ملاقات سجادہ نشین صاحب کے حاصل کی۔ حضرت دیوان شیخ محمد صاحب نے طعام منگا کر پیش کیا اور ہمراہ ان کے کھانا شروع کیا اور زبان مبارک سے فرمایا سبحان اللہ! مشہور ہے کہ دو بادشاہ ولایت میں نہیں سماتے اور دس فقیر ایک گلیم میں سما جاتے ہیں۔ اس وقت بادشاہ سفرہ درویشاں میں حاضر ہے اور درویشاں کے ساتھ کھانا کھا رہا ہے۔ بادشاہ مذکور نے آداب بجالا کر قدمبوسی کی اور عرض کیا کہ ہاتھ باغیاں سے جلاوطن ہو کر آیا ہوں۔ اس بھید سے دوسرا کوئی واقف نہیں۔ حضور دعا فرمائیں۔ حال زار میرے پر حضرت نے فرمایا۔ برد بادشاہی ہندوستان تم کو اور اولاد تمہاری کو مبارک ہو۔ بعضے لکھتے ہیں کہ حضرت نے اس وقت کو ایک چادر پارچہ بچھا کر اوپر بٹھلایا اور فرمایا کہ یہ تخت ہندوستان کا تم کو سلامت رہے گا۔ سلطان مذکور نے ساتھ حضرت کے شرف ارادت حاصل کیا۔ چند روز خدمت میں رہ کر معاد ہوا۔ برکت فرمان حضرت سے چند پشت سلطنت خاندان ان کے میں رہی۔ بوقت وصال خرقہ خلافت وخدمت درگاہ بابا صاحب پسر اپنے دیوان ابراہیم صاحب کو سپرد کی۔ چہارم ماہ شوال سال نہ صد و ہفت صدہ میں وصال پایا اور گنبد کلاں میں سطر سیوم متصل والد اپنے کے ہوئے۔ سہ فرزند تھے۔ اول حضرت دیوان ابراہیم صاحب۔ دوم شیخ جلیل۔ سیوم شیخ جلال۔ دوازدہم صاحب سجادہ دیوان ابراہیم کبری جن کا شاہ برہم وشیخ برہم وثانی فرید

لقب تھے' اولیاء کمال و مشائخ نامدار تھے کہ ان سے فیض مثل بابا صاحب جاری ہوا ہے۔ صاحب علم و حلم و ریاضت و مجاہدہ کے تھے۔ کشف کرامات و خوارق عادات نے ان سے بہت ظہور میں آئی ہیں اور خلفاء حضرت کے بہت صاحب ولایت ہیں اور ساتھ بابا نانک صاحب جو اقوام ہندو کا پیشوا ہے' ان کے ساتھ گفتگو آن کے ہوئی۔ چنانچہ بابا نانک نے کلام حضرت کی درج اپنے پوتھی و کرنتھ ہائے میں کی ہے۔

نقل ہے ایک دن خلیفہ حضرت دیوان شیخ برہم صاحب کا شیخ کمال واسطے لانے ہیزم ہائے لنگر درویشاں کے جنگل میں گیا۔ اس جگہ بابا نانک صاحب جو قوم ہنود کے پیشوا ہیں' ساتھ ہمراہیاں دو صورت فقیر کے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے دریافت کیا تب شیخ کمال نے بیان کیا کہ بندہ خدمت گزاران حضور اعلیٰ جناب شاہ برہم صاحب جواب مسند نشین حضرت بابا صاحب کے ہیں اور فرید ثانی لقب رکھتے ہیں' واسطے لکڑی لینے لنگر درویشان کے آیا ہوں۔ بابا نانک اس جگہ بیٹھ گئے اور فرمایا شیخ کمال کو تم جا کر ہماری طرف سے حضرت کی خدمت میں اولیس یعنی سلام بولو اور کہو کہ دو تین صورت فقیر واسطے آپ کی ملاقات کے آئے ہیں۔ جیسا کم ہو کیا جائے۔ جب شیخ کمال نے حضرت کی خدمت میں آن کر اظہار کیا حضرت نے فرمایا وہ بھی صورت فقیر کے ہیں اور محض ملاقات ہماری کے واسطے آئے ہیں۔ اس جگہ پر چل کر ملاقات کریں گے۔ حضرت سوار ہو کر طرف غرب جس جگہ اب شہر سے مفاصلہ ایک کوس پر مقام فتح اللہ نوری اور اہل ہنود اس کو نانک سر کہتے ہیں۔ ملاقات دونوں صاحبان کی ہوئی اور بیٹھ کر گفت کلام شروع کی۔ چنانچہ بابا نانک صاحب نے فرمایا۔ بیت:

دوہڑہ جس کو شلوک کہتے ہیں   پرتھیاں پرتھیاں دند گھسے کسے نہ کیتے ہو

حضرت نے فرمایا۔ ایکو حرف پریم کا پڑھی سو پنڈت ہو۔ پھر بابا نانک نے کہا:

دوہڑہ

صاحب دیاں دو حداں   کسنوں پکڑاں کسنوں چھڈاں

جواب حضرت نے فرمایا صاحب دی دو حد۔ سچ کو پکڑو۔ کوڑ کو چھڈ۔ کلمہ کہیں تو کل پوے بن کلمہ کل ناں۔ بابا نانک نے فرمایا ہندو کہاں تو ماری مسلمان بھی ناں۔ حضرت نے فرمایا۔ دوہاں توں پانی وار پی جے پایو بھگوان۔

القصہ۔ ہر دو صاحبان نے ہندی زبان میں گفتگو تلقین آمیز بہت کی تب بابا نانک صاحب نے عرض کی ہم نے ایک کتاب تلقین کے واسطے جمع کر کے خدمت آپ کی میں لایا ہوں کہ کلام آپ کی اور کلام بابا فرید صاحب کی حسب الارشاد آپ کی کتاب موصوف میں پہلے درج کی جائے تو اور بھی کئی صاحبان کی کلام درج کر کے کتاب مذکور طیار ہو جائے۔ حسب خواہش بابا نانک صاحب حضرت نے کتاب جمع کی ہوئی پسند فرما کر اجازت کلام درج کرنے کی دی۔ چنانچہ بابا نانک صاحب نے جو اہل ہنود کے پیشوا اور کمال ہوئے ہیں اور کلام ان کی میں توحید پائی جاتی ہے کتاب ''ترگھنت'' میں بہت صاحبان کی کلام درج کی ہے۔ اے عزیز! فساد دوئی میں ہے۔ جب دور ہو گئی کچھ فرق نہ رہا۔ اکثر جو شخص صاحب ریاضت کا ہو صفائی قلب حاصل ہو جاتی ہے اور بعد صفائی قلب کے تابع درجہ ولایت کا ہو جاتا ہے۔ بدوں متابعت نبوی کمال حاصل نہیں ہوتا۔ جس کو کمال حاصل ہوا' ساتھ متابعت نبوی کے ہوا۔

نقل ہے ایک رات کو حضرت دیوان شاہ برہم صاحب واسطے تہجد کے اٹھے۔ خادم کو پانی کے واسطے بھیجا۔ خادم

Marfat.com

نے حرم میں دیکھا تو ایک شخص اجنبی کھڑا کہتا ہے یا الٰہی! میں اپنے کردار کی سزا پائی۔ اگر مجھ کو بینائی حاصل ہو تو بہر کار دزدی سے توبہ کر کے مسلمان ہو جاؤں۔ وہ دزد تھا۔ واسطے دزدی کے آیا۔ قدرت الٰہی سے نابینا ہو گیا۔ القصہ خادم نے یہ حال خدمت حضرت میں بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا اس کو لاؤ۔ حسب فرمان وہ لے آیا۔ بعد وضو کے حضرت نے پانی اس کی آنکھ میں چھڑکا۔ تب اس کو بینائی حاصل ہوئی اور توبہ کر کے اس نے اسلام اختیار کیا اور بیعت کر کے ایک واصلان حق سے ہوا۔

نقل ہے ایک دن حضرت شیخ ابراہیم صاحب حوض پر وضو کرتے تھے اور ایک طالب علم بھی حضور کے پاس کھڑا تھا۔ جب حضرت نے مسح سر کا کیا اس عالم نے کہا حضرت! سنت ادا نہیں ہوئی تمام سر کا مسح کرو۔ حضرت نے ہاتھ مبارک سے سر کو اتار کر پانی میں غوطہ دیا اور پھر تن پر رکھ دیا۔ جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔ تب حضرت نے فرمایا اے بھائی متعلم! اب سنت ادا ہو گئی ہے۔ عالم مذکور حیران ہو کر سر قدم پر رکھا اور مرید ہوا۔

نقل ہے ملازمان شاہی واسطے لینے معاملہ زمین کے اکثر رعایا زجر کرتے اور معاملہ نیشکر وثنبہ کا دو چنداں تھا۔ علاوہ اسپ مادہ ہائے جس کی بچہ نر دیتے وہ بھی پکڑ لیتے۔ ایک دن حضرت نے رعایا پر ظلم وستم کمال ہوتا دیکھا۔ زبان مبارک سے فرمایا حد پاک پٹن میں یہ تین چیز نفع نہ دیں گی۔ دوسری زراعت سے انشاءاللہ العزیز نفع ہوگا کہ پیدائش ان چیز ہائے سے مردمان کو تکلیف ہوتی ہے۔ فرمان حضرت سے تا حال یہ چیز ہائے کوئی نہیں بیچتا اور نہ نفع دیتی ہیں۔ اسپ مادہ اگر حاملہ ہو تو شہر سے باہر سوائی جاتی ہے ورنہ نقصان ہوتا ہے۔

نقل ہے ایک سوداگر ہدیہ حضرت کی خدمت میں لایا۔ بعد چند روز کے آن کر اس نے طلب کیا کہ وہ ہدیہ میرا واپس کر دو یا کوئی کرامت دکھلاؤ۔ حضرت شاہ برہم صاحب ہر چند اس کو منع کیا کہ اس خیال فاسد سے باز آؤ' نہیں تو پشیمان ہو گے۔ وہ باز نہ آیا۔ آخر ایک دن حضرت نے جلال میں آن کر کہا تم کو کرامت بادر چیخانہ میں دکھلاؤں۔ ابھی کرامت کا حروف ثابت زبان مبارک سے باہر نہیں آیا تھا کہ تمام بدن سوداگر مذکور کو آگ لگ گئی اور خاکستر ہو گیا۔ نعوذ باللہ منہا۔ غضب اولیاء اللہ غضب الٰہی ہوتا ہے۔

نقل ہائے کشف کرامات حضرت بہت ہیں اور خلفاء بھی بے حد ہیں۔ بوقت رحلت خرقہ خلافت وخدمت آستانہ متبرکہ بابا صاحب پسر اپنے دیوان تاج الدین محمود صاحب کو سپرد کیا اور سال نہ صد و پنجاہ و نہ بیست و یکم تاریخ ماہ رجب میں وصال پایا۔ مزار شریف متصل والد اپنے کے اندرون گنبد کلاں کے ہوئی۔ مدت خلافت چہل و دو سال ہے۔ دو فرزند تھے اول دیوان تاج الدین محمود دوم شیخ منور شاہ شہید۔ سیزدہم صاحب سجادہ حضرت مخدومنا و مولانا دیوان تاج الدین محمود قدس سرہ بڑے صاحب کمال و اولیاء زمانہ تھے اور بہت خلفاء نامدار حضرت کے تھے اور کشف کرامات بھی بہت کتابوں میں درج ہیں اور اولاد بھی ان کی بہت ہوئی چنانچہ اب پاک پٹن میں اولاد ان کی ہے۔ تفصیل آگے آئے گی اور مسند حضرت بابا صاحب کی ہے اب تک اولاد دیوان تاج الدین صاحب میں چلی آئی ہے۔ چنانچہ پندرہ فرزند تھے۔ اول حضرت دیوان فیض اللہ صاحب' سجادہ دوم حضرت فتح اللہ نوری صاحب' سوم حضرت غضنفر علی صاحب' چہارم حضرت خواجہ احمد قتال صاحب' پنجم حضرت شاہ امان اللہ صاحب' ششم شیخ عبدالواحد صاحب' ہفتم حضرت محمد مکی صاحب' ہشتم حضرت

Marfat.com

عبداللہ شاہ صاحب، نہم حضرت شیخ حسن محمد صاحب، دہم حضرت شاہ کرم اللہ صاحب، یازدہم حضرت برخوردار صاحب، دوازدہم حضرت فرید محمد عرف کلاہ الدین صاحب، سیزدہم حضرت برہان الدین صاحب، چہاردہم حضرت محمد حسین صاحب، پانزدہم حضرت خواجہ عین الدین صاحب۔

نقل ہے حضرت دیوان تاج الدین صاحب آخیر عمر بیٹھے اپنے دیوان فیض اللہ صاحب کو بارشاد بزرگان حین حیات میں مسند باباصاحب پر بٹھلا دیا اور آپ زیارت حرمین شریفین و مرقدہائے بزرگان اپنے کو چلے گئے۔ پھر جب واپس آئے عبادت الٰہی وارشاد مخلوق میں مصروف رہے۔ نقل ہے حضرت دیوان تاج الدین صاحب نے کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ سوائے جاگیر روضہ متبرکہ تمام فرزندان کو تقسیم کردی اور جاگیر روضہ متبرکہ کی بنام سجادہ نشین اور خرچ لنگر ورسومات عرس بھی ذمہ ان کے مقرر ہوا اور یہ وصیت اس میں مرقوم کی کہ اگر برادری میں سے کسی کی دختر کی شادی نکاح ہو تو سجادہ نشین مبلغ سوروپیہ نقد و یازدہ عدد برتن و ہفت پارچات تیور اور اگر فرزند کی شادی ہو تو سوروپیہ سجادہ نشین گرہ سے اس کو دیں اور اگر کوئی برادری سے شخص تنگ حال ہو جائے تو اس کی رفاقت کرنی سجادہ نشین کو واجب ہے۔ یہ وصیت نامہ بہ ثبت مواہیر تمام برادری مرقوم کرادیا کہ کوئی صورت فساد کی اولاد ہماری میں نہ ہو کیونکہ جس جگہ آمد و خرچ کی تقسیم ہوتی ہے ضرور فساد پیدا ہوتا ہے۔ اس واسطے آمد خرچ دربار جاگیر بنام سجادہ نشین صاحب کی ہے ورنہ پہلے تمام برادری میں تقسیم کرتے تھے۔ یہ وصیت تمام فرزنداں و برادران نے قبول کی۔ چنانچہ اب تک بدستور اسی طرح سے اور کوئی تنازعہ کسی کا ساتھ کسی کے نہیں اور سجادہ نشین یہی خدمت تواضع بدستور کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ کوئی رسم رسوم میلہ ہائے وغیرہ بدوں اجتماع مردم برادری ہائے کے نہیں کرتے۔ پہلے سب صاحبزادگان کو طلب فرما کر پھر رسومات کرتے ہیں اور تمام لوگ سجادہ نشین کو بجائے باباصاحب تصور کرتے ہیں۔

نقل ہے جواہر سے اکبر بادشاہ جب اکابر دین واہل تمکین کے ہر جگہ امتحان کرتا ہوا پاک پٹن میں آیا اور واسطے الزام دینے حضرت کے ایک حیلہ اٹھایا کہ ایک خدمتگار اپنے کو بصورت میت بنا کر تکفین کیا اور کہا جب ہم سجادہ نشین کو امام بنا کر جنازہ پر کھڑا کریں، بعد شروع دعاء کے تم اٹھ کر بھاگ جانا۔ بعد وقوع اس حرکت کے ہم ان کو ملزم کریں گے کہ تم اگر صاحب کشف ہوتے تو زندہ پر جنازہ کیوں کرتے۔ القصہ۔ بادشاہ نے حضرت دیوان تاج الدین صاحب کو بلا کر فرمایا اس کا جنازہ پڑھو۔ حضرت نے فرمایا اگر شہر میں ہوتا تو ہم پڑھتے۔ یہ حق قاضی وامام فوج لشکر کا ہے۔ بادشاہ نے عرض کی کہ پانی ہوتے تیمم روا نہیں۔ آپ جیسے بزرگ کی امامت سے اس مردہ کی مغفرت ہوگی۔ بعد تقاضائے بادشاہ کے لاچار حضرت دیوان تاج الدین صاحب پیش جنازہ خدمتگار اجل رسیدہ کے کھڑے ہوئے۔ جب صف آراستہ ہوئی حضرت نے بادشاہ سے تین مرتبہ اجازت واسطے پڑھنے جنازہ کے طلب کی۔ بادشاہ نے اذن دیا تب حضرت نے تکبیر افتتاح نماز جنازہ کی شروع کی اور جنازہ پڑھا۔ وہ زندہ مردہ ہو کر عالم بقا میں رخصت ہوا۔ بعد جنازہ کے حضرت نے فرمایا اے بادشاہ! جس وقت مجھے تم نے جنازہ پر کھڑا کیا امر الٰہی سے فرشتہ ملک الموت اس کے سرہانے پر آ گیا تھا اسی واسطے تم سے اذن طلب کیا تھا۔ اگر تم اس خیال ناقص سے باز آتے تو وہ مردہ زندگی اپنی سے مایوس نہ ہوتا لیکن قضاء اس کے سر پر وارد ہوگئی تھی۔ بعد اذن تمہارے کے فرشتہ نے جان اس کی قبض کر لی۔ پھر دو مرتبہ واسطے استبعاد ان کے اذن طلب کیا تھا۔ نہیں جو ہونا تھا پہلے

Marfat.com

ہی ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے شرمسار ہو کر ضیافت حضرت کے واسطے عرض کی۔ لاچار حضرت نے قبول فرمایا۔ نقل ہے جب طعام تیار کرا کر پیش حضرت و درویشان ہمراہی کے رکھا' ایک خوان معہ سرپوش اس میں گربہ پختہ کی ہوئی آگے حضرت کے رکھی۔ حضرت نے سرپوش خواں سے اتار کر فرمایا اے گربہ! حکم الٰہی سے اٹھ اور چلی جا۔ امر الٰہی اور فرمان اس قطب زمان سے گربہ زندہ ہو کر روانہ ہوئی۔ حدیث شریف: اتقوا من فراسة المومن فانه بنظر بنور الله پرہیز کرو فراست مومن سے جو وہ دیکھتا ہے ساتھ نور اللہ تعالیٰ کے جو پوشیدہ سینہ اور دل کا حال ہے تمہارا۔ الصوفی یحی و یمیت کا اے عزیز یہ درجہ ہے۔ جو کوئی فنافی اللہ ہو وہ اس درجہ کو پہنچتا ہے۔ پس زندہ کرنا اور مارنا آگے اس کے آسان ہے۔

القصہ بعد اس کے بادشاہ و بیگم کو ارادت ساتھ عقیدہ کے حاصل ہوئی تا چہل روز تک لشکر سلطان کا پاک میں قیام پذیر ہوا۔ اس جگہ اب ٹبہ اکبر پور شہر کی طرف مشہور ہے۔ دن کو سلطان معہ بیگم لشکر میں اور رات کو درگاہ بابا صاحب پر عبادت الٰہی میں مشغول رہتے اور آرزوئے واسطے اولاد نرینہ کے جو میوہ حیات دنیا کا ہے' کرتے۔ چنانچہ بعد چہل روز کے حضرت تاج الدین صاحب نے بارشاد جد خود فرمایا۔ خدمت برادرم شیخ سلیم صاحب جو قطب الہند فتح پور سیکری میں ہیں' جاؤ۔ اس جگہ مراد تمہاری اللہ تعالیٰ حاصل کرے گا۔ حسب الارشاد انہوں نے ویسا کیا اور جہانگیر فتح پور سیکری خدمت میں حضرت شیخ سلیم صاحب میں پیدا ہوا جو وہ رنگ محل اب تک اسؔ جگہ کھڑے ہیں۔ چہاردہم صاحب سجادہ دیوان فیض اللہ صاحب جو زندگی میں دیوان تاج الدین صاحب نے خرقہ خلافت و دستار عطا کی تھی۔ دو سال مسند پر رہے۔ حین حیات والدین وصال ہوا اور مزار شریف اندرون گنبد کلاں متصل جد اپنے کے ہوئی۔ وصال بیست و پنجم ماہ ذوالحجہ ۱۰۱۸ھ۔ تین فرزند تھے: اول دیوان ابراہیم صغرا صاحب' دوم خواجہ عارف' سوم شیخ جھجھو۔ بعد دیوان فیض کے ابراہیم صاحب کو حضرت تاج الدین صاحب نے خرقہ خلافت و دستار عطا کی اور آپ خلوت میں رہے اور ۱۰۲۲ھ میں رحلت فرما دار فنا سے دار بقا کو حضرت تاج الدین صاحب ہوئے۔ بتاریخ ۱۷ ماہ صفر و مزار شریف حضرت جناب شاہ تاج الدین صاحب سامنے گنبد کلاں طرف جنوب حجرہ ہائے خورد آستانہ متبرکہ بابا صاحب میں واقعہ ہوئی۔

پانزدہم صاحب سجادہ دیوان ابراہیم صاحب پسر و خلیفہ دیوان فیض اللہ کے ہیں۔ بغایت بزرگ زمانہ اور اولیا کمال تھے اور حق سجادگی کا کما حقہ ادا کیا۔ بوقت اخیر خرقہ خلافت فرزند اپنے دیوان شیخ محمد صاحب کو عطا کیا اور بتاریخ ۱۸ محرم ۱۰۳۱ھ میں وصال پایا اور مزار متصل دیوان تاج الدین صاحب کے ہوئی۔ پنج پسر ہوئے۔ اول دیوان شیخ محمد صاحب' دوم خواجہ الہ بخش' سیوم شیخ غلام محمد' چہارم خواجہ محمد' پنجم جان محمد۔ مدت خلافت بعضے ہشت سال و بعضے نو سال یازدہ بھی مرقوم کرتے ہیں واللہ اعلم۔

شانزدہ صاحب سجادہ دیوان شیخ محمد صاحب حلم و علم و تقویٰ کے تھے اور ''جواہر فریدی'' و ''مخزن چشت'' انہوں نے جمع کرائے ہیں اولیائے کمال تھے۔ پنجاہ و دو سال مسند پر رہے۔ بتاریخ پنجم صفر سال ۱۰۸۳ھ میں انتقال ہوا۔ مزار شریف متصل والد کے ہوئے۔ ایک فرزند حضرت دیوان محمد اشرف صاحب تھے۔ بوقت اخیر خرقہ خلافت و مسند فرزند کو عطا کیا۔

ذکر بیان ہفتدہم صاحب سجادہ دیوان محمد اشرف صاحب جو کمال زمانہ تھے۔ خرقہ خلافت و دستار والد اپنے سے حاصل ہوئی ہے۔ نقل ہے زمانہ محمد شاہ میں حضرت دیوان محمد اشرف شاہ دہلی تشریف لے گئے۔ اس جگہ ملاقات بادشاہ کے

Marfat.com

ساتھ نہ کری۔ چونکہ بادشاہ ساتھ بزرگوں کے چنداں اعتقاد نہ رکھتا تھا اور عیش وعشرت دنیاوی میں بہت گرفتار تھا اراکثر حال حضرت سماع بہت سنتے تھے۔ حجت سماع کی اٹھا کر حضرت کو گرفتار کیا اور برج کلیر پر چڑھا کر پوڑی نیچے سے کھینچ لی۔ چندروز حضرت اس جگہ رہے۔ اکثر حال بہت لوگوں نے اس جگہ سماع کی آواز پائی اور بادشاہ کے پاس بھی اظہار کیا لیکن اس کو عقیدہ حاصل نہ ہوا۔ اور حضرت کو جب ضرورت وضو یا غسل کی ہوتی قدرت الٰہی سے برج برابر زمین کے ہو جاتا۔ اور نزدیک ایک کنول تھا۔ اس کی گاری پر پارچہ لباس رکھ دیتے۔ وہ چلنے لگتا۔ بعد وضو وغسل کے پارچہ اٹھا لیتے اور برج پر بیٹھ رہتے۔ برج مذکور پھر بدستور سابق بلند ہو جاتا۔ ایک رات حضرت بدستور وضو وغسل کیا اور پارچہ مذکور یاد نہ رہا۔ اپنے مکان پر جا کر تہجد ووظایف میں مشغول ہوئے۔ صبح ہوئی۔ عام خاص نے دیکھا کنواں خود بخود بہتا ہے۔ یہ خبر تمام دہلی میں منتشر ہو کر بادشاہ تک پہنچی۔ جب بادشاہ نے مع امراء خود آن کر کنواں چلتا دیکھا' حیران ہوا۔ جب وہ پارچہ لباس معلوم کیا تو سب نے کہا یہ لباس حضرت سجادہ نشین صاحب کا ہے۔ برکت اس کی سے یہ کرامت صادر ہے۔ جب وہ لباس اٹھایا تو کنواں چلنے سے بند ہوا۔ اس وقت بادشاہ مع امراء خدمت میں آن کر قدموس ہوا اور خطا معافی کے واسطے عرض کی اور بہت نقد وپارچہ ہائے وسواری ہائے خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے اس کا کچھ قبول نہ فرمایا۔ کہتے ہیں رائے صاحب جگرانواں والہ رائے الیاس خان جو مرید صادق الاعتقاد حضرت کا تھا ان کی نذر ونیاز وسواری منظور فرما کر روانہ ہوئے۔

نقل ہے نواب صاحب مکان رایانوالہ بھی دہلی میں مرید حضرت کے تھے۔ انہوں نے بصد الحاح عرض کی کہ حضور تشریف فرما رانیاں کی طرف ہوں تو قدم رنجہ غریب خانہ میں بھی فرمائیں۔ حسب الالتماس اس کے حضرت رانیاں میں آ گئے۔ نواب صاحب نے ضیافت وخدمات بسیار کی۔ بعدہ عرض کی کہ دختر بندہ کی واسطے خدمت حضور کے منظور ہو تو عین سعادت میری ہے۔ حضرت نے قبول فرمایا چنانچہ اسی جگہ ساتھ دختر نواب صاحب کے عقد ونکاح وشادی ہوئی اور اسی زمانہ سے رشتہ ہونا دختران نواب ہائے رانیاں کا ساتھ اولاد بابا صاحب کے شروع ہوا اور اب تک رشتہ داری چلی آتی ہے۔

القصہ حضرت مدت اس جگہ قیام پذیر ہو کر پھر روانہ پاک پٹن شریف کو معہ اہل خانہ کے ہوئے۔ جب مکان پیر خالص صاحب جو کمال زمانہ ومریدان حضرت جناب شاہ علاؤالدین موجدریا صاحب سے ہیں' پہنچے۔ اس جگہ حضرت کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ بعد تین دن کے انتقال ہوا۔ مزار شریف موجود اور فقیر رہتے ہیں۔ وہ مکان اب تک بنام پیر گھر مشہور ہے' بسبب مزار ہونے صاحبزادہ صاحب کی۔ نقل ہے حضرت دیوان محمد اشرف صاحب کے ایک دختر تھی اور اولاد نرینہ نہ رکھتے تھے۔ اس صاحبزادے کی شادی نکاح ساتھ محمد سعید جو ہمشیرہ زاد حضرت دیوان محمد اشرف کے تھے' کر دی اور خرقہ خلافت ودستار مسند بھی بوقت اخیر دیوان محمد سعید صاحب کو ولی عہد اپنا کر کے عطا فرمائی۔ بتاریخ پنجم ذیقعد ۱۱۲۲ھ میں حضرت دیوان محمد اشرف صاحب نے انتقال فرمایا۔ مزار جانب غرب گنبد کلاں سے متصل مسجد سنگین قدیمہ کے ہوئی۔ نقل ہے در بیان اسامی ہائے اولاد باقی دیوان ابراہیم صاحب بن دیوان فیض اللہ بن دیوان تاج الدین صاحب۔ شیخ غلام قادر بن پیر مہر علی بن پیر قمر الدین بن پیر غلام محی الدین بن شیخ عطاء اللہ بن خواجہ محمد بن دیوان ابراہیم صاحب پیشتر مسطور۔ وحال غلام قادر مستور موضع کھائی ضلع فیروز پور میں ساکن ہے۔ ولی محمد وغلام محمد بن پیر شرف الدین وفتح محمد بن پیر شمس الدین شرف الدین وشمس الدین وجمال الدین بن شیخ محمود بن شیخ خیر الدین بن شیخ تاج محمود بن پیر غلام فرید بن شیخ اعظم

Marfat.com

بن شاہ لطف اللہ بن خواجہ محمد بن دیوان ابراہیم مسطور پیشتر معلوم ورلدو بن شیخ خیر الدین۔ یہ تمام موضع جمال پور تھلی متصل پاک پٹن میں ساکن ہیں۔ پیر اللہ جوایا و نظام الدین و نور الدین و روشن الدین بن شیخ الٰہی بخش بن احمد یار بن شیخ غلام فرید مسطور فتح محمد و شیر محمد و علی محمد بن شیخ الہ جوایا۔ یہ تمام موضع ارور پورہ علاوہ منچن آباد میں ساکن ہیں۔ یہ وہری فیض اللہ دیوان کا بیان ہو چکا ہے اور وہری سلسلہ کو بولتے ہیں اور اب اولاد بابا صاحب میں چودہ وہری کے شمار سے نامزد ہیں جو دیوان تاج الدین صاحب کے بیٹے چودہ کی اولاد سے اور بعضے جو پہلے سجادہ نشین گذرے ہیں جو وہ وہری مقرر ہوئی جو بعضے کی اولاد قایم اور بعضے ان میں لاولد ہیں اور بعضے بیرونجات میں ساکن ہیں۔

ہشتدہم صاحب سجادہ دیوان محمد سعید صاحب بن محمد فضیل بن محمد صالح شاہ بن خواجہ عبدالواحد صاحب بن حضرت دیوان تاج الدین صاحب منظور جو ششم بیٹے دیوان تاج الدین صاحب کے تھے۔ بعد دیوان محمد اشرف صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ بتاریخ غرہ ماہ شوال ۱۱۵۰ھ میں وصال ہوا۔ مزار شریف متصل دیوان محمد اشرف صاحب کے ہوئی۔ دو فرزند تھے۔ اول دیوان محمد یوسف صاحب سجادہ دوم دیوان محمد سبحان صاحب سجادہ بوقت اخیر۔ خرقہ خلافت و دستار فرزند کلاں دیوان محمد یوسف کو عطا کی۔

نوزدہم صاحب سجادہ دیوان محمد یوسف صاحب بعد والد کے مسند پر اجلاس فرما ہو کر پندرہ سال حق سجادگی کا کما حقہ ادا کیا اور بتاریخ دہم جمادی الآخر ۱۱۶۵ھ میں وصال ہوا۔ بعدہ وصال کے مزار پائیں مزار والد اپنے کی ہوئی۔ اولاد دختری تھی نرینہ نہ تھی۔ بوقت اخیر خرقہ خلافت و دستار برادر خود اپنے دیوان عبدالسبحان کو عطا کیا۔

بیستم صاحب سجادہ دیوان عبدالسبحان مشہور دیوان شہید ہے۔ پندرہ سال مسند پر رہے لیکن قبل سجادگی ان کے سے شاہان دہلی کی طرف سے جو تمام شاہان دہلی اکثر مرید و معتقد خاندان چشتیہ کے تھے، جاگیر و معافی اسّی ہزار روپیہ کی تھی بنام اولاد بابا صاحب اور علاوہ لواحقان جناب فریدیہ کو بھی درجہ بدرجہ معافی مقرر تھی۔ خادمان جاروب کشاں و قوالاں ہر یک وظیفہ خوار تھے۔ جو جاگیر لنگر کی تھی بنام روضہ مقدسہ اس میں مسافر پروری و خرچ لنگر عرس ہائے کا ہوتا اور پیشتر تمام سجادہ نشیناں باوجود ہشتاد ہزار روپیہ کے جاگیر کے طریقہ درویشانہ رکھتے تھے اور تمام للہ راہ خدا تعالیٰ میں صرف کر دیتے۔ اور پہلی جاگیر سجادگی دیوان معز الدین صاحب کے زمانہ سے مقرر ہوئی جو سلطان محمد تغلق بادشاہ دہلی مرید حضرت شاہ علاؤ الدین موجد ریا صاحب نے اول جاگیر مقرر کی۔ پہلے کسی نے نہیں قبول کیا۔ القصہ جب زمانہ دیوان عبدالسبحان صاحب کے سجادگی کا ہوا اور سلطنت دہلی نے قضاء الٰہی وبال پایا تب اس زمانہ میں جابجا سردار پیدا ہو گئے تھے اور جس جس قدر ملک کسی کے قبضہ میں آ گیا اس پر وہ قابض ہو گیا اور حضرت دیوان عبدالسبحان صاحب بھی بڑے صاحب اقبال و جاہ جلال ہوئے کہ بہت فوج و بندوق و توپ و رسالہ جمع کر کے تمام ملک کو تہ تیغ کر کے قبضہ اپنے میں کر لیا۔ چنانچہ بہاول خان کو بھی ملک آنر و آب ستلج فتح کر کے اپنی طرف سے دیا جو نوشتہائے و کاغذات قدیمہ سے معلوم ہوتا ہے جو تا زمانہ دیوان شرف الدین صاحب موضع ہائے آنر و آب سے حصہ مقرر تھا اس زمانہ میں یہ قوم داؤ د پوتی چنداں قوت نہ رکھتے تھے اور غیر ملک سے تھے۔ اس واسطے اس ملک کے لوگ ان کو قرار نہ لینے نہ دیتے۔ اس قوم کو محض رفاقت و اقبال حضرت دیوان عبدالسبحان صاحب سے ریاست و حکومت حاصل اس ملک کی ہوئی۔ مرید اور پابند شرع اس خاندان کی چلی آئی ہیں۔

Marfat.com

نقل ہے کہ دیوان صاحب نے بہت کفار کو تہ تیغ کر کے مقابلہ جنگ ساتھ راجہ بیکانیر کیا۔اس عذر میں اس کو مار کر ملک فتح کیا۔رات کے وقت لڑکا خوردسالہ راجہ کو مائی اس کی ساتھ لے کر خدمت دیوان صاحب میں پہنچی اور عرض کیا جو ہماری گذر اوقات ولڑکے خوردسالہ کی نان نفقہ کے واسطے حضور کچھ عطا فرمائیں۔حضرت نے حال اس لڑکے پر رحم فرما کر نواحی بیکانیر پھر اس کو عطا کی اور تا ہونے جوان اس کے تک خبر گیر ملک کے آپ رہے۔ایسے صاحب اقبال ونصیب تھے جو کوئی سرداران کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اور ریاست ان کی میں تمام سردار حلقہ بگوش تھے اور دس دس روپیہ روز کے وظیفہ خوار ملازم ان کے تھے۔روایات اہل جنگ و مقابلہ ہائے وتہور حضرت کے بہت ہیں۔طوالت کے باعث مرقوم نہیں۔القصہ پندرہ سال بڑے جاہ وجلال سے سرداری کی اور ریاست ملک کی قائم کی اور شہر پناہ پاک پٹن بھی از سرنو تعمیر کرا کر ہر دروازہ شہر پر ایک رسالہ واایک پر تل وتوپ ہائے مقرر کی اور رعایا ولشکر کو بہت پرورش حاصل ہوئی۔بعد اس کے شہید اکبر ہوئے۔قصہ شہادت کا یوں ہے۔نقل ہے کہ افغانان قصوریہ وسیداں حجرہ والہ شاہدین وصدرالدین شاہ نوکر سالہ میں تھے اور رسالہ ان کا دروازہ جس کو شہیدی کہتے ہیں' رہتا تھا۔کسی باعث سے درمیان افغانان وسیدان مذکور عداوت پیدا ہوئی۔افغانان مستعد مارنے سیدوں کے ہوئے۔بوقت شب سید مذکور ڈیوڑھی دولتخانہ دیوان صاحب پر آن کر استغاثہ کیا۔اس وقت دیوان صاحب نماز اور وظائف سے فارغ ہو کر لباس شب خیزی کر کے مستعد کھانا کھانے کو ہوئے۔چنانچہ ہاتھ دھو کر ایک ہی نوالہ طعام کا رکاب سے اٹھایا تھا۔جو کنیزک نے اطلاع دی کہ شاہدین وصدرالدین نے عرض کیا ہے کہ للہ ہمارا عرض آن کر سنو۔تب دیوان صاحب نے وہ نوالہ رکاب میں رکھ دیا اور اسی شب خیزی کے لباس میں دروازہ دولتخانہ پر آ گئے۔تب صدرالدین وشاہدین نے عرض کیا اللہ جل شانہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامامین کے واسطے مقام دیپالپور میں پہنچا دو نہیں ہم مارے جائیں گے۔ہر چند دیوان صاحب نے ان کو تسلی دی لیکن وہ دونوں واسطے بیان کرتے رہے۔آخر دیوان صاحب نے اصطبل سے تین گھوڑے منگوا کر ایک پر آپ سوار ہوئے اور دوسرے گھوڑوں پر ان کو سوار کرا کر پہلے گھوڑے ان کے روانہ کئے اور آپ پیچھے ہو لئے۔جب نزدیک دروازہ جس کو شہیدی کہتے ہیں' پہنچے امر الٰہی سے گھوڑا دیوان صاحب کا پہلے ہو گیا اور سید پیچھے اور خبردار نے افغانوں کو خبر دی جو سید پہلے ہیں اور حضرت دیوان صاحب پیچھے۔جب دیوان صاحب جس جگہ اب کنارہ یعنی جنگلا جولی ومسجد بنی ہوئی ہے' پہنچے امر الٰہی سے افغانان وہمراہی ان کے ماہی گیر تھے' بندوق سر کر کے چلائی۔دیوان صاحب کو شہادت حاصل ہوئی۔تمام لشکر وفوج شہر میں زلزلہ اور غدر پیدا ہو گیا۔اس غدر میں فرصت سمجھ کر سید مذکور واپس ہو کر دروازہ پر آ گئے اور اس دروازہ پر رسالہ بلوچوں کا رہتا تھا ان کو کہا کہ سرکار دیوان صاحب نے پروانہ بنام حاکم دیپالپور ہم کو ضروری دیا ہے' دروازہ کھول دو۔چنانچہ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور سید مذکور اخراج کر کے روانہ دیپالپور کو ہوئے۔جب رات تھی اور میدان میں جانے آواز تین گھوڑوں کے پاؤں کی آتی جب دروازہ دیپالپور کے نزدیک سید مذکور پہنچے تو آواز ہوئی اے شاہ دین وصدرالدین! اب تم خیریت سے پہنچ گئے۔تب سید مذکور نے کھڑے ہو کر پوچھا آپ کون ہیں تو آواز ہوئی اے شاہ دین وصدرالدین! میں عبدالسبحان ہوں۔جس وقت گھوڑے ظاہری سے ہم گرے اس وقت گھوڑا بہشتی مع پوشاک نور سے ہم کو عطا ہو گیا اور اس پر سوار ہو کر ساتھ تمہارے وعدہ وفا کیا۔مزار شریف ان کی متصل دیوان محمد یوسف صاحب کے ہوئی۔اولاد دختری تھی نرینہ نہ تھی بلکہ دہری من کی سے

Marfat.com

کوئی نہیں رہا اور دختر دیوان محمد یوسف صاحب کی عقد نکاح دیوان غلام رسول صاحب میں ہوئی اور اسی ذریعہ سے خرقہ و خلافت و دستار دیوان غلام رسول صاحب کو حاصل ہوئی اور دونوں دختران دیوان عبدالسبحان صاحب عقد نکاح فرزندان دیوان غلام رسول صاحب میں ہوئیں۔

اکیسویں صاحب سجادہ حضرت دیوانؒ غلام رسول صاحب جو بندر دین بیٹے دیوان تاج الدین صاحب مسطور کی اولاد ہیں، تھی۔ دیوان غلام رسول صاحب و پیر خدا بخش صاحب بن حضرت شیخ جیوا صاحب بن شیخ گہنا بن مخدوم رکن الدین منظور و شیخ ابوالفتح بن خواجہ عین الدین مذکور فتح علی شاہ بن شیخ موسیٰ بن شیخ ابوالفتح مذکور و مزار شریف فتح علی شاہ قصبہ نور محل میں زیارت گاہ خلق اللہ ہے اور بڑے صاحب کمال ہیں۔ رکن الدین بن خواجہ امین الدین بن حضرت دیوان تاج الدین صاحب۔ نقل ہے والد بزرگوار بندہ کاتب الحروف حضرت پیر تاج محمود مرحوم مغفور سے جو نواسہ دیوان غلام رسول صاحب کے تھے، آٹھ روز پہلے دیوان عبدالسبحان صاحب کی شہادت سے نانا صاحب ہمارے کو ارشاد دستار سجادگی کا حضرت جناب بابا صاحب کے روح پُرفتوح سے دروازہ بہشتی روضہ منورہ پر ہو گیا تھا۔ والد کاتب الحروف فرماتے تھے جو سلطنت و ریاست دیوان عبدالسبحان صاحب نے پیدا کی، وہ نصیب نانا صاحب ہمارے کے ہوئی اور سرداری حضرت کی میں رعایا و لشکر و قبائل کو ایسا آرام تھا جو بادشاہ شہر و گرد و نواح اپنے اپنے گھر میں عیش و عشرت و فراخدلی کے ساتھ گذر اوقات کرتے تھے، کسی طرح کا رنج کسی کو حاصل نہ تھا۔ نقل ہے والد بزرگوار کاتب الحروف کی زبان مبارک سے جو قبائل پرور ایسے تھے جب تک تمام آل اولاد کی خورد کلاں دولت خانہ میں بوقت کھانا کھانے کے جمع ہوتے ہیں تو کھانا نہ کھاتے اور پہلے کھانا کھانے سے تمام صاحبزادگان قبائل کے خانہائے میں کھانا پہنچا دیتے، تب کھانا کھاتے۔ نقل ہے، زبان مبارک والد بزرگوار فقیر کاتب الحروف سے کہ ایک روز ہم نانا صاحب کے ساتھ کھانا کھانے کو شروع ہوئے۔ نانا صاحب جب رکاب سے نوالہ اٹھانے لگے حسب دستور دریافت کیا کہ تمام برادری کے گھر میں کھانا پہنچ گیا ہے۔ نانی صاحبہ نے عرض کیا کہ اور تمام کے گھر میں کھانا پہنچ گیا لیکن عباد اللہ کے گھر میں نہیں پہنچا۔ اسی وقت نانا صاحب نے وہ نوالہ رکاب میں رکھ دیا اور اپنے ہاتھ مبارک سے کھانا خوان میں رکھ کر خدمت گار کے حوالہ کر کے ان کے گھر میں بھیجا اور زبان فیض ترجمان سے یہ فرمایا کہ یہ ریاست و حکومت طفیل خدمت برادری کے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عطا کی ہے اور اس آیت کی تشریح فرمائی کہ "تفسیر حسینی" میں مسطور ہے۔ ایک اصحاب صاحب مال خدمت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض پرداز ہوا کہ راہ خدا تعالیٰ میں خیرات اپنے مال سے کس طرح کروں۔ تب صاحب لولاک کو خدا پاک نے حکم نازل کیا آیت شریفہ: بالوالدین احسانا و ذوالقربیٰ و الیتمی و المسکین و ابن السبیل الی آخرہ۔ اگر توفیق کسی کو خدا تعالیٰ عطا کرے تو حتی المقدور پہلے ماں باپ کی تواضع کرے اور بعد اس کے قبائل کے کرنی واجب ہے اور بعد اس کے یتیم و مساکین و مسافر و فقراء کی۔ جب قبائل کے مردم تنگ حال ہوں تو خیرات اس کی منظور نہیں چاہے کتنا خرچ کرے، اسراف میں داخل ہے کیونکہ مطابق حکم الٰہی کے کام کرنا درست ہے تا آنے خدمت گار تک تشریح ان مسائل کی بیان فرماتے رہے۔ تب خدمت گار نے آن کر اظہار کیا کہ کھانا حضور کا بھیجا ہوا انہوں نے تمام عیال و اطفال اپنے میں خرچ کر لیا ہے۔ اس وقت حضرت نانا صاحب شکر یہ ذات باری تعالیٰ کا ادا کر کے کھانا کھانے کو شروع ہوئے۔ ایسے قبائل پرور تھے۔

Marfat.com

نقل ہے زبان مبارک والد کاتب الحروف سے کہ بعد شہادت دیوان عبدالسبحان صاحب بعضے مردم برادری اولاد دیوان فیض اللہ صاحب کے دہری سے فساد کیا۔ چونکہ سلطنت دہلی نے وبال پایا تھا' حاکمان شاہان ولایت کے پاس تنازعہ برپا کیا بلکہ حضرت نانا صاحب کو قلعہ رہتاس میں چند عرصہ تک زیر حراست کرادیا تھا۔ اس وقت ایک خدمت گار بنام آڈھا حضور کی خدمت میں حاضر رہ کر گداگری کر کے واسطے افطار کے لاتا اور حضرت اس میں سے افطار فرماتے۔ چونکہ دیوان غلام رسول صاحب کی دہری سے اور کوئی قریبی رشتہ دار نہ تھا اور والد کاتب الحروف کے دادا صاحب چار بھائی تھے۔ پیر غلام فرید۔ و پیر محمد چراغ و روشن شاہ و پیر محمد پناہ اور رشتہ میں بھی دیوان غلام رسول صاحب کے ماموں کے بیٹے بھائی تھے اور والد کاتب الحروف کے دادا صاحب حقیقی پیر غلام فرید مسطور کے گھر میں ہمشیرہ صاحبہ حقیقی دیوان غلام رسول صاحب کی تھی۔ چاروں بھائی خدمت میں ہمراہ رہے لیکن بوقت روانگی راستہ میں سے ان چاروں کو واسطے حفاظت اہل و عیال و انتظام امورات خانگی کے واپس روانہ کیا۔ جب اس جگہ بعد تنازعہ کے حضرت نظر بند کئے گئے و بدوں خدمتگار اڈھا مذکور کے اور کوئی خدمت میں موجود نہ رہا تب استماع اس خبر سے بابا غلام فرید صاحب و محمد پناہ صاحب خدمت میں حاضر ہوئے۔ القصہ حاکم وقت کو خواب میں نمودار ہوا کہ لشکر ہائے عظیم نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے واسطے مارنے اسکے پر مستعد ہوئے ہیں۔ لرزاں و ہراساں ہو کر حاکم مذکور نے امان طلب کی۔ ان صاحبان نے ارشاد فرمایا اگر امان چاہتا ہے تو جا کر سجادہ نشین دیوان غلام رسول صاحب سے خطا معاف کر۔ اس معائنہ سے اسی وقت بیدار ہو کر حاکم مذکور نے قدم بوسی حضرت مع نذر و نیاز ماحضر حاصل کی اور اسی وقت حضرت کو پالکی میں سوار کرا کر ساتھ فوج جرار کے پا در کاب حضور کے ہو کر پاک پٹن میں پہنچایا اور جو شخص منحرف تھا اس کو عبرت کرائی۔ تمام ملازماں و رعایا سلامی حضرت کے ہوئے اور وہ مردم برادری مسطور بحفظ جان و مال پاک پٹن سے نکل کر کچھ علاقہ فیروز پور و دیگر جگہ بیرونجات میں چلے گئے۔ نقل ہے جب دیوان غلام رسول صاحب مسند حضرت بابا صاحب پر جلوس فرما ہو کر تمام ملک پر قبضہ کر لیا' تمام مردم برادری کو بلا لیا اور آباد پاک پٹن میں بدستور سابق ساتھ پرورش اور خلق کے کیا اور فرمایا کہ مجھ کو یہ ریاست و مسند امر الٰہی وارشاد بابا صاحب سے حاصل ہوئی ہے۔ کچھ کسی سے نیت انتقام لینے کی نہیں لیکن بعض مردمان نے جو فساد کیا تھا ان کے دل میں تسلی نہ ہوئی۔ نقل ہے والد بزرگوار پیر تاج محمود مرحوم مغفور فقیر کاتب الحروف کی زبان مبارک سے نانا صاحب حضرت دیوان غلام رسول صاحب نے باعث تسلی نہ ہوتے مردم برادری کے یعنی دیوان فیض اللہ صاحب کے اولاد کی ایک دن برادران مسطور پیر غلام فرید صاحب و دیگر کو بلا کر فرمایا میری صلاح یہ ہے کہ کوئی رشتہ ناطہ ان کے ساتھ کیا جائے تب تسکین دل میں ان کے ہو کر سکونت پذیر ہوں گے ورنہ یہ خطرہ ان کے دل سے دور نہ ہوگا۔ انہوں نے عرض کی جیسا حضور کی مرضی ہو۔ تب حضرت نانا صاحب نے زبان مبارک سے فرمایا میرا ارادہ یہ ہے کہ ایک دختر اپنی اور ایک دختر تمہاری جو ہمشیرہ زادی دیوان غلام رسول صاحب کی تھی' دونوں ناطہ ہائے ان کی طرف کر دیں تب دادا صاحب نے عرض کیا جیسے صلاح حضور کی ہو ہم کو انکار کچھ نہیں لیکن انہوں نے حضور کو ایسا تصدیعہ دیا اور آپ ایسا الطاف عوض اس کے کرنا چاہتے ہو۔ تب نانا صاحب نے دادا صاحب کو فرمایا اے بھائی! قول حضرت سعدیؒ کا ہے

Marfat.com

بیت

بدی را بدی سہل باشد جزا　　　اگر مردی احسن الی من اسا

اور قول جد پاک حضرت بابا صاحبؒ کا بھی ہے اگر کوئی راستہ میں خار ڈالے تو عوض اس کے پھول ڈالنے مرد کو واجب ہیں اولاد اور آل اس کو کہتے ہیں کہ والدین کے فرمان اور طریقہ پر چلے کیونکہ حدیث شریفہ میں وارد ہے حدیث: من سلک علی طریق فھو الی یعنی جو شخص طریقہ میرے پر چلے وہ آل میری سے ہے۔ جب حضرت نے یہ تقریر دلپذیر فرمائی' دادا صاحبان نے قبول فرما کر عرض کیا جیسا حضور کی صلاح ہو۔ تب حضرت سرکار دیوان صاحب نے مجمع برادری میں ایک دختر نیک اختر کا ناطہ نسبت ساتھ پیر شاہ کے کر دیا اور ہمشیرہ زادی اپنی یعنی پھوپھی حقیقی والد کاتب الحروف کا نسبت ساتھ پیر احمد یار کے کر دیا۔ چونکہ حضرت دیوان غلام رسول صاحب کی دو دختران تھی' دوسری دختر عفت پناہ حضرت بی بی اشرف نشان ساتھ دادا صاحب کاتب الحروف پیر خواجہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ہمشیرہ زاد دیوان صاحب تھی' اسی مجلس میں یہ تینوں ناطہ ہائے کر کے دعاء خیر فرمائی۔ ایسے قبائل پرور الطاف مظہر تھے نقل ہائے الطاف وانصاف حضرت کی حد سے زیادہ ہیں۔

نقل ہے زبان مبارک والد بزرگوار فقیر کاتب الحروف تاج محمود مرحوم مغفور سے کہ طریقہ حضور کا یہ تھا جو نصف شب کو نانا صاحب بیدار ہو کر درگاہ بابا صاحب میں جاتے اور نماز تہجد و اوراد کرتے۔ بعد نماز فراغ فریضہ بمقام کچہری باجتماع چندکس فضلاء و بلغا تلاوت کلام الٰہی کی بہ تنقیح صحت الفاظ و تشریح تفسیر کی فرماتے۔ بعد ترخیص فضلاء نوافل چاشت ادا کر کے مسند پر اجلاس فرماتے۔ قوالاں آٹھ جوڑی سرکار میں وظیفہ خوار تھے۔ اس وقت آن کر سماع جو اس خاندان عظام میں رکن اعظم ہے' شروع ہوتا بلکہ قول صوفیا کا ہے: السماع معراج العاشق۔ چنانچہ دو چار ساعت تک سماع میں شاغل رہتے۔ بعد اس کے دربار عام ہو جاتا کہ تمام منشیاں و متصدیاں و سرداران فوج و رعایا و اہل مقدمات و معاملات جمع ہو جاتے اور کچہری حضور میں کوئی شخص پس و پیش نہیں بیٹھتا تھا۔ برابر ایک دوسرے کے زانو بہ زانو نوشت ہوتی تھی اور چوبدار ہر وقت دربار حرم میں کھڑے رہتے تھے۔ اگر کسی کا زانو پس و پیش ہوتا تو اسی وقت منع کر دیتے اور انصاف و عدالت کما حقہ اس دربار عالی میں ہوتی جو کوئی متنفس ناراض و ناشکرانہ ہوتا تھا۔ اگرچہ مدعا علیہ کو حق مدعی سے دلایا جاتا تاہم بھی وہ راضی رہتے۔ بعد اس کے جب لنگر فقراء و مساکین و غرباء سب پر تقسیم ہو جاتا اور ملازم مختار لنگر آن کر اطلاع دیتا کہ اس وقت کوئی متنفس بھوکا نہیں رہا۔ تمام پر کھانا تقسیم ہو گیا۔ تب پس از ادائے نماز ظہر کے جو مسجد دروازہ دولتخانہ پر بنی ہوئی ہے' تشریف دولت خانہ میں کھانا کھانے کے واسطے لے جاتے اور بعد ظہر کے کھانے کا یہی باعث تھا کہ کل مخلوق و مسافر دور نزدیک سے پہلے کھا لیتے تب کھاتے۔ بعد کھانا کھانے کے ایک ساعت قیلولہ فرماتے اور پھر باہر دولت خانہ سے آن کر بعد ادائے نماز عصر مسجد مذکور میں گاہے دربار ہوتا اور گاہے سواری واسطے سیر و شکار کے شکار گاہ میں روانہ ہو جاتے۔ بوقت غروب دن تک سیر و شکار میں مشغول رہتے۔ بعد غروب کے جنگل میں نماز ساتھ جماعت کے شام ادا کر کے پھر سواری خاصہ پر سوار ہوتے اور پیش قوالاں سماع شروع کرتے اور سوار رسالہ و پیادہ ہائے پڑتل و بازداران وغیرہ پیچھے اور شمع روشن دونوں طرف خاصہ کی ہوتی اور خاصہ ایک سواری مثل جدول و پالکی کے ہوتا ہے۔ نانا صاحب سواری میں خاصہ کے وظائف

Marfat.com

و شغل قلبی کی طرف مشغول کرتے اور سماع قوالاں کرتے شہر کو چلے آتے تا بدرگاہ شریف بابا صاحب تب حضرت درگاہ میں تشریف لے جاتے اور ہمراہیاں کو رخصت حاصل ہوتی۔ بعد ادائے نماز عشاء و ختم ارواح بزرگاں و تقسیم لنگر فقراء دولتخانہ کو تشریف لے جاتے۔ اس عیش و فیض رسانی کے ساتھ چوتالیس سال مسند پر جلوس فرما کر ساتھ جاہ و جلال لشکر و سامان جنگ کے ریاست و حکومت کی جو کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور بڑے بڑے امیر کبیر لشکر میں تھے۔

نقل ہے والد بزرگوار فقیر کاتب الحروف حضرت تاج محمود صاحب سے فرماتے تھے کہ ہماری اٹھارہ سال کی عمر تھی جب نانا صاحب نے دار فانی سے دار باقی کو انتقال کیا۔ مزار شریف بالا کی مزار محمد اشرف کی ہوئی۔ بوقت اخیر خرقہ و دستار دیوان محمد یار کو عطا کیا اور ولی عہد بنایا۔ اس زمانہ میں شروع عملداری مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ہوئی تھی۔ بعد انتقال نانا صاحب ۱۲۲۴ھ میں ماموں صاحب حضرت دیوان محمد یار صاحب مسند نشین ہوئے۔ چونکہ ماموں صاحب حضرت دیوان محمد یار صاحب بڑے عالم اور زاہد تھے، ریاست سے دست بردار ہو کر انتظام ملک کا حوالہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے کر دیا۔ ہر چند مہاراجہ صاحب نے واسطے حکم رانی ملک کی خدمت میں عرض کی ماموں صاحب نے قبول نہ فرمایا۔ آخر کار مہاراجہ نے جاگیر واسطے خرچ لنگر کے کچھ نقدی اور کچھ مواضعات معہ پاک پٹن مقرر کر دیا جو اب تک قائم ہے اور سرکار انگریزی نے بھی اسی طور قائم رکھی ہے۔ اب جاگیر کچھ بہاول خاں کی طرف سے نقد و مواضعات و کچھ نواب حیدر آباد دکھن کے طرف سے نقدی مقرر ہے۔

نقل ہے جو دیوان غلام رسولؒ صاحب کے دو دختران جن کا ذکر کتاب میں ہو گیا ہے اور تین فرزندار جمند تھے: اول حضرت شیخ محمد صاحب، دوم حضرت دیوان محمد یار صاحب، سیوم حضرت گنج بخش صاحب۔ شیخ نور محمد و شیخ قطب الدین و شیخ عبدالرحمٰن بن شیخ محمد صاحب شیخ نور محمد صاحب کی دو دختران تھیں۔ ایک تایا صاحب کاتب الحروف پیر سلطان محمود مرحوم و مغفور کے گھر میں تھی۔ دوسری دیوان شرف الدین صاحب کے گھر میں تھی۔ جس ذریعہ سے مسند و دستار دیوان محمد یار صاحب سے دیوان شرف الدین کو حاصل ہوئی جو وہ بی بی صاحبہ نواسے دیوان محمد یار صاحب کے تھے، اسی واسطے ولی عہد اپنا بنایا اور دیوان شرف الدین صاحب و دیوان اللہ جوایا صاحب بن شیخ قطب الدین صاحبزادہ محمد اکبر مرحوم مغفور بن دیوان اللہ جوایا صاحب شیخ فتح محمد و امیر محمد بن شیخ عبدالرحمٰن مذکور۔ شیخ غلام محی الدین بن شیخ احمد بخش بن پیر گنج بخش بن دیوان غلام رسول صاحب۔ شیخ خدا بخش برادر خورد دیوان غلام رسول صاحب کے دو بیٹے شیخ محمد فضیل و شیخ محمد خبیر۔ شیخ ہدایت محمد و نتھو پیر بن محمد فضیل تھے۔ فتح محمد بن ہدایت محمد سید محمد بن فتح محمد۔ پیر خوشی محمد مرحوم مغفور و پیر اللہ جوایا و پیر اللہ دوسایا مشہور شیر محمد بن محمد خیر مسطور ذکر حضرت مخدوم عین الدین کی اولاد کا ہو چکا یہ تمام صاحب پاک پٹن میں موجود ہیں۔

بائیسویں صاحب سجادہ حضرت دیوان محمد یار صاحب بن دیوان غلام رسول صاحب مسند پر اٹھارہ سال قائم رہے۔ صاحب علم و حلم کمال تھے۔ اوصاف حمیدہ ان کے اب تک مشہور معروف ہیں۔ باوجود ترک کرنے ریاست و حکومت کے ساتھ خلق کے ایسی حکومت کی کہ حکام لوگ بھی بدون حکم حضرت کے کوئی کام نہ کر سکتے تھے اور تمام ہندو مسلمان زیر حکم تھے۔ نقل ہے والد بزرگوار فقیر کاتب الحروف پیر تاج محمود صاحب فرماتے تھے کہ ایام عرس میلہ بابا صاحب میں طبع مبارک ماموں صاحب دیوان محمد یار کسل مند ہوئی چنانچہ بیہوش پڑے تھے۔ وقت رسوم ختم یا سماع کے خود بخود بیدار ہو کر وضو کر کے

Marfat.com

اورلباس ملبس فرما کر درگاہ شریف میں آن کر رسوم ادا کرتے اور پھر جب دولت خانہ میں تشریف لے جاتے۔ پھر وہی حال ہو جاتا اور خواب میں ہو جاتے۔ والد بزرگوار صاحب فرماتے تھے ایک روز ہم ساتھ ماموں صاحب کے درگاہ بابا صاحب میں پہنچے۔ ایک فقیر صاحب حال نے ماموں صاحب کی طرف دیکھ کر فرمایا سبحان اللہ زہے شان بابا فرید صاحب کا ہے کہ مردہ سے خدمات ورسومات میلہ اپنے کی ادا کرا رہے ہیں۔ چنانچہ یہی بات ثابت ہوئی کہ بعد اختتام عرس و داخلی ہفتم تاریخ شب ہشتم محرم کے حضرت ماموں صاحب کا وصال ۱۲۲۴ھ میں ہوا۔ مزار شریف متصل والد بزرگوار کے ہوئی۔ بوقت اخیر خرقہ خلافت ودستار دیوان شرف الدین صاحب کو عطا کی۔ لاولد تھے۔ نرینہ اولاد نہ تھی۔ ایک دختر تھی جو شیخ نور محمد کے گھر میں تھی۔

تیئسویں صاحب سجادہ حضرت دیوان شرف الدین صاحب اٹھارہ سال بڑے آرام وخوشی سے سجادگی کی اور سخاوت میں حاتم دوران تھے۔ بوقت اخیر خرقہ خلافت و دستار برادر خورد اپنے دیوان اللہ جوایا صاحب کو عطا کی۔ آپ لاولد تھے۔ مزار بالا مزار دیوان محمد یار صاحب کی ہوئی۔ بتاریخ ۱۹ ماہ رمضان ۱۲۶۱ھ میں وصال پایا۔ چوبیسویں صاحب سجادہ حضرت دیوان مخدوم پیر اللہ جوایا صاحب جو ۱۲۶۱ھ میں مسند بابا صاحب پر جو جلوس فرما ہوئے اور اب تک قائم ہیں۔ خدا تعالیٰ تازمان قائم رکھے۔ بڑے فیاض اور صاحب عبادت وسخاوت ہیں کہ مساکین ومسافروں کو صدہا اسپ مع پوشاک و خرچ راہ کے دیتے ہیں اور روز ہائے وفات بزرگان سلف پر صدہا روپیہ کا طعام و پارچات مساکین کو تقسیم کر دیتے ہیں۔ ذکر در بیان اولاد حضرت مخدوم خواجہ محمد حسین صاحب جو چودہویں بیٹے دیوان تاج الدین محمود صاحب مسطور کے تھے۔ والد بزرگوار وتایا صاحب فقیر کاتب الحروف پیر تاج محمود و پیر سلطان محمود بن حضرت خواجہ بخش بن شیخ غلام فرید بن خواجہ نور محمد بن خواجہ عبدالرحمٰن بن خواجہ عنایت اللہ بن مخدوم خواجہ محمد حسین بن حضرت دیوان تاج الدین محمود مسطور۔ فقیر حقیر خاکپائے درویشان اہل تصوف کاتب الحروف این کتاب بندہ محمد حسین و پیر نظام الدین برادر خورد حقیقی بن حضرت پیر تاج محمود مسطور عنایت جناب الٰہی وطفیل ارواح پاک بزرگان کے برخوردار مدت علی ومظہر فرید بن بندہ کاتب الحروف محمد حسین و برخوردار امام علی وسردار علی بن پیر نظام الدین سلمہ اللہ تعالیٰ۔ اکبر علی وامیر علی ومحمد علی بن شیخ شیر محمد۔ شیر محمد وشیخ محمد بن پیر غلام مصطفیٰ بن خواجہ محمد چراغ شاہ بن خواجہ نور محمد مسطور پیشتر معلوم شیخ فیض بخش مرحوم مغفور بن شیخ محمد بخش بن خواجہ روشن شاہ بن خواجہ نور محمد مسطور پیشتر معلوم۔

ذکر اولاد حضرت محمد حسین بن دیوان تاج الدین صاحب کی اولاد کا ہو چکا۔ یہ تمام صاحبان پاک پٹن شریف میں ساکن متصل درگاہ شریفہ کے ہیں۔ ذکر در بیان اولاد خواجہ عبداللہ ہشتم فرزند حضرت دیوان تاج الدین محمود صاحب عبداللہ وشیخ فضل الدین وصدرالدین بن شیخ غلام محمد۔ عبدالرحمٰن بن شیخ نورالدین بن قمرالدین غلام محمد وقمرالدین مسطور بن شیخ عباداللہ بن شیخ منور شاہ بن غلام فرید بن خواجہ فتح محمد مخدوم دھوئی بن غلام فرید بن خواجہ عبداللہ بن دیوان تاج الدین مسطور پیشتر مرقوم۔ یہ تمام صاحب پاک پٹن میں موجود وساکن ہیں۔ قمرالدین بن نبی بخش اکبر علی بن نور پیارا بن فتح محمد مسطور پیشتر مرقوم۔ یہ موضع گورو کے ضلع فیروزپور میں ساکن ہیں۔ ذکر در بیان اولاد خواجہ احمد قتال بن دیوان تاج الدین صاحب غلام محمد وخوشی محمد واللہ وسایا بن احمد پیر بن محمد انور شاہ بن محمد روشن شاہ بن محمد دائم بن شیخ محمد مراد بن خواج محمد بن مظفر

Marfat.com

علی بن خواجہ احمد قتال بن دیوان تاج الدین محمود مسطور۔ یہ صاحب موضع چشتی ضلع فیروز پور قریب جلال کے ساکن ہیں۔ پیر بخش وفرید بخش وکالا پیر ومحمد پناہ بن خواجہ بخش بن محمد عادل بن شیخ رحمت اللہ بن شیخ کرم اللہ بن شیخ محمد مراد پیشتر مرقوم ہے۔نظام الدین بن شیخ غلام محمد واللہ جوایا وشیخ فتح محمد بن شیخ فیض بخش بن محمد پناہ مسطور۔خیر دین وکھن پیر بن فقیر محمد بن شیخ قادر بخش بن عنایت اللہ بن امام اللہ بن کرم اللہ مسطور پیشتر مرقوم۔باغ علی بن مہا پیر بن شیخ قادر بخش مسطور۔حکیم ومستقیم و پیر اللہ جوایا بن نبی بخش بن شیر شاہ بن شیخ دھولا بن شیخ سیف اللہ بن شیخ امان اللہ مسطور پیشتر مرقوم۔احمد بن اللہ جوایا فتح دریا بن حکیم۔یہ تمام ضلع فیروز پور متصل جلال آباد موضع چشتی میں ساکن ہیں۔

ذکر در بیان اولاد شاہ امان اللہ بن دیوان تاج الدین صاحب شیخ نبی بخش والٰہی بخش وخواجہ بخش بن شیخ محمد بن شیخ قاسم بن خواجہ الٰہی بخش بن مخدوم اللہ داد بن شیخ جلو بن نور محمد شاہ بن شاہ امان اللہ بن دیوان تاج الدین محمود صاحب روشن دین بن غلام قادر بن شیخ کرم بن پیر غلام غوث مشہور بولا پیر بن شیخ قاسم مسطور پیشتر مرقوم۔یہ اصف والا میں ساکن ہیں۔

ذکر در بیان شیخ حسن محمد شاہ کی اولاد کا پیر شمس الدین وپیر غلام محی الدین وشیخ نورالدین وشیخ فتح الدین وشیخ نظام الدین وشیخ قمرالدین بن مخدوم شیخ فرید بخش بن خیرالدین شاہ بن منور شاہ بن شیخ قطب الدین بن شیخ مقیم بن شیخ جمال بن حسن شاہ بن دیوان تاج الدین صاحب مسطور۔شیخ جمال الدین واحمد یار بن شمس الدین سکنہ موضع اصف والہ شیخ الہ دین وشیخ جلال الدین وچراغ دین بن شیخ غلام محی الدین مسطور۔یہ ریاست کپورتھلہ تحصیل سلطان پور موضع ٹھکر کورا میں ساکن ہیں۔شیخ محمد وتھو پیر وابراہیم بن نورالدین مسطور۔شیخ محمد حسین ومحمد حسن وشاہ دین بن شیخ نظام الدین مسطور۔شہاب الدین وغلام محمد وخوشی محمد بن فتح الدین مسطور۔احمد الدین واللہ جوایا بن پیر قمرالدین۔یہ تمام موضع ضلع فیروز پور قریب جلال آباد موضع سکھرا میں ساکن ہیں۔اللہ جوایا وفتح محمد بن پیر عمرالدین بن پیر تھو بن شیخ محمد پناہ بن منور شاہ مسطور پیشتر مرقوم۔یہ موضع چشتی ضلع فیروز پور قریب جلال آباد میں ساکن ہیں۔محمد دین وسردار دین بن روشن دین وموجدین بن شیخ قطب پیر بن نبی بخش بن منور شاہ پیشتر مرقوم۔یہ ضلع منٹگمری تحصیل دیپال پور موضع فتیانہ میں ساکن ہے۔

ذکر تمام اولاد حضرت دیوان تاج الدین محمود صاحب کا ہو چکا جو شہر پاک پٹن میں اور بیرونجات میں ہیں۔اب ذکر اولاد حضرت دیوان احمد شاہ صاحب جو ہشتم سجادہ نشین بعد بابا صاحب کے ہوئے ہیں۔شیخ جلال الدین وپیر شام الدین وپیر الٰہی بخش جو حقیقی ماموں صاحب بندہ کاتب الحروف کے تھے' بن حضرت پیر مخدوم شیخ بدرالدین بن حضرت شاہ غلام فرید صاحب جن کو اب تک کنارہ دریا پر لنگوٹے والا پیر کہتے ہیں اور قوم ولو ومہار جو مرید طالب ہیں' قسم ان کے نام کی اٹھاتے ہیں۔فقیر کامل تھے جو کشف کرامات ان کی بہت ہیں۔پیر غلام فرید بن شیخ شمس الدین بن نور محمد بن یار محمد بن شیخ غلام محمد بن شیخ الہ دین بن شیخ جمال عرف سہو بن شیخ برہان الدین بن دیوان پیر احمد شاہ مسطور پیشتر مرقوم۔اللہ جوایا وپیر بخش بن پیر شام الدین مسطور حیایت محمد وفتح محمد واکبر علی بن پیر اللہ جوایا موضع اصف والا جو ملکیہ موروثیہ ان کا ہے' علاقہ بنگلہ فاضلکا میں ساکن ہیں۔کی الدین وشیخ قطب الدین ومستقیم رکن الدین بن پیر شیخ محمد بن شیخ شمس الدین بن نور محمد مسطور پیشتر مرقوم۔یہ تمام علاقہ بنگلہ فاضلکا میں موضع محمد کے ورانہ میں بستی ہیں۔شیخ مسلم وشیخ غلام فرید بن شیخ حیایت بن شیخ فتح دین بن شیخ باقر بن شیخ افضل بن شیخ لطیف بن شیخ رشید بن شیخ کمال بن شیخ برہان الدین بن دیوان احمد شاہ سجادہ

Marfat.com

نشین مسطور پیشتر مرقوم۔ پیر محمود بن شیخ کریم بخش بن شیخ شرف الدین بن شیخ مسلم بن شیخ حیایت مسطور پیشتر مرقوم۔ محمد بخش بن پیر امام بخش بن پیر قادر بخش بن شیخ غلام فرید بن شیخ حیایت مذکور پیشتر مرقوم۔ یہ تمام ضلع فیروز پور قریب جلال آباد موضع لکھی کے میں ساکن ہیں۔

ذکر اولاد سجادہ نشینان بابا صاحب کا ہو چکا جو پاک پٹن شریف میں اور گرد و نواح ساکن ہیں اور بندہ کاتب الحروف کو شجرہ نسب جن کا حاصل ہوا۔ اس کے سوا اور بھی بہت دیوان علاؤ الدین و حضرت بابا فرید صاحب کے فرزندان دیگر کی اولاد ملکہاء میں ساکن ہیں۔ حضرت جناب بابا فریدالدین کے حضرت جناب شیخ بدرالدین صاحب سجادہ اول ان کے حضرت شیخ مودود ان کے شیخ موسیٰ شیخ عبداللہ شیخ محمد شیخ موسیٰ کو تین فرزند شیخ معروف، دوم شیخ سبحان اولاد در پورب، سیوم شیخ جمال اولاد در پورب شیخ معروف کو ایک فرزند کریم الدین متوکل۔ ان کو تین فرزند شیخ محمد شاہ عبدالحق، دوم شیخ محمد رفیع الدین ان کو ایک فرزند شیخ غلام غوث ان کو ایک فرزند شیخ غلام جیلانی ان کو ایک فرزند شیخ غلام محی الدین ان کو ایک فرزند شیخ معین الدین ان کو ایک فرزند شیخ حیات اللہ ان کو دو پسر شیخ عظمت اللہ اور محمد وارث محمد شاہ عبدالحق کو ایک پسر شیخ محمد دانشمند ان کو ایک پسر شیخ محمد احمد ان کو ایک پسر شیخ محمد داؤد ان کو ایک پسر مولوی جلال الدین جو زمانہ اکبر بادشاہ میں پاک پٹن شریف سے رونق افروز لاہور کے ہوئے اور بیعت اور نعمت باطنی برادر اپنے حضرت دیوان ابراہیم صاحب سجادہ بدیں حاصل تھی۔ القصہ لاہور میں اکبر بادشاہ بزرگی اور علم ان کے پر مفتون ہو کر دہلی شریف کو ساتھ لے گئے اور مقام شکوہ آباد میں محلہ رکن پور قیام پذیر ہوئے اور واسطے خرچ اخراجات کے مقام مذکورہ متعلق کر دیا۔ چنانچہ معہ اولاد اس جگہ سکونت پذیر رہے۔ مولانا جلال الدین صاحب کو ایک فرزند مولوی محمد فیروز شاہ ان کو دو فرزند شیخ محمد بہاؤ الدین و شیخ دانیال ان کو ایک فرزند شیخ جلال الدین ان کو شیخ بدیع الدین ان کو شیخ شیر زمان ان کو دیوان شیخ محمد بہاؤ الدین ان کو فرزند ارجمند نواب مستطاب شیخ محمد ابوالخیر خان بہادر اور جو ساتھ نظام الملک صوبہ دکن بوقت سلطنت دہلی مقرر ہو کر ملک دکن میں آ گئے تھے اور خطاب نوابی کا ابوالبرکات خانصاب کو حاصل ہوا اور اس زمانہ سے ریاست خاندان میں جاری ہوئی۔ شیخ محمد ابوالخیر خاں بہادر امام جنگ کو ایک پسر شیخ امجد خان بہادر ان کو ایک پسر شیخ رحیم الدین خاں بہادر المخاطب امجد الملک ان کو چہار پسر رحیم الدین خان بہادر وسیف جنگ و امام الدین خان بہادر و اختیسار الدین خان بہادر و ظہور الدین خان بہادر ابوالخیر خان کو دو پسر اول ابوالیہ کات خان لاولد دوم ابوالفتح خان تیغ جنگ شمس الدولہ شمس ملک شمس الامراء ان کو ایک پسر محمد فخر الدین خان بہادر عرف ابوالخیر خان تیغ جنگ شمس الدولہ شمس ملک شمس الامراء امیر کبیر ان کو پنج پسر اول فرید الدین خان بہادر دوم بدرالدین خاں بہادر سیوم رفیع الدین خاں المخاطب ابوالخیر خاں نامور جنگ شمس الدولہ شمس ملک شمس الامراء امیر کبیر چہارم سلطان الدین خان بہادر ان کو دو فرزند اول بھکیاری میاں دوم شاہ صاحب پنجم رشید الدین خان عرف بہادر جنگ شمس الدولہ ملکہ شمس الامراء امیر کبیر ان کو دو فرزند اول محمد محی الدین خان عرف ابوالخیر تیغ جنگ بہادر بہادر جنگ شمس الدولہ شمس ملک شمس الامراء امیر کبیر خورشید جاہ بہادر ان کو دو پسر اول امام جنگ محمد فیض الدین خان دوم ظفر جنگ محمد حفیظ الدین خاں دوم فرزند محمد رشید الدین خاں موصوف محمد افضل الدین خاں سکندر جنگ اقبال الدولہ وقار الامراء ان کو ایک پسر مختار الدین خان ازبطن بادشاہزادی دراولاد محمد فخر الدین خان ایک مادری از جیئہ نظام الدولہ دوم فرید الدین خان و رفیع الدین

خاں وسلطان الدین خاں دراولا دمحمد رشید الدین خاں ایک مادری از جیہ سکندر جاہ نظام سیوم محمد محی الدین خان ومحمد فضیل الدین خاں دراولا دمحمد محی الدین خاں عن حفیظ الدین خاں از بطن صبیہ نظام پنجم افضل الدولہ دراولا محمد فضل الدین خان عن مختارالدین خاں۔

انشاءاللہ العزیز ارادہ فقیر کا ہے اگر شجرہ ہائے تمام کے حاصل ہوئے تو ایک کتاب جدا طیار کی جائے گی اور خاندان حضرت بابا فرید صاحب کے لواحق لوگ پنج کس قوم کے مردمان ہیں جو وقت بابا صاحب سے مقرر ہیں۔ اول مشہور چراغیان جو اولا د سلطان شہاب الدین غوری سے ہیں' دوم خادمان جو قوم سودہری راجپوت سے ہیں' سوم جاروب جو قوم دہدی سے ہیں۔ یہ لوگ درگاہ شریف میں خدمت کرنے والے ہیں اور چہارم قوال جو رسومات پر سماع کرتے ہیں۔ پنجم حجام مشہور رسمی اولاد دیکھو حجام سے جو پہلے خدمت بابا صاحب میں رہا ہے اور دیگر قومہائے مثل نقارچیاں وغیرہ بعہدہ سجادہ نشیناں وقتاً فوقتاً مقرر ہوئی ہیں۔

باب دوازدہم
دربیان مسائل تلقین مبتدیان وبیان فوائد خدمت وتعظیم اولاد صالحین

اے عزیز اول مبتدی کو لازم ہے کہ ظاہر حال اپنا ساتھ احکام شریعت کے آراستہ کرے

بیت

خلاف پیمبر کسے راہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اور باطن میں شغل باطنی شروع کرے تب مطلب کو حاصل کرے گا چنانچہ پہلی بیعت شیخ کامل کی لازم ہے جیسا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ حدیث شریفہ: من تعرف الشریعة و الحقیقة بلا امام فقد کفر جو کہ پچھانے شریعت اور حقیقت کو بغیر امام یعنی پیشوا کے پس تحقیق کفر میں داخل ہوگا۔ حدیث شریفہ: من لا شیخ له فشیخه الشیطن یعنی جس کا پیشوا نہیں اس کا پیشوا شیطان ہے۔ حدیث شریفہ: مالا شیخ له لا دین له لا عرفان له لا انس له یعنی جس کا پیر نہیں اس کا دین نہیں جس کا دین نہیں اس کو عرفان نہیں اور نہیں اس کا دوستی دیاری دینے والا جب ہاتھ پیر سے بیعت حاصل ہو جائے' توید اللہ فوق ایدیھم تک بوساطت شجرہ پیران عظام کے مل جاتا ہے۔ بعد اس کے چند عرصہ خلوت کے ساتھ تصور اسم ذات یعنی اسم اللہ کا یا خاص شکل پیر کا یہ دو تصور سے جس کا اس کے دل میں عشق پیدا ہوا' اس کو ساتھ اعتقاد خالص قائم کرے۔ اس طور سے کہ سامنے شکل کا تصور کرے اور دل میں یہ فہمید کرے کہ ذات حق سبحانہ اس شکل میں ہو کر میری تلقین و رہبری کے واسطے نمودار ہوئی ہے جیسا کہ حدیث قدسی ہے۔ حدیث شریفہ: یا عبدی انا ظنک و انا معک یعنی اے بندے میرے نزدیک گمان و خیال تیرے کے ہوں جس میں پکارے تم۔ اے عزیز! تصور ذات سے بھی وصول ہو جاتا ہے اور صفات سے بھی۔ اصل مطلب عقیدہ قائم کرنے کا ہے تب ذکر پاس انفاس ونفی اثبات کا شروع کرے کہ ذکر زبان سے قلب جاری ہو کر حقی پیدا ہوتا ہے۔ حدیث شریفہ: من یشاء منی بتمام النعمة فلیذکر افضل الذکر لا اله الا الله یعنی جو شخص طلب کرے ذات حق سبحانہ کو ساتھ تمام نعمت کے پاس ذکر کرے اور

Marfat.com

افضل تمام ذکروں کا ذکر لا الہ الا اللہ کا ہے۔ قوله تعالیٰ الرحمن علی العرش استوی یعنی اللہ تعالیٰ ساتھ قدرت کے عرش پر قرار کرنے والا ہے صوفیہ عظام نے مراد عرش سے دل مومن کی قرار دی ہے جیسا حدیث شریف: قلب المومن عرش الله تعالیٰ یعنی دل مومن کا عرش اللہ تعالیٰ کا ہے۔ حدیث شریف: قلب المومن اکبر من العرش و اوسع من الکرسی یعنی دل مومن کا بلند ہے عرش سے اور فراخ ہے کرسی سے۔ حدیث قدسی: لا یستغنی فی الارض ولا فی السماء و لکن یستغنی فی قلب عبدالمومن خدا پاک فرماتے ہیں نہیں سمائی ہوتی میری آسمان اور زمین میں مگر سمائی ہوتی ہے میری دل بندہ مومن میں۔ حدیث شریف: الصلوٰۃ معراج المومن و بعد الصلوٰۃ تلاوۃ القران یعنی نماز معراج مومن کا ہے اور بعد نماز کے تلاوت قرآن کی۔ حدیث شریف: ان فی الجسد آدم مضغۃ و فی المضغۃ فواد و فی الفواد قلب و فی القلب سر و فی السر روح و فی الروح خفی و فی الخفی انا من احب شیئا اکثر ذکرہ تحقیق بیچ وجود آدمی کے مضغہ ہے اور بیچ مضغہ کے فواد ہے اور بیچ فواد کے قلب ہے اور بیچ قلب کے سر ہے اور بیچ سر کے خفی اور بیچ خفی کے روح اور بیچ روح کے میں ہوں۔ جس چیز کی دوستی کرے کثرت ذکر اس کے کی کرے۔

بیت

کعبہ بنیاد خلیل آزرست   دل گذرگاہ جلیل اکبرست

پس معلوم کرنا چاہیے کہ اتنی تعریف حدیثات و آیات میں دل کی وارد ہے لیکن یہ دل نہیں جو عوام کا گوشت و خون سے بھرا ہوتا ہے۔ دل سلیم جو خواصان خدا تعالیٰ کا ہے وہ عرش اللہ تعالیٰ کا ہے اور اے عزیز! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یوم لا ینفع مال و لا بنون الا من اتی الله بقلب سلیم یعنی روز جزا کے نہ مال فائدہ کرے گا نہ اولاد مگر دل سلیم۔ جاننا چاہیے کہ جب قلب سلیم کے سوائے اور کوئی چیز کام نہ آئے گی تو اس کو بنانا لازم ہے اور قلب سلیم وہی ہوگا جو ماسویٰ اللہ سے پاک ہوگا اور رسول فرماتے ہیں: ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اعمالکم و لکن ینظر فی قلوبکم و بنیانکم تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں دیکھتا طرف شکل و عمل تمہارے کی اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے طرف بیچ نیت و دل تمہارے کی۔ جب دیکھنا حق سبحانہ کا بیچ دل کے ثابت ہوا پس اس کو صفا کرنا واجب جبتک خواہشہائے نفسانی اور خیالات موہومہ میں پھنسا ہوا ہے، قلب سلیم نہیں حاصل ہوتا۔ پس طالب صادق کو لازم ہے کہ ہر حال اس فکر و خیال میں سعی بلیغ کر کے دل سلیم حاصل کرے اور خواہشہائے نفسانی کو ساتھ ذکر کے صیقل کرے چنانچہ حدیث شریفہ: لکل شئ مصلقۃ القلب ذکر اللہ یعنی ہر چیز کے واسطے مصلقہ ہے اور مصلقہ دل کا ذکر اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اے عزیز: ارادتاً خیال نہ بدلنے دے اگر انسانا دلیل یا وہم نفسانی پیدا ہو اس کو اسی وقت بند کرے خطرات و توہمات نفسانیت سے ہوتے ہیں جیسا قرآن شریف میں: الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس تحقیق خناس دل آدمیوں کے میں وسوسہ ڈالنے والا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: من اتخذ الہ ہواہ یعنی پکڑا ہے لوگوں نے خواہشہائے اپنی کو اللہ جب تک خواہشہائے کو دور نہیں کرتا وصول محال جیسا کسی نے مصرعہ کہا۔ یکقدم برنفس خود نہ دیگری در کوئے دوست۔ اے عزیز! اس راستہ میں کار مشکل بھی بہت ہیں اور آسان بھی بہت ہے۔ جیسا حضرت بلہے شاہ صاحب قصوری نے فرمایا ہے۔ اللہ دا کی پاونا ایتھوں پٹنا تے

Marfat.com

اچھے لاؤنا۔ خواہشہائے نفسانی کو بند کرنا اور ذات حق تعالیٰ کو قائم کرنا یہی مطلب ہے جیسا کسی نے کہا دست بکار دل بیار۔ حدیث شریفہ: ما شغلک عن اللّٰہ تعالیٰ فھو صنمک و شیطان جو شغل یا وہم غافل کرے اللہ تعالیٰ سے پس وہی بت اور شیطان ہے۔ اس میں فکر و شغل بر حال کافی ہے۔ حدیث شریف: اتفکر ساعة خیر من عبادة سبعین سنة فکر ساعت کا افضل ہے ہفتاد سال سے۔ حدیث شریفہ: لیس للماضین ھم الموت و انما حسرت الفوت نہ ہوگا اوپر مرگیوں کے غم موت کا لیکن افسوس وقت ضائع گزرے کا تمام پر ہوگا۔ جیسا مولانا روم صاحب مثنوی شریف میں اس حدیث شریفہ کی تشریح فرماتے ہیں:

مثنوی

نیستش در دود ریغ و غبن موت	بلکہ ہستش صد دریغ از بہر فوت
لیس للماضین ہم الموت گفت	لیک شان باحسرت فوتند جفت
کہ چرا قبلہ نکردم مرگ را	مخزن ہر دولت و بربرگ را
قبلہ کردم ہمہ عمر از ہول	آنخیالاتی کہ گم شد در اجل
حسرت آن مردگان از موت نیست	زانست کاندر نقشہا کردیم ایست
راست فرمود آن سپہدار بشر	کہ ہر انکو کرد از دنیا گذر
چون برون رفت این خیالات ازمیان	گشت نامعقول او بر داعیان
ہر کراہست از ہوسہا جان پاک	زود بیند حضرت ایوان پاک
چون محمد پاک شد از نار دود	ہر کجا رو کرد وجہ اللہ نمود
چون رفیقی وسوسہ بدخواہ را	کے بہ بینی ثم وجہ اللہ را
ہر کرا باشد ز سینہ رو بآب	او زہر ذرہ بہ بیند آفتاب
حق پدیدست از میان دیگران	ہمچو ماہ اندر میان اختران
ور بشر روپوش گشتہ آفتاب	فہم کن واللہ اعلم بالصواب
دو سر انگشت بر دو چشم نہ	ہیچ بینی از جہان انصاف دہ
ورنہ بینی این جہان معدوم نیست	عیب خبر انگشت نفس شوم نیست
تو ز چشم انگشت را برادر ہین	وانگہانی ہر چہ میخواہی بہ بین
آدمی دیدست و باقی پوست ست	دید آنست آنکہ دید دوست ست

اے عزیز! یہ عالم دنیا کا پھر ہاتھ نہ آئے گا لازم ہے کہ یہ نفس شمار کے جو قالب میں رکھے گئے ہیں شمار کے ساتھ ادا کرے کہ کوئی دم خالی یاد الٰہی سے نہ ہونے دے جیسا حضرت بابا صاحب نے زبان ہندی میں فرمایا ہے:

دوہڑہ

فریدا یہ دم گئے ری باوری جاگن کے کر چوپ	یہ دم ہیرے لعل نے گن گن شہ نوں سونپ

خداتعالیٰ فرماتے ہیں یحبھم و یحبونہ حدیث شریف: من احب تقاء اللہ احب للہ لقاء ہ یعنی جوکوئی خواہش کرتا ہے لقاء اللہ تعالیٰ کی پس خواہش کرتا ہے اللہ تعالیٰ لقا اس کے کو۔ فاذکرونی اذکرکم یعنی ذکر کرو میرا ذکر تمہارا کروں ایسا الطاف خداوند کریم نے اس انسان پر کیا ہے کہ: الانسان سری و انا سرہ فرمایا کہ انسان بھید میرا اور میں بھید انسان کا ہوں و لقد کرمنا لبنی آدم جو بزرگی تھی بیٹے آدم کو دی۔ انی جاعل فی الارض خلیفۃ یعنی درجہ خلافت کا کسی پیدائش کو نہیں عطا کیا انسان کو عطا کیا اور امانت کا بوجھ کے واسطے آسمان وزمین و پہاڑ تمام پیدائش کو اٹھانے کے واسطے حکم ہوا۔ تمام نے بسبب خوف کے انکار کیا۔ تب فضل و کرم اپنے سے انسان کے نصیب کیا۔ سورۃ احزاب میں: انا عرضنا الامانت ابی آخرہ ایۃ ۔ اے عزیز! قالب انسان کا جس جگہ پہنچا ہے فرشتہ مقرب بھی اس جگہ نہیں پہنچا۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب جبرئیل خاطر شکستہ ہوا۔ حضرت نے فرمایا' خاطر جمع رکھ: و لا نبی مرسل اگر انسان کامل ہو تو فرشتہ سے بھی قدر بلند ہی نہیں تو حیوانوں سے بھی بدتر ہے کیونکہ حیوانوں کو روز حشر کے پرسش نہ ہوگی اور انسان کو پرسش ہوگی۔ حدیث شریف: الدنیا مزرعۃ الآخرۃ یعنی دنیا زراعت آخرت کی ہے۔ قرآن شریف میں نازل ہے: من کان فی ھذہ اعمی و ھو فی الآخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا جو شخص دنیا میں اندھا ہوگا آخرت میں بھی اندھا ہوگا جو بینائی عرفان ولقاء الٰہی سے گمراہ ہوا راہ سے۔ حدیث: من کان اللہ کان اللہ لہ ۔ آیت: ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ ۔ اللہ تعالیٰ دے گا مومنین کو نفس اور مال کے عوض بہشت اور حدیث شریف: الدنیا ساعۃ فاجعلھا فیھا طاعۃ لیس فیھا راحۃ دنیا ایک ساعت ہے پس اس میں طاعت کرنی واجب اور نہیں اس میں کوئی راحت۔ حدیث شریف: قولہ تعالیٰ من اراد الدنیا فلہ الدنیا و من اراد العقبیٰ فلہ العقبیٰ و من اراد المولی فلہ المولیٰ جو شخص خواہش دنیا کی کرے اس کو دنیا حاصل ہوتی ہے اور جو عقبیٰ طلب کرے عقبیٰ اور جو شخص خاص ذات اللہ تعالیٰ کی طلب کرے ذات حق حاصل ہوتی ہے۔ حدیث: طالب الدنیا مخنث و طالب العقبیٰ مونث و طالب المولیٰ مذکر ۔ طالب دنیا کا مخنث ہے طالب عقبیٰ کا عورت طالب مولا کا مرد ہے۔ پس طالب صادق کو لازم کہ ہر حال طلب مولیٰ میں جان و مال اپنا نثار کرے۔ کار دنیا بدون سعی کے حاصل نہیں ہوتا۔ کار عقبیٰ کا بدون سعی کمال کے کس طرح ہوتا ہے۔ صحبت اہل اللہ کی حاصل ہو تو ہزار عبادت سے افضل ہے کیونکہ الصحبت تاثر حدیث میں وارد ہے: من اراد ان یحبس مع اللہ فلیحبس مع اھل التصوف جو شخص ارادہ کرے صحبت اللہ تعالیٰ کا پس بیٹھے صحبت صاحب تصوف میں۔ مولانا روم صاحب مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

بیت

یک زمانہ صحبت با اولیا	بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا
گر ہمیخواہی کہ باشی با خدا	ہمنشینی با حضور اولیا
از حضور اولیا چوں بگسلی	و انکہ خود را از خدائی بگسلی
اولیا اطفال حق اندائے پسر	جملہ ظاہر باطن اندر باخبر

اولیاء اللہ اولیاء اللہ ہیچ فرقے در میاں نبود روا
اولیاء را ہست قدرت از الہ تیر جستہ باز گرد اند ز راہ

اے عزیز! انسان کو تاثیر گوش کے راستہ سے حاصل ہوتی ہے جیسے کان میں نصیحت پڑتی ہے دل قبول کر لیتا ہے

بیت

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

اگر صحبت زندہ اولیاء اللہ کی نہ میسر ہو تو مطالعہ کتاب سے شغل کرے یا ارواح ہائے اولیاء اللہ سے فیض حاصل کرے۔ اکثر اس زمانہ میں فیض باطنی ارواح ہائے سے جاری ہے اور اگر اس شوق میں قالب فانی ہوا تو درجہ شہادت کا حاصل ہوگا اور جنگ عظیم بھی ہے جو نفس کے ساتھ جنگ کرنا۔ حدیث: رجعنا جهاد الاصغر الیٰ جهاد الاکبر رجوع کرو جنگ خورد سے طرف جنگ بزرگ کی۔ مولانا روم صاحب فرماتے ہیں

گر بہر خونریزی گشتی شہید کافر گشتہ شدی ہم بوسعید

حدیث: من عشق و کتم و عف فان مات مات شهیدا جسے عشق ذات کا پکڑا اور مرا پس شہید ہوا۔ حدیث شریف: جعلت الموت جسر لوصل الحبیب الی الحبیب کہ موت پل میں ملا دیتی ہے دوست کو دوست سے۔ نقل ہے زبانی مولوی صاحب سردار شاہ جو ہر شب جمعرات مزار بابا فرید صاحب پر گزارتے ہیں۔ ایک دن اوایل حال میرے دل میں خیال گذرا کہ بفاصلہ دس کوس خدمت حضور میں آتا ہوں شاید میرا آنا حضرت کو منظور ہے یا نہیں۔ جس وقت سامنے مزار مبارک کے مراقبہ کیا اس بیت کا روح پُرفتوح بابا صاحب کی طرف سے مجھ کو الہام ہوا:

بیت

مرا زندہ پندار چوں خویشتن من آیم جان گر تو آئی بہ تن

اے عزیز! زندگی اولیاء کرام کی ساتھ آیات حدیث کے ثابت لیکن تصفیہ دل کے ساتھ سامنے جانے سے معلوم ہوتا ہے۔ حدیث ''مرغوب القلوب'' سے: ان اولیاء الله لا یموتون و لکن ینقلبون من دار الی دار دوست اللہ کے زندہ ہیں موت ان کی عوام جیسی نہیں بلکہ ایسا ہے کہ نقل کرتے ہیں ایک گھر سے دوسرے گھر کو اور بندہ کاتب الحروف کو بھی جو فیض اور تلقین حاصل ہوئی ہے' ارواح پاک حضرت بابا صاحب سے رویت مظہر سجادہ نشین صاحب کے میں ہوتی ہے اور فقیر کاتب الحروف کو اصلیہ شکل حضور سے بھی ایک بار رویت حاصل ہوئی۔ بیان۔ مقامات فقیر کے تین قسم پر ہے' فنا فی الافعال و فنا فی الصفات و فنا فی الذات۔ فنا فی الافعال عبارت ہے' باہر آنا سالک کا اختیار اور جمیع عالم سے یعنی جو کچھ حرکات و سکنات و افعال و اقوال پہلے اپنے اور دوسرے کے نسبت جانتا تھا' تمام ساتھ حق سبحانہ کے نسبت کرے جیسا کہ حرکت کلید کے ہاتھ سے اور حرکت مردہ کے غسال سے کہ شرک و کفر نزدیک طائفہ صوفیا عظام کے یہی ہے کہ غیر کی نسبت کرنی۔ درجہ دوم فنا فی الصفات عبارت ہے جاننا سالک کا تمام اوصاف اپنے اور تمام موجودات کے صفات حق کہ علم و ارادت و مشیت و قدرت جیسا پہلے اپنے اور دوسروں کو جانتا تھا۔ تمام ساتھ حق کے نسبت کرے۔ نقل ہے جب سلطان العارفین بایزید بسطامی دار بقا کو رحلت ہوئے روح پاک حضرت کو خطاب ذات کبریاء سے ہوا۔ اے بایزید! درگاہ ہماری

Marfat.com

میں کیا لائے ہو؟ حضرت نے عرض کی توحید۔ فرمان درگاہ سے ہوا فلاں شب جو شیر پیا تھا اور درد شکم ہوا۔ کسی نے پوچھا شکم کس واسطے درد کرتا ہے تم نے کہا دودھ پیا تھا رات کو اس واسطے درد ہوتا ہے۔ اس وقت توحید کہاں تھی کہ شیر کو نسبت کی۔

بیت

نکو گوئی نکو گفت ست بالذات — کہ التوحید اسقات الاضافات

سبحان اللہ! سلطان العارفین جیسے سے ایک مرتبہ نسبت غیر کی سے توحید میں اعتراض ہوا ہم لوگ کا کیا حال ہوگا کہ دن رات اسی بلا میں مبتلا ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: لو من باللہ اکثرھم الا و ھم مشرکون اکثر مردم ایمان لائے اور مشرکان میں داخل ہیں:

بیت

تا رہبر تست عادت خویش — مردود منافقی نہ درویش

سوم درجہ فنافی الذات عبارت ہے دیکھنا اور جاننا سالک کا ذات اپنی اور تمام موجودات کی کو حق کہ حضرت حق سبحانہ مرتبہ اطلاق سے تنزل فرما کر ان صورتہاء واشکال میں ظاہر ہوا ہے' غیر اس کے موجود نہیں:

ہر چہ بینی یار ہست اغیار نیست — غیر او خبر وہم خبر پندار نیست
از خیال و ہو معکم جلوہ ہاست — لیک ہر کس لائق دیدار نیست

اس واسطے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے پچھانا آپ کو پچھانا۔ اللہ تعالیٰ کو اس طور پر کہ میں نہیں ہوں۔ اس صورت پر ظاہر ہوا اور فرمایا۔ حدیث: عرفت ربی بربی یعنی جب تک میں تھا حق کو نہیں پہچانتا تھا۔ جب اپنی ہستی موہومہ سے دور ہو کر حق کو جانا' حق حق پہنچانا

بیت

تا توئی از خدا نیابی بو — خود نباشی خدا نمایدرو

اے عزیز! اس مسائل کی فہمید کر کے باطن میں ورزش کرنی لازم ہے۔ زبان سے بیان مثل وعظ تقرار کے نہیں۔ یہ بھید عرفان کے سینہ بسینہ چلے آئے تھے۔ قلم بند بھی ان کو پہلے حضرت محی الدین عربی صاحب نے عربی میں کیا اس نیت پر کہ اخیر زمانہ ہو جائے گا۔ اس میں کتاب سے یہی فیض حاصل ہو۔ بعد ان کے بزرگان نے فارسی میں کتابہائے طیار کی اور فقیر کاتب الحروف نے کتاب ہائے سے چند مسائل جمع کر کے بزبان اردو کتاب ہذا میں درج کیا لیکن اکثر یہ سینہ کا علم صاحب سینہ سے حاصل ہوتا ہے۔ مطالعہ کتاب سے شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ حدیث شریفہ: من عرف ربہ فقد کل لسانہ جس نے پچھانا اللہ تعالیٰ کو پس بند ہو گئی زبان اس کی۔ یہ بھید دوست کا ہے جو شخص اظہار کرے نقصان پائے گا۔ جتنا بھید کو سینہ میں مخفی رکھے گا نفع حاصل ہو گا۔ اگر مبتدی کو تلقین کرے تو گوشہ میں کرے اور اس معرفت وفنا کی ترتیب ہے اس ترتیب پر چلے تب مقصود اعظم کو پہنچتا ہے۔ چنانچہ اول تمام عالم کو مثل آئینہ کے تصور کرے۔ اس میں جمال حق تعالیٰ کا مدام دیکھنا شروع کرنے اور اس خیال میں ایسا مقید ہو کہ ایک لحظہ ولحہ دل ودیدہ سے فوت نہ کرے

بیت

اے خنک جانی کہ در ہر آئینہ   دید روئے یار خود ہر آئینہ

نہایت اس خیال میں انوارات معائنہ ہوں گے اور لذتہا گونا گوں پیدا ہوں گی لیکن سالک سوائے تصور اپنے کے کسی طرف عجائبات کے نگران نہ ہو کہ بہت لوگ اس درجہ میں آن کر وبال پاتے ہیں جیسا جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف خدا پاک شب معراج عجائبات کے مشاہدہ کے وقت فرمائی ہے: ما زاغ البصر و ما طغی یعنی نہ دیکھا آنکھ حبیب میری کی نے کسی طرف سوائے میرے بعد اس درجہ کے یعنی عالم کو حق جانے کہ اس صورت واشکال سے ظہور پایا ہے:

بیت

تر   بسو یتورۂ   نیست   خالی ز تو مسجد و دیرے نیست

دیدم ہمہ طالبان مطلوبانرا   آن جملہ توئی دور میان غیرے نہ

پھر اس خیال کے شغل میں مداومت و مواظبت کرے جو کوئی لحہ ولحظہ اس تصور سے خالی نہ رہے۔ اسباب میں سعی بہت کرے کہ سوائے سعی کے کوئی کام نہیں ہو سکتا السعی منی و الاتمام من اللہ ۔ حدیث شریفہ: الطیر یطیر بجناحیہ و المرء مرجوء جانور اڑتا ہے ساتھ پروں کے اور آدمی ساتھ ہمت سعی کے اور انتہائے اس تصور میں بہت عجائبات اور خوارق عادات وکشف کرامات معائنہ ہوں گے۔ بعد اس کے بھی کسی طرف ملتفت نہ ہو کر ترقی کرے۔ اپنے آپ کو درمیان سے اٹھائے چنانچہ نفی کرنے وجود وہمی اپنے کے واثبات ذات حق تعالیٰ میں کوشش کرے۔ چشم پوشیدہ اس طرح تصور کرے جس چیز کو ہم جانتے تھے کہ منم من نیستم حق ست۔ بدیں صورت ظاہر ہوا ہے اس تصور سے مداومت ایسی کرے حتی کہ آپ کو فراموش کر دے۔ اس وقت خود بخود باطن سے اس کے یہ ترانہ ظاہر ہوگا:

بیت

آنزا کہ من میگفتمش اکنون نمیدانم چہ شد   بسیار او را جستمش اکنون نمیدانم چہ شد

جب یہ تصور غالب ہوا اور ہستی موہومہ کو فراموش کر دے گا تب حجاب اٹھ جائے گا:

مثنوی

ہمون شاہد ہمون مشہود   غیر او نیست در جہان موجود

روز آن بتو بودم نمیدانستم   شب با تو غنودم و نمیدانستم

ظن بود کہ مرا بخود کہ من جملہ منم   من جملہ تو بودم نمیدانستم

بیخود و از خودی اپنے سے دور ہونا مقصود و مطلوب طالبان کا یہ ہے نہایت وکمال اتم درجہ فقیر ہی ہے۔ جب اس مقام میں پہنچا فنا فی اللہ اور بقاء باللہ کا درجہ حاصل ہوا۔ یہ حدیث ''مرغوب القلوب'' میں حضرت شمس تبریز صاحب مرقوم کرتے ہیں۔ اس وقت معلوم کرے گا۔ حدیث شریفہ: و من ادادت العبادت بعد الوصول فقد شرک باللہ یعنی بعد وصول کے ارادہ عبادت کا کرے تو شرک کیا ساتھ اللہ کے یہ استغراق کا درجہ ہے عالم صحو کا نہیں:

بیت

Marfat.com

آنرا کہ فنا شد و فقر این ست　　　نے کشف نہ معرفت نے دین ست
رفت اورنیان ہمیں خدا ماند خد　　　الفقر اذا تم ہو اللہ این ست

اسی واسطے مرقوم کرتے ہیں کہ درجہ صوفی کا کچھ چلہ وخلوتہائے وریاضات نہیں۔صوفی اس کو کہتے ہیں کہ:سر کل شی ھالک و یسر کل شی یرجع الی اصلہ واہنات ہوالبرجوع الی البدایت منہ دکھلائے اور اس بھید سے واقف ہو۔اے عزیز!ایسی معرفت وعرفان کے واسطے مظہر انسان پیدا ہوا ہے اور چند جگہ تعریف بھی خدا پاک اس کی فرمائی ورنہ خواب خورش کے واسطے حیوان بہت تھے اور عبادت کے واسطے ملائک اور جو مقصد حاصل ہوتا ہے عشق سے ہوتا ہے۔ حدیث شریفہ:العشق نارا اذا وقع فی القلب فاحترقت ما سوء المحبوب۔عشق آتش ہے پیدا ہوتی ہے بیچ دل کے پس جلا دیتی ہے سوا معشوق کے تمام چیز۔حدیث شریفہ:اقتلوا انفسکم بسیف المجاھدات و المخالفات یعنی قتل کرو تم نفس کو ساتھ مجاہدہ اور مخالفت اس کے من قتل نفس فانہ دینہ۔اے عزیز!کمال جنگ ہے اس میں استقامت لازم جیسا روم صاحب فرماتے ہیں:

مثنوی

کشتن ایں کار عقل وہوش نیست　　　شیر باطن سخرہ خرگوش نیست

خدا پاک کے سے رحمت ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مومنان طالبان کو اس مقصود پر واصل کرے بحرمت النبی والہ الامجاد۔

دربیان فوائد خدمت وتعظیم اولاد صالحین

جب حضرت جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ اصحاب کبار حضرت امیر المومنین ابا بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وامیر المومنین عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وامیر المومنین عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وامیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ معہ اہل بیت ودیگر اہل قریش سے ہجرت کر کے مکہ شریف سے مدینہ منورہ میں حکم الٰہی سے تشریف لے گئے اور ہروقت حضرت واصحاب کبار جو ساتھ تھے' عبادت الٰہی وتلقین امورات اسلام ارشاد ووعظ رسالت میں مشغول رہتے۔مردمان شہر مدینہ مبارک نے مشورہ کیا کہ واسطے خرچ ضروریات کے کچھ ذمہ اپنے مقرر خدمت حضور کی کریں تا کہ حضرت فراغ دلی سے عبادت وارشاد میں مشغول رہیں' جمع ہو کر خدمت حضور انور میں عرض کیا تب یہ آیت نازل سورہ شوریٰ میں ہوئی:قل لا اسئلکم علیه اجری الا المودة فی القربی کہہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو کہ تم سے کچھ مزدوری رسالت میں نہیں طلب کرتا لیکن محبت قربیٰ کی طلب کرتا ہوں کہ ساتھ قبائل واہل بیت میری کے خدمت کرو۔اس آیت میں تواضع کرنے اہل بیت اولاد انبیاء واولیاء کے فریضہ ہے کیونکہ اکثر اہل دنیا جو مال اپنے سے صالحین لوگوں کی خدمت تواضع نان پارچہ ونقد جنس سے کرتے ہیں اور وہ فراغ دل سے اس غذا کی قوت عبادت الٰہی میں صرف کرتے ہیں تو اہل دنیا کو کئی طرح کے فائدے دین ودنیا میں حاصل ہوتے ہیں۔مسئلہ میں مرقوم ہے کہ مہمان کے معدہ میں غذا جتنا عرصہ رہتی ہے اتنے عرصہ میں جو عبادت کرتا ہے ثواب اس صاحب غذا کو بھی برابر عبادت کرنے والے کے ملتا

Marfat.com

ہے۔اسی طرح آداب تعظیم واعزاز خدمت اولاد صالحین بندگان علیہم الرضوان کے ہر متنفس مسلمان پر واجب ہے' کیونکہ رویت وخدمت اولاد کے عین رویت وخدمت بزرگان کے ہے جیسا حدیث شریفہ میں جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:الولد سرا الابیہ یعنی فرزند بھید باپ کا ہوتا ہے۔دیگر حدیث شریفہ:اکرموا اولادی صالحون للہ والطالحون بی یعنی بزرگی وعزت کرو اولاد میری کی نیک جو ہوں واسطے اللہ کے اگر چہ بدعمل ہوں واسطے لحاظ میرے کے۔اگر چہ ظاہر ان کا ابتر ہی ہو' تاہم بھی ترک ادب کرنی لازم نہیں ان کو اپنے اعمال کی جزا ہوگی' آپ کو اپنے آداب کا نتیجہ حاصل ہوگا۔حدیث شریفہ:حب اھل بیتی مثل سفینة نوح من رکبھا نجا و من تخلف عنھا غرق یعنی محبت اہل بیت کی مانند کشتی نوح علیہ السلام کے ہے جس نے پکڑا اس کو خلاص ہوا جس نے خلاف کیا غرق ہوا۔حدیث شریفہ:من رای اولادی و کم لیقم قیاماً قاتلا اللہ بلاءِ لا دواءِ یعنی جس نے پایا اولاد میری کو اور نہ کھڑا ہوا واسطے تعظیم تواضع کے۔پس وارد کرتا ہے اللہ تعالیٰ بلا اس پر جس کی دوا نہ ہو۔مولانا روم صاحب فرماتے ہیں:

مثنوی

از خدا جوئیم توفیق ادب — بے ادب محروم ماند از لطف رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد — بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد
ہر کہ گستاخی کند اندر طریق — گردد اند وادیئے حیرت غریق
ادب تا جیست از لطف الٰہی — بنہ بر سر بروہر جا کہ خواہی

جس کو فیض حاصل ہوا آداب نیاز وعجز کے ساتھ ہوا۔سبحان اللہ نہایت درجہ ہے جس کو خدا تعالیٰ عطا کرے۔

سورۃ کہف قرآن شریف میں اولاد صالحین کا بیان نازل کیا:و اما لجدار فکان لغلمین یتیمین فی المدینة و کان تحتہ کنز لھما و کان ابوھما صالحاً ۔خضر علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام واسطے عمارت دیوار جو گرنے کے نزدیک تھی دولڑکیوں یتیم کے کہ خزانہ ان کا نقصان نہ ہو محض واسطے پاس خاطری اور لحاظ والد صالح ان کے مامور ہوئی تھی جو دیوار انہوں نے مرمت کی اور اہل تفسیر مرقوم کرتے ہیں کہ درمیان ان پسران و والد صالح جس کی تعریف خدا پاک قرآن میں فرمائی اور جن کے لحاظ کے واسطے خضر علیہ السلام وموسیٰ علیہ السلام کو خدمت کا حکم ہوا تھا' چہار دہ پشت گذر گئی تھی۔پس خدا تعالیٰ محافظت وحمایت لڑکیوں کی بعد گزرنے اتنی پشت کے جو درمیان میں باطل راستہ پر پشت ہائے گذری تھی' واسطے لحاظ ومنظوری اس مرد صالح کے کی تھی۔پس تعظیم وتکریم وخدمات اولاد صالحین واولیاء کرام اطاعت حکم الٰہی کی ہے ہر بشر پر واجب ولازم ہوئی''روضۃ الاحباب'' ودیگر کتابوں معتبر میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کوئی حرم محترم میں نے نہیں کی نکاح میں جب تک جناب الٰہی سے جبرائیل علیہ السلام حکم نہیں لایا اور اسی طرح دختران کو بھی حکم الٰہی کے ساتھ نکاح کیا:قولہ تعالیٰ ما ینطق عن الھویٰ ان ھوا الا وحی یوحیٰ حضرت کی شان میں نازل ہے کہ نہیں کچھ کیا میں نے خواہشہائے نفسانی سے جب تک جناب الٰہی سے وحی نہیں ہوا۔پس ثابت ہوا کہ تارک ہوا کا فعل فعل حق سے ہوتا ہے' جیسا روم صاحب فرماتے ہیں:

مثنوی

یاد دارم ہواؤ از وست — چون ہوا بگذاشتی ہوست
خطبۃ شاہان بگردد دان کیا — جز کیاء انبیاء و اولیاء
زانکہ فر بادشاہان از ہواست — بار نامہ اولیاء از کبریاست
گفتہ او گفتہ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
گرچہ قرآن ازلب پیغمبرست — ہزکہ گوید حق نگفت اوکافرست

اے عزیز! اسی طرح جب اولیاء کمال فنافی الرسول وفنافی اللہ ہو جاتا ہے' کوئی کام دینی یا دنیاوی بدون حکم الٰہی کے نہیں کرتا اور نکاح بھی اولیاء اللہ اس وقت کرتا جب واسطے مغفرت و مخلصی اولاد واہل عیال کے جناب الٰہی سے وعدہ ارشاد ہوتا ہے۔ جیسا ذکر کتاب ہذا میں جناب بابا فرید صاحب کا گذر چکا ہے۔ اسی طرح بدون حکم الٰہی کے ارشاد بیعت کا بھی نہیں جاری کرتے جب تک مغفرت کی پروازی ایزدی: و لسوف یعطیک ربک فترضیٰ کے وعدہ کا امیدوار نہیں ہوتے۔

نقل ہے حضرت جناب عبدالحق محدث دہلوی صاحب فاضل اجل ہندی اپنی کتاب ''اخبار الاخیار'' میں مرقوم کرتے ہیں۔ ایک روز حضرت بابا فرید صاحب محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین خلیفہ اپنے کو واسطے ارشاد سائلان کے حکم فرمایا۔ محبوب الٰہی نے عرض کی حضرت بندہ کو یہی ارادت حضور کی کافی ہے۔ ہجوم عوام میں نقصان ہوتا ہے اور بندہ ضعیف ہے۔ یہ بارگران خرقہ اٹھانے کے لائق نہیں ہے۔ تب دریائے سینہ فرید یہ میں جوش پیدا ہوا اور عالم ناسوت سے عالم لاہوت میں ہوئے۔ اس وقت یہ فرمایا اے نظام! یہ وعدہ کرتا ہوں بہشت میں اس وقت داخل ہوں گا جس وقت تمام مردمان جس کو تم بیعت کرو گے داخل کرلوں گا اور خرقہ خلافت وجود ذی جود تیری کے واسطے ابد سے تیار ہے۔ اس وقت یہ ارشاد محبوب سن کر سجدہ شکرادا کیا اور عام طور سے بیعت کرنی شروع کی۔ اے عزیز! بسبب مقبولی ومنظوری صالحین واولادان کے کے دعا میں تاثیر ہے جیسا ان لوگوں کی زبان میں سے جاری ہو ویسا ہی خدا پاک کر دیتا ہے چنانچہ قرآن شریف میں حق حضرت کے نازل: لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم لدعاء بعضکم بعضاء یعنی نہیں برابر پکارنا پیغمبر کا جیسا تم پکارتے ہو۔ مولوی روم صاحب فرماتے ہیں:

مثنوی

کان دعائے شیخ نے چون بردعاست — فانی ہست اوگفت خداست
چون خدا از خود سوال و گدکند — پس دعائے خویش را چون ردکند
آن دعائے بیخود آن خود دیگر ہست — آن دعا ز ونیست گفت داورست
آن دعا حق میکند چون او فناست — آن دعا وآن اجابت از خداست

اے عزیز! خداوند پاک دو شخص کے واسطے وعدہ جنت کا قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ اول خواہشہائے نفسانی کو باز رکھنے والے کو' دوسرا داخل ہونے والے صحبت وخدمت عبد صالحین کو' چنانچہ: و نھی النفس عن الھویٰ ہ فان الجنۃ ھی الماویٰ ط جس نے بند کیا نفس کو خواہشہائے سے پس اس کے واسطے بہشت بلند ہوگا۔ آیت: فادخلی فی

Marfat.com

عبدیo لا وادخلی جنتی یعنی داخل ہو بیچ بندیوں صالحین میرے کے تب داخل جنت میں ہو گے۔اے عزیز: جب تک صحبت وخدمت اہل اللہ میں داخل نہیں ہوتا، نفس کشی کا راستہ بھی نہیں ملتا۔ مولانا روم صاحب فرماتے ہیں:

مثنوی

نفس چون با شیخ بیند کام تو — ازین دندان شود او رام تو
عقل گاہے غالب آمد در شکار — بر سگ نفست کہ باشد شیخ یار
نفس اژدرہاست باصدز زروفن — روئے شیخ او را زمرد دیدہ کن
گر تو خواہی ایمنی از اژدہا — دستش از دامان مکن یکدم رہا
خاک شو در پیش شیخ با صفا — تاز خاک تو بروید کیمیا
نفس را تسبیح مصحف در یمین — خنجر و شمشیر اندر آستین
مصحف سالوس او باور مکن — خویش با او ہمسر و ہمسر مکن
صد زبان در ہر زبانش صد لغت — زرق و دستانش نیاید در صفت
چون بنزدیک ولی اللہ شود — آن زبان صد گزش کوتاہ شود
مکر نفس وتن ند اند عام شہر — اونگردد بوحی القلب قہر
پیر را بگزین کہ پیراہن سفر — ہست بس پر آفت وخوف وخطر
ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد — اوز غولان گمرہ و در چاہ شد
گر نباشد سایہ پیرائی فضول — بس ترا سرگشتہ دارد بانگ غول

قال النبی علیہ السلام. مولا مرتضیٰ. اذا تقرب الناس الی خالقھم بانواع البر فتقرب الی اللّٰہ بالعقل واتسر تسقھم بالدرجات والزلفیٰ عند الناس و عبداللّٰہ ۔اس حدیث شریفہ کی شرح روم صاحب نے کی ہے:

مثنوی

گفت پیغمبر علی را اے علی — شیر حقی پہلوانی پر دلی
لیک بر شیری مکن ہم اعتمید — آزرادر سایہ نخل امید
ہر کسے گر طاعتے پیش آورند — بہر قرب حضرت بیچون چند
تو تقرب جو بعقل و سر خویش — نے چوایشان برکمال و برخویش
آندرا در سایہ آن عاقلی — کس نتاند برد از راہ ناقلی
پس تقرب جوید و سوئے اللہ — سر بیچ از طاعت او ہیچگاہ
یا علی از جملہ طاعات الہ — برگزین تو سایہ خاص خدا
تو برو در سایہ عاقل گریز — تارہی زان دشمن پنہان ستیز

چون گرفتی پیرہن تسلیم شو — ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو
صبر کن بر کار خضر اے بے نفاق — تا نگوید خضر او ہذا فراق
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن — گرچہ طفلے را کشد تو مومکن
دست او را حق چو دست خویش خواند — تاید اللہ فوق ایدیہم براند
دست حق میراندش زندہ اش کند — زندہ چہ بود جان پایندہ اش کند

قرآن شریف میں حکم نازل ہے جب یہود نصاریٰ نسبت فرزندی کی ذات وحدہٗ لاشریک کو کرتے تھے: قولہ تعالیٰ قل ان کان للرحمن ولد انا اول العابدون ۔ کہہ یارسول اللہ! اگر ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرزند پس پہلے میں اس کی عبادت کرتا۔ عبادت سے مراد تواضع و تعظیم کی ہے۔ پس اس آیت سے بھی تعظیم تکریم اولاد صالحین کی تفہیم ہے۔ دوسری جگہ تعظیم اولاد بزرگان بسبب مکرم ہونے آبائی اجداد ان کے کے قرآن شریف میں وارد ہے: قولہ تعالیٰ والذین امنوا واتبعتم ذریۃ بایمان الحقنھم ذریتھم و ما السناھم من علیھم من شئ یعنی اولاد صالحین کو بمرتبہ پدران کے پہنچائیں گے۔ پس تعظیم و خدمت ان کی تعظیم بزرگاں کی ہے اور حقارت و بے ادبی ان کی عین حقارت و بے ادبی بزرگان کی ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ حضرت عبدالحق محدث دہلوی صاحب ''اخبار الاخیار'' میں مرقوم کرتے ہیں کہ وجود ذی جود اولیاء اللہ کا رحمت ہے شامل و نعمت کامل ساتھ تمام کے واصل۔ پس بموجب: و اما بنعمۃ ربک فحدث ذکر مناقب و فضائل ان کے کا نعمت عظمیٰ و عطیہ کبریٰ کا لازم ہے:

بیت

ہر کس کہ کمال اولیاء را نشناخت — دین نعمت خاص بے بہارا نشناخت
پس شکر نگفت و حب ایشان نگزید — میدان یقین کہ او خدارا نشناخت

اور ذکر محبوبان خدا و محبان درگاہ باعث نزول رحمت و سبب وصول قربت کا ہے۔ اس واسطے کہ ہر محبوب کو ذکر محب اپنے کا خوش آتا ہے اور محب کو ذکر محبوب کا۔ پس جب کمال معیت سے روئیت و خدمت اولاد کے خاص ان کے ہوئی اور فرمانبرداری جل شانہ و رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے اور مناقب اولاد صالحین کے عین مناقب صالحین کے ہیں۔ پس ذکر صالحین و اولاد صالحین کا ثمرہ رحمت کا ہوا۔ اس امید پر بندہ فقیر مصنف کتاب محمد حسین ولد پیر تاج محمود مرحوم مغفور نے کتابہائے و رسالہ ہائے قدیمہ سے کمال جانفشانی و مشقت سے بعد ملاحظہ و پسندیدگی حالات سجادہ نشین صاحب و استادیم صاحب زبدۃ الفضلاء قاضی غلام محی الدین صاحب جو یکتا زمانہ و صدہا کو مثل بندہ خاکسار فیض علم کا ان سے حاصل ہوا اور اب تک جاری ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو سلامت با کرامت رکھے' یہ کتاب طیار کی گئی۔ امید واثق درگاہ ایزدی و جناب بزرگان علیہم الرضوان سے ہے کہ منظوری ہوگی۔

ابیات دعا

دارم امید از خدائے جہان — کہ دہد از قبول خویش نشان
کند این را بلطف خویش قبول — بقبول خودش کند موصول

Marfat.com

سوئے اہل دلش روان سازد | جائے او درمیان جان سازد
اے خدا زارد ذوالفقارم من | بیکس و بینواؤ زارم من
بفقیری من فقیری نیست | جز توام ہیچ دستگیری نیست
مفلس و کمترین گدائے توام | آرزومند یک عطائے توام
نظر رحمتی بمن فرماء | بردلم لطف خویشتن فرما
نیست جز لطف تو کسے مارا | انت نعم الوکیل والمولیٰ

الحمد لله رب العلمين الصلوة والسلام على سيدالمرسلين سيد نا محمد مصطفى صلى الله عليه وسلم و على آله و اصحابه و سائر النبيين وآله و كل اصحابه و سائر الصالحين والمومنين والمومنات الاحياء والاموات و سائر الاقرباء برحمتك يا ارحم الرحمين اللهم صل على سيدنا محمد و علىٰ آل سيدنا محمد بعدد كل ذرة مائة الف الف مرة

ہر کہ خواند دعا طمع دارم | زانکہ من بندۂ گنہ گارم
نوشتہ بماند سیہ بر سفید | نویسندہ را نیست فردا امید

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

Marfat.com

پیر خادم حسین عمر فریدی

چراغ الچشت
یا
احوال المسعود

حصہ اول

الف

اللہ نوں بیٹھ کے یاد کریئے
(اللہ تبارک وتعالیٰ کو گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر
یاد کریں)

اللہ بادشاہ کل تقدیر ہے جی
اللہ سب کا بادشاہ اور کل پر قادر ہے

نبی صاحب سرتاج ہے انبیا دا
(حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم جو
کہ سرتاج ہیں تمام انبیا کے

ولی اک توں اک امیر ہے جی
اور دلیوں کے جو کہ ایک سے ایک بڑھ کر
امیر ہے)

روشن پاک رسول دا دین کیتا
(روشن کیا آں حضرت کے مبارک دین کو

حضرت پیر میراں دستگیر ہے جی
حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی
رحمتہ نے)

سید چشتی چراغ ہے پیر بخشا
(سید السادات چشتی چراغ ہے اے پیر
بخش!

جس دا نام فرید فقیر ہے جی
جس کا نام مبارک فقیر فریدؒ ہے)

یاایھا الناس اعبدو اربکم الذی خلقکم۔ فرمایا حضرت رب العزت تبارک وتعالیٰ نے کہ اے لوگو! بندگی کرو اپنے رب کی جس نے بنایا تم کو۔

پس لازم ہے کہ اس قادر مطلق کی جو بادشاہ ہے زمینوں اور آسمانوں کا گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر یعنی کل امورات دنیاوی سے فراغت حاصل کر کے اور اپنے دلوں کو ماسوا اللہ کے خالی کر کے عبادت و بندگی کریں اور اپنے قیمتی وقت کو مطابق تلقین و ہدایت مرشدی کے اس کی حمد وثنا میں صرف کریں۔

اوراس کی عطاء وبخشش [5] وقوتِ عمل کا شکریہ ادا کریں اوراس کے حبیب پاک حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر مطابق امرالٰہی کے بکثرت درود وسلام بھیجیں۔ قولہ تعالیٰ: یاایھا الذین امنوا صلو علیہ وسلموا تسلیما [6]۔

اور کمال محبت وعقیدت، متابعت وفرمانبرداری سے اپنے غلامی وخادمی کے رشتہ کو مضبوط تر ومحکم تر کر کے سلاسل محمدیہ ﷺ کے توسل سے معرفت وتوحید الٰہی کو حاصل کر کے مراد کو پہنچیں۔ قولہ تعالیٰ: یاایھا الذین امنوا اطیعو اللہ واطیعوا الرسول و اولو الامر منکم یعنی اے ایمان والو! تابعداری کرو اللہ کی اوراس کے رسول اور صاحب وقت یعنی شیخ کی۔

اللہ جل جلالہ واعمنوالہ تبارک وتعالیٰ کی نعمات وبرکات اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت پر اس قدر بکثرت وافزوں تر ہیں کہ ان کے شمار کرنے سے عقل انسانی قاصر ہے اور یہ سب کچھ اس رحمت للعالمین وشفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی محبت وطاعت سے ہے۔ و من یطع اللہ و رسولہ فقد فاذا فوزاً عظیماً۔ [8]

چنانچہ اولیائے امت کو اس قدر درجات ارفع وبلندتر اور معرفت وتوحید الٰہی وسرارات ذات ومقامات علوہیت حاصل ہیں کہ مطابق درجات ومراتب کے ہروقت انوارات وتجلیات الٰہیہ سے مست ومخمور اور سرشار رہتے ہیں۔ صبغة اللہ ومن احسن من اللہ صبغة ونحن لہ عبدون ۔(ہم نے لیا ہے اللہ کا رنگ اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اس کی بندگی پر ہیں)

اور ہر ایک ولی اللہ اپنے درجات ومراتب وفیوض وبرکات میں بزرگ ومکمل اور ایک نرالی ہی شان سے ظہور فرما ہے۔ کیونکہ یہی وجہ ہے کہ ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر دکھائی دیتا ہے۔

ان ولی اللہ کے درجات ومراتب کو بروز جزاء پیغمبران بنی اسرائیل وغیرہ دیکھ کر حسرت سے کہیں گے کہ اے کاش! ہم بھی امت محمدیہؐ سے ہوتے جو ان نعمات وبرکات کو حاصل کرتے۔

یہ تمام درجات ومراتب اور فیوض وبرکات حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات سے جناب امام المشائخین وسید المجاہدین، سلطان الفقراء حضرت شاہ علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کی وساطت وتوسل سے بذریعہ صوفیاء کرام کے پہنچے ہیں۔

معرفت الٰہی وفقر وغناء میں حضرت شاہ علی کرم اللہ وجہہ کا درجہ تمام صحابہ کرام میں افضل ہے۔ یا علی انت منی بمنزلة ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی ۔ مسلم میں سعد بن وقاصؓ سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ اے علی! تیرا رتبہ میرے نزدیک ایسا ہے جیسے ہارون کا موسیٰ کے نزدیک مگر اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں۔

قال النبی انا و علی نور واحد۔ فرمایا حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میرا اور علی کا نور ایک ہے۔ سبحان اللہ پھر کیوں نہ تمام سلسلوں سے سلسلہ قادریہ وچشتیہ ہو کہ حضرت سلطان الفقراء سے جاری ہیں۔ ممتاز وبزرگ تر ہوں جبکہ خود آنحضرت کا ارشاد ہے۔ انا مدینة العلم و علی بابھا۔ کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

Marfat.com

میاں پیر بخش صاحب صادق الیقین وعقیدت مند مرید سلسلہ عالیہ چشتیہ بہشتیہ کے تیسرے اور چوتھے مصرعہ میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت شاہ علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ سے جاری شدہ سلاسل میں سے خاندان عالیہ قادریہ کے ستارہ یعنی سید السادات جناب پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی قطب ربانی غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو جبکہ عوام نے احکام الٰہی سے روگردانی وعلمائے دین کی نافرمانی اور مبتلائے ہوائے نفس وخواہشات شیطانی اور ریا ومکر وبے عملی وبے ایمانی اختیار کی ہوئی تھی' از سرنو تازگی وخوش حالی اور مردہ دلوں کو ضیائے معرفت وتوحید الٰہی بخشی اور دین محمدیؐ کو زندہ وروشن کیا۔

اور خاندان چشتیہ عالیہ کے چراغ یعنی سید السادات جناب قطب العالم اغیاث ہند حضرت گنج شکر مسعود العالم فریدؒ نے اس ملک ہند کو اپنے فیوض وبرکات باطنیہ وکرامات ظاہریہ سے بنفس نفیس پر چہار جانب دورہ کر کے ممنون ومشکور فرمایا اور کافروں' بے دینوں اور منافقوں کو نور اسلام سے سرشار ومالا مال فرمایا۔ مردہ دلوں کو توحید الٰہی سے زندہ اور نابینوں کو نور معرفت سے بینا کیا۔

حضرت کے مرید وطالب اس کثرت سے ہیں کہ گنتی وشمار سے باہر ہیں۔ علاوہ انسانوں کے جنات وغیرہ نے بھی آپ سے فیض حاصل کیا۔

بعض کتب میں تحریر ہے کہ علاوہ مریدوں کے صرف بہتر ہزار خلفاء جن وانس ومخلوقات آبی میں سے تھے۔

(ب)

بندگی رب دی کرو[9] باوا تساں راہ فقیری دالنائیں
(تبارک وتعالیٰ کی بندگی کرو اے بیٹا۔ تم نے راہ فقیر کو اختیار کرنا ہے۔)
متیں دے فریدنوں نت مائی بچہ کے اساڈرے چلنائیں
(نصیحتیں کیں والدہ صاحبہ نے ہمیشہ باباصاحبؒ کو کہ بیٹا ہمارے حکم کی تعمیل کرنی ہے۔)
جے کر جیوندا مریں تا پھیر جیویں۔ مرکے سیک[10] پیاریدا جھلنائیں
(اگر جیتا ہی مریں تو پھر زندگی ہے۔ مرکے ہی اس کی رضا جوئی یعنی دکھ کو برداشت کرنا ہے۔)
دیندا تاسلاک[11] ہے پیر بخشا جنید انفر کر کے تینوں گھلنائیں
(دیتا ہے تکلیف پر تکلیف (آزمائشوں میں ڈال کر) اے پیر بخش! جسکا بندہ وغلام کر کے تمکو روانہ کرنا ہے۔)

وماخلقت الجن و الانس الالیعبد ون۔ حضرت حق سبحانہ تبارک وتعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے بنائے جن وانس اپنی بندگی وعبادت کے لئے لیکن عبادت کے اعلیٰ معیار پر۔ صرف اشرف المخلوقات یعنی حضرت انسان کا ہی گذر ہے کیونکہ پیدائش انسانی واسطے مجاہدات کے بیچ عبادت کے ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی کبد[12]
اور اس کی راہ[13] میں محنت ومشقت' رنج وبلا اٹھانے والوں سے اس حضرت رب العزت نے بہشت میں داخل

Marfat.com

کرنے کا وعدہ فرمایا ہے کہ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم و اموالھم الجنۃ۔ تحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ نے خرید لی ہے مومنوں سے ان کی جان اور مال اس قیمت پر کہ ان کو بہشت ہے۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں جو شخص اپنے جان و مال [۱۴] کو صرف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ اسے بہشت میں داخل فرماتا ہے۔ [۱۵]

میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ جناب والدہ صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے جناب قطب العالم حضرت فرید فرد کو ارشاد فرمایا کہ اے مسعود! سمجھ اور غور کر کہ انسان کا پیدا ہونا صرف ذات واحد کی بندگی و عبادت کے لئے ہی وقوع میں آیا ہے۔ پس مطابق امر الٰہی کے موت [۱۶] اختیاری کو گلے سے لگا اور اس کی راہ میں نعمات دنیاوی کو نثار کر کے دکھ و تکلیف برداشت کرنا اور کسی سالک [۱۷] اہل اللہ کی وساطت سے سراغ یار میں جستجو کر۔ کیونکہ بغیر راہبر کے موت اختیاری کا حاصل ہونا ناممکن ہے اور بدون موت اختیاری یا فنا کے گوہر مقصود کا ہاتھ آنا مشکل ہے:

فنا بغیر بقا کا پتہ نہیں ملتا　　　خودی مٹا لے نہ جب تک خدا نہیں ملتا [۱۸]

پس اے مسعود! تو اس ذات لامکان و بے نشاں کو تب ہی پائیگا جو اپنی اس ہستی موہومی کو اس کی راہ میں فنا و برباد اور اپنے آپ کو مردہ پائمال کر دے گا۔ لیکن اس پُر آشوب راستہ میں چلنے کے لئے جہاں کہ ہر روز نئی آزمائشات ثابت قدمی کے امتحان کے لئے اس مطلوب حقیقی کی طرف سے اپنے طالب و شدا پر نازل ہوتی رہتی ہیں۔ کسی شیخ کامل کی صحبت اختیار کرتا کہ رہنمائی و معاونت حاصل ہو۔

حضرت بابا صاحب نے دست بستہ عرض کی کہ سب سے پہلے آپ ہی خاکسار کے مرشد و راہبر ہیں کہ جنہوں نے اس غلام کو وہ باتیں جو انسان کو اس دنیا میں رہنے کے لئے ضروری ہیں' سکھائیں اور سب سے ضروری اور لازمی شے عبادت الٰہی تھی۔ سو آپ کی مہربانی سے حاصل ہے اور یہ آپ ہی کی کوشش وسعی و پند و نصیحت کا نتیجہ ہے کہ آج آپ اس غلام کو پابندی اور بجا آوری احکام شریعت میں قائم دیکھتی ہیں اور دیدار ربی کا مشتاق دیکھتی ہیں۔ سو از راہ کرم خاکسار کی اس معاملہ میں بھی دستگیری فرمائیں۔

چنانچہ والدہ صاحبہ نے آنجناب کو بطریق پیران عظام بیعت کر کے خاندان اولیہ شریف میں داخل کیا اور جہاد نفسی کے لئے جنگلوں میں رخصت فرمایا جس کا ذکر 'ج' کے بیت میں آئے گا۔

(ت)

ترک [۱۹] پھڑ ملک سیسار [۲۰] کولوں　　　تو ہوں نادان تھیں جوان بیٹا

(کنارہ کش ہو اس عالم فانی سے۔ اب تو نادان سے جوان ہوا ہے اے بیٹا۔)

لڑکے بالڑے دوستی لانوندے نی　　　ڈھونڈن اپنوں اپناہان [۲۱] بیٹا

(لڑکے اور بچے دوستی لگاتے ہیں اور اپنے ہم عمروں کی تلاش کرتے ہیں اے بیٹا)۔

جد ہے ہور ہے اوہنوں لبھ لیئے　　　توں بھی اپناہان پچھان بیٹا

(جس کے ہور ہیں اس کو ڈھونڈ لینا چاہیے۔ تو بھی اپنے دوست کی پہچان کرا اے بیٹا۔)

Marfat.com

کہے ماں فرید نوں پیر بخشا چھڈ جاوناں جگ جہان بیٹا

(کہا والدہ صاحبہ نے بابا صاحب کو اے پیر بخش! چھوڑ جانا ہے دنیا اور عجائبات دنیا کو اے بیٹا۔)

بیعت کر چکنے کے بعد جناب پیرو مرشد و راہبرہ شریعت و طریقت نے ارشاد فرمایا کہ اے مسعود! اب وہ وقت آ پہنچا کہ تو اس دوست حقیقی یعنی خالق کون و مکاں اللہ جلشانہ وعمنوالہ تبارک و تعالیٰ کی تلاش میں نکل۔ کیونکہ بفضل ایزدی اب تم جوان و بالغ ہو اور رنج و بلا کو برداشت کر سکتے ہو۔ چاہیکہ اس کی طلب و محبت میں اس دنیائے ناپائے دار فانی اور خواہشات نفسانی لطف و مزاو عیش زندگانی سے بے تعلقی و کنارہ کشی اختیار کر کے والذکر ربک فی نفسک اور والذکر اللہ قیاماً و قعوداً علی جنوبکم اور وجاھدوا فی سبیل اللہ پر عمل پیرا ہو۔ کیونکہ طلب اللہ فرض قبل کل فرض۔ فرمایا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ طلب اللہ کی فرض ہے ہر فرض سے پہلے۔

اور دوست کی طلب میں دوست کا ہو کر اپنے آپ کو دنیا کے فتنہ و فساد سے بچا۔ قولہ تعالیٰ

انما اموالکم و اولاد کم فتنه

الدنیا جیفة و طالبها کلب [۲۲]

فرمایا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دنیا مردار ہے اور اس کی طلب رکھنے والا کتا۔

پس لازم ہے کہ اس ذلیل و خوار و ناپائدار دنیائے مردار کو ترک کر کے حی قائم و باقی و دائم سے رشتہ الفت پیدا کرے کیونکہ بغیر ترک [۲۳] دنیا کے اور صابر و شاکر رہنے و رضا و بلا میں۔ اس تعالت شانہ کا قرب و وصل میسر نہیں ہوتا

کس نہ کردہ ترک سہ عارف نہ شد ترک دنیا ترک عقبےٰ ترک خود

ترک الدنیا راس کل عبادة و حب الدنیا راس کل خطیة فرمایا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ترک دنیا اصل ہر عبادت کی ہے اور محبت دنیا اصل ہر گناہ کی ہے۔

الدنیا ساعة و لیس فیها راحة فجعلو ا فیها طاعة۔ فرمایا حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ دنیا ایک ساعت ہے اور نہیں ہے اس میں کچھ خوشی۔ پس کرو تم دنیا میں خدائے تعالیٰ کی بندگی۔ [۲۴]

اس بیت میں میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ جناب والدہ صاحب نے حضرت قطب العالم فرید فردعنہ کو زر پرست لوگوں کی مثال دے کر سمجھایا ہے کہ یہ بندگان دولت عام طور پر اپنے ہم پلہ و ہم مرتبہ صاحب دولت سے رشتہ محبت قائم کرتے ہیں کیونکہ دنیا والوں کی محبت و الفت یارانہ و رسم اسی دولت کے لحاظ سے ہوتی ہے اور ان کی تمام محنت و مشقت اسی مردار کے واسطے ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کو نجات دہندہ مشکل کشاء حاجت روا یقین کیا [۲۵] ہوا ہے

کوڑی کے سب جہاں میں نقش و نگین ہیں کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

لیکن اے مسعود! [۲۶] تو تو عبد ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اور ایک ادنیٰ خلق ہے اس خالق کون و مکاں کی اور ایک ادنیٰ صفت ہے اس صانع و نامہ نگار یعنی موصوف حقیقی کی اور ایک ادنیٰ مملوک ہے اس واحد لا شریک. مالک الملک و قادر القدیر کی۔ اس لئے تمہیں چاہیے کہ اپنے مالک و خالق حقیقی سے جس کا کہ تو عبد و مملوک اور خلق ہے۔ دوستی و محبت پیدا کرے اور اپنے اس موصوف حقیقی ہی سے بہ حیثیت ایک صفت ہونے کے تعلق و لگاؤ اور نسبت کو ذکر د

Marfat.com

عبادت وزہدوریاضت سے قائم کرے اوراس کی تلاش وجستجو کرے۔ لیس علیکم جناح ان تبتغو افضلاً من ربکم۔ کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا۔

پس فقروفاقہ اورسفروسیاحت اختیار کر کے اس کی معرفت کی تلاش کرو۔ اور مطابق امر موتو اقبل [۲۷] انتموتوا کے موت اختیاری کو حاصل کرو تاکہ حیات ابدی حاصل ہو۔ [۲۸]

(ث)

ثابتی دے نال کرو رخصت ہتھ بنھ کے کہے فرید مائی

(مستقل مزاجی سے رخصت کرو دست بستہ عرض کی جناب فرید فرد نے والدہ صاحبہ سے۔)

اول امر تساڈڑا منائیں تسیں پیر تے اسی مرید مائی

(اول آپ کے حکم کو ماننا ہے۔ آپ مرشد ہیں اور میں آپ کا مرید ہوں اے والدہ صاحبہ!)

جس بات دے کیتیاں یار ملے اس بات دی کرو تاکید مائی

(جس فعل کے کرنے سے دوست ملے۔ اسی فعل کی تلقین وہدایت یا تاکید فرماؤ۔ اے والدہ صاحبہ!)

صاحب جانے نہ جانے پر پیر بخشا کرنی جان غلام شہید مائی

(خواہ وہ صاحب منظور کرے یا نہ کرے مگر اے پیر بخش! اس غلام نے اپنی جان قربان کردینی ہے۔)

پند ونصیحت سننے کے بعد جناب قطب العالم حضرت گنج شکرؒ نے عرض کی کہ اے پیر ومرشد! اپنے اس خادم و غلام اور بندہ بیدام کو وہ طریق کار یا عبادت تلقین فرمادیں کہ جس سے مقصود ہاتھ آئے۔ خواہ وہ کیسی ہی مشکل بات کیوں نہ ہو۔ بندہ اسے دل وجان سے بجالائے گا۔

پس ارشاد ہوا کہ اس کی حمد وثناء اور عبادت صرف فرمانبرداری اور مطابقت امر اور رضا جوئی ہی کے لئے کر اور اس پر اجرو نیگ یا بدلہ وثواب کی طلب وخواہش نہ رکھ اور نفس کو زہد وریاضت میں ڈال تاکہ عبادت حق میں تیرا شریک و دمساز ہو۔

پس حضرت بابا صاحب قطب العالم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے شوق دیدار اور رضا جوئی ستار وغفار میں بتوکل الی اللہ گھر سے قدم اٹھایا اور جنگلوں اور بیابانوں کو روانہ ہوئے۔

نوٹ: حضرت قطب العالم فرید فردؒ کا اکثر وقت آبادی سے دور، مقبروں اور خانقاہوں، جنگلوں اور بیابانوں میں ہی صرف ہوا۔ چنانچہ کوئی حصہ ملک آپ کی چلہ گاہ سے خالی نہیں۔

(ج)

جگ جہان وسار کے تے گئے جنگلاں ول فقیر میاں

(دنیا وعجائبات دنیا کو ترک کر کے جنگلوں کی طرف روانہ ہوگئے فقیر۔ اے میاں۔)

Marfat.com

جدوں بُھکھ تے پیاس دی طلب ہوندی توڑ کھانوندے جنڈ کریر میاں
(جب قوت لایموت کی خواہش ہوتی تو جنڈ اور کریر وغیرہ کے پتے توڑ کھا لیتے اے میاں۔)
تو ہی تو ہی پکار دے پھرن بھوندے۔ سک گیا تمام سریر میاں
(تُو ہی تُو ہی پکارتے ہوئے جنگلوں میں پھرتے تھے اور تمام جسم سوکھ گیا تھا۔ اے میاں۔)
عاشق مست احوال ۲۹ وچہ پیر بخشا۔ اک پلک نہ ہون دلگیر میاں
(عاشق و متوالے اپنے احوال و مواجید میں مست رہتے ہیں۔ اے پیر بخش! اور ایک گھڑی بھی مغموم نہیں ہوتے میاں۔)

حضرت قطب العالم اغیاث ہند فرید الدین گنج شکر قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز اللہ تبارک و تعالیٰ کی خواہش و طلب میں وفور شوق سے دنیا کو ترک کر کے جنگلوں اور بیابانوں کو تلاش و جستجو میں نکل گئے اور ذکر و شغل و مستی احوال میں اس قدر مستغرق ہوئے کہ آنجناب نے کھانے پینے کی فکر کو فراموش کر دیا۔ البتہ جب کبھی بھوک و پیاس کا غلبہ ہوتا تو جنڈ و کریر کے پتے توڑ کر کھا لیتے جو کہ پنجاب کے جنگلوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

باوجود اس قدر بھوک و پیاس اور سردی و دھوپ کے اور زہد و ریاضت اور جہاد بالنفس کے آنجناب کے پائے استقلال میں ذرا جنبش نہ ہوئی اور نہ ہی ان مصائب سے دل شکستہ و مغموم ہوئے بلکہ ہر وقت اس دوست حقیقی کی یاد میں ۳۰ مشغول و مصروف اور انوارات و تجلیات الٰہیہ سے مست و مخمور اور اس ذات واحد کی حمد و ثنا اور ذکر و عبادت میں مشغول رہتے اور اپنی مستی احوال میں اسی کے نام کے گیت گاتے پھرتے تھے۔ انت الاول و الآخر و الظاھر و الباطن۔

نوٹ: اس بارہ سالہ چلہ میں تقریباً تمام پنجاب کا آپ نے دورہ کیا اور اولوالعزم و صاحب کشف و کرامات بزرگوں کی خانقاہوں پر چلے کاٹے۔ چنانچہ آنجناب لاہور بھی تشریف لائے اور سلطان المشائخ قطب العارفین و قدوۃ المحققین حضرت مولانا علی مخدوم داتا گنج بخش ۳۱ صاحب ہجویریؒ کے مزار مبارک پر ذکر و شغل میں مصروف رہے۔ آنحضرت کے مزار شریف سے کچھ فاصلہ پر ایک ٹیلہ ہے جو کہ اب ڈھبہ بابا فرید ۳۲ کے نام سے مشہور ہے۔ اس پر جناب بابا صاحب کچھ عرصہ عزلت گزیں و گوشہ نشیں رہے اور اسی جگہ پر آپ کو بحکم باطن گھر پر جناب والدہ صاحبہ کی خدمت میں جانے کی اجازت ہوئی۔

(ح)

حکم ہویا شہر آونے دا جنگل پھردیاں نوں بارہ سال ہوئے
(حکم ہوا شہر میں آنے کا۔ جب جنگلوں میں پھرتے بارہ برس گذر گئے۔)
ودھے نہوں تے رنگ بھبوت ہویا جواں کردیاں نتے لمبے وال ہوئے
(بڑھ گئے ناخن اور رنگ خاکستر یعنی سانولا ہو گیا۔ جوئیں ٹپ ٹپ گرتی تھیں اور بال بہت بڑھ گئے تھے۔)
ہتھ بنھ فرید سلام کردا مائی نال جواب سوال ہوئے

Marfat.com

(دست بستہ جناب بابا صاحب نے سلام کیا۔ والدہ صاحبہ کیساتھ سوال و جواب ہوئے۔)

محتا نوالیاں نوں آسان پیر بخشا جھاں کیتیاں سونہال ہوئے

(محنت کرنے والوں کو امیدیں ہیں اے پیر بخش! جنہوں نے کئے اعمال نیک وہی شاداب ہوئے۔)

حضرت بابا صاحبؒ کو تقریباً بارہ برس گذرنے پر جب گھر جانے کی اجازت ملی تو اس وقت آپ کا رنگ و روغن خاکستر یعنی سیاہی ۳؎ مائل اور بال ۴؎ بہت بڑھے ہوئے تھے اور آپ کی گدڑی اور بالوں میں جوئیں اس کثرت سے تھیں کہ زمین پر ٹپک ۵؎ رہی تھیں۔

شرف قدم بوسی حاصل کر چکنے کے بعد دو زانو بیٹھ کر جناب والدہ صاحب رحمتہ اللہ علیہا کو حالات سفر سنانا شروع کئے یعنے وہ تمام مجاہدات جو اس بارہ سالہ چلہ میں کئے تھے اور حاصل شدہ برکات کی تمام کیفیتیں اظہار کیں؛ جن کو سن کر جناب والدہ صاحبہ رحمتہ اللہ علیہا بہت خوش ہوئیں اور سجدہ شکر درگاہ عالی میں بجالائیں کہ یہ سب تیری ہی مہربانی اور راہنمائی و فضل و کرم سے ہے۔

(خ)

خوشی ہوئی جدوں ماں ملی جو آں دیکھ دی دلوں پیار کر کے

(خوشی ہوئی جب والدہ صاحبہ ملیں جوئیں نکالنے لگیں محبت قلبی کے ساتھ۔)

کھچیا وال خرید نے سی کیتی جھڑکان دے مائی مار و مار کر کے

(جب بال کھینچا بابا صاحب نے سی کی؛ جھڑک دی والدہ صاحبہ نے غصہ و رنج سے۔)

جھاں رکھاندیاں کونبلاں کھادیانی اوہ رکھ روون زار زار کر کے

(جن درختوں کی کونپلیں کھائی ہیں وہ درخت زار زار رو رہے ہیں۔)

کہے ماں فرید نوں پیر بخشا روئی کاٹھ دی پھڑ و اعتبار کر کے

(کہا والدہ صاحبہ نے بابا صاحب کو اے پیر بخش! روٹی لکڑی کی پکڑ و کمال یقین کے ساتھ۔)

(د)

درد سناؤندے ماں تائیں۔ کھادیاں کونبلاں واسطے بھکھ دے جی

(اپنی درد کہانی والدہ صاحبہ کو سنائی کہ نوش کی ہیں کونپلیں واسطے بھوک کے۔)

سدا خوف خدا تھیں جسم کنبے پتر توڑ کھادے جہڑے رکھدے جی

(ہر وقت خدا کے خوف سے جسم کانپتا ہے۔ جو پتے درختوں کے توڑ کر کھالئے ہیں۔)

بھلگئے ہاں بخش گناہ مائی اساں سی کیتی مارے دکھدے جی

(غلطی ہوئی اس گناہ کو بخشو والدہ صاحبہ۔ ہم نے ہائے درد کی وجہ سے کی ہے۔)

Marfat.com

بُھکھا آدمی آکھدا پیر بخشا   کجھ ملے تاں پائے وچ مکھ دے جی

(بھوکا آدمی یہی کہتا ہے اے پیر بخش! خواہ کچھ ہی کیوں نہ ملے تاکہ منہ میں ڈالے۔)

(ذ)

ذرہ نہ مائی نے ترس کیتا   کہیا ڈھونڈ فقیری نوں جاہ بیٹا

(والدہ صاحبہ نے ذرہ بھی رحم نہ کیا۔ بولیں کہ فقیری کی تلاش کر اور جاؤ اے بیٹا۔)

بُھکھ دُکھ دا نہیں دھیان کرنا   صرف یار دی رکھنی چاہ بیٹا

(بھوک اور تکلیف کا بالکل خیال نہیں کرنا۔ صرف دوست کی ہی محبت رکھنی ہے اے بیٹا۔)

باراں برس اناج نہ کھاؤناں ئی   روٹی کاٹھ دی نال نباہ بیٹا

(بارہ برس اناج نہیں کھانا ہے۔ لکڑی کی روٹی کے ساتھ گذر کرو اے بیٹا۔)

سجن آء بولاؤندا پیر بخشا   جے کر مل بہیئے اوہدا راہ بیٹا

(ساجن آن بلاتا ہے اے پیر بخش! اگر اس کے راستہ پر گوٹھ مار کر بیٹھ جائیں اے بیٹا۔)

اس بارہ سالہ جدائی کے بعد طرفین کو ملاقات سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ حالات سفر سن چکنے پر والدہ صاحبہ نے باتقاضائے محبت مادری آنحضرت کے سر مبارک سے جوئیں نکالنی شروع کیں اور ساتھ ہی یہ جاننے کی خواہش کی کہ میرے مسعود نے نفس کشی کو کہاں تک پہنچایا ہے۔ القصہ آنجنابہ نے حضرت کے بال مبارک کو کھینچا تو درد کے سبب سے بابا صاحبؒ کے منہ سے علامت تکلیف ظاہر ہوئی یعنی آہ نکل گئی جس سے جناب والدہ صاحبہ نے نتیجہ اخذ کیا کہ ابھی بہت کسر باقی ہے۔

فرمایا کہ اے مسعود! تمہیں تو صرف ایک بال کے کھینچنے نے اس قدر تکلیف محسوس ہوئی کہ بے ساختہ منہ سے ہائے نکل گئی۔ بھلا وہ درخت جن کے پتے تم کھانے کے واسطے توڑ ہی لیا کرتے تھے وہ کیسے آرام سے رہ سکتے ہیں۔ ضروری ہے کہ وہ گریہ زاری اور آہ نالہ کر رہے ہوں کیونکہ وہ بھی تمہاری طرح ٣٦ سے جاندار اور اس مالک الملک کے عبادت گذار ہی ہیں۔ والنجم والشجر یسجدان [٣٧] فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہ جھاڑ اور درخت لگے ہیں سجدہ میں یعنی تمام درخت و پودے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہیں۔

افسوس کہ تمہاری نفسانیت سے ان بے خواہش و بے ریا عابدوں کو ناحق تکلیف پہنچی۔

جناب بابا صاحبؒ نے دست بستہ ہو کر عرض کی کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی لیکن آپ خیال فرمائیں کہ بندہ شدت بھوک و گرسنگی سے لاچار ہو کر صرف چند پتے جو تلخی کم کرنے کو نا کافی ہوتے، روزہ افطار کرنے کے وقت استعمال میں لاتا تھا۔ بندہ آپ سے معافی کا خواستگار ہے اور آئندہ مطابق حکم حضور کے تصدق چلنے کو کمر بستہ تیار ہے۔ جو حکم مرشدی ہو گا بے کم و کاست اور بغیر چون و چرا کے بجا لاؤں گا۔

پس والدہ صاحبہ نے ارشاد فرمایا کہ اس دوست حقیقی کی خوشنودی اور رضا جوئی حاصل کرنے کے لئے غذائے

Marfat.com

ظاہری ترک کرو اور سنت نبوی ادا کرنے کے لئے پیٹ پر لکڑی کی روٹی باندھو۔ کیونکہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیٹ مبارک پر پتھر باندھے تھے۔

پس تم اپنے اس ظاہری جسم سے بالکل بے تعلق و بے حاجت ہو جاؤ اور اپنے باطنی جسم سے تعلق پیدا کر کے اس سے کام لو تا کہ اپنی اصلیت کی پہچان ہو۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه۔ کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو جانا۔

پس غذائے ظاہری کو ترک کر کے غذائے باطنی ذکر نوری و شغل برزخ سے حاصل کرو اور لاچاری و بے بسی وغیرہ کے خیالات اور ان وجودی حاجات کو بالکل نیست و نابود کر کے یک جہتی حاصل کرو تا کہ اپنے ۳۸ باطن کی پہچان ہو کیونکہ بغیر پہچان کے زہد و ریاضت اور بندگی و عبادت بے سود اور نا قابلِ منظوری ہے۔ لا یقبل اللّٰہ تعالیٰ عبادۃ العبد بغیر معرفت اللّٰہ تعالیٰ و ان کان فی العبادۃ الف سنة و ان لم یکن للعبد فی العبادہ معرفة الحق خفی العقوبة۔ فرمایا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ نہیں قبول کرتا اللہ تبارک و تعالیٰ عبادت بندہ کی بدون پہچاننے اس بھیدوں کے اگرچہ ہو عبادت میں ہزار سال اور اگر نہیں ہے بندہ کو شناخت یعنی معرفت و شناس تو الٹا عذاب میں ہے۔

جناب والدہ صاحبہ نے حضرت بابا صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کو خاندان اویسیہ شریفہ میں بحکم الٰہی صاحب مجاز اور مرفوع الاجازت کر کے یادِ الٰہی کے لئے جنگلوں کو رخصت فرمایا اور مستقل مزاجی و ثابت قدمی کی تاکید کی کہ اگر تم زہد و ریاضت و محنت و جفا میں صبر و تحمل اختیار کرو گے تو مالک تمہیں خود ڈھونڈ لے گا۔ قوله تعالیٰ و اللّٰہ مع الصابرین۔

میاں پیر بخش صاحب غلامان غلام خاندان چشتیہ صابریہ ذال کے بیت میں جناب والدہ صاحبہ حضرت گنج شکرؒ کے صبر و تحمل کی تعریف بیان کرتے ہیں کہ حضرت بی بی مریم خاتون اکبر بیگم بنت سید عبداللہ شاہ اویسیؒ عارفہ و کاملہ زمانہ اور واصلان حق میں سے تھیں۔ یہ انہی کا حوصلہ و استقلال تھا کہ خداوند تبارک و تعالیٰ کے معاملہ میں محبت مادری و جوش خوں پر صبر و تحمل کیا اور بارضا و رغبت اپنے لختِ جگر کو مصائب جھیلنے ویران جنگلوں اور سنسان بیابانوں میں وحشی درندوں اور خونخوار جانوروں کا مسکن ہے روانہ کیا جہاں سوائے ذات ربی کے کوئی یار و مددگار اور مونس و غمخوار نہ تھا۔

(ر)

رب نوں سونپیاں کرے مائی۔ جدھروں آئے سن اودھر ے اٹھ چلے

(خدا کے سپرد کیا والدہ صاحبہ نے پس جس طرف سے آئے تھے اسی طرف واپس روانہ ہوئے۔)

ننگ بھکھ تے نفس نوں صبر دیکے روٹی کاٹھدی نوں لیا بنھ پلے

(برہنگی اور گرسنگی پر نفس کو ثابت قدم کر کے لکڑی کی روٹی کو دامن میں باندھ لیا۔)

حکم من فرید وچہ بیلیاں دے دیدیار خاطر گئے اٹھ کلے

(حکم مرشدی پر لبیک کہہ کر جنگلوں میں دوست کے دیدار کی خاطر جناب بابا صاحب اکیلے روانہ ہوئے۔)

بت پھرے جنگل وچہ پیر بخشا　　روح رہے پیاریدی تاہنگ دلے

(بت تو جنگلوں میں پھرتا تھا اے پیر بخش! لیکن روح دوست کے انتظار میں مستغرق تھا۔)

حضرت جناب قطب العالم فرید الدین گنج شکرؒ نے لکڑی کی روٹی اپنے پیٹ پر باندھی اور اس دوست حقیقی کے دیدار کی خواہش میں خورد و نوش سے کنارہ کش ہو کر یا بحکم مرشدی اپنے دل میں پختہ ارادہ کر کے کہ سوائے اس لکڑی کی روٹی کے کچھ نہیں کھانا' جنگلوں کو روانہ ہوئے۔

میاں پیر بخش صاحب نے اس بیت میں منجملہ اور صفات کے چار صفتوں کا بیان کیا ہے۔ یعنی مصرعہ اول میں استقلال و ثابت قدمی اور مصرعہ دوم میں توکل اور مصرعہ سوم میں فرمانبرداری شیخ اور مصرعہ چہارم میں مستی احوال یعنی محویت تامہ یا حالت سکر کا بیان کیا ہے۔

ا۔ استقلال: استقلال اور ثابت قدمی کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ باوجود جنگلوں اور بیابانوں میں تقریباً بارہ برس تزکیہ نفس یعنی زہد و ریاضت میں شدید تر مصائب برداشت کرتے ہوئے گذارے۔ مگر آپ ان مصائب سے بالکل دل شکستہ و مغموم نہ ہوئے اور نہ ہی آپؒ کے پایہ استقلال میں سنسان جنگلوں کے دہشت ناک نظاروں سے ذرہ بھر جنبش ہوئی اور نہ ہی تکالیف برداشت کر چکنے پر کچھ روز ستانے اور آرام کرنے کی خواہش کی بلکہ عشق الٰہی میں ایسے یگانہ ثابت ہوئے کہ وفور شوق سے اسی وقت بحکم مرشدی دوبارہ اپنے آپ کو مصائب کے منہ میں دھکیل دیا۔ یعنی تصفیہ قلبی کے لئے جنگلوں کو روانہ ہوئے۔

۲۔ توکل: تقریباً تمام اقسام توکل کی جو کہ ہو سکتی ہیں' آپ میں موجود تھیں' جن میں سے چند اقسام کا ذکر اس جگہ مطابق درجہ و مقام کے کیا جاتا ہے۔ واضح ہو کہ صاحب توکل کو متوکل کہتے ہیں اور ان متوکلوں کے حسب ذیل گروہ ہیں:

اول: وہ درویش جو اپنا پیٹ سواپہر کی گدا سے بھرتے ہیں اور اس معینہ وقت کے گذرنے پر کسی سے سوال نہیں کرتے۔

انہوں نے اس بات پر اعتقاد کیا ہوا ہے کہ وہ رازق ہمارا مقسوم ۳۹ہمیں بغیر محنت و مشقت کے دیتا ہے چنانچہ وہ اپنے منتشر مقسوم کو سواپہر کی گدا میں اکٹھا کراتے ہیں۔

لیکن ان کے قول کی صداقت کا پول بالکل آشکارا ہے کیونکہ وہ لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ آپ خیال فرمائیں کہ جو شخص بے صبری سے اپنی کٹیا چھوڑ کر قوت لایموت کے لئے دربدر مانگتا پھرتا ہے وہ کب متوکل کہلانے کا مستحق ہے لیکن اس گروہ کا معینہ وقت ہمیں مجبور کرتا ہے کہ انہیں بھی متوکلوں کے زمرہ میں شمار کریں۔

یاد رہے کہ اہل اللہ کے نزدیک یہ گروہ سب سے ناقص گروہ ہے لیکن مانگت درویشوں اور فقیروں میں یہ افضل گروہ ہے۔ اپنی معینہ گدا کے سبب سے عام طور پر انہیں متوکل خورا کیہ یا متوکل وقتی کہا جاتا ہے۔

دوم: وہ درویش جو قوت لایموت کے لئے کسی سے سوال نہیں کرتے اور جب انہیں بھوک غلبہ دیتی ہے تو کٹیا

Marfat.com

سے نکل کر بستیوں کے چکر لگاتے ہیں۔ بغیر دست سوال دراز کرنے کے اگر کوئی شخص انہیں کچھ دے تو اسے اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ اور ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول وہ جو یافت کو صرف اپنے ہی پر صرف کرتے ہیں اور دوسروں کو بدین خیال کچھ نہیں دیتے کہ صرف ہمارا ہی مقسوم ہے۔ اگر اس میں غیر کا حصہ ہوتا تو ہمیں ہرگز نہ ملتا۔ دوئم وہ جو اپنی یافت کو دوسروں پر بوقت ضرورت ایثار کر دیتے ہیں یا عام طور پر بانٹ کر کھاتے ہیں۔ یہ لوگ قسم اول سے افضل ہیں اور اگروہ اول سے بھی افضل ہیں لیکن اہل سلوک کے نزدیک ناقص ہیں۔ عام طور پر ان کو متوکل سفلی یا متوکل ضربی کہتے ہیں۔

سوئم: وہ لوگ جو نہ ملنے کی وجہ سے فاقہ پر فاقہ کرتے ہیں لیکن اپنی کٹیا سے بالکل ۴۰ باہر نہیں نکلتے اور اسی پیدا کرنے والے سے ہی قوت لایموت کا سوال کرتے رہتے ہیں لیکن ماسوااللہ سے بھول کر بھی سوال نہیں کرتے۔ جب کوئی ان کے پاس لے کر خود چلا آئے تو ۴۱ ہدیہ کو رد نہیں کرتے بلکہ اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ اس گروہ کو متوکل فاقیہ یا متوکل صفتی کہتے ہیں۔

چہارم: وہ صائم الدہر درویش جو اپنی کٹیا میں ہی پڑے رہتے ہیں اور قوت لایموت کا سوال نہ تو مخلوق سے اور نہ ہی خالق سے کرتے ہیں بلکہ اس کی رضا و بلا پر ہر وقت صابر و شاکر رہنے کے کوشاں ہوتے ہیں۔

یہ گروہ مذکورہ بالا تینوں گروہوں سے راضی برضا رہنے کی وجہ سے افضل ہے کیونکہ پہلے تینوں گروہ مخلوق کی محبت اپنے دلوں میں لئے ہوئے ہیں یعنی ان لوگوں سے محبت وانسیت رکھتے ہیں۔ جو کہ ان کے واسطے خورد و نوش کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ جبلت القلوب علی حب من احسن الیھا و یغفر من اساۓ علیھا۔ فرمایا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ دلوں کی جبلت ہے کہ جو کوئی نیکی کرے اسے دوست رکھے اور جو بدی کرے اسے دشمن رکھے لیکن یہ گروہ اس سے لینے دینے والے کا احسان خیال کریں اور اس سے محبت رکھیں، محفوظ ہیں کیونکہ یہ لوگ صرف مالک الملک وخالق کل کا ہی احسان مانتے ہیں کیونکہ سب کچھ اسی کا ہے اور وہی دیتا دلاتا ہے۔ ۴۲

نیز انہیں لوگوں سے بعض ایسے بھی نکل پڑتے ہیں جو دینے دلانے کے معاملہ میں خداوند تبارک وتعالیٰ کا احسان بھی تسلیم نہیں کرتے، بدیں خیال کہ جو کچھ منقسم ہے وہ منشاء ازلی کے تحت میں انسانی زندگی کے لئے ضروری اور لابد ہے کیونکہ اس کے بغیر جیسا کہ قانون قدرت ہے، زندگی ناممکن ہے۔ نیز یہ کہ اسے اپنے ارادہ کے مطابق مقررہ وقت تک ہماری زندگی منظور ہے اس لئے اس کا لازمہ بھی ضرور ہے مثلاً یہ کہ بحیثیت عبد ہونے کے ہم پر عبادت و بندگی فرض ہے۔ اسی طرح بحیثیت خالق ورازق ہونے کے اس پر اپنی مخلوق کے لوازمات زندگی اپنے قانون کے مطابق واجب ہیں کیونکہ بغیر خوراک مثلاً روٹی، پانی، ہوا وغیرہ کے یا ان میں سے اگر ایک بھی کم ہو جائے تو زندگی ناممکن ہے۔ اس گروہ کو متوکل اوراکیہ کہتے ہیں۔

پنجم: وہ درویش جو بعض اوقات کچھ ملنے پر بھی نہیں لیتے اور اگر لیتے ہیں تو دوسروں کو کھلا دیتے ہیں۔ جب تک آئی ہوئی چیز کو تقسیم نہ کر دیں یا اپنے سے دور نہ کر دیں قرار نہیں پکڑتے اور خود بالکل تھوڑی سی مقدار پر کئی کئی دن گذار دیتے ہیں اور جب باہر نکلتے ہیں یعنی نماز جمعہ اور نماز عیدین کی خاطر جب شہر میں جاتے ہیں تو شہریوں کے حق میں جب تک کہ شہر میں رہیں، دعا مانگتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

لیکن اسی گروہ میں ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو اس لینے دینے کے جھگڑوں کو بالکل ترک کر کے جنگلوں بیابانوں میں نکل جاتے ہیں اور جنگل کے گھاس پات سے روزہ افطار کر لیتے ہیں۔

نیز انہیں میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی مستی احوال سے کھانا پینا بالکل بھول جاتا ہے۔ ان متوکلوں کو متوکل قربی ۴۳ کہتے ہیں۔

ششم: وہ بزرگ جنہوں نے اپنی زندگی کا دارومدار صرف منشائے ایزدی پر رکھا ہوا ہے اور خورد و نوش کی قیود سے خدا پر بھروسہ کر کے اپنے آپ کو آزاد کیا ہوا ہے یعنی خوراک پر مدار زندگی کے بھروسہ کو ترک کر کے صرف ذات پر قائم کیا ہوا ہے۔

اور وہ مالک جو مستغرق بالذات اور مشغولیت بالذات اس قدر رکھتے ہیں کہ اپنے آپ کا اور اپنے وہم و گمان کا کہیں نشان نہیں پاتے یا جنہوں نے محبت الٰہی میں اپنے آپ کو ایسا فنا کیا ہے کہ اپنے آپ سے آپ ہی گم ہو گئے ہیں یعنی قرب فرائض میں داخل ہیں، وہ بھی اسی گروہ میں شامل ہیں۔ بس گروہ کو متوکل کلیہ...... یا متوکل ذاتی کہتے ہیں۔

یہ گروہ تمام مذکورہ بالا گروہوں سے افضل تر اور بزرگ تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صاحب نشاں یا مجدد الوقت پیران عظام نے شغل نوری کو اپنا وطیرہ جانا ہوا تھا۔ بلکہ خود آنجناب حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ واہلبیتہ وسلم نے اس شغل میں نوری کو دائمی اختیار کیا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنی تریسٹھ سالہ زندگی میں صرف گیارہ سیر اناج ۴۴ استعمال کیا اور حضرت گنج شکر مسعود العلمین فرید ۴۵ فردؒ نے اس سنت کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا۔ آپ نے اپنی تمام عمر میں صرف بارہ سیر اناج استعمال کیا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ زہدالانبیاء کے مبارک نام سے اس تعالیٰ شانہ وتبارک و تعالیٰ کی طرف سے ملقب و سرفراز فرمائے گئے۔

۳۔ مطابقت و فرمانبرداری: شیخ کے احکام پر بغیر نکتہ چینی اور قیل وقال کے کاربند ہونا اور ہر ایک ارشاد پر صدق دل سے امنا و صدقنا کہنا یا کہ اپنے مرشد کو اپنے او پر کلی اختیار دیدینا اور اپنے آپ کو ایک عورت کی طرح جیسے کہ وہ اپنا آپ اپنے خاوند کو بخش دیتی ہے یا سپرد کر دیتی ہے، اپنے خاوند یعنی راہبر طریقت کے سپرد کر دینا اور سوائے کارگذاری و خدمت کے کسی بات سے سروکار نہ رکھنا ہے اور شیخ کا ادب و خوف حاضر و غائب یکساں رکھنا ہے یعنی یہ کہ جب مرید دوری میں ہو تو اپنے شیخ کو اپنے ہمراہ تصور کرے اور ایسا ہی ڈر اور ادب اپنے دل میں رکھے جیسا کہ حضوری میں رکھتا ہے اور جب حضوری میں ہو تو اپنے آپ کو خدمت و کارگذاری کے لئے تیار و مستعد و کمربستہ رکھے۔ جونہی کہ شیخ کی زبان سے کوئی لفظ سنے یا کوئی اشارہ حاصل کرے، فوراً عمل کرے اور اپنے نفع ونقصان کو بالکل شیخ کے اختیار میں کر دے یا اپنے آپ کو بالکل شیخ کے ایماء پر چھوڑ دے:

به مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

مشائخ کا قول ہے کہ طالب کو اپنے مطلوب کا فرمانبردار اور زیر حکم اس طرح پر ہونا چاہیے جس طرح کہ انسانی اعضاء انسان کے زیر حکم ہیں۔ مثلاً ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ جونہی کہ انسان کسی چیز کے پکڑنے کا ارادہ کرتا ہے فوراً ہی ہاتھ اس

Marfat.com

چیز کے پکڑنے کو بڑھتا ہے یا جونہی کہ انسان چلنے کا ارادہ کرتا ہے۔ فوراً ہی پاؤں مسافت طے کرنے کو آگے بڑھتا ہے۔

پس ہاتھ پاؤں وغیرہ کا فوراً ہی حرکت کرنا ثابت کرتا ہے کہ وہ پہلے ہی سے اشارہ وایماء کے منتظر اور کارگذاری کے لئے مستعد اور تیار تھے کہ حکم پاتے ہی عمل کرنے لگ گئے۔

پس جب تک کہ طالب اپنے شیخ کی حکومت کو بعینہٖ ان انسانی اعضاء کے جس طرح کہ انہوں نے دل کی حکومت کو تسلیم کیا ہوا ہے۔ اور اس کے زیر حکم ہیں۔ اپنے اوپر وارد نہ کرے گا۔ تب تک وہ اس راہ طریقت میں درجات و منازل طے نہیں کرسکتا۔

چنانچہ حضرت بابا صاحب گنج شکرؒ نے جونہی کہ دوسرے چلہ کا حکم سنا۔ فوراً ہی مطابق امر کے پیٹ پر لکڑی کی روٹی باندھ کر جنگلوں کو روانہ ہوئے۔

حاشیہ: گذارش ہے کہ بعض اصحاب ہندوستان اور دیگر ممالک میں ایسے بھی موجود ہیں جو قرب الٰہی اور دیدار ربی کے از حد مشتاق اور خواہشمند ہیں لیکن اس صاحب حکمت کے وضع کردہ قانون یاایھا الذین امنو اطیعو اللّٰہ واطیعو الرسول واولی الامرمنکم پر بالکل توجہ ہی نہیں دیتے اور آنحضرت سرورعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اقوال کو سنتے ہیں۔ مثلاً مطیع الکامل حبیبی اور حب الفقراء مفتاح الجنة الصحبة یتاثر۔ وغیرہ وغیرہ لیکن اولیاء اللہ اور مشائخ وقت کی صحبت تو درکنار۔ الثاان سے ملنے والوں کو مورد طعن و تشنیع قرار دیتے ہیں اور خود پرواز کی کوشش کرتے ہیں کہ رب العرش تک جا پہنچیں لیکن اس کے مقررہ طریق یعنی حبل اللہ اور حبل المتین کو اختیار کرنا معیوب خیال کرتے ہیں۔

اور وابتغو الیه الوسیلة کو روز پڑھتے اور سنتے ہیں۔ مگر وسیلہ ڈھونڈنا یا پکڑنا تو درکنار' صرف مرشد و شیخ کے نام سے ہی کوسوں دور بھاگتے ہیں اور اس حکم پر کاربند ہونے والوں کو مشرکین وغیرہ ناموں سے یاد فرماتے ہیں۔

اور وجاھد و افی سبیل اللّٰہ کو سنتے اور پڑھتے ہیں۔ خدا کی راہ میں جہاد تو درکنار بلکہ دن بدن سنت و نوافل کے تارک ہور ہے ہیں اور حکم موتو اقبل انتمو توا کی تصدیق دل و جان سے کرتے ہیں کہ خداوند تبارک و تعالیٰ کا ہی امر ہے لیکن مرنا اور مرکر کچھ حاصل کرنا یا مرے ہوؤں سے صحبت و تعلق اختیار کرنا پسند نہیں کرتے۔

پس اے ناظرین! آپ خیال فرمائیں کہ وہ لوگ گوہر مقصود کو کیسے پاسکتے ہیں۔ جو نہ تو پانی میں غوطہ لگانا اور نہ ہی سمندر کے دہشتناک نظارہ کو دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ انہیں لازم ہے کہ کسی محرم راز سے تعلق پیدا کر کے بحر عشق میں غوطہ لگانا سیکھیں کیونکہ ان کی حالت بعینہٖ اس بچہ کی ہے جس نے ابھی چلنا ہی نہیں سیکھا۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ وہ دشوار تر منازل طریقت کو عبور کرے۔

الشریعت کا لسفینة والطریقت کالبحر و الحقیقت کا لصدف و المعرفت کالدرر. فمن اراد الدر و یرکب السفینة ثم یشرع فی البحر ثم باالصدف ثم و صل الی الدر و من یترک ھذا الترتیب لم یصل الی الدر ۔ فرمایا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ شریعت بمنزلہ کشتی کے ہے اور طریقت مثل دریا کے ہے اور حقیقت بطور صدف اور معرفت مانند موتی کے ہے۔ پس وہ کوئی جو ارادہ کرے کہ در میرے

Marfat.com

ہاتھ آئے تو کشتی پر سوار ہو پھر دریا میں جائے۔ پھر طرف صدف کے تا واصل در مقصود ہو گا۔ اور اگر اس ترتیب کو ترک کرے تو کبھی نہ پہنچے گا اور مقصود کو۔

بغیر صحبت کامل کے تو اگر چاہے
سراغ مالک ہر دو سرا نہیں ملتا

حدیث شریف میں وارد ہے کہ لا دین له لمن شیخ له۔ نہیں ہے واسطے اس کے دین نہیں ہے جس کا کوئی شیخ۔

قال عزوجل. جعلنا الشیخ الکامل نافع الانسان کما جعلنا النبی علیه الصلوٰة والسلام و جعلنا الشیخ الناقص حاصر الانسان کما جعلنا رحیم الشیطان۔ (حدیث قدسی) فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہ کیا ہے میں نے پیر کامل کو نفع پہنچانے والا آدمیوں کا جیسے کیا ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور بنایا ہے پیر ناقص کو خراب کرنے والا بندوں کا جیسے کیا ہے شیطان مردود کو:

چوں شوی دور از حضور اولیاء
فی الحقیقت گشتہ نور از خدا
بھیکھا بھوکھا کوئی نہ بکی گٹھڑی میں لال
گرہ کھول نہیں جانتے تس بدھ بھے کنگال ۴۶

اس میں کچھ شک نہیں کہ قدرت نے ہر ایک انسان کو بہت قیمتی اشیاء سے مالا مال ۴۷ کر کے وارد دنیا میں بھیجا ہے لیکن انسان کو اپنی ان خفیہ طاقتوں اور دستوں ۴۸ کا کچھ پتہ نہیں۔ کیونکہ وہ بے خبری اور بھول میں ہے۔

پس پیر کامل علاوہ احکام الٰہی کے ان چیزوں اور طاقتوں کے بھید سے مرید کو خبردار کرتا ہے اور ان کے استعمال کا طریقہ سکھاتا ہے۔ جب مرید اپنے ۴۹ بھید سے خبروار ہوتا ہے تو اپنی ان طاقتوں سے مطابق امر مرشدی کے کام لے کر منزل مقصود کو پہنچتا ہے۔ ان پوشیدہ طاقتوں کو سر انسانی کہتے ہیں۔ الانسان سری و انا سره۔

اور جب انسان نے اپنے بھید سے آگاہی حاصل کی تو مطابق من عرف نفسه فقد عرف ربه کے اپنے رب کی پہچان سے بطفیل ہدایت وتلقین مرشدی کے محفوظ ہوا اور مراد کو پہنچا۔

پس خیال فرمائیں کہ پیر کامل نے غریب وادنیٰ انسان کو امیر واعلیٰ بنا دیا۔ یعنی بے خبری سے نکال کر خبردار اور مقام دوری سے واصل مقام حضوری کا کہہ دیا۔ سو یہ ایک ایسا احسان ہے جسے مرید کسی حالت میں بھی نہیں بھول سکتا۔ ۵۰ یہی وجہ ہے کہ مکمل ہو چکنے پر بھی آداب مرشدی میں فرق نہیں لاتے۔ منقول ہے کہ جناب سلطان اللہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ ایک دفعہ گفتگو کرتے کرتے خاص سمت نظر پڑنے سے کئی بار تعظیماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے عرض کی کہ یا مولا اس میں کیا حکمت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس طرف میرے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کا مزار مبارک ہے۔

۴۔ محویت: اس ذات مطلق تبارک وتعالیٰ نے ہر ایک چیز کو نہایت اعلیٰ ترتیب وترکیب سے اپنے قانون کے

Marfat.com

زیرِ حکم صنعت فرمایا ہے جس سے اس کی اعلیٰ وارفع ہستی کا پتہ چلتا ہے۔ علاوہ اور ترکیب واصول کے ایک یہ بھی ہے کہ قدرت کاملہ نے ہر ایک چیز کو متضادی صورت عطا فرمائی ہے (جو کہ آٹھ ۵۱ درجوں پر منقسم ہے جس سے ایک چیز کے دیکھنے سے دوسری کا پتہ چلتا ہے۔)

اور اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو اس متضادی اصول سے کوئی چیز بھی آپ کو باہر نہ دکھائی دیگی حتیٰ کہ اس نے اپنے آپ کو بھی ان دو اصولوں پر ظاہر فرمایا ہے۔ یعنی ظاہری و باطنی ۵۲ پر۔

اس وحدہ لاشریک کی یہ شان ہے کہ اپنی صفات کاملہ سے ایسا ظاہر ہے کہ جس میں سے کچھ پوشیدہ نہیں اور اپنی ذات اقدس سے ایسا پوشیدہ و مخفی ہے کہ جس میں سے کچھ ظاہر نہیں مطابق الانا کما کمان کے۔ ۵۳ چنانچہ اپنے طالب وشیدا کو دونوں وجہوں پر دیدار بخشتا ہے (سالک کی استعداد وار قابلیت کے لحاظ سے) یعنی مقام صفاتی میں مشاہدات صفاتی اور مقام ذاتی میں مشاہدات ذاتی۔ چنانچہ عاملان طریقت اور عاشقان وصال حقیقت کے لئے۔ اس نے یہ قانون قائم کیا ہے کہ زندگی کی ضد یعنی ۵۴ موت کو مجاہدات سے حاصل کریں تاکہ اس حاصل شدہ موت پر زندگی ۵۵ عطا کی جائے۔

زندگی ابدی حاصل ہونے کی علامت یہی ہے کہ طالب پر مشاہدات کا دروازہ کھل جائے اور انوارات وتجلیات الٰہیہ سے مستفید ہو۔

جس طرح کہ طالب دو مقاموں سے گذرتا ہے اسی طرح دو حالتوں یعنی سکر اور صحو سے گذرتا ہے جس کے متعلق بزرگان دین کے بہت اقوال ہیں لیکن لب لباب یہ ہے کہ سب نے حالت سکر کو افضل شمار کیا ہے کیونکہ اسی حالت میں مشاہدات کا ظہور ہوتا ہے لیکن ان مکمل مردوں کو جو کمال ذاتی سے واصل ہیں، مشاہدات حالت صحو میں ہوتے ہیں۔

حالت سکر یا محویت مقام مجاہدہ میں پانچ درجوں پر منقسم ہے۔

اول: جب طالب تمام دنیاوی خیالات سے منہ موڑ کر یاد الٰہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ یعنی ذاکر جب دوست کے ذکر میں مشغولیت کے درجہ پر پہنچتا ہے تو خوبصورت سے خوبصورت اور اچھی سے اچھی دنیاوی نعمت کی طرف بھی رغبت ومحبت کی نگاہ نہیں ڈالتا یہاں تک کہ مسلمین اور مومنین کی مرض ۵۶ یعنی جنت وغیرہ کی خواہش سے بھی اپنے آپ کو الگ کر لیتا ہے اور ہر وقت اس کے ذکر اور حمد وثنا میں مشغول رہتا ہے۔ اور ذاکر سوائے ذکر الٰہی کے کسی چیز پر قرار نہیں پکڑتا چنانچہ ذاکر کی مشغولیت ومحویت بالذکر اس کے لئے مشاہدہ ہے۔ ۵۷

دوئم: جب طالب ذکر خفی میں مشغول ہو کر شیخ کے فرمودہ طریق سے اور ذکر کی پہچان میں اپنے اندر داخل ہے تو انوارات قلوبی کا مشاہدہ کرتا ہے یا اس مقام پر عابد اپنے ذکر کی محویت میں اپنے ہوش وحواس سے بے خبر ہو جاتا ہے اور اس بے خبری کے عالم میں انوارات قلوبی کا مشاہدہ کرتا ہے اور بغیر اس کے کسی چیز پر قرار نہیں پڑتا۔

سوئم: جب طالب محبت الٰہی میں اپنے آپ کو گم کرتا ہے اور ذکر وفکر کی مصروفیت میں اپنے ہوش وحواس سے علیحدہ ہوتا ہے تو انوارات روحیہ کا مشاہدہ حاصل کرتا ہے۔ اس مقام فکر میں عابد اسے مشاہدہ روحی کے کسی چیز پر قرار نہیں پکڑتا۔

چہارم: جب طالب دریائے محبت میں جستجوئے دیدار میں غوطہ زن ہوتا ہے وہ اپنی حس وحرکت اور عقل وفکر سے

Marfat.com

بالکل علیحدہ ہو جاتا ہے۔ ۵۸؎ یعنی سوائے طلب کے تمام ذکر وفکر سے بری ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر مشاہدہ اسرارات روحی اور انوارات سری سے ہم کنار ہوتا ہے۔ اس مقام پر مشاغل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ باوجود آنکھیں کھلی ہونے کے کسی چیز کو نہیں دیکھتا۔ باوجود کانوں کے کسی چیز کو نہیں سنتا۔ غرضیکہ تمام صفات وجودی سے پاک ہو جاتا ہے۔

یہ تمام احوال مقام مجاہدہ کے ہیں۔ اس سے اگلے مقام پر یعنی مقام مشاہدہ میں فنافی الرسل کو عبور کر کے فنافی اللہ کے مقام پر قدم رکھتا ہے اور اس مقام پر باقی ماندہ اشیاء کو بھی کھو بیٹھتا ہے۔ بلکہ سالک کی اس مقام پر بعینہٖ اس بچہ کی سی حالت ہوتی ہے جو کہ ابھی ماں کے پیٹ ۵۹؎ میں ہی ہے اور یہ مقام وہم وگمان سے بالاتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس مقام پر وہم وگمان اور صفات بشری مفقود ہو جاتی ہیں اور نور ذات لامکانی میں ایسا محو ہوتا ہے کہ خود ہی لامکاں ۶۰؎ ولانشان ہو جاتا ہے۔

(ز)

زہد وکمال وناں کھرا اوکھا مجنوں ختم ہویا خاطر یار دی جی

(مشقت اٹھانی واقعی سخت مشکل ہے۔ مجنوں اپنے دوست کی خاطر دُنیا سے گذر گیا۔)

خاطر شیرین دے کٹ پہاڑ سٹے دیکھو پیت فرہاد لوہار دی جی

(شیریں کی محبت میں پہاڑوں کو کاٹ ڈالا، فرہاد لوہار کی محبت کو ملاحظہ کرو۔)

مہایار نے ساتھ لٹادتا ہے ہوئی مولیٰ تے مہر دلداری دی جی

(مہایار نے تمام ساتھ لٹا دیا، مرے ہوئے پر دوست کی عنایت ہوئی۔)

شکر گنج فرید نوں پیر بخشا چہنا پاک ستار دے پیار دی جی

(جناب شکر گنج فریدؒ کو اے پیر بخش! اُس پاک ومنزہ اور ستار وغفار کی محبت کی طلب ہے۔)

اس بیت میں عشاق کی اُن تکالیف کو جو کہ جستجوئے یار میں اُٹھانی پڑتی ہیں۔ مثال کے طور پر بیان کرتے ہیں کہ مجنوں نے تمام عمر لیلیٰ کے فراق میں کھوئی اور مہایار نے دوست کی طلب میں سب کچھ لٹا دیا اور فرہاد لوہار نے جانِ شیریں شیریں کے عشق میں ضائع کی اور وصال کی امید میں پہاڑوں کو کاٹ کر محلات شاہی تک ندی کو پہنچایا اور یہ نہایت ہی مشکل کام تھا، جس کو کہ بھوک وپیاس اور دُکھ ومصائب جھیلتے ہوئے فرہاد نے پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

حاشیہ: ان مجازی عشاق کی خواہش وطلب عام تھی، لیکن آنجناب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کی محبت خاص تھی، یعنی مجازی عشاق کی محبت دولت دنیا یا زیبائش دُنیا سے تھی، جو کہ عام طور پر تمام عالم میں ہر جگہ موجود تھی، اور ہے یعنی اُن عورت سے عشق تھا کہ جن سے زیادہ خوبصورت عورتیں اُس زمانہ میں بھی موجود تھیں اور اب بھی ہیں اور بابا صاحب کی محبت اس صنم سے ہے جو ازل سے ابد تک ایک ہی ہے اور ایک ہی رہے گا، ایسا ایک جو ایک کہنے سے بھی پاک ہے جس کی مثل تو درکنار نظیر ہی ناممکن ہے۔

یہ تمام عشاق صاحب مجاز مجازی عاشق تھے، یعنی خلق وصنعت سے محبت رکھتے تھے، لیکن حضرت قطب العالم قدس

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سرہ العزیز حقیقی عاشق تھے، یعنی اُس خالق وصانع ہی کے طلب گار تھے۔

آپ خیال فرمائیں کہ صنعتی عشاق نے اپنی جانیں ان فانی اشیاء پر قربان کر دیں، حالانکہ فانی، باقی کے مقابلہ میں لاشے ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ صانع حقیقی کا عاشق ان سے زیادہ دکھ نہ اُٹھائے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب قطب العالم فرید فردؒ کو اس قدر زہد وریاضت اور مشقت اٹھانی پڑی کہ اپنے زہد کے سبب سے فرد عالم مشہور ہوئے۔

فائدہ ''الا ان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون'' اس آیۂ کریمہ سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ عشق الٰہی حاصل کرنے والوں کو کسی قسم کا غم یا خوف کسی پہلو پر بھی نہیں رہتا جیسے کہ ہم دُنیاداروں کو اس دُنیا کی محبت میں رہتا ہے۔

نیز واضح ہو کہ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ نماز روکتی ہے بے حیائی سے اور بُری بات سے، اسی طرح عاشقان جمال یعنی اولیاء اللہ سے وعدہ کیا ہے، کہ العشق نار یحرق ماسوا اللّٰہ عشق ایک آگ ہے جو جلا دیتی ہے ماسوا اللہ کو یعنی غیر اللہ سے محفوظ رکھتی ہے۔

ہن عشق اساں ول آیا ہیں — توں آیا میں من بھایا ہیں
بیلی جس گھر تیرا پھیر ہویا — سو جل بل کوئلہ ڈھیر ہویا
جب جاگ پڑی تب شیر ہویا — کہو کس گل داسد ہرایا ہیں
بھلہ شوہ دی کارن کریئے — تن بھی من آہرن کریئے
وچہ پریم ہتھوڑا مارن کریئے — تا لوہا اگن پنگھلایا ہے

ہن عشق اساں ول آیا ہے
اوہ آیا میں من بھایا ہے
(حضرت بُلّھے شاہ قصوری)

ب

بیدرد کی جانن ہیرے دردمنداں دیاں آہیں ------- بھڑکن بھائیں
باجھوں درد دیدار نہ ہیرے بن درددوں کجھ ناہیں ---- سمجھ کداہیں
العشق نار یحرق ماسوا اللّٰہ عشق چنگیرا تاہیں -------- خوب صلاحیں
لگانیہوں نہ توڑیں بہبل جو ہر حال بناہیں ------ توڑ چڑھائیں

....

ان مجازی عشاق کا حوالہ دے کر بیان کرتے ہیں کہ حضرت بابا صاحبؒ (حضرت بہبل) نے بھی اپنے مطلوب کی طلب وعشق میں سب کچھ ترک کر دیا اور اس کی یاد وجستجو میں مصروف ہو کر زہد وریاضت اور صبر وتحمل کو اپنا ہم نشین قرار دیا۔

اور چوتھے مصرعہ میں بیان کرتے ہیں، کہ مجنوں وغیرہ مجازی عاشق تھے، لیکن حضرت بابا صاحب حقیقی عاشق تھے، اسی سبب سے آپ کو مقابلتاً اُن سے زیادہ تکلیفات برداشت کرنی پڑیں۔

Marfat.com

(س)

سکدیاں نوں باراں سال گذرے گھریں وڑدیاں مائی الزام دتا

(انتظار بسیار کے بعد جب بارہ سال کا عرصہ گذرا، گھر میں داخل ہوتے ہی والدہ صاحبہ نے الزام دیا۔)

روٹھی کاٹھدی پشت پناہ تیری اوڑک مائی لے ایہہ انعام دتا

(لکڑی کی روٹی تمہاری پشت و پناہ تھی، آخرالامر والدہ نے یہ انعام دیا۔)

نہیں سی کھاؤنے دا کچھ فکر تینوں سگوں ہویا تے رب دے نام دتا

(تمہیں خوراک کا کچھ فکر نہ تھا نہ ہی تمہارے پاس کچھ تھا، اور نہ ہی تم نے خدا کے نام پر کچھ خرچ کیا۔)

جاڈھونڈ خدائے نوں پیر بخشا جدھا اساں تینوں کی غلام دتا

(جاؤ اس ذات مطلق کی تلاش کروا ے پیر بخش! جس کا کہ ہم نے تم کو غلام کیا ہوا ہے۔)

اس بیت میں میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب بابا صاحبؒ اس دوسرے چلہ کو ختم کر کے گھر لوٹے تو والدہ صاحبہ نے سب سے پہلی بات حضرت بابا صاحبؒ سے یہی کی کہ اے مسعود! ابھی تمہارے زہد واتقا میں کسر باقی ہے، کیونکہ یہ چلہ اس لکڑی کی روٹی کے بھروسہ پر گذارہ ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ چلہ تمہارے پہلے چلہ سے افضل ہے لیکن جوانمردوں کے نزدیک شرک کا حکم رکھتا ہے، اس لیے کہ تم نے اس کے غیر پر زندگی کا بھروسہ رکھا۔ اسی خیال سے وقتاً فوقتاً غلبۂ بھوک کو فرو کرنے کے لیے اس پر دانت چلائے۔ لہٰذا تم اس چلہ میں تقوائے غیر کو بالکل ترک کر کے دوست کی تلاش کو نکلو اور ہماری اس نصیحت کو دل میں جگہ دو اور پختگی سے عامل ہو کہ جس طرح وہ خالق کل صرف اپنی مخلوق ہی پر نظر رکھتا ہے، اسی طرح تم بھی صرف اپنے خالق ہی پر نظر رکھو، کیونکہ اس کے بغیر فقر کا حاصل ہونا ناممکن ہے۔

اے مسعود! چونکہ تو اس مالک الملک کا عبد ہے پس اسی وجہ سے ہم نے تمہیں اس کے راستے پر لگایا ہے۔ پس تمہیں واجب بلکہ فرض ہے کہ حقوق عبدیت کو جانفشانی سے مکمل کرو، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زندگی اسی لئے عطا کی ہے کہ اس کے راستہ پر صرف ہو۔

(ش)

شکر گذار کے قدم چمے مائی کہو جو کچھ فرماؤناں جے

(شکر گذاری سے قدموں کو چوما اور عرض کی کہ ارشاد فرماؤ جو کچھ کہ آپ نے حکم دینا ہے۔)

تینوں باوا فریدنہ رب بھلے پیا ملے باجھوں ناہیں آوناں جے

(تم کو اے مسعود! خدا کی یاد نہ بھولے، بغیر ملاقات مطلوب کے واپس نہ ہونا۔)

جیہڑا تیرے دردروازیوں لنگ جاسی اوہنوں رب بہشت پہچاؤناں جے

(جو کوئی تمہارے دروازہ سے گذر جائے گا، اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں داخل کریگا۔)

کہے ماں فریدنوں پیر بخشا اجے کھوہ وچہ سیس لٹکاوناں جے

Marfat.com

(والدہ صاحبہ نے کہا بابا صاحب کو اے پیر بخش! کہ ابھی کنوآں میں سر لٹکاتا ہے۔)

حضرت والدہ صاحبہ نے رخصت کرتے وقت جناب بابا صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کو کسی ویران کنواں میں لٹکنے کی بشارت فرمائی اور ساتھ ہی خوش خبری دی کہ دوست حقیقی نے تمہارے مرتبہ کو بہت بلند اور تمہارے فیض کو اس قدر وسیع کرنا ہے کہ جو شخص تمہارے دروازہ میں سے گذرے گا، بحکم تعالیٰ شانہ جنت ۶۱ میں داخل ہوگا۔ چنانچہ اس قول کا ثبوت اور زندہ مثال موجود ہے کہ گنج شکرؒ کی درگاہ کا دکنی دروازہ بہشتی دروازہ کے نام سے تمام عالم میں مشہور ہے اور بتاریخ ۵ محرم الحرام کو عرس شریف کے موقعہ پر کھلتا ہے اور عقیدت منداصحاب ہزاروں کی تعداد میں دُور دُور دراز ممالک سے اس دروازہ سے گزرنے کے شوق میں آتے ہیں اور بعد حصول مدعا خنداں وفرحاں اپنے اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔

(ص)

صاحب دی بندگی کر باوا _ ایس دم دا کجھ وساہ ناہیں

(صاحب کل عبادت کر واے بیٹا! اس سانس زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں۔)

شکر گنج جتھے اکھاں لگ رہیاں مکھ موڑنے دی کوئی واہ ناہیں

(اے گنج شکر! جس جگہ پر کہ نظر جمی ہوئی ہے، اس طرف سے منہ ہٹانے کا کوئی چارہ نہیں۔)

عرضاں لکھ امیر وزیر کردے بادشاہ نوں کجھ پرواہ ناہیں

(لاکھوں التجائیں امیر اور وزیر کرتے ہیں، بادشاہ کو کچھ (یا کوئی) پرواہ نہیں ہے۔)

دامن نبی دا پکڑ یے پیر بخشا۔ ایہو جہی تاں نیک صلاح ناہیں

(حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن کو پکڑیں۔ اے پیر بخش! اس جیسا نیک مشورہ کوئی نہیں ہے۔)

جنابہ والدہ صاحبہ نے ارشادہ فرمایا کہ راہ خدا میں مستقل مزاج اور ثابت قدم رہ کر اس کی رضاء بلا کو صبر وتحمل سے برداشت کرو اور ہر ۶۲ وقت اس کی یاد میں مشغول رہو اور اس غیر اعتباری اور فانی زندگی کو اس کی راہ میں صرف کرو۔

حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصحابہ وسلم نے ارشادہ فرمایا کہ الدنیا ساعة دُنیا ایک ساعت ہے "ولیس فیها راحة" ۶۳ اور نہیں ہے اس میں کچھ خوشی۔ فجعلوا فیها طاعة۔ پس کرو تم دُنیا میں خدا کی عبادت۔

چنانچہ تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تابعین وتبع تابعین وصالحین نے اپنی ان زندگیوں کو محنت و مشقت اور ذکر وعبادت میں گذارا ہے اور ان کے تابعدار اب بھی اپنے عزیز وقت کو زہد وریاضت ومحنت ومشقت اور یاد الٰہی میں بسر کر رہے ہیں اور ہر وقت اس تعالیٰ شانہ وتبارک کی محبت میں مستغرق رہتے ہیں،

قولہ تعالیٰ فاذکر اللّٰہ قیاما وقعوداً علی جنو بکم ۶۴ یاد کرو رب اپنے کی کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے۔

عن اللّٰہ تعالیٰ انا مع عبدی اذا ذکرنی وتحرکت شفتاه۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

Marfat.com

فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کے ساتھ ہوں جس وقت کہ مجھ کو یاد کرے اور اس کے دونوں ہونٹ ہلیں۔ ۶۵

اور فرقان حمید میں ذکر مذکور ہے کہ الذین امنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ ۶۶۔ وہ جو یقین لائے ہیں اور چین پکڑتے ہیں، اُنکے دل اللہ کی یاد سے۔ اور دوسری جگہ مرقوم ہے کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کہ سنتا ہے اللہ ہی کی یاد سے چین پاتے ہیں دل پس اے مسعود! اس فرض دائمی کو نہایت پختگی واحتیاط سے ادا کرو اور اپنے آپ کو صرف اُسی کے لیے وقف کرو، کیونکہ قدرت کا منشا بھی یہی ہے کہ میرا بندہ سوائے میرے کسی اور طرف متوجہ نہ ہو اور ہر وقت اور ہر حال میں میری یاد میں مصروف رہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے، کل نفس یخرج بغیر ذکر اللہ فھو امیت فھو امیت فھو حرام کہ جو دم خارج ہوتے ہیں۔ سوائے ذکر اللہ کے۔ پس وہ مردہ اور حرام ہیں ۶۷ اسی لئے ذکر و عبادت کی نہایت درجہ تاکید ہوئی ہے۔

قولہ تعالیٰ. واذکر ربک فی نفسک ۶۸ تضرعا وخفیۃً ودون الجھر۔ فرمایا حضرت تبارک تعالیٰ نے کہ ذکر کر تو رب اپنے کا بیچ نفس اپنے کے عاجزی سے اور بغیر بلند آواز کے یعنی خفیہ ۶۹ (تاکہ قرب ۷۰ ے حضوری حاصل ہو)۔

میاں پیر بخش صاحب تیسرے مصرعہ میں بیان کرتے کہ تمام نفوس کیا امیر کیا غریب' سب اُس کی بارگاہ سے مانگ رہے ہیں۔ اس کی بخشش وکرم سے نعمات حاصل کر رہے ہیں لیکن اس کی بادشاہت اور خزانے اس قدر وسیع ہیں کہ جن میں ذرہ بھر کمی نہیں ہوتی۔ حالانکہ قدرت بے پرواہی سے نعمات کو اپنی مخلوق پر ان کی خواہشوں سے بھی زیادہ عطا کر رہی ہے (یا لٹا رہی ہے)۔

اور اس مصرعہ مذکور کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ صاحب عزت مثلاً امراء ووزراء اور دیگر مخلوق بھی سوائے عاشقان جمال کے سب کے سب التجاؤں اور دُعاؤں میں مصروف ہیں لیکن وہ بے نیاز ان طالبان زر کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا۔ انکی التجاؤں کی شنوائی نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کی التجاؤں کا انکی حریص جبلت کی وجہ سے کبھی خاتمہ ہی نہیں ہوتا۔ ذل من طمع وعزمن قنع۔ جس نے طمع کیا وہ ذلیل ہوا، جس نے قناعت کی وہ صاحب عزت ہوا، اور بزرگوں کا قول ہے کہ الحریص محرومہ لالچی بدنصیب ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان سوالیوں کو سوال کرنے کا اور مانگنے کا طریقہ ہی نہیں آتا، کیونکہ انکی زبان کے ساتھ ان کا دل موافقت نہیں رکھتا اور بغیر حضور قلبی وعجز وورا ع کے دُعا قبول نہیں ہوتی، کیونکہ حضرت حق تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، ادعوا ربکم تضرعا عا وخفیۃً کہ پکارا اپنے رب کو گڑگڑا کے اور خفیہ اور اے مومنین! رونے کا طریق سیکھو، کیونکہ بغیر رجاء وراع وحضوری قلب کے دعا مقبول نہیں ہوتی۔

جو مانگنا ہو تو مانگو کسی طریقہ سے　　　　در کریم سے بندوں کو کیا نہیں ملتا

اور چوتھے مصرعہ میں میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحابہ وسلم کے دامن کو محکم پکڑو، کیونکہ اس سے بہتر کوئی عمل اور کوئی نصیحت نہیں ا ے کیونکہ حضور ہی کی متابعت وفرمانبرداری میں حصول

Marfat.com

مدعا کا راز بند ہے۔

(ض)

ضرور کردیاں ذکر و چہ جنگل آئی نیند فرید فقیرنوں جی

(تحقیق جنگلوں میں ذکر کرتے ہوئے نیند آ گئی جناب فرید فردؔ کو۔)

چڑیاں شور پایا کہیا مروشالہ ہویا حکم جناب، تقدیرنوں جی

(چڑیوں نے شور مچایا، تو کہا کہ بحکم الٰہی مرجاؤ، حکم ہوا جناب الٰہی سے تقدیر کو ہو جانے کا۔)

بھلا فقرا یہہ بول کیوں بولنا سی ربا معاف کر بخش تقصیرنوں جی

(خطا ہوئی فقیر نے یہ کلمہ کیوں کہنا تھا، یارب العزت اس گناہ کو معاف فرما۔)

چڑیاں زندہ کیتاں پیر بخشا کیتا خوشی فرید دلگیرنوں جی

(اللہ تبارک وتعالیٰ نے چڑیوں کو زندہ کیا۔ اے پیر بخش! اور خوش کیا فرید دلگیر و فکر گرفتہ کو۔)

میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ جناب بابا صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز جنگل میں درخت کے سائے تلے مستی احوال میں مشغول بالذات تھے کہ عین اُسی وقت چڑیوں نے شور مچانا شروع کر دیا، جس سے کہ آپ کے شغل میں خلل واقع ہوا، چنانچہ انکا شور و غوغا آپ کو بہت ناگوار گذرا۔ بس اس بے آرامی و بے مزگی کی حالت میں آپ کی زبان مبارک سے اُن کے حق میں بدؔعا نکل گئی کہ شالہ مرونجو۔

حاشیہ: نیند کے اصلی معنی خوابیدن یعنی سونے کے ہیں اور اصطلاحی معنی غفلت کے ہیں لیکن اس جگہ لفظ نیند سے مراد یک سوئی اور محویت کی ہے۔

اگر اس جگہ لفظی معنی کئے جائیں تو اصل واقعہ سے بالکل برعکس مطلب نکلے گا اور اگر اصطلاحی معنی کئے جائیں تو چڑیوں کے حق میں بدؔعا کرنا ناانصافی، اور بے صبری و نفس پروری ہے کیونکہ غافل کو غفلت سے بیدار کرنے والی ہر چیز ہمیشہ شکر گذاری کی مستحق ہے نہ کہ غصہ و بدؔعا کی۔ سو اس سے صاف ظاہر ہے کہ زہدالانبیاء نے چڑیوں کو نیند خراب ہونے کے باعث بدؔعا نہیں دی بلکہ کوئی اور وجہ تھی جس کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

دوئم یہ کہ آپ اس بات کو ہرگز باور نہ کریں گے اور نہ ہی یہ بات قابل تسلیم ہے کہ عاشق عالم دوری و مہجوری یعنی دوست کی جدائی میں آرام لے سکتا ہے بلکہ جدائی محبوب و مفارقت مطلوب میں عشق کی آگ سے نہایت بے قرار و بے آرام رہتا ہے۔ آپ خیال فرمائیں کہ عالم جدائی و بے قراری میں آرام کیسا کیونکہ بے آرامی نیند کی ضد ہے ورنہ عشاق کا تو یہ حال ہے

کروٹیں لیتے ہیں صاف اڑ جاتی ہے نیند

پس جائے غور ہے کہ دل کے عوض سودائے عشق کو خریدنے والے کروٹوں ہی میں بات تمام کر دیتے ہیں، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ آرام لیں، جنہوں نے کہ اسے اپنی زندگی کے عوض خریدا ہے، یعنی مو تو اقبل انتمو توا میں

Marfat.com

داخل ہو کر دوست کی محبت کو حاصل کیا ہے۔ حضرت بلھے شاہ صاحب قصوریؒ محبت خریدنے کے متعلق یوں ارشاد کرتے ہیں کہ:

جے کوئی عشق وہاجیا لوڑے　　　سر دیوے پہلے سائی نوں

اب چند سطور محبت و عشق کے متعلق تحریر کرتا ہوں، جن کا مذکورہ بالا بیان سے گہرا تعلق ہے یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشا و المنکر کہ نماز مومن کو بے حیائی اور فحشات سے محفوظ رکھتی یعنی روکتی ہے اور اسی طرح عشق طالب کو ماسوا اللہ سے محفوظ رکھتا ہے، ایسا کہ تمام غیر اللہ کو جلا ڈالتا ہے، العشق نار یحرق ماسوا اللہ یعنی عشق ایک آگ ہے جو ماسوا اللہ کو جلا دیتی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ عاشق حقیقی تمام دُنیاوی آلائشوں اور خواہشوں سے پاک ہو جاتا ہے اور سبب محبت الٰہی کے تمام دُنیا اور اس کے تعلقات سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ لفظ نیند کو اس جگہ اسی لیے یکسوئی کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے اور نیند کے معنی یکسوئی کر لینا جائز بھی ہیں، مثلاً نیند کی حالت میں انسان اپنی تمام عزیز ترین اشیاء کو بالکل بھول جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی کھو دیتا ہے۔ دوئم یہ کہ بحالت خواب موت کے ہم آغوش ہوتا ہے اور یہ بات عوام میں مشہور ہے کہ نیند موت کی بہن ہے۔ النوم اخ الموت۔

اسی طرح مستی احوال اور عالم محویت میں تمام کچھ بھول جاتا ہے اور دُنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں رکھتا ہے، کیونکہ اس حالت سکر میں صفات بشریت بھی طالب سے دور ہو جاتی ہیں۔ دوئم طالب نفی کرتا ہے وہم غیریت دانامیت کی اور موت اختیاری کو گلے سے لگاتا ہے موتو اقبل انتمو تو ا۔

پس ثابت ہوا کہ لفظ نیند کا ہر صورت سے اس جگہ موزوں ہے محویت کے معنوں میں۔

....

جب آپ کو مستی سے کچھ افاقہ ہوا تو چڑیوں کو مردہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے اور خیال دوڑاتے ہوئے انکی مرگ ناگہانی پر آپ کو اپنے الفاظ یاد آ گئے کہ کہیں میری ہی بددعا سے یہ بے گناہ اس سزا کو نہ پہنچے ہوں۔

معاً اس خیال کے آنے سے درگاہ عالی میں بصد تضرع التجا کی کہ اے غفور الرحیم! اپنی کریمی کے تصدق میری خطا کو معاف فرما، جو کہ مجھ سے عالم بے خبری میں سرزد ہوئی ہے، کیونکہ تو ستار العیوب اور غفار الذنوب ہے اور ان بے گناہوں کو زندگی عطا فرما۔

اللہ جل جلالہ او عمنوالہ تبارک و تعالیٰ شانہ نے آپ کی دُعا کو قبول فرمایا اور چڑیوں کو زندہ کیا جس سے کہ آپ بہت ہی خوش ہوئے اور درگاہ الٰہی میں سجدہ شکر بجا لائے۔

(ط)

طرف گراؤں دی جدوں گذرے لگی پیاس تے دُھپ دوپہر دیچی

(جب گاؤں کے پاس سے گذرے تو پیاس اور دوپہر کی دھوپ نے تنگ کیا۔)

Marfat.com

رنگ رتڑی کھوہے تے بھرے پانی　　او ہتاں بہو بیٹی کسے مہر دی جی

(رنگین چڑھی عورت کوئیں پر پانی بھرتی تھی، وہ تو کسی زمیندار کی بہو یا بیٹی تھی۔)

بھلا ہوگ اے بیبی پلا پانی سانوں پیاس لگی کسے قہر دی جی

(بھلا ہوگا اے بی بی! پانی پلا ہم کو پیاس لگی ہوئی ہے بہت زور سے۔)

آئیوں چڑیاں نوں مار کے پیر بخشا　　تیرے کول بابا پڑی زہر ۲ے دیجی

(چڑیاں مار کر آئے ہوا اے پیر بخش! تمہارے پاس بابا جی زہر کی چڑیا ہے۔)

جب آپ ایک گاؤں کے پاس سے گذرے تو دوپہر کا وقت تھا، چنانچہ اس شدت دھوپ کے عالم میں پیاس نے غلبہ کیا، تو جناب پانی پینے کی خاطر کنوئیں پر جا ٹھہرے۔

اتفاقاً خدا کے فضل و کرم سے وہ پانی کھینچنے والی عورت صاحبہ کشف اور واصلان حق میں سے تھی۔ جب بابا صاحب نے پانی طلب کیا، تو اس عارفہ نے اشارۃً جنگل کا واقعہ آپ کو یاد دلایا کہ پیاس کیوں نہ غلبہ کرے، جب کہ زہر کی پڑیا ۳ے کو بحفاظت اپنے پاس رکھتے ہو۔

(ظ)

ظاہر دی رمز چلا کے تے　　بو کہ کڈھ زمین تے سٹیا سُوء

(ظاہر ابشارت دے کر بو کہ کھینچ کر زمین پر دے مارا۔)

کوہاں چالیاں تے جھگی بھین دی سی　　لگی بھاء تے آب پلٹیا سُوء

(چالیس کوس پر اس کی بہن کی جھونپڑی تھی، آگ لگی ہوئی پر پانی پھینکا۔)

شل ہو فرید خیال کردا　　قطرہ نوردا کا ستوں کُٹھیا سُوء

(حیران و متعجب ہو کر بابا صاحب نے خیال کیا کہ یہ نورانی قطرہ کس بات سے اس نے حاصل کیا ہے۔)

اکے پیر کمال ہے پیر بخشا　　اکے بندگی، دا چلہ کٹیا سُوء

(یا تو اس کا پیر صاحب کمال ہے اے پیر بخش! یا اس نے کوئی بڑا ہی بھاری چلہ کاٹا ہے۔)

میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ جناب قطب العالم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز اس جنگل کے واقعہ کی بشارت پر چونکے اور خیال کرنے لگے کہ اسے کس طرح یہ بات معلوم ہوگئی، لیکن آپ کی حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی، جب آپ نے اُسے اپنی ہمشیرہ کی جھونپڑی کی، جو کہ چالیس کوس کے فاصلہ پر تھی، آگ بجھاتے دیکھا۔ اس کی اس بڑھی ہوئی طاقت کو دیکھ کر خیال گذرا کہ یا تو اس کا پیر صاحب کمال ہے جس نے کہ اپنی کیمیا اثر نظر سے اس کے باطن کو مصفا اور قلب کو نور الٰہی سے منور کر دیا ہے یا اس نے اس دوست کی طلب و محبت میں کوئی بہت ہی بڑا مجاہدہ کیا ہے اور چلہ کاٹا ہے۔

Marfat.com

(ع)

عرض کرپچھدے اوس کولوں بی بی کا ستون تدھ برات پائی

(حضرت نے سوال کیا اس عورت سے کہ بی بی تم نے کس بات سے یہ نعمت حاصل کی ہے۔)

سسی تھلاندے وچہ کرلا موئی پنوں جیوندیاں مول نہ جھات پائی

(سسی تھلوں میں حال پکار کرتی ہوئی مرگئی پنوں نے اُس کی زندگی میں اس طرف توجہ نہ کی۔)

سوہنی ڈب موئی کچے گھڑے اُتے مہیں وال دی تد ملاقات پائی

(سوہنی کچے گھڑے پر ڈوب موئی، پھر کہیں مہینوال کی ملاقات نصیب ہوئی۔)

جاناں دس فریدنوں پیر بخشا کہڑی گل تے سوہنے نے جھات پائی

(بتا کر جانا فرید کو اے پیر بخش! کس بات پر دوست نے توجہ کی یا جمال دکھایا۔)

(غ)

غزل وجی ادھی رات والی میرے کونت نے کو کیا آب دینا

(گھڑیال پر آدھی رات کے وقت چوٹ لگی، مرے خاوند نے پکارا کہ مجھے پانی دینا۔)

نیند وچہ پکار داماں تائیں مائی اساں نوں آب شتاب دینا

(نیند میں اپنی والدہ کو بلاتا تھا کہ والدہ صاحبہ ہمیں بہت جلد پانی دو۔)

بھر کے دست کٹورا میں لے کھلی نہ اُس بولنا نہ میں جواب ہے دینا

(پیالہ بھر کر ہاتھ میں لیکر کھڑی ہو رہی نہ ہی وہ بولا اور نہ ہی میں نے جواب دیا۔)

فجر ہوندی نوں پیتو سو پیر بخشا اوہدا پینا تے رب ثواب دینا

(صبح کے وقت اس نے پیا اے پیر بخش! معاً اس کے پیتے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسکا اجر عطا کیا۔)

جناب بابا صاحب نے اس عورت سے دریافت حال کے لئے سوال کیا، بدیں خیال کہ میں بھی اس طریق کار کو ترقی مراتب کے لئے عمل میں لاؤں۔ اُس بی بی نے جواب دیا کہ قبلہ ہمارا خاندان مرید غلام حضرت خواجہ غریب نواز قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کا ہے، مجھے بچپن ہی سے یادالٰہی کا شوق تھا اور یہ شوق مجھے اپنے باپ سے حاصل ہوا کیونکہ وہ صوم وصلوٰۃ اور ذکر و عبادت کے نہایت پابند تھے اور ہمیں بھی بجا آوری احکام کی تاکید کیا کرتے۔ چنانچہ والد صاحب کو جب شرف بیعت حضرت خواجہ غریب نوازؒ حاصل ہوا تو حضور کی تلقین کے مطابق میرے بڑھتے ہوئے شوق کو مدنظر رکھ کر اس ناچیز کو اسم خفی کی تلقین وہدایت فرمائی اور ہر وقت اور ہر حال میں مشغول باالذکر رہنے کی تاکید کی۔ فاذکروا اللہ قیاما وقعوداً علیٰ جنو بکم۔ فرمایا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہ یاد کرو رب اپنے کی کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے۔ ۵۷

اس واقعہ سے چند ہی دن بعد میرا بیاہ ہوگیا اور جب میں پہلی دفعہ سسرال میں آئی تو آتے ہی پہلی رات کو یہ واقعہ گذرا کہ میرے خاوند نے بحالت نیم خوابی یعنی سوتے میں اپنی والدہ سے پانی طلب کیا، لیکن والدہ صاحبہ اُس وقت گہری

Marfat.com

نیند میں سورہی تھیں، اس لئے انہیں کچھ خبر نہ ہوئی۔تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد بستر سے اُٹھی اور پانی کا پیالہ بھر کر اپنے ۶ ے خاوند کی چارپائی کے نزدیک جا کھڑی ہوئی لیکن میرے پہنچنے سے پہلے میرا خاوند گہری نیند سو چکا تھا،لیکن میں پانی لئے ہوئے اس خیال سے کھڑی رہی کہ شاید پھر طلب کریں۔پس اسی حالت میں صبح ہو گئی۔جب میرا خاوند بیدار ہوا تو مجھ سے کھڑے ہونے کا سبب دریافت فرمایا۔لونڈی نے عرض کی،آپ نے پانی طلب فرمایا تھا،سو حاضر ہے۔اس نے بغیر کچھ کہے سنے میرے ہاتھ سے پیالہ لیا اور پی گیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ فعل یعنی تمام رات باادب اپنے خوردسال خاوند کی حضوری میں کھڑے رہنا پسند فرمایا اور اپنے فضل وکرم سے اس ناچیز کے دل کو نور مشاہدہ سے منور اور چشم باطن کو روشن فرمایا۔سو اس خادمہ کی تمام وکمال یہ سرگذشت ہے۔

پس جو کچھ بھی کہ آپ دیکھتے ہیں سب اُس کی عطاوبخشش سے ہے اس میں میرے اعمال کو کچھ دخل نہیں۔

(ف)

فکر فقیر دا بجھ کے تے　　تحفہ دیونے دا اقرار کیتا

(فقیر کے فکر کو معلوم کر کے تحفہ دینے کا (اس عورت نے) اقرار کیا۔)

گھڑا چا ٹری نال فرید باوا　　اوہدے کونت دا جاء دیدار کیتا

(گھڑا اُٹھا کر روانہ ہوئی ساتھ باباصاحب کے اُس کے خاوند کا گھر پہنچ کر دیدار کیا۔)

دوہاں جنیاں نے اُٹھ کے قدم چمے　　دتی چھلی تے بہت ۷ ے پیار کیتا

(دونوں مرد وعورت نے قدموں کو چوما اور سوت کی چھلی دے کر بہت پیار کیا۔)

لٹکو تند کچی نال پیر بخشا　　ایہو حکم سی رب غفار کیتا

(اس کچے سوت کے دھاگہ سے لٹکوائے پیر بخش! یہی امر اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیا تھا۔)

اُس واصلہ حق نے جناب کی خواہش وفکر یعنی مراتب علوی تک پہنچے اور دیدار کی بڑھی ہوئی تمنا کو معلوم کر کے عرض کی کہ آپ غریب خانہ پر تشریف لے چلیے،جہاں پر میں آپ کو آپ کی حسب منشاء ایک تحفہ دوں گی،چنانچہ حضرت گنج شکرؒ اس کے ساتھ ساتھ اُس کے گھر پر پہنچے اور اس کے خاوند کی ملاقات سے بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ بھی مخلصین بندوں میں سے تھا۔تھوڑی گفتگو کرنے کے بعد اُنہوں نے جناب کو ایک کچے سوت کی چھلی دی اور کسی ویران کنوآں میں لٹکنے کی تاکید کر کے تعظیم ۸ ے وتکریم کیساتھ رخصت کیا۔

نوٹ:اس واقعہ کے متعلق دو روائتیں مشہور ہیں۔اوّل یہ کہ اُن میاں بی بی کو بشارت ہوئی کہ اس خدوخال کا درویش تمہارے گاؤں میں فلاں وقت آئیگا۔تم نے اس کو ایک چھلی دے دینی اور تاکید کر دینی کہ کنواں میں لٹک کر چلّہ ادا کرو۔

دوئم:یہ کہ اکثر اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ جناب خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین حسن سجزی اجمیری

Marfat.com

قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے اُس عورت کو بشارت دی کہ مسعود راستہ میں ہے اُسے یہ چھلی دے دینا۔ واللہ اعلم بالصواب

(ق)

قدر منظور مت کرے پیارا کھوہے وِچ اپٹھڑے لٹک رہے
(اغلب ہے کہ وہ دوست منظور فرمائے، کنوئیں میں اُلٹے لٹک رہے۔)
شوہ ملن باجھوں ناہیں سک لہندی چوی برس جنگل وچہ بھٹک رہے
(دوست کی ملاقات کے بغیر خواہش پوری نہیں ہوتی، حالانکہ چوبیس برس جنگلوں میں بھٹکتے رہے۔)
ٹھونگن ماس فریدا کانگ ظالم سانس لباں تے آن کے اٹک رہے
(حضرت کے جسم کو ظالم کوؤں نے نوچا، جناب کے سانس لبوں پر آٹھہرے۔)
پیا ملن دی آس ہے پیر بخشا نین رہن دُنیا فقیر ہٹک رہے
(دوست کے ملنے کی اُمید ہے اے پیر بخش! آنکھیں رہنے دُنیا فقیر منع کرتے رہے۔)

کتب سیر میں منقول ہے کہ جناب قطب العالم اغیاث ہند حضرت فرید الدین گنج شکر قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز شوق دیدار میں جب ایک ویران کنوآں میں لٹک کر نماز معکوس ادا کر رہے تھے، تو کوؤں نے جناب کے جسم مبارک کوئی جگھوں سے نوچ ڈالا تھا۔ ایک کوا نے حضور کی آنکھ مبارک پر چونچ ماری جس پر آنجناب نے فرمایا۔

کانگا سب تن کھائیو اور چن چن کھائیو ماس
دو نین مت کھائیو مجھے پیا ملن کی آس

اس بیت میں میاں پیر بخش صاحب نے اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ باوجود آنجناب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے چوبیس سال زہد و ریاضت اور مجاہدات کرتے ہوئے جنگلوں میں گذارے، مگر پھر بھی دیدار کے شوق میں اپنے آپ کو کنوئیں میں الٹا لٹکا دیا بدیں خیال اغلب ہے کہ اسی طریقہ سے میری مراد پوری ہو یعنی وہ دوست حقیقی میری عاجزی اور محنت سے خوش ہو کر اپنے جلوہ ذاتی سے مستفید فرمائے۔

(ک)

کدے تاں باہوڑی کر مولا سدا تیرے ولے وجے تار میری
(کبھی تو مدد کو پہنچو یا مولا تعالیٰ ہمیشہ مری دلی تار تیری ہی طرف بجتی ہے۔)
پنجر سک گیا باراں سال گذرے سئیں خاوندا حال پکار میری
(پنجر سوکھ گیا، بارہ برس گذرے۔ اے میرے مالک! میری حال پکار کون۔)
سولی چڑھیا فرید فقیر تیرا تیرے بناں ہن کون لے سار میری
(سولی پہ چڑھا ہوا ہے تیرا فرید فقیر سوائے تمہارے اب کون میری خبر لے۔)

Marfat.com

خاطر نبی کریم دی پیر بخشا پوے عرض قبول دربار میری

(حضرت رسول کریم کی طفیل سے اے پیر بخش! میری التجا کو اپنے عالی دربار میں قبول فرما۔)

حاشیہ: گذارش ہے کہ آنجناب حور و غلماں یعنی جنت اور کشف و کرامات یعنی عزت و بزرگی کی طلب میں گھر سے نہ نکلے تھے، بلکہ آپ نے دیدار ربی کے شوق میں اپنے آپ کو ان پُر خطر مجاہدات میں ڈالا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کشف و کرامات حاصل ہو چکنے پر بھی قلب مضطر کو بے قراری ہی رہی، کیونکہ طالب بغیر مطلوب کے یا عاشق بغیر وصال معشوق کے چین نہیں پکڑ سکتا۔

....

اسی حالت میں جب بارہ سال کا عرصہ گذرا تو اللہ جل جلالہ و عمنوالہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ عالیشان میں قبولیت دُعا کے لیے ملتجی ہوئے اور عرض کی کہ یا مولا تعالیٰ! اس ضعیف و نحیف کی عرض کو پہنچو۔ اے کریم و رحیم و ستار و غفار! اپنے محبوب پاک کی طفیل سے مری ناچیز خدمت کو قبول فرما اور اپنے دیدار فرحت آسا سے مستفید فرما، کیونکہ اب اس جسم ناتواں میں زیادہ انتظار اور برداشت کی تاب و طاقت باقی نہیں۔

(ل)

لیکھ تے بخت جد نیک ہوئے ملی دین تے دنیاں دی زر فرید

(نصیبہ اور قسمت جب نیک ہوئی تو دین و دُنیا کی دولت ہاتھ لگی، اے فرید۔)

احمد آن کھوہے وچوں کڈھ لتا بھانڈا نور نال چھڈیا بھر فریدا

(حضرت رسالت مآب نے کنوئیں سے باہر کھینچ لیا، نور سے برتن کو بھرپور کر دیا، اے فرید۔)

کڑھیا دودھ مقصود ہو گئے حاصل جاگ لاؤنے دا فکر کر فرید

(دودھ کڑھ گیا اور مطلب برآئے یا حاصل ہوئے اب جاگ لگانے کا فکر کر اے فرید۔)

ہوئی دید نایار ۸۰ دی پیر بخشا صاحب تار دتوں گیوں تر فرید

(زیارت ہوئی اللہ کے دوست کی اے پیر بخش! صاحب نے بخشش کی سوغنی ہوا تو اے فرید۔)

حاشیہ: کڑھیا دودھ مقصود ہو گئے حاصل جاگ لاؤنے دا فکر کر فرید یعنی اے فریدؒ تمہارے مقصود تم کو حاصل ہو گئے کیونکہ تمہارا دُودھ محنت سے کڑھ گیا ہے، اب اس کو جاگ لگاؤ تا کہ دہی جمنے کے بعد مکھن حاصل ہو۔

اس مضمون پر مترجم آثم عفا اللہ تعالیٰ عنہ جمیع سیآتہ عرض پرداز ہے کہ سالکوں نے بحر طریقت میں غوطہ لگانے والوں کو آسان مثالوں میں انکے طریق کار کو کئی وجوہ پر سمجھایا ہے جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

حضرت بلھے شاہ صاحب قصوری قادریؒ فرماتے ہیں کہ طالب کو مطلوب کی جستجو میں چاہیے کہ اپنے جسم کو مانند بھٹی یعنی لوہار کی دُوکان کے جس میں وہ لوہا پگھلاتا ہے بنائے اور مذکورہ بھٹی میں العشق نار کی آگ سلگائے تا کہ ماسوائے اللہ کے تمام مخالف اشیاء جل جائیں اور باقی مصفا اور پگھلی ہوئی اشیاء کو مطلوبہ نمونہ پر محبت کے سانچہ میں ڈھالے، تا کہ راہ

Marfat.com

طریقت کی مسافرت میں معاون و مددگار اور یار و غمگسار کا کام دیں یا اس پُر خطر راستہ میں سواری کا کام دے کر مطلوب حقیقی تک پہنچائیں اور اگر ان اشیاء کو سانچے میں ڈھالنا مشکل معلوم ہو، تو یہ کرے کہ اپنے دل کو آہرن بنائے اور اس دوست کی محبت کے ہتھوڑا سے پگھلے ہوئے یعنی گرم مادہ کو خوب کوٹے حتیٰ کہ وہ مطلوبہ نمونہ یا شکل وصورت اختیار کرے اور اگر طالب اپنے وجود کو اس کی راہ میں اس طرح بھی استعمال میں نہیں لا سکتا، تو اس کا منزل مقصود پر پہنچنا امر محال ہے:

بُلھے شوہ دی کارن کریئے — تن بھٹی من آہرن کریئے
وچہ پریم ہتھوڑا مارن کریئے — تو لوہا اگن پنگھلایا ہے

نوٹ: گذارش ہے کہ حضرت قطب العالم فرید فردؒ نے "العشق نار" سے تمام مخالف اشیاء کو جلایا اور ذکر و محبت کے ہتھوڑا سے اپنے جسم کو اس قدر کوٹا کہ جس کی مثال ملنی نہایت مشکل ہے چنانچہ اسی محنت پر آپ کو زہد الانبیاء کا خطاب درگاہ الٰہی سے دستیاب ہوا، چونکہ ان اشیاء کا کوٹنا ضروری تھا، اس لیے حکم ہوا کہ شیخ کی صحبت اختیار کرو، تا کہ اپنے وجود کو مطلوبہ نمونہ پر سنوار سکو۔

حضرت بہلؒ "فتح الرمز" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی طالب یہ خیال کرے کہ مجھ خاکی کا اس نور "علی نور" کو پانا ناممکن ہے کیونکہ لطیف کو کثیف سے کچھ نسبت نہیں۔

چہ نسبت خاک را بعالم پاک ۹ ے

یعنی یہ جثہ خاکی کی خاک سے ایسا جکڑا ہوا ہے کہ کسی طرح اور کسی حالت میں بھی اس سے جدا نہیں ہو سکتا لیکن روح پاک جو اس ظاہری کل کو طاقت دینے والی ہے، دُنیا کی قید سے آزاد ہے (اپنی لطافت کے سبب سے) پس لازم ہے کہ ناکارہ چیز یعنی جثہ سے قطع تعلق کر کے روح سے تعلق بڑھائے اور اس کے راستہ میں روحی جسم سے کوشش کرے کیونکہ لطیف کا لطیف کی محفل میں گزر ہو سکتا ہے لیکن یہ بات شیخ کامل کی وساطت کے بغیر ناممکن ہے۔

جے توں جانے جثہ خاک — تاوچ تیرے روح ہے پاک
جے جثہ تیرا زمین کمند — تاروح سے اُتوں جا بلند
جے تیں ہے ایہہ مشکل حیلہ — تا مرشد کامل پکڑ وسیلہ

نوٹ: یہی وجہ تھی جو جناب بابا صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے اپنے اس ظاہری جسم سے قطع تعلق کر کے اپنے باطنی جسم یعنی روح سے آشنائی پیدا کی اور اس ناکارہ جسم کو اس کی محبت میں اس قدر اذیت تکلیف دی کہ فرد عالم مشہور ہوئے لیکن پھر بھی پرواز کامل کی صحبت و خدمت کا حکم صادر ہوا۔

حضرت شاہ مراد چشتیؒ ارشاد فرماتے ہیں (دیکھو رسالہ "تحفہ مراد") کہ اے طالب! تیرا وجود مانند ریت کے ہے اور سونا یعنی سر الٰہی اس میں چھپا ہوا ہے اور یہ دونوں چیزیں آپس میں اس طرح پر مخلوط ہیں کہ عام نظر سے تو بھی معلوم نہیں کر سکتا۔ پس اس ناکارہ چیز یعنی ریت کو جدا کر کے سونا حاصل کر، یعنی آنسوؤں کا دریا بہا جس سے ریت بہہ نکلے اور باقی ماندہ چیز میں عشق حقیقی کو ملا، خواہ اس کا وزن بہت تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، تا کہ تیرا خاص سونا تجھے دستیاب ہو جس کو کہ تو صاحب وقت کے آگے نذرانہ کے طور پر رکھ سکے۔

سونا سر الٰہی ریت وجود کر — پاپانی دریا ہنجو ریت نابود کر
جے پارہ عشق حقیقی پاویں رتی بھر — تا خالص سونا راز دکھائے صراف گھر

نوٹ: چنانچہ حضرت فرید فردؒ نے ریت وجود ہی کو نابود کیا اور اپنے سونے کو بحکم باطن اپنے صراف یعنی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیا، (یہ ذکر سی حرفی دوئم میں ح کے بیت میں مندرج ہے) جس کو کہ اپنی کمالیت سے جناب خواجہ صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے کندن بنا دیا اور ایک نہایت اعلیٰ جگہ پر جڑ دیا۔

اسی رسالہ مذکورہ یعنی ''تحفہ مراد'' میں حضرت شاہ مراد چشتیؒ فرماتے ہیں، جیسا کہ اس لام (ل) کے بیت میں مرقوم ہے کہ طالب کو اپنے برتن یعنی جسم کو طہارت ظاہری و باطنی سے صاف کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اس نور توحید سے پُر کرے۔ بعد ازاں عشق الٰہی کی جاگ لگا کر دہی جمادے اور نور توحید میں چھپے ہوئے سِرّ یعنی دودھ میں چھپے ہوئے مکھن کو نکالے۔ اس ترکیب سے کہ ذکر کی مدھانی کو سانس کے رسہ میں لپیٹ کر ہلاے، تا کہ گوہر مقصود ہاتھ آئے۔

ش شیر وجود تے مکھن وچہ اسرار حق — پا جاگ محبت دہی جمادیں چھوڑ شکر
جے ذکر مدہانی پاویں رسی ساہ دھر — تا مکھن سرالٰہی نکلے سیر بھر

اور اس سے پہلی حالت کو حضرت بہبلؒ یوں بیان کرتے ہیں:

باجھوں درد کہاں عرفان — مورد بناں نہیں مولی ایمان
دفتر درد عشق دا پڑھ — دُھد وانگ دھوانی اندر کڑھ

نوٹ:- جب حضرت بابا صاحبؒ دودھ کی طرح کڑھ چکے یا اپنے دودھ کو دہی جمانے کے قابل بنا چکے، تو حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں جانے کا حکم صادر ہوا کیونکہ انہی کے پاس تمہارا بخرا حصہ ہے، اور وہی تمہارے دودھ کو جاگ لگا سکتا ہے کیونکہ مجدد الوقت ہونے کے سبب سے آپ اپنے وقت میں تمام اولیاء اللہ سے ممتاز تھے۔

....

جب بخت نے یاوری کی تو دین و دُنیا کی دولت ہاتھ لگی، یعنی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بابا صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کو کنوئیں سے نکالا اور بحکم الٰہی نور مشاہدہ سے پُر کیا اور آنجنابؐ کو خوش خبری دی کو مسعود! اللہ تبارک تعالیٰ نے تمہارے اس چلہ کو قبول فرما کر فرید فرد کے لقب سے ممتاز فرمایا۔ جو کچھ کہ تم نے زہد و ریاضت سے حاصل کرنا تھا، کرلیا۔ اب اس حاصل شدہ نعمت کی سنبھال حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز سے سیکھو اور جو کچھ بھی کہ تمہارے حصہ و بخرا سے اُنکے پاس ہے، حاصل کرو۔

(م)

مہر دی نظر خدا اوتوں — ہویا حکم دلی ول جاوَنے دا

Marfat.com

(خدا کی نظرِ عنایت سے حکم ہوا دہلی کی طرف جانے کا۔)

خواجہ قطب دے پاس ہے خیر تیرا اوہنوں حکم ہے جاگ لگاوندیا

(خواجہ قطب صاحب کے پاس تمہارے حصہ کی نعمت ہے، اُسے جاگ لگانے کا حکم ہے۔)

مرشد ویکھے فرید دی پہچ تائیں زور نبیؐ دی امت بخشاوندیا

(حضرت شیخ نے بابا صاحب کی عالی ہمتی و طاقت کو دیکھا کہ امت محمدیہ کی بخشش کی طاقت رکھتا ہے۔)

لعل رب نے بھیجیا پیر بخشا لائق قطب ۸۱ حضور پہچاونے دا

(اللہ تبارک وتعالیٰ نے لال بھیجا۔ اے پیر بخش! جناب خواجہ صاحب کی لیاقت کے موافق حضور میں پہنچانے کیلئے۔)

جب جناب بابا صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز بحکم باطن جناب شہید المحبت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو جناب خواجہ صاحبؒ نے پہلی ہی نظر میں معلوم کرلیا کہ اس گدڑی کے لعل میں اللہ تبارک تعالیٰ نے بخشش امت محمدیہ ۸۲ کی طاقت بھری ہوئی ہے۔

(ن)

نیاز گذران کے قدم چمے ملی تھاپناں بہت نہال ہوئے

(تحفہ گذار کر قدموں کو چوما (خواجہ صاحب نے) پیٹھ تھپکائی تو بہت نہال ہوئے۔)

حضرت ۸۳ پیر نالے خواجہ قطب صاحب بھیجے ۸۴ رب گواہ کمال ۸۵ ہوئے

(خواجہ غریب نواز اور خواجہ خضر علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھیجا گواہ کمالیت کو پہنچے ہوئے۔)

خواجہ قطب لاوے گل جنہاں تائیں اوہ کنگال تھیں لال ۸۶ وگلال ہوئے

(خواجہ قطب صاحب جس کو گلے سے لگائیں وہ غریب سے غنی و صاحب دولت ہو۔)

گھڑی ساعت سولکھنی پیر بخشا کرمانوالیاں خاص جمال ہوئے

(وہ وقت مبارک تھا، اے پیر بخش! طالع مندوں کو خاص دیدار ہوئے۔)

میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت قطب العالم فرید فرد قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز جناب شہید المحبت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور سجدہ تعظیمی بجالا کر قدموں کو چوما اور نذرانہ یا ہدیہ خدمت میں پیشکش کیا۔ جناب شہید المحبت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز جناب بابا صاحب سے نہایت مہربانی و خلق سے پیش آئے اور اسی وقت شرف بیعت سے سرفراز فرمایا اور دولت فقر سے مالا مال کیا۔

تیسرے مصرعہ میں میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ جناب شاہ و شیخ امام الفقراء حضرت خواجہ قطب صاحبؒ مجدد الوقت اُن خاص الخاص واصلین حق میں سے تھے جو کہ درجہ کمال ذاتی کی نہایت کو پہنچے ہوئے تھے، چنانچہ آپ کی نظر کیمیا اثر میں یہ تاثیر تھی کہ جس پر پڑی اُسے خدا رسیدہ کر دیا۔

Marfat.com

اور چوتھے مصرعہ میں بیان کرتے ہیں، کہ وہ کیا ہی نیک ساعت تھی، جس میں کہ صاحب نصیب یعنی حضرت بابا صاحب قطب العالم اغیاث ہند فرید فردؒ کو خاص ۸۷ دیدار نصیب ہوا۔

(و)

ورد جو صاحبان دس دتا   عاشق پلک نہ مول وساردے نی

(جو ورد و وظائف صاحبوں نے بتایا، عاشق یعنی بابا صاحب نے ایک لحہ بھی نہ بھلایا۔)

روم شام دے لوک سلام کردے نشر ہوئے جانو چہ سنساردے نی

(روم و شام کے لوگ زیارت کرتے ہیں، جب سے آپ دُنیا میں ظاہر ہوئے ہیں۔)

آون کل مرید ہن کرن زیارت   صدق منداں نوں پار اُتار دے نی

(آتے ہیں سب مرید اب زیارت کرنے کو۔ صادق مریدوں کو بحر طریقت سے پار لگاتے ہیں۔)

بخشے گنج سوالیاں پیر بخشا   فیض عالم مشہور سرکار ۸۸ دے نی

(خزانے بخشے سائلوں کو اے پیر بخش! حضور کے فیوض عوام الناس میں مشہور ہیں۔)

جناب باباؒ نے فرمودہ ورد و وظائف اور طریق کار کو شوق دیا اور حصول مدعا کے لئے ایک پلک بھی نہ بھلایا، یعنی فرض دائمی سے بموجب ارشاد کے ایک ساعت بھی غفلت نہ کی اور جب اپنی مراد کو پہنچے یعنی ذات احدیت سے واصل ہوئے تو تمام عالم میں صفات فریدیہ کی مشہوری پھیل گئی، یہاں تک کہ روم و شام کے لوگ بھی زیارت سے مستفید ہونے لگے۔

تیسرے و چوتھے مصرعہ میں میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ تکمیل خلافت کے بعد یعنی حضرت خواجہ صاحبؒ سے فیضیاب ہو چکنے کے بعد آپ اجودہن میں رونق افروز ہوئے۔ آپ کی برکت سے اس مقام کا نام پاک پتن شریف مشہور ہو گیا۔ اب تمام مرید زیارت کے لئے دور دراز ممالک سے آستانہ شریف پر حصول مدعا کے لیے آتے اور فیضیاب ہوتے ہیں چنانچہ صدق منداصحاب بخشش فریدیہ سے خزانہ باطنی سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

نوٹ: دوسرے قلمی نسخہ میں جو کہ پیر شفاعت ۸۹ علی شاہ صاحب چشتیؒ سے دستیاب ہوا تھا، اس طرح پر تحریر ہے کہ "شکر گنج دے سوالی ہن پیر بخشا   منت دار ہمیش دیدار دے نی" یعنی سائلان درگاہ فریدیہ ہمیشہ سے دیدار کے خواہشمند ہیں، یا غلامان درگاہ فریدیہ اپنے ذوق و شوق و زہد و ریاضت میں اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ ہمیشہ سے دیدار ربی ہی کی خواہش رکھتے ہیں، یعنی سوائے دیدار کے کسی دوسری چیز پر قرار نہیں پکڑتے۔

(ھ)

ہدایت نوں مائی پہنچا دتا   بہت عاجزی نال فقیر ہوئے

(صلاحیت کو والدہ صاحبہ نے پہنچا دیا بہت عجز و انکساری سے دولت فقر کو حاصل کیا۔)

Marfat.com

حضرت پیران پیر ہے غوث اعظم   قطباں نوچہ ایہہ ولی امیر ہوئے

(حضرت پیران پیر غوث الاعظم ہیں اور قصبوں میں یہ ولی بہت ہی امیر ہوئے ہیں۔)

زہد الانبیاء فرد فرید بابا   کامل پیر قطباں بے نظیر ہوئے

(زہد الانبیاء فرد فریدؒ کامل قطبوںؒ کے پیر بے نظیر اور فرد عالم ہوئے ہیں۔)

سوئی فیض نوں پہنچ دے پیر بخشا   اصل جہاندے نیک خمیر ہوئے

(وہی فیض کو پاتے ہیں اے پیر بخش! تحقیق جن کے نیک خمیر ہوتے ہیں۔)

حضرت قطب العالم فرید فردؒ کو جناب والدہ صاحب رحمۃ اللہ علیہا کی کوشش وہدایت نے واصلان حق میں سے ایک ایسا ولی بنایا کہ جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، کیونکہ آنجناب نے اس قدر مجاہدات فی النفس کئے ہیں، کہ زہد وریاضت کے سبب بارگاہ عالی سے زہد الانبیاء اور فرید فرد کے مبارک خطابوں سے ملقب وسرفراز ہوئے۔

جناب محی الدین ابو محمد شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غوث اعظم یعنی اپنے وقت میں اغیاث عالم کے سردار تھے اور آنجناب گنج شکرؒ اپنے وقت کے قطبوں کے سردار اور امام تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اولیاء اللہ میں سے آپ اپنے وقت میں سب سے امیر ہو گذرے ہیں۔ آنحضور کی کمالیت اس قدر وسیع ہے کہ آپ کامل واکمل اقطاب کے پیر وپیشوا تھے۔

مودود دا لاڈلا پیر چشتی شکر گنج مسعود بھر پور ہے جی
بائیس قطبا نوچہ ہے پیر کامل جسدی عاجزی زہد منظور ہے جی
خاندان وچہ چشت دے کاملیت شہر فقر داپٹن معمور ہے جی
شکر گنج نے آن مقام کیتا دکھ در د پنجاب دادور ہے جی
(وارث شاہ)

یہ بات عام مشہور ہے کہ جناب قطب العالم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز بائیس کامل قطبوں کے پیر ایک مخدوم وایک محبوب کے منبع فیض تھے، چنانچہ کئی سلاسل طریقت چشتیہ کے آپ کے خلفاء سے جاری ہیں۔

اور چوتھے مصرعہ میں میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ وہ لوگ کمالیت کو پہنچتے ہیں جن کے خمیر صالح ہوں یعنی خاندان نبوت سے تعلق رکھنے والے ہی اس قدر ارفع واعلیٰ مقامات حاصل کرتے ہیں کیونکہ خون سیادت کے سوا کسی دوسرے کی یہ پہنچ نہیں کہ درجہ کمال ذاتی کی نہایت کو پہنچے۔

(لا)

لگیاں اکھیاں خوف بہتا پیا   اساں اوپر مہربان ہوئے

(آنکھیں لگی ہیں خوف بہت ہے وہ ساجن ہم پر مہربان ہو۔)

دوست ہو ئیکے ذرہ ریا کیتی   تختوں جدا حضرت سلیمان ہوئے

(دوست ہو کہ جب غرور کیا تو حضرت سلیمان علی نبینا تخت سے علیحدہ ہوئے۔)

مہتر یوسف نوں پائیو وچہ کھوہے ابراہیم نوں چخاوِل آن ڈھوئے

(یوسف علی نبینا کو کنوئیں میں ڈالا اور ابراہیم علیہ السلام کو چتا میں دھکیل دیا۔)

جو کچھ چاہے سوچاہ کرے پیر بخشا صاحب پلک دریا رحمان ہوئے

(وہ جو کچھ چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔اے پیر بخش! کیونکہ وہ صاحب پلک دریا ہے۔)

طالبان حق وعاشقان جمال راہ سلوک میں قدم رکھتے ہی، وہم غیریت دانانیت کو بالکل ترک کر دیتے ہیں، یہاں تک حواس خمسہ سے بھی کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور اس کے اشاروں میں رضاو خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بغیر چون و چرا کے عمل کیے جاتے ہیں۔اپنی لگن ومحبت کی دُھن میں اُس بے نشان و بے مکاں کی ملاقات کے لئے اپنا نشان وغیرہ مجاہدات میں گم کر دیتے ہیں، اور ہر وقت مصائب وتکالیف کے گرداب میں ڈوبے رہتے ہیں۔

میں تدھ کا رن حبسی ہویا نوں دروازے بند کر سویا
درد سویں تے آن کھلویا کدے من میری آشنائی
میں وچہ میں نہ رہ گئی رائی
جب کی تم سنگ پیت لگائی
(بلّھے شاہ)

باوجود کوئے دوست میں اپنا آپ لٹا دینے کے، اُس کی بے پرواہی و بے نیازی سے ہر وقت اور ہر حال میں ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں حضرت یوسف علی نبینا وحضرت زکریا علی نبینا وحضرت یونس وعیسیٰ علیہن بینا، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح آزمائشوں میں نہ ڈال دے۔

پس اسی خیال کو اس بیت میں بیان کیا گیا ہے کہ عاشق خوف الٰہی سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتا ہے اور آزمائشات الٰہیہ سے اپنے ناتواں جسم کی کم طاقتی کو دیکھ کر ڈرتا رہتا ہے، کیونکہ انسانی طاقت نہیں جو اس کی آزمائش میں پورا اتر سکے۔

جو ڈھونڈ تساڈی کردا ہے اوہ مویاں توں اگے مردا ہے
اور مویا بھی تیتھوں ڈردا ہے مت مویاں نوں موڑ کو ہائیداد
ڈر لگ دا بے پرواہی دا
(بلّھے شاہ)

(الف)

اسم تساڈے داورد صاحب صاحب وردنوں چاہئے شاد کرنا

(اے صاحب! آپ کے مبارک اسم کا ورد ہے زبانوں پر یاد کرنے والوں کو خوش کرنا چاہیے۔)

حضرت نبی کریم دی امت کارن صاحب اگے فریاد فریاد کرنا

Marfat.com

(حضرت سرورِ عالم کی امت کے لیے صاحب کے دربار میں دُعا وفریاد کرنا۔)

ہویا حکم ایہہ رب رحیم دا جی   امت بخشاں کے تسی اعتقاد کرنا

(اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہوا کہ امت کو بخشیں گے تم بھروسہ رکھو۔)

شکر گنج نوں سیو جس پیر بخشا   ایتھے اوتھے مریداں نوں شاد کرنا ۹۰

(فردِ عالم کو چتار کہ جس نے اے پیر بخش! دونوں جہاں مین مریدوں کو خوش کرنا ہے۔)

ہم پرستاران وجاں نثاران غلامان غلام خاندان چشتیہ عالیہ کی زبان پر آپ کا اسم مبارک وذکر شریف ہر وقت جاری ہے۔ آپ کو چاہیے کہ اپنے بیدام غلاموں کو فیض وبخشش سے مشکور فرمائیں۔

اور حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے درگاہ رب العزت تبارک وتعالیٰ سے نجات و مخلصی کے لیے التجا کریں، کیونکہ تمام صاحب قدروں نے اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق درگاہ عالی سے نجات طلب کی ہے، جیسے کہ حضرت خواجہ اویس قرنیؓ نے ایک بہت بڑے حصہ کی بخشش کا وعدہ اس غفور الرحیم سے لیا ہے اور یہ بات تمام مذاہب میں مشہور ہے، چنانچہ زیادہ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔

چنانچہ امت محمدیہ کی بہتری کے لیے (جو کہ آنحضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر عزیز ہے کہ جب تک جیتے رہے امت کے لیے بخشش طلب کرتے رہے یہاں تک کہ دارِ دُنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی ۹۱ امتی امتی زبان پر جاری تھا) جناب قطب العالم فرید فردؒ نے درگاہ ایزدی سے نجات وبخشش چاہی جس پر آنجناب رحمت اللہ علیہ کو جناب باری سے تین کلاوے بخشانے کا وعدہ عطا ہوا۔

حضرت بابا صاحب اپنے جوش عقیدت ومحبت کی وجہ سے ہر وقت اپنی انگلیوں کو کھینچتے اور سمجھاتے رہتے کہ اس روز اس قدر بڑھ جانا کہ تمام گنہگاران امت ایک ہی کلاوہ میں آجائیں۔

چوتھے مصرعہ میں میاں پیر بخش صاحب عقیدتمند اصحاب کو مخاطب کر کے نصیحت کرتے ہیں کہ اپنے امام المشائخ حضرت گنج شکرؒ کو یاد رکھو کہ انہوں نے تمہاری دونوں جہاں میں دستگیری کرنی ہے۔

(ی)

یاد خدا ئیدی جنہاں کیتی   ملیاں تنہاں نوں ترت مزدوریاں جی

(جنہوں نے یاد کی خداوند تبارک وتعالیٰ کی اُنہیں فوراً مزدوریاں نقد حاصل ہوئیں۔)

جنہاں مولا دے نام دا ورد کیتا   ملیاں اونہاں نوں اجر صبوریاں جی

(جنہوں نے اس کے نام کا ورد کیا، انہیں اس کے عوض میں صبر عطا ہو۔)

جنہاں سیس پیارے توں وار گھتے   ہویاں وصل وصول حضوریاں جی

(جنہوں نے ساجن پر سے سر قربان کر دیے، انہیں وصل وحضوری نصیب ہوئی۔)

کلمہ نبی دا وردر کھ پیر بخشا   جدا ہے باہجہ نہ پیندیاں پوریاں جی

(کلمہ طیبہ کو ورد بنا اے پیر بخش! جس کے بغیر حاجت روائی اور مشکل کشائی ناممکن ہے۔)

میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ جس نے اس کے راستہ میں مشقت اُٹھائی، اُس نے مزدوری یعنی مخلصی و امان پائی اور جس نے زہد و مجاہدہ کو برضا و رغبت قبول کیا، تحقیق اُس نے درگاہ عالی سے نعمت صبر حاصل کی اور جن طالبوں اور عاشقوں نے دوست کے راستہ میں سر دیا، تحقیق انہوں نے قرب و وصل کو گلے لگایا، سوائے پیر بخش تو بھی ذکر و شغل کو دائم جاری رکھ، کیونکہ اس کے بغیر مدعا یعنی گوہر مقصود کا ہاتھ آنا ناممکن ہے کیونکہ ہر ایک دوست اللہ نے اسی ذکر دائمی کے ذریعہ سے قرب و وصل حاصل کیا ہے۔

چراغ الچشت

حصہ دوئم

(الف)

اللہ دے نام دی صفت کریئے جہڑا کرے پروش پیداوار دیجی

(اسم الٰہیہ کی صفت وثناء کریں (یعنی ذات باری کی) جو کہ تمام پیداوار کی پرورش کرتا ہے۔)

خاطر نبیؐ دے کل ظہور ہویا صفت خاص خدائیدی یار دی جی

(اپنے محبوب کی خاطر سے تمام عالم کو ظاہر فرمایا۔ یہ خاص صفت ہے خدا کے دوست کی۔)

ابا بکر تے عمر عثمان علی منوں دلوں ایہہ بات درکار دی جی

(حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر خطابؓ، عثمان غنیؓ، علی کرم اللہ وجہہ انکو دلی عقیدت سے مانو۔ یہ بات کارآمد ہے۔)

شکر گنج فرید ہے پیر بخشا کر تعریف ہن اوس دربار دی جی

(گنج شکر فرید ہیں اے پیر بخش! اب اس دربار عالیہ کی تعریف شروع کر۔)

میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ صرف وہی ذات مطلق حمد و ستائش و پرستش کے لائق ہے جو کہ تمام عالم کی موجد و صانع حقیقی ہے۔ اُسی نے ہماری بہتری کے لیے اپنے محبوب پاک کو ساتھ صفات کاملہ کے ہم میں ظاہر فرمایا (جو کہ سرتاج اور سردار ہیں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اور باعث ظہور ۹۲ عالم کے ہیں) اور وہی مالک الملک رازق الخلق تمام پیدائش کردہ اشیاء کی خبر گیری کرتا ہے۔

تیسرے مصرعہ میں میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ چہار یار کی دوستی و محبت ایک بہت ضروری چیز ہے کہ اس کے بغیر درجات کا طے کرنا انسانی طاقت سے بعید ہے کیونکہ یہ چاروں خلفاء عظام حضرت کی کامل صفات کا جزو انمونہ ہیں۔ ہر ایک دوست اپنی اپنی صفات میں یکتائے زمانہ ہے، مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ صدق ۹۳ میں اور حضرت عمر فاروقؓ ۹۴ عدل و انصاف میں اور حضرت عثمان غنیؓ غنا اور حضرت شاہ علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ سخاوت و شجاعت میں۔

پس اگر کسی نے ان میں سے ایک کی محبت کو چھوڑا یا ان میں سے کسی ایک کو بُرا جانا تو تحقیق اُس نے ایک اعلیٰ صفت کو ترک کیا۔ اگر کسی نے دو یا دو سے زیادہ کو بُرا جانا، تو تحقیق اُس نے دو یا دو سے زیادہ صفات کو اپنے سے جدا کیا۔

Marfat.com

یاد رہے کہ بغیر ان صفات حمیدہ، صدق، عدل، غنا، شجاع کے کوئی شخص بھی کامل انسان نہیں بن سکتا، کیونکہ جس طرح اسلام کے لئے اقرار توحید اور ایمان کے لئے نیک اعمال اور کامل یقین کی ضرورت ہے' اسی طرح اولیا اللہ کو صدق وصفا کی اشد ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر یادِ الٰہی ناممکن ہے اور بفرض محال کی بھی جائے تو محویت ومشغولیت کا حاصل ہونا ناممکن ہے، دوئم، عبادت بغیر تمیز و پہچان کے فائدہ مند نہیں اس لئے لازمی ہے کہ انسان کو نیک و بد' حرام وحلال، گناہ وثواب، ظلم و عدل، خالق وخلق، حق و باطل کی تمیز ہوتا کہ اغلاط وشکوک میں پڑ کر محنت نہ کھودے۔ سوئم محنت وعمل کا لازمی نتیجہ ہے کہ اپنی طریق کار کی دولت سے جس میں کہ وہ محنت کرتا ہے' امیر سرمایہ دار ہوا اور امیر وغنی کے لئے ضروری ہے کہ وہ کنجوس بخیل اور عام خان بہادر خان کی طرح ڈرپوک نہ ہو، بلکہ مرد میدان، شجاع و بہادر اور صاحب سخا ہو۔ پس ضروری ہے کہ انسان ان صفات سے متلبس ہو، چنانچہ اسی اُصول پر ان پر خلفاء اعظام سے عالم اسلام نے درجہ ۹۵ بدرجہ تمام صفات صدق وعدل، غنا و سخا وغیرہ کو حاصل کیا اور ان میں سے ہر ایک نے بجائے اپنی اولاد کے دوسرے دوست کے لئے جگہ کو چھوڑا حتیٰ کہ خلافت شاہ علی کرم اللہ وجہہ کے خاندان میں پہنچی۔ ۹۶

(ب)

بخشش ہوئی شکر گنج اوپر ہوئے اصل چراغ وچہ چشتیاندے

(جناب گنج شکر پر دوست کی خاص عنایت تھی جو آپ سلسلہ چشتیہ عالیہ کے حقیقی چراغ ہوئے۔)

شکر گنج وے جہڑے دربار پہنچن سو یو پار لنگھن وچہ کشتیاندے

(جو بھی جناب شکر گنجؒ کے دربار پہنچتے ہیں، وہ کشتیوں میں بیٹھ کر پار پہنچ جاتے ہیں۔)

آپ نبی کریم نے حکم کیتا کجہ شک نہ وچہ بہشتیاندے

(خود نبی صاحب صلعم نے فرمایا ہے اس لئے ان کے بہشتی ہونے میں کچھ نہیں۔)

جہڑے غافل جہاں تے پیر بخشا جانوں پچ نصیب گرستیاندے

(جو کہ غافل ہیں اس جہاں میں اے پیر بخش! سمجھو کہ اُن دُنیاداروں کے نصیب ہی نکمے ہیں۔)

میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص عنایت جناب چراغ الچشت حضرت بابا الدین گنج شکرؒ پر ہے کہ جناب کے مریدوں پر ایک عام فیض بہشتی دروازہ کا جاری کر دیا ہے اور خدام فریدیہ چشتیہ عالیہ کے بہشتی ہونے میں کچھ شک وشبہ نہیں کیونکہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خود فرمایا ہے۔

"من دخل هذه الباب امن۔"

پس وہ دُنیادار بدنصیب ہیں، جو اس عام فیض فریدیہ سے اپنی سستی وغفلت سے محروم ہیں۔

گذارش ہے کہ یہ بیت دوسرے قلمی نسخہ میں جو کہ جناب شفاعت علی شاہ صاحبؒ کی تحریر سے ہے' اس طرح مندرج ہے۔

ب۔ بندیاں دا اختیار نہ کجہ کیتا ہووندا رب رحیم داجی!

Marfat.com

(انسانوں کی طاقت میں کچھ نہیں۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب اسکی مرضی سے ہوتا ہے۔)

صاحب آپ چادرداں نوں گردکردا   روشن نام چاہ کرے حکمیدا جی

(اللہ تبارک وتعالیٰ دردوں کوتو آپ ہی دور کرتا ہے، لیکن مشہوری حکیم کی کر دیتا ہے۔)

باوا صاحب دے جھڑ اور بار جاوے   لوے ترت اسباب عظیم دا جی

(بابا صاحب کے دربار میں جو جاتا ہے وہ عظمت والی جگہ کے اسباب حاصل کرتا ہے۔)

نہیوں شک بہشتیاں وچہ پیر بخشا   ایہہ فرمان ہے نبی کریم دا جی

(ان بہشتیوں میں کچھ شک نہیں اے پیر بخش! یہ تو سرور عالم کا فرمان ہے۔)

اس بیت میں مذکور ہے کہ جو کچھ بھی ہے، اس صاحب قدرت کے اختیار میں ہے، جس میں کہ کسی صفائی کو دم مارنے کی جرأت نہیں اور وہ قادر مطلق بیماروں کو خود شفا بخشتا ہے لیکن دُنیا میں حکیموں کے نام کو روشن کر دیتا ہے اور آنجناب فرید فردؒ کے دربار پر جو کوئی بھی جاتا ہے اُسے بھاری اسباب خدا کی رحمت وبخشش سے جناب کی طفیل سے حاصل ہوتا ہے یعنی وہ بہشتی ہو جاتا ہے۔ میرے اس کہنے میں ذرا بھی شک نہیں کیونکہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا، من دخل ھذہ الباب امنا۔

(ت)

تقدیر جو رب رحیم والی   سو فرید منی ہس رس کے جی

(قدرت کے نوشتہ کو حضرت بابا فرید صاحب نے برضاء ورغبت قبول کیا۔)

ہویا حکم خدائیدا گئے دلّی   خواجہ قطب دیکھے، پچھ دس کے جی

(حکم ہوا دہلی جانے کا، تو گئے، اور خواجہ قطب صاحب سے ملے، بعد تلاش بسیار کے۔)

کھیڈن بالکانو چہ نادان عمرا   مرشد پایا سی بھنک ترس کے جی

(خواجہ صاحب، نادان بچوں میں کھیلتے تھے، جن کو کہ جناب بابا صاحب نے بہت تلاش کے بعد پایا تھا۔)

پجے دائیے جناب توں پیر بخشا   لئے گئے جیو فرید اکھس کے جی

(امیدیں پوری ہوئیں جناب سے اے پیر بخش! بابا صاحب کے دل کو چھین کر لے گئے۔)

میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت گنج شکرؒ دہلی میں آستانہ شریف خواجہ صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز پر پہنچے، تو آنجناب کو لڑکوں میں کھیلتے ہوئے دیکھ کر نہایت غمگین ہوئے اس خیال سے کہ بڑی تگ ودو کے بعد یہ بات نصیب ہوئی تھی، لیکن قسمت کو دیکھئے کہ جس نے کم سن شیخ کے قدموں میں لا ڈالا ۹' باوجود اس وہم باطلہ کے جناب خواجہ صاحب نے ایسی کشش کی کہ بابا صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز آپ کے پیچھے پیچھے حجرہ مبارک تک کھچے چلے گئے۔

Marfat.com

(ث)

تابتی والے جادوار پہنچے باہر آئے تاں داہڑی سفید میاں
(صاحب استقلال گھر جا پہنچے، جب باہر نکلے تو ریش مبارک سفید تھی۔)

کہیا باوا فرید استاوہ لیاؤ نیوں کر زمین پر ہو کھلء قید میاں
(کہا، اے فرید! بابا استاوہ لاؤ کبڑے ہو کر زمین پر کھڑے رہ گئے بانند قیدی کے۔)

لاون زور استاوہنہ اُتاں آوے دلدا شک ہو گیا ناپیدا میاں
(بہتیر ازور کیا، لیکن استاوہ اٹھا سکے، دل کا شک جو تھا رفع ہو گیا۔)

دہوتی میل ریادی پیر بخشا خواجے قطب فقیری دے دید میاں
(ریا کی میل کو دھوڑ الا اے پیر بخش! خواجہ صاحب نے جو کہ حاذق حکیم فقرا میں ہیں۔)

جب حضرت خواجہ صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز حجرہ شریف سے باہر تشریف لائے، تو جناب کی ریش مبارک سفید تھی، چنانچہ باہر آتے ہی جناب نے بابا صاحب کو اُستاوہ لانے کا حکم دیا۔ جناب بابا صاحب حضور کی اس تبدیل ہیئت کا خیال کرتے ہوئے استاوہ لانے کو بڑھے۔ جونہی کہ جناب نے استاوہ کو ہاتھ ڈالا، استاوہ نے آپ کو پکڑ لیا، یعنی نہ تو جناب استاوہ کو اوپر اٹھا سکے اور نہ ہی استاوہ سے ہاتھ چھڑا سکے۔ جب چند ساعت اسی حالت میں گذر گئیں تو جناب کے باقی ماندہ شکوک بھی رفع ہو گئے۔

چوتھے مصرعہ میں میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ مرض فقر کے حاذق حکیم جناب شہید المحبت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ نے کیا ہی عجیب نسخہ سے جناب کے دل کو شکوک کی غلاظت سے دھوڑ الا اور وہ بھی صرف چند ساعتوں میں۔

(ج)

جنگل دا پھرن موقوف کر کے اوتھے وضو دا کم اختیار ہویا
(جنگلوں میں پھرنے کو موقوف کر کے (اس جگہ) وضو کی خدمت سپرد ہوئی۔)

خواجہ پیر سرتاج ہے چشتیاندا جس وچہ اجمیر دربار ہویا
(جناب خواجہ غریب نواز سرتاج ہیں چشتیوں کے جن کا اجمیر شریف میں مزار ہے۔)

اونہاں بھیجیا سی قطب الدین تائیں عشق یار دینال پرکار ہویا
(انہوں نے خواجہ صاحب کو بھیجا ہے دوست کے عشق میں پرکار یعنی مکمل ہوتے ہوئے۔)

مرشد ملے کمال جد پیر بخشا اللہ صاحب دا جانوں دیدار ہویا
(جب مرشد صاحب کمال ملے تو اے پیر بخش! سمجھو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا دیدار قریب تر ہوا۔)

جناب خواجہ قطب الدین صاحبؒ نے حضرت بابا صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کو بیعت طریقت سے مشرف

کیا اور خاندان چشتیہ عالیہ میں داخل کر کے ورد وظایف طریقت چشتیائی سے آگاہ کر کے خدمت وضو پر معمور کیا، چنانچہ جناب کا جنگلوں میں پھرنا موقوف ہوا۔

واضح ہو کہ جناب شہید المحبت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ مرید وخلیفہ حضرت خواجہ غریب نواز والی سندؒ کے ہیں اور جناب ہی نے آپ کو دہلی میں قدم کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

پس اے عزیز! جب طالب کو کامل شیخ کی صحبت نصیب ہوئی تو سمجھو کہ دیدار الٰہی قریب تر اور نزدیک تر ہوا کیونکہ صاحب کمال کو دیدار ربی سے مستفید کرانا مشکل نہیں۔

(ح)

حکم ہویا چلہ ہور کٹو مڑ کے　　پھیر کٹھالی وچہ ڈال دتا

(حکم ہوا کہ ایک چلہ اور کاٹو، یعنی پھر اسی کٹھالی میں ڈال دیا (مراد زہد سے ہے)۔)

خواجہ پیر سید بارے اجمیر وچوں　　ساڈے بال نوں کیوں تساں گال دتا

(جناب غریب نواز اجمیر سے روانہ ہوئے اور آن کر کہا کہ ہمارے بچہ کو کیوں نحیف کیا۔)

ایہہ فرید مسکین غریب عاجز　　تساں بھنیاں اساں اُبال دتا

(کیونکہ یہ فرید مسکین اور غریب وعاجز ہے (خواجہ صاحب نے جواب دیا) کہ آپ نے اسے بھونا ہے اور بندہ نے صرف ابال دیا ہے۔)

سونا آیا صرافاں تے پیر بخشا　　دہر کسوٹیاں پرکر لال دتا

(سونا صرافوں کے پاس پہنچا اے پیر بخش! کسوٹیاں پر جانچ کر کر کے کندن بنا ڈالا۔)

جناب خواجہ صاحب نے حضرت بابا صاحب کو چلہ کاٹنے کا حکم دیا۔ جب آپ حجرہ میں معتکف ہوئے، تو تین ہی روز میں بھوک سے اس قدر لاچار ہوئے کہ مٹی کے ڈھیلوں کو منہ میں ڈالا، جو کہ بحکم الٰہی شکر ہو گئے۔ ۹۸

ادھر جناب غریب نوازؒ نے آپ کی اس بیچارگی ونقاہت کو دیکھ کر بہ جسم روحی دہلی تشریف لائے اور خواجہ صاحب کو کہا کہ اس عاجز ومسکین کو کیوں بھٹی میں جھونک دیا۔ کیا یہ پہلے ہی سے کم نحیف ولاغر ہے۔ جناب نے عرض کی کہ اس میں شک نہیں کہ یہ پہلے ہی درویشی اور عجز ومسکینی کو اختیار کئے ہوئے تھا مگر آپ نے اسے حصول مدعا کے لئے بھونا ہے اور بندہ نے اُبالا ہے مگر یہ سب کچھ اس کی بہتری کے لیے ہے۔ پس یہ جواب سن کر حضرت غریب نواز نے ارشاد فرمایا کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ یہ پہلے ہی اسے حاصل صرف جلائے وحیہ کی ضرورت ہے۔ سوائے شغل روحی میں مصروف کرو۔

چوتھے مصرعہ میں میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ سونا یعنی حضرت گنج شکر صرافوں یعنی حضرت خواجگان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کسوٹیوں پر پرکھ کر یعنی ''العشق نار'' کی آگ میں تپا کر مصفا کیا اور صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگین کر کے کندن سے بھی زیادہ چمکیلا بنا ڈالا (مراد اس سے پارس کی ہے)۔

Marfat.com

(خ)

خبر کیتی شکر گنج تائیں　　پانی صبح دے وقت نوں گرم کرنا
(جناب بابا صاحب کو آگاہ کیا کہ آج صبح کو وضو کے لیے پانی کو گرم کرنا۔)
آتش دبی بہت زبردست کرکے　　پوے بھالنی تاں دلنوں نرم کرنا
(آگ کافی مقدار میں بحفاظت دبانی اور اگر تلاش کرنے کی ضرورت پڑے تو عجز سے کام لینا۔)
پینڈے دھاڑ دی دولتاں والیاں نوں　　نالے کھنی تے نالے شرم کرنا
(دولت مندوں کو اکثر لٹیرے پڑتے ہیں، اس دولت کو بحفاظت رکھنا اور (کرامت سے) شرم کرنا۔)
آپے دیندا الاوندا پیر بخشا　　آپے پہنچدا جنہاں تے کرم کرنا
(وہ خود ہی دیتا اور دلاتا ہے اے پیر بخش! اور خود ہی مدد کو پہنچتا ہے۔ جن پر کہ اس نے کرم کرنا ہوتا ہے۔)
حضرت خواجہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ دولتمندوں کو اکثر لٹیرے اور ڈاکو پڑتے ہیں۔ سوائے مسعود! جب کسی دھاڑی سے سامنا ہو تو دولت فقر کی حفاظت کرنی اور کشف و کرامت دکھانے سے شرم کرنی۔ کیونکہ یہ کم دلوں کا کام ہے۔ 99 (کرامت دکھانی)

(د)

دلّی دے وچہ نہ اگ لبھی　　فقر ڈھونڈا پھرے دواریاں نوں
(شہر دہلی میں آگ نہ ملی۔ حالانکہ فقیر نے بہت تلاش کی۔ یہاں تک کہ لوگوں کے گھروں سے بھی دریافت کیا۔)
گئے پارندیوں جتھے شمع جگدی　　عورت موہندی ویکھ بیچاریاں نوں
(قصہ کوتاہ جناب دریا کے پار گئے جہاں شمع روشن تھی۔ مالک خانہ نے حضور کی ضرورت کو دیکھ کر اپنا کام نکالنا چاہا۔)
چاہے کرو صحبت چاہے اکھ دیو　　ہتھ لاوناں تبھی انگیاریاں نوں
(خواہ مجھ سے صحبت کرو خواہ آنکھ دو۔ ان دونوں باتوں کے بغیر ہرگز کوئلوں کو ہاتھ نہ لگانا۔)
دتی اکھ نکال کے پیر بخشا　　ایہہ مصیبتاں ربدیاں پیاریاں نوں
(آنکھ نکال کر دے دی اے پیر بخش! یہ مصیبتیں ہیں صرف خدا کے دوستوں پر۔)

(ذ)

ذرا او چہ آن حضور پہنچے　　دردا کھ دینال دلگیر ہوندے
(چند ساعتوں میں آستانہ شریف میں پہنچ گئے۔ آنکھ کی درد سے نڈھال ہوتے ہوئے۔)

Marfat.com

پیشوا کہندے بچہ کھولو پٹی تسی آوندے جیویں بصیر ہوندے
(شیخ نے حکم دیا کہ بیٹا پٹی کھولدو۔ کیونکہ تمہاری چال سے اندھوں کی تشبیہ ظاہر ہوتی ہے۔)
کہندے آئی ہے اکھ بہت زور دی جی ایہدی پیٹر دینال ظہیر ہوندے
(عرض کی آنکھ بہت زور سے دکھنے آئی ہے۔ پس اس کی درد نے بہت لاچار کر دیا ہے۔)
کہیا آئی سوائی ہے پیر بخشا تندرست فرید فقیر ہوندے
(فرمایا یہ دکھنے والی آنکھ سوائی ہے اے پیر بخش! اسی وقت جناب بابا صاحب کی آنکھ تندرست ہوگئی۔)

جب جناب بابا صاحبؒ کو شہر میں آگ دستیاب نہ ہوئی تو شہر کے باہر تلاش کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ آپ ندی کے کنارے جا پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ پار کی طرف ایک جھونپڑی ہے' جس میں کہ شمع روشن ہے۔ قصہ مختصر آپ دریا عبور کر کے اس جھونپڑی میں پہنچے اور مالکہ سے آگ طلب کی۔ مگر وہ عورت جمال باکمال دیکھنے سے اس قدر محو حیرت ہوئی کہ کچھ جواب نہ دے سکی۔ جب آپ نے دوبارہ آگ طلب کی تو کچھ سوچ کر اس نے جواب دیا کہ آپ آگ لے سکتے ہیں' مگر اس کی قیمت ادا کر کے۔ صرف یہی کہ مجھ سے صحبت کر کے جو کہ دونوں کے لئے یکساں خوشی کا باعث ہے۔ اور اگر آپ کو اس سے انکار ہے تو آپ کو ایک بہت عزیز اور قیمتی چیز دینی ہوگی۔ جناب نے کہا وہ کیا چیز۔ کہا کہ ایک آنکھ۔ اس نے یہ خیال کیا تھا کہ آنکھ کا دینا ناممکن ہے۔ ہر حالت میں وصل قبول کریں گے۔ لیکن اس طرف آنکھ کی دولت ایمان کے مقابلہ میں کچھ قدر و قیمت نہ رکھتی تھی چنانچہ حضور نے آنکھ نکال کر اس کے ہاتھ میں دی اور آگ لے کر آستانہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔

(ر)

رب دا ذکر دل نال کرنا ایہو حکم ہویا مرشد پیر دا جی
(اللہ تبارک وتعالےٰ کے ذکر کو حضور قلبی سے ادا کرو۔ یہی حکم ہوا پیر و مرشد کی جناب سے۔)
بادشاہ دی چاکری سوئی کردا اول بنے غلام وزیر دا جی
(بادشاہ کی خدمت وہی کرتا ہے جو پہلے وزیر کی غلامی کو اختیار کرے۔)
شرع نبی دی من کے راہ ٹرناں فرماں برادر ہوناں دستگیر دا جی
(سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر بصدق دل چلنا اور اپنے ہاتھ پکڑنے والے کا فرمانبردار ہونا۔)
کرنا خوف خدا ئیدا پیر بخشا ہر دم شکر ہے کم فقیر دا جی
(اللہ تبارک وتعالیٰ کا خوف رکھنا (اے پیر بخش) اور ہر دم شکر گزار رہنا فقیر کا کام ہے۔)

جناب شہید المحبت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز سے ارشاد ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر نہایت رجوعیت قلبی سے ادا کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرع شریف کے مطابق اپنے باقی امور کو حل کرو اور اپنے ہاتھ پکڑنے والے کی فرمانبرداری لازم پکڑو جس کے ذریعہ سے تمہیں احکام نبوی وصول ہوئے ہیں۔

Marfat.com

جناب نے حضوری وقرب کے متعلق ایک مثال دی ہے کہ قرب سلطانی میں وہ لوگ فروکش ہو سکتے ہیں جو حضوری کی قابلیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ ضروری ہے کہ وزرا سلطانی کی خدمت میں رہ کر خدمت گزاری کی مشق کرے اور شاہی آداب وقواعد سے واقفیت حاصل کرے۔اس بیت میں میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ اس اعلیٰ دربار میں قابلیت علمی ذکر وشغل اور خدمتگذاری، صبر وشکر ومجاہدات وریاضات ہیں۔اور تمام آداب وقواعد بموجب احکام قرآنیہ کے ہیں اور اس اعلیٰ دربار کے سر کٹے یعنی شہید العشق اور صبغۃ اللہ سے رنگین شدہ مرد۔یعنی اولیاء اللہ بمنزلہ اُمراء و وزراء کے ہیں۔

(ز)

زبان وچوں سدا سچ کہنا ترنا سچ جد نبی شفاعت بھرنی

(ہمیشہ زبان پر سچ ۱۰۲ کو جاری رکھنا۔کیونکہ سچائی ہی نے کام آنا ہے جب کہ سرور عالمؐ نے شفاعت بھرنی ہے۔)

شیشہ اندر دا اندروں ویکھ لینا جیکر نال پیا ملاقات کرنی

(اپنے باطنی شیشہ کو اپنے باطن میں ہی دیکھ لینا اگر دوست حقیقی سے ملاقات کرنی منظور ہے۔)

کوہیں جند پیاری نوں موتوں اگے جے توں کوہیں تاں رب حیات کرنی

(اس جان عزیز کو موت سے پہلے مار اگر تو اپنے آپ کو اس کے راستہ میں مارے گا تو وہ زندگی عطا کرے گا۔)

مرشد کہے فریدنوں پیر بخشا صفت مولا دے باجھہ نہ بات کرنی

(حضرت شیخ نے کہا باباصاحب کو اے پیر بخش! سوائے ذات مطلق کی صفت وثنا کے کوئی بات نہ کریں۔)

جناب خواجہ صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ اے فرید! حق کے راستہ میں اپنے آپ کو حق کردے یعنی ختم کردے۔کیونکہ وہ انہیں کو حیات ابدی بخشتا ہے جو اپنے آپ کو اس کے راستہ میں قربان کردیتے ہیں۔اگر تمہیں دیدار ربی کی خواہش ہے تو اپنے آپ کو ذکر روحی ۱۰۳ کی طرف متوجہ کر کے اپنے باطنی شیشہ کو اپنے باطن ہی میں باطنی آنکھوں سے دیکھو تاکہ تم دیدار نوری کے دیکھنے کے قابل بن سکو۔

(س)

سیّیں دِتا اساں تساں اگے جو کجھ کہو سو بات پروان کرنی

(غلام نے اپنے سر کو حضور کے قدموں میں جھکایا ہوا ہے جو کچھ کہ حکم ہوگا اسی پر عمل کرنا ہے۔)

خواجہ قطب تے خواجہ معین صاحب دوہاں اُپروں جان قربان کرنی

(حضرت خواجہ قطب صاحب وخواجہ معین الدین صاحب پر سے جان کو قربان کردینا ہے۔)

میت پئی اختیار ہے زندیاں دے اللہ صاحب نے منزل آسان کرنی

Marfat.com

(غلام کی نعش زندوں یعنی آپ کے اختیار میں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے منزل مقصود کو آسان کرنا ہے۔)

سٹو نبی دے قدماں تے پیر بخشا   خاطر ۱۰۴ یار دی یار ۱۰۵ پہچان کرنی

(پس نبی صاحب کے قدموں پر ڈالوائے پیر بخش! دوست کی خاطر سے اس دوست حقیقی نے پہچان کرنی ہے۔)

جب جناب بابا صاحبؒ کو حضرت خواجہ صاحب نے جس کبیر کے متعلق ارشاد فرمایا تو جناب نے عرض کی کہ اس بندۂ مرشدی نے اپنے سر کو جناب کے قدموں میں ڈالا ہوا ہے جیسا مناسب ہو کرو۔ ۱۰۶ کیونکہ آپ کا غلام ابھی مردہ ہے اور آپ زندہ ہیں۔ اس لئے کہ آپ کا غلام بھی زندہ ہو۔ یعنی حیات ابدی سے واصل ہو۔ جہاد کے لئے قبر میں اتارو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی دعا و برکت سے اس منزل کو بھی آسان کر دے گا۔

(ش)

شرم فرزندنوں باپ دی جی   دتا خیر تے بہت تاکید کیتی

(فرزند کو باپ کی عزت کا پاس ہے۔ خلافت عطا کر کے بہت تاکید کی۔)

نیوں کر چلنا مہر ہے نیوندیاں تے   اُچے ٹبے دی طرف رسید کیتی

(عجز وانکساری میں رہنا۔ کیونکہ اس کی مہربانی عاجزوں پر ہی ہے اونچے ٹبہ کی طرف روانہ کیا۔)

سوال تن کلاوے بخشاونے دا   عرض اینی شیخ فرید کیتی

(سوال تین کلاوے بخشانے کا حضرت گنج شکر نے صرف اس قدر عرض کی۔)

بخشش ہوئی جناب توں پیر بخشا   خلقت لاکھ در لاکھ مرید کیتی

(جناب باری سے بخشش عطا ہوئی اے پیر بخش! چنانچہ آپ نے لاکھوں ہی مرید کئے۔)

منقول ہے کہ جب جناب بابا صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کو جس کبیر پنجسالہ سے باہر نکالا گیا تو جناب بابا صاحب میں بالکل طاقت حس وحرکت کی باقی نہ تھی۔ چنانچہ جناب والی ہند حضرت خواجہ غریب نواز اور حضرت خواجہ قطب الدین شاہنشاہ ولایت ہندؒ کی دعا سے جناب میں طاقت پیدا ہوئی۔ اس کے بعد جناب خواجہ صاحب نے حضرت غریب نواز کے ارشاد کے مطابق جناب بابا صاحب کو کمال مہربانی سے اپنی حاصل کردہ نعمات سے سرفراز فرمایا اور جناب والی ہند نے بھی آنجناب کو اپنے فیوض و برکات سے مالا مال کر دیا اور خلافت نامہ بالقاب زہد الانبیاء اور فردیت و مجددیت کے عنوان سے تحریر فرما کر جس طرف اونچے ٹبہ یعنی اجودھن سے رخصت فرمایا اور عجز وانکساری کی ہدایت فرمائی۔

تیسرے مصرعہ میں میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ جناب بابا صاحب نے گنہگاران امت کی بخشش و نجات طلب کی۔ جس پر جناب باری سے تین کلاووں کی اجازت مرحمت ہوئی۔ یعنی بروز قیامت تین کلاوے گنہگاران امت محمدیہ سے بھر کر بہشت میں لے جانے کی اجازت ہوئی۔

Marfat.com

(ص)

صفت والا سروپا دتا پاک پتن وچہ کہیا مکان تیرا

(جناب خواجہ صاحب نے بزرگی کی دستار عنایت کی اور کہا کہ پاک پٹن میں تمہارا مقام ہے۔)

بائی قطبا نوچہ تو پیر کامل قیامت تیک پیا جھولے نشان تیرا

(اور بائیس اقطاب میں تو کامل پیر ہے اور قیامت تک آپ کا علم جھومتا رہے گا۔)

مرشد مائی دا امر منظور کیتو فرماں دار ہور ہیا جہان تیرا

(مرشد اور والدہ کا حکم آپ نے قبول کیا (یہی وجہ ہے) کہ تمام عالم آپ کا فرمانبردار ہو گیا ہے۔)

اُچے شہر وچہ جوگی سی پیر بخشا نیویں تھاؤں کیتا تُساں آن ڈیرا

(اونچے شہر یعنی اجودھن میں جوگی تھا۔ اے پیر بخش! آپ نے نچلے حصہ یعنی پائیں شہر قیام کیا۔)

(ض)

ضرب تساڈڑی نشر ہوئی اک مائی نوں کہیا جد نور دینا

(آپ کی عظمت و طاقت ظاہر ہوئی جب ایک عورت کو دودھ کے لئے کہا۔)

چپی اساں دے پاس ہے مرشداں دی دہد نال ایہنوں تساں پور دینا

(ہمارے پاس مشائخ عظام کا عنایت کردہ کاسہ ہے۔ اسے دودھ سے بھر دیں۔)

مائی آکھیا ضابطہ جوگیاں دا اساں جوگی نوں دہد ضرور دینا

(اس عورت نے جواب دیا کہ اس جگہ جوگیوں کا ضابطہ ہے اس لئے جوگی کو ضرور ہی دودھ دینا ہے۔)

بھیجواج فقیر نوں پیر بخشا نالے جوگی نوں کر حضور دینا

((تھوڑا سا) آج فقیر کو بھی بھیج دو اے پیر بخش! اور جوگی کے حضور میں بھی پیش کر دینا۔)

(ط)

طرف تساڈڑی گئے چیلے لیاؤ سد فرید فقیر تائیں

(آپ کی طرف چیلے گئے (جوگی کے حکم کے مطابق) کہ فرید فقیر کو بلا لاؤ۔)

کس بھیجیا پچھیئے وطن کہڑا کریئے واقفی اوسدے پیر تائیں

(کہ کس نے بھیجا ہے اور پوچھیں کہ وطن کونسا ہے اور اس کے پیرومرشد کے نام سے واقفی حاصل کریں۔)

ایتھے حکم نہیں اوپرے پنکھیاں دا کیکن آئے ایہہ ساڈی جاگیر تائیں

(اس جگہ نامحرم جانوروں کے داخلے کا حکم نہیں۔ مگر یہ کس طرح ہماری جاگیر میں گھس آیا۔)

چیلے بیٹھے رہ گئے سی پیر بخشا طاقت زور نہ رہیا سریر تائیں

Marfat.com

(چیلے بیٹھے رہ گئے۔اے پیر بخش! کیونکہ ان کے جسموں کی زور و طاقت صلب ہو گئی تھی۔)

(ظ)

ظلم ۸ادی ہتھ متھر پھڑ کے سروں آپ گوردیو مہنت آیا
(ظلم کی متھر ہاتھ میں لے کر آخر کار خود گوردیو مہنت آیا۔)
کرامات دکھانہیں ویکھ ساتھوں اگے جوگی دانہیں کسے انت پایا
(یا تو کرامت دکھاؤ یا دیکھو۔لیکن ابھی تک جوگی کا کسی نے امتحان نہیں کیا۔)
فرصت اساں نے نہیں دکھاؤنے دی تو ہیں ایس مکان وچہ سنت آیا
(ہم میں کرامت دکھانے کی طاقت نہیں ہے۔لیکن تم تو اس مکان کے مالک وسنت ہو۔)
چڑھیا اڈا اسمان ول پیر بخشا خلقت آکھدی ساہد بلونت آیا
(جوگی نے آسمان کی طرف پرواز شروع کی۔اے پیر بخش! لوگوں نے کہا کہ ساہد بہت بزرگی و طاقت والا ہے۔)

(ع)

عاجزی سنی درگاہ اندر گیاں اُڈا اسمان ول نعلیناں
(جناب کا عجز بارگاہ عالی میں منظور ہوا کیونکہ آپ کی نعلین آسمان کی طرف اڑیں اور۔)
کاڑ کاڑ کن پٹیاں وچہ وجن جوگی کو کیا ساہد نوں رکھ لیناں
(تاڑ تاڑ کنپٹیوں یعنی سر پر پڑنے لگیں۔جوگی نے پکار کی کہ ساہد کو بچا لینا۔)
جدلگ جیواں گا رہاں غلام تیرا جدوں مراں تاں قدماں دے پاس رہناں
(جب تک جیوؤں گا جناب کی غلامی میں رہوں گا اور مرنے پر بھی حضور ہی کے قدموں میں رہوں گا۔)
شکر گنج نے آکھیا پیر بخشا تساں زور کیتا فقراں چپ رہناں
(جناب گنج شکر نے کہا کہ اے پیر بخش! تم نے خود ہی زور کیا ہے ہمارا کام تو صرف درگذر کرنا ہے یا خاموش رہنا ہے۔)

(غ)

غافلی سے بندہ آپ مردانیویاں کون کوئی کس نوں ماردا اے
(انسان اپنی غفلت سے آپ ہی مرتا ہے یا دکھ اٹھاتا ہے۔جھکے ہوئے کو کون مارتا ہے یا تکلیف دیتا ہے۔)
جوگی عمر گذار کے پیار ستے فرماں دار ہور ہیا دربار دا اے

Marfat.com

(جوگی اخیر دستہ میں سیدھے راستہ پر آیا اور دربار عالیہ فریدیہ کا فرمانبردار ہوا۔)

صاحب رب رحیم کریم پرور گنہگارانوں پار اتاردااے

(صاحب العزت رب رحیم وکریم پروردگار تعالیٰ شانہ گنہگاروں کو پار اتارتا رہتا ہے۔)

جلاں ۹۰ اتھلاں ۱۰ ادے جانور پیر بخشا سب فرید فرید پکاردااے

(پانی اور خشکی کے جانور اے پیر بخش! سبھی فرید فرید پکارتے ہیں۔)

جناب قطب العالم اغیاث ہند فریدؒ کو جب خلافت کا یہ مجددیہ خواجگانؒ سے دستیاب ہوئی تو بموجب ارشاد کے جانب شمال روانہ ہوئے۔ اجودھن پہنچتے پہنچتے جناب نے راستہ میں کئی جگہوں پر قیام کیا۔ کیونکہ جناب کو فقر و فاقہ وستر حال نہایت محبوب ومرغوب تھا۔ جب کسی مقام پر تشریف لے جاتے تو وہاں کے باشندے انوار الٰہی کو جو کہ آپ کے رخ انور میں تاباں تھے، دیکھ کر فوراً حاضر خدمت ہوتے۔ یہ امر یعنی ہجوم خلائق آپ کو ناگوار ہوتا۔ اس لئے آپ دوسری جگہ تشریف لے جاتے۔ جب وہاں بھی یہی معاملہ پیش آتا تو اس جگہ سے بھی کنارہ کش ہو جاتے۔ اسی طرح منزل بہ منزل اجودھن پہنچے کہ اس جگہ کے باشندے منکر درویشاں، نہایت بدمزاج اور سخت گیر تھے۔ کسی نے آپ کے پہنچنے پر التفات تک نہ کی اور نہ ہی خاطر و مدارات سے پیش آئے۔ بلکہ برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جب آپ نے یہ معاملہ دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور نفس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے فرید! یہ تیرے رہنے کی جگہ ہے اور ساکنان اجودھن نے اپنی جبلی عادت کی وجہ سے جناب کو شہر میں بھی رہنے نہ دیا۔ پس آپ شہر کے باہر ایک گچھے دار کیٹر کے درخت کے سایہ میں مقیم ہو کر یاد الٰہی میں مشغول ہوئے۔ چنانچہ وہ جگہ اب تک چلہ شریف کے نام پر مشہور ہے اور حضور کی خانقاہ سے جانب مغرب واقع ہے۔

چند دنوں کے بعد ایک عورت کے دل میں خیال گذرا کہ اس فقیر کی خورد و نوش ہمیں پہنچا دینی چاہیے کیونکہ یہ کسی سے سوال نہیں کرتے۔ چنانچہ اس نے جناب سے خوراک کے متعلق کہا۔ حضور نے جواب دیا کہ روٹی وغیرہ کی تو چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ قدرے دودھ مل جاتا تو بہتر تھا۔ عورت نے عرض کیا کہ جناب اس جگہ دودھ سوائے جوگیوں کے کسی اور کو نہیں دیا جاتا۔ کیونکہ شروع سے یہ قاعدہ چلا آتا ہے۔ چونکہ حضور نے دودھ کی خواہش ظاہر کی ہے، اس لئے آدھا دودھ جناب کو اور آدھا جوگی کو پہنچا دوں گی۔

جب جوگی نے اس کی بابت سنا تو غصہ میں بھر گیا۔ فوراً چیلوں کو حکم دیا کہ اس فقیر کو یہاں بلا لاؤ۔ یکے بعد دیگرے اس نے کئی چیلے روانہ کئے لیکن ان میں سے کوئی بھی واپس نہ لوٹا۔ وجہ یہ ہوئی کہ جناب کی عظمت وجلالت کا ان پر ایسا رعب چھایا کہ حرف مطلب کو زبان پر نہ لا سکے اور نہ ہی طاقت سلب ہو جانے کے سبب سے واپس جا سکے بلکہ اسی طرح بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔

آخر کار بعد انتظار کے جوگی خود اپنی شان وشوکت دکھاتا ہوا جناب کی قیام گاہ پر پہنچا اور کہا کہ تمہاری اس سینہ زوری نے مجھے مجبور کیا ہے کہ اپنی طاقت دکھاؤں۔ ورنہ آج تک کوئی بھی میری طاقت کے انتہا تک نہیں پہنچا۔

اگر تمہیں یہاں رہنا منظور ہے تو اپنی طاقت دکھاؤ۔ جناب گنج شکرؒ نے جواب دیا کہ کھانے کی طاقت نہیں رکھتا ہوں کیونکہ ایک ضعیف وکمزور خلق ہوں البتہ تم ایک صاحب زور شخص ہو اور تم اپنی عظمت و بزرگی دکھا سکتے ہو جس کے دیکھنے

میں مجھے کوئی عار نہیں۔

پس اس جواب کے سنتے ہی جوگی نے آسمان کی طرف اڑنا شروع کیا۔لوگوں نے یہ دیکھ کر جوگی کی طاقت و عظمت کا اعتراف کیا کہ واقعی یہ بہت بزرگ ہے۔

جناب نے اس واقعہ کو دیکھ کر درگاہ الٰہی میں التجا کی کہ یا مولیٰ تعالیٰ اگر اس کو روکا نہ جائے گا تو لوگوں کے دلوں سے تیرے پاک دین کی عظمت جاتی رہے گی۔ چنانچہ آپ کی دعا قبول ہوئی اا یعنی جوگی کی سرکوبی کے لئے آپ کی نعلین مبارک نے جوگی کے تعاقب میں پرواز کی اور تھوڑے ہی فاصلہ پر جا گھیرا اور اسے نیچے اترنے پر مجبور کیا۔ جب اس کے سر پر تاڑ تاڑ پڑنی شروع ہوئیں تو وہ چلا اٹھا کہ غلام کو بچالینا۔ آپ کے غلام میں یہ طاقت نہیں کہ جناب کا مقابلہ کر سکے۔

چنانچہ زمین پر قدم رکھتے ہی جناب کے قدموں پر گر پڑا اور صدق دل سے مسلمان ہوا۔

میاں پیر بخش صاحب ع کے بیت میں بیان کرتے ہیں کہ اپنی غفلت و بے پرواہی اور تکبر و غرور سے ہی انسان ذلیل ہوتا ہے ورنہ عاجز و مسکین کو کبھی کوئی گزند نہیں پہنچاتا۔۱۲ اا

اور جوگی اپنی آخری عمر میں اسلام میں داخل ہوا۔ جب اس نے سچائی اور عظمت کو ملاحظہ کیا اگر بچپن ہی میں اسے کوئی موقعہ ملتا تو وہ ہرگز اپنی عزیز اور قیمتی عمر یا زندگی کو کفر و جہالت میں بسر نہ کرتا۔ اسلام میں داخل ہو کر جناب کی خدمت گذاری میں مشغول ہوا۔ صرف یہی نہیں بلکہ جناب قطب العالم فرید فرد اس قدر صاحب عزت و المرتبت ہوئے ہیں کہ علاوہ انسانوں کے مخلوقات آبی بھی جناب کی صفت ثنا میں رطب اللسان ہیں۔

(ف)

فضل ہویا شکر گنج او پر دلی آگرے دی خلقت عام آوے

(جب جناب گنج شکر تکمل فیض پا چکے تو دہلی اور آگرہ وغیرہ کی عام خلقت آنے لگ گئی۔)

پورب، دکھن، ملتان، اجمیر، جے پور، کابل سے کشمیر سنام آوے

(پورب، دکن، ملتان، اجمیر، جے پور اور کابل معہ کشمیر و سنام کے لوگ۔)

آون پیر فقیر علماء فاضل۔ ہور لاکھ مرید غلام آوے

(آتے ہیں پیر و فقیر اور عالم فاضل لوگ۔ اور لاکھوں مرید و غلام حاضر ہوتے ہیں۔)

دنیا چڑھدیوں لہندیوں پیر بخشا۔ باوے صاحب داکرن سلام آوے

(غرضیکہ مشرق و مغرب کے لوگ اے پیر بخش! بابا صاحب کا سلام کرنے آتے ہیں۔)

(ق)

قدم او تھے نبی صاحب داجے خلقت چار چوفیریوں دوڑ آوے

(اس جگہ جناب سرور عالم کا قدم مبارک ہے۔ خلقت ہر چہار طرف سے دوڑی آتی ہے۔)

Marfat.com

راوی، جہلم، جھناؤں تے اٹک تائیں   سنے تعلقہ شہر پشور آوے
(راوی، جہلم، چناب کے باشندے۔ سندھ تک معہ حلقہ شہر پشاور آتا ہے۔)
کالے باغ، ندوں، پہاڑ جموں، دنیا نگر، دوآنہ۔ کلانور آوے
(کالے باغ، ندوں، پہاڑ، جموں، دنیانگر دوآبہ کلانور وغیرہ۔)
زیارت باوا فرید دی پیر بخشا   روہی ماہچہ، قصور، لاہور آوے
(باوا صاحب کی زیارت کے لئے اے پیر بخش! روہی ماہچہ، علاقہ قصور و لاہور آتا ہے۔)

حضرت گنج شکر قطب العالم اغیاث ہندؒ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔ اسی لئے تمام اطراف سے لوگ جناب کے روضہ مبارک پر زیارت کے لئے جاتے ہیں۔

عوام الناس کا اس قدر ہجوم ہو جانے میں ایک یہ بھی وجہ ہے کہ اس جگہ پر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے نشان ہیں۔

(ک)

کرمانوالے اوتھے پہنچدے نی   لیکھ جہاندے اونہاندیاں زیارتاں نی
(صاحب نصیب اس جگہ پہنچتے ہیں جن کے نصیبوں میں ہے۔ انہیں کو زیارتیں ہوتی ہیں۔)
پاک پتن دا شہر مقام اچا   نظر پوندیاں دوروں عمارتاں نی
(شہر پاک پٹن اونچے مقام پر واقعہ ہے۔ دور سے ہی عمارات شہر دکھائی دیتی ہیں۔)
آون عام جماعتاں تے کرن باتاں   سدا ہاوے دیاں وچہ بشارتاں نی
(عام جماعتیں باتیں کرتی ہوئی آتی ہیں۔ ہمیشہ حضور ہی کا ذکر درمیان ہوتا ہے۔)
وڈا نور ظہور ہے پیر بخشا   اللہ صاحب دیاں سب سوارتاں نی
(بہت ہی بڑا ظہور ہے نور کا اے پیر بخش! یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایت سے ہے۔)

(ل)

لکھ سوالکھ جد مرد ہوندا   تدوں امرزی تاوڑی وچ پیندی
(لاکھ سوا لاکھ جب مرد جمع ہوتے ہیں تب خود بخود مجمع میں تالی بجنی شروع ہو جاتی ہے۔)
قفل کھل رومال دیوچہ پوندا   اوہدے نام دی آء گر گنج پیندی
(تالا کھل کر رومال میں آپڑتا ہے۔ اس کے نام یعنی فرید فرید کی دھوم مچ جاتی ہے۔)
پہلوں لنگدے آپ دیوان صاحب   خلقت فیر چوفیریوں بھج پیندی
(اول دیوان صاحب خود گزرتے ہیں۔ بعدازاں ہر چہار جانب خلقت داخلہ کے لئے دوڑ پڑتی ہے۔)

بھر بھر پور لنگھاوندا پیر بخشا   باوے صاحب نوں سب شرم لج پیندی

(گروہ در گروہ پار اتارتا ہے۔ اے پیر بخش! جناب بابا صاحب کو سب مریدوں کی لاج و شرم ہے۔)

(م)

مار کے چھالاں الگ لنگھندے   جیویں چنگیاں لاوندے ہرن جاندے

(طاقتور چھلانگیں مار کر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ جس طرح کہ ہرن چوکڑی بھرتے ہیں۔)

پالی تلے دی وچہ نہ فرق تلدا   تاروا نہاندے اوپروں اترن جاندے

(نچلی قطار میں تل پھینکنے کی جگہ خالی نہیں۔ تیرنے والے انکے اوپر سے تیر کر گذر جاتے ہیں۔)

اندر گیاں مکان چوگان کھلا ہتھ   تربت دے اتے سب دہرن جاندے

(اندر داخل ہونے پر مکان کشادہ ہے۔ یہ تم لوگ مزار مبارک کی تعظیم و زیارت کے لئے جاتے ہیں۔)

نیک طالع اونہاندے پیر بخشا   جہڑے باوے دیاں زیارتاں کرن جاندے

(انکے نصیب نیک ہیں اے پیر بخش! جو جناب گنج شکر کی زیارت کرنے جاتے ہیں۔)

میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضور کے عرس مبارک پر جب ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ لوگ جمع ہو جاتے ہیں[113] تو بہشتی دروازہ کا قفل خود بخود کھل کر رومال میں آ گرتا ہے۔[114] اس کے بعد جناب امام الجماعت یعنی دیوان صاحب بہشتی دروازہ میں داخل ہوتے ہیں۔ جب آپ دعا وغیرہ سے فراغت حاصل کر چکتے ہیں تو تمام اطراف سے عقیدت منداصحاب حصول دعا کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ اس ہجوم کی کشمکش میں یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ بعض لوگوں کے سروں پر سے گذر جاتے ہیں۔[115]

(ن)

نام تیرا تدوں نشر ہیسی   حضرت نوح دا جدوں طوفان آیا

(نام تمہارا اس وقت مشہور تھا حضرت نوح علی نبینا کا جب طوفان آیا۔)

نوح نبی نے تدوں پناہ منگی   بیڑا جدوں نزدیک آسمان آیا

(حضرت نوح نے تب مدد چاہی جب کشتی آسمان کے نزدیک پہنچی۔)

منوں اوگرا شیخ فرید دا جی   قادر پاک دا ایہہ فرمان آیا

(منت ولی کی شیخ فرید کے نام پر مانو۔ یہ حکم قادر القدیر کا نازل ہوا۔)

اوہناں منتاں دتیاں پیر بخشا   بیڑا پھیر مڑ اوس مکان آیا

(انہوں نے یہ منت ادا کی۔ اے پیر بخش! کشتی مقام مطلوبہ یعنی زمین پر اتری۔)

Marfat.com

(و)

وچہ جناب دے عرض کیتی حضرت نوح نے کیہا فقیر کیہڑا

(جناب الٰہی میں عرض کی اور پوچھا حضرت نوح علی نبینا نے کہ وہ کون فقیر ہے۔)

کہڑے نبی دی امتوں کون بندہ کدوں گذر یا مرد امیر کہڑا

(کس نبی کی امت میں سے۔کونسا انسان۔کب گذرا یہ ولی مرد شان کا۔)

ذات پاک نے آکھیا کدی ہوسی رہسی دنیاندیوچہ ظہیر جیہڑا

(ذات پاک نے ارشاد فرمایا کہ مستقبل میں ہوگا اور دنیا میں نہایت عجز و نکساری سے گذر کریگا زندگی۔)

گنج الشکر فرید ہے پیر بخشا بیٹھا من رضا تقدیر جیہڑا

(حضرت فرید گنج لشکر ہیں۔اے پیر بخش! جس نے رضا و تقدیر کو قبول کیا اور فقر اختیار کیا۔)

میاں پیر بخش صاحب ان دونوں ابیات میں بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت نوح علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی بہت ہی بلند ہوئی تو آنجناب نے درگاہ الٰہی میں زمین پر پہنچنے کے لئے عرض کی تو حکم ہوا کہ شیخ فرید کے اوگرا کی منت ادا کرو۔ چنانچہ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا اور جناب الٰہی میں ملتمس ہوئے کہ فرید فرد کون صاحب ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جناب آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے ولیوں میں سے ایک ولی مرد ہیں جو کہ اپنے زمانہ میں مشائخ کے امام اور زہد الانبیا کے نام سے ملقب ہوں گے۔

نوٹ: گذارش ہے کہ اس واقعہ کی صحت کے لئے بہت ہی چھان بین کی ہے لیکن کوئی بھی ثبوت اس کی صداقت کا مہیا نہیں ہوا۔ اغلب ہے کہ یہ واقعہ غلط فہمی پر مبنی ہو۔ اور جس زمانہ میں کہ میاں پیر بخش صاحب ہوئے ہیں اس زمانہ کے طبقہ جہلا کا یہی عقیدہ ہو۔ یا ممکن ہے کہ میاں پیر بخش صاحب نے اپنے ہادی برحق کی تعریف میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ اپنے پاس سے گھڑ لیا ہو۔ کیوں نہ ہو۔ آخر یہ بھی تو ایک شاعر تھے اور شاعر کا کام ہے کہ مضمون کو دلچسپ اور رنگین بنانے کے لئے اپنی طرف سے زیادتی کر دیں۔ کل شئی یرجع الی اصلہ۔

(ہ)

ہور خیال نہ رہیا کوئی جدوں حق نے آپ اخلاص کیتا

(کوئی وہم و خیال باقی نہ رہا۔ جب قدرت نے جناب کو قرب میں داخل کر کے محبت کی۔)

صرف یار دے نال پیار کر کے مار نفس شیطان دا ناس کیتا

(جناب نے دوست کی محبت میں اپنے نفس امارہ کو زہد و ریاضت میں فنا کر دیا۔)

تیری ذات باجھوں بیسی کون والی اندر قبر کھوہے جدوں واس کیتا!!

(یا مولا! تیرے سوا کون مددگار و محافظ تھا جب کہ جناب نے قبر اور کوئیں میں قیام کیا۔)

سنی عاجزی رب نے پیر بخشا منصب وڈا بلند اکاس کیتا

Marfat.com

(اللہ تبارک وتعالیٰ نے عجز کو قبول کیا۔ اے پیر بخش! منصب کو بہت بلند کیا اکاس نے۔)

اس بیت میں میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب اس دوست حقیقی نے آنجناب کو چاہا اور پسند فرمایا جب اس قادر وتوانا نے آنجناب کو خالص یعنے مصفا کیا اپنی محبت میں تو جناب بابا صاحب سے تمام خیالات وہمیہ دور ہوئے۔ یہاں تک کہ وہم انانیت اور وہم غیریت سے مخلصی پائی اور اس کی رضاجوئی وخوشنودی کے لئے اس قدر مجاہدات کئے کہ زہد الانبیاء کے مبارک نام سے ملقب ہوئے۔ علاوہ باقی مجاہدات کے یہ دونوں مذکورہ چلے نہایت ہی مشکل تھے کہ جن کے سننے سے ہی عوام کے دل کانپ جاتے ہیں۔

اول: بارہ برس کنوئیں میں لٹکے رہنا اور بقول بعض سات برس۔

دوئم: بحکم پیران عظام پانچ سال قبر میں نماز معکوس کا ادا کرنا۔

(لا)

لاج تینوں دامن لگیاندی   تیری عرض قبول درگاہ میاں

(پاس عزت ہے دامن گرفتوں کی تم کو۔ آپ کی دعا درگاہ الٰہی میں مقبول ہے۔)

چارے کوتاں تیرے اگے نیوندیاں نے   تینوں رب کیتا بادشاہ میاں

(ہر چہار جانب کی خلقت آپ کی تعظیم کرتی ہیں۔ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بادشاہ بنایا ہے۔)

در تے کھلے مرید سوال کردے   تسیں مہردی کرونگاہ میاں

(جناب کے دروازہ پر مرید سوال کر رہے ہیں۔ آپ نظر عنایت فرمائیں (سائلوں پر)۔)

کرنی سدا فقیراں نے پیر بخشا   اگے خصمدی جیویں صلاح میاں

(فقیروں کا کام سدا کرنی ہے۔ اے پیر بخش! باقی سب کچھ خاوند کی مرضی پر منحصر ہے۔)

اس بات میں میاں پیر بخش صاحب حضرت قطب العالم فرید فردؒ کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں کہ یا ہادی و مولا! آپ ہی کو اپنے ان عقیدت مند غلاموں اور سائلوں کی عزت کی لاج ہے۔ از راہ عنایت وغریب پروری ہماری رہنمائی کریں اور ہم غلامان غلاماں خاندان چشتیہ عالیہ کو اپنی نظر کیمیا اثر سے مستفید فرمائیں اور نور عرفان سے مالا مال کر کے لائق حضوری کے کریں۔

چوتھے مصرعہ میں میاں پیر بخش صاحب نے بیان کیا ہے کہ فقیروں کا کام صرف صدا کرنی ہے اور بخشش و سخاوت صاحب کرم کا کام ہے یعنی ہم غلاموں نے صرف عرض کر دینی ہے مگر اس کا پورا کرنا نہ کرنا آقائے نامدار کے اختیار میں ہے۔ **مرضی مولا از همه اولیٰ۔**

(الف)

اک خدانوں سمجھیا جس   فضل اوس تے رب غفور کیتا

Marfat.com

(جس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو وحدہ لاشریک جانا۔ اس پر غفور الرحیم نے فضل کیا۔)

صابر، صادق، رضاء تے ہوئے شاکر   جو کچھ کہیا فقیر منظور کیتا

(صاحب، صدق، رضا الٰہی پر صابر و شاکر رہوئے۔ جو کچھ کہ امر الٰہی تھا۔ فقیر نے بخوشی قبول کیا۔)

شکر گنج فرید تے فضل ہویا   قادر نور دنیال بھرپور کیتا

(حضرت شکر گنجؒ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل نازل ہوا کہ اس نے جناب کو نور سے پور کر دیا۔)

پیر بخش غلام ہے چشتیاں دا   شعر بیٹھ کے وچہ قصور ۷۱۱ کیتا

(یہ غلام مسمی پیر بخش غلامان غلام درگاہ فریدیہ عالیہ چشتیہ کا ہے۔ ان اشعار کو قصور شہر میں تیار کیا۔)

جناب قطب العالم فرید فرد کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے صفات نورانی سے ملبوس کیا۔ یہاں تک کہ جناب کو درجہ کمال ذاتی کے نہایت پر سرفراز فرمایا۔

آنجناب کیا بلکہ ہر اس کو اس کی رضا بلا پر صبر وتحمل کرتا ہے۔ وہ وحدہ لاشریک اپنے فضل وکرم سے اسے مالا مال فرماتا ہے۔

اسی بیت میں میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ چونکہ میں قصور کا باشندہ ہوں اس لئے ان اشعار کو اسی مقام پر ترتیب کیا گیا ہے۔

(ی)

یار خدائیدے نبی صاحب   اہدے نام اُتوں سیس وارناں جی

(اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوست ہیں جناب سرور عالم۔ ان کے مبارک نام پر سے سر قربان ہے۔)

۷۱۸ خاوند رب کریم دا کرم چاہے   ہر دم اوسے دا نام چتارناں جی

(مالک رب الکرم کا فضل چاہیے اور ہر وقت اسی کے نام کو چتارنا چاہیے۔)

کیتی صفت میں قطباندے پیر والی   فرید پیر نوں نت للکارناں جی

(میں نے قطبوں کے پیر کی صفت بیان کی ہے۔ جناب فرید فرد کو ہمیشہ یاد رکھو۔)

کلمہ پاک رسول دا پیر بخشا   جنہاں پڑھیا اوس پار اتارناں جی

(نبی صاحب کا کلمہ اے پیر بخش! جنہوں نے پڑھا۔ اس نے انہیں پار لگانا ہے۔)

حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوست ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اور پیران عظام دوست تابعدار ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔

پس اے ناظرین وسامعین! میں نے آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست حضرت قطب العالم گنج شکرؒ کا جو کہ کامل قطبوں کے پیر وپیشوا امام المشائخ ومجدد الوقت اور قائم مقام حضرت خواجہ شہید المحبت قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز اور حضرت خواجہ غریب نواز والیٔ ہند نائب الرسل کے ہیں۔ ان کے حالات وتعریف کو بیان کیا ہے۔

Marfat.com

حاصل مطلب اس بیت کا یہ ہے کہ طالب دنیا جو کچھ بھی کرتا ہے' دنیا اور نعمات دنیا کے لئے۔ اسی طرح طالب مولا جو کچھ بھی کرتا ہے' دوست اور دوست کی رضا جوئی وخوشنودی اور فضل وکرم حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے۔

اور طالب دنیا کو اس کی محبوبہ یعنی دولت امیروں اور بادشاہوں کے درباروں سے دستیاب ہوتی ہے۔ اسی طرح فقراء کو دولت فقر اولیاء اللہ یعنی شاہان فقیر کی درگاہوں سے دستیاب ہوتی ہے۔

پس نور ظہور اور مشاہدہ کے طالبو! اپنے اپنے برزخ اور تصور شیخ کو پاکیزگی سے پختہ کرو کیونکہ فیض الٰہی نے انہیں راستوں سے چمک دکھائی اور فیضیات کرنا ہے۔ چنانچہ اس غلام درگاہ فریدیہ نے اپنے شیخ المشائخ کے برزخ کو قائم کرنے اور حضوری میں حاضر ہونے کے لئے آنجناب فرید عالم قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کی کمال محبت وعقیدت سے (جو کہ ہر ایک مرید کے لئے لازمی ہے)۔ جناب کی تعریف یعنی حالات کو بیان کیا ہے اور دیگر غلامان ودرگاہ فریدیہ سے بھی یہی فہمائش ہے کہ اپنے آپ کو جناب کی حضوری میں حاضر ہونے اور توسل قائم کرنے کے لئے جناب شاہ شیخ حضرت زہدالانبیاءؒ کو بطریق صالح بحکم وتلقین مرشدی کے یاد کریں۔ کیونکہ بغیر حضوری مشائخ سلسلہ کے حضوری رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۹ ؎ کی اور حضوری حضرت رب العزت تبارک وتعالیٰ شانہ کی ناممکن ہے۔ پس حبل المتین اور حبل اللہ کو محکم پکڑو۔ ساتھ افضل طریق ۲۰ ؎ اور افضل ذکر ۲۱ ؎ کے۔

نوٹ: گذارش ہے کہ زمانہ حال میں بعض اصحاب پیران طریقت وصاحب حال افراد کی صحبت وخدمت کو اس خیال سے ترک کئے ہوئے ہیں کہ جب ہمارے پاس کلام اللہ شریف اور حدیث شریف موجود ہے تو کسی کی تقلید وپیروی کی کچھ ضرورت نہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ام الکتاب یعنی فرقان حمید کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی حاجت وضرورت نہیں۔ لیکن مقاصد واحکام کو سمجھانے والے کی ہر وقت وہر حال میں ضرورت ہے۔ کیونکہ بغیر راہبر کے اصلیت کو پانا ناممکن ہے اسی لئے توو ابتغوا الیه الوسیلة کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے عرفان وتوحید حاصل کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ اگر شیخ یعنی راہبر ورہنما کی اس کے صراط مستقیم کے لئے ضرورت نہ ہوتی تو یہ حکم ہرگز نازل نہ ہوتا اور اسی آیۃ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ یہ وسیلہ و جاھدوا فی سبیل اللّٰه کے لئے ہے۔

(اگر ان اصحاب نے دکاندار فقراء اور پیروں کی ناگفتہ بہ حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان سے قطع تعلق کیا ہے تو یہ و لا تطع من اغفلنا قلبه ان ذکرنا کے حکم کے مطابق جائز ہے۔ لیکن جب انہیں کوئی قابل ہستی نظر آئے تو اس سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون یعنی سوال کرو اہل ذکر سے اگر تم نہیں جانتے)۔

حاشیہ: واضح ہو کہ کم نظروں اور نیم اندھوں کو عینک یا چشمہ کی ضرورت ہے کیونکہ وہ بغیر اس کے چل پھر اور دیکھ نہیں سکتے۔ اسی طرح ہم ناقص العقل ناقص النظر یعنی حقیقت کے اندھوں کو بھی چشمہ کی ضرورت ہے۔ ظاہری بینائی کے لئے پتھر یا شیشہ کا چشمہ اور باطنی بینائی کے لئے توحید وعرفان کا چشمہ درکار ہے جو کہ بغیر کامل کے دستیاب نہیں ہوتا ہے۔

Marfat.com

بغیر صحبت کامل کے تو اگر چاہے
سراغ حضرت نور السماء نہیں ملتا

دنیا میں جس طرف بھی خیال کرو گے یہی نظر آئے گا کہ بغیر سیکھنے کے کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی مثلاً ہم ہر روز روٹی کھاتے ہیں اور اپنی عورتوں کو اکثر پکاتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن اگر ضرورت پڑے تو سوائے چند ایک کے جنھوں نے پکانا سیکھا ہوا ہے دوسرے نہیں پکا سکتے۔

آپ خیال فرمائیں کہ کیا ہمیں روٹی وغیرہ پکانے کے لیے استاد کی ضرورت نہیں۔ جو طریقت میں استاد یعنی رہنما کی ضرورت نہ ہو۔ جبکہ یہ چیز ہمارے مشاہدہ میں نہیں اور جس سے کہ ہم بالکل لاعلم ہیں۔ بعینہٖ ہماری حالت راہ طریقت کے متعلق ایسی ہی ہے جیسی کہ ان لوگوں کی جن کے ملک میں بڑ یا پیپل کا درخت نہیں ہوتا۔ یہ سننے سے کہ اس رائی جتنے بیج سے ایک ایسا بلند اور عالیشان درخت پیدا ہوتا ہے کہ جس کے سایہ میں سینکڑوں آدمی ایک ہی وقت میں آرام کر سکتے ہیں۔

پس دوستو! جس طرح کہ یہ لوگ اس بیج کی حقیقت کے منکر اور اس کی اصلیت کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی اسرارات طریقت اور نقاط عرفان کے فیض کو مشکوک گردانتے ہیں، لاعلمی اور ناقص الیقینی کی وجہ سے۔

(اس مضمون کو طوالت کے خوف سے یہیں پر ختم کیا جاتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اگر زندگی نے وفا کی تو کسی دوسرے رسالہ میں مفصل ذکر کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی تمام مسلمین کو قرب وحضوری کے لئے اشد ضرورت ہے)۔

حواشی

۱۔ بیٹھ کے۔ قناعت اختیار کر۔

۲۔ کل قدیر۔ واللہ علیٰ کل شئی قدیر۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۳۔ و اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین۔ یعنی قائم کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو ساتھ جھکنے والوں کے۔ اس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں پیران طریقت نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت تین حصوں پر مشتمل ہے۔ اول ذکر مثلاً درود و وظائف اور نماز وغیرہ۔ دوئم زکوٰۃ ظاہری و باطنی۔ ظاہری مال یعنی دولت دنیا کا خدا کی راہ میں صرف کرنا۔ باطنی مال یعنی حقیقت دولت میں اپنے جسم کو اس کی راہ میں صرف کرنا۔ راہ مجاہدات اور موتوا قبل انت موتوا سے۔ سوئم متابعت وتابعداری۔ مطابق امر۔ و اطیعوا اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم کے۔

۴۔ ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت افسدا لجسد کله الا وھی القلب۔ فرمایا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ تحقیق جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ اچھا ہوتا ہے تو تمام جسم اچھا ہوتا ہے اور جس وقت وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے۔ جان کہ وہ دل

Marfat.com

دل ہے۔

- فاذکرونی اذکروکم و اشکرولی و لا تکفرون ۔فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہ تم یاد رکھو مجھ کو تا کہ میں یاد رکھوں تم کو۔اور احسان مانو میرا اور ناشکری مت کرو۔
- فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہ اے ایمان والو! درود بھیجتے رہا کرو اس پر یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور سلام کہتے رہا کرو۔
- اس جگہ مراد سلاسل طریقت سے ہے مثلاً قادری' سہروردی' چشتی' اویسی وغیرہ وغیرہ۔
- فرمایا حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ شانہٗ نے کہ جو کوئی کہے پر چلا اللہ کے اور اس کے رسول کے اُس نے پائی بڑی مراد۔

حاشیہ: بزرگانِ دین سے منقول ہے کہ اس مشکل وسخت تر گھڑی کو جب کہ تمام گنہگار اپنے پسینۂ اعمال غرقاب' دھوپ سے بیتاب اور اعمال بد سے ترسان ولرزان اور خوفِ عذاب سے نالہ کناں ہوں گے اور اپنی مخلصی و بریت کے لیے درگاہ عالی تبار میں مصروف دعا ہوں گے اور ہر ایک فرد نفسی نفسی کی پکار کرتا ہوگا۔صرف آنجناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر لفظ امتی کا ہوگا۔ادھر واصلان حق اور عاشقانِ جمال اپنے اپنے دوستوں اور عقیدت مندوں کے گروہوں کو لے کر حضرت شفیع المذنبین کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے غلاموں کے لیے شفاعت کے طلبگار ہوں گے۔چنانچہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ان تابعین خدام کی خاطر سے درگاہ رب العزت میں سفارش کریں گے کہ یا مولا تعالیٰ! یہ گنہگار میرے پیاروں کے پیارے ہیں۔تصدق اپنی رحیمی وکریمی کے انہیں بخشش عطا فرما۔تو بارگاہ عالی سے فرمان ہوگا کہ اے محمد ﷺ اگر یہ عاصی تمہیں اپنے پیاروں کی وجہ سے پیارے ہیں تو میں بھی اپنے پیارے کے صدقہ انہیں نجات بخشتا ہوں۔سبحان اللہ

کہتا تھا خدا دل میں نہ گھبرائے محمدؐ　　　بخشوں گا اُسی کو جسے فرمائے محمدؐ

نوٹ: یہ ذکر صرف خاص الخاص دوستوں اور اولیاؤں سے تعلق رکھتا ہے جو کہ مقام قرب کمال ذاتی سے واصل ہیں۔جن کی شان میں فرمایا: کنت سمعه الذی یسمع به و بصر الذی یبصر به و یده الذی یبطش به و لسانه الذی ینطق به و رجله الذی یمشی به۔فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہ میں ہوتا ہوں کان اس کے جس سے وہ سنتا ہے اور ہوتا ہوں آنکھیں اس کی جن سے وہ دیکھتا ہے اور ہوتا ہوں ہاتھ اس کا جس سے وہ پکڑتا ہے اور ہوتا ہوں زبان اس کی جس سے وہ بولتا ہے اور ہوتا ہوں پاؤں اس کے جن سے وہ چلتا ہے۔

چنانچہ حضرت قطب العالم شکر گنج فرید فرد بھی انہی مذکورہ بالا صفات والے بزرگوں میں سے ہیں۔

مجموعہ حقایق خفی و دیگر کتب میں بھی منقول ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز والئ ہندؒ نے فرمایا کہ جو شخص معین الدین اور فرزندانِ معین الدین کا مرید ہوگا۔اس کے بغیر معین الدین بہشت میں ہرگز قدم نہ رکھے گا۔

Marfat.com

حاضرین نے عرض کی کہ یا حضرت! فرزندوں سے کون لوگ مراد ہیں۔ فرمایا کہ خلفاء۔ پھر فرمایا کہ قیامت تک جو لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوں گے' ان کے واسطے امید نجات ہے۔ میں ایک روز مکہ معظمہ میں مشغول ذکر تھا۔ غیب سے آواز آئی۔ اے معین الدین! ہم تجھ سے خوش ہوئے اور تیرے گناہ بخش دیئے۔ میں نے عرض کی الٰہی! اپنے فضل و کرم سے مجھ کو تو نے بخشدیا۔ امیدوار ہوں کہ میرے مریدوں کے مریدوں کو بھی بخشدے۔ آواز آئی کہ ہم نے ان کو بھی بخشا۔

اور حضرت قطب العالم فرید فرد قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کی یہ عادت تھی کہ بیٹھے بیٹھے اپنی انگلیوں کو کھینچتے رہتے۔ ایک دفعہ حضرت مولانا فصیح الدین لکھنوی نے عرض کی جہاں پناہ! اس میں کیا حکمت ہے۔ غلام کو آگاہ فرمائیں۔ فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس فقیر بندہ مرشدی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ سے بروز قیامت تین کلاوے گنہگاران امت میں سے بھر لینے کا وعدہ عطا فرمایا ہوا ہے۔ یعنی اے بابا فصیح الدین! میں اپنی انگلیوں کو یہ سمجھاتا رہتا ہوں کہ اس روز مجھ سے وفا کرنی یعنی اس قدر بڑھ جانا کہ ایک ہی کلاوے میں تمام گنہگاران امت آ جائیں۔

اے ناظرین! آپ خیال فرمائیں کہ جب آپ کو گنہگاران امت سے اس قدر محبت ہے کہ ایک لحہ بھی نہیں بولتے تو یہ امید کس طرح ہو سکتی ہے کہ آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے مریدوں کی شفاعت سے انکار کر دیں۔

اسی مضمون پر اور بہت سے بزرگان دین کی حکایات کتب ہائے معتبرہ میں منقول ہے لیکن طوالت کے خوف سے چھوڑ دی گئی ہیں۔ بعض بزرگ ان میں سے ایسے بھی گذرے ہیں' جن کی صرف یہی التجا تھی کہ یا مولا تعالیٰ! گنہگاران امت کے بدلہ میں ہمیں دوزخ میں ڈال دے لیکن امت خیر البشر کو عذاب سے محفوظ فرما۔ اسی ضمن میں حکایت ہے کہ ایک ولی اللہ ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے ستار العیوب وغفار الذنوب! قیامت کو میرا جسم اس قدر پھول جائے کہ تمام دوزخ میرے ہی جسم سے بھر جائیں بدیں خیال کہ جب دوزخ میں جگہ باقی نہ رہے گی تو ضروری ہے کہ تمام گنہگاران امت بہشت میں داخل ہوں۔

بعض اصحاب ان چند سطور کو مشکوک نگاہوں سے دیکھیں گے یا اس خیال سے انکاری ہونگے کہ اس عالی دربار میں بندگان کی ایسی ناز برداریاں ہونی ناممکن ہیں۔ لیکن اس کے جواب میں صرف ایک حکایت پر ہی اکتفا کی جاتی ہے یعنی آپ نے حضرت موسیٰ نبینا علیہ السلام کا واقعہ سنا ہوگا کہ ایک عورت نے آپ سے عرض کی کہ یا موسیٰ! میرے حق میں بارگاہ عالی میں التجا کریں کہ مجھے فرزند عطا ہو۔ جب آپ نے عرض کی تو جواب ملا کہ اس کی قسمت میں ہی نہیں لکھا ہے چنانچہ از راہ ہمدردی آپ نے اس عورت سے کہا کہ اپنا وقت اولاد کی جستجو میں نہ ضائع کرو بلکہ یاد الٰہی میں صرف کرو۔ کیونکہ تمہاری تقدیر میں اولاد نہیں۔

اتفاقاً کچھ عرصہ کے بعد ایک فقیر سے اس عورت نے دعا کرائی جو مقبول ہوئی اور تبارک و تعالیٰ نے اسے فرزند عطا کیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ماجرا دیکھا تو جناب باری میں عرض کی کہ یا مولیٰ تعالیٰ! تیرا وعدہ

Marfat.com

تو سچا اور صحیح ہے لیکن یہ بات کیسے ظہور پذیر ہوئی اور ملتمس ہوئے کہ اس میں میری بہت ہی سبکی ہوئی ہے کیونکہ بعض لوگ مجھے یعنی ایک پیغمبر خدا کو جھوٹا جاننے لگ گئے ہیں اور یہ بات امر واقع سے خلاف ہے۔

تو اللہ جل جلالہ وعمنوالہ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! اس کا جواب تم کو ابھی ملجاتا ہے اگر ایک سیر گوشت انسانی حاضر کرے۔

پس حضرت موسےٰ اس وقت کے تمام مسلمین جتنے کہ اس وقت تھے' ان کے پاس گئے لیکن کسی نے بھی حامی نہ بھری بلکہ حضرت کی مسخری اڑائی کہ موسےٰ پاگل ہو گئے ہیں۔ بھلا خدا کو گوشت کی کیا ضرورت اور اگر ہوتی بھی تو وہ خود بنا سکتا ہے۔ جب تمام مسلمین سے ناکام واپس لوٹے تو عرض کی کہ یا مولیٰ تعالیٰ! کوئی بھی تیرے نام پر گوشت دینا پسند نہیں کرتا کیونکہ سب نے انکار کر دیا ہے۔ حکم ہوا کہ صحرا کی طرف بھی ایک چکر لگاؤ۔ چنانچہ جب آپ اس طرف گئے تو ایک خستہ حال فقیر کو بیٹھا پایا۔ جب آپ نے اس سے سوال کیا۔ معاً سننے کے سجدہ میں گر پڑا کہ شکر ہے جو اس غلام کو یاد فرمایا۔ پس اپنے زانو سے گوشت کاٹ کاٹ کر ترازو میں ڈالنا شروع کیا۔ جب وزن پورا ہوتا نہ دیکھا تو اللہ کا نام لے کر اپنا سر کاٹ کر پلہ میں رکھ دیا۔ حضرت موسیٰ اس نظارہ سے نہایت ششدر اور حیران ہوئے۔ جب آپ ترازو میں سر ڈالے ہوئے کوہ طور پر پہنچے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! تو بھی تو انسان ہی تھا۔ باوجود پیغمبر ہونے کے تجھ سے یہ کام نہ ہو سکا۔ غور کر کہ جس انسان نے میرے نام پر سر قربان کیا یہ کب جائز ہے کہ میں اس کے سوال کو رد کروں۔ پس اے دوستو! ان واصلان حق کی ناز برداری بھی اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنے سروں کو راہ مولا میں نثار اور اپنی زندگیوں کو وقف کیا ہوا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احسانات اس طبقہ فقراء پر ان کی جاں نثاریوں اور تابعداریوں کی وجہ سے بکثرت و بے شمار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ سے اکثر کرامات ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ بعض لوگ حیات کی حالت میں کرامت کے قائل اور بعد ممات کے ناممکن تصور کئے ہوئے ہیں لیکن ولی اللہ کا وجود حیات اور بعد ممات دنیا سے ویسا ہی تعلق رکھتا ہے جیسا کہ عالم حیات میں رکھتا تھا۔ کیوں۔ نہ تو ان کو زندگی میں دنیا سے کچھ دلچسپی تھی اور نہ اب ہے۔ اگر زندگی میں ان سے فیض پہنچتا ہے تو ضروری ہے کہ بعد ممات کے بھی پہنچے۔ کیونکہ ان کی روحی زندگی میں کوئی تغیر نہیں واقع ہو۔

۹۔ لفظ باوا ہر ایک پر عائد ہو جاتا ہے۔ بڑے' بوڑھے' بچے نادان غرضیکہ عورتوں پر بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔

۱۰۔ سیک۔ درد۔ دکھ۔ تکلیف۔ تپش۔ گرمی۔ حرارت۔ احساس۔ برداشت۔ ہمدردی۔ خیر خواہی۔

۱۱۔ سلاک۔ سول یعنی کانٹا سے اور ورسل یعنی زخم نے۔ زخم۔ گھاء۔ دکھ۔ تکلیف۔ کانٹا چھونا۔ زخم کرنا۔ چھید کرنا۔ اور سیک سے تپش۔ گرمی۔ جلن۔ سلگانا۔ آگ جلانا لیکن اس جگہ تکالیف مجاہدہ اور آزمائش کے معنی دیتا ہے۔

۱۲۔ تحقیق پیدا کیا ہے انسان کو بیچ محنت و مشقت کے۔

۱۳۔ ومن جاهد فانما يجاهد لنفسه ان الله لغني عن العلمين۔ اور جو کوئی محنت اٹھائے' اٹھاتا ہے اپنے

Marfat.com

ہی واسطے کیونکہ اللہ کو پرواہ نہیں جہان والوں کی۔اس سے ثابت ہوا کہ عبادت الٰہی میں صرف ہمارا ہی فائدہ ہے ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو سب چیز سے بے پرواہ ہے۔

۱۴۔ علمائے طریقت کا قول ہے کہ انسان کو دو دولتیں عطا کی گئی ہیں۔ایک اصلی اور ایک نقلی۔نقلی دولت سے مراد دنیاوی اسباب ودولت کی ہے اور اصلی دولت سے مراد انسانی اعضاء مثلاً ہاتھ پاؤں وغیرہ کی ہے۔

۱۵۔ اولئک علے ھدی من ربھم و اولئک ھم المفلحون۔ان عبادت گذار بندوں کی بابت فرمایا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہ انہی لوگوں نے پائی ہے راہ اپنے رب کی اور وہی مراد کو پہنچے۔

۱۶۔ مو تو اقبل انت موتوا۔یعنے مرجاؤ مرنے سے پہلے۔

موت اختیاری کے متعلق حضرت بُلھے شاہ صاحب قادریؒ فرماتے ہیں:

جے توں مریں مرن توں اگے ایہہ مرنا مُل پاوے گا
موئے سو روز حشر نوں اُٹھن عاشق نہ مر جاوے گا
(بُلھے شاہ صاحب قصوریؒ)

مطابق حدیث احسن کے۔ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا۔فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہ تو نہ سمجھ وہ لوگ جو قتل ہوئے اللہ کی راہ میں، مردہ۔حدیث شریف الا ان اولیاء اللّٰہ لا یموتون من دار الی دار۔فرمایا حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ تحقیق اولیاء اللہ نہیں مرتے۔نقل کرتے ہیں ایک خانہ سے دوسرے خانہ میں۔

جے جیوندا تو مریں نہ یار تاں بھی مریں بے اختیار
جے تو جانیں آپ نہ مر تا خدمت مرشد کامل کر
(حضرت بہلؒ)

مطابق حکم۔وابتغو الیہ الوسیلۃ اورو رکعوا مع الراکعین کے۔

۱۷۔ وابتغو الیہ الوسیلۃ۔ڈھونڈو اس تک وسیلہ یعنی راہبر۔

۱۸۔ دیکھو رسالہ "تحفہ مراد"۔

۱۹۔ ترک پھڑ۔یعنی علیحدہ ہو۔کنارہ کش ہو۔

۲۰۔ ملک سنسار عالم فانی یا دنیائے ناپائیدار۔

۲۱۔ ہان۔ہم عمر۔ہم صغیر۔دوست۔رفیق۔

۲۲۔ ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث۔فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہ اس پر تولادے تو ہانپے اور چھوڑے تو ہانپے۔یعنے سگ دنیا پر اگر دوست کا بوجھ لادا جائے تو بھی وہ طمع میں سرگرداں ہوگا اور اگر اٹھالیا جائے تو بھی اس کی طلب وخواہش میں بے آرام ہوگا۔

۲۳۔ دہن وگوش کرد چشم بند دنیا سے۔بغیر ترک دہر دلربا نہیں ملتا۔

لب بہ بند و چشم بند گوش بند
گر نہ بنی سر حق برمن بخند

۲۴۔ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی زندگی ایک ناخوشگوار گھڑی ہے اس لئے ہدایت ہوتی ہے کہ ناخوشگوار گھڑی کو ضائع مت کرو بلکہ اسے اپنے مفید مطلب بناؤ۔ خداوند تبارک و تعالیٰ کی بندگی سے تاکہ دوسری دنیا میں تمہارے کام آئے۔

الدنیا مزرعة الآخرة یعنی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

۲۵۔ افمن اتخذ الٰہ ھواہ۔ یعنی پکڑا ہے ان لوگوں نے خواہشات نفسانی اپنی کو معبود۔

۲۶۔ ولا تتبع الھوی منسلک عن سبیل اللہ۔ یعنی مت پیروی و تابعداری ہو اور خواہشات نفسانی کی کر۔ گمراہ کردے گا تجھ کو راہ اللہ تعالیٰ سے۔

۲۷۔ موتو اقبل انت موتوا۔ مرجاؤ مرنے سے پہلے۔

جے مرسیں توں اِس جگ اندر اگے سردی پاوینگا
حجاب کریں درویشی کولوں کب لگ حکم چلاویں گا
(دیوان حضرت بلھے شاہ صاحبؒ)

جے نہ مرسیں باختیار تاں بھی مرسیں بےاختیار
بہل جان دیئے محبوباں اوڑک لینی وجیئے تاکی ڈھیے
(حضرت بہلؒ)

۲۸۔ الا ان اولیاء اللہ لا یموتون من دار الی دار۔ فرمایا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ تحقیق اولیاء اللہ نہیں مرتے لیکن نقل کرتے ہیں ایک خانہ سے دوسرے خانہ میں۔

حاشیہ: بعض اصحاب دیدار ربی کے تو بہت مشتاق ہیں لیکن زہد و ریاضت سے جی چراتے ہیں یا موت معنوی سے ڈرتے ہیں حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ موت کی لپیٹ سے کسی نے بھی خالی نہیں رہنا۔ کل نفس ذائقة الموت۔

سو گذارش ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے قرب و وصل کے راز کو اسی موت میں مخفی کیا ہوا ہے اور جو صاحب بغیر و جاھدوا فی سبیل اللہ کے موت کو پانا چاہے تو ناممکن ہے اور بغیر موت کے وصال ناممکن ہے۔ پس اے دوستو! جس نے موت اختیاری حاصل کی۔ تحقیق قرب الٰہی میں داخل ہوا۔ ھم درجات عند اللہ اور لھم دار السلام عند ربھم کو حاصل کیا اور خدا کے اولیاء میں شمار ہوا۔ ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اولیائی تحت قبائی لا یعرفون غیری۔ یا۔ لا بعیر فھم غیری۔

حاشیہ: منقول ہے کہ ایک ولی اللہ پہاڑوں میں ایک پتھر پر عبادت حق میں مشغول تھے۔ اتفاقاً حضرت موسیٰ

Marfat.com

علیہ السلام کا وہاں سے گذر ہوا۔ دیکھا کہ اس پتھر پر اس بزرگ کے اعضاؤں کے نشانات کندہ ہیں۔ اس کی اس عبادت و ریاضت کو دیکھ کر خیال گذرا کہ ضرور یہ شخص بہشتوں میں اعلیٰ مقام پائے گا چنانچہ درگاہ رب العزت اللہ جلشانہ وعمنوالہ سے دریافت حال کے لئے ملتجی ہوئے۔ حکم ہوا کہ اس عابد کا مکان دوزخ میں فلاں جگہ پر تیار ہے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام بہت مغموم ہوئے اور حیران ہو گئے کہ اس قدر عبادت گزاری پر بھی مقام جہنم ہے۔ چنانچہ از راہ ہمدردی اس کے پاس بیٹھ کر کہا کہ افسوس آپ کی محنت و ریاضت درگاہ ایزدی میں ہی منظور نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی جگہ دوزخ میں بنا چھوڑی ہے۔

یہ سن کر وہ بزرگ مسکرایا۔ حضرت موسیٰ نے وجہ پوچھی۔ تو اس مرد اللہ نے جواب دیا کہ کیا یہ کم خوشی اور شکر کا مقام ہے جو اس نے اپنی ایک ادنیٰ خلق کی رہائش تک کو فراموش نہیں کیا اور اپنے ہی سایہ یعنی بنائے ہوئے گھر میں جگہ دی۔ شکر ہے کہ اس نے کہیں کسی اور جگہ نہیں پھینک دیا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو مجھ ناچیز مملوک کا اس مالک الملک وقادر القدیر سے کیا عذر ہوسکتا تھا۔ اسی اثناء میں ایک بہت بوڑھے بزرگ نیک صورت بنائے ہوئے آ موجود ہوئے اور ناصحانہ ومشفقانہ طریق سے کہا کہ میاں اگر باوجود اس قدر عبادت و ریاضت کے دوزخ ہی میں رہنا ہے اور دکھ و تکلیفات کو سہنا ہے تو کیوں اپنے مردہ دل کو حاصل شدہ نعمات ولذات سے عیش وعشرت میں لطف وکرم سے خوش نہیں کرتے جبکہ وہاں ہمیشہ کے لئے دکھ و تکلیفات دوزخ سے ناخوش رہنا ہے تو اس ولی اللہ نے جواب دیا کہ بندہ عبادت جنت اور اس کی نعمات کی طلب میں نہیں کر رہا بلکہ رضا جوئی وخوشنودی حق کے لئے کر رہا ہوں۔ کیونکہ اس کا امر ہے عبادت کرنا۔ پس بوڑھے میاں فوراً ہی رفو چکر ہو گئے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی وقت بذریعہ الہام حضرت موسیٰ کو اس ولی اللہ کی بابت خوش خبری دی کہ اسے کہدے کہ تیرے مولا تعالیٰ نے تیرا گھر جنت میں منتقل کر دیا ہے۔ جب اس ولی اللہ نے سنا تو جواب دیا کہ میرے لئے دوزخ اور بہشت دونوں برابر ہیں۔ نہ اس سے خوشی اور نہ اس سے غم ہے بلکہ بندہ تو دیدار کی طلب وخواہش رکھتا ہے، حور وغلمان کا طلبگار نہیں۔

۲۹۔ الدنیا حرام علی الآخرۃ و الآخرۃ حرام علی الدنیا و ھما حرامان علی اھل اللہ ۔فرمایا حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ دنیا حرام ہے اہل بہشت پر اور بہشت حرام ہے اہل دنیا پر اور دونوں حرام ہیں اہل اللہ پر۔

۳۰۔ فاذکرو اللہ قیاماً و قعوداً علی جنوبکم ۔ فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہ یاد کرو رب اپنے کو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے۔ فاذکر اللہ فی کل حال و فی کل مکان ۔ فرمایا مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے۔ ذکر کرو رب اپنے کا بیچ ہر حال اور ہر مکان کے۔

۳۱۔ اس جگہ پر ہر سال پانچ تاریخ محرم الحرام کو جو کہ آنجناب شکر گنج کے وصال کا دن ہے۔ بڑی دھوم دھام سے میلہ لگتا ہے اور عورتیں کھچڑی پکا کر آپ کا ختم دلاتی ہیں۔

Marfat.com

۳۲۔ گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

۳۳۔ جنگلات میں رہ کر سردی و گرمی برداشت کرنے سے آپ کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ آنجناب نے اپنے جسم سے بے تعلقی اختیار کی ہوئی تھی۔

۳۴۔ حجامت نہ بنوانے کے سبب ضروری تھا کہ آپ کے بال مبارک بڑھ کر صورت غیر شرعی اختیار کرتے۔

۳۵۔ کراچی کے علاقہ میں آپ کی جوئیں اب تک موجود ہیں۔ لوگ بڑی بڑی دور سے دیکھنے کے لئے جاتے ہیں۔

۳۶۔ ایک بنگالی پروفیسر نے اس بات کو ایک آلہ کے ذریعہ سے ثابت کر دیا ہے کہ درخت بھی ہماری طرح جاندار ہیں کیونکہ ہماری ہی طرح احساس بھوک پیاس رکھتے ہیں اور ہماری ہی طرح ان کی نبضیں چلتی ہیں۔ جس طرح کہ ہم منشی اشیاء سے مست و مخمور ہو جاتے ہیں' اسی طرح یہ بھی منشی اشیاء سے نشے میں ہو جاتے ہیں اور زہریلی اشیا سے مرجاتے ہیں اور ہماری ہی طرح ناموافق اشیاء سے یعنی غذا وغیرہ سے بیمار اور موافق غذا سے تندرست ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ یہ بھی موت و حیات میں ہمارے شریک ہیں اور جس طرح کہ ہم میں نیک و بد انسان ہیں اسی طرح ان میں بھی نیک و بد درخت ہیں۔ مثلاً کھجلی کا درخت جزائر فلپائن میں اور بچھو بوٹی شملہ کی پہاڑیوں میں وغیرہ وغیرہ۔

اگر آپ کو اس کلام میں شک ہو تو آپ خود ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ یعنی لاجونتی کے پودا کو چھوئیں کیونکہ اس کی طاقت حسی بغیر آلہ کے ہی معلوم ہو جاتی ہے۔ اور کئی اصحاب کے ملاحظہ سے گذر چکی ہے کہ اگر کوئی مرد اسے چھولے تو یہ فوراً مرجھا جاتی ہے اور عورت کے چھونے سے ہری بھری ہو جاتی ہے۔ اس کا نام لاجونتی صرف اس وجہ سے پڑا ہوا ہے کہ یہ مردوں سے شرم کھاتی ہے۔

۳۷۔ اکثر لوگ اس آیہ کریمہ کے معنوں میں اپنی ناواقفیت اور جہالت اور بے صدقی کے سبب شک رکھتے تھے جن کے شکوک کو وقتاً فوقتاً اولیاء اللہ نے رفع کیا۔ لیکن اس زمانہ میں سائنسدانوں کے تجربہ نے علی الاعلان تمام ممالک کے لوگوں پر ثابت کر دیا ہے۔ درخت ہماری طرح جاندار ہیں۔ جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یہ جاندار ہیں تو ان کے عبادت گذار ہونے میں کوئی شک نہیں۔

۳۸۔ اپنے باطن میں داخل ہونے کی نہایت تاکید ہے کیونکہ بغیر اس کے مولا تعالیٰ و تبارک کی پہچان ناممکن ہے:

ایہہ تلکن بازی وہڑا ہے پیر تھم تھم دھر واندھیرا ہے

دیکھو اندروڑ کے کھڑا ہے کیوں خفتن باہر ڈھونڈیندی اے

(بلھے شاہ صاحب)

حاشیہ: گذارش ہے کہ امتحان و آزمائش کے وقت جس طرف خیال کریں قدرے بے صبری و کمزوری ہی دکھائی پڑتی ہے سوائے حضرت شہید الوفا الکربلا کے مثلاً حضرت نوح اپنے سرکش و نافرمان بیٹے کو ڈوبتے ہوئے دیکھ کر جوش خون و محبت پدری سے چلا اٹھے کہ یا مولا تعالیٰ بچائیو یہ میرا فرزند ہے۔ حکم ہوا کہ لا ینال عھدی

Marfat.com

الظلمین. حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے نور نظر حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں رو رو کر اپنی آنکھیں کھودیں ور حضرت موسےٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ جب آپ کو بحکم الٰہی دریا میں بہا چکیں تو محبت مادری اور مفارقت فرزند سے بے چین ہو کر فرعون کے محل تک جا پہنچی۔ حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ تیرا فرزند تجھے ملایا جائے گا۔

حضرت عمر خطابؓ نے اپنے لخت جگر کو مطابق احکام شریعت وامر الٰہی کے دروں کی سزا دی لیکن اپنے فرزند کی ناگفتہ بہ حالت پر زار زار رو دیئے۔

غرضیکہ جس طرف خیال کرو آزمائش کے وقت کم ہمتی اور بے صبری کی علامت دکھائی پڑتی ہیں سوائے واقعہ کربلا کے۔ جناب سید الشہدا والکربلا امام المسلمین حضرت امام حسین اپنے صبر وتحمل اور استقلال پر اخیر دم تک ثابت قدم اور رضا و بلا پر صابر وشاکر رہے مثلاً دشمنان دین یعنے افواج یزیدیہ نے حضرت امام المسلمین کو دکھو تکالیف دینے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی کہ خورد ونوش کی چیزوں تک کو آپ پر بند کر دیا اور ہر چہار اطراف سے محاصرہ کر لیا اور پانی نہ ملنے سے خیمہ مبارک کا نقشہ اس قدر تکلیف دہ صورت میں تبدیل ہوا کہ اب تک اس کے ذکر سے سننے والے تڑپ اٹھتے ہیں۔ کوئی سنگدل سے سنگدل انسان بھی معصومین کی تلباہٹ کو دیکھ کر یا ان کی مجبوریوں کو محسوس کر کے آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

لیکن جناب سید الشہدا کے صبر وتحمل کو دیکھئے کہ اپنے دوستوں اور فرزندوں کو پانی کے لئے تڑپتے اور اپنے سامنے شہید ہوتے دیکھا۔ مگر اف تک نہ کی اور اپنے ننہا معصوم بچہ کو اپنی گود میں ظالم و بے رحم کے تیر کا شکار ہوتے اور دم توڑتے دیکھا مگر آنسو تک نہ گرایا۔

روایت ہے کہ جب حضرت جعفر شاگرد حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کی مدد کو آئے تو آپ نے غیر خدا کی مدد سے انکار کر دیا۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم والصبر ما یقولون و اھجرھم جمیلا پر ایسے قائم ہوئے کہ رضا الٰہی سے ذرا گردن نہ پھیری مگر عوام کا قاعدہ ہے کہ جھٹ ذرا سی تکلیف پر درگاہ الٰہی کو سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ یعنی دعا پر دعا کرتے ہیں کہ یہ کر اور وہ نہ کر اور وہ کر یہ نہ کر۔ ناسمجھی سے اس کی حکمت پر اعتراض کرنا یہ بے صبروں اور سرکشوں کا کام ہے اور اس کی خوشنودی اور حکمت پر اخیر دم تک صابر وشاکر رہے۔

اور بزرگان دین سے یہ بھی مروی ہے کہ جناب امام المسلمین حضرت امام حسینؓ نے افواج یزیدیہ پر بالکل ہاتھ نہیں اٹھایا۔ جب آپ میدان جنگ میں نکلے تو مرتبہ صابریت اور مظلومیت کو پورا کرنے کے لئے تلوار میان میں ڈالے اور دونوں ہاتھ بستہ کئے ہوئے اور گردن جھکائے ہوئے میدان جنگ میں داخل ہوئے۔ باوجود دشمن افواج کے تیروں سے سینکڑوں زخم کھائے مگر اسی حالت میں کھڑے رہے اور صبر وشکر کو گلے سے لگا کر ذات احدیت کا نظارہ کرتے رہے۔ چنانچہ اس موقعہ پر تمام ملائک اور ارواح پیغمبران نے جو کہ اس نظارہ کو دیکھ رہے تھے آپ کے اس صبر وتحمل پر تحسین وآفریں کے نعرے لگائے۔

Marfat.com

مرحبا یا سید الصابرین و مرحبا یا سید الشاکرین
چنانچہ آنجناب نے اخیر دم تک اپنے صبر و تحمل کو اس آزمائش کی گھڑی میں نہایت مستقل مزاجی سے برقرار رکھا اور دوست کی رضا و خوشنودی میں سجدہ شکر ادا کرتے ہوئے سر مبارک کو کٹوا دیا۔
پس میاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ صابری خون جہاں کہیں بھی ہو اپنی جھلک دکھائے بغیر نہیں رہتا چنانچہ یہی وجہ تھی کہ آنجنابہ رحمتہ اللہ علیہا نے اپنے نور نظر کو خدا کے نام پر مصائب میں دھکیلا۔ لیکن مقام صبر و رضا سے پائے استقلال کو ذرا جنبش نہ ہونے دی۔

۳۹۔ الرزق مقسوم

۴۰۔ انیس الارواح (یعنی ملفوظات حضرت خواجہ خواجگان خواجہ عثمان ہارونی چشتیؒ) میں جناب والئ ہند حضرت غریب نواز خواجہ معین الدین اجمیری حسن سجزی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں کہ جب ہم بدخشاں میں سفر حج سے فارغ ہو کر پہنچے تو ایک بزرگ سے ملے جو کہ خواجہ جنید بغدادیؒ کے پیشکاروں میں سے تھا اور جس کی عمر سو سال کی تھی۔ وہ از حد خدا کی یاد میں مشغول تھا لیکن اس کا ایک پاؤں نہ تھا۔ اس بارے میں جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے فرمایا کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ نفسانی خواہش کی خاطر میں جھونپڑی سے باہر قدم رکھنا ہی چاہتا تھا کہ آواز آئی ''اے مدعی! یہی اقرار تھا جو تو نے فراموش کر دیا۔'' چھری پاس پڑی تھی۔ میں نے اٹھا کر اپنا پاؤں کاٹ ڈالا اور باہر پھینک دیا۔ آج چالیس سال کا عرصہ گذرا ہے کہ میں نے اپنے پاؤں کو کاٹا اور حیرانی کے عالم میں مبتلا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ کل درویشوں میں یہ منہ کس طرح دکھاؤں گا۔

۴۱۔ الھدیۃ مسنونۃ: ہدیہ مسنون ہے (مسنون اس فعل کو کہا جاتا ہے جو آپ نے خود کیا یا کرنے کا حکم دیا۔)

۴۲۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کا ذکر ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں آپ کی ملاقات حضرت...... سے ہوئی۔ جناب نے پوچھا کہ کس طرح گذر کرتے ہو۔ عرض کی کہ جب کچھ ملتا ہے تو شکر کر کے کھا لیتے ہیں اور جب نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عادت کتوں میں بھی موجود ہے۔ آپ نے عرض کی کہ آپ کس طرح گذر کرتے ہیں۔ فرمایا کہ ملنے پر صبر اور نہ ملنے پر شکر کرتے ہیں (یعنی جب نہ ملے تو شکریہ ادا کرتے ہیں) اس لئے کہ ہمیں الجھن سے محفوظ رکھا اور ملنے پر صبر کرتے ہیں یعنی خود نہیں کھاتے بلکہ اوروں کو کھلا دیتے ہیں اور جب تک بانٹ نہ لیں، چین نہیں لیتے۔

۴۳۔ ان پانچوں گروہ کا اعتقاد ہے کہ زندگی کے لئے قوت لایموت ضروری لابد ہے بغیر خوراک کے خواہ وہ بالکل تھوڑی ہی مقدار میں کیوں نہ ہو زندگی ناممکن ہے۔

خوردن بروئے زیستن وذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

واضح ہو کہ خالق حقیقی و مالک کل یعنی اس قادر و توانا سے اپنا خیال و اعتقاد منقطع کر کے غیر خدا یعنی خوردنی اشیا پر زندگی کے دارومدار کا بھروسہ و یقین رکھنا صوفیائے عظام کے نزدیک ایک بہت ہی بڑا اور غیر تلافی جرم ہے کہ

Marfat.com

جس سے بڑھ کر طریقت میں کسی اور گناہ کا ہونا ناممکن ہے لیکن یاد رہے کہ ہر ایک ولی اللہ کو ان پہلے مقامات سے گذرنا پڑتا ہے کیونکہ توکل کی پہلی منزل مقام سفلی سے ہی شروع ہوتی ہے۔

۴۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید و پیروی یا مطابقت سنت حاصل کرنے کے لئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے خوراک ظاہری کو ترک کیا اور نفوس کو تسکین دینے کے لئے اپنے پیٹوں پر پتھر باندھے۔ چند دنوں کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے دبلا اور کمزور ہونے کی وجہ دریافت فرمائی چنانچہ انہوں نے صورت احوال سے آگاہ کیا جس پر آنجناب نے فرمایا کہ اے دوستو! میں نے بھی تسکین نفس کی خاطر اپنے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ میں اپنے رب کے ہاں سے کھاتا پیتا ہوں اور تم نہیں کھاتے اس لئے بغیر ظاہری خورد و نوش کے میرا وقت کٹ رہا ہے۔

۴۵۔ لقب فرید فرد حاصل ہونے کی یہ وجہ ہے کہ باقی تمام اولیاء اللہ نے خوراک نوری کو مقام مشاہدہ میں حاصل کیا ہے لیکن آنجناب نے غذائے نوری کو مقام مجاہدہ میں حاصل کیا۔ پس اسی امتیاز کی بنا پر فردیت عطا ہوئی۔ مجموعہ حقائق خفی میں منقول ہے کہ حضرت بابا صاحب مادر زاد ولی اور صائم الدہر تھے اسی لئے آپ نے بہت کم خوراک استعمال کی۔ اسی رسالہ میں یہ بھی تحریر ہے۔ اغلب تھا کہ آپ صائم الدہر ہونے کے سبب اس سے بھی تھوڑی خوراک استعمال کرتے لیکن بخوف بے ادبی آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوراک سے ایک سیر بڑھا دیا تاکہ لوگ غلطی سے کچھ کا کچھ نہ سمجھنے لگ جائیں اور ساتھ ہی اپنے نفس کی اصلاح بھی مقصود تھی کہ کہیں یہ خود ہی کسی اور خیال میں نہ ڈوب جائے یعنی کم خوردنی کو فضیلت تصور نہ کر بیٹھے۔

۴۶۔ حضرت میراں سید بھیکھ چشتی صابریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی انسان بھوکا یعنی نامکمل نہیں۔ بلکہ ہر ایک کی گٹھڑی میں لال پوشیدہ ہے۔ (نحن اقرب من حبل الوريد) مگر گرہ کھولنا نہ جاننے کے سبب سے ہر ایک کنگال و غریب ہو رہا ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہاں پر کوئی نئی چیز انسان میں داخل نہیں ہوتی بلکہ داخل شدہ چیز کی صفائی اور پردا لے ڈھکنا کو کھول کر شیخ کی وساطت سے کی جاتی ہے۔

۴۷۔ کیونکہ اسے اشرف المخلوقات کا لقب عطا ہو چکا ہے۔

۴۸۔ الانسان سری و انا سرہ۔

۴۹۔ ایضاً۔

۵۰۔

ل۔ لگی لڑ تیرے رانجھا ہیر سیال جٹیٹی۔ چو چک بیٹی
تیرا دتا کی دے سکاں میں خاکوں عطر لپیٹی مشک سمیٹی
و نفخت فیہ من روحی چڑھ سیج پیا دی لیٹی۔ ہیر سلیٹی
ویرن ماں ہیردی بھبل کھیڑ یاندی کوڑ میٹی۔ سخت جٹیٹی
(بھبلؒ)

میرے گھر وچ چوری ہوئی۔ ستے رہے نہ جاگیا کوئی

Marfat.com

میں گور پھڑیا تاں سوجھی ہوئی۔ جو مال گیا سب تروا ہے
گور جو چاہے سو کردا ہے
گور خالی بھانڈے بھردا ہے
(بُلھے شاہ)

بھیکھا سنگت ساہد کی کاٹے کوٹ اپر ابد
اک گھڑی ادہ گھڑی آدھو کی بھی آدھ
بھیکھا وہ نرکوڑ ہے جو گور کو جانے اور
ہر روٹھے گور میل دے۔ گور روٹھے نہیں ٹھور
(حضرت میراں سید بھیکھ)

۵۱۔ اول ضد کلی مثلاً فنا و بقا۔ دوئم ضد صفتی مثلاً حیات و ممات۔ سوئم ضد کشتی۔ مثلاً وصال جدائی۔ چہارم ضد تغیری مثلاً کم سنی اور بڑھاپا۔ چھوٹا اور بڑا۔ پنجم ضد کیفیتی۔ مثلاً رنج وخوشی۔ ششم ضد زوجی۔ مثلاً عورت و مرد (نر و مادہ) ہفتم۔ضد شکلی یا خلقی مثلاً خوبصورت و بدصورت۔ ہشتم۔ضد فعلی۔ عجز وغرور۔ (اگر آپ کو اس کے متعلق زیادہ دیکھنا منظور ہے تو چندے توقف کریں۔ عنقریب اسی مضمون پر ایک رسالہ ''ردتناسخ'' چھپنے والا ہے جس میں اس پر بحث کی گئی ہے۔)

۵۲۔ یعنی ظاہر باطن کی ضد ہے اور باطن ظاہر کی ضد ہے۔ فلاسفروں کا یہ اعتقاد ہے کہ جب ایک ضد قائم ہو تو دوسری فنا ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ خدا کے منکر تھے (اور ان کا انکار دو وجہ پر ہے۔ اول یہ کہ اگر کوئی قدرت ہے تو وہ اب ظاہر ہے اور اس ظاہر کا ہم بھی ایک جز ہیں' اس لئے کسی غیر ہستی کا ماننا جو کہ از روئے منطق الاحال و ناممکن ہے' بیوقوفی ہے۔ دوئم یہ کہ متضاد متضاد کو پیدا کرتا ہے۔ پس ہماری حیات ہماری ممات سے خود بخود نکلی ہے اور مطابق اصول کے بنی ہے اور اسی طرح بنتی رہے گی چنانچہ اس اصول پر آواگون کے ماننے والے قائم ہیں۔ اگر وہ متضاد کے اصول کے غور سے ملاحظہ کریں۔ تو انہیں اپنی غلطی معلوم ہو جائے گی۔ چنانچہ رسالہ ''ردتناسخ'' اور چار ان ادی میں اس مضمون کو واضح کر دیا گیا ہے) لیکن اصلیت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے جس کو کہ ہمارا وہم وگمان نہیں چھو سکتا ہے' اپنی صفات سے عالم کا ظہور فرمایا ہے اور اپنی ذات کو مخفی رکھا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ذات اقدس حصول وصرفیت سے پاک ہے جس طرح کہ سورج اپنا فیض وصفت یعنی روشنی و دھوپ دنیا کو پہنچانے سے ویسے کا ویسا ہی قائم ہے یا جس طرح کہ انسانی صفات بغیر حلول میں ظہور کرتی ہیں لیکن اس سے حلول آیا نہیں ہوتا۔ پس یہ تمام ظہور عالم اس کے نور سے (جو کہ اس کی صفت ہے) تعلق رکھتا ہے اس لئے عالم کے بننے سے اور اس کے تغیر و تبدل سے اس کی ذات میں کوئی فرق نہیں آتا۔

۵۳۔ کیونکہ ظہور عالم صفات سے ہویدا ہے۔ اس لئے صفت خرچ ہونے پر ذات میں کچھ کمی واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ صفات بھی قائم رہتی ہیں۔ کیونکہ صفت موصوف سے قائم ہے۔ جب تک موصوف ہے صفت نابود نہیں ہوتی۔

Marfat.com

۵۴۔ موت اختیاریٔ یا موت معنوی۔

۵۵۔ زندگی نوری یا حیات ابدی۔

۵۶۔ حدیث شریف۔ الدنیا حرام علی الآخرۃ والآخرۃ حرام علی الدنیا و ھما حرامان علی اھل اللــــہ۔ جنت والوں پر دنیا حرام ہے اور دنیا والوں پر جنت حرام ہے اور یہ دونوں حرام ہیں اللہ والوں پر یعنی طالب مولا پر دونوں چیزیں دنیا اور عقبےٰ حرام ہیں۔

۵۷۔ جس طرح کہ مومن کو نماز میں معراج حاصل ہوتا ہے اسی طرح ذاکر کو ذکر و تلاوت میں معراج یعنی مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔

۵۸۔ اس مقام پر درجہ قرب نوافل کو حاصل کرتا ہے اور جب طالب قرب نوافل کو حاصل کر لے تو مقام حیرت میں جا پہنچتا ہے

کھلایا جو ہم پر جلوہ ذات — ہوا وارد تحیر کا مقامات
وہاں دیکھا عجب عالم خیالات — نہ رنگ و روپ نہ شش جہت وظلمات
نہ حیوان نہ پایا ہے جمادات — نہ گرم و سرد نہ خشک و نہ برسات
نہ ساعت وقت فجر و شام دن رات — نہ کفر اسلام نہ نورو نہ ظلمات
کہوں کیا کچھ نہ ہے کہنے کی یہ بات — کہ منہ کی نہ رہی اور ہاتھ کی ہاتھ

(حضرت جلال الدین چشتی تھانیسری)

۵۹۔ گذارش ہے کہ جس طرح انسان اس دار فانی میں ظہور پکڑ کر صفات فانی سے متلبس ہوتا ہے اور فانی مقام میں فانی زندگی حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح سالک دار باقی میں ظہور پکڑ کر اپنے آپ کو صفات باقیہ سے ملبس کرتا ہے اور مقام بقایہ میں دائمی زندگی کو حاصل کرتا ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امــواتــا۔ جس طرح کہ طالب مقام مجاہدہ میں صم بکم ہو کر درجات طے کرتا اور علم عرفان کو حاصل کرتا ہے اسی طرح سالک مقام مشاہدہ میں صم بکم ہو کر فنا فی اللہ حاصل کرتا ہے اور اس کے بعد علوم سری نوری۔ اسرارات توحید کو جو کہ اس مقام پر ظاہر و ہویدا ہیں' حاصل کرتا اور اپنے کھوئے ہوئے حواس کو اس مقام لطیف میں (حواس لطیف) پیدا کرتا ہے اور اس نوری دنیا میں نوری حواس خمسہ جس طرح کہ اس مقام صفت میں صفاتی حواس یا اس مقام کثیف میں کثافت والے حواسوں کو حاصل کیا تھا' حاصل کرتا ہے۔ یعنی اس مقام پر چلنا پھرنا' دیکھنا' سونگھنا غرضیکہ سب کچھ نوری اور کھانا وغیرہ تک بھی نوری ہی ہوتا ہے۔ حضرت بوعلی قلندر فرماتے ہیں کہ تقریباً اسی مضمون پر بلھے شاہ صاحب فرماتے ہیں

بہلہ شوہ نوں ویکھن جاؤ گے انہاں اکھیاں نوں سمجھاؤ گے
دیدار تداہیں پاؤ گے شاہ عنایت بن گھر آؤ گے

۶۰۔ بلھے شاہ صاحب قصوری

بُلھے شوہ عنایت کیتی ہن تو کہیا میں کہی

تینوں میں جوڈھونڈن لگی میں بھی آپ نہ رہی

۶۱۔ اس بہشتی دروازہ کے متعلق حضرت نظام الدین محبوب الٰہی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز سے منقول ہے کہ بندہ مرشدی حضرت گنج شکر قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز، جب ہادی برحق کے جسم مبارک کو بمطابق امر کے تجہیز وتکفین سے فارغ ہوئے تو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوری زبان میں ارشاد فرمایا کہ من دخل ھذہ الباب امنا۔ بموجب سننے اس کلام مبارکہ کے بندے مرشدی نے تین بار دستک دے کر تمام حاضرین کو آگاہ کیا، کہ اے حاضرین! بشارت ہو تم کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جو شخص اس دروازہ سے داخل ہوگا، امان پائے گا، چنانچہ حضرت محبوب الٰہی کی دستک کی سنت دروازہ کھلنے کے موقعہ پر اب تک ادا کی جاتی ہے، یعنی تمام حاضرین تین بار تالی بجاتے ہیں۔ اس تالی کی گونج سے ایک عجیب ہی سماں بندھ جاتا ہے جو دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتا ہے۔

جس مقام پر آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے قدم مبارک کے نشان ہیں، اس جگہ ایک چھوٹا سا پختہ حجرہ تعمیر کیا ہوا ہے تاکہ یہ جگہ لوگوں کے پاؤں کی لتاڑ اور بے ادبی سے محفوظ رہے۔ یہ حجرہ شریف ہر وقت پھولوں سے لدا رہتا ہے۔ اس مبارک جگہ کو بعض اصحاب نادانستگی و جہالت سے جوگی کا حجرہ بھی کہہ دیتے ہیں۔ خداوند تبارک وتعالیٰ انہیں اس غلطی سے محفوظ فرمائے۔

بہشتی دروازہ کے متعلق عام طور پر دو طرح کے خیالات سننے میں آئے ہیں۔ اوّل من دخل ھذالباپ سے یہ مراد ہے کہ جو شخص اس سلسلہ عالیہ چشتیہ فریدیہ میں داخل ہو کہ پابندی احکام بجالائے گا، من دخل یا بھا کا تعلق انا مدینۃ العلم و علی بابھا سے ہے جس سے مراد طریقت کی ہے۔ بعض کا عقیدہ ہے کہ چونکہ یہ دروازہ حضور کے پاؤں کی طرف واقع ہے، اس لیے اس سے مراد تقلید کی ہے یعنی جو کوئی تابعداری و فرمانبرداری حضور کے باب سے گذرے گا امان پائے گا۔

دوئم عوام الناس اور اکثر فقراء کا یہ عقیدہ ہے کہ فیض یابندہ کے دروازہ سے جو گذر یگا فیض پائے گا اور یہی اس حدیث شریف کے معنی ہیں، مطابق حب الفقرا ا مفتاح الجنت کے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ کرنا خاص اس دروازہ کی طرف کہ اس سے جو گذر یگا امان پائے گا اس حدیث شریف کو تحویلوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ ایک ظاہر دلیل ہے کہ آنحضرت خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص معین الدین اور فرزندان معین الدین کا مرید ہوگا، اس کے بغیر معین الدین ہرگز بہشت میں قدم نہ رکھے گا۔ حاضرین نے سوال کیا کہ فرزندان سے کون لوگ مراد ہیں فرمایا خلفاء۔ پھر فرمایا جو لوگ اس سلسلہ میں داخل ہونگے، انکے واسطے امید نجات ہے۔ فرمایا کہ میں ایک روز مکہ معظمہ میں مشغول ذکر تھا۔ غیب سے آواز آئی اے معین الدین! ہم تجھ سے خوش ہوئے اور تیرے گناہ بخش دیئے۔ میں نے عرض کی الٰہی اپنے فضل وکرم سے مجھ کو تو نے بخش دیا، امیدوار ہوں کہ میرے مریدوں اور مریدوں کے مریدوں کو بھی بخشدے۔ آواز آئی کہ ہم نے ان کو بھی بخشا۔

Marfat.com

۶۲۔ کل نفس بخرج بغیر ذکر اللّٰہ فھو امیت فھو حرام ۔فرمایا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ جودم خارج ہوتے ہیں سوائے ذکر اللہ کے پس وہ مردہ اور حرام ہیں۔

۶۳۔ ابن عمر و الدنیا سجن المومن و جنت الکافر. حضرت عبداللہ بن امیر المومنین، حضرت عمر خطابؓ سے روایت ہے کہ دُنیا کافر کی بہشت اور مومن کا قید خانہ ہے۔

۶۴۔ مشائخ عظام کا قول ہے کہ فاذکرو اللّٰہ فی کل خال وفی کل مکان کہ ذکر کرو رب اپنے کا بیچ ہر مکان اور بیچ ہر حال کے۔

۶۵۔ اشارہ ہے نحن اقرب کی طرف، کیونکہ انسان بحیثیت صفت ہونے کے قرب لازمی میں داخل ہے لیکن اپنی بے خبری کے سبب معلوم نہیں کرسکتا۔

۶۶۔ واضح ہو کہ ذکر الٰہی تین وجہوں پر منقسم ہے۔اول ذکر زبان کیساتھ، دوئم دل کے ساتھ، سوئم روح کیساتھ۔اس سے اگلا مقام نور کا ہے لیکن اس کے متعلق کبھی یہ سننے میں نہیں آیا کہ اس جگہ بھی ذکر وفکر ہے''وھم ذکر اللسان لقلقة وذکر القلب وسوسة وذکر الروح راحة ''ذکر زبان کا لقلقہ ہے یعنی کتا کی بھونک اور ذکر دل کا وسوسہ یعنی وہم ہے اور ذکر روح کا راحت ہے۔

پس جاننا چاہیے کہ ذکر پہلے ذکر للسان سے شروع ہوتا ہے' پھر ذکر بعد اس کے ذکر قلبی ہے کیونکہ پہلا مقام اقرار زبان کا یعنی اقرار باللسان اور دوسرا مقام تصدیق دلی کا ہے یعنی تصدیق بالقلب کا ہے۔ان دونوں مقاموں میں انسان کا ایمان مکمل ہوتا ہے۔اُن کے بعد تیسرا درجہ روحی اذکار کا ہے جن کا اولیا سے ہی تعلق ہے۔ بدیں وجہ ہر ایک طالب کو یاد الٰہی کے لئے زبان سے شروع ہونا پڑتا ہے یعنی طالب اپنے مطلوب کی یاد اپنی زبان سے کرتا ہے۔اس جگہ اسے ذاکر کہتے ہیں۔ پھر جب اس سے اگلے مقام پر قدم رکھتا ہے تو اس دوست کی یاد اپنے دل سے کرتا ہے اور عابد کہلاتا ہے اور جب اس مقام سے گذرتا ہے تو اس پوشیدہ کی یاد نہایت پوشیدگی سے یعنی روح سے کرتا ہے۔

۶۷۔ جودم غافل سودم کافر۔

۶۸۔ صرف ذکر ہی نہیں کہا گیا کہ فی نفسک اور خفیہ ہو بلکہ دعا مانگنے کے متعلق بھی یہی ہدایت ہے ادعو اربکم تضرعاً وخفیة کہ پکارا اپنے رب کو گڑ گڑا کر یعنی عاجزی سے اور خفیہ(کیونکہ کل الدعاء خفیة ہے) آپ خیال کریں گے کہ ہر بات میں چوری اور رازداری کی کیا ضرورت تھی، جودون الجھر اوز فی نفسک وخفیة وغیرہ کی تاکید کی گئی' اس لئے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کوئی عبادت بلا حضور قلبی کے منظور نہیں فرماتا، حدیث شریف لا یقبل اللہ تعالی عبادة العبد بغیر معرفت اللّٰہ تعالیٰ وان کان وفی العبادة الف سنة وان لم یکن للعبد فی العبادہ معرفة الحق ففی العقوبة.

چنانچہ اذکار کا بہتر طریق یہی ہے کہ اپنے آپ کو ذکر لسانی سے شروع کر کے ذکر قلبی کی طرف مراجعت کرے کیونکہ افضل الذکر ال خفی، افضل ذکر ہے، ذکر خفی، اور اسی حدیث کو بالوضاحت اس طرح بیان

Marfat.com

فرمایا ہے کہ ذکر للسان بالسر مرة افضل من ذکر الجهر سبعین الف مرة و ذکر القلب بالنفس مرة افضل من ذکر للسان بالسر سبعین الف مرة " یعنی ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ کا ساتھ زبان کے آہستہ کہنا افضل ہے ذکر بلند کہے ستر ہزار مرتبہ سے اور ذکر دل سے نفس میں کہنا افضل ہے ذکر زبان کے آہستہ کہنا افضل ہے ذکر بلند کہے ستر ہزار مرتبہ سے اور ذکر دل سے نفس میں کہنا افضل ہے ذکر زبان کے آہستہ کہنے ستر ہزار مرتبہ سے۔ پس ثابت ہوا کہ ذکر خفی افضل ہے ذکر لسانی سے اور ذکر قلبی افضل ہے ذکر خفی سے۔

اوّل الذکر باللسان ثم مو افقهامع القلب ثم تشکت للسان ویقول بالقلب ویو افقه، باعصائه کلها یعنی اول ذکر ساتھ زبان کے ہے، پھر زبان کو موافق کرے ساتھ دل کے پھر زبان چپ رہ جاتی ہے اور دل سے ذکر کرتا ہے۔ پھر موافق کرتا ہے دل ساتھ سب اعضاء کے یعنی اس کے سارے اعضاء ذکر میں ہو جاتے ہیں۔

۔۶ اس ذکر خفی یعنی قلبی کے بعد شیخ کی مہربانی اور وساطت سے طالب راحت کو پاتا ہے یعنی ذکر روحی حاصل کرتا ہے، اور یہ بغیر وسیلہ اور طریق کار مقررہ کے دستیاب نہیں ہوتا اور جب تک طالب شغل روحی کو حاصل نہ کرے، قرب وحضوری نہیں حاصل کر سکتا۔

۔۷ حضرت خواجہ ابو سعید مخدومی سلمی قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ان القرب قربان تحقیق قرب الٰہی دو قرب ہیں، قرب النوافل وقرب الفرائض۔ اما قرب النوافل فهو ذوال صفات البشریت وظهور صفات تعالیٰ علیه یعنی قرب نوافل وہ ہے کہ دور ہونا صفات بشریت کا اور ظہور ہونا صفات حق سبحانہ کا اوپر اُس کے ویسمع وینبصر بجمیع الا عضاء من جسده لا من الا ذن و العین فقط یعنی سنے اور دیکھے ساتھ تمام اعضاء کے جسم اپنے سے، نہ کانوں سے نہ آنکھوں سے فقط ولـــذا یســمـــع المسموعات من بعید کہ سنے تمام سموعات کو دُور سے ویبصر المصراف من بعید اور دیکھے تمام مبصرات کو دور سے۔

"اما قرب الفرائض فهو فناء العبد با لکلیة " وہ جو قرب فرائض ہے پس فنا ہونا بندہ کا بالکل ہے من شعور الموجودات حتی عن نفسه ایضاً بحیث لم یبق فی نظره الا اثبات الحق سبحانه ، موجودات کے شعور سے تا اپنے سے ساتھ اس وجہ کے جو نہ باقی رہے بیچ نظر اپنی کے۔ سوائے اثبات حق تبارک وتعالیٰ کے (قرب نوافل مشاہدہ صفاتی اور قرب فرائض مشاہدہ نوری ہے)۔

۔۷ واطیعوا اللّٰه و اطیعوا الرسول و اولوا الا مرمنکم پر کاربند ہونا ہی آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن کو پکڑنا ہے کیونکہ بغیر حبل اللہ اور حبل المتین، اور وابتغوا الیه الوسیلة کے حصول مدعا ناممکن ہے۔

۔۷ زہر کی پڑیا سے مراد نفسانیت کی ہے۔

۷۳۔ زہر کی پڑیا سے مراد نفسانیت اور غصہ ہے۔

۷۴۔ چونکہ یہ واقعہ پہلی رات سے تعلق رکھتا ہے اور عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ پہلی رات آپس میں بات چیت کرنے سے شرم وحیا جو کہ انسانی خاصہ (یا خاصیت ہے) مانع ہوتا ہے، اسی خیال پر اس بیت میں بیان کیا گیا ہے کہ پہلی رات کی وجہ سے انہوں نے بولنا نہیں تھا مجھ سے، اور نہ ہی میں نے شرم وحیا کی وجہ سے انکی بات کا جواب دینا تھا، لیکن باوجود اس قدرتی اور رسمی قید کے میں نے خاوند کے حقوق کو مدنظر رکھ کر پانی ہاتھ میں لے کر سرہانے کھڑی ہوگئی۔

۷۵۔ اسی آیہ کریمہ کے معنوں میں پیران عظام نے ارشاد فرمایا ہے کہ فاذکر اللہ فی کل حال وفی کل مکان یعنی ذکر رب اپنے کا بیچ ہر حال اور ہر مکان ہے۔

۷۶۔ اکثر کتب میں تحریر ہے کہ اس عورت کا خاوند خورد سال تھا۔ یہ ایک نہایت ہی پاکیزہ خیالات والی عورت کا کام ہے کہ خورد سال خاوند کی خدمت گذار ہی کرے کیونکہ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ عورتیں خورد سال اور بوڑھے خاوندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہیں، کیونکہ وہ دُنیاداری کے ناقابل ہوتے ہیں۔

۷۷۔ اس جگہ لفظ پیار تسلی ودلاسہ کے معنوں میں آیا ہے، اگر پیار کے معنی پیار ہی لئے جائیں، تو یہ بات اصل واقعہ کے خلاف، کیونکہ اس عورت کی عمر اس وقت تقریباً بیس سال کی تھی اور آنجناب کی عمر تقریباً چالیس سال کی تھی، اور یہ بات عقلاً نادرست ہے کہ بچہ بوڑھے کو پیار کرے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ بچہ بوڑھے شخص سے محبت کرے یا کسی معاملہ میں تسلی وتشفی کرے۔

۷۸۔ یعنی اُن دونوں میاں بی بی نے حضور کے قدموں کو چوما۔ پاؤں کا چومنا دو وجہوں پر مشتمل ہے۔ اوّل یہ کہ انہوں نے خیال کیا کہ یہ قدم بہت افضل واعلیٰ ہیں، جو دوست کی تلاش اور دیدار کی خواہش میں اُٹھتے ہیں۔ دوئم یہ کہ ان دنوں میں پاؤں چومنے کا عام رواج تھا، جو کہ نہایت ادب کی علامت شمار کی جاتی تھی کیونکہ زمانہ کفر میں تمام اہل ہنود بزرگوں کو تعظیم کے لیے سجدہ کرتے تھے، لیکن جب وہ اسلام میں داخل ہوئے، تو سجدہ کی ممانعت کی گئی، اس لئے سجدہ سے رُکے، لیکن تعظیم کے لیے پاؤں وغیرہ کو چوم کر اپنی ارادت قلبی کا اظہار کرتے رہے۔ ان پاؤں وغیرہ چومنے کی ممانعت نہ ہونے سے عام رواج پڑ گیا، جب علمائے اسلام نے دیکھا کہ اکثر جہلا اپنے پہلے عقیدہ کے مطابق سجدہ ہی کرتے ہیں اور چومنے کے آداب سے ناواقف ہونے کے سبب کفر میں پڑتے ہیں تو اُنہوں نے پاؤں سے منہ لگا کر چومنے کو منع کر دیا اور فہمائش کر دی کہ اگر تمہیں چومنا ہی منظور ہے تو پاؤں وغیرہ کو ہاتھ لگا کر اپنے ہاتھوں کو چوم لیا کرو۔ اس میں دونوں باتیں آ جائیں گی، یعنی عقیدت کا اظہار بھی ہو جائے گا اور تم کفر سے بھی بچ جاؤ گے، لیکن جہلا طبقہ میں یہ رواج بڑھتا گیا، جواب سجدہ تعظیمی کی حالت میں آپ اعلانیہ طور پر دیکھتے ہیں اور مسلمان کے لیے یہ ایک بہت ہی نازیبا حرکت ہے۔ اگر کسی صاحب کو اس خیال سے اختلاف ہو یا کوئی اعتراض ہو تو (کتب خانہ لمعات فریدیہ لاہور سے) خط وکتابت کر کے اپنے اعتراضوں کا جواب حاصل کرے۔

۷۹۔ اس کوا کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ابلیس تھا اور آپکو تکلیف پہنچا کر راہ راست سے روکنا چاہتا تھا۔

۸۰۔ ہر انسان کے لیے تین دوست اور تین دُشمن ہیں۔ دوست اول وہ خالق کل اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اور دوست دوسرا، اس دوست حقیقی کا دوست یعنی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس لئے اس بیت میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوست کے نام سے پکارا گیا ہے اور تیسرا دوست روح جس کو ضمیر کے نام سے بھی ملقب کیا گیا ہے، اور تین دُشمن ہیں اول شیطان لعین' دوئم نفس پلید وسرکش جو کہ شیطان علیہ لعنت کا دوست ہے۔سوئم وہ جو دوستوں میں سے کسی ایک کا دُشمن ہو، خواہ توحید کا کافر ہو خواہ تقلید ورسالت کا کافر ہو۔

۸۱۔ اکثر کتب میں منقول ہے کہ جناب شہید المحبت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی اوشیؒ درجہ کمال ذاتی کے نہایت کو پہنچے ہوئے تھے اور مجدد الوقت ہونے کے سبب اس وقت کوئی آپ سے بڑھ کر صاحب کمال موجود نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین اجمیریؒ نے آپ کو دہلی شریف میں تشریف رکھنے کا حکم صادر فرمایا۔

اور حضرت گنج شکرؒ کو آپ کے پاس بھیجنے کا یہی سبب تھا کہ اس وقت کوئی بزرگ بھی اس قابل نہ تھا کہ آپ کی رہنمائی کر سکے چنانچہ آپ ہی نے اس شہباز کو اپنے قابو میں لا کر دولت فقر سے سرفراز فرمایا۔

۸۲۔ تیسرے بیت مصرعہ میں سال پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت گنج شکرؒ میں امت محمدیہ کے بخشوانے کی طاقت بھری ہوئی تھی جس کو کہ جناب خواجہ صاحب نے نظروں میں ہی معلوم کر لیا۔ بعض لوگ اس بات کی درستی کو تسلیم نہ کریں گے یا اس پر شک لائیں گے، لیکن علاوہ اور وجہوں کے بیان کرنے کے صرف اُن سے یہ پوچھا جائے کہ آنجناب کے مرید وخلفاء کس قدر اور کیسے تھے، تو فوراً جواب دیں گے کہ بہت نیک عادتوں والے اور بکثرت تھے۔ پس گذارش ہے کہ آنجناب کی طفیل سے ہزاروں بے دینوں اور سرکشوں نے راہ ہدایت کو پایا اور ہزاروں ہی منافقوں اور بے عمل مسلمانوں نے آپ کی ہدایت وتلقین سے نجات حاصل کی۔ پس واضح ہو کہ ہدایت یافتگان امت محمدیہ کا ایک جزو ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضور ہی کی وساطت سے نجات حاصل کی۔

۸۳۔ حضرت پیر، یعنی حضرت خواجہ غریب نواز والی ہندؒ۔

۸۴۔ میاں پیر بخش صاحب اس بیت میں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت خواجہ غریب نواز والئ ہند قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز اور حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دائرہ شریف میں بطور گواہوں کے بھیجا، یعنی جس وقت جناب خواجہ صاحب بیعت فرما رہے تھے، یہ دونوں بزرگوار موجود تھے۔

۸۵۔ کمال ہوئے یعنی کمالیت کو پہنچے ہوئے۔

۸۶۔ لال وگلال، سرخ رنگا ہوا، اور سرخ رنگ رنگنے کے لائق، مراد صبغتہ اللہ سے ہے۔ لعل گلال، آگ کے انگارہ کی طرح چمکتا ہوا لعل، جو کہ ایک نہایت ہی نایاب اور قیمتی چیز ہے۔ اسی طرح صاحب نشان بزرگ بھی نہایت قیمتی اور کمیاب ہستیاں ہیں۔

۸۷۔ خاص دیدار کے متعلق کسی خاص رائے کا قائم کرنا، ہمارے لیے سخت مشکل کام ہے۔ خدا جانے مصنف علیہ الرحمۃ کی اس سے کیا مراد تھی، اور کسی دیدار کی طرف اشارہ ہے۔

۸۸۔ حضور کی کشف و کرامات اور فیض رسانی عام خلق اللہ میں مشہور و معروف ہے اور جناب کا اپنے سائلوں کو خزانہ ہائے عرفان کا بخشنا دو حالتوں پر منقسم ہے۔ اول حین حیات۔ دوئم بعد ممات اور بعد ممات اپنے صدق مند مریدوں کو فیضیاب کرنا دو وجہوں سے خالی نہیں۔ اول یہ کہ اپنے سائلوں کو بجسم روحی دیدار سے فیضیاب کرنا اور عقدوں کو حل کرنا، دوئم اپنے خلفاء کے ذریعہ سے خلق اللہ پر نور توحید و معرفت الٰہی کا پہنچانا، یعنی عقیدت مند اصحاب کو چشتیائی فیض سے سیراب کرتے رہنا۔

۸۹۔ جناب کا مزار موضع رٹول متصل شہرزیرہ کے ہے۔ آپ ان صالحین و مخلصین میں سے تھے، جنہوں نے کہ صبغتہ اللہ سے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اپنا آپ رنگا ہوا ہے چنانچہ اکثر اصحاب جناب کے مزار پر حصول زیارت کے لیے جاتے ہیں، جو کہ موضع رٹول متصل شہرزیرہ کے واقع ہے۔

۹۰۔

در شہر گرابست کہ معنی نظر است — در پنجہ مرگ سخت بے بال و پرست
در تلخی انزع جسکم آمد باجبل — بگذار کہ ایں مرید گنج شکر است

(مولانا گرامی)

۹۱۔ تمام معتبر کتب میں منقول ہے کہ روز قیامت کو تمام نفوس نفسی نفسی پکاریں گے، لیکن صرف آنحضرت کی ذات مبارک امتی امتی پکارتے ہوں گے۔ جناب بابا صاحبؒ کا امت کے لیے بخشش طلب کرنا نہایت محبت کو ظاہر کرتا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اظہار حقیقت پر آپ کے مریدوں پر عام فیض جاری کیا کہ جناب کے بہشتی دروازہ کے متعلق ارشاد فرمایا ''دخل ھذا الباب امنا'' دارِ دُنیا میں جناب کی یہ دستگیری ہے کہ مزراعت آخرۃ کو ہم نے جناب کی تلقین وہدایت سے درست کیا اور اُس جہاں میں یہ کہ ہمارا حشر ان کے ساتھ ہونا ہے۔ دیگر یہ کہ جناب کے فرمودہ طریق نے ہی بخشش کی وجہ بننا ہے۔

۹۲۔ فرمایا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ پہلے جو چیز خدا نے پیدا کی، وہ نور میرا ہے اور میں خدا کے نور سے ہوں اور سب خلقت پیدا میرے نور سے ہے۔ کیفیت پیدا ہونے اس نور ظہور کی یوں ہے کہ جب خدا نے چاہا کہ اپنے آپ کو ظاہر کروں تو اپنے نور کی طرف خطاب کیا کہ ہو یا محمدؐ تو وہ نور مثل ستون کے پردہ عظمت تک بلند ہوا' پھر جھکا اور سجدہ کیا اور الحمد للہ کہا۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی واسطے تجھ کو پیدا کیا کہ ابتدائے پیدائش کروں تجھ سے اور انتہا پیدائش کروں تم پر۔ اس کے بعد جب قدرت نے اور چیزیں پیدا کیں تو قلم کو روز نامچہ لکھنے کا حکم دیا، تو قلم نے تمام امتوں کا روز نامچہ ترتیب وار لکھا کہ جو کوئی امت آدم یا نوح یا عیسٰی وغیرہ وغیرہ سے فرمانبرداری کرے گا اللہ کی تو داخل کرے گا اللہ اسے بہشت میں اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اللہ تبارک و تعالیٰ کی تو داخل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں۔ اسی طرح تمام امتوں کا روز نامچہ لکھا گیا۔ جب نوبت امت بابرکت کی آئی تو قلم نے چاہا کہ سابق دستور لکھوں کہ جو کوئی فرمانبرداری کریگا بہشت

Marfat.com

میں داخل ہوگا اور جو کوئی فرمانبرداری نہ کرے گا، دوزخ میں داخل ہوگا۔ ابھی اس قدر لکھنے پایا تھا کہ داخل کیا جائیگا بیچ دوزخ میں تو حکم ہوا کہ ادب کرائے قلم ادب کر۔ قلم یہ خطاب با عتاب سن کر شق ہوا اور لکھنے سے رکا اور ہزار سال کا پتا کیا۔ بعد مدت گزرنے کے بہ دست قدرت سے قط لگا اور حکم ہوا کہ لکھ امة مــــذنبة و رب غفور یعنی یہ امت گنہگار ہے۔

۹۳۔ جب آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج سے واپس لوٹے تو اپنے اصحاب سے معراج کی کیفیت بیان فرمائی لیکن حضرت ابا بکر صدیقؓ اس وقت موجود نہ تھے، یعنی کسی کام کو باہر گئے ہوئے تھے، چنانچہ راستہ ہی میں ایک کافر نے طنزاً کہا کہ تمہارا دوست آج کہتا ہے کہ میں خدا کے پاس گیا تھا۔ آپ فرمانے لگے کہ یہ کیا اگر اس سے بھی کچھ زیادہ ہو تو وہ بھی عین درست ہے کیونکہ جناب جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ اب باقی دوستوں کا حال سنیئے کہ تمام نے تسلی کے لئے سوالات کئے کہ مسجد اقصیٰ کیسی ہے، کتنی سیڑھیں ہیں وغیرہ وغیرہ لیکن جناب صدیق اکبرؓ نے بالکل کوئی سوال نہ کیا، بلکہ ایک کافر کی زبان سے ہی سن کر اپنے صدق کی وجہ سے تسکین میں رہے۔

۹۴۔ جناب کا عدل وانصاف دنیا میں ایسا مشہور ہے کہ محتاج بیان نہیں اور یہ بھی تمام تواریخی کتب میں تحریر ہے کہ قیام شریعت اور عدل اسلامی کو روشن کرنے میں اپنی اولاد کو سزا دینے سے بھی نہ رُکے چنانچہ اپنے ایک لڑکے کو زنا اور شراب خوری کے الزام میں کوڑوں سے شہید کیا۔

۹۵۔ ان چاروں دوستوں کا یکے بعد دیگرے امور دینی کی نگہداشت کرنا منشائے ایزدی سے تھا، کیونکہ آنجناب کا حضرت ابا بکر صدیق کو علالت کے وقت طلب کرنا اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ آنجناب نے خود انہیں امامت وخلافت سپرد کی حالانکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس وقت موجود تھے، لیکن آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب صدیق اکبرؓ کو اپنی جگہ پر امام مقرر کر کے نماز ادا کی، کیونکہ امت کو ان چاروں صاحبوں اور انکی صفات کی اشد ضرورت تھی۔

چنانچہ حضرت ابا بکر صدیقؓ سے لوگوں نے اطیعو اللّٰہ واطیعو الرسول کو صدق وصفا اور کمال یقین سے سیکھا۔ آنجنابؓ نے اپنا وہ کام جس کے لیے قدرت نے منتخب کر کے بھیجا تھا، کیا یعنی علاوہ نمونہ ہونے صدق و صفا کے کلام اللہ شریف کو امت کے لئے جمع کیا اور جناب امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ کے کو عدل وانصاف کا وہ نمونہ جس کی اسلام کی ضرورت تھی، اور جس کے لیے قدرت نے جناب کو بھیجا تھا، مومنین کے سامنے پیش کیا اور قوانین اسلامی عظمت لوگوں کے دلوں میں کندہ کر دی، یہاں تک کہ غیر اقوام نے بھی آپ کی جلالیت عظمت کے آگے سر خم کر دیئے۔

(آپ اکثر گلی کوچوں میں چکر لگاتے، لوگوں کی خوشحالی اور پابندی احکام کی نگرانی کے لئے پھرتے۔ کتب تواریخ میں تحریر ہے کہ لوگ حضرت سے اس قدر نہ گھبراتے تھے، جس قدر کہ جناب کے کوڑے سے ڈرتے تھے۔ علاوہ انسانوں کے شیطان بھی آپ سے ڈرتے اور نام سن کر بھاگتے تھے)۔

Marfat.com

چنانچہ فاروق اعظمؓ نے لوگوں کو ایک محکم شیرازہ میں اپنی خداداد قابلیت وخوش انتظامی سے اکٹھا کیا اور مومنین کے لیے سرسبز ممالک فتح کیے اور اسلام کی محافظت کے لیے ریزرو فوج قائم کی اور محکمہ جات مقرر کیے، چنانچہ یہ تمام اسلامی قانونی حیثیت جو کہ آپ دیکھتے ہیں فاروق اعظمؓ کی قابلیت کی گواہ ہے۔ چنانچہ آپ کی خوش انتظامی اور طاقت وسعت ممالک اسلامی کی غیر اقوام کے سیاح بھی مداح ہیں، چنانچہ ایک فرانسیسی سیاح اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ اگر عمر خطاب دس سال اور جیتے رہتے تو یقین تھا کہ تمام یورپ اسلامی قلمرو میں شامل ہو جاتا اور جناب نے غیر ممالک میں تبلیغ واشاعت کے لیے علماء روانہ کیے۔

اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ سے لوگوں نے علاوہ عدل وانصاف اور صدق وصفا کے غناء کو احسن طریق کے نمونہ پر سیکھا اور جناب علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے سخاوت وشجاعت مروت وعالی ہمتی، کو سیکھا اور علاوہ اس کے آپ کو عرفان میں وہ قابلیت حاصل تھی جو کسی دوسرے میں نہ تھی چنانچہ عاشقان ذوالجلال نے آپ سے فیوض باطنی حاصل کیے یعنی طریق سلوک وعرفان ونقاط سری کو حاصل کیا۔

۹۶۔ اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی صاحب نے بھی اپنے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا، بلکہ مطابق ارادہ باطنی کے خلافت کے بوجھ کو درجہ بدرجہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچایا اور جناب کرم اللہ وجہہ کے خاندان میں اہل بیت ہونے کے سبب سے خلافت نسلی نے ظہور پکڑا۔

آپ حیران ہوں گے مذکورہ بالا سطور میں خلافت کو بوجھ سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ یہ نہایت عزت کا مقام ہے۔ یہ درست ہے لیکن اس کے ناقابل برداشت بوجھ ہونے میں بھی کچھ شک نہیں کیونکہ اسی بوجھ سے حضرت امام حسن علیہ السلام نے اپنے آپ کو سبکدوش کیا اور خلافت سے کنارہ کشی اختیار کی۔

۹۷۔ یعنی میری حالت میں کچھ تبدیلی نہ ہوئی کیونکہ اصول کے لحاظ سے بچہ کا بوڑھے کو تلقین وہدایت کرنا ناممکن ہے اور یہ بات امر محال ہے کہ نادان بوڑھے کو فیض پہنچائے۔

۹۸۔ جناب خواجہ صاحب کو حضرت الانبیائے کے دل کی صفائی مطلوب تھی۔ چنانچہ آپ نے حضور کے دل سے یہ خیال نکال باہر کیا۔ اس تین دن کے چلہ میں کافی عرصہ تک بغیر خورد ونوش کے اندر گذار سکتا ہوں یا فاقہ کشی میں میری مہارت مشائخ وقت سے بڑھی ہوئی ہے۔

۹۹۔ کتاب ''دلیل العارفین'' میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ سے منقول ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز والیٔ ہند قدس اللہ تعالیٰ العزیز نے ارشاد فرمایا کہ بعض مشائخ نے سلوک کے سو درجے مقرر کیے ہیں۔ ان میں سترواں درجہ کشف وکرامات کا ہے۔ پس جو شخص اس سترہویں درجہ میں اپنے تئیں ظاہر کردے وہ باقی کے تراسی درجے کس طرح طے کرے گا۔ سالک کو چاہیے کہ جب تک سو درجہ کے مرتبہ پر نہ پہنچ جائے اپنے تئیں ظاہر نہ کرے۔ پھر فرمایا کہ خواجگان چشت کے خاندان میں بعض نے پندرہ درجے مقرر کیے ہیں۔ جن میں پانچواں کشف وکرامات کا ہے۔ ہمارے خواجگان فرماتے ہیں کہ جب تک پندرہویں درجے تک نہ پہنچ جائے اپنے تئیں ظاہر نہ کرے۔ پھر کامل ہوگا۔

Marfat.com

۱۰۰۔ فافعلوا ما تومرون۔ یعنی وہ فعل کرو جو صاحب امر کے تم کو فرمائیں۔

۱۰۱۔ اس جگہ یہ لفظ صرف حضرت خواجہ صاحب کی ذات بابرکات پر آیا ہے۔ کیونکہ جناب کا ہاتھ پکڑنے والے بھی بزرگ وار ہیں۔

۱۰۲۔ سچ۔ خداوند تبارک تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے کہ زبان سے ہمیشہ اللہ کا مبارک نام ہی نکالنا اور اسی مبارک اسم نے اس روز حاصل ہونا ہے۔

۱۰۳۔ ذکر کی نہایت یہی ہے کہ مقام روحی تک پہنچے۔ لیکن اس جگہ اس کو ذکر روحی یا شغل روحی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حدیث شریف۔ ذکر للسان لکلمة و ذکر القلب و سوسة و ذکر الروح راحة یعنی ذکر زبان کا لکہ لکہ ہے۔ اور ذکر دل کا وسوسہ ہے اور ذکر روح کا راحت ہے۔

۱۰۴۔ بُلھے شوہ نوں ویکھن جاؤ گے اینہاں اکھیاں نوں سمجھاؤ گے
دیدار تدا ہیں پاؤ گے شاہ عنایت بن گھر آؤ گے

۱۰۵۔ اس جگہ لفظ یار سے مراد آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔

۱۰۶۔ اور اس دوسرے لفظ یار یعنی دوست سے مراد خداوند تبارک وتعالیٰ سے ہے۔

۱۰۷۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ چلہ باقی تمام چلوں سے مشکل تر ہے۔ لیکن اب بغیر فکر واندیشہ کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں ڈال دو۔ مراد اس سے یہ ہے کہ قبر میں داخل کر دو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر سے میری منزل کو آسان اور میرے عجز کو قبول فرمالیں گے۔

۱۰۸۔ اغلب ہے کہ اس کے پاس کوئی طلسمی عصا ہو۔

۱۰۹۔ تمام کتب میں مذکور ہے کہ جناب قطب العالم فرید فردؒ نے ربع سکوں کا سیر کیا ہے اور علاوہ جن وانس کے مخلوقات آبی نے بھی آپ سے فیض حاصل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانیوں کی پیدائش اور ان جزائر پر بسنے والے انسان جہاں پر کہ ابھی تک ہمارا گذر نہیں ہوا۔ جنہوں نے کہ جناب سے توحید کو حاصل کیا ہے' اپنے پیرو پیشوا کی صفت ثنا کرتے رہتے ہیں۔

۱۱۰۔ تھل کے معنی ریت کے ہیں اور ٹکڑا کے بھی اور اصطلاحی معنوں میں جزیرہ یا ٹاپو بھی کہتے ہیں۔

۱۱۱۔ بعض کتب میں اس طرح تحریر ہے کہ جب جناب نے اس کی اس گستاخی کو دیکھا تو اپنی نعلین کو حکم دیا کہ اسے زمین پر لاؤ' چنانچہ وہ اس کے سر پر برس پڑیں جس کی تاب نہ لا کر اسے زمین پر اترنا پڑا اور آتے ہی جناب کے قدموں پر گر کر تائب ہوا اور اسلام قبول کیا۔

۱۱۲ اس میں کچھ شک نہیں غرور ذلت کا باعث ہے لیکن اس جگہ جوگی کی بے عزتی اس کی اصلی عزت میں تبدیل ہوگئی کیونکہ اسے سچائی معلوم ہوگئی۔ پس وہ کفر چھوڑ اور خواہش اسلام میں جناب کے قدموں میں گر پڑا۔ قولہ تعالیٰ۔ جب سچائی نازل ہوئی تو باطل بھاگ نکلا۔

۱۱۳۔ میاں پیر بخش صاحب نے اپنے زمانہ کی کیفیت بیان کی ہے جبکہ مسافروں کو پیدل سفر کرنا پڑتا تھا لیکن اب

Marfat.com

چونکہ ریل وغیرہ سے بہت ہی سہولت ہے' اس لئے کئی لاکھ آدمی جمع ہو جاتا ہے۔

۱۱۴۔ میاں پیر بخش صاحب نے بیان کیا ہے کہ جناب دیوان صاحب کے رومال میں خود بخود تالا کھل کر آ گرتا ہے لیکن اس وقت ایسا نہیں ہوتا۔ اغلب ہے کہ آپ کے زمانہ میں ایسا ہی ہوتا ہے۔

۱۱۵۔ جس زمانہ کی بات یہاں پیر بخش صاحب بیان کرتے ہیں اس زمانہ میں واقعی لوگوں کے سروں پر سے لوگ گذر کر پہلے داخل ہونے کی خاطر سے گذر جاتے تھے۔ لیکن اب بہت انتظام کیا گیا ہے کیونکہ اس سے جانوں کے نقصان ہو جانے کا خوف تھا۔ لیکن پھر بھی زیادتی ہجوم کی وجہ سے اگر کسی کی جوتی یا کوئی چیز رہ جائے تو وہ اسے واپس نہیں مل سکتی۔

۱۱۶۔ لیکن دوسرے رسالہ میں جو کہ جناب پیر شقاعت علی شاہ صاحب کی قلم سے لکھا ہوا ہے' اس طرح پر ہے کہ

دید یار بدلے کھو ہے وچہ لٹکے
نالے قبر اندر ہیسی داس کیتا

۱۱۷۔ جناب کے حالات دیباچہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۱۸۔ بمعنی مالک یا خدا۔ گذارش ہے کہ جس طرح ایک عورت کے لئے ایک مجازی خدا اور ایک حقیقی خدا ہے۔ اسی طرح انسان مذکر کے لئے بھی ہے یعنی عورت کا مجازی خدا اس کا خاوند اور مرد کا مجازی خدا اس کا شیخ۔ پس اس جگہ یہ لفظ خاوند دونوں معنی دیتا ہے۔

۱۱۹۔ اس مقام کو فنافی الرسل کہتے ہیں اور یہی مقام معرفت ہے۔ یعنی جس میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ و معرفت یا توسل حاصل ہوتا ہے۔

۱۲۰۔ افضل طریق۔ وارکعوا مع الراکعین۔ مطابق وابتغوا الیه الوسیلة کے ہے یعنی صحبت و متابعت شیخ بموجب حکم و اولی الامر منکم کے۔

۱۲۱۔ افضل ذکر کلمہ طیبہ کا ہے۔ افضل الذکر لا اله الا اللّٰه محمد الرسول اللّٰه جس نے اسے محکم پکڑا وہی مراد کو پہنچا۔

اس ذکر شریف کی تلقین و ہدایت اور طریق کار حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلسلہ وار مشائخ عظام کو اور ان سے مشائخ وقت کو پہنچا ہے۔

پس مطابق امر یایها الذین امنوا اطیعوا اللّٰه و اطیعوا الرسول و اولو الامر منکم کے صاحب وقت سے علم حکمت' توحید الٰہی' اور معرفت حق کو خدمت گزاری و متابعت سے حاصل کرو۔ مطیع الکامل حبیبی۔

Marfat.com

انوارالفرید
المعروف بہ تاریخ فریدی

تبصرہ

پچھلے آٹھ برسوں میں حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی زندگی، شخصیت، تعلیمات اور ملفوظات کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ صوفیہ دارالاشاعت اردو منزل پاک پتن سے شائع ہونیوالی کتاب ''انوار الفریدالمعروف تاریخ فریدی'' کے مصنف سید مسلم نظامی دہلوی ہیں۔ انہوں نے کتاب کے آغاز میں اسے حضرت بابا فرید الدینؒ کے مکمل اور مستند حالات زندگی کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ یہ کتاب تقریباً 454 صفحات پر مشتمل ہے۔ روایت کے مطابق کتاب کے سرورق پر یا کسی دوسری جگہ اس کی تاریخ اشاعت درج نہیں تاہم کتاب کے دیباچہ میں ایک جگہ حاشیہ کے نوٹ پر 11 ذی الحجہ 1936ء یوم جمعرات اور دیباچہ کے آخر میں اپریل 1965ء تاریخ درج ہے۔ اسی دیباچہ میں مصنف نے 1959ء میں شائع ہونیوالی ایک کتاب کا بھی حوالہ دیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہرحال ''انوارالفرید'' 1959ء کے بعد اور غالباً 1965ء میں ہی شائع کی گئی ہے جبکہ اس کا سن تحریر کافی پہلے کا دکھائی دیتا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ کتاب کی ابتداء میں اس کے بارے میں عصر حاضر کے بعض علماء اور صوفیاء کی آرا درج کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک رائے حضرت شہیداللہ فریدی کی ہے، جس کے ساتھ ہی ان کے دستخط کی تاریخ 17 شعبان 1385ھ درج ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب کا مسودہ اس کی اشاعت سے تقریباً نو برس پہلے تیار ہو چکا تھا۔

سید مسلم نظامی نے ''انوارالفرید المعروف تاریخ فریدی'' کو مکمل و مستند قرار دیا ہے۔ انہوں نے واقعی اس کتاب کی ترتیب میں بڑی محنت سے کام لیا ہے اور ستاسی ایسی کتابوں کا حوالہ دیا ہے، جن سے انہوں نے اپنی کتاب کی تصنیف کیلئے استفادہ کیا ہے۔ ان کتابوں کا تذکرہ آگے چل کر آئے گا تاہم ''انوارالفرید'' میں درج مختلف واقعات اور بیانات لکھتے وقت سید مسلم نظامی بھی اپنے بعض پیش روؤں کی طرح جوش عقیدت سے مغلوب نظر آتے ہیں اور وہ عقیدت کے پُرجوش اظہار میں غیر محتاط رویہ بھی اختیار کر جاتے ہیں۔ کتاب کے صفحہ 380 پر وہ لکھتے ہیں کہ ''اصل چیز صحیح عقیدہ ہے۔ جس طرح مومن صحیح عقیدہ کے سبب گناہ سے کافر نہیں ہوجاتا اسی طرح مرید درست اعتقاد رکھے گا تو لغزش سے مرتد نہیں ہوگا۔'' اس بیان کے بعد مسلم نظامی نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے ایک بیان کے حوالے سے مثال دی ہے ایک بار حضرت شیخ شبلی نے کلمہ طیبہ میں آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی جگہ اپنا نام داخل کر دیا اور مرید کو یہ تحریف شدہ کلمہ پڑھنے کو کہا۔ مرید نے حکم کی پیروی کی اور یہ نیا کلمہ پڑھ دیا۔ اس پر شیخ شبلی نے اس مرید کی عقیدت پر اظہار تحسین کیا اور کہا کہ میں تو صرف تیرے اعتقاد کا امتحان کر رہا تھا۔ یہ بات اتنی بڑی جسارت کی حیثیت رکھتی ہے، مسلم

Marfat.com

نظامی نے اسے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا بیان کہہ کر خود کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے مگر اس سے خود یہ بات مشتبہ ہو جاتی ہے کہ حضرت نظام الدینؒ کا زمانہ آٹھ سو برس پہلے کا ہے۔ خود مسلم نظامی نے آٹھ سو برس پہلے لکھی ہوئی حضرت بدرالدین اسحاق کی مرتب کردہ کتاب ''اسرار الاولیاء'' کو حضرت سید گیسودراز حسینی کی زبانی ''بہتان'' قرار دیا ہے (صفحہ ۲۰)۔ جبکہ حضرت بدرالدین اسحاق حضرت بابا فرید الدین مسعودؒ کے مرید خاص اور خلیفہ اول ہونے کے ساتھ ان کے داماد بھی تھے اور ''اسرار الاولیاء'' میں کہا جاتا ہے کہ یہ ان ملفوظات پر مبنی ہے جو حضرت بدرالدینؒ نے خود اپنے کانوں سے حضرت بابا فریدؒ کی زبانی سنے اور وہیں پر درج کر کے بعد میں ان کو مجموعہ کی شکل دے دی۔ مسلم نظامی صاحب کے مطابق حضرت بابا فریدؒ کی زندگی اور شخصیت کے بارے میں سب سے معتبر حوالہ ''فوائد الفواد'' کا بنتا ہے۔ یہ کتاب حضرت بابا فریدؒ کے ارشادات اور دوسرے امور کے بارے میں مختلف اوقات میں کہے اور انہیں ان کے مرید خاص حضرت خواجہ امیر حسن علاء سجزی المعروف حسن دہلوی نے نوٹ کئے اور پھر ''فوائد الفواد'' کے نام سے ایک مجموعہ کی شکل دی۔ یہاں پر مسلم نظامی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی ایک فارسی تحریر کا حوالہ بھی دیتے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''فوائد الفواد'' نہایت معتبر ہے اور دستور العمل ہے مگر دوسرے ملفوظات مشتبہ ہیں اور غالباً ان حضرات کے نہیں ہیں۔

گویا حضرت شاہ عبدالعزیزؒ جیسے بڑے اور معتبر عالم دین نے بھی بعض ملفوظات کو مشتبہ قرار دیا ہے۔ اس طرح ایک مسئلہ یہ پیدا ہو گیا ہے کہ پچھلے آٹھ سو برسوں سے لے کر اب تک شائع ہونے والی بہت سی کتابوں میں سے اصل اور صحیح حقائق کیسے دریافت کئے جائیں، ظاہر ہے کہ یہ نہایت مشکل کام ہے۔ ان کتابوں کی فہرست آگے چل کر دی جا رہی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیشتر کتابیں عصر حاضر میں تحریر ہوئی ہیں۔ اس صورت میں صرف ایک صورت باقی رہ جاتی ہے کہ صرف ان کتابوں کو حوالہ کے طور پر لیا جائے جو حضرت بابا فریدؒ کی صحبت میں موجود حضرات نے آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی کے حوالے سے تحریر کی ہیں۔ اس میں بھی اشتباہ کی ایک گنجائش اس طرح نکل آتی ہے کہ خود مسلم نظامی صاحب اپنی کتاب ''انوار الفرید'' کے صفحہ ۱۹ پر لکھتے ہیں کہ مخدوم نصیر الدین چراغ دہلوی کے ملفوظات پر مبنی مجموعہ ''خیر المجالس'' کے صفحہ ۵۲ پر درج ہے کہ جو مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت آج کل فروخت ہو رہا ہے۔ یہ ان بزرگوں کا لکھا ہوا نہیں ہے۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ ایک روز مخدوم چراغ دہلویؒ سے کسی نے سوال کیا کہ ''میں نے حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ملفوظات میں یہ بات پڑھی ہے۔ کیا یہ درست ہے؟'' اس پر حضرت مخدوم صاحب نے فرمایا کہ ''لفظ ہارونی نہیں ہرونی ہے'' پھر فرمایا کہ ''یہ ملفوظات ان کے لکھے ہوئے نہیں ہیں'' ''یہ مجموعہ میں نے بھی دیکھا ہے۔ اس میں بہت سے الفاظ ان کے مناسب احوال نہیں ہیں۔ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے مسلم نظامی تحریر کرتے ہیں کہ ملفوظات خواجگان چشتی کی بعض روایات کو تاریخ بھی رد کرتی ہے مثلاً یہ کہ اس مجموعہ میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے منسوب ملفوظات ''فوائد السالکین'' میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ کی بیت اللہ شریف میں ملاقات حضرت ابوبکر شبلی سے ہوئی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شبلی کا ڈھائی سو برس پہلے انتقال ہو چکا تھا۔

سید مسلم نظامی نے اپنی کتاب کی ستائش کے بارے میں غیر ضروری طور پر متعدد علماء، سجادہ نشین حضرات اور بعض پروفیسر حضرات کی آرا درج کی ہیں۔ ان میں اس کتاب کو حضرت بابا فریدؒ کی شخصیت اور حالات زندگی کے بارے

Marfat.com

میں مستند ترین کتاب قرار دیا گیا ہے۔ حضرت بابا فریدؒ کی درگاہ کے سجادہ نشین دیوان غلام قطب الدین چشتی کے بقول ''انوار الفرید'' سے زیادہ جامع، محقق، مفید اور معتبر کتاب حضرت بابا صاحبؒ کے حالات میں آج تک کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی۔''

اس کتاب پر مزید کچھ لکھنے سے پہلے ایک بات ذہن کو کھٹکتی ہے، وہ یہ کہ سید مسلم نظامی نے کتاب کی ابتداء میں خود کو خواہرزادہ حضرت محبوب الٰہی لکھا ہے۔ یہ الفاظ آگے چل کر بھی استعمال ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ خواہرزادہ بھانجے کو کہا جاتا ہے۔ یوں سید مسلم نظامی خواجہ محبوب الٰہی کے بھانجے قرار پاتے ہیں۔ اسی ضمن میں خواجہ غلام حسین نے سید مسلم نظامی کو حضرت شیخ العالم بابا صاحبؒ کا نواسہ لکھا ہے۔ ان باتوں سے ایک ابہام پیدا ہوتا ہے کہ..... محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاؒ کو کہا جاتا ہے، شیخ العالم کی اصطلاح بھی انہی کیلئے استعمال کی جاتی ہے جبکہ حضرت بابا فریدؒ کی ذات گرامی کیلئے قطب العالم، قطب الاقطاب اور شیخ الاسلام کی اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ سید مسلم نظامی نے خواہرزادہ حضرت محبوب الٰہی کے الفاظ کسی اور شخصیت کے بارے میں درج کیے ہوں۔ بصورت دیگر خود کو آٹھ سو برس پہلے کی شخصیت کا بھانجا قرار دینا ناقابل فہم بات ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بات علامتی طور پر لکھی گئی ہو مگر ٹھوس علمی و تاریخی تحقیق کے دعوے کے ساتھ اس قسم کی بات کو ذہن قبول نہیں کر پاتا اور اس کے باعث بعض دوسرے حقائق بھی ابہام اور اوہام کے شکار ہو جاتے ہیں۔

جہاں تک کتاب ''انوار الفرید'' کے مواد اور اس میں درج واقعات کا تعلق ہے بلاشبہ اس کی تصنیف و تالیف میں بہت محنت سے کام لیا گیا ہے۔ ۴۶۴ صفحات کی اس کتاب کو ۱۸۳ موضوعات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ سید مسلم نظامی نے جن دوسری کتابوں سے استفادہ کیا ہے، ان کی تعداد ۸۷ بیان کی گئی ہے۔ ان میں فوائد الفواد، تاریخ فرشتہ، تاریخ فیروز شاہی، سفرنامہ ابن بطوطہ، آئین اکبری، کشف المحجوب اور دوسری بہت سی مشہور کتابیں شامل ہیں، جن کے لکھنے والوں میں بہت سے معروف بزرگان کرام، محدثین، مورخین اور علمائے کرام کے نام شامل ہیں۔ سید مسلم نظامی نے ایک سے زیادہ بار اس بات پر زور دیا ہے کہ انہوں نے مختلف روایات اور واقعات کی بڑی احتیاط سے چھان پھٹک کی ہے اور جو باتیں بالکل صحیح معلوم ہوئیں صرف انہیں درج کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سید مسلم نظامی نے یہ کتاب آٹھ سو برس پرانے واقعات و روایات کے بارے میں تحریر کی ہے۔ وہ ان میں سے کسی بات کے چشم دید راوی نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنی تحریر میں مختلف مقامات پر مختلف واقعات یا شواہد کے بارے میں ان کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں، جن سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔ تاہم جیسا کہ پہلے درج کیا جا چکا ہے کہ ''جوش عقیدت'' کی ستائش کے ساتھ وہ خود بھی کہیں کہیں اس جوش کی نذر ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کتاب کے صفحہ ۳۸۱ پر یہ بیان کہ پیر آواز دے تو مرید کو نماز توڑ کر پیر کی بات کا جواب دینا چاہیے۔ پھر یہ بات کہ پیر کا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان جیسا ہوتا ہے۔ اس بات کا یہاں اندراج بھی ایک نامناسب جسارت ہے مگر ''انوار الفرید'' میں تو ایسی باتیں کہیں زیادہ کھل کر اور تائید و حمایت کے ساتھ درج کی گئی ہیں۔

''انوار الفرید'' میں دوسری کتابوں کی طرح حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی شخصیت اور حالات زندگی کے بارے میں بہت سی تفصیلات دی گئی ہیں۔ حضرت بابا صاحبؒ کی اولاد، خلفا، رشتہ داروں اور مصاحبین کے علاوہ بہت سے دوسرے

Marfat.com

اکابرین دین کے سوانح حیات بھی دیئے گئے ہیں۔ حضرت بابا صاحبؒ کے خاندان اور روحانی شجرہ ہائے نسب اور دوسری تفصیلات کے علاوہ پاک پتن میں حضرت بابا فریدالدینؒ گنج شکرؒ کے سالانہ عرس کی دلچسپ تفصیلات اور ان کا پس منظر بھی بیان کیا گیا ہے۔ یوں یہ کتاب اچھی خاصی معلومات بھی فراہم کرتی ہے۔

حضرت بابا فریدؒ کے سوانح حیات اور ملفوظات کے بارے میں سید مسلم نظامی نے اپنی کتاب ''انوار فرید'' کی ابتداء میں ان کتابوں کے نام درج کئے ہیں جن سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔ ان کتابوں کے نام یہ ہیں:

1- ''فوائد الفواد'' ملفوظات حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ حضرت خواجہ حسن علاء سجزی مطبوعہ چرنجی لال دہلی

2- ''سیر الاولیاء'' از امیر خورد کرمانی۔ چرنجی لال دہلی

3- ''خیر المجالس'' ملفوظات حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلوی از مولانا حمید قلندر مطبوعہ و تصحیح از خلیق احمد نظامی

4- ''جوامع الکلم'' ملفوظات حضرت سید محمد گیسو دراز حسینی مرتبہ حضرت سید محمد اکبر حسینی فرزند شیخ۔ مطبوعہ انتظامی پریس عثمان گنج حیدر آباد

5- ''سیر العارفین'' از مولانا جمالی۔ مطبوعہ دہلی

6- ''اخبار الاخیار'' از شیخ عبدالحق محدث دہلوی فارسی مطبوعہ مجتبائی دہلی 1309ھ

7- ''لطائف اشرفی'' از حضرت مولانا نظام حاجی غریب۔ نصرت المطابع دہلی 1295ھ

8- ''گلزار ابرار'' از محمد غوثی شطاری۔ قلمی نسخہ

9- ''نفحات الانس'' از مولانا عبدالرحمٰن جامی مطبوعہ 1284ھ بمبئی

10- ''مرأۃ الاسرار'' از مولانا عبدالرحمٰن چشتی صابری۔ قلمی نسخہ

11- ''اقتباس الانوار'' از مولانا محمد اکرم چشتی صابری۔ مطبوعہ مملوکہ حکیم محمد انور بابری صاحب

12- ''مطلوب الطالبین'' از مولانا محمد بلاق صاحب۔ قلمی نسخہ

13- ''انوار العیون'' حالات و ملفوظات حضرت شیخ عبدالحق ردولوی از حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی۔ قلمی نسخہ

14- ''بحر المعانی'' از سید محمد بن جعفر مکی الحسینی۔ قلمی نسخہ

15- ''اصول السماع'' حضر مولانا فخر الدین زرادی مطبوعہ 1311ھ

16- ''احسن الاقوال'' ملفوظات شیخ برہان الدین غریب از خواجہ عماد الدین حماد کاشانی۔ قلمی نسخہ

17- ''جواہر فریدی'' قلمی نسخہ مملوکہ حضرت خواجہ علی محمد شاہ چشتی

18- ''تاریخ فرشتہ'' از ملا ابو القاسم فرشتہ۔ مطبوعہ نول کشور

19- ''تاریخ فیروز شاہی'' از مولانا ضیاء الدین برنی

20- ''تاریخ'' از مولانا شمس سراج عفیف

Marfat.com

21- ''تذکرۃ الاولیاء'' خواجہ فرید الدین عطار
22- ''خزینۃ الاصفیا'' از مولانا غلام سرور لاہوری۔ مطبوعہ لکھنؤ 1872ء
23- ''سبع سنابل'' از میر عبدالواحد بلگرامی۔ نظامی پریس کانپور
24- ''سفینۃ الاولیاء'' از مرزا دارا شکوہ
25- ''سیر الاقطاب'' اللہ دیا چشتی مطبوعہ نول کشور
26- ''شجرۃ الانوار'' از مولانا رحیم بخش۔ قلمی نسخہ
27- ''طبقات ناصری'' از منہاج السراج جرجانی۔
28- ''عجائب الاسفار'' سفر نامہ ابن بطوطہ۔ مطبوعہ دہلی
29- ''عشرہ کاملہ'' از شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی۔ مطبوعہ دہلی
30- ''کتاب اللمع'' از شیخ ابونصر سراج۔ گب میموریل
31- ''طبقات الصوفیہ'' مملوکہ حضرت میاں صاحب قبلہ،
32- ''کتاب اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید'' مطبوعہ تہران
33- ''لطائف قدوسی'' ملفوظات وحالات حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، از شیخ رکن الدین۔ مطبع مجتبائی دہلی
34- ملفوظات شاہ عبدالعزیز محدث۔ دہلی
35- ''الرسائل القشیریہ'' از امام قشیریؒ
36- فیصلہ ہفت مسئلہ
37- ''مکتوبات حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری'' مطبوبہ نول کشور 1898ء
38- ''معارج الولایت'' از غلام معین الدین خویشگی۔ قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور
39- ''سیادت فریدی'' از مولوی رئیس احمد امروہوی
40- ''تذکرہ اولیا ہند'' از مرزا محمد اختر۔ مطبوعہ دہلی
41- ''نظامی بنسری'' از حضرت خواجہ حسن نظامیؒ
42- ''آئین اکبری'' از ابوالفضل
43- ''واقعات دار الحکومت دہلی'' از مولوی بشیر الدین صاحب
44- ''کتاب التعرف لمذہب اہل التصوف'' از حضرت ابوبکر کلاباذی
45- ''تذکرۃ الانساب''
46- ''القول الجمیل'' از حضرت شاہ ولی اللہ
47- ''کشف المحجوب'' از حضرت داتا گنج بخشؒ
48- ''عوارف المعارف'' از حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ

49- ''المنقذ من الضلال'' ازحضرت امام غزالی۔ مطبوعہ مشہور عالم پریس لاہور
50- ''قوت القلوب'' ازحضرت ابوطالب مکی
51- ''لائف اینڈ ٹائمنر آف حضرت بابافریدالدین'' ازپروفیسر خلیق احمد نظامی
52- ''تاریخ مشائخ چشت'' ازخلیق احمد نظامی
53- ''مصباح العاشقین'' ملفوظات حضرت مخدوم چراغ دہلوی ازحضرت محب اللہ شاہ چشتی
54- ''حقیقت گلزار صابری'' ازجناب پیرمحمد حسن صاحب صابری رامپوری
55- ''تذکرہ قلندریہ''
56- ''درر نظامی'' ازمولانا چاندار شاہ
57- ''آداب المریدین'' ازحضرت سید محمد گیسودراز
58- ''آداب الطالبین'' ازحضرت محمد شاہ چشتی
59- ''تربیت العشاق''
60- ''گزیٹیر منٹگمری''
61- ''پنجاب میں اردو''
62- ''بزم صوفیہ'' ازمولانا عبدالرحمٰن
63- ''کتاب الامتاع'' ازحضرت کمال الدین جعفر تغلب تغلبی۔ مطبوعہ حقانی پریس دہلی
64- ''نسب نامہ رسول مقبول'' ازحضرت حافظ محمد ابوسعید خاں۔ مطبوعہ لکھنؤ 1289ھ
65- ''عشقیہ'' ازحضرت قاضی حمیدالدین ناگوری۔ مطبع قیصریہ دہلی 1332ھ
66- ''رسالہ فریدیہ بہشتیہ'' ازقاضی شیر محمد صاحب چشتی، حنفی پاکپتنی۔ 1300ھ مطبع قادری
67- ''اعلام الہدیٰ وعقیدہ ارباب التقیٰ'' ازحضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی۔ طبع قیصری دہلی
68- ''ارشاد مرشد'' ازحضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی۔ مطبع نظامی 1294ھ
69- ''فضل الخلاب'' ازخواجہ محمد پارساؒ انتباہ ازشاہ ولی اللہ محدث دہلوی
70- ''رفیق العارفین'' قلمی ملفوظات حضرت حسام الدین مانکپوری
71- ''حجتہ العارفین'' ازحضرت مجتبیٰ عرف مجا قلندر لاہرپوری
72- ''مونس الارواح'' ازشہزادی جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں بادشاہ۔ قلمی نسخہ
73- مجموعہ ملفوظات چشت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
74- ''افضل الفوائد'' ملفوظات حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ از سلطان الشعرا خواجہ امیر خسرو دہلوی
75- ''پنجابی صوفی شعرا'' ازمسز جے این مدن

76- ''آب کوثر'' از جناب شیخ محمد اکرام

77- ''عروۃ الوثقیٰ'' از جناب محی الدین وامق بلگرامی۔ قلمی نسخہ

78- ''تصوف اسلام'' از رئیس احمد جعفری

مگر جہاں تک حضرت بابا صاحبؒ کے حالات زندگی کا تعلق ہے۔ میں نے اول الذکر سات آٹھ قدیم اور مستند کتابوں پر اپنی اس کتاب کی بنیاد رکھی ہے۔ موجودہ دور کی کتابوں میں ''تاریخ مشائخ چشت'' اور ''لائف اینڈ ٹائمز آف بابا فرید گنج شکرؒ'' بھی ان بنیادی کتابوں میں شامل ہیں۔

''فوائد الفواد'' (ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نوشتہ خواجہ امیر حسن سجزی المعروف بہ حسن دہلویؒ۔)

حضرت حسنؒ ایک فوجی تھے۔ دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں امیر خسروؒ کے ساتھ آئے تھے اور بالآخر مرید ہو گئے۔ انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ آپ کی زبان مبارک سے جو کلمات سنوں گا ان کو تحریر کر لیا کروں گا۔ چنانچہ جب وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور حضرت اس وقت جو کچھ ارشاد فرماتے تو وہ لکھ لیا کرتے۔ یہ 707ھ سے 722ھ تک کے ملفوظات ہیں۔ اس کا نام ''فوائد الفواد'' ہے۔ آپ جو کچھ لکھتے اس کو وقتاً فوقتاً حضرت خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کرتے رہتے تھے اور حضرت از راہ نوازش اس کو پڑھتے، مناسب ہوتا تو اصلاح دیتے اور بطور تحسین فرماتے ''حسن اچھا لکھا ہے، درویشانہ لکھا ہے۔'' کبھی خالی جگہ دیکھ کر پوچھتے تو حضرت حسن عرض کرتے مجھے مخدوم کے الفاظ صحیح یاد نہیں رہے تھے اس لئے یہ جگہ چھوڑ دی ہے کہ پوچھ کر لکھوں گا۔ حضرت یہ سن کر از راہ مہربانی ان مقاموں کو اپنے قلم سے پُر فرما دیتے۔

اہل علم و تحقیق کے نزدیک یہ کتاب نہایت معتبر ہے اور اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں حضرت حسنؒ نے اکثر الفاظ اور جملے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی زبان سے جوں کے توں نقل کئے ہیں۔ طوطی ہند حضرت امیر خسروؒ نے بڑی حسرت کے ساتھ کہا تھا۔ کاش میری تمام تصنیف (جو دو سو کے قریب ہیں) حسن کے نام ہوتیں اور صرف ''فوائد الفواد'' میرے نام ہوتی۔ ''کاش کہ تمام تصنیفات من بنام حسن بودے و ایں کتاب۔'' امیر خورد کرمانی نے لکھا ہے کہ ''امروز فوائد الفواد مقبول اہل دلان عالم شدہ است و دستور عاشقاں گشتہ و شرق و غرب عالم گرفتہ'' یعنی آج کل ''فوائد الفواد'' تمام عالم کے صاحب دل حضرات میں مقبول ہے اور عاشقوں کا دستور ہے، شرق و غرب میں مشہور ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں ''آں کتاب درمیان خلفا و مریدان شیخ نظام الدین اولیاءؒ، دستور است، الحق آں ملفوظ جامع الحقائق اسرار و حاوی دقائق انوار نامتناہی است۔'' شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ ''فوائد الفوائد دستور العمل سلوک است و بہ غایت خوب ہر چند امیر خسرو'' ہم ملفوظ جمع کردہ لیکن آں قدر مقبول ہمیت'' پھر صفحہ 81 پر تحریر کرتے ہیں کہ ''کتاب فوائد الفواد نہایت معتبر است و آں وقت دستور العمل بود مگر دیگر ملفوظات مشتبہ است غالب کہ نہ باشد'' یہی وجہ ہے کہ چشتیہ نظامی سلسلے کے اکثر صاحبان ارشاد و تلقین، تلاوت قرآن پاک اور اوراد و وظائف کے بعد روزانہ اس کتاب کے چند اوراق پڑھتے ہیں۔

''سیر الاولیاء'': یہ کتاب آٹھویں صدی ہجری کے آخری نصف میں حضرت امیر خورد کرمانیؒ نے لکھی ہے۔

Marfat.com

مصنف اوران کے والد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مرید تھے اور دادا حضرت بابا صاحبؒ کے مریدان خاص میں سے تھے۔ اوران کا نام سید محمد کرمانی تھا۔ انہوں نے اٹھارہ سال اجودھن (پاک پتن) رہ کر جناب بابا صاحبؒ سے فیض حاصل کیا تھا۔ ''سیر الاولیاء'' کے راویوں میں ان کے باپ چچا اور دادا کے علاوہ مشہور مورخ ضیاء الدین برنی، امیر خسروؒ، مخدوم الدین چراغ دہلوی اور حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیا شامل ہیں۔ کتاب کے متعلق اہل علم کی رائے ہے کہ یہ نہایت معتبر ہے اور ''کشف المحجوب'' اور ''سرور الصدور'' کے بعد تصوف کی قدیم اور مستند کتاب مانی جاتی ہے۔ چشتیہ سلسلے کی تو گویا ایک پوری انسائیکلوپیڈیا ہے۔

''خیر المجالس'' حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی کے ملفوظات ہیں، جن کو مولانا حمید قلندرؒ نے آپ سے سن کر جمع کیا ہے۔ مولانا حمیدؒ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مرید تھے۔ حضرت کے وصال کے بعد آپ کے خلیفہ و جانشین حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی صحبت میں رہے اور سلوک کی تکمیل کی۔ کتاب نہایت مؤثر اور معلومات افزا ہے۔ جگہ جگہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کی تفسیر و تشریح کی ہے۔ مولانا حمید نے اس کتاب میں حضرت بابا صاحبؒ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ حضرت مخدوم صاحبؒ نے اپنے شیخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ اس کتاب کو پڑھتے وقت بعض جگہ تو بے اختیار آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ مخدوم صاحب نے 757ھ میں وصال فرمایا۔

اس کتاب کے ص 52 سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت آج کل فروخت ہو رہا ہے یہ ان بزرگان کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ ایک دن حضرت مخدوم چراغ دہلویؒ سے کسی نے سوال کیا کہ ''حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ملفوظات میں میں نے یہ بات پڑھی ہے...... کیا یہ درست ہے؟'' حضرت مخدوم نے فرمایا ''لفظ ہارونی نہیں ہرونی ہے۔'' پھر فرمایا یہ ملفوظات ان کے لکھے ہوئے نہیں ہیں اور یہ مجموعہ میں نے بھی دیکھا ہے۔ اس میں بہت سے الفاظ ان کے مناسب احوال نہیں ہیں۔ پھر فرمایا میرے شیخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے خود فرمایا ہے کہ ''میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی اور شیخ الاسلام حضرت بابا صاحبؒ اور شیخ الاسلام حضرت خواجہ قطب صاحبؒ اور دوسرے خواجگانؒ نے جو ہمارے شجرہ میں ہیں، کسی نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔''

مجموعہ ملفوظات خواجگان چشت میں جو ''پنج گنج'' اور ''ہشت بہشت'' کے نام سے موجود ہیں، یہ کتابیں شامل ہیں (1) انیس الارواح، ملفوظات حضرت خواجہ عثمان ہارونی (2) دلیل العارفین ملفوظات حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (3) فوائد السالکین ملفوظات حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ (4) راحت القلوب ملفوظات حضرت بابا صاحبؒ (5) اسرار الاولیا ملفوظات حضرت بابا صاحبؒ (6) راحت المحبین ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ، (7) مصباح العاشقین ملفوظات حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ۔ ان کی بعض روایات کو تاریخ بھی رد کرتی ہے مثلاً ''فوائد السالکین'' میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ بیت اللہ گئے اور وہاں ان کی ملاقات حضرت ابو بکر شبلیؒ سے ہوئی حالانکہ حضرت شبلی کا انتقال ان حضرات سے تقریباً ڈھائی سو سال قبل ہو چکا تھا۔

اور ملاحظہ کیجئے کہ 661ھ میں ہونے والا واقعہ 655ھ میں بیان کیا گیا ہے یعنی ''راحت القلوب'' ص 28 پر حضرت بابا صاحبؒ کی زبانی حضرت غوث بہاء الحق کے انتقال 655ھ میں لکھ رہا ہے حالانکہ آپ کا انتقال 655ھ کے کئی

سال بعد ہوا۔اس طرح کی کئی باتیں اس مجموعہ میں موجود ہیں۔

''اسرار الاولیاء'' کے متعلق سید محمد گیسودراز حسینیؒ نے فرمایا کہ میں نے اجودھن میں حضرت بابا صاحبؒ کا ایک مجموعہ ملفوظات دیکھا ہے جو مولانا سید بدرالدین اسحاق کا تحریر کردہ بتایا جاتا ہے لیکن ''ایں سربسر بہمہ افزااست'' (یہ سب بہتان ہے۔) اس مجموعہ ملفوظات کے متعلق سندالمحدثین جناب شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ ''فوائد الفوائد'' نہایت معتبر ہے اور دستور چشتیہ ہے مگر دیگر ملفوظات مشتبہ ہیں بلکہ اغلب ہے کہ ان حضرات کے نہیں ہیں۔

جوامع الکلم: سید محمد گیسودراز حسینی (گلبرگہ) کے ملفوظات ہیں جو ان کے صاحبزادے نے جمع کیے ہیں۔ چشتیہ سلسلہ یں آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے بڑی کثرت کے ساتھ تصوف پر رسائل اور کتابیں تصنیف کیں۔آپ جید علمائے صوفیہ سے ہیں اور مخدوم نصیرالدین چراغ دہلیؒ کے خلیفہ ہیں۔حضرت بابا صاحبؒ کے متعلق اپنے پیرومرشد سے روایت بیان کرتے ہیں۔یہ کتاب نویں صدی ہجری کی تصنیف ہے اور بہت معتبر ہے۔

سیر العارفین: مولانا حامد بن فضل اللہ جمالیؒ کی تصنیف ہے۔آپ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید ہیں۔فاضل اجل اور صاحب باطن بزرگ تھے،عمدہ شاعر بھی تھے۔آپ نے اکثر ممالک کی سیاحت کی تھی۔خود لکھتے ہیں کہ میں نے مکہ معظمہ،مدینہ منورہ،یمن،بیت المقدس،روم،شام،عراق،آذربائیجان،گیلان،ماژندران،خراسان وغیرہ کی سیاحت کی ہے۔دوران سیاحت ان کی ملاقات مولانا عبدالرحمٰن جامی،ملا حسین واعظ کاشفی،ملا جلال الدین محمد دوانی سے ہوئی تھی۔ان کا یہ شعر بہت مقبول و مشہور ہے:

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات
تو عین ذات ی نگری و در تبسمی

آپ ثقہ اور معتبر مصنف ہیں۔حضرت شیخ محدث دہلویؒ نے بھی ان کے متعلق اچھے الفاظ لکھے ہیں۔اگرچہ خود سہروردی ہیں مگر حق نویسی کا یہ عالم ہے کہ چشتیوں کی تعریف ان کے حسب مراتب کی ہے۔ان کی یہ تصنیف بارہویں صدیں ہجری کی ہے۔

اخبار الاخیار: حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلیؒ کی تصنیف ہے۔خود حضرت محدث صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔آپ کا بیان بہت محتاط اور محدثانہ ہے۔لچر اور فضول روایات کو درج نہیں کرتے۔آپ نے یہ کتاب 999 ہجری میں تمام کی۔

لطائف اشرفی: حضرت مولانا نظام حاجی غریب یمنیؒ کی تصنیف ہے۔جس میں انہوں نے اپنے شیخ قدوۃ الکبریٰ سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھویؒ کے حالات و ملفوظات جمع کیے ہیں۔حاجی صاحب موصوف نے تیس سال حضرت کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہے۔بزرگان صوفیہ کے حالات اور ملفوظات کے ساتھ مسائل تصوف پر گراں مایہ خیالات کا اظہار اور بیش بہا معلومات فراہم کی ہیں۔حضرت قدوۃ الکبریٰ اشرف جہانگیر مرید و خلیفہ تھے۔حضرت علاؤ الدین بنگالیؒ کے اور آپ مرید و خلیفہ جانشین تھے۔حضرت عثمان اخی سراج آئینہ اور حضرت اخی سراج مرید و خلیفہ تھے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے۔حضرت سید اشرف جہانگیر کے پیر بھائی نور قطب عالم پنڈوی

Marfat.com

ہوئے ہیں۔ حضرت سید اشرف نے 808ھ میں وصال فرمایا۔ علمائے صوفیا کے نزدیک کتاب ''لطائف اشرفی'' بے حد مفید اور معتبر ہے مگر افسوس مطبوعہ کتب میں کتابت کی بہت غلطیاں ہیں۔

''تاریخ مشائخ چشت'' اور ''لائف اینڈ ٹائمز آف حضرت بابا فرید گنج شکرؒ'' دونوں علمی کتابیں، پروفیسر خلیق احمد نظامی کی تاریخی معلومات کا ذخیرہ ہیں۔ نظامیؒ صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تاریخ کے پروفیسر ہیں مگر مجھے تو وہ خود تصوف کی یونیورسٹی معلوم ہوتے ہیں۔ آنے والی نسلیں جب صوفیا کی تاریخی ریسرچ کریں گی اور تذکرے مرتب ہوں گے تو کوئی مورخ ان کا ذکر کیے بغیر آگے نہ جا سکے گا۔ وہ نسبتاً فریدی ہیں اور صوفیائے چشت پر جتنا تحریری کام یہ کر رہے ہیں، اس کی مثال نہیں ملتی۔ میں ان سطور کے ذریعے ان کو بابا صاحبؒ کی عظیم صلبی اولاد کے تذکرے میں شامل کر رہا ہوں۔

حضرت سیدنا مرشد نا خواجہ غلام حسنین چشتی سلیمانی مدظلہ تعالیٰ پھلواری شریف ضلع پٹنہ بھارت میں خانقاہ سلیمانیہ کے سجادہ نشین ہیں۔ عظیم باپ (حضرت شاہ سلیمانؒ) کے عظیم فرزند ہیں۔ علم و فضل میں یکتا تحریر و تقریر میں بے مثال اور سنت و سیرت میں پران عظام کا بے نظیر نمونہ ہیں۔ آپ حضرت بابا صاحب کی روحانی اولاد بھی ہیں اور صلبی بھی۔

مندرجہ بالا حوالوں کے علاوہ جن کتابوں کا تذکرہ اس کتاب میں کیا گیا ہے، وہ بھی قاری کے پیش نظر رہنی چاہئیں۔ چند برسوں سے پاکستان کے اخبارات ہر سال 5 محرم کے نزدیک بابا صاحب پر مضامین شائع کرتے ہیں۔ ان کی فہرست پنجاب پبلک لائبریری سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

مولوی محمد مشتاق احمد

تذکرۂ فریدیہ

بسم اللّٰہ الرحیم الرحیم

الحمد اللّٰہ المنعم المنان الذی خلق الانسان و علمه البیان و الصلوۃ و السلام الاتمان الاکملان علی حبیب الرحمن سید الانس و الجان وعلی آله اصحابه ذوی الهدایة و الا بقان وعلیٰ من تا بعهم من الاولیاء الدین سلکو امسالک الصدق والاحسان وصعد و اعلی مدارج القرب والعرفان۔

امابعد عاجز مسکین مشتاق احمد حنفی چشتی صابری انبٹھوی عرض کرتا ہے کہ حضرت قبلہ راستان وکعبہ خدا پرستان برگزیدہ بارگاہ احد مخدومنا جناب دیوان سید محمد سجادہ نشین بارگاہ عالم پناہ سلطان بحرو بر شیخ الاسلام غوث الانام حضور خواجہ فرید الملۃ والدین گنج شکر رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اس عاجز خادم سے ارشاد فرمایا کہ حضور شیخ الاسلام گنج شکر کے حالات قدسی سماعت ہر چند سلسلہ عالیہ چشتیہ کے نام لیوا اور خدام کہتے چلے آئے ہیں اور بہت کتابوں میں وجود ہیں مگر فارسی زبان میں ہیں اردو میں بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ ناکافی ہیں۔ لہٰذا تم اس خدمت کو بجالاؤ اور مروجہ اردو زبان میں لکھو تا کہ عام اردو خواں اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھائیں اور نسبت خاص پیدا کر کے فیضان اس سرور عارفاں سے بہرہ اندوز ہوں۔ فاقول وباللّٰہ التوفیق و بیدہ ازمة التحقیق۔

''سیر الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ حضور شیخ الاسلام فرید الملۃ والدین گنج شکرؒ کا سلسلہ نسب فرخ شاہ بادشاہ کابل سے ملتا ہے اور فرخ شاہ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے۔ کمافی کتب السیر چنانچہ مصنفین اہل سیر نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حضور شیخ الاسلام فاروقی ہیں لیکن حضور کے اجداد میں حضرت سلطان ابراہیم بن ادہمؒ بھی ہیں یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ حضرت علامہ محقق عارف باللہ مولانا محمد اکرمؒ اپنی مشہور کتاب ''اقتباس الانوار'' کے صفحہ 161 میں لکھتے ہیں۔ ''این فقیر محرر سطور میگوید کہ اتصال صاحب سیر الاقطاب نسب حضرت گنج شکر رابہ سلطان ابراہیم بن ادہم غیر صحیح است چرا کہ بہ ثبوت پیوستہ کہ از اسحاق پسر حضرت عمر فاروقؓ ثابت وصحیح است بے ریب وارتیاب انتہی۔'' خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ صاحب ''سیر الاقطاب'' نے حضور شیخ الاسلام کا نسب شریف جو حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم سے لایا یہ ثابت نہیں ہوا البتہ یہ امر محقق ہے کہ حضور شیخ الاسلام حضرت امیر المومنین عمرؓ کی اولاد میں ہیں۔ ''اقول طبقات کبریٰ'' (صفحہ 59 جلدا) میں امام عبدالوہاب شعرانی نے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو فاروقی نہیں لکھا بلکہ ''من اولاد الملوک'' لکھا

ہے۔عبارت اس کی یہ ہے: كان من كورة بلخ من اولاد الملوك۔

ایسا ہی ''نفحات الانس'' کے صفحہ 28 میں مولانا جامیؒ نے ''از ابناء ملوک'' لکھا ہے۔اگر حضرت ابراہیم بن ادہمؒ حضرت امیر المومنین عمرؓ کی اولاد میں ہوتے تو ان کتابوں میں ''من اولاد الملوک'' ہونے کے علاوہ ''من اولاد امیر المومنین عمرؓ'' میں ہونے کو شرفاً اور فخراً ضرور اظہار کرتے۔

اور ''تقریب التہذیب'' کے صفحہ 11 میں حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کو لکھا ہے کہ بنی عجل سے ہیں اور بعض بنی تمیم بتلاتے ہیں مگر بنی عدی کا احتمال ظاہر نہیں کیا۔اس سے یہی معلوم ہوا کہ فاروقی نہیں ہیں کیونکہ فاروقی بنی عدوی ہیں اور کتاب ''سلسلۃ الاسلام'' میں جسکے مصنف حضرت مولانا غلام حیدر حضور شیخ الاسلام گنج شکر کی اولاد میں سے ہیں حضور شیخ الاسلام کے نسب نامہ میں ابراہیم بن شیخ ناصر نام لکھا ہے' ابراہیم بن ادہم نہیں لکھا ہے یہ کتاب قلمی ہے۔1068ھ ایک ہزار اڑسٹھ میں لکھی گئی ہے۔کتب خانہ نواب صاحب گنجورہ میں موجود ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید بعض مورخین کو اشتباہ اور مغالطہ واقع ہوا۔ابراہیم بن شیخ ناصر کو ابراہیم بن ادہم سمجھ گئے۔راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اثناء تحریر کتاب ہذا میں عزیزم مولوی فضل احمد امروہی نظامی فریدی نے کہ حضور شیخ الاسلام فرید الملۃ والدینؒ کی اولاد امجاد سے ہیں' کتاب مستطاب ''مخزن مناقب چشت'' میرے پاس بھیجی۔یہ کتاب قلمی ہے اور 1037ھ میں لکھی گئی اور اس کے مصنف حضرت مولانا علی اصغر فریدی مصنف ''جواہر فریدی'' وغیرہ نے حضور شیخ الاسلامؒ کی اولاد میں مشہور محقق مورخ گزرے ہیں۔اسی کتاب میں حضور شیخ الاسلامؒ کے نام ایک گرامی نامہ خاص بلدہ چشت شریف کا حضرت خواجہ خواجگان خواجہ مودود چشتیؒ کی اولاد امجاد میں سے خواجہ قطب الدین کا بھیجا ہوا نقل کیا ہے۔

اس گرامی نامہ میں حضور شیخ الاسلام فرید الملۃ والدینؒ کو فاروقی لکھا ہے اور حضور شیخ الاسلامؒ کی حیات شریفہ میں یہ گرامی نامہ آیا تھا۔بس یہ بھی قوی ثبوت حضور شیخ الاسلامؒ کے فاروقی النسب ہونے کا مل گیا۔

الحاصل سیدنا حضور شیخ الاسلام خواجہ فرید الملۃ والدینؒ کے فاروقی النسب ہونے میں محققین مورخین متفق اللفظ خود حضور ممدوح کی اولاد امجاد میں کثرت سے علماء اور صلحا گزرے ہیں جن میں صدہا مصنف ہیں اور دیگر خدام حضور کے سلسلہ عالیہ کے مشرق و مغرب میں موجود ہیں۔ان میں اکثروں نے حضور کے ملفوظات اور کلمات قدسیہ قلم بند کئے ہیں۔ تمام نے بالاتفاق حضور موصوف کا سلسلہ نسب فاروقی ہی بتلایا ہے۔گویا درجہ تواتر تک نوبت پہنچی ہوئی ہے۔تواتر کے خلاف بحث کرنا اور جمہور محققین کی تحقیق کے برعکس قلم اٹھانا جیسا کہ آج کل بعض اہل علم امروہی لکھ پڑھ رہے ہیں اور حضور شیخ الاسلام کا نسب سادات نبی فاطمہ سے ملاتے ہیں' جمہور کے خلاف ہے۔التفات کے قابل نہیں۔والله اعلم و علمه اتم۔

''سیر الاولیاء'' میں ہے کہ چنگیز خان کے فساد کے زمانہ میں حضور شیخ الاسلام کے جد امجد حضرت قاضی شعیبؒ مع تین فرزندوں کے اور دیگر اتباع کے کابل سے ولایت لاہور میں تشریف لے آئے تھے اور قصبہ قصور میں قیام فرمایا تھا۔ وہاں کے قاضی نے کہ آپ کے خاندان عالیشان سے واقف تھا' آپکی خبر گیری اور مہمانداری میں کمی نہیں کی اور بادشاہ وقت کو آپ کا ذکر خیر لکھا۔بادشاہ نے آپکی تعظیم و احترام بجالانے کا حکم صادر کیا اور یہ بھی لکھا کہ جو عہدہ انکی شان کے

Marfat.com

مناسب ہو پیش کریں۔ حضرت مولانا شعیب نے کسی عہدہ بادشاہی پر مامور ہونے سے انکار کیا لیکن پھر بھی قصبہ کھاتول کی قضاۃ جو ملتان سے نزدیک ہے، حکم شاہی سے آپ کے سپرد کر دی گئی۔ آپ کو منظور کرنا پڑا۔ وہیں قیام فرمایا۔

''جواہر فریدی'' صفحہ 183 میں ''سیر الاولیاء'' سے نقل کیا ہے کہ حضور شیخ الاسلام خواجہ فرید الملۃ والدینؒ کے والد ماجد حضرت خواجہ جمال الدین سلیمانؒ کا نکاح حضرت مولانا وجیہہ الدین عباسیؒ کی دختر نیک اختر سے ہوا تھا۔ یہ بی بی صاحبہ اپنے زمانہ کی رابعہ صاحب کشف وکرامت تھیں۔ ان کے بطن شریف سے تین پسر اور ایک دختر پیدا ہوئیں۔ اول صاحبزادہ خواجہ اعزالدین، دوم حضور شیخ الاسلام فرید الملۃ والدین، سوم حضرت خواجہ نجیب الدین متوکل اور صاحبزادی خاتون جمیلہ تھیں۔ جن سے حضور شیخ الاسلام کے خواہرزادہ سید الطائفہ الصابر یہ حضور مخدوم علاء الملۃ والدین صابر کلیریؒ پیدا ہوئے۔ موافق روایت ''جواہر فریدی'' حضور شیخ الاسلام کی پیدائش غرہ رمضان المبارک 579ھ پانچ سو اناسی ہجری میں ہوئی اور ''خزینۃ الاصفیاء'' میں حضور شیخ الاسلام کا 582 ولادت پانچ سو بیاسی نقل کیا ہے۔ اتفاقاً ابر کے سبب اس دن رمضان کا چاند نظر نہ آیا تھا۔ آدمیوں میں بابت رویت اختلاف پیدا ہو رہا تھا۔ کوئی کہتا تھا کہ آج روزہ ہے کوئی انکار کرتا تھا۔ اسی اثناء میں چند آدمی جمع ہو کر حضرت خواجہ جمال الدین سلیمانؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے متعلق دریافت کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ اسی جلسہ میں ایک صاحب اولیاء اللہ میں سے موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت خواجہ جمال الدین سلیمان کے گھر آج فرزند ارجمند پیدا ہوا ہے اگر اس نے مادر کا دودھ نہیں پیا تو سمجھو کہ آج روزہ ہے اور اگر دودھ پی لیا تو روزہ نہیں ہوا۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام کی والدہ ماجدہ سے دریافت کیا تو یہ جواب ملا کہ صبح سے اس بچہ نے دودھ نہیں پیا۔ اس امر کے معلوم ہونے پر حسب ارشاد ان بزرگ ولی اللہ کے تمام نے روزہ رکھا۔ اسکے بعد ایندگان دیگر دیار و بلدان سے بھی ثابت ہو گیا کہ چاند ہوا تھا اور رمضان شریف کا پہلا روزہ تھا۔

''اسرار السالکین'' سے ''اقتباس الانوار'' میں صفحہ 192 میں نقل کیا ہے کہ تمام رمضان المبارک میں پیدا ہونے کے بعد حضور شیخ الاسلام نے روزے رکھے۔ ایک پستان سے افطار کے وقت دودھ پیتے اور سحری کے وقت دوسرے پستان سے نوش فرماتے۔ تمام ماہ مبارک رمضان میں یہی حال رہا کہ حضور شیخ الاسلام کا روزہ قضا نہیں ہوا۔

کرامت حضرت والدہ ماجدہ شیخ الاسلام

''جواہر فریدی'' صفحہ 284 میں بروایت حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخؒ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور شیخ الاسلام کی والدہ ماجدہ رات کے وقت نماز تہجد اور عبادت میں مصروف تھیں۔ چور گھر میں آیا مگر حضرت ممدوحہ کی کرامت سے فوراً نابینا ہو گیا۔ جب اندھا ہو جانے کے سبب باہر نہ نکل سکا فریاد کرنے لگا اور کہنے لگا۔ بار خدایا! میں چوری کرنے کو اس گھر میں آیا تھا۔ تیرے کسی ولی کے سبب جو اس گھر میں ہوں گے اندھا ہو گیا ہوں۔ اب اپنے اس ولی کے طفیل میرا قصور معاف کر دے اور میری بینائی واپس عطا کریں۔ میں توبہ کرتا ہوں پھر یہ کام مجھ سے نہیں ہو گا اور میں دولت اسلام سے مشرف ہو جاؤں گا۔

حضور شیخ الاسلام کی والدہ ماجدہ نے جب یہ فریاد چور کی سنی اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا کی یہ چور بینا ہو جائے۔

Marfat.com

چنانچہ اسکی بینائی لوٹ آئی۔ وہ گھر گیا اور مع عیال واطفال کے حضرت ممدوحہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دولت اسلام سے مشرف ہو گیا اور مرتبہ ولایت سے سرفراز ہوا چنانچہ اس چور کی قبر اس قصبہ میں موجود ہے۔ وہاں کے باشندے زیارت کے واسطے قبر پر حاضر ہوتے ہیں۔ اس قصہ کرامت والدہ ماجدہ حضور شیخ الاسلام کو ''تاریخ فرشتہ'' مطبوعہ کے صفحہ 383 میں بھی نقل کیا ہے اور اسی طرح ''اسرار الاولیاء'' صفحہ 89 میں بروایت حضور شیخ الاسلامؒ یہ کرامت مرقوم ہے۔

روایت ہے جب حضور شیخ الاسلام کی عمر شریف دو تین سال کی ہوئی۔ حضور کی والدہ ماجدہ نے نماز کا پڑھنا سکھایا۔ شیخ الاسلام نے عرض کیا نماز پڑھنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ حضور کی والدہ ماجدہ نے اس خیال سے کہ بچوں کو شکر سے رغبت ہوتی ہے یہ جواب دیا کہ نماز پڑھنے سے شکر ملتی ہے۔ جب حضرت شیخ الاسلام تمام سیکھ کر مصلیٰ پر نماز کے واسطے کھڑے ہوئے حضور کی والدہ ماجدہ نے کچھ شکر مصلیٰ کے نیچے رکھ دی اور نماز سے فارغ ہونے پر حضور کو دی۔ اتفاقاً کسی دن حضرت والدہ ماجدہ شیخ الاسلام اپنے بھائی کے گھر تشریف لے گئی تھیں۔ نماز کا وقت آ گیا حضرت شیخ الاسلام نے موافق تعلیم اپنی والدہ ماجدہ کے وقت پر نماز ادا کی اور بعد نماز مصلیٰ کو اٹھایا تو اسکے نیچے شکر کا خزانہ پایا۔ خود بھی شکر نوش فرمائی اور دوسرے ہمراہی بچوں کو بھی دی۔ جب حضور کی والدہ ماجدہ تشریف لائیں تو حضور نے کہا آپکے سامنے تو ہمیں تھوڑی شکر ملتی تھی۔ مگر آج اللہ کریم نے ہمیں بہت شکر دی۔ حضور کی والدہ ماجدہ یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور معلوم کر لیا کہ یہ میرا فرزند خدا تعالیٰ کا پیارا اور ولی ہے (جواہر فریدی' صفحہ 284)

''اقتباس الانوار'' صفحہ 162 میں ''سیر العارفین'' سے نقل کیا ہے کہ حضرت سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ جب حضور شیخ الاسلام تحصیل علوم کے واسطے شہر ملتان میں پہنچے مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں قیام فرمایا۔ ایک کتاب ''نافع'' جو علم فقہ میں ہے' پڑھ رہے تھے۔ اچانک قطب الاقطاب قطب الحق والدین بختیار کاکیؒ اوش کی جانب سے اسی مسجد میں تشریف لے آئے۔ دیکھا کہ ایک جوان پاکیزہ رونیک خو ایک کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہے۔ دریافت فرمایا یہ کونسی کتاب ہے۔ عرض کیا اس کتاب کا نام ''نافع'' ہے۔ حضرت قطب الاقطاب نے فرمایا کہ اے مسعود! کیا تمہیں اس کتاب سے نفع ہو گا؟ حضور شیخ الاسلام نے عرض کیا کہ مجھے تو حضور کی نظر کیمیا اثر سے فائدہ ہو گا۔ یہ عرض کرتے ہی اٹھے اور حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ کے اقدام شریفہ میں سر رکھا اور جان و دل سے معتقد ہو گئے۔

''سیر الاولیاء'' صفحہ 61 میں ہے کہ جب حضرت خواجہ قطب الملۃ والدینؒ حضور شیخ الاسلام کے پاس مسجد مولانا منہاج الدین میں رونق افروز تھے۔ حضور خواجہ کی ملاقات کے واسطے حضرت بہاء الحق والدینؒ تشریف لے آئے اور موافق عادت شریفہ تواضع بزرگان اٹھتے وقت حضرت بہاء الحق والدینؒ نے خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکیؒ کی نعلین کو اپنے دست مبارک سے درست کیا اور سیدھا رکھا۔ اسی وقت حضرت خواجہ قطب الاقطاب دہلی کی طرف روانہ ہو گئے اور حضور شیخ الاسلام کے دل و جان سے فدائیاں حضرت خواجہ سے ہو گئے تھے۔ خواجہ کے ہمرکاب ہو لئے اور دہلی پہنچے اور وہاں پہنچ کر دولت بیعت سے مشرف ہوئے۔ وقت بیعت حضرت مولانا قاضی حمید الدین ناگوری اور حضرت مولانا علاء الدین کرمانی اور حضرت سید نور الدین مبارک غزنوی اور حضرت شیخ نظام الدین ابو المؤید و مولانا شمس ترک و خواجہ محمود مؤنہ دوز وغیرہم رحمت اللہ علیہم بھی موجود تھے۔ یہ حضرات ایسے کامل مکمل بزرگ تھے کہ عرش سے تحت الثریٰ تک ان پر مکشوف تھا۔ انتہیٰ۔

''فوائد السالکین'' صفحہ 1 میں خود حضور شیخ الاسلام فرید الملتہ والدین نے بھی اپنی بیعت کے وقت حضرت اولیاء موصوفین کا موجود ہونا لکھا ہے اور یہ جملہ لکھا ہے کہ جب حضرت خواجہ قطب الاقطاب کی قدم بوسی میسر ہوئی اسی وقت اس دعا گو کے سر پر کلاہ چہارتر کی رکھ دی اور کمال نوازش و کرم کیا اور زبان الہام ترجمان سے فرمایا کہ شیخ وقت میں اس قدر تصرف باطنی ہونا چاہیے کہ جب کوئی طالب اسکی خدمت میں بیعت ہونے کو حاضر ہو اپنی قوت باطنی سے طالب کے سینہ کا زنگار دور کر دے اور دنیا کی آلائش اسکے سینہ میں نہ رہنے دے پھر ہاتھ پکڑ کر خدا تک اس کو پہنچا دے۔ اگر یہ قدرت اور تصرف نہ ہو تو پھر اور مرید دونوں ہدایت کے راستہ سے ناواقف ہیں۔ انتہی۔

''اقتباس الانوار'' میں بحوالہ ''سیر العارفین'' یہ بھی لکھا ہے کہ جب حضور شیخ الاسلام حضرت خواجہ کے ہمراہ ملتان سے دہلی کی طرف متوجہ ہوئے، صرف تین منزل چلے تھے کہ حضرت خواجہ نے فرمایا بابا فرید! ابھی کچھ عرصہ تحصیل علوم ظاہری میں مصروف رہو۔ پھر فارغ ہو کر ہمارے پاس دہلی میں آؤ اور قیام کرو چنانچہ حضرت خواجہ کے حکم کے موافق حضور شیخ الاسلام تحصیل علوم کے واسطے قندھار پہنچے اور پانچ سال وہاں قیام فرما کر علوم ظاہری تحصیل کرتے رہے اور نیز ''اقتباس الانوار'' میں حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ سے منقول ہے کہ اس زمانہ میں عمر شریف حضور شیخ الاسلام کی اٹھارہ سال کی تھی۔ قندھار سے بغداد شریف پہنچے اور حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی اور حضرت سیف الدین باخرزی اور حضرت بہاء الدین حموی اور حضرت اوحد الدین کرمانی وغیرہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کی دولت صحبت سے مالا مال ہو کر دہلی آئے۔

''اقتباس الانوار'' صفحہ 163 میں لکھا ہے کہ حضور شیخ الاسلام فرید الملتہ والدینؒ نے فرمایا ہے کہ وقت موجودگی بغداد شریف میں شیخ اجل شیرازی سے ملا۔ شیخ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے لنگر دار عالم آ۔ خداوند کریم تمہارے رزق میں برکت دے۔ بہت اچھا کیا آپ آئے۔ اور نیز حضور شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ جب میں بغداد سے باہر نکلا جنگل میں ایک درویش کو دیکھا۔ نہایت کمزور ہو رہا تھا۔ سوائے ہڈی اور چمڑے کے کچھ باقی نہ رہا تھا۔ میں کچھ دنوں انکی خدمت میں رہا۔ اسکے بعد میں بخارا کی طرف روانہ ہوا۔ شیخ سیف الدین باخرزی سے ملا۔ بڑے زبردست بزرگ تھے۔ جب میری طرف دیکھتے تھے یہ فرماتے تھے کہ یہ بچہ اپنے زمانہ کے مشائخ میں سے ہوگا اور تمام عالم اسکے فرزندوں اور مریدوں سے پُر ہو جائے گا اور سیاہ کملی جسکو خود اوڑھ رکھا تھا مجھے دی اور فرمایا اسے اوڑھ لو۔ چنانچہ میں نے اسے اوڑھ لیا۔ اسکے بعد مسجد کے برابر ایک صومعہ میں باہیبت و شوکت بزرگ کو دیکھا۔ عالم فکر میں کھڑے تھے۔ آنکھیں ہوا کیطرف کھلی ہوئی تھیں۔ چار دن کے بعد عالم صحو اور ہوش میں آئے۔ میں نے سلام کیا۔ سلام کا جواب دیکر فرمایا میرے سبب آپ کو تکلیف ہوئی بیٹھ جائیے۔ چنانچہ میں بیٹھ گیا۔ ان بزرگ نے تمام حالات اور مقامات اپنے میرے سے بیان کئے۔ رات بھر میں انکی خدمت میں تھا۔ جب دن ہوا وہ بزرگ غائب ہو گئے۔ میں بھی وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اور بعض ایسے بزرگوں کو بدخشاں میں دیکھا کہ انکے اوصاف بیان نہیں ہو سکتے۔ آخر میں واپس ہو کر ملتان پہنچا۔ برادرم شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو دیکھا۔ مصافحہ کیا۔ شیخ نے فرمایا کہاں تک یہ راستہ طے کیا ہے۔ میں نے کہا اگر جس کرسی پر آپ بیٹھے ہیں اس سے ہوا میں اڑنے کے واسطے کہوں تو اڑنے لگے۔ حضور شیخ الاسلام یہ فرما ہی رہے تھے کہ کرسی ہوا میں اٹھنے لگی۔ حضرت شیخ بہاء الدین نے

Marfat.com

کرسی پر ہاتھ مارا اور وہ بیٹھ گئی۔ حضرت شیخ نے فرمایا مولانا فرید آپ نے اپنا کام خوب قبضہ میں کرلیا ہے۔ حضور شیخ الاسلام فرماتے ہیں پھر میں وہاں سے دہلی پہنچا اور حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الحق والدین کی خدمت اقدس میں ٹھہر گیا۔ جو نعمت اور کمال میں نے حضرت قطب الاقطاب میں پایا وہ اور جگہ نہیں دیکھا۔ میں انہیں کا ہو رہا اور بیعت سے مشرف ہوا۔ تیسرے روز مجھے نعمت ارزانی فرمائی اور یہ بھیؒ زبان مبارک سے فرمایا مولانا فرید تم اپنا کام پورا کر کے میرے پاس آئے ہو۔ انتہی

''سیر الاولیاء'' صفحہ 82 میں ہے کہ حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب تک حضور شیخ الاسلام فرید الملۃ والدینؒ شہر میں تھے حضرت شیخ بدر الدین غزنویؒ کے وعظ میں تشریف لیجایا کرتے تھے۔ ایک روز ممبر پر شیخ بدر الدینؒ نے حضور شیخ الاسلام کے اوصاف بیان کئے۔ چونکہ حضور شیخ الاسلام کے کپڑے بوسیدہ اور پھٹے ہوئے تھے حاضرین کو یہ معلوم ہوا کہ کس کی تعریف ہو رہی ہے۔ اتفاقاً وہیں کسی شخص نے حضور شیخ الاسلام کے سامنے پیراہن پیش کیا۔ حضور نے اسکو پہن کر فوراً اتار دیا اور اپنے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کو دیدیا اور یہ فرمایا جو لذت مجھے اس پرانے کپڑے میں حاصل تھی وہ اس نئے کپڑے میں نہیں دیکھی۔ جب حضور شیخ الاسلام کا شہرہ شہر دہلی میں زیادہ ہو گیا کہ خلیفہ خاص حضرت خواجہ قطب الاقطاب کے تھے' مخلوق جمع ہونے لگی اور شہرت حضور کے مزاج مقدس کے خلاف تھی حضور نے شہر چھوڑا اور قصبہ ہانسی میں سکونت اختیار کی اور مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ مگر یہ نہیں چاہتے تھے کہ شہرت ہو۔ اتفاق سے مولانا ترک واعظ وہاں پہنچ گئے اور حضور شیخ الاسلامؒ کی زیارت کر کے جان و دل سے شیدائی بن گئے اور وعظ میں بادشاہوں کی طرح حضور کی تعریف کرنے لگے۔ لہٰذا حضور شیخ الاسلام نے ہانسی کو بھی چھوڑا اور موضع کھتوال میں چلے گئے جہاں قدیمی وطن آباؤ اجداد کا ہو گیا تھا۔ حضرت شیخ جلال الملۃ والدین تبریزی وہیں جا پہنچے اور موضع کے باشندوں سے پوچھا یہاں کوئی درویش ہے۔ لوگوں نے عرض کیا مریدان حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ میں سے ایک قاضی زادہ ہے۔ حضرت شیخ ملاقات کے ارادہ سے چلے۔ راستہ میں کسی شخص نے ایک انار نذر کیا۔ وہ انار ہاتھ میں لئے ہوئے حضور شیخ الاسلام کے پاس پہنچے اور بیٹھ کے انار توڑ کر کھانا شروع کیا۔ چونکہ حضور شیخ الاسلام صائم تھے باوجود تواضع حضرت کے روزہ افطار کرنا مناسب نہ جانا' انار نہیں کھایا۔ حضور شیخ الاسلام کا پاجامہ دریدہ تھا اور ہوا کے چلنے پر بے پردگی ہوتی تھی لہٰذا حضرت شیخ الاسلام دامن سے پردہ پوشی کرتے تھے۔ حضرت شیخ نے یہ حال معلوم کر کے بطور تسلی ایک درویش کا قصہ بیان کیا کہ وہ بخارا میں پڑھتا تھا۔ سات برس تک اسکے پاس پاجامہ نہ تھا۔ پیراہن ہی سے پردہ پوشی کرتا تھا۔ تم دل میں کچھ خیال نہ لاؤ۔ پھر حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ اٹھ کر رخصت ہوئے اور باہر تشریف لے گئے۔ حضور شیخ الاسلام کو افسوس ہوا کہ میں نے کیوں روزہ افطار نہ کیا اور انار نہ کھالیا۔ انار کا ایک دانہ پڑا ہوا تھا۔ زمین پر سے اٹھا کر دستار میں رکھ لیا کہ اس سے روزہ افطار کروں گا چنانچہ شام ہونے پر روزہ اسی سے کھولا۔ دانہ کھاتے ہی دل میں روشنی خاص پیدا ہوئی اور جب حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ سے حضور شیخ الاسلام کا ملنا ہوا تو حضرت خواجہ نے فرمایا اے مسعود! اس ایک دانہ انار سے جو مقصود تھا وہ تمہیں مل گیا تھا۔

حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ نے فرمایا کہ حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے جو قصہ بخارا کے طالب علم

Marfat.com

کا واسطے تسلی حضور شیخ الاسلام کے بیان کیا تھا وہ انکا اپنا قصہ تھا۔ اور جب قصبہ کھتوال میں بوجہ قرب ملتان حضور شیخ الاسلام کی شہرت زیادہ ہونے سے آمد و رفت مردمان زیادہ ہوگئی' حضور وہاں سے قصبہ اجودھن میں تشریف لے آئے کہ ان دنوں یہ مقام غیر مشہور اور مجہول تھا۔ سولہ سال اور دوسری روایت میں چوبیس سال عمر شریف کے آخر تک یہیں قیام فرمایا۔ چنانچہ یہ مقام حضور شیخ الاسلام کے وجود مبارک سے ہندوستان اور خراسان کا قبلہ ہو گیا اور بجائے اجودھن کے پاکپتن شریف زبان زد خاص عام بن گیا۔

وجہ تسمیہ شکر گنج

''سیر الاولیاء'' صفحہ 67 میں ہے کہ حضور شیخ الاسلام فرید الملتہ والدین نے حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ سے عرض کیا کہ مجاہدہ اور ریاضت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائے۔ حضرت خواجہ قطب نے فرمایا کہ تین دن کا روزہ رکھو چنانچہ حضور شیخ الاسلام نے ایسا ہی کیا۔ تین دن تک کچھ نہیں کھایا۔ روزہ سے رہے۔ تیسرے دن افطار کے وقت ایک شخص تین نان لایا۔ حضور شیخ الاسلام نے اس خیال سے کہ یہ کھانا غیب سے پہنچا ہے اسی سے افطار کر لیا۔ اسی عرصہ میں ایک کو انظر پڑا کہ درخت پر بیٹھا ہوا مردار کی اوجھڑی منہ میں لے رہا ہے۔ حضور شیخ الاسلام کے دلی تقدس منزل میں کراہیت پیدا ہوئی۔ غشیان ہو کر استفراغ ہو گیا۔ جو کچھ کھایا تھا وہ نکل گیا۔ حضرت خواجہ قطب الاقطاب نے یہ قصہ معلوم ہو جانے پر حضور شیخ الاسلام سے فرمایا۔ اے مسعود! تیسرے دن تم نے شرابی کے گھر کا کھانا کھایا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ کھانا تمہارے معدہ میں نہیں ٹھہر سکا' نکل گیا۔ اب از سر نو تین دن کا روزہ رکھو اور جو کچھ غیب سے پہنچے اس سے افطار کرو۔ چنانچہ حضور شیخ السلام نے ارشاد مرشدی کی تعمیل کی۔ چھٹے دن آدھی رات تک کچھ خوراک نہ ملنے سے ضعف بہت غالب ہو گیا۔ دست مبارک زمیں پر ڈالا۔ مٹھی میں چند کنکریاں آئیں۔ ان کو منہ میں ڈال لیا۔ خدا کے فضل سے حضور شیخ الاسلام کی کرامت ظاہر ہوئی۔ وہ کنکریاں دہن مبارک میں شکر بن گئیں۔ حضور کے دل میں گزرا کہیں مکر استدراج نہ ہو۔ جو کچھ منہ میں تھا تھوک دیا اور عبادت میں مصروف ہو گئے۔ آخر بہت زیادہ ضعف ہونے پر پھر زمین سے کنکریاں اٹھا کر منہ میں ڈال لیں۔ فوراً شکر بن گئیں۔ انکو بھی تھوک دیا اور عبادت میں مصروف ہو گئے۔ جب نہایت مجبور ہوئے تو تیسری دفعہ پھر زمین سے کنکریاں اٹھا کر منہ میں ڈالیں۔ اسی طرح شکر بن گئیں۔ حضور شیخ السلام کو اس دفعہ تسلی ہوئی کہ یہ اللہ کریم کی جانب سے غذا ملی ہے اور عرض کرنے پر حضرت خواجہ قطبؒ نے بھی فرمایا بہت اچھا کیا اس شکر کو کھایا۔ انشاءاللہ ہمیشہ شکر کی مانند شیریں رہو گے۔

وجہ دوم تسمیہ شکر گنج

''اخبار الاخیار'' صفحہ 55 میں حضرت شیخ اجل محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ ایک سوداگر شکر کے گٹھے لیجا رہا تھا۔ حضور شیخ الاسلام نے اس سے شکر طلب فرمائی۔ سوداگر نے کہا یہ شکر نہیں بلکہ نمک ہے۔ حضور شیخ الاسلام کی زبان مبارک سے نکلا نمک ہوگا۔ جب سوداگر نے شکر کے بورے کھولے تو وہ تمام نمک سے پُر تھے۔ فوراً حضور شیخ الاسلام کے سامنے

Marfat.com

حاضر ہوا اور قصور معاف کرایا اور دعا کی درخواست کی کہ پھر شکر ہو جائیں' چنانچہ حضور شیخ الاسلامؒ نے دعا کی۔ بدستور تمام بورے شکر کے ہو گئے۔ خان خاناں محمد بیرم خان نے اس قصہ کو نظم میں ادا کیا ہے' وہ یہ ہے۔

کان نمک جہاں شکر شیخ بحر و بر
آن کز نمک شکر کند وز نمک شکر

وجہ سوم

تیسری وجہ تسمیہ شکر گنج کی وہ ہے جو ''اقتباس الانوار'' وغیرہ سے لکھی گئی ہے کہ حضور شیخ الاسلام کی والدہ ماجدہ ابتداء عمر میں نماز کا شوق دلانے کے واسطے مصلّٰی کے نیچے شکر رکھ دیا کرتی تھیں۔ کسی روز گھر میں موجود نہیں تھیں۔ حضور نے حسب عادت نماز مصلّٰی پر ادا کر کے نیچے ہاتھ ڈالا۔ شکر کو روزمرہ سے زیادہ موجود پایا۔ خود بھی شکر کھائی اور اپنے ہم عمروں کو تقسیم کی۔

وجہ چہارم

چوتھی وجہ ''تذکرۃ العاشقین'' سے ''خزینۃ الاصفیاء'' صفحہ 292 میں نقل کی ہے کہ کسی وقت حضور شیخ الاسلام اپنی عبادت گاہ سے نکل کر حضور خواجہ قطبؒ کی خدمت اقدس میں جا رہے تھے۔ پائے مبارک میں نعلین چوبی تھیں۔ برسات کا موسم تھا۔ کیچڑ کے سبب حضور شیخ الاسلام کا پائے مبارک پھسل گیا اور گر پڑے۔ کچھ مٹی دہن مبارک میں چلی گئی اور فوراً شکر بن گئی۔ حضور شیخ الاسلام اٹھ کر حضرت خواجہ قطبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ نے فرمایا اے فریدالدین! یہ مٹی تمہارے منہ میں اس واسطے شکر ہو گئی کہ حق تعالیٰ نے آپکو شکر گنج بنایا ہے۔ اس نعمت عظمٰی کی قدر کرنی لازم ہے۔ مخلوق خدا کے ساتھ لطف و مہربانی بسر کریں۔

وجہ پنجم

پانچویں وجہ ''سیر الاقطاب'' سے یہ نقل ہے کہ جن دنوں حضور شیخ الاسلام کوہ صحرا کے اندر علیحدہ گوشہ میں جا کر عبادت کیا کرتے تھے۔ کسی دن پیاس کے غلبہ ہونے پر کنویں پر پہنچے۔ وہاں ڈول رسی کو موجود نہ پایا۔ حیران کھڑے تھے کہ دو ہرن جنگل سے آئے اور کنویں پر کھڑے ہوئے۔ فوراً پانی نے جوش مارا اور کنارے تک آ گیا۔ دونوں ہرن پانی سے سیراب ہو کر چلے گئے۔ حضور شیخ الاسلام نے جب ارادہ پانی پینے کا کیا تو پانی کنویں کے اندر چلا گیا۔ حضور شیخ الاسلام عالم تحیر میں ہو گئے اور عرض کیا اے رب العزت! ہرنوں کو تو پانی دیا اور مجھ بندہ کو محروم رکھا۔ میں ان آہوان صحرائی سے بھی کمتر اور بے قدر ہوں۔ آواز آئی اے فریدالدین! تیری نظر ڈول رسی پر تھی اور نظر ہرنوں کی میرے اوپر تھی۔ اس واسطے میں نے ان کو پانی دیا۔ حضور شیخ الاسلام نے اسی چادر میں چلہ معکوس نماز کا ارادہ کیا اور چالیس دن تک اپنے آپ کو پانی نہیں دیا۔ چالیس روز بعد خاک مٹھی بھر پانی میں ڈالی تا کہ اس سے افطار کریں۔ وہ خاک شکر بن گئی۔ غیرت الٰہی سے ڈر کر اس کو منہ

سے باہر پھینک دیا۔ آواز آئی اے فریدالدین! تیرا چلہ قبول ہوا اور ہم نے تجھے اپنا برگزیدہ بنالیا اور آج سے تیرا نام گنج شکر رکھا گیا۔

بیان چلہ معکوس

حضور شیخ الاسلامؒ کے چلہ صلوٰۃ معکوس کی نسبت ''سیر الاولیاء'' صفحہ 68 میں یہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ حضور شیخ السلام سے فرمایا جاؤ چلہ معکوس کرو۔ حضور شیخ الاسلام نے حضرت بدرالدینؒ سے کہا کہ حضرت خواجہ نے مجھے چلہ معکوس کا حکم دیا ہے بوجہ ہیبت حضرت خواجہ اس چلہ کی کیفیت دریافت نہ کر سکا۔ آپ خود بتلائیں یا حضرت خواجہ سے دریافت کریں۔ چنانچہ حضرت شیخ بدرالدینؒ نے حضرت خواجہ سے دریافت کیا۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ چالیس دن یا چالیس رات اپنے پاؤں ڈوری میں باندھیں اور سرنگوں کنوئیں میں لٹک کر خدا تعالیٰ کی عبادت کریں۔ حضور شیخ الاسلام نے یہ سنکر اس چلہ کا ارادہ کرلیا اور یہ خیال کیا کہ ایسے مقام پر ہو کہ لوگوں میں شہرت کی نوبت نہ پہنچے اور ایسی جگہ ہو کہ مسجد کے اندر کنواں ہو۔ وہاں درخت بھی موجود ہو جس کی شاخیں کنوئیں کے اوپر ہوں اور اس مسجد میں موذن دیانت دار راز دار لائق صحبت بھی موجود ہو۔ ہانسی میں ایسی جگہ نہیں ملی۔ تلاش کرتے کرتے قصبہ اچہ میں پہنچے۔ وہاں نہایت دلکشا مسجد موجود پائی۔ اس مسجد کو مسجد حاج کہتے تھے۔ اس مسجد میں کنواں اور اسپر درخت بھی تھا۔ موذن وہاں خواجہ رشیدالدین نام ساکن ہانسی حضور شیخ الاسلام کے خدام میں سے تھا۔

جب اس موذن خادم کو حضور شیخ الاسلام نے سچا اور وعدہ کا پورا اور راز دار پایا' اپنے ارادہ چلہ معکوس سے آگاہ کیا اور حکم دیا کہ عشا کی نماز کے بعد جب تمام نمازی چلے جائیں' رسی لا۔ چنانچہ وہ رسی لایا۔ حضور شیخ الاسلامؒ نے وضو سے فارغ ہو کر رسی کا ایک سرا پائے مبارک میں باندھا دوسرا سرا درخت کی اس شاخ میں باندھا جو کنویں پر چھا رہی تھی اور موذن کو حکم دیا کہ صبح صادق کے طلوع سے پہلے آ جائے۔ یہ کہہ کر حضور شیخ الاسلام کنوئیں کے اندر نماز معکوس میں مصروف ہو گئے۔ صبح کے قریب موذن آیا اور دیکھا حضور شیخ الاسلام عبادت میں مصروف ہیں۔ آخر عرض کیا کہ حضور کیا حکم ہے صبح روشن ہونے کے نزدیک ہے۔ فرمایا رسی کھینچ لے۔ اس نے رسی کھینچ لی۔ حضور شیخ الاسلام اوپر آ کر قبلہ رو مسجد میں بیٹھ گئے۔ اسی طرح چالیس دن اس جگہ نماز معکوس کو پورا کیا۔ تیسرے شخص کو خبر نہیں ہونے دی۔ ارشاد پیر مرشد برحق حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ کی پوری تعمیل کی۔ صاحب ''سیر الاولیاء'' تحریر فرماتے ہیں کہ وہ مسجد قصبہ اچہ میں ہنوز موجود اور زیارت گاہ خلق اللہ ہے۔ حضرت شیخ اجل مولانا شیخ عبدالحق محدثؒ نے ''اخبار الاخیار'' صفحہ 55 میں بھی اس قصہ نماز معکوس حضور شیخ الاسلام کا ذکر اسی کے قریب لکھا ہے اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہؒ نے ''قول جمیل'' صفحہ 48 جہاں خاندان چشتیہ کے اذکار و اشغال کا ذکر کیا ہے' وہاں اس صلوٰۃ معکوس کا ذکر بھی ان الفاظ میں کیا ہے۔ وللچشتیہ صلوٰۃ لتسمی صلوٰۃ معکوس. لم بخد من السنة و لا من اقوال الفقها مانشد هابه یعنی خاندان چشتیہ میں صلوٰۃ معکوس پڑھتے ہیں۔ کسی حدی یا اقوال فقہا سے ہمیں اس کا ثبوت نہیں ملا۔

اقوال حالت عشق اور جاں بازی میں اولیاء کبار سے ریاضتیں اور مجاہدے اس قسم کے منقول ہیں کہ اگرچہ ان کا

منصوص ہونا اور بعینہ معمول ہونا معلوم نہیں ہوا مگر ما تحت مطلق مجاہدہ کے داخل ہیں اور مجاہدہ مامور یہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ و الذین جاھد و افینالہ سدینھم سبلنا۔ یعنی جولوگ ہمارے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان پر اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔ حضرت امام الائمہ امام اعظمؒ سے کعبہ شریفہ میں اس طرح نماز پڑھنا منقول ہے کہ ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر تمام قرآن شریف ختم کیا۔ آدھا قرآن شریف داہنے پاؤں پر کھڑے ہوکر اور آدھا قرآن شریف بائیں پاؤں پر کھڑے ہوکر تمام کیا۔ ''فتاویٰ شامی'' میں اس عمل امام الائمہ مقتداء امتہ کے متعلق یہی جواب دیا ہے کہ اس سے مقصود کمال عاجزی اور مجاہدہ تھا۔ عبارت بلفظہ یہ ہے کہ صفحہ 37 جلد ا۔ وقد یقال لالما رضی اللہ عنہ مقصد حسن فی ذالک نیفی الکراھۃ عنہ کاقالو ایکرہ ان یصلی الرجل حاسرار عزراسہ لکنزا ذاقصد التذل فلا کراھۃ ثم رائیت بعض العلماء اجاب بذالک فقال انمافعل مجاھدۃ لنفسہ ولیس ببعد ان یکرن غرضہ مجاھدۃ النفس بذالک ممزلم یختل منہ خشوعہ مانعاً للکراھۃ۔ انتہی

(ترجمہ) بعضوں نے کہا ہے کہ اس میں امام صاحب کا ایک نیک مطلب تھا جو دور کرتا ہے اس سے کراہت کو جیسا کہ فقہانے کہا ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر جب عاجزی مقصود ہوتو مکروہ نہیں۔ پھر میں نے بعض عالم کو اسکا جواب دیتے ہوئے دیکھا کہ آپ نے یہ فعل مجاہدہ نفس کی غرض سے کیا اور یہ بات بعید نہیں ہے کہ جو شخص ایسا عمل کرے جس سے اسکے خشوع میں فرق نہ آئے اور مقصود اسکا مجاہدہ نفس ہوتو اس سے کراہت اٹھ جاتی ہے۔

''سیر الاولیاء'' کے صفحہ 70 میں ہے کہ حضرت شاہ ابوسعید ابوالخیرؒ نے فرمایا کہ جو بات مجھے معلوم ہوتی رہی ہے کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسپر عمل کیا ہے میں اس پر کار بند ہوتا رہا ہوں یہاں تک کہ مجھے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز معکوس ادا فرمائی' میں نے یہ سن کر اپنا پاؤں رسی میں باندھا اور اپنے آپ کو سرنگوں کنوئیں میں ڈالا۔ انتہی۔

صلوٰۃ معکوس محدثین کے نزدیک تو ثابت نہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے تحریر فرمایا مگر اولیا اللہ کے نزدیک اسکی اصلیت موجود ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

''ملفوظات شریفی'' میں ہے مولانا محمد عاقلؒ جامع ملفوظات نے حضرت شیخ المشائخ قطب الوقت شاہ محمد شریف نباولی چشتی صابریؒ سے نماز معکوس کے چلہ کرنے کی اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دی عبارت بلفظہ یہ ہے۔ ''فقیر اجازت برائے نماز معکوس خواست از زبان گہر بار فرمود کہ این نماز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم وجمیع پیران خواجگان چشت اہل بہشت واغلب مشائخاں کبارگزارہ دہ اند ودریں نماز حضوری بیشتر است وسر عظیم۔'' انتہی

بعض اولیاء دیگر اقسام ریاضت کرتے رہے ہیں۔ وہ بھی اسکے قریب ہے۔ چنانچہ ''طبقات کبریٰ'' صفحہ 40 جلد ا مصنفہ حضرت امام عبدالوہاب شعرانیؒ میں عتبہ بن ابان الغلامؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ اپنا حجرہ دن کو کبھی نہ کھولتے تھے۔ وفات کے بعد کھولا گیا تو دیکھا کہ اس میں ایک قبر کھودی ہوئی ہے اور لوہے کی بیڑی رکھی ہے یعنی وہ رات کو لوہے کی بیڑیاں پہن کر قبر میں داخل ہوتے تھے۔ غلام انکو اس واسطے کہتے تھے کہ کثرت عبادت کے سبب انکا چہرہ دہشت زدہ بچوں جیسا رہتا تھا۔ غرض اکابر اولیاء اللہ سے سلف میں بھی ایسی جانبازی کے مجاہدات منقول ہیں کہ ظواہر نصوص میں انکا

Marfat.com

ماخذ نہیں ملتا مگر وہ مطلق مجاہدہ کے ماتحت داخل ہیں اور مجاہدہ ما مور ہے۔ ہاں ہیئت کذائیہ کا ثبوت احادیث سے نہیں ملتا اور اللہ خوب جانتا ہے۔

بیان علم وتبحر حضور شیخ الاسلام فرید الملۃ والدینؒ

''سیر الاولیاء'' صفحہ 70 میں حضور محبوب الٰہی سلطان المشائخؒ سے منقول ہے کہ ایک عالم جنکا نام ضیاء الدین تھا' منارہ کے نیچے پڑھایا کرتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حضور شیخ الاسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ مجھے علم فقہ اور نحو میں اچھی یادداشت نہ تھی لہٰذا مجھے اندیشہ پیدا ہوا کہ حضور شیخ الاسلام نے اگر ان علوم کا مسئلہ مجھے دریافت کیا جنکی لیاقت و استعداد مجھے نہیں تو کیسی مشکل پیش آئے گی۔ جب میں حضور شیخ الاسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا میری طرف متوجہ ہوئے مگر فقہ اور نحو کا مسئلہ نہیں پوچھا بلکہ فرمایا تنقیح مناط کسے کہتے ہیں۔ میں خوش ہو گیا کہ حضور شیخ الاسلام نے اسی فن میں مجھ سے دریافت کیا جو آتا تھا چنانچہ میں نے اچھی طرح بیان کردیا اور نفی واثبات جو اسکے متعلق ہے' اسکو واضح کردیا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اور مولانا بدر الدین اسحاق کو ایک بات میں شبہ ہوا۔ ہم دونوں حضور شیخ الاسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کھڑے ہو گئے۔ فرمایا کیوں کھڑے ہو۔ ہم نے عرض کیا کتاب شرعہ میں زرک لفظ ہے یا سرک ہے۔ حضور شیخ الاسلام نے فرمایا زرک ہے اور نظیر دیکر بتلایا کہ یوں آیا ہے۔ واستہ سرک من رزک نگاہ رکھا اپنے بھید کو اپنے گریبان سے یعنی بھید کی حفاظت پوری کر۔

حضور شیخ الاسلام نے فرمایا فقیر صابر بہتر ہے امیر شاکر سے اس واسطے کہ امیر شاکر کے ساتھ تو مزید نعمت کا وعدہ ہے جیسا کہ فرمایا لئن شکرتم لازیدنکم۔ اگر تم میری نعمت کا شکرادا کرو گے تو اور زیادہ نعمت دونگا اور صبر کرنے پر قرب اور معیت کا وعدہ ہے جیسا کہ فرمایا ان اللّٰہ مع الصابرین۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ہمراہ ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے قاضی محی الدین کاشانی نے اس موقع پر حضرت محبوب الٰہی سے پوچھا وھو معکم اینما کنتم اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو یہ تو عام ہے اور ان اللّٰہ مع الصابرین یعنی اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے یہ خاص ہے۔ فرق دونوں میں کیا ہے۔ حضور شیخ الاسلام نے کیا اچھا جواب دیا کہ جو معیت عام ہے وہ صرف علم اور رویت کی معیت ہے۔ یعلم ویریٰ اللہ سب کو جانتا اور دیکھتا ہے اور خاص یعنی صابرین کو معیت مع العنایت خاص ہے۔ یحب و یرضیٰ یعنی اللہ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اور رضامند ہے۔

نیز ''سیر الاولیاء'' میں ہے کہ حضور مخدوم نصیر الملۃ والدینؒ فرماتے تھے کہ کسی شخص نے حضور شیخ الاسلامؒ سے عرض کر کے بادشاہ غیاث الدین بلبن کے نام سفارشی رقعہ لکھوایا۔ حضور شیخ الاسلام نے ان الفاظ کے تحریر فرمایا۔ رفعت قصۃ الی اللّٰہ ثم الیک فان اعطیتہ شیاً فالمعطی ھو اللّٰہ وانت المشکور وان لم تعطہ شیا فالمانع ھو اللّٰہ وانت المعذور۔

ترجمہ۔ میں نے اس شخص کا قصہ اللہ کیطرف اٹھایا ہے اسکے بعد تیری طرف اگر تو نے اسکو کچھ دیا دینے والا اللہ ہے۔ شکر تیرا بھی کیا جائے گا۔ اور اگر تو نے اس شخص کو کچھ نہ دیا تو روکنے والا اللہ ہے اور تو معذور ہے۔

Marfat.com

''سیرالاولیاء'' صفحہ 77 میں ہے کہ کسی شخص نے حضور شیخ الاسلامؒ کی خدمت اقدس میں حضرت خواجہ بہاء الحق والدینؒ کی طرف سے ایسا کلمہ کہہ دیا تھا جو حضور کے مزاج معلیٰ کے خلاف تھا۔ حضرت خواجہ بہاء الحق والدین نے معلوم ہونے پر معذرت کا خط بھیجا۔ اس میں یہ فقرہ بھی تھا۔ ''میان ما و شما عشقبازی است۔'' حضور شیخ الاسلامؒ نے اسکے جواب میں یہ کلمات لکھے۔ ''میان ما و شما عشق است بازی نیست۔''

''سیرالاولیاء'' صفحہ 170 میں ہے جب حضرت خواجہ بذرالدین اسحاقؒ جو اپنے وقت کے اعلم العلماء تھے بخارا کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں اجودھن شریف پہنچ کر شیخ الاسلام فرید الملۃ والدینؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور شیخ الاسلام کے کمالات علمی و عملی دیکھ کر حیران رہ گئے اور جو علمی مشکلات درپیش تھیں وہ حضور میں عرض کیں سب حل ہوگئیں۔ بخارا جانے کا ارادہ ملتوی کیا اور جان و دل سے حضور شیخ الاسلام کے غلام بن گئے اور حضور ہی کے ہو رہے۔

جو خلافت نامہ حضور شیخ السلامؒ نے حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ کو زبان عربی میں لکھ کر مرحمت فرمایا تھا۔ وہ بہ جنسہٖ ''سیرالاولیاء'' صفحہ 117 میں موجود ہے۔ ایک ایک کلمہ شریفہ سے اعلیٰ درجہ بلاغت اور اقصیٰ مرتبہ کی فصاحت ظاہر ہوتی ہے۔ ''تمہید'' ابوالشکور سلمیؒ علم کلام میں خاص کتاب ہے۔ حضور شیخ الاسلام نے سبقاً سبقاً حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تین کتابیں حضور شیخ الاسلام سے پڑھیں۔ ایک میں پڑھتے وقت میں خود قاری تھا اور دو میں سامع تھا (سیرالاولیاء، صفحہ 106) اس سے معلوم ہوا کہ حضور شیخ الاسلام کے دربار فیض بار میں نہ صرف علوم باطنی کی تعلیم ہوتی تھی بلکہ خواص اصحاب کو علم کلام اور تصوف کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں۔

''راحت القلوب'' صفحہ 25 میں حضرت محبوب الٰہی نقل فرماتے ہیں کہ حضور شیخ الاسلامؒ نے فضیلت علم کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک علم تمام عبادات نماز و روزہ اور زکوٰۃ و حج سے افضل ہے۔ پھر چشم پُرآب ہو کر زبان مبارک پر لائے کہ علوم میں وہ علم بھی ہے جسکو علماء نہیں جانتے اور زہد میں وہ زہد بھی ہے جسکو زاہد نہیں پہچانتے۔ کام ان دونوں سے بلند تر ہے اور آدمیوں کو چاہیے کہ دونوں چیزیں سیکھیں تاکہ عالم اور زاہد کہلائیں۔ پھر فرمایا عالم باعمل وہ ہے کہ دونوں جہاں سے دل الگ رکھے۔ اگر آدمی علم کی قدر جانیں تمام کاموں اور عبادتوں کو چھوڑ کر تحصیل علوم میں مصروف ہو جائیں۔ نیز ''راحت القلوب'' صفحہ 55 میں ہے کہ حضور شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ مذہب امام اعظم برحق اور تمام مذاہب سے فاضل تر ہے۔ اسی موقعہ پر حضور شیخ الاسلامؒ نے فضائل امام اعظمؒ بیان کرنے کے بعد فرمایا ''الحمدللہ ما در مذہب اویم'' یعنی خدا کا شکر ہے کہ ہم امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب میں ہیں۔

''اسرارالاولیاء'' صفحہ 86 کے اٹھارویں فصل میں حضور شیخ الاسلام سے علماء کے مناقب نقل کئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اے درویش! حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے من احب العلم و العلماء لم یکتب خطیته، یعنی جس شخص نے علم اور علماء کو دوست رکھا اسکے گناہ نہیں لکھے جاتے (پھر فرماتے ہیں) سچی محبت کی نشانی یہ ہے کہ علماء کی پیروی کرے اور بیجا کاموں سے دور رہے۔ جب ایسا ہوگا تو اسکے گناہ نہیں لکھے جاویں گے اور نیز فرماتے ہیں علماء اور مشائخ کی دوستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی ہے اور فرمایا عالم فقیہ ان ہزار عابدوں سے بہتر ہے کہ جو تمام رات عبادت کرنے والے ہوں اور دن کو روزہ رکھتے ہوں۔ عالم کی ایک دن کی عبادت کی چہل سالہ عبادت کے برابر ہے۔ آخر میں فرماتے

ہیں ہزار افسوس ہے اس شہر پر جہاں علماء اور مشائخ نہ ہوں۔

بیان بعض کمالات حضور شیخ الاسلام فرید الملۃ والدینؒ

حضور شیخ الاسلامؒ کے کمالات کا بیان کسی انسان کی زبان قلم سے ادا ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ سوائے عالم الغیب کے اور کس کو ایسے قطب اعظم غوث اُنجم کے کمالات کا علم ہو سکتا ہے۔ نمونہ کے طور پر کے از ہزار رواند کے از بسیار تبرکاً چند حالات معتبر کتابوں سے پیش کئے جاتے ہیں۔ ''اسرار الاولیاء'' صفحہ 4 مصنفہ حضرت خواجہ بدرالدین اسحاقؒ میں ہے۔ فرماتے ہیں ایک مرتبہ دوشنبہ کے دن ماہ شعبان کی اٹھارہ تاریخ 633ھ میں حاضری خدمت اقدس کا اتفاق ہوا۔ حضور شیخ الاسلام نے حضور خواجہ منصور حلاجؒ کی ہمشیرہ صاحبہ کا ذکر فرمایا کہ اپنے وقت کا کاملہ تھیں۔ ہر شب عبادت کے واسطے جنگل میں تشریف لیجایا کرتی تھیں۔ آخر شب میں غیب سے فرشتہ شراب عشق اور اسرار کا پیالہ لاکر پلایا کرتا تھا۔ عبادت اور اسرار عشق کے پیالہ سے فارغ ہو کر آ جایا کرتی تھیں۔ کسی دن خواجہ منصور بھی ہمراہ ہو لئے۔ جب انکی ہمشیرہ پیالہ عشق و اسرار کا پینے لگیں یہ سامنے ہو گئے اور بے انتہا اصرار کیا کہ مجھے بھی دو۔ چنانچہ ایک گھونٹ دیدیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت خواجہ منصورؒ نے نعرہ انا الحق زبان پر لانا شروع کیا۔ یہ قصہ خواجہ منصورؒ کا بیان کر کے حضور شیخ الاسلامؒ نے اپنا حال بتلایا کہ آج بیس سال کے قریب گزرے ہونگے کہ ہر ایک رات اسرار دوست کا پیالہ پینا میرا وظیفہ ہے کہ ہمیشہ پیتا ہوں اور میرا حال متغیر نہیں ہوتا بلکہ فریاد کرتا ہوں کہ اور لاؤ۔ یہ فرما کر حضور شیخ الاسلام روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ پھر ہوش میں آنے پر فرمانے لگے اے درویش! اس راستہ میں وہ وہ جواں مرد ہیں کہ اسرار دوست کے ہزار ہا دریا ایک دم میں پی جاتے ہیں اور ذرا کے برابر ان پر اثر تغیر ظاہر نہیں ہوتا (انتہی بقدر الضرورۃ) ''اقتباس الانوار'' صفحہ 168 میں ہے کہ حضرت قدوۃ الاولیا شاہ محمد غوث گوالیریؒ اپنے بعض مکاشفات میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک رات میں خاص حالت میں تھا۔ آواز آئی کہ حضوری کا وقت ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ دربار عظیم الشان ظاہر ہوا ہے اور اس دربار میں تخت مرصع نہایت اونچا رکھا ہوا ہے۔ اس تخت کے سامنے ایک صورت جمال کی اور ایک صورت جلال کی متجلی ہے اور ایک باوقار بزرگ تخت پر رونق افروز ہیں اور وہ اس مقام کے محافظ ہیں۔ تمام خلقت دریا میں ہے مگر اس تخت تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ مگر چند صاحب نصف راہ پہنچے تھے۔ میں سبقت کر کے اس تخت کے پاس پہنچ گیا۔ جب میں تخت کے پاس پہنچا' محافظ مقام نے جو وہاں رونق افروز تھے' میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا اور مجھے پیراہن عطا فرمایا اور انوار کا طبق میرے سر پر بکھیرا۔ میں نے اور زیادہ طلب کرنا چاہا۔ فرمایا تیرا حصہ اسقدر تھا۔ پھر میں نے عرض کیا حضور کا نام نامی کیا ہے۔ فرمایا مجھے فریدالدین شکر گنج کہتے ہیں۔ میں نے قدموں پر سر رکھا اور دریافت کیا حضور یہ کیا جگہ ہے۔ فرمایا یہ دریا ہستی ہے اور یہ تخت رب العالمین ہے اور جلال اور جمال کی یہ دو شاخیں ہیں۔ جو نبی اور ولی اس مقام پر پہنچتا ہے اس نعمت سے بہرہ افروز ہوتا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا حضور اکیلے ہی اس مقام کے محافظ ہیں۔ فرمایا چار اشخاص اس مقام کے محافظ ہیں۔ اول خواجہ بایزید بسطامی دوم خواجہ جنید بغدادی سوم خواجہ ذوالنون مصری، چہارم یہ درویش یعنی خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ۔ ہم چہار کس نوبت بہ نوبت اس مقام کی محافظت پر مامور ہیں۔ جسکی نوبت میں کوئی عزیز اس مقام پر پہنچتا ہے۔ اسکو جو اسوقت محافظ ہے اپنا کپڑا عطا فرماتا ہے اور

Marfat.com

فیض پہنچاتا ہے۔ قیامت تک اسی طرح ہوگا۔ پھر حیرت زدہ ہوکر میں نے عرض کیا کہ حضور آپ چاروں کی پیدائش امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں ہے۔ آپ سے پہلے کس طرح اس مقام کی حفاظت ہوتی ہوگی۔ فرمایا ہماری حقیقت کا تعلق اس مقام سے ہے۔ ظہور ہمارا اور لباس ظاہری بدن عنصری کسی وقت ہو' ظاہری جسم اور پیدائش سے تعلق نہیں۔ انتہی۔

حضرت عارف باللہ مولانا محمد اکرم چشتی صابریؒ خود اپنا واقعہ اس طرح لکھتے ہیں کہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو میں شغل کیمیاءِ معرفت میں مشغول تھا۔ جب ایک پہر رات باقی رہی' ایک شخص امرد کی صورت میں جسکی دونوں آنکھیں شمع کی مانند روشن تھیں' میرے پاس آئے۔ میں نے دریافت کیا آپ کون ہیں۔ فرمایا ہم باب اسرار کے امین ہیں۔ ہم اس واسطے آئے ہیں کہ تمہیں عالم اسرار کی سیر کرائیں۔ یہ کہہ کر میرا ہاتھ پکڑا اور ہوا میں ہوگئے۔ ہم دونوں پرندوں کی طرح اڑتے ہوئے عرش پر پہنچے اور بحر اسرار کے نزدیک ہوئے۔ وہاں نور کے دو طاؤس ظاہر ہوئے اور نوبت بہ نوبت اس فقیر کو سوار کر کے اڑتے رہے۔ امین اسرار وہیں رہے۔ جب ہم وسط بحر اسرار میں پہنچے ایسا مقام پیش آیا کہ وہاں سے عبور کرنا طاقت ہر بشر سے خارج تھا۔ بہت سالک وہاں پہنچ کر کھڑے تھے۔ اس مقام کا نام محک العشاق ہے۔ اسی اثناء میں ایک سیمرغ کہ نصف اس کا نور اور نصف آگ تھا' ظاہر ہوا اور فقیر کو سوار کر کے فضا دھویت تک لے گیا۔ وہاں تین دریا سامنے آئے۔ بعض سالک جن میں کچھ فقیر سے واقف تھے اور بعض ناواقف تھے' اس کنارے پر موجود تھے' اس فقیر کو تینوں دریا کا عبور کرایا گیا۔ یہ فقیر آخر میں دہشت ناک اور بیقرار ہوا۔ دریا ہی میں سے آواز آئی ڈر نہیں۔ میرا نام لیتا ہوا چلا آ۔ فقیر نے عرض کیا حق کا نام مبارک کیا ہے۔ فرمایا میرا نام فریدالدین ہے۔ بس یہ فقیر فرید فرید کہتا ہوا دریا میں گھسا۔ وہاں ایک جہاز دیکھا کہ عرش سے فرش تک اسکے مقابلہ میں رائی کے دانہ کے برابر ہے۔ اس جہاز پر تخت نور سے روشن نظر آیا۔ اس تخت پر نورانی شخص رونق افروز تھے اور انکے چہار طرف صورتیں ایستادہ نظر آتی تھیں۔ جب فقیر اس تخت کے نزدیک پہنچا ان صاحب نے جو تخت پر رونق افروز تھے' مجھے اپنے نزدیک بلایا اور کمال نوازش فرمائی اور فرمایا میرے داہنی جانب شکل ولایت عروجی اولیا کی ہے اور بائیں جانب شکل ولایت نزولی انکی ہے اور شکل واپسیں میں صورت انبیا کی ہے۔ اور شکل پیشین کمالات نبوت کی صورت ہے۔ میں جسکو قطب مدار کا درجہ دینا چاہتا ہوں۔ داہنی جانب کا فیض پہنچاتا ہوں اور جسکو فردانیت کا رتبہ دینا چاہتا ہوں بائیں جانب کی شکل کا فیض دیتا ہوں اور جسکو کمال قطبیت حقیقت اور محبوبیت دینا چاہتا ہوں اپنی واپسیں شکل سے آشنا کرتا ہوں اور جس کو مراتب کمالات محبوبیت اور فردیت اور غوثیت سے مشرف کرنا چاہتا ہوں اپنی شکل پیشین سے سرفراز کرتا ہوں۔

اسکے بعد نور کی دو چادریں مجھے پہنائیں۔ ایک پر قرآن شریف لکھا ہوا تھا اور دوسری پر توراۃ وانجیل وزبور مرقوم تھی۔ اور فرمایا یہ دونوں ردا کبریا ذائی کی ہیں جس پر قرآن شریف مرقوم ہے۔ وہ نسبت ولایت محمدی ہے اور جس پر دوسری آسمانی کتابیں مرقوم ہیں وہ نسبت دیگر انبیا کی ہے۔ میں نے دونوں ولایت تجھے عطا کیں اور اپنی صورت پیشین سے بھی تجھ کو بہرہ مند کیا۔ اسکے بعد فقیر نے عرض کیا حضور کا نام نامی کیا ہے۔ فرمایا میرا نام فریدالدین گنج شکر ہے اور یہ دریا لاتعین ہے جسکو یہ مقام مشہود ہوتا ہے۔ میرے تعین اور حضرت شیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانیؒ کے تعین سے مشہود ہوتا ہے۔ تیرا واسطہ میرے سے تھا میری نوبت کی وقت تجھے اس مقام سے سرفراز ہونے کا موقعہ ملا۔ انتہی۔

Marfat.com

''اقتباس الانوار'' صفحہ 149 کتاب ''چشتیہ بہشتیہ'' (قلمی) مصنفہ مولانا بدرالدینؒ میں ایک بزرگ سے اسی قصہ حضور شیخ الاسلامؒ کو اس طرح لکھا ہے کہ ایک صالح شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک دریا عظیم ہے۔ اس دریا عظیم میں تخت رکھا ہوا ہے اور اس تخت کے پائے چار بزرگوں نے سنبھال رکھے ہیں۔ دریا کے کنارے پر چوبدار لباس فاخرہ پہنے ہوئے کھڑے ہیں۔ ان صالح بزرگ نے ایک چوبدار سے پوچھا یہ دریا کیا ہے اور کس کا تخت ہے اور اٹھانے والے تخت کے کون ہیں۔ جواب ملا یہ توحید کا دریا ہے اور رب العالمین کا تخت ہے۔ اٹھانے والے چار اولیاء اللہ ہیں جن میں ایک فرید الدین گنج شکر ہیں اور ہم فرشتہ ہیں۔ ''اسرار الاولیاء'' صفحہ 14 میں ہے کہ جب حضور شیخ الاسلام فرید الملۃ والدینؒ کے سامنے ملتان سے یہ خبر پہنچی کہ حضرت خواجہ بہاء الحق والدینؒ نے موافق الہام ربانی مسلمانوں کو یہ اعلان دیا ہے اور خانقاہ سے باہر تشریف لا کر سوار ہو کر سب سے فرماتے ہیں کہ آج جو مجھے دیکھے گا میں ضامن ہوتا ہوں وہ قیامت کے دن دوزخ میں نہیں جائے گا...... (یہ ان کا فرمانا الہام ربانی سے تھا)۔ حضور شیخ الاسلام نے یہ سنکر فرمایا کہ یہ دعا گو خدا پاک کی قسم کھا کر کہتا ہے جس مسلمان نے دنیا میں میرا ہاتھ پکڑا ہے یا مصافحہ کیا ہے یا میرے فرزندان کا ہاتھ پکڑا ہے یا میرے مریدوں کا ہاتھ پکڑا ہے یا وہ میرے خاندان میں سے ہے دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔ اسکو دوزخ میں نہیں لیجائیں گے (انشاء اللہ تعالیٰ) اس واسطے کہ میرے پیر حضرت قطب الحق والدینؒ نے ایک وقت یہ فرمایا اے فرید! حق تعالیٰ نے تجھے وہ درجہ دیا ہے کہ جو کوئی تیرا ہاتھ پکڑیگا یا تیرے مریدوں کا ہاتھ پکڑے گا۔ یا تیرے فرزندوں کا ہاتھ پکڑے گا (انشاء اللہ تعالیٰ) دوزخ میں نہیں جائے گا۔ اسکی جگہ بہشت میں ہوگی۔ اس روز سے ہزار دفعہ ہر روز مجھے غیب سے یہ ندا ہوتی ہے فریدا جو جنی نیک بخت بندہ ہے۔ حضرت خواجہ بدرالدین اسحاق جامع ملفوظات تحریر فرماتے ہیں کہ حضور شیخ الاسلامؒ یہ فرما کر عالم تحیر میں ہو گئے اور سات روز تک عالم تحیر میں بے خبر تھے۔ اس عرصہ کھانے پینے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ جب عالم صحو میں آئے تب عبادت میں مشغول ہوئے۔

بیان بعض کرامات وخوارق عادات حضور شیخ الاسلامؒ

''سیر الاولیاء'' صفحہ 78 میں حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ایک وقت میں نے حضور شیخ الاسلام فرید الملۃ والدین کے حضور میں عرض کیا کہ حضور کچھ عرض کرنا ہے اگر درجہ اجابت کو پہنچے۔ فرمایا کیا ہے۔ عرض کیا حضور کے محاسن شریف سے ایک تار جدا ہوا ہے اگر حضور اجازت دیں تعویذ بنا کر اپنے پاس رکھوں۔ فرمایا اچھا۔ میں نے وہ تار لے لیا اور کپڑے میں لپیٹ کر اپنے پاس شہر میں لے آیا۔ مولانا سید محمد مبارک مصنف ''سیر الاولیاء'' لکھتے ہیں کہ یہ قصہ بیان کرتے وقت حضرت محبوب الٰہی چشم پُر آب ہو گئے اور فرمانے لگے کس قدر تاثیریں میں نے اس موئے مبارک میں دیکھیں۔ جس دردمند اور بیمار کو وہ تعویذ دیتا تھا وہ تکلیف اور بیماری دور ہو جاتی تھی۔ ایک میرے دوست تاج الدین مینائی کا بچہ بیمار ہو گیا۔ انہوں نے آ کر میرے سے یہی تعویذ مانگا۔ میں نے جس جگہ رکھا تھا۔ ہر چند تلاش کیا نہیں ملا۔ انجام کار وہ بچہ مر گیا۔ اسکے مرنے کے بعد اسی طاق سے مل گیا جہاں رکھا تھا یعنی چونکہ اس دوست کے بچہ کے مرنے کا وقت آ چکا تھا وہ تعویذ نہیں ملا۔ غائب ہو گیا تھا۔

اقول۔سبحان اللہ کیا عظیم الشان یہ کرامت حضور شیخ الاسلامؒ کے موئے مبارک کی ہے کہ وہ بچہ مرنے والا تھا۔ موئے مبارک نظر نہیں آیا اور بچہ کے مرنے کے بعد اسی طاق میں رکھا ہوا دکھائی دیا۔

''سیر الاولیاء'' صفحہ 85 میں ہے حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک شخص دہلی سے بہ نیت توبہ پاک پتن شریف کی طرف حضور شیخ الاسلامؒ کے دست مبارک پر توبہ کرنے کی نیت سے روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک عورت مطربہ ہمراہ ہوگئی۔ ایک منزل میں ایسی صورت پیش آئی کہ ایک سواری میں دونوں کو بیٹھنے کا اتفاق ہوگیا۔ مطربہ اسکے نزدیک ہوئی۔ کچھ حجاب درمیان میں نہ رہا۔ ہر چند وہ شخص بچتا رہا مگر بہ تقاضائے بشریت دل میں مطربہ کی طرف رغبت پیدا ہوئی۔ کچھ بات کہی یا ہاتھ بڑھایا تھا کہ ایک صاحب بزرگ ظاہر ہوئے اور اسکے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا فلاں بزرگ کے پاس توبہ کی نیت سے جا رہا ہے' پھر یہ کیا خیال ہے۔ وہ شخص فوراً متنبہ ہوگیا اور جب خدمت اقدس حضور شیخ الاسلامؒ میں حاضر ہوا تو اول حضور ممدوح نے بھی فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے اس روز تجھے بچایا۔

نیز حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضور شیخ الاسلامؒ کے مریدوں میں سے ایک مرید کا نام محمد شاہ غوری تھا۔ صحیح الاعتقاد شخص تھا۔ ایک دن بہت پریشانی اور اضطراب کی حالت میں حاضر خدمت ہوا۔ حضور نے فرمایا کیا حال ہے۔ عرض کیا میرا بھائی بیمار تھا۔ اسوقت جاں بلب ہے اور شاید اس کا کام تمام ہو چکا ہو۔ اس واسطے میں بیقرار ہوں۔ حضور شیخ الاسلامؒ نے فرمایا جو حال تیری بیقراری اور اضطراب کا اسوقت ہے میں تمام عمر ایسی حالت میں ہوں لیکن کسی سے نہیں کہتا اور جا تیرا بھائی اچھا ہے۔ چنانچہ محمد شہ غوری حضور سے یہ سنکر گھر آیا تو اپنے بھائی کو تندرست پایا کہ بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا ہے۔

مصنف ''سیر الاولیاء'' صفحہ 86 حضرت مولانا محمد مبارکؒ فرماتے ہیں کہ خواجہ احمد شیبانی حضور شیخ الاسلامؒ کے مریدوں میں سے تھے۔ فرماتے تھے کہ میرا یہ کام تھا کہ حضور شیخ الاسلام فریدالملتہ والدینؒ کے واسطے وضو اور غسل کے پانی کا انتظام رکھتا تھا۔ ایک دن میری کمر میں درد ہونے لگا اور خدمت مذکورہ کے واسطے پکار ہوئی۔ میں نے کہا میری کمر میں درد ہو رہا ہے۔ پانی کی مشک نہیں لاسکتا۔ حضور شیخ الاسلام نے حکم دیا احمد شیبانی کو میرے سامنے لاؤ۔ جب خدمت اقدس میں حاضر ہوا پاس بلا کر فرمایا اپنی پشت ٹیڑھی کرو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ حضور شیخ الاسلام نے دست مبارک اپنا میری پشت پر پھیرا اور فرمایا جا پانی لا۔ اسوقت سے کہ عالم جوانی تھا ابتک کہ سو برس کی عمر میری ہوگئی ہے کبھی میری پیٹھ میں درد نہیں ہوا اور میں برابر پانی کی مشکیں بافراط لاتا رہا ہوں۔ مولانا محمد مبارک فرماتے ہیں کہ خواجہ احمد سنبانی سلطان تغلق کے زمانے میں اجودھن سے غیاث پور میں حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ کی خدمت میں آئے تھے بوڑھے تھے۔ سو برس کے قریب کی عمر تھی۔ قد بدستور سیدھا تھا۔ کچھ انحناء پیدا نہیں ہوا تھا۔

اقول۔ حضور شیخ الاسلامؒ کی کرامات لاتعداد لاتحصی ہیں۔ صدہا کتابیں حضور ممدوح کے کمالات اور کرامات کے ذکر سے لبریز ہیں۔ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ حضور شیخ الاسلام کے خلفا میں جنکی تعداد بہت زیادہ ہے یہاں تک بعض کتابوں میں ستر ہزار تک لکھے ہیں۔ دو خلیفہ ایسے کامل مکمل گزرے ہیں کہ قیامت تک آفتاب اور ماہتاب کی طرح ان کا نام نامی تمام عالم میں روشن اور مشرق سے مغرب تک ان کا فیضان پرتو افگن رہیگا۔ ایک ان میں حضرت مخدوم العالین

سیدنا و سید ساداتنا سید مخدوم علاء الدین علی احمد صابرؒ دوم سیدنا و شیخ مشائخنا حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ ہیں۔ ان دونوں خلیفہ کا وجود باجود کہ افراد امت سے گزرے ہیں حضور شیخ الاسلامؒ کی ایسی کرامت ہے کہ ہزار کرامتوں سے بڑھی ہوئی ہے

''اقتباس الانوار'' صفحہ 160 میں لکھا ہے کہ تمام مشائخ وقت مثل حضرت الاسلام زکریا ملتانیؒ و حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی وغیرہما'' حضور شیخ الاسلا فرید الملتہ والدینؒ کے کمال عشق اور نہایت عرفاں اور محبوبیت اور وجدان پر متفق تھے۔ جس قدر ریاضات و مجاہدات حضور شیخ الاسلام سے منقول ہوئے وہ امتہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ یں بہت کم کسی ور ولی سے نقل کئے گئے ہیں۔ کشف و کرامت اور وجد و حال اور ہمت و شجاعت میں عدیم المثال تھے اور تربیت مریدان یں تو وہ ملکہ حاصل تھا کہ اندک توجہ میں ساکنان ناسوت کو مقام لاہوت میں پہچاتے تھے۔ ایسا علم سلوک اپنے خلفا نامدار کو ڑھا گئے ہیں اور اپنے خدام والا مقام کو وہ طریقت سکھا گئے ہیں کہ طالبیں نام خدا اور عاشقین راہ مولی حضور شیخ الاسلام کے سلاسل عالیہ میں صدق دل کے ساتھ کسی سلسلہ میں خواہ صابریہ میں یا نظامیہ میں داخل ہوتے ہیں اور مرشد وقت کے بتلانے پر سچائی سے عمل کرتے ہیں وہ علیٰ قدر استعداد ساحلِ مقصود اصلی تک پہنچنے سے محروم نہیں رہتے۔ عاشقان خواجگان چشت را از قدم تا سر نشاں دیگر است کے مصداق واقعی حضورہی کے سلسلہ عالیہ کے نام لیوا ہیں۔

حضور شیخ الاسلام کی وفات کا بیان

''جواہر فریدی'' وغیرہ میں مرقوم ہے کہ 664 ہجری میں حضور شیخ الاسلام فرید الملتہ والدینؒ پانچویں تاریخ محرم الحرام میں بیمار تھے۔ عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد استغراق غالب ہوگیا۔ ہوش آنے پر حاضرین سے پوچھا میں نے نماز عشا ادا کی ہے یا نہیں۔ تمام نے عرض کیا حضور آپ نے نماز عشا ادا کرلی ہے۔ حضور شیخ الاسلام نے یہ سنکر فرمایا پھر پڑھ لوں۔ دیکھئے آئندہ کیا ہو نماز میسر آئے یا نہیں۔ چنانچہ دوسری دفعہ نماز عشا ادا کی۔ پھر استغراق غالب ہوگیا لیکن جب کچھ افاقہ ہوا تو یہی پوچھا میں نے نماز عشا ادا کرلی ہے یا نہیں۔ جملہ حاضرین نے عرض کیا حضور نے دو دفعہ نماز عشا پڑھ لی ہے۔ اسوقت حضور شیخ الاسلام کی زبان مبارک پہ بھی آیا کہ مولانا نظام الدین دہلی میں ہیں یہاں موجود نہیں ہیں۔ اسی طرح میں بھی وقت وفات اپنے خواجہ کے موجود نہیں تھا۔ مولانا بدر الدین اسحاق کو طلب فرمایا اور آہستہ کان میں کہا کہ میری وفات کے بعد جو لباس مجھے حضرت پیر دستگیر قطب الملتہ والدینؒ سے ملا ہے وہ نظام الدین کو پہنچا دیں۔ یہ کہہ کر پھر وضو کے واسطے پانی منگوایا۔ وضو فرما کر تیسری دفعہ نماز ادا کی۔ بعد اتمام نماز کے اور نوافل کے سجدہ میں سر رکھا اور یا حی یا قیوم کہتے ہوئے جنت کو سدھارے۔ اس وقت تمام حاضرین نے یہ آواز غیب سے سنی۔ دوست بدوست پیوست یعنی دوست اپنے دوست سے جاملا۔ اقول یہ جملہ مطابق ہے اس روایت متواتر کے جو حضرت خواجہ خواجگان غریب نواز خواجہ معین الملتہ والدینؒ کی نسبت منقول ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز کی پیشانی مبارک پر وفات کے وقت خط سبز سے یہ لکھا ہوا ظاہر ہوگیا تھا'' حبیب اللہ مات فی حب اللہ'' یعنی اللہ کے پیارے نے اللہ کی محبت میں وفات پائی۔

''جواہر فریدی'' صفحہ 294 یں بحوالہ'' سیر الاولیاء'' و'' اسرار السالکین'' وغیرہ نقل کیا ہے کہ حضور شیخ الاسلام فرید

Marfat.com

الملتہ والدین کی وفات کے بعد تمام خلفا موجودین اور صاجبزادگان نے غسل دیا اور سب نے یہ ارادہ کیا کہ شہر کے باہر اس جگہ دفن کریں جہاں شہیدوں کے مزارات ہیں اور حضور شیخ الاسلام بھی جب اول تشریف لائے وہیں ٹھہر گئے تھے۔ اس عرصہ میں خواجہ نظام الدین حضور شیخ الاسلام کے صاجبزادہ قصبہ بیاولی سے پہنچ گئے۔ حضور ممدوح نے انکو خواب میں یاد فرمایا تھا۔ بیدار ہوتے ہی روانہ ہو گئے مگر جب پاکپٹن پہنچے دروازہ شہر پناہ کا بند تھا۔ رات بھر شہر کے باہر رہے اور حضور شیخ الاسلام نے وقت رحلت فرمایا تھا کہ میرا پسر نظام الدین آیا مگر افسوس ملاقات نہیں ہوئی۔ اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اس کا مشورہ بہتر ہو گا۔ جب صبح ہوئی اور وہ دروازہ شہر میں داخل ہونے لگے دیکھا جنازہ حضور شیخ الاسلام کا تیار ہے۔ پوچھا کہاں دفن کرو گے۔ جواب ملا شہر کے باہر شہداء کے پاس دفن کریں گے کہ وہ بہتر جگہ ہے۔ صاجبزادہ خواجہ نظام الدین نے کہا اگر ایسا کرو گے تو کئی باتوں کے خلاف ہوگا۔ اول یہ کہ یہ تمام برکت حضور شیخ الاسلام ہی کے وجود باجود سے اس شہر میں ہے۔ بیرون شہر مزار ہوگا تو اس برکت سے محروم ہو جائیں گے۔ دوم جو اولیا سلسلہ زیارت مزار مقدس کو آیا کریں گے وہ باہر ہی آئیں جائیں گے۔ انکے فیوض سے بھی یہ شہر محروم رہیگا۔ سوم حضور شیخ الاسلام کی اولاد کا قبضہ شہر میں نہیں رہیگا۔ چوتھے تمام خلفاء بھی اسوقت موجود نہیں۔ علی الخصوص اکل الخلفا محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین دہلی میں ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ انکے آنے تک نعش مبارک کو امانت کے طور پر رکھیں اور حجرہ شریفہ حضور شیخ الاسلام میں جائے مدفن بنائی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ چندروز میں حضرت محبوب الٰہی بھی حسب الہام غیبی دہلی سے پہنچ گئے۔ اس عرصہ میں جب روضہ شریفہ کی بنیاد رکھتے تھے کچھ نہ کچھ روک پیدا ہو جاتی تھی۔ انجام کار جب حضرت محبوب الٰہیؒ پہنچے تو آپ کو الہام ہوا کہ پاک اینٹوں سے روضہ تعمیر کرو۔ اینٹوں پر کلام اللہ تمام کر کے عمارت میں لگاؤ۔ ہزارہا حافظ جمع ہو گئے اور اس طرح قرآن شریف پڑھکر اینٹوں پر دم کیا اور روضہ شریف حضور شیخ الاسلام کا تعمیر کرایا۔

جب روضہ شریف تیار ہو گیا تمام صاجبزادوں نے اور خلفاء نے اور حضرت محبوب الٰہی نے جسم مقدس حضور شیخ الاسلامؒ کا جو امانتاً رکھا ہوا تھا' قبر شریف سے نکال کر طرح طرح کی خوشبوؤں سے معطر کیا۔ اس موقعہ پر روح مقدس حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلام علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔ ارواح مقدس انبیا علیہم السلام وارواح اصحاب وائمہ وارواح پیران عظام اولیاء موجودین پر ظاہر ہوئیں اور حضور شیخ الاسلامؒ کے جسم مطہر کو اس روضہ شریف میں دفن کیا۔

بیان بہشتی دروازہ

حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ نے معہ دیگر خلفا وصاجبزادگان کے روضہ شریفہ حضور شیخ الاسلامؒ کا تیار کراتے وقت ایک جالی مشرق کی جانب رکھی اور ایک شمال کی طرف بنائی اور دروازہ جنوب کی طرف رکھا۔ اسی حال میں کہ تمام حضور شیخ الاسلام کے دفن کرنے میں مصروف تھے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کو الہام ہوا مشرق کی جانب جو جالی بنائی ہے اسے گرا دو کہ اس طرف سے حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مقدس اور ارواح مقدسہ دیگر انبیا علیہم السلام اور ارواح اصحاب اور اولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہم تشریف لے جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حضور سید المرسلین صلوات اللہ علیہ و علیٰ جمیع الانبیا اجمعین کی روح مقدس معہ ارواح مقدسہ دیگر انبیاء اس طرف سے عبور فرما کر روضہ شریف کے متصل اسجگہ

Marfat.com

جلوہ افروز ہوئیں جس جگہ کا نام قدم رسول ہے اور وہاں چھوٹا حجرہ بنادیا ہے اور اس مشرقی جالی کی اینٹیں جو کچی تھیں حضور شیخ الاسلامؒ کی لحد شریف میں لگادی گئیں۔ اس دروازہ کا نام نوری دروازہ ہے۔ جنوب کی جانب سے جہاں دروازہ رکھا تھا اور حضور شیخ الاسلامؒ کا جنازہ روضہ شریف کے اندر لے گئے تھے اسوقت حضور سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس معہ ارواح دیگر انبیا علیہم السلام وارواح اولیاء رضی اللہ عنہم ہمراہ تھیں۔ پس اس دروازہ کی نسبت حضرت محبوب الٰہیؒ کو حکم ہوا کہ منادی کر دو کہ یہ بہشتی دروازہ ہے۔ جو کوئی ایمان اور اخلاص کے ساتھ اس دروازہ میں سے نکلے گا' وہ بہشت کا مستحق ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت محبوب الٰہیؒ نے منادی فرمادی اور قیامت تک اس جنوبی دروازہ کا نام بہشتی دروازہ مشہور نزدیک و دور ہوگیا۔

ہر سال لکھوکھا اہل اسلام کمال اخلاص اور نہایت ارادت کے ساتھ پاکپتن شریف کے عرس میں حاضر ہوکر اس بہشتی دروازہ سے نکلتے ہیں اور حسب حوصلہ وحصہ خود فیض پاتے ہیں۔

زمانہ فیض نشانہ حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ سے کہ 725 ہجری میں انکی وفات ہوئی ابتک کہ 1334 ہجری ہے' تمام مشائخ چشتیہ صابریہ ونظامیہ خصوصاً نیز بزرگان سلاسل عالیہ قادریہ سہروردیہ وغیرہا عموماً جو ہر سال عرس شریف حضور شیخ الاسلامؒ میں حاضر ہوتے ہیں' نہایت عقیدت اور غایت آرزومندی سے اس دروازہ بہشتی سے گزرتے ہیں اور فیض پاتے ہیں۔

الحمدللہ یہ عاجز راقم الحروف بھی اس سلسلہ عالیہ کا نام لیوا ہے۔ اس دولت سے مشرف ہوا ہے۔ گزرتے وقت یقیناً ایسا سرور باطنی حاصل ہوا کہ زبان قلم اسکے اظہار سے عاجز ہے۔ بلاشبہ وقت مرور حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ کے فیض نے دل عقیدت منزل کو لبریز فرمادیا اور اس دروازہ کا اسم بامسمیٰ ہونا تصدیق کرادیا۔ ''چشتیہ بہشتیہ'' میں لکھا ہے کہ زمانہ سجادگی حضرت دیوان شیخ ابراہیم کبریؒ میں موقعہ عرس شریف پر ایک عالم نے دیوان صاحب سے کہا کہ بہشتی دروازہ نام رکھنا شریعت کے خلاف ہے۔ حضرت دیوان صاحب نے بلاکر آہستہ سے فرمایا ابھی آپ ٹھہریں۔ بہشتی دروازہ کھلنے پر جواب مل جائے گا۔

چنانچہ اس موقعہ پر دیوان صاحب نے اپنی چادر شریف ان عالم کے سر پر ڈال دی۔ اسکی برکت اور دیوان صاحب کی کرامت سے عالم مثال مکشوف ہوگیا۔ دیکھا کہ دروازہ میں داخل ہوتے وقت اکثر داخل ہونے والے حیوانات خبیثہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں مگر جب مشرقی دروازہ سے باہر نکلتے ہیں تو انسان دکھلائی دیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ عالم اپنے خیال سے تائب ہوئے اور حضرت دیوان صاحب کی دولت بیعت سے مشرف ہوگئے۔

بیان سجادگان حضور شیخ الاسلامؒ

حضور شیخ الاسلامؒ کے سلسلہ عالیہ طریقت میں جیسی برکت ہوئی کہ مشرق ومغرب میں پھیلا اور لکھوکھا اہل سلام کو درجہ عرفان اور قرب حضرت سبحان تک پہنچایا۔ ایسے ہی حضور کے سلسلہ نسبی میں برکت ہوئی کہ حضور کے پانچ صاحبزادہ ہوئے۔ پانچوں ولی کامل اور عارف واصل تھے۔ پھر آئندہ انکی اولاد اور اولاد کی اولاد کثرت سے ہوئی جن میں صدہا علماء

Marfat.com

اور ہزارہا اولیاء ہوتے گئے اور جابجا شہروں میں مخلوق کو ہدایت کے راستہ پر لاتے رہے اور حضور کے سلسلہ عالیہ کو پھیلایا مگر حضور شیخ الاسلام کی اولاد میں سے سجادگی کا منصب حضرت خواجہ بدرالدین سلیمانؒ ہی کو عطا ہوا اور آئندہ نسلاً بعد نسل انہیں کی اولاد و احفاد میں سجادگی رہی۔ حضرت خواجہ بدرالدین حضور شیخ الاسلامؒ سے خلافت پانے کے علاوہ آپ نے خواجہ غورؒ اور خواجہ زورؒ سے بھی خلافت حاصل کی تھی۔ یہ دونوں بزرگ چشت سے تشریف لائے تھے۔ حضور شیخ الاسلامؒ نے تبرکاً حضرت خواجہ بدرالدین اور بڑے صاحبزادہ حضرت خواجہ شہابؒ الدین دونوں کو ان سے بیعت کرایا تھا اور کلاہ ارادت دلوائی تھی۔ پانچ سال تک آپ نے حق سجادگی ادا کیا اور چہارم شعبان 669ھ چھ سو انہتر ہجری میں وفات پائی۔ انکے بعد انکے بڑے صاحبزادہ حضرت مخدوم علاؤ الدین الملقب بہ موج دریا سجادہ نشین ہوئے۔ ایسے مرتاض اور عابد تھے کہ حضرت کو فرید ثانی کہتے تھے۔ چنانچہ حضرت امیر خسروؒ نے انکی تعریف میں قصیدہ لکھا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے۔ شعر:

علاء دنیا و دیں شیخ زادہ عصر
کہ شد بمرتبہ قائمقام شاہ فرید

یہ قصہ ان کا مشہور ہے کہ ایک دن حضور شیخ الاسلام فرید الملۃ والدینؒ وضو کرنے کو تیار ہوئے۔ دستار مبارک مصلی پر رکھ دی۔ ان حضرت نے پیچھے سے آ کر وہ دستار شریف اپنے سر پر رکھ لی۔ خادم نے روکا اور کہا صاحبزادہ بے ادبی نہ کرو۔ حضور شیخ الاسلامؒ نے پس پشت دیکھ کر تبسم کیا اور فرمایا منع نکرو۔ یہ اسکے لائق ہے اور یہ دستار اسکی اولاد کو پہنچے گی اور میری نعمت اس میں سرایت کرے گی۔ حضور شیخ الاسلام نے اپنی کرامت سے جو خبر دی تھی وہ اس طرح ہوئی کہ آئندہ کو سجادگی حضرت موج دریا کی اولاد میں رہی۔ دستار شریف کے مستحق وہی ہوئی اور یہ اپنے زمانہ کے قطب الاقطاب ہوئے۔ ہزارہا خوارق اور کرامات آپ سے صادر ہوئیں۔ غرہ ماہ شوال سات سو بیس میں وفات پائی۔ سلطان غیاث الدین محمد تغلق نے جو گنبد حضرت ممدوح کے واسطے تیار کرایا تھا' اس ہی میں مزار شریف آپ کا بنایا گیا۔

انکے بعد حضرت دیوان عزالدین جانشین ہوئے۔ صاحب حال وقال تھے۔ وجد وسماع میں رہتے تھے۔ پیران عظام کی زیارت کا شوق غالب تھا۔ دہلی اور اجمیر شریف کے علاوہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً بھی ہو آئے تھے۔ اپنے بھائی مخدوم حضرت علم الدینؒ کی ملاقات کے واسطے ملک گجرات میں تشریف لے گئے تھے کیونکہ حضرت علم الدین وہاں کے شیخ الاسلام تھے۔ اتفاقاً کفار سے جنگ پیش آ گئی۔ وہیں سات سو انچاس میں تیرہ محرم الحرام کو شہید ہو گئے۔ نعش مبارک پاک پٹن شریف میں لائی گئی اور گنبد کلاں میں مزار شریف بنایا گیا۔

ان کے بعد حضرت دیوان محمد فضیل ان کے صاحبزادہ جانشین ہوئے۔ بعض کتب میں دیوان فضل الدین نام نامی لکھا ہے۔ صاحب کشف وکرامت تھے۔ ماہ رجب کی انتیس تاریخ 756 ہجری میں وفات پائی۔

ان کے بعد حضرت دیوان منور شاہ اپنے والد ماجد کے جانشین ہوئے۔ صاحب فضیلت وریاضت تھے۔ ماہ صفر کی تیسری تاریخ 806ھ آٹھ سو چھ میں دنیا سے سدھارے۔

انکے بعد حضرت دیوان نورالدینؒ اپنے والد ماجد کے جانشین ہوئے۔ باکمال بزرگ تھے۔ رمضان المبارک کی ستائیسویں تاریخ 824ھ آٹھ سو چوبیس میں دنیا کو خیر باد کہا۔

Marfat.com

انکے بعد حضرت دیوان بہاء الدینؒ اپنے بھائی کے قائمقام اور سجادہ نشین ہوئے۔ ہر لحظہ یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ رجب کی ساتویں تاریخ 842ھ آٹھ سو بیالیس میں راہی ملک بقا ہوئے۔

انکے بعد حضرت یونس بن دیوان بہاء الدین رحمتہ اللہ علیہما سجادہ نشین ہوئے۔ بڑے فیاض اور صاحب حال تھے۔ ربیع الاول کی سترہ تاریخ 856 ہجری آٹھ سو چھپن میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

انکے بعد حضرت دیوان احمد شاہ اپنے والد ماجد کی جگہ سجادہ نشین ہوئے۔ ایسے سخی تھے کہ جو نذرانہ روزمرہ آتا تھا خرچ کر دیتے تھے۔ ماہ ذیقعد کی آٹھویں تاریخ 877ھ آٹھ سو ستتر ہجری میں دنیا سے تشریف لے گئے۔

انکے بعد دیوان پیر عطا اللہ بجائے والد ماجد خود جانشین ہوئے۔ صاحب زہد و ریاضت تھے۔ 895ھ میں آٹھ سو پچانویں ہجری میں رحلت فرمائی عالم بقا ہوئے۔ مزار شریف مستورات کے مزارات کی چار دیواری کی جانب سطر سوم میں ہے۔

ان کے بعد حضرت دیوان شیخ محمدؒ سجادہ نشین ہوئے ولی کامل تھے۔ بابر بادشاہ آپ کی دعا سے ہندوستان کا بادشاہ ہوا جیسا کہ ''گلزار فریدی'' وغیرہ میں مرقوم ہے۔ شوال کی چوتھی تاریخ 917ھ نو سو سترہ ہجری میں وفات پائی۔

انکے بعد حضرت دیوان ابراہیم بن دیوان شیخ محمد رحمتہ اللہ علیہما جانشین ہوئے۔ مشہور مشائخ میں سے تھے۔ بابا نانک سکھوں کا پیشوا آپکی خدمت میں حاضر ہو کر فیضیاب ہوا تھا۔ ماہ رجب کی اکیس تاریخ 959ھ نو سو انسٹھ ہجری میں دارالبقا کو سدھارے۔

انکے بعد حضرت دیوان تاج الدین محمود بن حضرت دیوان ابراہیم سجادہ نشین ہوئے۔ کرامات آپکی مشہور ہیں۔ اکبر بادشاہ آپکی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور آپ ہی نے بادشاہ کو حضرت سلیم چشتیؒ کی خدمت میں بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ انکی دعا سے تمہارے گھر میں فرزند پیدا ہوگا۔ ماہ صفر کی سترہ تاریخ 1022ھ ایک ہزار بائیس ہجری میں آپ نے وفات پائی۔

حضرت دیوان فیض اللہ بن تاج الدین محمود آپ کو حضرت تاج الدین محمود نے اپنی حیات ہی میں سجادہ نشین بنا دیا تھا مگر بعد سجادگی صرف دو سال زندہ رہے۔ ماہ ذالحجہ کی پچیسویں تاریخ 1018ھ ایک ہزار اٹھارہ میں وفات پا گئے۔ انکے بعد انکے صاحبزادہ ابراہیم اصغر کو خود ان کے جد امجد حضرت تاج الدین محمود نے کہ زندہ تھے' سند سجادگی پر بٹھایا۔ ولی کامل تھے۔ 1031ھ ایک ہزار اکتیس ہجری میں 18 محرم الحرام کو آپ نے وفات پائی۔

انکے بعد حضرت دیوان شیخ محمد بن دیوان ابراہیم اصغر جانشین ہوئے۔ بڑے عالم باعمل اور صوفی بے بدل گزرے ہیں۔ مولانا علی اصغر کہ اولا دامجاد حضور شیخ الاسلامؒ سے ہیں آپکی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ بیعت ہوئے اور حضرت کے اشارہ سے کتابیں سیر اور سلوک میں تصنیف فرمائیں اور وہ معلومات جو سینہ بسینہ جانشینان و سجادگان حضور شیخ الاسلام فرید الملتہ والدینؒ میں چلے آتے تھے' انکو قلمبند فرمایا اور ہمیشہ کو خادمان اولیا چشت اہل بہشت پر کمال احسان کیا۔ تین کتابیں اس عاجز راقم الحروف نے مولانا ممدوح کی مطالعہ کیں۔ ''جواہر فریدی'' تو مطبوعہ ہے اور ''مناقب چشت'' قلمی رسالہ ہے۔ اس میں مولانا علی اصغر نے حضرت دیوان شیخ محمد صاحبؒ کے حالات اور ملفوظات جمع کئے ہیں۔ دیکھنے

کے قابل ہے۔

تیسری کتاب ''مخزن مناقب چشت'' نام قلمی ایک مطوّل کتاب ہے جسکے تقریباً 38 دفتر ہیں۔ اس میں وہ حقائق طریقت اور دقائق حقیقت مولانا علی اصغرؒ نے زبان مبارک حضرت دیوان شیخ محمدؒ سے سنکر درج کیئے ہیں جو اور کتابوں میں بہت کم نظر آئیں گے۔ حضور شیخ الاسلامؒ کے خلفاء کے حالات علی الخصوص سلطان العاشقین سیدنا حضرت سید مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابریؒ کے وہ کمالات درج کیئے ہیں جو ایمان کو تازگی بخشنے والے ہیں۔ فجرا هما الله تعالیٰ عن اهل الاسلام بما اهل الطريقت و خدام الچشت خير الجزاء۔

حضرت دیوان شیخ محمدؒ نے 1083ھ ایک ہزار تیراسی ہجری میں وفات پائی۔ انکے بعد انکے صاحبزادہ حضرت دیوان محمد اشرفؒ سجادہ نشین ہوئے۔ زمانہ محمد شاہ آپ دہلی تشریف لائے تھے۔ اسوقت بکثرت کرامات آپ سے ظاہر ہوئیں۔ ماہ ذیقعد کی پانچویں تاریخ 1122ھ میں وفات پائی۔

انکے بعد حضرت دیوان محمد سعید حضرت دیوان محمد اشرف کی ہمشیرہ زاد سجادہ نشین ہوئے۔ یکم شوال 1150ھ میں آپ نے وصال فرمایا۔

انکے بعد انکے چھوٹے بھائی دیوان عبدالسبحان سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ یہ زمانہ ایسا تھا کہ دہلی کی بادشاہت باقی نہیں رہی تھی۔ ہر جگہ خود مختار سردار پیدا ہو گئے تھے۔ دیوان عبدالسبحان صاحب بھی اسوقت اعلیٰ درجہ کے سردار تھے۔ نواب بہاول خان والی ریاست بہاولپور کو آپکی امداد سے قوت حاصل ہوئی اور اپنے علاقہ پر قبضہ کیا۔ شہر پناہ پاک پٹن شریف کو از سرنو تعمیر کرایا۔ اولاد نرینہ نہیں چھوڑی۔ ہنگامہ سیدان افغاناں میں شہادت پائی۔ تاریخ شہادت دس جمادی الثانی 1180ھ لکھی ہے۔

انکے بعد انکے داماد دیوان غلام رسول سجادہ نشین ہوئے۔ صاحب کرامت تھے اور وہی اقتدار حاصل کیا جو حضرت عبدالسبحان انکے خسر کو حاصل تھا۔ اعلیٰ درجہ کے بامروت اور قبیلہ پرور تھے۔ 1224ھ بارہ سو چوبیس ہجری میں وفات پائی۔ مصنف رسالہ ''چشتیہ بہشتیہ'' نے انکے حالات اور کمالات لکھے ہیں۔ یہ کتاب قلمی ہے۔ عزیز مولوی فضل احمد نظامی امروہی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

انکے بعد ان کے صاحبزادہ دیوان محمد یار سجادہ نشین ہوئے۔ یہ زمانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا تھا۔ چونکہ دیوان محمد یار صاحب کمال درجہ اوقات کے پابند تھے حکومت اور سرداری سے دست کش ہو کر عبادت اور ریاضت میں مصروف ہو گئے مگر مہاراجہ نے واسطے خرچ لنگر کے جاگیر دی اور کچھ مواضعات پاکپٹن کے دیئے اور نقدی بھی نذر کی۔ کچھ جاگیر نواب بہاول خان نے پیش کی۔ ریاست حیدر آباد کی طرف سے بھی کچھ مقرر ہوا۔ سرکار انگریزی نے بھی جاگیر کو بحال رکھا۔ ''گلزار فریدی'' میں مصنف کتاب اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایام عرس حضور شیخ الاسلام فرید الملتہ والدینؒ میں حضرت دیوان یار محمد صاحب ایسے بیمار ہوئے کہ بیہوش پڑے رہتے تھے مگر وقت ادا رسم ختم وغیرہ خود بخود بیدار ہو کر وضو کرتے اور لباس پہن کر درگاہ شریف میں حاضر ہو کر رسوم ختم وغیرہ ادا کرتے۔ جب دولت خانہ پر آتے وہی حال ہو جاتا۔ ایک فقیر صاحب حال نے کہا سبحان اللہ، عجب شان حضور شیخ الاسلام کی ہے کہ مردہ سے خدمات عرس سرانجام دلا رہے ہیں چنانچہ

یہی بات ثابت ہوئی کہ بعد اختتام عرس و داخلی محرم الحرام کی ساتویں تاریخ رات کے وقت 1244ھ بارہ سو چوالیس ہجری میں وفات پائی۔

انکے بعد انکے نواسہ حضرت دیوان شرف الدینؒ سجادہ نشین قرار پائے۔ سخاوت و مروت میں حاتم اپنے زمانہ کے تھے۔ انیس رمضان المبارک 1261ھ بارہ سو اکسٹھ ہجری میں آپ نے وفات پائی۔

انکے بعد انکے چھوٹے بھائی دیوان حضرت پیر اللہ جوایا سجادہ نشین قرار پائے۔ بڑے فیاض تھے۔ مساکین اور مسافروں کو اسپ معہ پوشاک وزادِ راہ عطا فرمادیا کرتے تھے۔ سنہ وفات آپ کا معلوم نہیں ہوا۔

انکے بعد انکے نواسہ حضرت دیوان سید محمد صاحب حضرت پیر اللہ جوایاؒ نے اپنی حیات شریف میں آپ کو قائم مقام اپنا قرار دیا تھا۔ علاوہ تعلق نواسگی کے آپ کو متبنیٰ بنالیا تھا۔ آپ صغیرسن ہی تھے کوئی تجربہ آپکو نہیں تھا کہ ایسے بڑے کام کو سنبھالتے اور نہ کوئی خاندان میں سے آپ کا معاون تھا۔ ایسی حالت میں پیر عبدالرحمٰن صاحب نے ان کے خلاف سجادگی کا دعویٰ کر دیا۔ بعض عدالتوں میں کامیاب ہوئے مگر پریوی کونسل تک نوبت پہنچی جس میں حضرت دیوان سید محمد صاحب کو اللہ کریم نے کامیابی دی۔ سنا ہے ایک بزرگ حضرت شاہ محمد حسن خاں صاحب چشتی صابری رامپوری نے ابتدا ہی میں فرمادیا تھا کہ لوح محفوظ پر سجادگی دیوان سید محمد صاحب کے نام لکھی ہوئی ہے۔ ناامید نہ ہوں انجام کار ضرور کامیاب ہونگے اور حافظ امیر حسن مرحوم سہانپوری نے راقم الحروف سے فرمایا تھا کہ اسی زمانہ شروع مقدمات میں حضرت دیوان سید محمد صاحب مع ماموں صاحب خود پیران کلیر شریف میں حاضر ہوئے تھے اور اطمینان قلبی کے ساتھ رخصت ہو کر گئے تھے جس سے معلوم ہو گیا تھا ضرور انشاء اللہ تعالیٰ انجام کار فتح پائیں گے۔

حضرت دیوان سید محمد صاحب کے زمانہ فیض نشانہ میں درگاہ شریف کا بہتر سے بہتر انتظام ہو گیا۔ عرس شریف اور دیگر مواقع پر مسافروں اور مہمانوں کی ایسی خبر گیری ہوتی ہے اور ایسا اچھا انتظام رہتا ہے کہ کسی کو شکایت کا موقع نہیں ملتا۔ خانقاہ شریف اور مہمان سرائے کو از سرنو درست کرایا ہے۔ پیران عظام کے ساتھ وہ اخلاص ہے کہ سبحان اللہ۔ ہر سال بلاناغہ بمقام دہلی حضرت قطب الاقطابؒ کے عرس شریف میں خود شامل ہوتے ہیں اور لنگر تقسیم فرماتے ہیں اور بارہ مہینہ وہاں اپنی طرف سے ایک منشی اس خدمت پر مامور کر دیا ہے کہ صادر وارد کی خبر رکھے کھانا کھلا دے۔ زہد و ریاضت کی یہ کیفیت ہے کہ اوقات شریفہ دیوان صاحب کے اوراد و وظائف سے معمور ہیں۔ سفر حضر میں کوئی ورد موقوف نہیں ہونے پاتا۔ اللہ کریم بہ برکت پیران عظام و بطفیل حضور شیخ الاسلام آپ کی عمر شریف میں برکت دے اور آپ کو فرزند ارجمند عطا فرمائے۔ آمین۔

اس کتاب کے ختم کرنے سے پہلے عاجز راقم الحروف کے اوپر اپنے ایک مکرم یعنی حضرت خواجہ شاہ عبدالصمد صاحب دہلوی چشتی نظامی فریدی کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ شاہ صاحب نے کتابیں ''سیر الاولیاء'' اور ''جواہر فریدی'' اور رسالہ ''چشتیہ بہشتیہ'' وغیرہا مجھے عنایت فرمائیں۔ جن کی مدد سے راقم نے یہ کتاب لکھی۔ کتاب ''اقتباس الانوار'' سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ شاہ صاحب کا وجود باجود اس وقت مشائخ چشتیہ نظامیہ فخریہ میں بمقام دہلی بساغنیمت ہے۔ کیوں نہ ہو حضور شیخ الاسلام فرید الملۃ والدینؒ کی اولاد امجاد سے اس شاخ میں ہیں جن کے مورث اعلیٰ مشہور بزرگ قطب وقت

Marfat.com

حضرت شیخ سلیم چشتیؒ ہیں۔

مابین حضرت خواجہ شاہ عبدالصمد اور حضرت شیخ المشائخ شیخ سلیم چشتیؒ دس واسطہ میں آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ شاہ محمد عبدالسلام صاحبؒ کامل بزرگ اپنے وقت کے تھے۔

حضرت ممدوح نے آپ کو اپنا جانشین کیا تھا اور حضرت قطب وقت خواجہ شاہ اللہ بخش تونسویؒ نے بھی آپ کو خلافت عطا فرمائی اور آپ کے حقیقی ماموں شاہ غلام معین الدین صاحبؒ خلف حضرت شاہ غلام نصیر الدین صاحب عرف میاں کالے صاحبؒ سے بھی جو حضرت فخر اولیاء مولانا فخر الملۃ والدینؒ کے پوتے ہیں' آپ کو سجادگی ملی ہے فقط۔ و ھذا اخر الکلام فی ھذا المقام و الحمد للہ علی حسن الاختتام و الصلوٰۃ و السلامُ علی سید الانام و علی الہ و اصحابہ البردۃ الکرام۔

کتبہ العبد العاجز العاصی محمد مشتاق احمد چشتی صابری انبٹھوی عن ذنبہ الخفی والجلی۔ ۱۳۳۹ ہجری۔

(تذکرہ فریدیہ۔ مؤلفہ محمد مشتاق احمد حنفی چشتی صابری انبٹھوی۔ دہلی' ۱۳۳۹ھ)

محمد سعید شبلی فرید کوٹی

ذکرِ سعید در سیرت بابا فریدؒ

نام

حضرت باباصاحبؒ کا نام نامی فریدالدین مسعود اور القاب گرامی گنج شکر اور زہدالانبیاء ہے۔

ولادت

آپ کی پیدائش کے سال میں اختلاف ہے۔ یکم ماہ شعبان 571ھ یا 575ھ یا 584ھ میں پیدا ہوئے۔

وصال باکمال

(منگل) پرسب متفق ہیں۔ مگر سن میں اختلاف ہے۔ 660ھ یا 664ھ یا 666ھ یا 670ھ یا 690 ہجری۔

عمر مبارک

سن پیدائش اور سال وفات کے اختلافات کی بناء پر آپ کی عمر مبارک 76 سال یا 80 سال یا 82 سال یا 85 یا 86 یا 89 یا 91 یا 93 یا 95 یا 99 یا 106 یا 115 یا 119 سال ہوئی۔ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ سے سوال کیا گیا کہ حضرت باباصاحب کی عمر کتنی ہوئی ہے تو انہوں نے فرمایا: 93 سال (فوائد الفواد۔ 53)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت کا سن 571ھ اور وصال کا 664ھ صحیح ہے۔

خاندان

آپ حضرت عمر بن الخطابؓ کی نسل مبارک سے ہیں۔ اس مبارک خاندان میں بڑے بڑے باکمال حضرات ہوئے۔ حضرت باباصاحب کے چھٹے دادا شیخ شہاب الدین احمد المعروف فرخ شاہ کابل کے بادشاہ تھے۔

شجرۂ نسب

حضرت بابافریدالدین مسعود ولد حضرت قاضی جمال الدین سلیمان ولد قاضی شعیب ولد حضرت شیخ محمد احمد ولد حضرت محمد یوسف ولد حضرت شیخ شہاب الدین احمد فرح شاہ کابلی ولد نصیرالدین محمود ولد شیخ سلیمان ولد شیخ مسعود ولد شیخ عبداللہ المعروف واعظ الاصغر ولد شیخ ابوالفتح المعروف واعظ الاکبر ولد شیخ اسحاق ولد شیخ ابراہیم ولد شیخ ادھم ولد شیخ سلیمان ولد شیخ منصور ولد شیخ ناصر ولد حضرت عبداللہ ولد حضرت امیرالمومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

کابل سے آپ کے اجداد کی آمد

آپ کے دادا شیخ شعیب اپنے تین لڑکوں اور دوسرے رشتہ داروں کے ہمراہ کابل سے لاہور آئے۔ اس کے بعد قصور پہنچے۔ قصور سے علاقہ ملتان کے مقام کھتوال چلے گئے، جس کو آج کل چاولی مشائخ کہتے ہیں۔ اسلامی حکومت نے

آپ کو قابلیت کی بناپر کھتوال کا قاضی مقرر کر دیا جس پر آپ قاضی شعیب کہلانے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے قاضی شعیبؒ کو تین فرزند عطا فرمائے تھے۔ بڑے کا نام قاضی جمال الدین سلیمانؒ تھا۔ یہی خوش نصیب حضرت بابا فریدؒ کے والد ماجد ہیں۔

آپ بڑے متقی، زاہد، عابد اور بڑے عادل تھے۔ مولانا وجیہہ الدین خجندی عباسی کی لڑکی بی بی قرسم خاتون کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا جو بڑی عابدہ، زاہدہ اور پرہیز گار خاتون تھیں۔

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات ''فوائد الفواد'' (ص 121) میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے شیخ حضرت بابا فریدالدینؒ کی والدہ محترمہ بہت بزرگ تھیں۔ اس حد تک کہ ایک رات ان کے گھر میں چور آ گیا۔ گھر والے سب سوئے ہوئے تھے۔ حضرت کی والدہ ذکر الٰہی میں مشغول تھیں۔ چور اندھا ہو گیا، باہر نہ نکل سکا اور چلّا اٹھا کہ گھر میں اگر کوئی مرد ہے تو وہ میرا باپ اور بھائی ہے اور اگر عورت ہے تو وہ میری ماں اور بہن ہے۔ جو بھی گھر میں ہے میں جانتا ہوں کہ اس کی ہیبت اور رعب نے مجھے اندھا کر دیا ہے۔ میری التجا ہے کہ وہ میرے لئے دعا کرے تاکہ میں بینا ہو جاؤں۔ میں توبہ کرتا ہوں کہ باقی تمام عمر چوری نہیں کروں گا۔ حضرت بابا صاحبؒ کی ماں نے دعا کی تو وہ بینا ہو گیا اور مکان سے نکل گیا۔ جب دن چڑھا تو حضرت کی والدہ نے رات کا واقعہ کسی سے بیان نہ کیا۔ ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد ایک شخص سر پر دہی کا برتن اٹھائے اور اپنے بال بچوں کو ہمراہ لئے آیا۔ اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں رات اس گھر میں چوری کرنے کے لئے آیا تھا۔ ایک بزرگ عورت یہاں جاگ رہی تھی۔ اس کے رعب اور ہیبت سے میں اندھا ہو گیا۔ جب اس عورت نے میرے لئے دعا کی تو میری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ میں نے اقرار کیا تھا کہ جب بینا ہو جاؤں گا، چوری سے توبہ کروں گا۔ اب آیا ہوں اپنے بال بچوں کو لایا ہوں تاکہ مسلمان ہو جاؤں۔ چوری سے توبہ کرتا ہوں۔ غرضیکہ آپ کی والدہ کی برکت سے وہ چور سچی توبہ کر کے اپنے اہل و عیال کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

قاضی جمال الدینؒ کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹے عطا فرمائے تھے۔ بڑے کا نام اعزالدین محمود، منجھلے کا نام فرید الدین مسعود اور تیسرے کا نام نجیب الدین متوکل تھا۔

تینوں خاندانی فضائل اور خصائل کے حامل تھے۔ عابد، پرہیز گار صاحب عرفان تھے۔ لیکن دوسرے یعنی منجھلے فریدالدین مسعود کو اللہ تعالیٰ نے وہ عظمت اور شان عطا فرمائی کہ اقلیم روحانیت کے سلطان بنے۔ بڑے بڑے بادشاہ، تاج دار اور گردن کش، امیر، غریب، گدا و فقیر آپ کے دربار سے گوہر ہائے مراد سے جھولیاں بھر بھر لے گئے اور لے جا رہے ہیں اور لئے چلے جائیں گے۔

زمانہ طفولیت:

عابدہ، زاہدہ، عارفہ اور شب بیدار ماں کی گود میں دودھ کے ساتھ ساتھ روحانی لطیف اور پاک غذا سے پرورش ہوئی اور لڑکپن میں ہی ماں نے ایسی تربیت اور تعلیم دی کہ بابا صاحبؒ چھوٹی سی عمر میں ہی صاحب کرامت ولی بن گئے۔

مہربان ماں نے نماز کی عادت ڈالنے کے لئے چھوٹی عمر میں ہی نماز شروع کرا دی۔ بچوں کو میٹھی چیزیں کھانے

کا بڑا شوق ہوتا ہے۔ ماں نے کہا اے فرید! اللہ کریم نماز پڑھنے والے کو شکر دیا کرتا ہے اور علی الصبح مصلیٰ کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیا کرتی تھیں۔ آپ جب نماز صبح پڑھ لیتے تھے تو مصلیٰ کا پلہ اٹھا کر شکر لے کر کھا لیا کرتے تھے۔

ایک روز ماں تو شکر مصلیٰ کے نیچے رکھنا بھول گئی۔ حضرت بابا فریدؒ حسب دستور نماز فجر پڑھ چکے تو مصلیٰ کا پلہ اٹھایا اور شکر لے کر کھانے لگے۔ ماں ذکر الٰہی میں مصروف تھیں۔ یاد آیا کہ آج تو شکر رکھنا بھول گئی ہوں۔ جلدی سے آپ کے پاس آئیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ بیٹا تو شکر کھا رہا ہے۔ حیران ہو کر پوچھا۔ اے فرید! شکر کہاں سے ملی؟ ہنستے ہوئے جواب دیا جہاں سے روز ملا کرتی ہے۔ آپ کی والدہ صاحبہ یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور کہا انشاء اللہ تو شکر کی طرح شیریں ہوگا۔

بابا صاحبؒ کے لقب گنج شکر کا سبب ایک تو یہی واقعہ ہوسکتا ہے۔

دوسرا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے جب طے کا روزہ رکھا' تو اس کے پورا کر لینے کے بعد تیسری مرتبہ کنکر منہ میں ڈالے تو وہ شکر ہو گئے۔ مرشد کے حضور میں عرض کیا تو حضرت قطب صاحبؒ نے فرمایا، تو نے بہت اچھا کیا کہ اس سے روزہ افطار کیا۔ یہ غیب سے تھا۔ تو شکر کی طرح شیریں ہوگا۔ اس روز سے آپ کو گنج شکر کہنے لگے۔

تیسرا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سوداگر اونٹوں پر شکر لاد کر لئے جا رہا تھا۔ حضرت بابا صاحب نے اس سے شکر مانگی۔ سوداگر نے جب ان باردانوں کو کھولا تو تمام کا تمام نمک نکلا۔ سوداگر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر کرنے لگا اور معافی مانگی اور عرض کیا کہ دعا کرو کہ یہ نمک شکر ہو جائے۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا شکر ہو جائے۔ شکر ہو گئی۔

ہمایوں بادشاہ کے وزیر اعظم محمد بیرم خاں نے اس واقعہ کے متعلق ایک رباعی بھی لکھی ہے۔ رباعی:

کان نمک و گنج شکر شیخ فرید
کز گنج شکر کان نمک کرد پدید

(ترجمہ) شیخ فرید نمک کی کان اور گنج شکر ہیں جنہوں نے شکر کے گنج سے نمک کی کان ظاہر کر دی۔

درکان نمک کرد نظر گشت شکر
شیریں ترازیں کرامتے کس نشنید

(ترجمہ) نمک کی کان میں نظر کی تو شکر ہو گئی۔ اس سے زیادہ شیریں کرامت کسی نے نہیں سنی۔

(اخبار الاخیار۔53)

چوتھا سبب یہ ہے کہ جب آپ مرشد کے حکم سے دہلی میں مجاہدہ کر رہے تھے تو حسب دستور پندرہ روز کے بعد ایک دن مرشد کی خدمت میں جا رہے تھے۔ برسات سے راستہ بہت خراب تھا۔ طے کے روزوں کے سبب آپ بہت کمزور تھے۔ لکڑی کے کھڑاؤں پہنے ہوئے تھے۔ ایک جگہ آپ کا پاؤں پھسل گیا اور آپ گر پڑے۔ کھیت کی کچھ مٹی آپ کے منہ میں چلی گئی۔ وہ منہ میں جاتے ہی شکر ہو گئی۔ مرشد نے یہ حال سن کر فرمایا! اے فریدالدین مسعود! یہ مٹی کا ٹکڑا جو تیرے منہ میں گیا اور شکر بن گیا ہے عجب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے وجود کو گنج شکر بنا دیا ہو۔ تو ہمیشہ شیریں رہے گا۔

یہ سن کر حضرت نے سجدہ شکر ادا کیا۔ جب وہاں سے اپنے حجرے کی طرف واپس ہوئے تو راستہ میں جہاں کہیں

Marfat.com

چند آدمی ملتے' وہ آپس میں آپ کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ یہ حضرت فرید الدین گنج شکر ہیں۔

پانچواں سبب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ چلہ معکوس کے آخری دن آپ کو غیب سے آواز آئی تھی کہ اے فرید! تیرے چلہ کو ہم نے قبول کیا اور تجھے اپنے لئے چن لیا اور آج سے تجھے گنج شکر کیا۔

تعلیم

حضرت بابا صاحبؒ کی ابتدائی تعلیم کھتوال یعنی چاولی مشائخ کے ایک مکتب میں شروع ہوئی۔ آپ نے قرآن شریف چھوٹی عمر میں ہی حفظ کر لیا اور ابتدائی درسی کتابوں کو خوب محنت سے پڑھ لیا۔ چونکہ اعلیٰ تعلیم کا انتظام اس جگہ نہ تھا' اس لئے والدہ ماجدہ نے آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لئے ملتان بھیج دیا۔ ان دنوں ملتان قبۃ الاسلام کہلاتا تھا۔ بڑے بڑے یگانہ روزگار علماء وہاں موجود تھے۔

آپ نے سرائے حلوائی کے قریب مسجد مولانا منہاج الدین صاحبؒ میں قیام فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی زندگی اللہ والوں کا نمونہ تھی۔ اسباق بھی پڑھتے اور دن رات میں ایک قرآن مجید بھی ختم کیا کرتے تھے۔

ملتان میں آپ کے قیام کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ آپ کے علم و عمل کا شہرہ سب چھوٹے بڑے کے کانوں تک پہنچ گیا۔ یہاں تک کہ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریاؒ نہایت اشتیاق کے ساتھ ملاقات کو آئے۔

اسی تعلیم کے دوران میں ایک روز آپ مسجد مولانا منہاج الدینؒ میں بیٹھے ہوئے کتاب ''نافع'' پڑھ رہے تھے کہ قطب عالم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ اسی مسجد میں تشریف لے آئے۔ حضرت بابا صاحبؒ آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت قطب صاحبؒ نے دو رکعت نماز تحیۃ المسجد کی نیت باندھ لی۔ بابا صاحبؒ پاس ہی بیٹھے رہے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضرت نے بابا صاحبؒ سے پوچھا۔ مسعود، کیا پڑھتے ہو۔؟ عرض کیا کتاب ''نافع'' پڑھ رہا ہوں۔ قطب صاحبؒ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ نفع دے گی۔

حضرت قطب صاحبؒ دہلی جا رہے تھے۔ بابا صاحبؒ آپ کے ہمراہ تین منزل تک گئے۔ تو ارشاد فرمایا:

''اے مسعود! کچھ عرصہ اسی تعلیم و تجرید کے ساتھ علم ظاہر حاصل کرو، پھر میرے پاس دہلی چلے آنا''۔

بابا صاحبؒ واپس ملتان آ کر پانچ چھ سال متواتر تعلیم میں مصروف رہے۔ ملتان سے فراغت حاصل کر کے پانچ سال تک قندھار میں تعلیم حاصل کی۔ تمام دینی علوم حاصل کر چکے تو مختلف مقامات خراسان، سیستان، چشت، کرمان، بدخشان، بغداد شریف، کوفہ، بصرہ' بیت المقدس' مدینہ منورہ، مکہ معظمہ وغیرہ مقامات کی زیارات کیں اور وہاں کے اولیاء کاملین اور جلیل القدر علما و محدثین سے فیوضات حاصل کئے۔

تین سال مدینہ منورہ، تین سال مکہ معظمہ میں جاروب کشی کی۔ بیت المقدس میں آپ کا چلہ مشہور ہے۔

بغداد شریف میں کافی عرصہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کے حضور میں گزارا اور انہوں نے مشہور کتاب ''عوارف المعارف'' کا نسخہ عطا فرماتے ہوئے کہا:

Marfat.com

''اے فرید! یہ کتاب تیرے ہی لئے لکھی گئی ہے۔اس کا مطالعہ کرتے رہنا۔''

اس سفر میں آپ کی ملاقات نواح بغداد میں خواجہ اجل شیرازیؒ سے ہوئی۔ کچھ دن ان کے پاس رہ کر فیض حاصل کیا۔ پھر بخارا آئے۔ یہاں آپ کی ملاقات شیخ سیف الدین باخرزیؒ سے ہوئی۔ وہاں سے غزنی تشریف لائے۔ یہاں امام حدادیؒ کی خدمت میں رہے۔ کرمان میں شیخ اوحد الدینؒ سے اور بدخشان میں شیخ عبدالواحد بدخشانیؒ سے ملاقات ہوئی۔اس سفر میں آپ طالب علم بھی تھے۔صوفی، مجاہد اور سیاح بھی تھے۔

بیعت

ان شیوخ کی بابرکت مجالس سے بابا صاحب مستفیض ہوئے۔لیکن آپ کو حضرت قطب صاحبؒ کی بارگاہ میں حاضری کا خیال ہر وقت رہا۔سفر سے واپس آ کر والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اجازت لے کر دہلی تشریف لے جا کر حضرت قطب صاحب کی خدمت میں پیش ہوئے۔ قطب صاحبؒ بے حد خوش ہوئے اور اسی مجلس میں باضابطہ بیعت سے سرفراز فرمایا۔ اگرچہ بابا صاحبؒ قیام ملتان میں حصول تعلیم کے وقت ہی قطب صاحبؒ کی ارادت مندی کا حلقہ پہن چکے تھے۔مگر اس کا کامل ظہور دہلی میں ہوا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سلسلہ چشتیہ بہشتیہ کے امام طریقہ حضرت خواجہ خواجگان سید معین الدین چشتیؒ کے خلیفہ تھے۔

سلسلہ چشتیہ

اس سلسلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامیؒ ملک شام سے روانہ ہوئے اور بغداد شریف میں پہنچے تاکہ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟

عرض کیا میرا نام ابو اسحاق شامی ہے۔آپ نے فرمایا آج سے تم کو ابو اسحاق چشتی کہا جائے گا۔ کیونکہ تمہیں اب چشت میں رہنا ہوگا اور جو اس سلسلہ میں داخل ہوں گے، وہ چشتی کہلائیں گے۔

حضرت خواجہ ابو اسحاقؒ مرشد کے حکم سے چشت میں تشریف لے آئے۔ آپ کے متعدد خلفا چشت میں ہی اقامت پذیر رہے اور سب چشتی کہلاتے رہے۔

چشت

ملک افغانستان کے علاقہ خراسان کا مشہور شہر ہے۔ شہر ہرات کے قریب مشرق میں واقع ہے۔ برصغیر (پاک ہند) میں چشتی سلسلہ کے سرتاج امام طریقہ سلطان الہند حضرت خواجہ سید معین الدین چشتیؒ اپنے مرشد کے حکم سے تشریف لا کر اجمیر شریف میں رونق افروز ہوئے اور اس کفرستان کے گڑھ کو مسخر کر کے ملک کے گوشے گوشے میں توحید کو پھیلا دیا اور شرک، بت پرستی کو مٹا کر نور اسلام سے دلوں کو منور کر دیا۔

حضرت بابا صاحبؒ شجرہ چشتیہ قدسیہ

Marfat.com

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر خلیفہ حضرت خواجہ بزرگ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خلیفہ حضرت خواجہ بزرگوار خواجہ سید معین الدین چشتیؒ خلیفہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتیؒ خلیفہ حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی چشتیؒ خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ خلیفہ حضرت خواجہ ناصر الدین ابی یوسف چشتیؒ خلیفہ حضرت خواجہ ابو محمد چشتی، خلیفہ حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ خلیفہ حضرت خواجہ ابو اسحاق چشتیؒ خلیفہ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ خلیفہ حضرت خواج امین الدین ابی ہبیرہ البصریؒ خلیفہ حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشیؒ خلیفہ حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم بلخیؒ خلیفہ حضرت خواجہ محمد فضیل بن عیاضؒ خلیفہ حضرت عبدالواحد بن زیدؒ خلیفہ حضرت خواجہ امام حسن بصریؒ خلیفہ حضرت امیر المومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، خلیفہ سلطان کونین خاتم النبیین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واولیا امتہ و بارک وسلم۔

مجاہدہ وریاضت

بیعت کے بعد قطب صاحبؒ نے ایک حجرہ بابا صاحبؒ کے قیام کے لئے مقرر کر دیا۔ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور عشق الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ عشق الٰہی کی وہ چنگاری جو آپ کی والدہ ماجدہ کے فیض و تربیت سے پیدا ہوئی تھی، شمع روشن بن کر چمک اٹھی۔ مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول رہتے اور پندرہ روز کے بعد قطب صاحبؒ کے حضور میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز عرض کیا حضور میں اور سخت مجاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ اے فرید! تم کو طے کا روزہ رکھنا چاہیے۔

طے کا روزہ

یہ تین یا پانچ یا سات یا اس سے زیادہ دنوں کا روزہ ہوتا ہے۔ اس عرصہ میں ہر روز بعد غروب آفتاب تقریباً دو تولہ پانی تو پیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ روزہ تصفیہ دل اور تزکیہ نفس کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

مرشد کے فرمانے پر آپ نے اگلے روز طے کا روزہ رکھ لیا۔ جب تین دن گزر گئے تو شام کو ایک اجنبی شخص کھانا دے کر چلا گیا۔ آپ نے خیال فرمایا کہ یہ غیبی کھانا ہے۔ اس سے روزہ افطار کر لیا۔ اسی اثنا میں آپ کی نظر ایک درخت پر بیٹھے ہوئے کوے پر پڑی، جو مردار کی بدبودار انتڑیاں منہ میں لئے ہوئے تھا۔ آپ کی طبیعت میں کراہت آئی اور قے آ گئی، جس سے تمام کھانا نکل گیا اور پیٹ خالی ہو گیا۔ مرشد کے حضور یہ واقعہ عرض کیا تو حضرت قطب صاحبؒ نے فرمایا کھانا تو شرابی کے گھر کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر خاص کرم فرمایا کہ اس کھانے کو تمہارے پیٹ سے خارج کر دیا۔ اب پھر طے کا روزہ رکھو۔ جو غیب سے ملے اس سے روزہ افطار کرنا۔ اسی وقت آپ نے روزہ کی نیت کر لی۔ تین دن تو پورے ہو گئے تھے۔ اب دوبارہ تین دن کا اور رکھ لیا، تو یہ روزہ چھ دن کا ہوا۔ افطار کے وقت کوئی چیز نہ آئی۔ عشا کا وقت ہو گیا۔ کمزوری بڑھ گئی۔ نفس بھوک سے تڑپنے لگا۔ آپ نے زمین سے کنکر اٹھا کر منہ میں رکھ لئے اور کنکر منہ میں جاتے ہی شکر ہو گئے۔ آپ نے یہ خیال فرمایا کہ یہ شیطانی وسوسہ نہ ہو، تھوک دیا۔ ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ آدھی رات کے بعد بھوک نے پھر

Marfat.com

تنگ کیا تو آپ نے مٹھی بھر کر کنکر منہ میں ڈال لئے، شکر ہو گئے، آپ نے ان کو بھی تھوک دیا، عبادت میں مصروف ہو گئے۔ آخر صبح کے قریب جب کمزوری حد سے بڑھ گئی تو آپ کو خیال آیا کہ کہیں عبادت سے ہی نہ رہ جاؤں اس لئے آپ نے مٹھی بھر کنکر اٹھا کر منہ میں ڈالے تو فوراً شکر ہو گئے۔ آپ نے ان کو کھا لیا۔ صبح جب اپنے مرشد کے حضور میں ذکر کیا تو حضرت قطب صاحبؒ نے فرمایا اے مسعود! تو نے خوب کیا کہ اس سے روزہ افطار کیا۔ کیونکہ یہ غذا غیب سے ملی تھی۔ جا تو شکر کی طرح شیریں ہو گا۔

اس کے بعد قطب عالمؒ نے بابا صاحبؒ کو چلہ معکوس کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے جب چلہ معکوس کا طریقہ اپنے پیر بھائی مولانا بدرالدین غزنویؒ سے معلوم کر لیا تو ایسے کوئیں کی تلاش میں نکلے جہاں یہ چلہ کیا جا سکے۔ تلاش کرتے کرتے کھتوال یعنی چاولی مشائخ میں پہنچے۔ والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ والدہ ماجدہ کے حکم پر کچھ عرصہ وہیں پر قیام کیا۔ والدہ سے رخصت ہو کر مطلوبہ کنوئیں کی تلاش میں اوچ شریف پہنچ گئے۔ وہاں پر مسجد حاج کا کنواں اس چلہ معکوس کے لئے موزوں تھا۔ مسجد کے مؤذن کو رازداں بنا کر چلہ معکوس شروع کر دیا۔ رات کو کنوئیں میں رسی پاؤں میں بندھوا کر اُلٹے لٹک جاتے اور نماز فجر کی اذان سے پہلے مؤذن آپ کو کنوئیں سے باہر نکال لیتا اور آپ جماعت کے ساتھ نمازیں ادا فرماتے رہتے۔ اس طرح چالیس راتوں میں یہ چلہ معکوس پورا کیا۔ (اخبار الاخیار مجتبائی، ص 53)

بعض کتب میں چلہ معکوس کی معیاد چھ ماہ اور بعض میں بارہ سال لکھی ہے یہاں تک کہ چڑیوں نے حضرت کے زانوئے مبارک میں گھونسلے بنا لئے تھے۔ مختلف شہروں، مختلف مقامات پر حضرت بابا صاحب کے چلہ معکوس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اس کو صلوٰۃ معکوس بھی کہتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے چلہ معکوس یا صلوٰۃ معکوس کا مجاہدہ مختلف مقامات پر کہیں کم مدت کے لئے کہیں پر زیادہ مدت کے لئے کیا ہو۔ چلہ معکوس پر اعتراض کرنے والے حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات بنام ''فوائد الفواد'' کو دیکھیں کہ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ جو بڑے پایہ کے ولی اللہ ہوئے وہ کہتے ہیں:

''جو کچھ مجھے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے متعلق معلوم ہوا میں نے سب کچھ کیا۔ جب مجھے یہ علم ہوا کہ حضرت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ایک وقت صلوٰۃ معکوس بھی پڑھی ہے۔ میں چلا اور اپنے پاؤں میں رسی باندھی اور اپنے آپ کو سر کے بل کنوئیں میں لٹکا دیا اور اس طرح نماز ادا کی۔''

حضرت بابا صاحبؒ نے روزہ طے، چلہ معکوس یا نماز معکوس کے علاوہ جو مجاہدات اور ریاضات، مختلف صورتوں میں کئے ہیں وہ بکثرت ہیں۔ لڑکپن، جوانی، ادھیڑ عمر، بڑھاپے، غرض زندگی کے ہر لمحے میں آپ نے بے مثال مجاہدے کئے ہیں۔

ابتدائے حال میں حضرت بابا صاحبؒ بیابان میں رہتے تھے۔ دس برس تک درختوں کے پتے کھائے۔ رات دن عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔ بعد مدت مذکور اپنی والدہ ماجدہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ والدہ نے حال پوچھا۔ عرض کیا اتنے عرصہ میں کھانا چھوڑ کر درختوں کے پتوں پر قناعت کی اور عبادت میں مشغول رہا۔ والدہ نے نہایت شفقت سے آپ کے بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔ آپ کے بال الجھے ہوئے تھے اور کبھی تیل بھی نہیں لگایا گیا تھا۔ کنگھی کرنے سے سر میں درد ہونے لگا۔ ماں سے عرض کیا کہ بال درد کرتے ہیں۔ ماں نے جواب دیا کہ یہ مدت تو نے ضائع کی اور کچھ نہ

Marfat.com

کیا۔ پھر مادر بزرگوار سے رخصت ہو کر جنگل میں چلے گئے اور مدت تک کھانا، غذا، نباتات، سب ترک کر دیا اور ہمیشہ اطمینان کے لئے ایک کاٹھ کی روٹی سینے کے آگے رکھتے تھے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ جو آپ سے کھانے کو پوچھتا تھا جواب میں فرماتے تھے' یہ بقیہ طعام موجود ہے۔ میں نے کھایا ہے اور بچا ہوا اٹھا رکھا ہے۔

جب مدت کے بعد والدہ کے پاس پھر آئے تو والدہ ماجدہ نے پوچھا یہ مدت کیسے گزاری؟ جواب میں فرمایا: کہ کاٹھ کی روٹی پر قناعت کی یہاں تک کہ ایک روز بھوک کی شدت میں اس کو دانتوں سے کاٹا کہ دانتوں کا نشان اس پر ظاہر ہے اور جو ہم سے پوچھتا تھا ہم کہہ دیتے تھے کہ ہم نے کھایا ہے اور بچا ہوا اٹھا رکھا ہے اور روٹی کی طرف اشارہ کر دیتے تھے۔ مادر بزرگوار نے فرمایا کہ اس مدت میں سب خلاف واقعہ کہا۔ اس مدت میں بھی کچھ کام نہ کیا اور ضائع گزرانی۔ پھر والدہ سے رخصت لے کر سفر کیا اور بارہ سال چلہ معکوس کیا جو بارگاہ الٰہی میں منظور ہوا۔ ہاتف نے آواز دی:

''جو خدا کرے ہو اور جو فرید چاہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو۔''

حضرت بابا صاحبؒ دہلی میں ہی تشریف لائے تو قطب صاحبؒ نے اپنے مریدوں کو حضرت کی زیارت اور توجہ کے لئے پیش کیا۔ جب خواجہ بزرگوارؒ نے حضرت بابا صاحبؒ کو دیکھا تو فرمایا:

بختیار شہباز عظیم بقید آوردہ اید کہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نگیرد۔

(ترجمہ) اے بختیار (یعنی خواجہ قطب الدین) بہت بڑے شہباز کو گرفتار کر لیا ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کے سوا کہیں قرار نہیں پکڑے گا۔''

پھر سوچ بچار کر ایک گھڑی کے بعد فرمایا:

فرید شمع ایست کہ خانہ درویشاں منور سازد

(ترجمہ) فرید ایک ایسی شمع ہے جو درویشوں کے گھر کو نور' علی نور بنا دیگی۔

اس لئے آج ہم فرید مسعود کو نعمت دیں گے۔ قطب صاحبؒ نے عرض کیا جیسا حضور کا منشائے مبارک۔ غرض خواجہ غریب نوازؒ نے قطب صاحب کو حضرت بابا صاحبؒ کی دائیں طرف کھڑا کیا اور خود بائیں طرف کھڑے ہو گئے۔ تو قطب صاحبؒ نے فرمایا۔ جو برکت و نعمت مجھے خواجہ معین الدین چشتیؒ سے ملی ہے میں نے فرید الدین مسعود کو دی۔ اس کے بعد خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا، جس وقت میرے پیر خواجہ عثمان ہارونؒ نے نعمت و برکت مجھے عطا فرمائی اس وقت چار سو اولیاء اللہ موجود تھے۔ ان سب اولیا اللہ کو ارشاد ربانی ہوا کہ تم سب اپنی نعمت و برکت معین الدین کو دو۔ چنانچہ ان سب نے اور میرے پیر نے جو کچھ نعمت و برکت عطا فرمائی' وہ سب میں نے فرید الدین مسعود کو دی۔

دہلی میں حضرت بابا صاحبؒ کے مجاہدہ و ریاضت، زہد و تقویٰ کی جب زیادہ شہرت ہو گئی اور زیارت کے لئے کثرت کے ساتھ لوگ آنے لگے تو بابا صاحبؒ نے حضرت خواجہ قطب الدینؒ کی خدمت میں چلے جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت نے آب دیدہ ہو کر فرمایا کیا تم جانا ہی چاہتے ہو؟ حضرت بابا صاحبؒ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا جیسا حضور کا حکم ہو۔ فرمایا جاؤ تقدیر الٰہی یونہی ہے کہ آخری وقت میں تم میرے پاس نہیں ہو گے۔ پھر حاضرین کو فرمایا اس درویش کی فقیری اور نعمتوں کی زیادتی کے لئے ہم فاتحہ و اخلاص پڑھتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت نے اپنا مصلیٰ خاص اور عصا بابا صاحبؒ کو عطا فرمایا اور کہا میں اپنا سجادہ دستار، خرقہ اور نعلین قاضی حمید الدین ناگوریؒ کو بطور امانت دے جاؤں گا۔ پانچویں روز یہ تمام چیزیں تم کو مل جائیں گی۔ بعدہ فرمایا:

مقام مامقام شماست۔ (ترجمہ: جو ہمارا مقام ہے وہ تمہارا مقام ہے)

ہانسی میں قیام

حضرتؒ ہانسی میں مشغول عبادت ومجاہدہ ہوئے۔ وہاں بھی آپ کی بہت شہرت ہوئی، ہانسی کے باشندے جوق درجوق آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض وبرکات حاصل کرتے تھے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا وصال شیخ علی سجستانیؒ کی خانقاہ میں قوالی ہوئی۔ بہت سے درویشوں کے ساتھ حضرت قطب صاحبؒ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ حضرت خواجہ احمد جام ژندہ پیلؒ کی غزل گا رہے تھے۔ جب قوال اس شعر پر پہنچے:

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں ازغیب جانے دیگر است

(ترجمہ) ''تسلیم کی تلوار کے کشتہ کئے ہوؤں کے لئے ہر وقت غیب سے اور جان مل جاتی ہے۔''

حضرت کو اس قدر حال آیا کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ پہلے مصرعہ پر آپ کشتہ ہو جاتے تھے اور دوسرے مصرعہ پر زندہ ہو جاتے تھے۔ یہی حالت رہی۔ مریدین آپ کو اپنے مقام پر لے آئے۔ قوال بھی ساتھ آئے۔ تین روز یہی حالت رہی۔ آپ کے جسم کا ہر جوڑ درد کرنے لگ گیا۔ کمزوری بڑھ گئی۔ زندگی کی امید نہ رہی۔

حضرت کا سر مبارک تو قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے زانو پر تھا اور پاؤں شیخ بدر الدین صاحبؒ کی گود میں تھے۔ ایسی حالت میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے عرض کیا۔ حضرت آپ کا وقت آخری معلوم ہوتا ہے۔ اپنے خلفاء میں سے کسی کو سجادہ نشین مقرر فرمایئے۔ آپ نے فرمایا:

''میرا وہ خرقہ جو مجھے پیر سے ملا ہے اور میرا مصلیٰ خاص، عصا اور کھڑاویں میری وصیت کے مطابق فرید الدین مسعود کو پہنچا دو۔''

پیر کی وفات پر دہلی میں آمد

بابا صاحبؒ کو ہانسی میں خواب آیا کہ حضرت قطب صاحبؒ کو درگاہ باری تعالیٰ میں بلایا جا رہا ہے۔ اس خواب کے بعد آپ بڑی پریشانی کی حالت میں دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ قصبہ مہم میں جب آپ پہنچے تو ایک درویش نے قاضی حمید الدین ناگوریؒ کا خط پیش کیا۔ یہ خط پڑھتے ہی آپ سرپٹ دوڑے۔ خواجہ صاحب کے مزار پر پہنچے اور جی بھر کر روئے۔ قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدر الدین رحمت اللہ علیہ نے وصیت کے مطابق خرقہ، مصلیٰ، عصا اور کھڑاؤں دیئے، آپ نے خرقہ اسی وقت پہن لیا اور مصلیٰ بچھا کر اس پر نماز دوگانہ پڑھی۔

Marfat.com

ساتویں روز جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے آپ جماعت خانہ پہنچے۔ تو اہالیان دہلی کا ہجوم آپ کی قدم بوسی کے لئے اس قدر حاضر ہوا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ آپ اس قدر ہجوم سے پریشان ہو کر باہر نکلے۔ ہانسی کا مجذوب تاب مفارقت نہ لا کر ہانسی سے آ کر پاؤں پر گر پڑا اور ہانسی جانے کی التجا کی۔ نماز جمعہ کے فوراً بعد آپ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ جو نعمت مجھے اپنے پیر سے ملی ہے' وہ جہاں میں رہوں محفوظ رہے گی۔ یہ کہہ کر ہانسی تشریف لے گئے اور عرصہ تک وہاں رہے۔ جب ہانسی میں خلقت کا ہجوم بڑھ گیا تو ایک روز چپکے سے ہانسی سے ملتان کی طرف روانہ ہوئے۔

اجودھن (پاکپتن) کی طرف روانگی

یہ بھی مشہور واقعہ ہے کہ جب حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ نے حضرت بابا صاحبؒ کو اجودھن (پاکپتن) کی طرف رخصت کیا تو فرمایا کہ راستہ میں درویش کی خدمت کرنا۔ آپ وہاں سے رخصت ہو کر مختلف مقامات مثلاً ہانسی وغیرہ میں درویش کی تلاش کرتے رہے۔ جب سرسہ ضلع حصار میں تشریف لائے اور جستجوئے درویش کے لئے گشت کی تو بکریوں کا ایک ریواڑہ دیکھا۔ اس ریواڑے کے درمیان ایک جگہ بالکل پاک صاف تھی۔ وہاں پر نہ کسی بکری کا پیشاب تھا اور نہ مینگنی تھی اور تمام بکریاں اس جگہ کی طرف منہ کر کے بیٹھی ہوئی تھیں۔

آپ نے گڈریے سے پوچھا کہ اس جگہ کے پاک صاف رہنے کا سبب کیا ہے۔ اس نے کہا یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اس جگہ کوئی بکری نہیں جاتی نہ وہاں پیشاب کرتی ہے اور نہ مینگنی۔ اگر کوئی مینگنی کسی طرح وہاں چلی جائے تو غیب سے ہوا کا بگولہ آ کر اس مینگنی کو وہاں سے ہٹا دیتا ہے اور سب بکریاں اس جگہ کی طرف منہ کر کے بیٹھا کرتی ہیں۔

حضرت کو یقین ہو گیا کہ یہی مقام صاحب کمال درویش کا ہے۔ آپ نے اس گڈریے سے کہا کہ یہ ریواڑہ مجھے دے دو۔ اس نے کہا کہ میں نے اس پر عرصہ سے قبضہ کیا ہوا ہے اور محنت سے بنایا ہے، کیسے چھوڑ دوں۔ آپ نے بہت سمجھایا، مگر وہ انکار ہی کر گیا۔

اگلی صبح ہونے پر گڈریے نے بکریوں کو دیکھا کہ وہ سب مردہ ہیں۔ سخت پریشانی کے عالم میں حضرت صاحب کی تلاش میں بھاگا دوڑا۔ خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیں۔ میری بکریاں زندہ ہو جائیں۔ میں ریواڑہ چھوڑ دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو ریواڑہ کے دروازہ کے باہر کھڑا ہو کر ہر ایک بکری کا نام لے لے کر بلا۔ وہ باہر چلی آئے گی۔ اسی طرح سب بکریاں زندہ سلامت ریواڑہ سے باہر آ گئیں۔

حضرت بابا صاحبؒ نے ریواڑہ کی اس درمیانی جگہ کی مٹی کو کھودنا شروع کر دیا۔ اس مٹی کے نیچے سے حضرت خواجہ ابو شکور سالمیؒ کا مزار نکلا۔ حضرت بابا صاحبؒ نے وہاں چلہ کیا۔ کافی عرصہ قیام کر کے مجاہدہ اور ریاضت کی اور ان سے بہشت فیوضات حاصل کئے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بابا صاحبؒ نے ساٹھ فتاوے حضرت خواجہ ابو شکور سالمی صاحبؒ سے پڑھے۔ وہ مزار میں سے پڑھاتے رہے۔ بعض یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ خواجہ ابو شکور سالمیؒ حضرت بابا صاحبؒ کو مزار سے باہر آ کر پڑھاتے رہے ہیں۔ حضرت خواجہ بزرگوار خواجہ سید معین الدین صاحب اجمیریؒ نے بھی وہاں چلہ کیا ہے۔

Marfat.com

خواجہ ابوشکور عالمیؒ کا مزار علوم وعرفان کی فیض بخشی کے لئے مشہور ہے۔

راقم الحروف کے دادا کے چچازاد بھائی حافظ اسماعیل صاحب" چھوٹی عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ والدین نے ایک عالم کے حوالہ کر دیا کہ قرآن مجید یاد کرادو۔ کئی ایک سال گزر گئے، یاد نہ کر سکا۔ عمر پندرہ سولہ کی ہو گئی۔ آپ نے ایک ہم عمر کو ساتھ لیا اور کہا چلو دہلی جا کر پڑھیں گے۔ ان دنوں ریل گاڑی نہیں تھی۔ پیدل فرید کوٹ شہر سے روانہ ہو گئے۔ دہلی کو جاتے ہوئے راستہ میں سرسہ آیا۔ دونوں مزار پر پہنچے۔ ساتھی تو سو گیا۔ حافظ صاحب مزار پر بیٹھ کر رات بھر درود شریف یا الحمد شریف پڑھتے رہے۔ رات کے پچھلے پہر مزار میں سے آواز آئی اے لڑکے! فرید کوٹ واپس چلا جا۔ جس غرض کے لئے دہلی جا رہا ہے وہ غرض وہیں پوری ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ واپس فرید کوٹ واپس آ کر اسی استاد سے قرآن شریف یاد کرنا شروع کیا تو چند ماہ میں قرآن شریف یاد ہو گیا۔ ساتھ ہی تمام علوم لدنی اور معرفت الٰہی سے سینہ معمور ہو گیا۔ ولی کامل بن گئے۔ فرید کوٹ کا راجہ آپ کا معتقد تھا۔ اہم کام آپ سے پوچھ کر کرتا تھا۔

خواجہ ابوشکور سالمیؒ حضرت عالی مقام سید علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش صاحبؒ کے ہم عصر ہیں یا ان سے پہلے تشریف لائے ہیں۔ حضرت داتا صاحبؒ کی تصانیف فارسی میں ہیں کیونکہ ان دنوں حکومت کے دفاتر اور عالم رواج فارسی کا تھا۔ لیکن حضرت خواجہ ابوشکور سالمیؒ کی تصانیف عربی میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ خواجہ صاحب کے زمانہ میں حکومت کے دفاتر عربی میں ہوں اور رواج بھی عربی کا ہو۔ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں دفاتر عربی ہی میں تھے اور عربی ہی کا رواج تھا۔ چونکہ سلطان موصوف کے اہل کار اکثر عجمی اور ایرانی تھے۔ سلطان کی حکومت کے آخری دور میں کسی نہ کسی طرح سلطان سے حکم جاری کرا دیا ہو گا کہ آئندہ کے لئے عربی کی بجائے دفتری زبان فارسی ہو گی۔ چند روز کے بعد سلطان کو خیال آیا کہ یہ حکم درست نہیں ہے کیونکہ اس طرح تمام رعایا فارسی پڑھنے کی طرف راغب ہو جائے گی اور عربی سے بے گانہ ہو جائے گی۔ اس لئے سلطان نے اس حکم کو منسوخ کر کے دفاتر کا عربی میں ہونا ضروری قرار دے دیا۔ مگر اس کے تھوڑے دنوں بعد سلطان کا انتقال ہو گیا اور اہل کاروں نے دفتری زبان فارسی ہی جاری رکھی۔

خواجہ عبدالشکور سالمیؒ کی مشہور تصنیف ''کتاب تمہید'' عربی زبان میں ہے۔ اصول دین اور عقائد کی مستند کتاب ہے۔ تمام بزرگان دین سبقاً سبقاً پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں۔ حضرت بابا صاحبؒ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو سبقاً پڑھائی ہے (اخبار الاخیار' 55) اور سند بھی عطا فرمائی (سیر الاولیاء)۔

دوسری تصنیف ''کتاب برزخ'' عربی زبان میں ہے' جس میں بعد از مرگ کے حالات، عالم قبر، حشر، پل صراط، حساب کتاب، میزبان، جنت، دوزخ وغیرہ کا تفصیلی بیان ہے اور احادیث کے حوالہ جات سے کتاب مدلل ہے۔ راقم الحروف کے کتب خانہ میں قلمی نسخہ تھا جو 1947ء کے خونی انقلاب میں بے مثل جامع کتب خانہ کے ساتھ ضائع ہو گیا۔

کافی عرصہ قیام کے بعد بابا صاحبؒ سرسہ سے اجودھن (پاکپتن) کو روانہ ہوئے۔ سو (100) کوس کے قریب سفر طے کر لیا تو ایک بن (جال) کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور گودڑی کو اتار کر رکھ دیا اور اس کو خطاب کر کے کہا اے گودڑی! تو بھی ایک بوجھ بنی ہوئی ہے۔ گودڑی نے کہا کہ میری وجہ سے لوگ آپ کو درویش سمجھ لیتے ہیں۔ اگر میں نہ ہوں

تو آپ کو کوئی بھی درویش نہ سمجھے۔ اللہ والوں سے ہر ایک چیز گفتگو کر لیتی ہے۔ حضرت نے فرمایا تو نے تکبر اور غرور کیا ہے' اسی جگہ پڑی رہ، تجھے سزا مل جائے گی۔ حضرت قدرے آرام کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئے۔

گودڑی وہیں پڑی رہی۔ زمینداروں کے لڑکوں نے گودڑی کو دیکھا تو پھاڑ پھاڑ کر ادھر اُدھر پھینک دیا۔ اتنی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس گودڑی کی یاد باقی ہے کہ اس گردونواح کو لیر مال (یعنی گودڑی کے چیتھڑوں والا بن) کہتے ہیں۔ وہ بن (جال) کا درخت جس کے نیچے حضرت بابا صاحب تشریف فرما ہوئے اور گودڑی کو اتار کر رکھ دیا۔ ابھی تک موجود ہے۔ راقم الحروف نے اسے دیکھا ہے۔ اس درخت کے آس پاس جس قدر جھاڑیاں اور چھوٹے درخت ہیں' سب پر کپڑوں کے چیتھڑے لٹک رہے ہیں اور حضرت بابا صاحبؒ کی یاد دلا رہے ہیں۔ آپ اس جگہ یعنی لیر مال سے چل کر کوئی ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر فرید کوٹ (جس کا نام موکل ہر تھا) کے قلعہ کے پاس پہنچے تو وہاں کے حاکم نے آپ کو بیگار میں پکڑ لیا۔ گودڑی پہنے ہوتے تو کوئی بیگار میں نہ پکڑتا۔ قلعہ کی مرمت ہو رہی تھی۔ آپ کی ڈیوٹی گارا اٹھانے پر لگا دی۔ گارے کی ٹوکری جب آپ اٹھاتے تو وہ آپ کے مبارک سر سے ایک ہاتھ اونچی اٹھی رہتی۔ آپ برابر یہ کام کر رہے تھے کہ قلعہ کا معمار صاحب باطن تھا۔ اس کی نظر جب آپ پر پڑی اور گارے کی ٹوکری کو دیکھا کہ آپ کے سر سے ایک ہاتھ اونچی ہے' تو اس نے آپ سے عرض کی کہ حضرت معاف فرما دیجئے۔ ہم سے غلطی ہوئی جو آپ سے یہ کام لینے لگے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارا کوئی حرج نہیں' ہم تو یہ کام کرتے رہیں گے۔ اس معمار نے اس قلعہ کے بادشاہ یعنی نواب کو جو مسلمان تھا' اطلاع دی۔ وہ نواب صاحب حضرت کی قدم بوسی کے بعد معافی کا خواستگار ہوا۔ حضرت نے گارے کی ٹوکری کو وہیں ڈھیری کر دیا (چنانچہ آج تک گارے کی ڈھیری قلعہ میں موجود ہے) اور قلعہ کے دروازہ کے باہر نکل کر بن (جال) کے درخت کے ساتھ اپنا گارے والا ہاتھ صاف کیا تو آپ کی انگشتان مبارک کا وہاں نشان پڑ گیا۔ درخت مذکور کا ٹکڑا جس پر نشان ہوا' آج تک وہاں پر موجود ہے اور بحفاظت شیشہ میں رکھا ہوا ہے اور وہ درخت بھی ابھی تک سر سبز ہے۔ حضرت نے وہیں پر چلہ کیا۔ گردونواح میں مشہور ہے۔ سالانہ عرس ہوتا رہا ہے۔ 1947ء کے بعد نہ معلوم ہوتا ہے یا کیا؟

ایک روز نواب صاحب مذکور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کے طالب ہوئے اور عرض کیا جناب بابا صاحبؒ یہ شہر آباد نہیں ہوتا۔ اکثر خوف و خطرہ رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا نام کیا ہے؟ کہا ''موکل ہر''۔ ''بابا صاحبؒ نے فرمایا ''موکل ہر اندر امن باہر ڈر''۔ اور فرمایا کہ اس کا نام تبدیل کر دو، خوب آباد ہو جائے گا۔ نواب صاحب نے عرض کیا کہ اس کا نام تبدیل کر کے ''فرید کوٹ'' رکھ دیتے ہیں۔ آپ نے پسند فرمایا۔ (گزیٹر فرید کوٹ)۔ فرید کوٹ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد اپنے سفر پر روانہ ہوئے اور اجودھن (پاکپتن) میں پہنچے۔ وہاں کے لوگ تند مزاج، ظاہر پرست اور درویشوں کے منکر تھے۔ آپ شہر کے باہر ویرانے میں جہاں چند کریر کے درخت تھے اور شہداء کے مزارات تھے۔ جن میں سیدنا عبدالعزیز علم دار مکیؒ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا بھی مزار ہے، اترے۔ اس جگہ کو پسند فرمایا کیونکہ آپ شہرت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ کی عمر مبارک اس وقت ستر سال کے نزدیک تھی۔

اجودھن پاکپتن کا قدیمی نام ہے۔ دریائے ستلج اس شہر کے ساتھ بہتا تھا اور یہاں سے ہی دریا کو عبور کیا جاتا

Marfat.com

تھا۔ ملک بھر میں یہ پٹن مشہور تھا۔ اکبر بادشاہ کے حکم سے حضرت بابا صاحبؒ کے مزار مقدسہ کے سبب اس کو پاک پٹن کہنے لگے۔ اور واقعی آپ کے وجود مسعود سے یہ شہر پاک اور مقدس ہو گیا۔

اس شہر میں ہندوؤں کی کثرت تھی۔ ہندو بھی اور مسلمان بھی جوگیوں اور جادوگروں کے معتقد تھے۔ اس شہر کے اردگرد بستیوں اور قصبوں میں بکثرت ہندو قومیں آباد تھیں۔ لوگ سخت وحشی، وہم پرست، جاہل اور چھوت چھات میں گرفتار تھے۔ آپ نے ان کو اسلام کی حقانیت سے آگاہ کیا۔ ہزاروں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ سینکڑوں آپ کی توجہ سے صاحب کمال اولیاء اللہ بن گئے۔ چور، گمراہ، بدکار، ہادی بن گئے۔

ان دنوں پاکپتن میں ایک جوگی رہا کرتا تھا۔ شہر والے اس کے معتقد تھے۔ آٹھویں دن تمام شہر والے بھینسوں، گائیوں اور بکریوں کا دودھ اس کی نذر کیا کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اگر کوئی شخص آٹھویں دن کا دودھ جوگی کی نذر نہ کرے گا تو اس کے دودھ دینے والے جانور مر جائیں گے۔

ایک روز حضرت کا مرید دودھ لینے کے لئے بازار گیا تو معلوم ہوا کہ آج بازار سے دودھ نہیں ملے گا۔ آج شہر کا دودھ جوگی اور اس کے چیلوں کا ہے۔ بازار سے لوٹ کر ایک مسلمان کے گھر گیا۔ اس نے بھی انکار کر دیا اور کہا اگر جوگی کو دودھ نہ دیا تو میرے جانور مر جائیں گے۔

جب حضرت بابا صاحبؒ کے حضور میں جا کر یہ معاملہ عرض کیا تو آپ نے ان مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ یہ خیال دل سے نکال دو کہ جوگی کی بددعا سے تمہارے جانور مر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ آپ کے اس فرمانے پر لوگوں نے جوگی کو دودھ دینے سے انکار کر دیا۔ جب جوگی کو یہ معلوم ہوا، تو غیظ و غضب سے غصہ میں آ کر کہنے لگا، کل اس فقیر کو یہاں سے نکال دوں گا۔ صبح کو جوگی ڈیڑھ ہزار چیلوں کا گروہ ساتھ لے کر حضرت بابا صاحبؒ کے مقابلہ کے لئے چلا۔ جونہی آپ سے آمنا سامنا ہوا۔ آپ کے جلال اور ہیبت کو برداشت نہ کر سکا۔ بے اختیار آپ کے سامنے منہ کے بل گر پڑا۔ ساتھ ہی تمام چیلوں نے اپنے اپنے سر زمین پر رکھ دیئے۔ آپ نے فرمایا سر اٹھاؤ۔ جوگی نے سر اٹھایا۔ آپ نے پوچھا کس ارادے سے آیا ہے۔ جوگی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی، حضور! اب تو اپنا غلام بنا لو۔ چنانچہ وہ جوگی اور اس کے سب چیلے حضرت بابا صاحبؒ کے ہاتھ پر اسلام لے آئے۔

جوگی کا بابا صاحبؒ کے ساتھ مقابلہ کرنے کا ذکر متعلقہ کتابوں میں مختلف صورتوں پر مذکور ہے۔ ہو سکتا ہے بیان کرنے والوں نے اختلاف کیا ہو اور یہ ممکن ہے کہ جوگی مختلف ہوں۔ مشہور روایت کتابوں میں ہے کہ جوگی اپنا کمال دکھانے کے لئے ہوا میں اڑا تو حضرت نے اپنے نعلین جو سامنے پڑی تھیں' اوپر چلا دیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ نعلین اڑیں اور جوگی کے سر پر پڑنے لگیں۔ جس طرف جوگی جاتا تھا' ادھر ہی وہ جاتی تھیں اور جوگی کی کھوپڑی پر تڑاک تڑاک پڑتی تھیں۔ جوگی کو مار مار کر زمین پر لے آئیں۔ جوگی حضرت کے پاؤں پر آ پڑا اور کہنے لگا جس درویش کی نعلین میں یہ کمال ہے' وہ خود کس شان کا ہوگا اور خود مسلمان ہو گیا۔

''خزینۃ الاصفیا'' (292) میں ہے کہ ایک روز حضرت ایک راستہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت دودھ بھرا برتن سر پر اٹھائے تیزی سے جا رہی تھی۔ آپ نے فرمایا اے نیک بخت! تو اتنی تیزی سے کہاں جا رہی ہے اور تیرے سر پر

Marfat.com

کیا ہے۔؟ عورت رونے لگ گئی اور کہا اے مردخدا! اس قصبہ میں ایک شخص جادوگر جوگی رہتا ہے۔ اس نے ہم غریبوں پر ایسی بلا اور مصیبت ڈال رکھی ہے جو بیان نہیں کی جاسکتی۔ جو چیز وہ ہم سے طلب کرتا ہے اگر دے دی تو بہتر ورنہ دردوں، بخاروں اور بلاؤں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اور دودھ کا مقرر حصہ روزانہ ہر ایک باشندہ قصبہ پر اس نے مقرر کر رکھا ہے۔ اگر اس کو وہ دودھ نہ پہنچائیں تو تمام دودھ جو ہمارے گھروں میں ہوتا ہے، خون بن جاتا ہے۔ اب میرا تیزی سے جانے کا سبب یہی ہے کہ اگر دیر ہو گئی تو کوئی تازہ بلا سر پر آپڑے گی۔

یہ سن کر حضرت نے فرمایا کہ بیٹھ جا۔ عورت بیٹھ گئی اور دودھ کا برتن سر سے اتار کر فقیروں میں تقسیم کر دیا۔ وہ عورت جوگی کے خوف سے پریشان ہو کر بیٹھی ہوئی تھی کہ جوگی کے چیلوں میں سے ایک چیلہ آیا اور اس نے دیکھا کہ عورت نے جوگی کے حصہ کا دودھ درویشوں کو دیدیا ہے۔ حسد کی آگ سے بھڑک اٹھا اور گالیاں دینے لگا۔ حضرت نے اس کی طرف توجہ کر کے کہا، ان کلمات سے زبان بند کر۔ اسی وقت اس کی زبان بند ہو گئی اور زمین نے اس کے پاؤں کو ایسی مضبوطی سے پکڑ لیا کہ وہ ہل جل نہیں سکتا تھا۔ جب ایک گھڑی گزر گئی تو دوسرا چیلہ آیا وہ بھی اسی طرح پکڑا گیا۔ جوگی کے تمام چیلے یکے بعد دیگرے اسی طرح آ کر زمین کے آہنی پنجے میں گرفتار ہوتے گئے۔ آخر میں وہ بد بخت ظالم جوگی بھی اپنے چیلوں کی حمایت کے لئے آیا۔ چیلوں کا یہ حال دیکھ کر غضبناک ہوا اور بیہودہ کلمات کہنے لگا۔ حضرت نے فرمایا اے زمین! اس بے دین کو پکڑ لے۔ فوراً زمین میں میخ کی طرح گڑ گیا۔ ہر چند کوشش کی کہ جادو اور جنتر منتر سے اپنے آپ کو چھڑا لے۔ نہ چھڑا سکا، آخر رونا چلانا، منت خوشامد کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شرط پر اس مہلک بلا سے تجھے رہائی مل سکتی ہے کہ تو اس علاقے سے نکل جائے اور پھر ادھر کا رخ نہ کرے۔ جوگی نے یہ شرط قبول کر لی۔ رہائی پائی اور اپنے چیلوں کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔

اجودھن میں مستقل رہائش، نکاح اور اولاد

حضرت باباؒ نے اجودھن میں مستقل رہائش اختیار کر لی اور ایک نیک بخت عورت سے نکاح کر لیا۔ بعدہ آپ نے اور خوش قسمت بیگمات سے نکاح کئے۔ جن میں سے ایک بیوی دہلی کے ایک بادشاہ غیاث الدین بلبن کی بیٹی تھی جو اس نے خود استدعا کی تھی کہ حضرت میری بیٹی اپنی زوجیت اور خدمت کے لئے قبول فرمائیں۔ اس کا نام بی بی ہزیرہ تھا۔ بادشاہ مذکور نے دو لونڈیاں بھی آپ کی خدمت کے لئے دیں، جن کے نام بی بی شارو اور بی شکرو تھے۔

ان کے بطن سے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

لڑکے:

(1) خواجہ نصیر الدین نصرؒ

(2) حضرت خواجہ شہاب الدینؒ

(3) حضرت خواجہ بدر الدین سلیمانؒ

(4) حضرت خواجہ نظام الدینؒ

Marfat.com

(5) حضرت خواجہ یعقوبؒ

لڑکیاں:

(1) بی بی مستورہؒ (2) بی بی شریفہؒ (3) بی بی فاطمہؒ

حضرت باباؒ کے وصال پر آپ کے لخت جگر حضرت خواجہ بدرالدین سلیمان صاحبؒ باتفاق جملہ برادران سجادہ نشین ہوئے۔

باباصاحبؒ کا حلقہ ارادت اور خلفائے کرام

حضرت کا حلقہ ارادت بہت وسیع تھا۔ ملک بھر سے ہی نہیں دوسرے دور دراز ممالک سے بھی عقیدت مند آ کر مرید ہوتے تھے۔ اس کا اندازہ صحیح کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ البتہ آپ کے خلفاء کی تعداد سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ حلقہ ارادت کتنا طویل وعریض ہے۔ ''جواہر فریدی'' (اردو 238) میں ہے کہ آپ کے خلفاء پچاس ہزار آٹھ سو چالیس (50840) دریا، ہوا، پہاڑوں اور آسمانوں میں ہیں۔

مشہور خلفاء کے نام کتابوں میں یہ ہیں:

1- حضرت شہاب الدین بن گنج شکرؒ

2- حضرت شیخ یعقوب بن گنج شکرؒ

3- حضرت شیخ بدرالدین بن گنج شکرؒ

4- حضرت شیخ نظام الدین بن گنج شکرؒ

5- حضرت شیخ نصیرالدین بن گنج شکرؒ

6- شیخ جمال الدین ہانسویؒ (7) سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ (8) شیخ بدرالدین اسحاق داماد آنحضرتؒ (9) شیخ نجیب الدین متوکل برادر آنحضرتؒ (10) شیخ محمد سراج الدینؒ (11) شیخ علی شکرؒ (12) شیخ دھنیؒ (13) خواجہ شیخ علی شکر بارؒ (14) شیخ زکریاؒ (15) شیخ زین الدین دمشقیؒ (16) شیخ بابا دھارؒ (17) شیخ جمال کابلیؒ (18) شیخ جلال الدینؒ (19) شیخ صدر دیوانہؒ (20) شیخ المشائخ سید العاشقین شیخ علی احمد صابر خواہر زادہ آنحضرتؒ (21) شیخ رکن الدینؒ۔

باباصاحبؒ کے ساتھ قاضی شہر کی عداوت

عوام میں آپ کی مقبولیت دیکھ کر قاضی شہر حسد سے جل بھن گیا اور طرح طرح کی ذلیل حرکتیں کرنے لگا۔ کہیں فتوے طلب کرنے لگا۔ ناکام ہوا۔ ایک قلندر کو گستاخی کرنے کے لئے حضور میں بھیجا۔ قلندر جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ایک آوارہ شخص کو لالچ دے کر بھیجا کہ آپ کو نماز کی حالت میں شہید کر دے۔ مگر وہ بھی مرعوب ہو کر بھاگ گیا۔ آخر قاضی مردود نے بابا صاحبؒ پر جادو کرا دیا۔ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے شفا بخشی اور جادوگر کو حاکم شہر نے گرفتار کر لیا اور کہا کہ یہ شخص

Marfat.com

واجب القتل ہے کہ جس نے آپ کی جان لینے کی کوشش کی ہے۔ حضرت بڑے رحم دل تھے۔ حاکم سے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا بخش دی ہے۔ سفارش کرتا ہوں کہ آپ اس کی خطا معاف فرمادیں۔

بدباطن قاضی آپ کے فرزندوں، مریدوں، معتقدوں کو مختلف طریقوں سے ستانے لگا۔ مگر کوئی پیش نہ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت باباصاحبؒ کو وہ شان دی کہ ایک طرح سے سلسلہ چشتیہ کے موسس ثانی بن گئے۔ آپ کے بعد جس قدر حضرات سلسلہ چشتیہ سے وابستہ ہوئے وہ سب کے سب آپ ہی کے خدام ہوئے۔ اللہ کریم نے آپ کے خلفاء میں حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت سید علی احمد صابر کلیریؒ کو وہ شان دی کہ جو صاحب چشتی ہوگا، وہ یا تو چشتی نظامی ہوگا یا چشتی صابری ہوگا۔ حضرت کی نسبی، حسبی، جسمانی، روحانی اولاد نہ صرف پاک و ہند بلکہ تمام دنیا کے اکثر ممالک میں پائی جاتی ہے۔

تبلیغ

بعدہ حضرت جامع مسجد کے قریب آ کر رہنے لگے او وگردونواح کے لوگ آپ کی شہرت سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ظاہری اور باطنی دولت سے فیض یاب ہو کر جاتے۔ آپ کے روئے انور کو دیکھ کر اور کلمات طیبات کو سن کر سخت سے سخت دل، نرم پڑ جاتے اور دولت ایمان سے مالا مال ہو جاتے۔ دریائے ستلج اور راوی کے کناروں پر بسنے والی قومیں آہستہ آہستہ آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ ملک بھر کے دور دور علاقوں تک آپ کی تبلیغ سے اسلام پھیل گیا۔ بڑے بڑے قبیلے مسلمان ہو گئے۔ آپ کے حضور میں سینکڑوں، ہزاروں میلوں سے مفلس پریشان حال طالب دنیا طالب عقبیٰ انسان حاضر ہوتے رہتے تھے۔ آپ ہر ایک کی دلداری کرتے' دعائیں دیتے اور ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کر دیتے۔

سالکان طریقت، علما کی جماعتیں، فقراء کے گروہ، قلندروں اور مسکینوں کی ٹولیاں آئیں۔ حاجت مندوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ امیر، رئیس، شاہی ملازم، تاجر، عامی، غرضیکہ حضرت کا دروازہ ہر آنے والے کے لئے آدھی رات تک کھلا رہتا اور ہر ایک اپنی اپنی مراد اور حضرت سے فیض لے کر واپس جاتا۔ آپ کا یہ دربار دارالتبلیغ بھی تھا کہ لاکھوں کو مشرف بہ اسلام کیا اور یہی دربار سالکان طریقت کے لئے بڑی خانقاہ بھی تھی کہ جس میں ہزار ہا جن وانس حضرت کی تربیت سے باطنی، روحانی فیوضات حاصل کر کے محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ سید علی احمد صابرؒ، قطب جمال ہانسویؒ وغیرہم صاحب کمال بن گئے۔

تعلیم وتدریس

اور یہی دربار دارالعلوم، جامعہ اعظم یا مثیل جامعہ ازہر کہیے کہ جس میں حضرت بذات خود افضل القراء، شیخ التفسیر والحدیث، فقیہ اعظم، معلم اصول وفروع، متکلم علم کلام وعقائد غرض استاد کی شان سے تعلیم دیا کرتے تھے۔ آپ جملہ علوم کی انتہائی بلندیوں پر فائز تھے۔ آپ علم تجوید القرآن کے بھی ماہر تھے اور آپ نے سبع قرأت کے ساتھ قرآن مجید حفظ

کیا تھا۔

حضرت کے اس دارالعلوم میں قاری، محدثین، فارغ التحصیل، فضیلت کی سندیں ہاتھوں میں لئے ہوئے آتے تھے تو وہ بھی زانوئے ادب بچھا کر نو آموز طلباء کی طرح تعلیم حاصل کر کے باضابطہ سندیں لیتے تھے۔

دیکھئے حضرت سید محمد بن احمد بن علی البخاری بدایونیؒ کہ بارہ سال کی عمر تک علوم دین بدایوں میں حاصل کئے۔ بعدہ دہلی آ کر علم حدیث اور انتہائی کتابیں پڑھیں اور طلبا میں بحاث کے لقب سے شہرت ہوئی۔ وہاں سے فراغت کی سند لے کر حضرت بابا صاحبؒ کے دارالعلوم میں نہایت ارادت مندی سے داخل اور شامل ہوئے۔ حضرت بابا صاحبؒ سے چھ پارے قرآن مجید کے قرأت اور تجوید سے پڑھے۔ ''عوارف المعارف'' مؤلفہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے چھ باب سبقاً پڑھے۔ اور خواجہ ابوشکور سالمیؒ کی کتاب ''تمہید'' کی تعلیم باضابطہ حضرت بابا صاحب سے حاصل کی اور بعض دیگر کتابیں بھی پڑھیں اور سند لی۔ علم اور عمل میں حضرت بابا صاحبؒ کے فیض سے وہ کمال حاصل کیا کہ علم و عمل، فضیلت و کمال کی دنیا میں محبوب الٰہی، نظام الدین اولیاء، سلطان المشائخ، سلطان جی شیخ نظام الحق والدین محمد بدایونی قدس سرہ کہلائے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت بابا صاحبؒ کا مرید ہو گیا تو عرض کیا کہ جناب کا حکم ہو تو پڑھنا چھوڑ دوں اور ورد وظائف اور نوافل میں مشغول ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا ہم کسی کو علم حاصل کرنے سے منع نہیں کرتے۔ ''آں ہم کن ایں ہم کن۔''

(ترجمہ) ''وہ (یعنی علم) بھی حاصل کر اور یہ (ورد وظائف نوافل) بھی کر۔'' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بزرگان دین، سلف صالحین باضابطہ علم دین، کامل طور پر حاصل کرتے تھے اور ان کی بارگاہیں دارالعلوم کا کام بھی دیتی تھیں اور دارالعمل اور تربیت گاہ بھی ہوتی تھیں۔ کاش! آج بھی خانقاہوں کے مشائخ، صاحب عرفان و طریقت، سلف صالحین کے نقش قدم پر چلیں اور علم و عمل کے دریا بہا دیں اور فریضہ تبلیغ و اشاعت اسلام بجا لائیں۔

عبادات

حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بابا صاحبؒ کا روزہ ہمیشہ ہوتا تھا۔ اس حد تک کہ اگر بیمار ہوتے یا فصد کراتے تب بھی روزہ افطار نہ کرتے۔ اکثر روزہ شیرینی سے افطار کرتے۔ تھوڑا سا منقیٰ شربت کے پیالے میں ڈالتے اور اس شربت سے افطار کے وقت حاضرین کو بھی حصہ دیتے تاکہ کوئی اس سعادت سے محروم نہ رہے اور ایک روٹی، تہائی یا کم یا قدرے زیادہ کھاتے اور باقی حاضرین میں بانٹ دیتے۔ بعد ازاں عبادت الٰہی میں مستغرق ہو جاتے۔

سلطان جیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بابا صاحبؒ نماز کے علاوہ اکثر سجدہ کرتے رہتے تھے۔ ایک بار حجرہ میں تھے۔ میری کسی طرح نظر پڑ گئی۔ میں نے دیکھا کہ ہر بار کھڑے ہوتے اور سجدے میں جاتے اور پڑھتے:

از بہر تو میرم از برائے تو زیم

(ترجمہ) اے اللہ تعالیٰ! میں تیرے لئے مروں اور تیرے لئے ہی جیوں۔

Marfat.com

نیز فرماتے ہیں کہ میں حضرت بابا صاحبؒ سے بار بار یہ سنا ہے کہ اپنی زبان مبارک سے یہ کہتے تھے اور بیہوش ہوجاتے تھے۔

☆......جو آنکھ بغیر خدا کے دیکھے، اندھی بہتر ہے۔

☆......جو زبان کہ ذکر حق میں مستغرق نہیں ہے، گنگ بہتر ہے۔

☆......جو کان حق کی بات نہ سنے، بہرا بہتر ہے۔

☆......جو جسم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں نہیں ہے، مردہ بہتر ہے۔

آپ نے چالیس عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کی۔ کھانا کھانے میں بڑے محتاط تھے۔ بھوک کی شدت ہوتی تو جنگلی درختوں کے پھل مثل کریر کا پھل ڈیلہ (پکے ہوئے کو پنجابی میں پنجو کہتے ہیں) اور پیلو کھا کر گزارہ کر لیتے تھے۔ کھانے میں اس قدر احتیاط تھی کہ فرمایا:

''ہر ایک کی روٹی نہ کھا، ہر ایک کو کھلا دے۔''

حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ جس روز ہم کریر کا پھل ڈیلے یا اس کے پھول شیخ کے گھر میں پیٹ بھر کر کھا لیتے تھے، وہ دن ہمارے لئے عید کا دن ہوتا تھا۔

ختم قرآن پاک

نوافل کثرت سے پڑھا کرتے تھے اور رات کو پورا قرآن مجید دو رکعت میں ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت بابا صاحبؒ کے ملفوظات مؤلفہ سلطانجیؒ میں ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت عثمان ہارونیؒ رمضان شریف میں ہر رات تراویح میں دو قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ تمام ماہ میں ساٹھ ختم ہوجاتے تھے۔ نیز فرمایا کہ ایک وقت دعا گو غزنی کی طرف مسافر تھا۔ امام حدادیؒ کی مسجد میں اترا، رمضان کا مہینہ تھا۔ شیخ عبداللہ باختریؒ اس مسجد کے امام تھے۔ وہ ہر رات تراویح میں تین قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے اور چار پارے اور زیادہ پڑھتے تھے۔ چنانچہ میں نے ان کے پیچھے یہ سعادت حاصل کی۔ حضرت بابا صاحبؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا جب تک اس کام میں ایسا نہ کرے اور مجاہدہ نہ کرے، ہرگز مقام کو نہیں پہنچتا۔ حاضرین کی طرف منہ کر کے فرمایا اب ماہ رمضان آ پہنچا ہے۔ کوئی ہے کہ نماز میں ہمارے ساتھ موافقت کرے۔ سب حاضرین نے سر تسلیم خم کیا اور کہا زہے سعادت۔ بعدہ حضرت بابا صاحبؒ ہر رات تراویح میں دو قرآن اور دس پارے ختم کیا کرتے تھے۔ ایک پہر ایک رات باقی رہے فراغ حاصل کرتے تھے۔

عقائد اہل سنت کی اشاعت

حضرت بابا صاحبؒ کے زمانہ میں قرامطہ فرقہ کے عقائد بد اسلامی دنیا میں بکثرت پھیل رہے تھے۔ حضرت نے ان گمراہ کن خیالات و عقائد کی شدت سے تردید کی اور اس کے پرخچے اڑا دیئے۔ جہاں جہاں آپ سیاحت اور سفر کرتے رہے۔ صحیح عقائد کی اشاعت اور برے عقائد کی تردید فرماتے رہے۔ آپ کی مساعی جمیلہ سے قرامطہ پاک و ہند میں

Marfat.com

کامیاب نہ ہو سکے۔ تاتاری حملوں نے اسلامی ممالک میں جو مایوسی کی لہر دوڑا دی تھی' حضرت بابا صاحبؒ کے مسلک پر چلنے والے حضرات صوفیائے کرام نے ہی دین حق کو بلند کیا۔ اسلام کی سچی تعلیم کے سامنے وہی تاتاری ان حضرات کے توجہات اور اثر سے جھک گئے اور اسلام لا کر دین حق کے محافظ بن گئے۔

اتباع شریعت اور بیعت کا طریقہ

حضرت بابا صاحبؒ ارکان اسلام کی پابندی پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ معمولی سی فروگذاشت پر بھی گرفت فرماتے تھے اور مرید کرنے کے وقت ان الفاظ میں عہد لیا کرتے تھے:

''اللہ کریم سے عہد کرتا ہوں کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کروں گا اور شریعت پر چلوں گا۔''

جب حضرت بابا صاحب سے کوئی بیعت ہوتا تو آپ پہلے اس کو سورۃ فاتحہ' سورۃ اخلاص، پھر سورۃ بقر کا آخری رکوع ''امن الرسول'' تا آخر پھر ''اشھد اللہ'' سے ''ان الدین عند اللہ الاسلام'' تک پڑھاتے۔ اس کے بعد فرماتے، تو کہہ کہ تو نے اس ضعیف کے خواجہ اور ہمارے خواجہ خواجگان اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی اور تو نے رب العزت کے حضور عہد کیا کہ ہاتھوں، پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کرے گا اور شریعت کے راستہ پر قائم رہے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ولباس التقویٰ ذالک خیر والعاقبۃ للمتقین (ترجمہ) اور پرہیزگاری کا لباس، یہ بہتر ہے اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

بابا صاحبؒ کے دربار میں کسی سے امتیازی برتاؤ نہ ہوتا تھا۔ کوئی کسی سے دل آزار گفتگو نہیں کر سکتا تھا۔ سب زمین پر سوتے تھے۔ شب بیداری، ہر وقت باوضو رہنا، نوافل کی کثرت، تلاوت کلام پاک، ذکر و فکر، مراقبہ سب کے لئے ضروری تھا۔ پرانے خادم نو واردوں کے ساتھ پورے خلوص اور پوری ہمدردی کا برتاؤ کرتے تھے۔ جس سے ان میں بھائی چارہ ہو جاتا تھا اور یہ سب بابا صاحبؒ کے پورے قواعد و ضوابط بڑی آسانی سے سیکھ جاتے۔ غرضیکہ اصلاح نفس اور تزکیہ باطن کے لئے جن پابندیوں کی ضرورت ہوتی ہے' وہ سب وہاں موجود تھیں۔ کھانے کے وقت چار چار پانچ پانچ آدمی ایک پیالہ میں مل کر کھانا کھاتے۔

بابا صاحبؒ کے کتب خانے سے ہر شخص فائدہ اٹھاتا رہتا۔

توکل کی تعلیم اور قرض سے نفرت

ایک دفعہ آپ کے لنگر خانے میں کئی روز سے نمک نہ تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے خیال کیا کہ حضرت آٹھ پہر میں صرف ایک دفعہ کھانا کھاتے ہیں۔ کئی دن سے ڈیلے ہیں۔ ان میں نمک بھی نہیں ہے۔ تھوڑا سا نمک قرض لے کر ان میں ڈال دینا چاہیے۔ یہ سوچا اور پاس کی دکان سے نمک قرض لے کر ابلے ہوئے ڈیلوں میں ڈال دیا۔ جس وقت دسترخوان بچھایا گیا اور حضرت بابا صاحبؒ کے ساتھ کھانا کھانے والے درویش بیٹھ گئے۔ دعا پڑھنے کے بعد حضرت نے لقمہ اٹھایا، فوراً واپس رکھ دیا اور فرمایا کھانے میں کسی کا تصرف ہے۔ مشتبہ ہے۔

Marfat.com

یہ سنتے ہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کھڑے ہو گئے۔ عرض کیا۔ حضور! لکڑیاں مولانا سید بدر الدین اسحاق لائے ہیں اور ڈیلے مولانا جلال الدین ہانسویؒ اور پانی مولانا حسام الدین کابلیؒ لائے اور ان کو جوش اس فقیر نے دیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ لقمہ مشتبہ کیسے ہوا؟ بابا صاحبؒ نے فرمایا، نمک کہاں سے آیا ہے؟ یہ سن کر محبوب الٰہیؒ کانپ اٹھے اور دست بستہ عرض کیا۔ حضور کی ذات والا کاشف حالات ہے۔ یہ خطا مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔ آپ آٹھ پہر میں ایک مرتبہ کھانا کھاتے ہیں۔ کئی روز سے ڈیلے بغیر نمک کھانے میں آتے رہے۔ میں نے تھوڑا سا نمک ادھار لے کر اس میں ڈال دیا تاکہ حضور ذوق سے کھانا کھالیں۔ آپ نے فرمایا:

''نظام الدین اگر درویشاں بفاقہ میرنداز برائے لذت نفس قرض نگیرندزیرا کہ درقرض وتوکل بعد المشرقین است بہم درست نیاید۔''

(ترجمہ) نظام الدین اگر درویش فاقہ سے مرجائیں تو بھی نفس کی لذت کے لئے قرض نہیں لیتے ہیں کیونکہ قرض اور توکل میں بُعد المشرقین یعنی مشرق مغرب کی دوری ہے۔ دونوں ایک جگہ جمع نہیں رہ سکتے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے اسی وقت عہد کیا کہ آئندہ تمام عمر قرض نہیں لوں گا۔ سبحان اللہ! بابا صاحبؒ کی عملی تعلیم کی کیا شان ہے اور کس قدر شریعت حقہ کے احکام کی پابندی ہے۔ اور حقوق العباد کا خیال رکھنے کی تاکید ہے۔ اس واقعہ سے آپ کی قناعت، توکل، تقویٰ اور ورع جیسی صفات عالیہ پر جہاں روشنی پڑتی ہے، وہیں قرض لینے سے بچے رہنے کی تلقین اور تاکید واضح ہو رہی ہے۔

عام طور پر یہ بیماری وبائی شکل اختیار کر چکی ہے کہ ہر چھوٹا بڑا یونہی اپنے آپ کو قرض کے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ عمر بھر اس میں سے رہائی نصیب نہیں ہوتی اور خود بھی قرض ادا کرنے کی نیت نہیں کی جاتی۔ اس کا انجام بہت بُرا ہے۔ کیونکہ مقروض شخص جب تک قرض ادا نہ کرے گا، اس کی بخشش نہیں ہوگی۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جائے اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، مگر قرض معاف نہیں ہوتا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: حضور پُرنور شافع یوم النشور سیدنا و مولانا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علی وسلم مقروض کا جنازہ نہیں پڑھایا کرتے تھے۔ ایک جنازہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا اس کے ذمے قرض ہے؟ حاضرین نے عرض کیا کہ اس کے ذمے دو دینار قرضہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا تم اپنے ساتھی کا جنازہ پڑھ دو۔ ابو قتادہؓ نے عرض کیا حضورؐ وہ دو دینار میرے ذمہ۔ میں ادا کر دوں گا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ (جمع الفوائد، جلد اول، 253)

حضرت بابا صاحبؒ دعوتوں میں بھی کم شریک ہوتے تھے۔ شیخ بدر الدینؒ آپ کے پیر بھائی تھے۔ دہلی کے رہنے والے ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ اکثر ان کی دعوتیں کرتے رہتے تھے۔ اخلاقاً اور مجبوراً آپ کو ان کے ہمراہ دعوتوں میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ ایک روز آپ نے اپنے نفس سے کہا۔ اے فرید! اب تو شیریں اور مرغن کھانوں سے اپنے شکم کو خوب موٹا کر رہا ہے۔ اس کے بعد عہد کر لیا کہ آئندہ اس قسم کی دعوتوں میں شرکت نہیں کروں گا بلکہ دہلی کو ہی چھوڑ دوں گا۔

دہلی کے بادشاہ ناصر الدین محمود کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ اس نے داروغہ شاہی کے ہاتھ زر نقد اور چار

گاؤں کی جاگیر کا فرمان آپ کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے زرنقد قبول کر کے درویشوں میں تقسیم کر دیا اور جاگیر کا فرمان یہ معذرت کر کے واپس بھیج دیا کہ "درویشوں کو جاگیر سے کیا کام، یہ دنیاداروں کو ہی زیبا ہے"۔

داروغہ شاہی نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا:

"یہ جاگیر آپ کی اولاد کی معاش کے لئے شاہ دہلی نے مرحمت فرمائی ہے۔"

آپ نے فرمایا: "جس خدا کو سارے جہان کی مخلوق کی روزی کا فکر ہے، میری اولاد کی معاش کا بھی وہی ضامن ہے۔"

غیاث الدین بلبن کا نذرانہ اور آپ کا نماز میں خشوع

دہلی کے بادشاہ بلبن کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ اس نے ایک روز ظہر اور عصر کی نماز کے درمیان زرنقد کے دو طشت نذر گزرانے، آپ نے مولانا سید بدرالدین اسحاقؒ سے دریافت کیا کہ آج لنگر کے لئے کچھ ضرورت ہے۔ مولانا نے عرض کیا، ایک ٹکے کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا اس میں سے لے لو۔ مولانا نے کہا کہ ایک ٹکہ قرض بھی ہے۔ فرمایا وہ بھی لے لو اور باقی زرنقد درویشوں میں تقسیم کر دو۔ سب تقسیم کر دیا گیا۔ اتفاقاً ایک ٹکہ کہیں گر گیا۔ رات کو چراغ کی روشنی میں وہ ٹکہ مل گیا تو آپ نے گرہ میں باندھ لیا کہ کل کی خوراک میں کام آ جائیگا۔ جب عشا کی نماز باباصاحبؒ پڑھانے لگے تو سورۃ فاتحہ پڑھتے پڑھتے نیت توڑ دی۔ دوبارہ نیت باندھی۔ رکوع کے بعد کھڑے ہوئے تو پھر نیت توڑ دی۔ مقتدیوں نے ادب سے عرض کیا کہ حضور! آج بار بار نیت کیوں توڑ رہے ہیں۔ آپ نے مولانا بدرالدین اسحاقؒ کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ آج مجھے نماز میں خشوع نظر نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے زرنقد میں سے کچھ باقی رہ گیا ہے۔ مولانا نے عرض کیا آپ نے سچ فرمایا۔ ایک ٹکہ گر کر باقی رہ گیا تھا۔ میں نے کل کے خرچ کے لئے گرہ میں باحتیاط باندھ رکھا ہے۔ حضرت نے وہ ٹکہ لے کر پھینک دیا اور اطمینان قلب سے نماز ادا کی۔

حضرتؒ کے اقوال (بقدر گنجائش)

1- چار باتیں، سات سو اولیاء سے پوچھیں، سب نے ایک سے جوابات دیئے۔

(الف) تمام لوگوں میں سب سے بڑا عقلمند کون ہے؟

جواب: گناہ چھوڑ دینے والا۔

(ب) سب سے زیادہ دانا کون ہے؟

جواب: جس کے مزاج کو کوئی شے متغیر نہ کر سکے۔

(ج) سب انسانوں سے زیادہ دولت مند کون ہے؟

جواب: قناعت کرنے والا، یعنی وہ جس کو جو کم وبیش مل جائے اتنے ہی کو کافی سمجھے۔

(د) سب لوگوں سے زیادہ محتاج کون ہے؟

Marfat.com

جواب: قناعت نہ کرنے والا۔

2-اللہ تعالیٰ اس بندے سے شرماتا ہے کہ وہ دونوں ہاتھ اللہ تعالیٰ کے حضور اٹھائے اور وہ خالی پھیر دے۔

3-اگر ہے تو خوشی نہیں۔ اور اگر نہیں ہے تو کوئی غم نہیں۔

4-نامرادی کا دن مردوں کی شب معراج ہے۔

5- سخن کا شروع اور اس کا آخر اگر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے تو بات کرو ورنہ چپ ہو جا۔

6-جب فقیر کپڑا پہنے تو خیال کرے کہ کفن پہن رہا ہوں۔

7-صوفی وہ ہے جس سے ہر ایک شے پاک صاف ہو جائے اور اس کو کوئی شے گدلا نہ کر سکے۔

8-اگر تم بزرگان دین کے مرتبہ تک پہنچنا چاہو تو شاہزادوں کی طرف توجہ نہ کرو۔

9-علماء تمام لوگوں کے سردار ہیں۔ اور اللہ والے درویش تمام سرداروں کے سردار ہیں۔

10-اولیاء اللہ علماء کے درمیان اسی طرح ہیں جیسے ستاروں کے درمیان چودھویں کا چاند ہوتا ہے۔

11-سب سے کمینہ انسان وہ ہے جو خوراک اور پوشاک میں مشغول رہے۔

12-درویشی پردہ پوشی ہے اور گودڑی پہننے کا وہ مستحق ہے جو مسلمان بھائی کے عیب کو چھپائے۔ فرمایا حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ چالیس سال تک آنکھیں بند کئے رہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ کس سبب سے ہے۔ فرمایا اس وجہ سے کہ لوگوں کے عیب نہ دیکھوں اور اچانک نظر پڑ جائے تو آنکھیں بند کرلوں۔ اس کے بعد بابا صاحبؒ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کی طرف توجہ فرما کر کہا کہ جب درویش اس طرح ہو جاتا ہے تو جو کچھ وہ کہتا ہے اسی طرح ہو جاتا ہے۔

13-طریقت یہ ہے کہ اگر تیری گردن پر تلوار رکھیں تو تو راضی رہے۔

14-جیسا تو ہے ویسا ہی لوگوں پر ظاہر ہو، ورنہ اصلیت خود بخود ظاہر ہو جائے گی۔

15- کسی کی روٹی نہ کھا بلکہ ہر ایک کو کھلا۔

16- کسی وقت بھی نفس سے لڑائی کو ختم نہ کر۔

17-جو چڑیوں کو دانہ ڈالتا ہے ایک دن ہما بھی اس کے جال میں پھنس جاتا ہے۔

18-تدبیر میں نقصان ہے اور تسلیم و رضا میں سلامتی ہے۔

19- گناہ پر شیخی نہ کر۔

20-دل کو شیطان کا کھلونا نہ بنا۔

حضرت بابا صاحبؒ کے اشعار

آپ کے اشعار کسی کتاب میں مدون نہیں۔ جیسے حضرت خواجہ بزرگوار یا حضرت خواجہ قطب صاحب کے دیوان ہیں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ حضرت بابا صاحبؒ جیسے صاحب علم و فضل نے اشعار نہ کہے ہوں۔ عربی میں کہے ہوں گے اور فارسی میں بھی۔ اس زمانہ کی مروجہ علاقائی زبان میں بھی ارشادات فرمائے ہوں گے۔

Marfat.com

درویشی کے راستہ پر چلنے کوسلوک کہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت نے سلوک کے طور پر جو کلام ان دنوں کی مروجہ زبان میں فرمایا ہو،وہ عام ہوکر ہندی یا پنجابی میں شلوک مشہور ہو گیا ہو۔

درویشی کے راستہ پر چلنے کوسلوک کہتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت نے سلوک کے طور پر جو کلام ان دنوں کی مروجہ زبان میں فرمایا ہو۔وہ عام ہوکر ہندی یا پنجابی میں شلوک مشہور ہو گیا ہو۔

حضرت باباصاحبؒ کے گدی نشین حضرت فرید ثانیؒ کی جناب میں سکھوں کے گورونانک حاضر ہوئے اوران کی توجہ سے گوروصاحب انکے مرید ہو گئے اور عرض کیا کہ اگر جناب اجازت دیں تو حضرت باباصاحب کے ارشادات سلوک کو اپنی کتاب (گرنتھ) میں لکھ لوں۔ حضرت فرید ثانیؒ نے فرمایا کہ باباصاحبؒ سے عرض کر کے اجازت ہوئی تو پھر درج کرنا۔ مزار پر کشف کے ذریعے حضرت سے اجازت مل گئی تو گوروصاحب کو اجازت مرحمت فرمائی۔ تب انہوں نے اپنی کتاب میں درج کر لئے۔

حضرت باباصاحبؒ کے زمانے اور حضرت فرید ثانیؒ کے زمانے میں بلحاظ سنین وفات 295 کا فرق ہے کہ حضرت باباصاحبؒ کے وصال کا 664ھ ہے اور حضرت دیوان ابراہیم کبریٰ المعروف فرید ثانیؒ کا 959ھ میں انتقال ہوا۔ اس دراز عرصہ میں حضرت باباصاحبؒ کے ارشادات میں تغیر الفاظ، ردوبدل اوراپنے اپنے طریق پر پڑھنے سے ہوتا رہا ہو گا۔عوام میں اپنے لہجوں کے باعث اور خواص میں اپنی علمی قابلیت کی بنا پر۔ خصوصاً اس وقت کی علاقائی زبان میں ہوا اور سکھوں کے گرنتھ میں درج ہونے اوران کی زبان گورمکھی میں تحریر ہو جانے اور سکھوں کے لہجہ میں پڑھے جانے سے نہ معلوم کیا کچھ فرق پڑا ہوگا۔ اس پر مؤلفین کا یہ اعتراض کرنا کہ حضرت باباصاحبؒ کا کلام نہیں ہے۔ کسی طرح درست معلوم نہیں ہوتا۔

حضرت کے اشعار عربی ہیں:

ان ارزل الناس .!

من اشتغل بالا کل و اللباس

(ترجمہ) سب انسانوں سے کمینہ وہ شخص ہے جو خوراک اور پوشاک میں مشغول ہو گیا۔

فارسی میں:

(1) خورش وہ بکنجشک و کبک وحمام　　کہ ناگاہ ہمائے درفتد بدام

(ترجمہ) چڑیا، چکور اور کبوتر کو چوگا دو تاکہ دفعتہً جال میں ہما آ پھنسے۔

(2) بقدر رنج یابی سروری را　　بشب بیدار بودن مہتری را

(ترجمہ) تو محنت کے اندازے پر سرداری پائیگا اور رات کو جاگنے سے بزرگی حاصل کر لیگا۔

(3) ہر کہ دربند نام و آوازہ است　　خانہ او برون دروازہ است

(ترجمہ) جو شخص ناموری اور شہرت کا خیال کرتا ہے۔ اس کا مقام دروازہ سے باہر ہے۔

5-4 رباعی: گیرم کہ بشب نماز بسیار کنی　　درروز دوائے شخص بیمار کنی

Marfat.com

(ترجمہ) میں مانتا ہوں کہ تورات کو نماز بہت پڑھتا ہے اور دن کو بیمار انسان کا علاج کرتا ہے۔

تا دل نہ کنی زغصہ دکینہ تہی   صد خرمن گل بر سر یک خار کنی

(ترجمہ) جب تک تو دل کو غصہ اور کینہ سے خالی نہ کرے۔ پھولوں کے سینکڑوں ڈھیر ایک کانٹے پر ڈالتا ہے۔

(6) اے سر تراش دل بتراش از ہوائے نفس

کز سر تراشیت نبود راہ دین حصول

(ترجمہ) اے سر کو منڈوانے والے نفس کی خواہش دل سے تراش دے۔ کیونکہ تیرے سر منڈوانے سے دین کا راستہ حاصل نہیں ہوگا۔

(7) چندیں ہزار میش تراشیدہ ہر طرف   زینہا یکے بدر گہ مولیٰ نشد قبول

(ترجمہ) کئی ہزار منڈی ہوئی بھیڑیں ہر طرف ہیں۔ ان میں سے ایک بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول نہ ہوئی۔

اردو میں:

1- تن دھونے سے دل جو ہوتا پاک   پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک

2- خاک لانے سے گر خدا پائیں   ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے

اس وقت کی علاقائی زبان میں:

1- منا من منائیاں سر منے کیا ہو   کیتن بھیڈاں منیاں سرگ نہ لدھی کوئے

2- فریدا جے تو عقل لطیف کالے لکھ نہ لیکھ

اپنے گریوان منہ سر نیواں کر دیکھ

3- فریدا راتیں وڈیاں دکھ دکھ اٹھن پاس

دھرگ انہاں دا جیویا جنہاں وڈائی آس

4- فریدا چار گوایا ہنڈھ کے چار گوایا سم

لیکھا رب منگیسیا تو آیوں کہڑے کم

(5) بڈھا ہوآ سیکھ فرید کہن لگی دیہہ

جے سو ورہیاں جیوناں بھی تن ہوسی کھیہ

(6) اٹھ فریدا اُجو ساج صبح نواج گجار

جو سر سائیں نہ نویں سو سر کپ اتار

(7) کوک فریدا کوک توں راکھا جویں جواء

جد تک ٹانڈا نہ گرے تد تک حال پکار

(8) آپ سنواریں میں ملاں میں ملیاں سکھ ہو

Marfat.com

فریدا جے تو میرا ہو رھویں سب جگ تیرا ہو

(9) ہنساں ترندیاں بگاں آیا چا

ڈب موئے جگ پڑے سر تل اوپر یا

(10) کاگا کرنگ ڈھڈھولیا سگلا کھایا ماس

اے دوئے نیناں مت چھوہو پر دیکھن کی آس

(11) صبر اندر صابری تن ایوے جالین

ہون نجیک خدائے دے بھیت نہ کسے دین

حضرت بابا صاحبؒ کی عظمت شان اولیاء اللہ کی زبان مبارک سے

1- خواجہ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ معین اجمیریؒ فرماتے ہیں:

''اے قطب الدین۔! بہت بڑا شہباز جال میں گرفتار کرلیا ہے۔ جو سوائے سدرۃ المنتہیٰ کے قرار نہیں لیتا ہے۔''

ایک لحہ کے بعد پھر فرمایا:

''فرید ایک ایسی شمع ہے جو درویشوں کا گھر روشن کرے گی۔''

2- شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی قدس سرہ بابا صاحبؒ کو رخصت کرتے وقت فرماتے ہیں:

''سلطان کو آپ کی ذات پر قدرت نہ ہوگی۔'' اور کتاب ''عوارف المعارف'' کا نسخہ عطا فرمایا۔

3- حضرت سیف الدین باخرزیؒ کی ملاقات بابا صاحبؒ سے بخارا میں ہوئی تو انہوں نے اپنی سیاہ چادر اتار کر بابا صاحبؒ کو عطا فرمائی اور کہا:

ایں کودک از مشائخ روزگار گردد و ہمہ عالم از مریدان و فرزندانش پر سود

(ترجمہ) یہ نوخیز لڑکا زمانے کے بزرگوں میں سے ہوگا اور تمام جہان اس کے مریدوں اور بیٹوں سے بھر جائیگا۔

(4) حضرت خواجہ اجل شیرازیؒ کا ارشاد ہے۔

بغداد شریف میں ملاقات کے وقت بابا صاحبؒ کو خطاب کر کے کہا:

بیا اے لنگر عالم خدائے تعالیٰ در رزق تو برکت دہد۔

آ اے لنگر عالم اللہ تعالیٰ تیرے رزق میں برکت دے۔

(5) حضرت جلال الدین تبریزیؒ تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں ملتان سے دہلی جارہے تھے تو راستہ میں کھتوال یعنی چاولی مشائخ میں ٹھہرے تھے تو لوگوں سے پوچھا:

''مجھے یہاں سے خدا کے دوست کی خوشبو آتی ہے۔ بتاؤ وہ کون ہے۔''؟

لوگ ان کو بابا صاحبؒ کے پاس لے گئے۔ بابا صاحبؒ کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے، شرما رہے تھے۔ حضرت

تبریزی نے فرمایا:

''اے بیٹا! اس سے غمگین نہ ہو۔ اس کا نتیجہ ایک دن یہ ہوگا کہ تو زمانہ کا قطب ہو جائے گا۔''

(6) قطب عالم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنے وصال سے کچھ روز پہلے فرمایا:

''مقام ما مقام شماست (اب ہمارا مقام تمہارا مقام ہے)۔

سماع

حضرت بابا صاحبؒ سماع سنتے تھے کیونکہ سلسلہ چشتیہ کے اکابرین سماع سنتے چلے آئے ہیں۔ سماع کی شرائط کی پابندی کے ساتھ سماع سننا جائز سمجھتے رہے ہیں۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ ملفوظات میں فرماتے ہیں:

جب چند چیزیں موجود ہوں۔ سماع اسی وقت سنے اور وہ چند چیزیں کونسی ہیں۔؟ وہ یہ ہیں۔

1۔ مسمع یعنی گانے والا، چاہیے کہ مرد ہو اور پورا مرد ہو۔ لڑکا نہ ہو، اور عورت نہ ہو (2) مسموع۔ جو گایا جائے۔ لازم ہے کہ وہ ہزل اور فحش نہ ہو۔ (3) مستمع، گانا سننے والا۔ چاہیے کہ بہ تصور حق عزوجل سنے اور یاد حق سے وہ معمور ہو۔ یعنی طالب مولیٰ ہو، دنیادار نہ ہو۔ (4) آلت سماع، جیسے چنگ، رباب وغیرہ چاہیے کہ درمیان میں نہ ہوں۔ فرمایا کہ اس قسم کا سماع حلال ہے۔ پھر فرمایا، سماع ایک موزوں آواز ہے۔ حرام کیوں ہو۔ نیز سماع، دل کو حرکت میں لاتا ہے۔ اگر وہ حرکت اللہ کی یاد میں ہو تو مستحب ہے اور اگر دل کو برائی کی طرف جھکاتا ہے تو حرام ہے۔ (فوائد الفواد۔ 246)

ایک دفعہ آپ کی مجلس میں ایک شخص نے ذکر کیا کہ فلاں مقام پر آپ کے دوستوں نے مجلس قوالی منعقد کی ہے اور مزامیر (چنگ و رباب وغیرہ) مجلس میں ہیں۔ فرمایا کہ میں نے منع کیا ہوا ہے کہ مزامیر اور محرمات نہ ہوں۔ اس سلسلہ میں آپ نے غلو کر کے فرمایا (اخبار الاخیار۔ 58)

محبوب الٰہیؒ کے ان ارشادات کو جو سماع کے متعلق حرف آخر ہیں، سامنے رکھا جائے اور پھر موجودہ زمانہ کی مجلس سماع مع مزامیر کی نسبت جو تمام شرائط کو بالائے طاق رکھ کر منعقد کی جاتی ہے، دیکھا جائے تو عقل حیران ہو کر رہ جاتی ہے۔ بقول حافظ شیرازیؒ:

صلاح کار کجا و من خراب کجا
ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

کرامت

جب بندہ مومن اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور خلوص سے عبادت بجا لاتا ہوا قرب خداوندی حاصل کر کے درجہ ولایت پر فائز ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی عزت اور عظمت عطا فرما دیتا ہے کہ وہ جو دعا، التجا، خواہش کرے اسے پوری کر دیتا ہے اور اس کے ہاتھ پر خوارق عادت ظاہر فرماتا ہے۔ اسے کرامت کہتے ہیں۔ مثلاً کوئی نوجوان فوت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ولی نے دعا کی تو وہ زندہ ہو گیا یا کوئی لاعلاج مریض تھا، حکیموں اور ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا۔ ولی کی توجہ

سے دعا ہوئی تو اسی وقت وہ تندرست ہو گیا، گویا کہ کبھی بیمار نہیں ہوا تھا۔ مادرزاد اندھا تھا۔ کسی قطب زمانہ نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں التجا کی تو وہ بینا ہو گیا۔

کرامت دراصل اس نبی رسول کا معجزہ ہوتا ہے جس کا وہ ولی امتی ہوتا ہے۔ خواجہ ابوشکور سالمیؒ تمہید (75) میں فرماتے ہیں:

كرامة الولى معجزه للنبى زمانه تحقيقاً لرسول ايامه

ولی کی کرامت اس وقت کے نبی کا معجزہ اوراس زمانہ کے رسول کی تصدیق ہوتی ہے۔

1- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریمؑ کو بے موسم پھل ملتا تھا۔ (12/3)

2- حضرت مریمؑ کو وحی ہوئی کہ خشک کھجور کے تنے کو ہلا، تازہ کھجوریں گریں گی (5/16)

3- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی ہوئی کہ غم اور خوف نہ کر، دودھ پلائے جا، ہم اس کو رسول بنائیں گے (4/20)

4- حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر اعظم آصف بن برخیا شاہزادی بلقیس کا تخت ملک سبا سے ملک شام میں آنکھ جھپکنے سے پہلے لے آئے۔ (18/19)

احادیث سے ثابت ہے:

(1) جریج راہب کی گناہ سے بریت کے لئے ماں کی گود میں بچے کا بولنا۔

2- خبیبؓ کے ہاتھ میں غیر موسم کے اندر انگوروں کا گچھا ہونا جبکہ وہ کفار مکہ کی قید میں تھے (بخاری مسلم)

3- حضرت عمرؓ کا ساریہؓ کو جب کہ وہ ملک شام میں کفار سے جنگ کر رہا تھا یا ساریۃ الجبل (ترجمہ) ''اے ساریہ پہاڑ پر چڑھ'' فرمانا، اس میں دو کرامتیں حضرت عمرؓ کی ہیں۔

اول:۔ آپ مدینہ منورہ میں جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اسی وقت آپ نے ساریہ، اسلامی فوج اور دشمن کا حال کشف سے معلوم کر لیا۔

دوم: مدینہ منورہ سے آپ کی آواز کا دور دراز ملک میں پہنچنا۔

اس میں ساریہ کی کرامت یہ ہے کہ انہوں نے اتنے دور دراز ملک عرب کے شہر مدینہ سے حضرت عمرؓ کی آواز کو سن لیا (مشکوٰۃ باب کرامات)

4- علاء الحضرمیؓ کا فوج کے ساتھ سمندر کو گھوڑوں پر عبور کرنا اور گھوڑوں کا سمندر کے اوپر اس طرح چلتے جانا جس طرح کہ زمین پر چلتے ہیں (نشر 21)

5- اسید بن حضیرؓ اور عباد بن بشرؓ دونوں رات کے اندھیرے میں گھروں کو روانہ ہوئے تو ان کی لاٹھیوں سے روشنی ظاہر ہونے لگی، یہاں تک کہ اپنے اپنے گھر اس روشنی میں پہنچ گئے (مشکوٰۃ باب کرامات) کرامت، معجزہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہے۔ اگر بغیر کسی واسطے کے اللہ تعالیٰ کسی مردے کو زندہ کر دے۔ مادرزاد اندھے کو بینا کر

دے۔ لاعلاج مریض کوفوراً صحت بخش دے تو اسے قدرت کہتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی، رسول کے واسطے سے اپنی قدرت کا ظہور فرمائے تو اسے معجزہ کہتے ہیں۔

اور اگر اپنی بارگاہ کے مقرب بندے ولی کے ذریعہ اپنی قدرت کو ظاہر فرمائے تو اسے کرامت کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ معجزے اور کرامت کا انکار کرنا اللہ کریم کی قدرت کا انکار کرنا ہے۔

حضرت بابافریدالدین گنج شکرؒ ولایت کے اعلیٰ وارفع درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ جس کا اندازہ اللہ کریم ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ اپنی زندگی کے آخری چالیس سال قطب رہے ہیں۔ امام غزالیؒ کی عظمت کس قدر ہے۔ مگر آپ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں صرف تین دن قطب رہے۔

اولیاءاللہ اپنی کرامات اور تصرفات کو چھپایا کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک کرامات، کشف اور تصرف کی نسبت استقامت کا درجہ اونچا ہے۔ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں:

سلوک یعنی درویشی کی راہ پر چلنے کے سو درجے ہیں۔ ان میں سترواں درجہ کشف اور کرامت کا ہے۔ اگر درویش کشف وکرامت پر ہی بس کر جائے تو باقی تراسی (83) درجوں کو کیسے حاصل کرے گا (اخبارالاخیار۔60)

ان الذین قالو ربنا اللّٰہ ثم استقا مو ا تتنزل علیهم الملئکة لاتخافو ولاتحزنو وابشر وا بالجنة التی کنتم توعدونo

(ترجمہ) بے شک جولوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر استقامت (یعنی ثابت قدمی) کرتے ہیں توان پر فرشتے نازل ہوتے (کہتے ہیں) کہ نہ تم کوئی خوف کرو اور نہ ہی غم کھاؤ اور خوشخبری ہو اس جنت کی جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو۔

استاد ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں۔ استقامت کے تین درجے ہیں:

(1) ''تقویم'' نفس کو قابو کرنا (2) ''اقامتہ'' دل کو سنوارنا (3) ''تقریب الاسرار'' اسرار کا حصول۔

نیز استاد فرماتے ہیں کہ استقامت ہمیشہ کرامت کے ظہور کا باعث ہوجاتی ہے (رسالہ قشیریہ 103)

حضرت باباصاحبؒ کی تمام حیات طیبہ استقامت کا بہترین نمونہ ہے۔ اور آپ کی کرامات موسلادھار بارش کی طرح ظہور پذیر ہوتی رہی ہیں۔ اس مختصر میں بقدر گنجائش درج ذیل ہیں:

1-بال کی کرامت، حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ حضرت باباصاحبؒ کی ریش مبارک کا بال گرگیا میں نے اٹھالیا اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو اس کو بطور تعویذ استعمال کروں۔ آپ نے اجازت دے دی۔ جب میں اجودھن سے دہلی آ گیا تو وہ بال لوگ تعویذ کے طور پر لے جاتے اور میں وعدہ لے لیتا تھا کہ جب بھی تندرست ہو جائے واپس دے جانا۔ بیمار اس تعویذ سے شفایاب ہو جاتے تھے۔

2-ایک بار حضرتؒ شام کے وقت جنگل سے واپس آ رہے تھے کہ ایک زہریلے سانپ نے آپ کی انگشت شہادت پر کاٹ لیا۔ آپ ذکر الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ کثرت ذکر الٰہی سے جسم مبارک پسینہ پسینہ ہو گیا اور زہر کا اثر جاتا رہا۔

Marfat.com

3-ایک رات شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت کے دروازے پر آیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے دروازے پر سونے کے سانپ آگے پیچھے جا رہے ہیں اور ختم نہیں ہوتے۔ بے حد حیران ہوا اور اپنی چادر ایک سانپ پر ڈال دی تو وہ چادر کے نیچے سونے کا ڈھیر ہو گیا۔ جب میں نے حضرت سے جا کر عرض کیا تو ناراض ہوئے اور فرمایا کہ وہ تو دنیا ہے۔ ہر رات عرض کرتی ہے۔ میں قبول نہیں کرتا۔

4-بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں ملتان میں آیا۔ برادرم مولانا بہاء الدین زکریاؒ سے ملاقات کی اور مصافحہ کیا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم نے اپنا کام کہاں تک پہنچایا۔ میں نے کہا کہ اگر کہتا ہوں تو یہ کرسی جس پر تم بیٹھے ہو ہوا میں ہو گی۔ یہ سخن میری زبان سے نکلا ہی تھا کہ کرسی اڑی۔

5-ایک جوان دہلی سے آپ کی خدمت حاضر ہونے کے لئے چلا۔ راستے میں ایک خوبصورت بدکار عورت اس کو ملی۔ اس جوان پر فدا ہو گئی اور کوشش کرنے لگی کہ کسی طرح اس جوان سے تعلق ہو جائے۔ اس جوان کی نیت صادق تھی۔ اس نے عورت کی طرف کوئی خیال نہیں کیا۔ اتفاقاً ایک منزل پر دونوں ایک سواری پر سوار ہو گئے۔ بدچلن عورت اس کے ساتھ ایسے بیٹھی کہ دونوں میں کوئی حجاب نہ رہا۔ وہ بدچلن عورت غمزہ و کرشمہ سے اس کو اپنی طرف مائل کرنے لگی۔ جوان کا دل بھی اس کی طرف جھکا اور آہستگی سے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس حالت میں ایک مرد کو دیکھا جو نمودار ہوا۔ اس نے اس نوجوان کے منہ پر تھپڑ مارا اور کہا کہ شیخ کی خدمت میں جاتا ہے اور گناہ کرتا ہے۔ وہ جوان رو پڑا اور گناہ سے بچ رہا۔ جب حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا، اے جوان! تجھے اس روز بدچلن عورت سے اللہ کریم نے اپنے فضل سے بچا لیا۔

6-خواجہ احمد سیستانیؒ جو حضرت بابا صاحبؒ کے قدیمی مرید تھے فرماتے ہیں کہ میرے ذمہ وضو اور غسل کے لئے پانی لانا تھا۔ ایک روز میری پشت میں درد شروع ہوا۔ پانی لانے کے واسطے مجھے بلایا۔ میں نے عرض کیا کہ میری پشت درد کرتی ہے۔ پانی نہیں لا سکتا۔ حضرت نے فرمایا اس کو میرے پاس لاؤ۔ میں جب خدمت میں گیا، شفقت سے پاس بلایا اور فرمایا پشت خم کر۔ میں نے خم کی۔ آپ نے دست مبارک پشت پر پھیرا اور فرمایا کہ جاؤ پانی لاؤ۔ اس وقت سے کہ ایام جوانی تھی، اس وقت تک کہ قریب سو برس کے ہوئے کبھی میری پشت میں درد نہیں ہوا اور بہت ہی زیادہ پانی لاتا ہوں۔

7-خواجہ مذکور فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت نے اپنا جامہ مبارک دھونے کے لئے دیا۔ میں اس کو پانی کے کنارے لے گیا اور دھویا۔ شیخ کی خدمت میں لایا تو فرمایا جا ایک بار اور دھو۔ میں نے خیال کیا کہ مجھ سے کوئی قصور ہوا ہے۔ اس لئے میں نے دوبارہ دھونے سے پہلے وضو کیا اور دو نفل پڑھے اور جامہ نہایت احتیاط سے دھویا اور خدمت میں لے گیا۔ اس مرتبہ بھی فرمایا ایک بار اور دھو۔ اب مجھے اور زیادہ حیرت ہوئی۔ سوچا کہ کوئی غلطی مجھ سے ہوئی۔ جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ جن شاخوں پر خشک کرنے کے لئے ڈالا تھا، اس پر پرندوں کی بیٹ ہو گی۔ اس دفعہ دھو کر اس کو جنگل میں ڈالا۔ جب پھر خدمت میں لیکر گیا تو قبول کر لیا۔

8-حضرت بابا صاحبؒ کے ایک مرید محمد نیشا پوریؒ تھے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ولایت گجرات سے دہلی آ رہا تھا۔ دو تین آدمی میرے ساتھ تھے۔ جب جنگل میں پہنچے کہ آبادی وہاں سے دور تھی۔ اس وقت چند لوگ ننگی تلواریں لئے

Marfat.com

ہمارے سامنے آئے۔ ہم پر خوف طاری ہو گیا۔ فوراً ہم نے کہا یا شیخ فریدالدین حاضر باش۔ یہ سنتے ہی ان لوگوں نے تلواریں ہاتھوں سے ڈال دیں اور چلا کر کہنے لگے کہ ہم کو امان دو اور بخشو۔ نامعلوم حضرت باباصاحبؒ نے ان سے کیا کیا ہو۔

9- اُچ اور ملتان کی طرف ایک خوش اعتقاد بادشاہ تھا۔ مولانا عارف نامی نماز میں اس کی امامت کرتے تھے۔ ایک دفعہ مولانا نے دہلی جانے کا ارادہ کیا اور بادشاہ سے رخصت لی۔ وہ بادشاہ حضرت باباصاحبؒ کا غائبانہ معتقد تھا۔ اس نے مولانا کو دوسو سفید ٹکہ دیا کہ جب اجودھن (پاکپتن) جائے تو حضرت کے آگے رکھنا اور میری طرف سے نیاز عرض کرنا' اور فاتحہ کی مدد چاہنا۔ القصہ جب عارف مذکور اجودھن پہنچا۔ دل میں سوچا کہ دوسو ٹکے کے آدھ بچالوں اور نصف شیخ کو دوں۔ کیونکہ بادشاہ نے مجھ کو خط نہیں دیا کہ خیانت ظاہر ہو۔

آخر جب خدمت میں پہنچا' سوٹکہ بغل سے نکالا اور حضرت کے آگے رکھا کہ فلاں بادشاہ جو آپ کا معتقد ہے اس نے سوٹکہ شکرانے کا دیا ہے قبول فرمایئے۔ بعدازاں حضرتؒ مسکرائے اور فرمایا کہ مولانا عارف برادری کا حق تو نے اس درویش پر درست کیا کہ شکرانے کی نقدی کو آدھوں آدھ کر لیا۔ عارف مذکور شرمندہ ہوا اور دوسو ٹکے سفید آگے رکھے۔ حضرتؒ نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ تمہیں کو دیئے تا کہ برادری میں نقصان نہ ہو۔

10- حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ مولانا سید بذرالدین اسحاقؒ نے بیان کیا کہ میں ایک وقت حضرت باباصاحبؒ کے ساتھ سفر میں تھا۔ ایک دریا کے کنارے پہنچے۔ وہاں کشتی نہ تھی کہ پار ہو جائیں۔ حضرتؒ نے میری طرف دیکھا اور کہا کہ میری اور اپنی نعلین لے لے۔ میں نے ہاتھ میں نعلینیں لے لیں اور فرمایا کہ اتر چلیں۔ جب نزدیک پہنچا تو کہا آگے دیکھ۔ میں نے آگے دیکھا تو اپنے آپ کو اور شیخ کو دریا کے پار گزار پر کھڑا پایا۔ حضرت کی دہشت مجھ پر اتنی طاری ہوئی کہ کچھ نہ کہہ سکا۔ ایسے مقام پر پہنچا کہ جگہ اچھی تھی۔ جب میں نے عرض کیا تو فرمایا ہم نے سورۃ مزمل پڑھی۔ اپنے اور تجھ پر دم کیا۔ راہ پیدا ہو گئی، پار ہو گئے۔ بعدازاں حضرت سلطان الاولیاءؒ نے فرمایا کہ حضرت امیرالمومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ نے اسّی لڑائیاں اسی سورۃ مزمل کی قوت سے فتح کیں اور درہ خیبر کو اکھاڑا۔

11- ایک روز حضرت باباصاحبؒ ایک شہر میں آئے۔ ایک بوڑھی عورت کو دیکھا کہ رو رہی ہے۔ اس نے واقعہ بیان کیا کہ میرا ایک لڑکا تھا۔ حاکم شہر نے اس کو ناحق سولی دے دی ہے۔ حضرت نے فرمایا، وہ سولی کہاں ہے؟ اس ضعیفہ نے سولی کا راستہ بتایا۔ آنحضرت کی اس پر نظر پڑی۔ دست مبارک سے اس کا خون صاف کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہو گیا۔ حضرت باباصاحبؒ کے ہمراہ گھر آ گیا۔ آپ نے فرمایا الصوفی یحیی (ترجمہ) ''صوفی زندہ کرتا ہے''۔ معنی یہی ہیں۔

(جواہر فریدی)

حضرت باباصاحبؒ کی کرامات بے شمار ہیں۔ آپ کی سیرت کے واقعات کے بیان میں متعدد کرامتیں بیان ہو چکی ہیں۔ اس لئے یہاں اتنی پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت بابا صاحبؒ کا وصال

محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت کے سر مبارک میں خلہ کی بیماری ہوگئی تھی۔ اسی مرض میں انتقال فرمایا۔

ایک روز حضرت نے فرمایا کہ تم سب جاؤ اور فلاں مقام پر رات بھر جاگو اور میری صحت کے لئے دعا کرو۔ ہم گئے۔ رات بھر وہاں رہے۔ دعائیں کیں۔ دن چڑھے خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کے حکم کے مطابق رات بھر جاگے اور دعا بھی کرتے رہے۔ حضرت نے کچھ دیر تامل کیا۔ اس کے بعد فرمایا تمہاری اس دعا کا میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ فرماتے ہیں کہ میں تو سوچنے لگا۔ ایک دوست علی بہاری تھا۔ اس نے عرض کیا حضرت جی ہم تو ناقص ہیں اور حضور کی ذات کامل۔ ناقصوں کی دعا کاملوں کے حق میں کیسے قبول ہو۔ حضرت نے یہ بات نہیں سنی تھی۔ میں نے حضرت کے حضور میں عرض کی۔ اس کے بعد میری طرف منہ کیا اور فرمایا کہ میں نے خدائے کریم سے مانگا ہوا ہے کہ جو کچھ تو خدا سے چاہے گا پالے گا۔ اس کے بعد اپنا عصا مبارک مجھے عطا فرمایا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ سے پوچھا گیا کہ آپ حضرت بابا صاحبؒ کے انتقال کے وقت ان کے پاس موجود تھے۔ آب دیدہ ہو کر فرمایا کہ میں اس وقت موجود نہ تھا۔ حضرتؒ نے مجھے ماہ شوال میں دہلی بھیج دیا تھا اور آپ کا انتقال پانچ محرم کو ہوا تھا۔ انتقال کے وقت مجھے یاد کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ تو دہلی میں ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں بھی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے انتقال کے وقت حاضر نہ تھا، ہانسی میں تھا۔

حضرت بابا صاحبؒ پر بیماری کا غلبہ ہو گیا۔ رمضان شریف آ گیا۔ بابا صاحب روزہ نہ رکھ سکتے تھے، افطار کرتے تھے۔ ایک روز خربوزہ لائے۔ اس کی قاشیں کاٹ رہے تھے۔ میں حضرت کی خدمت میں پیش کر رہا تھا۔ حضرت کھا رہے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت نے ایک قاش میرے ہاتھ میں دے دی۔ میں نے کھا لینا چاہی اور دل میں ٹھان لیا کہ حضرت مجھے اپنے ہاتھ سے یہ دولت دے رہے ہیں۔ پھر مجھے کہاں سے ملے گی۔ بہتر ہے کہ کھالوں اور کفارہ میں دو ماہ کے روزے پے در پے رکھ لوں گا۔ منہ میں ڈالتے ہی لگا تھا کہ حضرت نے فرمایا ہرگز نہیں۔ مجھے تو شریعت نے رخصت دی۔ تجھے کھالینی ہرگز جائز نہیں ہے۔ (قاش دے کر بابا صاحبؒ نے حضرت محبوب الٰہی صاحبؒ کے اعتقاد کی آزمائش کی اور شریعت کی پابندی کی تاکید فرمائی۔ فوائد الفواد 52-53)

بیماری آئے دن بڑھتی جا رہی تھی۔ سخت تکلیف کے باوجود نماز باجماعت ادا کرتے۔ نوافل اور اوراد اوقات مقررہ پر پڑھتے رہتے۔ محرم کا چاند نظر آ گیا۔ سلام کو سب معتقدین حاضر ہوئے۔ فیض بخشی فرمائی۔ اکثر گھڑی گھڑی بے ہوشی طاری ہو جاتی۔ جب ہوش میں آتے تو سب سے پہلے یہ سوال کرتے کیا میں نے نماز پڑھ لی؟ بعض اوقات نماز دو دو بار پڑھتے۔

4 محرم الحرام 664ھ پیر کا دن حضرت نے بڑی تکلیف سے گزارا مگر باوجود شدت مرض کے نمازیں جماعت سے ادا کیں اور اپنے اوراد و نوافل بھی پورے کئے۔ عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو پوچھا کیا میں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے۔ عرض کیا، جی ہاں۔ فرمایا ایک مرتبہ اور پڑھ لوں۔ یہ کہا اور عشا کی نماز دوبارہ پڑھ لی۔ پھر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آئے تو پھر پوچھا کیا میں نے عشا کی نماز پڑھ لی ہے۔ عرض

Marfat.com

کیا گیا کہ حضور تو دو دفعہ عشا کی نماز ادا کر چکے ہیں۔فرمایا ایک بار اور پڑھ لوں۔کون جانتا ہے کہ پھر کیا ہو۔تازہ وضو کیا۔ عشا کی نماز مع وتر تیسری بار ادا کی۔پھر دو نفل پڑھے۔اس کے بعد سجدے میں سر رکھا اور سجدہ ہی میں ایک مرتبہ بلند آواز سے یا حی یا قیوم کہا اور جان مولائے کریم کے حوالے کر دی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

تجہیز و تکفین

حضرت بابا صاحبؒ کے پاس جو کچھ آتا تھا وہ سب خرچ کر دیا کرتے تھے۔جس وقت آپ کا انتقال ہوا تو تجہیز و تکفین میں مشکل پیش آئی۔غسل اور کفن کے بعد جنازے پر ڈالنے کے لئے آپ کے گھر میں کوئی چادر نہ تھی۔سید محمد کرمانیؒ نے اپنے گھر سے چادر لا کر اوپر ڈالی۔صاحبزادگان نے با تفاق فیصلہ کیا کہ اجودھن کے قلعہ کے باہر جہاں شہداء کے مزارات ہیں وہاں دفن کریں اور جنازہ بھی شہر سے باہر ہو کہ ہجوم زیادہ ہے۔حضرت بابا صاحبؒ کے صاحبزادے خواجہ نظام الدین صاحبؒ بادشاہ بلبن کی ملازمت کے سلسلہ میں پٹیالی میں تھے۔انہوں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت ان کو بلا رہے ہیں۔وہ چھٹی لیکر وہاں سے چلے۔اتفاقاً جس رات حضرت کا وصال ہوا' اسی رات کو دیر سے اجودھن پہنچے۔شہر کے دروازے بند ہو چکے تھے۔رات باہر گزاری۔صبح اندر آئے تو حضرت کا جنازہ باہر لے جایا جا رہا تھا۔آپ نے کہا، کہاں دفن کرو گے؟ سب نے کہا قلعہ کے باہر گنج شہداء میں دفن کریں گے۔کیونکہ حضرت اکثر وہاں مشغول رہا کرتے تھے اور وہ مقام راحت افزا ہے۔انہوں نے کہا اگر تم شہر کے باہر دفن کرو گے تو تمہیں کوئی کیا سمجھے گا۔جو زیارت کے لئے آیا کریں گے باہر زیارت کر کے چلے جایا کریں گے۔اس رائے پر سب نے اتفاق کیا۔جنازہ تو شہر سے باہر حضرت مولانا سید بدر الدین اسحاقؒ نے پڑھایا اور شہر میں واپس لے آئے تاکہ آپ کو سنت نبوی کے مطابق اسی جگہ دفن کیا جائے' جہاں آپ کا وصال ہوا۔اسی مقام پر قبر کھودنے میں مصروف ہو گئے۔قبر کھودی گئی تو لحد کے لئے کچی اینٹوں کی ضرورت ہوئی۔وہ بھی نہ تھیں۔گھر کا دروازہ توڑا اور اس سے کچی اینٹیں لی گئیں' تاکہ لحد میں خرچ ہوں (فوائد الفوائد۔ 212) جب قبر تیار ہو گئی تو حضرت بابا صاحبؒ کو اس میں دفن کر دیا۔

اینٹوں کے نہ ہونے کا باعث حضرت بابا صاحبؒ کا فانی اشیاء سے محبت نہ کرنے کی تعلیم عملی دینا ہے۔ایک شخص حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو ایک کچا حجرہ بنادوں۔حضرت نے فرمایا کہ سات سال ہو گئے ہیں۔بندہ مسعود نے نیت کر رکھی ہے کہ اینٹ پر اینٹ نہیں رکھے گا۔

اور یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت بابا صاحبؒ کو بطور امانت اس مقام پر دفن کیا تھا جہاں پر اب حضرت کے بڑے صاحبزادے خواجہ شہاب الدین گنج علم کا مزار ہے۔

تعمیر روضہ مبارکہ اور بہشتی دروازہ

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے سینکڑوں حافظ بلائے اور آپ کے سب خلفاء کو جمع کیا۔اینٹیں تیار کرائیں۔ان پر

Marfat.com

قرآن پاک ختم کئے گئے۔ جب ان اینٹوں سے روضہ شریف تیار ہو گیا تو سب صاحبزادگان، خلفاء اور مریدین نے حضرت بابا صاحبؒ کی نعش مبارک کو قبر سے نکالا اور خوشبو سے معطر کیا۔

اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیائے کرام علیہم اصلوۃ السلام اور صحابہ کرام، امامین اور شجرہ شریف کے تمام بزرگوں کی روحیں ظاہر ہوئیں اور حضرت بابا صاحبؒ کی نعش مبارک کو روضہ کے اندر لا کر دفن کیا۔ کچی اینٹیں لحد کے لئے تیار نہ تھیں۔ بابا صاحب کی روح سے حضرت محبوب الٰہیؒ کو ارشاد ہوا کہ:

''حجرہ کی مشرقی جانب جو کچی اینٹوں کی جالی ہے اس کو توڑ دو تا کہ اس دروازے سے حضرت سید المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام بزرگان علیہم الرضوان باہر تشریف لے آئیں''۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اس الہام پر اس جالی کو توڑ دیا۔ اس کی کچی اینٹیں حضرت بابا صاحبؒ کی لحد کے کام آئیں اور اس دروازے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام بزرگان دین کی روحیں باہر آ کر روضہ کے متصل جہاں آج کل چھوٹا سا حجرہ بنا ہوا ہے اور اس کا نام قدم رسول ہے' کھڑی ہو گئیں۔

خواجہ نظام الدینؒ کو ارشاد ہوا کہ اے نظام الدین! ہمیں خدائے کریم کی بارگاہ سے حکم ملا ہے کہ جو کوئی اس دروازے سے گزرے گا انشاء اللہ العزیز بخشا جائے گا اور دوزخ کی آگ سے امان پائے گا۔

''تمام آدمیوں کو کہہ دے اور اعلان کر دے۔''

جسب الحکم خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اس بھید کو ظاہر کر دیا۔ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا اعلان اور آواز مشرق سے مغرب تک جا پہنچی۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں التجا کی کہ حضور کرم فرماتے ہوئے تمام حاضرین کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائیں۔ یہ درخوست منظور ہو کر ارشاد ہوا:

''جو کوئی اس وقت آئے اپنی ظاہری آنکھ سے مجھے دیکھ لے۔''

یہ سن کر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ اسی حالت میں آپ نے دستک دے کر بہ آواز بلند کہا ''فرید فرید'' اور دروازے کی طرف دوڑے اور نوری دروازے سے باہر آ گئے۔

آج تک اس دروازے کو ''بہشتی دروازہ'' کہتے ہیں

اللہ کریم کا شکر ہے کہ اس نے اپنے خاص فضل و کرم سے راقم الحروف کو بہ حرمت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم توفیق دے کر حضرت قطب الاقطاب، فرد الافراد شیخ الاسلام والمسلمین جناب بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے مختصر حالات مبارکہ مرتب کرنے کی سعادت سے بہرہ اندوز فرمایا۔

فالحمد للہ حمدً کثیراً و الصلوۃ

والسلام علی حبیبہ سیدنا و مولانا محمد والہ واصحابہ اجمعین

بروز چہار شنبہ وقت دوپہر

Marfat.com

14۔ذی الحجہ 1384ھ

مطابق

6۔مارچ 1966ء

تمام شد

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

کا

فیضِ عام

کتاب ''ذکر سعید'' میں حضرت کی فیض بخشی حیات دنیاوی، برزخی، ظاہر، باطن، دور، نزدیک، بیداری اور خواب کا ذکر ضمناً آ تا رہا ہے۔ راقم الحروف پر جو حضرت نے خاص کرم نوازی فرمائی' اس کا واقعہ درج ذیل ہے:

پاکستان کے بن جانے پر احقر فیروز پور چھاؤنی میں اپنی تمام عمر کی کمائی، جائیداد، بالخصوص جامع ترین بے مثال کتب خانہ چھوڑ کر پاکستان آ گیا۔ تقریباً پانچ ماہ زخمی نوجوان بچہ کا مختلف مقامات پر علاج کراتا پھرا۔

تقریباً خالی ہاتھ تھا۔ کتابوں کا شوق دامنگیر رہتا تھا۔ خوش قسمتی سے بزرگان دین کے ملفوظات ملتان، راولپنڈی اور لاہور سے مل گئے۔ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات ''فوائد الفوائد'' کا مطالعہ کر لیا تو حضرت خواجہ خواجگان بزرگوار سید معین الدین چشتی اجمیریؒ کے ملفوظات بنام ''دلیل العارفین'' مرتبہ حضرت خواجہ عالم خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مطالعہ شروع کر دیا۔

19۔ رمضان المبارک 1367ھ مطابق 26 جولائی 1948ء بوقت دوپہر روزے کی حالت میں کتاب مذکور کا مطالعہ چارپائی پر شمالاً جنوباً لیٹ کر کر رہا تھا۔ جب اس کے صفحہ 50 پر پہنچا تو اسی طرح کھلی ہوئی کتاب کو سینے پر رکھ کر سو گیا۔ خواب نظر آیا۔

اس خواب میں ایک سنہری دروازے والا محل دیکھا۔ جب اس طاق کو کھولا تو اس کے اندر بھی آرائش زیبائش کا سنہری سامان پایا۔ اتنے میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی زیارت ہوئی۔ حضرت والا نے احقر کی ضیافت فرمائی۔ رنگا رنگ کے کھانے لائے گئے۔ حضور نے فرمایا کھاؤ۔ احقر نے عرض کیا کہ پہلے جناب والا کھانا شروع فرمائیں تاکہ تبرک ہو جائے۔ نہایت خوشی سے حضرت نے کھانا شروع فرمایا۔ ایک نوالہ کھانے کے بعد برتن کے اسی مقام سے ایک نوالہ اپنے مبارک ہاتھ سے اٹھا کر احقر کو عطا فرمایا۔ میں نے کھا لیا۔ وہ کھانا ایک قسم کی کھچڑی تھی۔ اس کے بعد حضرت، سالم روٹیاں اسی قسم کی کھچڑی یا اسی قسم کے کسی سالن میں توڑ توڑ کر ڈالنے لگے۔ جو لوگ اس وقت موجود تھے انہوں نے کہا کھاؤ۔ میں نے جواب دیا کہ جب حضرت اجازت دیں گے، تب کھاؤں گا۔ آنحضرت نے فرمایا زعم نہیں کرنا چاہیے۔ احقر نے عرض کیا کہ حضور نظر کرم فرما کر تمام زخم کو دھو دیں۔ حضرت نے تسلیم فرمایا۔ اس کے بعد ایک بڑا سا برتن جیسے کڑاہی ہوتی ہے' لائے اور فرمایا کہ:

Marfat.com

''ہم تو یوں پکایا کرتے ہیں اور کھایا کرتے ہیں۔''

جب احقر نے دیکھا تو وہ گھی میں کریلے اور گوشت بھونا ہوا تھا۔ آنحضرت نے اس میں سے ایک بوٹی احقر کو اپنے دست مبارک سے دی کہ کھاؤ، کھالی۔ اس کے بعد حضرت جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ احقر بھی ان کے پیچھے چل پڑا۔ جب کسی قدر راستہ طے کیا تو راستہ میں نشیب یعنی نچان آ گیا تو آنحضرت نے فرمایا:

''ہنوز نے باز برو۔''

(ترجمہ) ابھی نہیں واپس چلا جا۔

احقر واپس لوٹ آیا۔ جب آنکھ کھلی سینکڑوں گنا زیادہ ذوق اور مسرت ہوئی۔ اس پاک کتاب کو بوسہ دیا اور سر پر رکھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا (کہ یہ سب دولت اس مولائے کریم کے فضل و کرم سے عطا ہوئی)۔

(کتاب مذکور کے مذکورہ صفحہ کے حاشیہ پر یہ خواب تحریر کر دیا گیا تھا۔ چونکہ حضرت بابا صاحبؒ فارسی میں گفتگو فرماتے رہے تھے اس لئے فارسی میں ہی تمام خواب لکھا گیا تھا۔ یہ اس کا ترجمہ ہے۔ بابا صاحب کا قد لمبا تھا، چوغا لمبا پہنا ہوا تھا۔ سر پر عمامہ مبارک تھا۔ تمام گفتگو مشفقانہ محبت سے بھرپور تھی)۔

بھول گیا جس وقت آنحضرت روٹیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھچڑی میں یا سالن میں ڈال رہے تھے۔ تو حاضرین نے احقر کو کہا، کھالے اور احقر نے حضرت کی اجازت پر موقوف رکھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ حضرت پیر غوث محمد صاحب چشتی صابریؒ جو حضرت بابا صاحبؒ کی اولاد میں سے ہیں اور فرید کوٹ کے چلہ مبارک کے سجادہ نشین تھے۔ اپنے چند مریدوں کے ساتھ وہاں موجود ہیں۔ وہ بغیر اجازت ان روٹیوں کو سالن میں ملا کر کھانے لگ گئے (چند روز کے بعد پیر صاحب تشریف لائے اور بعض عملیات اور اوراد کی اجازت عطا فرمائی)۔

تمام دن اس خواب کا ذوق اور اس بشارت کی مسرت رہی۔ اور اب جس وقت وہ
خواب یاد آتا ہے
بے حد مسرت
اور خوشی ہوتی ہے۔

قصیدہ جنیہ

جو ایک جن نے بحضور سید کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہو کر عرض کیا۔

منقول از مسعود العالمین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر قدس سرہ از کتاب بے مثال بشر بہ روایت قبلہ مولانا محمد اعظم قادریؒ

1۔غروش مرغوش خراشا
تیرا نور پہلے ظہور تھا اوپر سے نیچے تک

Marfat.com

شغلو ش تغر جغ طراشا

تونے پردہ کیا ہم سے اتر کر عرش سے

2-صغروش بغر طنا شا

تیرے عاشق نے پہچانا تجھے

مز حشمد طشکاشا

نام رکھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرا

3-بلغش مزا غتما

ملکوت میں تیرا نام احمد ہے

اوش نعش مز غشھا

اور لاہوت میں تیرا نام چھپا احمد

4-فغشا ضغش عضرا

بندہ کیا اپنے کو بیچ دنیا کے

اوش خغش وض منشغا

اور اور کچھ کہا یا حالت بلندی میں

5-علغشی طھغ غر فش

عالموں نے ظاہر جانا عارفوں نے باطن

عشغض مغنا طھشا

عاشقوں نے ظاہر سے بھی اور مخفی بھی

6-حض شغ و شغب تشلی

حدیث تیرا قال ہے

اوش تشو طغر ضشا

اور باطن تم کو سمجھنا خراب کرے گا

7-اظغمینا تجشغلشا

اور ظاہر تجھ کو اللہ کہنا کفر ہے

اوش فرقش حلفشا

اور فرقان تیرا حال کہے گا

8-معجشا تجش فغشا

معراج ہوا تجھ کو ایسا

کنغف اوش طغر مشا

کہ نہیں ہوا نبیوں میں سے کوئی

9-قمشرغ فشغا قاشا

چاند کو کیا انگلی سے دو ٹکڑے

وضغشنا لغضو غاشا

دونوں بغلوں میں سے دونوں نکل گئے

10-جشغفا کفشر ایمشغا

جس پر کافر نہیں ایمان لائے

مغشغر بغش ککغشا

میں اپنی قوم سے کروڑوں اس کے غلام کروں گا

11-ایمش حشمد شغشا

ایمان لایا میں ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مع سب قوم کے

اغبشغا غرشا غشغشا

اب چاہتا ہوں کہ میری اولاد سب ایمان لائے

12-همشب غر فشقشا

ہمیشہ پہچاننے والے آپ کے قیامت تک رہیں

جبغشوا اماغش غرضشا

اور امانت الٰہی کے ادا کرنے والے رہیں

صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و علیٰ آله واصحابه و بارک وسلم

(ذکر سعید در سیرت بابا فریدؒ۔ مؤلفہ محمد سعید شبلی لاہور 1966ء)

Marfat.com

محمد نثار علی شہرت

سوانح عمری شیخ فریدالدین گنج شکرؒ

اسرارِ عشق کے بیان میں

آپ کی مجلس میں اولیاء اللہ کے عشق کا ذکر ہو رہا تھا کہ شیخ الاسلام نے زبان مبارک سے فرمایا کہ خواجہ منصورؒ کی ایک بہن تھیں اور ان کی یہ عادت تھی کہ بغداد کے جنگل میں جا کر عبادت میں مصروف رہتیں۔ جب ان کے واپس ہونے کا وقت آتا تو ایک فرشتہ اللہ کے حکم سے مامور تھا کہ وہ ایک جام شراب اسرار الٰہی سے لاتا اور ان کو دیتا۔ وہ اس کو نوش فر لیتیں اور پھر اپنے گھر تشریف لے جاتیں۔ کہیں شدہ شدہ یہ خبر خواجہ منصور کو معلوم ہوگئی کہ یہ عبادت کو تشریف لے جایا کرتی ہیں۔ چنانچہ ایک دن خواجہ منصور جس وقت وہ عبادت کے لئے روانہ ہوئیں' ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ جب وہ اپنی عبادت کے مقام میں پہنچیں تو اللہ کی بندگی میں مصروف ہوگئیں۔ خواجہ صاحبؒ یہ سب حال مخفی ہو کر ملاحظہ کرتے رہے۔ جب پچھلے رات کو وہ عبادت سے فارغ ہوگئیں تو حسب معمول فرشتہ قدح شراب مذکور لے کر آیا۔ انہوں نے اس کو لے کر نوش فرمانا شروع کیا۔ خواجہ منصورؒ فریاد کرتے ہوئے لپکے کہ اے بہن! ذرا سا مجھ کو بھی دیجئے۔ انہوں نے ان کو پیچھے مڑ کر دیکھا تو معلوم کیا منصورؒ ہے۔ انہوں نے ان کو دیکھ کر نہایت افسوس کیا اور کہا کہ تاسف کی بات ہے کہ میرا راز ظاہر ہو گیا۔ پھر انہوں نے منصورؒ کی طرف دیکھ کر کہا اگر تو پیئے گا لیکن اس کی سہار تجھ سے نہ ہو سکے گی۔ خواجہ منصورؒ نے بچا ہوا گھونٹ آپ نوش ہی کر گئے۔ اس کا حلق کے نیچے سے اترنا تھا کہ آپ آپے سے باہر ہو گئے اور انا الحق کہنے لگے۔ ان کی ہمشیرہ رونے لگیں اور منصور سے کہنے لگیں کہ اے تنگ حوصلہ تو آپ بھی بدنام ہوا اور مجھے بھی تو نے بدنام کر دیا۔ بعد ازاں خواجہ منصورؒ شہر میں تشریف لائے اور انا الحق کہنے لگے۔ آخر کار دار پر چڑھائے گئے۔ لکھا ہے جب آپ دار پر چڑھائے گئے تو ان کی بہن صاحبہ تشریف لائیں اور ان کو ملامت کرنے لگیں کہ اے منصور! میں تجھے نہ کہتی تھی کہ تو اس کو سہار نہیں سکے گا۔ تُو نے دوست کے بھید کو ظاہر کر دیا اس لئے مارا گیا۔ جب خواجہ منصورؒ دار پر کھینچ گئے تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ منصور ایسا جواں مرد تھا کہ اس نے راہ دوست میں جان قربان کر دی۔ ان کی بہن یہ بات سنکر ہنسنے لگیں اور فرمانے لگیں کہ اے غافلو! اگر میرا بھائی منصورؒ مرد ہوتا تو وہ ذرہ بھر شربت محبت میں از خود رفتہ نہ ہو جاتا۔ واقعی وہ مرد نہ تھا۔

پھر وہ اپنا ذکر فرمانے لگیں کہ کچھ کم بیس برس ہوئے ہر شب اسرار دوست کا ایک پیالہ میرا وظیفہ ہے' جس کو میں پیتی ہوں۔ لیکن کبھی کوئی بات ظاہر نہیں کرتی۔ بلکہ ہر روز یہی فریاد کرتی ہوں کہ ھل من مزید۔ شیخ الاسلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور آہ آہ کر کے گریہ میں مصروف ہوئے اور پھر بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو انہوں نے زبان مبارک سے فرمایا کہ اے درویش! اللہ کی راہ میں ایسے مرد ہوا کرتے ہیں کہ لاکھوں قدح دریائے اسرار دوست کے

جاتے ہیں اور پھر ڈکار بھی نہیں لیتے۔

پھر کہا کہ اے درویش! جو محبت میں ثابت قدم اور صادق الوعدہ نہیں ہے' اُس کا حال یہ ہے کہ وہ قیامت کے روز محبان خدا میں شرمندہ ہوگا۔ پھر فرمانے لگے کہ قاضی حمید الدین ناگوری اپنی تاریخ میں ارقام فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز حکم ہوگا کہ مجنوں کو لاؤ۔ جب مجنوں حاضر کیا جائے گا تو حکم ہوگا کہ جو اولیاء میری محبت کا دعویٰ کرتے تھے اُن کو بھی لاؤ اور انہیں مجنوں کے پاس کھڑا کر دو۔ جب وہ سب حاضر ہوں گے تو اُن کی طرف یہ خطاب ہوگا کہ تم جو محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو ایسا کرو جیسا کہ مجنوں نے کیا۔ یہ جیتے جی لیلیٰ کے ہی عشق میں مستغرق رہا۔ اب جو اٹھا ہے تو بھی اُس کا حال یہی ہے کہ اُس کی محبت میں سرشار ہے۔ پھر شیخ الاسلام فرمانے لگے کہ یہ مرتبہ دوستوں کے لئے ہے۔ یعنی جو دوستی کا دم بھرے اُس کو چاہیے کہ دوستی میں ثابت قدم رہے تاکہ ذرہ برابر اس دوستی سے کم نہ ہونے پائے بلکہ دن بدن محبت کا ازدیاد رہے۔ پھر آپ نے فرمایا نظامی گنجویؒ ایک صاحب نعمت شخص تھے۔ ایک رسالہ انہوں نے سلوک میں ایسا لکھا ہے جیسا کہ آج تک کسی نے بھی نہیں لکھا۔ ایک روز یہ درویش درویشوں کے جلسہ میں حاضر تھا اور مجلس سماع گرم تھی۔ اس مجلس میں جو اشعار سنے گئے ان میں یہ دو شعر مجھے یاد ہیں:

آں عشق کہ بود کم نگردد
تاشد ازاں قدم نگردد
عشقے کہ نہ عشق جاوداں است
بازیچہ شہوت جواں است

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! فقراء اہل عشق ہیں اور علما اہل عقل۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پس اے درویش! اس قوم کا کام وہی شخص خوب جانتا ہے۔ یہ دونوں وصف جس میں ہوں۔ نبیوں میں البتہ یہ دونوں وصف ہیں۔ ان دونوں کے متعلق یہ امر ہے کہ سلوک کے راستہ میں درویش کا عشق علماء کی عقل پر غالب ہے۔ پھر آپ فرمانے لگے کہ میرا ایک یار تھا جس کو بھیا غریب کہا کرتے تھے۔ وہ شخص ایک عورت پر فریفتہ ہوا۔ ایک رات وہ اپنے معشوق کی دیوار کے نیچے کھڑا ہوا اور اس کے معشوق نے بھی کھڑکی سے سر نکالا اور دونوں باتوں میں گتھ گئے۔ ایسے کہ فجر کی اذان ہو گئی۔ دونوں نے اس اذان کو سمجھا کہ عشاء کی اذان ہو رہی ہے۔ پھر پو پھٹی۔ اُجالا ہونے لگا۔ دونوں نے خیال کیا کہ او ہو صبح ہوگئی۔ اتنے میں غیب سے آواز آئی اے جوان! تو اس عورت کے عشق میں تمام رات جاگتا رہا۔ بتا تو سہی کبھی اللہ کے واسطے بھی تمام رات جاگا ہے؟ جونہی یہ ندا جوان کے کان میں پہنچی' اسی وقت اس نے توبہ کی اور خالص نیت کے ساتھ عبادت خدا میں مصروف ہوگیا۔ اس وقت شیخ الاسلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے کہ ایک تو یہی اس کا اسرار ہے کہ وہ شخص یک بیک پلٹ گیا۔

پس اے درویش! جس نے یہ لطف حاصل کیا وہ غیر سے محبت کیوں کرنے لگا۔ پھر اسی محل پر آپ نے فرمایا کہ اے درویش! ایک بار مجنوں نے سن لیا کہ لیلیٰ صدقہ دے رہی ہے۔ وہ فوراً اُٹھا اور کاسہ چوبیں ہاتھ میں لے کر لیلیٰ کے پاس جا کھڑا ہوا۔ لیلیٰ نے صدقہ تھوڑا تھوڑا سب کو دیا۔ مگر مجنوں کو کچھ نہ دیا اور وہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ مجنوں اسوقت رقص

Marfat.com

کرنے لگا۔ لوگوں نے مجنوں کا مضحکہ اڑایا کہ یہ بھلا ناچنے کا کون موقع ہے۔ نہ تو تجھے اس نے کچھ دیا اور نہ ملتفت ہوئی۔ مجنوں نے ان کو یہ جواب دیا اگر اس نے مجھے کچھ نہ دیا تو نہ سہی۔ بارے اس نے یہ تو دیکھ لیا کہ میرا عاشق مجنوں کھڑا ہوا ہے۔

شیخ الاسلامؒ یہ حکایت بیان فرما کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہنے لگے اے درویش! ان امور کی قدر وہی جانتا ہے کہ جو محبت کے دریا میں غرق ہو یا عالم غیب کا چشمہ جاری سے اُس کو روزی میسر ہوتی ہو۔ پھر آپ نے فرمایا "درویش جو عشق کا اور محبت کا دعویٰ کرے اس کو چاہیے کہ جب تک دم میں دم رہے معشوق کے دروازے کو نہ چھوڑے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو دروازہ ضرور کھلے گا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا۔

پھر فرمایا کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک عابد زاہد تھا کہ اسکو ستر برس اللہ کی عبادت کرتے ہوئے گزر گئے تھے اس زمانہ کے پیغمبر کے نام اللہ کا یہ حکم آیا کہ جاؤ اور اس زاہد سے کہو کہ تو نے اپنے آپ کو کیوں تکلیف میں ڈال رکھا ہے تیری یہ بندگی ہماری بارگاہ میں منظور نہیں ہے۔ یہ پیغام اس زمانہ کے پیغمبر نے اس زاہد کو پہنچایا تو وہ اسی وقت خوش ہو کر کھڑا ہو گیا اور خوشی کے سبب ناچنے لگا۔ انہوں نے کہا بھئی ناچنے کا یہ کون سا موقع ہے۔ تیری طاعت تو منظور نہیں ہوئی۔ زاہد نے کہا آپ کا فرمانا درست ہے۔ میری طاعت مقبول نہیں ہوئی مگر خیر اسی بہانہ سے میں شمار میں تو آیا شکر ہے۔ حضور کو میری یاد تو ہوئی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے درویش! اس راستہ میں سچا عاشق وہی ہے کہ اسرارات کے عالم سے کچھ بلا اس پر واقعہ ہو۔ اس پر وہ راضی اور صابر رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ تم اس طرح مانگا کرو۔ "ربنا افرغ علینا صبراً اقداماً و انصرنا علی القوم الکافرین۔"

پھر آپ فرمانے لگے کہ اہل سلوک اس آیت کو صابران بلا کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ یہ ان کی شان میں آئی ہے کہ دوست بلا کے آنے پر صبر کرتے ہیں اور دم نہیں مارتے۔ یہ فرما کر شیخ الاسلام رونے لگے اور یہ اشعار پڑھنے لگے۔ آپ پر اس وقت عجیب حالت طاری ہوئی۔ اشعار یہ ہیں:

سریست مردرون جاں درعشقت
گرسر رو د اے دوست نگویم باکس
سریست عاشقان رادر طاقت نہانی
پوشیدہ وار خوردرا کانجا تجل نہ مانی

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! صاحب سر کو ایک قوت ذاتی بھی چاہیے جو اسرار اللہ کی طرف سے نازل ہوا اس کو نگاہ میں رکھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ خواجہ معین الدین حسن سنجریؒ نے ایک مقام پر ارقام فرمایا ہے کہ اسرار دوست ایک جمال ہے اور اس صاحب جمال کی جگہ سوائے دل غمزدہ عاشق کے اور جگہ نہیں ہے۔

یحییٰ معاذ رازیؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کا لب نہ تو کسی بات کے سبب اور نہ خندہ کے سبب کھلتا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی کہ اسرار و انوار اللہ کی تجلّے کے میرے دل میں نہ ہوتے ہوں۔ پس جس دل کے اندر انوار اور اسرار دوست کے موجود ہوں وہاں ہنسنے اور بولنے کا بھلا کیا کام ہے۔ پس اے درویش!

Marfat.com

ر بولنا تو اسی وقت مناسب ہے کہ جب یہ ندا ہو جائے۔''وصل الحبیاں الحبیب''۔اسکے یہ معنی ہیں کہ حبیب حبیب کے س چلا گیا۔

پھر آپ نے اسی موقع پر فرمایا کہ جب حضرت عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ تم نے کیا بات دیکھی کہ اللہ تعالیٰ سے شتی کی۔ کہنے لگے ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا کہ محبت کا آئینہ میرے ہاتھوں میں دیا گیا۔اس کو جو میں نے دیکھا تو اس ں ایک صورت ایسی نظر پڑی کہ میں اس پر عاشق ہو گیا اور میں فریاد کرنے لگا اور توبہ کرنے لگا۔میں نے عرض کی کہ یہ نعمت ے عطا ہو جائے' تو میرے دل میں ڈال دیا گیا کہ یہ نعمت تو ہم تم کو دیتے ہیں۔مگر یہ راز ہمارا تم کسی سے نہ کہنا۔اگر تو کسی ے نہ کہے گا تو اور اسرار بھی تجھے دیئے جائیں گے۔

یہ فرما کر شیخ الاسلامؒ گریہ کرنے لگے۔پھر آپ فرمانے لگے جناب قاضی حمیدالدین ناگوریؒ ایک جگہ تشریف کھتے تھے اور میں بھی وہاں حاضر تھا۔ان سے میں نے یہ رباعی سنی تھی:

رباعی

عشق تو مرا اسیر و حیراں کردہ است
درکوئے خرابات پریشاں کردہ است
با ایں ہمہ رنج و محنت اے دوست بہیں
اسرار تو در دلم کہ پنہاں کردہ است

پھر آپ نے فرمایا اے درویش!ایک شخص صاحب حال وقال تھا۔وہ ہر صبح اٹھتا اور یہ دعا کرتا کہ دوست کا عشق ے میسر ہو۔لیکن اس نے اپنے نام ونشان کا پتہ نہ دیا۔آخر کار اس نے اپنی ہستی کو عشق کی آگ میں ہی جلا دیا اور وہ بیگانہ الت میں ہی مر گیا۔درحقیقت وہ اپنی حالت میں یگانہ تھا۔پس اے درویش!جس جگہ محبت کا قدم آجاتا ہے' درمیان سے ئی رفو چکر ہو جاتی ہے۔اس مقام پر یگانہ ہونا ضروری ہے تاکہ وصل ومحبت کے گھر میں اسکو باریابی حاصل ہو۔ورنہ حاشا لا اسکو ہرگز بازیابی حاصل نہ ہوگی۔پھر آپ فرمانے لگے کہ میں نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی مجلس میں یہ شعر ا تھا۔میں ابتک اس شعر کے ذوق میں ہوں کہ جو جناب خواجہ صاحب نے فرمایا تھا:

تا نفسے من زعشق دوست زدم
خاست از ماے دوئی جز دوست

بعدازاں شیخ الاسلامؒ نے غلبہ شوق کی حالت میں یہ حکایت اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمائی کہ جب حضرت سف علیہ السلام نے زلیخا کو طلب کیا اور پھر زلیخا حضرت یعقوب علیہ السلام کے دین میں آئیں اور پھر وہ خدا کی یاد میں شغول ہو گئیں۔لکھا گیا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ نے زلیخا سے خلوت چاہی تو وہ انکے سامنے سے بھاگ گئیں تو حضرت سف ان کے پیچھے بھاگے اور یہ کہا کہ ایک دن وہ تھا کہ تم میرے پیچھے بھاگتی تھیں اور آج یہ دن ہے کہ میں تمہارے پیچھے ا گتا ہوں۔یہ کیا بات ہے کہو تو سہی۔زلیخا نے کہا اے یوسف!جس روز میں تیرے پیچھے بھاگتی تھی خدا کو نہیں پہچانتی تھی ر اسکی بندگی سے دور تھی۔سوائے تمہارے میں کسی کو نہ جانتی تھی۔ایک ضرورت کیوجہ سے میں تم سے دل گرفتگی رکھتی تھی۔

Marfat.com

اب میں نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اور اسکی بندگی میں مصروف ہوگئی۔ اور مجاہدہ اور مشاہدہ سے اسے پالیا۔ اسکی دوستی میرے دل میں متمکن ہوگئی۔ اب اے یوسف! تم اور تم جیسے لاکھ بھی میری نظر میں نہیں جچتے۔ اسلیئے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ الفت ہوگئی ہے۔ پس اس اُلفت کی حالت میں اگر میں کسی دوسرے سے اُلفت کروں تو میں صادق محبت والی نہ قرار پاؤنگی بلکہ دروغ محبت والی قرار پاؤنگی۔

بعدازاں آپ نے فرمایا اے درویش! جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا چاہا اور یہ مناجات کی۔ ''رب ارنی انظر الیک'' تو حکم آیا اے موسیٰ یہ کیا گستاخی ہماری جناب میں کرتا ہے۔ کیونکہ ہم نے وعدہ کرلیا ہے کہ جبتک محمدؐ آخرالزمان اور انکی امت کو (کہ وہ میری محبت ہے) دیدار میرا نہ کرلیں گے اور کسی کو ہم اپنا دیدار نہ دینگے۔ اے درویش! چونکہ حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ کے شوق محبت میں مستغرق تھے۔ پھر مناجات کرنے لگے کہ ''رب ارنی انظر الیک۔'' حکم ہوا اے موسیٰ! اگر میں اپنا دیدار تمہیں دکھاؤں گا تو تم تاب اسکے دیکھنے کی نہ لاسکو گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا کہ خداوندا! میں دیکھ سکوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا اچھا اے موسیٰ! تم کوہ طور پر آؤ اور بندوں کی طرح عاجزی کے طور پر دوگانہ پڑھو۔ اور حرمت کے ساتھ دوزانو ہوکر بیٹھو تاکہ میں تم پر تجلی کروں۔ جب حضرت موسیٰ نے بحکم خداوندی ایسا ہی کیا۔ تو فقط ایک ذرا انوار تجلی کا کوہ طور پر چمکا تھا کہ کوہ طور ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور حضرت موسیٰ بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑے۔ اور تین دن اور تین رات تک اسی طرح بیہوش پڑے رہے کہ آپ کو اپنی سدھ بدھ کی کچھ خبر نہ رہی۔ پھر ندا ہوئی اے موسیٰ! ہم تم کو نہ کہتے تھے کہ تم ہم کو نہ دیکھ سکو گے۔ پھر حکم ہوا اے موسیٰ! ہماری ایک ذرہ بھر تجلی سے خود بالکل بیہوش اور بنجود ہوگئے اور ہمارا بھید تم نے ظاہر کیا اور آخر زمانہ اُمت محمدؐ میں میرے ایسے ایسے بندے ہونگے کہ ہم دن بھر میں ہزار ہزار دفعہ نور کی تجلی ان کے دلوں میں کریں گے اور وہ ذرہ بھر بھی تجاوز نہ کریں گے اور نہ وہ بیخود ہوں گے بلکہ فریاد کریں گے۔ ''انا مشتاق الی الحبیب۔''

پھر آپ نے فرمایا آتش عشق کی ایک آگ ہے جو سوائے دل درویش اور کہیں نہیں ٹھہرتی۔ مبادا اگر کوئی غلبات اور شوق کے درد سے ایک آہ بھی اپنے سینہ سے کھینچے گا تو مشرق سے مغرب تک سارا جہاں جل کر خاک ہوجائے گا۔ پھر آپ نے اسی محل پر فرمایا اے درویش! جب حضرت موسیٰ تجلی عشق کے انوار سے شرفیاب ہوئے تو اسکے بعد جو برقعہ منہ پر رکھتے تھے وہ نور عشق کے نفس سے فوراً جل جاتا تھا۔ چنانچہ آپ نے برقعہ زر دنقرہ کا بنایا۔ لیکن وہ بھی نہ ٹھہر سکا۔ سوختہ ہی ہوگیا۔ حکم آیا اے موسیٰ! اگر تم ایسے ایسے لاکھ برقعہ بھی بناؤ گے۔ تب بھی وہ بغیر جلے نہ رہیں گے۔ جاؤ تم کسی درویش کی گدڑی میں سے کوئی ٹکڑا لاؤ اور اسکا برقعہ بنا کر لگاؤ تو وہ نہیں جلے گا۔ جب حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا تو اسکا ایک تار بھی نہیں جلا۔

شیخ الاسلامؒ یہ بیان کرکے رونے لگے اور پھر کہنے لگے اے درویش! تجھ کو یہ بھی خبر ہے کہ وجود میں درویشوں کے کیا ہے۔ ان کا خمیر تو اللہ کی تجلی کے نور سے بنا ہوا ہے۔ وہ کیونکر سوختہ ہوسکتے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! میں نے کتاب ''زاد المحبین'' میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے جس روز اللہ تعالیٰ نے اپنے علم قدرت سے یہ بات چاہی کہ اہل عشق کو دنیا میں پیدا کرے تو ایک زمین پر اللہ تعالیٰ نے نظر شوق اور اشتیاق اور نظر

Marfat.com

تجلی سے اور اسرار عشق سے دیکھا تو وہ زمین حرکت میں آئی اور اول سے ہی وہ سکر کے عالم میں فریاد کرنے لگی۔ ''انــــا مشتاق فی تعالیٰ رب العالمین۔'' پس اسی زمین سے اہل عشق کو پیدا کیا۔

اے درویش! ولولہ درویشوں کا یہیں سے ہے کہ پہلے ہی سے سکر اور محبت کے دریاؤں میں غرق ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ایک پہنچا ہوا اپنی مناجات میں روز یہ کہا کرتا تھا اے اللہ! اگر تو قیامت کے روز جلائے یا دوزخ میں ڈالے گا تو میں تیری عزت و جلال کی قسم کھاتا ہوں کہ میں چلا جاؤں گا اور دوزخ کے دروازہ پر سے ہی آتش عشق کی آہ سینے سے ایسی نکالوں گا۔ جس سے سارے دوزخ کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی اور میں دوزخ کو ناچیز بنا دونگا۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے خواجہ! کیا کہہ رہے ہو۔ دوزخ کی آگ کو کیونکر بجھا دو گے۔ تو آپ فرمانے لگے آتش محبت کے آگے اگر ایسے ایسے لاکھ دوزخ بھی ہوں تو کچھ وجود نہیں رکھتے۔ کیونکہ جس وقت ایک صاحب عشق سینہ سے ایک آہ نکالے گا اس وقت دوزخ ناچیز ہو جائے گا۔ کیونکہ دوزخ کی آگ سے محبت کی آگ بڑھی ہوئی ہے۔

پھر فرمایا اے درویش! ایسی سخت آگ درویشوں کے سینہ میں رکھی گئی ہے کہ اگر وہ عالم سکر میں ایک شعلہ بھی نکالیں تو عرش سے لیکر تحت الثریٰ تک سب کو جلا کر خاک سیاہ کر دیں۔ پھر شیخ الاسلامؒ آبدیدہ ہوئے اور اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا:

در سینہ عاشقاں ہمہ درد نہند

شیخ الاسلام کی یہ حالت تھی کہ ہر بار یہ مصرعہ زبان پر لاتے تھے اور بیہوش ہو جاتے تھے۔ چنانچہ کئی بار بیہوش ہوئے اور کئی بار ہوش میں آئے۔ جب ہوش میں آتے یہ فرماتے کہ رحمت کا نزول تین وقت ہوتا ہے۔ اول تو سماع کے وقت۔ کیونکہ اہل سماع اور اسکے اصحاب پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ دوسرا درویشوں کے ذکر کرنے کے وقت بھی رحمت کا ورود ہوتا ہے۔ تیسرے جب کہ عاشق لوگ عالم انوار تجلی میں غرق ہو جاتے ہیں' تو اسوقت بھی ان پر رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

پھر آپ نے اسی محل پر فرمایا اے درویش! ایک بار یہ دعا گو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حمید الدین ناگوریؒ کے ساتھ مجلس میں حاضر تھا اور اسوقت سماع ہو رہا تھا۔ دونوں بزرگوار سماع میں تھے اور ایک رات اور ایک دن تک دونوں صاحب عالم رقص میں رہے۔ البتہ جب نماز کا وقت ہوتا تھا تو نماز پڑھ لیتے تھے اور بعد نماز پڑھنے کے پھر بیہوش ہو جاتے تھے۔ اسی عالم میں حضرت خواجہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہوا میں معلق ہو کر رقص کرنے لگے۔ کہنے والا یہ قصیدہ کہہ رہا تھا۔ جس سے ہم دونوں عالم وجد میں تھے:

من آں نیم کہ زعشق تو پاے پس دارم
اگر بہ تیغ کشندم در تو نگزارم
مپرس از شب ہجراں چگو نہ میگزرد
مبادا ہیچ کسے را قویست دشوارم
من از جمال تو اے سروباغ نادیدم

Marfat.com

ہوس نشد کہ گہے دل رود بگلزارم
اگر دہند بہ فردا بہشت باہمہ چیز
بجنسۂ نخرم من کہ مست دیدارم

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک بار میں ایک درویش صاحب حال کے پاس گیا۔ وہ درویش عالم شوق اور اشتیاق میں تھا۔ اُسی وقت درد اس کے پیدا ہو گیا' جس سے وہ ہر بار سجدہ کرتا تھا اور کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور یہ بیت پڑھتا جاتا تھا:

جاں دہم از برائے جانان من
گر بود صد ہزار جاں در تن

پھر آپ نے فرمایا کہ یہ دعا گو گنتا رہا۔ ہزار بار کے قریب اس شعر کو نہایت درد کے ساتھ وہ درویش پڑھتا رہا اور پھر اس نے سجدہ کیا۔ یہ کہہ کر شیخ الاسلامؒ دوڑے اور اندر گھس گئے۔

ایک موقعہ پر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا اے درویش! جبکہ درویش اسرار دوست سے غنی ہو جاتا ہے۔ پس اگر وہ زبان سے کچھ کہے تو کوئی عیب کی بات نہیں۔ کیونکہ جب اسکے باطن میں سوائے حق کے اور کچھ نہیں ہے تو اب وہ اسکو کہاں پر رکھے۔ لیکن یہ حالات کامل لوگوں کے ہیں اور جو ابتداء میں ہی معشوق کے غلبہ کے سبب اسرار کا اظہار کر دیتے ہیں' تو یہ انکی خامی ہے۔ کیونکہ یہ مناسب ہے کہ جہاں تک انکی نگہداشت کی حد ہے۔ وہاں تک انہیں نگاہ رکھے۔ اور جس پر واردات کی کثرت ہو' اگر وہ اس میں سے کچھ ظاہر کر دے تو اہل سلوک نے اسے معاف رکھا ہے۔ اگر وہ ظاہر کر دے تو جوازات سے ہے۔

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! دل مومنوں کا پاکیزہ زمین کے مطابق ہے۔ اگر تخم محبت کا اس میں بویا جائے تو ہر طرح کی نعمتیں اس محبت کے بیج سے اس میں پیدا ہوں۔ پس یہ چاہیے کہ اس نعمت میں سے کسی کو دے اور خود کو بھی کافی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! سانپ کی طرح کینچلی سے باہر نہ آنا چاہیے' ورنہ دعویٰ حق کی محبت کا نادرست ہو گا۔ پھر آپ نے فرمایا اے درویش! جو درویش کامل ہوتے ہیں' ان کو احتیاج دوسروں کی نہیں ہوتی بلکہ اس نعمت میں سے طالبوں کو کچھ نہ کچھ نعمت عطا کرتے ہیں اور جو کامیاب ہیں' ان کو واپس کرتے ہیں۔

اے درویش! جو لوگ درویشی کا دعویٰ کریں اور دنیا کی طلب کیلئے امراء و سلاطین کے پاس آمد و شد رکھیں کہ کچھ ہاتھ آئے یا قوت کیلئے کچھ روزینہ مقرر کریں تو اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ نعمت والے درویش نہیں ہیں۔ اگر ان میں نعمت ہوتی تو وہ کبھی مخلوق کے دروازے پر نہ جاتے اور نہ کسی سے کسی قسم کی توقع رکھتے۔ جس دل میں درویشی آجاتی ہے اس میں دوسری شے کا گزر نہیں ہوا کرتا۔ کیونکہ درویشوں کی نعمت کا دروازہ خود کھلا ہوا ہوتا ہے اور اپنی مملکت کا خزانہ درویشوں کو دیتے ہیں جسے وہ چاہتے ہیں۔ اسے درویشوں کی صرف معاش کی جگہ پہنچا دیتے ہیں۔ انکو بھلا دوسروں کی محتاجی کی کیا غرض۔ پھر آپ نے فرمایا اے درویش! درویشوں کو جس وقت حال ہوتا ہے' زمین سے آسمان تک کوئی چیز اس سے نہیں چھپتی۔ وہ سب کچھ دیکھ لیتے ہیں۔ اور جو چیز اللہ کی طرف سے نیچے کی طرف اترتی ہے وہ اسکے ساتھ ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے ارشاد

Marfat.com

فرمایا جس طرح ولیوں پر حال وارد ہوتا ہے اس طرح نبیوں پر بھی ہوا کرتا ہے۔ پھر آپ فرمانے لگے کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے اپنی تاریخ میں یہ لکھا ہے کہ کثرت محبت حق سے درویش کا احوال شوق میں ہے۔ جب درویشوں پر اللہ تعالیٰ کی محبت احاطہ کر لیتی ہے تو اسقدر انوار تجلی خدا انکی روح پر نازل ہوتے ہیں کہ اسوقت انکو کسی چیز کا دھیان نہیں رہتا۔ پھر آپ نے یہ بیت اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا اور بیہوش ہو گئے:

ہر لحظہ کہ در شوق جمال تو شوم غرق

جز روے تو در پیش نظر جلوہ گری نیست

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! خواجہ امام محمد طاہر غزالیؒ نے اپنی کتاب تاریخ میں ارقام فرمایا ہے کہ ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک حالت واقع ہوئی۔ آپ حجرہ سے باہر تشریف لے آئے اور اس باغ میں آئے جو مدینہ منورہ کے قریب تھا اور وہاں کنویں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ ابو موسیٰ اشعری آپ کے حضور میں حاضر تھے۔ آپ نے انکو ارشاد فرمایا کہ میری تم کسی کو خبر نہ کرنا اور نہ اس جگہ کسی کو آنے دینا۔ اتنے میں امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ ابو موسیٰ اشعری نے رسول اللہؐ کی خدمت میں گزارش کی کہ ہر دو اصحاب مذکور تشریف لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا آنے دو اور ان سے کہہ دو کہ وہ ہمارے دائیں طرف بیٹھیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ تشریف لے آئے۔ ابو موسیٰ نے پھر رسول اللہؐ سے ان دونوں صاحبوں کی بھی اطلاع کی۔ حکم ہوا کہ انکو بھی آنے دو اور ان سے کہہ دو کہ وہ ہمارے بائیں طرف بیٹھیں۔ چنانچہ وہ آ کر اسی طرح بیٹھ گئے۔ ان دونوں صاحبوں کے آنے پر بھی رسول اللہؐ اسی حال میں بیٹھے رہے جیسے کہ پہلے تشریف رکھتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے دوستو! جس طرح اس عالم زندگی میں ہم تم ایک مقام پر ہیں اسی طرح انتقال کے بعد بھی ایک ہی مقام پر رہیں گے اور قیامت کے دن بھی ایک ہی مقام سے اٹھیں گے اور جنت میں بھی ایک ہی جگہ پر رہیں گے۔ صحابہ کرام ایستادہ ہو گئے اور انہوں نے زمین کو بوسہ دیا اور کہا شکر ہے اللہ کا۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسوقت بہشت میری نگاہ کے سامنے لائی گئی ہے اور اس کی سیر میں مصروف ہوں۔ اور میں نے ایک محل دیکھا ہے کہ یاقوت سے اسے بنایا گیا ہے اور چار محل اسکے ساتھ ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کن کے محلات ہیں۔ تو حکم ہوا کہ ایک تو تمہارا اور باقی چار تمہارے چار یاروں کے ہیں۔ میں یہ بات سنکر مارے خوشی کے بیتاب ہو گیا اور پھر میں نے تم سے بیان کیا کہ سب وقت ہم تم ایک ہی جگہ رہیں گے۔

پھر شیخ الاسلام نے فرمایا اے درویش! یہی احوال ہے جبکہ صاحب سرّ کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسی میں غرق ہو جاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ درویش کو بھید دوست کے بھیدوں سے احوال میں ظاہر ہوتا ہے۔ پس میں تو ایسے موقعہ پر اسی وقت اس کا اظہار کر دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ حال میرا میرے بھائی بہاء الدین ذکریا ملتانی تک پہنچا۔ انکو میری یہ بات پسند نہیں آئی اور انہوں نے اسی وقت ایک خط مجھے لکھ کر بھیجا جسکا مضمون یہ تھا کہ اے درویش! یہ کیا نادانی کی بات ہے کہ اللہ کے بھیدوں کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اہل اسرار کے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے۔ دعا گو نے انکو یہ جواب لکھا کہ اب کام کہنے کی حد سے گزر گیا اور اب میرا سینہ دوست کے بھیدوں سے مالا مال ہو گیا ہے۔ اب ذرہ برابر بھی اس میں جگہ

Marfat.com

نہیں رہی اور اس میں اب کوئی شے نہیں سما سکتی۔ اب دوست کے بھیدوں میں سے جو عالم انوار سے تجلی ہوتی ہے۔ چونکہ اسکے داخل ہونیکی کوئی جگہ نہیں رہی۔ لاچار اسرار کو کھولا جاتا ہے اور اسے باہر کیطرف پھینکا جاتا ہے۔ اے بھائی! میں تو یہ خواہش کرتا ہوں کہ اس امر کی بابت احتیاط رکھوں اور ایک رمز سے اسرار دوست سے ظاہر نہ کروں مگر میں کیا کروں اب مجھ سے ہو نہیں سکتا۔ اب آپ ہی بتائیں میں کیا کروں۔ جب یہ جواب ان کے پاس پہنچا تو وہ چپ ہوئے اور انہوں نے کہا میرے یار نے اپنا کام تمام کر لیا اور وہ اعلیٰ درجہ پر پہنچ گیا۔ یہ بات بیان کر کے شیخ الاسلام نے ایک نعرہ مارا اور پھر بیہوش ہو گئے اور دو رات اور دو دن اپنے مصلے پر بے خبر پڑے رہے۔ جب پھر آپ ہوش میں آ گئے تو ایستادہ ہو گئے اور آپ نے آسمان کیطرف منہ کیا اور یہ رباعی اپنی زبان مبارک سے فرمائی۔

رباعی

آنانکہ در ہوائے تو شیدا نشستہ اند
از جملہ کس بریدہ و تنہا نشستہ اند
خودرا فدائے نام تو اے دوست کردہ اند
آں عاشقاں کہ بہر توؑ شنیدا نشستہ اند
در عالم تفکر بردل نہادہ اند
گاہے فتادہ گاہے بسرپا نشستہ اند

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ملتان سے ایک شخص وارد ہوا۔ اس نے دعا گو سے گزارش کی کہ میں شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی خدمت فیض درجت میں حاضر تھا۔ انکو ایک ایسی حالت طاری ہوئی کہ خانقاہ سے باہر تشریف لے آئے اور سوار ہو کر تمام ملتان میں اِدھر اُدھر پھرنے لگے اور فرمانے لگے کہ اے لوگو! پکار دو کہ جو آج زکریا ملتانیؒ کو دیکھ لے گا وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ کیونکہ میں اسکا ضامن ہوں۔ یہ خبر جو ملتان میں پھیلی مسلمانوں کا گروہ بار بار آتا تھا اور آپکی زیارت سے مشرف ہوتا تھا اور شیخ صاحب ان سے فرماتے تھے قسم کھا کر کہ تم لوگ قیامت کے دن دوزخ میں نہ جاؤ گے۔ کیونکہ میرے سر میں یہ بات فرمادی گئی ہے کہ اے بہاء الدین! آج جو تجھ کو دنیا میں دیکھ لے گا' میں دوزخ کی آگ اس پر قیامت کے روز حرام کر دونگا۔ جب اس شخص نے مجھ سے یہ بات بیان کی تو مجھ پر ایک حالت طاری ہوئی اور میں نے اس سے کہا اے درویش! اگر برادر بہاء الدینؒ نے یہ بات کہی ہے کہ جو آج کے دن میرا منہ دیکھے گا تو دوزخ میں نہ جائے گا۔ تو یہ دعا گو قسم کھاتا ہے کہ دنیا میں مسلمانوں میں سے جس شخص نے میرا ہاتھ پکڑا ہو گا یا مجھ سے مصافحہ کیا ہو گا یا میرے فرزندوں کا ہاتھ پکڑا ہو گا یا کسی نے میرے مریدوں کا ہاتھ پکڑا ہو گا یا میرے خانوادے میں سے کسی کا ہاتھ پکڑا ہوا گا' اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو گی۔

اور اسکو دوزخ میں نہ لیجائیں گے۔ کیونکہ میرے پیر خواجہ قطب الدینؒ نے فرمایا ہے کہ اے فرید! اللہ تعالیٰ نے تجھ کو وہ درجہ مرحمت فرمایا ہے کہ جو کوئی تیرا ہاتھ یا تیرے مریدوں کا ہاتھ یا تیرے فرزندوں کا ہاتھ پکڑے گا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ بلکہ اسکی جگہ جنت ہو گی کیونکہ ہزار بار میرے سر میں یہ صدا کی جاتی ہے کہ فرید اجودھیا بندہ نیک بخت ہے۔

Marfat.com

جب شیخ الاسلامؒ نے یہ حکایت تمام کی' عالم تحیر میں ایستادہ ہو گئے (دعا گو ساتھ تھا) آپ سات رات اور سات دن برابر بے آب و دانہ کھڑے رہے۔ جب ہوش میں آئے تو عبادت میں مشغول ہو گئے۔

آپ نے ایک مجلس میں فرمایا اے درویش! عشق حقیقی وہ گوہر نایاب ہے کہ کوئی جوہری اور مبصر اسکی قیمت نہیں ڈال سکتا۔ پھر آپ نے فرمایا اے درویش! ایسی بے بہا نعمت کسی مقرب فرشتے کو بھی مرحمت نہیں ہوتی۔ پھر آپ فرمانے لگے انسان کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ولقد کرمنا بنی آدم "اور جب عشق پیدا ہوا تو اس کی نسبت خطاب ہوا اے عشق جا تو سوائے غمگین دلوں کے اور کسی جگہ نہ ٹھہریو۔ کیونکہ ان کے دل تیرے رہنے کیلئے ہیں۔ بعد ازاں شیخ الاسلامؒ شوق کے غلبوں میں آئے اور یہ رباعی زبان مبارک پر لائے:

رباعی

گفتم صنما مگر تو جانان منی
اکنوں کہ نگہ ہمی کنم جان منی
مرتد گردم اگر میں ہر گزری
اے جان جہاں تو کفر و ایمان منی

بعد ازاں شیخ الاسلامؒ نے فرمایا اے درویش! جس روز اللہ تعالیٰ نے عشق کو پیدا کیا تو اس میں ہزار سلسلے رکھے اور اس میں سو ہزار اندیشہ شوق پیدا کئے۔ پھر کل مسلمانوں کی روحوں کو ندا کی گئی کہ سب حاضر ہو جائیں۔ جب وہ سب حاضر ہو گئیں تو فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ عشق کی صورت لاؤ۔ اسکو فرشتے ہزار راز اور کرشمہ کے ساتھ لائے اور اسکو ارواح کے سامنے رکھا۔ پس جو روحیں کہ عشق اور محبت کے قابل تھیں' وہ اسطرف مصروف ہو گئیں اور سلسلہ عشق اور رشتہ محبت پر ہاتھ مارا۔ اول ہی بار وہ دریائے محبت میں غرق ہو گئیں۔ پس یہ ارواح انبیاؑ اور اولیاؒ اور ان لوگوں کی تھیں جنکے مقدر میں عشق لکھا ہے۔ اور جو ان کے سوا اور روحیں غرق ہوئیں وہ اہل مجاز وغیرہ کی تھیں۔ پس جو کوئی عشق مجازی سے نکل کر عشق حقیقی میں آئے وہ اسوقت جانے کہ عشق حقیقی کیا ہے۔ پھر شیخ الاسلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور یہ رباعی زبان مبارک پر لائے:

رباعی

چنداں نازاست زعشق تو برسرمن
یا در غلطم عاشقی تو...... برمن
یادر سر ایں غلط شود ایں سرمن
باخیمہ زند وصل تواز برمن

اسوقت ایک صوفیوں سے حاضر تھے۔ وہ آداب بجالائے اور گزارش کی کہ ایک شعر تاریخ امام محمد غزالیؒ سے یاد آیا ہے۔ اگر آپ کا حکم ہو تو اسکو پڑھوں۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا پڑھو۔ اس نے یہ شعر پڑھا:

اے دوست ترا بخویشتن دوست نہ ام
از رشک تو بادیدہ خود دوست نہ ام

Marfat.com

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا اے درویش! ولولہ اور زمزمہ عشق جو عاشقوں میں ہے' وہ اس دن سے ہے جب سے وہ عشق کی صورت دیکھ کر عاشق وشیدا ہوئے تھے۔ پس اے درویش! تو ایسی رخ زیبا نعمت کی قدر نہیں جانتا جو تیرے دل میں جاگزیں ہے اور روح جو تمام اعضاء میں بادشاہ ہے۔ اس نے ابتداء سے اس پر دل دے رکھا ہے۔ پس یہ بات یہیں سے ظاہر ہوئی ہے کہ جس جگہ عشق ہے وہاں ہی دل ہے۔ اے درویش! اس بات کی قدر اسکو ہی ہے جسکے دل میں دوست کے بھید اور عشق کے انوار موجود ہیں اور جس میں عشق کا گھر تیار ہے۔

ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ اے درویش! عشق کا آغاز تو حضرت آدم علیہ السلام سے تھا جو اسکو اس جہان میں پیدا کیا گیا اور عشق کے جمال کو انکے سامنے کیا۔ جونہی آپکی نظر اس پر پڑی' والہ وشیدا ہو گئے۔ پس اے درویش! ان کو ساری جنبش عشق کی تھی کہ جو بہشت پر لات ماری اور دیوانوں کی طرح اس کے باہر ہو گئے اور اس خرابہ دنیا میں آ کر دم لیا۔

حضرت آدم جب بہشت میں تھے تو بہت گھبرایا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میں آدم کے واسطے ایک غمگسار پیدا کرتا ہوں تا کہ وہ اس سے اُنس پکڑے۔ ورنہ آدم ناطاقت ہو کر مر جائے گا۔ فرشتے سجدے میں گرے اور عرض کی خداوندا! تو خوب جانتا ہے جو ہم نہیں جانتے۔ تو حاکم ہے اور تیرا ہی فرمان ہے۔ پھر اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اے فرشتو! دیکھو اور غور کرو کہ میں کس طرح اسکا مونس وغمگسار پیدا کرتا ہوں۔

ایک روز حضرت آدمؑ تشریف رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انکی بائیں پسلی سے حوا کو پیدا کر دیا۔ حوا نے آپ کو سلام کیا اور بائیں طرف آپ کے بیٹھ گئیں۔ حضرت آدمؑ نے ان سے دریافت کیا کہ اے صورت زیبا! تو کون ہے؟ حوا نے کہا کہ میں تمہاری بیوی ہوں۔ تمہارا اقرار میرے ساتھ ہے۔

اسوقت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا اے درویش! شیخ بہاء الدین بخاریؒ جو واصلان حق سے تھے۔ میں نے ان سے یہ قطعہ سنا ہے۔ جو انہوں نے شوق کے عالم میں فرمایا تھا:

قطعہ

من اول روز چوں در تو بدیدم شیفتہ گشتم
ندانستم تو بودی یا کہ بودست اینکہ من دیدم
چناں در روئے آں جاناں شدم من شیفتہ والا
کہ من از خود شدم بیروں ترا در جان وتن دیدم

پھر شیخ الاسلامؒ نے شوق کے غلبہ میں یہ رباعی پڑھی۔ یہ رباعی حمید الدین ناگوریؒ سے سنی تھی:

رباعی

بلا است عشق منم کز بلا بہ پرہیزم
چو عشق خفتہ بود شور برمن انگیزم
اگرچہ عشق خوش است ووفا خوش آمد خوش
مرا خوش است بہر دوہم برآمیزم

Marfat.com

مرا رفیق چہ گویند کز بلا پرہیز
بلادل است من از دل چگو نہ پرہیزم

ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ جب عالم نورانی انوار واسرار تجلی الٰہی وارد ہوتے ہیں تو پہلے دل پر ان کا نزول ہوتا ہے اور جب زبان دل کے ساتھ اور دل زبان کے ساتھ اتفاق کر جاتے ہیں تو اس موقع پر عشق کے انوار سکونت پذیر ہوتے ہیں اور جو دل اور زبان میں موافقت نہیں ہوتی تو وہ محبت کے انوار وہاں سے واپس چلے جاتے ہیں۔ پس اس دل پر وارد ہوتے ہیں کہ جہاں دل اور زبان دونوں کا اتفاق ہوتا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک بزرگ سے ایک بزرگ نے دریافت کیا کہ ثابت قدم عشق حقیقی میں کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا وہ ہے کہ جسکا دل اور زبان ایک ہو۔ کیونکہ اول اول عشق حقیقی کا دل کے اوپر اثر ہوتا ہے اور پھر زبان پر اثر کرتا ہے۔ پس جب دل اور زبان دونوں مل گئے خدا کی محبت ہوگئی اور یادرکھو زبان سارے اعضا کی بادشاہ ہے۔ اگر وہ سلامتی کے ساتھ رہی تو سمجھ لو کہ سارے اعضا سلامتی کے ساتھ رہے کیونکہ یہ بات عام میں مشہور ہے کہ جب بادشاہ کاردین میں تحلل پیدا کرتا ہو تو اسکے سارے ملک میں خلل واقعہ ہو جائے گا اور اگر یہ سلامتی کی حالت میں ہے تو اسکی ساری سلطنت میں سلامتی ہوگی۔ پس اے درویش! کان آنکھ نفس وغیرہ یعنی جو ہفت اندام ہیں وہ سب زبان کے تابع ہیں۔ جب زبان سلامت رہی سارے اعضا سلامت رہیں گے۔ ایک جلسہ میں آپ نے فرمایا اے درویش! عاشق لوگ بروز قیامت جب تجلی کے مقام پر لائے جائیں گے تو ان کو حکم ہوگا کہ آنکھیں کھولو۔ پس ہر عاشق کو آگے لایا جائے گا اور ہر بار ایک پر تجلی وارد ہوگی۔ پس وہ لوگ سات ہزار برس تک بیہوش رہیں گے اور جب ہوش میں آئیں گے تو یہی فریاد کریں گے "ھل من مزید" پھر ان پر ستر بار تجلی ہوگی۔ پھر وہ اپنے مقام پر آجائیں گے۔ پھر جب شیخ الاسلامؒ اس موقعہ پر پہنچے تو ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے اور عالم بیہوشی میں رباعی پڑھی:

رباعی

از بہر رخ تو مبتلا می باشم
اندر غم عشق در بلا می باشم
وزیاد جمال تو چناں مدہوشم
کز خود خبرے نیست کجا می باشم

ایک مجلس میں آپ نے فرمایا اے درویش! جو درویش اس عالم سے خبر رکھتا ہے اسکے لئے کوئی مقام خوف اور رجا سے خالی نہیں ہے۔ اور جب وہ خزانہ بلا پر پہنچتا ہے تو وہ بلا میں بطور آزمائش اس درویش پر نازل کی جاتی ہیں۔ اگر وہ ذرہ برابر بھی تجاوز کرتا ہے تو اسکو وہ جگہ نہیں دی جاتی۔ اور اس مقام سے اسکو ہٹا دیا جاتا ہے اور جو درویش رضامند اور صابر بلا پر ہے۔ اسکا کام اٹھارہ ہزار عالم سے گزر جاتا ہے اور اسکو ترقی عطا ہوتی ہے۔ پس مذہب سلوک میں اسکو درویش کہتے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا جبکہ درویش اول اول ان ستر ہزار مقامات سے گزر کر مقام درویشاں پر پہنچتا ہے تو اپنے

Marfat.com

آپ کو پانچ وقت عرش کے گرد کھڑا پاتا ہے اور عرش والوں کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔ اور جب وہاں سے آتا ہے تو فوراً اپنے آپ کو خانہ کعبہ میں دیکھتا ہے۔ اور جب وہاں سے بھی وہ گزرتا ہے تو کل دنیا کو اپنی دو انگلیوں کے بیچ میں دیکھتا ہے۔ اے درویش! یہ ابتدائی کیفیت ہے۔ آخر کو اسکا مرتبہ اسقدر بڑھ جاتا ہے کہ اسکا مقام کسی کے فہم میں نہیں آتا بلکہ اس کے درجہ تک کسی کا گمان بھی نہیں پہنچتا۔ پھر اس کے دل میں سوائے خدا کے اور کوئی چیز سما نہیں سکتی۔ اور بندے اور خدا کے درمیان ایک بھید ہے۔ جسکو سوائے خدا اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر شیخ الاسلامؒ نے ایک نعرہ مارا اور یہ شعر زبان مبارک پر لائے:

جو درویش را کار بالا کشید
بیک لحظہ سردر ریا کشید
چناں غرق گردد بدریائے عشق
کہ یک دم سراز عشق بالا کشید

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے درویش! ایک بار خواجہ بایزید شوق کے عالم میں تھے کہ آپکی آنکھوں سے خون جاری ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ ایک قدم جو میں نے مارا تو میں عرش پر پہنچا کہ "الرحمن علی العرش استوی" اور کہا اے عرش! دوست کا نشان تیرے پاس بتلاتے ہیں۔ عرش نے کہا اے بایزید! تم یہ کیا کہہ رہے ہو۔ مجھ کو آپ کے دل کا نشان ملا ہے۔ اے بایزید! اکثر آسمان والے زمین والوں سے اللہ کا نشان طلب کرتے ہیں اور زمین والے آسمان والوں سے حق کا نشان مانگتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس بات سے مدعا ہمارا یہ ہے کہ مرتبہ درویش کا بہت بڑا ہے۔ وہ ایک قدم میں عرش کے اوپر چلا جاتا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! ایک بار میرے بھائی شیخ جلال الدین تبریزیؒ شیخ نجم الدین سنامیؒ (جو بدایوں کے قاضی تھے) کے پاس گئے۔ لوگوں سے دریافت کیا۔ قاضی صاحب کس کام میں مشغول ہیں۔ خادم نے کہا نماز پڑھتے ہیں۔ شیخ صاحب نے جواب دیا قاضی صاحب نماز پڑھنی جانتے ہیں؟ اتفاق سے یہ آواز قاضی صاحب کے کانوں تک پہنچ گئی۔ وہ فوراً شیخ صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا بات ہے۔ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ انہوں نے کہا میں یہ کہتا ہوں کہ علماء کی نماز اور طرح کی اور فقرا کی اور طرح کی ہے۔ قاضی صاحب نے کہا اسکا سبب تو فرمائیے۔ کہا سبب یہ ہے کہ علما جب تک قبلہ کیطرف رخ سیدھا نہیں کر لیتے۔ نماز نہیں پڑھتے اور اگر کسی موقع پر قبلہ معلوم نہ ہو تو جسطرف انکا دل گواہی دے اس طرف نماز پڑھ لیتے ہیں اور فقرا جب تک عرش کو برابر نہیں دیکھتے نماز نہیں پڑھتے۔ غرض کہ قاضی صاحب وہاں سے اپنے گھر چلے گئے۔ رات کو قاضی صاحب نے خواب میں دیکھا کہ شیخ جلال الدینؒ عرش کے اوپر مصلےٰ بچھائے ہوئے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اسوقت قاضی صاحب پر ایک ہیبت طاری ہوئی اور پھر وہ اٹھے اور شیخ صاحب موصوف کے پاس تشریف لائے اور ان سے بہت معذرت کی۔ شیخ صاحبؒ نے فرمایا اے نجم الدین! تو نے جو جلال الدینؒ کو عرش پر نماز پڑھتے دیکھا ہے یہ تو درویشوں میں ادنیٰ رتبہ ہے۔ اسکا مقام بہت دور ہے۔ اگر اس کا حال تجھ پر ظاہر ہو جائے تو تو زندہ نہیں رہ سکتا بلکہ نور کی زیادتی سے ہلاک ہو جائے گا۔

آپ نے ایک جلسہ میں فرمایا اے درویش! وہ عاشق جو اللہ کے عشق میں کامل ہے اسے ابتدا سے مشاہدہ میں

Marfat.com

بیخودی اثر کرتی ہے۔ اس سبب سے کہ وہ مستغرق ہے۔ ضرورتاً مشاہدہ کیوقت بیہوش ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ ایک مقام پر غلبات عشق میں ارقام فرماتے ہیں کہ ایک روز مجنوں کے قبیلہ کے لوگ جمع ہوئے اور لیلیٰ کی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھئی مجنوں اسکے عشق میں مر رہا ہے۔ بتاؤ تو کچھ گھٹ جائے گا اگر تم اسکو ایک دفعہ دیکھنے کی اجازت دیدو۔ لیلیٰ کے رشتہ داروں نے کہا کہ ہم تو اس امر کو برا نہیں جانتے لیکن مجنوں کو لیلیٰ کے دیکھنے کی طاقت کب ہے۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ تم حیلہ حوالہ کرتے ہو۔ غرضکہ مجنوں طلب کیا گیا اور لیلیٰ کے مکان پر لایا گیا۔ ابھی لیلیٰ کا پورے طور پر پردہ بھی نہیں اٹھایا گیا تھا کہ مجنوں بیہوش ہو گیا۔ اور زمین پر تڑپنے لگا۔ لیلیٰ کے لوگوں نے کہا کیوں ہم نہ کہتے تھے کہ مجنوں کو تاب لیلیٰ کے دیکھنے کی نہ ہوگی۔ اس وقت شیخ اسلام نے ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو یہ شعر زبان مبارک پر لائے:

گرمی ندہد ہجر تو وصلت یارم
باخاک سرکوئے تو کار دارم

پھر آپ نے فرمایا کہ اے درویش! برادرم مولانا بہاء الدین زکریاؒ عالم عشق اور شوق میں ایسے غریق تھے کہ ہر بار انکو ایک حیرت اور حالت طاری ہوتی تھی۔ آنکھوں میں آنسو بھر لاتے تھے اور روتے تھے اور یہ دو شعر زبان پر لاتے تھے اور بیہوش ہو جاتے تھے۔ چنانچہ سات رات اور سات دن تک ان ہی دو بیتوں کی حالت میں آپ رہے اور کسی کو آپکی خبر نہ ہوئی۔ چنانچہ وہ بیتیں یہ ہیں:

ابیات

بادرد بساز چوں دوائے تو منم
وزکس منگرچو آشنائے تو منم
گر برسر کوئے عشق من کشتہ شوی
شکرانہ بدہ کہ خوں بہائے تو منم

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! تو کیا جانتا ہے کہ دل پُر انوار و اسرار پر کیا نازل ہوتا ہے کہ جو وہ مستغرق تھے اور اشعار مذکور انکی زبان پر تھے۔ یہ حال تو عاشق جانے یا معشوق کہ کیا معاملہ گزرتا تھا۔

پھر آپ نے ایک جلسہ میں فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عاشقان خدا کے تمام اعضا خدا کے عشق اور محبت سے بنائے گئے ہیں۔ وہ اول سے لے کر اس دم تک رب ارنی انظر الیک کا ہی دم مارتے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا ہے کہ جن آنکھوں میں عشق کا سرمہ لگایا ہے تو پھر اسکی نظر میں عرش سے لے کر فرش تک کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ کی محبت حضرت ابراہیم علیہ السلام رکھتے تھے کہ انہوں نے خدا کی دوستی کیوجہ سے اپنے بچے کو قربان کیا۔ جب اللہ نے دیکھا کہ وہ ہماری محبت میں ثابت قدم ہیں تو حکم آیا۔ اے خلیل! تو اسے قربان نہ کر۔ ہم نے تیری قربانی قبول کر لی۔ اسکے بدلے کی قربانی ہم بہشت سے بھیجتے ہیں تو وہ قربانی کر۔ پھر آپ نے فرمایا اے درویش! جس روز کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ تعالیٰ کی دوستی کا دم مارا تھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا خداوندا! اگر حکم ہو تو

Marfat.com

میں انکو آپکی محبت کی بابت آزماؤں۔ حکم ہوا اچھا جاؤ۔ انکا امتحان کرو۔ حضرت جبرئیلؑ آسمان سے اتر کر ایک پہاڑ پر تشریف لائے۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ خانہ کعبہ میں تشریف رکھتے تھے۔ جبرئیلؑ نے آتے ہی بلند آواز سے کہا یا اللہ! جونہی یہ آواز حضرت ابراہیمؑ کے کان میں آئی آپ فوراً خانہ کعبہ سے باہر نکل آئے اور ان سے کہنے لگے اے خواجہ! ایک بار اور کہو۔ انہوں نے کہا کہ کچھ شکرانہ عنایت کرو۔ جب شیخ الاسلام اس مقام پر تشریف لائے تو یہ اشعار پڑھنے لگے:

شکرانہ دہم ہرانچہ ملک من است
از بہر خدا مگوے اللہ تو باز
جان نیردہم انچہ در قلب من است
یکبارگی اگر بگوئے اللہ تو بار

قصہ مختصر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کئی ہزار اونٹ خدا کی رضا اور دوستی میں صدقہ کیے۔ پھر انہوں نے کہا یا اللہ۔ اس کے بعد پھر حضرت ابراہیمؑ نے ان سے فرمائش کی کہ پھر کہو۔ انہوں نے پھر کہا کیا دیتے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا جو کچھ میری ملک ہے سب دیتا ہوں۔ انہوں نے پھر ایک بار کہا یا اللہ۔ حضرت ابراہیمؑ پھر ان سے مُصر ہوئے کہ پھر کہو؟ انہوں نے کہا اب کیا دیتے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا اب میں اپنی جان دیتا ہوں۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لیا۔ سنتے ہی حضرت ابراہیمؑ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت جبرئیل نے جو آپکی سچی محبت کو دیکھا اپنی جگہ پر آئے اور اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا اور گزارش کی کہ الٰہی جیسا ابراہیمؑ کو کہا جاتا تھا وہ ویسا ہی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! خدا کی محبت میں وہ سچا ہے کہ جو سب وقت اللہ کے ذکر میں رہے اور کوئی ساعت اس کے ذکر سے غافل نہ رہے۔ اہل سلوک کا قول ہے کہ آدمی جسے دوست رکھا کرتا ہے اسکا ذکر اکثر کیا کرتا ہے۔ چنانچہ ''حجت العارفین'' میں لکھا ہے۔ من احب شیأ اکثر ذکرہ۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے درویش! ایک بار خواجہ حسن بصریؒ، حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس تشریف رکھتے تھے اور اسوقت اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذکر ہو رہا تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ نہ میرے دل میں خیال آیا کہ میں مرد ہوں اور نہ ان کے دل میں خیال آیا کہ میں عورت ہوں۔ خواجہ حسن بصریؒ نے قسم کھائی کہ جب میں رابعہؒ کے پاس سے اٹھا تو اپنے آپ کو مفلس پایا اور انہیں مخلص پایا۔

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! اگر ساری دنیا اور جو دنیا میں کہ ہے طالبان حق کو دیا جائے اور ان سے یہ کہا جائے کہ تم سے کوئی حساب کتاب نہ ہوگا۔ لیکن تب بھی وہ اس کے لینے سے انکار ہی کرینگے۔ پس وہ لوگ ایسی عار اسکے لینے سے کرتے ہیں جیسی کہ مردار سے کی جاتی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا اے درویش! ایک بار میں نے ایک بزرگ کو بغداد میں دیکھا تھا۔ میں چند روز انکی خدمت میں حاضر رہا تھا۔ جب وہ بزرگ سجدہ کرتے تھے اپنی مناجات میں یہ کہتے تھے کہ اللہ اگر تو مجھے دوزخ میں بھیج دے اور میں تیری محبت کے رازوں میں سے اگر ایک راز اس سے کہہ دوں تو دوزخ ہزار سال تک مجھ سے پرے بھاگے گی اس لئے کہ محبت کی آگ کے سامنے کوئی آگ سر نہیں اٹھا سکتی اور اگر سر اٹھا دیگی تو ناچیز ہو جائے گی۔

Marfat.com

پھر آپ نے فرمایا ایک بار رابعہ بصریؒ عالم شوق اور اشتیاق میں تھیں۔ وہ ہر بار سجدہ کرتی تھیں اور کھڑی ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے کئی بار اسطرح کیا اور بار بار سجدہ کرنے اور کھڑے ہو جانیکی وجہ یہ تھی کہ یہ فرما رہی تھیں۔ اے اللہ! اگر میں جہنم کے خوف سے تیری عبادت کرتی ہوں تو تُو مجھے دوزخ میں جلائیو اور اگر بہشت کی تمنا رکھتی ہوں تو مجھے دوزخ میں بھیجیو۔ اور مجھ پر بہشت کو حرام کر دیجئو۔ اور جو میں تیرے لئے تیری پرستش کرتی ہوں تو اپنے باقی جمال سے مجھے محروم نہ رکھیو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر محبت والوں کو تمام دنیا کی ملکیت دی جائے۔ تب بھی وہ اللہ کے دیدار کے سوا آنکھ ہی اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ پھر آپ نے فرمایا اے درویش! جبکہ خواجہ بایزید بسطامی عالم شوق میں اللہ کیطرف مصروف ہوئے۔ تو وہ تین تین اور چار چار روز کھڑے ہی رہتے اور بہ بلند آواز سے فرماتے۔ یوم شیدا لارض غیر الارض۔ پھر آپ نے فرمایا اے درویش! ایک بار خواجہ ابراہیمؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کس لئے شہر بلخ چھوڑ دیا۔ فرمانے لگے ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا کہ محبت کا آئینہ میرے سامنے رکھا گیا۔ میں نے جو اس میں نگاہ ڈالی تو اس میں منزل گور دیکھی کہ نہ واں کوئی مونس ہے اور نہ غمگسار اور سفر کو دیکھا تو دراز اور نہ زاد راہ ہے اور پاس قاضی عدل کر رہا ہے اور اپنے پاس یہاں نہ حجت ہے نہ دلیل۔ پس یہ حالات دیکھ کر دل سرد ہو گیا۔ اسی سبب سے اپنا ملک چھوڑ دیا گیا اور دوسر ملک میں آ پڑا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا اے درویش! اللہ کی محبت ایک ملک ہے۔ جب وہ گڑ جاتی ہے دل میں تو اس کے سوائے کسی اور طرف دل مصروف نہیں ہوتا۔

پھر آپ نے فرمایا میں غزنی میں ایک درویش سے ملا جو اہل محبت سے تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ اے درویش! محبت کی بھی کوئی حد ہے؟ اس نے جو یہ بات مجھ سے سنی' خفا ہو گیا۔ پھر آپ نے فرمایا خدا کی تلوار محبت کی آگ ہے۔ جس پر سے وہ گزرتی ہے' ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! میں نے خواجہ قطب الدینؒ سے سنا ہے کہ اللہ کی محبت محبت والوں کے تمام اعضاء میں گھس جاتی ہے اور خمیر اسکا بھی محبت سے ہی اٹھایا جاتا ہے۔ اگر اسکی آنکھ ہے تو دوست کی محبت میں غرق ہے اور اگر کان ہیں تو وہ دوست کی باتیں سننے کیلئے لگے ہوئے اور ہاتھ پاؤں اسکی محبت میں غرق ہو رہے ہیں اور اگر زبان ہے تو ذکر محبوب کی حلاوت اٹھا رہی ہے۔ پس درویش باخدا کا کوئی عضو اور ذرہ ذرہ محبت خداوندی سے خالی نہیں ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ کے مجنوں کا دل چراغ کی مانند ہے کہ وہ انوار کی قندیل میں لٹکا ہوا ہے اور اسکی روشنی کے سبب تمام ملکوت روشن ہیں۔ انکو اندھیرے سے کیا خوف ہے۔

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! نفس کو بھولنا اللہ کو یاد کرنا ہے اور جو اللہ کی یاد میں ہوتا ہے اسکا دل کبھی نہیں مرتا۔ اور جسکو اللہ کی یاد نہیں وہ فانی ہے۔ کوئی نعمت اس میں اپنا اثر نہیں کرتی۔

پھر آپ نے فرمایا میں نے کتاب محبت میں دیکھا ہے کہ گرسنگی ایک بادل ہے کہ اس سے رحمت کا باراں ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا ایک بار خواجہ بایزید بسطامی سے دریافت کیا گیا کہ اللہ کی محبت کیا ہے۔ فرمایا اسکی محبت وہ ہے کہ دنیا و آخرت میں دوست کے سوا کسی کو دوست نہ رکھے۔ پھر آپ نے فرمایا اے درویش! اللہ کی محبت ملک عشق کی شوق رکھنے والی ہے اور اس میں ایک تخت پر فرشتہ کھڑا ہے جو ہجر اور فراق کی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے ہے اور نرگس وصال کی شاخ قضا

Marfat.com

کے ہاتھوں میں دیئے ہوئے ہے۔ ہر نفس میں ہزار ہزار سر تہ تیغ کیے جاتے ہیں۔ پس اے درویش! جو کوئی خدا کا شیدا ہے اگر ہر لحظہ اس کے سر کو ہزار ہزار بار کاٹیں گے تو اسی وقت دوسرا سر اسکے تن پر لگ جائے گا۔ پس اگر ہزار بار اسکا سر کاٹا جائے تو اسکو چاہیے کہ پیچھے نہ ہٹے۔ پھر شیخ الاسلام نے یہ رباعی پڑھی۔

رباعی

دریاد تو ہر روز چناں مدہوشم
صد تیغ اگر زنند زاں نخروشم
آہے کہ زیاد تو زنم وقت سحر
گر ہر دو جہاں دہند آں نفروشم

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک دوست جان دیتے وقت آہستہ آہستہ کچھ زبان سے کہہ رہا تھا اور اسکا دوست اس کے سرہانے کان لگائے سن رہا تھا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ انہوں نے سنا کہ وہ یہ کہتا تھا کہ میں جب تک زندہ رہا تیرے نام کی یاد میں جیتا رہا اور اب جو میں مرتا ہوں تو تیرے نام کی یاد میں مرتا ہوں۔ جب حشر کا روز ہوگا تو تیرے ہی نام میں مستغرق اٹھونگا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ایک بار اس نے اللہ کا نام پکار کر لیا اور اپنی جان دیدی۔ جب شیخ الاسلامؒ نے یہاں تک بیان کیا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہنے لگے کہ عاشقوں نے اسی طرح جان دی ہے۔ پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے:

آئیم بسر کوئے تو پویاں پویاں
تاجاں بدہم نام تو گویاں گویاں
رخسار ز آب دیدہ شوباں شوباں
ہنجار وصال یار جویاں جویاں

پھر آپ نے فرمایا ایک روز میں نے دہلی میں انہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت ہی بزرگ اور صاحب نعمت اور عشق کا مارا ہوا تھا۔ حوض شمسی پر عالم سماع میں اور وہ ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ دوبیتیں میں نے اس سے سنی تھیں۔ اس کے سوا عالم سماع میں اور بھی دو شعر سنے تھے جو مجھے یاد نہیں رہے۔

ابیات

عشق تو بہم جان میرا رسوا کرد
و اندر طلب جمال تو شیدا کرد
دردے کہ زعشق تو بدل پنہاں بود
آں جملہ زشوق تو زخم پیدا کرد

پھر آپ نے فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ فرماتے تھے کہ جب میں بخارا سے بغداد پہنچا تو وہاں میں ایک بزرگ کو دیکھا' جو صاحب نعمت اور شیدائے عشق ومحبت دوست تھا۔ جب میں نے اسے سلام کیا تو اسکو ایک ایسی حالت میں میں نے دیکھا کہ زبان کیا بیان کر سکے۔ غرضکہ خدا کی یاد میں غرق تھا اور اسکو اپنے آپ کی مطلق خبر نہ تھی۔ میں

Marfat.com

اس کی خدمت میں چند روز رہا اور اس کی حالت یہ تھی کہ جب وہ سجدہ کرتا تو روتا۔ اور اس رباعی کو پڑھتا اور بیہوش ہو جاتا اور پھر یہ کہتا کہ الٰہی! میں نے ایک سجدہ بھی ایسا ادا نہیں کیا جو تیری درگاہ کے قابل ہو۔

رباعی

درخوردن نعمت تو من ندانم چہ سود
یک سجدہ چناں نشد کہ فرمانم بود
ہم بودی دہم باشی وہم خواہی بود
نے بودم ونے باشم ونے خواہم بود

نماز کے بیان میں

آپ کی مجلس میں اس جماعت کا تذکرہ ہونے لگا جو بحالت استغراق نماز میں مصروف رہتے ہیں اور خبر اپنے حال سے نہیں رکھتے۔ آپ فرمانے لگے کہ میں غزنی کی مسافرت میں تھا۔ ایک مقام پر میں نے درویشوں کو دیکھا کہ وہ اپنے کام میں ازحد مشغول ہیں۔ رات میں نے وہاں ہی بسر کی۔ جب دن نکلا تو شہر کے پاس ایک حوض تھا۔ میں وہاں گیا۔ اس لئے کہ وضو کی تجدید کروں۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک درویش بہت لاغر موجود ہیں۔ میں نے ان سے انکا حال دریافت کیا۔ انہوں نے کہا مجھ کو مدت سے درد شکم کا عارضہ ہے۔ اسہال آرہے ہیں۔ اس روز بھی میں نے وہاں ہی قیام کیا۔ جب رات ہوتی تھی اسہال کی تکلیف اس درویش کو زیادہ ہو جاتی تھی۔ وہ درویش ہر رات ایک سو بیس رکعت نماز کی پڑھا کرتے تھے اور یہ ہی درد ہمیشہ ان کا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ وہ درویش بار بار قضائے حاجت کیلئے جاتا تھا اور پھر وہاں سے آ کر غسل کرتا اور پھر دوگانہ نماز کا پڑھتا۔ پس اس طرح وہ ساٹھ دفعہ قضائے حاجت کے لئے گیا اور ساٹھ ہی بار اس نے غسل کیا اور دوگانہ نماز کا پڑھا۔ غرضکہ جب اس نے ورد مذکور ختم کیا۔ یعنی اس نے 120 رکعت نماز کی پڑھ لیں اور پھر قضائے حاجت کے بعد وہ پانی میں گیا تو اس نے جاں بحق تسلیم کی۔

یہ حال بیان کر کے شیخ الاسلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور زار زار رونے لگے اور ہائے ہائے کے نعرے مارنے لگے اور کہنے لگے کہ وہ درویش اللہ تعالیٰ کی بندگی میں کیسا راسخ الاعتقاد تھا کہ مرتے دم تک اپنے قاعدہ کے برخلاف نہ ہوا اور جب تک اپنا ورد نماز کا ختم نہ کر لیا اپنے دوست کے نذر جان نہ کی۔ اور پھر فرمایا کہ جسکو زحمت اور درد پہنچتا ہے یقیناً جاننا چاہیے کہ وہ گناہوں سے پاک اور صاف ہو جاتا ہے۔

ایک مجلس میں ''مشارق الانوار'' کی حدیث کی بابت گفتگو ہوئی۔ آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ''مشارق'' میں جو حدیثیں موجود ہیں وہ سب صحیح ہیں۔ تیس ہزار حدیثیں ''مشارق'' میں ہیں۔ پھر آپ مولانا رضی الدین اصفہانی کی حکایت فرمانے لگے کہ آپ کو جب کسی حدیث میں مشکل پیش آتی اور اسکے مطالب کی بابت لوگوں سے نزاع پھیلتا تو وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتے تو وہ اس حدیث کو خواب میں ہی بحضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتے اور آپ سے وہ خواب میں اس حدیث کو صحیح کر لیتے۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ ایک روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے۔ آپ کے سوائے عبداللہ بن عباسؓ کے اور کوئی نہ تھا۔ آپ نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر کھڑا کر

لیا اور نماز کے لئے نیت باندھی۔ جب آپ نے نیت باندھ لی تو عبداللہ بن عباسؓ پھر اپنی جگہ پر جا کھڑے ہوئے اور جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑا کیا تھا وہاں سے ہٹ آئے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نیت توڑ دی اور پھر عبداللہ بن عباسؓ کو اپنے پاس کھڑا کر لیا اور پھر نیت باندھ لی۔ وہ پھر وہاں سے سرک گئے۔ غرضکہ دو تین بار ایسا ہی ہوا۔ بعدازاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہا کہ تو کیوں پیچھے سے ہٹ جاتا ہے۔ انہوں نے گزارش کی کہ میری کیا طاقت اور کیا مجال کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کھڑا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کا حسن ادب بہت پسند آیا۔ آپ نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی۔ ''اللھم فقھه فی الدین۔''

ایک بار آپ کی مجلس میں نماز با جماعت کا ذکر ہونے لگا۔ اس امر میں آپ نے بہت تاکید فرمائی کہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرو۔ اگر زیادہ آدمی نہ ہوں تو اگر دو بھی ہوں تو وہ بھی مل کر با جماعت نماز پڑھا کریں کیونکہ جماعت کی نماز کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

ایک بار آپکی مجلس میں ماہ ذی الحجہ کی بزرگی کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام بختیار کاکیؒ کے اوراد میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ دو رکعت نماز اول شب ذی الحجہ کی پڑھے۔ اس طرح کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ ایک بار اور تین آیتیں سورۃ انعام کی۔ اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک بار اور قل یا ایھا الکافرون ایک بار پڑھے۔ تو خداوند تعالیٰ حج کرنے والوں جیسا ثواب اس کے نامہ اعمال میں انعام فرمائے گا۔

اس کے بعد شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ ایک مرد فاسق گنہگار بدکردار نے انتقال کیا۔ اس کے مرنے کے بعد لوگ بہت افسوس کرنے لگے کہ تاریک قبر میں دیکھئے اس کے ساتھ کیا ہو۔ کیونکہ اس کے اعمال اچھے نہ تھے۔ ایک بزرگ نے اسکو خواب میں دیکھا۔ ان بزرگ نے اس سے دریافت کیا کہ کہو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کارروائی کی۔ اس نے بیان کیا کہ جب لوگ مجھے دفن کر کے واپس چلے آئے تو عذاب کے فرشتے گرز لے کر میرے سامنے آئے۔ اس لئے کہ مجھ پر عذاب کریں۔ اتنے میں اللہ کا حکم ان کے پاس پہنچا کہ میرے اس بندہ سے تم ہاتھ اٹھاؤ اور اسے چھوڑ دو اس لئے کہ میں نے اسے بخش دیا اور اسکو جگہ میں نے بہشت میں دی اس لئے کہ وہ تو حج کرنیوالوں میں سے ہے۔ فرشتوں نے اس حکم کے آتے ہی ہاتھ اٹھایا اور خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی کہ خداوندا! یہ شخص ریاکار اور فاسق تھا۔ اس نے کونسی نیکی کی تھی کہ تو نے بخش دیا۔ حکم ہوا کہ بیشک یہ فاسق اور ریاکار تھا۔ لیکن یہ شخص اول شب ذی الحجہ کو دو رکعت نماز پڑھا کرتا تھا۔ پس اس واسطے میں نے اس کو بخش دیا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ وہب بن منبہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہدیہ بھیجا اور حضرت جبرئیل علیہ اسلام اسے لے کر آئے اور کہا کہ اے موسیٰ جو یہ کلمات عشرہ ذی الحجہ کے دسوں روز میں کہے گا تو اسکو اس قدر ثواب ملے گا گویا کہ اس نے بارہ ہزار مرتبہ توریت کو پڑھا۔ اور ان کلمات کے گوینده کے نامہ اعمال میں دس ہزار

Marfat.com

نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اوراس کے نامہ اعمال سے دس ہزار بدیاں دور کی جائیں گی اور ہزار فرشتے اس پر درود پڑھیں گے اوراسکا عمل زمین کے رہنے والوں سے بڑا ہوگا۔

اور پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ "عوارف" میں لکھا ہے کہ یہ کلمات انجیل میں اترے تھے اور آسمان سے انبیاء پر نازل ہوئے تھے۔ اس کی ہی برکت سے اندر روشن ہو جاتا ہے اور وہ دیکھتا ہے کہ نور آسمان سے اترا ہوا چلا آتا ہے۔ جو شخص ان کلمات کی حرمت اور تعظیم کرے گا وہ اسکا بہت عمدہ اثر دیکھے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

اول سو بار یہ کلمات پڑھے۔ لااله الله وحده لاشريک له له المالک والحمد يحيیٰ و يميت و هوحی لايموت بيده الخير و هوعلی کل شئی قدير۔ دوسرے روز سو بار کلمات پڑھے۔ اشهدا ان لااله الله وحده لاشريک لا لهاواحدا احدا صمدا فردا و ترالم ينحذه صاحبته ولد ولدا۔ تیسرے روز سو بار یہ کلمات پڑھے۔ اشهدان لا اله الاالله وحده و لا شريک له احد اصمد الم يلدو لم يو لدو لم يکن له کفواً احد۔ چوتھے روز یہ کلمات پڑھے۔ اشهدان لا اله الا الله وحده لاشريک له له الملک و لهالحمد يحيیٰ و يميت و هوحی لايموت بيده الخير وهو علی کل شئی قدير۔ پانچویں روز سو بار یہ کلمات پڑھے۔ حسبی الله و کفی وسمع الله لمن وعی و ليس وراء الله المنتهیٰ سبحان من لم يزل کريما و لايزال رحيما۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ چھٹے روز پھر اسی طرح نئے سرے سے پڑھنا شروع کرے اور اسی ترتیب سے عشرہ ذی الحجہ پورا کرے۔ پھر فرمایا کہ عشرہ ذی الحجہ میں وتر سے پیچھے اور سونے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد انا اعطینا اور سورۃ اخلاص ایک ایک بار پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اسے اسقدر ثواب عطا فرمائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ثواب دوسرے کو معلوم نہیں ہے اور اس نماز کا پڑھنے والا انتقال سے پہلے اپنی جگہ بہشت میں دیکھ لے گا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ شیخ الاسلام سعد بن حمویہ کو کسی نے خواب میں دیکھا۔ ان سے دریافت کیا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔ اور میری طاعت کے اندازہ کے مطابق مجھے مختلف ثواب مرحمت فرمائے۔ لیکن عشرہ ذی الحجہ کی ہر رات جو میں دو رکعت نماز پڑھا کرتا تھا۔ اسکا ثواب مجھے اسقدر عطا ہوا کہ اسکا حساب سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اسی عشرہ ذی الحجہ کی شب جمعہ کو چھ رکعت پڑھے۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص پندرہ پندرہ بار پڑھے اور سلام کے بعد درود شریف پڑھے اور یہ کلمات کہے۔ لا اله الاالله الملک الحق المبين۔ پس جو کوئی ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اسکو ایسا ثواب عطا فرمائے گا جسکی انتہا نہیں ہو سکتی۔ اس شخص کو جو اس کا ورد کر دے چوبیس ہزار پیغمبروں کا ثواب ملے گا۔ اور دوسرے سال تک کوئی گناہ اسکا نہیں لکھا جا سکتا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں ایک صاحب تھے کہ وہ بہت ہی صالح اور نعمت والے تھے۔ وہ نماز مذکور پڑھا کرتے تھے۔ جب انکا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے انکو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا کہو اللہ تعالیٰ سے تمہاری کیسی بنی۔ اسکا جواب انہوں نے یہ دیا کہ اللہ نے مجھے بخش دیا۔ اور میری بخشش کی وجہ وہی نماز ہے (جسکا اوپر بیان آیا ہے)۔

بعد ازاں شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام خواجہ معین الدین چشتیؒ کے اوراد میں دیکھا ہے کہ رسول

Marfat.com

خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی سورۃ فجر ماہ ذی الحجہ میں پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اسکو دوزخ کی آگ سے نجات دے گا۔ پھر اسی محل پر آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے انتقال کے بعد جب بزرگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا تو آپ سے دریافت کیا گیا کہ فرمایئے کہ موت اور قبر اور منکر نکیر سے کیونکر فیصلہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا کہ سب کام آسان ہوگئے۔ جب مجھ کو عرش کے نیچے لے گئے تو میں نے خداوند کریم کو سجدہ کیا۔ آواز آئی اے معین الدینؒ! سر اٹھا۔ حکم ہوا کہ تو ایسا مجھ سے کیوں ڈرا؟ میں نے عرض کی خداوندا! میں تیری قہاری اور عیاری سے ڈر گیا۔ حکم ہوا جو ہمارے کام میں ہے ہم اس کے کام میں ہیں اور جو کہ عشرہ ذی الحجہ میں سورۃ الفجر پڑھتا ہوگا اس خوف سے کچھ کام نہیں ہے۔ جا میں نے تجھے بخش دیا اور تجھ کو واصلان حق سے کر دیا۔ اس وقت آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی دن میں چھ رکعتیں پڑھے گا۔ اس طرح کہ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ عصر ایک بار۔ دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد 'لایلاف' ایک بار اور تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ 'کافرون' ایک بار۔ چوتھی رکعت میں فاتحہ کے بعد 'اذا جانصر اللہ' ایک بار پڑھے اور سلام پھیرے اور دو رکعت اور پڑھے۔ مگر فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص تین تین بار پڑھے۔ پس اگر تمام دنیا کے لوگ جمع ہو جائیں تو اس کا ثواب بیان نہ کر سکیں گے۔ اس کے بعد آپ نے اسی محل پر فرمایا کہ جو کوئی شب عرفہ ذی الحجہ کو نماز دو رکعت پڑھے۔ اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی سو سو بار پڑھے تو اللہ تعالیٰ حکم دیگا کہ ہزار حج کا ثواب اسکے نامہ اعمال میں لکھیں۔

اس کے بعد آپ نے بیان فرمایا کہ میں ایک بار بطور مسافرت اجمیر میں تھا۔ چند روز روضہ خواجہ معین الدین چشتیؒ میں معتکف رہا اور اس سعادت کو میں نے پایا۔ چنانچہ عرفہ کی رات کو میں نے آپ کے ہی روضہ کے پاس نماز پڑھی۔ اور پھر قرآن مجید پڑھنے لگا۔ چنانچہ ایک ہی حصہ رات کا گزرا تھا کہ میں نے پندرہ پارے کلام مجید کے پڑھ لئے تھے۔ سورۃ کہف یا سورۃ مریم یا کوئی اور سورۃ تھی یاد نہیں رہا کہ کونسی سورۃ تھی کہ ایک حرف پڑھنا میں بھول گیا کہ یکا یک روضہ ممدوح سے آواز آئی کہ وہ حرف رہا ہوا پھر پڑھ۔ میں نے پھر پڑھا۔ دوسری بار پھر آواز آئی کہ خوب پڑھا۔ فرزند خلف ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس کے بعد کلام اللہ جب میں نے ختم کر لیا تو میں نے پایان روضہ خواجہ اپنا سر رکھا اور رو دیا اور یہ عرض کی کہ میں نہیں جانتا کہ میں کون سے گروہ میں سے ہوں۔ یہ بیان خیالی طور پر کر ہی رہا تھا کہ آپ کے روضہ سے آواز آئی کہ مولانا جو کوئی یہ نماز پڑھتا ہے فی الواقع وہ بخشے ہوؤں میں سے ہے۔ جب یہ بات مجھ کو معلوم ہوئی تو میرے دل کو اطمینان ہوا۔ پھر ایک مدت کے بعد بہت سی نعمتوں کے ساتھ جو خواجہ صاحب کے پاؤں کی بدولت حاصل ہوئیں واپس چلا آیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ عرفہ کے دن چار رکعت نماز پڑھے۔ ظہر کے بعد لیکن عصر سے پہلے۔ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں سورۃ اخلاص پچاس پچاس بار پڑھے اور بعد سلام کے ہزار بار سورۃ اخلاص پھر پڑھے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے گا اسکو مرحمت کرے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ عرفہ کے دن سو بار پڑھے۔ بسم اللہ ماشا اللہ لایوت الخیر الا باللہ بسم اللہ ماشا اللہ کل نعمته من اللہ بسم اللہ ماشا اللہ الخیر کله بید اللہ بسم اللہ ماشا اللہ لایعرف الور الاباللہ بسم اللہ ماشا اللہ ماکان من نعمته فمن اللہ بسم اللہ ماشاء اللہ لاحول ولاقوت الا باللہ۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی عرفہ کے دن آفتاب کے چھپنے سے پہلے ان کلمات کو سو بار کہے

Marfat.com

گا۔اللہ تعالیٰ ندا کرتا ہے کہ اے میرے بندے تو نے مجھکو خوش کیا۔پس مانگ لے جو مجھ سے تو مانگتا ہے۔بندہ کو چاہیے کہ ان کلموں کو سوتے وقت یا جبکہ جاگے پڑھا کرے۔اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے سب بلاؤں اور شیطان کے شر سے حفاظت میں رکھے گا۔بعدازاں آپ نے فرمایا کہ عیدالاضحیٰ کی رات کو یہی بارہ رکعتیں پڑھنی آئی ہیں۔پس چاہیے کہ انکو بھی پڑھا کرے۔ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص پانچ پانچ دفعہ پڑھے۔اس کا ثواب بھی بہت ہے۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جب عیدالاضحیٰ کی نماز سے افراغ حاصل کرے تو بعد خطبہ کے چار رکعت نماز پڑھے۔رکعت اول میں سورۃ فاتحہ کے بعد الم نشرح ایک دفعہ پڑھے اور دوسری رکعات میں سورۃ فاتحہ کے بعد والمرسلات ایک دفعہ اور تیسری رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ کے والضحیٰ ایک دفعہ اور چوتھی رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ کے سورۃ اخلاص ایک دفعہ پڑھا کرے۔

آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ شیخ الاسلام شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے اوراد میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عیدالاضحیٰ کے بعد جو شخص دو رکعت نماز پڑھے گا' اپنے گھر میں اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک بار اور سورۃ مرسلات پانچ دفعہ تو وہ شخص حج اور عمرہ اور دعائے حاجیان اور طواف وغیرہ میں شامل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسکے مالوں میں برکت دے گا۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام شیخ عثمان ہارونیؒ کے اوراد میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جو شخص اخیر سال اور آخر روز ذی الحجہ کے یہ دعا پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ تمام سال اسے امان میں رکھے گا۔

دعا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھم ماعملت من عمل فی هذا السنة ممانهيتي عنه ولم و ترضيه و نسيته و لم نبه و علمت عني يقدر تک علی عقومی و د عوتني الی التوبة بعد جرحي عليک اللهم انی فاستغفر يک فيها ماغفور فاغفرلی و ما عملت من عمل تر ضا ه عنی و عدتنی الثواب فتقيله منی و لاتقطع رجائی یا عظيم الرجاء اللهم ارزقنی خير هذا السنة وقنا فتنا برحمتک یا الرحمن الراحمين.

پھر آپ نے فرمایا کہ برادر شیخ بہاء الدین زکریاؒ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی آخر ماہ ذی الحجہ میں دو رکعت نماز پڑھے گا اور ہر رکعت کے بعد سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کچھ کلام مجید اور سلام کرنے کے بعد دعائے مذکور پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اسکو بخش دے گا اور اس سال میں اس نے جو گناہ کیے ہونگے وہ بھی بخش دے گا۔

ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ تہجد کی نماز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی اور ہمارے واسطے یہ نماز سنت ہے۔اور اسکی آٹھ رکعتیں ہیں۔صبح کے قریب پڑھے اور جو کچھ قرآن مجید میں سے یاد ہو وہ پڑھے۔یہ معین نہیں ہے کہ فلاں سورۃ ہی پڑھے۔ہاں البتہ یہ کوشش کرنی چاہیے کہ بڑی سورۃ پڑھے۔کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑی سورتیں پڑھی ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک بزرگ کا نام قطب الدینؒ تھا جنکی بزرگی کو سب لوگ مانتے تھے اور وہ فی الواقعہ

بزرگ تھے۔ ایک دفعہ انکی نماز تہجد فوت ہوگئی۔ پس ان کے زانو میں درد ہوگیا۔ پھر وہ دل ہی دل میں سوچتے رہے کہ یہ درد میرے کس سبب سے ہوا۔ وہ اسی فکر میں تھے کہ الہام ہوا۔ اس لئے تیرے درد ہوا کہ تو نے تہجد کی نماز قضا کر دی تھی۔ اس سبب سے تو درد میں مبتلا ہیں۔

پھر آپ کے روبرو قبر کے خوف اور منکر نکیر کی ہیبت کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ میں تم کو ایک چیز سکھانا چاہتا ہوں۔ اگر آپ سیکھ لیں گے تو کسی سے بھی کبھی نہ ڈریں گے۔ انہوں نے کہا کہ فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ ہر جمعہ کی رات کو دو رکعت نماز پڑھا کریں۔ اس طرح کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص پچاس بار پڑھا کرو۔ پس تم منکر نکیر کے خوف سے امان پاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے اسکا ورد شروع کر دیا اور برابر وہ پڑھتا رہا۔ اس شخص کا انتقال ہوگیا تو ''شرح اولیاء'' میں لکھا ہے کہ اسکو کسی نے خواب میں دیکھا۔ اس سے دریافت کیا کیوں بھئی اللہ تعالیٰ سے تیری کیسی بنی اور منکر نکیر سے کیونکر چھٹکارا حاصل ہوا۔ وہ کہنے لگا جب منکر نکیر ہیبت کے ساتھ میرے سامنے آئے اور مجھ سے سوال کیا اور میں جواب دینے سے سٹ پٹایا اور وہ چاہتے تھے کہ ایک گرز میرے سر پر ماریں۔ ان کے نام اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا کہ تم اس بندہ سے ہاتھ اٹھالو کیونکہ میں نے اسکو بخش دیا ہے۔ چنانچہ وہ دونوں مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر آپ نے اسی محل پر فرمایا کہ ایک آدمی نے عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا۔ ھل عندک شی یحفظ من ضغط ابقر قال نعم یعنی ایسی چیز کوئی تمہارے پاس ہے جو قبر کے ضغطے سے نجات دلا دے۔ انہوں نے فرمایا ہاں ایسی چیز میرے پاس ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جمعہ کی رات کو جو شخص دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد ایک بار اور اذا زلزلت الارض پندرہ دفعہ پڑھے تو قبر کے ضغطے سے وہ نجات پائے گا۔

ایک مجلس میں شیخ الاسلام نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا کہ جو کوئی فرضوں کے بعد تین بار سورۃ اخلاص اور تین بار درود شریف پڑھے گا اور ایک بار یہ آیت پڑھے گا من یتق اللہ یجعل لہ فخر حاہ یرزقہ من حیث لایحسب و من یتو کل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ مایع امرہ قدجعل اللہ لکل شئی قداً اور پھر آسمان کی طرف پھونکے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے یہ نعمتیں عطا کرے گا۔ درازی عمر، زیادتی مال، برخورداری، بلا حساب کے انشاء اللہ تعالیٰ بہشت میں لے جائے گا۔

ماہ محرم میں ایک بار اجودھن کے تمام لوگ' کیا چھوٹے کیا بڑے' مشائخ و درویش غریب سب آپ کے پاس آتے تھے اور شیخ الاسلام کا ہاتھ چومتے تھے۔ اور حضرت شیخ الاسلامؒ مصلے کے نیچے ہاتھ ڈالتے تھے تنکہ زرد چیتل جسکے نصیب کا جسقدر ہوتا تھا' دیتے تھے اور جو آپکی خدمت میں حاضر ہوتا تھا' شیرینی لاتا تھا جسکے سبب سے شیرینی کا ڈھیر آپ کے سامنے لگ جاتا تھا۔ تھوڑا تھوڑا ہر ایک کو آپ شیرینی دلوانے غرضکہ اس روز آپ کے تبرکات سے کوئی محروم نہ جاتا۔ شیخ الاسلام کا قاعدہ تھا کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو ایسا ہی فرمایا کرتے تھے۔ بعد ازاں عبداللہ محمد بلخی کہ بڑے بزرگ آدمی تھے۔ شیخ الاسلامؒ کے پاس حاضر آئے اور سامنے بیٹھ گئے۔ اسوقت شیخ الاسلامؒ مراقبہ میں تھے کہ اسی حال میں آپ ذکر کرنے لگے۔ اور اس قدر ذکر کیا کہ آپ بیہوش ہوگئے۔ آپ کی بیہوشی سے لوگ گھبرا گئے۔ انہوں نے گھبرا کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا خرقہ مبارک آپکے اوپر ڈالا تو بہت دیر میں آپکو ہوش آیا۔ آپ کے مرید تمام آپ کے قدموں پر گر گئے۔

Marfat.com

آپ نے اسوقت عبداللہ بلخیؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم نے دیکھا کہ بھائی بہاء الدین زکریاؒ اس بیابان فنا سے شہرستان بقامیں تشریف لے گئے۔ انہوں نے بھی یہی کہا کہ واقعی انکا انتقال ابھی ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا لو آؤ جنازہ کی نماز پڑھ لیں۔ پھر شیخ الاسلامؒ اور تمام حاضرین نے جنازہ کی نماز پڑھی۔ بعدازاں آپ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کہ غائب ہو اسکے جنازہ کی نماز پڑھنی درست ہے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین امیر حمزہؓ اور دوسرے یاروں کی غائبانہ نماز پڑھی ہے بلکہ ہر ایک کے جنازہ کی نماز الگ الگ پڑھی ہے۔ سو ہم کو بھی چاہیے کہ پڑھیں۔

بعدازاں غرہ متبرکہ کو عاشورہ کی فضیلت کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اس عشرہ میں سوائے طاعت اور عبادت اور تلاوت اور دعا اور نماز کے اور کسی کام میں مصروف نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ اس مہینے میں قہر جاتا ہے اور بہت سی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ پھر آپ فرمانے لگے کہ اس عشرہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندوں اور اولاد پر کیا گزری ہے کہ انکو کس بیرحمی سے شہید کیا اور بعض پیاسے ہی ہلاک ہو گئے تھے اور ظالموں نے ایک پانی کا قطرہ بھی ان کے منہ میں نہ ڈالا۔ یہ فرما کر شیخ الاسلامؒ نے ایک نعرہ بلند آواز سے مارا اور بیہوش ہو گئے۔ جب آپکو ہوش ہوا تو کہنے لگے کہ کیسے سنگدل لوگ تھے۔ جن سے یہ فعل سرزد ہوا باوجودیکہ وہ سفاک اچھی طرح جانتے تھے کہ دین و دنیا کے بادشاہ جو ہیں ان کے فرزند دلبند یہ ہیں۔ لیکن انہوں نے کچھ خیال نہ کیا اور سب کو بے دریغ شہید کرتے چلے گئے اور اتنا خیال بھی انکو نہ آیا کہ ہم قیامت کے روز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے۔ الغرض آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ شروع سال غرہ ماہ محرم میں اس دعا کے پڑھنے کا حکم ہے۔

دعاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللهم انت الله الايدى القديم و هذه سنة جديده اسنک فيه العصمة من الشيطان الرجيم و الامان من الشيطان و من شرا سلطان و من شر كل ذى شر و من البلاياد الآفات فذ لک رونساء لک العون و العدل عل هذا النفس الامارة باسوء و الا يتعال يا فرينى اليک بايريا روف يا رحيم ياذو الجلال و الاكرام برحمتک يا ارحم الرحمين.

بعدازاں اسی موقع پر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام معین الاسلام والدین حسن سجزیؒ کے اوراد میں یہ دیکھا ہے کہ جو کوئی ماہ محرم کی اول شب چھ رکعت پڑھے اور ہر رکعت میں فاتحہ ایک بار اور سورۃ اخلاص دس دفعہ پڑھے۔ اور ایک روایت سے ظاہر ہے کہ دو رکعت پڑھے۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک دفعہ اور سورۃ یاسین ایک دفعہ پڑھے۔ اسکو بہشت میں اللہ تعالیٰ دو ہزار محل اس طرح کے مرحمت فرمائے گا کہ ہر محل میں یاقوت کے ہزار ہزار دروازے ہونگے اور ہر دروازہ میں ایک تخت سبز زمرد کا بچھا ہوا ہوگا۔ اور ہر تخت پر ایک ایک حور جلوہ افروز ہوگی اور اس نماز کا پڑھنے والا چھ ہزار بلاؤں سے نجات حاصل کرے گا۔ اور نیکیاں چھ ہزار اس کے نامہ اعمال میں رقم ہونگی۔

ایک مجلس میں شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ شب عاشورہ کی چار رکعتیں آئی ہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ انکو پڑھیں۔

Marfat.com

ہر رکعت میں فاتحہ ایک بار اور تین بار آیت الکرسی اور سورہ اخلاص دس بار اور جب نماز سے انفراغ حاصل کرے تو سو بار سورہ اخلاص پڑھے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام شیخ عثمان ہارونیؒ کے اوراد میں (جسکو ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے) یہ لکھا دیکھا ہے کہ بروز عاشورہ قبل طلوع آفتاب دو رکعت نماز پڑھنی چاہیے اور قرآن مجید میں سے جو سورۃ یاد ہو وہ بھی پڑھے کہ بیشمار ثواب ہوتا ہے۔ اور بعد ازاں اس دعا کو پڑھنا چاہیے۔

دعا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اول الاولین یا آخر الاخرین لا الہ ا الا انت اول ماخلفت فی هذا لیوم وتخلق آخر ما تخلق اعطینی فیه خیراً ما اولیت فیه انبیاء ک واصفیاء ک من النوایت و البلایا اعطینی مااعطینی فیه الکرامةحق محمد علیه السلام۔

پھر آپ نے فرمایا کہ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکیؒ کے اوراد میں لکھا دیکھا ہے جو خاص آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا کہ روز عاشورہ کو چھ رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں فاتحہ ایک بار، والشمس، انا انزلنا، اذ زلزلت الارض اور سورہ اخلاص اور معوذ تین بار یہ سب ایک دفعہ پڑھے اور بعد الفراغ نماز سجدہ میں جائے۔ اور پھر ''قل یا یہا الکافرون'' پڑھے اور پھر جو چاہے اسکی حاجت روا ہوگی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ بھی لکھا دیکھا ہے کہ عاشورہ کے دن ستر بار کہے ''حسبی اللہ ونعم الوکیل نعم للمولیٰ ونعم النصیر'' پس اللہ تعالیٰ اسکو بخش دے گا اور اسکا نام اولیا اللہ اور مشائخ کبار میں لکھے گا۔

شیخ الاسلامؒ نے ایک بار اپنی مجلس میں فرمایا کہ اگلے زمانہ میں ایک شخص کفن چور تھا۔ جسکا کام ہی یہ تھا کہ وہ مردوں کا کفن چورایا کرتا تھا۔ تخمیناً دو ہزار آدمیوں کا کفن اس نے چورایا تھا۔ آخر کار اس نے اپنے اس کام سے توبہ کی اور وہ خواجہ حسن بصریؒ کے دست مبارک پر تائب ہوا۔ خواجہ صاحب نے ایک روز اس سے قبر کے مردوں کا حال دریافت کیا کہ جب تو نے ان کا کفن باہر نکالا تو انکو تو نے کس حال میں پایا۔ اس نے کہا کہ اگر میں ایک ایک کا حال آپ پر ظاہر کروں تو ایک دفتر چاہیے۔ اس لئے اسوقت چند مردوں کا حال بیان کرتا ہوں۔

ایک شخص کا جو میں نے کفن کھینچا تو میں نے اس کا منہ سیاہ دیکھا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں آتشین زنجیریں پڑی ہوئی تھیں اور اسکے منہ سے لہو اور پیپ جاری تھا اور پیٹ اسکا ایسا گندہ تھا کہ وہاں ٹھہرا نہ جاتا تھا۔ الغرض جب میں وہاں سے روانہ ہوا تو مجھکو اس مردے نے آواز دی کہ تو کس لئے بھاگتا ہے۔ میرا حال تو دریافت کر کہ میں نے کیا کام کئے تھے جو اس بلا میں مبتلا ہوں۔ میں اسکی آواز سنکر لوٹا اور اسکی قبر کے پاس گیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ فرشتوں نے اسے طوق اور زنجیر سے جکڑ رکھا ہے۔ میں نے اس شخص سے کہا اے شخص تو کون ہے۔ اس نے جواب دیا میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کی اولاد سے ہوں۔ چونکہ میں شرابی اور زانی تھا اور اسی مشغلہ مذکور میں مرگیا تو میں اس حالت کو پہنچا ہوں۔

پھر میں ایک اور قبر پر پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ ایک مرد ننگا کھڑا ہوا ہے اور منہ اسکا سیاہ ہے۔ اور اس کے گردا گرد

Marfat.com

آ گ ہے۔ اور اس شخص کو جلا رہے ہیں۔ اور زبان اس کی باہر نکلی ہوئی ہے اور زنجیر اسکی گردن میں پڑی ہوئی ہے اور فرشتے ایستادہ ہیں اور گرد اس کے فرشتے کھڑے ہوئے ہیں۔ جب اس مرد نے مجھے دیکھا تو فریاد کرنے لگا اور مجھ سے کہنے لگا کہ تم مجھے پانی دو۔ میں مارے پیاس کے عاجز ہو رہا ہوں۔

جب میں نے اس کی یہ بات سنی تو ارادہ ہوا کہ جا کر پانی لاؤں۔ اور اسے دوں تو فرشتوں نے مجھے ڈانٹ بتائی کہ خبردار خبردار اس تارک الصلوٰۃ کو پانی نہ دینا۔ کیونکہ یہی حکم اللہ تعالیٰ کا ہے۔

پھر میں نے اس شخص سے دریافت کیا کہ تو دنیا میں کس کام میں مصروف تھا۔ اس نے کہا اگرچہ میں مسلمان تھا مگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی وقت بھی نہ کرتا تھا اور اسی طرح میں نے اور مردوں کو بھی عذاب میں گرفتار پایا۔

میں نے ایک اور قبر کھولی۔ اس میں ایک خوبصورت جوان کو دیکھا۔ کہ میں اسکی تعریف کیا بیان کروں۔ اس کے علاوہ وہ عجیب گلشن کی جگہ تھی کہ سبزہ لہلہا رہا تھا اور نہر جاری تھی۔ بہشت کی حوریں اس کے سامنے تخت پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے اس شخص سے کہا اے نوجوان! تو کون ہے اور دنیا میں ایسے تو نے کیا کام کیے تھے کہ یہ رتبہ تجھے حاصل ہوا اور تیرا دنیا میں کیا عمل تھا۔ اس نے کہا اے خواجہ! میں تو تجھ ہی جیسا تھا لیکن محرم کے مہینہ میں عاشورہ کے روز ایک واعظ سے میں نے سنا تھا کہ اس دن جو کوئی چھ رکعت نماز پڑھے گا وہ بخش دیا جائے گا تو میں اسکی مداومت برابر کرتا رہا۔ اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ درجہ مرحمت فرمایا۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا جو کوئی عاشورہ کی رات کو چار رکعت نماز اس نیت سے پڑھے گا کہ دشمن اس سے راضی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دشمنوں کو اس سے راضی کر دے گا۔ اور منکر ونکیر کے سوال و جواب سے سبکدوش کرے گا۔

مذہب کے بیان میں

آپ کی مجلس میں امام صاحبان کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ اول مذہب امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ہے۔ اور دوسرا مذہب امام شافعیؒ کا اور تیسرا مذہب امام مالکؒ کا اور چوتھا مذہب امام احمد حنبلؒ کا ہے۔ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ ان چاروں مذہبوں میں کچھ شک وشبہ نہ کریں تاکہ سنی مسلمان رہیں اور یقین کریں اور اچھی طرح سے جان لیں اور اعتقاد رکھیں کہ امام اعظمؒ کا مذہب سب مذہبوں سے اعلیٰ اور افضل ہے اور سب مذہب انکے پیچھے ہیں۔ کیونکہ اول یعنی پہلا مذہب جو دنیا میں قرار دیا گیا وہ مذہب امام اعظمؒ کا ہے۔ اور جس مذہب میں کہ ہم ہیں وہ بھی امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ہے۔ یہ مذہب ثواب اور حق پر ہے۔ اس میں خطا کا احتمال نہیں ہے۔

اور بعض بزرگوں کا قول ہے کہ چاروں مذہب مذکور سنت والجماعت ہیں۔ جو مجتہد گزرے ہیں ان کا تعلق مطلق خواہش نفس سے نہیں رہا ہے اور نہ وہ بدعت سے قربت رکھتے تھے۔ وہ ایسے اللہ کے بندے ہیں کہ جنہوں نے سوائے اتباع حکم اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی کام نہیں کیا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ ''فتاویٰ ظہیری'' کے آخر باب میں یہ حکایت لکھی ہے کہ مسلمانوں کے امام ابو حنیفہ کوفیؒ نے جب آخری حج کعبہ کا کیا تو آپ کے دل میں فکر ہوا کہ اللہ جانے دوسری بار حج

Marfat.com

کرنے کا موقع مجھے ہو یا نہ ہو۔ آپ نے خانہ کعبہ کے دربان سے کہا کہ کعبہ کا دروازہ کھول دو اور مجھے اجازت دو کہ میں رات بھر اندر اللہ کی عبادت کروں۔ اس نے کہا ایسا کبھی پہلے نہیں ہوا چونکہ تم مسلمانوں کے امام ہو اور سب لوگ تمہاری اقتداء کرتے ہیں اسلئے میں دروازہ خانہ کعبہ کا کھول دیتا ہوں۔ آخر کار دربان نے دروازہ کھول دیا۔ امام اعظمؒ اندر تشریف لے گئے اور لوگوں کے درمیان میں بائیں پاؤں کو دائیں پاؤں پر رکھ کر کھڑے ہو گئے اور اسی عالم میں آپ نے آدھا قرآن مجید ختم کیا اور بعد تلاوت مذکور کے یہ مناجات کی کہ اے اللہ! جیسا حق عبادت کرنے کا ہے مجھ سے ادا نہیں ہوا اور نہ حق پہچاننے کے لائق میں نے تجھے پہچانا۔ میری خدمت کے نقصان کو مغفرت کے کمال سے بدل دے۔ ہاتف نے آواز دی اے ابوحنیفہ! تو نے بہت اچھی طرح پہچانا اور خوب خدمت کی۔ میں نے تجھ کو بخش دیا اور ان لوگوں کو بھی کہ جو تیری پیروی کرینگے اور قیامت تک تیرے مذہب میں رہینگے۔ شیخ الاسلامؒ نے جب یہ حکایت تمام کی تو فرمانے لگے کہ ہم ان کے ہی مذہب میں ہیں۔

پھر آپ نے اسی محل پر فرمایا کہ شیخ اسماعیل بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے امام شیبانیؒ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے گزارش کی فرمائیے اللہ تعالیٰ سے اور آپ سے آخر میں کیسی بنی۔ انہوں نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر میں تجھے عذاب کرتا تو تجھے علم نہ دیتا۔

پھر میں نے دریافت کیا کہ قاضی ابو یوسف کہاں ہیں۔ امام محمد نے فرمایا کہ وہ آسمان اور زمین کے درمیان ہیں۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ امام اعظمؒ کس جگہ تشریف رکھتے ہیں۔ فرمایا وہ تو علیین میں تشریف رکھتے ہیں۔

پھر آپ کی مجلس میں فرق مذہب کا ذکر ہونے لگا اور یہ بھی کہ مذہب اچھا کونسا ہے؟ شیخ الاسلامؒ اسوقت آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے ہیہات میں امام اعظمؒ کا نام مبارک لے نہیں سکتا ان کے ایک شاگرد تھے محمد شیبانی۔ جب وہ سوار ہوا کرتے تھے تو امام شافعیؒ ان کی رکاب پکڑا کرتے تھے اور پھر شاگرد امام محمدؒ کے تھے۔ پس یہاں سے پتہ لگتا ہے کہ مذاہب میں چندر در چند فرق ہے۔ بعدازاں آپ نے اسی محل پر فرمایا کہ ایک بار قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ قطب الدین بختیار کاکی اور شیخ جمال الدین تبریزی اور شیخ بدرالدین غزنوی رحمتہ اللہ علیہم دہلی جامع مسجد میں چند روز معتکف رہے۔ ہر ایک نے رات دن میں وظیفہ دو قرآن ختم کرنے کا مقرر کیا ہوا تھا چنانچہ یہ سب آپس میں کہنے لگے کہ اگر ہو سکے تو ایک ٹانگ سے بندگی اللہ تعالیٰ بجالائیں اور دو رکعتوں میں دن نکال دیا کریں۔ سبھوں نے کہا کہ بہت عمدہ بات ہے۔

چنانچہ جب رات ہوئی تو قاضی حمید الدین ناگوریؒ امام بنے اور دوسرے صاحبان نے دو رکعت نماز کے پڑھنے کی اقتداء کی اور وہ سب کے سب ایک پاؤں سے کھڑے ہو گئے۔ قاضی حمید الدینؒ نے ایک رکعت میں ایک پاؤں سے کھڑے ہو کر ایک کلام مجید ختم کیا اور چار پارے اور پڑھے اور دوسری رکعت میں دوسرا کلام اللہ ختم کیا اور اسلام پھیرا اور یہ مناجات کی۔ ”الٰہی! جو حق تیری عبادت کرنے کا ہے وہ ہم سے ادا نہیں ہوا۔ پس تو ہمیں بخش دے اور ہمارے نقصان خدمت کو اپنے معرفت کے کمال سے بدل دے“ کہ یک لخت ایک گوشہ سے آواز آئی کہ اے دوستو! تم نے خوب پہچانا اور خدمت اور طاعت ہماری اچھی طرح ادا کی۔ پس ہم نے تم کو بخش دیا اور جو تمہارا مطلوب ہے وہ ہم نے تم کو عطا کیا۔ پھر وہ

Marfat.com

بزرگ مسجد مذکور سے اِدھر اُدھر چلے گئے اور معلوم ہوا کہ سب نے سفر کیا۔

بعدازاں اس جلسہ میں یہ ذکر بھی ہونے لگا کہ اپنے مذہب کا شجرہ بھی جاننا چاہیے کہ وہ شجرہ اللہ تعالیٰ تک کیونکر منسلک ہوتا ہے اور فرمانے لگے کہ مرید کو اپنے پیر کا شجرہ جاننا فرضیات سے ہے اور ایسا ہی مذہب کا بھی شجرہ جاننا چاہیے اور یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تک کیونکر سلسلہ ملتا ہے۔

اسوقت پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ اگر دریافت کرے تو کون سے مذہب میں ہے تو کہہ دے کہ امام اعظمؒ کے مذہب پر ہوں اور وہ مذہب ابراہیم علقمہ پر اور وہ ابراہیم نخعی پر اور وہ مذہب امام عبداللہ بن مسعود پر اور وہ مذہب ابوہریرہ پر اور وہ مذہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مذہب ابراہیمؑ خلیل اللہ پر اور وہ مذہب نوح علیہ السلام پر اور وہ مذہب شیث علیہ السلام پر اور وہ مذہب حضرت آدم علیہ السلام پر اور وہ مذہب حضرت جبرئیل علیہ السلام پر اور وہ مذہب میکائیل پر اور وہ مذہب اسرافیل علیہ السلام پر اور وہ مذہب عزرائیل علیہ السلام پر اور وہ مذہب اللہ تعالیٰ پر ختم ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اس بات کو نہیں جان سکتا۔

ماہ صفر کے بیان میں

ایک روز آپ کی مجلس میں ماہ صفر کا تذکرہ ہونے لگا۔ آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ یہ مہینہ بڑا ہی سخت ہے کیونکہ جب یہ مہینہ آتا تھا آپ بہت تنگدل ہوتے تھے اور جب یہ مہینہ چلا جاتا تھا تو آپ بہت خوش ہوا کرتے تھے اور یہ تغیر رسول اللہ صلی اللہ وسلم ماہ صفر کی گرانی کے متعلق تھا۔ اس لئے کہ وہ گراں ہے۔ پھر اسی موقع پر آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص ماہ صفر کے گزرنے کی اطلاع مجھے دیگا میں اسکو بشارت جنت میں جانے کی دونگا کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''من شرنی یخروج الصفر انا بشریه یدخل الجنة''۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر سال دس لاکھ آٹھ ہزار بلائیں آسمان سے دنیا میں نازل ہوتی ہیں لیکن اس مہینہ میں نو لاکھ بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ پس چاہیے کہ اس مہینے کو عبادت اور طاعت میں گزاریں تا کہ کوئی بلا نقصان نہ پہنچائے۔

پھر آپ نے فرمایا میں نے ایک بزرگ سے معلوم کیا ہے کہ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ہم ماہ صفر کی بلاؤں سے نجات حاصل کریں تو اس مہینے کو عبادت کے ساتھ گزارنا مناسب ہے کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کریں۔ اور دعا یہ ہے۔

دعاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''اعوذ باللّٰه من شر هذه الزمان و استعيذ من شرور الزمان انی اعوذ بجلال وجهک و کمال قدر تک ان تجر فی من فتنه هذه السنة و وقنا شرما فضيت فيها و کر کرمنی بابفقر با کر مه النظر و اختمه باسلامة و السعادة ولدیلی و اولیای وا قربانی و جمیع امة محمد۔ المصطفی صلی اللّٰه علیه وسلم''۔ بعدازاں آپ نے اسی محل پر فرمایا۔ ماہ صفر کی پہلی رات کو تمام مسلمانوں کی عصمت کے واسطے بعد نماز عشا چار رکعت نماز پڑھے۔ پہلی رکعت میں ایک بار سورۃ فاتحہ اور پندرہ بار ''قل یا ایہا الکافرون'' اور دوسری رکعت میں سورۃ

Marfat.com

فاتحہ کے بعد گیارہ بار سورۃ اخلاص پڑھے اور تیسری رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ پندرہ بار ''قل اعوذ برب الفلق'' پڑھے اور چوتھی رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ کے پندرہ بار ''قل اعوذ برب الناس'' پڑھے اور یہ نماز وقت سے پہلے پڑھنی چاہیے۔ پس جو بلا کہ اس روز آنے والی ہوگی' اللہ اُسے فضل کے ساتھ نگاہ رکھے گا۔

اور پھر فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام شیخ معین حسن سنجریؒ کی شرح میں لکھا دیکھا ہے کہ تمام ماہ صفر میں بیس ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں لیکن آخری چہار شنبہ کو سب ایام سے زیادہ بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ پس لوگوں کو چاہیے کہ چار رکعت نماز پڑھا کریں تا کہ اس روز کی بلاؤں سے نجات ہو اور اللہ تعالیٰ اپنے امان میں رکھے۔ پس دوسرے سال اس کے گرد کوئی بلا نہ پھٹکے گی اور وہ دعا یہ ہے۔

دعاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یاشدید القویٰ و شدید المحال بامفصل یا مکرم یا لااله الا انت برحمتک یا الرحم الراحمین۔

پھر اسی محل پر آپ نے فرمایا کہ جو کوئی بلا میں مبتلا ہوتا ہے اسی مہینے میں ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی اسی مہینے میں گیہوں کھایا تھا۔ پس وہ اسی مہینہ میں جنت سے باہر نکالے گئے اور تین سو سال تک اسی سبب سے روتے رہے اور یہاں تک روئے کہ کوئی چیز انکے بدن پر نہ رہی۔ گوشت اور پوست گل کر سب گر پڑا تھا۔ پس حکم ہوا اے آدم! توبہ کر کہ ہم تیری دعا قبول کرینگے۔ اس کے مطابق ایک اور روایت وہب بن منبہ کے ذریعہ سے پہنچی ہے کہ ایک بار ہابیل اور قابیل شکار کیلئے اسی مہینے میں نکلے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے انکو منع کیا کہ اس مہینے میں گھر سے نہیں نکلنا چاہیے۔ انہوں نے آپکے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ غرضکہ جب یہ دونوں جنگل میں پہنچے تو باتوں باتوں میں دونوں کے شکررنجی ہوگئی۔ چنانچہ قابیل نے تلوار اٹھا کر ہابیل کو قتل کر دیا۔ مارنے کو تو مار دیا لیکن پچھتایا کہ ہائے میں نے یہ کیا کیا۔ پھر وہاں سے کھسک گیا اور جب یہ خبر حضرت آدم علیہ السلام کو پہنچی وہ بہت آزردہ اور پریشان ہوئے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا اے آدم! اللہ کا حکم یہ ہے کہ ہابیل کی اولاد میں سے سب مسلمان ہونگے اور قابیل کی اولاد میں سے یہود وترسا وغیرہ۔ کیونکہ صفر کے مہینے میں اس نے اپنے بھائی کو قتل کیا ہے۔ پھر آپ نے اسی موقعہ پر فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اسی مہینہ میں طوفان سے نیست و نابود ہوئی اور حضرت ابراہیم کو بھی اول ماہ صفر کو آگ میں ڈالا تھا اور حضرت ایوب علیہ السلام کو جو کیڑوں کی بلا میں مبتلا ہو گئے تھے' جب بھی صفر کا ہی مہینہ تھا اور جب حضرت زکریا کی گردن پر آرہ چلایا گیا تب بھی صفر کا ہی مہینہ تھا۔ اور جرجیس علیہ السلام کے جو سات ٹکڑے کئے گئے تب بھی صفر کا ہی مہینہ تھا اور جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حلق پر چھری پھیری گئی جب بھی صفر کا مہینہ تھا۔ اور حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں آئے تب بھی صفر کا ہی مہینہ تھا۔ یہ فرما کر حضرت شیخ الاسلام نعرہ مار کر بیہوش ہو گئے اور جس وقت ہوش میں آئے تو فرمایا کہ جب سلطان الانبیاؐ علیل ہوئے تو وہ بھی ماہ صفر ہی تھا۔ پھر فرمانے لگے کہ جو بلائیں انبیاء پر نازل ہوئی ہیں وہ اسی صفر کے مہینے میں نازل ہوئی ہیں۔ پس یہ مہینہ بہت سخت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو اور

تمام مسلمانوں کو اس بلا کی گرانی سے حفظ وامان میں رکھے۔

ورد وظیفہ کے بیان میں

ایک روز مجلس میں شیخ الاسلامؒ فرمانے لگے کہ اگر کوئی وظیفہ یا ورد عبادت کرنے والے سے قضا ہو جائے تو وہ مرگ کے برابر ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ ایک بار میں شیخ یوسف چشتی کے حضور میں حاضر تھا کہ ایک صوفی صاحب آئے اور آداب بجالائے۔ اور یہ گزارش کی کہ میں نے آج خواب میں دیکھا ہے کہ میری مرگ قریب ہے۔ حضرت شیخ یوسف چشتیؒ نے فرمایا کہ فجر کی نماز تیری قضا ہو گئی ہے۔ اس نے جو غور کی تو معلوم ہوا کہ یہ بات ٹھیک ہے۔ فی الواقع میری نماز فجر کی قضا ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پس ضرور ہو کہ یہ خواب تجھے دکھایا جائے کیونکہ صاحب ورد سے جو طاعت چھوٹ جاتی ہے' اس کے لئے وہ محل مرگ ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ قاضی رضی الدینؒ کا ورد سورۃ یاسین تھا۔ ایک روز آپ سے وہ وظیفہ ترک ہو گیا۔ چنانچہ آپ گھوڑے پر سوار جاتے تھے کہ گر پڑے اور آپ کا پاؤں ٹوٹ گیا۔ اس چوٹ کے بعد آپ نے غور کی کہ کس وجہ سے یہ امر ظہور میں آیا تو ظاہر ہوا کہ سورۃ یٰسین پڑھی نہیں گئی تھی۔ اس کے بعد شیخ الاسلامؒ فرمانے لگے کہ صاحب ورد کو چاہیے کہ اگر دن کا وظیفہ اس کا قضا ہو گیا ہو تو وہ اس وظیفہ کو رات کو پورا کرے۔ لیکن اسکو قضا نہ ہونے دے۔ اس لئے کہ اس کے ورد کی شومی سارے شہر والوں پر اثر کرتی ہے۔ اور شہر میں خرابی واقع ہوتی ہے۔

اس کے بعد شیخ الاسلامؒ فرمانے لگے کہ ایک بار ایک سیاح دعا گو کے پاس آیا اور دمشق کے حالات بیان کرنے لگا۔ کہ جب میرا گزر اس شہر میں ہوا تو دیکھتا کیا ہوں کہ وہ شہر ویران اور اجڑا ہوا ہے۔ کیونکہ بیس گھر اس میں باقی رہ گئے تھے۔ میں نے لوگوں سے اسکا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ اس شہر میں اہل تسنن رہتے تھے جن میں بہت لوگ صاحب ورد تھے۔ لیکن حسب اتفاق ان لوگوں نے اپنا وظیفہ ترک کر دیا جس کے سبب سے تمام شہر ویران ہو گیا اور مسلمان قید میں پھنس گئے۔ بس ورد کے چھوڑ دینے سے یہ شامت ہوتی ہے۔

ایک روز آپ کی مجلس میں ذکر ہونے لگا کہ خواجہ عبداللہ بن مسعود بڑے عالم تھے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "کنیفۃ العلم" یعنی علم کے خریطے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بڑے عالم تھے۔ پھر آپ نے اسی موقع پر فرمایا کہ ایک بار میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ رئیس نام میرا یار تھا۔ وہ بھی اسوقت موجود تھا۔ اس نے شیخ الاسلامؒ سے گزارش کی کہ آج رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ ایک بہت بڑا قبہ ہے اور اس کے گرداگرد بہت مخلوق کھڑی ہے اور اس قبہ میں سے ایک مرد آتا ہے اور پھر قبہ میں چلا جاتا ہے۔ میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس قبہ میں کون صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس قبہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہیں اور جو شخص اس قبہ میں سے آتا اور جاتا ہے وہ خواجہ عبداللہ بن مسعود ہیں۔ میں ان کے پاس گیا اور ان سے گزارش کی کہ آپ میری طرف سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش فرمائیں کہ میں آپکی سعادت قدمبوسی اور جمال مبارک کی زیارت چاہتا ہوں۔ عبداللہ بن مسعود اس

Marfat.com

قبہ کے اندر تشریف لے گئے اور پھر واپس آئے اور انہوں نے کہا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابھی تجھے ہمارے دیکھنے کی قابلیت نہیں ہے۔ پس تو ہمارا اسلام بختیار کاکیؒ کو کہنا اور یہ بھی ان سے کہو کہ ہر رات جو تحفہ تم میرے پاس بھیجا کرتے تھے۔ وہ میرے پاس پہنچ جاتا تھا۔ کیا سبب ہے کہ نو راتیں گزر چکی ہیں اب وہ تحفہ تمہارا ہمارے پاس نہیں پہنچتا۔ ما نقش بخیر یاد۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ شیخ الاسلام بختیار کاکیؒ ہر رات میں تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ اس کے بعد آرام فرمایا کرتے تھے (کئی کتابوں میں یہ دیکھا گیا ہے) کہ نو راتوں میں جو انہوں نے درود شریف نہیں پڑھا' اسکا سبب یہ تھا کہ آپ نے ایک عورت سے نکاح پڑھایا تھا۔ اس سبب سے درود شریف کے پڑھنے میں ناغہ ہو گیا۔ جب آپ نے خواب مذکور سنا تو اس عورت کو طلاق دیدی تھی۔ اور اس کا مہر اسے ادا کر دیا تھا۔

پھر شیخ الاسلام خواجہ بختیار کاکیؒ کے مجاہدہ کا حال فرمانے لگے۔ کہ آپ بیس برس تک خدا کی بندگی کے سبب نہیں سوئے اور نہ پہلو آپ نے زمین پر ٹکایا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ درویش کے لئے سونا حرام ہے کیونکہ جب درویشی آئی تو خواب وقرار کیسا۔

ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام خواجہ معین الدین حسن سنجریؒ کے اوراد میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اس ترکیب سے سورۃ بقر کی دس آیتیں جو شخص پڑھے کہ چار آیتیں آیۃ الکرسی کی اول کی اور چار بعد کی اور دو آیتیں آخر سورۃ بقر کی پڑھے تو اس گھر میں شیطان رات تک نہ جائے گا اور جو رات کو یہ سورتیں پڑھے گا تو دن تک شیطان اس گھر میں نہ جائیگا۔ پھر فرمایا جو درویش مفلس ہو وہ یہ کلمہ پڑھا کرے۔ ''لاحول ولاقوت الا باللہ العلی العظیم''۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص آیا اور آداب بجالایا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔ اس نے عرض کی حضور میں معاش سے بہت تنگ ہوں۔ شیخ الاسلامؒ نے فی الفور فرمایا لاحول کیوں نہیں پڑھا کرتا۔ ضرور پڑھا کر۔ اس نے کہا بہت مبارک۔

پھر آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی یہ کلمات بہت کہے گا۔ خداوند تعالیٰ مفلسی کی حالت سے اسے بچائے گا۔ پھر آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ ابواللیث سمرقندی کی کتاب میں لکھا ہے کہ میں ان چار گروہ سے تعجب کرتا ہوں کہ جو ان چار چیزوں سے غفلت کرتے ہیں۔ اول اس گروہ سے کہ جو گرفتار غم والم ہوں اور وہ نہیں پڑھتے ''لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین''۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود کلام اللہ میں فرماتا ہے۔ ''فاستجبنا ونجینا من الغم و کذلک ینجی للمومنین''۔

پھر آپ نے فرمایا کہ حضرت ایوبؑ جب کیڑوں کی بلا میں مبتلا ہوئے تو چالیس برس تک اس بلا میں مبتلا ہے۔ بعد ازاں آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی۔ حکم ہوا کہ اس کلمہ کے پڑھنے کی کثرت کرو۔ لا الہ انت سبحانک انی کنت من الظالمین''۔ چند ہی روز آپ نے اس کلمہ کا ورد کیا تھا کہ آپ کو بلائے مذکور سے نجات ہو گئی۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک بار ایک نوجوان کو ہارون رشید نے ایک خطا پر قید کیا اور قریب وقت آنے لگا تھا کہ

اس کی گردن ماری جائے اور وہ ہلاک ہو کہ ایک بزرگ اس کے پاس وارد ہوئے اور اس کو غمگین دیکھ کر فرمایا کیا تیرا حال ہے۔ آپ نے چلتے وقت اسے آیۃ الکرسی سکھائی اور پھر چلے گئے۔ اس شخص نے آیۃ الکرسی کی مداومت کی۔ آخر کار اسکی برکت سے وہ رہا ہو گیا۔ اور بادشاہ نے اسے خلعت خاص بھی مرحمت فرمایا۔

دوسرے اس گروہ سے جو مخوف ہوں۔ پس وہ کیوں نہیں کہتے ''حسبی اللّٰہ و نعم الوکیل'' کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''فانقلبو اینعمته من اللّٰہ و فضل لم یمسسهم سوء''

اس کے بعد آپ نے یہ حکایت اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمائی کہ ایک بڑا ظالم بادشاہ تھا۔ اس کے دماغ میں خدا کے دعوے آنے لگے اور خدائی کا دعویٰ کرنے لگا۔ اس نے اپنے وزیر سے کہا کہ میں کیا کارروائی کروں جس سے اس خیال میں کامیاب ہو جاؤں۔ اس بادشاہ کا وزیر بڑا مکار عیار تھا۔ اس نے گزارش کی کہ دو باتوں کی بابت میں عرض کروں گا اگر آپ کر سکیں تو میں گزارش کروں۔ بادشاہ نے کہا کہو۔ اس نے کہا کہ جتنے عابد و زاہد اور خدا کا نام لینے والے اور علماء و فضلا یہاں موجود ہیں' ان کو نکال دینا چاہیے۔ جب وہ چلے جائیں گے تو پھر کوئی خدا کا نام نہ لے گا اور مسلمان بھی نہ رہے گا۔ پھر جو تو دعویٰ کرے گا وہ چل جائے گا۔ اس نے وزیر کے کہنے کے مطابق سب کو چلتا کیا یہاں تک کہ ان میں سے کوئی نہ رہا۔ پھر وزیر سے اس نے کہا اب کیا کروں۔ اس نے کہا ایک اور کام آپ کو کرنا ہوگا کہ جتنے علم پڑھنے والے ہیں انکا بھی چلتا دھندا کر۔ جب ان میں سے کوئی نہ رہے گا تب جو تیرے دل میں آئے گا کرے گا۔ کوئی تیری مخالفت نہ کرے گا۔ بادشاہ نے ان علم پڑھنے والوں کو بھی تہ تیغ بیدریغ کیا۔ پس جب دین کے پھیلانے والے اور راہ دکھانے والے ہی نہ رہے تو اس شہر کے تمام مسلمان گمراہ ہو گئے اور بادشاہ بھی دین سے الگ ہو گیا اور خدائی کا دعویٰ کرنے لگا۔ اسی موقع پر خواجہ حسن بصریؒ کے پوتے بھی گرفتار ہو گئے۔ وہ ''حسبی اللہ ونعم الوکیل'' بہت پڑھا کرتے تھے۔ جب وہ گرفتار ہو کر بادشاہ کے سامنے لائے گئے تو بادشاہ تخت پر سے اترا اور نیچے آ کر آپ سے معذرت کرنے لگا۔ اور اس نے آپکو رہا کر دیا اور ایک خاص خلعت انکو مرحمت فرمایا اور بہت عزت کے ساتھ انکو رخصت کیا گیا۔ جب حضرت مذکور تشریف لے گئے تو بادشاہ نے اہالیان دربار سے کہا کہ جب یہ بزرگ میرے سامنے آئے تو دیکھتا کیا ہوں کہ ان کے دائیں اور بائیں دو اژدہے موجود ہیں' جو اپنا منہ کھولے ہوئے اور مجھ کو نگلنے کیلئے آمادہ ہیں۔ جب میں نے عاجزی کی تو ان اژدہوں نے کہا کہ ان بزرگ سے ہاتھ اٹھاؤ۔ ورنہ ہم دونوں تجھے نگل جائیں گے۔ جب وہ بزرگ باہر آئے تو لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کی رہائی کیونکر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ میں یہ کلمے پڑھا کرتا تھا ''حسبی اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر''۔ پس جو کوئی ان کلمات کا ورد رکھے گا۔ اس کا بال بیکا کسی موقع پر نہ ہوگا۔

تیسرے ان لوگوں سے جو مکر سے لوگوں کے خوف کرتے ہوں۔ پس وہ کیوں نہیں کہتے۔ ''افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد۔'' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''فوقہ واللہ سیات مکروا'' شیخ الاسلامؒ فرمانے لگے کہ خواجہ حسن بصریؒ جب حجاج کے پاس تشریف لے جاتے تو یہی آیت پڑھا کرتے تھے۔ حجاج قسم کھاتا اور یہ کہتا کہ میں ایسا کسی سے نہیں خوف کھاتا۔ جیسا کہ حسن بصریؒ سے خوف کھاتا ہوں۔ جب وہ مجھے سامنے سے نظر پڑتے ہیں تو میرے بدن میں کپکپی پڑ جاتی ہے اور ان کے دونوں طرف شیر ہوتے ہیں۔ اس حالت میں کہ فوراً وہ میرے اتنے اتنے ٹکڑے کرینگے۔ چوتھا میں

Marfat.com

ان پر تعجب کرتا ہوں جو بہشت کی رغبت رکھتے ہیں۔ پس وہ کس لیے یہ نہیں کہتے ''ماشاء اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''فعسی اریق ان یوتینی خیراً من جنتک۔''

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے کتاب ''آثار التابعین'' میں دیکھا ہے۔ کہ ایک شخص بڑا فاسق تھا اور گناہوں میں مبتلا تھا۔ جب یہ کلمہ پڑھ لیتا تھا تب وہ اور کسی کام میں مصروف ہوتا تھا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت میں چہل قدمی کر رہا ہے۔ اسکو بہشت میں دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ اس نے اس سے دریافت کیا بھائی بتاؤ تم نے یہ دولت کہاں سے حاصل کی۔ اس نے کہا اگرچہ میں بدآدمی تھا۔ لیکن صبح اور شام میں یہ کلمہ پڑھا کرتا تھا۔ ''ماشاء اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ اعلیٰ العظیم۔'' پس یہ رتبہ میں نے اسی کلمہ کی بدولت پایا ہے۔

پھر آپ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ایک بار میں شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشیؒ کے آگے بیٹھا ہوا تھا اور بہت سے بزرگ اور مشائخ وہاں موجود تھے۔ اس وقت قبر کے خوف کا ذکر ہونے لگا۔ اسوقت مولانا شہاب الدین قریشیؒ (جو شہر دہلی کے مفتی تھے) بھی موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک کتاب میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ جو کوئی شخص سورۃ واقعہ اور سورۃ مزمل اور سورۃ والشمس اور واللیل اور الم نشرح کی مداومت کرے گا' وہ قبر کے خوف سے امان میں رہے گا۔

بعد ازاں ایک درویش نے فرمایا کہ ایک درویش چشتیہ خاندان کا تھا۔ جب اس نے وفات پائی اور اسے دفن کیا تو اس کے سامنے فرشتے آئے' جنکا جواب اس نے دیا۔ اسوقت اس کے نور سے روشنی پیدا ہو گئی۔ اس کو کسی نے خواب میں دیکھا اور دریافت کیا کہو اللہ تعالیٰ سے تمہاری کیسی بنی۔ تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور وہ عنایتیں اور بخششیں فرمائیں جنکی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے اور حکم میرے لئے یہ آیا کہ تو جو سورۃ ہائے مذکور کی مواظبت کیا کرتا تھا۔ اس سبب سے ہم نے تجھے بخش دیا۔

شیخ الاسلامؒ چاشت کیوقت جماعت خانہ میں تشریف رکھتے تھے اور مسافروں کا گروہ حاضر تھا کہ دعا گو آداب بجالایا۔ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ اے اللہ کے دوست! بیٹھ جا۔ میں بموجب حکم کے بیٹھ گیا۔ شیخ الاسلامؒ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ چاہا ہے کہ جو کچھ مولانا نظام الدینؒ ہیں وہ انکو مل جائے۔ اس موقع پر درود شریف کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود شریف پڑھے گا۔ وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو جائے گا کہ گویا وہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ سے نکلا ہے اور اس کے نامہ اعمال میں ایک لاکھ نیکیاں لکھی جائیں گی اور اسکو اللہ کے ولیوں میں سے لوگ کہیں گے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ صحابہ اور تابعین اور مشائخ طبقات نے درود شریف کا وظیفہ قرار دیا ہے۔ وہ اگر کسی رات درود شریف کا وظیفہ ان سے ناغہ ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں کہ افسوس آج کی رات ہم مردہ رہے۔ اگر زندہ ہوتے تو درود شریف ہم سے ناغہ نہ ہوتا۔

پھر آپ نے اسی محل پر فرمایا کہ ایک بار خواجہ یحییٰ معاذ رازیؒ کا وظیفہ شب ناغہ ہو گیا تھا اور وظیفہ یہ تھا کہ آپ تین ہزار بار درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ غرضکہ جب دن ہو تو آپ اپنا ماتم کرنے لگے اور پھر اس طرح آپ بیٹھ گئے جس طرح کوئی کسی مردے کی تعزیت کو بیٹھا ہے۔ یہ حال دیکھ کر لوگ آپ کے پاس آئے اور دریافت کرنے لگے کہ کیسے تو سہی

Marfat.com

کیا بات ہے۔انہوں نے کہا کہ آج کی رات میرا وظیفہ ناغہ ہوگیا ہے اس سبب سے ماتم کر رہا ہوں کہ میں اس جہان کی سعادت سے محروم رہ گیا۔خواجہ صاحب یہ فرما ہی رہے تھے کہ غیب سے آواز آئی کہ اے یحییٰ! ہم جو پہلے درود پڑھنے پر تجھ کو ثواب عطا کیا کرتے تھے۔آج ہم نے اس سے سو حصہ زیادہ ثواب تجھے عنایت کیا اور ہم نے تیرا نام درود پڑھنے والوں میں تحریر کر دیا ہے۔اسوقت شیخ الاسلامؒ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور زار زار رونے لگے۔

اور پھر یہ حکایت اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمائی۔خواجہ سنائیؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضرت ان سے منہ چھپائے ہوئے ہیں۔خواجہ ممدوح دوڑے اور انہوں نے آپکے پائے مبارک کو بوسہ دیا اور گزارش کی کہ یارسول اللہؐ! میری جان آپ پر قربان ہو۔آپ اپنے روئے مبارک مجھ سے کیوں چھپاتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بغلگیر ہوئے اور یہ فرمانے لگے کہ اے خواجہ! تم نے مجھے اس قدر درود بھیجے ہیں کہ میں تم سے شرمندہ ہوں کہ عذر کون سی چیز سے چاہوں۔اس کے بعد شیخ الاسلامؒ ہائے ہائے کہہ کر رونے لگے اور یہ کہنے لگے کہ ایک وہ نیک بندے ہیں کہ اسقدر درود شریف پڑھتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان سے شرم کرتے ہیں اور ان پر اللہ کی ہزار ہزار رحمتیں نازل ہوں کہ جو اس درجہ کو پہنچتے ہیں اور اسی ورد پر مرتے ہیں اور اسی پر اٹھتے ہیں۔

پھر آپ نے اسی موقع پر فرمایا کہ ایک بار ایک گروہ یہودیوں کا ایک مقام پر بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک مسلمان فقیر آبادا اور اس نے اس سے کچھ طلب کیا۔حسب اتفاق حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس طرف سے جا رہے تھے۔ یہودیوں نے مسخرہ پن سے اس درویش سے کہا کہ شاہ مرداں آتے ہیں ان سے کچھ مانگو۔الغرض وہ درویش آپ کے پاس آیا اور اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دامن پکڑ لیا اور سلام کیا اور سارا حال اپنے فقر و فاقہ کا بیان کیا۔حضرت علیؓ اپنے دل میں بہت پریشان ہوئے۔اس لئے کہ انہوں نے خیال کیا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے کہ اس کو دوں کیا۔لیکن آپ نے قیافہ سے معلوم کر لیا کہ ان یہودیوں نے میری آزمائش کے واسطے اسکو بھیجا ہے کہ دیکھئے وہ اسے کیا دینگے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسکا ہاتھ پکڑا اور دس بار درود شریف پڑھا اور اسکی ہتھیلی پر دم کیا اور وہ یہودیوں کے پاس آیا۔ ان یہودیوں نے اس سے دریافت کیا کہو کیا لائے۔اس نے کہا دس بار درود شریف پڑھ کر میری ہتھیلی پر دم کیا ہے۔یہ بات سنکر یہودی اور بھی مسخرا پن کرنے لگے۔الغرض جب اس شخص نے اپنی مٹھی کو کھولا تو اس میں سے ایک دینار نکلا۔ چنانچہ اسوقت کئی ہزار یہودی مسلمان ہو گئے تھے۔

پھر آپ نے اسی محل پر فرمایا کہ ایک بار ہارون رشید علیل ہوگیا۔اور وہ چھ ہفتے تک علیل رہا اور ایسا بُرا حال اس کا ہوگیا تھا کہ لوگ خیال کرتے تھے کہ اب مرا اب مرا۔اتفاقاً شیخ ابوبکر شبلیؒ اس کے دروازے کے آگے جا رہے تھے۔آپ کے گزرنے کی خبر ہارون رشید کو پہنچی۔اس نے آپکے لینے کیلئے آدمی دوڑائے اور اس کے آدمی بہت منت اور خوشامد سے آپکو ان کے پاس لے گئے۔ہارون رشید نے نہایت مایوسانہ حالت میں آپ کو دیکھا۔آپ نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھ تو خاصا بھلا چنگا ہو جائے گا۔یہ کہہ کر ایک بار درود شریف پڑھا اور سارے بدن پر اس کے ہاتھ پھیرا۔وہ اسی وقت اچھا ہو گیا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اگر نماز میں یہ پانچ درود پڑھا کریں تو اور بھی بہتر ہے۔کیونکہ یہ درود بہت درودوں سے

اچھا ہے۔اگرچہ تمام درودوں کا ثواب یکساں ہے۔مگر جداگانہ فضیلت ہر درود میں ہوا کرتی ہے اور وہ پانچ درود یہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللهم صلی علیه محمد بعد و من صلی علیه و صل علی محمد بعد و من یصل علیه و صل علی محمد کما تحب و ترضی ان یصلی علیه و صلی علی محمد ینبغی الصلواة علیه و صلی علی محمد کما امرتنا بالصلوٰة علیه۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا فقیر ابوالحسن زندوسیؒ نے ''کتاب روضہ'' میں (جو آپ کی ہی تصنیف ہے) اس درود کے بارے میں دو حکائتیں رقم فرمائی ہیں۔ایک تو یہ کہ جب امام شافعیؒ کا انتقال ہو گیا تو ایک بزرگ نے آپ کو خواب میں دیکھا۔آپ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ سے آپ کی کیسی بنی؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ان پانچوں درود کی برکت سے بخش دیا۔دوسرے یہ کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اور صحابہ کرام آپکے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔اتنے میں ایک شخص آیا اور اس نے سلام کیا۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم ابوبکر صدیقؓ سے اوپر بیٹھو۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ خیال فرمایا کہ یہ شاید جبریلؑ ہوں گے کیونکہ ابوبکرؓ سے اوپر جبریلؑ ہی بموجب محل وموقعہ بیٹھ سکتے ہیں۔رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیقؓ کی طرف منہ کیا اور یہ فرمایا کہ یہ شخص مجھ پر اسقدر درود بھیجتا ہے کہ تم میں سے ایک بھی اسقدر درود نہیں بھیجتا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے گزارش کی کہ یارسول اللہ! یہ شخص غالباً کچھ کھاتا پیتا بھی نہ ہوگا۔بلکہ یہ شب وروز درود ہی پڑھا کرتا ہوگا۔آپ نے فرمایا نہیں یہ کھاتا پیتا بھی ہے اور ایک بار مجھ پر درود بھیجتا ہے دن میں اور ایک بار رات میں یہ درود شریف پڑھتا ہے (یعنی جو اوپر لکھا گیا ہے)۔یہ بات آپ فرماہی رہے تھے کہ اتنے میں پانچ درویش آگئے۔آپ نے انکو فرمایا تشریف رکھو۔چنانچہ وہ بیٹھ گئے۔انہوں نے گزارش کی کہ ہم لوگ مسافر ہیں۔خانہ کعبہ کو جانیوالے ہیں لیکن خرچ ہمارے پاس نہیں ہے۔اگر خرچ مرحمت ہوجائے تو ہم فارغ البال ہو کر مکہ معظمہ کو چلے جائیں۔شیخ الاسلامؒ نے انکی یہ بات سنی۔ذرا متفکر ہو کر مراقبہ میں گئے۔آپ نے چند چھوہاروں کی گٹھلیاں جو آپ کے سامنے پڑی ہوئی تھیں' ان پر کچھ پڑھ کر انکے حوالے کیں۔وہ درویش حیرت میں آگئے۔چونکہ شیخ الاسلامؒ روشن ضمیر تھے انکی طرف اشارہ کیا کہ دیکھو۔جب انہوں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ گٹھلیاں نہیں سونا ہو گیا ہے۔

بدرالدین اسحاق کی زبانی معلوم ہوا کہ شیخ الاسلامؒ نے ان گٹھلیوں پر درود شریف مذکور پڑھی تھی اور اسکی برکت سے وہ گٹھلیاں سونے کی ہو گئی تھیں۔

پھر آپ کی مجلس میں آیۃ الکرسی کا ذکر ہونے لگا۔آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ جس روز آیۃ الکرسی نازل ہوئی تھی۔ستر ہزار فرشتے اس کے گرداگرد تھے۔حضرت جبریلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا لیجئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہزار اعزاز واکرام اسے لیا اور اسے اپنے سر پر اور اپنی آنکھوں پر رکھا۔اور حضرت جبریلؑ نے فرمایا کہ یارسول اللہ! حکم خداوند تعالیٰ یہ ہے کہ میرے بندوں میں سے جو کوئی آیۃ الکرسی پڑھے گا تو ہر حرف کے بدلے ہزار ہزار برس کا ثواب اس کے نام لکھا جائے گا اور ستر ہزار فرشتے جو کرسی کے گرد ہیں ثواب اس آیت

Marfat.com

کا اس کے نام تحریر کرتے ہیں اور اسکو مقربان الٰہی سے بناتے ہیں۔

بعد ازاں شیخ الاسلامؒ فرمانے لگے کہ ''فتاویٰ ظہیری'' میں لکھا ہوا ہے کہ جو شخص اپنے گھر سے آیۃ الکرسی پڑھ کر نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے ستر ہزار فرشتوں کو کہ اسکو واپس اپنے گھر میں آنے تک اسکے واسطے بخشش کی دعا مانگتے رہو۔ پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ میں نے شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے سنا ہے کہ جو شخص آیۃ الکرسی پڑھ کر اپنے گھر میں جائے گا' اللہ تعالیٰ اسکے گھر سے مفلسی کو دور کر دیگا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں نے کتاب ''جامع الحکایات'' میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ بغداد میں ایک درویش تھا۔ دس چور اس کے گھر میں آئے۔ وہ درویش آیۃ الکرسی پڑھ کر کہیں گیا ہوا تھا۔ آخر کار وہ چور سب کے سب اندھے ہو گئے۔ جب وہ درویش آیا تو اس نے یہ حال دیکھ کر چوروں سے دریافت کیا بھائی بتاؤ تم کون ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم چور ہیں۔ تمہارے مکان پر چوری کرنے آئے تھے۔ یہاں آ کر اندھے ہو گئے ہیں۔ پس اے درویش! تو ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کہ ہماری آنکھیں درست ہو جائیں۔ وہ درویش یہ بات سنکر ہنسے اور فرمانے لگے تم اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنکھیں کھولو۔ انہوں نے جو آنکھیں کھولیں تو سوانکھے ہو گئے۔ یا تو کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا یا سب کچھ دکھائی دینے لگا۔ پس انہوں نے توبہ کی اور سب مسلمان ہو گئے۔

پھر آپ نے ایک روز فرمایا کہ میں نے امام شعبی کے ''کفایہ'' میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ جو کوئی ہر روز عاشورہ کے مہینہ میں سو بار یہ کلمات پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اسکو دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔ اور وہ کلمات یہ ہیں۔ لا الـٰه الا اللّٰه وحده لاشریک له له الملک وله الحمد و یحی و یمیت و هوحی لایموت بیده الخیر وهو علی کل شئی قدیر. الهم لا مامانع لا اعطیت و لامعطی اما منعت و الارادا لما قضیت و کلا ینفع ذاللجد منک الجد۔

آپ کی مجلس میں ایک روز شمس دبیر' شیخ جمال الدین ہانسویؒ و شیخ بدرالدین غزنویؒ اور دیگر لوگ بھی موجود تھے۔ روزہ عاشورہ کی برکت کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ روزہ ہے جسکی فضلیت حدیث شریف میں آئی ہے۔ من صام یوم عاشوراء فکا نما صامه الدهر کله یعنی جس نے روز عاشورہ کا روزہ رکھا گویا اس نے سارا سال روزے رکھے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ عاشورہ کے دن ہرن جنگلی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی محبت کیوجہ سے اپنے ننھے منے بچوں کو دودھ نہیں دیتے۔ پس کیا وجہ ہے کہ آدمی اس روز روزہ نہ رکھیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ بغداد میں ایک بزرگ تھے ان کے سامنے حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہما کے شہید ہونے کا حال لوگ بیان کر رہے تھے۔ انہوں نے جذبہ اور محبت آل رسولؐ میں اپنا سر زمین پر دے مارا' جس سے خون کے فوارے چل پڑے۔ پھر وہ چکرا کر زمین پر گر پڑے۔ جب لوگوں نے انکو دیکھا تو دم ان کا نکل گیا تھا۔ ایک بزرگ نے اس ہی رات انکو خواب میں دیکھا کہ دونوں شاہزادگان مذکور کے پاس کھڑے ہیں۔ اس سے ان صاحب نے دریافت کیا فرمایئے آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کارروائی کی تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور یہ حکم مجھے دیا کہ تو حسنینؓ کے پاس رہا کر۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ تشریف رکھتے تھے کہ حضرت معاویہ اپنے بیٹے یزید پلید

Marfat.com

کو کندھے پر بٹھائے لئے جا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکو دیکھ کر ہنسے اور فرمانے لگے کہ سبحان اللہ عجب بات ہے۔ دوزخی بہشتی کے کندھے پر سوار ہو کر جا رہا ہے۔ جب یہ بات حضرت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سنی تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو معاویہ کا بیٹا ہے پھر دوزخی کیونکر ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ یزید و بد طالع لڑکا ہے کہ جو میرے حسنؑ اور حسینؑ اور میری تمام اولاد کو شہید کرے گا۔ حضرت علیؓ جوش میں آ کر ایستادہ ہوئے اور انہوں نے تلوار میان سے نکال لی اور کہا کہ میں اسے مارے ڈالتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ ایسا نہ کر۔ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔

حضرت علیؓ گریہ وزاری کرنے لگے اور یہ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت یہ حادثہ ہوگا آپ ہونگے۔ فرمایا ہم نہ ہونگے۔ کہا آپ کے دوستوں میں سے کوئی ہوگا۔ کہا ان میں سے بھی کوئی نہ ہوگا۔ کہا فاطمہؓ ہونگی۔ آپ نے فرمایا وہ بھی نہ ہونگی۔

پھر حضرت علیؓ نے گزارش کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے اسوقت میرے بچوں کی کون ماتم داری کرے گا۔ آپ نے فرمایا میری اُمت کرے گی۔

پھر حضرت علیؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں روتے رہے اور دونوں صاحب دونوں شاہزادوں سے بغلگیر ہوئے اور ایک نعرہ مارا کہ مجھ کو خبر نہیں کہ اس دشت میں تمہارا کیا حال ہوگا۔ بعد ازاں شیخ الاسلامؒ فرمانے لگے کہ جس روز حضرت امام حسینؓ شہادت پائیں گے۔ اس رات کو ایک بزرگ نے خواب میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ آپ کل انبیاء کی بیویوں کے ساتھ ہیں اور دامن مبارک کمر سے بندھا ہوا ہے اور دشت کربلا میں جہاں حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے ہیں' جھاڑو دے رہی ہیں اور اپنی آستین مبارک سے صاف کرتی جاتی ہیں۔ انہوں نے کہا اے خاتون قیامت! اے بنت شفیع روز محشر! یہ کونسی جگہ ہے' جسکو آستین سے آپ صاف فرما رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ مقام ہے کہ جہاں میرا بیٹا حسینؓ سر دے گا اور شہید ہوگا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ سے یہ بات دریافت کی کہ جب ہم میں سے کوئی بھی نہ ہوگا تو انکی تعزیت کون کرے گا۔ تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کے فرزندوں کی تعزیت آپکی اُمت کریگی اور وہ ایسی ماتم داری کریگی کہ اس کے اوصاف بیان نہیں ہو سکتے۔

جود و عطا کے بیان میں

شیخ بدر الدین غزنویؒ، شیخ جمال الدین ہانسویؒ، مولانا شرف الدینؒ قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے نواسے اور دیگر لوگ آپکی مجلس میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ جو شخص ہمارے پاس آئے خواہ غریب ہو یا تونگر اس کو محروم نہ جانے دیا کرو۔ جو کچھ موجود ہو اسکو دیدیا کرو۔ تاکہ وہ شخص بھی درویش صفت ہو۔ پھر شیخ الاسلامؒ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور یہ فرمانے لگے کہ جو مسکین یا تونگر میرے پاس آئے خواہ وہ میرے لئے کچھ لائے نہ لائے۔ لیکن مجھ کو لازم ہے کہ میں اسکو کچھ دوں۔ کیونکہ صحابہ کرام حضرت صلعم کیخلاف میں طلب علم اور احکام شرع حاصل کرنے کیلئے آتے تھے اور جب وہ وہاں سے واپس جاتے تھے تو اور لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور آپ بھی اس سے فائ

Marfat.com

حاصل کرتے تھے۔

اور پھر فرمانے لگے کہ تاج الاتقیا خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی یہ رسم تھی کہ جب کوئی ان کے پاس آتا اور آپ کے پاس کچھ نہ ہوتا تو آپ شیخ بدرالدین غزنوی سے (کہ خانقاہ کے خادم تھے) یہ ارشاد فرماتے کہ پانی پاس رکھو۔ پس جو کوئی آئے اسکو دوتا کہ کوئی ہماری بخشش وعطا سے خالی نہ جائے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ میں ایک بار بغداد کو جارہا تھا کہ میں نے ایک مقام پر شیخ اجل سنجریؒ کو دیکھا اور ان کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوا۔ میں نے انکو سلام کیا۔ انہوں نے محبت کی نگاہ سے مجھے دیکھا اور یہ کہا تو اچھے موقع پر آیا شکر ہے۔ میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ میرے ادب وآداب سے وہ بہت خوش ہوئے اور نہایت مہربانی سے پیش آئے۔ کئی روز تک میں انکی خدمت میں حاضر رہا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی شخص انکی خانقاہ سے محروم گیا ہو۔ اگر کئی روز آپ کے پاس کچھ نہ ہوتا تو آپ آنے والوں کو چھوہارے کی گٹھلیاں ہی دے دیتے۔ اور یہ فرماتے اللہ تعالیٰ تمہارے رزق میں برکت عطا کرے۔ میں نے اس مقام کے لوگوں سے یہ بات سنی تھی کہ آپ جسکو دعا دیتے تھے وہ تادم زیست کسی کا محتاج نہ ہوتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں جب وہاں سے رخصت ہوا تو میں نے بغداد کے باہر ایک درویش کو غار میں دیکھا۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے مجھے میرے سلام کا جواب دیا اور کہا بیٹھ جاؤ۔ میں حسب الحکم بیٹھ گیا۔ میں نے غور کے ساتھ جو اس بزرگ کو دیکھا تو ظاہر ہوا کہ وہ سوکھ کر کانٹا ہو گئے ہیں اور ہڈی سے چمڑی لگ گئی ہے۔ پھر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ بزرگ جنگل میں رہتے ہیں۔ کہاں سے کھاتے پیتے ہونگے۔ چنانچہ وہ روشن ضمیر تھے میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے اے فرید! میں چالیس برس سے اس غار میں رہتا ہوں۔ میری خوراک سوائے گھاس پات کے اور کچھ نہیں ہے۔ جب ان بزرگ نے جو بات مخفی میرے دل میں تھی اسے کھول دیا۔ میں نے زمین کو بوسہ دیا اور یہ کہا کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں بجا ہے۔ چند روز میں انکی خدمت میں حاضر رہا۔ پھر میں ان سے رخصت ہو کر بخارا میں آیا۔ وہاں میں نے شیخ سیف الدین باخرزی کو دیکھا وہ بھی بزرگ باعظمت وباہیبت تھے۔ جب میں نے آپکی زمین خدمت کو بوسہ دیا تو فرمانے لگے بیٹھ جا۔ میں بیٹھ گیا۔ وہ بزرگ مجھے بار بار دیکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ مشائخ زمانہ سے ہوگا۔ اور ایک عالم اس کا مرید ہوگا۔ پھر ان بزرگ نے ایک سیاہ کمبل (جو اوڑھے ہوئے تھے) میری طرف پھینکا کہ اسکو اوڑھ لے۔ میں نے اسے اوڑھ لیا۔ چند روز میں انکی خدمت بابرکت میں رہا۔ کوئی دن ایسا نہ ہوتا ہوگا کہ تخمیناً ہزار آدمی ان کے دسترخوان پر کھانا نہ کھاتے ہوں۔ اور جب کھانا ختم ہو جاتا تھا تب بھی اگر کوئی آجاتا تھا تو وہ بھی محروم نہ جاتا تھا۔ کچھ نہ کچھ اسکو بھی مل ہی جاتا تھا۔ پھر میں وہاں سے چلا آیا اور میں نے ایک رات ایک مسجد میں بسر کی۔ وہاں میں نے یہ سنا کہ اس مقام پر ایک عبادت خانہ ہے۔ اس میں ایک بزرگ تشریف رکھتے ہیں۔ میں یہ بات سنکر اس عبادت خانہ میں گیا۔ وہاں میں نے ایک بزرگ باہیبت کو دیکھا۔ ایسے ہیبت والے بزرگ ان سے پہلے میں نے اور کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ عالم تفکر میں کھڑے ہوئے ہوا کیطرف آنکھیں کئے ہوئے تھے۔ تین چار رات میں نے ان بزرگ کو اسی طرح کھڑا ہوا دیکھا۔ جب وہ ہوش میں آئے تو میں نے ان کو سلام کیا۔ ان بزرگ نے مجھے سلام کا جواب دیا اور یہ فرمانے لگے کہ تم کو میرے سبب سے تکلیف ہوئی۔ آؤ بیٹھو۔ میں ان کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ بزرگ مجھ سے فرمانے لگے کہ میں شمس العارفین کے پوتوں میں سے ہوں۔

Marfat.com

تیس برس سے اس عبادت خانہ میں اعتکاف کیئے ہوئے ہوں۔ لیکن اے فرید! اس تیس سال میں سوائے دہشت اور حسرت کے مجھے اور کچھ نصیب نہیں ہوا۔

وہ جانتا ہے یہ کیا بات ہے۔ میں نے گزارش کی حضور ہی فرمادیں۔ کہنے لگے کہ راہ راست یہی ہے کہ جس نے اس راستہ میں راستی کے ساتھ قدم مارا وہ رہا ہوا اور جس نے ذرہ بھر بھی بغیر رضائے دوست قدم سرکایا وہ جلایا گیا۔ پھر وہ بزرگ اور کچھ اپنا حال بیان کرنے لگے۔ اور پھر یہ کہا اے فرید! جس دن مجھے دربار میں بلایا گیا ستر حجاب تھے۔ مجھ کو حکم ہوا آ۔ جب میں پہلے حجاب میں گیا تو میں نے مقربان بارگاہ الٰہی کو دیکھا کہ صف باندھے کھڑے ہیں اور دونوں آنکھیں ہوا کی طرف کیئے ہوئے ہیں اور ان کا راز و نیاز سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ ہر ایک زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ الٰہی ہم تیرے دیدار کے مشتاق ہیں۔ ہر حجاب میں ایک دوسری صفت اور دوسری محبت ایک دوسرے سے مختلف دکھائی دیتی تھی۔ جب میں حجاب خاص پر پہنچا تو آواز آئی کہ اے فلانے اس حجاب میں وہ شخص آتا ہے جو ساری دنیا اور اپنے آپ سے بھی بیگانہ ہو۔ وہ اس حجاب میں آئے میں نے گزارش کی کہ میں سب سے بیگانہ ہوا۔ پھر آواز آئی کہ جب تو سب سے بیگانہ ہوا تو اب ہمارے ساتھ بیگانہ ہوا۔ میں نے آنکھیں اپنی آگے کر دیں۔ پھر میں نے اپنے آپ کو اس عبادت خانہ کی جگہ میں پایا۔ پس اے فرید! تو اس راہ میں سب سے بیگانہ ہو تا کہ اللہ سے بیگانہ ہو۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ جب شام ہوئی۔ میں نے انکے ساتھ نماز پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ دو کاسہ آش اور چار نان عالم غیب سے اس بزرگ کے سامنے آئے۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں انکی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ میں اور وہ کھانا کھانے میں مشغول ہو گئے۔ جو لذت مجھ اس کھانے میں حاصل ہوئی کبھی کسی کھانے میں حاصل نہ ہوئی تھی۔ رات میں نے وہیں بسر کی۔ صبح کو میں نے اس بزرگ کو نہ پایا۔ لاچار وہاں سے واپس پھرا اور ملتان پہنچا اور بھائی بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے ملاقی ہوا اور مصافحہ کیا۔ انہوں نے دریافت کیا کہو کہاں تک تم نے اپنے کام میں ترقی دکھائی ہے۔ میں نے کہا اگر میں یہ کہوں کہ جس کرسی پر آپ بیٹھے ہیں ہوا میں قائم ہو تو ہو جائے گی۔ ابھی یہ کلمہ پورے طور پر زبان مبارک سے نکلا نہ تھا کہ کرسی ہوا پر قائم ہو گئی۔ بہاء الدین زکریاؒ نے کرسی پر ہاتھ مارا۔ جب وہ زمین پر نیچے اتری انہوں نے فرمایا مولانا فرید! تم نے اپنا کام عمدہ کر لیا ہے۔ پھر میں وہاں سے چلا اور دہلی میں آ کر مسکن پذیر ہوا۔ میں نے یہاں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو دیکھا۔ میں نے جو خوبیاں اور کمال ان میں دیکھے کسی میں بھی نہ دیکھے تھے۔ آخر کار میں نے اپنے آپ کو ان کے حوالے کیا اور شرف بیعت سے مشرف ہوا۔ تین روز میں میرے پیر نے مجھے نعمت دیکر رخصت کیا اور یہ بھی اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ مولانا تم اپنا کام تمام کر چکے ہو جب میرے پاس آئے ہو۔

جب شیخ الاسلامؒ نے یہ گفتگو ختم کی ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔ چنانچہ ایک رات اور ایک دن برابر اسی حالت میں رہے۔ جب ہوش میں آئے تو اس دعا گو کیطرف دیکھا اور فرمایا کہ مردان خدا نے ایسا ہی کیا ہے۔ جب اپنے مقام پر پہنچے ہیں۔ گو یہ نعمت سب میں ملی ہوئی اور یہ فیض سب پر نازل ہے لیکن فی الواقع مردانگی اسی میں ہے کہ خود کوشش کی جائے تا کہ خود کسی مقام پر پہنچے۔

Marfat.com

بعد ازاں فرمایا اے برادر! اس راہ میں جب تک تو سفر نہ کریگا اور دل سے اس راہ میں نہ چلے گا اور صدق پر قدم نہ رکھے گا' حاشا و کلا مقام قرب تک کبھی نہ پہنچے گا۔ اسوقت آپ نے یہ بیت اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمائی۔

ابیات

نے راہ کہ رفتہ ازاں نہ نمودند
ورنے کہ زدایں در کہ بروکشودند
جاں دررہ دلہا است اگر میخواہی
تو نیز چناں بشو کہ ایشاں بودند

اس کے کہتے ہی آپ نے سجدہ میں سر رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور عالم تحیر مین مشغول ہو گئے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ خلق اور دعا گو چلے آئے۔

خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آپکی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ الاسلامؒ نے مجھے خلعت خاص سے مشرف فرمایا۔ اسوقت اکثر پیر بھائی حاضر تھے۔ آپ نے سب کے سامنے فرمایا میں نے ہندوستان کی ولایت مولانا نظام الدینؒ کو دی اور انکو صاحب سجادہ کیا۔ جبکہ آپ نے یہ اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا۔ بندہ آداب بجالایا۔ اور انکے سامنے سر جھکایا۔ آپ نے فرمایا اے جہانگیر عالم! سر اٹھا۔ میں نے سر اٹھایا۔ دستار مبارک جو شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی تھی۔ وہ میرے سر پر رکھی اور عصا بھی دیا اور خود اپنے ہاتھ سے مجھے خرقہ پہنایا۔ اور فرمایا جاؤ دوگانہ ادا کرو۔ جب میں نے قبلہ کی طرف منہ کیا تو میرا ہاتھ پکڑا اور منہ آسمان کیطرف کیا اور کہا جا میں نے تجھے اللہ کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ اس واسطے میں تم کو دیتا ہوں کہ تم آخری وقت میرے پاس نہ ہو گے اور یہ بھی فرمایا کہ میں بھی اپنے حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے انتقال کے وقت موجود نہ تھا۔ بلکہ ہانسی میں تھا۔

اس کے بعد آپ نے شیخ بدر الدین اسحاقؒ کو حکم دیا کہ سند لکھو۔ انہوں نے اسی وقت سند لکھی۔ پس وہ سند شیخ الاسلامؒ نے مجھے مرحمت فرمائی۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے مجھے بغل میں لیا اور فرمایا میں نے تمہیں اللہ تک پہنچا دیا۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ جاتے وقت ہانسی میں شیخ جمال الدین ہانسویؒ سے ملتے جانا۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ آج رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس ہے۔ ٹھہر جاؤ کل جانا۔

پھر آپ نے اسوقت فرمایا کہ امام شعبی اپنے ''کفایہ'' میں ارقام فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری ربیع الاول کو انتقال فرمایا تھا۔ دس روز آپ کو معجزہ کے لئے رکھا گیا کہ آپ کے جسم مبارک سے خوشبو چلی آ رہی تھی کہ وہ خوشبو دنیا کے تمام عطروں پر غلبہ کر گئی تھی۔ غرضکہ جیسی خوشبو آپکی حیات میں آتی تھی اسی طرح ویسی ہی ممات کے عالم میں بھی آتی رہی۔ اک ذرہ برابر بھی کم نہ ہوئی۔ چنانچہ اس روز کئی ہزار یہودی مسلمان ہوئے تھے۔ ان دس روز میں کھانا مساکین کو بہت دیا جاتا تھا۔ آپ کے نو حجرے تھے۔ پس ہر ایک حجرے سے کھانا دیا گیا۔ دسویں روز حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس اولوالعزمی کے ساتھ کھانا دیا کہ سارے مدینہ نے شکم سیر ہو کر کھانا

Marfat.com

کھایا۔ اسی وجہ سے مسلمان بارہ ربیع الاول کو حضرت صلعم کا عرس کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عرس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بارہویں تاریخ ہے مگر صحیح روائتوں میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال 2 ربیع الاول کو ہوا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری زیادہ ہوئی تو تین روز تک آپ مسجد میں نہ آسکے۔ تین دن کے بعد بلالؓ آپ کے دروازے پر آئے اور ندا کی ''الصلوٰۃ یا رسول اللہ''۔ آپ اٹھے اور فرمایا کہ بلالؓ سے کہتے کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ آئیں تاکہ میں مسجد میں جاؤں۔ پس چاروں یار یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ آئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں تشریف لائے۔ چاہتے تھے کہ امامت کریں۔ لیکن نہ کر سکے۔ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ کر آگے کیا۔ اس حال کے مشاہدہ سے اصحاب نے ایک نعرہ مارا۔ ایسا خوفناک یہ نعرہ تھا کہ قریب تھا کہ لوگوں کے پتے پانی ہو کر بہہ جائیں۔ غرضکہ بعد نماز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ شریف میں تشریف لے گئے۔ اور اصحابؓ پریشان و مضطر واپس چلے گئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک کالی کملی اوڑھ کر لیٹ گئے۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے دروازے پر دستک دی۔ اسکی دستک سے دیوار تک ہل گئی۔

حضرت فاطمہؓ دروازہ پر تشریف لائیں اور فرمایا کہ حضرت کی طبیعت درست نہیں ہے۔ پس یہ وقت ملاقات کا نہیں ہے۔ ہر چند آپ معذرت فرماتی تھیں۔ لیکن وہ ایک نہ سنتا تھا۔ اتنے میں یہ آواز رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کان تک پہنچی تو آپ نے حضرت فاطمہؓ کو بلالیا اور فرمایا کہ اے جان پدر! یہ اعرابی نہیں ہے بلکہ وہ ہے کہ اگر تو دروازہ بند کر دے تو دیوار سے چلا آئے گا۔ اور دیوار اگر کھڑی ہو تو سوراخ سے آجائے گا۔

یہ فرزندوں کا یتیم کرنے والا ہے اور عورتوں کا رانڈ کرنے والا ہے۔ اس نے تیرے باپ کی حرمت کا خیال رکھا ہے کہ وہ اجازت چاہتا ہے تو اسے آنے دے۔ وہ تعمیل حکم کے لئے آیا ہے۔ یہ سنتے ہی حجرہ سے نعرہ بلند ہوا۔ ملک الموت آئے اور آداب بجالائے۔ فرمایا بیٹھو وہ بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا کس طرح آئے ہو؟ کہا حضور کی زیارت کیلئے آیا ہوں۔ مجھ کو حکم تھا کہ جب تک نہ طلب کریں نہ جانا۔ اب آپ اگر حکم دیں اور تشریف لے چلیں تو میں جان قبض کروں۔ ورنہ حکم ہو واپس چلا جاؤں۔ آپ نے فرمایا اے ملک الموت ذرا ٹھہر کہ بھائی جبریلؑ آتے ہیں۔ اسی وقت جبریلؑ تشریف لے آئے۔

آپ نے فرمایا ''کیف حالک''۔ حضرت جبریلؑ کہنے لگے کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمام آسمانوں کے فرشتے طباق نور کے ہاتھوں میں لئے ہوئے منتظر کھڑے ہیں۔ اور بہشت اور آسمان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اور انبیا کی روحیں انتظار کر رہی ہیں۔ بہشتی حوریں آپ کے دیدار کی منتظر ہیں۔ رضوان بہت آراستہ ہے کہ آپ تشریف لائیں۔ آپ نے فرمایا میں یہ نہیں پوچھتا۔ یہ کہو میرے بعد میری امت کا کیا حال ہوگا۔ جبریلؑ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ کو حکم یہ بھی ہے کہ تو کہہ دیجو کہ آپ اپنی اُمت کو میرے سپرد کر دیجئے۔ کل کو قیامت کے دن جیسی آپکی زندگی میں تھی اسی طرح میں آپ کے سپرد کر دونگا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس میرا مطلب یہی تھا۔ پھر آپ نے ملک الموت سے کہا آؤ تم اپنا کام کرو۔ جونہی ملک الموت نے اپنا ہاتھ آپ کے پائے مبارک پر رکھا۔ آپ نے فرمایا میرا پاؤں پاش پاش ہوگیا۔ پھر

Marfat.com

ملک الموت نے ہاتھ دراز کر کے آپکی روح مبارک قبض کرنی شروع کردی۔ آپ کے پاس ایک پیالہ پانی کا دھرا ہوا تھا۔ آپ ہر بار اس میں اپنے ہاتھ کو تر کرتے اور اپنے سینہ مبارک پر ملتے اور یہ فرماتے۔ "اللھم ھون علینا سکرات الموت"۔ یعنی اے اللہ تعالیٰ! جان کنی کی سختی کو آسان کر۔ جس وقت آپکی روح مبارک حلق تک قبض ہوگئی آپ اپنے لبوں کو حرکت دیتے تھے اور فرماتے تھے اے اللہ تعالیٰ! محمدؐ کی جان دینے کی حرمت سے میری امت پر رحم کر۔ آخر وقت تک یہی کلام تھا۔

جب شیخ الاسلامؒ نے یہ حکایت ختم کی۔ سب حاضرین مجلس نے ایک نعرہ مارا اور پھر شیخ الاسلامؒ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو دعا گو کی طرف منہ کیا اور کہا کہ جسکے واسطے سارا جہاں پیدا ہوا اور یہ مخلوق اسکی دوستی کی وجہ سے ظاہر ہوئی۔ جب ان کو ہی اس جہاں سے اٹھا لیا تو میں اور تم کس گنتی اور کس شمار میں ہیں کہ زندگی کا دم ماریں۔ پس ہم کو بھی جانے والوں میں ہی شمار کرنا چاہیے۔ مگر زادراہ کی تدبیر مناسب ہے اور غفلت کو دوست نہیں بنانا چاہیے کہ قیامت کے روز شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

ایک جلسہ میں آپ نے فرمایا اے درویش! خواجہ ابوالحسن حرفانیؒ راستہ میں تشریف لئے جاتے تھے۔ حجامت آپ کی بہت دن سے نہیں ہوئی تھی۔ جس کے سبب سے آپکی لبیں بڑھی ہوئی تھیں۔ ایک حجام نے آپ کو دیکھ کر کہا آیئے میں سنت ادا کروں۔ آپ نے فرمایا میرے پاس دینے کو کچھ نہیں ہے۔ اس نے کہا بات کیا ہے۔ پھر دید یجئے گا۔ تو آپ راضی ہو گئے۔ اور اس نے آپکی لبیں لیں۔ جب وہ خط بنا چکا تو ایک درخت کے نیچے آپ ہو بیٹھے۔ آپ نے سر اونچا کر کے فقط یہ ہی فقرہ کہا تھا (الٰہی یکدام درخواست کنم) کہ اتنے میں خدا کے حکم سے درخت سے اشرفیاں جھڑنے لگیں اور اسقدر جھڑیں کہ تمام زمین دیناروں سے پٹ گئی۔ وہ بہت حیران ہوا۔ آپ نے پھر اس حجام سے کہا کہ جسقدر تجھ سے اٹھ سکے لیجا۔ پھر آپ وہاں سے تشریف لے گئے۔ یہ حکایت فرما کر شیخ الاسلامؒ آبدیدہ ہوئے اور فرمانے لگے کہ اے درویش! خدا کے مردوں نے ایسا ہی کیا ہے کہ جس عاجز غریب کے پاس پہنچے اسکو نہال کردیا اور آپ چلتے پھرتے نظر آئے۔

رمضان کے بیان میں

آپ کی مجلس میں ایک بار ماہ رمضان کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ ماہ رمضان کا مہینہ بڑا بزرگ اور برکت والا ہے۔ اسی مہینے میں شیطان لعین قید کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ مسلمان اس سے امن میں رہیں۔ شب و روز اس مہینے میں رحمت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ ہر آدمی کے لئے رحمت کے طباق فرشتے آسمان سے لیکر اترتے ہیں اور انکو حکم ہوتا ہے کہ جب میرے بندے روزہ افطار کریں تو یہ رحمت کے طباق ان کے سروں پر سے نثار کرو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ روزہ اللہ اور بندہ کے درمیان ایک بھید ہے۔ آدمی جو عبادت کرتا ہے اسکا ایک بدلا ہے۔ مگر روزہ کا ثواب سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الصوم لی وانا اجزی بہ۔ یعنی روزہ میرے واسطے ہے اور میں ہی اسکا بدلا دونگا۔

پھر آپ فرمانے لگے کہ اس مہینے کے تین قسم کے نام ہیں۔ اول کو عشرہ رحمت کہتے ہیں اور دوسرے کو عشرہ

مغفرت اور تیسرے کو عشرہ آزادی۔ پس اول عشرہ رحمت اور برکت ہے کہ آسمان سے بندہ پر اترتی ہے اور دوسرے عشرہ میں مغفرت کلی اور آمرزش اور بخشش ہے کہ کوئی ساعت اور لحظہ اور لمحہ ایسا نہیں گزرتا تا کہ لاکھوں کروڑوں مسلمان نہ بخشے جاتے ہیں اور تیسرے عشرہ میں سارے مسلمان دوزخ کی آگ سے آزاد کئے جاتے ہیں اور خلاصی پاتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے زبان مبارکؒ سے فرمایا کہ جو آدمی رمضان مبارک کے آنے سے خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے کبھی غمناک نہیں کرتا اور اسکی قسمت میں روزی برکت اور خیر کی عطا کرتا ہے۔ اور جو اس مہینے کے چلے جانے سے رنجیدہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں جہان کی خوشی اسے دیتا ہے اور وہ کبھی رنجیدہ نہیں ہوتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ماہ رمضان کے روزے رکھنے والے کو ہزار برس کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں تحریر ہوتا ہے۔ اور اسی قدر بدی سے اسکو پاک کیا جاتا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ شب قدر عشرہ آخری میں ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اکثر اٹھارہویں رات سے شروع ہو جاتی ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اس رات میں غافل نہ رہے کیونکہ اس رات میں غافل رہے گا تو اس رات کی سعادت سے محروم رہے گا۔

پھر اسی موقع پر آپ نے فرمایا کہ مرَدان معنی کے واسطے سارا سال شب قدر ہے اور انکی نعمت ان راتوں میں مرکب ہے۔ پس راحت کا مقام وہ ہے کہ انسان شب قدر کی دولت حاصل کرے۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ بزرگ اور خواجہ اس ماہ کی راتوں میں ہر شب تراویح میں قرآن شریف ختم کیا کرتے تھے۔

پھر آپ نے اسی محل پر فرمایا کہ شیخ عثمان ہارونیؒ ہر رات تراویح میں دو قرآن ختم فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ساٹھ قرآن اس ماہ میں پورے ہو جاتے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ایک بار جانب غرب یہ دعا گو مسافرت میں مصروف تھا اور اس وقت مہینہ رمضان کا تھا۔ میں امام حدادی کی مسجد میں اترا تھا۔ اس مسجد میں ایک بزرگ بڑے باعظمت تشریف رکھتے تھے کہ انکو محمدؒ باخرزیؒ لوگ کہا کرتے تھے اور وہ ہی اس مسجد کے امام تھے۔ وہ ہر رات تین قرآن مجید ختم فرمایا کرتے تھے اور چار پارے اور زائد ان پر پڑھا کرتے تھے۔ یہ دعا گو تمام مہینے اسی جگہ رہا اور ان کے پیچھے ہی یہ سعادت مجھے حاصل ہوئی۔ انہوں نے مجھے فرمایا کہ جب تک تو اس کام میں اسی طرح مجاہدہ نہ کرے گا۔ کبھی مقام مقصود پر نہ پہنچے گا۔ کیونکہ اہل صفہ فرماتے ہیں کہ اس راہ میں مجاہدہ بہت ہے۔ پھر آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہ العزیز نے ستر برس اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور ایک ایک دو دو سال اپنے نفس کو پانی نہیں دیا اور اپنے نفس کی کوئی آرزو پوری نہ ہونے دی۔ اسوقت انکو اللہ تعالیٰ کی باریابی نصیب ہوئی۔ جب آپ کو باریابی نصیب ہوئی۔ پھر بھی یہ ایک غیبی آواز آئی کہ ابھی دنیا کی آلائش برابر ہے تو جب تک اسے دور نہ کرے گا آگے نہ بڑھ سکے گا۔ انہوں نے عرض کی اے خداوند! میرے پاس تو دنیا کی آلائش کچھ بھی نہیں ہے۔ آواز آئی اپنے پاس دیکھ۔ آپ نے غور سے دیکھا تو ایک پوستین اور ایک کوزہ موجود تھا۔ اسکو آپ نے پھینک دیا۔ تب اس مقام پر پہنچے۔

جب شیخ الاسلامؒ اس مقام پر آئے تو آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ہائے ہائے کے نعرے مار کر رونے لگے۔

اور کہنے لگے کہ اللہ اللہ بایزیدؒ پوستین اور خالی کوزہ رکھنے کے سبب باریاب خداوندی نہ ہو سکے۔ یہ لوگ اتنے علایق دنیا کے ساتھ کیونکر باریابی اللہ تعالیٰ کی حاصل کر سکیں گے۔

پھر آپ نے حاضرین کیطرف منہ کر کے فرمایا کہ یہ ماہ مبارک رمضان ہے۔ تم میں سے کون کون نماز تراویح میں شامل ہوگا کہ میں کلام مجید ختم کروں۔ حاضرین نے عرض کی ہم سب حاضر ہیں اور تمہارے لئے یہ بڑی سعادت ہے جو ہر کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ شیخ الاسلامؒ تراویح میں ہر رات دو کلام مجید ختم فرمایا کرتے تھے اور اکثر ہر رکعت میں دس پارے کلام مجید کے پڑھا کرتے تھے۔ ایک پہر رات باقی رہتی کہ فارغ ہو جایا کرتے تھے۔ اس مہینے میں یہ دعا گو بھی برابر آپ کی خدمت میں حاضر رہا۔

توکل کے بیان میں

ایک مجلس میں شیخ الاسلامؒ نے فرمایا اے درویش! میں نے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ایک یہ بھی گناہ ہے کہ رزق کے لئے مغموم و غمگین ہو اور اسکو یہ فکر ہو کہ آج کھانے کے واسطے تو ہے کل کیا کھاؤنگا۔ آپ نے فرمایا اے درویش! اگر تو سو برس تک سارے جہاں میں آنکھیں رگڑتا ہوا پھرے گا۔ اس طرح کہ یہاں سے وہاں اور وہاں سے وہاں اور اس مقام سے اس مقام پر۔ جتنی روزی کہ تیری معین ہے۔ اس سے ذرہ بھر بھی نہ بڑھے گی۔ پھر فرمایا ایک شخص ترقی رزق کے لئے برسوں شہروں میں پھرا۔ لیکن اس کا کچھ نہ بنا۔ آخر وہ اپنے شہر میں آیا اور اس نے جو غور کے ساتھ اپنی حالت کو دیکھا تو پہلے سے اسے بدتر پایا۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا تمہارا کیا حال ہے تو اس نے کہا کیا کہوں کہ جس حالوں یہاں سے گیا تھا۔ اس ہی حالوں آ گیا ہے۔ جتنا قسمت میں لکھا تھا اسی قدر ملا۔ ذرہ بھر بھی زیادہ نہ ہوا۔ پھر شیخ الاسلامؒ آبدیدہ ہوئے اور یہ شعر پڑھا:

گر کشی صد ہزار آہو جست
نخوری بیش از انکہ روزی بست

جب آپ نے یہ بیت پڑھی تو آپ کے مریدوں میں سے ایک شخص حاضر تھا۔ اس نے گزارش کی کہ دو شعر مجھے یاد ہیں۔ اگر حکم ہو پڑھوں۔ شیخ الاسلامؒ نے اس کو پڑھنے کی اجازت دی۔ وہ دونوں شعر ہیں:

اشعار

بہ شغل جہاں رنج بردن چہ سود
کہ روزی بکوشش نیاید فزود
بدینال روزی چہ باید دوید
تو بنشیں کہ روزی خود آید پدید

پھر آپ فرمانے لگے اے درویش! اگر سو ہزار برس اس امر کی کوشش کی جائے کہ روزی بڑھے تو ہرگز وہ نہ بڑھے گی۔ پس انسان کو ہر حال میں صابر شاکر رہنا چاہیے۔ بعض نادان لوگوں کا یہ قول ہے کہ ہم اس شہر سے نکل کر

Marfat.com

دوسرے شہر میں جائیں گے تو رزق زیادہ پائیں گے۔ پس یہ خیال گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ اور صدق دل کے یہ امر برخلاف ہے۔ جو اس طرح کا فکر کرتا ہے۔ یہی اندیشہ اسے خراب کرتا ہے۔ اے درویش! یہاں اور وہاں سب جگہ ایک ہی خدا ہے۔ پس جو تیرے مقدر کا ہے وہ تجھ کو ضرور حاصل ہوگا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک شخص افلاس اور تنگی کی وجہ سے دوسرے شہر میں جانا چاہتا تھا کہ وہاں اپنا روزگار چمکے گا۔ ترقی ہوگی۔ اس مقام پر ایک بزرگ تشریف رکھتے تھے۔ وہ شخص ان کے ملنے کے لئے کہ رخصت ہوتا ہوں حاضر ہوا۔ اس بزرگ نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارا ارادہ باہر جانے کا کس لئے ہے۔ اس نے کہا کیا کروں اس جگہ تنگی سے بسر ہوتی ہے۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ اچھا جب تم یہاں سے روانہ ہو کر اس شہر میں پہنچو تو وہاں کے خدا سے ہمارا سلام کہنا۔ وہ شخص یہ بات سنکر بہت حیران ہوا اور یہ کہنے لگا حضرت کیا فرما رہے ہیں۔ کیا دو خدا ہیں۔ وہ بزرگ فرمانے لگے اے بیوقوف جب تو اس امر کو جانتا ہے کہ اس شہر اور اس شہر کا ایک ہی خدا ہے۔ تو پھر کیوں جاتا ہے۔

یہاں اور وہاں سب یکساں ہے۔ جتنا تیری تقدیر میں ہے۔ مل کر رہے گا۔ جا اور فراغ دلی کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مصروف ہو۔ پھر دیکھ عالم غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ پھر آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی۔ ایک درویش کو بارہ دن تک روزی ہاتھ نہ آئی۔ اس کے بال بچے بلوں بلوں کرنے لگے۔ فاقوں کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے عاجز آ کر اس درویش کا پلہ پکڑ لیا اور یہ کہا کہ اے خواجہ! یا تو تم باہر جا کر ہمارے واسطے کچھ لاؤ یا ہم کو اپنے ہاتھ سے مار دو کہ بھوک کے سبب سے نہایت بیتاب ہیں۔ اب ہم میں دم نہیں رہا ہے۔

خواجہ نے چپکے سے اپنے بچوں سے کہا کہ آج تو اور صبر کرو۔ کل کسی طرف مزدوری کے لئے جاؤں گا۔ اور تمہارے کھانے کے واسطے لاؤں گا۔

جب صبح ہوئی خواجہ نے تازہ وضو کیا اور باہر نکلے اور کسی ویرانہ میں پہنچ کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ اور عصر کے وقت اپنے گھر میں آئے۔

ان کے بچے ان کو آ لپٹے کہ لائیے کیا لائے ہو۔ خواجہ نے ان سے پیچھا چھڑانے کیلئے کہا میں جسکے ہاں مزدوری پر لگا ہوں اس نے یہ کہا ہے کہ تم کل پھر آنا۔ دونوں دن کی مزدوری اکٹھی لیجانا۔ غرضکہ دوسرا دن بھی اسطرح صاف گزر گیا۔ بال بچوں نے رونا دھونا شروع کر دیا اور کہا ہم تو بھوک کے مارے مرے جاتے ہیں اور تم ہمارا کچھ بندوبست نہیں کرتے۔ پھر ان بزرگ نے انکو بہلا پھسلا لیا اور آپ اس ویرانہ مقام میں جا کر نماز میں مشغول ہو گئے۔ جب عصر کا وقت قریب آیا تو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تم دس من آرد گندم اور شہید کے دو گھڑے اور دس ہزار سرخ دینار جنت سے لیجاؤ۔ اور اس شخص کے گھر دے آؤ اور یہ کہہ آؤ کہ دو دن سے تمہارا باپ جسکے گھر مزدوری کرنے جاتا ہے اس نے یہ دیا ہے۔ اور یہ بھی اس نے کہہ دیا ہے کہ اس سے کہہ دینا کہ اگر تو ہماری خدمات میں کمی نہ کرے گا تو ہم بھی تیرے دینے میں کوتاہی نہ کرینگے۔ جب وہ بزرگ اپنے گھر آیا تو دیکھتا کیا ہے کہ گھر میں تو ریل پیل ہو رہی ہے۔ کھانے پک رہے ہیں، دھواں نکل رہا ہے، چھوٹے چھوٹے بچوں نے جب اپنے باپ کو دیکھا دوڑے دوڑے آئے اور سب حال ان پر ظاہر کر دیا۔ خواجہ نے یہ حال سنکر ایک نعرہ مارا اور کہا اگر ہم اللہ کے کام میں مضبوط رہیں تو اللہ صد چند کرم اور مہربانی ہم پر کرے۔

Marfat.com

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! جو فراخ دلی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہے اسکو رزق کا فکر نہ کرنا چاہیے۔ خداوند تعالیٰ اس طرح اسے پہنچا دے گا۔ جس طرح اس بزرگ کو پہنچایا تھا جسکا ذکر ہم نے اوپر کیا۔

ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ میں سیوستان میں کئی شخصوں کے ساتھ ہم سفر تھا۔ اس شہر کے باہر ایک غار تھا۔ اس میں ایک درویش رہا کرتے تھے۔ وہ خوب عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ ایسے کہ میں نے عبادت الٰہی میں کسی درویش کو ایسا مشغول نہیں دیکھا۔ الغرض جب میں انکی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ تلاوت کلام مجید سے فارغ ہو کر میری طرف مخاطب ہوئے اور انہوں نے یہ حکایت بیان کرنی شروع کردی۔

اے عزیز! میں بہت سیاحی کے عالم میں رہا ہوں۔ مین ایک بار ایک بزرگ کی خدمت میں پہنچا۔ وہ بطرف جنگل ایک پہاڑی کی کھوہ میں رہتے تھے۔ اور وہ جنگل ایسا سنسان تھا کہ پرندہ بھی وہاں پر نہ مارتا تھا۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ جنگل کا موقع ہے۔ یہ درویش کہاں سے کھاتا پیتا ہوگا۔ چونکہ وہ درویش روشن ضمیر تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا اور کہا اے درویش! کس لئے تو نے تعجب کیا۔ کیا تو خدا کو رازق نہیں جانتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کلام اللہ میں فرماتا ہے۔ ان اللّٰہ ھو الرزاق ذوالقوت المتین۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے میرے بندو! خواہ آبادی میں ہو یا ویرانہ میں جہاں تم رہو گے جو تمہاری قسمت کا ہے وہ تم کو برابر ملے گا اور انہوں نے مجھے کہا بیٹھ اور اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھ۔ جب یہ بات اس بزرگ نے فرمائی خوف کے سبب میرا بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ اس نے مجھے یہ حکم دیا کہ یہ پتھر جو میرے سامنے رکھا ہوا ہے۔ اسکو اٹھا کر توڑ ڈال۔ چنانچہ بموجب ارشاد میں نے اس پتھر کو توڑ ڈالا۔ جب وہ ٹوٹا تو اس میں سے ایک کیڑا نکل پڑا۔ ان بزرگ نے مجھ سے کہا کہ اس کیڑے کی طرف دیکھ۔ میں نے جو اس کیڑے کو دیکھا تو وہ سبز پتا منہ میں لئے ہوئے تھا اور اس پتے کو وہ کھا رہا تھا۔

پھر اس بزرگ نے فرمایا اے درویش! جس نے گھر کیڑے کا پتھر میں بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے وہاں ہی روزی دیتا ہے۔ پس جو میری تقدیر میں لکھ دیا ہے کیا وہ مجھے نہیں دے سکتا۔ میں رات دن بزرگ کے ہی پاس رہا۔ جب افطار کا وقت آیا تو میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دو روٹیاں اور اس پر حلوا رکھ کر لایا اور آداب بجا کر اس نے وہ دونوں روٹیاں ان بزرگ کے سامنے رکھ دیں اور پھر چلا گیا۔ جب وہ بزرگ تلاوت کلام مجید سے فارغ ہوئے۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ افطار کر تجھ کو تو یہی فکر تھا کہ وہ درویش کھاتا کہاں سے ہوگا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے ان بزرگ کے پاؤں پر سر رکھا اور رخصت ہوا۔

پس اے درویش! جو بات ان بزرگ نے تجھ سے کہی۔ میں نے اچھی طرح اسے سنا۔ اب میں اس مقام پر آ گیا ہوں۔ آج مجھے یہاں تیس برس ہونے کو آئے کہ میں یہاں رہتا ہوں اور غیب سے مجھے رزق ملتا ہے اور جو کوئی یہاں آ جاتا ہے وہ بھی اپنا حصہ لیجاتا ہے۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ جب شام ہوئی تو میں نے اور اس بزرگ نے مل کر نماز پڑھی۔ تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص سر پر خوان دھرے نمودار ہوا اور اس نے وہ خوان اس درویش کے سامنے رکھا۔ میں نے اور اس درویش نے مل کر کھانا کھایا۔ لیکن اس خوان میں سے کھانا ذرا سا بھی کم نہ ہوا۔ جب ہم دونوں شکم سیر ہو گئے تو ان بزرگ

Marfat.com

نے زمین پر لات ماری جس سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ اس میں سے ہم دونوں نے خوب پانی پیا۔ پھر وہ خوانچہ آگے سے غائب ہو گیا۔ جب دن ہوا تو میں نے ان بزرگ سے مصافحہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے میرے ہاتھ سے ہاتھ ملایا تو مجھے معلوم ہوا کہ انکا ہاتھ کٹا ہوا ہے۔ مجھے یہ حال معلوم کر کے بہت تعجب ہوا۔ اور دل میں خیال آیا کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ جونہی یہ دل میں وسوسہ گزرا۔ اس درویش نے کہا کہ اے عزیز! میں تجدید وضع کیلئے ایک روز غار سے باہر نکلا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس غار کے باہر کچھ اشرفیاں بکھری پڑی ہیں۔ دل میں خیال آیا کہ انکو اٹھا لیا جائے۔ کیونکہ یہ بھی ایک رزق ہے۔ جو غیب سے ہاتھ آیا۔ میں چاہتا تھا کہ ان اشرفیوں کو اٹھاؤں کہ اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ اے مدعی! کیا یہی توکل اور یہی عہد تھا جو تو نے ہم سے کیا تھا۔ اشرفیوں کو دیکھ کر دست درازی شروع کر دی اور ہمارا خیال تجھے نہ آیا۔ میں نے جونہی یہ آواز سنی فوراً چھری لے کر یہ ہاتھ کاٹ دیا جسکو تم دیکھ رہے ہو اور اس کو میں نے باہر پھینک دیا۔ اے درویش! جو ہاتھ کہ اللہ کی مرضی کے خلاف کام کرے اسکا کٹا رہنا ہی عمدہ ہے۔ اے درویش! بیس برس ہونے کو آئے۔ میں نے شرمندگی کے مارے آج تک منہ آسمان کی طرف نہیں کیا اور یہی مجھے پشیمانی ہے کہ میں نے کیا کیا' جو ایسا خیال دل میں لایا۔

اس کے بعد شیخ الاسلامؒ نے فرمایا اے درویش! مرد وہی ہیں جو کہ ذرہ بھر بھی اللہ کے حکم سے باہر نہیں جاتے اور رزق کے واسطے کبھی بھی اپنے دل کو پریشان نہیں کرتے۔

پھر آپ نے یہ حکایت فرمائی کہ ایک دفعہ چند نیک لوگ زیارت کی نیت سے توکل کے طور پر خانہ کعبہ جانے کیلئے چل کھڑے ہوئے اور آپس میں عہد کر لیا کہ ہم اپنا بھید کسی سے بھی نہ کہیں گے اور نہ ہم کسی سے کچھ طلب کریں گے۔ غرض کہ چلا چل چلا چل وہ ایسی جگہ پہنچ گئے کہ جہاں کوئی نہ آدم تھا اور نہ آدم زاد اور نہ وہاں آدمیوں کا گزر تھا۔ چلتے چلتے ان کو ایک چشمہ ملا۔ اس پر انہوں نے پہنچ کر وضو کیا اور پھر دوگانہ نماز کا ادا کیا۔ پھر وہ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام جو کی روٹیاں ہاتھ میں لئے ہوئے آرہے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ تشریف لے آئے ہم سب کے سب انکی طرف متوجہ ہوئے اور آپس میں خوش ہونے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے دو نعمتیں عنایت فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ دوسرے ہم گرسنہ تھے ہم کو کھانا مل گیا۔

جونہی کلمہ انکی زبان سے نکلا آواز آئی اے بدعہدو! یہی تمہارا عہد تھا جو ہمارے ساتھ تم نے کیا۔ اتنے میں ایک تلوار ہوا میں سے نمودار ہوئی۔ جس نے ان سب کے سرتن سے جدا کر دیئے۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ جو درویش عہد کو توڑے اور توکل پر نہ رہے اسکی سزا یہی ہے جو ان لوگوں کو ملی۔

پھر شیخ الاسلامؒ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا حمید الدین ناگوریؒ کی زبانی جو شعر ہم نے سنا تھا وہ بہت بے نظیر ہے اور وہ یہ ہے:

ہر کہ بادوست عہد کرد شکست
عاقبت کشتہ شد چو بدعہداں

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ رزق میں توکل ایک مضمون ہے کیونکہ یہ تو ہر شخص جانتا ہے جو کچھ مقدر میں ہے وہ

Marfat.com

ضرور پہنچے گا مگر اور رزقوں میں توکل نہیں ہے۔ کیونکہ جو رزق ملوک ہے اس میں خود توکل نہیں ہے کیونکہ جو رزق ملوک ہے اس میں خود توکل نہیں اور جو موعودہ رزق ہے اس میں بھی توکل نہیں ہے کہ وعدہ ہے آخر پہنچے گا ہی۔ اب توکل رزق کی بابت یہ ہے کہ تم یہ بات اچھی طرح جان لو کہ جو کچھ روزینہ مقدر کا ہے وہ ضرور پہنچے گا۔ اگر اس میں کوئی توکل کرے تو جواز میں سے ہے۔ اے درویش! توکل پہلے لوگوں کو نصیب ہوا ہے کہ ہر ایک نے دس دس بیس بیس برس توکل میں گزارے اور تمام دنیا سے الگ رہ کر اپنی زندگی بسر کر گئے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! خواجہ ابراہیم ادہمؒ پچاس برس بحالت گوشہ نشینی متوکل رہے ہیں۔ ان پچاس برسوں میں نہ آپ نے کسی سے توقع رکھی اور نہ کسی کو اپنے حال سے آگاہ کیا۔ اگر کوئی شخص آپ کے پاس لاتا تو اسکو واپس کر دیا کرتے۔

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! خواجہ قطب الدینؒ بیس برس تک شیخ معین الدین چشتیؒ کی خدمت میں حاضر رہے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے اپنے حال سے کسی کو آگاہ کیا۔ البتہ جب آپ کے باورچی خانہ میں کچھ نہ ہوتا تو آپ خادم بنکر ایستادہ ہو جاتے اور حضرت خواجہ معین الدینؒ مصلیٰ اٹھا دیا کرتے اور خادم سے فرمایا کرتے کہ جتنا آج اور کل کیلئے کافی ہو لے لے۔ خادم آتا اور مصلیٰ اٹھا کر لے لیتا اور اسی طرح درویشوں کا وظیفہ قائم رہتا۔ (یعنی جو انکو ملتا تھا وہ برابر ملتا رہتا) اور جو کوئی مسافر غریب آپ کے پاس آ جاتا' اس کو بھی پیشکش کیا جاتا اور جب وہ چلتا تو مصلیٰ کے نیچے ہاتھ ڈالتے۔ جو اسکی قسمت کا ہاتھ میں آ جاتا اسکو مرحمت فرماتے۔ پھر آپ نے فرمایا اے درویش جو اللہ کی محبت میں دم دوستی کا اور اپنے آپ کو وہ درویش کہلوائے اور توکل کرے اور پھر برخلاف اسکے لوگوں سے توقع رکھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ راہ سلوک میں درویش نہیں ہے۔ اسکے بعد خواجہ صاحب نے یہ اشعار زبان مبارک سے فرمائے:

اشعار

ہر کہ دعوائے کند بدرویشی
حظ بیزاری از جہاں ندہد
بالحقیقت بداں کہ مرتد ہست
رفت بدنام کس نشاں ندہد

آپ کی مجلس میں درویشی کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ درویش وہ ہے کہ جو فتوح اسکے پاس آئے جو رات اور دن میں آئے' ایک حبہ اپنے پاس نہ رکھے۔ سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرے۔ یہ درویشی نہیں ہے کہ لنگوٹا باندھ لیا یا چرڑہ پہن لیا یا دو دو لقموں کے لئے مارا مارا پھرا۔ اے درویش! درویشی وہ ہے کہ الگ سجادہ سے نہ ہو اور کپڑا اچھا پہنے اور جو میسر ہو کھا لیا کرے۔ اچھی طرح پکوائے اور فقیروں کو کھانا کھلائے کہ انکو اچھا کھانا ہاتھ نہیں آتا اور اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھے' جو آئے خرچ کرے۔

اے درویش! ایک بار خواجہ بایزید بسطامیؒ سے دریافت کیا گیا کہ درویشی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا درویشی یہ ہے کہ جو کچھ اٹھارہ ہزار عالم زر وسیم وغیرہ موجود ہے جب اسکو دیا جائے' وہ سب کا سب اپنے دوست کی راہ میں صرف کر

Marfat.com

دے۔

دعا کے بیان میں

آپ کی مجلس میں ایک بار ذکر دعا کا ہونے لگا۔ آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ میں نے ''فتاویٰ کبریٰ'' میں یہ بات دیکھی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیس شی اکبر عند اللّٰہ من الدعاء۔ یعنی دعا سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے۔ بعد ازاں آپ نے ارشاد فرمایا کہ شیخ معین الدین چشتیؒ نے خواجہ عثمان ہارونیؒ سے سنا ہے کہ کتاب ''قوت القلوب'' میں لکھا ہے۔ ''ان اللہ یحب المسلمین'' یعنی خداوند تعالیٰ ان لوگوں کو بہت دوست رکھتا ہے جو اسکی درگاہ میں بہت دعا کرتے رہے ہیں۔

پھر آپ فرمانے لگے کہ ایک بار ملتان میں میں اور بھائی بہاء الدین زکریاؒ ایک ہی جگہ پر قیام پذیر تھے۔ اس جگہ ایک بزرگ صاحب نعمت بھی تشریف رکھتے تھے۔ اس مجلس میں دعا کا ذکر ہونے لگا۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ جو شخص چار چیزوں سے ہاتھ اٹھالیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی چار چیزوں سے ہاتھ اٹھالیتا ہے۔

(1) جو شخص زکوٰۃ سے ہاتھ اٹھائے گا۔ اس کے مال سے اللہ تعالیٰ ہاتھ اٹھائے گا۔

(2) جو صدق اور قربانی سے ہاتھ اٹھائے گا خداوند تعالیٰ اسکی عاقبت سے ہاتھ اٹھائے گا۔

(3) جو شخص نماز سے ہاتھ اٹھائے گا یعنی نماز نہیں پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ بوقت موت اسکے ایمان سے ہاتھ اٹھائے گا۔

(4) اور جو دعا سے ہاتھ اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ اجابت دعا سے اپنا ہاتھ اٹھائے گا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک بار بغداد میں ایک شخص کو شیر کے آگے ڈالا گیا۔ اس لئے کہ وہ اسکو کھا جائے۔ سات رات اور سات دن وہ شخص اسکے سامنے رہا۔ لیکن شیر نے اسکو نہ کھایا۔ غرضکہ وہ شخص شیر کے سامنے زندہ وسلامت چلا آیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس یہ اسم اعظم اللہ تعالیٰ کا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یا دائیم بلاء فناء یا قائم بلا زوال دیا امیر بلا وزیر۔'' یہ فرما کر شیخ الاسلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے کہ تیرا دشمن تو یہی نفس امارہ ہے اور ابلیس لعین۔ آپ کی مجلس میں کچھ ذکر دعا کا ہونے لگا آپ نے فرمایا کہ میں نے امام شیبانیؒ کی کتاب میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جسکو کوئی رنج یا غم پیش آئے تو صبح کی نماز پڑھ کر یہ پڑھا کرے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم تو اسکو بھی فائدہ ہوا۔

پھر آپ نے فرمایا میں شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت فیض درجت میں حاضر تھا کہ آپ نے دعا کے بارہ میں فرمایا کہ جسکو معاش کی تنگی ہو وہ یہ دعا پڑھا کرے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''یا دایم العزو الملک و البقاء یا ذوالمجد و العطایا یا ودود ذو العرش المجید فعال لما

Marfat.com

یرید"۔

بعدازاں آپ نے اسی موقعہ پر فرمایا کہ جوکوئی عاجزی کے وقت یہ اسم ہزار دفعہ پڑھے گا۔ اسکی مہم انجام کو پہنچے گی اور وہ کلمہ یہ ہیں:

اقویٰ معین واحدی دلیل بحق ایاک نعبدُو ایاک نستعین۔

پھر آپ فرمانے لگے کہ "تفسیر زاہدی" میں مرقوم ہے کہ جوکوئی شخص چاہے کہ میرے اعمال مقبول ہوں تو وہ یہ دعا پڑھا کرے۔ تقبل منا انک انت السمیع العلیم اور جو یہ چاہے کہ دنیا اور آخرت کی تنگی سے نجات حاصل کرے اور دوزخ سے نجات تو وہ یہ دعا پڑھا کرے ربنا اتنا فی الدنیا حسنةً و فی الاخرة حسنةً وقنا عذاب النار اور اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں ہر حالت میں صبر کرسکوں اور ہر ایک کام میں ثابت قدم رہوں اور دشمنوں پر فتح یابی حاصل کروں اور وہ یہ آیت پڑھا کرے۔ ربنا افرغ علینا صبراً و ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکافرین۔

اور اگر کوئی شخص چاہے کہ میرا دل ایمان اور امان کے ساتھ مطمئن ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت جاری رہے تو وہ یہ آیت پڑھا کرے۔ ربنا لتزغ قلوبنا بعد از ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمةً انک انت الوھاب۔

پھر آپ فرمانے لگے کہ ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اور صحابہ کرام آپ کے گرد بیٹھے تھے اور آپ پہلے پیغمبروں کا حال فرما رہے تھے کہ ایک صحابی کھڑے ہوئے اور آداب بجالائے اور عرض کی یارسول اللہؐ! میرا دل ایمان سے کیونکر مطمئن ہو کہ میں ایماندار ہوں اور ایمان سے ہی دنیا سے چلا جاؤں گا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فکر میں گئے کہ اتنے میں جبریلؑ تشریف لائے اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں یہ آیت لایا ہوں۔ "ربنا لاتزغ قلوبنا" پس جوکوئی اس آیت کو ہمیشہ بلاناغہ پڑھے گا۔ اسکا دل ایمان سے اطمینان حاصل کرے گا اور اُمید ہے کہ وہ اس دنیا سے ایمان کے ساتھ جائے گا۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ یہ آیت اسوقت نازل ہوئی جبکہ صحابہ کرام نے گزارش کی تھی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جوکوئی یہ چاہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے دوستوں کے ساتھ شامل ہو جاؤں تو اسکو چاہیے کہ یہ آیت پڑھا کرے۔ ربنا انک جامع الناس لیوم لاریب فیه ان اللّٰه لایخلف المیعاد۔ پھر فرمایا کہ جو اس آیت کو بلاناغہ پڑھتا رہے گا وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے مل جائے گا۔ پس آدمیوں کو چاہیے کہ وہ اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کو مہم پیش آئے یا غلام بھاگ جائے یا اسکی خواہش ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے نیک فرزند عطا کرے تو وہ یہ آیت پڑھا کرے۔ رب ھب لی من لدنک ذریةً طیبةً انک سمیع الدعا۔

بعدازاں آپ نے فرمایا کہ مہتر زکریاؑ مناجات میں بھی دعا پڑھا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی تھی اور یحییٰ جیسا بیٹا مرحمت فرمایا۔

چنانچہ مہتر یحییٰؑ کا جوانی میں یہ حال تھا کہ خداوند کریم کے خوف سے رویا کرتے تھے اور روتے روتے آپ کے چہرے کا گوشت پوست سب گل گیا تھا۔ آپ کے ماں باپ رونے لگے اور یہ کہنے لگے اے بیٹا! ابھی تو تو لڑکا ہے۔ تجھ کو ڈر کیا ہے؟ اس نے کہا اے میری والدہ! جب آپ آگ جلایا کرتی ہیں تو چھوٹی چھوٹی چھپٹیاں آپ چولہے میں رکھا کرتی

Marfat.com

ہیں۔ پس میں خوف کھاتا ہوں کہ کہیں قیامت کے روز اول چھوٹوں کو ہی دوزخ میں نہ ڈالا جائے اور بڑوں کو ان کے بعد ڈالا جائے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ میں ایک بار سیوستان کی طرف سفر کر رہا تھا۔ جب میں سیوستان میں پہنچا تو میں وہاں کے بزرگوں اور ولیوں سے ملاقی ہوا۔ ایک روز میں شیخ محمد سیوستانیؒ کے حضور میں حاضر تھا (کہ وہ بہت بڑے بزرگان دین سے تھے) آپکی مجلس میں اسوقت سلوک کا ذکر ہو رہا تھا اور درویش لوگ کچھ بحث کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آداب بجا کر بیٹھ گیا۔ خواجہ سیستانیؒ کہ دل روشن رکھتے تھے۔ انہوں نے اسکی طرف دیکھا اور فرمایا کہ کچھ حاجت لایا ہے۔ پھر آداب بجالایا اور عرض کی فی الواقع میں حاجت مند ہوں۔ آپ فرمانے لگے کہ اس آیت کو بلاناغہ پڑھا کر۔ اللہ تعالیٰ تجھے اچھا فرزند عطا کرے گا۔

دعا

رب هب لی من لدنک ذریۃً طیبۃً انک سمیع الدعا۔

چنانچہ وہ شخص بموجب حکم شیخ ممدوح کے روز یہ دعا پڑھا کرتا۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے اسے نیک فرزند عطا فرمایا اور میں نے لوگوں سے معلوم کیا کہ وہ لڑکا صاحب سجادہ ہوا اور کئی بار اس نے حج ننگے پاؤں کیا اور جب شیخ الاسلامؒ نے مکاشفہ کیا تو ظاہر ہوا کہ وہ اسی نیت پر موا تھا۔

پھر آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا۔ میں نے ''کشاف'' میں دیکھا ہے کہ جب کوئی شخص چاہے کہ نیک لوگوں کے مرتبے مجھ کو بھی حاصل ہوں اور قیامت کے روز امن کے ساتھ ہوں۔ تو وہ یہ آیت پڑھا کرے۔ ''ربنا اتنا ما وعدتنا علی رسلک ولاتحزنا یوم القیامۃ انک لاتخلف المیعاد۔''

پھر آپ نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک شخص بخارا میں رہتا تھا اور وہ فسق و فجور میں مشہور عالم تھا۔ جب اس نے انتقال کیا تو اس کو خواب میں ایک شخص نے دیکھا کہ وہ خدا کے دوستوں کے ساتھ کھڑا ہے۔ اسکو سخت تعجب اور حیرت ہوئی۔ اس سے اس شخص نے دریافت کیا کہ یہ دولت تجھ کو کہاں سے حاصل ہوئی تو اس نے کہا میں نے ''کشاف'' میں یہ لکھا ہوا دیکھا تھا کہ جو شخص یہ آیت پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے نیک لوگوں میں اٹھائے گا۔ پس وہ آیت یہ ہے ربنا اتنا ما وعد تنا علی رسلک ۔ چونکہ میں اس آیت کو سچے دل سے پڑھا کرتا تھا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے جو تھوڑی چیز قبول کرتا ہے اور بڑی چیز بخش دیتا ہے' میری یہ طاعت قبول کی اور اس آیت کی بدولت مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو حکم ہے کہ میں ان لوگوں میں رہا کروں۔

پھر شیخ الاسلام فرمانے لگے کہ اگر کوئی یہ چاہے کہ میں ظالموں کی صحبت سے الگ ہو جاؤں تو وہ اس آیت کو پڑھا کرے۔ ربنا اخرجنا من القریۃ الظالم اهلها و اجعل لنا من لدنک و لینا و اجعل لنا من لدنک ولیا و اجعل لنا من لد نک نصیرا۔

جو شخص اس آیت کو پڑھے گا وہ اس کے دوستوں کی نعمت تک اسے پہنچا دے گا۔ اور اس پر فتح اور نصرت کا دروازہ کھول دے گا اور وہ مظفر اور منصور رہے گا۔

Marfat.com

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک بار امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ جنگ غول بیاباں میں عاجز ہو گئے اور بہت تنگ آ کر ایک عریضہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ میں نے بہت سے حیلے کئے اور جو کچھ جنگ کے قواعد تھے عمل میں لایا لیکن یہ قوم زیر نہیں ہوتی۔

جب یہ عریضہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ بہت پریشان ہوئے۔ اسوقت حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور یہ آیت ساتھ لائے۔ ربنا اخر جنا من هذه القرية الظالم اهلها۔ پس یہ آیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے پاس بھیجی کہ چند روز اسکو بلا ناغہ پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ چند ہی دن میں وہ غول بیابانی عاجز آئے اور ان پر حضرت علیؓ نے فتح حاصل کی اور اس غول کو آپ زندہ گرفتار کر کے مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ پس یہ فتح انکو اس آیت کی برکت کیوجہ سے نصیب ہوئی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مولانا برہان الدین صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب کوئی چاہے کہ اللہ تعالیٰ کی برکت اور رحمت مجھ پر نازل ہو۔ اور روزی میں فراخی حاصل ہو اور کسی کا محتاج نہ رہے تو یہ آیت پڑھا کرے۔ ربنا انزل علينا مايدةً من السماء تكون لنا عبيداً لدولنا آخر نادية منك وارزقنا وانت خير الرازقين۔

پھر آپ نے فرمایا یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کے واسطے تھی۔ تمام نے گمراہی کی راہ سے کفران نعمت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سور اور کتا بنا دیا۔ پھر آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ جو آدمی چاہے کہ میں دنیا اور آخرت میں ظالموں کے ساتھ ملوں تو اس آیت کو زیادہ پڑھا کرے۔ ربنا لاتجعلنا فتنةً للقوم الظالمين۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو کوئی آدمی خیر اور سلامتی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنا چاہے وہ یہ آیت پڑھا کرے۔ ربنا افرغ علينا صبراً و ثبت اقدامنا وانصر نا على القوم الكافرين۔

اگر کوئی شخص کسی ظالم کے پنجہ میں گرفتار ہو تو یہ آیت پڑھا کرے۔ ربنا لانجعلنا فتنةً للقوم الظالمين و نجينا برحمتك من القوم الكافرين اور جو شخص یہ چاہے کہ میں مسلمان مردوں اور نیکوں کے ساتھ جا شامل ہوں تو وہ یہ آیت پڑھا کرے۔ فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرة توفنی مسلما و الحقنی بالصالحين۔

پھر شیخ الاسلامؒ اپنی زبان مبارک سے فرمانے لگے کہ جب حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم السلام آپس میں ملے تو حضرت یوسفؑ سجدہ میں گئے اور انہوں نے یہ پڑھا۔ فاطمر السموات والارض انت ولی فی الدنيا والآخرة توفنی مسلماوا الحقنی بالصالحین۔ اور زار زار روتے تھے اور کہتے تھے کہ اے اللہ! تو نے مجھ کو بادشاہت دی ہے۔ پس یہ ہی تیری مرضی تھی جو عیاں ہو گئی۔ قیامت کے روز مجھے بادشاہوں میں نہ اٹھائیو۔ مجھ بیچارے ضعیف و مسکین میں اتنی قوت کہاں کہ تو میرا حشر بادشاہوں میں کرے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ میں دیو اور پری اور ظالموں کے شر سے امن حاصل کروں اور بت پرستی میں آلودہ نہ ہوں تو یہ آیت پڑھا کرے۔ رب اجعل هذه اليلاء آمنا و اجنبی و نبی ان نعبد و الاصنام۔

بعد ازاں شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ اس آیت کا نزول اس طرح ہوا تھا کہ ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

تشریف رکھتے تھے اور صحابہ کرام آپ کے گرد بیٹھے ہوئے آپکی نصیحتیں سن رہے تھے کہ اتنے میں ایک اعرابی آیا اور آداب بجالایا اور اس نے گزارش کی اے رسول اللہ! مجھ کو ایسی بات سکھائیے کہ جس سے مجھے اور میری اولاد کو بت پرستوں سے امن حاصل ہو۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فکر فرمانے لگے کہ میں اسکو کیا بتاؤں کہ اسوقت جبریلؑ آئے اور یہ آیت ساتھ لائے۔ اور فرمانے لگے یہ آیت اس اعرابی کو سکھائیے اور اسے یہ ہدایت کیجئے کہ یہ روز پڑھا کرے۔ اللہ تعالیٰ بت پرستوں اور ان کے شر و فساد سے اسے محفوظ رکھے گا۔ اور پھر فرمانے لگے کہ اگر کوئی شخص چاہے کہ مجھ پر کافر مسلط نہ ہوں تو اس دعا کو پڑھا کرے: ربنا لاتجعلنا فتنه الذین کفر و واغفرلنا ربنا انک انت العزیز الحکیم۔

اور جو شخص یہ چاہے کہ اسکے دل میں نور ایمان کامل ہو جائے تو اس آیت کا ورد کیا کرے: ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علی کل شیء قدیر۔

جب شیخ الاسلامؒ یہ تمام فوائد بیان فرما چکے تو انہوں نے دعا گو کی طرف منہ کیا اور فرمایا کہ جو کچھ میں نے رغبت دلائی۔ وہ سب تمہارے لئے اس لیے کہ پیر مرید کا مشاطہ ہوتا ہے۔ جب تک کہ مرید کو (جیسا کہ طریقت کی شرائط ہیں) تمام آلائشوں سے پاک وصاف نہ کرے تو یہی خیال کرنا چاہیے کہ وہ بیچارہ حالت گمراہی میں پھنسا ہوا ہے کہ جس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو کوئی شخص یہ دعا پڑھے گا۔ اگر دن میں پڑھے گا تو بہشتیوں سے ہوگا اور جو رات کو پڑھے گا تو بھی بہشت والوں میں سے ہوگا۔ وہ دعا یہ ہے: لا الہ الا انت خلقنی وانا عبدک وانا علی عبدک ووعدک ما استعطت اعوذبک من شرما صنعت ابوءُ لک بنعمتک علی وابوءُ یذبنی فاغفرلی فانه لایغفر الذنوبک الاانت برحمتک یا ارحم الراحمین۔

پھر آپ نے اسی موقع پر فرمایا کہ حضرت عباسؓ نے فرمایا ہے کہ جب سے میں نے یہ دعا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ ہر نماز کے بعد اس کو پڑھتا ہوں اور اسکو چھوڑتا نہیں اور میں نے اسکا ورد کر لیا ہے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت عباسؓ کا انتقال ہو گیا تو خواب میں لوگوں نے آپ کو دیکھا اور انہوں نے ان سے دریافت کیا کہ کہیے آپ سے اور اللہ سے کیونکر بنی۔ آپ نے فرمایا مجھے بخش دیا اور بہت مرحمت فرمائی۔ یہ سب اسی دعا کی برکت کا ظہور تھا جو رسول اللہ نے مجھے بتائی تھی۔ پھر آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ جو شخص اس دعا کو پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ صبح سے رات تک اسکو اپنی حفظ و امان میں رکھتا ہے اور اس سے بلا دور رہتی ہے۔ وہ بلا کہ جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اس دعا کے پڑھنے سے وہ بالا بالا ہی بالا اوپر چلی جاتی ہے۔ اس پر نہیں آتی ہے اور جن لوگوں میں صدق اور اخلاص نہیں ہوتا' ان کے اوپر اتر آتی ہے۔ میں نے یہ خواص خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے سنے ہیں۔ پس آدمی کو چاہیے ہر حال میں دعا مانگے اور شفیع کرنے سے خالی نہ رہے۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ ابوطالب مکیؒ نے کتاب ''قوت القلوب'' میں ارقام فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی اس دعا کو پڑھا کرے گا۔ رات کو اس پر بلا نازل نہ ہوگی اور وہ دعا یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انت ربی لا اله الا انت علیک تو کلت وانت رب العرش العظیم. ماشاء اللّٰه کان و مالم

Marfat.com

یشالم یکن اشهد ان لااله الا اللّٰه و اعلم ان اللّٰه علی کل شئی قدیر . و ان اللّٰه قدا حاطا بکل شئی علماً واحصیٰ کل شئی غدداً انی اعوذ بک من شر نفسی و من شرغیری و من شر کل وابۃ انت احد دنیا صبیھا ان ربی علی صراطِ مستقیم۔

بعدازاں اسی محل پر آپ نے فرمایا کہ قاضی امام شعبی اپنی کتاب ''کفایہ'' میں ارقام فرماتے ہیں کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا بزرگ زاہد تھا۔اوراسکی ایک نوجوان لونڈی تھی۔ چونکہ وہ بزرگ بہت بوڑھے تھے اس لئے وہ جوان لونڈی ان سے تنگ اور متنفر تھی۔اس نے بہت لوگوں سے اسکی شکایت کی اور کہا کہ کسطرح اس سے خلاصی پاؤں۔ ایک بڑھیا اسکے مکان کے قریب رہتی تھی۔اس نے زہر ہلاہل اسے دیااور کہا کہ اسکو پانی میں گھول کر افطار کے وقت اپنے مالک بوڑھے کو دیجئو۔ چنانچہ زہر مذکورکواس نے پانی میں گھولا اوراس بزرگ کو پلایا لیکن اس زہر کا اثر اس بزرگ کو کچھ بھی نہ ہوا۔تواس سے رہا نہ گیا۔اس نے ساری کیفیت اس زاہد سے کہہ دی۔اوراس سے کہا کہ زہر کا اثر آپ پر کیوں نہیں ہوا۔ زاہد ہنسااور کہنے لگا میرے پاس ایک ایسی دعا ہے کہ زہر کی تو اصل کیا ہے ساری بلائیں اس سے دور ہو جاتی ہیں اور زہر کا اثر تو کچھ بھی نہیں رہتااور وہ دعا یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللّٰه خیر الاسما بسم اللّٰه رب الارض و رب السما بسم اللّٰه الذی لا یسفر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السما دھو السمیع علیم۔

پھرآپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ شرطیں اسباب دعا کی بہت ساری ہیں۔اگر بیان کی جائیں تو بہت عرصہ چاہیے۔مگر میں مختصرطور پر کہتا ہوں کہ پہلی شرط تو یہ ہے کہ اللہ کے نام سے شروع کرے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کل امر ذی بال لم یبد فیہ ببسم اللّٰه فھوا ابتر ۔پس چاہیے کہ پہلے بسم اللہ پڑھے۔ بعدازاں یہ دعا پڑھے کہ وہ قبول ہو جائے۔دوسری شرط یہ ہے کہ اپنی بیوی کو ایسا زیور نہ پہنائے جس میں ٹن ٹن اور چھن چھن کی آواز آئے۔جس طرح کہ پازیب اور جھانجن۔کیونکہ ایسے زیور کا استعمال نہ کرے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:ان اللّٰه لایجیب دعا قوم یرضون من نسا لھم یلبسون الخلخال مع الصوت ۔یعنی اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا اس وقت کی دعا کو جو اپنی بیویوں کو آوازوالے زیور پہناتے ہیں۔

شرط تیسری یہ ہے کہ دعا کے اول اور آخر میں صدقہ دے کہ حضرت امام شافعیؒ سے روایت ہے کہ انکو بادشاہ سے کچھ کام تھا سو وہ اس حاجت کیلیے اس کے پاس گئے۔انھوں نے ایک درویش کو صدقہ دیااور کہا دعا کر کہ میری حاجت پوری ہو جائے کیونکہ شرط یہ ہے کہ جو آدمی بادشاہ کے پاس جائے اول وہ کچھ دربان کو دے۔سو درویش اللہ تعالیٰ کا دربان ہے۔جب وہ خوش ہوا حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

درویشی کے بیان میں

آپ کی مبارک مجلس میں درویشی کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی کہ آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ

درویشی پردہ پوشی ہے اور اسی کا نام خرقہ پوشی ہے کہ اپنے بھائی مسلمانوں کی عیب پوشی کرے اور اپنے مکاشفہ کا حال کسی سے بیان نہ کرے۔ اور جو کچھ دنیا کا مال اسکے پاس پاس آئے سب خدا کی راہ میں دے ڈالے اور اسی کے مصرف میں لگائے اور اپنے پاس اس میں سے ذرہ بھر بھی نہ رکھے۔ پھر آپ ارشاد فرمانے لگے کہ اصحاب طریقت اور مشائخ شریعت اپنے فوائد میں ارقام فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ تین طرح پر ہے۔ ایک زکوٰۃ شریعت دوسری زکوٰۃ طریقت، تیسری زکوٰۃ حقیقت پس زکوٰۃ شریعت وہ ہے کہ اگر کسی کے پاس دوسو درہم ہوں تو ایک سال کے بعد اس میں سے پانچ درم اللہ کی راہ میں دے۔ اور زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ ان دوسو میں سے پانچ درہم اپنے پاس رکھے باقی سب خدا کی راہ میں دے دے اور زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ کچھ بھی نہ رکھے۔ سب اللہ کی راہ میں دیدے کیونکہ درویشی خودفروشی ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ حکایت فرمائی۔

شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کو میں نے دیکھا ہے اور چند روز انکی خدمت میں حاضر بھی رہا ہوں۔ آپکی خانقاہ میں ہزار دینار روز آجاتے تھے۔ آپ روز وہ خدا کی راہ میں صرف کر دیتے تھے اور ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھتے تھے اور آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس میں سے کچھ بھی بچا کر رکھوں تو درویش مجھے درویش نہ کہیں گے بلکہ یہ کہیں گے کہ یہ درویش کب ہیں مالدار ہیں۔

پھر آپ نے اسی محل پر ارشاد فرمایا کہ درویشی قناعت ہے۔ اسکو جو کچھ مل جائے بہتر ہے۔ اس کے متعلق چناں اور چنیں نہ کرے۔ کیونکہ میں نے کتاب ''سلوک الاولیاء'' میں دیکھا ہے کہ ایک بار مالک بن دینارؒ ایک درویش کے دیکھنے کے لئے گئے اور ان سے آپ نے ملاقات کی اور سلوک کے متعلق اس سے باتیں کرتے رہے۔ اسوقت اس درویش کے پاس بغیر نمک کے جو کی دو روٹیاں موجود تھیں۔ اس نے مالک دینار ممدوح کے سامنے وہ روٹیاں رکھدیں کہ نوش فرمایئے۔ مالک دینار نے اس درویش سے کہا کہ اگر اسوقت تھوڑا سا نمک ہوتا تو بہتر تھا۔ اس بزرگ کی دختر نے جب یہ بات سنی وہ لوٹا لے کر بقال کی دکان پر گئی اور اسکو گرو رکھ کر نمک لائی اور میزبان مذکور کے سامنے رکھ دیا۔ بس مالک دینار اور وہ درویش دونوں مل کر کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔ باتوں باتوں میں مالک دینار کہنے لگے کہ اسی قدر قناعت درویش کو کافی ہے۔ اس دختر نے بہت ادب کے ساتھ گزارش کی کہ اے خواجہ! اگر آپ میں قناعت ہوتی تو ہمارا لوٹا بقال کی دکان پر رہن نہ ہوتا۔ حضور ہم کو آج سے سترہ برس ہوئے کہ ہم نے اپنے نفس کو نمک نہیں دیا۔ پس آپ نے یہ کہا فرمایا کہ اسقدر قناعت کافی ہے۔ پس یہ بات مسلک درویشی سے بعید ہے۔ پھر شیخ الاسلامؒ نے اس حکایت کے بیان کرنیکے بعد یہ رباعی زبان مبارک سے فرمائی:

رباعی

چوں عمر گزشتنی است مے نوشی بہ
چوں کار بہ قسمت است کم کوشی بہ
چوں ترس حیات است نمد پوشی بہ
چوں گفتہ نوشت است خاموشی بہ

Marfat.com

اورارشادفرمایا کہ اب تک تجھے خبر نہیں ہے کہ سر پر درویشوں کے کیسی چھری چلتی ہے۔اس کے بعد خرقہ کا کچھ ذکر ہونے لگا۔آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ شب معراج میں رسول خداصلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خرقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔اور آپ نے صحابہ کرام کو فرمایا تھا کہ میں نے خرقہ خداوند کریم سے پایا ہے۔پس مجھ کو حکم ہوا ہے کہ یہ خرقہ تم میں سے کسی کو دوں۔پس میں تم سے ایک بات دریافت کرتا ہوں۔پس جو تم میں سے جواب باصواب دیگا۔ پس میں یہ خرقہ اسکو دیدوں گا۔اول آپ نے یہ سوال حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ اے ابوبکر! اگر یہ خرقہ میں تجھے دوں تو تُو کیا کرے گا۔انہوں نے کہا یارسول اللہ! میں صدق اختیار کروں گا اور جو کچھ مال ومتاع میرے پاس ہوگا وہ میں اللہ کی راہ میں صرف کروں گا اور مظلوموں کی دادرسی میں مصروف ہوں گا۔

پھر آپ نے یہی سوال حضرت عمرؓ سے کیا۔انہوں نے کہا میں عدل وانصاف کروں گا اور مظلوموں کی داد دوں گا۔

پھر آپ نے یہی سوال حضرت عثمانؓ سے کیا۔انہوں نے کہا میں آپس میں اتفاق کی کوشش کروں گا اور جو حق بات ہوگی اس پر عمل کروں گا اور سخاوت اختیار کروں گا۔

پھر یہی سوال آپ نے حضرت علیؓ سے کیا۔آپ نے فرمایا کہ میں پردہ پوشی کروں گا اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کا عیب چھپاؤں گا۔اسوقت رسول خداصلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علیؓ! یہ خرقہ میں نے تجھ کو دیا۔مجھ کو اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی تھا کہ جو تیرے دوستوں میں سے یہ جواب دے اسکو یہ خرقہ دینا۔یہ حکایت بیان فرما کر شیخ الاسلامؒ آنکھوں میں آنسو بھرلائے اور آہ آہ کر کے رونے لگے اور روتے روتے بیہوش ہوگئے۔پس جب ہوش میں آئے تو زبان مبارک سے فرمایا کہ ''معلوم شد درویشی پردہ پوشی است۔''یعنی درویشی کے یہ معنی ہیں کہ پردہ پوشی کی جائے۔پس درویش کو چاہیے کہ ان چارچیزوں سے الگ رہے۔

(1) آنکھوں کواندھا کرے تاکہ لوگوں کا عیب اسے دکھائی نہ دے۔

(2) کانوں کو بہرا کرے تاکہ جو بات نہیں سننے کے قابل ہو اسکو نہ سنے۔

(3) پاؤں کو لنگڑا کرے تاکہ جو جگہ جانے کی نہیں ہے نہ جائے۔

(4) زبان کو گونگا کرے تاکہ جو بات لائق کہنے کی نہیں ہے اس کو زبان سے نہ نکالے۔

اگر کسی شخص میں یہ خصلتیں دکھائی دیں تو یقینا جان لے کہ وہ درویش ہے۔ورنہ حاشا وکلا جس میں صفتیں نہیں وہ درویش نہیں ہے اور اسکا دعویٰ جھوٹا ہے اور اس میں درویشی کی کوئی بات نہیں ہے۔اور وہ اپنے آپ کو جھوٹے طور پر درویش کہلواتا ہے۔اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ قدس سرہ العزیز نے چالیس سال تک آنکھیں بند رکھی تھیں۔جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آنکھیں بند کرنے کا کیا سبب ہے۔تو فرمایا یہ سبب ہے کہ میں آدمیوں کا عیب نہ دیکھوں۔اور اگر مجھ کو کسی کا عیب دکھائی بھی دے تو میں اسکو چھپالوں اور کسی سے اس عیب کا ذکر نہ کروں۔

شیخ الاسلامؒ جب فرما چکے تو مراقبہ میں گئے۔بہت دیر کے بعد آپ نے سر مراقبہ سے اٹھایا اور میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔اے نظام الدینؒ! جس درویش میں یہ بات دیکھی جائے کہ جو کچھ کہے اسی وقت وہی ہوجائے وہ فی

Marfat.com

الواقع درویش ہے۔

پھر اسی محل پر شیخ الاسلامؒ کو رقت طاری ہوئی۔ اتنے میں محمد شاہ آپ کا یار آ گیا۔ اور وہ آداب بجالایا۔ آپ نے اسے فرمایا! بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ وہ بیٹھ گیا لیکن اسکا دل نہایت مکدر و خراب تھا۔ کیونکہ وہ اپنے بھائی کو نزع کی حالت میں چھوڑ کر آیا تھا۔ چونکہ آپ کے ضمیر میں یہ بات ظاہر ہو چکی تھی۔ آپ نے اسے فرمایا کیوں پریشان ہے۔ اس نے گزارش کی کہ میرے بھائی کا حال آپ پر روشن ہے۔ اس وقت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ جا تیرا بھائی تو تندرست ہے۔ وہ آپ کے فرمانے سے اپنے گھر گیا تو دیکھتا کیا ہے کہ وہ تو تندرست بھلا چنگا ہے۔ اور اسکی صورت سے ہرگز ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ علیل تھا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ درویشی وہ ہے کہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے تھے۔ یعنی آپ کے پاس صبح سے دوپہر تک اور دوپہر سے شام تک جو آتا تھا۔ سب اللہ کی راہ میں دے دیتے تھے۔

حضرت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بارہا خطبہ میں فرمایا کہ میں نے سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ رات تک کچھ بچا کر رکھتا ہو۔ یہ ذکر آپ کے سامنے ہو ہی رہا تھا کہ بدر الدین اسحاقؒ نے آپ سے دریافت کیا کہ اسراف کیا چیز ہے اور اسکی حد کیا ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے ان سے کہا کہ جو بے نیت دے اور اللہ کے واسطے نہ دے۔ وہ سب اسراف میں داخل ہے۔ اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے واسطے دیا ہے تو وہ اسراف نہیں ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ یہ فرما ہی رہے تھے کہ ظہر کی اذان ہوئی۔ آپ نے نماز پڑھی اور پھر مراقبہ میں مصروف ہو گئے۔

آپ کی مجلس مبارک میں ذکر بیان ہونے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ درویش کو ذکر کرنے کی اسقدر کثرت چاہیے کہ اس کا بال بال زبان بن جائے۔ چنانچہ کتاب ''اسرار العارفین'' میں دیکھا گیا ہے کہ ایک بار خواجہ ابو سعید ابو الخیر خشوع باطنی کے ساتھ ذکر میں ایسے مصروف تھے کہ ان کے ہر بُن مُو سے بطور آب جو خون جاری تھا اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ کے گھر والوں نے آپ کے بازو میں لکڑی کا پیالہ رکھ دیا تھا۔ جب وہ بھر گیا تو آپ نے اسے پی لیا تھا۔ پھر حضرت شیخ الاسلامؒ نے دعا گو کیطرف دیکھا اور فرمایا کہ دل کی حضوری اس راہ میں اصل بات ہے۔ اور دل کی حضوری اسوقت حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ حرام لقمہ سے بچا جائے اور اہل دنیا کی صحبت سے علیحدگی اختیار کرے۔

پس جو بادشاہوں اور امراء اور دنیا داروں کی صحبت سے الگ نہیں رہتا۔ اسکو گلیم پوشی کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ صوفیاء کرام کی گلیم پوشی انبیا علیہم السلام سے ہے۔ اور یہی لباس تمام ابدالوں اور اوتاروں اور زاہدوں کا ہے۔ اور گلیم کی قدر کوئی نہیں جانتا لیکن موسیٰ کلیم اللہ اور آدم صفی اللہ۔ ابراہیم خلیل اللہ، محمد حبیب اللہ۔

پھر آپ نے اسی موقع پر فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زبانی سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں مودود چشتیؒ کی خدمت میں دس برس تک حاضر رہا ہوں۔ میں نے انکو کبھی نہیں دیکھا کہ وہ کبھی امیر یا بادشاہ کے پاس گئے ہوں۔ وہ سوائے جمعہ کی نماز کے گھر سے قدم باہر نہیں نکالتے تھے اور یہ بھی میں نے ان سے ہی سنا کہ جو درویش امیروں اور بادشاہوں کے پاس جائے۔ اس سے گلیم چھین لینا چاہیے اور وہ درویشی کا اسباب جو کچھ اس کے پاس ہو اس

Marfat.com

سے لے لینا چاہیے اور اسکو اجازت دی جائے کہ وہ درویشی کے حلقہ سے باہر ہو جائے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے اور کہنا نہ مانے تو اسکے جامہ اور گلیم میں آگ لگا دی جائے کیونکہ جو درویش دنیاداروں سے ملتا جلتا ہے وہ درویش نہیں ہے جھوٹا ہے۔ بعض اہل طریقت اور مشائخوں کو میں نے دیکھا ہے کہ جب ان کو کوئی مہم یا سخت ضرورت پیش آتی ہے۔ تو گلیم پہنتے ہیں اور گردن میں زنجیر ڈالتے ہیں اور اسکو اپنی مناجات میں شفیع گردانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکی دعا قبول کرتا ہے۔

بعدازاں شیخ الاسلامؒ نے اس دعا گو کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ جو پشم پہنے اسکو یہ لائق نہیں ہے کہ وہ چرب اور شیریں لقمہ کھائے یا اہل دنیا سے میل ملاپ کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ اہل سلوک کے لباس میں خیانت استعمال میں لائے گا۔ پھر آپ نے اسی موقع پر ارشاد فرمایا کہ میں نے کتاب ''آثار العارفین'' میں دیکھا ہے کہ حضرت خواجہ ذوالنون مصریؒ کے مریدوں میں سے ایک مرید نے بادشاہ کی خدمت میں جانا شروع کیا اور بقدر ستر عورت کچھ اس سے مقرر بھی کرا لیا۔ جب خواجہ ذوالنونؒ کو خبر ہوئی تو انہوں نے اسکو بلوایا اور اسکا کمبل چھنوا کر جلوا دیا اور غیض وغضب کی نگاہ سے اسے دیکھا اور یہ ارشاد فرمایا کہ عارفوں اور نبیوں کے لباس کو آدمیوں میں لیجا کر ناپاک کرتا ہے اور انکو کھلاتا ہے اور پھر یہ بھی خواہش میں لیجا کر ناپاک کرتا ہے اور انکو دکھلاتا ہے اور پھر یہ بھی خواہش رکھتا ہے کہ وہی جامہ پہنے اللہ کی درگاہ میں آئے۔ اور پھر آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ روایت ہے کہ امام مالک تین لباس پہنا کرتے تھے۔ جب وقت نماز ہوتا تھا تو اوپر اور نیچے کا پیراہن اتار لیتے تھے۔ اور بیچ کے لباس سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان سے اسکی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا کہ اس ظاہری لباس پر تو لوگوں کی نظر بوجہ ریا پڑی ہے اور نیچے کے پیراہن پر حرص، حسد، دغا، کھوٹ کی بو پہنچی اور درمیان کا پیراہن ان دونوں شکوک سے بچا ہوا ہے۔ پس یہی اولیٰ ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اس سے نماز پڑھی ہے۔

اسکے بعد شیخ الاسلامؒ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا پہلوں نے ایسا ہی کیا ہے۔ جب مراتب اعلیٰ پر پہنچے ہیں۔ اس کے بعد نماز کا وقت ہو گیا اور آپ نماز میں مشغول ہو گئے۔

ایک روز آپ کی خدمت میں شیخ جمال الدین ہانسویؒ حاضر تھے۔ اسوقت مقراض چلانے کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ میں نے ''سیر العارفین'' میں دیکھا ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی درویش کی خدمت میں آئے تو پہلے غسل کرے اور اگر ہو سکے تو وہ ساری رات جاگتا رہے اور اپنی بہتری کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے اور اگر ساری رات نہ جاگ سکے تو جمعرات کو یا پیر کو اپنے عزیزوں اور نیک بخت لوگوں کو جمع کرے اور سجادہ بچھا دے اور قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور پھر دو رکعت استخارہ کی پڑھے۔ پھر مرید کو اپنے پاس بٹھائے اور متبرک آیات پڑھے اور مرید پر دم کرے اور آیات متبرکہ پڑھنے سے پہلے مرید سے کہے کہ استغفار پڑھ۔ پھر اسے قبلہ رو بٹھائے اور قینچی ہاتھ میں لے اور بلند آواز سے تین بار تکبیر کہے۔

اہل سلوک میں مقراض چلانے کے بارے میں یہ ذرا سا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں تکبیر کے وقت نفس امارہ کی طرف متوجہ ہو اور دل جس طرح لشکر اسلام کے غازی لوگ ضرب کے وقت تکبیر کہتے ہیں اسی طرح بلند آواز سے تکبیر کہے تا کہ فرشتے اسکی مدد کے واسطے آئیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ بھی درست ہے۔

کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھے۔ اور دوسری بار وسواس نہ کرے۔ جب تین بار تکبیر

Marfat.com

کہہ چکے ایک بار کلمہ توحید پڑھے اور اکیس بار درود شریف اور اکیس بار استغفار پڑھے اور جب اس قراۃ سے فارغ ہوتو مقراض مرید کے سر پر چلائے۔ اسکی پیشانی سے اول ایک بال اڑائے اور یہ کہے" ملکا بادشاہا بندہ گریختہ از حضرت تو بودہ است امامی طلبد کہ در بندگی تو درآید۔ چوں بندگان دیگر حلقہ عبودیت در گوش افگند و ہر چہ ایں زماں از غیر تو باش آں ہمہ غیرت اوگردد۔"

پھر ایک بال اسکی دائیں پیشانی کی طرف سے اور ایک بال اسکی بائیں پیشانی کیطرف سے لے۔ اور ان دونوں کو بل دیکر کاٹے۔ بعض کہتے ہیں کہ فقط ایک بال اسکی پیشانی سے کاٹے۔ زیادہ نہ کاٹے اور صحیح قول یہ ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ نے روایت کی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقراض چلانی چاہیے۔ اور ان کا فرمانا اوروں سے بہتر ہے کیونکہ حضرت علیؓ خلیفہ اہل صفہ ہیں اور یہ حدیث انکی ہی بابت ہے۔" انا مدینۃ العلم و علی بابھا۔"

اس کے بعد دعا گو نے عرض کی کہ مقراض چلانے کی اصل کیا ہے۔ اور کہاں سے ہے؟ فرمایا مہتر ابراہیم خلیل اللہ سے ہے اور تلقین کرنے والے اسکے حضرت جبریلؑ ہیں۔ پھر آپ نے اسی موقع پر فرمایا کہ ایک دن حبیب عجمیؒ اور حسن بصریؒ دونوں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا کہ میں فلانے شخص کا مرید ہوں۔ انہوں نے کہا کہ کچھ نشان دکھا کہ تیرے پیر نے تجھے کیا بتایا ہے۔ کہا میرے پیر نے فقط مقراض چلائی ہے۔ اور کچھ نہیں بتایا۔ دونوں بزرگ فریاد کرنے لگے کہ "ہو مضل ضال۔" کہ یہ تو بڑی گمراہی کی بات ہے۔ ان کلمات سے پایا جاتا ہے کہ پیر کو چاہیے کہ مرید کے حال کا عارف ہو۔ اسکے بعد شیخ الاسلامؒ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ شیخ کو اسقدر قوت ہونی چاہیے کہ جب کوئی اسکے پاس بہ نیت ارادت آئے تو شیخ معرفت کے نور نظر اور اپنی ذاتی قوت سے اسکے سینے کو خواہشات دنیاوی کے زنگار سے صاف کر کے جلادے تاکہ پھر کدورت اس کے سینے میں نہ رہے اور اس کا سینہ آئینہ کی طرح صاف ہوجائے اور اگر یہ بات پیر میں نہیں ہے تو اسکو مرید کرنا لازم نہیں ہے۔ جب اسکی یہ حالت ہے تو بیچارہ گمراہ کو کب راستہ پر لاسکے گا۔ پھر آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی شیخ یا صاحب ولایت کی خدمت میں حاضر ہوتو شیخ کو لازم ہے کہ اس کے نفوس ثلاثہ پر نظر کرے کہ آیا وہ مخفی طور پر مبتلائے نفس امارہ تو نہیں ہے۔ اگر ہے تو اس کا علاج کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء۔ پھر اس کے نفس لوامہ پر نظر ڈالے کہ کہیں نفس لوامہ کا مبتلا تو نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ فلا اقسم بالنفس اللوامۃ۔

پھر اسکے نفس مطمئنہ پر نظر کرے کہ کہیں نفس مطمئنہ کا مبتلا تو نہیں ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔" یاایھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ۔ پھر اسکے قلب سلیمہ پر نظر ڈالے۔ پھر جب ان سب کو اپنے دل کی آنکھ سے صاف کر کے روشن کردے اسوقت اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے اور شرف بیعت سے مشرف کرے۔ اگر کوئی اہل سلوک اور مشائخ کی سنت کے مطابق مقراض نہ چلائے گا تو وہ گمراہ ہے اور وہ بھی گمراہ ہے جو بیعت کے واسطے آئے۔

پھر شیخ الاسلامؒ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے کہ بشر حافیؒ نے جس روز توبہ کی اور پشیمان ہوکر خواجہ جنید بغدادیؒ کے حضور میں آئے اور ان کے ہاتھ پر توبہ کی۔

چنانچہ جو رسم مقراض و خرقہ تھی انکو سکھلائی۔ پھر خواجہ بشر حافیؒ چلے گئے اور جب تک جیئے کبھی نعلین چوبی پاؤں

Marfat.com

میں نہ پہنیں۔ لوگوں نے ان سے اسکا سبب دریافت کیا۔ کہا ایک سبب تو یہ ہے کہ میری مجال نہیں کہ بادشاہوں کے فرش پر جوتیاں پہنے پھروں۔ دوسرے جس روز میں نے خدا تعالیٰ سے آشتی کی تھی۔ اس روز میں ننگے پاؤں تھا۔ تو اب مجھے شرم آتی ہے کہ کس منہ سے جوتیاں پہنوں۔

پھر آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ اہل سلوک فرماتے ہیں کہ جو مرید یا شیخ مذہب اہل سنت جماعت پر نہ ہوگا۔ اور اسکی کیفیت حالت و مکاتب موافق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ نہ ہوگی۔ وہ اس معنی میں راہزن ہے کیونکہ جیسے دھواں آگ کا نشان بتلاتا ہے اسطرح مرید اپنے پیر کا نشان دیتا ہے۔ اسی وجہ سے مرید گمراہی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں کیونکہ وہ پیر کامل نہیں رکھتے کیونکہ یہ تمام حسن ارادت اور کمالیت سے ہے۔ کیونکہ مقراض ایک بھید ہے اللہ تعالیٰ کے بھیدوں سے۔ پس کوئی اس بھید سے مطلع نہیں اگرچہ بعضوں نے بیان کیا ہے کہ مقراض قطع خلایق ہے۔ اور مولیٰ کے درمیان پس مقراض اسی کام کی ہے۔ ہر کسی کو مناسب نہیں ہے کہ اس کام کیلئے ہاتھ میں لے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اس راہ میں بغیر مجاہدہ اور مشقت کے قبولیت کا اثر نہیں ہے۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ حضرت الٰہی میں دل مومن کا بڑی عظمت اور کرامت رکھتا ہے۔ لیکن خلق دل کی اصلاح سے بالکل غافل ہے۔ اسی واسطے لوگ گمراہی میں پڑ جاتے ہیں۔ جیسا کہ ''اصل السلوک فی القلوب'' میں موافق فرمانے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آیا ہے۔ المومن عرش اللہ تعالیٰ یعنی مومن کا دل اللہ کا عرش ہے۔

پھر فرمایا کہ جو درویش ستر حجاب میں ہو اور ایک ذرہ بھر اسکو روشنی حاصل نہ ہوئی ہو اور وہ مرید کرنا شروع کرے اور مقراض سے اصلاً واقف نہ ہو وہ خود گمراہ ہے۔ اس بیچارہ کو بھی گمراہ کرے گا۔ اور وہ اسکا گمراہی کی تاریکی میں دے گا۔ درویش عالم صاحب قوت ہونا چاہیے تاکہ وہ مقراض چلانے اور خرقہ دینے میں اہل سنت والجماعت کے خلاف نکرے۔ ورنہ پیر اور مرید دونوں گمراہ ہیں۔ پھر آپ فرمانے لگے کہ خواجہ شقیق بلخی ''دلیل نفسانی'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے واسطے خلقت سے گوشہ نشینی نہ اختیار کی تو جان لو کہ وہ عزلت حق سے دور ہوا۔ کیونکہ خلق کے ساتھ اختلاط کرنا فقیر کیلئے نقصان سے خالی نہیں۔ اور خصوصاً جو جویندہ راہ ہو اس کے لئے بہت نقصان کی بات ہے کہ وہ اس راستہ سے باز رہ جاتا ہے۔

چنانچہ کتاب ''مسلک سلوک'' خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہ العزیز میں میں نے دیکھا ہے کہ اس مسلک کے سالک کو چاہیے کہ بغیر حاجت گھر سے باہر نہ نکلے اور عام لوگوں میں نشست برخاست نہ کرے۔ لیکن علماء کی صحبت میں بیٹھے اسکا مضایقہ نہیں۔ لیکن بغیر ضرورت کسی سے بات نہ کرے۔ اس وقت اپنی بندگی کی تاثیر دیکھے کہ کس قدر اس کے دل میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ جب پیر مرید کے سر پر مقراض چلائے تو اول اس سے کہے کہ غسل کر۔ اور پیر اپنے ہاتھ سے مرید کے منہ میں شیرینی دے اور تین دفعہ اسکے لئے اللہ کی درگاہ میں دعا مانگے۔

اس طرح کہ الٰہی اپنے بندہ کو اپنی طلب کی راہ ذوق میں شیریں کام کر۔ اس کے بعد اسکو ملاحظہ کرے۔ اگر وہ خلوت کے لائق ہو تو اسکو خلوت کا حکم دے۔ ورنہ سکون کا حکم فرمادے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے کتاب ''اسرار

العارفین" میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ خلوت چالیس روز کی ہے اور بعضوں نے کہا ہے ستر روز کی اور بعضوں نے ننانویں روز کی بیان کی ہے۔ مگر معتبر قول وہی ہے جو شیخ عبداللہ تستریؒ نے فرمایا ہے لیکن طبقہ جنیدیہ میں خلوت کے بارہ سال لکھے ہیں اور طبقہ بصریا میں بیس سال۔ لیکن قول اکثر اہل سلوک دوست ہے۔

اس خلوت سے مدعا یہ ہے کہ نفس امارہ مغلوب ہوا اور گوشہ نشینی سے یہ مراد ہے کہ سگ نفس محبوس ہو۔ مشائخ طبقات کے مذہب میں مراقبہ سلوک ہے کہ خلوت میں سوائے مراقبہ کے اور کوئی چیز اختیار نہ کرے اور جب چاہے کہ عزلت اور خلوت میں بیٹھے تو چاہیے کہ اپنا پیر اپنا جامہ اسے پہنائے تا کہ اس جامہ کی برکت سے اس میں روشنی پیدا ہو اور خرقہ دینے کے یہی معنی ہیں اور بعض مشائخ طبقات کے نزدیک چنانچہ خواجہ فضیل عیاضؒ اور خواجہ حسن بصریؒ ارقام فرماتے ہیں کہ اول پیر کو چاہیے کہ اپنی ٹوپی مرید کے سر پر رکھے اور پھر اسے ذکر کی تلقین کرے اور فرماتے ہیں تین ذکر ہیں:

اول۔ لا الہ الا اللہ

دوم۔ سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

سوم۔ یاحی یاقیوم

چنانچہ جب اول ذکر لا الہ الا اللہ اختیار کرے نو بار کہے۔ دسویں مرتبہ محمد الرسولؐ کہے۔ اکیس بار کلمہ سبحان اللہ کہے۔ پھر تیس بار یاحی یاقیوم کہے۔ لیکن یہ چاہیے کہ بلند آواز سے کہے۔ تا کہ اسکے پاس کے لوگ بھی اسکے سننے سے ذائقہ حاصل کریں۔ پھر اسطرح بھی پکار کر ذکر نہ کرے کہ ہمسائے سنیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ طبقہ جنیدیہ میں بارہ مرتبے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک بھی اسی قدر ہیں۔ لیکن اسطرح ذکر کرنا چاہیے کہ بدن کا ہر بند مو زبان بن جائے۔

پھر آپ نے اسی موقع پر فرمایا کہ یحیٰ علیہ السلام (جو پیغمبر تھے) ذکر کے وقت ایسے بیہوش ہو جاتے تھے کہ جنگل کو نکل جاتے تھے اور شوق کے غلبہ میں آواز بلند سے کہتے کہ تو مکان سے منزہ ہے تو آپ ہی عزم کر۔ کہ میرا دل تیرے اندیشہ ذکر سے ہو گیا۔ اگر میں خود کہوں اور تیرا ذکر نہ ہو تو میں اسوقت مر جاؤں۔

پھر شیخ الاسلامؒ فرمانے لگے کہ خواجہ یوسف چشتیؒ نے "شرح الاسرار" میں ارقام فرمایا ہے کہ ذوالنون مصریؒ نے فرمایا ہے کہ شیخ و مرید دایہ و طفل کے مطابق ہیں۔ جب بچہ ضد کرنے لگتا ہے تو دایہ اسکو کسی چیز سے بہلا کر خوش کر دیتی ہے۔ تا کہ وہ اس سے ہل جائے۔ اسی طرح پیر کو چاہیے کہ کبھی مرید کو ذکر کی تلقین کرے کبھی قرآن مجید کی تلاوت کیلئے حکم دے تا کہ اس کا دل کسی اور چیز میں مصروف نہ ہو جائے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اتنا ضرور کرنا چاہیے کہ اہل دنیا سے بہت میل جول نہ رکھے اور انکی محبت اختیار نہ کرے کیونکہ دنیاداروں کی صحبت فقیر کے دل کو پریشان کر دیتی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ درویشوں کے واسطے مالداروں کی صحبت بہت نقصان دینے والی چیز ہے۔ جب درویش گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے اسکے دین و دنیا کے کام سنور جاتے ہیں۔

اب ہم اصل دعا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اگر کسی کو شیخ کامل میسر نہ آئے تو اہل سلوک کی کتاب اپنے سامنے رکھ کر اسکی متابعت کرے تا کہ یہ ارادت مقراض کے مرتبہ تک پہنچ جائے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ شیخ کو واجب ہے کہ مرید کو

Marfat.com

وصیت کرے کہ صحبت ملوک واہل دنیا اوران سے جن کو دنیا کا کتا کہتے ہیں' بچتا رہے۔اور طالب شہرت وطالب ثروت نہ ہو اورزیادہ بات چیت نہ کرے اور بغیر حاجت اپنے مقام سے قدم نہ اٹھائے۔

مقصود اصلی یہ ہے کہ دنیا سے بازرہے کہ "حب الدنيا راس كل خطيئة" جو حدیث میں لکھا ہے۔

پھر آپ نے اسی موقعہ پر فرمایا کہ درویش بغیر ضرورت اپنے سجادہ سے جدا نہ ہو۔ کیونکہ اصحاب طریقت کا قول ہے کہ جو دانشمند ہر روز دنیا کے حاصل کرنے میں پڑا پھرے گا' حلال وحرام کا حال کون ظاہر کرے گا۔اور جو صوفی بازارو محلوں میں گشت کرتا پھرے گا' اقامت سلوک اور سجادہ کی کون کرے گا۔ پھر آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ راہ قبول کی طرف جانے والوں کی یہ شناخت ہے کہ جسطرح ان سے بن سکتا ہے شب جمعہ کی اقامت کرتے ہیں اور وہ رات تلاوت اور نماز میں گزارتے ہیں۔لیکن افضل بات یہ ہے کہ نماز پڑھے۔ کیونکہ نماز معراج کی صفت رکھتی ہے۔ کیونکہ "الصلوۃ معراج المومنین" آیا ہے۔

ایک موقعہ پر آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اصحاب تابعین نے اپنے آثار میں ارقام فرمایا ہے کہ قیامت میں درویشوں کو اسقدر درجات عطا ہونگے کہ تمام مخلوق دست حسرت ملے گی کہ کاش دنیا میں ہم بھی درویش ہوتے۔اور طایفہ مریض کو قیامت کے روز اسقدر درجے ملیں گے کہ لوگ کہیں گے کاش ہم جہاں میں مریض ہی ہوتے تو بہتر بات تھی کہ یہ مرتبے ہم کو بھی حاصل ہوتے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنے خداوند تعالیٰ کی رضا پر رہے۔ جو محنت اور تکلیف اسکو پہنچے اسکی نسبت خیال کرے کہ یہ مجھے کیونکر پہنچی۔ کیونکہ اپنے نفس کا انسان آپ ہی طبیب ہے۔ پھر شیخ الاسلام آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور رونے لگے اور یہ شعر زبان خوش الحان سے فرمایا:

اے بسا درد کاں ترادا رو است
اے بسا شیرکاں تراتا ہواست

اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ آدمی کو چاہیے کہ ہر حال میں درویشوں کے حق میں نیک عقیدہ اور حسن ظن رکھے تاکہ انکی برکت سے اللہ تعالیٰ کی حمایت میں رہے۔

ایک مجلس میں شیخ الاسلامؒ سے فرمایا کہ شیخ معین الدین حسن سنجریؒ کی یہ عادت تھی کہ آپ کے ہمسایہ میں سے اگر کوئی شخص مرجاتا تو آپ اس کے جنازہ کے ساتھ جاتے اور جب سب لوگ دفن کر کے واپس چلے جاتے تو آپ اسکی قبر کے پاس بیٹھتے اور ایسے موقع پر جو ورد پڑھے جایا کرتے ہیں' پڑھتے۔ پھر وہاں سے واپس تشریف لاتے۔ چنانچہ اجمیر میں آپ کے ہمسایوں میں سے ایک نے انتقال کیا۔ آپ حسب عادت اس کے جنازہ کے ساتھ گئے۔ جب دفن کر کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو خواجہ صاحب وہاں ٹھہرے اور تھوڑی دیر کے بعد آپ اٹھے۔

شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ تھا۔ میں آپ کے چہرے کو دیکھتا تھا کہ دمبدم متغیر ہوتا جاتا تھا۔اس کے بعد آپ کے چہرے کو سکون ہوا۔ پھر آپ قبر کے پاس کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے خدا کا شکر ہے بیعت عمدہ چیز ہے۔

Marfat.com

شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے عرض کی کیا بات ہے۔ آپ نے کہا کہ جب اس مردے کو دفن کر کے لوگ چلے گئے تو میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ عذاب کے فرشتے آئے اور چاہتے تھے کہ اس پر عذاب شروع کریں۔ اسوقت شیخ عثمان ہارونیؒ تشریف لائے اور ان فرشتوں سے کہنے لگے کہ یہ میرا مرید ہے۔

اللہ کا فرمان فرشتوں پر نازل ہوا کہ کہو اگر چہ یہ شخص آپ کے مریدوں میں سے تھا۔ لیکن آپ کے برخلاف تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا فی الواقع یہ برخلاف تھا۔ لیکن جب اس نے اپنے آپ کو مجھ فقیر کے پلے سے باندھ دیا تو میں نہیں چاہتا کہ اس پر عذاب ہو۔ اللہ تعالیٰ کا حکم فرشتوں کو ہوا کہ شیخ صاحب کے مرید سے ہاتھ اٹھاؤ۔ پس میں نے اسکو بخش دیا۔

پھر شیخ الاسلامؒ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہنے لگے کہ لوگوں کو چاہیے کہ اپنے آپ کو کسی کے پلہ سے باندھیں۔ یہ عمدہ بات ہے۔ پھر یہ مثنوی آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمائی۔

گر نیک شوم مرا از ایشاں گیرند
در بد باشم مرا بدیشاں بخشند

پھر اس وقت آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ایک حالت طاری ہوئی ہے۔ اگر کوئی قوال ہو تو میں سماع سنوں۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس روز کوئی قوال حاضر نہ تھا۔

مولانا بدرالدین اسحاقؒ نے تمام مکتوبات اور رقعات۔ اس کے علاوہ اور جو کچھ خریطے میں تھا' اسے دیکھا۔ اس میں سے ایک مکتوب نکل آیا۔ اس کو وہ شیخ الاسلامؒ کے حضور میں لے آئے۔ آپ نے فرمایا پڑھو۔ انہوں نے پڑھا۔ چنانچہ مولانا مذکور کھڑے ہو کر پڑھنے لگے۔ تو شیخ الاسلامؒ کو ایک وجد طاری ہوا۔ اس مکتوب کی یہ رباعی تھی۔

رباعی

آں عقل کجا کہ از کمال نو رسد
واں دیدہ کجا کہ درجمال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ ہر گرفتی ز جمال
آں روح کجا کہ درجلال تو رسد

پھر شیخ الاسلامؒ ایک رات اور ایک دن اسی رباعی کے ذوق سماع میں رہے اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا ذکر زبان فیض ترجمان سے فرمانے لگے کہ حضور ممدوح اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ تشریف رکھتے تھے۔ یہ دعا گو بھی اسوقت حاضر تھا۔

شیخ جلال الدینؒ اپنی سیاحی کے حالات بیان فرمانے لگے کہ ایک دفعہ میں مقام فرش میں بطور سیاح مقیم تھا۔ اس جگہ میں نے بہت بزرگوں کی خدمت کی۔ ایک بزرگ کی زیارت مجھے شہر کے پاس نصیب ہوئی۔ میں انکی قدم بوسی سے مشرف ہوا۔ وہ بزرگ ایک غار میں تشریف رکھتے تھے۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے انکو نماز میں مشغول پایا۔ میں آپ کا منتظر رہا۔ جب انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے مؤدب ہو کر انہیں سلام کیا۔

Marfat.com

انہوں نے السلام علیکم کا جواب اس طرح دیا کہ وعلیکم السلام اے شیخ جلال الدینؒ۔ میں یہ سنکر متحیر اور حیران ہو گیا۔ اس لئے کہ انکو میرے نام کی کیونکر خبر ہوگئی۔ ان بزرگ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا ''نبانی العلیم الخبیر''۔ یعنی مجھ کو اس امر کی علیم وخبیر نے خبر دی ہے کہ جلال الدین درویش آتا ہے۔ میں آداب بجالایا۔ آپ فرمانے لگے بیٹھو۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر آپ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔

اس کے بعد انہوں نے یہ حکایت اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمائی۔ میں ایک زمانہ شہر صفاہاں میں تھا۔ وہاں مجھ کو ایک بزرگ کی زیارت ہوئی کہ جو بڑے باعظمت اور ڈیڑھ سو برس کی عمر رکھتے تھے اور اب خواجہ حسن بصریؒ کے نواسوں میں سے تھے۔ آپ کے فیضان کا یہ حال تھا کہ جو کسی کام کیلئے آپ کی طرف روانہ ہوتا۔ آپ کے پاس پہنچنے نہ پاتا تھا کہ اس کا کام ہوجاتا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں ایک ہزار سات سو بزرگان دین کی خدمت میں حاضر رہا۔ ہر ایک نے مجھ کو مناسبؒ نصیحت اور پند فرمائی ہے۔ مگر آخر میں مجھ کو نصیحت وہدایت شمس العارفین نے دی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اے درویش! اگر تو اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہتا ہے تو دنیا اور اہل دنیا سے کنارہ کش ہوجا۔ درویش کا دنیا کیطرف مصروف ہونا خرابی کی بات ہے۔ اور دنیا کی محبت سردار تمام خطاؤں کی ہے۔ جو دنیا کے لوگوں سے بیزار ہوا وہ خدا تعالیٰ تک پہنچا۔ اے جلال الدینؒ! اللہ کے مردوں نے قطع تعلق سب سے کیا ہے۔ جب ہی تو وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچے ہیں۔ اس کے بعد شیخ جلال الدینؒ فرمانے لگے میں رات کو وہیں رہا۔ افطار کے وقت میں نے دیکھا کہ جَو کی دو روٹیاں غیب سے آپ کے سامنے آئیں۔ چنانچہ ان بزرگ نے ایک روٹی مجھے دی اور فرمایا کہ اس سے روزہ افطار کرو۔ جب میں نے روزہ افطار کیا تو کہنے لگے کہ اس گوشہ میں تم مصروف ہوجاؤ۔ رات کی تہائی گزری تھی کہ ایک بزرگ صوفیوں کا جامہ پہنے ہوئے آئے۔ جنکے ساتھ سات شیر تھے۔ میں نے بھی ان سے مصافحہ کیا۔ اور ان شیروں نے اول سلام کیا اور ان بزرگ کے قریب بیٹھ گئے۔ اسکے بعد وہ شیر کبھی ان بزرگ کے گرد پھرنے لگتے تھے اور کبھی ان کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔

میں نے جو یہ حال دیکھا خوف کے مارے کانپنے لگا کہ یہ کون صاحب ہیں جو شیروں سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر ان بزرگ نے کلام اللہ پڑھنا شروع کیا اور انہوں نے پچھلے پہر تک دس کلام اللہ ختم کئے۔ جب تلاوت سے فارغ ہوئے تو انہوں نے پھر تجدید وضو کی۔ اس کے بعد تلاوت میں مشغول ہوگئے۔ جب صبح ہوئی تو دونوں صاحب نماز کیلئے اٹھے۔ میں نے بھی انکے ساتھ نماز پڑھی۔ جب ان بزرگ نے سلام پھیرا تو دوسرے بزرگ نے جنکے پاس میں ٹھہرا تھا۔ مجھ سے کہا کہ یہ برادر خضر ہیں۔ تم کو ان کے دیکھنے کی آرزو تھی سو وہ پوری ہوگئی۔

جب یہ بات میں نے سنی تو پھر میں نے حضرت خضر علیہ السلام سے مصافحہ کیا۔ جنہوں نے مجھ پر بڑی مہربانی اور شفقت فرمائی۔ پھر حضرت خضرؑ معہ سات شیروں کے ان بزرگ کے پاس سے باہر چلے گئے۔ اس کے بعد میں نے بھی ان بزرگ سے رخصت چاہی تو ان بزرگ نے فرمایا۔ اے جلال الدینؒ! تم جاتے ہو۔ بہت اچھا۔ یہ تم کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خدمت کرو۔ اور اپنے آپ کو ان کے پلو سے باندھو اور اللہ تعالیٰ کے کاموں میں تساہل نہ کرو۔ تاکہ تم رتبہ بلند پر پہنچو اور یہ بھی یاد رکھو کہ جس راستہ سے تم جاؤ گے۔ اس میں دو شیر لب آب تم سے ملیں گے اور وہ آگے جانے سے تم کو روکیں گے۔ تم کو چاہیے کہ تم جب وہاں پہنچو اور وہ تم کو آزار پہنچانے کا ارادہ کریں تو تم ان سے میرا نام لے دینا۔ تو

پھر وہ تم سے کچھ نہ کہیں گے اور تم سلامتی کے ساتھ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے۔

پھر جلال الدینؒ فرمانے لگے کہ میں نے ان بزرگ کے قدم چومے اور آداب بجالا کر ان سے رخصت ہوا۔ جب میں مقام مذکور پر پہنچا تو واقعی مجھ کو دو شیر ملے اور وہ دوڑ کر میری طرف آئے۔ اس طرح کہ فوراً مجھ کو پھاڑ ڈالیں گے۔ جب وہ میرے قریب پہنچے تو میں نے بلند آواز سے کہا کہ میں فلاں بزرگ کی زیارت کر کے آیا ہوں اور میں اپنے گھر جاتا ہوں۔ ان شیروں نے جونہی ان بزرگ کا نام سنا دوڑ کر میرے قدموں میں آن گرے اور پھر واپس چلے گئے۔ میں سلامتی کے ساتھ اپنے مقام پر آپہنچا۔

جب شیخ جلال الدینؒ اپنے سفر کے حالات بیان فرما چکے تو شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنے سفر کے حالات بیان کرنے شروع کیے۔

کہ میں اول جب ایک شہر میں وارد ہوا۔ جسکے کنارہ کنارہ پر ایک مسجد تھی اور اس میں ایک منارہ تھا۔ جسکو وہاں کے لوگ ہفت منارہ کہتے تھے .... وہ بزرگ وہاں ہی رہتے تھے اور ان کو ایک دعا کسی بزرگ کی پہنچی ہوئی تھی۔ جس کو ہفت دعا کہتے تھے۔ اس دعا کی یہ تاثیر تھی کہ جو شخص اس دعا کو پڑھے اور دوگانہ نماز کا ادا کرے تو خواجہ خضرؑ کی زیارت نصیب ہو جاتی تھی۔ میں رمضان کے مہینے میں ایک رات وہاں گیا اور وہ دعا پڑھی اور دوگانہ ادا کیا اور پھر نیچے اس منارہ کے اترا۔ ایک ساعت وہاں میں نے اس لئے قیام کیا کہ حضرت خضرؑ کی زیارت نصیب ہو۔ لیکن مجھ کو وہاں کوئی نہ ملا۔ آخر میں ناامید ہو کر مسجد سے نکلنے لگا کہ یکایک ایک شخص کو میں نے کھڑا ہوا دیکھا اور اس نے مجھے آواز دی کہ ان مکانوں میں کیا دھرا ہوا ہے۔ میں نے کہا اس لئے میں یہاں آیا تھا کہ خواجہ خضرؑ کی زیارت سے مشرف ہوں۔ چنانچہ اس مسجد میں جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ بھی میں نے پڑھی اور منارہ پر دوگانہ بھی پڑھا۔ مگر دولت ملاقات خضرؑ سے مشرف نہ ہوا۔ اب لاچار گھر جاتا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ تجھ کو حضرت خضرؑ سے کیا کام ہے؟ تیری طرح وہ بھی سرگرداں ہے۔ اسکی زیارت سے تیرا مطلب کیا ہے اور کیا تو دنیا کا طالب ہے؟

میں نے کہا میں تو دنیا کا طالب نہیں۔ بلکہ خیر کا طالب ہوں۔ اس شخص نے میری یہ بات سنکر کہا کہ یہاں پر ایک بزرگ نورانی سبز لباس پہنے ہوئے ظاہر ہوئے۔ جو بزرگ مجھ سے باتیں کر رہے تھے وہ ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھے اور ان کے قدموں میں گر گئے۔ پھر وہ بزرگ سبز پوش آگے آئے یہاں تک وہ میرے پاس پہنچے تو انہوں نے اس بزرگ سے کہا میری طرف اشارہ کر کے یہ شخص قرض دار ہے یا طالب دنیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہ تو یہ طالب دینا ہے اور نہ مقروض ہے۔ یہ تو آپکی زیارت کی آرزو رکھتا ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اذان کی آواز کان میں آئی۔ ہر طرف سے درویش اور صوفی لوگ آنے شروع ہو گئے۔ پھر تکبیر ہوئی۔ ایک بزرگ نے ان میں سے تکبیر کہی اور بعد تکبیر ایک بزرگ نے نماز پڑھائی۔ انہوں نے بارہ پارے تراویح میں پڑھے۔ اسوقت میرے دل میں خیال آیا کہ اگر اور پارہ آپ پڑھتے تو بہتر بات تھی (یعنی نماز میں لطف تھا) غرضکہ جب نماز تمام ہوئی۔ ان بزرگوں میں سے کوئی کسی طرف کو چلا گیا اور کسی طرف کو۔ میں اپنی جگہ پر چلا آیا۔ جب دوسری رات ہوئی تو میں پھر وہاں گیا۔ صبح تک مسجد میں بیٹھا رہا کوئی بھی نہ آیا۔ جب شیخ الاسلامؒ یہ فوائد بیان کر چکے تو نماز میں مشغول ہو گئے اور دعا گو وہاں سے واپس آیا۔

Marfat.com

شیخ جلال الدین ہانسویؒ اور شیخ بدرالدین غزنویؒ اور مولانا بدرالدین اسحاقؒ اور دوسرے بزرگ لوگ بھی ایک روز آپکی مجلس میں حاضر تھے اور وہ جوگی بھی آپکی خدمت میں حاضر تھا جسکو آپ نے مسلمان کیا تھا اور جو آپ کے کشف و کرامات اور بزرگی پر ایمان لایا تھا۔

اس دعا گو نے اس جوگی سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا طریقہ ہے۔ اور اصلی ریاضت تمہاری کیا ہے۔ اس نے بیان کیا کہ ہمارا علم اور ہمارا طریقہ یہ ہے کہ انسان کے نفس میں دو عالم ہیں۔ ایک علوی اور دوسرا سفلی۔ عالم علوی سر سے ناف تک ہے اور عالم سفلی ناف سے قدموں تک ہے۔ اسوقت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ بیان کرتا ہے۔

عالم علوی میں صدق اور صفا اور اخلاق پسندیدہ اور حسن معاملہ ہے۔ اور عالم سفلی میں پاکی اور پارسائی اور زہد کی نگہداشت ہے۔ پھر شیخ الاسلام اسوقت آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے مجھے اسکی یہ بات بہت پسند آئی۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اس دعویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی دوستی قائم رکھے اور پھر محبت دنیاوی بھی دل میں رکھتا ہو تو وہ ضرور اپنے دعوے میں کاذب قرار پائے گا۔

بعدازاں آپ فرمانے لگے کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ اپنی کتاب میں ارقام فرماتے ہیں کہ تین وقتوں میں رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ اول سماع کی حالت میں اور دوسرا اسوقت جب کھانا کھایا جاتا ہے اس نیت کے ساتھ کہ عبادت الٰہی کی جائے گی تیسرے اسوقت جبکہ لوگ اللہ کے ذکر کیلئے جمع ہوتے ہیں۔

آپ یہ بات زبان مبارک سے فرما ہی رہے تھے کہ چھ سات درویش آپکی خدمت میں حاضر ہوئے جو نوجوان نوعمر صاحب نعمت چشتیہ خاندان سے تھے۔ انہوں نے شیخ الاسلامؒ کی خدمت فیض درجت میں یہ گزارش کی کہ ہم کو حضور سے کچھ عرض کرنا ہے۔ آپ اپنے کسی خادم کو حکم فرمائیں کہ وہ ہمارا سب حال سن لے۔ پھر وہ آپ سے ہمارا سارا حال گزارش کردے۔

شیخ الاسلامؒ نے مجھے اور مولانا بدرالدین اسحاقؒ کو حکم دیا کہ تم انکا حال سن لو۔ ان لوگوں نے ہم دونوں سے اپنے حالات اس متانت اور تہذیب اور عاجزی اور اخلاق اور ادب سے بیان کئے کہ ہم دونوں کو رونا آ گیا۔ اور ہمارے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ لوگ کیا اللہ تعالیٰ کیطرف سے فرشتے بن کر ہماری تعلیم کیلئے آئے ہیں کہ اس تہذیب کے ساتھ اپنا حال ظاہر کرتے ہیں۔

ہم لوگوں نے ان درویشوں کا حال شیخ الاسلامؒ سے بیان کیا۔ آپ ان کا حال سنکر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہنے لگے کہ حالات اسی طرح بیان کرنے چاہئیں کہ رگ گردن بھی جنبش میں نہ آئے۔

پھر آپ فرمانے لگے کہ لوگ جو کھانا کھایا کریں طاعت کی نیت سے کھایا کریں۔ پھر آپ فرمانے لگے کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ اپنی کتاب "راحت الارواح" میں ارقام فرماتے ہیں کہ دجلہ کے کنارہ ایک درویش اپنے عبادت خانہ میں رہا کرتا تھا۔ چنانچہ وہاں ایس رہتے ہوئے کئی سال گزر گئے تھے۔ ایک درویش حسب اتفاق اس کے پاس آکر ٹھہرا۔ اس درویش نے اس کے لئے کھانا پکوایا۔ اور اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ کھانا اس درویش کو دے۔ اس نے اسکے جواب

Marfat.com

میں کہا کہ کشتی وغیرہ تو موجود ہے۔ میں کیونکر دریا سے پار اتروں گی اور اس تک کھانا پہنچاؤں گی۔ اس نے کہا یہ کھانا لے جا اور دریا سے کھڑے ہوکر کہنا کہ تو بحرمت اس فقیر کے کہ اس نے تیس برس کے عرصہ میں میرے ساتھ کبھی صحبت نہیں کی مجھے رستہ دیدے۔ دریا تجھ کو راستہ دیدے گا۔

عورت کو اپنے خاوند درویش کی یہ بات سنکر بہت تعجب ہوا۔ اور وہ دل ہی دل میں کہنے لگی کہ اس نے بارہا مجھ سے صحبت کی اور بچے جنوائے اور پھر کہتا ہے کہ تیس برس سے میں نے صحبت نہیں کی۔ درویش نے جو اپنی عورت کو دیکھا کہ متحیر ہے۔ اس نے اس سے کہا کہ تو کھانا لیجا اور دریا سے بھی کہیو۔

غرضکہ وہ درویشی کھانا لے کر چلی۔ جب دریا کے کنارہ پہنچی تو اس نے دریا سے وہی بات کہی جو اسکو اس کے خاوند درویش نے بتائی تھی۔ جب اس عورت نے یہ بات دریا سے کہی۔ دریا کا پانی بیچ میں سے پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا اور بیچ میں زمین نکل آئی۔ عورت زمین پر سے گزری اور اس دریا کے پار ہوگئی۔

جب وہ پار ہوگئی تو دریا پھر مل گیا اور زور شور کے ساتھ بہنے لگا۔ یہ عورت اس درویش کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انکو سلام کیا اور کھانا ان کے سامنے رکھ دیا۔

انہوں نے وہ کھانا کھالیا اور کہا جاؤ۔ اس عورت نے کہا کس طرح جاؤں۔ دریا حائل ہے۔ اس درویش نے کہا جسطرح آئی تھی اسی طرح چلی جا۔ اس عورت نے سارا حال اس درویش سے کہا۔ اس درویش نے یہ کہا کہ دریا سے یہ کہیو کہ بحرمت اس درویش کے کہ جس نے تیس برس سے کھانا نہیں کھایا۔ مجھے راستہ دیدے۔[1]

عورت اس درویش کے پاس سے واپس پھری اور اس دریا کے کنارے پہنچی۔ اس درویش نے جو بات کہی تھی۔ وہی اس نے دریا سے کہہ دی۔ اسکا کہنا تھا کہ دریا پھٹ گیا۔ بیچ میں زمین رہ گئی۔ یہ عورت اس زمین سے گزر گئی اور واپس اپنے خاوند کے پاس پہنچی اور سارا حال بیان کیا اور اپنے خاوند سے کہا کہ ایک تو تُو نے جھوٹ بولا۔ اسلئے کہ تو برابر مجھ سے صحبت کرتا رہا اور دوسرے اس نے جھوٹ بولا کہ تیس برس سے کھانا نہیں کھایا۔ بھلا تیس برس تک کوئی بے کھائے جی سکتا ہے۔ مجھ سے بیان کرو کہ ان دونوں جھوٹوں کی بابت کیا حال ہے کہ میں سمجھوں تو سہی۔ اس درویش نے کہا ہم دونوں درویشوں نے جھوٹ نہیں بولا ہے۔ لے سن!

میں نے تیس برس میں اپنی نفسانی خواہش سے کبھی تجھے صحبت نہیں کی البتہ تیرا حق ادا کرنے کیلئے صحبت کی ہے اور اس درویش نے بھی کبھی نفسانی خواہش سے کھانا نہیں کھایا۔ البتہ انہوں نے بہ نیت طاقت کھانا کھایا ہے۔

آپ فرمانے لگے کہ میں بدخشاں گیا تھا۔ اس زمانہ میں وہاں کئی بزرگ اور اولیاء تھے۔ چنانچہ عبدالواحد شیخ ذوالنون مصری قدس اللہ سرہ کے پوتے شہر مذکور کے باہر ایک غار میں سکونت رکھتے تھے۔ جب میں نے ان کا حال سنا تو اس غار کے پاس گیا۔ تو دیکھتا کیا ہوں کہ وہ بزرگ بہت ہی لاغر ہیں۔ ایک پاؤں انکا غار کے باہر پڑا ہے اور دوسرا پاؤں آپ زمین پر رکھے ہوئے ہیں اور اوپر منہ کئے ہوئے عالم تحیر میں کھڑے ہوئے ہیں۔ میں انکے پاس گیا اور سلام کیا۔ انہوں نے میری طرف منہ کر کے کہا ٹھہر۔

میں تین رات اور تین دن کھڑا رہا۔ لیکن انہوں نے میری طرف التفات نہ کیا اور جب تین راتیں اور تین دن

۱۔ کہ یہ بھی بندگی ہے اور کھانا نفسانی خواہش کی نیت سے نہ کھایا کریں۔

Marfat.com

گزر گئے تو آپ میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمانے لگے اے فرید! میرے پاس نہ آ کہ جل کر خاک ہو جائے گا اور دور بھی نہ رہ کہ مہجور رہے گا۔

پھر میں نے ادب کے ساتھ ان سے ان کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے کہا میرا حال یہ ہے کہ میں ستر برس سے اس غار میں کھڑا ہوا ہوں۔ ایک دفعہ ایک عورت ادھر سے گزری۔ میرے دل کو اسکی ایک رغبت پیدا ہوئی۔ اور میں نے ارادہ کیا کہ اس غار سے نکلوں کہ اتنے میں غیب سے ندا ہوئی کہ اے مدعی! تیرا یہ ہی عہد تھا کہ ہمارے بغیر کسی سے عہد نہ کروں گا۔ پس یہ سنتے ہی چھری سے میں نے وہ پیر جو غار سے باہر بڑھایا تھا' کاٹ ڈالا۔ اس لئے کہ یہ کیوں نفسانی خواہش کا پابند ہوا۔ پس تیس برس سے نہایت شرمندہ ہوں کہ میں قیامت کے روز کیا منہ دکھاؤں گا۔

پس رات کو میں وہاں ہی رہا۔ میں نے دیکھا کہ افطار کے وقت دودھ اور کچھ چھوارے ایک طباق میں آپ کے پاس آئے۔ میں نے جو دیکھ کر گنے وہ چھوارے دس تھے۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ پانچ چھوارے میرا حصہ ہے اور پانچ تمہارے لئے آئے ہیں۔ یہ چھوارے لے اور دودھ سے روزہ افطار کر۔ دعا گو آداب بجالایا۔ اور میں نے روزہ افطار کیا۔ وہ بزرگ پھر اپنی حالت میں مبتلا ہو گئے۔

ایک بار خلیفہ بدخشاں شاہی سامان کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور زمین خدمت کو اس نے بوسہ دیا اور کھڑا رہا۔ اس بزرگ نے فرمایا کس مطلب کیلئے آئے ہو۔

میں نے کہا والی سیوستان خراج نہیں دیتا۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو میں اس پر چڑھائی کروں۔ یہ سن کر وہ بزرگ ہنسے۔ ایک لکڑی انکے پاس رکھی ہوئی تھی' وہ اٹھا کر انہوں نے سیوستان کیطرف پھینک دی اور کہا میں نے والی سیوستان کو مار ڈالا۔

جب خلیفہ نے یہ ماجرا دیکھا وہ اپنے مقام کو واپس گیا۔ چند روز کے بعد سیوستان کیطرف سے چند تاجر آئے اور انہوں نے کہا کہ والی سیوستان دربار عام میں بیٹھا ہوا حکم دے رہا تھا کہ ایک لکڑی دیوار سے نکلی اور اس زور سے اسکے لگی کہ اسکی گردن دھڑ سے الگ ہو گئی اور وہ زمین پر گرا اور مر گیا اور یہ آواز آئی کہ ہمارا شیخ عبدالواحد بدخشان میں ہے۔ یہ اسکا ہاتھ تھا۔ جس نے اسکو مارا۔

پھر شیخ الاسلامؒ فرمانے لگے میں انکی خدمت میں کچھ عرصہ رہا۔ پھر دعا گو کو انہوں نے رخصت فرمایا۔ مجھ کو انکی ذات سے بہت فیض پہنچا ہے۔ یہ فرما ہی رہے تھے کہ ظہر کی اذان ہوئی۔ مجلس برخاست ہوئی اور شیخ الاسلامؒ نماز میں مشغول ہو گئے۔

ایک بار آپکی مجلس میں بہت درویش بیٹھے ہوئے تھے کہ والی اجودھن یعنی حاکم شہر نے اپنے عہدہ داروں کے ہاتھ دو گاؤں کی مثل معافی اور دو سو نقد بطور نذرانہ شیخ الاسلامؒ کی خدمت میں بھیجے۔ جسکو انہوں نے حضور ممدوح کے سامنے رکھا۔ آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم دیا اور پھر شیخ الاسلامؒ متبسم ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم نے تو آج تک اس قسم کی چیز قبول نہیں کی ہے۔ اور نہ ہمارے خواجگان کا اس قسم کی چیز لینے کا طریقہ رہا ہے۔ پس اسکو لیجاؤ۔ اس کے طلبگار بہت لوگ ہیں۔ ان کو دو۔

Marfat.com

بعد ازاں شیخ الاسلامؒ نے یہ حکایت اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمائی۔

ایک بار بزمانہ سلطان ناصر الدینؒ سلطان غیاث الدینؒ بلبن بروقت واپسی ملتان بجانب دہلی میرے ملنے کے واسطے لاہور آیا اور چار گاؤں کی مثل معافی اور کچھ نقد بطور نذر لایا کہ یہ نقدی تو درویشوں کے واسطے ہے۔ یہ مثل معافی آپ کے اخراجات کے واسطے ہے۔

میں ہنسا اور میں نے اس سے کہا کہ اس کے طلبگار تو بہت ہیں۔ انہیں یہ دو۔ ہمارے خواجگان نے اس قسم کی چیز قبول نہیں کی ہے لہٰذا ہم بھی قبول نہیں کرتے۔

اس کے بعد شیخ الاسلام آبدیدہ ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر میں ان چیزوں کو لے لونگا اور زر و مال اکٹھا کروں گا تو مجھے کوئی درویش نہیں کہے گا بلکہ مالدار دیہات والا کہے گا۔ ایسی حالت میں میں درویشوں کو منہ نہیں دکھا سکوں گا اور ان کے پاس کھڑا بھی نہیں ہو سکوں گا۔ پس حاشا و کلا اسے میں نہ لونگا۔ تم اسکو واپس ہی لیجاؤ اور دوسروں کو دیدو۔

اور پھر اسی موقع پر آپ نے فرمایا کہ میں ایک روز اسی طرح شیخ الاسلام بختیار کاکیؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر تھا کہ وزیر سلطان شمس الدین انار اللہ برہانہ معہ ارکان دولت آپکی مجلس میں حاضر آیا اور گزارش کی کہ سلطان ذی شان نے چھ گاؤں کی مثل معافی نذر کے طور پر آپ کی خدمت میں بھیجی ہے۔

شیخ الاسلامؒ یہ سنکر ہنسے اور فرمانے لگے کہ میں اسکو ضرور قبول کر لیتا۔ بشرطیکہ ہمارے خواجگان نے اسے قبول کیا ہوتا۔ اگر میں آج اپنے پیروں کا اتباع نہیں کرونگا تو فرمایئے تو سہی قیامت کے روز انہیں کیا جواب دونگا اور انہیں کیا منہ دکھاؤں گا۔ بس بہتر یہی ہے کہ تم اسے واپس لیجاؤ۔ اس کے طلبگار ہیں۔ پس انکو دیدو۔ اس لئے کہ لوگ اسی کیلئے ٹوپی اتار کر نیچے رکھ دیتے ہیں۔

خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ چند روز میں ہانسی میں بخدمت شیخ محمد ہانسوی گیا تھا۔ اس لئے کہ وہ شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے بڑے یاروں میں تھے۔ جب میں وہاں سے واپس آیا تو دعا گو آداب بجالایا۔ حکم ہوا بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا۔ جو مکتوب کہ شیخ برہان الدینؒ نے دیا تھا وہ میں نے پیش کیا۔ آپ نے اسکا ملاحظہ فرمایا۔

آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ تم نے وہاں دیر کر دی۔ بندہ دوبارہ آداب بجالایا اور عرض کی کہ گو تنِ خاکی وہاں تھا مگر دل یہاں ہی موجود تھا۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا ہاں تم درست کہتے ہو۔ تمہارے اشتیاق کی مجھے خبر ہے۔ تم کہتے تھے کہ اگر میرے پر ہوں تو میں اڑ جاؤں اور خواجہ کی خدمت میں پہنچوں۔

اس کے بعد شیخ الاسلامؒ نے حضار مجلس کی طرف رخ کیا اور کہا کہ فرزند اور شیخ ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ جیسا کہ مولانا نظام الدینؒ ہیں۔

اور پھر آپ نے فرمایا تم نے خط بھی لکھا تھا اور اس میں ذکر اشتیاق قدم بوسی بہت تھا۔ اور شعر بھی تم نے لکھے تھے جو میں نے یاد کر لئے ہیں اور جب میں تمہیں یاد کرتا ہوں تو ان اشعار کو پڑھ لیتا ہوں اور وہ شعر بہت عمدہ ہیں۔ اگر تم پڑھو تو میں سنوں۔ دعا گو نے سر اٹھایا اور یہ شعر پڑھے:

Marfat.com

اشعار

زاں روز کہ بندہ تو دانند مرا
ہر مردمک دیدہ نشانند مرا
لطف طاعت عنایتے فرمودہ است
ور نہ کیم وچہ ام خوانند مرا

جب میں نے یہ اشعار پڑھے تو شیخ الاسلامؒ پر ایک حالت طاری ہوگئی اور آپ کھڑے ہو گئے اور رقص کرنے لگے۔ اسوقت آپ نے بیحد رقص کیا اور رقص میں ہی دوپہر ہوگئی۔ جب آپ رقص سے فارغ ہوئے تو خرقہ خاص دعا گو کو مرحمت فرمایا اور عصا بھی اسی روز عنایت ہوا اور مصلیٰ اور نعلین چوبیں بھی بخش دیں۔ اور دعا گو کو بغل میں دابا اور کہا اے نظام الدینؒ کہ وقت قریب آ گیا ہے کہ میں تم کو رخصت کروں اور اس کے بعد تمہارا دیدار مجھے نصیب نہ ہو۔ آج ہی کے روز تمہاری رخصت ہے۔ مگر چند روز اور ٹھہرو کہ تمہارا دیدار غنیمت ہے۔ پھر آپ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور ہائے ہائے کر کے رونے لگے۔ اور یہ شعر اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا:

دیدار دوستان موافق غنیمت است
چوں یافتیم حیف بود گر رہا کنیم

زاں بعد ملتان سے مسافر آئے ہوئے تھے۔ آداب بجالائے انکو حکم ہوا کہ بیٹھو۔ کھانا موجود تھا انکو کھلایا۔

ایک روز درویش کمال الدین اور حاکم اجودھن اور چند دیگر درویش خانہ کعبہ سے تشریف لائے تھے اور وہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا متعبد وہ لوگ ہیں جسکا ظاہر و باطن حق سے آراستہ ہو اور ریا ان کے ظاہر و باطن میں نہ ہو۔ جو طاعت اور بندگی کریں وہ خاص دعا کے واسطے کریں۔ نہ کہ لوگوں کے دکھانے کے واسطے۔ کیونکہ عبادت کرنے والا اگر طاعت سے آراستہ ہو تو اس کی طاعت لپیٹ کر اس کے ہی منہ پر ماری جاتی ہے۔ بلکہ سلوک کے راستہ میں تو ایسے عابدوں کے ایمان جانے کا خوف ہو جاتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا اے درویش بعض عابد ایسے ہیں جو اپنا ظاہر لوگوں کے دکھانے کیلئے آراستہ کرتے ہیں اور وہ باطن میں اللہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

(1) ایک تو وہ جنکے ظاہر طاعت کے مطابق ہیں۔ لیکن باطن خراب

(2) دوسرے وہ جسکا ظاہر خراب اور باطن آراستہ ہو۔

(3) وہ کہ جنکا ظاہر اور باطن دونوں خراب ہوں۔

(4) چوتھے وہ ہیں کہ جنکا ظاہر اور باطن دونوں اچھے ہیں۔

پھر آپ نے تمثیلاً فرمایا اے درویش! میری بات سن اور اس پر کان دھر کہ جس گروہ کا ظاہر بندگی سے آراستہ ہو اور باطن خراب ہو تو وہ لوگوں کے دکھاوے کیلئے بندگی کرتے ہیں۔ کہ لوگ اچھا جانیں اور عزیز رکھیں۔ لیکن ان کا دل دنیا میں اٹکا ہوا ہوتا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک زاہد پارسا تھا۔ جس نے پانچ سو برس تک اللہ کی عبادت کی تھی

جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اسکو خواب میں دیکھا کہ طوق آتشی اسکی گردن میں پڑے ہوئے ہیں اور آتشی تختے اس کے پاؤں کے نیچے دبے ہوئے ہیں اور گرداگرد اسکے آگ رکھ کر جلایا جارہا ہے اور آتشی گرز لئے ہوئے اس کے سر پر فرشتے کھڑے ہوئے ہیں۔ ہر بار گرز اس کے سر پر لگاتے ہیں۔ جس سے مغز پاش پاش ہو جاتا ہے۔ پھر مغز کو جوڑ دیتے ہیں۔ وہ بہت فریاد کرتا ہے۔

جب اس سے دریافت کیا گیا تُو تو بڑا عابد اور زاہد تھا اور بہت برسوں تک تو نے خدا کی عبادت کی تھی۔ پھر یہ تیرا کیا حال بن رہا ہے کہ تجھ پر عذاب کیا جارہا ہے۔ اس نے کہا اے مسلمانو! بات اصل میں یہ ہے کہ جو بندگی تم میری دیکھتے تھے وہ سب ریائی تھی۔ یعنی فقط دکھاوے کی تھی اور میرا دل دنیا کیطرف مصروف تھا۔ پس سارے اعمال میرے منہ پر مارے گئے اور یہ حکم خدا کا تجھ پر ہوا کہ یہ زاہد سخت عذاب کے لائق ہے لہٰذا اس پر عذاب کرو۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا اے درویش! دوسرا طریقہ وہ ہے جنکا باطن درست اور ظاہر خراب ہے۔ وہ طائفہ مجنونوں کا ہے کہ باطن ان کا اللہ تعالیٰ کی طرف مشغول ہے اور ظاہر میں وہ کوئی سامان نہیں رکھتے۔

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! طائفہ مجنوناں وہ طائفہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے مصروف ہیں کہ انکو اور کسی بات کی خبر نہیں۔ اسلئے ظاہر ان کا خراب ہے۔

پھر فرمایا ایک درویش مجنوں مجھ کو ملا۔ وہ عالم جنون میں ساٹھ برس تک رہا۔ وہ خدا تعالیٰ اور اسکے قدرت کے معائنہ میں ایسا مصروف تھا کہ اسکو کسی چیز کی بھی خبر نہ تھی۔ میں نے ایک رات اسے خلوت کے عالم میں دیکھا کہ وہ تلاوت میں مشغول تھا۔ ایک نور اس سے تابندہ تھا اور اسکے نور کی روشنی عرش سے حجاب عظمت تک پہنچ رہی تھی۔ میں اسکے نور کو دیکھ اسکے قریب ہوا کہ اس نور سے مجھ کو بھی کچھ حصہ ملے۔

جونہی میری پاپوش کی آواز اس کے کان میں پہنچی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور کہا اے درویش! چونکہ تو نے ہمارے بھید کو دیکھ لیا۔ اب یہ بات ہے کہ یہ بھید ہمارا کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

یہ کہہ کر آسمان کی طرف منہ کیا اور عرض کی خداوندا! تو نے میرے بھید اور اپنے بھید کو کھول دیا۔ اب یہاں میرے رہنے کا موقع نہیں رہا۔ ابھی اس درویش نے پورے طور پر یہ کہا بھی نہ تھا کہ جاں بحق تسلیم ہوا۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ اے درویش! وہ طائفہ کہ جنکا ظاہر اور باطن خراب ہے وہ عوام الناس ہیں کہ ان کو طاعت وعبادت سے کچھ خبر نہیں۔ اب رہا وہ طائفہ کہ جنکا ظاہر اور باطن معرفت کے نور سے آراستہ ہے وہ درویش اور مشائخ طبقات ہیں کہ ان کے دل نور معرفت سے حق کی طاعت کے ساتھ آراستہ ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اے درویش! مشائخ طائفہ وہ ہیں کہ اگر ذرہ برابر بھی ریا انکی ظاہری اور باطنی بندگی میں پیدا ہو جائے تو اپنے آپ کو اتنا مجاہدہ میں ڈالتے ہیں کہ جس سے اس ریا کا کفارہ ہو جائے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ طائفہ مشائخ وہ لوگ ہیں کہ جسوقت ان پر کوئی حال پیدا ہوتا ہے۔ اگر لاکھ تلواریں ان پر چلائی جائیں اور ان کو ذرہ ذرہ کر دیں تب بھی انکو خبر نہ ہو۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا اے درویش! ایک بار ایک شخص ایک درویش کے پاس آیا اور اس نے اس سے یہ

Marfat.com

التماس کی کہ جب اللہ کی محبت میں آپ کو حال پیدا ہو تو اسوقت بندہ کو بھی یاد رکھنا۔

وہ درویش ہنسا اور کہنے لگا اے عزیز! اسوقت پر بہت افسوس ہے کہ میں حال میں مصروف ہوں اور تو یاد آئے کہ تجھ سے دل لگاؤں اور خدا سے جدا رہوں۔

اس کے بعد شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کلام مجید میں فرماتا ہے۔''الیومہ نختم علیٰ افواھھم و تکلمنا ایدیھم و تشھدا ارجلم بما کانو یکسبون''۔ان کے مونہوں پر آج ہم مہریں لگا دینگے اور جیسے اعمال یہ لوگ کرر ہے تھے ان کے ہاتھ ہم کو بتا دیں گے اور ان کے پاؤں بھی ہمارے سامنے گواہی دینگے۔یعنی جو لوگ دنیا میں نیک اور بدکام کرتے ہیں۔قیامت کے روز بھی ان کے ہفت اندام گواہی دینگے۔

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! درویشوں نے جو اپنے آپ کو جیتے جی مردہ کرر کھا ہے۔اور سب چیزوں سے اپنے آپ کو علیحدہ کرر کھا ہے اور ہاتھ اپنا سمیٹ رکھا ہے۔اسکا سب یہی تو ہے کہ نہ پکڑنے والی چیز ہاتھ میں نہ پکڑیں اور زبان کو اس واسطے گنگ کر دیا ہے کہ نہ کہنے والی بات زبان سے نہ نکالیں اور پاؤں کو اس لئے لنگڑا کرر کھا ہے کہ جو جگہ نہ جانے کی ہے نہ جائیں۔

پس اے درویش! جو ایسا کرے حقیقت میں وہ قرب کے مکان میں پہنچ گیا اور قیامت کے عذابوں سے چھوٹ گیا۔

پھر فرمایا اے درویش! میں ایک بار بغداد میں ایک درویش کے پاس تھا۔وہ درویش اللہ کی یاد میں ازحد مشغول تھا اور نعمتیں رکھتا تھا۔وہ جمعہ کی نماز کیلئے جارہا تھا۔یکا یک اسکی نظر ایک عورت پر پڑگئی۔اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لئے اور کہا کہ یا غفور یا غفور۔

غرضکہ وہ جب نماز سے واپس لوٹا اور گھر میں آیا تو دعا کی کہ خداوند جو آنکھ تیری دیکھنے والی ہو جائز نہ رکھ کہ اور کو بھی دیکھے۔

ابھی ان کے منہ سے یہ فقرہ نکلا ہی تھا کہ اسکی دونوں آنکھیں اندھی ہو گئیں۔اس نے دو رکعت شکرانہ کی پڑھیں اور بیٹھ گیا۔جب شیخ الاسلامؒ اس موقعہ پر پہنچے تو رونے لگے اور فرمایا فی الحقیقت بڑی کوتاہ نظری ہے کہ دوست کے سوا اور کسی کو بھی دیکھے۔پھر آپ نے یہ شعر پڑھا:

چشمے دررخ تو بہ بیند روا مدار
خبر در جمال تو گہ دگر سو نظر کند

پھر اس امر کے چند روز بعد یکا یک ایک آواز ناشنیدنی اس درویش کے کان میں آئی۔اس درویش نے دعا مانگی کہ الٰہی جو کان سوائے تیرے نام پاک کے سنیں تو وہ بہرے ہی ہو جائیں۔پس اس وقت اس درویش کے دونوں کان بہرے ہو گئے۔

پھر وہ درویش اٹھا اور اس نے نیا وضو کیا اور دوگانہ ادا کیا اور کہنے لگا اب میں اس دنیا سے سلامتی کے ساتھ چلا جاؤنگا اور اپنے آپ کو سلامتی کے ساتھ لیجا سکونگا۔کیونکہ یہ اب دونوں چیزیں میرے پاس نہیں رہیں اور یہ مجھ سے لے لی

گئیں۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا:

گوشے کہ خبر نام تو اے دوست بشنود
گر باد چوں بہر سخنے گوش برکند

جب یہ حکایت شیخ الاسلامؒ فرما چکے تو رونے لگے اور یہ شعر زبان مبارک پر لائے:

چہ نیکو بود وقت مردن اگر
سلامت برم رخت ایماں بہ گور

پس ہر بار شیخ الاسلامؒ یہ شعر کہتے تھے اور منہ آسمان کیطرف کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ الٰہی اس درویش کی تمنا ہے کہ مجھ کو ایمان کی سلامتی کے ساتھ جہان سے اٹھائیو۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اے درویش! اگر لوگ اپنا ایمان سلامتی کے ساتھ لیجائیں تو حقیقت یہ ہے کہ بڑا ہی کام کریں۔

پھر آپ نے فرمایا اے درویش! امام احمد حنبلؒ کو موت کے سوا کسی نے بھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب آپ کا آخر وقت ہوا تو آپ کے برابر شیطان آ کھڑا ہوا۔ اور دست افسوس مل کر کہنے لگا کہ اے امام احمد! تم اپنا ایمان سلامت افسوس لے چلے یہ سنکر آپ ہنسے اور کہا الحمدللہ، اللہ کے فضل سے میں اپنا ایمان سلامت لے چلا۔

علم وعقل کے بیان میں

آپ کی مجلس میں علم وعقل کا ذکر ہونے لگا۔ کتاب ''مفصل'' شیخ الاسلامؒ کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ آپ نے اس کے کچھ نکات فرمانے شروع کئے۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر دو احسان ہیں۔ ایک تو ظاہری اور دوسرا باطنی۔ جو تو ظاہری ہے وہ تو پیغمبر لوگ ہیں اور جو باطنی ہے وہ عقل ہے۔ یاد رکھو اگر کوئی شخص عالم ہے اور اسے عقل نہیں ہے تو علم اسکو فائدہ نہ دے گا۔

پھر اسی موقع پر آپ نے فرمایا کہ میں نے لکھا دیکھا ہے ''آثار تابعین'' میں کہ حضرت آدم علیہ السلام پر جبریلؑ موجودات کا علم لے کر حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہوا کہ علم اور عقل دونوں لیجاؤ۔ **و علم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملائکۃ۔**

جب حضرت آدم علیہ السلام کے آگے علم اور عقل دونوں پیش کئے گئے تو حضرت آدم علیہ السلام فکر کرنے لگے کہ کیا قبول کروں۔

پس فکر کر کے انہوں نے عقل کو قبول کیا اور فرمایا عقل سے علم بھی حاصل کرلوں گا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے صحیفے میں ہی حکم ہوا تھا کہ سارے عقلمندوں اور صالحوں کو واجب ہے کہ چار ساعتوں سے غافل نہ رہیں۔ پہلی ساعت میں تو اللہ تعالیٰ سے مناجات کریں۔ یعنی نماز سے آخر نماز تک دعا میں مصروف رہیں کیونکہ ایک ساعت اس میں ایسی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نجات دیتا ہے۔ دوسری ساعت وہ ہے کہ

Marfat.com

انسان ایک وقت اپنی حالت پر غور کرے کہ میں کیا خطائیں کر رہا ہوں۔ کیا کھاتا ہوں کیا پیتا ہوں اور کیا کام کرتا ہوں۔ اور تیسری ساعت یہ ہے کہ اپنے بھائی بندوں کے پاس بیٹھے اور جو عیب کہ ان میں نظر آئیں کسی سے نہ بیان کرے۔ چوتھی ساعت وہ ہے کہ جب کچھ نہ کھائے اور نہ سوئے تو نیک کام کرے اور بُرے لوگوں کی صحبت میں ہرگز نہ بیٹھے۔

اور پھر آپ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ درستی اور راستی میں عقل اور علم دونوں ایک دوسرے کے شریک ہیں کیونکہ عقل کو علم سے چارہ نہیں ہے۔ پس سب فضیلت والا وہی شخص ہے جو اپنے آپ کو پہچانے کہ اس صورت میں عقل ہی مختار ہے۔

پھر آپ نے اسی موقعہ پر فرمایا کہ قاضی حمید الدین ناگوریؒ اپنی کتاب تاریخ میں ارقام فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی انتہا ہے اور عبادت کی غایت عقل ہے کیونکہ بے علم عبادت ایک بیہودہ رنج ہے اور علم بے عقل دردسر ہے۔ قیامت کے روز یہی عقل حجت ہوگی۔ امام اعظمؒ سے پوچھا گیا کہ ہر آیت اور ہر حدیث سے ہزار ہزار مسائل نکال لیتے ہو۔ کسی کی مدد سے ایسا کرتے ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ عقل کی مدد سے۔ اگر عقل نہ ہوتی تو ایک شرعی مسئلہ بھی نہیں نکال سکتا۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا عقل سب چیزوں سے بڑھ کر چیز ہے۔ کیونکہ اگر عقل نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے بے خبری ہوتی۔ پھر دوسرے موقعہ پر بھی علم و عقل کا ذکر ہونے لگا۔

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبادتوں سے بالاتر روزہ' نماز' حج ہے۔

پھر شیخ الاسلامؒ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے کہ علم وہ علم ہے کہ جسکو دنیا کے لوگ نہیں جانتے اور زہد وہ زہد ہے کہ زاہد لوگ بھی نہیں جانتے اور اصلی کام ان دونوں سے الگ ہے۔ پس آدمی کو چاہیے کہ ان دونوں سے گزر جائے۔ اور اپنے دل کو سب چیزوں سے الگ کرے یعنی قطع تعلق کر لے۔

پھر آپ نے فرمایا اگر لوگ علم کا درجہ جان لیں کہ کونسا درجہ ہے تو وہ سب کاموں سے قطع تعلق کر لیں اور سب کے سب تحصیل علم میں مصروف ہو جائیں کیونکہ علم ایسا ابر ہے کہ وہ رحمت کا ہی مینہ برساتا ہے۔ پس جس نے اسکی طرف توجہ کی وہ سارے گناہوں سے پاک اور صاف ہو گیا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ ایک ہی جگہ پر تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ علم ایسا چراغ ہے کہ پاک آبگینہ کی قندیل میں رکھا ہوا ہے۔ جس سے تمام عالم لاہوت اور ملکوت روشن ہے۔ پس جو مشغول علم میں ہے' اسکو تاریکی کا کیا ڈر ہے کیونکہ اس کے جسم میں سارا عالم روشن ہے۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ علما علم سے بے خبر ہیں کیونکہ انہوں نے سلاطین کی بارگاہ کو طواف گاہ کر رکھا ہے اور غرور و دانائی اور اکڑفوں سے اپنے نفس کو مغرور کر رکھا ہے۔

پھر شیخ الاسلامؒ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور رونے لگے اور فرمانے لگے کہ اب قوت و برکت کہاں ہے۔

پھر آپ نے اسی محل پر فرمایا کہ علما کی شرح میں کہ قیامت کے روز صالحوں اور اہل علم (جو دنیا اور اہل دنیا میں مصروف ہیں) جو علم کا کام نہیں کرتے۔ انکی نسبت حکم ہوگا کہ میدان قیامت میں انکو لاؤ۔ جب فرشتے میدان مذکور میں انہیں لے آئیں گے' حکم ہوگا کہ انکی گردنوں میں آتشیں گولے لٹکاؤ۔ اور پھر انہیں دوزخ میں لیجاؤ۔

Marfat.com

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ یہ علماوہ لوگ ہیں کہ جو ظاہر میں علم اور پارسائی جتاتے تھے۔ اور باطن میں علم سے کچھ کام نہیں لیتے تھے۔ اور حیلہ بہانہ سے دنیاداروں کو ٹھگتے تھے۔

پھر فرمایا کہ میں نے ''راحت الارواح'' میں (جو قاضی حمیدالدین ناگوریؒ کی تصنیف ہے) یہ دیکھا ہے کہ جب آدمی کاروبار علم سے مصروف ہوگا اور اس پر عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ایسی توفیق دے گا کہ وہ حق کو باطل سے، نیک کو بد سے، حلال کو حرام سے جدا کرنے لگے گا۔

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ علم کی کئی قسمیں ہیں۔ اگرچہ نام عالم ہے مگر حقیقت میں عالم وہی ہے کہ جو علم نبویؐ سے واقف ہے۔ کیونکہ علم نبویؐ علم آسمانی ہے اور پروردگار عالم کی وحی سے ظاہر ہوا ہے جو ہمارے پیغمبروں پر نازل ہوئی ہے اور ان کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہے۔

اس کے بعد معرفت کا ذکر ہونے لگا۔ آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ جو اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتا۔ وہ ہواوہوس میں دوسروں کی مبتلا رہتا ہے۔ اور جو اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے وہ دوسروں سے الفت نہیں رکھتا۔ جسکو اللہ تعالیٰ کی محبت ہوگی اگر اٹھارہ ہزار ممالک بھی اس کے سامنے لائے جائیں۔ وہ انکی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔

اس کے بعد شیخ الاسلامؒ دعا گو کیطرف مصروف ہوئے۔ اور فرمایا کہ معرفت والے وہ لوگ ہیں کہ اگر عرش سے تحت الثریٰ تک ایک لاکھ مقرب فرشتے (مثلاً جبرئیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ وغیرہ) ان کے آگے ہوں تو وہ صحبت ورجوع معرفت حق تعالیٰ میں انہیں موجود نہ جانیں گے اور نہ ان کے آنے جانے کی خبر رکھیں گے۔ اگر اس کے برخلاف ہو تو وہ مدعی کاذب ہے اور اہل معرفت میں سے نہیں ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ میں ایک بار شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں موجود تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کہ میں اپنے بندے کو دوست رکھوں۔ تو ذکر کا دروازہ اس پر کھول دیتا ہے اور اسکو دہشت اور حیرت کی سرائے میں داخل کر دیتا ہے کہ وہ اسکا محل عظمت وجلال ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی حمایت اور حفاظت میں رہتا ہے۔

پھر آپ نے اسی موقع پر فرمایا کہ میں شیخ الاسلامؒ سنجریؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر تھا کہ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اہل معرفت کا توکل وقتوں میں ہے اور وہ علم علوی ہے شوق کی راہ کا۔ پس یہ مقام اسے جب میسر آجاتا ہے تو پھر اسکو گر آگ میں بھی جلائیں تو اسے مطلق خبر نہیں ہوتی۔ اور فرمایا اہل معرفت کو گفتگو کرنی اور دعویٰ کرنا اسوقت بجا ہوگا کہ جب پہلے اپنی معرفت کا ثمرہ مخلوق کو دکھائیں اور جب لوگ دعویٰ محبت میں اس سے بحث آکر کریں تو وہ اپنی کرامت کی قوت سے ان کو ہی ملزم بنادے۔

بعدازاں شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی حکایت بیان فرمانے لگے کہ انکی رحلت کے وقت ان کا ایک مرید حاضر تھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ جہان سے رحلت کرنے کے وقت کھل کھلا کر ہنس رہے تھے۔ جیسا کہ زندگی میں ہنسا کرتے تھے۔ اس مرید نے گزارش کی کہ اے میرے قبلہ! آپ تو انتقال کر گئے یہ ہنسی کیسی؟

فرمانے لگے خدا کی معرفت کے لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ بعدازاں آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ عشق اور معرفت اس کے لئے درست ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے اسکو کوئی چیز یاد نہ آئے۔

Marfat.com

پھر فرمانے لگے کہ میں نے شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکیؒ سے سنا ہے کہ عقل کے درخت کو پانی چھڑکا دیتے ہیں کہ خوب بڑھے اور پھولے پھلے۔

پھر اسی محل پر آپ فرمانے لگے کہ خواجہ معین الدینؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جس رات آپ وفات پائیں گے۔ اسی شب، کسی اولیاء اللہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا خواب میں کہ آپ فرماتے ہیں معین الدین سنجریؒ اللہ تعالیٰ کا دوست آتا ہے۔ ہم اس کے استقبال کے واسطے آئے ہیں۔

جب خواجہ ممدوحؒ نے انتقال فرمایا تو آپ کی پیشانی پر لکھا ہوا تھا۔ ''حبیب اللہ''۔

حُب دنیا اور اہلِ دنیا کے بیان میں

مولانا ناصح الدینؒ پسر قاضی حمید الدین ناگوریؒ ناگور سے آئے ہوئے تھے۔ اور مولانا شمس الدینؒ بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اسوقت دنیا کا ذکر ہونے لگا۔

آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''حب الدنیا راس کل خطیة'' یعنی دنیا کی دوستی تمام خطاؤں کی سر ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: قال اهل المعرفة من ترک ملک و من اخدها بلک یعنی اہل معرفت کا یہ قول ہے کہ جس نے دنیا کو چھوڑ دیا ہے وہ فرشتہ ہو گیا۔ اور جس نے اسکو پکڑا اہلاک ہو گیا۔

شیخ عبداللہ تستریؒ نے کہا مولیٰ اور بندہ میں دنیا سے زیادہ کوئی حجاب نہیں ہے کیونکہ آدمی جس قدر دنیا میں مشغول ہوتے ہیں اسی قدر حق سے باز رہتے ہیں۔

اسوقت آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی پیٹھ کے پیچھے دیکھنا چاہے تو اسکا منہ کیطرف سے حجاب ہو جائے گا۔ پس انسان کو لازم ہے کہ کسی حال میں دنیا میں مشغول نہ ہو۔ کیونکہ جب آدمی دنیا میں مبتلا ہوگا تو حق تعالیٰ سے غافل ہو جائے گا۔

پھر شیخ الاسلامؒ فرمانے لگے کہ میں نے شیخ الاسلامؒ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ العزیز سے سنا ہے اور انہوں نے اپنے استاد سے روایت کی ہے کہ جب تک بندہ اپنے آئینہ دل سے دنیا کے زنگار کو محبت کی صیقل سے پاک اور صاف نہیں کرے گا اسکو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انسیت نہ ہوگی۔ اور جب تک غیر کی ہستی کو درمیان سے نہ اٹھائے گا۔ خدا کے ساتھ لگاؤ نہ ہوگا۔ جب تک وہ ایسا نہ کرے گا وہ خدا تعالیٰ تک نہ پہنچے گا۔

پھر آپ نے فرمایا ''تحفۃ العارفین'' میں خواجہ شبلیؒ فرماتے ہیں کہ اصل صلاحیت آدمی میں ہے اور اس صلاحیت کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ جب دل سنور جاتا ہے تو آدمی کی سب چیزیں سنور جاتی ہیں۔

اسوقت آپ نے فرمایا کہ دل کے لئے بھی حیات و ممات ہے اور دونوں جداگانہ ہوتے ہیں۔

چنانچہ کلام مجید میں لکھا ہے۔ اومن کان میتاً۔ یعنی کثرت شغل دنیا سے دل مرجاتا ہے۔ فاحیاه بذکر المولیٰ۔ پس اسکو زندہ کرے اللہ کے ذکر سے۔

Marfat.com

پھر فرمایا جسوقت انسان کا دل دنیا کی لذتوں اور خواہشوں اور ماکولات اور مشروبات میں مشغول ہوتا ہے۔ غفلت اس میں اثر کر جاتی ہے اور خواہش اس پر چھا جاتی ہے اور سوائے خیال الٰہی سب قسم کے خیال اور فکر اس کے دل میں آنے لگتے ہیں اور وہ دل کو سیاہ کر دیتے ہیں۔ پس جب دل سیاہ ہو جاتا ہے تو وہ موت کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ جس زمین میں کنکر اور پتھر بہت ہوتے ہیں وہ زمین تخم یعنی بیج قبول نہیں کرتی اور اسکو یوں کہتے ہیں کہ یہ زمین مردہ ہے۔

ایسے ہی جس دل سے کہ ذکر خدا جاتا رہتا ہے۔ دیو پری اس میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پس جو دل کہ دیو اور شیاطین کا مکان بن گیا وہ دل مر گیا۔ پس جو کچھ ہے وہ ذکر حق ہے۔ اور اس کے سوائے سب باطنی امور ہیں۔ آدمی کو واجب ہے کہ سوائے حق کے اور کچھ نہ سنے۔ کیونکہ یہ دل زندوں کے سماع کی جگہ ہے نہ کہ مردوں کی۔

جس وقت دنیا کا تعلق دل سے دور ہو جاتا ہے اور ہوائے نفسانی اس سے الگ ہو جاتی ہے تو پھر بندہ اپنے آپ کو ہمیشہ ذاکر و شاغل رکھتا ہے۔ اور اس کا دل ذکر کے نور سے زندہ ہو جاتا ہے۔

اور پھر آپ نے فرمایا میں نے خواجہ جنید بغدادیؒ کے رسالہ ''عمدہ'' میں دیکھا ہے کہ اصل اس راہ میں دل کی صلاحیت ہے اور صلاحیت کا حاصل حصول اس امر پر منحصر ہے کہ آدمی اپنے باطن کو کل مذمومات دنیا سے پاک کرے اور اس طہارت سے اپنے دل مذموم کو پاک اور صاف کرے اور جان لے کہ اصلی مآل کار درویشی ہے۔ پس اس سے ظاہر ہوا کہ جوہر درویشی یہی ہے۔

اس کے بعد آپ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ جس درویش نے دنیا کا کام شروع کیا اور رفعت و جاہ کیطرف رغبت کی۔ جان جاؤ کہ وہ درویش نہیں وہ مرتد طریقت ہے کیونکہ فقیری سے مراد دنیا سے منہ موڑنا ہے۔ نہ طلب کرنا۔

پھر آپ نے اسی محل پر کہا کہ میں ایک مرتبہ بغداد میں خواجہ اجل سنجریؒ کے روبرو حاضر تھا۔ درویشوں کا ذکر ہو رہا تھا کہ حضرت ممدوح نے فرمایا کہ رسالہ ''عمدہ'' میں جنیدؒ فرماتے ہیں کہ جملہ مذاہب اہل فقر میں حرام ہے کہ درویش اہل دنیا سے میل ملاپ رکھے یا ملوک و سلاطین کے پاس آمد و شد رکھے۔

پھر آپ نے اسی محل پر فرمایا کہ ''حدائق'' میں لکھا ہے کہ عراق کا بادشاہ تین سال سے علیل تھا۔ دعا کے واسطے خواجہ شہاب الدین تستریؒ کو طلب کیا گیا۔ انہوں نے دعا کر کے اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے حق تعالیٰ نے اسے شفا مرحمت فرمائی۔

خواجہ اپنی جگہ پر واپس آئے۔ انہوں نے اس ساعت کے کفارہ میں جو وہ بادشاہ کے پاس گئے تھے سات برس تک خلقت سے گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔

اور یہ فرمایا کہ مشائخ اس بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ **صحبة الاغنياء اللفقراء سم قاتل۔**
یعنی فقراء کے واسطے اغنیاء کی صحبت سم قاتل ہے۔ پس اس امر کا حاصل یہ ہوا کہ جس قدر درویش لوگ تونگروں سے کنارہ کرتے ہیں۔ خدا سے قریب ہوتے جاتے ہیں اور جب تونگروں کی محبت دل میں قیام پکڑنے لگتی ہے تو انکی صحبت نقصان کرتی ہے۔ کیونکہ مذہب فقر یہ ہے کہ ذرہ برابر دنیا اور اہل دنیا کی دوستی درویش کے دل میں باقی نہ رہے اور خلق کی

Marfat.com

مقبولی اور غیر مقبولی درویش کے دل میں برابر ہو۔

آپ کی مجلس میں ایک روز ذکر ترک دنیا کا ہو رہا تھا۔ آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ایک بزرگ پانی پر مصلیٰ بچھائے نماز پڑھ رہے تھے اور بعد نماز انہوں نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! خضر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ اسے توفیق دے کہ وہ توبہ کرے۔ حسب اتفاق اسوقت حضرت خضر علیہ السلام بھی کہیں سے آ نکلے۔ انہوں نے جو اسکی یہ دعا سنی تو کہنے لگے بھائی بتاؤ مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوا ہے تاکہ میں توبہ کروں۔ ان بزرگ نے کہا کہ تو نے جنگل میں ایک درخت لگا رکھا ہے تو اس کے سایہ میں بیٹھتا ہے اور آرام کرتا ہے اور پھر کہتا ہے میں نے یہ درخت اللہ کے واسطے لگایا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام اسی وقت توبہ اور استغفار کرنے لگے۔ اس کے بعد وہ بزرگ حضرت خضرؑ سے ترک دنیا کا ذکر کرنے لگے اور دریافت کرنے لگے کہ تم کسطرح رہتے ہو اور تمہاری حالت کیا ہے۔

بعد ازاں وہ بزرگ فرمانے لگے کہ حالت میری تو یہ ہے کہ اگر ساری دنیا مجھے دیدی جائے اور کہا جائے کہ اسکا حساب تجھ سے نہ لیا جائے گا اور یہ بھی مجھ سے کہا جائے کہ اگر تو دنیا قبول نہ کرے گا تو ہم تجھے دوزخ میں بھیج دیں گے تو میں دوزخ کو قبول کروں گا۔ اور دنیا کو قبول نہ کروں گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کس دلیل سے یہ امر کہتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ دنیا مبغوضہ خداوندی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ جسے دشمن رکھتا ہے اس کو میں بھی دشمن رکھتا ہوں۔ پس اسکی بجائے دوزخ کو قبول کرتا ہوں اور دنیا کو قبول نہیں کرتا۔

پھر یہ ذکر ہونے لگا کہ آدمی کو چاہیے کہ ہر حال میں خدا کی یاد میں غرق رہے۔

ایک روز آپ کی مجلس میں ترک دنیا کی بابت گفتگو ہو رہی تھی تو آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ جس دن سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا ہے۔ اس دن سے اس کو بہ نظر رحمت ایک بار بھی نہیں دیکھا۔

پھر آپ فرمانے لگے کہ میں ان چیزوں سے خوف کھایا کرتا ہوں ایک تو امید کی درازی سے' دوسرے دنیا کے اتباع سے اور ہوائے نفس سے۔ کیونکہ نفس بندہ کو اللہ کی یاد سے باز رکھتا ہے اور امید کی طوالت آخرت کو بھلاتی ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک بزرگ غزنی میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ دنیا ہماری طرف پیٹھ رکھتی ہے اور آخرت ہماری طرف منہ رکھتی ہے اور یہ سب زندگی کے۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ''اسرار العارفین'' میں لکھا ہے کہ یحییٰ معاذ رازیؒ فرماتے ہیں کہ جب آسمان کیطرف سے زمین پر حکمت اترتی ہے تو وہ دلوں کی طرف دیکھتی ہے۔ جس دل میں یہ چاروں خصلتیں ہوتی ہیں' ان میں وہ نہیں ٹھہرتی۔

(1) حرص دنیا

(2) غم فردا یعنی کل کیا ہوگا؟

(3) مسلمانوں کے ساتھ بغض و حسد رکھنا

(4) حب جاہ و حب شرف

Marfat.com

اگر کسی میں ان چاروں خصلتوں میں سے ایک بھی ہوتی ہے تو وہ اس کے دل میں نہیں اترتی۔

فرمانے لگے برادر بہاء الدینؒ اور ہم ایک ہی جگہ پر تھے کہ زہد کا ذکر ہونے لگا اور کہا گیا زہد اور درویشی میں تین چیزیں ہیں جن میں یہ تین نہیں وہ زاہد نہیں:

(1) دنیا کا پہچاننا اور دستبرزدار اس سے ہونا۔

(2) مولا کی خدمت کرنی اور نگاہ ادب رکھنا۔

(3) آخرت کی آرزومندی اور اس کا طلب کرنا۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ ہمارے خواجگان میں سے خواجہ فضیل عیاضؒ کو اسطرح پہنچا ہے۔ قیامت کے روز دنیا کو نیا سنوار کر اس کو میدان میں لائیں گے اور وہ بنی ٹھنی تمام میدان میں گشت کرے گی اور کہے گی اے خداوند! تو اپنے بندوں میں سے ایک کو میرا کر دے۔ اللہ تعالیٰ کیطرف سے آواز آئے گی! اے دنیا تجھ کو میں نے پسند نہیں کیا اور نہ ان کو پسند کیا جو تیرے اتباع میں رہے ہیں۔ اس کے بعد دنیا کو نیست و نابود کر دینگے۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے دعا گو کی طرف رخ کیا۔ اور فرمایا کہ تو دنیا کو ترک کر دے تا کہ قیامت کے روز تو دوزخ کے پاس نہ جائے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ جتنی فتوح اور نقدی میرے پاس آتی ہے۔ اگر میں اسکو اٹھا کر رکھوں تو بہت سے خزانے جمع ہو جائیں۔ لیکن میں ایسا نہیں کرتا اور جو کچھ آتا ہے اس کی ہی راہ میں دے دیتا ہوں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ خواجہ مودود چشتیؒ "شرح اولیاء" میں ارقام فرماتے ہیں کہ تمام بدیاں ایک خانہ میں جمع ہیں اور اسکی کنجی دنیا ہے۔

پس جو عقلمند ہے وہ نہ اس گھر کے پاس جاتا ہے اور نہ اس کنجی کے پاس۔ پس ساری بدی اور بلا دنیا ہی ہے۔

""تفسیر زاہدی" آپ کے پاس رکھی ہوئی تھی۔ اس میں ایک روایت نکل آئی۔ "سنجی الحفضون و هلک المتقلون"۔ یعنی سبکسار نجات پا جائیں گے اور گرانبار ہلاک ہو جائیں گے۔

سماع کے بیان میں

شب معراج کے ذکر کے بعد شیخ بدر الدین غزنویؒ چھ درویشوں کے ساتھ آئے اور آداب بجا لائے۔ آپ نے حکم فرمایا تشریف رکھو۔ چنانچہ وہ بیٹھ گئے اور سماع کے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ اس مجلس میں ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق بیان کرتا تھا۔

چنانچہ شیخ جمال الدین ہانسویؒ نے فرمایا کہ سماع دلوں کا راحت دینے والا ہے اور اہل محبت کا جنبش دینے والا ہے، جو دریائے محبت میں تیرتے ہیں۔

اس موقع پر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ بیشک آشناؤں کا یہی کام ہے۔ جب وہ آشناؤں اور دوستوں کا نام سنتے ہیں دوستی دکھاتے ہیں۔

اس کے بعد شیخ بدرالدین غزنویؒ نے عرض کی کہ اہل سماع جو بیہوش ہو جاتے ہیں' اس کی اصل کہاں سے ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا اس دن سے ہے جبکہ انہوں نے الست بربکم کی ندا سنی اور بیہوش ہو گئے چنانچہ وہی بیہوشی ان میں اب تک چلی آتی ہے۔ پس جب یہ لوگ سماع سنتے ہیں وہ ہی بیہوشی ان میں اثر کر جاتی ہے اور وہ بیہوش ہو جاتے ہیں۔ اسوقت شمس دبیرؒ نے گزارش کی کہ جسوقت ندائے الست بربکم ہوئی سب کی روح تو ایک تھی۔ اور سب نے بلیٰ کہا تھا۔ پھر یہ ہندو' یہودی' ترسا کیونکر ہوئے۔

شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ امام محمد غزالیؒ لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے الست بربکم کی آواز دی سب روحیں برابر تھیں۔ مگر اس کے سنتے ہی چار قسم کی روحیں ہو گئیں۔

پہلی قسم کی روحوں نے قالو بلیٰ دل وزبان سے کہا۔ یعنی بیشک تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔ اور اسی وقت سجدہ میں گر گئیں۔ اور وہ ارواح انبیا' اولیا' صدیقوں اور صالحوں کی تھیں۔

دوسری قسم نے دل سے کہا زبان سے نہ اور سجدہ میں گر گئیں چونکہ دل سے یقین کے ساتھ کہا تھا۔ آخر مسلمان ہوئیں۔ یہ صف اس گروہ میں سے ہے کہ اول دوسری قوم کے شکم سے پیدا ہوئے۔ اور آخر کار انکو اللہ تعالیٰ نے دولت ایمان مرحمت فرمائی۔

تیسری قسم نے زبان سے کہا مگر دل سے نہ کہا۔ لیکن سجدہ کیا اور آخر کار وہ دل میں کراہیت لے آئی کہ کس واسطے سجدہ کیا۔ اس صف کے لوگ اول مسلمان پیدا ہوتے ہیں اور آخر کار دوسری قوم ہو جاتے ہیں۔

چوتھی قسم نے نہ زبان سے کہا اور نہ دل سے کہا۔ اول و آخر ویسے ہی بے ہوش ہو جاتے ہیں' جیسے ابتدا میں ہوئے کہ وہ ندائے الست بربکم سنتے ہی بیہوش ہو گئے تھے۔ پس یہ ہی بیہوشی ہے جو ابتک ان میں چلی آتی ہے۔ جب وہ دوست کا نام سنتے ہیں تو حرکت و حیرت، ذوق، بیہوشی، ان میں ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ سب معرفت ہوتی ہے۔

اگر اسوقت دوست کی شناخت نہ ہو تو چاہے کوئی ہزار برس عبادت کرے لیکن اسکو طاقت کا ذوق حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس کو معلوم ہی نہیں کہ وہ کس کے لئے بندگی کرتا ہے۔ اور مقصد اس طاعت سے یہی ہے کہ جو اہل سلوک اور اہل عشق اور مشائخ وقت نے کیا ہے۔

کیونکہ کلام مجید میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ ماخلقت الجن و الانس الالیعبدون۔

اس آیت کے معنی امام زاہد یہ ارقام فرماتے ہیں کہ نہیں پیدا کیا ہم نے آدمی و پری کو مگر بندگی کے واسطے۔ لیکن اہل سلوک یہ معنی ارقام فرماتے ہیں کہ یعبدون سے مراد لیعرفون ہے۔ یعنی یہ مقصود ہے کہ دوست کی شناخت کر۔ جب تک اسے نہ پہچانے گا طاعت کا مزا نہ آئے گا۔

کیونکہ عشق مجازی کی کیفیت بھی یہی ہے کہ کوئی کسی پر عاشق نہیں جب تک معشوق دیکھ نہیں لیتا۔ اور جب تک اس کے ملنے والوں سے نہیں ملتا اس سے آشنائی نہیں کرتا۔

اس کے بعد شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ مقصود ندائے الست بربکم سے شناخت دوست ہے۔ یعنی جب تک اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانے لگا طاعت کا مزا نہ پاوے گا۔

Marfat.com

اس کے بعد ایک شخص محمدؒ شاہ نام قوال جو پہلے شیخ اوحد کرمانیؒ کے روبرو بھی سرود کی کارروائی کر چکا تھا۔ معہ اپنے یاروں کے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اسکی نسبت حکم ہوا بیٹھ جاؤ وہ بیٹھ گیا۔

شیخ جمال الدین ہانسویؒ اور شیخ بدرالدین غزنویؒ بھی موجود تھے۔ حکم ہوا کہ سماع شروع ہو۔ جب سماع ہونے لگا تو شیخ الاسلامؒ ایستادہ ہو گئے اور رقص کرنے لگے۔ چنانچہ آپ سات رات اور سات دن برابر رقص میں مصروف ہو جاتے۔ ساتویں روز آپ ہشیار ہوئے تو اسوقت یہ غزل پڑھی جاتی تھی۔

غزل

ملامت کردن اندر عاشقی راست
ملامت کسے کند آنکس کہ بنیا است
نہ ہر تر دامنے راعشق زیبد
نظامی تا توانی پارسا باش
کہ نور پارسائی شمع دلہا است

اس کے بعد سلوک کا تذکرہ ہونے لگا۔ آپ فرمانے لگے کہ اہل سماع اس گروہ کے لوگ ہیں کہ جب وہ سماع اور تحیر میں غرق ہو جاتے ہیں تو ایسے بےخبر ہو جاتے ہیں کہ اگر ان کے سروں پر لاکھ تلوار چلے تو اس کو ذرہ بھر خبر نہ ہو اور فرمایا کہ جب آدمی اپنے دوست کے خیال میں متحیر ہوتے ہیں تو ان کو کسی آنے جانے والے کی خبر نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اگر اس وقت ہزار فرشتے ان کے کانوں میں آئیں اور دوسرے کانوں سے وہ نکل جائیں تو ان کو مطلق خبر نہ ہو۔

ریاضت وعبادت کے بیان میں

آپ کی مجلس میں ایک بار خدا کی بندگی کا ذکر ہو رہا تھا۔ آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سب سے بزرگ ہے۔ بس جب یہ حال ہے تو لوگوں کو لائق نہیں ہے کہ ایسی نعمت سے اپنے آپ محروم رکھیں اور اس کے ذکر وفکر میں عمر صرف نہ کریں۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ اپنے دوست کا نام سنتے ہی جان اور مال فدا کر دیتے ہیں۔

''اسرار تابعین'' میں مرقوم ہے ایک بزرگ جنگل میں بعالم تفکر پھر رہے تھے۔ آپ فرمانے لگے کہ صاحب سلوک جب ایک وقت اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو مرد خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ہم زندہ ہوئے تو ذکر مولیٰ سے غافل نہ ہوتے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ بغداد میں ایک بزرگ تھے کہ جو ہزار بار ذکر اللہ کا وظیفہ کیا کرتے تھے۔ ایک روز وظیفہ ان سے ناغہ ہو گیا۔ غیب سے آواز آئی کہ فلاں ابن فلاں انتقال کر گیا۔ چنانچہ ساری خلقت اس آواز کے سنتے ہی باہر نکل آئی اور ان بزرگ کے مکان پر پہنچی تو دیکھتی کیا ہے کہ وہ بزرگ تو صحیح وسلامت موجود ہیں۔ لوگ حیرت میں آ کر ان بزرگ سے معذرت کرنے لگے اور انہوں نے حسب حال بیان کیا۔

Marfat.com

وہ ہنسے اور فرمانے لگے تم سچی خبر لائے ہو۔ تم کو ایسا ہی سمجھنا چاہیے کہ جو ندا تم کو دی گئی ہے اور وجہ خاص یہ ہے کہ میرا وظیفہ جاتا رہا کہ میں پڑھ نہ سکا۔ ناغہ ہو گیا۔ اسی وجہ سے غیب سے ندا آئی کہ فلاں ابن فلاں فوت ہو گیا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ذکر مولیٰ زبان پر جاری رکھنا ایمان کی نشانی ہے اور نفاق سے بیزاری اور دیو اور شیطان سے حصار اور آتش دوزخ سے پناہ ہے۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ "شرح مشائخ" میں لکھا ہے کہ جب مومن خدا کے ذکر میں منہ کو وا کرتے ہیں تو ان کے واسطے آسمان دعا کرتا ہے۔ پس اے لوگو! سعادت ابدی ذکر میں ہی ہے۔ تم کو چاہیے کہ شب و روز کھڑے بیٹھے جاگتے سوتے سوائے قضائے حاجت کے اللہ کی یاد سے بے پرواہ نہ رہو۔

شیخ الاسلامؒ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ میں ایک بار لاہور میں قیام پذیر تھا۔ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ بڑے صاحب نعمت تھے۔ جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے چھ فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اول فائدہ یہ ہے کہ وہ اس حالت کو پہنچ جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دل کی آنکھ سے دیکھنے لگتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ اسکو گناہوں سے الگ رکھتا ہے یعنی آدمی ذکر کے وقت معاصی کے خیال میں نہیں رہتا۔ پس اللہ تعالیٰ اسکو گناہوں سے الگ رکھتا ہے۔

تیسرا ذکر زیادہ کرنا چاہیے کہ دوستی خداوند تعالیٰ سے مشرف ہو اور دوستی خداوند تعالیٰ کی اس کے دل میں متمکن ہو جائے۔ چوتھے جب اللہ تعالیٰ کو انسان یاد کرے گا تو اللہ اسے دوست رکھے گا۔

پانچویں جب کوئی خداوند تعالیٰ کا ذکر زیادہ کرے گا۔ شیر، دیو، پری و شیطان سے امن میں رہے گا۔

چھٹے خداوند تعالیٰ اسکا گور میں رفیق ہوگا۔

پھر آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ کوئی ذکر تلاوت کلام مجید سے بہتر نہیں ہے۔ پس بہتر یہ ہے درویش کیلئے کہ اسکی تلاوت کیا کرے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے سنا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ سورت الملک کا نام توریت میں سورہ ماثور ہے اور فارسی میں ماثورہ۔

اس سورت کا یہ فائدہ ہے کہ جو شخص پڑھے عذاب گور سے نجات پائے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی سورہ یاسین رات کو پڑھے گا۔ وہ شب قدر کے مطابق مرتبہ حاصل کرے گا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک بزرگ بغداد میں تشریف رکھتے تھے اور اللہ اللہ بہت کیا کرتے تھے۔ ایک روز وہ ایک راستے میں تشریف لئے جاتے تھے کہ انکا سر ایک لکڑی سے زخمی ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ پس جو قطرہ کہ زمین پر خون کا گرتا تھا اللہ اللہ کا نقش بنجاتا تھا۔

پس یاد رکھنا چاہیے کہ جو جس کام میں انتقال کرے گا۔ پس وہ اسی کام میں اٹھے گا۔

ایک روز آپ کی مجلس میں مجاہدہ وغیرہ کا ذکر ہونے لگا۔ اس وقت شیخ برہان الدین ہانسویؒ، شیخ ملہو لاہوریؒ، شیخ جمال الدینؒ ہانسوی اور دیگر چند صوفی خانوادہ چشت سے تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ خواجہ بایزید بسطامیؒ

نے ستر برس تک خداوند تعالیٰ کی اسطرح عبادت کی کہ غایت مصروفیت کیوجہ سے یہ نہ جانا کہ آج کونسا دن ہے یا کونسا مہینہ ہے۔ غرض ان سے جب ان کے مجاہدات کا حال دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں بیس سال تک آنکھیں ہوا میں کیئے ہوئے عالم تحیر میں کھڑا رہا ہوں۔ ان برسوں کے درمیان مجھ کو یاد نہیں کہ میں بیٹھا یا اٹھا یا سویا ہوں۔ میری یہ حالت ہو گئی تھی کہ پاؤں سے خون بہنے لگا تھا اور کھڑے رہنے کے سبب پاؤں کے ٹکڑے اڑ گئے تھے۔

اس کے بعد دو سال میں عالم محویت مین ایستادہ رہا۔ ان دو برسوں مین ایک ساعت کیا ایک لحظہ بلکہ ایک لمحہ بھی میں نے اپنے نفس کو پانی نہیں دیا اور مہینے یا ہفتہ میں ایک دو تولہ کھانا کھالیا کرتا۔

بعد ازاں میں نے اپنے کام میں کمالیت حاصل کی۔ دس برس اور میں نے اپنے نفس کو پانی نہیں دیا۔ بعد ازاں میرے نفس کو انار شیریں کی خواہش ہوئی۔ چنانچہ میں روز نفس سے وعدہ کرتا۔ آج دوں گا۔ آخر اس ٹالم مٹولے میں دو برس گزار دیئے۔ پھر نفس نے کہا کب تک اسطرح مجھے ہلاک کرے گا۔ میں نے اسے جواب دیا آخر دم تک۔ پس جو معاملے میں نے اپنے نفس کے ساتھ کئے ہیں تم سن نہیں سکتے اور نہ وہ کہے جا سکتے ہیں۔

غرضکہ جب ستر برس اسی طرح گزر گئے۔ حجاب جو درمیان میں تھا اٹھ گیا اور آواز آئی اندر آ۔ تو نے کوئی کمی ہمارے کام میں نہیں کی ہے۔ پس ہم پر واجب ہو گیا کہ تم پر تجلی کریں۔ آواز آتے ہی خواجہ بایزیدؒ نے ایک نعرہ مارا اور جان بحق تسلیم کی۔

پھر شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ خواجہ بایزید بسطامیؒ کے انتقال کا یہ حال تھا جو ہم نے اوپر بیان کیا۔

پھر آپ فرمانے لگے کہ جو آدمی مجاہدہ کرتا ہے اسکو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ شعر زبان مبارک سے فرمایا:

در کوے تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

پھر آپ نے فرمایا کہ ایک بار ایک بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ مجاہدہ کیا ہے۔ اس نے کہا کہ اپنے نفس کو مارنا۔ یعنی اس کو اس کی آرزو پر نہ پہنچانا اور جس طاعت سے نفس راضی نہ ہو اس کو انجام نہ دینا۔

پھر آپ نے فرمایا کہ خواجہ یوسف چشتیؒ اپنے نفس سے کہا کرتے تھے۔ کہ اے نفس! اگر آج کی شب مجھ سے موافقت کرے تو میں تمام قرآن دو رکعت میں تمام کرلوں۔

ایک بار ایسا ہوا کہ نفس نے ان کا کہنا نہ مانا۔ دو رکعت نماز انکی فوت ہوگئی۔ دوسرے روز آپ مقام مناجات میں ہی تھے کہ آپ نے عہد کرلیا میں نفس کو بیس برس تک پانی نہ دونگا۔ پس نفس کی کاہلی یہ تھی کہ اس رات آپ نے پیٹ بھر کے پانی نفس کو دیا تھا۔ اور اسی سبب سے دو رکعت قضا ہو گئیں۔

پھر آپ نے اس موقع پر فرمایا کہ شجاع کرمانی چالیس برس تک نہ ہوئے تھے۔ اتفاقاً ایک رات سوگئے خداوند کریم کو خواب میں دیکھا۔ بعد ازاں آپ جہاں جاتے بستر ساتھ لیجاتے اور سو جاتے۔ اسلئے کہ شاید اسی دولت پھر میسر ہو جائے۔

پس آواز ہاتف غیب نے دی کہ اے شجاع! وہ ثمرہ چالیس برس نہ سونے کا تجھے ملا تھا۔ پھر ویسا ہی کرے گا تب وہ دولت حاصل ہوگی۔

پھر شیخ الاسلامؒ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور زبان مبارک سے فرمایا کہ جب خواجہ شجاع کرمانیؒ کا وقت آخر آ گیا۔ دوسرے روز انہوں نے ایک ہزار رکعت نماز پڑھی اور پھر مصلیٰ پر پڑ کر سو گئے۔ پھر خداوند کریم کو خواب میں دیکھا۔ حکم ہوا اے شجاع! آتا ہے یا کچھ روز وہیں رہنا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا اے اللہ! یہ میرے رہنے کی جگہ نہیں رہی ہے۔ میں آپ کے پاس آنا ہی چاہتا ہوں۔ پھر آپ یہ خواب دیکھ کر بیدار ہو گئے۔ پہلے وضو کیا اور پھر دوگانہ نماز کا ادا کیا۔ اور عشا کے وقت انہوں نے سجادہ کیا اور جاں بحق تسلیم کی۔ یہ فرما کر شیخ الاسلامؒ نے ایک نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو یہ شعر پڑھنے لگے:

در کوے تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

پھر آپ نے فرمایا کہ لوگوں نے بایزیدؒ سے دریافت کیا کہ اپنے مجاہدہ کا حال تھوڑا سا بیان تو کیجئے۔ فرمانے لگے اپنے مجاہدہ کا حال اگر میں بیان کرنا شروع کروں تو تم ہرگز سن نہیں سکو گے۔ لہٰذا میں تم سے کچھ تھوڑا سا حال کہتا ہوں۔ ایک رات میں نے اپنے نفس کو عبادت کیلئے متوجہ کیا۔ لیکن نفس نے سستی کی اور سستی کی وجہ ہے کہ میں نے دو خرمے زیادہ عادت معمولی سے کھالئے تھے۔

پس نفس کی مخالفت کی وجہ سے جب دن نکلا۔ میں نے عہد کیا کہ کچھ دنوں تک خرمے کھانے کا ہی نہیں۔ آخرکار پندرہ برس تک میں نے اپنے نفس کو کچھ نہیں دیا۔ آخرکار نفس مجبور ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ جو کچھ آپ کہیں گے اسکی میں تعمیل کروں گا۔ جب پھر میں نے خرمے لئے اور اسکو دیئے پھر وہ میرا فرمانبردار ہو گیا۔ یعنی جو کچھ میں اس سے کہتا تھا وہی کرتا تھا۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جو کچھ میں کہتا اس سے زیادہ وہ تعمیل کرتا۔

پھر فرمانے لگے ذوالنون مصریؒ سے جب دریافت کیا کہ آپ نے مجاہدہ اپنے نفس کے ساتھ کہاں تک کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا میں نے یہاں تک مجاہدہ کیا ہے کہ اپنے نفس کو دو دو بلکہ تین تین سال تک پانی نہیں دیتا۔ اور اب مجھ کو دس برس گزرنے کو آئے کہ میں نے اپنے نفس کو شکم سیر ہو کر پانی نہیں دیا اور ہر رات میں جب تک دو کلام مجید ختم نہ کر لوں اور کوئی کام نہیں کرتا۔

پھر آپ خواجہ ذوالنون مصریؒ کے انتقال کا حال اسطرح فرمانے لگے کہ آپ ایک روز معہ اپنے دوستوں کے تشریف رکھتے تھے۔ اولیاء اللہ کی موت کا تذکرہ ہو رہا تھا کہ یکا یک ایک شخص سبز پوشاک پہنے ہوئے آیا جو نہایت خوبصورت اور نیک خصلت تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں ایک سیب لئے ہوئے تھا۔ وہ آداب بجالایا۔ آپ نے فرمایا آؤ بیٹھو۔ وہ شخص بیٹھ گیا۔ خواجہ ذوالنون مصریؒ اسوقت ہر بار یہی فرماتے تھے۔ خوش آمدی، نیک آمدی، صفا آوردی۔ وہ شخص تھوڑی دیر تک تو وہ سیب اپنے ہاتھ میں لئے رہا۔ پھر اس سیب کو اس نے خواجہ صاحب کو دیا۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے وہ سیب لیا اور ہنسے اور اس شخص کو کہنے لگے اچھا جاؤ۔ جب وہ چلا گیا اس وقت شیخ صاحب نے حاضرین جلسہ سے نہایت معذرت

Marfat.com

کے ساتھ کہا کہ اب آپ بھی تشریف لیجائیے۔ چنانچہ سب آپ کے پاس سے چلے گئے۔ آپ قبلہ رو بیٹھے۔ قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔

جب آپ قرآن ختم فرما چکے تو آپ نے اس سیب کو سونگھا اور جاں بحق تسلیم کی۔ پھر خواجہ صاحب کا جنازہ تیار ہوا اور وہ جنازہ مسجد کے سامنے آیا تو مسجد میں اذان ہونے لگی۔ جب موذن یہاں تک پہنچا اشھدان لا الہ الا اللہ تو خواجہؒ نے ہاتھ اپنا کفن سے باہر نکالا۔ شہادت کی انگلی اٹھائی اور کہا اشھدان محمدؐ الرسول اللہ۔ اس پڑھ لینے کے بعد بھی آپ کی انگلی کھڑی رہی۔ ہر چند لوگوں نے چاہا انگلی بٹھا دیں۔ لیکن وہ نہ بیٹھی۔ پھر غیب سے آواز آئی کہ جو انگلی ذوالنون مصریؒ نے رسول اللہؐ کے نام پر کھڑی کی ہے جب تک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اسکو نہ پکڑیں گے۔ وہ ہرگز نہ بیٹھے گی۔ پھر شیخ الاسلامؒ زبان مبارک پر یہ شعر لائے اور ہائے ہائے کر کے رونے لگے:

در کوے تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نگنجد ہرگز

بعدازاں آپ نے فرمایا کہ خواجہ سہل تستریؒ بن عبداللہ تستریؒ نے جب انتقال فرمایا تو جنازہ آپ کا باہر لایا گیا۔ تو ایک جماعت یہودیوں کی جنازہ کے سامنے آئی۔ جو آپ کے منکر تھے اور انکی قوم کے سردار نے لوگوں سے کہا کہ جنازہ رکھ دو۔ میں مسلمان ہوتا ہوں۔

جب جنازہ رکھا گیا تو وہ یہودی جنازہ کے سامنے کھڑا ہوا اور خواجہ کیطرف منہ کر کے کہنے لگا اے خواجہ! مجھے تلقین کیجئے کہ میں مسلمان ہوں (یہ یہودیوں کا سردار ہزار آدمیوں کے ساتھ جنازہ پر آیا تھا) تو خواجہ نے کفن سے ہاتھ نکالا اور آنکھیں کھول دیں اور کہا۔ کہو "اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھدان محمد عبدہ و رسولہ۔"

آپ نے یہ فرما کر کفن میں اپنے ہاتھ کر لئے اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ چنانچہ اسوقت وہ سارے یہودی مسلمان ہو گئے۔

اس یہودیوں کے سردار سے دریافت کیا گیا کہ تو نے کیا بات دیکھی تھی جو مسلمان ہوا ہے۔ اس نے کہا جب تم جنازہ باہر لائے تو آسمان کی طرف سے ایک سخت آواز آئی۔ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ پھر جو میں نے آسمان کیطرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ فرشتے اتر رہے ہیں جو نور کے طباق ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں۔ گروہ در گروہ آتے ہیں اور خواجہ صاحب کے جنازہ پر نثار کرتے ہیں۔ میں یہ دیکھ کر مسلمان ہوا ہوں کہ دین محمدیؐ میں ایسے ایسے لوگ ہیں۔

پھر خواجہ صاحبؒ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور یہ شعر پڑھا:

در کوے تو عاشقاں چناں جاں بدہند
کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

پھر آپ فرمانے لگے کہ ایک بار شیخ علی مکیؒ نے خواب میں دیکھا کہ میں عرش اٹھائے لئے چلا جا رہا ہوں۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے دل میں خیال کیا کہ یہ خواب کس کے سامنے بیان کرنا چاہیے جو اسکی تعبیر حاصل ہو۔ پھر انکو خیال آیا

Marfat.com

کہ اس خواب کی تعبیر بایزید بسطامیؒ سے چل کر دریافت کیجئے۔ جب وہ اسی فکر میں گھر سے نکلا تو دیکھتا کیا ہے کہ بسطام میں تو ایک شور مچ رہا ہے اور تمام لوگ گریہ وزاری کر رہے ہیں۔ میں حیران ہو کر کھڑا ہو گیا۔ لوگوں سے دریافت کیا صاحبو کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا خواجہ بایزید بسطامیؒ نے انتقال کیا ہے۔

شیخ علیؒ نے یہ حال معلوم کر کے ایک نعرہ مارا اور زمین پر گرے۔ پھر وہ نعرہ مارتے ہوئے ہی بایزیدؒ کے جنازہ تک پہنچے اور آپ نے جنازہ کو کندھا دیا۔ بایزیدؒ نے آواز دی کہ اے شیخ علیؒ! جو تو نے خواب دیکھا تھا اسکی یہی تعبیر ہے۔ یہی جنازہ عرش خدا ہے کہ جسکو تو سر پر لئے جاتا ہے۔

اس کے بعد شیخ الاسلامؒ نے فرمایا کہ تیس برس تک یہ دعا گو مجاہدہ کے عالم میں رہا۔ نہ میں نے دن کو دن جانا اور نہ رات کو رات۔ کھڑا رہا کرتا تھا۔ جب نماز کا وقت آتا نماز پڑھ لیتا اور پھر میں اسی عالم میں مصروف ہو جاتا۔

پھر آپ فرمانے لگے کہ خواجہ مودود چشتیؒ جس روز انتقال فرمائیں گے لوگ آپ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ہاتھ پاؤں میں اس روز ذرا تھکان اور ٹوٹن معلوم ہوتی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ اتنے میں ایک شخص کاغذ حریری ہاتھ میں لئے ہوئے آیا اور اس نے سلام کیا۔ اور وہ کاغذ خواجہؒ کے ہاتھ میں دیا۔

خواجہؒ نے اس کاغذ کا مطالعہ کیا۔ اس کاغذ میں اللہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ خواجہ صاحبؒ نے دونوں آنکھیں اس نام پر رکھ دیں اور جان اسطرح دیدی کہ گویا خواجہ صاحب کے بدن میں جان تھی ہی نہیں۔ اس وقت خلق میں ایک شور برپا ہو گیا اور چاروں طرف مشہور ہوا کہ خواجہ قطب الدین مودودؒ نے انتقال فرمایا۔

قصہ مختصر خواجہ صاحب کو غسل دیا گیا اور پھر کفنایا گیا۔ لیکن لوگوں میں اسقدر قوت نہ تھی کہ آپ کے جنازہ کو اٹھا دیں۔ (یعنی بہت بوجھ تھا) تھوڑی دیر کے بعد ایک کرخت آواز آئی جسکے سبب سے لوگ الگ ہو گئے۔ پھر سب جنازہ کی نماز کے واسطے کھڑے ہوئے اور نماز ادا کر کے چاہتے تھے کہ جنازہ کو اٹھا دیں مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے خود جنازہ ہوا پر چلا اور تمام خلق اس جنازہ کے پیچھے ہو لی۔

یہ حال دیکھ کر دوسری قوموں کے لوگ بکثرت آئے اور وہ مسلمان ہوئے۔

جب ان لوگوں سے دریافت کیا گیا کہ تم کس سبب سے مسلمان ہوئے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم دیکھ رہے تھے کہ فرشتے آپ کا جنازہ لئے جا رہے ہیں۔

جب شیخ الاسلامؒ یہ حکایت بیان فرما چکے تو آپ نے ایک نعرہ مارا اور زمین پر گر پڑے۔ اور یہ شعر پڑھنے لگے:

در کوے تو عاشقاں جناں جاں بدہند
کانجا لک الموت نہ گنجد ہرگز

شب معراج کے بیان میں

آپ کی مجلس میں شیخ جمال الدین متوکل اور دوسرے مرید حاضر تھے۔ ان کے علاوہ شیخ نجم الدین اور شمس دبیر بھی موجود تھے اور شب معراج اور اس کی فضیلت کا ذکر ہو رہا تھا۔

Marfat.com

آپ نے اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمایا کہ ماہ رجب کی 27 شب نہایت بزرگ و بابرکت ہے۔ پس جو شخص کہ اس رات جاگتا ہے۔ اس کے واسطے یہی شب معراج ہے اور اس کا ثواب اسکے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔

اور پھر فرمایا ایک وقت یہ دعا گو بغداد کی مسافرت میں تھا۔ جب میں شہر مذکور کے اندر گیا تو میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں کون کون بزرگ اور کون کون درویش تشریف رکھتے ہیں۔

اور پھر فرمایا ایک وقت یہ دعا گو بغداد کی مسافرت میں تھا۔ جب میں شہر مذکور کے اندر گیا تو میں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں کون کون بزرگ اور کون کون درویش تشریف رکھتے ہیں۔

غرضکہ لوگوں سے ایک درویش کا پتہ ملا کہ وہ دجلہ کے کنارہ پر ایک غار میں تشریف رکھتے ہیں۔ جب میں نے یہ حال معلوم کیا تو میں انکی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب تک وہ بزرگ نماز پڑھتے رہے میں انکی خدمت میں حاضر رہا۔ جب وہ نماز پڑھ چکے تو میں آداب بجالایا۔ انہوں نے مجھ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں حسب الحکم بیٹھ گیا۔ میں نے ان میں بہت بڑی ہیبت اور عظمت پائی کہ ویسی کسی درویش میں نہیں دیکھی تھی۔ ان کا چہرہ مبارک ایسا چمک اور دمک رہا تھا جیسا چودھویں رات کا چاند۔ ویسی ہی تجلی انہوں نے مجھ پر ڈالی اور میرے طرف منہ کر کے فرمایا کہ کس جگہ سے آئے ہو۔ میں نے گزارش کی کہ اجودھن سے آیا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حسن ارادت سے جو درویشوں کے پاس آیا وہ ضرور بزرگ ہوا۔ جب یہ کلمات اپنی زبان فیض ترجمان سے فرمائے۔ میں پھر آداب بجالایا۔ اور ازاں بعد انہوں نے باتیں کرنی شروع کیں اور فرمایا۔

اے مولانا فرید! آج سے پچاس برس ہوئے مجھ کو اس غار میں رہتے ہوئے۔ میری خواہش سوائے گھاس پات کے اور کچھ نہیں ہے۔ میں خواجہ جنید بغدادیؒ کے پوتوں میں سے ہوں۔ اے فرید! یہ ستائیسویں شب رجب کی تھی؛ جو چلی گئی۔ میں شب بیدار تھا۔ اس شب کی فضیلت میں کیا تم سے بیان کروں۔ اگر سننا چاہتے ہو تو کہوں۔ میں آداب بجالایا اور گزارش کی کہ ضرور ارشاد فرمایئے۔

فرمانے لگے آج سے تیس برس ہوئے مجھ کو معلوم نہیں رات کس وقت گزر جاتی ہے۔ زمین پر اپنا پہلو نہیں لگایا ہے لیکن اس رات میں مصلّی پر سو گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان سے ستر ہزار فرشتے زمین پر آئے اور وہ میری روح کو اوپر لے گئے۔ جب میں پہلے آسمان پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ فرشتے آنکھیں آسمان کی طرف کئے ہوئے کھڑے ہیں اور یہ پڑھ رہے ہیں۔ سبحان ذی الملک والملکوت۔ آواز آئی کہ یہ فرشتے جب سے پیدا کئے گئے ہیں اس طرح ایستادہ ہیں اور یہی انکی تسبیح ہے۔

اس کے بعد میری روح کو دوسرے آسمان پر لے گئے۔ وہاں بھی میں نے عجائبات قدرت الٰہی کا تماشہ دیکھا کہ جسکا بیان نہیں کر سکتا۔ پھر قدرت الٰہی سے جس جگہ مجھے حکم تھا وہاں پہنچا۔

عرش کے نیچے سے ندا آئی کہ یہیں ٹھہرو۔ میں نے اپنے دادا جنید کو بھی دیکھا کہ وہ بھی سر نیچا کئے ہوئے کھڑے ہیں۔

آواز آئی کہ اے فلانے۔ میں نے گزارش کی کہ حاضر ہوں۔ حکم ہوا خوب آیا اور حق عبادت اچھا تو نے ادا کیا

کہ اب تیری طاعت کا بدلہ یہ ہے کہ ہم نے جگہ تجھ کو علیین میں عطا کی۔ میں اس حکم کو سنکر بہت خوش ہوا اور سجدہ میں گر گیا۔

حکم ہوا سر اٹھا۔ میں نے سر اٹھالیا اور گزارش کی کہ میں اس سے آگے جاؤں۔ آواز آئی اس سے آگے جانے کی تجھ کو اجازت نہیں ہے۔ تیری معراج یہاں تک ہی تھی۔ اگر تو اپنا کام اس سے زیادہ کرے گا تو تیرا مقام اس سے زیادہ ہو جائے گا۔

لیکن جو لوگ تجھ سے زیادہ کامل ہیں انکی رسائی حجاب عظمت تک ہے۔

جب میں نے یہ آواز سنی اپنے دادا جنیدؒ کی خدمت میں آیا۔ اور اپنے سر کو ان کے قدموں میں ڈالا اور گزارش کی کہ یا حضرت آپ اس طرح سرافگندہ کیوں ہیں۔

فرمانے لگے جب تم کو یہاں پر لایا گیا تو میں اس فکر میں پڑا کہ ایسا نہ ہو کہ تو نے ہمارے خلاف عمل کیا ہو۔ یا خدا تعالیٰ کی بندگی میں کچھ قصور کیا ہو تو میں شرمندہ ہوں اور کہا جاوے کہ جنید کا پوتا اس کے مسلک کے برخلاف ہے۔

پھر میں اسی وقت بیدار ہو گیا اور اپنے کو اسی مقام پر پایا۔ پس اے فرید! جو کوئی خدا تعالیٰ کے کام میں مصروف ہے اللہ تعالیٰ اس کے کام میں ہے۔ پس آدمی کو چاہیے کہ اپنے مرتبہ کی ترقی کے لئے زیادہ سعی کرے۔

پھر شیخ الاسلامؒ فرمانے لگے کہ جو شخص اس شب کو عبادت میں جاگے گا وہ ضرور اپنی مراد کو پہنچے گا اور یہ سعادت اسکو نصیب ہوگی۔

چنانچہ یہ دعا گو انکی خدمت میں حاضر رہا۔ بعد عشا وہ نماز معکوس پڑھا کرتے تھے۔ یعنی اپنے دونوں پاؤں باندھ کر لٹک جاتے تھے۔ اور اسی طرح صبح تک لٹکے رہتے تھے۔

پھر حضرت شیخ الاسلامؒ فرمانے لگے کہ اس رات میں سو رکعت نماز پڑھنے کا حکم ہے۔ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص پانچ دفعہ پڑھے۔ اور جب نماز سے فارغ ہو سو مرتبہ درود شریف پڑھا کرے۔ اس کے بعد سجدہ میں سر رکھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ جو حاجت رکھتا ہو گا' بر آئے گی۔

بعد ازاں آپ نے فرمایا کہ میں نے شیخ معین الدین حسن سجزیؒ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آج کی رات شب رحمت ہے۔ جو کوئی اس رات اپنے آپ کو زندہ رکھے گا۔ (یعنی شب بیدار رہے گا) امید ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بے نصیب ہو گا۔

پھر آپ نے فرمایا حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی رات ستر ہزار مقرب فرشتے نور کے طباق لئے ہوئے زمیں پر آتے ہیں۔ اور وہ ہر ایک گھر میں جاتے ہیں۔ جس گھر میں جو شخص بیدار ہوتا اور جو گناہوں سے دور ہوتا ہے اسکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ وہ نور کے طباق اس پر سے نثار کریں۔

پھر شیخ الاسلامؒ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے بہت افسوس ہے کہ بہت آدمی اپنے آپ کو اس نعمت عظمٰی سے محروم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کام میں غفلت کرتے ہیں۔

(سوانح عمری شیخ فریدالدین گنج شکر از محمد نثار علی شہرت' لاہور: مطبع بیسویں صدی' ۱۹۰۶ء)

Marfat.com

وحید احمد مسعود

سوانح حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ

(۱) بیعت

روایت ہے کہ مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں قیام کے بعد جب خواجہ بختیار کاکی اوشیؒ ملتان سے دہلی کو روانہ ہوئے تو ''النافع'' پڑھنے والے طالب علم نے دو منزل تک مشایعت کر کے درخواست کی کہ اپنی خدمت کے لیے ساتھ لے چلیں۔ مگر اس کو سمجھا بجھا کر واپس کر دیا گیا کہ فارغ التحصیل ہو کر ہمارے پاس آنا کیونکہ زاہد بے علم مسخرہ شیطان کہلایا جاتا ہے۔

جس طرح یہ صحیح ہے کہ زاہد بے علم شیطان ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی غلط نہیں کہ عالم بے زہد بھی شیطان کے مسخرے سے کم نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ''علمے کہ راہ حق رانہ نماید جہالت است''۔ پہلی نظر بتاتی ہے کہ یہ علم ہی تھا جس پر مغرور ہو کر عزازیل قعر مذلت میں گرا۔ جہاں یہ ہے کہ ''بے علم نتواں خدا را شناخت'' وہاں یہ بھی ہے کہ ''العلم حجاب الاکبر''۔ علم جہاں صلاحیت پیدا کرتا ہے وہاں طغیانی و سرکشی بھی اسی سے وجود میں آتی ہے۔ بقول حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی۔ ''ہر چند علم پسندیدہ است و شغل او حمید است العلم حجاب اللہ الاعظم می شود، و در گذر تا بہ علم اللہ رسی و نور اللہ شوی۔

از علم گزر باید بر یار نظر باید
زاں نوراثر باید در دیدۂ انسانے''

جس طرح ہر شے کے دو پہلو ہوتے ہیں اسی طرح علم کے بھی دو رخ ہیں۔ اچھائی برائی استعمال پر منحصر ہے۔ علم کو استعمال کرنے کے صحیح طریقے پہلے روز سے بتا دیئے گئے ہیں۔ تاریخ کا بیان ہے کہ اسلام اور عیسویت سے پہلے رومی و یونانی سلطنتوں میں ظاہری علم کی تکمیل کے بعد روحانی تعلیم دی جاتی تھی۔ اہرام مصری اسی کی شہادت دیتے ہیں کہ وہاں روحانیت کے آخری مدارج طے کیے جاتے تھے۔ قیصر و سکندر علم کی تصدیق کر لینے کے بعد بادشاہی کے اہل ہوئے تھے۔ علم مفید نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا عملی تجربہ نہ کر لیا جائے۔ صحیح علم کی تحصیل کے سلسلہ میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا بیان وقیع ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد جب نظام اسلامی میں بہت کچھ برہمی پیدا ہوئی تو صوفیائے اسلام نے بھی اسی طریقہ کی پیروی میں جگہ جگہ خانقاہیں قائم کی تھیں۔ یہ خانقاہ بھی اسی نمونے کی نقل تھی جسے سرکار رسالت مآب ﷺ نے مدینہ میں قائم کیا تھا۔ صوفیائے کرام جن لوگوں میں اچھی استعداد پاتے تھے' ان کو بیرونی دنیا کے گندے ماحول سے نکال کر خانقاہ میں رکھتے تھے اور وہاں اعلیٰ درجہ کی تربیت دیکر انہیں اس کام کے لیے تیار کرتے تھے جس کے لیے مرشد اعظم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو طیار کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ علم کی عملی تصدیق کے مختلف اصولوں کا موازنہ کرنے سے نتیجہ یہی

نکلتا ہے کہ اسلام کا طریقہ سہل الحصول اور آسان ہے۔ جب دماغ کے ساتھ قلب کا تجلیہ ہو جاتا ہے تو صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس معیار کے تحت انابت الٰہی رکھنے والوں کی صحبت و خدمت ضروری ہے۔ اکبر الہ آبادی نے یہی بات لطف کے ساتھ کہی ہے۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی آدمی بناتے ہیں

ان کی پیروی درفاقت سے علم کے گرد و غبار ڈھل جاتے ہیں۔ ان کے طرز تقویٰ کی پیروی علم کو علم بنا دیتی ہے۔

صوفیہ نے ضرورت زمانہ کے لحاظ سے ایک قدم آگے بڑھا کر بندگانِ دین کی صحبت سے مستفیض ہونے کے لیے سیاحت کا اضافہ کر دیا ہے اور یہ اضافہ ہجرت نبوی کی تقلید ہے۔ ان ہی حقائق و مشاہدات کی بنا پر کہا گیا ہے کہ دماغ مدرسوں میں بنائے جاتے ہیں اور قلوب خانقاہوں میں ڈھالے جاتے ہیں۔ اس علمی و عملی دستور کا نام تصوف ہے اور تصوف کے دستور کے مطابق اس طریقہ کا آغاز بیعت وصحبت سے ہوا کرتا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ صحبت صالح آدمی کو انسان بنا دیتی ہے۔

حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے اس موقع پر اس ارشاد کے مفہوم کو کہ ''زاہد بے علم مسخرہ شیطان ہوتا ہے'' سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بے علم کو مسخرہ شیطان نہیں فرمایا۔ بلکہ زاہد بے علم کے متعلق کہا ہے۔ جہالت کی وجہ سے کتنی ہی تحقیر کی جائے لیکن بے علم اس لحاظ سے فوقیت رکھتا ہے کہ وہ وساوس اور شکوک کا شکار نہیں ہوتا اور نہ اس کو اعتراض وتنقید کی عادت ہوتی ہے۔ وہ عقیدے میں راسخ ہوتا ہے اور صحبت نیک سے اس کی اصلاح جلد ہو جاتی ہے۔ اب رہا زاہد بے علم تو وہ اپنے زہد پر نازاں ہونے کی وجہ سے اکثر مسخرہ شیطان بن جایا کرتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ زاہد بے علم کی اصلاح کر کے اس کو زاہد ذی علم بنایا جائے۔ طریق چشتیہ میں عام طور پر راہ سلوک کے لیے قدرے علم لازمی وضروری سمجھا جاتا ہے۔ اس اصول کی موجودگی میں ''النافع'' پڑھنے والا اگر منتہی نہیں ہوتا تو اس کو مبتدی بھی خیال نہیں کیا جا سکتا۔ بایں فضیلت علم اس کو جو تنبیہ فرمائی گئی اس کے خاص معنی ہیں۔ یعنی اس طالب علم کو اپنی مجذوبیت کی حقیقت نہیں معلوم تھی۔ اس کا جذبہ اس کے علم میں حارج تھا اور خواجہ علیہ الرحمۃ نہیں چاہتے تھے کہ منظور نظر شخصیت جذبہ میں بہہ جائے۔ یہ تنبیہ اس لیے کی گئی تھی کہ ان صاحبزادے میں ہر منزل معراج اور ہر درجہ کمال میں جذبہ وعلم کا توازن رہے اور دونوں میں سے کسی کے متعلق پندار نہ پیدا ہونے پائے۔ انہوں نے پہلی ہی نظر میں معائنہ کر لیا تھا کہ

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارہ بلندی

لہٰذا وہ علم وجذبہ کے اعلیٰ مراتب طے کرا کے اپنے کسی خاص مقصد کے لیے اس طالب علم کو طیار کرنا چاہتے تھے۔ آخر صاف کیوں نہ کہہ دیا جائے کہ اپنا جانشین بنانا تھا اور اپنی خلافت دینا تھی۔ پسلی پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی۔

مسجد کے قیام کے دوران میں خواجہ صاحبؒ کی شفقت ومحبت سے ہمت پا کر طالب علم نے اس انار کے دانے کی تاثیر کے متعلق استفسار کیا تھا جو حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے کچھ پہلے مرحمت فرمایا تھا۔ بتایا گیا کہ ہر انار میں ایک ہی دانہ نورانیت سے معمور ہوتا ہے(1) اور اسی دانے سے تم نے روزے کا افطار کیا تھا۔ لہٰذا قلب منور ہو گیا۔ یہ نکتہ سنتے ہی

Marfat.com

طالب علم نے سرنیاز قدموں پر رکھ دیا۔

انار کا قصہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ جب حضرت ابو القاسم شیخ جلال الدین تبریزیؒ ملتان آئے تو وہاں کے اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے متعلق تجسس کیا۔ کسی نے ایک ''قاضی بچہ'' دیوانہ کا پتہ بتایا تو اس تصور کے ساتھ کہ ''دلا دیوانہ شو دیوانگی ہم عالمے دارد'' وہ اس سے جا کر ملے۔ شیخؒ نے ایک عدد انار پیش کیا۔ توڑ کر وہ انار حاضرین میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک دانہ جو زمین پر گر پڑا تھا وہ اٹھا کر رکھ لیا اور اس سے اپنے روزے کا افطار کیا۔ کھاتے ہی قلب میں روشنی پھیل گئی جس کی وجہ سے سخت حیرت ہوئی۔ وہ حیرت اس وقت دور ہوئی جب خواجہ قطب صاحبؒ نے تشریح فرمائی۔

جس ''قاضی بچہ'' کو حضرت تبریزی نے انار دیا تھا اور جس پر ''النافع'' پڑھتے دیکھ کر حضرت بختیار کاکیؒ نے توجہ فرمائی تھی۔ اسی کو اجل شیرازی نے ''لنگر عالم'' کا خطاب دیا تھا اور شیخ سیف الدین باخرزی نے پیش گوئی کی تھی کہ ''مشائخ روزگار سے ہوگا اور تمام عالم اس کے مریدوں اور فرزندوں سے بھر جائے گا۔'' جس کو شیخ الشیوخ سہروردیؒ نے اپنی کتاب[1] ''عوارف المعارف'' کے چند جز خود پڑھائے تھے۔ یہ وہی تھے جن کو خواجہ قطب صاحبؒ بابا کہتے تھے اور جن کو خواجہ اجمیر نے شہباز کہا تھا اور اپنے خانوادے کی شمع بتایا تھا اور آخر میں جن کو سلطان المشائخ بدایونی شیخ کبیر کے لقب سے یاد فرماتے تھے اور ادب و تعظیم کے ساتھ جن کو مخدوم صابر کلیری نے شیخ کہا تھا۔ یہ سن کر کہ صابر نے شیخ کہہ دیا تو خود فرمایا کہ اب میں شیخ ہو گیا اور کیفیت طاری ہوگئی۔ یہی وہ ذات گرامی تھی جس کو دنیا نے فرید الحق فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے نام نامی سے پہچانا اور اپنے سلسلہ کے موجد اور آدم ثانی کہلائے۔

''النافع'' پڑھنے کے زمانہ میں ان کی عمر پندرہ' اٹھارہ یا بائیس سال کی بتائی گئی ہے۔[۲] خواجہ قطب صاحبؒ ''خواجہ بزرگؒ کے ہمراہ ۵۸۷ھ میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔[۳] لہٰذا ''النافع'' پڑھنے کا زمانہ ۵۸۷ھ سے پہلے کبھی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ ترائن کی جنگ ثانی میں رائے پتھورا اور اس کی حکومت کا خاتمہ ۵۸۸ھ میں ہوا تھا۔ بعد میں جب قطب الدین ایبک نے دہلی و اجمیر کی تسخیر کر لی تو سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ۵۸۹ھ میں خواجہ بزرگؒ کی خدمت میں حاضری دی اور اسی سال دہلی کو دار السلطنت بنا کر اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ پھر اسی سال حضرت سلطان الہندؒ نے خواجہ قطب صاحبؒ کو اپنی نیابت عطا فرمائی۔ غرض و غایت نہیں معلوم مگر اسی سال نائب کی حیثیت سے قطب صاحبؒ نے ملتان کا دورہ کیا۔ اس لیے ۵۸۹ھ میں عمر اور ملاقات دونوں کا تعین ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عمر شریف بیس یا اکیس سال کی ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ حضرت والا کا سال ولادت ۵۶۹ھ/۱۱۷۳ء مستند خیال کیا گیا ہے۔[۴]

اسی دورہ ملتان کے سلسلہ میں جتنی روایتیں معتبر راویوں نے حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے متعلق لکھی ہیں وہ سب فرضی اور غلط ہیں۔ اس لیے کہ حضرت زکریاؒ اس سال ملتان میں قیام فرما نہیں تھے۔ بلکہ بغرض تعلیم و سیاحت عراق، مصر اور ترکستان گئے ہوئے تھے۔ اور ان کی عمر اس وقت ۳۲ سال کی تھی۔ اس کے علاوہ یہ بھی حیرت کی بات ہے کہ دونوں سلسلوں کے کسی تذکرے میں مذکور نہیں ہے کہ حضرت زکریاؒ اور حضرت خواجہ بزرگ اجمیریؒ کے درمیان میں کسی قسم کا رابطہ تھا۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت زکریا اور حضرت غریب نواز کے خلیفہ اعظم سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری میں فقر و غناء کے مسئلہ پر مراسلت ہوئی تھی۔ تولی خاں کے محاصرہ ملتان کے موقع پر حضرت خواجہ اجمیریؒ کے دوسرے خلیفہ

اعظم حضرت خواجہ بختیار اوشیؒ کی ملاقات حضرت زکریاؒ مع معیت حضرت جلال تبریزیؒ بمقام ملتان ہوئی تھی۔ حضرت بابا صاحبؒ اور حضرت زکریاؒ کے درمیان برادرانہ ومخلصانہ تعلقات تھے۔ لیکن دوران سیاحت میں ان دونوں کی ملاقات کا ذکر نہیں ہے اور اگر ہے تو مشتبہ ہے۔ بہر حال حضرت قطب صاحب کے دورہ ملتان کی روایت سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت تبریزی اسی سال یا اس سے کچھ پہلے پہلی مرتبہ ملتان آئے تھے۔

حضرت بابا صاحب کی بیعت کے متعلق مولانا سہروردیؒ نے لکھا ہے کہ ملتان میں ہوئی تھی۔ صاحب ''صولت افغانی'' کی بھی یہی رائے ہے۔ مگر خواجہ حسن نظامیؒ دہلوی کو اصرار ہے کہ بیعت دہلی میں ہوئی تھی۔ خواجہ حسن نظامی بیعت کی شکل ورسومات کو ضروری سمجھتے ہیں اور یہ صحیح ہے کہ ملتان میں کوئی ظاہری رسم ادا نہیں ہوئی۔ لیکن رسومات کی ادائیگی بیعت کے لیے ضروری نہیں۔ رسومات فروعی ہوتے ہیں۔ ہر خاندان میں مختلف ہیں۔ اس کے علاوہ ہر زمانہ میں بدلتے بھی رہتے ہیں۔ بیعت دراصل مرشد کی محبت وتوجہ، صحبت کی تاثیر اور مرید کی ارادت کو کہا جاتا ہے۔ یہ سب ضروری باتیں بدرجہ اتم ملتان کی ملاقات میں موجود ہیں۔ چنانچہ مرید اعلان کرتا ہے کہ حضور کی کیمیا اثر نظر سے نفع کی امید ہے۔ اب دونوں صاحبان کے لفظی اختلاف کو تضاد نہیں کہا جا سکتا۔ یہ متفق علیہ ہے کہ دہلی میں خلافت عطا کی گئی تھی۔ یہ ارشاد کہ ''تم اپنا کام ختم کر کے آتے ہو'' بیعت اور خلافت دونوں پر منطبق ہو سکتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ملتان کی ملاقات کے عرصہ کے بعد دہلی میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا۔ لہٰذا اس موقع پر دہلی میں تجدید بیعت کی گئی ہوگی۔ اس صورت میں تجدید بیعت خود شہادت دیتی ہے کہ بیعت ملتان میں ہو چکی تھی۔ بہر حال حضرت تبریزیؒ کے دانہ انار نے جس کیفیت وجذبہ میں انقلاب پیدا کیا تھا۔ اسی انقلاب کی تکمیل خواجہ قطب صاحبؒ کی کیمیا اثر نظر سے ہوئی۔ اسی توجہ مختصر صحبت اور خلوص ارادت کی وجہ سے حضرت بابا صاحب علیہ الرحمتہ پر ظاہری وباطنی راستے کھلے اور جب ان پر گامزن ہوئے تو کامرانی وکامیابی نے قدم چومے۔

(۲) تربیت وتعلیم

صنف نازک اپنی اس لاثانی خصوصیت پر کہ رب العزت نے اس کو اپنی شان خلاقی وربوبیت کا مظہر بنایا ہے جس قدر بھی فخر کرے کم ہے۔ اس وصف میں کوئی مرد اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ماں کی آغوش میں بچہ کو جو تربیت ملتی ہے اس کو انسانی تربیت کے جملہ ذرائع پر ترجیح حاصل ہے۔ اولاد کی تعلیم کا ذمہ دار باپ ہے۔ لیکن جنت ماں کے ہی قدموں کے نیچے ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اسلامی ہند کے چشتی معماروں اور بانیوں میں خواجہ قطب صاحبؒ حضرت بابا صاحبؒ اور نظام اولیاء بدایونیؒ کی تعلیم وتربیت ماں ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ ان مخدرات کی فراست' قابلیت اور استقامت اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے ظاہری وباطنی علوم کے گہوارے میں آنکھ کھولی تھی اور دربار الٰہی سے انہیں عالی فطرت ودیعت ہوئی تھی۔ ابھی وہ بچہ ہی تھے کہ ان کے والد ماجد شیخ جمال الدین سلیمانؒ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ یہ حضرت نہ صرف ولی کامل تھے بلکہ مستند عالم بھی تھے۔ ان کی اہلیہ بھی عبادت وزہد میں کمال رکھتی تھیں اور رابعہ عصر مشہور تھیں۔ انہیں کے سایہ عاطفت میں حضرت بابا صاحبؒ کی تربیت وتعلیم ہوئی۔ جس طرح انہوں نے اپنے صاحبزادے کو اپنی راہ پر لگایا

Marfat.com

اس پر علم نفسیات کے ہزاروں اصول قربان کیے جاسکتے ہیں۔ وہ جانتی تھیں کہ صاحبزادے کو شیرینی سے رغبت ہے۔(۵) انہوں نے اسی کمزوری کو دینی تربیت کا ذریعہ بنالیا۔ گلے گلے اتار دی کہ نماز پڑھنے والے کو اللہ کی طرف سے انعام ملا کرتا ہے۔ چنانچہ ہر نماز کے بعد مصلے کے نیچے سے شکر کی پڑیا نکلنے لگی۔ جب یہ سمجھ لیا کہ ذوق عبادت پختہ ہوگیا تو جا نماز کے نیچے شکر رکھنا بند کردی۔ مگر قدرت سے انعام پھر بھی ملتا رہا۔ گویا حیلہ اور عبادت دونوں مقبول تھے۔

سال ولادت ۵۶۹ھ ہے۔ چوتھے پانچویں سال تعلیم کی ابتدا ہوئی۔ کوٹھوال (۶) کے مکتب میں انہیں بٹھادیا گیا (۵۷۲ھ/۱۱۷۶ء)۔ سید نذیر احمد صاحب مداریہ اس مکتب کے معلم و نگران تھے۔ صاحب علم و فضل ہونے کے علاوہ بچوں کو تعلیم دینے میں انہیں خاص دستگاہ تھی۔ اسی مکتب میں بعمر گیارہ سال قرآن پاک بھی حفظ کرلیا تھا (۵۸۰ھ)۔ اگر حفظ قرآن کی یہ روایت صحیح ہے اور ضرور صحیح ہے تو "خیر المجالس"، "سیر الاولیاء"، "سیر العارفین"، "گلزار ابرار"، "سیر الاقطاب" اور "روضۃ الاقطاب" کے بیان کو کہ گیارہ سال کی عمر میں قرآن پاک بمقام ملتان حفظ کیا تھا' باور نہیں کیا جاسکتا۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ غزنی کے مقری جن کا نام محمد تھا' ان کے استاد تھے۔ ان کے متعلق مشہور تھا کہ جس نے ان سے ایک سورۃ پڑھی وہ حافظ قرآن ہوگیا۔ غالباً وہ سورۃ یوسف ہوگی۔ اس لیے کہ بابا صاحبؒ اپنے مریدوں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ سورۃ یوسف یاد کرلینے سے قرآن بآسانی حفظ ہوجاتا ہے۔ بہر حال اغلب یہی ہے کہ ان مقری صاحب سے کوٹھوال ہی میں قرآن شریف حفظ کیا تھا۔ پھر اس کے بعد ملتان گئے۔ اگرچہ ظاہری تذکرے خاموش ہیں۔ مگر کشفی تذکرہ "اسرار عترت فریدی"(۷) میں مذکور ہے کہ قرآن حفظ کرلینے کے بعد بعمر گیارہ سال والدہ صاحبہ کے ساتھ حج کو گئے تھے اور اصرار کرکے اپنے استاد سید نذیر احمد کو بھی اپنے ہمراہ لیا تھا۔ اگر کشفی تذکرے کے اس بیان کو نظر انداز کردیا جائے تو یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ کھوتوال سے بغرض تعلیم فوراً تشریف لے گئے۔ ملتان میں تعلیم کی مدت چار سال کی ہے۔ لہٰذا یہ مدت ۵۸۴ھ میں ختم ہوجانا چاہیے۔ مگر چونکہ حضرت بختیار کاکیؒ سے ملاقات ۵۸۹ھ میں ہوئی ہے۔ لہٰذا کھوتوال اور ملتان کی تعلیم کے درمیان وقفہ ضروری ہے اور یہ وقفہ وخلل تین چار سال کا ہے۔ غالباً سیاسی حالات نئی کیفیت کا مسلط ہوجانا یا سفر حج اس خلل کے اسباب ہوسکتے ہیں۔ بہر حال نتیجہ یہ ضرور نکلتا ہے کہ حفظ قرآن بعمر گیارہ سال کھوتوال میں ہی کیا تھا۔ اس کے بعد حج کو تشریف لے گئے تھے۔ ملتان میں سید احمد صاحب مداریہ سے تعلیم پائی تھی۔ یہاں ان چار برس میں درس کے ساتھ ریاضت بھی ہوتی رہی اور انعام میں بجائے شکر کے ایک لذیذ کیفیت وحلاوت حاصل ہونے لگی۔ جس کی وجہ سے امتیاز حاصل ہوا اور ملتان میں مشہور ومحبوب ہو گئے۔ اسی جذبہ وکیفیت کو حضرت تبریزی نے ملاحظہ کیا تھا۔ پھر خواجہ بختیار کاکی نے بیعت سے مشرف فرمایا تھا۔

وجدانیت کا نتیجہ یہ تھا کہ تعلیم پر دل نہیں لگتا تھا۔ طبیعت کا رجحان گوشہ خلوت کی جانب تھا۔ یا پھر بادیہ پیمائی کی طرف۔ اسی کو معائنہ کرکے حضرت شیخ نے تکمیل تعلیم کی تاکید فرمائی تھی۔ چنانچہ مزید تعلیم کے لیے قندھار جانا ضروری سمجھا۔ یہاں حضرت سید احمد بخاری علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے۔ ان سے ۵۹۳ھ تک پانچ سال استفادہ کیا اور تعلیم کی تکمیل کی۔ اس عرصہ میں والدہ صاحبہ کی زیارت کے لیے کھوتوال آتے جاتے رہتے تھے۔ والدہ صاحبہ برابر انکی ہمت افزائی کرتی تھیں۔ بخاری صاحب نے اپنا سارا علم کچھ اس طرح گھول کر پلایا تھا کہ اس کا ذائقہ عمر کے کسی حصہ میں بھی نہیں بھولے اور تمام عمر عقیدت واحترام کے ساتھ ان کے احسانوں کا ذکر کیا کرتے تھے۔ ان ہی کی تعلیم کا اثر تھا کہ حضرت بابا صاحب کے

Marfat.com

ارشادات واقوال جامع ومانع، فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے وزنی اور ظرافت سے مملو ہوتے تھے۔ جب تمام عقلی ونقلی علوم میں کامل ہوگئے۔ فقہ وحدیث میں مہارت تامہ حاصل کرلی اور اخلاق حسنہ طبیعت ثانیہ بن گئے تو سمجھے کہ مرشد کے حکم کی تعمیل ہوگئی۔ فارغ التحصیل ہونے کی مسرت بیخود بنانے کے لیے کافی تھی۔

(۳) سیاحت (۵۹۳ھ/۱۱۹۷ء تا ۶۱۱ھ/۱۲۱۵ء)

بروایت معتبر حضرت بابا صاحب کا ارشاد ہے کہ آپ نے چالیس سال مجاہدات میں صرف فرمائے۔(۸) حالات وواقعات مظہر ہیں کہ ان مجاہدات میں سیاحت بھی شامل ہے۔ اگر سیاحت کو نظرانداز کردیا جائے تو مجاہدات کے واقعات مبہم ہوکر رہ جائیں گے۔ تعلیم کے زمانہ میں جو ریاضتیں کی تھیں وہی بڑے بڑے مجاہدات کی بناء ٹھہریں اور یہ مجاہدات سفر میں بھی کیے ہیں۔ بلکہ سفر خود مجاہدہ ہے۔ یہ سب ریاضتیں، سیاحتیں اور مجاہدات مل کر چالیس سال کی مدت کو پورا کردیتے ہیں۔ سیاحت قبل حصول خلافت بھی کی تھی اور اس کے بعد بھی۔ مگر ان دونوں میں فرق ہے۔ پہلے والے سفروں کے مقابلے میں بعد والی سیاحت سخت اور اہم مجاہدات کا اظہار کرتی ہے۔ چلہ کشی کا مفہوم یہ بھی ہے کہ مضرات کا دفعیہ ہو۔ صحیح جذبہ کی تکمیل ہو اور ضبط نفس کا مدعا حاصل ہو۔ ظاہر ہے کہ خلافت بمقام دہلی ۶۱۲ھ میں عطا کی گئی تھی۔ پھر ۶۳۲ھ کے بعد اجودہن میں سکونت اختیار کی تھی۔ اس دوران میں زبردست جہاد کیا ہے۔ اس طرح پہلی سیاحت کی مدت انیس سال ٹھہرتی ہے اور دوسری سیاحت جو ہندوستان میں کی گئی وہ اکیس سال کی ہے۔ ۶۳۵ھ اگر سیاحت کا آخری سال ہے تو آغاز سیاحت کا سال تقریباً ۵۹۴ھ ہے اور یہ وہ سال ہے جبکہ قندہار سے فارغ التحصیل ہوکر وطن تشریف لائے تھے۔ اس طرح مجاہدات کی مدت پورے چالیس سال کی ہوجاتی ہے۔

نورنظر کی قندہار سے کامیاب واپسی پر حضرت کی والدہ صاحبہ کی مسرت اس کاشتکار کی مانند تھی جس کا ثمرہ محنت خرمن کی شکل میں اس کے سامنے رکھا ہو۔ کون قیاس کرسکتا ہے کہ ہونہار بروا کی برومندی پر شکریہ کے کتنے سجدے کیے' کتنے نفل پڑھے، کتنے صدقے دیئے، کتنی خیرات کی اور پیار کی نظروں سے دیکھ کر کتنی پرخلوص دعائیں دیں۔ والدہ صاحبہ کی خوشی پر صاحبزادہ صاحب کی خوشی ایک نئی نوعیت رکھتی۔ ان کے دل میں بے اختیار یہ تمنا پیدا ہوئی کہ دہلی پہنچ کر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری دیں۔ خوشخبری سنائیں اور ان کی بھی دعائیں اور برکتیں حاصل کریں۔ لیکن مادر چہ خیالیم وفلک درچہ خیال۔ تمناؤں کا پورا ہونا کسی کے اپنے اختیار میں نہیں۔ رفتہ رفتہ سمجھایا گیا کہ باکمال مرشدوں کی نظروں میں علم اسی وقت علم ہے جبکہ وہ عمل بنالیا جائے۔ بغیر عمل کی تصدیق کے علم کسی کام کا نہیں ہوتا۔ علم کی صحت وتندرستی یہ ہے کہ شکوک و شبہات دفع ہوجائیں۔ یقین پیدا ہو اور شیطان کے فریبوں سے بچنے کا ملکہ ہوجائے۔ رضاالٰہی کو سمجھ لینا حاصل علم ہے۔ جو رازحقیقت سمجھ لیتا ہے وہ منطق وفلسفہ کی قیود سے بالاتر ہوجاتا ہے اور مشاہدے کے سامنے حیلہ وتاویل ہیچ ہوجاتے ہیں۔ کسی تاجر کا لڑکا علم تجارت میں کامل بھی ہوجائے لیکن اس وقت تک قابل اعتبار نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ عملی تجربہ حاصل کرکے کاروبار کو کامیابی کے ساتھ چلانے کی اہلیت پیدا نہ کرے۔ وہ ماہر بن کر نہ صرف اپنے مقام پر کاروبار کرتا ہے بلکہ مختلف شہرودیار میں بھی اپنا مال لے کر جاتا ہے۔ منافع کے ساتھ فروخت کرتا ہے اور وہاں سے عمدہ سامان لاکر وطن میں اپنے

Marfat.com

کاروبار کو فروغ دیتا ہے۔ ایسی ہی فراست وتدبیر ایک عالم میں بھی ہونا چاہیے تاکہ علم کو عملی شکل دے کر خود فائدہ اٹھائے اور ابنائے جنس کو مستفیض کرے۔ والدہ صاحب کی یہ نصیحتیں دل کو لگ گئیں اور صاحبزادہ صاحب نے متقیوں اور بزرگوں کے توسط سے علم کو عمل کی شکل میں منتقل کرنے کا تہیہ کرلیا۔

جس طرح آفتاب عالمتاب سے کل نظام شمسی مستنیر ہوتا ہے اسی طرح آفتاب رسالت سے حلقہ بگوشان اسلام نور کا اکتساب کیا کرتے تھے۔ صحبت رسول ﷺ کی وجہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ عالموں اور فاضلوں کے معلم وہادی بن گئے تھے۔ ابھی تک آفتاب رسالت کے گرد پروانہ وار جمع ہونا ہی کافی تھا۔ لیکن بعد میں جب مختلف مرکز بن گئے تو اخلاق وشریعت کی تعلیم کے لیے ان مرکزوں پر جانا ضروری ہوگیا۔ پھر عہد عباسی میں کچھ ایسا ہوا کہ بزرگان دین نے دور دراز گوشوں میں اقامت اختیار کی اور خانقاہیں بنالیں تو سیاحت ناگزیر ہوگئی اور تشنگان حقیقت ان روحانی چشموں پر پہنچ کر سیراب ہونے لگے۔ صوفیوں کی سیاحت دراصل ہجرت نبوی کا اتباع ہے اور اس کے فوائد معروف ہیں۔ وطن پرستی کا شرک دور ہوتا ہے۔ وسیع النظری حاصل ہوتی ہے۔ مخلوق خدا سے انس ومحبت رکھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مختلف دستور وآئین، عادات ورسوم، قوموں اور ملکوں کی حیات وممات کی سرگزشت، فطرت اللہ اور فطرت انسانی کے مطالعہ سے علم وتجربہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور جملہ اشیاء میں صفات الٰہی کا ملاحظہ کرکے سبق حاصل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خود اپنی اور اپنے دل کی سیر وترقی بھی سیاحت کا مقصود ہوتی ہے اور تبلیغ کے نئے نئے ذرائع سمجھ میں آتے ہیں۔

عام طور پر علماء وصلحاء سفرنامے لکھنے کے عادی نہیں تھے۔ اگر جملہ مشاہدات وتجربات قلمبند کرلیے جاتے تو آج دنیا کا نقشہ دگرگوں ہوتا۔ البتہ ان حضرات نے بر سبیل تذکرہ پند ونصائح کے سلسلہ میں جستہ جستہ معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ ان صاحبان کے ملفوظات اور تذکروں کو ان کے سوانح حیات کی مسلسل ومکمل تاریخ کسی نوعیت سے نہیں کہا جاسکتا۔ حضرت باباصاحبؒ نے بھی اسی دستور کی تقلید کی۔ کہا تو یہ جاتا ہے کہ ربع مسکون کی سیر فرمائی تھی۔ روم، مصر، شام وترکستان کا سفر کیا تھا اور چین سے لے کر بحیرہ روم تک کا چپہ چپہ دیکھا تھا۔ لیکن تذکرہ جن مقامات وبزرگان دین کا کیا ہے وہ چند ہیں۔ جس طرح دوسروں کو دیکھا ہے اور اپنے آپ کو دکھایا ہے اسی کے حالات مختصر طور پر ملفوظات میں محفوظ ہیں۔ بایں ہمہ مختصر معلومات کی یہ پونجی اہل نظر کی نگاہ میں سوخزانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ تاریخ کو مدنظر رکھ کر بربنائے قیاس بہترین سفرنامہ اسی سے تیار کیا جاسکتا ہے اور اس زمانہ کی تہذیب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ پہلے سفر کی انیس سال کی مدت میں جن مقامات کا ذکر کیا ہے وہ بلاترتیب حسب ذیل ہیں۔ اس زمانہ میں ہندوستان سے بغداد جانے کا راستہ براہ بخارا تھا۔

الف۔ بغداد

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضری دی اور کچھ عرصہ ان کے یہاں قیام کیا۔ شیخ نے اپنی کتاب ''عوارف المعارف'' کا کچھ حصہ خود پڑھایا اور اس کے مطالب ذہن نشین کیے۔ (۹) شیخ کی خانقاہ میں فتوحات کی کثرت تھی وہ سب روز کی روز صرف کردی جاتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دولت جمع کی جائے تو لوگ کہیں گے کہ درویش مالدار ہے۔ حالانکہ درویشی کے معنی خود فروشی کے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اس پر ذکر کا دروازہ کھول دیتا ہے اور حیرت د

Marfat.com

دہشت کے مقام میں جگہ دیتا ہے۔ عظمت و بزرگی کا یہی مقام ہے۔ اس مقام میں پہنچ کر بندہ اللہ کی حفظ وحمایت میں آ جاتا ہے۔

شیخ جلال الدین تبریزی نے اپنے مرشد کی وفات کے بعد حضرت شیخ الشیوخ کی بے حد خدمت کی تھی۔ بغداد میں سر پر چولہا رکھے ہوئے جا رہے تھے اور اس پر پانی گرم کرنے کی دیگچی رکھی تھی۔ لوگوں نے دریافت کیا تو بتایا کہ حج کو جا رہے ہیں۔ اس طرح شیخ الشیوخ کی پچیس سال خدمت کی۔ (۱۰) اس خدمت سے فارغ ہو کر شیخ تبریزی تنہا ملتان آئے تھے اور حضرت باباصاحب کو انار دیا تھا۔

ایک مرتبہ شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ بہاء الدین سہروردی، شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ برہان الدین سیوستانی شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اتنے میں شیخ بہاء الدین سہروردی کے فرزند نے شیخ الشیوخ سے خرقہ کی درخواست کی۔ فرمایا آج معاف کرو کل آنا، دوسرے دن جب حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا، رات خرقہ پوش کا حشر تم نے خواب میں دیکھ لیا کہ پیر و مرید کو فرشتے دوزخ میں لیے جا رہے تھے۔ اس لیے کہ وہ خرقہ کے نام سے دنیا کمایا کرتے تھے۔ پھر ارشاد کیا کہ جب تک انسان دنیوی آلائش سے صاف نہ ہو نہ اسے خرقہ دینا چاہیے اور نہ اسے پہننا چاہیے۔ (۱۱)

ایک مرتبہ بغداد کے سفر میں مسجد کنیف میں شیخ اوحد الدین کرمانی (متوفی ۶۳۴ھ/ ۱۲۳۶ء) کے پاس متعدد عزیز حاضر تھے۔ مسئلہ یہ پیش تھا کہ لوگوں کی شکل وصورت، طبیعت، اوضاع اور اطوار مختلف کیوں ہوتے ہیں۔ حضرت کرمانی نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت رسول خدا ﷺ سے اسی قسم کا سوال کیا تھا تو جواب مرحمت فرمایا تھا کہ حق سبحانہ نے آدم علیہ السلام کے مختلف اعضاء مختلف زمینوں کی مٹی سے بنائے تھے۔ اسی واسطے ان کے فرزندوں میں فرق واختلاف ہے۔ (۱۲)

بغداد کے باہر ایک غار میں ایک سوکھے ساکھے درویش کو دیکھا۔ ان کی حالت کے متعلق دل میں فکر ہوئی تو انہوں نے خود بخود کہا کہ چالیس برس سے اسی غار میں گھاس پھوس پر گزر رہا ہے اور ذکر الٰہی میں محو ہوں۔ ذکر الٰہی سے بڑھ کر کوئی اور نعمت نہیں۔ (۱۳)

ب۔ سیوستان (سیستان)

شیخ اوحد الدین کرمانیؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ بغلگیر ہونے کے بعد فرمایا: زہے سعادت کہ تم ہمارے پاس آئے۔ چند اور درویش بیٹھے ہوئے تھے ان کی فرمائش پر ہر صاحب نے اپنی اپنی کرامت دکھائی۔ (۱۳) سب سے پہلے خود حضرت کرمانی نے اپنی کرامت دکھانے کے طور پر کہا کہ یہاں کا حاکم مجھے پریشان کیا کرتا ہے۔ آج وہ چوگان بازی کے لیے گیا ہے۔ اللہ ہی ہے جو صحیح سلامت واپس آئے۔ ابھی یہ بات ختم نہ ہوئی تھی کہ کسی نے خبر سنائی کہ وہ گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اب مجھے حکم دیا تو میں نے عرض کیا کہ سب صاحبان اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھ بند کرتے ہی ہم سب خانہ کعبہ میں تھے، آنکھیں کھولنے پر ہم سب اپنی اپنی جگہ پر موجود تھے۔ بقیہ درویشوں نے اپنے کمال کا یوں اظہار کیا کہ اپنے خرقے اپنے اوپر ڈال لیے۔ بعد میں دیکھا تو وہ سب غائب تھے۔ خالی خرقے پڑے رہ گئے تھے۔ (۱۴)

ایک دن حضرت محمد سیوستانی کی خدمت میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک شخص کو آتے دیکھ کر فرمایا حاجتمند آ رہا

ہے۔اس نے حاضر ہوکر اولاد کی دعا چاہی۔ چنانچہ بتایا کہ "رب ھب ولی من لدنک ذریة طیبة انک سمیع الدعا" پڑھا کرو۔ پھر فضل الٰہی سے اس کا لڑکا پیدا ہوا۔ اس لڑکے کو سجادہ دیا گیا اور اس نے ستر حج کئے۔

اسی جگہ ایک اور بزرگ کی خدمت میں جانا ہوا۔ وہ کثرت ذکر کی وجہ سے عالم سکر میں تھے۔ ہوش میں آ کر بتایا کہ اس شغل سے سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے۔

ج۔ بدخشاں

شہر کے باہر غار میں شیخ عبدالواحد قیام پذیر تھے اور یہ حضرت ذوالنون مصریؒ (متوفی ۲۴۸ھ) کے مرید تھے۔ چند دن ان کی صحبت میں رہنا ہوا۔ وہ ایک پاؤں پر عالم تحیر میں ایستادہ تھے۔ تیسرے دن ہوش میں آئے تو فرمایا اے فرید! "میرے قریب نہ آنا جل جائے گا اور مجھ سے دور بھی نہ رہنا کہ جادو کا اثر ہو جائے گا۔" پھر اپنی داستان سنائی کہ ستر سال سے اسی جگہ ہوں۔ ایک عورت کو دیکھ کر باہر جانے کا ارادہ کیا تھا کہ آواز آئی۔ محبت کا دعویٰ تو ہم سے تھا۔ میں نے فوراً اپنی ٹانگ کاٹ کر پھینک دی۔ اب تیس سال سے حیرت میں ہوں کہ قیامت میں کس طرح منہ دکھاؤں گا۔ رات کو غیب سے کھانے کے لیے دودھ اور کھجوریں ایک تھال میں آ جاتی ہیں اور ہم دونوں کھا کر محو تحیر ہو جاتے تھے۔ (۱۵)

د۔ چشت

شیخ یوسف چشتیؒ (متوفی ۴۵۹ھ) کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ ایک صوفی نے تعبیر دریافت کی کہ خواب میں دیکھا ہے کہ میری موت قریب ہے۔ فرمایا تم سے صبح کو نماز فوت ہو گئی تھی۔ ورد کا فوت ہو جانا موت کے ہم معنی ہے۔ جب دن کا وظیفہ ترک ہو جائے تو اسی دن رات کو پورا کر لینا چاہیے۔ (۱۶)

ھ۔ دمشق

ایک بزرگ شہاب الدین زندوستی تھے۔ ان کو کسی نے اطلاع دی کہ ان کا مرید اہل دنیا سے میل جول رکھتا ہے۔ مرید کو بلا کر گدڑی چھین لی اور نکال دیا کہ صوف (خرقہ) کے لائق نہیں۔

و۔ نیشاپور

جب مغلوں نے نیشاپور پر حملہ کیا تو حاکم شہر نے حضرت فرید الدین عطارؒ (۵۱۷ھ-۶۲۶ھ) سے دعا کی استدعا کی۔ فرمایا: دعا کا وقت گزر گیا۔ اب تقدیر پر شاکر رہ کر بلاء الٰہی کے لیے تیار رہو۔ (۱۷)

ز۔ لاہور

یہیں ایک ذاکر بزرگ پر محویت طاری رہتی تھی۔ تشریح یوں فرمائی کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ جب میری یاد مومن بندے پر غالب آ جاتی ہے تو میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں لہٰذا ضروری ہے کہ ہر وقت یاد خدا میں محو و مشغول رہا جائے۔

ح۔ غزنین

چند درویشوں کے ساتھ یاد الٰہی میں رات گزاری۔ ان میں سے ایک درویش مرض اسہال میں مبتلا تھا۔ ہر قضائے حاجت کے بعد غسل کرتا تھا۔ ایک سو بیس رکعتیں پڑھنے کے لیے ساٹھ مرتبہ غسل کیا۔ آخر مرتبہ جو غسل کیا تو جان

Marfat.com

بحق ہو گیا۔

ایک غار میں ایک خدا ترس یاد الٰہی میں مشغول تھا اور تیس سال سے وہاں مقیم تھا۔ عالم غیب سے خوراک ملتی تھی۔ لیکن جب کبھی نہیں ملتی تھی تو بھی شکر ادا کرتا تھا۔ ایک دن ہم دونوں نے نماز پڑھی۔ خیال آیا کہ روزے کا افطار کس طرح ہو گا۔ کھجور کا درخت قریب میں تھا۔ ہلایا تو دس کھجوریں گر پڑیں۔ پانچ مجھے دیں اور پانچ خود کھائیں۔ پھر پاؤں زمین پر مارا تو پانی نکال کر مجھے اشرفیاں دیں۔ (۱۸)

ط۔ شام

ایک بزرگ کے یہاں حاضری دی۔ ایک اور بزرگ نے ان بزرگ سے دریافت کیا کہ اپنے ایک مرید کو خرقہ دینا چاہتا ہوں۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ جواب دینے کے بجائے انہوں نے کچھ اور بات شروع کر دی۔ اظہار قابلیت کے طور پر امیدوار خرقہ نے دخل دے کر بحث کی تمہید اٹھائی۔ اب اس درویش نے کہا: یہ اس قابل نہیں کہ خرقہ دیا جائے۔ پھر بتایا کہ خرقہ خرقہ پوش کی وجہ سے قابل اعتبار ہوتا ہے۔ ورنہ بذات خود بے معنی ہے۔

ی۔ بیت المقدس

حضرت بابا صاحبؒ نے یہاں چلہ کیا تھا۔ چلہ کی جگہ ابھی تک زاویہ فرید الدین ہندی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق وقف بھی ہے اور زائرین بغیر کرایہ کے ان حجروں میں قیام کرتے ہیں۔ (۱۹)

س۔ بخارا

حضرت اجل شیرازیؒ کے یہاں حاضری دی۔ دیکھتے ہی فرمایا: ''بیا اے لنگر عالم، نیک آمدی''۔ چند دن ان کی خدمت میں قیام رہا۔ ان کی خانقاہ سے کوئی شخص محروم نہیں جاتا تھا۔ کچھ نہ ہوتا تو سوکھا خرما دے کر دعا کرتے کہ اللہ رزق میں برکت دے۔ جس کو یہ دعا دیتے وہ زندگی بھر کسی کا محتاج نہ ہوتا۔ جب درویشوں کے متعلق گفتگو چلی تو حضرت جنیدؒ کا قول بیان کیا کہ فقیر کو اہل دنیا سے راہ و رسم رکھنا اور امیروں سے ملنا قطعی حرام ہے۔ (۲۰)

ایک روز بخارا کے ایک غار میں ایک بزرگ کو عبادت میں مصروف پایا۔ انہوں نے فرمایا ''اے فرید! میں ساٹھ سال سے یہاں رہتا ہوں۔ کوئی گھڑی ایسی نہیں گزرتی جو مجھ پر بلا نازل نہ ہوتی ہو اور جب بلا نازل نہیں ہوتی تو گریہ و زاری کر کے خود اس کے لیے استدعا کیا کرتا ہوں۔ جب مرضی دوست آزمائش و بلا میں ہے تو میں کیوں نہ اس کی آرزو کروں۔ بلاؤں پر ثابت و صابر رہنا چاہیے''۔

آگے بڑھ کر ایک حجرے میں شمس العارفینؒ کے ایک مرید سے ملاقات ہوئی۔ چونتیس سال سے معتکف تھے۔ فرمایا جبر و دہشت طاری ہے۔ لیکن نجات رضائے دوست میں ہی ہے۔

پھر ایک اور ایسے ہی بزرگ سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ حق سے یگانگی کی خاطر سب سے بیگانہ ہو جانا چاہیے۔ رات کو عالم غیب سے لذیذ کھانا ملا۔ رات گزار کر صبح کو جو دیکھا تو وہ بزرگ غائب و لاپتہ تھے۔

واپسی پر بغداد سے بخارا پہنچ کر شیخ سیف الدین باخرزی فردوسیہؒ (متوفی ۶۵۸ھ/۱۲۵۹ء) کے یہاں چند روز قیام کیا۔ دیکھتے ہی میرے متعلق فرمایا کہ مشائخ روزگار سے ہو گا۔ تمام جہان میں اس کے مرید و فرزند ہوں گے۔ پھر سیاہ

Marfat.com

گدڑی مرحمت فرمائی۔ ان کا دستر خوان وسیع تھا۔ ایک شخص نے عرض کیا میرے پاس مال ہے مگر اس میں نقصان برابر ہو رہا ہے اور بیماریوں میں مبتلا ہوں۔ جواب دیا کہ دولت کا نقصان زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے ہوتا ہے اور بیماری صحت کی علامت ہے۔

ع۔ ملتان

حضرت بابا صاحبؒ بخارا سے ملتان آئے اور حضرت بہاء الدین زکریاؒ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت زکریاؒ نے دریافت کیا کہ کہاں تک ترقی کر لی۔ جواب دیا کہ اگر آپ کی کرسی کو اشارہ کر دوں تو مع آپ کے ہوائیں اڑنے لگے۔ یہ کہنا تھا کہ کرسی نے بلند ہونا شروع کیا تو حضرت زکریاؒ ہاتھ سے دبا کر اسے نیچے لے آئے۔ فرمایا "مولانا فرید۔ خوب ترقی کی ہے۔"(۲۱)

سیاحت کے سلسلہ میں کسی تذکرہ نگار نے دو واقعات کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا ہے۔ یہ یقینی ہے کہ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے اور حاجی کہلاتے تھے۔ مگر خدا جانے اس کی عام طور پر کیوں روایت نہیں کی گئی۔ دوسرے یہ کہ ملتان پہنچ کر والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضر ضرور ہوئے۔ اس حاضری کے کم وکیف کا نقشہ تصور میں جمایا جا سکتا ہے۔ پہنچتے ہی قدموں پر گرے۔ والدہ صاحبہ نے اٹھا کر سینہ سے لگا لیا۔ طرفین کی خوشی نے گریہ کی صورت اختیار کر لی۔ آخر کار تکان اور نقاہت ملاحظہ کر کے والدہ صاحبہ نے تسلی دی کہ سفر نمونہ سقر ہوتا ہے۔ اس لیے مشقت و کمزوری نا قابل توجہ ہیں۔ پھر باطنی جائزہ لے کر فرمایا سفر وسیلہ ظفر بھی ہے۔ الحمد اللہ تمہیں ظفر و نصرت نصیب ہوئی۔ جواب میں خاکساری و عجز کے ساتھ والدہ صاحبہ کی شفقتوں کا اعتراف زبان حال سے کیا۔ جب کچھ عرصہ قیام کر لیا تو والدہ صاحبہ نے فرمایا اب خدمت شیخ میں جانے کی اہلیت پیدا ہو گئی۔ لہٰذا تمہیں جانا چاہیے۔ یہ حکم پا کر خوشی سے اچھل پڑے اور قدموں پر سر رکھ دیا۔

(۴) نسب

دستور ہے کہ نامور ہستیوں کے نسب کا تذکرہ خصوصیت کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خون کی تاثیر وراثت میں پہنچتی ہے۔ نجابت و شرافت سے انکار ممکن نہیں۔ اعلیٰ ظرفی اعلیٰ نسبی کی دلیل ہے۔ مگر نصب محض ذاتی وصف اور امتیازی شناخت ہے۔ **جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفو. ان اکر مکم عند اللّٰہ اتقاکم.** لہٰذا محض نسب ہی کو تنہا شرف کا معیار نہیں سمجھا جا سکتا۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے کسی نے دریافت کیا تو انہوں نے اپنا نسب اسلام بتایا تھا۔ درحقیقت معیار شرف تقویٰ ہے۔ یہ اسلامی معیار اپنی جامعیت و وسعت کے لحاظ سے قومیت، وطنیت، رنگ اور کلچر پر ہر طرح سے حاوی ہے۔ قید زمان و مکاں سے بے نیاز ہے اس لیے تمام جہان میں سب سے زیادہ وحدت و اتحاد کا حامی و مدعی ہے۔ نسب سے زیادہ مرتبہ "مواخاۃ" کو حاصل ہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں رسول اکرم ﷺ نے جو رشتہ اخوت قائم کیا تھا' وہ نسب سے زیادہ مضبوط ثابت ہوا۔ اس رشتہ میں آقا و غلام کی قید نہیں تھی۔ حد یہ ہے کہ مساوات کی خاطر آزاد اشراف اور پابند غلاموں میں شادی بیاہ کی رسم بھی جاری ہو گئی۔ کمال یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ جیسے مہتر و اشرف صحابہ حضرت اسامہؓ بن زید کی سپہ سالاری میں مثل معمولی سپاہی کے تھے اور دنیا جانتی ہے کہ حضرت اسامہؓ، نبی کریم ﷺ کے

Marfat.com

غلام زادے اور غلام تھے۔ بایں ہمہ اگر ظاہر پرست نسب پر خاص توجہ فرماتے ہیں اور شجرے تیار کرتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن زیادہ تر نسب کی صحت مشکوک ہوتی ہے اور سلسلہ ملانے میں غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اپنے شجرہ میں عدنان سے اوپر کی کڑیوں کے متعلق خود سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔ "کذب النسابون" یعنی علماء نے ناموں کے تعین میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اب اگر صوفیہ کے شجروں کے متعلق غور کیا جائے تو یہ رجم بالغیب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ صوفیہ مجاہدات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ظاہری زندگی سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ان کی گمنامی کی وجہ سے ان کے متعلق کسی قسم کی واقفیت بہم پہنچانے کا کسی کو وہم بھی نہیں آتا۔

لیکن جب وہ مشہور ہو جاتے ہیں تو جملہ واقفیت بہم پہنچانے کی فکر کی جاتی ہے اور خوش عقیدگی میں ہر صحیح و غلط روایت قبول کر لی جاتی ہے۔ یہ حضرات اسم و رسم سے مستغنی ہونے کی وجہ سے اپنے خاندان و نسب کا خود اعلان نہیں کیا کرتے۔ اس لیے ان کے شجرے زیادہ تر محض قیاسی و روایتی ہوتے ہیں۔ جب ان کی تنقید کی جاتی ہے تو شجرہ بنانے والوں کی قلعی کھل جاتی ہے۔ ان حضرات کے نسب کے متعلق صرف اسی قدر کافی ہے جو ان کے متعلق عام طور پر مشہور ہو۔ حضرت صوفیہ کے یہاں بجائے نسب کے نسبت سلسلہ زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور اسی وجہ سے ان کا شجرہ طریقت نہ صرف مستند ہے۔ بلکہ ان کے یہاں اس کا روزانہ ورد بھی کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اسی نسبت کی بنیاد پر ان کی اصلاح و تقویٰ پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ سبق آموز اور باعث ہدایت ہو۔ مگر قیامت یہ ہے کہ یہ مخصوص اوصاف چھوڑ کر تذکرہ نویس ان کے نسب بیان کر کے ساری قابلیت خوارق و نوادر پر صرف کر دیتے ہیں۔ کرامات کا اولیاء سے سرزد ہونا لازمی ہے اور یہی کرامات بعض اوقات تبلیغ کا ذریعہ بھی ہوتی ہیں۔ مگر ان کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ وہ قابل مثال و سند نہیں ہوتیں۔

ان حضرات کے نسبی شجروں کو تیار کرنا کوہ کندن و کاہ برآوردن کے معنی رکھتا ہے۔ یہ بات اگر سب اولیاء کے لیے صحیح نہیں ہے تو زیادہ تر کے لیے صحیح ہے اور منجملہ ان کے حضرت بابا صاحبؒ کے متعلق تو یقینی صحیح ہے۔ ان کے مروج و معروف شجرے خامیوں سے خالی نہیں۔ ان کوتاہیوں کی نشان دہی کی جاتی ہے۔ مگر حیرت ہے کہ کسی طرح صحت و اصلاح نہیں کی جاتی۔ حضرت والا کی ذات گرامی مجمع الصفات ہے۔ وہ علمی فضیلت و روحانی مرتبت کے ساتھ شرافت و نجابت میں بھی ممتاز ہیں۔ خیر متواتر ہے کہ وہ فاروقی ہیں لیکن شجرہ لکھنے والوں کو شعور نہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ سے صحیح طور پر سلسلہ ملا سکیں۔ حضرت بابا صاحبؒ کے دو شجرے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ ان میں اور بقیہ شجروں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے کا نام ناصر لکھا گیا ہے اور پوتے کا نام منصور بتایا گیا ہے۔ مگر ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادوں کے نام جو لکھے ہیں، اس فہرست میں جناب ناصر کا نام نہیں ہے اور نہ ان کے صاحبزادے ہونے کے متعلق کوئی معتبر سند ہے۔ پھر پوتوں میں بھی کوئی صاحب منصور نامی نہیں پائے جاتے۔ غالباً اسی غلطی کا احساس کر کے بعضوں نے منصور کے بجائے سلمان کا نام درج کیا ہے۔ مگر یہ اصلاح بھی بے سند ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادوں کے نام حسب ذیل ہیں:

عبداللہ، سالم، عاصم، حمزہ، بلال اور واقد۔ انہیں شجروں میں آگے بڑھ کر حضرت ابراہیم ادہم بلخیؒ کا اسم گرامی

اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ ان کو بادشاہ بلخ لکھا گیا ہے۔ حالانکہ شاہان بلخ کی فہرست میں یہ نام کہیں نہیں دکھائی دیتا۔ حضرت ابراہیم بن ادہم کے زمانہ میں بلخ کا حکمران سامانی خاندان تھا اور یہ خاندان ایرانی النسل ہے۔ بلخ کے بادشاہوں میں ادہم کا بھی نام درج نہیں ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے دادا کا نام منصور بن یزید بن جابر عجلی ہے اور عجلی قبیلہ بکر بن وائل کی شاخ سے تھا۔ (۲۲) یہ عجلی قبیلہ قریش سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتا۔ لہٰذا حضرت ابراہیم ادہمؒ کا سلسلہ حضرت فاروق اعظمؓ سے ہرگز نہیں ملتا۔ ہندوستان میں جو حضرات اپنے آپ کو فاروقی کہتے ہیں، ان کے شجروں میں ابراہیم کا نام شامل ضرور ہے۔ مگر ان کی کنیت ادہم نہیں ہے۔ (۲۳) گویا اس طرح حضرت ابراہیم اور حضرت ادہم کے بادشاہ بلخ اور فاروقی ہونے کا کسی تاریخ سے ثبوت نہیں ملتا۔ (۲۴) اس کے بعد حضرت بابا صاحبؒ کے اجداد میں فرخ شاہ کو بادشاہ کابل ظاہر کیا گیا ہے۔ عقل حیران ہے اور تاریخ ساکت ہے کہ یہ بزرگ سلطنت کابل کے تخت پر کس طرح بٹھا دیئے گئے۔ روایت ہے کہ فرخ شاہ والی کابل کے بعد سلطنت کابل غزنی میں مدغم ہوگئی تھی اور شاہان غزنی فرخ شاہ کی اولاد کا ادب و احترام کیا کرتے تھے۔ مگر روایت کا پہلا حصہ بے سروپا ہے۔ تاریخ کا بیان ہے کہ غزنی والوں نے کابل کو کسی مسلمان فرمانروا سے فتح نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہندو راجہ سے حاصل کیا تھا۔ البیرونی نے لکھا ہے کہ اشوک کے زمانہ میں کابل میں ہندو کی حکومت تھی۔ راجا کا خاندان ''شاہی'' کے لقب سے مشہور تھا۔ اس ''شاہی خاندان'' میں ساٹھ راجہ ہوئے۔ آخری راجہ ''لگا ترمان'' تھا، جس کو برہمن وزیر نے معزول کر دیا تھا۔ یہ نویں صدی عیسوی کا ذکر ہے۔ ۹۵۰ھ میں کابل راجہ ابھیم کے زیر فرمان تھا۔ اسی راجا کی پوتی رانی وڈا کشمیر کی فرمانروا تھی۔ بھیم کے بعد کابل کے تخت کا وارث جے پال ہوا۔ الپتگین نے کابل پر پہلی مرتبہ حملہ ۹۸۶ء میں کیا تھا۔ پھر سبکتگین نے جے پال سے کابل ۹۸۸ء میں فتح کیا اور جے پاس شکست کھا کر پنجاب چلا گیا۔ بعد میں جے پال کو محمود غزنوی نے ۲۷ نومبر ۱۰۰۱ء مطابق محرم ۳۹۳ھ میں گرفتار کر کے مقید کر لیا تھا۔ بہرحال جب سلطنت کابل عہد سبکتگین میں ہندو راجا سے فتح کی گئی تو کابل میں اس سے پہلے کسی نوعیت سے کسی مسلمان کی حکومت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا تخت کابل پر فرخ شاہ کا متمکن ہونا ایک ناقابل تصور چیستان ہے۔ شجرہ نویسوں نے غالباً لفظ شاہ سے دھوکا کھایا ہے۔ روحانی بادشاہوں کو دنیوی بادشاہ بنا کر انہوں نے اپنے دل کو خوش کیا۔ حالانکہ روحانی بادشاہوں کی اس سے بڑھ کر اور کوئی ذلت نہیں ہو سکتی۔ فرخ شاہ کے مورثوں میں کئی صاحب شاہ ہیں۔ منجملہ ان کے ریسمان شاہ بھی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ نام درویشوں کے ہیں نہ کہ بادشاہوں کے۔

درویش فرخ شاہ کی چوتھی پشت میں شیخ شعیب کی شادی سلطان محمودی غزنوی کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی۔ (۲۵) اور یہ بھی بتایا ہے کہ غزنوی سلطنت کے زوال کے بعد حضرت شعیب کے والد شیخ احمد چنگیزی حملہ میں شہید ہوئے تھے۔ (۲۶) قرین قیاس یہ ہے کہ فرخ شاہ روحانی سلطنت کے بادشاہ تھے۔ شاہان غزنی ان سے اور ان کی اولاد سے نیاز و عقیدت رکھتے تھے۔ غزنی کے تاجدار حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے اجداد کا بھی ادب و احترام کرتے تھے۔ اب اگر انہوں نے بربنائے عقیدتمندی ملتان کے سہروردیوں کو جاگیر دی اور شیخ شعیب کی شادی محمود غزنوی نے اپنی ہمشیرہ سے کر دی تو تعجب کی بات نہیں۔ چشتی مشرب رکھنے کی وجہ سے شیخ شعیب اور ان کے والد نے حضرت زکریاؒ کے اجداد کے اصول کے خلاف جائداد لینے سے انکار کر دیا ہوگا اور شیخ شعیب کی شادی سلطان محمودی کی ہمشیرہ سے کر لی ہوگی۔ اس رشتہ پر تعجب کیا

Marfat.com

جاسکتا ہے لیکن اس زمانہ کے خیالات کے ماتحت اس کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کا جواز اس حقیقت سے واضح ہے کہ کاشغر کے کسی ترک بادشاہ نے ۱۰۲۶ء میں سلطان محمود کو اس کی لڑکی کا پیغام دیا تھا۔ سلطان نے جواب میں لکھا تھا کہ ہم لوگ کسی غیر مسلم کو اپنی لڑکی نہیں دیا کرتے لیکن اگر اسلام قبول کر لو تو لڑکی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (۲۷) اب رہی شیخ احمد کی حملہ چنگیزی میں شہادت تو یہ قطعی غلط ہے۔ اگر اس کو مان لیا جائے تو ان کی شہادت کے بعد شیخ شعیب کی ہندوستان میں آمد عہد شمسی میں ہونا چاہیے۔ اور یہ خلاف واقعہ ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ احمد کی شہادت حملہ چنگیزی سے بہت پہلے غزون کی کسی تاخت میں ہوئی ہو۔

اپنے والد شیخ احمد کے شہید ہو جانے کے بعد شیخ شعیب کابل سے لاہور ہوتے ہوئے قصور پہنچے۔ قاضی قصور نے ان کا استقبال کیا۔ اپنے یہاں مہمان رکھا اور حکومت سے سفارش کر کے کھوتوال کے عہدۂ قضا پر مامور کروا دیا۔ شیخ شعیب نے اس جگہ کی سکونت اختیار کر لی۔ شیخ شعیب کے صاحبزادے جمال الدین سلیمان علم وفضل اور روحانیت میں کمال رکھتے تھے۔ ان کی بزرگی اس واقعہ سے ثابت ہے کہ صاحب کوٹ کڑوڑ شیخ علیؒ نے اپنے وصال کے بعد اپنے صاحبزادے احمد غوثؒ کو خواب میں بشارت دی کہ کھوتوال جا کر شیخ جمال الدین سلیمانؒ کی خدمت میں حاضر ہوں اور فیض حاصل کریں۔ وہ تین برس ان کی خدمت میں رہے۔ (۲۸)

حضرت احمد غوثؒ حضرت بہاؤالدین زکریا کے حقیقی چچا تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے خاندانوں میں اس طرح ابتداء ہی سے مراسم و روابط ہو گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت جمال الدین سلیمانؒ کی شادی ملتان کے مولانا وجیہ الدین خجندی عباسی کی دختر نیک اختر قرسم خاتون سے ہوئی تھی۔ ان کے بطن سے ایک صاحبزادی اور تین صاحبزادے تولد ہوئے۔ صاحبزادوں کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

اعزالدین محمود، فریدالدین مسعود اور نجیب الدین متوکل۔

مابہ النزاع یہ ہے کہ فرزند اکبر اعزالدین محمود تھے یا فریدالدین مسعود۔ کہتے ہیں کہ حضرت عطارؒ نے اپنے نام پر ان کا نام فریدالدین رکھا تھا۔ لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت عطارؒ ہندوستان نہیں آئے۔ البتہ دوران سیاحت میں حضرت بابا صاحبؒ کو ان سے نیاز حاصل ہوا تھا۔ حضرت جمال الدین سلیمان کی صاحبزادی بی بی ہاجرہ تھیں۔ جن کی شادی پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے پوتے اور شیخ عبدالوہابؒ کے صاحبزادے شیخ عبدالرحیمؒ سے ہوئی تھی اور یہی بی بی صاحبہ حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابر کی والدہ ماجدہ تھیں۔

شجرے کی مختلف خامیوں کی وجہ سے ۱۹۱۵ء میں رشید احمد صاحب رضوی امروہوی نے ایک رسالہ ''سیادت فریدی'' شائع کر کے ثابت کیا تھا کہ حضرت بابا صاحبؒ فاروقی نہیں بلکہ سید تھے۔ اس رسالہ نے جملہ فریدیوں میں تہلکہ ڈال دیا تھا۔ مگر اس مسئلہ کے متعلق پیر غلام دستگیر نامی صاحب نے اپنی ''تاریخ جلیلہ'' میں استدلال کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ سید و شیخ تعظیمی القاب ہیں۔ قومیت و نسب سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ حیرت ہے کہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قریشی کہتے ہیں اور حضرات حسنینؓ اور ان کی اولاد کو فاطمی ہونے کی وجہ سے سید کہتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ سلسلہ نسب والد سے چلتا ہے۔ اب اگر ماں کی طرف سے سیادت کا حق دیا جاتا ہے تو یہ الٹی بات ہوئی۔ پھر یہ

Marfat.com

دعویٰ بھی آگے چل کر ضعیف ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت حسنینؓ کی اولاد کی سب مائیں سیدانیاں نہیں تھیں۔ حضرت سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت حسنؓ کو سید سے خطاب کیا ہے اور حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت بلال حبشیؓ کے متعلق فرمایا تھا کہ ہمارے سید نے ہمارے سید کو آزاد کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال ہر قریشی کو سید کہا جا سکتا ہے اور احادیث صحیحہ سے قریش کی سیادت وخلافت ثابت ہے لہٰذا حضرت بابا صاحبؒ فاروقی اور قریشی ہونے کی وجہ سے بے شک سید ہیں۔ (۲۹)

نسب اور شجرہ کے متعلق ظاہری اور تاریخی تذکروں کا ملخص پیش کر دیا گیا۔ اب کشفی تذکرہ کی داستان بھی خالی از دلچسپی نہیں۔ سنہ وسال جو کشفی تذکرہ میں درج ہیں وہ محیر العقول ہیں اور اس کے بیانات وروایات بھی غرابت سے خالی نہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ بابا صاحبؒ فاروقی تھے۔ مگر ننہالی رشتے سے سید بھی تھے۔ کیونکہ خلیفہ دوئم نے خلیفہ چہارم کی صاحبزادی ام کلثوم سے شادی کی تھی۔ شادی کرنا صحیح ہے مگر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی والدہ ماجدہ ام کلثوم نہیں تھیں۔ کشفی تذکرہ میں بھی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اولاد میں ناصر ومنصور دونوں موجود ہیں۔ پھر یہ بھی لکھا ہے۔ کہ حضرت ادہم کے والد کا نام منصور شاہ تھا جو خوقند میں پیدا ہوئے تھے اور ان کا مزار تاشقند میں ہے۔ فرخ شاہ کے متعلق درج ہے کہ یہ عرفیت ہے ورنہ اصلی نام شہاب الدین علی تھا اور یہ بادشاہ کابل تھے۔ انکی پیدائش کابل میں بمقام پنجدہ ہوئی تھی اور ان کے والد بخارا میں پیدا ہوئے تھے۔ شیخ احمد کی شہادت بھی چنگیز کے سپاہی کے ہاتھ سے قلعہ غزنی میں بتائی ہے۔ اس کے بعد تفصیل یہ ہے کہ اپنے بہنوئی شیخ شعیب کو سلطان محمود غزنوی نے ۴۹۹ھ میں دیپالپور بسلسلہ تبلیغ بھیجا تھا اور سلطان کی اجازت سے شیخ جمال الدین سلیمان (متوفی ۵۵۹ھ) بعمر اکیس سال ۵۰۰ھ میں اپنے والد کے پاس آئے تھے۔ ان کی شادی قرسم خاتون سے نہیں بلکہ مریم خاتون سے ۵۰۱ھ میں ہوئی تھی اور بمقام کھوتوال بعد عشاء ۱۷ جمادی الاول کو قاضی محمد اکرم شاہ کابلی نے نکاح پڑھایا تھا۔ انہیں مریم خاتون کے بطن سے بڑے صاحبزادے فرید الدین مسعود بعد مغرب شب سہ شنبہ ۴ ذی الحجہ ۵۰۲ھ کو تولد ہوئے۔ عزیز الدین کی پیدائش ۵۲۶ھ میں اور رحلت ۵۵۵ھ میں ہوئی۔ نجیب الدین متوکل ۵۴۱ھ میں پیدا ہوئے۔ بی بی ہاجرہ عرف جمیلہ خاتون ۵۵۷ھ میں پیدا ہوئیں اور ان کا انتقال ۶۲۰ھ میں ہوا۔ ایک دوسری دختر بی بی زینب کا اضافہ کیا ہے جو ۵۴۶ھ میں پیدا ہو کر ۵۵۵ھ میں انتقال کر گئیں۔ سیدہ مریم خاتون کا وصال بہ عمر ۱۵۸ سال ۶۴۱ھ میں ہوا۔ واللہ اعلم۔ خیال تھا کہ کشفی بیان معتبر ہوگا۔ مگر معلوم ہوا کہ یا تو صاحب کشف کو دھوکہ ہوا یا کشف میں بھی اشتباہ ممکن ہے۔ (۳۰)

اس کشفی تذکرہ میں سیدہ مریم خاتون کا پورا حال درج ہے کہ ۴۸۳ھ میں پیدا ہوئی تھیں۔ بی بی صاحبہ کے نانا عبداللہ شاہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے تھے۔ سید عبداللہ شاہ کے دو صاحبزادیاں تھیں۔ ایک شادی مولانا وجیہہ الدین خجندی عباسی سے ہوئی تھی۔ ان کا اصل نام محمد عیسیٰ تھا اور ان کا سلسلہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملتا ہے۔ ان صاحبزادی کے بطن سے محمد یعقوب اور بی بی فاطمہ پیدا ہوئے۔ محمد عیسیٰ الملقب بہ وجیہہ الدین خجندی کسی جگہ ملتان میں مقیم ہو گئے تھے۔ سید عبداللہ شاہ کی دوسری صاحبزادی کے شوہر کا نام نہیں لکھا ہے۔ مگر ان کے بطن سے ایک دختر پیدا ہوئی۔ مسماۃ مریم خاتون۔ جب مریم خاتون چھ ماہ کی ہوئیں تو ان کی والدہ کا بعارضہ دق انتقال ہو گیا اور مریم خاتون کی پرورش ان کی

Marfat.com

خالہ زاد بہن نے کی تھی۔ اسی لیے عرف عام میں وہ مولانا خجندی کی بیٹی کہلائیں اور غلطی سے مریم خاتون کو قرسم خاتون کہا جانے لگا یا کتابت کی غلطی سے نام بدل گیا۔

اگر چہ کشفی تذکرے کے بیانات عجیب وغریب ہیں۔ مگر کچھ ایسے احوال بھی ہیں جو تاریخی خلاء کو پورا کر دیتے ہیں۔ اگر ان کو صحیح مان لیا جائے تو ظاہری تذکروں کی خامیاں دور ہو جاتی ہیں۔ مثلاً مولانا خجندی کی صاحبزادی بی بی فاطمہ کے متعلق لکھا کہ ان کی شادی حضرت وجیہہ الدین محمد غوث سے ہوئی تھی۔ جن کے بطن سے حضرت بہاء الدین زکریاؒ تولد ہوئے۔ حیرت ہے کہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے تذکرہ نگار وثوق کے ساتھ نہیں بتا سکتے کہ ان کے نانا کون تھے۔ کوئی کہتا ہے کہ حضرت حسام الدین کی صاحبزادی بی بی فاطمہ حضرت زکریاؒ کی والدہ تھیں اور کسی کا بیان ہے کہ حضرت پیران پیر کے صاحبزادے سید عیسیٰ کی صاحبزادی بی بی فاطمہ کی شادی حضرت محمد غوثؒ سے ہوئی تھی۔ یہی آخر الذکر روایت نور احمد خاں فریدی صاحب نے اپنے ''تذکرہ زکریاؒ'' میں لکھی ہے۔ لیکن یہ روایت مشکوک ہے جبکہ یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ پیران پیر کے صاحبزادے سید عیسیٰ قادری کا زمانہ بہت پہلے تھا اور وہ ناکتخدا تھے۔ نہ ان کی شادی ہوئی اور نہ ان کے کوئی اولاد تھی۔ (۳۱) اب اگر حسام الدین ترمذی والی روایت کی کوئی صحیح بنیاد ہوتی تو حضرت زکریاؒ کے تذکرہ نگار اسے نظر انداز نہ کرتے۔

اگر اس کشفی بیان میں کوئی حقانیت ہے تو حضرت زکریاؒ حضرت بابا صاحب کے خالہ زاد بھائی ٹھہرتے ہیں۔ ''جواہر فریدی'' میں بتایا گیا ہے کہ ان دونوں حضرات کی مائیں حقیقی بہنیں تھیں۔ بہر حال ان دونوں حضرات کی مائیں خالہ زاد بہنیں ہوں یا نہ ہوں مگر اس میں شک نہیں کہ ان دونوں بزرگوں میں دوستانہ تعلقات تھے اور ان دونوں کے خاندانوں میں حضرت جمال الدین سلیمانؒ کے وقت سے ارتباط تھا۔

ان سب چہ میگوئیوں کے بعد نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی بات کا تعین نہیں کیا جا سکتا اور یہ واقعی کرامت ہے کہ محققین و ماہرین انساب سخت جاں فشانیوں کے بعد بھی حضرت بابا صاحب علیہ الرحمتہ کا صحیح شجرہ مرتب نہیں کر سکے۔ خدا جانے وہ سید تھے یا فاروقی تھے مگر ان کی اولاد فریدی ضرور ہے اور یہ شرف اہل خاندان وسلسلہ کو کافی ہے۔ اب رہا ان کا ذاتی نسب تو یہ حجاب ونقاب کسی طرح نہیں اٹھتا۔ وجہ یہ کہ:

اندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

شجرۂ پدری

مطابق ''خزینۃ الاصفیاء''

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ

حضرت عبداللہؓ

حضرت ناصر

Marfat.com

یـــــــــا

حضرت منصور یا سلمان

حضرت سلیمان

حضرت ادہم

حضرت ابراہیم بلخی

حضرت اسحٰق

واعظ الاکبر ابی الفتح

واعظ الاصغر عبداللہ

حضرت مسعود

حضرت سلیمان

حضرت سامان شاہ

حضرت ریسمان شاہ

نصیر الدین

شیخ احمد فرخ شاہ کابلی

شہاب الدین

محمد

یوسف

شیخ احمد شہید

شیخ شعیب

جمال الدین سلیمان

اعزالدین | فرید الدین مسعود | نجیب الدین متوکل

شجرۂ ارادت

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت صدیق اکبرؓ | حضرت علی کرم اللہ وجہہ

سلسلہ نقشبندیہ | خواجہ حسن بصری

خواجہ حبیب عجمی | خواجہ عبدالواحد

فضیل بن عیاض

Marfat.com

ابراہیم بن ادہم
حذیفہ مرعشی
ہبیرہ بصری — جنید بغدادی
علو ممشاد
ابو اسحٰق شامی — ممشاد علی دینوری — ابوبکر شبلی
ابو احمد ابدال چشتی
محمد زاہد مقبول چشتی
ابو یوسف چشتی — سلسلہ سہروردیہ
ناصر الدین چشتی — سلسلہ قادریہ
شریف زندنی
خواجہ عثمان ہرونی — سہروردیہ — فردوسیہ
خواجہ معین الدین چشتی
خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر

حضرت جمال ہانسوی	شیخ نظام الدین بدایونی	مخدوم علاء الدین صابر
سلسلہ جمالیہ	سلسلہ نظامیہ	سلسلہ صابریہ

(۵) خلافت ۶۱۲ھ/ ۱۲۱۶-۱۷ء عمر ۴۳ سال

معلوم نہیں والدہ صاحبہ نے ہدایت فرمائی تھی یا پیر روشن ضمیر نے روحانی اشارہ کیا تھا یا خود ذاتی تقاضائے قلب تھا کہ حضرت فرید الدین مسعودؒ نے اوچ پہنچ کر مسجد حاج میں چلہ معکوس کیا۔ درخت میں رسی باندھ کر شام سے کنوئیں میں لٹک جاتے تھے اور صبح کو مسجد کے موذن رشید الدین مینائی رسی کھینچ کر انہیں نکال لیا کرتے تھے۔[۳۲] جب چالیس دن پورے ہو گئے تو باوجود نقاہت کے دہلی کی راہ لی۔ مشہور ہے کہ خواجہ یوسف چشتیؒ صلوٰۃ معکوس کے عادی تھے اور سلطان المشائخ نے شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے غار حرا میں نماز معکوس ادا فرمائی تھی۔

صلوٰۃ معکوس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ ’’القول الجمیل‘‘ میں لکھتے ہیں کہ چشتیہ کے ہاں ایک نماز ہے جس کو صلوٰۃ معکوس کہتے ہیں۔ ہم نے سنت مصطفویہ اور اقوال فقہا سے اس کی کوئی اصل نہیں پائی۔ جس کی بنا پر ہم اسکی تائید نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ واالعلم عند اللہ۔

غالباً یہ اضافۂ مابعد ہے ورنہ ’’فوائد الفواد‘‘ میں ایسی غیر مستند بات ہونی نہیں چاہیے تھی۔ یہ صحیح ہے کہ اکثر

Marfat.com

بزرگوں نے صلوٰۃ معکوس ادا فرمائی ہے۔ لیکن اس کی شرعی حقیقت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا سوائے اس کے کہ چند حدیثوں سے اس کا جواز ثابت کیا جائے۔ ارشاد نبوی ہے کہ: کل بدعة ضلالة الا فی عبادة (تجرید الاحادیث) صحیح مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ ''اسلام میں جو نیک راہ نکالے اس کو بھی اس کا ثواب ہے''۔ تیسری حدیث ہے کہ ''ہر اچھی بات مومن کا گم شدہ مال ہے''۔ یہاں محض چالیس دن کی صلوٰۃ معکوس کی روایت ہے۔ مگر عام صورت سے شہرت ہے کہ بابا صاحبؒ نے بارہ برس صلوٰۃ معکوس ادا فرمائی تھی۔ ممکن ہے کہ صلوٰۃ معکوس سے مراد وہی اصول ہو جو چشتیوں کی خصوصیت اور جس کی تلقین بابا صاحبؒ اپنے ہر مرید سے فرمایا کرتے تھے کہ ''جو دل چاہے اس کے خلاف عمل کیا جائے۔'' بہر حال مدعا جو بھی ہو مگر صلوٰۃ معکوس کو جوگیوں کی ''شیس آسن'' نہیں سمجھا جا سکتا۔ جوگی جو مجرد رہنا چاہتے ہیں وہ اپنا سر زمین پر رکھ کر ٹانگیں اوپر کو اٹھانے کی مشق کیا کرتے ہیں۔ ابتدائی زندگی میں حضرت بابا صاحبؒ کو جوگیوں سے سابقہ نہیں پڑا اور اجودھن میں جو جوگی ان کی خدمت میں آتے تھے، وہ بجائے کچھ سکھانے کے خود ان سے سیکھ کر جایا کرتے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں سے کسی طرز عبادت کو مستعار لینے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔

۶۱۱ھ/۱۲۱۵ء میں رمضان کی دوسری تاریخ (۳۳) تھی یا ماہ ذوالحجہ کی پچیس (۳۴) غرض اس روز حضرت شہید محبت خواجہ بختیار کاکی اوشی قدس سرہ العزیز کی محفل میں قاضی حمید الدین ناگوری سہروردی، مولانا شمس الدین ترک، خواجہ محمود، علاؤ الدین کرمانی، بدر الدین غزنوی، برہان الدین بلخی، ضیاء الدین رومی، نور الدین غزنوی اور نظام الدین ابو المؤید وغیرہم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین موجود تھے اور ذکر یہ تھا کہ ''شیخ میں اس قدر دل کی قوت اور ضمیر کی صحت ہونا چاہیے کہ جس کو مرید کرے اس کے سینہ کی زنگار اپنی قوت باطن سے صاف کر کے صیقل کر دے اور رازہائے فطرت سے آگاہی دیوے۔''

اسی دن اسی وقت حضرت فرید فردؒ امید و بیم کے ساتھ شوق میں بھرے ہوئے دربار میں حاضر ہوئے۔ داخل ہوتے ہی شوق، شعور اور علم نے ساتھ چھوڑ دیا۔ جدائی کی مدت مدید نے ایک دیوار کھڑی کر دی۔ نہ یہ کچھ کہہ سکے اور نہ انہوں نے کوئی رخ دیا۔ مولانا شمس الدین ترک نے آداب مجلس کے مطابق بیٹھ جانے کا بھی اشارہ کیا۔ مگر خبرے نہ باشد۔ کھڑے کے کھڑے رہے۔ بدحواسی و سراسیمگی کی وجہ سے وہ یہ بات طے نہ کر سکے کہ تعارف کی کیا صورت نکالی جائے۔ مسجد ملتان میں توجہ فرمائی کی یاد دلائیں۔ ''النافع'' پڑھنے کا حوالہ دیں یا تکمیل تعلیم کے بعد حاضر ہونے کی ہدایت کا ذکر کریں اور پھر کیا معلوم کہ انہیں کچھ خیال بھی ہو یا نہ ہو۔ حیرانی و پریشانی کی اسی حالت میں کانوں نے سنا۔ مولانا فرید سب کام ختم کر کے آئے ہو۔'' یہ سننا تھا کہ سر بسجود ہو گئے۔ قدم لیتے ہی ایسا محسوس ہوا کہ نہ مغائرت رہی نہ حجاب رہا۔ درمیانی دیوار ہٹ گئی اور مفارقت کا تصور جاتا رہا۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا: ''مردان خدا ایسے ہی مدارج طے کرتے ہیں۔ مگر یہ سعادت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ یہ محض فضل الٰہی پر منحصر ہے۔ لیکن ہر حال میں کسی نہ کسی مقام پر پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ صدق و خلوص ہی کے ذریعہ مقام قرب میں رسائی ہوتی ہے۔'' (معنی یہ ہوئے کہ سعی ناتمام ہی فضل الٰہی سے بارور ہوا کرتی ہے) یہ کہہ کر چہار ترکی کلاہ مرحمت فرمائی اور بے حد لطف فرمایا۔ (۳۵) شیخ الاسلام نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے اس سے پہلے بیعت رضوان کی تفصیل بیان کی تھی کہ حدیبیہ کے مقام پر حضرت عثمان غنیؓ کو کفار مکہ سے گفتگو کرنے بھیجا گیا تھا۔ اتنے میں افواہ اڑی کہ وہ قید کر لیے گئے۔ مسلمانوں میں جوش پیدا ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے

Marfat.com

لڑنے کے لیے جملہ صحابہ سے بیعت لی۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ کی طرف سے یوں بیعت لی کہ اپنے ایک ہاتھ کو ان کا ہاتھ فرض کیا اور اپنا دوسرا دست مبارک اس پر رکھا۔ غرض اس مثال سے سمجھایا کہ تجدید بیعت کی اسی دن سے بنیاد پڑی۔ اب حاضرین جلسہ کے سامنے حضرت فرید الدین مسعود کو تجدید بیعت سے مشرف فرمایا گیا۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ تجدید بیعت کی ضرورت کیوں پیش آئی اور کونسی غلطی واقع ہوئی تھی۔ مدت فراق میں بظاہر دوری معلوم ہوتی ہے۔ مگر روحانی صورت سے معیت رہتی ہے۔ اب اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے۔ جن کے رتبہ ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ آن واحد کے لیے وحشت میں ہی سہی مگر یہ خطرہ کیوں آیا کہ ''خیال ہو یا نہ ہو'' بس اسی خطرے کی وجہ سے تجدید کی ضرورت ہوئی۔ اس خطرے میں اہانت کی صورت نکلتی ہے۔ راہ سلوک میں خطرات پر بھی گرفت کی جاتی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ''مرید کو موجودگی و عدم موجودگی دونوں میں یکساں طور پر پیر کی خدمت کرنا چاہیے اور اگر پیر کا انتقال ہو جائے تو اور بھی زیادہ کرنا چاہیے''۔

حضرت والا کا لقب شکر گنج بھی ہے۔ اس کی دو تین وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ سب صحیح ہوسکتی ہیں۔ مگر مستند و معتبر یہ ہے کہ اسی موقع پر غزنی دروازے کے قریب ایک برج (۳۶) میں ٹھہرا کر طے کے روزے کا حکم دیا تھا۔ سیاحت و مجاہدات کے بعد ابھی حال میں چلہ معکوس کیا تھا۔ ان کے جسم کی حیثیت منجمد خیال سے زیادہ نہیں تھی۔ بایں ہمہ حکم کی تکمیل کی گئی۔ تیسرے روز افطار کے لیے کچھ نہ تھا۔ ایک شرابی نے کھانا لا کر پیش کیا۔ اسی سے افطار کر لیا۔ مگر معدے نے غذا قبول کرنے سے انکار کر دیا اور وہ قے بن کر خارج ہوگئی۔ (۳۷) صبح کو حضرت شیخ سے ماجرا بیان کیا۔ فرمایا وہ کھانا خماری تھا۔ اچھا ہوا کہ خارج ہوگیا۔ اب ضرورت ہے کہ طے کا روزہ ایک اور رکھو اور غیب سے جو میسر آئے اس سے افطار کرو۔ روزہ اور طے کا روزہ اور پھر طے کے روزے پر طے کا روزہ۔ اس کیفیت کا تصور مشکل ہے۔ مگر تعمیل کرنا تھی۔ تیسرے روز افطار کا وقت آیا، مگر غیب سے کچھ نہیں آیا۔ رات گذرے شدت گرسنگی سے مجبور ہو کر زمین پر ہاتھ مارا۔ چند سنگریزے ہاتھ میں چپک گئے۔ عطیہ غیب سمجھ کر وہی منہ میں ڈال لیے۔ مگر وہ شیریں تھے۔ خطرہ ہوا کہ پھر کوئی فریب نہ ہو۔ فوراً اگل دیے۔ جب تین مرتبہ یہی واقعہ پیش آیا اور سنگریزے سے ہر مرتبہ شکر معلوم ہوئے تو سمجھا کہ یہی تحفہ غیب ہے۔ تحفہ غیب کی پیشین گوئی کر دی گئی تھی۔ تحفہ غیب ملا بھی لیکن زمین پر ہاتھ مارنا حصول کا ذریعہ تھا۔ یہ اضطراری سعی تھی۔ اس کو اختیاری جدوجہد نہیں کہا جا سکتا۔ اختیاری جدوجہد پر اعتماد نہیں رکھنا چاہیے۔ بلکہ مسبب الاسباب پر نظر رکھنا چاہیے کیونکہ محنت و کوشش کا نتیجہ اپنے اختیار سے باہر ہے۔ علم کی بے راہ روی اسی کو کہا جاتا ہے کہ اہل فلسفہ نے عقل و دماغ کو منتشر کرنے کے لیے جبر و اختیار کی بحث ایجاد کی اور صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس بے نتیجہ بحث سے سکون حاصل نہ ہوا۔ نظام مملکت کے قیام و استحکام کے لیے منتظم جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اس کے حسن تدبیر، مصلحت اور ضرورت کی دلیل ہے۔ باغبان جانتا ہے کہ کس پودے کو پانی اور کھاد دے اور کس پودے کو بیخ و بُن سے اکھیڑ کر پھینک دے۔ باغبان کا ہر فعل باغ کی صحت و رونق کے لیے ہوا کرتا ہے' نہ کہ اپنی نفسانیت کے لیے۔ لہٰذا اس تراش و خراش میں جبر و اختیار کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اب ہاتھ مارنے کے بجائے تعمیل حکم کو اصلی جدوجہد کہا جاسکتا ہے۔ بہرحال یہ اپنی اپنی نظر ہے۔ چنانچہ دوسرے دن جب اضطراری طور پر تحفہ غیب ملنے کا قصہ پیر و مرشد کے گوش گزار کیا تو فرمایا۔ بابا! روح جب نفس کو مطیع کر لیتی ہے تو دائمی حلاوت مل جایا کرتی ہے۔ لہٰذا مبارک ہو کہ تم گنج شکر بن گئے۔ شکر نام ہے دراصل اطاعت و وفا کی تاثیر کا۔ اس لیے ضروری ہے کہ شکرانے میں تم شکر بانٹا کرو۔ چنانچہ

Marfat.com

اسی روز سے شکر گنج مشہور ہو گئے۔ اب رہیں دوسری روایتیں کہ بنجارے کی شکر نمک بن گئی اور نمک پھر شکر کی صورت اختیار کر گیا (۳۷) تو ولی سے کرامت کا اظہار ممکن ہے اور یہ کرامتیں بھی حضرت شیخ کے عطا کردہ خطاب کی تصدیق کرتی ہیں۔

اس حجرے میں رہ کر عبادت و ریاضت کا شغل تھا اور کہا جاتا ہے کہ بجائے روزانہ کے ہفتہ دو ہفتہ میں ایک مرتبہ شیخ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ (۳۸) کچھ دن بعد حضرت سلطان الہند خواجہ بزرگؒ پہلی مرتبہ اجمیر سے دہلی تشریف لائے۔ (۳۹) تاریخی دلائل سے تشریف آوری کا تعین ۶۱۲ھ/ ۱۷-۱۲۱۶ء میں کیا گیا ہے۔ (۴۰) زیارت و قدمبوسی کے لیے ساری دہلی امڈ پڑی۔ سلطان شمس الدین بھی حاضر ہوا لیکن بابا صاحب نہیں آئے۔ ان کے متعلق جب دریافت کیا تو بتایا گیا کہ چلہ میں ہیں۔ اس پر خواجہ قطب صاحب سے فرمایا "تم واقعی بختیار ہو جو ایسے شہباز کو قبضہ میں لائے جس کا آشیانہ سدرۃ المنتہیٰ سے ادھر نہیں۔ ایسے شخص پر تشدد کی ضرورت نہیں۔ چلہ کو ختم کرا دینا چاہیے۔" اس کے بعد دونوں حضرات اس حجرے میں گئے۔ جملہ جلیل القدر ہستیوں نے جو حاضر و موجود تھیں، رفاقت کی۔ خواجہ بزرگ اس حجرے میں قبلہ رو کھڑے ہوئے۔ خواجہ قطب صاحبؒ نے متابعت کی اور بابا صاحب کو درمیان میں کھڑا کر کے دیر تک دعا فرمائی کہ خداوندا فرید کو قبول فرما۔ اہل گوش نے ندائے غیب سنی کہ قبول کیا۔ اس کے بعد انعام و فیض روحانی نہ صرف خواجہ قطب صاحبؒ سے دلوایا بلکہ خود بھی عطا کیا اور ارشاد فرمایا: "فرید ایسا چراغ ہے جو ہمارے خانوادے کو روشن کرے گا اور وحید عصر ہو گا۔" اس رسم اور عطیہ کو خلافت سے موسوم کیا گیا ہے۔ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کی طرح دوران قیام دہلی میں حضرت غریب نوازؒ بھی فریدالدین مسعود گنج شکرؒ بابا سے خطاب کیا کرتے تھے اسی لیے ان کا لقب "بابا" اور اتنی مقبولیت ہوئی کہ اسی لقب سے برابر یاد کیے جاتے۔ مریدوں میں وہی حضرات مستحق خلافت ہوتے ہیں جو روحانیت میں کمال حاصل کر کے نیابت کی اہلیت پیدا کر لیتے ہیں۔ خلافت و نیابت اس لیے دی جاتی ہے کہ خاندانی تعلیم و فیض کا سلسلہ جاری ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ خلافت حیات شیخ میں ملے یا شیخ کی رحلت کے وقت حاصل ہو یا بعد وصال عنایت ہو۔ عام دستور یہی ہے کہ منزل طے کروانے کے بعد خلافت دی جاتی ہے۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ خلافت پیشگی دے دی جائے اور منازل کی تکمیل بعد میں کرائی جائے۔ (۴۱) بہرحال یہ مرضی الٰہی اور شیخ کی رائے پر منحصر ہے۔

(۶) مجاہدات ۶۱۲ھ/ ۱۲۱۶ء.....۶۳۴ھ/ ۳۹-۱۲۳۸ء

حصول خلافت کے بعد حضرت بابا صاحب نے دس برس دہلی میں مجاہدات کیے اور بارہ سال ہانسی میں۔ (۴۲) ان دونوں مقامات میں مجاہدات کے ساتھ سیاحت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ حالات سفر سے ظاہر ہے کہ مختلف بزرگوں سے ملاقاتیں کیں۔ ریاضتیں کیں۔ تبلیغ فرمائی اور والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضریاں بھی دیں۔ تفصیل نہیں معلوم لیکن مشاغل کے متعلق جستہ جستہ جو علم حاصل ہوا وہ اس لیے پیش کیا جاتا ہے کہ ان کی زندگی کے طور و طریق کا انداز ہو۔

Marfat.com

ا۔ قیام دہلی: ۶۱۳ھ تا ۶۲۱ھ

اس قیام دہلی میں مجاہدات شاقہ کا پتہ چلتا ہے۔ پھر مختلف مقامات پر بھی تشریف لے گئے ہیں۔ حالات و واقعات کے سنین بہم پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر وہ قیاسی ہے۔

الف۔ دہلی ۶۱۳ھ

ایک مرتبہ قاضی حمید الدین ناگوری سہروردیؒ نے حوض شمسی پر میری موجودگی میں شیخ شاہی موئے تاب بدایوئیؒ کو خرقہ مرحمت فرماتے ہوئے شیخ محمود موئینہ دوزؒ سے استصواب کیا۔ انہوں نے جواب دیا جسے آپ پسند کرتے ہیں اور خرقہ دیتے ہیں وہ ضرور خرقہ کے لائق ہوتا ہے۔

ب۔ دہلی ۶۱۴ھ یا ۶۱۵ھ

نورالدین غزنوی سہروردی دہلی کے شیخ الاسلام تھے۔ سلطان شمس الدین ان کی بیحد تعظیم کرتا تھا اور وہ سلطان کو سختی سے بھی جواب دے دیا کرتے تھے۔ کسی بات پر حضرت نورالدین غزنوی اور سلطان العارفین حضرت شیخ شاہی موئے تاب بدایوئیؒ سے کچھ اختلاف ہو گیا تھا۔ مصالحت کی کوئی صورت نہیں نکلتی تھی۔ حضرت باباصاحبؒ غزنوی صاحب کو اپنی کملی میں چھپا کر سلطان العارفین صاحب بدایونی کے پاس پہنچے اور مصافحہ کرتے وقت بجائے اپنے ہاتھوں کے غزنوی صاحب کے ہاتھ ان کے ہاتھوں میں دے دیے۔ اس لطیفہ کے بعد دونوں میں صلح ہو گئی۔ [۴۳]

ج۔ دہلی ۶۱۵ھ

فرماتے ہیں کہ میری موجودگی میں ایک مرتبہ حضرت قطب عالم قدس سرہ العزیز کی خدمت میں سلطان شمس الدین کے وزیر آئے کہ سلطان علیل ہیں صحت کے لیے دعا فرمائیے۔ اس پر سب حاضرین کو حکم دیا کہ والی دہلی کے لیے فاتحہ پڑھو اور وزیر سے کہا کہ جاؤ انشاء اللہ صحت ہوگی اور فرمایا علالت صحت ایمان کی علامت ہے۔ بیماری سے گناہ دھل جاتے ہیں۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی سال ۶۱۴ھ میں دہلی سے کھوتوال تشریف لے گئے۔

د۔ دہلی ۶۱۶ھ

جب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ سے دہلی میں پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی تو میں موجود تھا۔ سیاحی کی داستان چھڑی۔ شیخ تبریزی نے بیان کیا کہ قرش (؟) میں ایک بزرگ نے میرے سلام کے جواب میں کہا: وعلیکم السلام یا شیخ جلال الدین۔ تو مجھے حیرت ہوئی کہ انہیں میرا نام کیسے معلوم ہو گیا۔ ان بزرگ نے از خود فرمایا جو تمہیں یہاں لایا اسی نے نام بھی بتا دیا۔

ھ۔ بدایوں

i۔ ۶۱۸ھ۔ فرماتے ہیں کہ محلہ دہلیز [۴۴] میں شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک چھاچھ بیچنے والا قریب سے گزرا۔ وہ بدایوں کے ایک گاؤں ''مواسی'' [۴۵] کا رہنے والا تھا۔ وہاں کے لوگ چوری اور رہزنی میں مشہور تھے۔ شیخ کی نظر اس پر پڑی۔ وہ بیتاب ہوا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اسکا نام علی رکھا گیا۔ اس نے اپنے گھر سے لاکر ایک لاکھ چیتل [۴۶] شیخ کی نذر کیے۔ کہا کہ اپنے پاس رکھو اور جس طرح ہم کہیں خرچ کرنا۔ ہر حاجتمند کو کم و بیش چیتل دیتے

Marfat.com

تھے۔ مگر پانچ سے کم نہیں دیتے تھے۔ جب ایک چیتل رہ گیا تو علی کو فکر ہوئی کہ بقیہ چار کہاں سے آئیں گے۔ اتنے میں ایک سائل آیا۔ اسے ایک ہی چیتل دینے کا حکم دیا۔ اس پر علی کو بے حد تعجب ہوا کہ کوڑی کوڑی کا حساب دل میں رکھتے ہیں۔ جب شیخ بدایوں سے بنگال کو روانہ ہوئے تو علی نے ساتھ لے چلنے پر اصرار کیا۔ جواب دیا کہ یہیں رہو۔ یہ شہر تمہاری حمایت میں چھوڑا جاتا ہے۔ حضرت جلال نے تقریباً دو ڈھائی سال بدایوں میں قیام کیا تھا۔ پھر بنگال گئے تھے اور وہاں سلطان علاؤ الدین علی شاہ نے خانقاہ تعمیر کروادی جو بارہ دری کے نام سے مشہور ہوئی (۴۷) بعد کو بدایوں میں یہی علی۔ علی مولا بزرگ کہلائے اور انہوں نے ہی سلطان المشائخ کے سر پر فضیلت کی پگڑی بمقام بدایوں غالباً ۶۵۰ھ میں باندھی تھی۔

ii۔ شیخو پورہ اور اجھیانی ضلع بدایوں کے درمیان سڑک کے کنارے ایک گاؤں گنورہ ہے۔ وہاں فقراء کے لیے شاہی زمانہ کی معافی دوام ہے جو حضرت بابا صاحبؒ کے نام کی ہے۔ شہرت یہ ہے کہ یہاں چلہ کیا تھا۔ اسی کی یادگار میں اسی زمانہ میں کسی نے زمین معافی کے طور پر لکھدی تھی۔

iii۔ قصبہ فرید پور ضلع بریلی میں تحصیل کی عمارت کے قریب یادگار کے طور پر ایک دیوار باقی ہے اور مشہور ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے یہاں چلہ کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

بریلی کا گزٹیئر بتاتا ہے کہ فرید پور کا نام یا بابا فریدؒ کے نام پر رکھا گیا ہے یا روہیلوں کے گورنر فریدالدین کے نام پر۔ واللہ اعلم۔

iv۔ اسی طرح مختلف مقامات پر حضرت کے چلوں کی روایت ہے۔ لاہور میں کچہری کے مغربی ٹیلے پر جائے اعتکاف ہے مگر اب اس کے اردگرد سنٹرل کالج وغیرہ کی عمارتیں بن گئی ہیں (۴۸) اور یہ بھی مشہور ہے کہ کشمیر، مالوہ اور رنگون بھی تشریف لے گئے تھے۔

و۔ دہلی ۶۱۹ھ

ایک مرتبہ میں مجلس شیخ میں حاضر تھا۔ جب باہر کی طرف دیکھتے تو ہر مرتبہ تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔ وجہ بتائی کہ باہر ایک معمر شخص بیٹھا ہے۔ جب اس پر نگاہ پڑتی ہے تو اس کے سفید بالوں کی عزت و تعظیم کی خاطر کھڑا ہو جاتا ہوں۔

ز۔ ۶۴۲ھ

سلطان المشائخ راوی ہیں کہ شیخ کبیر نے ذکر کیا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت قطب عالمؒ کی جناب میں مجھ سے ایک گستاخی سرزد ہو گئی تھی۔ اس پر آج تک متاسف ہوں۔ میں نے چلہ کی اجازت طلب کی تھی۔ جواب دیا کہ ضرورت نہیں۔ ہمارے خواجگان نے شہرت کے لیے کبھی کوئی کام نہیں کیا۔'' میں نے اس پر یہ کہہ دیا تھا کہ میری نیت حصول شہرت کی نہیں۔ یہ سن کر حضرت نے سکوت اختیار کیا۔ اب میں سمجھا کہ میں نے بات پالنے کے لیے جو جواب دیا' وہ گستاخی تھا۔ میں اپنے اس جواب پر شرمندہ ہوں۔ اللہ معاف کرے۔

ح۔ ۶۲۰ھ

اگرچہ تاریخی شہادت نہ مل سکی مگر ''جواہر فریدی'' کی یہ روایت عام طور پر وردِ زبان ہے۔ قیام دہلی کے آخر میں شیخ نے اپنی خدمت میں رکھ کر وضو کرانے کی خدمت پر مامور کیا تھا۔ ایک مرتبہ رات کو آگ ختم ہو گئی اور وضو کے لیے پانی

Marfat.com

گرم کرنا لازمی تھا۔ اس لیے اندھیرے منہ آگ کی تلاش میں باہر جانا پڑا۔ بستی کے ایک گھر میں آہٹ پائی تو دروازے پر جا کر آگ کا سوال کیا۔ صاحب خانہ نے دروازہ پر آ کر جھانکا تو ٹھٹکی کہ سائل کا بوٹا سا قد ہے۔ جسم میں موزونیت ہے۔ مخروطی چہرے سے تازگی ٹپک رہی ہے۔ پیشانی کی درخشانی خورشید کو مات کر رہی ہے۔ بادامی آنکھیں رس بھری ہیں اور ان سے نکلنے والی معصوم نظریں تیر ونشتر کا کام کر رہی ہیں۔ صاحب خانہ بلا کی خوبصورت تھی۔ لگاوٹ کے انداز میں پوچھنے لگی ''کہیں آگ لگانا منظور ہے'' یہ دھن کے پکے تھے۔ اپنے سوال پر مسلسل اصرار کرتے رہے۔ آخر کار اس عورت نے آگ کی قیمت طلب کی اور کہا آگ کا معاوضہ آنکھ ہے۔ تم مجھے آنکھ دیدو۔ میں تمہیں آگ دے دوں گی۔'' مرشد کی محبت اور خدمت نے اس سودے پر آمادہ کر دیا۔ فوراً آنکھ نکال کر پھینک دی یا نکالنے کی کوشش میں پھوڑ ی۔ عورت ہکا بکا ہو کر سہم گئی اور نادانی میں ترس کھاتے ہوئے آگ دے دی۔ جب وضو کرایا تو حضرت شیخ نے دریافت کیا یہ پٹی کیوں باندھی ہے؟'' عرض کیا'' آنکھ آئی ہے''۔ ارشاد فرمایا'' اگر آئی ہے تو کھول دو سوائی ہے۔'' چنانچہ حلقۂ چشم میں آنکھ جلوہ گر تھی اور پہلے سے بڑی اور سوائی تھی۔ چنانچہ آج بھی یہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ فریدیوں کی بائیں آنکھ بڑی اور دائیں آنکھ چھوٹی ہوتی ہے۔ اگر چہ یہ فرق کسی قدر غیر فریدیوں میں ہوتا ہے مگر فریدیوں کے یہاں زیادہ ہوتا ہے۔

ط۔۶۲۱ھ/۱۲۱۵ء

کچھ دن بعد حضرت شیخ نے مجھے بار بار مناکحت کی تلقین کی۔ مگر شرم وادب کی وجہ سے میں طرح دے جاتا تھا۔ آخر کار دریافت کیا کہ منکر ازدواج کیوں ہو۔ ڈرتے ڈرتے کہنا پڑا کہ اگر اولاد نالائق نکلی تو قیامت میں اللہ تعالیٰ سے شرمندگی ہوگی۔ فرمایا جو اولاد اچھی ہو وہ تمہاری اور جو بری ہو اسے اللہ جانے اور ہم جانیں۔ بس اب شادی سے گریز کی کوئی حجت نہیں ہو سکتی۔

کہنے کو تو یہ عام اور معمولی بات ہے لیکن راہ سلوک کا یہ ایک راز ہے۔ اہل سلوک منزل طے کرنے کے لیے لطائف کا اجراء ضروری سمجھتے ہیں۔ جب تمام لطیفے جاری کر لیے جاتے ہیں تو آخر میں لطیفہ نفس کی باری آتی ہے۔ اور یہی تکمیل سلوک کا آخری درجہ ہے۔ لطیفہ نفس کو جاری کرنے کے لیے مناکحت وشادی کی جاتی ہے۔ اس روایت کا مطلب یہی ہے کہ لطیفہ نفس کے اجراء کی تاکید کی گئی تھی۔ سوائے ''جواہر فریدی'' کے کسی تذکرہ نگار نے شادی کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن شیخ کی یہ ہدایت قاعدے کے اندر ہے اور اسی کو شادی کی تحریک وترغیب سمجھا گیا ہے۔ مسلسل تجرد یا تو سالک کو دنیا سے بے نیاز بنا دیتا ہے یا بعض اوقات نقصان کا باعث ٹھہرتا ہے۔ اس کا دفعیہ ازدواج سے ہی کیا جاتا ہے۔ جو حرارت مجذوبیت کا باعث ہوتی ہے اس کا رخ اسی طرح بدلا جاتا ہے اور پھر لطف وبزرگی اسی میں ہے کہ در کفے جام شریعت ہو اور در کفے سندان عشق۔ تقدیر الٰہی بھی یہی تھی کہ بابا صاحب مناکحت فرمائیں اور ان کی روحانی ومعنوی اولاد کے ساتھ صلبی اولاد بھی دنیا کی زینت بنے۔ اسی وجہ سے حضرت شیخ کو سلوک کا درجہ آخر طے کرانے کے لیے ان کی شادی کے متعلق اصرار تھا اور کثرت اولاد ہی کی وجہ سے وہ اپنے خاندان کے آدم ثانی بھی مشہور ہوئے۔

۲۔ قیام ہانسی: ۶۲۲ھ تا ۶۳۴ھ

جب حضرت شیخ نے حکم دیا کہ شادی کرنا چاہیے تو شادی کی اور شادی ہی قیام ہانسی کا سبب بنی۔ متاہل ہونے کے بعد بارہ برس ہانسی میں گزارے۔ یہ سمجھنا کہ یہ مدت محض حضرت جمال ہانسویؒ کی محبت میں وہاں گزاری۔ (۴۹) محض قیاس ہے اس کو صحیح نہیں سمجھا سکتا اور یہ بھی ناقابل قبول ہے کہ یہاں کی بود و باش میں مجذوبیت کا غلبہ رہا۔ اس دوران میں نہایت ہوش وحواس کے ساتھ بیوی بچوں کی غور پرداخت کی۔ علاؤ الدین علی احمد صابر کی ذمہ داری لے کر ان کو تعلیم و تربیت دی (۵۰) اور حضرت نور ترکؒ (۵۱) کے وعظوں میں شرکت بھی کرتے تھے اور ان کے کشف کے معترف تھے۔ جب پہلی مرتبہ مسجد میں ان کی مجلس وعظ میں چپ چاپ جا کر بیٹھے تو مولانا نے بھرے مجمع میں از خود اعلان کیا کہ آج ایک عالم متبحر اور واقف رموز نے تشریف لا کر ہمیں عزت بخشی ہے۔ ان حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ مجذوبیت کی منزل طے کر لی گئی تھی۔ یہاں نہ صرف اہل وعیال کی دیکھ بھال کی بلکہ حضرت جمال اور شیخ منتجب الدین کو بھی تعلیم و تربیت دی۔ دونوں کو پروان چڑھایا اور سیاحت بھی کی۔

ماہ ربیع الاول ۶۳۲ھ کی ابتداء میں بمقام دہلی حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ خود فرماتے ہیں کہ محفل سماع کی شرکت کے بعد ہانسی واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ ارشاد ہوا آج نہیں کل جانا۔ میں جانتا ہوں کہ آب و دانہ کی کشش تمہیں ہانسی جانے کے لیے مجبور کر رہی ہے اور تم ضرور جاؤ گے۔ تقدیر الٰہی کچھ اسی طرح ہے کہ میرے آخری سفر کے وقت تم میرے پاس نہ رہو۔ اپنے شیخ کے وصال کے وقت میں بھی غیر حاضر تھا۔ تمہاری امانتیں قاضی حمید الدین ناگوری سہروردیؒ کو دے جاؤں گا۔ پانچویں روز آ کر ان سے لے لینا۔ اس کے بعد میری دینی و دنیوی ترقی و استقامت کے لیے حاضرین سے سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھوائی۔ پھر مصلے عطا کر کے مجھے دوگانہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ دوسرے دن رخصت کرتے وقت وصیتیں فرمائیں کہ پیروں کی روش پر ثابت قدم رہنا۔ عاجزی اختیار کرنا۔ تکالیف و مصائب سے نہ گھبرانا۔ دنیا و آخرت میں تم ہی میرے رفیق ہو۔ میرا مقام درحقیقت تمہارا ہی مقام ہے۔ اس کے بعد بغلگیر ہو کر گریہ فرماتے ہوئے کہا۔ ھذا فراق بینی و بینک۔ خدا حافظ۔ (۵۲)

یہ خیال کہ سجادگی کے متمنی قاضی حمید الدین سہروردی ناگوریؒ تھے۔ اس بیان سے ظاہر و ثابت نہیں ہوتا۔ وہ خود سہروردی خاندان کے صاحب سجادہ تھے۔ اسی طرح حضرت بدر الدین غزنویؒ کے متعلق بھی سجادگی کے دعویٰ کا گمان درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ۶۱۲ھ میں ان کی موجودگی میں خلافت دی جا چکی تھی۔ اس سے پہلے حضرت غزنوی کا سجادگی کے متعلق کوئی تصور ہو تو ٹھیک ہو سکتا ہے۔

ہانسی پہنچنے کے بعد ۱۴ و ۱۵ ربیع الاول کی درمیانی شب میں پیر و مرشد کے وصال کی خبر خواب میں ملی۔ فرماتے ہیں کہ صبح کو روانہ ہو کر چوتھے دن دہلی پہنچا۔ (۵۳) مزار اقدس پر حاضری دی جس کے متعلق وصیت فرمائی تھی کہ سطح زمین سے بلند نہ کیا جائے۔ پھر قاضی صاحبؒ نے جامہ، عصا اور چوبین نعلین مجھے دیئے۔ جامہ پہن کر دوگانہ ادا کیا اور سجادہ پر بیٹھا۔ روایت تو سات دن کی بھی ہے۔ مگر شیخ کے دولت کدے پر تین دن گزارے۔ جمعہ کی نماز کے لیے جب چوتھے دن باہر نکلے تو ہانسی کے مجذوب سرہنگا نے قدم پکڑ کر فریاد کی کہ ''ہانسی میں آسانی سے زیارت ہو جاتی تھی۔ یہاں تو ملنا دشوار ہو

Marfat.com

گیا۔" یہ سنتے ہی ہانسی جانے کا اعلان کر دیا۔ ہر چند سب نے سمجھایا کہ شیخ کی جگہ خالی نہیں چھوڑنا چاہیے اور وہ خود کہہ گئے ہیں کہ ہمارا مقام تمہارا مقام ہے۔ مگر کسی کی نہیں سنی اور یہ کہہ کر کہ جو نعمت عطا کی ہے اس کے لیے شہر اور جنگل دونوں یکساں ہیں۔ (۵۴) هو معكم اينما كنتم کی تلاوت کرتے ہوئے بعد جمعہ دہلی سے ہانسی کو چل دیئے۔

اس مرتبہ دہلی سے ہانسی پہنچ کر چند دن کے بعد دوسری شادی کی۔ اس کے بعد حضرت جمال اور شیخ منتجب الدین کو خلافت عطا فرمائی۔ پھر اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ خود بیان کیا ہے کہ حضرت سلطان الہندؒ کے مزار پر اعتکاف کیا۔ (۵۵) عرفہ کی رات کو مزار پاک کے قریب بعد نماز عشاء جب پندرہ پارے ختم کر لیے تو آواز آئی کہ فلاں حرف پڑھنے سے رہ گیا۔ یہ حرف سورۃ مریم یا سورۃ کہف (۵۶) کا تھا جو صحیح طور پر روانی میں ادا نہ ہو سکا تھا۔ لہٰذا اس سورۃ کو پھر دہرایا اور اس حرف کو صحیح طور پر ادا کیا۔ جب پورا قرآن پاک ختم کر لیا تو پھر آواز آئی کہ اب ٹھیک ہے۔ دل میں خیال گزرا کہ خدا جانے میرا حشر کیا ہو تو فوراً تسکین دی گئی کہ ایسا شخص بخشے ہوؤں میں سے ہے۔ اس کے بعد دربار خواجہ علیہ الرحمتہ سے بہت سے روحانی انعام حاصل کر کے ہانسی آ گئے۔

عام شہرت ہے کہ حضرت بختیار کاکیؒ کا مزار سطح زمین کی برابر تھا کہ شاید کسی بزرگ کا قدم پڑے تو سعادت و برکت حاصل ہو۔ مزار کی یہ بے نشانی حضرت بابا صاحبؒ کو شاق تھی۔ آخر کار روحانی اجازت مل گئی کہ عصر و مغرب کے درمیان میں مٹی ڈال کر بلند کر دو۔ برسات کا موسم تھا۔ جلد جلد حوض شمسی سے مٹی ٹوکروں میں لا کر ڈھیر کر دی۔ بعد مغرب مٹی کے ڈھیروں کو یکتا اور برابر کرنے کے لیے ہاتھ لگایا تو ممانعت کر دی گئی۔ مزار کو بلند کرنے کا تعین اجمیر شریف سے واپسی اور اجودہن کی روانگی کے درمیان میں کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس عیب کو چھپانے کے لیے غلاف ڈال دیا گیا تھا اور چاروں طرف اتنا چوڑا چبوترہ بنا دیا گیا کہ زائرین کا ہاتھ مزار تک نہ پہنچے۔ پھر برسات سے بچانے کے لیے شامیانہ بھی تان دیا گیا۔ (۵۷) اب ۱۹۳۵ھ سے پہلے پختہ تعویذ بنا کر اس کے اوپر قبہ بنا دیا گیا ہے۔ جس کو ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں پنجاب کے پناہ گزینوں نے تباہ کرنا چاہا مگر نہ کر سکے۔ جب گاندھی جی نے دہائی دی تو باز آئے۔

(۷) ازواج و اولاد

صحیح طور پر نہیں بتایا جا سکتا کہ حضرت بابا صاحبؒ کے کتنی بیویاں تھیں، کس خاندان کی تھیں اور ان کی تاریخ عقد و وفات کیا ہے۔ تین، چار اور پانچ تک کی گنتی گنائی جاتی ہے۔ "سیر الاولیاء" میں حضرت چراغ دہلویؒ سے منقول ہے کہ "حرم بسیار بود یگر۔" "خیر المجالس" میں حضرت چراغ دہلویؒ ہی ناقل ہیں کہ "دو حرم بود یا سہ حرم۔ ببین تفاوت راز کجاست تا بکجا۔"

خواجہ بختیار کاکیؒ نے شادی کرنے کا حکم اپنے وصال سے پہلے ۶۲۱ھ میں دیا تھا۔ چنانچہ شادی اسی زمانہ میں فوراً ہونا چاہیے تھی۔ مگر ظاہری تذکرے خاموش ہیں اور پتہ نہیں چلتا کہ تعمیل حکم کب کی گئی۔ تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ ایک شادی شیخ کے وصال کے بعد ۶۳۲ھ میں قیام ہانسی کے اواخر میں کی تھی۔ اور ایک شادی ۶۳۹ھ میں بمقام اجودھن ہوئی تھی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ شیخ کے حکم کی تعمیل شیخ کی حیات میں نہیں ہوئی اور یہ بات جی کو نہیں لگتی۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

Marfat.com

اور اسی پردے کو اٹھانا اور کھولنا ہے۔ ۶۳۲ھ والی شادی کی تفصیل قابل غور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سال جن خاتون سے شادی ہوئی تھی، ان کا نام بی بی ہزیرہ خاتون یا خاتون بیگم تھا اور وہ غیاث الدین بلبن کی صاحبزادی تھیں۔ عجیب معمہ ہے کہ سلطان غیاث الدین کی صاحبزادیوں میں اس نام کی کوئی صاحبزادی نہیں ہیں۔ اگر ہوتیں تو تاریخ ان کو فراموش محو نہ کرتی۔ اب اگر بلبن کے متعلق تفتیش کی جائے اور اس کے حالات معلوم کیے جائیں تو اس کو سلطان شمس الدین التمش نے بخارا کے تاجروں سے ۶۲۸ھ کے بعد خریدا تھا۔ وقت خریداری اسے ناکتخدا ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ بعد خریداری وہ سلطانہ رضیہ کی ملازمت میں دے دیا گیا تھا اور وہ سلطانہ کا میر شکار تھا۔ پھر ۶۳۷ھ سے کچھ قبل ریواڑی اور ہانسی کا گورنر بنایا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ التمش نے اپنی وفات سے کچھ پہلے اپنی ایک صاحبزادی کی شادی بلبن سے کر دی تھی اور یہ شادی بہر حال جلد سے جلد ۶۲۹ھ کے بعد ہی قیاس کی جا سکتی ہے۔ اگر اس سے کوئی لڑکی پیدا ہوئی تو وہ لڑکی ۶۳۴ھ میں شادی کے قابل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا بلبن کی صاحبزادی سے شادی ہونے کا ہر آئینہ تصور غلط ہے۔ خدا جانے تذکرہ نویسوں نے ایسی بے سر و پا بات کہاں سے لکھدی اور کیوں لکھدی اور شبہ و مغالطہ کی وجہ کیا ہو سکتی تھی۔ اس کے علاوہ بلبن کے متعلق حضرت بابا صاحب سے ملاقات کرنے کا واقعہ مع تفصیل کے تاریخ میں محفوظ ہے۔ ۶۴۳ھ میں ادچ جاتے ہوئے جب بلبن اجودھن حاضر ہوا تو ملاقات کے کسی احوال سے نہیں معلوم ہوتا کہ وہ حضرت والا کا خسر تھا۔ (۵۷) اس ملاقات میں از اول تا آخر اجنبیت ہی پائی جاتی ہے۔ اس نے نہ اپنی صاحبزادی سے ملنا چاہا اور نہ اپنے نواسوں پر کسی طرح سے شفقت کا اظہار کیا۔ لہٰذا یہ کل روایتِ شادی من گھڑت ہے۔ جب یہ غلط ہے تو بی بی ہزیرہ خاتون کی کنیزوں میں سے بی بی سیارو اور بی بی شکرو کا بھی داخل حرم ہونا مہمل ٹھہرتا ہے۔ کمال یہ ہے کہ کشفی تذکرہ بھی اس بے حقیقت روایت کی تصدیق و تائید کرتا ہے اور اس میں اس موقع پر بلبن کا نام ولیعہد اور شاہزادے کے اضافوں کے ساتھ درج کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عہد شمسی میں کسی نے بھی اسے شہزادہ نہیں سمجھا چہ جائیکہ ولیعہد لکھا ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ ہزیرہ خاتون یا خاتون بیگم جن کے بطن سے وہ اولاد پیدا ہوئی جس سے سلسلہ نسب چلا، کون تھیں اور کہاں کی تھیں۔ اس سوال کا جواب کہیں سے نہیں ملتا اور یہ معمہ راز مخفی بن کر رہ گیا ہے۔ معلوم نہیں یہ خوش عقیدہ لوگ دین کے بادشاہوں کا دنیوی بادشاہوں سے رشتہ ملانے میں کیا خوبی سمجھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ ایک غریب سیدانی کا ان بزرگوں کی زوجیت میں آنا شہزادیوں کے زوجہ بننے سے زیادہ عظمت و شرافت کی دلیل ہے۔ حقیقت اگرچہ خرافات میں غائب ہو گئی ہے اور پتہ نہیں چلتا کہ خاتون بیگم کون تھیں مگر ان کے بطن سے جو اولاد منصۂ وجود میں آئی اس کی فہرست یہ ہے۔

۱۔ حضرت شہاب الدین گنج علمؒ۔ بعض نے ان کو فرزند اکبر لکھا ہے۔

۲۔ حضرت نظام الدین شہیدؒ۔ عہد خلجی میں بمقام اینتھور شہید ہوئے۔

۳۔ حضرت بدر الدین سلیمان رحمۃ اللہ علیہ۔ بعض نے ان کو فرزند اکبر لکھا ہے۔

۴۔ حضرت محمد یعقوبؒ۔ امروہہ جا کر مردان غیب میں شامل ہو گئے۔

۵۔ بی بی فاطمہ۔ اہلیہ بدر الدین اسحٰقؒ۔ مزار دہلی میں ہے۔

۶۔ بی بی شریفہ۔ مشہور ہے کہ ان کو خلافت دینا چاہتے تھے مگر کشفی تذکرہ کے مطابق بچپن میں ان کا انتقال ہوا تھا۔

Marfat.com

۷۔ شیخ عبداللہ بیابانیؒ۔ مفسدوں نے بچپن میں شہید کیا۔ مزار پاکپتن میں ہے۔ (۵۸)

۸۔ بی بی مستورہ۔ سن بلوغ میں یا بعد شادی انتقال ہوا۔ ان کے شوہر کا نام شیخ عمر صوفی بتایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

۹۔ بی بی ہاجرہ۔ بی بی زینب: صرف کشفی تذکرہ نے یہ نام بتائے ہیں۔ انتقال شیر خوارگی میں ہوا۔

یہ طے کرنا کہ فرزند اکبر شہاب الدین گنج علم تھے یا بدرالدین سلیمان بہت مشکل ہے۔ کوئی روایت ایسی نہیں جس سے قطعی فیصلہ کیا جا سکے۔ سلطان المشائخؒ راوی ہیں کہ جس روز "عوارف المعارف" کسی نے نذر کی تھی اسی روز جو صاحبزادے تولد ہوئے تھے ان کا نام اس کتاب کے مصنف حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کے نام پر رکھا تھا۔ لیکن روایت میں مذکور نہیں ہے کہ یہ کتاب ہانسی میں نذر کی گئی تھی یا اجودھن میں۔ اگر یہ کتاب اجودھن میں وصول ہوئی تو فرزند اکبر وہ ہیں جو ہانسی میں پیدا ہوئے یعنی بدرالدین سلیمان۔

ایک روایت ہے کہ بدرالدین سلیمان اور شہاب الدین گنج علم دونوں کو 'مرید خلفائے چشت گردانیدہ بود' اور یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ اجودھن میں خواجہ غور اور خواجہ زور چشت سے ملاقات کرنے آئے تھے۔ یہ روایت بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ پھر یہ بھی مذکور ہے کہ فرزند اکبر نے کبھی دہلی جا کر حضرت بختیار کاکیؒ کے مزار سے بیعت کی تھی اور اس بیعت کو بقول حضرت سلطان المشائخ شیخ کبیر نے ناجائز قرار دیا تھا۔ مگر یہ اشارہ بھی کسی قسم کی وضاحت نہیں کرتا۔ "عوارف المعارف" کے عطیہ کے متعلق 'جواہر فریدی' کا بیان ہے کہ سیاحت کے دوران میں وقت ملاقات شیخ الشیوخ سہروردیؒ نے یہ کتاب یہ کہہ کر دی تھی کہ 'ایں را مطالعہ کنید کہ مخصوص برائے شما ساختہ ام۔' یہ بیان خارج از بحث ہونے کے علاوہ مبالغہ آمیز بھی ہے۔ بہر حال گومگو کا معاملہ ہے۔ اگر کشفی تذکرہ کا بیان قابل قبول ہو سکتا ہے تو اس میں فرزند اکبر حضرت بدرالدین سلیمانؒ کو بتایا گیا ہے لیکن یہ مسلم ہے کہ جملہ صاحبزادوں کے مشورہ سے بدرالدین سلیمان سجادہ نشین بنائے گئے تھے۔ حیرت ہے کہ باوجود فرزند اکبر ہونے کے حضرت شہاب الدین گنج علمؒ کیوں دستکش ہوئے یا محروم رکھے گئے۔ اگر سجادہ نشینی کے مسائل پر توجہ کی جائے تو اسی سے فرزند اکبر ہونے کے حضرت شہاب الدین گنج علمؒ کیوں دستکش ہوئے یا محروم رکھے گئے۔ اگر سجادہ نشینی کے مسئلہ پر توجہ کی جائے تو اسی سے فرزند اکبر ہونے کا فیصلہ ممکن ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ بدرالدین سلیمانؒ ہی کو فرزند اکبر نہ سمجھا جائے۔

اب ۶۳۹ھ والی شادی کے اشکال یہ ہیں کہ سید قیام الحق مرید ہونے کے بعد ہجرت کر کے اجودھن میں آئے تھے۔ ۶۳۹ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے پسماندگان میں ان کی بیوہ ام کلثوم بنت سید نثار علی تھیں اور ایک ڈیڑھ سال کے صاحبزادے نصیر اللہ تھے۔ ان کے بے بسی و بے کسی کی وجہ سے حضرت بابا صاحبؒ ام کلثوم کو اپنے عقد میں لے آئے اور نصیر الدین کو متبنّے کر لیا۔ ان متبنّے کو بعض نے فرزند اکبر لکھا ہے۔ مگر ان کا فرزند ہونا اور اکبر ہونا دونوں صحیح تسلیم نہیں کیے جا سکتے۔ حضرت بی بی ام کلثوم کے بطن سے جتنی بھی اولاد ہوئی وہ صغر سنی میں ہی فوت ہو گئی تھی۔

اب یہ امر غور طلب ہے کہ شیخ کے حکم کے مطابق حیات شیخ میں شادی کی یا نہیں۔ حکم شیخ اور اجراء لطیفہ نفس کا تقاضا یہ ہے کہ فوراً شادی کی گئی۔ اس کے متعلق کشفی تذکرہ کا بیان منفرد ہے اور یقیناً صحیح ہے۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ پہلی شادی بی بی نجیب النساء سے ہوئی تھی۔ جو محمد عظیم شاہ صدیقی القریشی الملتانی کی دختر نیک اختر تھیں۔ زکریا شاہ ملتان کی

Marfat.com

ہمشیرہ تھیں۔(۵۹) اس طرح شیخ کے حکم کی تعمیل شیخ کی حیات میں بے شبہ ہوگئی۔ زبان زد عام ہے کہ حضرت والا کی ایک صاحبزادی کی شادی حضرت مخدوم صابرؒ صاحب سے ہوئی تھی مگر صاحبان تذکرہ نہیں بتا سکتے کہ وہ کونسی صاحبزادی تھیں۔ لوٹ پھیر کر قیاسی طور پر بی بی ہزیرہ خاتون کی صاحبزادیوں میں سے کسی نہ کسی کا نام لے دیتے ہیں۔ مگر کشفی تذکرہ کی یہ روایت واضح کرتی ہے کہ حضرت مخدوم کلیریؒ کی شادی جن صاحبزادی سے ہوئی تھی وہ بی بی نجیب النساء کے بطن سے تھیں ان پہلی بی بی صاحبہ کی اولاد حسب ذیل بتائی گئی ہے۔

۱۔ خدیجہ عرف شرف النساء۔ اہلیہ مخدوم صابرؒ۔

۲۔ اصغری
۳۔ بصری
۴۔ محمد نعیم الدین
۵۔ محمد سلطان الدین
۶۔ محمد فرید بخش

} بمقام ہانسی عالم طفولیت میں ان سب کا انتقال ہوگیا۔ معلوم نہیں ان کے مزارات کا کوئی نشان وہاں اب ہے یا نہیں۔

۷۔ محمد عزیز الدین۔ ایک مہمل روایت کے مطابق یہ جلال صابری کی نذر ہوئے۔

اس پہلی شادی کے متعلق کچھ نقشہ ایسا جمتا ہے کہ والدہ صاحبہ نے کوٹھوال یا اس کے نواح میں یہ تقریب کی ہو اور نجیب النساء کے والد کا تعلق یا کوئی سلسلہ ہانسی میں بھی ہوگا۔ جس کی وجہ سے اقامت کے لیے ہانسی کو پسند کیا۔ بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے تین محل تھے۔

۱۔ بی بی نجیب النساء جن کی شادی ۶۲۱ھ میں ہوئی اور ان ہی کی وجہ سے ہانسی کی سکونت اختیار کی۔ یہ بی بی صاحبہ اجودہن ساتھ گئیں اور وہیں مزار ہے۔

۲۔ خاتون بیگم یا ہزیرہ خاتون۔ ۱۵ رجب ۶۳۴ھ کو عقد نکاح میں آئیں۔ اجودہن ساتھ گئیں۔ انہیں کی اولاد صاحب سجادہ ہوئی۔ یہ بلبن کی صاحبزادی ہرگز نہیں تھیں۔ مزار اجودہن میں ہے۔

۳۔ بی بی ام کلثوم، یہ سید انعام الحق کی بیوہ تھیں۔ ۶۲۹ھ میں ان سے نکاح کیا۔ مزار اجودہن میں ہے۔ ان کے صاحبزادے نصیر الدین کو فرزند کلاں کہنا قطعی غلط ہے۔

تاریخ شواہد سے یہی نتائج نکالے جا سکتے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

(۸) اجودھن ۶۳۵ ہجری

رفتار زمانہ اور گردش لیل و نہار کو کسی قانون و آئین کے تحت منضبط کرنے سے سائنس و فلسفہ عاجز و عاری ہیں۔ آزادی و بے نیازی کے ساتھ احوال عالم باطنی اصولوں پر ہمیشہ ہر آن بدلتا رہتا ہے۔ ۶۳۳ھ اور ۶۳۴ھ کے انقلابات سے ہندوستان کی تاریخ کا سینہ چاک ہے۔ دینی اور دنیوی دونوں سلطنتوں میں جو تبدیلی واقع ہوئی، اس کی توجیہ

نہیں کی جا سکتی۔ ۶ رجب ۶۳۳ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۲۳۵ء کو حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ کا وصال ہوا۔ ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ مطابق ۷ مئی ۱۲۳۵ء کو سلطان دہلی شمس الدین التمش نے انتقال کیا۔ قطب عالم خواجہ بختیار کاکیؒ نے ۱۴ ربیع الاول ۶۳۴ھ مطابق ۷ دسمبر ۱۲۳۵ء کو رحلت فرمائی۔ (۶۰) ان روح فرسا حادثات میں کسی طرح آپس میں نہ کسی قسم کا لزوم ہے اور نہ تعلق اور نہ کسی حادثہ کا نتیجہ۔ دوسرے حادثہ کا سبب گردانا جا سکتا ہے۔ مگر نتیجہ انقلاب یہ ہوا کہ اپنی اپنی نوعیت سے دونوں نظاموں میں خود بخود تغیر واقع ہو گیا۔

تغیر پر غور کیا جائے تو دنیوی سلطنت خود تنزل و تباہی کی شہادت دے رہی ہے لیکن برخلاف اس کے روحانی نظام میں استحکام ہوا اور ترقی کی رفعت پر پہنچا۔ یہی نہیں بلکہ اس عہد کی تاریخ گواہ ہے کہ دنیوی سلطنت کی ڈوبنے والی کشتی کی روحانی بادشاہوں نے ناخدائی کی اور ڈوبنے سے بچایا۔ بابا صاحبؒ اور ان کے خلفاء کے کارنامے اس دعویٰ کی تائید کر رہے ہیں۔ سلطان التمش نے اپنی وفات سے تقریباً چار برس پہلے فتح گوالیار کے بعد ۶۲۹ھ/۱۲۳۲ء میں خوب غور و خوض کے بعد اپنی صاحبزادی رضیہ کو جانشینی کے لیے نامزد کیا تھا (۶۱) اور نامزد سے کچھ قبل بخارا کے تاجروں سے بلبن کو خریدا تھا۔ (۶۲) سلطان کی آنکھ مندتے ہی امرائے دربار اور ترکان چہل گانی نے وصیت کو پس پشت ڈال دیا، اودھ، بدایوں، ہانسی، ملتان اور لاہور کے گورنروں نے مخالفت کی۔ پھر تاج الملک محمود جنیدی وزیر اعظم نے بھی آنکھیں بدل کر اعلان کر دیا کہ عورت کاروبار سلطنت سنبھالنے کی اہل نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد علماء کو فتویٰ جاری کرنے میں کیا تکلف ہو سکتا تھا۔ متفقہ طور پر رضیہ کا سوتیلا بھائی رکن الدین فیروز شاہ ۲۱ شعبان ۶۳۳ھ مطابق ۸ مئی ۱۲۳۵ھ کو سریر آرائے تخت دہلی ہوا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے رضیہ کے خلاف صوفیہ کی بھی شہادت پیش کر دی۔ لکھتے ہیں (۶۳) کہ تقریباً اسی زمانہ میں جس قدر التمش نے رضیہ کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ (۶۴) بابا فرید گنج شکرؒ اپنی لڑکی بی بی شریفہ کو اپنا خلیفہ بنانے کے متعلق سوچ رہے تھے۔.................. لیکن روحانی اصلاح و تربیت کی ذمہ داری ایک عورت بعض مجبوریوں کی بناء پر نہیں اٹھا سکتی۔ اس لیے بابا صاحبؒ یہ فرما کر خاموش ہو گئے کہ اگر عورت کو خلافت اور مشائخ کا سجادہ دینا مناسب ہوتا تو میں بی بی شریفہ کو دیتا۔ کاش پروفیسر صاحب ''اسی زمانہ'' کے بجائے ''زمانہ مابعد'' کے الفاظ لکھتے تو مناسب اور موزوں ہوتا۔ کیونکہ ۶۲۹ھ میں نہ بی بی شریفہ کا وجود تھا اور نہ ان کی والدہ صاحبہ بابا صاحبؒ کے عقد نکاح میں آئی تھیں۔ پھر اس توجیہ کو بھی صحیح نہیں سمجھا جا سکتا جو حضرت بابا صاحبؒ سے منسوب کی گئی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ خواجہ بزرگؒ اپنی صاحبزادی بی بی حافظہ جمال کو اپنی خلافت مرحمت فرما چکے تھے اور ان کا اسم گرامی حضرت کے خلفاء کی فہرست میں موجود ہے۔ قطع نظر اس کے حضرت سلطان المشائخ راوی ہیں کہ اندرپت (دہلی) کی ایک پاکدامن بی بی کے متعلق شیخ کبیر فرمایا کرتے تھے کہ یہ عورت مرد ہے جو عورت کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے۔ پھر وضاحت کے طور پر فرمایا تھا کہ جب کوئی شیر جنگل سے نکلتا ہے تو اس کے متعلق کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ نر ہے یا مادہ۔ اصل معیار طاعت و تقویٰ ہے۔ خواہ مرد اس سے مزین ہو یا عورت۔ (۶۵) مولانا رومؒ کا ارشاد ہے کہ:

ہر کہ می کوشد ، گراو مرد و زن است
گوش و چشم شاہ جان برروزن است

Marfat.com

اور سب سے زیادہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ کا بیان وقیع ہوسکتا ہے کہ اولیاء اللہ ہمیشہ ایک مرد یا ایک عورت صاحب مقامات ہوتے ہیں۔ (فصوص الحکم)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صوفی علماء کے اس فتوے کی تائید نہیں کرسکتے۔ بہرحال اس چپقلش میں رضیہ خاموش رہنے والی نہ تھی۔ اسے اپنی اہلیت کا ثبوت دینا تھا۔ باپ کا وصیت کو صحیح ثابت کرنا تھا۔ لہٰذا فیروز شاہ کی غیر مقبولیت دیکھ کر اور بزرگوں کی توجہ حاصل کر کے اس نے اپنا حق حاصل کرلیا۔ تعجب اس سے ہے کہ لکھنوتی سے لے کر دیبل تک کے گورنروں نے اس کی موافقت کی اور التمش کے انتقال سے چھ ماہ اٹھائیس دن بعد ۲۸ ربیع الاول ۶۳۴ھ کو تخت دہلی سلطانہ رضیہ کے قدموں کے نیچے تھا۔ التمش کی وصیت غیبی صورت سے پوری ہوئی۔ رضیہ نے حضرت جمال ہانسویؒ سے دعا کی استدعا کی تھی اور انہوں نے حضرت بابا صاحبؒ سے اجازت لے کر دعا فرما دی تھی۔ (۶۲) مگر فتنہ جو اٹھ کھڑا ہوا تھا وہ رنگ لایا اور بنوع دگر خوب اچھلا۔ جوڑ توڑ شروع ہوگئے اور خون کے دریا بہا دیئے گئے۔ ماحصل ان ذاتیات اور تنازعات کا یہ ہوا کہ ۶۸۶ھ/۱۲۹۰ء میں سلطنت دہلی پر خلجیوں کا قبضہ ہوگیا۔

اب اس کے برخلاف روحانی انتظام میں جو تبدیلی واقع ہوئی وہ محض اتنی کہ چشتی مرکز دہلی سے منتقل ہوکر اجودھن میں قائم ہوا۔ اس کو کسی طرح انحطاط نہیں کہا جاسکتا۔ یہ تبدیلی سلطنت کے خوف یا دخل سے نہیں ہوئی تھی بلکہ اس میں بہت سے راز مضمر تھے۔ مثال کے طور پر دہلی کا دل سیاہ ہوگیا تھا۔ وہاں تبلیغ کامیاب نہیں ہوسکتی تھی اور پنجاب وسندھ کے نواح میں تبلیغ کی سخت ضرورت تھی۔ اب دنیا جانتی ہے کہ اس تبدیلی مرکز سے نظام چشتیہ نے کتنی ترقی کی اور کتنے مردہ دلوں کو زندہ کیا۔ یہ خیال کہ دہلی کو ہدایت سے محروم کردیا یا دہلی کو اپنی عزلت پسندی کی وجہ سے ترک کیا لایعنی بات ہے۔ دہلی میں اس کی اصلاح کے لیے اپنے محبوب خلیفہ حضرت سلطان المشائخ کو متعین کیا تھا۔ انہوں نے دہلی آ کر بیس برس بعد اپنی روحانیت سے دہلی میں صلاحیت پیدا کی اور پھر اجالا پھیلا دیا اور ان کی کامیابی سے اپنے اور غیر انکار نہیں کرسکتے۔

سلطان رکن الدین فیروز شاہ کے مارے جانے کے دس گیارہ دن پہلے ۱۷ ربیع الاول شریف ۶۳۴ھ کو حضرت بختیار کاکی اوشی قدس سرہ العزیز کی مسند خلافت پر حضرت فرید الحق فرید فردؒ جلوہ آرا ہوئے تھے۔ نور باطن سے انہوں نے ملاحظہ فرمالیا تھا کہ فرائض سجادگی ادا کرنے کے لیے نہ دہلی ٹھیک ہے نہ ہانسی اور نہ لاہور۔ لہٰذا تبدیلی مرکز کی خالص وجہ تبلیغ و اشاعت ہی ہوسکتی ہے۔ خدا جانے ہنسوی مجذوب کو کونسی ایسی بیتابی تھی کہ پیچھے ہی ہانسی سے دہلی چلا آیا یہ کہ اجودہن جانے کا مشورہ دینا چاہتا تھا یا ہانسی کو واپس لے جانا چاہتا تھا۔ یہ امر کہ اپنی ذاتی خوشی کی خاطر دہلی ترک کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ محض ایک طفلانہ بات ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ قطب جمالؒ یا اہلیہ صاحبہ نے مجبور کر کے سرہنگا کو واپس بلانے کے لیے بھیجا ہوگا۔ جمال صاحب نے اس لیے کہ ہانسی کو فروغ ہوا اور اہلیہ صاحبہ نے اس لیے کہ دہلی میں خون خرابے ہورہے ہیں۔ اس دیوانہ کو اس لیے پیغامبر بنایا کہ وہ منہ چڑھا تھا اور سب کچھ کہہ سکتا تھا لیکن اگر سرہنگا ہی کی خوشنودی کو ترک دہلی کا سبب سمجھا جائے تو وہ ہانسی کے قیام پر کب راضی ہوئے۔ بلکہ یہ واقعہ ہے کہ سرہنگا خود ان کے ساتھ اجودہن کو گیا۔ اب اگر خلوت پسندی اور خلقت سے بیگانگی کو سبب ہجرت قرار دیا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ متاہل ہو جانے کے بعد ۶۲۱ھ ہی سے مجذوبیت کا غلبہ نہیں رہا تھا اور رجوع خلق کی وجہ سے خلقت سے بیگانگی کی عادت چھوٹ چکی تھی۔ یار لوگوں کی عادت ہے

Marfat.com

کہ ''چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔'' لہٰذا داستان گھڑ لی اور بس۔

ظاہر ہے کہ سلطان شمس الدین کی وصیت کی مخالفت دہلی کی خرابی وتباہی کا باعث بنی۔ امراء کی گندی سیاست اور اہل تدبیر کی نفسانیت نے فضا بگاڑ دی اور قلوب میں اتنی گنجائش نہیں رکھی کہ انسانیت واخلاق سے بہبودی وفلاح کی صورت نکالی جاسکتی۔ سازشوں کا فیصلہ جنگ وجدال ہی سے ممکن تھا۔ چنانچہ گھر پھونک تماشا دکھا دیا گیا۔ جی بھر کر خون کی ہولی کھیلی گئی۔ جب دہلی والوں میں شعور نہیں رہا تو ایسی زمین تبلیغ کو راس نہیں آسکتی تھی۔ اسی لیے احباب کو جواب دیا تھا کہ فرائض سجادگی ادا کرنے کے لیے شہر اور جنگل یکساں ہیں۔ اس لطیف جواب سے اگر معکوس ذہنیت یہ خیال کرے کہ روحانیت مادیت سے زیر ہوگئی تو اسکا کیا علاج وجواب ہے۔

دہلی سے رخصت ہونے کے بعد ہانسی پہنچ کر حضرت جمالؒ کو خلافت عطا فرمائی (۶۷) اور یہ بھی کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے کہ اسی دوران میں شیخ منتجب الدینؒ کو بھی خلافت سے نوازا تھا۔ اس کے بعد اجمیر شریف جا کر خواجہ بزرگؒ کے مزار پر حاضری دی اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کی استدعا کی۔ وہاں سے واپس آکر سلطانہ رضیہ کے ابتدائی عہد ۶۳۵ھ میں فتح مکہ کی تقلید اور اتباع سنت کے تحت اس جگہ کا رخ کیا' جہاں پیدا ہوئے تھے۔ جہاں نشوونما پائی تھی' جہاں تعلیم کی ابتداء پڑی تھی۔ لیکن بجائے کھوتوال کے اسکے قریب اجودھن کو قیام کے لیے پسند کیا۔ یہیں سے فرائض سجادگی ادا کیے۔ اسی جگہ اولاد کی تربیت وتعلیم ہوئی اور بالآخر یہی جگہ ان کی آخری قیام گاہ بنی۔

راویانِ قدیم کے خلوصِ نیت اور للّٰہیت پر شبہ نہیں کیا جاسکتا مگر کمالات وکرامات یہ ہیں کہ ایک ہی زبان میں دو متضاد روایتیں بیان فرمادیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خلوت کی غرض سے اجودھن گئے تھے اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ اجودھن میں غضب کی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اجودھن کو کفرستان بتاتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی اکتشاف ہے کہ وہاں مسجد تھی اور عامل و قاضی مسلمان تھے۔ تاریخ کہتی ہے کہ اجودھن سلطان ابراہیم غزنوی نے سب سے پہلے ۱۰۷۹ء/۴۷۲ھ میں ہنود سے فتح کیا تھا۔ اس وقت سے یہ بستی مسلسل تاجدارانِ دہلی کے تحت وتصرف میں رہی۔ ظاہر ہے کہ یہاں مسلمانوں کی آبادی مع اپنی جملہ خصوصیات کے موجود تھی۔ لہٰذا وہاں پہنچ کر فرائض سجادگی کا تقاضا تھا کہ خلقت سے میل جول رکھا جائے۔ جس طرح عبادت کے لیے خلوت کی ضرورت ہے' اسی طرح تبلیغ جلوت کی متقاضی ہے۔ ایک جوہر جب آغوشِ خلوت میں نشوونما پالیتا ہے تو اس کی قوت نمو اسے آشکار ہونے کے لیے مجبور کرتی ہے۔ جلوت ونمائش اگرچہ پریشانی کا باعث ہوتی ہے۔ مگر یہی تکلیف وپریشانی زندگی سے موسوم کی جاتی ہے اور اسی سے زندگی لازوال بنا کرتی ہے۔ دنیا کی رونق وزینت کا سبب ''میں'' ہے۔ اگر ''میں'' نہ ہو تو کچھ بھی نہ ہو۔ اور یہ ''میں'' مثبت بھی ہوتا ہے اور منفی بھی۔ اس کا رخ روحانیت کی طرف بھی ہوتا ہے اور نفسانیت کی جانب بھی۔ ''میں'' کا مقام انسان کا قلب ہے مگر قلب کو رحمٰن کا عرش بھی بتایا جاتا ہے اور خناس کا تخت بھی۔ ''میں'' کتنا ہی کامیاب ہو مگر وقعت نہیں رکھتا۔ جب تک اس میں توازن نہ پیدا ہو۔ وہم وشکوک جب دور ہو جاتے ہیں تو یقین پیدا ہوتا ہے اور یقین سے ہی معراج حاصل ہوتی ہے۔ جب ایسا ہو جاتا ہے تو خلوت وجلوت کا امتیاز مٹ جاتا ہے اور یہ ''میں'' خود تقدیر الٰہی بن جاتا ہے۔ اہل دنیا اور سلاطین جب اس ''میں'' کی تقویت پر ترقی کرتے ہیں اور اہل اللہ اس ''میں'' کے پروں پر اڑ کر معراج حاصل کرتے ہیں تو ان دونوں میں امتیاز کیا جاسکتا ہے۔ دونوں میں

Marfat.com

بُعد عظیم ہے۔ وہاں جنگ و فساد ہے اور یہ دردسر کوئی مستقل صورت اختیار نہیں کرتا۔ مگر روحانیت والوں کو اطمینان کُلی حاصل ہوتا ہے۔ ان کے کارنامے صلح و آشتی سے معمور ہیں اور مستقل ہیں۔ تعلیم خودی کے متوالے اس حقیقت کو سمجھتے ہیں اور اس سے گریز نہیں کر سکتے۔ اب یہ کہ منفی کو مثبت کیسے بنایا جاتا ہے تو یہ اپنا اپنا طریقہ ہے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے: فقل اسلمت و جھی اللہ و من اتبعن۔

اس طرح روح کو نفس سے پاک کرنے کے بعد اظہار خودی کا حق حاصل ہوا کرتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم عشق کے قائل ہیں۔ مگر وہ اپنی نظر فکری کو امر ذوقی نہ بنا سکے۔ وہ ماسوئی میں الجھ کر رہ گئے۔ انکی فنائیت آگے نہ بڑھ سکی۔ اپنے روحانی استاد مولانا روم کے قول تک شریک و دمساز رہے اور فناء اضطراری پر وہ مطمئن ہو گئے۔ مگر احوال باطن تک رسائی نہ ہو سکی۔ خلوت وجلوت کی تعریف تصوف وطریقت سے بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ خلوت میں تمام توجہ اللہ کی طرف ہوتی ہے۔ اس سیر سلوک کو ''عروج''، ''سیر الی اللہ'' یا ''سیر فی اللہ'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ لیکن جب سیر کرنے والے سے دنیا کی اصلاح کرنا مقصود ہوتی ہے تو سالک کی توجہ مخلوق کی طرف پھیر دی جاتی ہے۔ کیفیت فراق میں ایسا شخص ماہیٔ بے آب کی طرح مضطرب رہتا ہے اور اس کے قلب پر وحشت طاری رہا کرتی ہے۔ اس قسم کے سیر کو ''نزول'' یا ''سیر من اللہ باللہ'' کہا جاتا ہے۔ اسی کا دوسرا نام ''جلوت'' ہے۔ روحانی طور پر خلوت وجلوت کی اتنی ہی وضاحت کی جا سکتی ہے۔

بہر حال اجودھن پہنچ کر روح روحانیاں' شہباز خودی کو اپنی نمائش کر کے لنگر عالم بنتا تھا۔ خودی کی اصلی صورت دکھا کر اپنی خودی کے زور پر ''معکوس انسانیت'' یا منقلب ذہنیت کا تخم سوخت کرنا تھا تا کہ رضائے معبود سمجھی جا سکے۔ اور اس طرح اصلی خودی کی خدائی کا ڈنکا پیٹنا تھا۔ یہ اظہار خودی ظاہری اسباب پر مبنی نہیں تھا۔ وعظ و تذکیر اور جلسہ وجلوس کا محتاج نہ تھا۔ اور نہ اس کے لیے دولت وثروت کی ضرورت تھی۔ روح کی قوت کارفرما تھی۔ تسخیر جو کی گئی وہ محض نگاہ سے کی گئی اور یہ نگاہ اس آنکھ کی تھی جو مرشد پر قربان کر دی گئی تھی اور مرشد کی دعا سے رب الارباب نے دوبارہ مرحمت فرمادی تھی۔ لیکن آنکھ محض آلہ ہے۔ مخزن روشنی نہیں ہے۔ مخزن دراصل قلب ہے۔ قلب کی روشنی پشت دماغ سے ٹکرا کر آنکھ کے ذریعہ ظاہر ہوا کرتی ہے اور آنکھ کو بینا بنا دیتی ہے۔ بینائی اور تصور کی یہی حقیقت ہے۔ آنکھ بند کر لینے سے مخزن نور کی درخشاں جھلک محسوس ضرور ہوتی ہے مگر اصل بینائی اور تصور وہی ہے جو کھلی آنکھ سے ہو اور بہترین تصور اس کو کہتے ہیں جو دل میں ہو اور آیت نور کی تصویر کھینچ دے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے سیر وسیاحت کر کے دنیا کی خودی کا معائنہ کیا تھا۔ اب گوشہ میں بیٹھ کر دنیا کو اپنی خودی کا نظارہ کروانا تھا۔ خلوت انجمن بن گئی۔ صدیاں گزر گئی ہیں اور گزرتی رہیں گی مگر ان کی خودی کی نورانیت چمکتی رہی ہے اور انشاء اللہ چمکتی رہے گی۔

نورانیت بھرے قلب نے جب ہانسی کو خیر باد کہا تو وہاں کی فضا سینہ کوبی کر کے رہ گئی۔ کوچ جو کیا تو خلاف معمول اس مرتبہ لشکر ساتھ تھا جس میں حضرات ذیل شامل تھے۔ دو ازواج سیدہ بی بی نجیب النساء اور سیدہ بی بی ہزیرہ خاتون۔ ان دونوں کے کم سن بچے، علی احمد صابر، جمال ہانسوی، نجیب الدین متوکل، سرہنگا مجذوب اور دیگر حلقہ بگوش۔ اس لشکر کے سامان میں گدڑیوں کی وردیوں کے علاوہ بے پایاں توکل تھا۔ روٹی کپڑا اگرچہ زندگی کے لازم ہیں۔ لباس وطعام سے ہی

Marfat.com

دنیا کی زینت ہے اوران کے ہی تکلفات عزت وعظمت کی دلیل سمجھے جاتے ہیں۔مگر روٹی کپڑے ہی کی وجہ سے انسان کو ذلت ورسوائی بھی نصیب ہوتی ہے اوران ہی کی وجہ سے طاہر اجسام دارواح پر کثافت وغلاظت بھی آ جاتی ہے۔ازل میں جب آدم علیہ السلام نے شجر ممنوعہ کا پھل تناول فرمایا تو لباس سے محروم ہونا پڑا اور جنت سے بھی نکالے گئے۔اس مادی دنیا میں از آں دم تا ایں دم طعام ولباس کی فراہمی ہی فتنہ وفساد کی بنیاد قرار پائی۔ہمارے موجودہ ترقی یافتہ عہد میں روٹی کپڑے کی بہتات کی کوشش کا نام تہذیب وآزادی ہے اور دعویٰ ہے کہ گھر گھر دودھ کی نہریں پہنچا دی جائیں۔لیکن اس تہذیب و آزادی میں اسی کی وجہ سے سکون عنقا ہے اور یہ گویا فتنہ وفساد، چور بازاری اور رشوت ستانی کی منقلب شدہ صورت ہے۔ برخلاف اس کے صوفیہ ان تکلفات سے بے نیاز ہیں۔ان چیزوں کے جنجال میں نہیں پڑتے اور وہ ''غم دزد و مصیبت کالا'' سے آزاد ہوکر نہایت اطمینان سے زندگی گزارتے ہیں۔وہ اپنے عقیدہ وعمل کی تقویت پر خودنہیں کھاتے اور پہنتے بلکہ دوسروں کو کھلا کر اور پہنا کر خوش ہوتے ہیں۔ان کے عقیدہ وعمل کے دونوں اجزاء کو محض ایک لفظ ''تقویٰ'' سے ظاہر کیا جا سکتا ہے۔اسی اصول پر توفیق، اعتماد اور قناعت کے اسلحہ سے مزین جب یہ لشکر اجودھن پہنچا تو آبادی سے باہر مغربی جانب ایک ویران مسجد اور سایہ دار اشجار کو اپنی فرودگاہ بنایا۔آیند وروند دور سے دیکھ دیکھ کر گزر گئے۔اس بے اعتنائی کا سبب یہ نہیں تھا کہ قابل اعتنا نہیں سمجھا بلکہ درویشوں کی خستگی کے رعب وجلال سے وہ دم بخود تھے۔عرصہ تک چھال اور پتوں نے اس لشکر کی تواضع کی۔پھٹی ہوئی گدڑیوں میں سی سی کر پیوند لگائے جاتے رہے۔سالار لشکر کو یہ فکر تھی کہ اپنی خودی کا مظاہرہ کس طرح کریں کہ ماحول درست ہو۔انہوں نے وعظ نہیں فرمایا۔جلوس نہیں نکالے۔جلسے منعقد نہیں کیے، حکام وعمال سے مدد نہیں لی۔بلکہ خاموشی سے مصروف عبادت رہے۔قرآن کی تلاوت کی، سجدے کیے، دعاؤں سے عرش کے پائے ہلا ڈالے، ظاہری عقل عبادت کی باطنی حقیقت سے آشنا نہیں۔اس کا کہنا ہے کہ ایسی عبادت سے کچھ نہیں ہوتا۔مقصود عبادت عمل ہے۔بے شک ہے مگر کیا کیا جائے کہ سمجھ سمجھ میں فرق ہے اور عمل عمل میں اختلاف ہے۔اس فرق واختلاف کو واضح کرنے کے لیے چند مثالیں حاضر ہیں۔

فرعون کا عمل دنیوی تمکن کے لیے تھا۔موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عمل سے اسے باطل کر دکھایا اور غرق نیل کر دیا۔ہارون علیہ السلام کا عمل خالص تھا۔مگر موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں سامری نے گائے کا بچھڑا بنایا۔ہارون علیہ السلام نے ہر چند سمجھایا مگر قوم بہک کر بچھڑے کی پوجا کرنے لگی۔موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی پر بے طرح برس پڑے اور ہارون علیہ السلام نے اسے برداشت کیا۔اصحاب رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہی میں نہیں بلکہ عشرہ مبشرہ تک میں اختلاف رونما ہوا۔اسکو ہر چند خطائے اجتہادی سمجھا جائے مگر اختلاف تو ہو کر رہا۔قلب سلیم اس قسم کے جائز و ناجائز اختلاف کو سمجھ کر اپنے لیے راہ عمل بنایا کرتا ہے۔بہر حال یہ فطری اختلاف ایسے ہیں کہ سلجھائے نہیں سلجھتے۔ضرورت ہے کہ بجائے الجھنے کے اپنی خیر منائی جائے۔یہی اختلاف فرقہ بندیوں کی جڑ ہیں۔لہٰذا رضائے الٰہی کو سمجھنے کی سخت ضرورت ہے اور یہ سمجھ عبادت کے باطنی معنی سمجھنے سے آتی ہے۔''حجتہ اللہ البالغہ'' میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے وضاحت فرمائی ہے کہ طریقہ ابراہیمی سے علم واعتقاد پختہ ہوتا ہے۔اللہ کی نشانیوں اور نعمتوں کی وجہ سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور عبادت کا شوق بڑھتا ہے۔آگے بڑھ کر ''تذکیر بایام اللہ'' کو موسوی طریقہ بتایا ہے جس سے گناہوں کے خوف اور خدا کی اطاعت کی رغبت پیدا

Marfat.com

ہوتی ہے۔ آخری طریقہ محمدی ہے جس میں حوادث قبر و مابعد کے خوف و بشارت کا اضافہ ہے۔ اس طریقہ میں نیکی و گناہ کا علم ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ ان سب کے ہر وقت ملاحظہ کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ تاکہ تمام اعضاء ان کے اثرات کی بجا آوری کرسکیں۔ عبادتِ الٰہی سے تائید حاصل ہوتی ہے اور توجہ امور حقانی کی طرف ہو جاتی ہے۔ چونکہ ظاہری عقل رسوم کے حجابات سے نہیں بچ سکتی۔ (۶۸) لہٰذا تدبیر نافع کے ساتھ ذکر الٰہی کرنے سے یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس لشکر کے سپہ سالار نے اپنا لائحہ عمل جو بنایا' اس کی ابتداء ''زنبیل گردانی'' سے کی اور اسی کو تدبیر نافع سمجھا۔ یہاں کے صوفیوں میں غالباً حضرت بابا صاحبؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علانیہ یہ طریقہ اختیار کیا۔ ''زنبیل گردانی'' کا مطلب یہی ہے کہ ازراہ عاجزی دروازوں دروازوں جا کر بھیک مانگی جائے۔ یہ عمل گاہے گاہے ہوتا تھا اور عادت و معمول میں شامل نہیں تھا۔ اس مشغلہ میں بظاہر تبلیغ و اصلاح کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ اس سے صرف تعارف اور بے تکلفی پیدا کرنے کا مطلب لیا جا سکتا ہے۔ بہر حال اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ سوال کی صورت ہے۔ اہل توکل کی شان سے بعید ہے اور حرام ہے۔ اس کو ہنود کے رشیوں اور سنیاسیوں کی تقلید کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے جائز قرار دینے کے لیے بتایا جا سکتا ہے کہ ''گدا آئینہ جودِ حق اند۔'' اس لیے ارشاد ہے کہ و اما السائل فلا تنھر۔ لہٰذا سوال کو قطعی طور پر مذموم نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس میں بہتری کے بھی پہلو ہیں۔ اس سے نیک و بد کی آزمائش بھی ہو جاتی ہے۔ اصحاب صفہ دروازوں پر جا کر حدیث رسولؐ سنایا کرتے تھے اور ان کی خاطر و مدارات کی جاتی تھی۔ سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۳ میں ارشاد ہے کہ ان کے مال سے صدقہ کی تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ مدارک و بخاری نے بھی اسی امر کی تاکید کی ہے کہ صدقہ لینے والا صدقہ دینے والے کے لیے دعا کرے۔ مفسرین نے اس صدقہ کی تشریح فرمائی ہے کہ یا تو وہ صدقہ واجبہ تھا یا اس سے مراد زکوٰۃ ہے۔ اس کے علاوہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ فرشتے' مردان غیب اور حضرت خضر کبھی کبھی مختلف بھیسوں میں دروازوں پر پہنچا کرتے ہیں اور صاحب خانہ کے سوال کے مطابق ان صاحبان کی حاضری مفید یا مضر ہوا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے ہدایت ہے کہ سائل کی تواضع کرنا چاہیے۔ تین فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں رحمت ثابت ہوئے اور وہی حضرت لوط علیہ السلام کے یہاں پہنچ کر غضب الٰہی کا باعث بنے۔ غرض اسی طرح یہ اللہ والے لوگوں کا دل دیکھا کرتے ہیں۔ دلوں کو مسخر کرتے ہیں اور اپنے روحانی و اخلاقی اثرات سے روح عصری کی اصلاح کیا کرتے ہیں۔ یہ زنبیل گردانی نفس کی خاطر نہیں تھی بلکہ کار خیر کے لیے تھی۔ اس کے ذریعہ سے چشتی مسلک کو چمکانا تھا۔ چشتیہ فقر کے قائل ہیں اور غنا کو ضروری نہیں سمجھتے۔ فقر و غنا کے مسئلہ پر حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوریؒ اور حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ میں بحثیں رہی ہیں۔ یہ حضرات بھیک میں چند چپاتیوں سے زیادہ نہیں لیتے اور اپنے یہاں لنگر خانہ جاری کر کے ہزاروں بھوکوں کا پیٹ بھرا کرتے ہیں اور اس طرح فکر روزی سے بے نیاز بنا کر لوگوں سے اپنی نگرانی میں عبادت کروایا کرتے ہیں۔ یہ دعا بھی کرتے ہیں اور دوا بھی تاکہ احتیاج اور نفس کی برائیوں سے نجات مل سکے۔ ورنہ یہ فاقے کرنے والے اور گھاس پھوس پر گزر کرنے والے روٹی کے لیے کبھی ہاتھ نہ پھیلاتے۔ آخر زمانہ میں جب فتوحات کا دروازہ کھل گیا تھا تو حضرت بابا صاحب کبھی کبھی زنبیل گردانی کے لیے سلطان المشائخ کو بھیج دیا کرتے تھے۔ (۶۹) غرض انہوں نے اس قسم کے اشکال اپنی خودی اور اپنے مسلک کے اظہار کے لیے ضروری سمجھے اور انہیں اصولوں کے ذریعہ اپنے علم و فضل کا

Marfat.com

مظاہرہ کیا۔ اسی طرح حدود شرعی جاری کرنے اور طریقت کے اصول سکھانے میں جو کامیابی حاصل کی اہل عقل اور ظاہری علم رکھنے والے ان کی گرد تک نہ پہنچ سکے۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک دکھیا عورت سر پر دودھ کی مٹکی رکھے ہوئے ادھر آنکلی۔ اس نے اپنی بپتا سنائی کہ جوگیوں اور جادوگروں نے پریشان کر رکھا ہے۔ دودھ انہیں نہ دیا جائے تو دودھ میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ میں تم سے یہ کہنے آئی ہوں کہ یہ لوگ تم بیچاروں کو کہیں پریشان نہ کریں۔ اس بوڑھی کو محبت و اخلاق سے بٹھایا گیا۔ اس کی داستان ذوق وشوق سے سنی گئی اور اس کی ہمدردی کا شکریہ ادا کر کے اسے تسلی دی کہ یہ جوگی حرام خور ہیں۔ لقمہ تر چاہتے ہیں۔ ہم ان سے نہیں ڈرتے۔ خوب سن لو کہ جس دل میں خدا کا خوف ہوتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرا کرتا۔ بلکہ دنیا ایسے شخص سے ڈرا کرتی ہے۔ اگر ان جوگیوں کے بجائے اپنے دل میں تم خدا کا خوف پیدا کر لو تو وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ پھر یہ بھی سمجھ لو کہ جس نے جان دی ہے وہی حفاظت بھی کیا کرتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ کے بندوں کو کوئی ستا سکے۔ اس طرح اسکی ڈھارس بندھائی۔ وہ بیٹھی ہوئی سنتی رہی۔ سمجھی ہو یا نہ سمجھی ہو۔ مگر اسے کچھ ایسا سکون ملا کہ اپنی فکر و مصیبت بھول گئی۔ تاخیر ہو جانے پر جوگی کے چیلے اس عورت کی تلاش میں یہاں آپہنچے۔ وہ سہمی اور ڈری مگر ان چیلوں کو بھی میٹھی میٹھی باتیں کر کے بٹھا لیا اور فہمائش کی کہ روزی کے لیے کسی پر جبر و ظلم نہیں کرنا چاہیے۔ جو روزی مارے باندھے سے ملتی ہے وہ زہر بن جاتی ہے۔ پیدا کرنے والا خود روزی کا ذمہ دار ہے۔ وہ اپنے بندوں کو خود روزی دیا کرتا ہے۔ اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ رزق ہر شخص کی پیدائش کے ساتھ اترا کرتا ہے۔ پہلے دن کے بچہ کو دودھ کون پلاتا ہے۔ وہ اپنی روزی کے لیے ہاتھ پیر بھی نہیں مار سکتا۔

یہ چیلے بھی ایسے بیٹھے کہ جانے کا خیال تک نہ رہا۔ اتنے میں غیظ و غضب میں بھرا ہوا جوگی خود وہاں آپہنچا۔ جوگی سوئے مزاجی کا اظہار کرنا چاہتا تھا اور آپے سے باہر تھا۔ اس جرم پر کہ ہمارے آدمیوں کو بٹھا لیا ہے اور یہ سمجھ کر کہ ہمارا دودھ بھی چھین لیا ہے کہ کچھ منتر پڑھ کر مجمع کو اڑا دینا چاہتا تھا مگر کچھ ایسا ہوا کہ منتر حافظہ سے محو ہو گئے۔ سمجھا یہ گیا کہ غصہ اور جوش کی وجہ سے حافظہ نے کام کرنا چھوڑ دیا اور منہ سے منتر کے الفاظ نہ نکل سکے مگر واقعہ یہ تھا کہ نفسانیت کا جادو روحانیت کی خودی کے سامنے زیر ہو گیا تھا۔ اپنی اس سراسیمگی پر اس کا سر چکرایا۔ حیرانی و پریشانی اس کے قلب پر چھا گئی۔ جب کچھ نہ بن پڑا تو سرنگوں ہو کر قدم پکڑ لیے اور سر رگڑ رگڑ کر معافی چاہنا شروع کر دی۔ کچھ دیر کے بعد اس سے توبہ کروائی گئی۔ وعدہ لیا گیا کہ اب بستی کو دق نہیں کرے گا۔ پھر معافی دی گئی۔ عورت اور چیلے گرو کی بے بسی دیکھ کر اچنبھے میں آ گئے اور متحیر تھے کہ اب اس کا زور کیا ہوا۔

جب اس طرح علانیہ قوت و سطوت کی نمائش کر دی گئی اور یہ بات مشہور ہوئی تو بستی کی بستی مسخر ہونے کے لیے مجبور تھی۔ اجودھن فتح ہو گیا۔ مخالفین متہم کرتے ہیں کہ اسلام شمشیر کے زور سے پھیلا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک و مال کے لیے لڑنے والے مسلمان بادشاہوں کو دیکھتے ہیں اور اصول جہاد کو نہیں سمجھتے۔ اس کے علاوہ ظاہر پرست مبلغوں کی قیل و قال پر ان کی نظر رہتی ہے اور مجاہدین کے اطوار و عادات کا لحاظ نہیں کرتے۔ جہاد کو دنیوی جنگ کی مانند خیال کرتے ہیں کیونکہ ظاہری شکل دونوں کی ایک ہے۔ جہاد تبلیغ مذہب کے لیے اللہ واسطے کیا جاتا ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ جہاد اصغر اور جہاد اکبر۔ جب افہام و تفہیم سے کام نہیں چلتا اور نمونہ و مثال سے بھی ضد اور نفسانیت باقی رہتی ہے تو بدرجہ مجبوری جہاد

Marfat.com

اصغر میں شمشیر سے کام لیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے جہاد اکبر میں نہ قیل وقال ہے اور نہ شمشیر بلکہ بغیر کسی قسم کے فساد کے روحانیت و اخلاق سے تسخیر کی جاتی ہے۔ صوفی جہاد اکبر کیا کرتے ہیں اور نمونہ بن کر اپنے عمل سے تلقین کرتے ہیں۔ لیکن وقت ضرورت صوفیہ نے جہاد اصغر میں بھی اپنے جوہر دکھائے ہیں۔

بہر حال حضرت والا کی روحانی و اخلاقی تسخیر کا ہر شخص معترف ہے۔ اصل تبلیغ یہی ہے۔ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد اصغر کے حکم سے پہلے جہاد اکبر ہی کے ذریعہ تبلیغ فرمائی تھی۔ اس کوشش میں وہ وہ تکلیفیں اٹھائیں جو کسی نبی نے بھی برداشت نہیں کیں اور دشمنوں کو دوست بنا کر دکھا دیا۔ غرض اس طرح اجودہن فتح کر لیا گیا۔ اظہار اطاعت کے لیے وہاں کے باشندے جوق در جوق آنے لگے۔ یہ فتح اخلاق الٰہی حاصل کر لینے کی وجہ سے ہوئی۔ اخلاق الٰہی بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت و اتباع کے حاصل نہیں ہو سکتے۔ یہ روحانیت تھی جس سے مادیت نے شکست کھائی۔ روحانیت ہی سے قلوب میں تغیر واقع ہوا۔ وہ عقل و منطق سے نہیں بلکہ قلبی طور پر نیکی و بدی میں تمیز کرنے لگے۔ بس یہی تغیر فتح اجودہن کا باعث ٹھہرا۔ اجودہن کی فتح پر شادیانے بجنے لگے۔ مگر صرف فتح ہی کافی نہ تھی بلکہ اسکی از سر نو تعمیر کرنا بھی ضروری تھی۔ اجودہن کو روحانیت کا مرکز بنانا تھا تا کہ خودی کے جلوے ہر شخص کو جذب کر سکیں اور ہر شخص خود بھی ویسے ہی جلوے دکھا سکے۔

انقلاباتِ اجودہن ۰ ے

راجا	سنہ تعمیر	نام موضع
شیر سنگھ	۶۱۱ء	شیر س پت اجگو دھا
ہر سنگھ	۶۵۶ء	ہر پور شیر گان
جیون سنگھ	۶۵۹ء	گوتم جیا
انیکپال	۶۷۶ء	انکھی پور
باس دیو	۶۹۴ء	جندرسید
کنک پال	۷۱۳ء	کھندرامی
پرتھی پال	۷۳۵ء	پرتھی پور
جس دیو	۷۵۴ء	جودہ پورا اودہم نگری
ہر پال	۷۷۵ء	ہری پور
اودھی راج	۷۸۹ء	راجپور
بچھراج	۸۱۶ء	بچھر بجت گڈھ
انکپال	۸۳۸ء	انکو پاتھی

رگھوپال	۸۵۹ء	رگھوناتھ گڑھ
نیک پال	۸۸۱ء	گوپال نگری
سلکھین	۹۰۱ء	سالک پور
جے پال	۱۰۲۶ء	جیوا گھ
کنور پال	۹۴۳ء	کنور گڈھ
انیکپال	۹۷۳ء	گئی پال پور
بھیجی پال	۱۰۰۲ء	بھیجی پور
مہی پال	۱۰۶۶ء	بھیجی پور گڈرا شہر
اگر پال	۱۰۷۰ء	اجودھیا گڑھ
پرتھی راج	۱۰۷۳ء	اجودہن
حضرت بابا صاحبؒ کی وجہ سے اکبر کے عہد میں		پاک پٹن

(۹) تبلیغ و مشاغل (۷۱)

اتحاد میں فرق یوں آیا کہ مختلف نظریے وجود میں آ گئے۔ مساوات جاتی رہی اور لوگوں کے درمیان دیوار کھڑی ہو گئی۔ مگر کار خدائی یہ ہے کہ اس دیوار میں ایک دروازہ بھی رکھا ہے جس میں سے دوسری طرف جھانکا جا سکتا ہے اور عیب و ثواب معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

اتحاد کی مثال بارش رحمت کی سی ہے۔ بارش اپنے مقام سے بے غل و غش پاک و صاف چلتی ہے۔ جب نازل ہوتی ہے تو خلا کے اثرات سے متاثر ہوتی ہے اور قطروں کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جب گرتی ہے تو ہر قسم کے مقامات پر گرتی ہے۔ جب بہتی ہے تو نشیب کی جانب بہتی ہے۔ نشیب سطح زمین کی ساخت پر منحصر ہے اور بارش خود بھی اپنے لیے نشیب بنا لیتی ہے۔ بارش سے زندگی کی لہر پیدا ہوتی ہے۔ دنیا جاگ اٹھتی ہے اور سارا جہان سرسبز اور شاداب ہو جاتا ہے۔ اوسر اور بنجر زمین پر اس کی افادیت ضائع ہو جاتی ہے۔ گندی زمین اس کو نجس و ناپاک بنا دیتی ہے اور اچھی زمین فائدہ حاصل کرتی ہے۔ پانی پاک ہے اور دوسری اشیاء کو پاک کرتا ہے۔ مگر نجاست کی زیادتی کی وجہ سے پانی کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ اچھی زمین اور اچھی طبیعت بھی مختلف قسم کی ہوتی ہے۔ بعض نعمت سے مالا مال ہو کر قانع ہو جاتی ہیں اور کچھ اسباب سے گزر کر مسبب الاسباب کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ یہ مؤخر الذکر ''سابق بالخیرات'' ہیں جو دونوں جہان کی نعمتوں سے سرفراز ہو کر منزل توحید اور بارگاہ اقدس میں پہنچتے ہیں۔ اپنے سینوں میں بارش رحمت بھر کر لاتے ہیں۔ پھر دنیا کو نکھار کر اتحاد کا سبق پڑھاتے ہیں تاکہ اول سے آخر کا سلسلہ مل جائے۔ انہیں کے دم سے مردے زندہ ہو جاتے ہیں اور یہی لوگ عرف عام میں صوفی کہلاتے ہیں۔ شریعت و طریقت میں دوئی کا گزر نہیں۔ شریعت علم ہے اور اس پر خلوص کے ساتھ عمل

Marfat.com

کرنے کا نام طریقت ہے۔صوفی اسی کے مدعی ہیں۔شریعت وطریقت ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں اور ایک ہی منزل کے دو مدارج ہیں۔لیکن بعض ظاہر پرست شریعت کو طریقت کا حریف سمجھتے ہیں اور دوئی کے مبلغ ہیں۔(۷۲) وہ قلب کو ماؤف کر کے دماغ کو متاثر کر لیتے ہیں مگر تاثیر سے محروم رہتے ہیں۔ان کے یہاں صدق وخلوص کے بجائے ایک قسم کی ضد اور ہٹ پائی جاتی ہے۔جس سے مقصد تو حید محدود و منجمد ہو جاتا ہے۔اور وسیع النظری جاتی رہتی ہے۔

عجیب تماشا ہے کہ شیخ سعدیؒ کی ''گلستان'' میں بعض لوگوں کو حکایت کے بجائے چمکایت سے سابقہ پڑتا ہے۔ان ہی وجوہات سے تصوف چیستان بن کے رہ گیا ہے۔کثرت تعبیر نے اسے اور بھی خواب پریشاں بنا دیا ہے۔مستشرقین کچھ کہتے ہیں۔علماء کچھ فرماتے ہیں اور نئے تعلیم یافتہ کچھ خیال کرتے ہیں۔اس میں شک نہیں کہ یہ جملہ حضرات اپنی اپنی رائے کے متعلق بڑے بڑے ثبوت پیش کرتے ہیں لیکن انکی رائیں اس تماشائی کی سی ہیں جو کنارے پر کھڑے ہو کر دریا میں غوطہ لگانے والوں کی غواصی پر رائے زنی کرے۔حالانکہ غواصی کے معارف غواص ہی سمجھ سکتا ہے۔عامی و تماشائی اس کی تہ کو نہیں پہنچ سکتے۔اسی طرح سلوک اور ولایت کے غوامض غیروں کے پلے نہیں پڑتے۔مستشرقین میں ڈوزی اور کریمر لکھتے ہیں کہ تصوف ویدانت سے ماخوذ ہے۔نکلسن وغیرہ کا خیال ہے کہ تصوف کا منبع یونانی فلسفہ ہے اور بعض کا اعلان ہے کہ یہ بدھ مت کے بطن سے پیدا ہوا ہے مگر ان سب کے برخلاف ایک فرانسیسی پروفیسر لوئی میسی نیوں نے ثابت کیا ہے کہ تصوف کا مخرج قرآن وحدیث ہے اور یہ کہ تصوف قطعی طور پر اسلامی الاصل ہے۔

اب اپنوں کو لیجیے تو امام ابن تیمیہ کے تبحر علمی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ان کی برملا رائے ہے کہ صوفیاء متقدمین حق پر تھے۔ان کا اصول خالص اسلامی تھا لیکن متاخرین نے فلسفے کی آمیزش سے اضافے کر لیے ہیں جن کو شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔وہ اپنی پیدائش سے پہلے والے صوفیوں یعنی امام ابوالحسن اشعری اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک کے بزرگوں کے معترف و مداح ہیں۔مگر بعد والوں میں امام الحرمین، امام غزالی، امام رازی اور ابن عربی پر جرح وقدح کرتے ہیں۔(۷۳) اب ہمارے آخر کے علماء مثلاً حضرات شیخ عبدالقدوس گنگوہی، عبدالحق محدث دہلوی، مجدد سرہندی اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ نے بدعتوں کی تردید واصلاح کی ہے اور اپنے اپنے طرز میں تصوف کو اصلی رنگ میں پیش کر کے خالص اسلامی ثابت کیا ہے اور یہ سب تصوف کے مبلغین میں سے ہیں۔گروہ علماء میں صرف ابن عبدالوہاب نجدی کی تنہا ذات ایسی ہے جو تصوف کے نام تک کے روادار نہیں مگر ان جملہ چہ میگوئیوں سے تصوف پر آنچ نہیں آتی۔مبصرین و محققین کے مختلف نظریئے محض ایک دوسرے کی تردید کر دیتے ہیں۔تصوف کا ویدانت سے ماخوذ ہونا اس لیے بھی غلط ہے کہ ویدانت عالم کو ناپاک، شر اور مایا سمجھتی ہے اور اس کے نزدیک یہ عالم برہمہ سے قطعی علیحدہ شے ہے۔بدھ مت کو لیجیے تو وہ عالم کو معدوم، فریب اور دکھ بھرا خیال کرتا ہے۔وجود مطلق کو غیر متغیر و ساکن سمجھنے کی وجہ سے ان کی نجات کا ذریعہ ترک خواہشات اور ترک حواس ہے۔یونانی فلسفے والے ''نوافلاطونی'' ایران والوں اور ہنود کی طرح مادے کو روح کا غیر کہتے ہیں۔ان کے یہاں بھی نجات کا طریقہ ترک قیود اور فنائے کامل ہے۔یونانی صفات الٰہی کے منکر ہیں لیکن تنزلات اور اعیان ثابتہ کے قائل ہیں مگر انکی اعیان ثابتہ اور تنزلات کی تفصیل صوفیوں کی اعیان ثابتہ اور تنزلات کی تشریح سے قطعی مختلف ہے۔ان حقائق اور اختلافات کے مدنظر ان میں سے کسی کو بھی تصوف کا ماخذ قرار دینا صاحبان عقل وعلم سے ممکن

Marfat.com

نہیں۔اس کے علاوہ سب ماخذ جو بتائے گئے ہیں خود توہمات وشرک سے پاک نہیں اوران میں سے ہرایک میں تلون و اختلاف موجود ہے۔ایسی حالت میں ایسا دعویٰ کرنے والے یقیناً اپنی ناواقفیت ونارسائی کا خود اعلان کیا کرتے ہیں اور اپنے منہ میاں مٹھو بنا کرتے ہیں۔

ابن عبدالوہاب اور امام ولی اللہ محدث دہلوی نہ صرف ہمعصر تھے بلکہ سنا ہے کہ حجاز میں ایک ہی استاد سے دونوں نے تعلیم پائی تھی۔لیکن دونوں کی تعلیم کے نتائج ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔صلیبی جنگوں میں مسلمانوں سے سابقہ پڑنے کے بعد یورپ والے کلیسا سے بیزار ہو گئے تھے۔اسی وجہ سے کچھ عرصہ بعد لوتھر نے اپنی تحریک کا اعلان کیا تھا اور رومن کیتھولک کے مقابلہ میں اس نے اپنی جماعت پروٹسٹنٹ بنائی تھی۔تاریخی واقعات مظہر ہیں کہ ابن عبدالوہاب نے پروٹسٹنٹ کی تقلید میں تصوف سے انکار کر دیا۔شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ صرف تصوف کی شدت کے ساتھ تائید کی ہے۔ بلکہ وحدت الوجود کی بھی زبردست حمایت کی ہے اور اس مسئلہ میں حضرت مجدد سرہندیؒ کی تعبیر کو تسامح قرار دیا ہے۔ ہمارے زمانہ میں ڈاکٹر اقبال مرحوم بظاہر وحدت الوجود کے قائل نہیں۔حضرت امام ومحدث شاہ ولی اللہ دہلوی کو یقیناً علم لدنی حاصل تھا اور ڈاکٹر اقبال مرحوم تو یقیناً ان صفات سے متصف نہیں۔

خدا جانے کیا بات ہے کہ رائے زنی کرنے والے خود صوفیوں کے دعویٰ کی تحقیق وتفتیش کیوں نہیں کیا کرتے اور اپنی ذاتی رائے کو کیوں داخل کر دیتے ہیں جو خود محدود وتنگ ہوتی ہے۔صوفی مدعی ہیں کہ تصوف قرآن وحدیث کا ماحصل ہے۔تصوف کی بنیاد محبت الٰہی اور معیت ذاتی پر مبنی ہے اور یہی طریقہ سلف صالحین کا ہے۔خلافت جب امارت میں تبدیل ہوئی تو اس کے بعد سیاست کا مذہب پر غلبہ ہو گیا۔عہد عباسی میں جب فتنہ اٹھا اور تفرقہ پڑا تو علماء دین بھی منقسم ہو گئے۔ بعض دربار کے ہو رہے اور بعض راسخ فی الدین نکلے۔علمائے دربار نے جب نوک جھونک شروع کی اور حکومت کی طرف سے مظالم کی بوچھاڑ ہوئی تو اصل مقصد کی خاطر راسخ فی الدین حضرات نے بھی اپنا طرز بدلا۔بعض صاحبان نے ان میں سے ظاہری طور پر علی الرغم خدمت دین کی اور بعض صاحبان این وآں سے بے نیاز ہو کر تبلیغ کا خاص انداز میں کام کرنے لگے۔ان صوفیوں کی بے نیازی اور گوشہ نشینی پر حکومت کو خطرہ ہوا تو علماء دربار کے ذریعہ شریعت وطریقت میں چلوا دی اور دار ورسن کا بازار گرم ہو گیا۔اہل طریقت کو اگرچہ ملزم گردانا گیا۔مگر یہ واقعہ ہے کہ تبلیغ اسلام کا سہرا ان ہی کے سر رہا۔ان کی گوشہ نشینی تقاضائے وقت تھی۔اس پر کسی طرح بھی رہبانیت کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔دنیائے اسلام کی رونق انہیں کے دم سے ہوئی۔صوفیاء کی تعلیم میں جان بوجھ کر یا نادانی سے کیڑے ڈالے جاتے ہیں۔مگر ان کا اصول واضح ہے۔نیت کی درستی ان کے یہاں اولین شرط ہے۔جس طرح نماز کے لیے وضو ضروری ہے۔اسی طرح وہ اثبات کو حاصل کرنے کے لیے نفی کو لازمی قرار دیتے ہیں۔اقرار وحدانیت بغیر معبودان باطل کی نفی کے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ہر قسم کے ظاہری و باطنی معبودان باطل کا موجد نفس ہے۔نفس ہی سب سے بڑا بت ہے۔اس کی خواہشیں اور آرزوئیں باطل ہوتی ہیں۔لا الہ سے انہیں سب کی مخالفت منظور ہے۔حجابات اٹھ جانے کے بعد الا اللہ کا جلوہ سامنے ہوتا ہے اور اسی کو نورانیت سے توحید خالص تک رسائی ہو جاتی ہے۔اور یہ مقام اتباع رسولؐ سے حاصل ہوا کرتا ہے۔صوفیوں کے یہاں نیت،قول اور عمل میں یکسانیت ظاہری و باطنی طور پر ہوا کرتی ہے۔اس اتحاد ثلاثہ کو حاصل کرنے کے لیے تصفیہ وتجلیہ ضروری ہے۔اس سے نفس

Marfat.com

فنا نہیں ہوتا بلکہ مہذب بن کر طاقتور بنتا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ انسان کے جسم میں ایک عضو ہے جس کے صالح ہونے سے تمام جسم صالح اور جس کے خراب ہونے سے کل جسم خراب ہو جاتا ہے اور وہ عضو دل ہے۔

دل کی مثال اس پر کی مانند ہے جو میدان میں پڑا ہوا ہوا کے جھونکوں سے قلابازیاں کھا رہا ہوں۔ جو پر ہوا میں اڑ جائے' اس کے سنبھلنے کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن جو پر اپنی جگہ رہ کر ہچکولے کھائے وہ قابل اصلاح ہے۔ ایسے دل کی اضطراری حرکات پر غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کی حرکتیں یمین وشمال اور فوق وتحت ہوتی ہیں اور یہ حرکات منفی بھی ہوتی ہیں اور مثبت بھی۔ انہیں حرکات کی کشمکش تذبذب اور شکوک کا باعث بنا کرتی ہے۔ اسی تذبذب کو یقین کی شکل میں ڈھالا جاتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ہر زمانہ میں ماحول اور علم کے مطابق کوشش کی جاتی ہے۔ منفی کو بکار آمد بنانے کے لیے مجاہدات کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ محض نصیحت وعظ وتلقین اور مضمون نگاری سے کام نہیں چلا کرتا۔ اسلام کی نمایاں اور امتیازی شان یہی ہے کہ اپنے نظریہ اوسط سے قلب کی منفی ومثبت حرکات کو صحیح اور متوازن بنانے کی تدبیر بتاتا ہے۔ ہر زمانہ کے مصلح کا کام یہی ہے کہ اس اصول کو مدنظر رکھ کر اپنی نگرانی میں احکام شریعت پر عمل کرنا سکھا دے۔ نماز' حج' زکوٰۃ حقیقت میں ام المجاہدات ہیں۔ انہیں کی تصحیح تعمیل وعادت دل کو دل بنا دیتی ہے۔ اہل مدرسہ منطق وفلسفہ کی قیل وقال میں مبتلا ہو کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔ بہر حال مدعا یہ ہے کہ حقیقی علم وہی ہے جو کشف وشہود سے حاصل ہو نہ کہ نظر وفکر وگمان پر مبنی ہو۔ صوفی یا ولی کوئی نئی شریعت نہیں لایا کرتا بلکہ کتاب وسنت پر عمل کرنے کے لیے نئی سمجھ لاتا ہے۔ پھر اپنے ماحول کو درست کر کے ایمان وعمل صالح کی تلقین کتاب وسنت کے مطابق کیا کرتا ہے۔ بدلے ہوئے زمانہ میں اس سمجھ کو نہ سمجھنے والے لکیر کے فقیر اور ہٹ دھرم ایسے شخص کی مذمت کیا کرتے ہیں۔ اب یہ بھی مسلمہ ہے کہ ہر فقیہ صوفی نہیں ہوتا لیکن ہر صوفی فقیہ ضرور ہوتا ہے۔

صوفیوں کے متعدد سلسلے مشہور ومقبول ہیں۔ ان کے مجاہدات کے طریقوں میں کچھ اختلاف بھی ہے اور یہ اختلاف ہر ملکے ہر رسمے اور مختلف الطبائع والمزاج ہونے کی وجہ سے ہے' ورنہ اصول ومقصد سب کا ایک ہے۔ انہیں سلاسل میں ایک سلسلہ چشتیہ بھی ہے۔ چشتی اپنی خصوصیات کی وجہ سے منفرد ہیں۔ وہ کسی جھمیلے میں نہیں پڑتے۔ ان کے یہاں کوئی درسی تعلیم نہیں۔ اسی واسطے غالباً حضرت خضر رومی قلندرؒ نے کہا تھا کہ ''چشتیاں خدا را مفت یافتند'' ان کے طرز طریقہ اور معمولات سے ان کی تعلیم کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مخالفت نفس ان کے یہاں جزو اعظم ہے اور اس کی تاکید قرآن عزیز میں فرمائی گئی ہے۔ محبت' ہم نشینی' اتباع وتقلید کے اصول انہوں نے حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے سیکھے ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرات صحابہؓ کی فضیلت صحبت رسول کی وجہ سے ہے۔ صحابہؓ رسول کی محبت میں فنا تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کرتے دیکھتے خود بھی وہی کرتے۔ اسوہ حسنہ پر اپنے ذاتی علم وتجربہ کو قربان کر دیا کرتے تھے۔ یہ جملہ خصوصیات اہل چشت نے ان ہی سے اخذ کی ہیں۔ ان کا عمل ہزاروں علموں کا ایک علم ہے۔ وہ مجاہدات کے ذریعے دماغ کو صاف کرتے ہیں۔ پھر دل کی تربیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس سلبی ومنفی طریق کا نام ان کی اصطلاح میں ''تزکیہ'' ہے۔ جب باطن کی اس طرح صفائی کر لی جاتی ہے تو لوح سادہ پر نقوش بناتے ہیں اور یہ نقوش صفات وملکات کہلائے جاتے ہیں۔ دل کی اس تربیت کو تجلیہ کا نام دیا گیا ہے۔ تزکیہ میں اگرچہ درود ووظائف اور نوافل سے کام لیا جا

ہے مگراس کی تکمیل محبت بھری آہ سوزاں سے کی جاتی ہے۔ یہ مقصد محض علم سے حاصل نہیں ہوا کرتا۔ تزکیہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اول آن بنیاد را ویران کنند۔ اس کے بعد تجلیہ کے ذریعہ عمارت کی تعمیر کی جاتی ہے۔ جب اس طرح مقصود الٰہی اور منشائے رسول سمجھ لیا جاتا ہے اور اپنے اندر جذب کر لیا جاتا ہے تو ''انابت الی اللہ'' حاصل ہو جاتی ہے اور یہی دراصل ''خودی'' کی تعریف ہے۔ ورنہ سب لفاظی ہے۔ اسی مقام میں اپنے آپ کو پہچان کر خدا کی پہچان کا مفہوم پورا ہوتا ہے۔ ایسے ہی حضرات شخصی و کائناتی زندگی کے معموں کو اشاروں اشاروں میں سمجھا دیا کرتے ہیں۔ ان معموں کو فلسفہ طے نہیں کر سکتا۔ فلسفہ تو یقین سے خود تشنہ ہے۔ صوفیہ کے علم و یقین کے سامنے علمی شکوک اور دینی شبہات کی کوئی حقیقت نہیں رہا کرتی۔

حضرات چشت کے مشرب ناب کو ہندوستان میں سب سے پہلے حضرت خواجہ بزرگ اجمیریؒ نے اپنی فراست و ذہانت سے بہترین طرز میں آب و تاب کے ساتھ شائع کیا تھا۔ (۷۴) انہیں کے سدا بہار چمن کے عطر بیز گل رعنا حضرت بابا صاحبؒ ہیں۔ چالیس برس کے مجاہدات شاقہ کے بعد جب فرائض سجادگی ادا کرنے پر آئے تو ان کی بیگانگی خلق خلقت آرائی سے بدل گئی اور محویت خودی نے تبلیغ کی صورت اختیار کر لی۔ گمنامی و بے نشانی کو انہوں نے پسند کیا۔ کسی نوعیت سے عزت و شہرت کے دنیوی طریقوں سے کام نہیں لیا اور نہ کسی طرح سے کوئی اشتہار دیا۔ سرکار و دربار سے ہمیشہ دور رہے۔ محبت و صحبت کے خاندانی اصولوں پر سلسلہ کی تعمیر خوشنما و عالی شان انداز میں پائیداری کے ساتھ کی اور فرقہ بندی کا خاتمہ کیا۔ سہروردی حضرات سے محبت و خلوص برتا۔ اس طرح ایک مرکز پر قائم کر کے سب کو خدا کے سامنے پیش کر دیا۔ ان کے قلب کی گرمی' نگاہ کی تسخیر' کلام کی شیرینی' اخلاق کی کرامت' صلاح و تقویٰ کی نورانیت اور بے ریا زندگی کی نفاست نے انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ مقبولیت خود ان کے قدموں پر نثار ہونے لگی۔ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک رفیع الشان چمکتے ہوئے مینارے تھے کہ دور دور تک ان کی روشنی پھیل گئی۔ ان کے خلفاء آفتاب و مہتاب کی طرح چمکے اور ان کی روشنی میں اللہ کے بندوں کو اللہ کا راستہ مل گیا۔ حضرت والا کے جمال و جلال دونوں اپنی نظیر نہیں رکھتے اور یہ جو کچھ بھی کیا وہ سب فی سبیل اللہ کیا اور رضائے الٰہی کی خاطر کیا۔

حضرت والا نے اجودھن میں ستائیس برس خدمت خلق کی اور اشاعت دین فرمائی۔ اس مدت کو سلطان المشائخ بدایونی کی بیعت سے پہلے اور بعد دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور اکیس سال کا ہے اور دور ثانی چھ سات برس کا ٹھہرتا ہے۔ ابتدائی دور کی تفصیلات پوری طرح نہیں معلوم۔ اگر وہ پردۂ خفا میں نہ ہوتیں تو وزنی' اہم' دلچسپ اور روح افزا ہوتیں۔ ملفوظات سلطان المشائخ بھی ابتدائی حالات سے خالی ہیں اور محدود ہونے کی وجہ سے اپنے قصور کی مقر ہیں۔ اجودھن میں دلی کی طرح خفیہ سازشیں اور منافقانہ سیاہ کاریاں نہیں تھیں۔ یہاں والے اپنی خود غرضیوں اور نفس پرستیوں میں مبتلا ہو کر اپنے اپنے خداؤں کو پوجتے تھے۔ ان کو غلط کار کہا جائے مگر اپنے اصول اور عقیدے میں پختہ اور مستقل تھے۔ بلا تخصیص مذہب' ابتداء میں یہاں والوں نے اجنبیت و غیریت برتی اور پھر مخالفت بھی کی۔ بعد کو کچھ لوگ قائل ہوئے۔ کچھ بے تعلق رہے۔ وہاں جوگیوں' ساحروں اور ملا سیانوں کا عمل و دخل تھا۔ شروع شروع میں معیار صحیح نہ سمجھنے کی وجہ سے معتقدین بھی تعلیم کو پوری طرح نہیں سمجھنے پائے۔ جب فیض صحبت نے آنکھیں کھول دیں تو سمجھے کہ وہ کس

Marfat.com

حماقت عظیم میں مبتلا تھے۔ اچھی طرح محسوس کر لیا کہ یہاں نہ دباؤ اور دھمکیوں سے کام لیا جاتا ہے اور نہ نام ونمود کے لیے کسی قسم کا اشتہار دیا جاتا ہے۔ سائلوں سے تکلف نہیں برتتے۔ سب کے ساتھ محبت واخلاق سے پیش آتے ہیں۔ فقر و عاجزی سے سلوک فرماتے ہیں۔ مصلحت اور حیلہ وجرأت سے کام نہیں لیتے۔ امارت ودولت کا یہاں گزر نہیں۔ معاوضہ و صلہ کا ذکر نہیں۔ بخشش عام ہے اور سب کو ہر طرح مطمئن کر دیتے ہیں۔ اپنے وقار کو قائم رکھنے کے لیے مقبولیت دیکھ کر مخالفین آستینیں چڑھا کر مقابل میں کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلے جوگیوں نے طبع آزمائی کی۔ پھر ساحروں نے ہاتھ پاؤں نکالے اور سب کے آخر میں مسلمان حاکم وقاضی نے اپنے اپنے جوہر دکھائے۔ لیکن سب کے سب خفیف ونادم ہوئے۔ اخلاق کریمانہ کے سامنے کسی کی کچھ نہ چلی۔

ایک کامل جوگی آزمائش کی غرض سے حاضر ہوا۔ اپنے دستور کے مطابق ڈنڈوت کرنے کے لئے سر زمین پر رکھا۔ لیکن پھر زمین سے سر نہ اٹھا سکا۔ تقاضا اور اصرار کرنے پر بھی جب نہیں اٹھا تو حضرت نے اپنے دست مبارک سے اسے سیدھا کھڑا کیا۔ اس کے بدن پر رعشہ تھا۔ آواز نہیں نکلتی تھی۔ تسلی دے کر اس کے علم وکمال کے متعلق استفسار کیا اور کہ بغیر کسی رعایت کے اپنے ہنر کا مظاہرہ کرے۔ اپنے جملہ کرتبوں کی ناکامی پر وہ منفعل ہوا۔ کمال بزرگی کا اعتراف کر کے شاگردی کی درخواست کی۔ اس سے کلمہ پڑھوایا گیا اور وہ داخل اسلام ہو گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حاضرین کو بتایا کہ مقابلہ کی غرض سے آیا تھا۔ جب اس نے زمین پر سر رکھا تو ہمارے دل میں خیال آیا کہ اٹھنے نہ پائے۔ اللہ کے کرم سے ایسا ہی ہوا اور اللہ نے راہ راست پر آجانے کی اسے توفیق مرحمت فرمائی۔

ایک ساحر نے ارمان پورے کیے۔ جادو کے اثر سے ضعف واضمحلال رہنے لگا۔ پتہ لگاتے لگاتے خدام شہاب الدین ساحر کی قبر کے اندر سے ایک پتلا نکال کر لائے جس میں سوئیاں چبھی ہوئی تھیں۔ ایک ایک کر کے جب سب نکال دی گئیں تو طبیعت کو سکون ہوا۔ حاکم اجودہن نے ساحر کو خدمت اقدس میں سزا کے لیے بھیج دیا مگر اسے سزا نہ دی اور معاف کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ساحر شہاب الدین ساحر کا لڑکا تھا۔

قاضی اجودہن سے جب نہ رہا گیا تو ملتان کے علماء سے فتویٰ طلب کیا کہ سماع سنتے ہیں اور مسجد میں سنتے ہیں۔ وہاں سے جواب آیا کہ ادب کرو۔ یہ جواب محض ادب وتعظیم کے لحاظ سے تھا تو علماء ملتان پر حرف آسکتا ہے۔ لیکن واضح ہوتا ہے کہ علمائے ملتان اباحت سماع کے قائل تھے اس لیے باز پرس نہیں کی اور قاضی کو تنبیہ لکھ کر بھیج دی۔

ایک مرتبہ کسی ملا نے فریاد کی کہ حاکم دق کرتا ہے۔ اس سے سفارش کر دی جائے۔ زبانی کہلا بھیجا کہ ملا بے قصور ہے۔ مگر حاکم نے پروا نہیں کی۔ بعد میں کہلا بھیجا کہ شاید مصروفیت کی وجہ سے اعتنا نہیں کی گئی یا ملا کے خلاف کسی صاحب اثر نے ظلم پر آمادہ کیا ہے جو ہمارے کہنے کو ٹال دیا۔ حاکم نے حاضر ہو کر تاخیر کی معافی طلب کی اور ملا کا کام بن گیا۔

کسی معتقد نے مسجد کے قریب گھر بنانے کے لیے اپنی زمین زبانی ہبہ کر دی۔ اس کے انتقال کے بعد ورثاء نے اس زمین پر دعویٰ عدالت میں کیا۔ عامل سخت گیر تھا۔ اس نے از راہ مخالفت حاضری کا حکم بھیجا۔ مگر اس کی سختیوں کے باوجود انہیں نہ جانا تھا اور نہ گئے۔ بالآخر غیب سے ثبوت فراہم ہو گیا۔ دعویٰ خارج ہوا اور حاکم منفعل ہوا۔

Marfat.com

جب عقیدت مندوں نے عظمت وشہرت کے لیے اور معاندین نے استہزا اور مذاق کی خاطر بے سروپا روایتیں گھڑنا شروع کیں تو ایک روز بھرے مجمع میں حضرت متوکلؒ نے ادب کے ساتھ دریافت کیا کہ سننے میں آیا ہے آپ نماز کے بعد ''یارب'' فرماتے ہیں تو غیب سے ''لبیک یا عبدی'' کی ندا آتی ہے؟ فرمایا غلط ہے۔ پھر پوچھا کہ ملاقات کے لیے آپ کے پاس خضر علیہ السلام آیا کرتے ہیں؟ جواب دیا۔ نہیں۔ اس کے بعد سوال کیا کہ مردان غیب آتے ہیں؟ مسکرا کر کہا کہ تم آتے ہو۔ تم ہی ابدال ہو۔ اس طرح لوگوں کی عجائب پسندی اور افترا پردازی کا منہ بند کر دیا۔ تا کہ فطرت و حقیقت سے پوری طرح آگاہی ہو سکے۔

ہر مہینہ کی چاندرات کو ہرکس وناکس مبارکباد پیش کرنے آیا کرتا تھا۔ شیخ الاسلام مصلے کے نیچے سے نکال کر ہر شخص کی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ دیا کرتے تھے۔ آنے والے نذرانے میں شیرینی بھی لایا کرتے تھے۔ اس کا ڈھیر لگ جاتا۔ لیکن وہ اسی وقت تقسیم کردی جاتی تھی اور کوئی بھی خالی ہاتھ واپس نہیں جاتا تھا۔

یہ تاریخی واقعہ ہے کہ ۶۲۳ھ/ ۱۲۴۵ء میں اوچ جاتے ہوئے سلطان ناصر الدین حاضر خدمت ہونا چاہتا تھا مگر الغ خاں نے باز رکھا اور سلطان کے بجائے مع لشکر کے دیہات کی معافی کا پروانہ اور زر کثیر نذر کے لیے الغ خاں خود اجودھن آیا۔(۷۵) فوج کی تعداد دیکھ کر یہ مناسب سمجھا گیا کہ گلی کی طرف آستین لٹکا دی جائے اور اس کو بوسہ دیتے ہوئے سپاہی گزر جائیں۔ جب آستین پارہ پارہ ہوگئی اور تکان محسوس ہوئی تو مسجد میں آکر فرمایا کہ میرے گرد حلقہ باندھ لیا جائے اور فوجی دور سے سلام کرتے ہوئے گزر جائیں۔ ایک قدیمی فراش نے عرض کیا کہ اللہ کی نعمت کا بہتر طریقہ سے شکر ادا کرنا چاہیے۔ تکلف وتقصیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی بات مان لی اور دست بوسی کی بھی اجازت دے دی۔ اس نظارے کے ختم ہوجانے کے بعد الغ خاں نے جاگیر کا پروانہ پیش کیا کہ یہ حضور کے لیے ہے اور نقدی نذر کی کہ فقراء میں تقسیم کر دی جائے۔ فرمایا نقدی مجھے دو ہم سب فقیر آپس میں بانٹ لیں گے اور پروانہ واپس لے جاؤ۔ اس کے ضرورت مند تمہارے یہاں اور لوگ ہیں۔ اتنے میں الغ خاں کے دل میں خیال گزرا کہ اگر مجھے وارث سلطنت بنا دیئے جانے کی دعا کر دیں تو میرا کام بن جائے۔ اس قلبی خطرے کے جواب میں خود بخود فرمادیا۔

فریدون فرخ فرشتہ نہ بود ۔۔۔ زعود و ز عنبر سرشتہ نہ بود
ز داد و دہش یافت آں نیکوئی ۔۔۔ تو داد و دہش کن فریدوں توئی

الغ خاں نے سر نیاز قدموں پر رکھ دیا۔ نصیحت گرہ میں باندھ لی۔ سخاوت میں مشہور ہوا اور غیاث الدین بلبن کے نام سے تخت نشین ہوا۔ ابتداء میں وہ شراب کا عادی تھا لیکن سلطان بن کر وہ ان باتوں سے تائب ہوا اور سختی کے ساتھ مذہب کی پابندی واشاعت کی۔

ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریاؒ دولت وروحانیت کے ذریعہ دین اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے اور مخلوق ان کے دربار میں کھنچی چلی آتی تھی۔ لیکن اب اجودھن میں بھی ہر کہ ومہ حاضری دینے لگا۔ یہاں بغیر شان ریاست کے محض فقیرانہ شان سے دین ودنیا کو آراستہ کرنے کے طریقے سکھائے جاتے تھے اور بغیر کسی تکلیف کے سیدھی سادی طرح روشنی پہنچائی جاتی تھی۔ دل کشی اور دلچسپی کا باعث اخلاق کریمانہ تھا۔ ارشادات ولطائف تھے۔ حدیث واسوہ حسنہ کا ذکر والہانہ

Marfat.com

انداز میں کیا جاتا تھا۔ بزرگان دین کے حالات سنا کر اتباع کی تاکید کی جاتی تھی کہ علم کو عمل کیسے بنایا جاتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ تلاوت اور حفظ قرآن کے اصول وفوائد سکھائے جاتے تھے اور روحانیت سے تسخیر کی جاتی تھی۔ حاضرین و معتقدین کے ساتھ اتنی خاکساری فرمائی جاتی تھی کہ تکلف باقی نہیں رہتا تھا۔ اپنی کوئی اچھی بات بتاتے تو یوں فرماتے کہ ایک درویش نے ایسا ایسا کیا اور ادب سکھانے کے لیے اپنی کسی کوتاہی کا ذکر کرتے تو صاف کہتے کہ ہم سے ایسی ایسی غلطی سرزد ہوئی۔ ہر شخص کی داستان اور مصائب کے احوال اس طرح سنتے جیسے کہ خود ان پر بیت رہی ہے اور تسلی دیتے وقت اپنا دل نکال کر پیش کر دیتے۔ ان کی ہمدردیوں سے غم غلط ہو جاتا اور اطمینان مل جاتا۔ ایسی پُرخلوص محبت کسی کو اپنے عزیز قریب میں بھی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

قیام وطعام کا جماعت خانہ میں انتظام وانصرام تھا۔ صوفیوں اور درویشوں کی دیکھ بھال خدام کے علاوہ بی بی رانی جیسی چند بیبیاں بھی کرتی تھیں۔ (۷۶) تعلیم کی اشاعت اور تبلیغ کی تکمیل جب کمال پر پہنچی تو اس نواح کے جملہ اقوام مثلاً میو، وٹو، راجپوت، سیال، نون، ٹوانہ، گوندل، کمبوہ یا بقول ''جواہر فریدی'' سیال، سرہنگ، دالیان، بہلیاں، ادھکان، جھکر والیان، یا کان، سیان، کھوکھران، ددھیان اور توبیان۔ سب کی سب مرید ہو کر داخل اسلام ہو گئیں۔ سلسلہ تبلیغ برابر جاری رہا اور بہار آ گئی۔ ساتھ ہی مریدوں کی تعلیم بھی برابر ہوتی رہی۔ غرض اس طرح دور اول کی کامیابی مسلم ہو گئی۔

یہ ''دست بکار'' کے حالات اپنے پیچھے ''دل بہ یار'' کے واقعات بھی رکھتے ہیں۔ ان کی اہمیت اتنی شاندار ہے کہ عقل حیران ہو کر رہ جاتی ہے۔ بغیر اسباب کے بے سروسامانی میں فراغت نصیب ہونا اور خانگی زندگی کا صحیح وسلامت رہنا اعجوبہ روزگار کرامت ہے۔ اپنے ذاتی اور وسیع خاندان کے علاوہ بھائی، ہمشیرہ اور بعض معتقدین کے گھر والوں کی ذمہ داری اپنے ہی سر تھی۔ ہمشیرہ اپنے فرزند کو بچپن ہی سے ان کے سپرد کر گئی تھیں۔ سید قیام الحق نے جب سفر آخرت اختیار کیا تو ان کی بیوہ کو اپنے عقد میں لے آئے اور ان کے کم سن بچے نصیر الدین کو متبنیٰ بنا لیا۔ حضرت متوکلؒ کے کفیل وہی تھے۔ مولانا بدرالدین اسحٰقؒ بھی شامل خاندان کر لیے گئے تھے۔ ۶۵۰ھ میں اپنی صاحبزادی بی بی فاطمہ کی شادی ان سے کر دی تھی۔ بی بی خاتون بیگم کی اولاد کثیر تھی۔ ان سب کی تعلیم وتربیت اور شادی وغمی کی رسمیں خوش اسلوبی سے ادا ہوتی تھیں۔ حاکم اجودہن بر سر پرخاش تھا۔ خاندان بھر کو ستاتا تھا۔ کسی فساد میں صاحبزادے عبداللہ جو نابالغ تھے، شہید کر دیئے گئے۔ صاحبزادوں نے اس کی شکایت بھی کی۔ مگر صبر کی فرمائش کر دی گئی۔ آخر کار وہ اپنے کسی معاملہ میں ماخوذ ہو کر کیفر کردار کو پہنچا۔ (۷۷) اب گفتنی نہیں ہے۔ مگر سمجھنے کے لائق ہے کہ دنیا بھر کے لیے لنگر جاری تھا۔ لیکن اہل وعیال کی فاقوں میں گزرتی تھی اور ایسے فاقوں میں کہ تصور محال ہے۔ ایک مرتبہ اہلیہ صاحبہ نے اطلاع دی کہ بھوک سے بچہ قریب مرگ ہے۔ فرمایا مرضی مولا۔ اسے لے جا کر دفن کر دو۔ یہ سن کر ماں کے قلب پر کیا گزری ہو گی۔ مگر انہوں نے بجائے شکایت کے صبر سے کام لیا۔ عسرت کی اس دردناک تصویر میں قناعت واستغنا کا نقشہ موجود ہے۔ پھر طرہ یہ ہے کہ گھر والوں کی احتیاج پر کوئی شکایت نہیں ہوئی اور نہ انہوں نے مرثیہ خوانی کی۔ اتحاد وسکون میں ذرا فرق نہیں آیا۔ ناگواری کی کوئی روایت آج تک کانوں نے نہیں سنی۔ یہ داستان افسوسناک اور عبرت انگیز ہو سکتی ہے۔ مگر جذبات سے گزر کر حقیقت پر غور کیا جائے کہ سلسلہ چشتیہ میں کم خوری وکم خوابی تعلیم کا جزو اعظم سمجھی جاتی ہے۔ اور یہ بات صحیح ہے کہ فقر وفاقہ کا جوڑ بھی ہے۔

Marfat.com

مگر اس توجیہ واستدلال کو محض تاویل سمجھا جائے تو ظاہر ہے کہ عام جسمانی بیماریوں میں بھوک اور نیند جاتی رہتی ہے۔ اب اگر سابقہ ہو آزار عشق سے اور عشق بھی ہو حقیقی تو فاقہ خود دوا بن جاتا ہے اور نیند غائب ہو کر یاد محبوب کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ کم خوابی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریض عشق بے تکلف عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کیا کرتے ہیں اور انہیں اونگھ تک نہیں آتی اور نہ ان کے پلک جھپکتے ہیں۔ (۷۸) کہتے ہیں کہ بیماری میں خدا یاد آ جاتا ہے۔ لہٰذا ہر وقت اور مسلسل بندۂ عشق یاد خدا میں محو ومستغرق رہے تو تعجب نہیں اس نکتہ کو ذہن نشین کر لینے کے بعد سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ فاقے جبری نہیں تھے۔ بلکہ خود اختیاری تھے۔ لہٰذا ان خود اختیاری فاقوں سے روحانی عظمت وکرامت کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے مجنوں باشی کی شرط ہے۔ ورنہ پیٹ بھرے دنیا میں آلودہ اس کو محسوس نہیں کر سکتے۔ غرض گھر کا گھر اللہ والا تھا۔ اس فضل الٰہی پر بس یہی کہا جا سکتا ہے

ہر تنک حوصلہ شایستہ رسوائی نیست

جو لوگ روز ازل میں شے لطیف کی تقسیم کے وقت غیر حاضر تھے یا وہ لوگ جو مجاہدات کو عادت یا ورزش سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے' ان کا گمان ہے کہ رحلت سے پہلے حضرت والا کی عسرت انتہا کو پہنچ گئی تھی اور گھر بھر کی فاقوں میں بسر ہوتی تھی۔ اسی سبب سے انہوں نے قیاس کیا کہ شاید فتوحات کا سلسلہ بند ہو گیا تھا اور اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں حضرت محبوب الٰہیؒ صاحب کا بیان پیش کرتے ہیں کہ آخری مرتبہ جب انہیں رخصت کیا تھا تو باوجود عسرت کے ایک اشرفی مرحمت فرمائی تھی جو ''سیر الاولیاء'' کے مطابق ادب کے ساتھ واپس کر دی گئی تھی۔ یہ روایت کتنے ہی ثقہ راوی کی ہو اور کتنی ہی مستند کتاب ''اخبار الاخیار'' سے نقل کی گئی ہو' غلط ہے اور روحانیت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ معلوم نہیں پرانے اہل قلم کی بر بنا ادب وتعظیم کیسی سوجھ بوجھ تھی کہ درویش کے بوریئے کو تخت شاہی بنا دیتے تھے اور قناعت کو عسرت سے تعبیر کر دیا کرتے تھے۔ اب مقام غور ہے کہ جو پیسے کو اپنے پاس نہیں رکھتے تھے' جو فتوحات کو فوراً تقسیم کر دیتے تھے اور جن کو اندوختہ رکھنے کی عادت نہیں تھی ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک اشرفی چھپائی رکھی تھی جو محبوب الٰہیؒ کو زاد راہ کے طور پر دے دی گئی۔ جب روزے اور فاقے ان کی زندگی کا جز تھے تو ان کو عسرت سے تعبیر کرنا چہ معنی دارد۔ آخر عمر میں اگر ان روزوں اور فاقوں میں زیادتی ہوئی تو قرین عقل ہے۔ صوفیہ کا مقصد زندگی ہی یہی ہے کہ اخلاق الٰہی حاصل کریں۔ سورۃ انعام کی آیت نمبر ۱۴ ہے کہ:

و ھو یطعم و لا یطعم

اللہ تعالیٰ کھانے سے پاک ہے اور دوسروں کو کھلاتا ہے

اس اخلاق الٰہی کو حاصل کرنے کی کوشش کو عسرت نہیں کہا جا سکتا۔ اب اگر آخر عمر میں خوراک جاتی رہی تھی یا حد سے زیادہ تخفیف ہوئی تو قاعدے کے اندر ہوئی۔ ظاہری دنیا سے تعلق کم ہوتا گیا۔ روح معراج پر پہنچنے لگی۔ تمام توجہ اللہ کی طرف ہو گئی اور دوسروں کی تواضع اسی نسبت سے زیادہ کی جانے لگی تو یہ اخلاق الٰہی سے مزیّن ہو جانے کی دلیل ہے۔ اس کو عسرت خیال کرنا اور عسرت کو فتوحات کے بند ہو جانے پر محمول کرنا فضول سی بات ہے اور قابل مضحکہ ہے۔ دنیا کی ہر قوم اور ہر ریاست اور اس کے افراد غذا اور پوشش کے زیادہ سے زیادہ اسباب فراہم کرنے کو اپنی ترقی وعظمت خیال کرتے

ہیں۔ لیکن یہی کوشش جنگ و جدال کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ فراہمی اسباب کے لیے صلح و آشتی بھی فریب سے خالی نہیں ہوا کرتی کیونکہ ہر معاہدہ ذاتی مفاد کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اب اگر ذاتی مفاد کے بجائے فراہمی اسباب کی کوشش میں دوسروں کی فلاح و بہبود کا تصور ہو تو امن و ترقی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ احسان کا بدلہ احسان ہے۔ لہٰذا ترقی کے اسباب سے کوئی بھی محروم نہیں رہ سکتا۔ مردِ آخر بیں مبارک بندۂ ایست۔ اگر اس میں شک ہو تو صوفیہ کا مسلک نظر کے سامنے ہے اور یہ قرآن و سنت پر مبنی ہے۔ صوفی کسی قسم کی خدمت بھی اپنی ذاتی منفعت کے لیے نہیں کیا کرتا۔ چنانچہ مشہور ہے دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند۔ تقسیم دولت کے متعلق اشترا کی معیار اور اسلامی اصول میں یہی فرق ہے اور قابل لحاظ ہے۔ اس اسلامی اصول کو دنیا نے کبھی سمجھا تھا مگر اسے بھلا دیا گیا۔ لہٰذا جہانبانی و جہانداری تعویق میں پڑ گئی۔ ایک ڈاکو اور ایک بادشاہ میں محض رسموں کا فرق رہ گیا ہے۔ ورنہ حقیقت میں خصائل دونوں کے ایک ہیں۔ حضرت والا نے اسلامی اصول کو نباہ دیا اور نمونہ بن کر ہر ممکن طریقہ سے اسی کی تبلیغ فرمائی۔ چنانچہ مقبولیت میں جتنی فراوانی ہوئی' فتوحات میں بھی اتنی ہی ترقی ہوئی اور اسی نسبت سے ان کی کم خوری اور تن پوشی کی بے نیازی میں بھی زیادتی ہوتی چلی گئی۔ اس حالت اور کیفیت کو عسرت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ اب رہا حضرت محبوب الٰہی کا اشرفی کو واپس کر دینا تو یہ حرکت کسی ادنیٰ مرید سے بھی سرزد نہیں ہو سکتی۔ مرشد کا عطیہ کسی نوعیت سے واپس کر دینا بدترین قسم کی گستاخی ہے۔ اس کے علاوہ اشرفی زادِ راہ کب تھی۔ بلکہ روحانی کمال کا حصہ بصورت اشرفی دیا گیا تھا۔

والدہ صاحبہ کے متعلق بتایا گیا ہے کہ کھوتوال سے لانے کے لیے حضرت متوکلؒ کو بھیجا گیا تھا۔ اثنائے راہ میں ضعیفہ کو ایک درندہ اٹھا لے گیا۔ بڑی تلاش و جستجو کے بعد ہڈیاں جمع کر کے لائے تھے۔ لیکن کشفی تذکرہ کا بیان ہے کہ صحیح و سلامت اجودہن آ گئی تھیں اور ان کا وصال ۶۴۱ھ میں ہوا تھا۔ قبر کا پتہ نہیں۔

''جواہر فریدی'' کے مطابق والدہ صاحبہ کا وصال اس وقت ہوا تھا جب کہ ابتدائے عمر میں بمقام کھوتوال حضرت والا نے قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ (لیکن یہ روایت متعدد وجوہ سے ضعیف و غلط ہے) واللہ اعلم۔

اجودہن کے قیام کا دور ثانی قلیل ہے مگر دقیع ہے۔ اب لوگ اصول تعلیم سے واقف ہو گئے تھے۔ روحانیت کی مقبولیت و ترقی اپنے اوج پر تھی۔ اس کی تفصیل کسی قدر ''فوائد الفواد'' اور ''سیر الاولیاء'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ان حالات کے راوی براہ راست سلطان المشائخ ہیں۔

ایک خاص مرید محمد شاہ غوری پریشان حال' حواس باختہ اور مضطربانہ حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میرا بھائی جاں بلب ہے۔ حضور دعا فرمائیں۔ ممکن ہے کہ وہ جاں بحق بھی ہو گیا ہو۔ اسے بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے پاس بٹھا لیا۔ فکر و غم غلط کرنے کے لیے مختلف پُر لطف باتیں کرنا شروع کر دیں۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا' جو کیفیت یا اضطراب کی اس وقت تم پر طاری ہے۔ ایسی ہی کیفیت ہر وقت ہم پر مسلط رہتی ہے۔ (۷۹) اس میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ مرضی الٰہی پر صبر کرنا لازمی ہے۔ رحمت حق سے مایوسی کفر ہے۔ راحت تکلیف کے بعد ہی ملا کرتی ہے اور اللہ فضل فرماتا ہے۔ بس جاؤ۔ اپنے بھائی کو دیکھو۔ بفضلہٖ وہ صحیح ہے۔ اسے موت کی بیماری نہیں تھی۔

محرم کی چاند رات کو حسب معمول کثیر مجمع تھا۔ مراقبہ جو کیا تو ذکر کرتے کرتے بیہوش ہو گئے۔ ہوشیار ہو کر

Marfat.com

عبداللہ محمد خلجی کو بتایا کہ ابھی بھائی بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کا وصال ہو گیا۔ پھر سب حاضرین نے اسی وقت جنازے کی غائبانہ نماز ادا کی۔ (۸۰) بعد میں اس کی تصدیق بھی ہو گئی۔

حضرت علاء الدین موج دریاؒ (۶۱۹ھ-۶۲۹ھ) حضرت بدرالدین سلیمانؒ کے صاحبزادے تھے۔ بچپن میں ایک روز سجادہ پر آ کر بیٹھ گئے۔ شیخ عیسیٰ نے ہٹانا چاہا۔ مگر شیخ الاسلام نے فرمایا

''بگزار تانشستہ باشد''

چنانچہ ان انفاس متبرکہ کی برکت سے اپنے والد کے وصال کے بعد بعمر سولہ سال سجادہ پر متمکن ہوئے۔

ایک مرتبہ کسی خاص موقعہ پر کسی خاص جذبہ میں اپنے متعلق فرمایا کہ چالیس سال تک جو کچھ اللہ جل شانہ نے فرمایا وہ بندۂ مسعود نے کیا۔ اب چند برس سے مسعود جو درخواست کرتا ہے باری تعالیٰ اسے پورا کر دیتا ہے۔ یہ ارشاد منزلت کے اظہار کے لیے کافی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے ''رضی اللہ عنہم و رضوعنہ۔'' یہ شان عطا ہے۔ اسی آیت پاک کا آزاد ترجمہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کیا ہے۔ (۸۱)

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

تسلیم کامل کا یہی انعام ہے جس کا اظہار عجز' بندگی اور ادب کے ساتھ شیخ الاسلام نے کیا۔ بندے کو مشیخیت و دعویٰ موزوں نہیں۔

۲۔ مشاغلی

مرید و مرشد کے درمیان جو معاہدہ ہوتا ہے اس کو بیعت کہتے ہیں۔ مرید وعدہ کرتا ہے کہ ہدایتوں پر عمل کروں گا۔ مرشد راہ مستقیم دکھانے کی ذمہ داری لیتا ہے۔ مگر قیام و استحکام کے لیے مرید کی استعداد شرط ہے۔ (۸۲) حضرت شیخ کبیرؒ معاہدہ کے بعد سب سے پہلے مرید کے پندار' عجب' ناز و خود پسندی کا قلع قمع کیا کرتے اور حسی و عقلی علوم کو راہ سلوک میں حائل نہ ہونے دیتے۔ سلوک میں نفس کی اصلاح ضروری ہے۔ نفس کی نفسانیت ہی خرابی کا باعث ہوتی ہے۔ لہٰذا خواجگان چشت کا پہلا اصول یہ ہے کہ نفس کا کہنا نہ مانا جائے۔ پھر لاریبی علم سکھا کر صحیح راستے پر ڈال دیتے ہیں۔ لاینفع علم کی فضولیات میں وہ مرید کو نہیں پڑنے دیتے۔ مرید کے لیے یہی منزل سخت کڑی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ کسی ہم سبق نے شیخ الاسلام سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے علم سے کیا فائدہ حاصل کیا تو جواب میں فرمایا کہ خواندن برائے عمل است۔ ہمیں قدر کافی است کہ می خوانند و عمل کنند۔

لیکن جن مریدوں کو اپنے خاص کام کے لیے منتخب کرتے ہیں کہ اشاعت و تبلیغ کا کام کریں اور خلافت کے اہل ہوں تو ان کو انہیں اصولوں پر خاص طور پر کستے ہیں اور اچھی طرح کاڑھتے ہیں۔ چنانچہ ابتدائی دور میں جمال ہانسوی' منتجب الدین متوکل' علی احمد صابر' یوسف' حمید اور بدر الدین اسحٰق وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین پر مختلف طریقوں سے ہر ایک کی فطرت کے مطابق خصوصی توجہ فرمائی۔ مشاغلی کی تفصیل نہیں معلوم۔ لیکن ان حضرات کے احوال سے قیاس کی جا سکتی ہے۔ آخری دور میں شیخ نظام الدین اولیاء بدایونیؒ اور شیخ عارفؒ وغیرہ پر توجہ مرتکز کی تھی۔ سلطان جی نے خود اپنے واقعات بتائے

Marfat.com

ہیں اور مشاطگی کا نقشہ کھینچا ہے۔ لہٰذا پوری کیفیت کی وضاحت ان سے ہی معلوم ہو جاتی ہے اور حضرت والا کا طریق وطرز سمجھ میں آ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ابوخراط نامی قوال نے بدایوں آ کر حضرت زکریا ملتانیؒ اور شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کا ذکر سنایا تھا۔ یہ ذکر پاک سن کر بھی شیخ الاسلام سے خود بخود عقیدت پیدا ہو گئی۔ اس وقت سے ہر نماز کے بعد دس مرتبہ اسم ''شیخ فرید الدین'' کا ورد کیا کرتا تھا۔ میری محبت اور ارادت کا حال جب میرے یاروں کو معلوم ہوا تو وہ حضرت کی قسم لینے کے بعد میری بات کا یقین کیا کرتے تھے۔ جب میرا دہلی جانا ہوا تو حضرت نجیب الدین متوکلؒ کے مکان کے قریب قیام ہوا۔ ان سے حضرت بابا صاحبؒ کے حالات سن کر اشتیاق میں اور بھی زیادتی ہوئی۔ چار برس کے بعد فارغ التحصیل ہو کر حضرت متوکلؒ سے عہدہ قضاء حاصل کرنے کے لیے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا۔ ''انشاء اللہ تو ہرگز قاضی نشوی۔ اما چیزے دیگر شوی کہ من می دانم۔'' اور فرمائش کی کہ اجودہن میں شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضری دوں۔ جب اجودہن پہنچا تو دیکھتے ہی ارشاد ہوا

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

یہ گویا جواب تھا ہر نماز کے بعد حضرت کے اسم گرامی کے ورد کرنے کا اور یہ بھی بتایا کہ میں خلافت کسی اور کو دینے والا تھا مگر الہام ہوا کہ ٹھہرو نظام الدین آتے ہیں۔ گویا مرشد بغیر مرضی الٰہی دریافت کئے ہوئے کسی کو از خود خلافت نہیں دیا کرتا۔

فاضل اجل اور علم متبحر سلطان جی سے پہلی ہی ملاقات میں کہا کہ چند کتابیں ہم سے بھی پڑھنا پڑیں گی۔ یہ ارشاد قطعی غیر متوقع تھا۔ اب کمال واستعجاب یہ ہے کہ پوچھا گیا کہ سورۂ فاتحہ یاد ہے پڑھ کر سناؤ۔ جب سنائی تو فرمایا کہ ولا الضالین اس طرح پڑھو جس طرح میں پڑھتا ہوں۔ ضاد کو صحیح طور پر ادا کرنا چاہیے۔ اعتراف کرتے ہیں کہ

''ایں چہ بلاغت وفصاحت بود۔ شیخ الاسلام ضاد بنوعے خواند کہ ہیچ کس را میسر نشود'' (اسرار الاولیاء)

اس امتحان کے بعد آئندہ ''عوارف'' کے پانچ باب' تمہید سالمی اور قرآن عزیز کے چھ پارے کامل تجوید کے ساتھ پڑھائے جس طرح ایک مبتدی کو پڑھائے جاتے ہیں۔ ''عوارف المعارف'' پڑھانے کا قصہ ملفوظات میں محفوظ ہے۔ خود کہتے ہیں کہ ہم سے حضرت شیخ میں ایک گستاخی ہو گئی تھی۔ یہ اقرار اور اس کا اظہار معصومیت' احترام اور ادب کی جان ہے۔ اس کی تفصیل آٹھ دس سطروں میں قلمبند کی ہے۔ پڑھنے والا معمولی بات سمجھ کر آگے بڑھ جاتا ہے مگر غور کرنے والا اور سمجھنے والا اس پر گھنٹوں اپنا سر دھنتا ہے۔ انہیں چند سطور کے بین السطور میں راز حقیقت بند ہے۔ اپنی کتاب ''نظام تعلیم وتربیت'' کے حصہ دوم میں مولانا مناظر احسن گیلانی نے جس پیرایہ میں تشریح کی ہے وہ لاجواب اور وجدانی ہے اور وہ یہ ہے:

''مولانا بحاث'' اور ''محفل شکن'' کے خطابات لے کر ''مولانا نظام الدین'' کے نام سے سلطان جی شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ پہلا کام شیخ نے یہی کیا کہ باوجود سب کچھ لکھ پڑھ چکنے کے' حکم دیا کہ نظام تمہیں کچھ کتابیں مجھ سے بھی پڑھنا پڑیں گی۔ اسی بنیاد پر ''عوارف'' کا سبق شروع ہوا۔ غالباً چند ہی اسباق پڑھے ہوں گے کہ سلطان المشائخ فرماتے

Marfat.com

ہیں کہ جو نسخہ ''عوارف''(۸۳) کا شیخ کبیر کے ہاتھ میں تھا۔ ''ہمانا کہ نسخہ بود باریک نوشتہ یا سقیم گونہ۔'' یعنی اس نسخہ کا خط باریک تھا یا اس کی لکھائی اچھی نہ تھی۔ ہوا یہ کہ ''شیخ را درمیان مکثے بود۔'' یعنی شیخ کبیر بعض مقام پر اٹکنے لگے۔ بیچارے بوڑھے آدمی۔ وہ تو اس کی عبارت میں غور کررہے تھے۔ اُدھر جوان عالم و جوان علم کے خون میں جوش آیا۔ سلطان جی کا بیان ہے کہ ''من نسخہ دیگر بخدمت شیخ متوکلؒ دیدہ بودم۔'' لہٰذا اسی ''دیدہ بودم'' کے ذریعہ اپنی وسعت نظری کا اظہار فرمایا کہ میں نے شیخ کبیر کے سامنے بایں الفاظ کہا کہ ''شیخ نجیب الدین متوکل نسخہ صحیح دارد بس۔'' ''دیدہ بودم'' کے علم کا ادھر سے اظہار ہوا اور دوسری طرف سے ایک آواز جس میں ہیبت ملی ہوئی تھی، سلطان المشائخ کے کان سے ٹکرانے لگی کہ ''درویش را قوت تصحیح نسخہ سقیم نیست۔'' ایک دفعہ نہیں، بار بار شیخ کبیر اسی فقرے کو دہراتے رہے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہیں آیا کہ یہ اشارہ کس طرف ہے لیکن چند بار مکرر سہ کرر یہی الفاظ شیخ کبیر کی زبان مبارک سے نکلتے رہے تو جماعت کے دوسرے ساتھی مولانا بدرالدین اسحٰقؒ نے اشارہ کیا کہ خطاب تمہاری طرف ہے۔ یہ سن کر سلطان جی کے ہوش اڑ گئے۔ فرماتے ہیں کہ ''سر برہنہ کردم ودر پائے شیخ افتادم۔'' شیخ کبیر کے قدموں پر ''محفل شکن مولانا بحاث'' کا سر پڑا ہوا تھا۔ کہتے جاتے تھے کہ ''نعوذ باللہ منہا کہ مرا مقصود ازیں سخن کنایتے بہ مخدوم بودہ باشد۔'' یہ سمجھے کہ شیخ کبیر نے شاید میرے بیان سے کہ شیخ نجیب الدین کا نسخہ صحیح ہے۔ اپنی اہانت محسوس کی۔ اسی کی معافی وہ چاہ رہے تھے حالانکہ واقعہ کچھ اور تھا۔ فرماتے ہیں میں عرض کررہا تھا۔ ''من نسخہ دیدہ بودم ازاں حکایت کردم۔ مرا اصلاً چیزے دیگر در خاطر نہ بود۔'' مگر اسی ''دیدہ بودم'' کے پیچھے تو وہ بات چھپی ہوئی تھی جس پر قیامت برپا ہوئی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ''من معذرت کردم۔ اثر بے رضائی ہمچناں در شیخ می دیدم۔'' جرم ناقابل عفو قرار پایا۔ سب کچھ تج کر جو کسی کے آستانے پر آیا تھا اس کو صرف ایک ''دیدہ بودم'' کے دعوٰی نے اس حال میں پہنچا دیا۔ اب صادق و کاذب طلب میں امتیاز کا وقت آ گیا۔ دنیا دیکھ رہی تھی کہ مولانا نظام الدین کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ کیا مولانا بحاث و محفل شکن ہی کے لقب کو لے کر دنیا سے واپس چلے جائیں گے۔ جیسے لاکھوں ہی بحاث اور محفل شکن آئے اور چلے گئے یا مشائخ کے سلطان کا جو تخت خالی ہے اس پر قدم رکھنے کی ہمت کرتے ہیں؟ یہ اپنے اپنے حوصلہ کی بات ہے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

چند کلیاں جوان کے ہاتھ میں تھیں، وہ انہوں نے پھینک دیں اور اپنی تنگ دامانی کے علاج کے آخری فیصلہ پر ڈٹ گئے۔ ظرف کے چھوٹے ہوتے تو کہہ سکتے تھے کہ بھلا میرا کیا قصور ہے۔ میں نے غلطی ہی کہاں کی ہے۔ ایک اچھے نسخہ کا علم تھا اسی کا اظہار کیا تھا اور بس۔ پھر اس پر اتنی برہمی کے کیا معنی؟ یہی شوشہ اگر سامنے آ جاتا تو وہی لمبی لکیر بھی بن سکتا تھا۔ اتنی لمبی کہ شیطان کی آنت بھی اس سے چھوٹی ہوتی۔ یعنی کہا جا سکتا تھا کہ بڑھاپے میں دماغی توازن صحیح نہیں رہا ہے۔ مزاج میں تندی اور غصہ ہے۔ العیاذ باللہ۔ آگے بڑھ کر اسے نفسانیت کا ثبوت بھی قرار دیا جا سکتا تھا۔ بلکہ دین کی آڑ لے کر سلطان جی چاہتے تو اسوۂ حسنہ نبویہ کے معیار پر شیخ کبیر کے اس طرز عمل کو کھوٹا بتا کر لوگوں کو دکھا سکتے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ اپنا علاج کرانے آئے تھے۔ شیخ کبیر کی کمزوریوں کا علاج اجودھن آنے سے مقصود نہ تھا۔ یہ طے کر چکے تھے کہ یہ معالج

Marfat.com

طبیب حاذق ہے۔اس کے بعد انہیں تنقید کا حق ہی باقی کب رہا تھا۔ بہر حال فرماتے ہیں کہ شیخ کبیر کی بے رضائی کو ایک ہی حال میں پا کر مجلس سے مایوس اٹھا۔''برخاستم وندانستم چہ کنم' ندانستم چہ کنم۔'' یہ الفاظ اس شخص کی زبان سے آج اجودہن میں نکل رہے ہیں' جو کل تک ہر محفل میں ہر سوال کا جواب دے کر محفل کا رنگ بگاڑ دیتا تھا۔آج اس کی قابل رحم نادانی اور چہ کنم کا یہ حال ہے۔

فرماتے ہیں:''مبادا ہیچ کس را آں چناں غم کہ مرا آں روز بود۔'' دماغ میں جواب پیدا ہونے کی جگہ دل میں غم کی لہریں اٹھنے لگیں اور کیسی لہریں جن کی کسک آخری وقت تک نہیں بھولے۔دعا کرتے تھے کہ خدا کسی پر ایسا سخت دن نہ لائے اور ایسے غم میں کسی کو مبتلا نہ کرے۔دل کے اس درد اور سینہ کی اس سوزش کا علاج اس کے سوا اور کیا ہوسکتا تھا جو ہمیشہ غم دیدوں کا آخری علاج ہے۔خود ہی فرماتے ہیں کہ''گریہ درمن افتاد۔''اور یہی گریہ اصل مقصود تھا۔جس سے سب کچھ ڈھل جاتا ہے جسے وہ اپنے ساتھ دلی سے' دلی کے مدرسوں سے لائے تھے۔روتے تھے۔روتے جاتے تھے۔کوئی چپ کرانے والا بھی نہیں تھا۔جب تک رونا ممکن تھا روتے رہے۔آنسوؤں کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔اب کیا کروں۔فرماتے ہیں''مضطرب وحیراں بیروں آمدم۔'' سننے والے سن رہے تھے کہ'بیروں آمدم' کن ارادے اور کس قصد سے ہوا ہے۔شیخ نجیب الدین نسخہ صحیح دارد۔صرف علم کے اس دعوے نے آج رونے والے کو حجرے سے باہر نکالا ہے۔اس لیے باہر نکالا ہے کہ''تا برسیدم برسر چاہے۔'' کیا پانی پینے کے لئے؟ کیا منہ دھونے کے لئے؟ غم کی گرمی میں ٹھنڈک پیدا کرنے کے لیے''برسر چاہے'' رسائی ہوئی ہے؟ انہیں سے سنئے جو اس کنوئیں کے کنارے آکر کھڑے ہوئے ہیں۔''خواستم کہ خود را دریں چاہ اندازم۔'' معالج نے علاج سے انکار کیا ہے۔اس مریض سے پوچھئے جو طبیب سے آخری جواب لے کر واپس ہوا ہو۔نور اللہ ضریح السعدی حیث قال۔

ماجرائے دل دیوانہ بگفتم بہ طبیب
کہ ہمہ شب در چشم است بفکرم بازم
گفت ازیں نوع حکایت تو گفتی سعدی
دردِ عشق است ندانم کہ چہ درمان سازم!

پھر کچھ خیال آیا۔''تا ایں بدنامی بہ کہ باز گردد۔'' کنوئیں میں فقیر کو کس نے دھکیل دیا۔اس تہمت میں کس کس کی گرفتاری ہو۔فرماتے ہیں' اسی خیال نے چاہ اندازم کے ارادے سے باز رکھا۔عقل وہوش کا تکلفی سرمایہ اگرچہ گم ہو چکا تھا لیکن ہوسکتا ہے کہ تحت شعور میں خودکشی کے جرم کا خیال بھی مانع رہا ہو۔بہر حال کنوئیں کی منڈ سے نیچے اتر آئے اور ''دریں محنت وحیرت سراسیمہ وار جانب صحرا بیروں رفتم۔'' اجودہن کی فضاؤں میں کسی کے نالہائے زار ابھی تک گونج رہے ہوں گے۔فرماتے ہیں''جانب صحرا بیروں رفتم۔باخود گریہ وزاری کردم۔'' خدا ہی جانتا ہے کہ گریہ وزاری کا یہ طوفان کب تک امنڈتا رہا۔ہفتہ گزرا یا مہینہ۔شیخ کبیر کے ایک صاحبزادے تھے۔شہاب الدین لقب۔سلطان جی اور ان میں میل تھا۔موقع مناسب پا کر انہوں نے سلطان جی کا حال شیخ کبیر کے سامنے عرض کیا۔جو مقصود تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔حاضری کی اجازت مرحمت فرمائی پھر''بیامدم۔سر در قدم مبارک آوردم۔''جرم کی معافی ہوگئی۔معافی کے دوسرے دن طلبی

ہوئی اور ارشاد ہوا۔ یعنی جو راز تھا اس سے پردہ اٹھا دیا گیا۔ شیخ کبیر مولانا نظام الدین بحاث و محفل شکن کو جواب بابا فریدؒ کے 'نظام' بن چکے تھے۔ مخاطب کر کے فرمانے لگے۔ ''ایں ہمہ برائے کمال حال تو می کردم۔'' مرید سے پیر کا کیا تعلق ہوتا ہے۔ یہ راز اسی دن واضح ہوا۔ شیخ کبیر نے فرمایا۔ ''پیر مشاطہ مرید باشد۔'' مرید کی ساری ژولیدگیوں کو وہی سلجھاتا ہے۔ میل کچیل دھودھا کر صاف کرتا ہے۔ غازہ ملتا ہے۔ بال سنوارتا ہے۔ اور یوں یحببکم اللہ (۸۴) کے مقام پر پہنچا کر اسے ملاء اعلیٰ کا اور ملاء اعلیٰ کا اثر ملائے ادنیٰ پر' پھر ملاء ادنیٰ سے محبوبیت کی وہی کیفیت قلوب انسانی میں پھیل جاتی ہے۔ (۸۵) سلطان جی فرماتے ہیں اس ارشاد کے بعد ''مرا خلعت فرمود۔ بکسوت خاص مرا مشرف گردانید۔'' پندار و خودی کا مواد اگر اتنے کارگر نشتر کے بعد بھی نہ نکلتا تو کب نکلتا...... یہ تھا صفائی کا پہلا مقام جس پر پہنچنے کے بعد

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست
کفر است دریں مذہب خود بینی و خود آرائی

مشاطگی یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ ابھی اور بھی نکھارنا تھا۔ اس کا بیان بھی مولانا مناظر احسن گیلانی کی زبان سے سننے کے لائق ہے۔ لکھتے ہیں:

حقیقی آزادی کی تلاش میں سلطان المشائخ شیخ کبیرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ سلطان جی جب اجودہن میں تھے تو ان کا ایک رفیق درس اس عرصہ میں اجودہن پہنچا۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر جس میں بظاہر وہ مبتلا نظر آتے تھے' اسے بڑا تعجب ہوا اور بولا ''نظام الدین ترا چہ پیش آمد۔'' دہلی میں اگر لڑکے پڑھانا شروع کر دیتے تو بھی اچھے رہتے۔ اسی عرصہ میں شیخ کبیر نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ تمہاری موجودہ حالت کو دیکھ کر اگر کوئی پوچھے تو کہنا

نہ ہمرہی تو مرا' راہ خویش گیر' برو
ترا سعادت بادا' مرا نگو نساری

کیا شبہ ہے کہ سننے کی حد تک اور کہنے کی حد تک شعر بڑا لذیذ ہے لیکن جب اس پر عمل کرنے کا وقت آتا ہے تو کتنے ہیں کہ سعادت چھوڑ کر نگونساری اختیار کرنے پر آمادہ ہوں گے۔ سلطان المشائخ کا بیان ہے کہ شیخ کبیر شکر گنج نے صرف شعر سنانے پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس کے بعد حکم دیا۔ ''در مطبخ برو۔ و بگو تا خوانے پر بالوان نعم آراستہ بیارند۔'' شیخ کبیر شکر گنج نے ان کو مطبخ بھیجا کہ ایک مکلف خوان مرتب کر کے میرے پاس لایا جائے۔ خوان آ گیا۔ کس لیے آیا؟ سلطان المشائخ سے ہی سنئے۔ مجھ ہی کو خطاب کر کے اشارہ ہوا:

''نظام ایں خوان را بر سر کن و در مقامے کہ آں یار فرود آمدہ است بہ بر۔'' ابھی جس ہمدرس نے مولانا نظام الدین کی دلی میں محفل شکنی میں مصروف پایا تھا اور اسی بنیاد پر ان کی صلاحیتوں کا اندازہ کر کے کہا تھا کہ ''اگر در شہر تعلیم کردے مجتہد زمانہ شدے۔'' اسی بیچارے مجتہد زمانہ کا یہ انجام ہے کہ اس کے سر پر خوانچہ رکھا جاتا ہے اور دور دیہ بازار کے بیچ سے بھری ہوئی مخلوق کے سامنے سے اسی کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس طعنہ دینے والے ساتھی کے پاس اس خوان کو لے جاؤ۔ خودداری کے گھاؤ رکھنے والے کیا اس بوجھ کو برداشت کر سکتے تھے؟ آزاد رائے آزاد فکر کیا اس بوجھ کو اٹھا سکتی تھی؟ 'ترا

سعادت بادا' مرانگونساری' کی لذت صرف کانوں تک نہیں بلکہ روح کی گہرائیوں میں جب اتر جاتی ہے تو پھر سب کچھ اٹھا لیا جاتا ہے اور سر پر خوانچہ بھی دھر لیا جاتا ہے۔ دیکھو مولانا نظام الدین اسی حال میں اجودھن کے بازار سے گزر رہے ہیں۔ خود فرماتے ہیں "من بحکم فرمان خواجہ آن خوان را بر سر گرفتم و روان شدم و در سرائے کہ آں یار فرود آمدہ بودٗ آوردم۔" مجتہد زمانہ ہونے کی صلاحیت رکھنے والا سلطان جیؒ سے کسی حد تک متاثر تھا۔ اس کا اندازہ آپ اس سے کیجئے۔ خود حضرت کا بیان ہے۔ "چوں نظر آں یار بر من افتاد گریہ کناں دوید۔" جو دلّی میں اتنا بلند تھا کہ دنیا اس کو سر پر اٹھائے ہوئے تھی آج وہ ایک معمولی خدمتگار کی مانند بر سر بازار سر پر خوانچہ لیے چلا آ رہا ہے۔ یہ حال تھا ہی اتنا رقت انگیز کہ وہ چیخ اٹھا۔ روتے ہوئے دوڑا۔ "و خوان از سر من فرود آورد و پرسیدن گرفت کہ ایں چہ حال است" سلطان جی اس کے سوا کہہ ہی کیا سکتے تھے "آں تجمل کہ تو دیدی ہمہ بر باد افتاد"

جو دل چاہے۔ دماغ چاہے وہ نہ چاہا جائے۔ اس کی مشق گاہ میں یہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ جھوٹی عزت اور جھوٹی ناموس کا علاج کرنے والے یہی علاج کرتے ہیں۔ سننے والا اور دیکھنے والا بھی آخر آدمی تھا۔ انسان کسی حال میں بھی ہو۔ کیسی ہی دلدل میں پھنسا ہو لیکن حقیقت شناسی کے فطری جواہر بھی انہیں کیچڑوں میں کسی سخت ضرب سے چمک اٹھا کرتے ہیں۔ اب وہ بھی روشنی میں تھا۔ اعتراف کرنے لگا۔ "ایں چنیں شیخ معظمے داری کہ نفس ترا بدیں حد ریاضت دادہ است۔" "نفس ترا بدیں حد ریاضت دادہ است۔" یہ تھی سارے قصہ کی روح' جسے افسوس اس زمانہ میں وہ بھی پا لیتے تھے جو کچھ پائے ہوئے نہ تھے۔ اس نے بھی شیخ کبیر کی قدم بوسی کی تمنا ظاہر کی۔ سلطان جی نے کھانا کھا لینے پر اصرار کیا۔ کھانا کھا لیا گیا۔ اب خوانچہ خالی ہو چکا تھا۔ سلطان جی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد "دانشمند خدمتگار خود را گفت ایں خوان بر سر کن و برابر ما بیا۔" وہ خدمتگار سے یہ کہہ رہا تھا کہ خوان لے کر ہمارے ساتھ چل۔ مگر خدمت لینے والے نے یہ خدمت جس کے سپرد کی تھی اس نے کہا۔ "خیر۔ چنانکہ آن خوان آوردہ ام ہمچناں برم و برسانم۔" یہ کہتے ہوئے جس خوان کو ان کے شیخ نے سر پر چڑھایا تھا پھر سر پر اٹھا لیا۔ دانشمند مجبور تھا۔ کیا کرتا۔ اسی حال میں "آن دانشمند برابر سلطان المشائخ بخدمت شیخ الشیوخ آمد۔" اس قصہ کے براہ راست راوی حضرت چراغ دہلویؒ نے یہ فرما کر فقرے کو ان الفاظ پر ختم کیا۔ "واز سر رعونت بر خاک درگاہ آں بادشاہ اہل محبت نہاد۔" (سیر الاولیاء)

اب کلیجے پر ہاتھ رکھ کر مشاطگی کے معنی سمجھے جائیں اور سوچا جائے کہ خواجگان چشت کو خدا مفت میں ملا یا ان کی تعلیم راگ رنگ اور کھیل ہے یا کیا؟

بعد ازاں حضرت محبوب الٰہی کو جملہ انعامات و ولایت عطا کر کے ارشاد کیا۔ تمہیں خدا کے سپرد کیا۔ میں خواجہ قطب صاحبؒ کے وصال کے وقت ان کی خدمت میں حاضر نہ تھا۔ تم بھی میرے آخری وقت میں میرے پاس نہیں ہو گے۔ مولانا بدرالدین اسحٰقؒ سے مثال لکھوا کر عنایت فرمائی کہ شیخ جمال الدین ہانسویؒ سے مہر لگوا لینا اور دہلی میں شیخ منتجب الدینؒ کو دکھا لینا۔ اس کے بعد میرے سر کو اپنے آغوش میں لے کر اپنا لعاب دہن میرے منہ میں ڈال کر ہدایت کی کہ کلام الٰہی حفظ کر لینا۔ "دین و دنیا ترا دادہ اند۔ ہمہ ایں است۔" اور یہ فرما کر رخصت کر دیا "برو و ملک ہند بگیر" (۸۶)

Marfat.com

(۱۰) آخری شب ۵ محرم ۶۶۱ھ/۱۲۶۲ء (۸۷)

موت یقینی ہے۔ موت کا وقت معین ہے۔ گو علم نہ ہو اپنے وقت پر آتی ہے اور نیک و بد کسی کو نہیں چھوڑتی۔ کوئی ٹالنا بھی چاہے، نہیں ٹال سکتا۔ نفس اس کے نام سے گھبراتا ہے۔ مگر روح لبیک کہتی ہے۔ موت ایک طرف جبر و اختیار کی بحث کا فیصلہ کرتی ہے تو دوسری طرف جسم و روح کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ اب اس کے متعلق کوئی کچھ کہے مگر موت ایک سیدھا سادا برملا واقعہ ہے۔ لوگ اس کو مانتے ہیں۔ جانتے ہیں۔ اس سے انکار کسی کو نہیں۔ لیکن جیسا کہ اس یقینی شے کو سمجھنا چاہیے، سمجھتے نہیں۔ اس کے متعلق یقین، یقین کے درجہ تک نہیں رکھتے۔ موت بھی غیب کے عوالم میں سے ایک عالم ہے۔ غیب پر یقین رکھنا معمولی بات نہیں۔ موت کے متعلق تدبر نہیں کیا جاتا۔ تدبر و تفکر کی وہاں تک رسائی نہیں۔ معلوم نہیں کہ حیات بعد الموت کے کیا معنی ہیں۔ اگر موت کی حقیقت کا علم ہو اور روح کے متعلق واقفیت ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے استقبال کے لیے ہر شخص تیار نہ ہو۔ اس صورت میں دنیوی زندگی کچھ سے کچھ ہو جاتی اور مرتے وقت اعزاء و احباء سے پوچھا جاتا کہ اگر روحی فداہ سید الکونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیام و سلام کہنا ہو تو بتا دو تا کہ کہہ دیا جائے۔ اگر موت کا استقبال کرنے کی جرأت ہوتی تو روح میں وہ قوت ہوتی جو ہماری روحوں میں نہیں پائی جاتی۔ یہی وہ قوت تھی کہ

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

اسی قوت کی وجہ سے بغیر اسباب کے بغیر کسی پر ظلم کئے ہوئے دنیا کو تسخیر کیا۔ دنیا میں عدل و رحم کی اشاعت کی اور تمام عوالم کو قبضہ میں کر لیا

عرش کچھ دور نہ تھا دست دعا سے پہلے

جسم باوجود اتصال رکھنے کے روح کا غیر سمجھا جاتا ہے۔ باوجود دوستی کے اس غیریت کی وجہ سے جسم روح پر بار بھی ہے۔ اس غیریت اور یار کو دور کرنے کے متعدد اشکال ہیں اور ہر شخص بخیال خویش خبطے دارد۔ مگر ایک یہ ہے کہ قلب کو قوی بنایا جائے اور اتنا کہ قلب قالب کو زیر کر لے۔ اس طرح روح کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ پھر ایک منزل ایسی بھی آ جاتی ہے کہ اپنی پوری قوت کے ساتھ روح قطعی طور پر غالب کو جذب کر لیتی ہے اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک جو نفس چاہے جو دماغ چاہے وہ نہ چاہا جائے۔ اس حالت میں اپنی مرضی نہیں رہتی اور نہ امید و مایوسی سے واسطہ رہتا ہے۔ ''دل بہ دست دگرے دادن و حیران بودن'' کا یہی مفہوم ہے۔ جو جسم قلبی قوت سے طاقت حاصل کرتا ہے وہ ہر نوعیت سے اس جسم سے افضل ہوتا ہے جو دنیوی اسباب کے ذریعہ توانائی حاصل کرتا ہے۔ اب جسد خاکی کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ مٹی ہے، مٹی میں مل جاتا ہے مگر طاقتور روح اور نورانی قلب کی تاثیر اس مٹی کو دوسری مٹیوں سے ممتاز بنا دیا کرتی ہے۔

عمر بھر کی باقی رہنے والی جدوجہد جب روح کے نقطۂ کمال کو پہنچی تو حضرت فرید فردؒ شکر گنج مسعودؒ کو روح الارواح نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ رجعت کا وقت رات میں مقرر تھا۔ رات عشاق کے لیے عید ہوا کرتی ہے۔ یہ روح پاک یہ کہتی ہوئی مرکز کی طرف چلی گئی

در کوئے تو عاشقاں چناں جان بدہند

Marfat.com

کانجا ملک الموت نہ گنجد ہرگز

اس روز دن میں پانچ قرآن ختم کیے۔ پھر ذکر میں مشغول ہوئے۔ فارغ ہو کر شام کے وقت حاضرین سے کہا ''تنہا چھوڑ دو۔ بلانے پر آ جانا'' عشا کی نماز پڑھی۔ فوراً ہی پیغام آ گیا۔ سنتے ہی بیہوش ہو گئے۔ یہ غشی خدا جانے کیسی تھی مگر ہوشیاری کے معنی رکھتی تھی۔ اس غشی کو معاہدے کی انتہائی محویت کہا جا سکتا ہے۔ اس سے رجوع الی اللہ کے معنی کھلتے ہیں۔ حاضرین باہر سے اندر آ گئے۔ ہوشیار ہوئے تو دریافت کیا میں نے نماز پڑھ لی؟ بتایا گیا۔ پڑھ لی۔ ارشاد کیا۔ کیا مضائقہ ہے ایک بار اور پڑھ لوں۔ بعد ادائے نماز پھر محویت طاری ہو گئی۔ تین مرتبہ یہی صورت پیش آئی۔ (۸۸) نماز کی عادت تھی۔ سجدوں سے ذوق تھا۔ یہ عادت بندگی مرض الموت میں بھی نہیں چھوٹی۔ بندہ کا کمال یہ ہے کہ ''عبدہ'' بن جائے۔ یہ ''عبدہ'' ہونے کا ثبوت ہے کہ مالک حقیقی کی صحیح معرفت کا اظہار آخری سجدے میں کیا۔ یہ آخری سجدہ تھا جس میں اپنے عجز اور معبود کی کبریائی کا بآواز بلند اعلان کیا۔ ''یا حی یا قیوم'' کہہ کر برحمت پیوست۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

وہ اسی دن کے لیے جیتے تھے۔ حیات دنیوی کے ہر حصہ میں اسی گھڑی کی آرزو کرتے تھے اور وجد و ذوق میں ہر وقت پڑھا کرتے تھے۔ زبان سے ہی نہیں بلکہ دل سے پڑھتے تھے اور دل کی آواز روح کی گہرائیوں میں سما گئی تھی:

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم
خاکے بشوم و بزیر پائے تو زیم
مقصودِ من بندہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم و از برائے تو زیم

جس کی ناسوتی حیات رحمت ہو اس کی رحمت سے قرب رکھنے والی ابدی زندگی کا اندازہ ظاہری ہوش و حواس سے ممکن نہیں۔ انہیں بقا مل گئی۔ ان کی محبت میں اب بھی اثر ہے اور محبت کے ذریعہ وہ اب بھی مل سکتے ہیں۔

حواشی

۱۔ مضمون حدیث ہے کہ ہر انار میں ایک قطرہ آب جنت کا ہوتا ہے۔ اسی بنا پر اہل چشت بجائے جز کے کل انار کھایا کرتے ہیں۔

۲۔ سیر الاولیاء' جواہر فریدی' اخبار الاخیار۔

۳۔ بعض روایات کے مطابق خواجہ قطب صاحبؒ خواجہ بزرگؒ کی تشریف آوری کے بعد اوش سے ہندوستان آئے تھے' مگر یہ صحیح نہیں۔

۴۔ سیر الاولیاء' جواہر فریدی' اخبار الاخیار۔ میں نے سال وصال کا صحیح تعین کر کے اسی سال ولادت کی تخریج کی ہے۔

۵۔ سیر الاولیاء

Marfat.com

۶۔ کوٹھوال اب مشائخ کی چاؤلی کے نام سے مشہور ہے۔ پاکپتن ومہارن کے وسط میں واقع ہے۔
۷۔ مرتبہ صاحبزادہ محمد حسن صاحب فریدی چشتی حنفی اجودھنی۔ میرے پاس اس نسخے کے چند بوسیدہ جز موجود ہیں۔
۸۔ خیر المجالس
۹۔ ایک روایت ہے کہ ''عوارف المعارف'' اسی وقت دی تھی۔ دوسری روایت ہے کہ بعد کو کسی کی معرفت بھیجی تھی' جو ہانسی میں وصول ہوئی یا اجودھن میں۔
۱۰۔ اسرار الاولیاء
۱۱۔ فوائد الفواد
۱۲۔ راحت القلوب
۱۳۔ یہ قطب الدین کے خلیفہ تھے۔ حضرت ابن عربی سے خاص تعلقات رکھتے تھے۔ ''فتوحات مکیہ'' میں ان کا مذکور ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت کرمانی کو کرامت دکھانے اور دیکھنے کا شوق تھا۔ خواجہ غریب نواز کی ملاقات کے وقت بھی حاضرین سے کرامت دکھانے کی فرمائش کی تھی۔
۱۴۔ افضل الفوائد
۱۵۔ یہی داستان حضرت جنید بغدادیؒ کے پوتے کے نام سے حضرت غریب نواز کے سفرنامہ میں موجود ہے۔
۱۶۔ یہ روایت ''فوائد الفواد'' کی ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ کی ملاقات حضرت یوسف چشتی سے ممکن نہیں۔ اس لیے کہ بہت پہلے ان کا وصال ہو چکا تھا۔
۱۷۔ فوائد الفواد
۱۸۔ اسرار الاولیاء۔ اشرفیوں سے مراد زاد راہ نہیں بلکہ روحانیت کا حصہ سمجھنا چاہیے۔
۱۹۔ اسرار الاولیاء
۲۰۔ سوانح بابا فرید مؤلفہ حضرت نامی لاہوری۔
۲۱۔ اسرار الاولیاء
۲۲۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو حضرت زکریاؒ ۶۱۱ھ یا اس سے کچھ قبل ملتان واپس آ گئے تھے اور سلاطین سے راہ و رسم پیدا کر لی تھی۔ چنانچہ ۶۱۴ھ میں ان کی گفتگو جو قباچہ سے ہوئی تھی' اہمیت رکھتی ہے جس کے بعد وہ قائل ہو گیا تھا۔ حضرت زکریا کا سال ولادت ۵۶۶ھ ہے۔
۲۳۔ ابن اثیر و ابن خلکان
۲۴۔ حضرت امام ابو حنیفہ اور امام یوسف کے زمانہ میں ابراہیم بن یوسف بن میمون بلخی فقہ و حدیث میں یکتائے روزگار تھے اور امیر بلخ ان کا معتقد بھی تھا۔ معلوم نہیں یہ عربی نژاد تھے یا نہیں اور ان کا سلسلہ مل سکتا ہے یا نہیں۔
۲۵۔ محمد اکرم مؤلف ''اقتباس الانوار'' لکھتے ہیں کہ ''سیر الاقطاب'' نے شیخ الاسلام (بابا فرید گنج شکر) کا نسب جو سلطان ابراہیم ادہم سے ملایا وہ ثابت نہیں۔ البتہ یہ امر محقق ہے کہ وہ فاروقی ہیں اور حضرت ابراہیم ادہم کے

Marfat.com

بیٹے اسحٰق کے تو کوئی اولاد ہی نہ تھی۔ اس لیے شجرہ میں ابراہیم ادہم کی بجائے ابراہیم بن ناصر ہونا چاہیے۔

۲۶۔ کابل پر حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں سب سے پہلے (۶۶۲ء) تاخت کی گئی تھی۔ اس وقت بارہ ہزار ہندو داخل اسلام ہوئے تھے۔ پھر تقریباً ۸۷۱ء میں یعقوب بن لیث صفاری نے کابل کو زیر کر کے بدھ مذہب کے ماننے والوں پر اسلام کی تبلیغ کی تھی۔

۲۷۔ خزینۃ الاصفیا و دیگر تذکرے

۲۸۔ خزینۃ الاصفیاء و دیگر تذکرے

۲۹۔ (i) Literary History of Persia by Browne

(ii) Preaching of Islam by Arnold

۳۰۔ تذکرہ بہاء الدین زکریاؒ مرتبہ نور احمد خاں فریدی۔

۳۱۔ وسط ۱۹۱۶ء میں ولایت سے میری واپسی ہوئی تھی۔ بر بناء رسالہ ''سیادت فریدی'' میرے خاندان میں فاروقی اور سید ہونے پر مباحثے ہوتے تھے۔ میری زبان سے نکل گیا کہ صدیوں کے اندر خون میں تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ مجھے آپ لوگوں کے فریدی ہونے پر بھی شک ہے۔ اب تو آگ لگ گئی اور مجھ پر بوچھاڑ ہونے لگی۔ ایک شب کو وہمی طور پر حضرت بابا صاحبؒ کو مخاطب کر کے میں نے کہا کہ اگر آپ کو حیات بعد الموت حاصل ہے تو فیصلہ کر دیجئے کہ ہم فریدی ہیں یا نہیں۔ اب یہ لطیفہ تحدیث نعمت کے طور پر عرض ہے کہ ۱۹۱۷ء میں تماشائی کے طور پر مجھے عرس پاکپتن شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ جب بہشتی دروازہ کھولنے کے لیے جلوس بنا کر دیوان سید محمد مرحوم جانے لگے تو اپنے ساتھ حلقہ کے اندر مجھے بھی شامل کر لیا۔ میں انگریزی لباس میں تھا۔ جلوس والوں نے طعنے دینا شروع کر دیئے کہ دیوان صاحب نے انگریز پرستی کی حد کر دی کہ ایک کرستان کو اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ قبہ مبارک کے اندر دونوں مزاروں کے درمیان مجھے کھڑا کر کے زعفران سے رنگی ہوئی بھیگی پگڑی جب میرے سر پر باندھنا چاہی تو میں نے عرض کیا کہ ہیٹ خراب ہو جائے گا۔ فرمایا کہ اس کو خراب ہی کرنا ہے۔ جب ہم باہر نکلے تو ہر شخص مجھ سے ہاتھ ملاتا تھا۔ طعنہ دیتا تھا کہ آپ کے دادا صاحب آپ کے انگریزی فیشن کو دیکھ کر کیا کہتے ہوں گے۔ میں حیران تھا کہ ان لوگوں کو میرے فریدی ہونے کی کیسے خبر ہو گئی۔ آخر کار راز یہ کھلا کہ یہ پگڑی اہل خاندان ہی کو دی جاتی ہے۔ لیکن اصل مطلب نہیں سمجھا۔ ۱۹۱۹ء میں جب تحریک ترک موالات میں شریک ہوا تو میرا ہیٹ اتر گیا اور ہیئت کذائی میں تبدیلی واقع ہو گئی۔ پھر جب ۱۹۲۸ء میں روحانیت کی طرف مائل ہوا تو سمجھا کہ میرے وہمی سوال کا جواب دے دیا گیا کہ ہم فریدی ہیں۔ الحمد اللہ علی احسانہ۔

۳۲۔ بلکہ عین ممکن ہے۔

۳۳۔ تاریخ جلیلہ مرتبہ مولوی غلام دستگیر نامی

۳۴۔ تذکرہ کشفی

۳۵۔ فوائد السالکین وغیرہ

۳۶۔ تذکرہ کشفی۔ غالباً یہی تاریخ صحیح ہے۔

۳۷۔ راحت القلوب۔ مسودہ میں نقل راچہ عقل کے مطابق چہار گوشہ تر کی کلاہ لکھ دیا گیا تھا جس کی صحت صاحب پیش لفظ نے فرمادی۔

۳۸۔ ''جوامع الکلم'' میں ہے کہ در مسجد دہلی نزدیک دروازہ مندہ قیام کروایا تھا۔

۳۹۔ اخبار الاخیار و سیر الاولیاء

۴۰۔ تذکرۃ العاشقین

۴۱۔ فوائد الفواد

۴۲۔ کشفی تذکرہ کے مطابق ماہ شعبان میں آئے تھے۔

۴۳۔ ملاحظہ ہو سوانح خواجہ معین الدین چشتیؒ (ص ۸) مرتبہ وحید احمد مسعود۔

۴۴۔ مثلاً حضرت نظام الدین اولیاءؒ بدایونی کو خلافت دے دی گئی۔ مگر دہلی میں بعد کو بیس سال زلزال شدید میں مبتلا رہ کر منازل طے کیے۔ اسی طرح صوفی برہان الدین کو پیشگی خلافت عطا کی گئی۔

۴۵۔ سیر الاولیاء وغیرہ

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ محلہ دہلیز میں حضرت کا محل اب تک موجود ہے۔

۴۸۔ پتہ نہیں یہ کونسا گاؤں تھا۔ یہ واقعہ نجم الدین صغریٰ کی معزولی کے بعد کا ہے جبکہ دہلی سے بنگال جاتے ہوئے شیخ جلال نے کافی عرصہ بدایوں میں قیام کیا تھا۔

۴۹۔ ایک جیتل دو دمڑی کے برابر ہوتا تھا۔

۵۰۔ راحت القلوب باب ہشتم

۵۱۔ سوانح حضرت بابا صاحبؒ مرتبہ حضرت غلام دستگیر نامی

۵۲۔ اخبار الاخیار۔ خزینۃ الاصفیاء وغیرہ۔

۵۳۔ بی بی ہاجرہ نے صابر صاحب کو آٹھ سال کی عمر میں حضرت بابا صاحب کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اس سپردگی کے لیے نہ کھوتوال موزوں ہے اور نہ ہی دہلی۔ اس لیے کہ ان مقامات پر مجاہدات کی وجہ سے فرصت نہیں تھی۔ ہانسی ہی کا قیام مناسب ہے۔

۵۴۔ غالباً حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے مرید تھے۔

۵۵۔ فوائد الفواد وغیرہ۔

۵۶۔ ارشاد تو یہ تھا کہ پانچویں دن آنا مگر چوتھے دن دہلی پہنچے۔ اس اختلاف کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ دہلی سے تیرہ کو روانہ ہوئے۔ پندرہویں شب میں خواب دیکھا۔ گویا سولہ کی رات میں دہلی آئے اور پانچویں دن سترہ کو

Marfat.com

امانتیں حاصل کیں یا یہ کہ سولہ کو پانچواں دن تھا۔ دہلی وہانسی کے درمیان تقریباً ساٹھ میل کا فاصلہ ہے۔

۵۷۔ سیر الاولیاء

۵۸۔ صندلی مسجد کے عقب میں زینہ حضرت خواجہؒ کے خام مزار کو جاتا ہے۔ بابا صاحبؒ نے چلہ اسی جگہ کیا تھا۔ وہ کھڑکی اب تیغہ کر دی گئی ہے۔ چھٹی محرم کو اس زینہ کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور جائے اعتکاف کے زائرین زیارت کیا کرتے ہیں۔

۵۹۔ سورۂ مریم سولھویں پارے میں ہے۔ یہ حرف جو پڑھنے سے رہ گیا سورۂ کہف کا ہی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا کسی ناواقف نے ''فوائد الفواد'' میں اضافہ کر دیا ہے کہ حرف سورۂ کہف کا تھا۔

۶۰۔ مزار کے متعلق یہ روایت سن کر مجھے حیرت تھی۔ غالباً ۱۹۲۹ء میں وقت حاضری پائیں کی جانب دراز لیٹ کر میں نے اپنے ہاتھ مزار تک پہنچا دیئے۔ میری انگلیوں نے ہوش وحواس کے ساتھ مٹی کے مختلف ڈھیروں پر وہ نشانات محسوس کیے جو بھیگی ہوئی مٹی پر ٹوکری کے بن جاتے ہیں۔ اب میں کیسے سمجھوں کہ یہ روایت صحیح نہیں۔

۶۱۔ ان کا مزار جس قبرستان میں ہے۔ وہ ان ہی کے نام سے موسوم ہے۔

۶۲۔ ان کو حضرت بہاؤ الدین زکریا قریشی واسدیؒ نہیں قیاس کرنا چاہیے۔

۶۳۔ اس طرح اس روایت کی کہ حضرت بختیار کاکیؒ کی نماز جنازہ التمش نے پڑھائی تھی، قطعی تردید ہو جاتی ہے۔

۶۴۔ طبقات ناصری منہاج السراج

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ ص ۱۳۵ و ۱۳۶۔

۶۷۔ یعنی ۶۲۹ھ میں۔

۶۸۔ فوائد الفواد

۶۹۔ تذکرہ کشفی

۷۰۔ سیر العارفین۔ اقتباس الانوار

۷۱۔ حجابات کی تفصیل کے متعلق بتایا ہے (۱) طبیعت ونفس کے حجاب۔ (۲) رسم کا حجاب اور (۳) نافہمی کا حجاب۔

۷۲۔ اسرار الاولیاء۔ فوائد الفواد۔

۷۳۔ کشفی تذکرہ نے لکھا ہے کہ ہر تباہی کے بعد اجودھن بار بار روئیدہ است۔ مگر ان انقلابات کی تطبیق ظاہری تاریخ سے کر لینا چاہیے۔

۷۴۔ پیر مشاطہ مرید باشد۔

۷۵۔ ابتداء میں ہندوستان کے علماء صوفیہ ایک دوسرے کا ادب کرتے تھے۔ قطب الدین وغیاث الدین تغلق کے عہد میں شریعت وطریقت میں اختلاف شروع ہوئے۔ محمد تغلق نے مدرسہ وخانقاہ کی بنیادیں ہلا ڈالیں۔ ایرانیوں کی آمد پر باہر کے زمانہ میں بدعتیں شروع ہوئیں۔ اکبری الحاد نے قیامت برپا کر دی اور اورنگ زیب

Marfat.com

کے وقت سے شریعت طریقت سے جدا ہوگئی۔ اپنے اپنے زمانوں میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی مولانا عبدالحق محدث دہلوی حضرت مجدد سرہندی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اصلاح کر کے کھرے سے کھوٹے کو علیحدہ کر کے دکھا دیا۔ شاہ ولی اللہ نے شہود و وجود کے مسئلہ کے متعلق بہترین فیصلہ کیا ہے اور وحدت الوجود کی تائید تبلیغ فرمائی ہے۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کا مشورہ ہے کہ جو درجہ نفس کو طے کر کے مرتبہ قلب میں نہیں پہنچتے ہیں انہیں بجائے مخالفت کرنے کے وحدت الوجود کے متعلق سکوت اختیار کرنا چاہئے۔ لیکن اب بھی اگر اختلاف کیا جاتا ہے تو ما بخیر و توبہ سلامت۔ بعض ظاہرین علماء کی یہی روش ہے کہ وہ مرید بھی ہیں اور معترض بھی۔ بہر حال یہ مناسب نہیں۔

۷۶۔ ان کے ایک عالم و فاضل ہمعصر نے ابن تیمیہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا علم ان کی عقل سے زائد تھا۔ یعنی ان کی نقل معتبر ہے اور ان کا تصرف فی العلم مہمل ہے اور یہ کہ ان میں ذوق و عرفان نہیں تھا۔ مگر ان سب صوفیہ نے اپنے عہد کے رنگ کے مطابق پرانے ہی اصولوں کی تشریح کی ہے جو بظاہر نئی معلوم ہوتی ہے۔

۷۷۔ شیخ اسمٰعیل لاہوری (۵۰۰ھ/۱۰۰۵ء) میں یہاں تشریف لائے۔ پھر مسعود غزنوی کے عہد میں حضرت علی ہجویریؒ (متوفی ۵۶۵ھ/۱۰۷۲ء) نے اشاعت اسلام کی۔ مگر یہ انفرادی کوششیں تھیں۔ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ نے سب سے پہلے ۵۸۷ھ میں تبلیغ شروع کی۔ قباچہ کے عہد میں سلسلہ سہروردیہ کا اجراء ملتان سے ہوا۔ سولہویں صدی کے آغاز میں سید محمد غوث گیلانی نے مغربی پنجاب میں سلسلہ قادریہ کی بنا ڈالی۔ ان کا وصال اوچ میں ۱۵۱۷ء کو ہوا۔ خواجہ باقی باللہ نے اکبر کے عہد میں سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت فرمائی۔

۷۸۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بلبن حاضر دربار ہوا۔ اس ملاقات میں اجنبیت نمایاں ہے۔ لہٰذا اس کی صاحبزادی کی حضرت سے شادی کی روایت صحیح نہیں۔ اس زمانہ تک ہزبرہ خاتون کئی بچوں کی ماں بن چکی تھیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ ۶۳۹ھ کے بعد حضرت نے کوئی مناکحت نہیں کی۔ البتہ بلبن کی ایک صاحبزادی کی شادی سلطان نصیر الدین سے ہوئی تھی۔

۷۹۔ سید محمود کرمانی مشہور تاجر تھے۔ ترک وطن کر کے شیخ کی خدمت میں رہنے لگے تھے۔ ان کی اہلیہ بی بی رانی عابدہ و زاہدہ تھیں۔

۸۰۔ فرشتہ

۸۱۔ ضیاء الدین برنی نے ''تاریخ فیروز شاہی'' میں حضرت سلطان جی کی تعلیم و صحبت کے سلسلہ میں واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ''جو مستقیم الحال ہو چکے تھے وہ راتوں میں قیام کرتے اور صبح تک بیدار رہتے۔ پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے...... بعض عبادت گزار عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے.....'' اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق مشہور ہے کہ رات کو نہیں سوتے تھے۔

۸۲۔ کیونکہ قلب اللہ اور مخلوق دونوں طرف لگا رہتا ہے۔ اس لیے وحشت رہا کرتی ہے اور یہ کیفیت جلوت کا خاصہ ہے۔

Marfat.com

۸۳۔ حنفیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ ناجائز ہے۔ حنفی ہوتے ہوئے اگر بابا صاحبؒ نے نماز غائبانہ ادا کی ہے تو یہ آپ کی مجتہدانہ شان ہے۔

۸۴۔ معافی طلب کرتے ہوئے بیخود بدایونی کا مقطع حاضر ہے۔ جو اس وقت یاد آ گیا

کہیں بیخود تمہاری خود داری
دشمنِ بیخودی نہ ہو جائے

۸۵۔ یہ بحث کہ استعداد اور مشیت میں کیا تعلق ہے، دقیق ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مشیت اور استعداد اثر نہ کند۔ مگر یہ بھی صحیح ہے کہ ہردم استعداد ے دیگر حاصل مے شود۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مکتوبات قدوسیہ۔ مکتوب نمبر سیزدہم)

۸۶۔ معلوم نہیں ''عوارف'' کا یہ کونسا نسخہ تھا۔ وہ جو حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے بھیجا تھا یا کوئی اور۔ واللہ اعلم۔

۸۷۔ خدا کے تم محبوب بن جاؤ گے اگر تم اپنے اندر میرا رنگ ڈھنگ اور میری شان پیدا کر لو گے۔ حضرت حق سے محبوبیت ذاتی کا جسے تو تعلق ہے اس کی زبان سے اعلان کرایا گیا ہے۔ **قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ**۔ اس آیت سے کون واقف نہیں۔

۸۸۔ ایک صحیح حدیث جو عام طور پر مشہور ہے، اسی کا یہ حاصل ہے۔

۸۹۔ سیر الاولیاء

۹۰۔ سال وصال کے متعلق مختلف تذکرے مختلف البیان ہیں۔ ملاحظہ ہو (۱) سیر الاقطاب ۶۹۰ھ۔ (۲) راحت القلوب ۶۸۷ھ۔ (۳) خزینۃ الاصفیا ۶۷۰ھ۔ (۴) جواہر فریدی ۶۶۴ھ۔ (۵) سیر الاولیاء ۶۶۴ھ۔ (۶) اخبار الاخیار ۶۶۴ھ۔ (۷) سفینۃ الاولیاء ۶۶۴ھ۔ (۸) فرشتہ ۶۶۰ھ۔ (۹) منتخب التواریخ بدایونی جبکہ ہلاکو کے سفیر ناصر الدین محمود کے دربار میں آئے ۶۵۶ھ۔ (۱۰) عہد ناصری کی تواریخ کا بیان ہے کہ بابا صاحب کا وصال کشلو فان اور حضرت زکریاؒ کی رحلت کے بعد ۶۶۰ھ میں ہوا تھا اور ان دونوں کی تاریخ وصال ۶۵۸ھ اس مصرع سے نکلتی ہے

ز تیر عشق ربانی یکے زخمی دگر خوں شد

(۱۱) لیکن ان سب سے زیادہ معتبر و مستند بیان حضرت سلطان المشائخ کا ہے کہ ۹۳ سال کی عمر میں حضرت زکریاؒ کے وصال کے تین برس بعد شیخ کبیر کا وصال ۶۶۱ھ میں ہوا۔ (۱۲) سلطان المشائخ کے بیان کی بہترین تائید ہے کہ حضرت بدرالدین سلیمانؒ نے پانچ سال سجادگی کی اور ان کا وصال ۶۶۵ھ میں ہوا۔ یعنی وہ ۶۶۱ھ میں سجادہ نشین ہوئے تھے۔ لہٰذا نتیجہ ظاہر ہے کہ ۶۶۴ھ میں ان کا وصال نہیں مانا جا سکتا۔ جب سال وصال ۶۶۱ ہے تو سال ولادت ۵۶۹ھ معتبر ہے۔

۹۱۔ غشی کے بعد نماز پڑھنے کے لیے وضو کرنے کا دستور ہے۔ عام و معمول ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ''سیر الاولیاء'' میں اس کیفیت و حالت میں صرف ایک مرتبہ وضو کرنے کا ذکر ہے۔

(سوانح حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر از وحید احمد مسعود، کراچی ۱۹۶۴ء ص ۲۳-۸۶)

Marfat.com

خلیق احمد نظامی
ترجمہ: قاضی محمد حفیظ اللہ

شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ
(احوال وآثار)

باباصاحب بحیثیت انسان

آپ کی زندگی نہایت شریفانہ تھی اور آپ میں جملہ خوبیاں اس طرح گندھی ہوئی تھیں کہ فطرت آپ کو دیکھ کر خود پکار اٹھتی: یہ ہے انسان۔

باباصاحبؒ کے سوانح نگار کی نظر میں باباصاحب کی شخصیت کا سب سے مسحور کن پہلو آپ کا بحیثیت انسان فضل وشرف ہے۔ آپ جن اخلاقی اقدار کا اپنے مریدوں میں پرچار کرتے تھے، مثلاً: سچائی، دیانتداری، خلوص، شفقت ومحبت، وہ خود ان سب خوبیوں کا مجسمہ تھے۔ ان کا گداز اور پُرسوز دل کسی کی معمولی سے معمولی تکلیف پر تڑپ اٹھتا۔ وہ ایسی روحانی عظمت کے مالک تھے جو بے غرضی سے نشوونما پاتی ہے اور جس کے حضور سب کے سر خود بخود جھک جاتے ہیں۔ جو لوگ تصوف کے مسلک ونصب العین کو نہیں سمجھتے انہوں نے بزرگان دین کے نام بے معنی باتیں، کرامات وخوارق عادات منسوب کرکے ان کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ کی کرامات ایک انتہائی ہمدرد روح کی کرامات تھیں اور آپ کی عظمت ایک اخلاقی طور پر مرد کامل کی عظمت تھی۔

شیخ بدرالدین اسحٰق علیہ الرحمہ جنہوں نے باباصاحب کو بہت قریب سے دیکھا تھا، کے نزدیک باباصاحب کے اوصاف حمیدہ میں سب سے بڑی صفت ان کا خلوص کامل اور ان کی ذات کا ریا سے کلی طور پر پاک ہونا تھا۔ ان کی نجی زندگی ان کی عام زندگی کا عین عکس تھی اور آپ نجی اور عام زندگی میں کوئی متضاد بات نہ کرتے تھے۔ آپ کے خیالات، اقوال اور اعمال میں ایک مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ یہ صفت جیسا کہ مولانا بدرالدین اسحٰقؒ نے بیان فرمایا، ایک حیرت انگیز اور بے مثال بات تھی۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ باباصاحب کے سب سے چہیتے مرید تھے اور آپ کے بہت قریب۔ انہیں کبھی بھی آپ کی کرامات کا خیال نہیں آیا۔ البتہ جب کبھی آپ باباصاحبؒ کے اوصاف حمیدہ، کمال بزرگی، غایت فضل اور لطف وکرم کو یاد کرتے تو آپ پر رقت طاری ہوجاتی۔[1]

جو بات ایک نووارد کے دل پر سب سے پہلے اثر انداز ہوئی وہ باباصاحبؒ کے جماعت خانہ میں ہر قسم کے نفرت انگیز امتیاز وتفریق کا فقدان تھا۔ آپ امیر وغریب، واقف ونووارد سب کو ایک جیسی عزت واحترام اور محبت وشفقت سے

Marfat.com

خوش آمدید کہتے۔[2]

شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ روز حشر کسی چیز کی اتنی جزا نہ ہوگی جتنی کہ مسلمانوں اور لوگوں کے دلوں کو خوش کرنے کی۔[3] بابا صاحب کی ساری زندگی لوگوں کے دلوں کو خوشی مہیا کرنے میں صرف ہو گئی۔ جو مسئلہ بھی کوئی لے کر آتا آپ اس پر توجہ فرماتے لیکن اس خیال سے نہیں کہ انہیں عاقبت میں اسکی جزا ملے گی بلکہ اس لئے کہ ان سے انسانی مصیبت دیکھی نہ جاتی۔[4]

بابا فریدؒ کی شخصیت نہایت متوازن تھی۔ شدید اشتعال کے باوجود وہ سکون و دلجمعی کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔[5] انتہائی برانگیختی میں آپ کا تحمل آپ کے بدترین دشمن کو بھی آپ کا دلی دوست بنا دیا۔ ایک روز آپ اپنے مصلے پر تھے کہ ایک گستاخ شخص[6] آیا اور اس نے چلا کر کہا: "بت کی طرح کیوں نمائش کئے بیٹھے ہو؟" بابا صاحب نے بڑے سکون و اطمینان سے جواب دیا، "مجھے اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں۔ میں وہی ہوں جو اللہ نے مجھے بنایا ہے۔" وہ شخص پھر چلایا، "نہیں تم نے خود اپنے آپ کو ایسا بنا رکھا ہے۔" بابا صاحب نے جواب دیا کہ نہیں ہر چیز کو اللہ نے بنایا ہے۔ اس پر وہ شخص شرمندہ ہو کر واپس چلا گیا۔[7] عاجزی و انکساری آپ کے ضمیر میں گندھی ہوئی تھی۔ جب کبھی آپ کسی روحانی تجربہ کا ذکر فرماتے تو اسے اپنی طرف منسوب نہ کرتے اور یہ تاثر دیتے جیسے کہ وہ کسی دیگر شخص کا تجربہ بیان کر رہے ہیں۔[8]

بابا صاحب ہمیشہ درگزر اور معاف کرنے کو تیار رہتے تھے۔ جن لوگوں نے آپ کو اذیتیں اور تکلیفیں دیں آپ نے ان سب کو معاف کر دیا۔ شہاب جادوگر کا لڑکا آپ کی طویل علالت کا ذمہ دار تھا مگر آپ نے اسے معاف فرمایا اور اجودھن کے حکام کو بھی کہا کہ اسے معاف کر دے۔[9]

بابا صاحب کا عقیدہ تھا کہ دشمنوں کو بھی راضی کرنا چاہیے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ بیان کرتے ہیں کہ بابا صاحب اپنے مریدوں کو بھی نصیحت کیا کرتے تھے کہ آدمی کو اپنے دشمنوں کو راضی کرنا چاہیے۔

بابا فریدؒ کی خوشگوار، عفو پرور اور ہمدرد فطرت نے انہیں ایک پیاری شخصیت بنا دیا تھا۔ جو لوگ آپ کے پاس جاتے، وہ ان کی پُرکشش شخصیت پر فریفتہ ہو جاتے اور آپ کی ہمدردانہ نگاہیں ان کے دلوں میں یقین و اعتماد کی جوت جلا دیتیں۔

بابا صاحب بحیثیت عالم

اسلامی تصوف بقول پروفیسر حبیب حصول تعلیم کے بعد کا مسلک ہے۔[10] صوفیانہ سلوک ایک جاہل آدمی کے بس کی بات نہیں کیونکہ ایسا آدمی حقیقت اور وہم میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اسے ہر وقت روحانی دلدل میں پھنس جانے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔ خواجہ قطب والدین بختیار کاکیؒ نے شیخ فرید الدین گنج شکر کو بتایا کہ جاہل صوفی آسانی سے شیطان کے پنجے میں گرفتار ہو جاتا ہے۔[11]

قرون وسطیٰ کے صوفیانہ مسلک کی اعلیٰ ترین روایات کے مطابق بابا صاحب نے بہترین تعلیم جو اس وقت مل سکتی تھی، حاصل کی۔ اپنی زندگی کے آغاز میں بابا صاحب نے چاہا تھا کہ تعلیم چھوڑ کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پیچھے

Marfat.com

چل دیں مگر خواجہ صاحبؒ نے انہیں سمجھایا کہ روحانی ضبط و ریاضت سے قبل انہیں تکمیل تعلیم کرنا چاہیے۔ بابا صاحب نے سالہا سال تک بڑی محنت و جانفشانی سے تعلیم حاصل کی اور بہت بڑے عالم بن گئے۔ علم کی مغرورانہ نمائش جو کہ علمائے ظاہر کا وطیرہ ہوتی ہے، بابا صاحب کو سخت ناپسند تھی۔ آپ کہا کرتے تھے کہ علم کا مقصد انسان کے اندر انکساری، ہمدردی اور سمجھ بوجھ پیدا کرنا ہے اور اگر یہ غرور و نخوت پیدا کرے تو اس کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

''مقصود از خواندن علم شریعت برائے عمل است نہ از برائے ایذائے خلق'' [۱۲]

(علم شریعت کے حصول کا مقصد اس پر عمل کرنا ہے لوگوں کو اذیت دینا نہیں)۔

اگرچہ بابا صاحبؒ خود بہت بڑے عالم تھے لیکن انہوں نے اپنی علمیت سے کسی کو مرعوب کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ ان کی انکساری اور ہمدردی میں ایک مقناطیسی کشش تھی جو کہ حقیقی علم و فضل کی جان ہوتی ہے۔ مولانا ضیاء الدین دہلی کے ایک مشہور عالم تھے۔ آپ بہت سے علوم جانتے تھے مگر علم فقہ اور علم نحو سے نابلد تھے۔ ایک دفعہ آپ بابا صاحبؒ کو ملنے گئے لیکن ڈرتے تھے کہ کہیں بابا صاحبؒ ان سے ان علوم کے متعلق سوال نہ کر بیٹھیں جو وہ نہیں جانتے۔ علمیت بگھارنا یا دوسروں کو کم علمی کا احساس دلانا بابا صاحبؒ کی عادت نہ تھی۔ بابا صاحب نے مولانا ضیاء الدین سے صرف انہیں اشیاء کے بارے میں پوچھا جن کو وہ اچھی طرح جانتے تھے، چنانچہ جب مولانا آپ سے مل کر لوٹے تو خود اعتمادی اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ [۱۳]

شیخ بدر الدین اسحٰق جو بعد میں بابا صاحب کے مرید ہو کر داماد بنے، اپنے وقت کے بڑے ممتاز عالم تھے۔ دہلی کے علمی حلقوں میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ مطالعہ کے دوران انہیں کچھ اشکالات پیدا ہوئے جو ان کی انتہائی کوشش کے باوجود حل نہ ہوئے۔ دہلی کے علماء بھی ان کی کچھ مدد نہ کر پائے۔ بالآخر انہوں نے ارادہ کیا کہ بخارا جا کر، جو کہ مسلم علوم و فنون کا مرکز تھا، وہاں کے علماء سے اشکالات حل کروائیں۔ وہ دہلی سے کتابوں کا ایک انبار لے کر چلے۔ جب اجودھن سے ان کا گزر ہوا تو بابا صاحب کے علم و فضل کی شہرت سنی اور انہوں نے بابا صاحب کو ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کے تعجب و حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب بابا صاحب نے چند سادہ لفظوں میں ان کے جملہ اشکالات حل کر دیئے۔ شیخ بدر الدین نے اپنا سر بابا صاحب کے قدموں میں رکھ دیا اور آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ [۱۴]

شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے دہلی میں بڑے عالم فاضل اور نامی گرامی اساتذہ سے تکمیل تعلیم کی تھی۔ وہ خود بھی غیر معمولی قابلیت و فضیلت کے مالک تھے لیکن جب انہوں نے بابا صاحبؒ کو نہایت دقیق مسائل سادہ لفظوں میں واضح طور پر بیان کرتے سنا تو حیرت زدہ رہ گئے۔ وہ بابا صاحب کے طرز بیان اور طرز ادا کے متعلق کہا کرتے تھے کہ آدمی کی روح کو مسحور کر دیتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا گویا جان ہی نکل جائے گی۔ [۱۵]

بابا صاحب کا سب سے اہم موضوع مطالعہ قرآن مجید تھا۔ انہوں نے اس پر بڑا وقت اور بڑی محنت صرف کی تھی اور حقیقتاً قرآن حکیم کے بارے میں آپ کا علم غیر معمولی تھا۔ آپ نے شیخ نظام الدین اولیاء کو چھ پارے پڑھائے مگر وہ بابا صاحب کی دلکش اور بے مثال تلاوت قرآن کو عمر بھر نہ بھولے۔ [۱۶]

اس کے علاوہ بابا صاحبؒ دیگر علوم تصوف میں بھی وسیع دسترس رکھتے تھے۔ آپ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی

Marfat.com

''عوارف المعارف''[۱۷] پر بہت زور دیتے تھے اور فرمایا کرتے کہ اس کتاب کا مطالعہ اس درویش کے لئے ناگزیر ہے جس کو اس کا مرشد خلافت دینا چاہے۔

''گلزار ابرار'' کے مصنف کا کہنا ہے کہ بابا صاحبؒ نے ''عوارف المعارف'' کی ایک بہت عمدہ شرح لکھی۔ اس حوالہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف مذکورہ نے وہ شرح دیکھی تھی۔ مگر قرون وسطیٰ کے مآخذ میں اس کا کوئی ذکر نہیں[۱۸] ملتا۔ بہرحال یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ بابا صاحبؒ اس کتاب میں انتہائی دلچسپی رکھتے تھے اور غالباً انہوں نے ہی برصغیر پاک و ہند میں اس کے مطالعہ کو پہلے پہل رواج دیا اور اس کو تصوف کے نصاب میں شامل کیا۔

کیا بابا صاحبؒ نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے ملاقات کی تھی؟ ہمارے ابتدائی مآخذ اس بارے میں خاموش ہیں لیکن بعد کے مآخذ[۱۹] میں غالباً بابا صاحبؒ کی طرف منسوب شدہ جعلی ملفوظات[۲۰] کی بنا پر یہ ذکر پایا جاتا ہے کہ بابا صاحبؒ نے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے ملاقات کی تھی اور ان سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ مصنف ''جواہر فریدی'' کا بیان ہے کہ شیخ سہروردیؒ نے ''عوارف المعارف'' کا ایک نسخہ خود بابا صاحب کو یہ کہہ کر پیش کیا تھا کہ:

''ایں را مطالعہ کنید کہ مخصوص برائے شما ساختہ ایم''۔[۲۰]

(اسے مطالعہ فرمایئے کہ ہم نے یہ خاص طور پر آپ کے لئے لکھا ہے)۔

اگرچہ اس ضمن میں قطعیت کے ساتھ کوئی بات کہنا مشکل ہے تاہم یہ تاثر قائم رہتا ہے کہ بابا صاحبؒ کو ''عوارف المعارف'' سے یک گونہ ذاتی لگاؤ تھا۔[۲۱]

بابا صاحب کو قاضی حمید الدین ناگوریؒ کی تصانیف میں دلچسپی تھی۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ بابا صاحب کے مرشد گرامی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے گہرے دوست اور مصاحب تھے۔ قاضی صاحب کی تصانیف بہت ادق ہوتی تھیں ان کے بارے میں قرون وسطیٰ کے ایک بہت بڑے عالم اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے:

''جو کچھ آپ نے پڑھا ہے وہ سب قاضی صاحب کی ان کتب میں موجود ہے اور جو نہیں پڑھا وہ بھی اور جو کچھ میں نے پڑھا ہے یا نہیں پڑھا ہے وہ بھی ان میں موجود ہے''۔[۲۲]

تاہم بابا صاحب ان کتب میں پوری دستگاہ رکھتے تھے اور انہیں اپنے شاگردوں کو بہت اچھی طرح سمجھا سکتے تھے۔ آپ نے شمس دبیر کو ''لوائح'' پڑھائی۔[۲۳] بابا صاحبؒ کو کتابوں سے بہت دلچسپی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس مذہب اور تصوف پر مستند کتابوں کی ایک لائبریری تھی۔[۲۴] آپ کی طرف منسوب جعلی ملفوظات میں لاتعداد کتب[۲۵] کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ''سیر الاولیاء'' اور دوسری کتب میں دیئے گئے بعض قصے کہانیوں سے پتہ چلتا ہے کہ بابا صاحبؒ کو عربی گرامر پر بھی کافی عبور تھا۔

بابا صاحب بحیثیت شاعر

خلوص و محبت کے جذبات سے چھلکتا ہوا دل اپنے اظہار مدعا کے لئے شعر کہنے سے کیسے رک سکتا تھا۔ بابا صاحبؒ عربی، فارسی اور کچھ مقامی بولیوں میں شعر کہتے تھے۔ امیر خورد نے اپنی کتاب میں مختلف مقامات پر بابا صاحب

Marfat.com

کے مندرجہ ذیل اشعار کا حوالہ دیا ہے:

بقدر رنج یابی سروری را
بشب بیدار بودن مہتری را

(تمہاری عزت افزائی تمہارے کام میں محنت کے مطابق ہوگی۔ شب بیداری عظمت کا پیش خیمہ ہوتی ہے)۔

لوکان ہذا العلم یدرک بالمنی
ماکان یبقی فی البریۃ جاہل
فجہدوا الا تکسل ولا تک غافلا
فندامۃ العقبی لمن یتکاسل

(اگر صرف چاہنے سے علم حاصل ہو سکتا تو دنیا میں کوئی جاہل نہ ہوتا۔ تمہیں چاہیے کہ خوب محنت و مشقت کرو اور سستی اور کاہلی کو اپنے سے دور کرو کیونکہ روز محشر ندامت صرف سست الوجود لوگوں کا مقدر ہوگی)۔

رضینا قسمۃ الجبار رفینا
لنا علم وللجہال مال[26]

(ہم اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی ہیں ہمارے لئے علم ہے اور جاہلوں کے لئے دولت)۔

رو دل بکیے دہ کہ نمیر و تاتو
از درد فراق او نگوی یاری[27]

قبایش راشدم بندہ کہ چوں بکشاد بہ نشیند
ولی خصم کر بندم کہ چوں بر پشت برخیزد

از نور جلال مرد مطلق خیزد
واز شوق خدا نگرچہ رونق خیزد
ایں خاطر مرداں چہ عجائب بحری است
چوں سوج زند ہمہ انا الحق خیزد

تو گدائے دو باش از بادشاہ
تانیاید بردر تو دور باش

Marfat.com

گرو صال شاہ میداری طمع
از صال خویشتن مہجور باش

دو شینہ شبنم دل حزینم بگرفت
واندیشہ یار نازنینم بگرفت
گفتم بسرو دیدہ روم بردر تو
اشکم بدوید آستینم بگرفت

المباحثۃ بین الاثنین
خیر امن تکرار السنین

اے مدعی بدعوی چندیں مکن دلیری
یک حرف راز معنی سہ صد جواب باشد

خورش دہ بگنجشک وکبک وحمام
کہ ناگہ ہمائی در افتد بدام

ان ارذل الناس
من اشغل بالا کل و اللباس

مندرجہ ذیل شعر جو کہ مقامی بولی ہے، بھی بابا صاحبؒ کا ہے:

کنت نہوتیں کا رری ناکاں ہت منای
بس کندلی مدھن گرہو رہن لہدلہا[48]

مندرجہ ذیل شعر حضرت بابا صاحبؒ اکثر پڑھا کرتے تھے مگر یہ بات قطعیت کے ساتھ معلوم نہیں کہ یہ شعران کے اپنے ہیں:

عشق تو مرا اسیر و حیراں کردہ است
در کوے خرابات پریشاں کردہ است
بایں ہمہ رنج و محنت اے دوست ببین
اسرار تو درد لم کہ پنہاں کردہ است

Marfat.com

گیرم کہ بشب نماز بسیار کنی
در روز دوائی شخص بیمار کنی
تادل نکنی زغصہ و کین خالی
صد خرمن گل بر سریک خارکنی

گرمی ندہد ہجر تووصلت یارم
باخاک سر کوئے تو کاری دارم

چو درویش را کار بالا کشید
بیک لحظہ سرور ثریا کشید
چناں غرق گردد بدریائے عشق
کہ یکدم سراز عشق بالا کشید

ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب نے اپنی کتاب ''اردو زبان کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیاء کا حصہ''[۲۹] میں بابا صاحب کی اردو شاعری کے مندرجہ ذیل نمونے دیئے ہیں:

اسا کیری یہی سوریت
جاؤں نائے کہ جاؤں مسیت

تن دھونے سے دل ہوتا جو پوک
پیش روا صفیا کے ہوتے غوک

ریش سبلت سے گر بڑے ہوتے
بوکڑواں سے نہ کوئی بڑے ہوتے

خاک لانے سے گر خدا پائیں
گائے بیلاں بھی واصلاں ہو جائیں

گوشہ گری میں گر خدا ملتا

Marfat.com

گوش چویاں کوئی نہ واصل تھا

عشق کار موز نیارا ہے
اجز مدد پیر کے نا چارا ہے

وقت سحر وقت مناجات ہے
خیز ورآں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا
خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
باتن تنہا چہ روی زیر زمین
نیک عمل کن کہ رہی سات ہے
پند شکر گنج کہ بدل جان شنو
ضائع مکن کہ عمر ہیہات ہے

جلی یاد کی کرنا ہر گھڑی یک تل حضور سوں ٹلنا نہیں
اٹھ بیٹھ میں یاد سوں شاد رہنا گواہ دار کو چھوڑ کے چلنا نہیں
پاک رکھ تو دل کو غیر سنی اج سائیں فرید کا آونا ہے
قدیم قدیمی کے آونے سین لازوال دولت کون پاونا ہے

فاضل مصنف نے ان مآخذ کا تنقیدی جائزہ نہیں لیا، جہاں سے انہوں نے مذکور الصدر اشعار لئے۔ ان اشعار کی باباصاحب کی طرف نسبت مشکوک ہے۔ کیونکہ جو تخلص ان میں دیا گیا ہے کہ وہ باباصاحبؒ نے کبھی استعمال نہیں کیا۔ شیخ عبدالواحد ابراہیم نے اپنی کتاب ''سبع سنابل'' میں جو کہ ۹۶۹ھ/ ۱۵۶۱ء [۳۱] میں تحریر کی گئی باباصاحبؒ کے مندرجہ ذیل اشعار دیئے ہیں۔

ٹوپی لیندی باوری دیندی کہری نج
چوہا کڈنہا نوی چھچھی بندھتی چھج
منان من منائیاں سر متی کیا ہوئے [۳۲]
کیتنن بھیڈاں سنیاں سوک نہ لدے کوئے

Marfat.com

تعلیمات

بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی طویل زندگی لوگوں کی اخلاقی اور روحانی تہذیب وتربیت میں صرف ہوئی۔ شومی قسمت سے آپ کے ملفوظات کی مفصل روداد تیار نہ کی گئی۔ امیر خورد نے بابا صاحبؒ کے ایک مرید کا ذکر کیا ہے جس نے بابا صاحبؒ کے پانچ صد ملفوظات کو قلمبند کیا تھا مگر یہ تالیف دستبرد زمانہ سے نہ بچ سکی۔ آج اس تالیف کا صرف وہ حصہ ہمارے پاس موجود ہے جسکا اقتباس امیر خورد نے دیا ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے بابا صاحبؒ کے فرمودات کی کچھ یادداشتیں رکھی تھیں مگر یہ غالباً ان کے ذاتی مصرف کے لئے تھیں اور ان کی طباعت کی کبھی نوبت ہی نہیں آئی تھی بلکہ امیر خورد کو شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی وفات کے بعد آپ کے کاغذات میں بھی نہیں ملیں حالانکہ یہ کاغذات آپ کے دسترس میں تھے۔ ''اسرار الاولیاء'' اور ''راحت القلوب'' ہر دو کتب جعلی ہیں جو بعد ازاں لکھ کر بابا صاحب کی طرف منسوب کر دی گئیں۔ ان کی بنا پر بابا صاحب کے فرمودات قلمبند کرنا بابا صاحب سے انتہائی ناانصافی ہوگی لہٰذا اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم ''فوائد الفواد'' اور ''سیر الاولیاء'' میں دی گئی قلیل اور ناکافی معلومات پر انحصار کریں۔

اللہ تعالیٰ نے بابا صاحبؒ کو دل لبھا لینے والی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ''فوائد الفواد'' میں دی گئی چند حکایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کو انسانی نفسیات کا کتنا صحیح علم تھا اور کتنے موثر پیرائے میں وہ نصیحت فرمایا کرتے تھے۔[۳۳]

بابا صاحبؒ کے چند فرمودات کا جن کا حوالہ امیر خورد[۳۴] نے دیا ہے۔ ذیل میں آزاد ترجمہ دیا جاتا ہے:

۱: اپنی ذات سے بچ نکلنا خدا کی معرفت ہے۔

۲: اپنے نفس کی خواہشات کو مت پورا کرو کیونکہ جتنی تم اس کی تسکین کرو گے یہ اتنا ہی زیادہ مانگے گا۔

۳: جاہل کو زندہ مت سمجھو۔

۴: اس جاہل سے بچو جو عالم کا روپ دھار کے پھرتا ہے۔

۵: اس سچ سے بچو جو جھوٹ سے مشابہ ہو۔

۶: جو چیز لوگ خریدنا چاہیں وہ مت بیچو۔

۷: دنیاوی جاہ وحشم کے پیچھے مت دوڑو۔

۸: ہر شخص کی دعوت مت کھاؤ مگر خود سب کو کھانا کھلاؤ۔

۹: موت سے کسی مقام پر بھی غافل نہ ہو۔

۱۰: اندازے سے کوئی بات مت کہو۔

۱۱: جب کبھی کوئی مصیبت تم پر نازل ہو تو اسے شامت اعمال سمجھو۔

۱۲: گناہ پر مت اتراؤ۔

۱۳: اپنے دل کو شیطان کا کھلونا مت بناؤ۔

Marfat.com

۱۴: باطن کو ظاہر سے زیادہ سنوارو۔
۱۵: اپنی نمائش مت کرو۔
۱۶: کسی اعلیٰ مرتبہ کے حصول کے لئے اپنے آپ کو مت گراؤ۔
۱۷: کمزور اور نو دولتوں سے کوئی چیز ادھار مت لو۔
۱۸: بزرگوں کا احترام کرو۔
۱۹: ہر روز نئی روحانی ترقیات کی خواہش کرو۔
۲۰: جہاں تک ہو سکے عورتوں کو بدکلامی سے روکو۔
۲۱: صحت کو غنیمت جانو۔
۲۲: احسان مند بنو مگر کسی کو احسان مت جتاؤ۔
۲۳: دوسروں سے بھلائی کرتے ہوئے یہ سمجھو کہ تم اپنے آپ سے بھلائی کر رہے ہو۔
۲۴: جس چیز کو دل ناپسند کرے اسے فوراً چھوڑ دو۔
۲۵: جو غلام بکنا چاہے اسے مت پاس رکھو۔
۲۶: نیکی کرنے کے لئے بہانے کی تلاش میں رہو۔
۲۷: جھگڑا لڑائی اس قدر نہ کرو کہ صلح کا موقعہ ہی نہ رہے۔
۲۸: غصہ اور ہلکا پن کمزوری کی نشانی سمجھو۔
۲۹: دشمن سے اپنے آپ کو کبھی محفوظ نہ سمجھو خواہ وہ کتنا ہی صلح جُو کیوں نہ ہو۔
۳۰: جو تم سے ڈرے اس سے ڈرتے رہو۔
۳۱: اپنے بل بوتے پر انحصار مت کرو۔
۳۲: سب موقعوں سے زیادہ شہوانی خواہش کے وقت ضبط کی ضرورت ہوتی ہے۔
۳۳: امراء کی صحبت میں دین سے غافل مت ہو جاؤ۔
۳۴: انصاف میں عزت وعظمت ہے۔
۳۵: دولت ہو تو سخی بنو۔
۳۶: دین کا کوئی بدل نہیں۔
۳۷: وقت کے برابر کوئی شے نہیں۔
۳۸: پرہیزگار سے فیاضانہ سلوک کرو۔
۳۹: مغرور آدمیوں سے تکبر سے پیش آنا ضروری ہے۔
۴۰: مہمانوں کی ضیافت میں اسراف سے کام نہ لو۔
۴۱: جب اللہ تعالیٰ کوئی مصیبت نازل کرے تو اس سے بھاگو نہیں۔

Marfat.com

۴۲: جب درویش کو تونگری کی امید ہو اسے خود غرض سمجھو۔

۴۳: ملک ایسے وزیر کے حوالے کرو جسے خوف خدا ہو۔

۴۴: اپنے دشمن سے مشورہ کر کے اس کے عزائم کو شکست دو اور ادب سے اپنے دوست کو گردیدہ بناؤ۔

۴۵: دنیاداروں کو بلائے ناگہانی سمجھو۔

۴۶: اپنی خامیوں کے خود نکتہ چیں بنو۔

۴۷: دولت استحقاق کی بنا پر حاصل کرو تا کہ ہمیشہ قائم رہے۔

۴۸: انکساری سے علم حاصل کرو۔

۴۹: دشمن کی بدکلامی پر برہم مت ہو اور غصہ سے مغلوب ہو کر اپنی ڈھال مت گنواؤ۔

۵۰: اگر ذلت سے بچنا چاہتے ہو تو کوئی چیز مت مانگو۔

۵۱: اگر ساری دنیا کو دشمن بنانا چاہتے ہو تو مغرور بن جاؤ۔

۵۲: اپنی اچھائی، برائی کو مخفی رکھو۔

۵۳: دین کی حفاظت علم سے کرو۔

۵۴: اگر عظمت چاہتے ہو تو مظلوم کا ساتھ دو۔

۵۵: اگر آرام اور خوشی چاہتے ہو تو حسد مت کرو۔

۵۶: مصیبت کو غنیمت سمجھو۔

۵۷: اس طرح کام کرو کہ تمہیں ابدی زندگی نصیب ہو۔

بابا صاحبؒ کے یہ فرمودات خشک حکیمانہ باتیں نہیں۔ یہ اخلاق اور تجربہ کا نچوڑ ہیں اور ان پر حقیقی تصوف کی گہری چھاپ ہے۔ بابا صاحب قول وفعل سے اپنے مریدوں کے قلب ودماغ پر یہ نقش بٹھاتے کہ صوفی کی زندگی کا عظیم نصب العین لوگوں کے دلوں میں انس ومحبت پیدا کرنا ہے۔ ایک دن ایک شخص نے آپ کو قینچی دی تو آپ نے فرمایا:

''مجھے سوئی چاہیے کیونکہ میں سیتا اور جوڑتا ہوں۔ میں کاٹ کر الگ الگ نہیں کرتا۔''[۳۶]

بابا صاحبؒ اپنے مریدوں سے چاہتے تھے کہ وہ کلی طور پر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں کیونکہ صرف ایسے ہی بھروسہ سے انسانی طاقتوں کو مجتمع اور قوی تر کیا جا سکتا ہے۔ ایک روز جب آپ اپنے عصا کا سہارا لئے کھڑے تھے کہ آپ کا رنگ بدل گیا اور آپ نے عصا کو پرے پھینک دیا۔ اس وقت شیخ نظام الدین اولیاءؒ حاضر تھے۔ بابا صاحبؒ کی حالت میں اس یکا یک تبدیلی پر انہیں سخت حیرت ہوئی۔ جب انہوں نے آپ سے وجہ پوچھی تو بابا صاحب نے فرمایا:

''مجھ پر بارگاہ الٰہی سے عتاب ہوا تھا کیونکہ میں نے ماسوی اللہ کا سہارا لیا تھا''[۳۷]

ایک روز بابا صاحبؒ نے حاضرین مجلس کو بتایا کہ سات سو بزرگان دین کو چار سوال کئے گئے اور سب نے یکساں جوابات دیئے۔[۳۸] سوالات یہ تھے:

۱: سب سے زیادہ عقلمند کون ہے؟
جواب: جو دنیا ترک کر دے۔
۲: سب سے زیادہ امیر اور مالدار کون ہے؟
جواب: جو قانع ہے۔
۳: سب سے زیادہ دلی صفت کون ہے؟
جواب: جو ہر بات پر بدل نہیں جاتا۔
۴: سب سے زیادہ حاجت مند کون ہے؟
جواب: جو قناعت چھوڑ دے۔

بابا فریدؒ اپنے مریدوں کو نصیحت کرتے کہ وہ اپنے اندر روحانی حریت پیدا کریں اور اپنی جملہ حاجات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کریں۔ آپ نے فرمایا جب بندہ دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو انکار کرتے حیا آتی ہے۔[۳۹] بابا صاحب کی گفتگو کا موضوع اکثر فقر و توکل کی زندگی ہوتی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے مرید تنگ دستی و مجاہدہ کی زندگی میں خوشی محسوس کریں اور اپنے آپ کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیں۔ انہیں اس بات کا گہرا احساس تھا کہ دنیوی علائق کا بوجھ انسان کی اعلیٰ روحانی امنگوں کو کچل کر رکھ دیتا ہے اور روحانی ترقی و عروج کو مقید کر دیتا ہے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ یوم شکست اعلیٰ ترین روحانی عروج کی رات ہوتی ہے۔[۴۰]

ایک درویش کے پاس سب سے قیمتی چیز وقت ہے اور اسے اس کی پوری نگہداشت کرنی چاہیے۔ آپ بار بار اس مضمون کی طرف لوٹتے اور اپنے مریدوں سے وقت کی قدر بیان کرتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ امام شافعیؒ نے دس سال صوفیاء کی خدمت کی پھر کہیں جا کر انہیں وقت کی قیمت کا اندازہ ہوا۔[۴۱]

بابا صاحب نہیں چاہتے تھے کہ ان کے مرید لغو اور بیہودہ گفتگو میں اپنا وقت اڑا دیں۔ آپ نے اپنے مریدوں کو ہدایت کی کہ آدمی کو کام کرنا چاہیے اور لوگوں کی باتوں میں نہیں بہل جانا چاہیے۔ آپ نے شیخ جلال الدین تبریزی کی رائے کا حوالہ دیا اور خود اس کی تائید فرمائی:

> ''بہت سی باتیں دل کو سلا دیتی ہیں اور اسے پیغامات خداوندی سے غافل کر دیتی ہیں۔ آدمی کو صرف وہ بات کہنی چاہئے جس کا مقصود صرف ذات باری ہو۔''[۴۲]

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو فقیر نیا جوڑا پہنتا ہے وہ دراصل کفن پہنتا ہے۔ آپ اپنے مریدوں کے ذہن نشین کرنا چاہتے تھے کہ آرام و آسائش ایک درویش کی زندگی سے لگا نہیں کھاتے۔

بابا صاحبؒ کے مندرجہ ذیل اقوال و نصائح خاص طور پر قابل توجہ ہیں کیونکہ یہ چند اہم امور کے بارے میں ان کے خیالات پر روشنی ڈالتے ہیں:

۱: زکوٰۃ تین قسم ہوتی ہے: زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت، زکوٰۃ حقیقت، زکوٰۃ شریعت یہ ہے کہ آدمی دو سو درہم میں سے پانچ درہم دے دے اور زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ آدمی پانچ درہم رکھ لے اور باقی درہم دے دے اور

Marfat.com

زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ آدمی سب کچھ دے دے اور اس کے پاس کچھ نہ رہے۔[۳۳]

۲: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مبارک ہے وہ شخص جسے اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کا علم دوسروں کی کمزوریوں کے اظہار سے روک دے۔

۳: باہمی مشورہ اکیلے بیٹھ کر گردان کرنے سے بہتر ہے۔

۴: تدبیر میں مصیبت ہے اور راضی بہ رضا رہنے میں عافیت۔

۵: علماء عامتہ الناس سے بہتر ہیں اور فقراء سب سے بہتر۔

۶: فقیر علماء کے درمیان ایسے ہیں جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چاند۔

۷: سب سے کمینہ وہ شخص ہے جسے صرف کھانے اور پہننے کا شوق ہو۔

۸: سماع سننے والوں کے دل میں رقت پیدا کرتا ہے اور عشق کے شعلہ کو فروزاں کرتا ہے۔[۳۴]

بابا صاحبؒ چاہتے تھے کہ ان کے مرید کبر و نخوت سے پاک و صاف رہیں۔ وہ انہیں نصیحت کرتے رہتے تھے کہ مرشد کے معاملہ میں وہ انکساری اور عاجزی سے پیش آئیں۔ ایک روز آپ نے شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ کے بارے میں مندرجہ ذیل قصہ بیان فرمایا:

> ''ایک دفعہ شیخ ابو سعید ابوالخیر گھوڑے پر جا رہے تھے۔ آپ کے ایک مرید نے جو آپ کو دیکھا تو قدمبوسی کو دوڑا۔ شیخ نے فرمایا اور نیچے۔ اس پر مرید نے گھوڑے کے سم کو بوسہ دیا۔ شیخ نے فرمایا، اس سے بھی نیچے چنانچہ مرید نے زمین کو بوسہ دیا۔ اس پر شیخ نے فرمایا'' میں تمہیں اپنی عزت افزائی کے لئے اور نیچے بوسہ دینے کو نہ کہتا تھا بلکہ تم جتنا نیچے جھکتے تھے تمہارے روحانی مراتب اتنے ہی اونچے جاتے تھے۔''[۳۶]

روحانی نظام

برصغیر پاک و ہند میں چشتیہ سلسلہ کو مستحکم کرنے کا سہرا بابا فرید صاحبؒ کے سر ہے جیسا کہ ایک بار شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا بابا صاحبؒ نے تصوف کو ایک عوامی تحریک بنا دیا تھا اور اس میں ہر قسم کے لوگوں کو داخل کر لیا تھا تا کہ ان کے اندر روحانی شعور پیدا کیا جا سکے۔[۳۷] بابا صاحبؒ کی طویل مخلصانہ اور انتھک جدوجہد نے سلسلہ کے وقار کو بہت بلند کر دیا۔ دور و نزدیک سے لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے آپ سے سلسلہ چشتیہ کی اخلاقی اور روحانی تعلیم حاصل کی۔

حضرت بابا صاحبؒ کے مرید عام طور پر دو طرح کے تھے۔ ایک وہ جنہوں نے اپنی زندگی دین کے لئے وقف کر دی تھی اور دوسرے وہ جنہوں نے اپنی روحانی جلا کے لئے آپ کے سلسلہ میں شمولیت اختیار کی مگر ساتھ ساتھ اپنے دنیاوی کاروبار کو بھی جاری رکھا۔ دوسری طرح کے لوگوں سے بابا صاحبؒ اس سے زیادہ توقع نہیں رکھتے تھے کہ وہ اپنے کاروباری معاملات میں لوگوں سے دیانتداری کو شیوہ بنائیں اور مذہبی فرائض باقاعدگی سے ادا کرتے رہیں۔ اپنے اعلیٰ

Marfat.com

مریدوں کو چاہتے تھے کہ وہ تمام دنیوی علائق سے قطع تعلق کر لیں اور دین کی بے غرضانہ خدمت کو اپنائیں۔ دوسری طرح کے لوگوں سے وہ اس پر مطمئن تھے کہ وہ زکوٰۃ شریعت ادا کرتے رہیں گے مگر پہلی طرح کے لوگوں سے وہ زکوٰۃ حقیقت [۴۸] کے خواہشمند ہوتے۔ پہلی قسم کے لوگ وہ مرید تھے جن میں سے بابا صاحبؒ اپنے خلفا کا چناؤ کرتے۔ آپ ان کو مندرجہ ذیل نصیحتیں فرماتے:

۱: روحانی ترقی، روح کی تہذیب و تربیت اور باطنی صفائی میں ہے۔ مشین کی طرح نمازوں کی ادائیگی میں نہیں۔ اگر معرفت چاہیے تو دل سے غصے اور حسد و نفرت کو مٹا دو۔

۲: جو بادشاہوں سے میل ملاپ رکھے معرفت اس کے پاس بھی نہیں پھٹکتی۔ [۴۹] بادشاہوں کا منظورِ نظر ہونا اخلاقی حس کو کمزور کر دیتا ہے اور روح کی آزادی کو ختم کر دیتا ہے۔

۳: تولیت روحانی نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے یکسوئی میں مخل ہوتی ہے۔ اس ذمہ داری کو کبھی قبول نہ کرنا چاہیے۔ [۵۰]

۴: اس دنیا میں کسی سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔ دشمنوں کو بھی راضی اور مطمئن کرنا چاہیے۔ [۵۱]

۵: ذمہ داریوں کو پورا کرنا چاہیے اور فرائض کو ادا کرنا چاہیے۔ [۵۲]

۶: علم دین روحانی مجاہدہ کے لئے شرطِ اول ہے۔ [۵۳]

بابا فریدؒ اپنے مریدوں کے اندر صحت منداور جامع شخصیتیں تیار کرنے میں بڑی محنت کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ انہیں تلقین کرتے کہ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرو اور اپنی باطنی زرخیزی کو بروئے کار لاؤ۔ وہ ان کے جذبات کی نشو و نما کرتے اور ان کی ذہنی تربیت کرتے۔ آپ کا پختہ عقیدہ تھا کہ عقل، عشق کے تازیانہ اور اخلاق اور روحانی اقدار میں ایمان کی لگام کے بغیر انسانی زندگی میں ذریعہ انتشار بن جاتی ہے۔ وہ اپنے مریدوں کو تصوف کی مستند کتابیں پڑھا کر اعلیٰ دینی فکر سے روشناس کراتے اور ان کے امیال و عواطف کی تہذیب و تربیت سے ان کی باطنی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرتے۔ وہ خیالی پلاؤ نہ پکاتے بلکہ تصوف کی مجموعی حکمت عملی زندگی میں نمایاں کر کے اپنے مریدوں کو ذہنی اور جذباتی طور پر سلسلہ کی رہنمائی کے کٹھن کام کے لیے تیار کرتے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی زندگی اس ضمن میں ایک روشن مثال ہے کہ کس طرح آپ کا عمل آپ کے مریدوں کے لئے مہمیز کا کام کرتا اور ان کے فکر و کردار کو سانچے میں ڈھال لیتا۔ جب کبھی جماعت خانہ میں کوئی نیا مسئلہ پیدا ہوتا یا ان کی زندگی میں کوئی نازک موڑ آتا تو شیخ نظام الدین اولیاء کا ذہن فوری طور پر اپنے مرشد کی طرف دوڑتا اور آپ جہاں تک ممکن ہوتا اپنے مرشد کے طرزِ عمل کی پیروی کی کوشش کرتے۔ [۵۴] یہ بابا صاحبؒ کی شاگردی ہی تھی جہاں شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے امن پسندی، وسیع المشربی اور مادی مشاغل کو ترک کرنے کا سبق سیکھا۔

بابا صاحبؒ کے نزدیک خلافت ایک نہایت سنجیدہ فرض تھا جو صرف ایسے مرید کو تفویض کیا جا سکتا ہے جس کو قدرت نے دل و دماغ کی غیر معمولی خوبیوں سے نوازا ہو۔ جب آپ نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو اپنا جانشین بنایا تو آپ نے فرمایا: [۵۵]

''باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق دادہ است و ہر کہ بدیں سہ صفت موصوف باشد از و

Marfat.com

خلافت مشائخ نیکو آید''۔

(اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم، عقل اور عشق سے نوازا ہے اور وہی شخص جس میں یہ تین خصوصیتیں ہوں، بزرگان دین کی خلافت کا بار سنبھال سکتا ہے)۔

بلا امتیاز عطائے خلافت جو بعد ازاں تصوف کا دستور بن گیا، بابا صاحبؒ کو سخت ناپسند تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

''بزرگان دین تین طور پر خلافت عطا فرمایا کرتے تھے۔ پہلا طریق رحمانی ہے جو سب سے بہتر اور مستقل مزاج ہے۔ اس میں بہت سے انعامات و برکات ہوتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ مرشد کے دل میں القاء کرتے ہیں کہ فلاں شخص کو خلافت عطا کردو۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ مرشد ایک مرید کی خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے خلافت کا اہل سمجھ کر خلافت عطا کر دیتا ہے۔ اس میں مرشد کی رائے غلط ہونے کا بھی امکان ہے اور تیسرا طریق یہ ہے کہ مرشد اپنی مرضی سے نہیں بلکہ کسی کی سفارش پر یا بہ نظر عنایت کسی شخص کو خلافت عطا کر دے۔''[۵۶]

بابا فریدؒ جس کسی کو خلافت نامہ عطا کرتے، اسے آپ کے بزرگ مریدوں خصوصاً شیخ جمال الدین ہانسوی سے خلافت نامہ کی تصدیق کرانا پڑتی۔[۵۷] یہ کہنا مشکل ہے کہ اس طریق کار کے اختیار کرنے میں بابا صاحبؒ کا مقصد اس نئے خلیفہ کے بارے میں مزید رائے حاصل کرنا ہوتا یا اس کے ذہن پر شیخ جمال الدین ہانسویؒ کی شمولیت نقش کرنا ہوتی یا بزرگ مریدوں کو اندرونی حلقہ میں مزید اضافہ سے باخبر رکھنا ہوتا۔ اس طریق کار پر البتہ سختی سے عمل کیا جاتا اور ایک بار آپ نے اس شخص کو خلافت نامہ دینے سے انکار کر دیا جس کا خلافت نامہ شیخ جمال نے پھاڑ دیا تھا۔[۵۸]

بابا صاحبؒ ہر ممکن طریق سے کوشش کرتے کہ آپ کی طرف سے جعلی یا مصنوعی خلافت نامے نہ بنا لئے جائیں۔ ایک روز آپ نے مولانا بدر الدین اسحٰق کو خلافت نامے کی کچھ نقلیں تیار کرنے کے لیے فرمایا جو آپ ان لوگوں کو دینا چاہتے تھے جنہیں اپنا خلیفہ مقرر کرنا چاہتے تھے۔ ایک مرید جس نے بابا صاحبؒ کی مخلصانہ طور پر بڑی مدت تک خدمت کی تھی مگر آپ نے اسے خلافت کے اہل نہ سمجھا، مایوسی سے کہنے لگا: ''اگر شیخ مجھے خلافت نامہ نہ دیں گے تو میں ایسا خود تیار کرلوں گا اور لوگوں کو بیعت کرنا شروع کردوں گا۔'' بابا صاحبؒ اس بات پر چونکے اور مولانا بدر الدین کو ہدایت کی کہ خلافت ناموں پر اپنا نام بطور راقم کے تحریر کر دیا کرو تا کہ بے ایمان لوگ جعلسازی سے کام نہ لے سکیں۔[۵۹]

مولانا فخر الدین صفاہانی کا معاملہ اس ضمن میں قابل غور ہے۔ آپ بلگرام کی ایک مشہور و معروف شخصیت تھے۔ آپ نے ایک درویش داؤد نامی کو بابا صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کی طرف سے درخواست کرے کہ بابا صاحبؒ آپ کو خلافت نامہ عطا فرمائیں۔ آپ نے اپنی درخواست میں عرض کیا کہ لوگ کلاہ چہار ترکی کے لئے مجھے بہت پریشان کرتے ہیں۔ بابا صاحبؒ نے خلافت نامہ دینے سے انکار کر دیا۔ داؤد نے جماعت خانہ میں قیام کر کے بابا صاحبؒ کے بزرگ مریدوں سے سفارش کے لئے تحریک کی۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور بابا صاحبؒ کے فرزند شیخ شہاب الدین نے بہت زور دیا کہ بابا صاحبؒ مولانا فخر الدین کو خلافت نامہ دے دیں مگر بابا صاحبؒ نے سختی سے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

''ایں کار حق است بآرزو نیست ہر کہ قابل باشد ناخواستم بیاید۔''

(یہ خدائی کام ہے جو کوئی چاہے اس کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ جو اس کا سزاوار ہوتا ہے اسے بے طلب مل جاتا ہے)۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اس وقت تو زور نہ دیا مگر بعد میں جب بابا صاحبؒ ایک روز شگفتہ مزاجی کے عالم میں تھے کہ آپ نے پھر درخواست دہرائی۔ بابا صاحبؒ نے آپ کی سفارش قبول فرما کر مولانا صفاہانی کو خلافت نامہ عطا فرما دیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ مولانا صفاہانی کو اپنے کام میں کوئی کامیابی نہ ہوئی کیونکہ انہوں نے یہ خلافت نامہ دباؤ کے تحت اور بابا صاحبؒ کی مرضی کے خلاف حاصل کیا تھا۔[60]

بابا صاحبؒ کسی مرحوم بزرگ کی قبر پر کلاہ چہار ترکی پہن کر مرید ہونے کے سخت خلاف تھے۔ آپ کے ایک صاحبزادے شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر گئے اور وہاں سر منڈا کر کہا کہ وہ خواجہ بزرگ کے مرید ہو گئے ہیں۔ بابا صاحبؒ نے جب اس بارے میں سنا تو بڑے پُر زور لہجے میں فرمایا:

''شیخ قطب الدین خواجہ و مخدوم ما است۔ اما ایں بیعت درست نباشد۔ ارادت و بیعت آنست کہ دست شیخ گیرند''۔[61]

(شیخ قطب الدین میرے آقا و مرشد ہیں لیکن اس انداز سے مرید ہونا درست نہیں۔ بیعت و ارادت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آدمی کسی شیخ کا دامن تھام لے)۔

بابا صاحبؒ کے روحانی نظم و ضبط کی کامیابی کا راز آپ کے قلب و دماغ کی غیر معمولی صلاحیتوں میں تھا۔ آپ کی زبردست وجدانی ذکاوت مرید کے دل کی تہہ تک پہنچ جاتی۔ آپ ایک ہی نگاہ میں ایک مرید کے معایب و محاسن معلوم کر لیتے۔ اس تیز تہہ تک پہنچنے والی دقت نظر نے بابا صاحبؒ کو بہترین معلم بنایا تھا۔[62] کسی شخص کو اپنی روحانی اور اخلاقی افتاد کے عروج تک پہنچا دینا بڑا کٹھن کام ہے۔ یہ صرف شفقت و محبت، فہم و تدبیر، سلیقہ اور کبھی کبھی سختی سے کام لینے سے سرانجام پاتا ہے۔

بابا صاحبؒ میں یہ سب خصوصیات بلکہ اس سے بھی زیادہ پائی جاتی تھیں۔ مندرجہ ذیل حکایات سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکے گا کہ آپ فطرت انسانی کو کتنی اچھی طرح سمجھتے تھے۔

1: شیخ نظام الدین اولیاءؒ دہلی کے اعلیٰ ادبی و علمی حلقوں میں اپنا سکہ منوا کر اجودھن پہنچے تھے۔ وہ ایک اچھے مناظر تھے اور آپ کو نظام الدین محفل شکن کہا جاتا تھا۔ ایک روز بابا صاحبؒ اپنے مریدوں کو ''عوارف المعارف'' پڑھا رہے تھے۔ آپ والے نسخہ میں کچھ کتابت کی غلطیاں تھیں چنانچہ آپ آہستہ آہستہ اور رک رک کر سبق پڑھاتے جاتے اور ساتھ ساتھ اغلاط و اسقام دور کرتے جاتے۔ شیخ نظام الدینؒ نے بڑھ کر بابا صاحبؒ سے عرض کی کہ شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس ایک عمدہ نسخہ ہے۔ بابا صاحبؒ اس پر کچھ چیں بہ جبیں ہوئے اور خفا ہوتے ہوئے بار بار فرمایا ''کیا اس درویش میں اتنی قابلیت نہیں کہ غلط نسخے کو درست کر سکے۔'' جب شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو احساس ہوا کہ ان کے مرشد ان کی بات کا برا مان گئے ہیں تو ان کے قدموں میں پڑے اور اپنی گستاخی کے لئے معافی کے خواستگار ہوئے لیکن اس پر بھی بابا صاحبؒ کا غصہ

Marfat.com

فرونہ ہوا جس پر شیخ نظام الدینؒ کو شدید قلق ہوا۔ انتہائی ذہنی آزردگی کی کیفیت میں وہ خودکشی پر تیار ہو گئے اور روتے پیٹتے جنگل میں نکل گئے۔ باباصاحبؒ کے فرزند شیخ نظام الدینؒ جو کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے قریبی دوست تھے شیخ نظام الدین اولیاء کی حالت دیکھ کر بہت مغموم ہوئے اور باباصاحبؒ سے سفارش کر کے معافی لے دی۔ باباصاحبؒ نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو پاس بلا کر کہا کہ ہم نے یہ سب تمہاری تکمیل کے لئے کیا ہے۔ پیر کی حیثیت مرید کے لئے وہی ہوتی ہے جو دلہن کے لئے مشاطہ کی۔[۶۳]

ظاہراً شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے الفاظ نہایت معصومانہ معلوم ہوتے ہیں لیکن باباصاحبؒ کی وجدانی بصیرت نے ان الفاظ میں اس عقلی پندار کی جھلک پائی جو شیخ نظام الدین اولیاءؒ میں ان کی دہلی کے علمی حلقوں میں کامیابی وتفوق نے پیدا کر دیا تھا۔ اس پندار کو مٹانے کے لیے باباصاحبؒ نے سخت ترین جھڑک سے کام لیا۔

۲: دہلی میں تکمیل تعلیم کے بعد شیخ نظام الدین اولیاءؒ اپنی روح کی تہذیب وتربیت کی طرف متوجہ ہوئے اور اجودھن پہنچے۔ ایک روز آپ اپنے پرانے ہم جماعت اور ساتھی کو ملے۔ شیخ نظام الدین کے پارچات میلے کچیلے اور پھٹے پرانے تھے۔ آپ جیسے ہونہار طالب علم کی جس کا مستقبل نہایت شاندار متوقع تھا' یہ حالت دیکھ کر اسے بڑی حیرانی ہوئی۔ اس نے پوچھا: ''مولانا نظام الدین! آپ پر کیا آفت آپڑی ہے؟ اگر دہلی میں آپ تعلیم وتربیت کے پیشہ کو اختیار کرتے تو آپ وقت کے سرکردہ عالم اور مالی طور پر خوشحال ہوتے۔'' شیخ نظام الدین نے کوئی جواب نہ دیا۔ آپ نے سارا واقعہ اپنے مرشد کو آ کر سنایا۔ باباصاحبؒ نے پوچھا، شیخ نظام! آپ اس سوال کا کیا جواب دیتے؟ شیخ نظام الدین نے عرض کی کہ جیسے مرشد کا حکم۔ باباصاحبؒ نے فرمایا کہ اسے کہو:

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر برو
ترا سعادت بادا مرا نگوں ساری

(تم میرے ہمراہی نہیں ہو۔ اپنا راستہ لو اور جاؤ۔ خدا کرے کہ خوشحالی تمہارا اور بدنصیبی میرا مقدر ہو۔)

پھر باباصاحبؒ نے شیخ نظام الدین اولیاء سے فرمایا کہ ہمارے باورچی خانہ سے ہر قسم کا کھانا سر پر اٹھا کر اپنے دوست کے پاس لے جاؤ۔[۶۴]

یہ سادہ سا واقعہ ہے مگر معنی خیز۔ اس نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے دل میں خوشحالی اور آرام دہ سرکاری ملازمت کے لئے رہی سہی خواہش کا بھی خاتمہ کر دیا اور ان پر واضح کر دیا کہ جس زندگی کو انہوں نے اپنایا ہے اس کے تقاضے اس زندگی کے تقاضوں سے بالکل مختلف ہیں جو ان کا دوست بسر کر رہا تھا یا جو زندگی وہ ان کے لئے چاہتا تھا۔

۳: مولانا بدرالدین اسحٰق شدید صوفیانہ جذبہ کے مالک تھے۔ بعض اوقات وہ استغراق میں گم ہو جاتے اور ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے رہتے۔ ایک روز باباصاحبؒ نے آپ سے فرمایا کہ آج نماز کی امامت تم کرو۔ مولانا اسحٰق نے تلاوت قرآن مجید کی بجائے فارسی کا ایک شعر پڑھا اور غش کھا کر گر گئے۔ جب ہوش میں آئے تو باباصاحبؒ نے پھر نماز کے لئے کہا اور فرمایا کہ صحیح طور پر نماز پڑھاؤ۔[۶۵]

ایک روز باباصاحبؒ نے آپ کو بلایا مگر آپ پر محویت کا یہ عالم تھا کہ باباصاحبؒ کو کوئی جواب نہ دیا۔ بابا

Marfat.com

صاحب کو بہت غصہ آیا اور جب مولانا اسحٰق ان کے پاس گئے تو انہوں نے فرمایا: "تمہاری پچھلی عبادت اور ریاضت سب اکارت گئی، اب پھر سے ریاضت و مجاہدہ کرو۔"[۶۶] بابا صاحبؒ ہوشمندی کی زندگی یعنی صحو پر یقین رکھتے تھے اور اپنے مریدوں کو استغراق و محویت کی زندگی کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔

ایک خلافت نامہ

خوش بختی سے امیر خورد نے ہمارے لئے ایک خلافت نامے کی نقل چھوڑی ہے، جو بابا صاحبؒ نے اپنے مرید شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو دیا تھا۔ اس سے ان اغراض و مقاصد پر کافی روشنی پڑتی ہے جو صوفیاء خلافت نامہ دیتے وقت مدنظر رکھتے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن۔ جسے وہ آگے بڑھائے اسے کوئی پیچھے کرنے والا نہیں اور جسے وہ پیچھے کرے اسے کوئی آگے بڑھانے والا نہیں۔ درود و سلام ہو اس برگزیدہ رسول پر جس کا اسم مبارک محمد (ﷺ) ہے اور ان کی آل اور ان کے اصحاب پر۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد میں کہتا ہوں کہ علم حدیث کا مطالعہ لوگوں کے قلب و نظر کو وسعت عطا کرتا ہے اور اس شخص کو بصیرت عطا کرتا ہے جو اسے پڑھتا ہے۔ علم اصول میں سب سے بہتر کتاب ابوشکور کی "تمہید المہتدی" ہے اور تحقیق، فرزند رشید، متقی، امام زماں، نظام الملک والدین محمد بن احمد نے جو کہ علماء و ائمہ کی زینت، بزرگوں اور متقیوں کا فخر ہے۔ خدا تعالیٰ اپنی رضامندیوں کے طلب کرنے پر اس کی مدد کرے اور انتہائے رحمت پر پہنچائے۔ مجھ سے یہ کتاب شروع سے لے کر آخر تک سبقاً سبقاً بڑی توجہ اور احتیاط سے خوب اچھی طرح پڑھی۔ پڑھاتے وقت میں نے اسے لائق، دانشمند، شائستہ اور خوش معاملہ پایا۔ اب میں اسے اجازت دیتا ہوں کہ وہ خود طالب علموں کو یہ کتاب پڑھائے بشرطیکہ وہ پڑھاتے، لکھتے اور بیان کرتے وقت کوئی غلطی نہ کرے اور اپنی استعداد اور علم کو غور و خوض میں صرف کرے اور کتاب کی اغلاط کی تصحیح اور اس کے زبان و محاورہ کی تنقیح کرے۔ یہ اجازت نامہ شیخ الشیوخ العالم، اللہ تعالیٰ ان کی عزت و مرتبہ کی حفاظت کرے، کی اجازت اور موجودگی میں اس عاجز فقیر الی اللہ اسحاق بن علی بن اسحٰق سکنہ دہلی نے آج بروز بدھ ماہ رمضان تحریر کیا۔

میں نظام الدین کو مزید اجازت دیتا ہوں کہ جو کچھ اس نے مجھ سے پڑھا یا سنا یا جمع کیا اور سب یاد رکھا، وہ سب بیان کرے اور سلامتی ہو اس پر جو سیدھی راہ پر چلے۔

میں اسے مزید اجازت دیتا ہوں کہ وہ کسی مسجد میں جہاں نماز با جماعت ہوتی ہو گوشہ نشین ہو جائے۔ اس خلوت نشینی کی بنیاد یہ حدیث شریف ہے: کن فی الدنیا کانک غریب او کما بری سبیل و عدی نفسک من اصحاب القبور۔

(دنیا میں مسافر یا راہ رو کی طرح رہو اور اپنے آپ کو مردوں میں سے تصور کرو)۔ چنانچہ جو شخص اس حدیث کے مطابق ارادہ کر کے کمر ہمت باندھ لیتا ہے اسے گوشہ نشینی کی اجازت مل جاتی ہے۔ بشرطیکہ وہ نفس پر قابو پائے اور اپنے آپ کو کمزور و ناتواں سمجھے اور دنیا اور اس کی رغبتوں کو ترک کر دے۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ دنیاوی رغبتیں اور دلفریبیاں

Marfat.com

باعث نقصان ہوتی ہیں۔خلوت نشین کی خلوت مختلف اقسام عبادت سے مزین ہو جاتی ہے۔جب اس کا نفس اعلیٰ درجہ کے اشغال سے ادنیٰ درجہ کے اشغال کی طرف آنے سے روک دیا جاتا ہے' اگر اس کشمکش میں وہ تھک جائے تو اسے چاہیے کہ اپنی شہوات کا مقابلہ عبادت یا سو جانے سے کرے کیونکہ اس طرح شہوات غلبہ حاصل نہیں کر پاتیں۔خالی خلوت نشینی سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ یہ دل کو غفلت شعار بنا دیتی ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ نظام الحق والدین کو ایسی مضرتوں سے بچائے اور انہیں صراط مستقیم پر چلائے۔نظام الدین دین و دنیا میں میرے جانشین ہیں اور ان کی اطاعت میری اطاعت ہے۔جو کوئی نظام الدین کی قدر و منزلت کرے جن کی کہ میں بھی عزت کرتا ہوں اور جن کا مجھے بڑا پاس خاطر ہے۔اللہ تعالیٰ اس پر رحم و کرم فرمائے اور جو کوئی ان کی عزت نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرے۔یہ تمام تحریر فقیر مسعود کی جانب سے ہے۔"[۶۷]

حکومت کے متعلق رویہ

قرون وسطیٰ کے شروع شروع میں مسلم صوفیاء خصوصاً چشتی صوفیاء حکومت وقت سے کوئی واسطہ نہ رکھتے تھے اور اس کے متعلق ان کا رویہ حقارت آمیز بے نیازی کا ہوتا۔[۶۸] یہ رویہ دراصل حاکمان وقت کی دنیا پرستی اور غیر اسلامی طرز عمل کے خلاف دین دار مسلمانوں کا ردعمل تھا۔وہ مسلمان حکمرانوں کو اسلامی اقدار سے دور ہٹتے ہوئے اور خسیس مادیت کی دلدل میں لوٹتے ہوئے نفرت و وحشت سے دیکھتے تھے۔ان کے نزدیک اسلام کا نصب العین اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع تھا جو یہ حاکم لوگ سمجھ بیٹھے تھے۔اسلام کا مقصد سلطنتیں قائم کرنا نہ تھا بلکہ انسان کو نیک کردار بنانا اور اس کی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لانا تھا۔چونکہ حکمران طبقے نے اس نصب العین کو پس پشت ڈال دیا تھا۔اس لئے صوفیاء نے حکومت کی طرف سے منہ موڑ لیا۔وہ اسلام کے سامنے تو جھک سکتے تھے مگر تاج و تخت کے سامنے نہیں۔وہ دن جب خدمت سرکار خدمت اسلام ہوا کرتی تھی' پورے ہو چکے تھے۔اب حکومت طبقاتی مفاد کی علمبردار تھی اور صوفیاء نہ صرف اس مفاد کی سرپرستی کے لئے تیار نہ تھے بلکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسلام جیسی عالمگیر قوت کا رخ سلاطین کو ہوس و حب جاہ کی تنگ جدولوں کی طرف پھیر دیا جائے۔

علاوہ ازیں شغل (سرکاری نوکری) اور جاگیرداری کے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ یہ انسان کی روح کو کھا جاتی ہیں۔یہ انسان کی روحانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہونے کے علاوہ اس کے اندر جذبہ عشق کی صحتمند نشوونما پر برا اثر ڈالتی ہیں۔اعلیٰ تصوف، مسلمہ روایات کے مطابق بابا فریدؒ کا حکومت کے متعلق رویہ مکمل طور پر لاتعلقی تھا۔آپ اپنے مریدوں کو صاف اور دوٹوک الفاظ میں نصیحت فرماتے تھے:

"لو اردتم بلوغ درجة الكبار فعليكم بعدم الالتفات الى ابناء الملوك"
(اگر روحانی ترقی چاہتے ہو تو شہزادوں سے میل جول چھوڑ دو)۔

بابا صاحبؒ تمام عمر اس اصول پر غیر معمولی مستقل مزاجی اور خلوص کے ساتھ کاربند رہے۔نہ مسلسل فاقہ کشی اور نہ ہی درباری زندگی کا لالچ ان کے حکومت کے متعلق رویہ میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکا۔التمش کی وفات سے لے کر بلبن کے

Marfat.com

سریرآرائے تخت ہونے تک حکومت کے نظم و نسق میں کمزوری کی وجہ سے سیاستدانوں اور علمائے دین نے کاروبار سلطنت میں دخل اندازی شروع کر رکھی تھی۔ ممتاز علمائے دین اور بزرگوں نے سیاسی زندگی اپنا رکھی تھی اور سیاسیات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے لیکن بابا صاحبؒ نے جو راستہ اختیار کر رکھا تھا' اس سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہ ہٹے۔ جو لوگ بابا صاحبؒ کے پاس روحانی رہبری کے لئے آتے' آپ انہیں حکومت اور عمال حکومت سے دور رہنے کی تلقین کرتے۔ جب سیدی مولا نے اجودھن چھوڑ کر دہلی جانے کی اجازت چاہی تو آپ نے نیم ولی سے فرمایا:

''اما یک نصیحت من نگہ داری، باملوک و امراء اختلاط نہ کنی و آمد و شد ایشاں را در خانہ خود از مہلکات تصور کنی کہ ہر درویشے کہ در اختلاط باملوک و امراء بکشاید عاقبت او وخیم گردد۔''

(لیکن میری ایک نصیحت یاد رکھنا۔ بادشاہوں اور امراء کی صحبت میں نہ بیٹھنا۔ اگر وہ تمہارے گھر آئیں تو اسے مصیبت سمجھنا۔ جو درویش بادشاہوں اور امراء کی صحبت اختیار کرتا ہے تباہ ہو جاتا ہے۔)[۶۹]

سیدی مولا نے آپ کی نصیحت کو نظر انداز کر دیا اور اس کے بدلے میں انہیں بہت بھاری قیمت چکانا پڑی۔[۷۰] اگرچہ بابا صاحبؒ ایک چھوٹے سے دور دراز قصبے میں رہتے تھے، تاہم آپ کی روحانی عظمت وزراء اور اعلیٰ عمال حکومت کو آپ کی خانقاہ تک کھینچ لاتی تھی۔ ایک دفعہ سلطان نصیرالدین نے بابا صاحبؒ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر الغ خاں نے (جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے مشہور ہوا) اس کو اس ارادے سے باز رکھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بادشاہ کا بابا صاحبؒ سے تعلق قائم ہو۔ زیرک وزیر یعنی بلبن نے سلطان کو سمجھایا کہ اجودھن میں پانی کی کمیابی ہے جبکہ سپاہ کی تعداد بیشمار ہے۔ اس طرح اس نے سلطان کو آمادہ کر لیا کہ سلطان اسے بابا صاحبؒ کی خدمت میں بطور نمائندہ بھیج دے۔ قدمبوسی کے بعد الغ خاں نے بابا صاحبؒ کے سامنے شاہی تحائف پیش کیے جن میں چار گاؤں کا عطیہ اور کچھ نقدی شامل تھی۔ جب الغ خاں نے شاہی تحائف پیش کیے تو بابا صاحبؒ نے فرمایا ''یہ کیا ہے؟'' الغ خاں نے عرض کیا: ''یہ کچھ نقدی ہے اور یہ چار گاؤں کا عطیہ۔ نقد درویشوں کے لئے ہے اور عطیہ آپ کے لئے۔'' بابا صاحبؒ مسکرائے اور فرمایا: ''یہ نقدی مجھے دے دو۔ میں اسے درویشوں میں تقسیم کر دوں گا مگر یہ عطیہ واپس لے جاؤ اور بہت سے لوگ اس کے خواہشمند ہوں گے انہیں دے دینا۔''[۷۱]

جب کبھی آپ نقدی قبول فرماتے تو اسے فوری طور پر غرباء اور محتاجوں میں تقسیم فرما دیتے۔ وہ اپنی خانقاہ میں ایک شب کے لئے بھی کچھ نہ رکھتے۔ ''جواہر فریدی'' میں مذکور ایک حکایت بابا صاحبؒ کے طرز عمل پر بہت خوب روشنی ڈالتی ہے۔ ایک دفعہ بلبن نے ٹنکوں کا ایک تھال بھر کر بابا صاحبؒ کے پاس بھیجا۔ آپ نے بادل نخواستہ اسے لے تو لیا مگر مولانا بدرالدین اسحٰق کو فرمایا کہ اسی وقت غرباء میں تقسیم کر دو۔ اس وقت شام پڑ چکی تھی اور اندھیرا چھا چکا تھا مگر بابا صاحبؒ نے صبح کا انتظار کرنا گوارا نہ فرمایا۔ آپ کا جماعت خانہ شاہی تحائف کا گودام نہ تھا۔ مولانا بدرالدین اسحٰق نے آپ کے حکم کی تعمیل میں مستحق لوگوں میں روپیہ تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ جب وہ تقسیم کر چکے تو چراغ اندر لائے تاکہ دیکھ سکیں کہ کوئی سکہ تقسیم سے بچ تو نہیں گیا۔ آپ کو ایک سکہ پڑا ملا۔ اسے آپ نے اپنی ٹوپی میں رکھ لیا کہ صبح کسی مستحق کو دے دیں گے۔

تھوڑی دیر بعد بابا فریدؒ مسجد میں عشاء کی نماز پڑھانے تشریف لائے۔ آپ نے تین بار تکبیر کہی اور پھر چھوڑ دیا۔ کوئی چیز آپ کے قلب پر بھاری بوجھ بن کر آپ کی توجہ میں مخل ہو رہی تھی۔ بابا صاحبؒ نے پوچھا ''مولانا! کیا آپ نے سارا روپیہ تقسیم کر دیا؟'' مولانا بدرالدین اسحٰق نے جواب دیا ''جی حضور! سوائے ایک سکہ کے جو بچ گیا ہے۔'' بابا صاحبؒ نے وہ سکہ لے کر دور پھینک دیا اور پھر اطمینان سے نماز پڑھانے لگ پڑے۔ علی اصغر بیان کرتا ہے کہ بابا صاحبؒ تمام رات افسوس کرتے رہے کہ انہوں نے اس سکہ کو ہاتھ کیوں لگایا تھا۔

اپنی وزارت عظمیٰ کے دوران بلبن کو تخت حاصل کرنے کی بہت فکر تھی۔ اس خواہش کو جو کہ اس کے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی، پورا کرنے کے لئے وہ روحانی مدد کا خواہاں تھا اور اس کے لئے بابا صاحبؒ کے پاس گیا۔ بابا صاحبؒ نے جن کے وجدان نے الغ خاں کے دل کی بات معلوم کر لی تھی، فوراً مندرجہ ذیل رباعی پڑھی:

فریدوں فرخ فرشتہ نہ بود
زعود و عنبر سرشتہ نہ بود
زداد و دہش یافت آں خسروی
تو داد و دہش کن فریدوں توئی

(خوش قسمت فریدوں کوئی فرشتہ نہ تھا اور نہ ہی اس کی سرشت عود و عنبر سے بنائی گئی تھی۔ اس نے خسروی داد و دہش کی بدولت حاصل کی۔ تو بھی داد و دہش سے کام لے کر فریدوں بن سکتا ہے۔)

کہا جاتا ہے کہ بلبن آپ کا بہت عقیدتمند تھا مگر بلبن کا ادب و احترام یا خلوص بابا صاحبؒ کے بادشاہ کی طرف رویہ میں کوئی تبدیلی نہ کر سکتا۔ ایک دفعہ ایک مصیبت زدہ نے بابا صاحبؒ سے عرض کی کہ سلطان کے نام ایک سفارشی خط لکھ دیں لیکن آپ نے خط لکھنے سے گریز کیا۔ جب وہ شخص مُصر ہوا تو آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ اس کا دل توڑا جائے چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل عبارت لکھ دی:

رفعت قصته الی الله ثم الیک فان اعطیته شیاء فالمعطی هو الله و انت المشکور و ان لم تعطه شیاء فالمانع هو الله و انت المعذور۔[2]

(میں نے اس کا معاملہ پہلے اللہ تعالیٰ کو اور بعد ازاں تمہارے سپرد کیا۔ اگر تم اسے کچھ دو گے تو دراصل یہ عطیہ خداوندی ہوگا مگر اس کا اجر تمہیں ملے گا اور اگر تم اسے کچھ نہ دو گے تو دراصل روکنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور تم اس معاملہ میں معذور ہو گے)۔

اس مختصر تحریر کے ہر لفظ سے وقار ٹپکتا ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بابا صاحبؒ دنیاوی حکام کے سامنے دین اور تصوف کے وقار کو کس طرح قائم رکھتے تھے۔

ایک مقبول عام مگر غلط روایت

علی اصغر چشتی کا بیان ہے کہ بابا صاحبؒ نے غیاث الدین بلبن کی ایک دختر سے شادی کی تھی۔[3] وہ شادی،

بادشاہ اور باباصاحبؒ کے تعلقات کی ایک طویل داستان لکھتا ہے۔ بعد کے مصنفین بغیر تحقیق و تفتیش اس حکایت کو نقل کرتے چلے گئے اور اب خانوادہ فریدی میں اس حکایت کو ناقابل تردید واقعہ کی سند حاصل ہو چکی ہے۔ اس حکایت کے بے بنیاد ہونے کی کئی وجوہ ہیں:

اولاً: کوئی ہمعصر مورخ اس کا ذکر نہیں کرتا۔ ضیاء الدین برنی کی ''تاریخ فیروز شاہی'' کی کتنی ہی عبارتیں ہیں جہاں توقع کی جاسکتی ہے کہ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو برنی یہاں ضرور ذکر کرتے (مگر وہاں کوئی ذکر نہیں)۔ ثانیاً: ''سیر الاولیاء'' کا مصنف جو ایسے خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس کے باباصاحبؒ کے ساتھ قریبی روابط تھے، ایسے واقعہ کا قطعاً ذکر نہیں کرتا اگرچہ اس نے بلبن کی باباصاحبؒ سے عقیدت کے بارے میں چھوٹے سے چھوٹا واقعہ نہیں چھوڑا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اسکو بیان نہ کرتا، ''فوائد الفواد''، ''خیر المجالس'' اور ''احسن الاقوال'' میں باباصاحبؒ کی زندگی کے بیشتر اہم واقعات کا ذکر موجود ہے۔ اگر ان میں کسی بات کا ذکر نہیں تو وہ باباصاحبؒ کی سلطان کی دختر سے شادی ہے۔ ثالثاً: باباصاحبؒ اپنے مریدوں کو ہمیشہ بادشاہوں اور شہزادوں کی صحبت سے دور رہنے کی تلقین فرماتے۔ اگر خود انہوں نے بادشاہ سے ناطہ جوڑا ہوتا تو وہ مریدوں کو دور رہنے کی تلقین کیونکر کر سکتے تھے۔ لہٰذا یہ حکایت قطعاً بے بنیاد ہے جو بعد کے غیر محقق اور عقیدت مند اذہان نے گھڑ کر پھیلا دی۔

باباصاحبؒ اور شیر خاں

شیر خاں جو بلبن کا چچیرا بھائی تھا' ملتان کا حاکم تھا۔ وہ ایک لائق، مدبر اور بہادر سپاہی تھا۔ اس نے اس ملک کی شمال مغربی سرحدوں کی تاریخ کے نہایت نازک دور میں حفاظت کی تھی۔ اسے باباصاحبؒ سے کوئی عقیدت نہ تھی بلکہ بعض اوقات آپ کے بارے میں بدکلامی سے کلام لیتا۔ باباصاحبؒ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے:

افسوس کہ حال منت نیست خبر
آنکہ خبرت شود کہ افسوس خوری [4]

(افسوس تمہیں میری حالت کی خبر نہیں۔ جب تمہیں علم ہوگا تو پھر تمہیں افسوس ہوگا)۔

''سیر الاولیاء'' میں دیے گئے باباصاحبؒ کے ملفوظات میں عامۃ الناس کے لئے بیشمار کام کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً سیاسی لوگوں کو آپ نصیحت فرماتے:

''ملک بوزیر خداترس ضبط کن''۔ [5]

(ملک کو ایک خدا سے ڈرنے والے وزیر کے حوالے کرو)۔

غیر مسلموں سے روابط

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے آباد ہونے کے بعد مختلف ثقافتی اور تمدنی گروہوں کے مابین صلح جوئی اور آشتی نہ صرف اخلاقی اور عقلی تقاضا تھا بلکہ ایک فوری سماجی ضرورت تھی۔ فاتحین نے اپنی اخلاقی اور جسمانی خصوصیات کے

Marfat.com

بل پر اپنی سیاسی برتری قائم کر لی تھی مگر ان کے لئے حکومت چلانا بالکل ناممکن ہوتا اگر ان کی رعایا کی اکثریت نسلی، لسانی، مذہبی اور تمدنی لحاظ سے ان سے مختلف ہوتی۔ راسخ العقیدہ علمائے دین قدامت پرست اور رجعت پسند ہونے کی وجہ سے بدلے ہوئے حالات کا اندازہ نہ کر سکے اور نہ ہی انہوں نے وقت کی ضرورت کے مطابق اپنے مذہبی افکار کی نوک پلک درست کی۔ اس موقع پر مسلم صوفیاء آگے بڑھے اور انہوں نے ایسی اتحاد آفریں کوششیں کیں جن سے برصغیر پاک و ہند میں مختلف تمدنی گروہوں کے درمیان سماجی، اعتقادی اور لسانی اختلافات تحلیل ہو کر رہ گئے اور ایک مشترک تمدنی زاویہ نگاہ پیدا ہو گیا۔ چونکہ یہ صرف ان کی خانقاہیں تھیں جہاں مختلف مذاہب رکھنے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے مختلف الخیال لوگ مل بیٹھتے اس لئے یہ تمدنی اتحاد کے مراکز بن گئیں جہاں خیالات کا تبادلہ آزادانہ طور پر ہوتا تھا اور اس تبادلہ کے لئے ایک نئی زبان نے جنم بھی لے لیا۔

بابا فریدؒ برصغیر پاک و ہند کے پہلے مسلم صوفی بزرگ ہیں جن کے ہندو مذہبی مفکرین سے روابط اور مذہبی بحثوں کے بارے میں ہمارے پاس ٹھوس اور صاف شہادت موجود ہے۔ آپ کے جماعت خانہ میں ہندو[76] جوگی اکثر آیا کرتے تھے اور جماعت خانہ کے درویش ان سے بعض اوقات بڑے دلچسپ مسائل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ بابا صاحبؒ کے جماعت خانہ میں شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی دو دفعہ ہندو جوگیوں سے ملاقات[77] ہوئی۔ آپ نے ان سے انسانی فطرت کی دو قوتوں یعنی روحانی اور حیوانی کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ ہندو جوگیوں کے خیالات کو شیخ نظام الدین اولیاء نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔[78] ایک دوسرے موقع پر ایک ہندو جوگی نے بابا صاحبؒ کے سامنے بچوں کی پیدائش اور ان کے کردار میاں بیوی کے تعلقات اور دوسرے موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا[79] بابا صاحبؒ سے ظاہر ہے کہ یہ سب بحث مباحثہ اردو کی قدیم ترین شکل یعنی ہندوی میں ہوا کرتا ہوگا۔ ہمارے پاس اس بات کی ایک سے زائد شہادتیں موجود ہیں کہ بابا صاحبؒ ہندوی بھاشا میں کلام کرتے تھے۔[80] دراصل بابا فریدؒ کی خانقاہ اردو زبان کا قدیم ترین گہوارہ تھی۔[81]

ہم شیخ فریدؒ کے حالات میں پہلی بار کافران سیاہ پوش[82] کا ذکر پڑھتے ہیں۔ ''احسن الاقوال'' میں شیخ برہان الدین غریب کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ کفار مسلمانوں کا بھیس بدل کر آپ کے پاس آئے۔ بابا صاحبؒ نے انہیں خوش آمدید کہا تاہم آپ ان کی چال سمجھ گئے۔ آپ نے ایک خادم سے کہا کہ ان کے گرو کو ایک کمرہ میں لے جا کر بند کر دے اور باقیوں کو روٹی پانی دے دے۔ تین دن بعد بابا صاحبؒ گرو کے کمرہ میں گئے اور اس سے کہا ''اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔'' جماعت خانہ کے لوگوں کو بابا صاحبؒ کی یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوئی ہوگی کیونکہ وہ شخص تو پہلے ہی سے اپنے آپ کو مسلمان بتاتا تھا۔ گرو نے اسلام قبول کرنا منظور کر لیا۔ جب وہ باہر آیا تو اس نے مسلمان فقیروں کے خرقہ کے نیچے ہندوؤں کا جینو پہنا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ تیس سال تک خراسان اور برعظیم پاک و ہند میں مسلمان صوفیاء کے لنگروں میں پھرتا رہا مگر اسے کوئی نہ پہچان سکا۔[83]

Marfat.com

بابا صاحبؒ اور ہندوؤں کا قبول اسلام

کیا بابا فریدؒ نے ہندوؤں کو مسلمان کیا تھا؟ پروفیسر محمد حبیب نے اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے کہ ہندوؤں کو مسلمان کرنا چشتیہ سلسلہ کے صوفیاء کے مشن کا حصہ نہ تھا۔[۸۴] وہ لکھتے ہیں کہ قدیم ترین مآخذ از قسم ملفوظات اور مکتوبات میں کسی ہندو کے مسلمان ہونے کا ذکر نہیں۔ یہاں تک بات درست ہے لیکن پنجاب کے بعض قبائل کی روایات نا قابل تردید ہیں اور وہ قبائل دعویٰ کرتے ہیں[۸۵] اور سینکڑوں سال سے کرتے رہے ہیں کہ ان کے آباؤ اجداد نے بابا صاحبؒ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ جب تک ٹھوس تاریخی شہادت اس کے خلاف نہیں پائی جاتی' ان کا یہ دعویٰ قائم رہے گا۔

مندرجہ ذیل قبائل جو پاک پتن شریف اور اس کے گرد و نواح میں رہتے ہیں' دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں بابا صاحبؒ نے مسلمان کیا تھا:

ا: سیال ،۲: سرہنگ والیاں ،۳: بہلیاں ،۴: ادھاکان ، ۵: جھگڑوالیاں ، ۶: بکن ، ۷: بکن ، ۸: سیاں ، ۹: کھوکھراں ،۱۰: ڈھڈیاں ،۱۱: ٹوبیاں ۔[۸۶]

سیال قبیلہ پنجاب کے نہایت اہم قبائل میں سے ایک ہے۔ سٹیڈ مین کے بقول ضلع جھنگ کی جدید تاریخ قوم سیال کی تاریخ ہے۔ اس قبیلہ کے سابقہ حالات کے بارے میں وہ رقمطراز ہے:

> ''سیال رائے شنکر کی اولاد ہیں جو کہ پنوار راجپوت تھا اور دارانگر میں جوالہ آباد اور فتح پور کے مابین تھا' رہا کرتا تھا۔ پنواروں کی ایک شاخ پہلے اپنے وطن مالوف سے ہجرت کر کے جو نپور چلی گئی جہاں رائے شنکر پیدا ہوا۔''

ایک روایت کے مطابق رائے شنکر کے تین بیٹے تھے۔ سیو، ٹیو، گھیو، جن کی اولاد جھنگ کے سیال شاہ پور کے ٹوانے اور پنڈی گھیپ کے گھیبے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق سیال رائے شنکر کا اکلوتا بیٹا تھا اور ٹوانوں اور گھیبوں کے آباؤ اجداد شنکر اور سیال کے ہم جد تھے۔ رائے شنکر کی وفات کے بعد اس کے افراد کنبہ کے درمیان بڑے جھگڑے پیدا ہو گئے اور اس کا لڑکا سیال علاؤ الدین غوری (؟) کے عہد میں پنجاب ہجرت کر گیا۔ ان دنوں بہت سے راجپوت کنبے برا عظم پاک و ہند کے مختلف صوبوں سے پنجاب ہجرت کر گئے۔ ان میں کھرل، ٹوانے، گھیبے، چدڑھ اور پنوار سیال شامل تھے۔ اس زمانے میں ایک رواج سا بن گیا تھا کہ پاک پتن کے بابا فریدؒ کے فصیح و بلیغ ارشادات سے متاثر ہو کر لوگ اسلام قبول کر لیتے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب سیال پھرتے پھراتے پاکپتن میں آئے تو وہاں انہوں نے اپنے آباء کے دین کو ترک کر دیا اور اسلام قبول کر لیا۔[۸۷] سرہنگ والیاں کے متعلق کوئی قطعی معلومات میسر نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ[۸۸] سرہنگا جس کی بابا صاحبؒ سے عقیدت کا ذکر آ چکا ہے' کے تعلقدار ہوں۔ کھوکھر، ڈھڈی اور ٹوبے پنجاب کے اہم قبائل تھے۔ کھوکھر عام طور پر راجپوت سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی اکثریت چناب اور جہلم کی وادیوں میں خاص کر جھنگ اور شاہ پور کے اضلاع میں آباد ہے۔[۸۹] ڈھڈی ایک چھوٹا سا پنوار قبیلہ ہے جو اپنے راٹھور رشتہ داروں کے ہمراہ ستلج اور چناب کے ساتھ ساتھ بکھرا پڑا پایا جاتا ہے۔ ان کا اصل وطن تحصیل میلسی ضلع ملتان تھا۔[۹۰] ٹوبے عام طور پر جھنوار اور ماچھی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور اکثر ماہی گیری اور غوطہ خوری اور کنویں صاف کرنے کا کام کرتے ہیں۔ جھگڑ بھی ایک چھوٹی ذات ہے جس میں مسلم اور غیر

Marfat.com

مسلم پائے جاتے ہیں۔[۹۱]

بابا صاحبؒ کے عرس پر چند رسومات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نومسلم قبیلوں کو بابا صاحبؒ سے کتنی عقیدت تھی۔ ''جلا'' (چھوٹی سی روٹی پر حلوہ) کی تقسیم کی رسم اس موقع کی یاد کو تازہ کرتی ہے جب جاہو رہ جو ذات کا ماہی گیر تھا' بابا صاحبؒ کا مرید ہوا۔ ماچھی ذات کی عورتیں ''جلا'' تیار کرتی ہیں۔[۹۲]

حوالہ جات

۱۔ فوائدالفواد'ص:۹۶۔

۲۔ ایضاً۔ص:۴۷،سیر الاولیاء'ص:۶۵

۳۔ سیر الاولیاءص:۱۲۸۔

۴۔ ایک روز پانچ درشت مزاج اور خودسر درویش بابا صاحبؒ سے ملنے آئے۔ جماعت خانہ سے جانے لگے تو بابا صاحبؒ نے انہیں ہدایت کی کہ جنگل کے راستہ سے سفر نہ کریں۔ انہوں نے آپ کی نصیحت پر کان نہ دھرے اور جس راستے سے منع کیا گیا تھا اسی پر چل پڑے۔ بابا صاحبؒ نے ایک آدمی کو ان کے پیچھے یہ دیکھنے بھیجا کہ وہ کس راستے گئے ہیں۔ جب آپ کو پتہ چلا کہ انہوں نے نصیحت کے خلاف کیا تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں: چوں ایں خبر بہ شنید ہائی ہائی بگریست چنانچہ کسی ماتم دارد۔ کچھ عرصہ بعد خبر ملی کہ ان درویشوں کو طوفانی ہوا اٹھا لے گئی۔ فوائد الفوادص ۱۵۱۔

۵۔ فوائدالفوادص:۱۲۵،۱۲۶ نیز دیکھیں سیر الاولیاءص:۸۷۔ قاضی عبداللہ نے جامع مسجد میں بابا صاحبؒ اور ان کے مریدوں کو برا بھلا کہا۔ بابا صاحبؒ نے اس سے کوئی جھگڑا نہ کیا بلکہ مسجد سے چلے آئے اور مریدوں کو صبر کی تلقین کی۔

۶۔ فوائدالفوادص:۴۸ پر ''یکے از بے بکان'' ہے۔ جمالی کہتا ہے وہ ایک قلندر تھا۔ (ص:۳۵)

۷۔ ایضاً

۸۔ فوائدالفوادص:۴۸ پر ''خجل شد و بازگشت'' ہے۔ جمالی کہتا ہے کہ وہ بابا صاحبؒ کے سلوک سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اللہ کے حضور سجدے میں گر کر بابا صاحبؒ کے تحمل کی بے حد تعریف کی۔ سیر العارفین ص:۳۵

۹۔ فوائدالفوادص:۸۲،سیر الاولیاءص:۳۳۶۔

۱۰۔ ایضاً'ص:۱۷۸۔

۱۱۔ سیر الاولیاءص:۸۵

۱۲۔ ایضاًص:۸۵

۱۳۔ سیر الاولیاءص ۸۵

۱۴۔ ایضاً'ص ۸۵

Marfat.com

۱۵۔ فوائد الفواد،ص:۸۹،سیر الاولیاءص:۷۰،۷۱۔

۱۶۔ سیر الاولیاءص:۱۷۰

۱۷۔ فوائدالفوادص:۷۵۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے قرآن حفظ کرنا ہو وہ سورۃ یوسف سے شروع کرے۔ سیر الاولیاءص:۳۸۔

۱۸۔ سب سے پہلے یہ قاہرہ میں امام غزالیؒ کی ''احیاء'' کے حاشیہ پر طبع ہوئی۔اس کا فارسی میں ''مصباح الہدایہ و مفتاح الکفایہ'' کے نام سے ترجمہ عزالدین محمود بن علی کاشانی (متوفی ۷۳۵ھ/۱۳۳۴ء) نے کیا۔نولکشور لکھنو نے ۱۹۰۴ء میں شائع کیا۔ایران سے آغا جلال الدین ہمائی نے اس کی ایک اور خوبصورت شرح اشاعت کی۔ ایچ ولبر فورس کلارک نے اس کو فارسی متن سے انگریزی میں ترجمہ کیا اور حافظ کے ترجمہ کے ساتھ بطور ضمیمہ چھاپ دیا۔(لندن ۱۸۹۱ء) بابا صاحبؒ نے ''عوارف المعارف'' کا ذاتی نسخہ شیخ جمال الدین ہانسویؒ کو دے دیا جنہوں نے بعد میں وہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو دے دیا۔شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اسے شیخ قطب الدین منور کو دے دیا۔سیر الاولیاءص:۲۴۹۔۲۵۰۔

۱۹۔ ''عوارف المعارف'' پر بہترین شرح ایک ہندوستانی عالم شیخ علی بن احمد المہائمی کی کتاب ''ظوارف اللطائف فی شرح عوارف المعارف'' ہے۔اس شرح کے مسودات رام پور اور بانکی پور کی لائبریری میں ہیں۔

۲۰۔ سبع سنابل،ص:۵۵،جواہر فریدی (مخطوطہ)۔

۲۱۔ راحت القلوب۔مندرجہ ذیل بیان شیخ فریدؒ علیہ سے منسوب کرتی ہے۔
''شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز را ایں دعا گو دیدہ است و چند روز بخدمت ایشاں ہم بودہ۔''

۲۲۔ فوائدالفوادص:۷۵

۲۳۔ ایضاً،ص:۲۴۱

۲۴۔ ایضاً،ص:۱۲۸

۲۵۔ سیر الاولیاءص:۱۸۷۔

۲۶۔ مثلاً: کتاب العمدہ،اسرار العارفین،تفسیر امام زاہد،دلیل انسانی،از خواجہ شقیق بلخیؒ،مشارق الانوار،عقد کتاب، آثار التابعین،شرح علماء،راحت لارواح از،قاضی حمید الدین ناگوریؒ۔شرح مشائخ،فتاویٰ کبریٰ،قوت القلوب،فتاویٰ ظاہریہ،کتاب التنبیہ،شرح اولیاء از خواجہ مودود چشتیؒ،کتاب الروضہ،آثار الاولیاء،جامع الحکایات،تفسیر کشاف،کتاب الکفایہ،اوراد شیخ عثمان ہارونی اور شرح شیخ الاسلام معین الدین۔

۲۷۔ یہ شعر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے۔(مترجم)

۲۸۔ اس شعر اور اس کے بعد تین شعروں کے متعلق امیر خورد لکھتے ہیں:''برزبان شیخ شیخ العالم فرید الحق والدین

Marfat.com

گذشتہ است۔'' (سیر الاولیاء، ص:۳۶۲، ۳۶۴، ۴۷۳، ۴۷۶) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیخ نے کسی اور کا شعر پڑھ دیا یا پھر یہ ان کا اپنا شعر ہے۔ دو وجوہات کی بنا پر میرا رجحان قلب دوسری طرف ہے۔ ۱: جہاں امیر خورد بابا صاحبؒ کو کسی اور کا شعر پڑھتے بتاتے ہیں وہاں وہ صرف ''ایں بیت خواند'' لکھتے ہیں۔ مثلاً ص: ۵۳ پر جہاں بابا صاحبؒ نظامی کا ایک شعر پڑھتے ہیں۔ ۲: امیر خورد نے ان اشعار کا ذکر ایسے سیاق و سباق میں کیا ہے جن کا بابا صاحبؒ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر یہ اشعار کسی اور کے ہوتے تو امیر خورد شاعر کا نام بڑی آسانی سے لے سکتے تھے اور اگر اس کا نام معلوم نہیں تھا تو الفاظ ''بزرگے گفتہ'' لکھ دیتے جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں اکثر مقامات پر کیا ہے۔ ان چار اشعار کو امیر خورد نے اپنے بیان میں پوری طرح سمو دیا ہے۔ کیونکہ یہ نقطہ زیر بحث کی بہت اچھی طرح وضاحت کرتے ہیں اور سیاق و سباق یہ ظاہر کرتے ہیں کہ امیر خورد ان اشعار کو بابا صاحبؒ کے اشعار سمجھتے تھے۔

۲۸۹۔ سیر الاولیاء ص: ۳۶۷۔

۳۰۔ طبع شدہ: انجمن ترقی اردو، دہلی، ۱۹۳۹ء، ص: ۷۹۔

۳۱۔ علی اصغر چشتی بھی مندرجہ ذیل شعر جس سے تخلص فرید آتا ہے' بابا صاحبؒ کا بتاتے ہیں لیکن اس بات کو تسلیم کرنا مشکل ہے:

فریدا دھر سولی سر نیچرے تلیاں توکت کاک
رب اجیون نہ باہڑے سودھن اساڈے بھاگ

(جواہر فریدی' مخطوطہ)

۳۲۔ سبع سنابل کے ص: ۵۸ پر شیخ عبدالواحد نے ان اشعار کا ترجمہ فارسی میں یوں کیا:

نادان ترست مرد گلہ گیر بیخود
مرد کلاہ وہ بیقین سخت بے حیا
موشی کہ خود۔ برخنہ نگنجد ز تنگیش
بندہ بخویش بارگراں ور مضیق جا

اے سر تراش دل تبراش از ہوای نفس
کز سر تراشیت بنودراہ دین حصول
چندیں ہزار میش تراشیدہ ہر طرف
زینہا یکے بدر گہ مولی نشد قبول

۳۳۔ نیز اس طرح: ''موڈاں منڈ منڈائیاں سر موڈے کیا ہوئے''۔ (سبع سنابل' ص: ۵۸)

۳۴۔ دیکھیں فوائد الفواد ص: ۹۰، ۱۴۷، ۲۱۱، ۲۱۲، ۳۱۵

Marfat.com

۳۵۔ سیر الاولیاء ص:۷۶:۷۷۔

۳۶۔ فوائد الفواد ص:۲۲۶۔

۳۷۔ سیر الاولیاء، ص:۱۸

۳۸۔ ایضاً ص:۷۴

۳۹۔ ایضاً ص:۷۴

۴۰۔ ایضاً ص:۷۴

۴۱۔ ایضاً ص:۷۴

۴۲۔ ایضاً ص:۷۵

۴۳۔ فوائد الفواد ص:۱۰۳

۴۴۔ سیر الاولیاء ص:۷۷۵،۵۴۶۔

۴۵۔ شیخ ابو سعید فضل اللہ بن ابوالخیر (۹۶۷۔۱۰۴۹ء) اسلامی تصوف کی ایک مشہور شخصیت ہیں۔آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فارسی رباعی پر صوفیانہ چھاپ چڑھائی ہے۔آپ کی زندگی کے حالات کے لئے دیکھیں۔:اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابی سعید جو ۱۱۵۷۔۱۲۰۳ء میں تالیف ہوئی۔اس کو احمد بہمن یار نے مدون کیا (تہران ۱۹۳۴ء) برصغیر پاک و ہند کے چشتی صوفیاء، آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ اپنی گفتگو میں اکثر آپ کا حوالہ دیا کرتے تھے، فوائد الفواد ص:۷، ۱۳ وغیرہ، سیر الاولیاء، ص: ۳۴۰۔ خیر المجالس ص: ۳۸، ۸۰، ۸۴، ۱۰۱ وغیرہ۔

۴۶۔ فوائد الفوائد ص: ۲۸۵، تذکرہ سبع سنابل (ص:۶۸) اس حکایت کو غلطی سے شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ اور سید محمد گیسودرازؒ سے منسوب کرتا ہے۔

۴۷۔ سیر الاولیاء ص:۳۴۷۔

۴۸۔ فوائد الفواد ص:۱۰۳۔

۴۹۔ سیر الاولیاء ص:۳۶۳

۵۰۔ سیر الاولیاء ص: ۳۲۵، شیخ نظام الدین اولیاءؒ ہمیں بتاتے ہیں کہ شیخ فریدؒ فرمایا کرتے تھے: ''کسے کہ امانت قبول کند او از مریدان من نباشد۔''

۵۱۔ فوائد الفواد ص: ۱۴۰، سیر الاولیاء ص: ۳۳۰۔

۵۲۔ فوائد الفواد ص: ۱۴۰۔

۵۳۔ سیر الاولیاء ص: ۱۰۷۔

۵۴۔ ایک جوالق شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو ملنے آیا۔شیخ نظام الدینؒ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کی طرح ملنے سے انکار کر سکتے تھے لیکن یہ ان کے مرشد کی عادت نہ تھی۔انہوں نے جوالق کا خیر مقدم کرتے ہوئے لوگوں سے کہا: ''شیخ

Marfat.com

الاسلام فرید الدین ہر شخص کا خیر مقدم کرتے تھے"۔ فوائد الفواد ص: ۵(ب) ایک عورت شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے بیعت ہونے آئی تو آپ کا ذہن فوراً اپنے مرشد کی طرف گیا جو عورتوں کی صلاحیتوں کے بڑے قائل تھے۔ شیخ فریدؒ اندر پت میں رہنے والی ایک عورت کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے۔"وہ عورت نہیں مرد ہے جو عورت کی شکل میں پیدا ہو گیا ہے۔" فوائد الفواد ص: ۲۲(ج): ایک جوالق نے آ کر شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو گالیاں دینا شروع کر دیا مگر آپ اپنے مرشد کی طرح بالکل متحمل اور خاموش رہے۔ فوائد الفواد ص: ۲۸۔

۵۵۔ سیر الاولیاء ص: ۳۴۵۔

۵۶۔ سیر الاولیاء ص: ۳۴۵، شیخ نظام الدین اولیاءؒ پہلی قسم کے لوگوں میں آتے ہیں۔ (خیر المجالس ص: ۲۲۴) مولانا فخر الدین صفاہانی تیسری قسم کے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ (سیر الاولیاء ص: ۳۴۵۔۳۴۶)

۵۷۔ جب بابا صاحبؒ نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو خلافت نامہ دیا تو فرمایا کہ اسے شیخ جمال الدین ہانسوی اور قاضی منتجب کو دہلی میں دکھا لینا۔ شیخ نظام الدین کو تعجب ہوا کہ شیخ نجیب الدین متوکلؒ کا نام چھوڑ دیا گیا ہے جو کہ ایک بزرگ اور حضرت بابا صاحبؒ کے برادر تھے۔ لیکن جب آپ دہلی پہنچے تو آپ کو اس بات پر حیرت بھی ہوئی اور صدمہ بھی کہ شیخ نجیب الدین متوکلؒ وفات پا چکے تھے۔ جب شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنا خلافت نامہ شیخ جمال کو دکھایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور یہ شعر پڑھا:

خدائے جہاں راہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس

(اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ گوہر گوہر شناس کے سپرد کر دیا گیا)۔ سیر الاولیاء ص: ۱۱۶، ۱۱۷۔

۵۸۔ سیر الاولیاء ص: ۱۷۸، ۱۷۹۔

۵۹۔ سیر الاولیاء ص: ۲۲۱۔

۶۰۔ ایضاً ص: ۳۴۵، ۳۴۶۔

۶۱۔ فوائد الفواد ص: ۸۔۷ امیر خورد آخری فقرہ اس طرح لکھتے ہیں: "بیعت آنست کہ دست شیخے بظاہری باشند گیرند۔" سیر الاولیاء ص: ۳۲۶

۶۲۔ شیخ فریدؒ اپنے مریدوں پر گہری نگاہ رکھتے اور ان کی اصلاح کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ا: ایک دن ایک ہونہار اور پڑھا لکھا طالب علم شرف الدین آپ سے ملنے آیا۔ بابا صاحبؒ نے پوچھا "تمہاری تعلیم کا کیا حال ہے"۔ شرف الدین نے جواب دیا کہ اب مجھے سب کچھ بھول گیا۔ بابا صاحبؒ کو اس جواب سے عقلی نخوت و غرور کی بو آئی اور جب وہ چلا گیا تو آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا: "اس شخص نے غرور کا مظاہرہ کیا ہے۔" فوائد الفواد ص: ۸۰، ۲: ایک دفعہ سلسلہ چشتیہ کے چھ سات نوجوان خوبصورت درویش اپنا جھگڑا فیصلہ کے لئے بابا فرید صاحب کے پاس لائے۔ بابا صاحبؒ نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور مولانا بدر الدین اسحٰق کو بلا لیا اور ان کے سامنے درویشوں نے اپنا جھگڑا بابا صاحب کے پاس پیش کیا۔ درویشوں نے اپنے مابین تنازعہ

Marfat.com

بڑی شائستگی اور خوش اسلوبی سے بیان کیا۔ ''اس دن آپ نے ایسے فرمایا اور میں نے یہ عرض کیا، پھر آپ نے یہ کہا میں آپ کا مطلب نہ سمجھ سکا اور میں نے غلط جواب دیا۔'' دوسرے آدمی نے بھی اسی طرح انکساری سے جواب دیا۔ یہ شائستگی اور انکساری دیکھ کر شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور شیخ برہان الدین اسحٰق کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ سمجھ گئے کہ ان کو کیوں بلایا گیا تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء کہا کرتے تھے ''وہ سچائی کے فرشتے تھے ہمیں یہ سکھانے کے لیے بھیجے گئے کہ ہمیں اپنے تنازعے کس طرح طے کرنا چاہئیں۔ (فوائد الفواد ص:۸۱)

۶۳۔ فوائد الفواد ص:۲۶-۲۷

۶۴۔ سیر الاولیاء، ص:۲۳۹

۶۵۔ سیر الاولیاء ص:۱۷۲۔ آپ نے یہ شعر پڑھا تھا:

پیش سیاست غمش روح چہ نطق نمی زند   اے زہزار صعوکم پیش تو نوا چہ می زنی

۶۶۔ سیر الاولیاء ص:۱۷۷

۶۷۔ ایضاً، ص:۱۱۷، ۱۱۹۔

۶۸۔ اس مسئلہ پر مفصل بحث کے لئے مصنف کا مقالہ ''ارلی انڈو مسلم مسٹکس اینڈ دیر اٹیچوڈ ٹو ورڈز دی سٹیٹ'' (ابتدائی مسلم ہند کے صوفیاء اور ان کا حکومت کے بارے میں رویہ)۔ اسلامک کلچر، جلد نمبر ۲۲، ۲۳، ۲۴۔ ملاحظہ فرمائیں۔

۶۹۔ تاریخ فیروز شاہی، ص:۲۰۷۔

۷۰۔ واقعہ کی تفصیلات کے لئے دیکھیں: برنی کی تاریخ فیروز شاہی ص:۲۱۲، عصامی کی فتوح السلاطین ص:۲۱۰، ۲۱۳، نیز دیکھیں پروفیسر شیخ عبدالرشید کا نہایت عمدہ مقالہ سلطان جلال الدین خلجی پر۔ مسلم یونیورسٹی جرنل ۱۹۳۲ء میں، ص:۱۳۹، ۱۴۱۔

۷۱۔ فوائد الفواد ص:۹۹۔ سیر الاولیاء ص:۷۹، ۸۰۔

۷۲۔ سیر الاولیاء۔ ص:۷۲

۷۳۔ جواہر فریدی (مخطوطہ)

۷۴۔ فوائد الفواد، ص:۲۲۱۔

۷۵۔ سیر الاولیاء، ص:۷۷۔

۷۶۔ لفظ جوگی یا یوگی سے مراد یوگا فلسفے کا طالب علم ہے۔ یہ فلسفہ سکھلاتا ہے کہ کس طرح ایک آدمی حبس دم، ذہنی تجربہ وغیرہ کر کے پیش گوئی اور باطنی بینائی وغیرہ کی مافوق الفطرت قوتیں حاصل کر سکتا ہے۔ یوگی، 'شوا' کی پرستش کرتے تھے اور ان کے دو فرقے تھے، کن پھٹا یوگی جنہیں درشنی یوگی بھی کہا جاتا ہے اور اوگر یوگی۔ پہلے فرقہ کے یوگی اپنے کان چھید لیتے تھے اور اپنے مردوں کو بیٹھے ہوئے انداز میں دفن کرتے تھے۔ تفصیلات کے لئے دیکھیں:۔ ولسن کی سیکٹس آف دی ہندوز ص:۱۳۰ کا آخر، ایبٹسن کی پنجاب کاسٹس ص:۲۲۸، ۲۳۵، بھٹاچاریہ

Marfat.com

کی ہندو کاسٹس اینڈ سیکٹس ص:۳۷۱، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۳۶۔ پاکپٹن میں اب کچھ یوگی کنبے پائے جاتے ہیں۔
پنجاب ڈسٹرکٹ گزٹیر۔ جلد ۱۹ اب ص:۲۹۔

۷۷۔ فوائد الفواد ص:۸۴، ۸۵، ۲۴۵۔

۷۸۔ فوائد الفواد ص:۸۴، ۸۵، شیخ نے حاضرین کو بتایا کہ میں ایک دفعہ اجودھن میں باباصاحبؒ کی خدمت میں موجود تھا۔ ایک جوگی آیا۔ میں نے اس سے پوچھا ''آپ کا طریق کار کیا ہے اور آپ کے نظم وضبط میں اصل چیز کیا ہے؟'' جوگی نے جواب دیا: ''ہمارا علم بتاتا ہے کہ انسانی نفس میں دو عالم ہیں۔ ایک عالم علوی اور دوسرا عالم سفلی۔ سر سے ناف تک عالم علوی ہوتا ہے اور ناف سے پاؤں تک عالم سفلی۔ ریاضت کا طریق یہ ہے کہ سچائی، پاکیزگی، اچھی عادات اور اچھے اعمال عالم علوی میں ہوتے ہیں اور مشاہدہ، پاکیزگی اور عفت عالم سفلی میں''۔ میں نے اس کی گفتگو کو پسند کیا۔

۷۹۔ فوائد الفواد ص:۲۴۵۔

۸۰۔ سیر الاولیاء ص:۱۸۳، ۱۹۴۔

۸۱۔ ملاحظہ ہو: اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ۔ از: ڈاکٹر مولوی عبدالحق ص:۷۰۵۔

۸۲۔ جب مسلمانوں کا سیاسی اقتدار افغانستان اور برصغیر پاک وہند پر چھا گیا تو فتح کے اثرات بڑے دریاؤں اور شاہراہوں کے ساتھ ساتھ پھیلتے گئے مگر ہندوکش کی ناقابل حصول گھاٹیاں اس سے غیر متاثر رہیں۔ یہاں کے باشندے اپنے مذہب پر قائم رہے اور اردگرد کے مہذب مسلم علاقے میں ہندوکش کے سیاہ پوش کافر مشہور ہوئے۔ تیمور نے (۱۳۹۹ء) دو دفعہ اس علاقے کو اپنا باجگزار بنانے کی کوشش کی۔ نجل کے قلعہ سے تھوڑی دور ایک سنگ مرمر کا ستون ہے جو تیمور کی سیاہ پوش کافروں پر فتح منانے کی یادگار ہے۔ احمد شاہ نے افغانستان کو متحد کیا۔ دوست محمد نے پرانا بخارا فتح کر کے اپنا کام مکمل کیا مگر کافرستان عملی طور پر آزاد رہا۔ ۱۸۹۶ء میں امیر عبدالرحمٰن نے ان کے خلاف فوج کشی کی۔ الیگزانڈر برنز ان کے بارے میں ۱۹۳۸ء میں لکھتا ہے ''میں نے ان کو سیاہ اور سفید کافروں میں تمیز کرتے نہیں سنا اور میرے ایک کافر مخبر نے مجھے بتایا کہ اس کا قبیلہ ان سب کو بھائی سمجھتا ہے جو انگوٹھیاں پہنتے اور شراب پیتے ہیں۔ ان کی کوئی کتابیں نہیں اور وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔'' جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۷، ص:۳۲۶۔ سر جی سی رابرٹس مندرجہ ذیل اطلاع فراہم کرتا ہے:

''کافرستان کی پرانی تقسیم یعنی سیاہ پوش کا علاقہ اور سفید پوش کا علاقہ آسانی کے لئے تو ٹھیک ہے مگر علمی طور پر درست نہیں۔ سیاہ پوش جو کالے کپڑے پہنتے ہیں کئی قبیلوں پر مشتمل ہیں جن میں بعض ایک دوسرے سے صدیوں سے برسرپیکار ہیں مگر اس کے باوجود کپڑوں کی مشابہت کے علاوہ ان میں اور قدریں مشترک ہیں۔ وہ سب ایک زبان نہیں بولتے مگر یہ فرق زبان کا نہیں بلکہ لہجے کا ہے۔ ان کی ایک آسان سی تقسیم یہ ہے: (۱) سیاہ پوش (۲) ویگلیز (۳) پرسنگلیز یا وران۔ ص:۷۴۔۷۵۔ سیاہ پوش کافروں کے بارے میں دلچسپ

معلومات کے لئے دیکھیں۔ ''دی کافرز آف دی ہندوکش'' از سر جارج سکاٹ رابرٹسن (لنڈن۔۱۹۰۰ء) اے برنز کا مقالہ ''سیاہ پوش کافروں کے بارے میں مع ان کی زبان اور لباس کے نمونوں کے۔'' (جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۸۳۸ء۔ص: ۳۲۵۔۳۳۳) افغانستان اور اس کا سابقہ امیر، شائع شدہ کرسچن لٹریچر سوسائٹی فار انڈیا (لنڈن اور مدراس ۱۹۰۲ء) ص: ۱۲۔۱۳۔ رالف ہینکل کا مقالہ 'کافرستان کے چوبی مجسمے' (جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۱۶ نمبر ۱، ۱۹۵۰ء ص: ۶۵۔۷۲، مارگن سٹیر نے کی رپورٹ آن اے لنگوسٹک مشن ٹو افغانستان (سٹاک ہوم ۱۹۳۵ء)

۸۳۔ احسن الاقوال (مخطوطہ)۔

۸۴۔ اسلامک کلچر۔ اپریل ۱۹۴۶ء ص: ۱۴۰۔

۸۵۔ جواہر فریدی کا آخری حصہ دیکھیں۔

۸۶۔ ان قبائل کا ذکر مصنف ''جواہر فریدی'' نے کیا ہے۔

۸۷ سٹیڈ مین کی جھنگ سیٹل منٹ رپورٹ' ص: ۲۴۴۔ نیز دیکھیں ایبٹسن کی پنجاب کاسٹس ص: ۱۴۷، ۱۴۸ لیپل گرفن کی پنجاب چیفس ص: ۵۰۲ کا) آخری حصہ۔ سیال قبیلے کے مسلمان ہونے کے بارے میں دیکھیں پنجاب گزیٹر جلد دوم، ص: ۲۰۷۔

۸۸۔ ملاحظہ ہو سابق ص: ۸۳۔

۸۹۔ پنجاب کاسٹس ص: ۲-۱۷۲-۱۷۳۔ فرشتہ (جلد اول ص: ۵۹۔۶۰) کہتا ہے کہ کھوکھر قبیلے کو سلطان شہاب الدین غوری نے مسلمان کیا تھا۔ غالباً اس نے قبیلہ کے کچھ لوگوں کو مسلمان کیا تھا۔ باباصاحبؒ نے بھی قبیلہ کے ایک حصہ کو مسلمان کیا ہوگا کیونکہ اس قبیلہ کے لوگ اب بھی دو مذہبوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ دیکھیں پنجاب کی مردم شماری کی رپورٹ ص: ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۱۹۱۱ء۔ مسلمان کھوکھروں کی تعداد ضلع منٹگمری (موجودہ ساہیوال) ۸۰۰۳ تھی۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں باباصاحبؒ کا بہت اثر و رسوخ تھا (پنجاب ڈسٹرکٹ گزٹیر' جلد نمبر ۱۸ اب ۱۹۱۴ء ص: ۳۲۔

۹۰۔ پنجاب کاسٹس ص: ۱۴۷۔ ڈھڈی مسلمانوں کی ضلع منٹگمری میں کل تعداد ۸۶۸ تھی۔ ان میں سے ۱۴۱ پاک پٹن میں رہتے تھے (پنجاب ڈسٹرکٹ گزٹیر جلد ۱۸ اب، ۱۹۱۳ء، ص: ۳۲)

۹۱۔ پنجاب کاسٹس ص: ۲۶۴ نیز پنجاب ڈسٹرکٹ گزٹیر۔ جلد ۱۸ اب، ص: ۳۳۔

۹۲۔ ملاحظہ ہو: پیر سید امام علی شاہ کا چھوٹا سا کتابچہ بابت رسومات عرس بر مزار بابا فرید صاحب جو ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں شائع ہوا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

Marfat.com

جعفر قاسمی
ترجمہ: طاہر اسدی

بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ اسلام کے ازمنہ وسطیٰ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ دور نوع انسان کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسلام اس وقت ہر شے کے علی الرغم اپنے اوج کمال پر تھا اور مسلمانوں کے لیے انسانی زندگی کے ہر حلقہ عمل میں غلامانہ انداز میں دوسروں سے خیالات و تصورات مستعار لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کی شہادت کئی اور لوگوں کی طرح ممتاز مورخ گستاف ای۔ وان گرون بام نے بھی دی ہے۔ وہ اپنی کتاب ''ازمنہ وسطیٰ کا اسلام'' کے آخری باب میں لکھتے ہیں۔

''انسانی تجربات کا مشکل سے ہی کوئی ایسا شعبہ ہو گا جس میں اسلام نے مغربی روایات کو مالا مال نہ کیا ہو۔ ماکولات، مشروبات، ادویات، فن جراحی، اسلحہ سازی، ذاتی نقابت، صنعت و تجارت اور بحری سیاحت کے طور طریقے، فنی ذوق و امتیاز، علم ہیئت اور علم ریاضی غرضیکہ زندگی کے ہر شعبے میں اسلام کی قابل قدر خدمات کی ایک فہرست مرتب کی جائے تو وہ کئی صفحات پر مشتمل ہو گی اور پھر بھی پوری طرح مکمل نہیں ہو گی۔ عالم اسلام کے وجود نے یورپی تہذیب و معاشرت کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ صلیبی محاربات غالباً نہایت عظیم اور اہم مہمات تھیں جن میں قرون وسطیٰ کا انسان مشغول رہا۔ مسلمانوں کی حکایات، طرز بیان اور شاعرانہ تہور، مسلم مسائل معاد اور مسلم تصوف کا جیالا پن غرضیکہ ان سب نے قرون وسطیٰ کے مغرب پر دیرپا اثرات چھوڑے ہیں۔'' (صفحہ ۳۴۱)

انسانی علم و عمل کا جو شعبہ شیخ فرید الدینؒ نے منتخب کیا اس کا تعلق اسلامی تصوف سے ہے۔ شیخ پاکستان کے قصبہ کوٹھی وال میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدین کابل کے ایک نجیب الطرفین گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلۂ نسب خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ سے ملتا ہے۔ شیخ فریدؒ نوے سال کی عمر میں اجودھن میں، جو بعد ازاں اس عظیم صوفی کی یاد میں پاکپتن کہلایا، واصل بحق ہوئے۔ سال وفات ۱۲۶۵ء ہے۔ شیخ نے کئی دور دیکھے۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے بے شمار لوگوں سے ان کا گہرا اور قریبی رابطہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے انسانی فطرت کا بڑا مکمل مشاہدہ کیا اور زہد میں اپنے آباؤ اجداد سے بھی سبقت لے گئے۔ انہوں نے ازدواج سے بھی احتراز نہ کیا بلکہ ازدواج کی کڑی سختیاں جھیلنے کو تکمیل روحانیت کا وسیلہ جانا۔ شیخ کا خاندان خاصا بڑا تھا اور ان کے کئی روحانی جانشین بڑے عالم فاضل اور زاہد مرتاض تھے۔ ان کے پیروکاروں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور لاکھوں افراد ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ شیخ فرید'' چلہ معکوس'' کے سوا بڑے محتاط، باریک بیں اور سچے راسخ

Marfat.com

العقیدہ مسلمان تھے۔ یہ یاد رکھنا مناسب ہوگا کہ شیخ جب اسلامی تاریخ میں ابھرے تو تصوف کی جڑیں گہری ہو چکی تھیں۔ تصوف کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا خود اسلام قدیم ہے۔ اس کی اپنی روایات ہیں، اپنے ضابطے اور اپنے رواج ہیں لیکن یہ کتنی بد قسمتی کی بات ہے کہ جب بھی ہم اسلام کے کسی عظیم عارف اور حکیم کے متعلق بات کریں تو ہمیں یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ وہ پرانے خیالات کا حامل ہے اور غیر اسلامی تصورات کا مقلد ہے۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ شیخ فرید الدین کی زندگی اور دور کا مطالعہ کرنے سے قبل تصوف کی تاریخ اور پس منظر کی مختصراً چھان بین کی جائے۔ ای۔ جی۔ براؤن اپنی معروف کتاب ''تاریخ ادبیات ایران'' میں تصوف کے مبداء کے سلسلے میں چار نظریات پیش کرتے ہیں: اول یہ کہ تصوف دراصل ان مخفی اصولوں کی نمائندگی کرتا ہے جو رسول اکرم صلعم نے اپنے خاص خاص صحابہ ﷺ کو تعلیم فرمائے تھے۔ دوم یہ کہ تصوف اس ردعمل کا نام ہے جو آریائی اذہان پر جبراً سامی مذہب مسلط کرنے سے پیدا ہوا۔ سوم تصوف اشراقیت (نوفلاطونیت) کے اثرات کا نتیجہ ہے اور چہارم تصوف کی نشو ونما خود بخود بالکل آزادانہ طور پر ہوئی ہے۔ ان چاروں نظریات میں سے اس کتاب کے مصنف کے نزدیک تصوف کی تعریف میں پہلا نظریہ زیادہ معقول، دل نشیں اور قوی ہے۔ اولیائے کرام کی سوانح حیات پر ہونے والے قابل ذکر کام اور صوفیوں کے روحانی سلسلوں سے بھی اس نظریے کی تائید ہوتی ہے۔ مزید برآں تازہ ترین تحقیق سے بھی اس کی تصدیق ہوگئی ہے۔

مثال کے طور پر پروفیسر آر۔ اے۔ نکلسن کہتے ہیں:

''جدید تحقیق سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ تصوف کے مبداء کے بارے میں چھان بین سے کسی واحد اور قطعی نتیجے پر نہیں پہنچا جا سکتا۔ اس کے علاوہ تصوف کے بارے میں بنیادی طور پر جو غیر معین باتیں کہی گئی ہیں، ان سے بھی اس کی ساکھ کو نقصان پہنچا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ آریائی اذہان پر جبراً سامی مذہب مسلط کرنے سے جو ردعمل ہوا وہ تصوف کی بنیاد ہے یا یہ کہ تصوف ہندی یا ایرانی فکر کی پیداوار ہے''۔

(آر۔ اے۔ نکلسن کی کتاب ''صوفیائے اسلام'' مطبوعہ لندن، ۱۹۱۴، صفحہ ۸)

ڈاکٹر مارٹن لنگز اپنی کتاب ''ایک جدید مسلم درویش'' میں اس مسئلے پر تفصیلاً بحث کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

صرف قانون ہی مذہب کی شاخ نہیں جیسا کہ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی بیان کردہ اس روایت سے واضح ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

''ایک روز ہم رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک اجنبی آیا۔ اس کا لباس نہایت سفید اور سر کے بال نہایت سیاہ تھے۔ اس کے چہرے پر سفر کی تھکن کے کوئی آثار نہ تھے اور ہم میں سے کوئی بھی اسے نہیں جانتا تھا۔ وہ شخص رسول اللہ صلعم کے بالمقابل گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گیا۔ اپنے ہاتھوں کی ہتھیلیاں زانوؤں پر ٹیکیں اور کہنے لگا: ''اے محمدؐ! مجھے بتائیے کہ اسلام کیا ہے؟'' رسول اللہؐ نے جواب دیا: ''اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، رمضان المبارک کے مہینے میں روزے رکھو اور اگر مقدور ہو تو حج بیت اللہ کرو''۔ اس شخص نے کہا: ''آپ نے سچ

Marfat.com

فرمایا''۔ ہمیں اس بات پر تعجب ہوا کہ یہ شخص خود ہی سوال کر رہا ہے اور خود ہی توثیق کر رہا ہے۔ تب اس نے کہا: ''اے محمدؐ! مجھے بتایئے ایمان کیا ہے؟'' رسول اللہؐ نے جواب دیا: ''ایمان یہ ہے کہ خدا، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے پیغمبروں اور یوم آخرت پر ایمان لاؤ اور اس پر یقین کرو کہ خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے۔'' اس شخص نے پھر کہا: ''آپؐ نے سچ فرمایا''۔ تب اس نے تیسرا سوال کیا: ''اے محمدؐ! مجھے بتایئے احسان کیا ہے؟'' آنحضرتؐ نے جواب دیا: ''احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' اس کے بعد وہ اجنبی چلا گیا۔ میں بعد میں کچھ دیر تک رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر رہا۔ حضورؐ نے پوچھا: ''اے عمرؓ! کیا تم جانتے ہو کہ سوال کرنے والا یہ اجنبی کون تھا؟'' میں نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ مجھے اس اجنبی کے بارے میں کچھ پتا نہیں۔'' تب رسول اللہؐ نے فرمایا: یہ جبریل تھے اور اس لیے آئے تھے کہ تمیں تمہارا مذہب سکھائیں۔'' (مسلم، ایمان، ۱)

پس اسلام اپنے صحیح مفہوم میں تین شاخوں پر مشتمل ہے۔ اطاعت اور تسلیم و رضا یا الاسلام (کم از کم معنوں میں) ایمان اور احسان۔ شیخ العلویؒ واضح کرتے ہیں کہ اسلام کے ان تینوں شعبوں میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔ شاخ الاسلام یعنی اطاعت اور تسلیم و رضا مختلف مکاتب قانون کی صورتوں میں معین ہوئی۔ شاخ ایمان نے علم دین میں مختلف موشگافیوں کی شکل اختیار کی۔ اسی طرح شاخ احسان بھی حضرت جنید اور دوسرے صوفیوں کے اجتہاد کے تحت مذہب کی ایک مکمل اور منظم شاخ بن گئی۔

رسول اللہ صلعم نے احسان یعنی عبادت کی وضاحت لغوی اعتبار سے یوں فرمائی ہے: ''غلام کی طرح خدمت کرنا۔'' اس سے نہ صرف افعال کے ایک سلسلے کی طرف اشارہ ہوتا ہے بلکہ یہ ایک دائمی صورت حال بھی ہے۔ پس ''خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو'' کا مقصد ہے خدا کی دائمی یاد اور اس مقصد کے حصول کے لیے روحانی رہنمائی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خدا کا عملاً ذکر ضرور کیا جائے۔ یہاں درحقیقت صوفیوں کی اخوت پیش نظر ہے جس کے بغیر شاخ احسان جو اسلام کے قرون اولیٰ میں نسبتاً خودرو اور غیر منظم تھی، صدیوں تک وسعت پذیر نہیں ہو سکتی تھی۔

(''بیسویں صدی کا ایک مسلم درویش'' مصنفہ مارٹن لنگز، مطبوعہ لندن ۱۹۶۱ء، صفحات ۴۴، ۴۵)

تصوف کی ابتداء اگرچہ خود رسول اللہ صلعم نے کی تاہم وقت گزرنے اور اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ مختلف ثقافتوں اور تمدنوں کے باہمی تال میل سے تصوف بھی اسلامی ادراک کی دوسری تمام شاخوں کی طرح مختلف

Marfat.com

مراحل سے گزرا اور اس کے مختلف ضوابط متعین ہوئے۔ علاوہ ازیں اس سلسلے میں دو گروہ بھی معرض وجود میں آ گئے۔ ایک گروہ اس نظریے کا حامی تھا کہ تصوف کو عامۃ الناس کے لیے قابل فہم ہونا چاہیے اور دوسرے گروہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ تصوف کے اصولوں کو خواص تک محدود رہنا چاہیے۔ ان دونوں گروہوں میں خاصی آویزش تھی۔ اسلامی تقویم کی تیسری صدی میں معقولیت پسند صوفیوں کے رہنما الجنید نے اپنی تحریر و تقریر میں پہلی بار تصوف کو اصول و ضوابط کی شکل دی۔ بعد میں لکھی جانے والی متعدد کتابوں میں ان اصول وضوابط کو مزید باقاعدہ کیا گیا اور ان کی تشریح کی گئی۔ ان قدیم کتابوں میں سے سب سے زیادہ قابل ذکر یہ ہیں:

طبقات النساک تصنیف سعید ابن العربی	متوفی ۳۴۱ھ/۹۵۲ء
حکایت الاولیاء، تصنیف ابو محمدؒ الخلدی	متوفی ۳۴۸ھ/۹۵۹ء
کتاب اللمع تصنیف ابونصر السراج	متوفی ۳۷۸ھ/۹۸۸ء
قوت القلوب تصیف ابوطالب المکی	متوفی ۳۸۶ھ/۹۹۶ء
التعرف لمذہب اہل التصوف تصنیف ابوبکر القلا بادی	متوفی ۳۸۵ھ/۹۹۵ء
طبقات الصوفیاء تصنیف عبدالرحمٰن السلمی	متوفی ۴۲۱ھ/۱۰۲۱ء
حلیۃ الاولیاء تصنیف ابونعیم الاصفہانی	متوفی ۴۳۰ھ/۱۰۳۸ء
الرسالہ تصنیف ابوالقاسم القشیری	متوفی ۴۶۵ھ/۱۰۷۱ء
کشف المحجوب تصنیف علی الہجویریؒ	متوفی ۴۵۰ھ/۱۰۵۷ء

بعد ازاں ابو حامد الغزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) ابن عربیؒ (متوفی ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء) اور مولانا جلال الدین رومیؒ (متوفی ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) نے اس سلسلے میں کثیر اور جامع کام کیا۔ ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ الغزالی نے خصوصاً تصوف کی تاریخ میں بڑا مرکزی اور اہم کردار ادا کیا ہے۔ پروفیسر اے۔ جے۔ آربری کے نزدیک تصوف کے لیے الغزالیؒ کی خدمات بڑی مناسب ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ آخر میں شافعی الشوافع اور اشعری الاشاعرہ حجت الاسلام محمد ابن محمد الغزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) نے حصول نجات کے لیے تمام طریقے آزمائے لیکن بالآخر علوم دین کے ماہرین کے جھگڑوں اور فلسفیوں کے بال کی کھال اتارنے سے بیزار ہو گئے۔ خود امام غزالیؒ کے الفاظ میں:

''جب مجھے یہ احساس ہوا کہ میں بے یار و مددگار ہوں تو میں نے خدا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اس کے دامن میں ایک ایسے انسان کی طرح پناہ حاصل کی جو نہایت مشکل میں ہو اور اُس کے پاس کوئی وسیلہ نہ رہ گیا ہو۔ خدا نے میری دعاؤں کو قبول فرمایا اور میرے لیے شہرت، دولت، اہل و عیال اور احباب سے کنارہ کشی آسان ہو گئی۔''

پروفیسر آربری لکھتے ہیں:

''الغزالیؒ نے صوفیاء کی سوانح حیات اور اقوال کا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ ان صوفیاء کے ظاہری افعال اور باطنی حالت شمع نبوت کی روشنی سے منور ہیں اور دنیا میں اور کوئی ایسی روشنی نہیں ہے جس سے

Marfat.com

ایسی درخشانی حاصل کی جا سکے۔ چنانچہ صوفیاء کی بتائی ہوئی نہایت کٹھن ریاضت میں وہ آخر تک ثابت قدم رہے تو انہیں بھی اس معجزاتی روشنی کا تجربہ ہوا جو صوفی کو عنایت ہوئی تھی، للہذا انہوں نے فوراً اپنے مقلدین کو دعوت دی کہ وہ بھی خدا سے ذاتی رابطے کے اس بلند زینے پر چڑھیں۔

(''اسلام میں تنزیل وتعقل'' مصنفہ پروفیسر اے۔ جے۔ آربری ۱۹۶۵ء)

یہ بات یقینی ہے کہ شیخ فرید ظاہری و باطنی اسلام کے عقلی ورثے کے پوری طرح مالک تھے کیونکہ انہوں نے علم دین کی مکمل اور معیاری تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے باضابطہ ہدایت اور مسلسل روحانی ریاضتوں کے باعث اسلامی تصوف کے اسرار و رموز کی معرفت بھی حاصل کی۔ اس سلسلے میں ترک سلطانوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ ان کی سرپرستی سے اسلام پر لکھی گئی تمام قدیم کتب محفوظ رہیں اور اکثر کے تراجم بھی ہوئے۔ التتمش کے عہد کے ممتاز دانشور موید جورامی نے الغزالی کی عظیم کتاب ''احیاء علوم الدین'' کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ التتمش کے فرزند سلطان رکن الدین فیروز کے عہد میں امام رازی کی کتاب ''سرّ المکتوم'' کا بھی فارسی مین ترجمہ ہوا (''آب کوثر'' مصنفہ ڈاکٹر ایس۔ ایم۔ اکرام، بحوالہ حافظ محمود شیرانی)۔ تصوف کی ان فتوحات کے ساتھ ہی ہم ایک اور ترقی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ تصوف کی تحریک کئی اہم سلسلوں میں منقسم ہوگئی۔ یہ سب کچھ بارہویں صدی عیسوی میں ہوا۔ ان سلسلوں کے بانی یکساں طور پر بڑے فاضل اور متبحر عالم و صوفی تھے اور انہوں نے اپنے پیچھے بڑے معیاری اور بیش بہا تصنیفات چھوڑی ہیں۔ تصوف کے سلسلوں میں سب سے پہلا اور اہم سلسلہ قادریہ ہے۔ اس کی بنیاد شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ (متوفی ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء) نے رکھی۔ دوسرا سلسلہ سہروردیہ ہے۔ اس کے بانی شیخ شہاب الدین عمر بن عبداللہ السہر وردیؒ تھے (متوفی ۶۳۲۔۵۳۹ھ/۱۱۴۴ء۔ ۱۲۳۴ء)۔ تیسرے سلسلے کا نام شاذلیہ ہے۔ اس کا آغاز شیخ نور الدین احمد بن عبداللہ الشاذلیؒ نے کیا (متوفی ۶۵۶۔ ۵۹۳ھ/۱۱۹۶۔۱۲۵۸ء)۔ شاذلیہ سلسلے کی ابتداء شمالی افریقہ میں ہوئی اور بعد ازاں یہ شرق اوسط میں بھی پوری طرح پھیل گیا۔ چوتھے سلسلے کا نام مولانا جلال الدین رومیؒ (متوفی ۶۷۲ھ/۱۲۷۳ء) کے نام پر مولویہ ہے۔ اس کی ابتدا ترکیہ میں ہوئی۔ اگرچہ ان چاروں سلسلوں کے پیروکار برصغیر پاک و ہند میں بھی خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں تاہم عالم اسلام کے اس حصے (برصغیر پاک وہند) میں سب سے مؤثر اور مقبول سلسلہ چشتیہ ہے۔ پیشتر اس کے کہ اس سلسلے کے عالی مرتبت رہنما شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے خصوصی حوالے سے ہم اس سلسلے کی اہمیت پر بحث و تمحیص کریں، ہمیں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ تصوف کے یہ تمام سلسلے علمائے ظاہر کی جانب سے صوفیوں پر مسلسل جبر و تشدد کے باوجود معرض وجود میں آئے۔ علمائے ظاہر نے ۹۲۲ء میں منصور حلاج کو بغداد میں مصلوب کیا۔ ۱۱۳۱ء میں ہمدان کے عین القضاۃ موت کے گھاٹ اتارے گئے اور ۱۱۹۱ء میں یحییٰ سہروردی حلب میں قتل کر دیئے گئے۔ غرضیکہ تاریخ کا کوئی دور بھی اس قسم کے جبر و تشدد سے آزاد نہ تھا لیکن اس کے باوجود علمائے ظاہر صوفیوں کو لگن، گرمی جذبات اور ریاضت کو ختم کرنے میں ناکام ہے۔ خدمت اسلام کے سلسلے میں ان صوفیائے کرام کا طریقہ کار یہ تھا کہ یہ اپنے پیروکاروں تک رسول اللہ ﷺ کا پیغام مثالوں کے ذریعے پہنچاتے تھے اور دکھی اور ناشاد لوگوں کو امن و سکون کی جنت مہیا کرتے تھے۔

ان صوفیاء کے مراکز نے بھی تاریخ اسلام میں بڑا مؤثر اور اہم کردار ادا کیا ہے۔ سید حسین نصر نے اپنی تصنیف

''اسلام میں سائنس اور تمدن'' میں اس امر کا بڑی وضاحت سے تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''علم وفضل کے اداروں پر تبصرہ کرتے ہوئے ہمیں صوفیاء کے مراکز کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ان مراکز کو زاویہ یا خانقاہ کہا جاتا ہے۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں یہ مراکز توقع کے مطابق صوفیوں کے اجتماعات کے مقام تھے جہاں وہ جمع ہو کر مختلف روحانی ریاضتیں اور مناجات وغیرہ کرتے تھے اور خواہش مندوں کو باطنی اسرار و رموز سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ یہاں وہ لوگ جنہیں رسمی علم سے اطمینان نہیں ہوتا تھا اور وہ ایقان کی روشنی اور حقیقت کے براہ راست کشف کے طالب ہوتے تھے، بلکتبی علمی بحث وتمحیص یعنی قیل وقال کو خیر باد کہہ دیتے تھے اور روحانی رہنما کی ہدایت کے مطابق غور وفکر (حال) سے انبساط حاصل کرتے تھے۔ اسی لیے عارفوں اور استدلال پسندوں (یعنی باطنی علم رکھنے والوں اور ظاہری علم رکھنے والوں) کو بالترتیب صاحبان حال اور صاحبان قال کہا جاتا تھا۔ چنانچہ صوفیوں کے مراکز درحقیت علمی مراکز ہوتے تھے لیکن وہاں جو علم سکھایا جاتا تھا وہ کتابوں میں نہیں ملتا تھا اور اس کے اکتشاف کے لیے ذہنی صلاحیتوں کی تربیت ہی کافی نہیں ہوتی تھی۔ ان مراکز میں اہل لوگ علم کی بلند ترین صورت یعنی باطنی و روحانی علم کا ادراک کرتے تھے جس کی تحصیل کے لیے روح اور ذہن کی پاکیزگی ضروری ہوتی ہے۔

منگولوں کے حملے کے بعد صوفیاء کے مراکز بہر حال ہمیشہ کے لیے بظاہر علمی اداروں کی شکل اختیار کر گئے۔ عالم اسلام کے مشرقی علاقوں میں منگولوں کے حملے کے نتیجے میں معاشرے کے خارجی اداروں کی تباہی کے بعد کوئی ایسی تنظیم نہیں تھی جو تعمیر نو کا کام شروع کرنے کے قابل ہوتی، ماسوائے صوفیوں کے سلسلوں کے جنہیں معاشرے کے اندر معاشرہ کہا جا سکتا ہے۔ کچھ عرصے کے لیے امن عامہ برقرار رکھنے اور بہیمیت پر غالب آنے کے لیے عدل وانصاف کی مدد کا کام بھی صوفیوں کے سلسلوں کو کرنا پڑا۔ چنانچہ خانقاہوں اور زاویوں میں، جو پہلے ہی علمی مراکز تھے، روحانی و باطنی علوم کے ساتھ فنی اور سائنسی علوم نے بھی پناہ حاصل کی حالانکہ اس سے قبل یہ علوم مساجد کے مدرسوں میں پڑھائے جاتے تھے، لہٰذا خانقاہ کو اسلام میں علم وفضل کے ایک نہایت اہم اور ضروری مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ خانقاہیں شروع سے ہی باطنی و روحانی علوم کے حصول کا گہوارہ تھیں لیکن اسلامی تاریخ کے آخری دور میں انہوں نے عالم اسلام کے کئی علاقوں میں مساجد کے مدرسوں کا کام بھی شروع کر دیا۔ پس مساجد کے مدرسوں، رصد گاہوں اور شفاخانوں کے ساتھ صوفیاء کے مراکز نے بھی اپنا کردار ادا کیا اور اسلام میں مختلف علوم وفنون کی تبلیغ اور آبیاری کی ذمہ داریاں پوری کیں۔''

(صفحات ۹۰-۹۱)

Marfat.com

شیخ فرید الدینؒ نے اجودھن میں جو مہمان خانہ بنایا وہ صوفیاء کے ایک مثالی مرکز کی تمام شرائط پر پورا اترتا تھا اور اس نے عالم اسلام کے اس حصے میں اسلامی تمدن کو باطنی استحکام کا عنصر عطا کیا۔

روحانی مرشد

یہ کہنا غلط ہے کہ صوفیاء برصغیر پاک و ہند میں غیر ملکی سامراج کے ہراول دستے کی حیثیت سے آئے۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ صوفیاء برصغیر میں روحانیت کے مشعل برداروں اور ذات پات کے زخموں سے چُور معاشرے میں انسانی عظمت کے محافظوں کی حیثیت سے آئے۔ سلسلہ چشتیہ کے اولیاء سے قبل کئی ایثار پسند اور بے غرض مبلغین اسلام مثلاً شیخ اسمٰعیل محدثؒ، شیخ صفی الدین گازرونیؒ، شیخ حسین زنجانیؒ اور شیخ علی الہجویریؒ اس ملک میں سرگرم کار تھے۔ چشتی اولیاء میں سے سب سے پہلے خواجہ ابو محمدؒ بن ابی احمد چشتی سلطان محمود غزنوی کے عہد میں برصغیر میں آئے۔ تاہم تبلیغ اسلام کے سلسلے میں انہوں نے کوئی کارنمایاں انجام نہ دیا۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ سلسلہ چشتیہ کے پہلے ولی جو صحیح معنوں میں اس سرزمین پر اسلام کی روشنی لائے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ ہیں۔ اسلام کی اس عالی مرتبت اور تقدس مآب شخصیت کے بارے میں سر ٹامس آرنلڈ اپنی کتاب ''تبلیغ اسلام'' میں لکھتے ہیں: ''ہندوستان کے اولیاء میں سے شیخ معین الدین چشتیؒ بڑے ممتاز ہیں۔'' راجپوتانے میں اسلام انہیں کی مساعی جمیلہ سے پھیلا۔ ان کی وفات ۱۲۳۴ء میں اجمیر میں ہوئی۔ ان کا وطن مالوف فارس کا مشرقی علاقہ سجستان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار، وہ روضہ نبویؐ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ آئے ہوئے تھے کہ انہیں کفار ہند کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی ہدایت ہوئی۔ خواب میں انہیں رسول اللہ صلعم کی زیارت ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے انہیں بتایا کہ خدائے عزوجل نے ملک ہند تمہیں تفویض کیا ہے، وہاں جاؤ اور اجمیر میں قیام کرو۔ تمہارے اور تمہارے پیروکاروں کے تقوی کے باعث اسلام اس سرزمین میں خوب پھیلے گا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اس ہدایت پر سر تسلیم خم کیا اور اجمیر کی جانب روانہ ہو گئے۔ اجمیر پر اسوقت ہندوؤں کی حکمرانی تھی اور تمام علاقے میں بت پرستی عام تھی۔ خواجہ معین الدین چشتی کے دست حق پرست پر جس شخص نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا وہ ایک یوگی تھا جو اجمیر کے ہندو راجہ کا گرو تھا۔ آہستہ آہستہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے اردگرد خاصے پیروکار جمع ہو گئے جنہیں خواجہؒ کی تعلیمات نے الحاد و زندقہ سے جیتا تھا۔ ایک مذہبی رہنما کی حیثیت سے خواجہؒ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ اجمیر کے بے شمار ہندوؤں نے ان کی طرف رجوع کیا اور خواجہؒ نے ان کے سینے نور اسلام سے منور کیے۔ اجمیر جاتے ہوئے راستے میں انہوں نے شہر دہلی میں بھی کم وبیش سات سو افراد کو دولت اسلام سے مالا مال کیا۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے واصل بحق ہونے پر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (متوفی ۶۳۳ھ/۳۶-۱۲۳۵ء) ان کے جانشیں ہوئے۔ خواجہ قطب الدینؒ وسطی ایشیا کے شہر فرغانہ کے ایک قصبے اوش میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے بغداد کا سفر اختیار کیا جہاں ان کی ملاقات خواجہ معین الدین چشتیؒ سے ہوئی اور خواجہ معین الدینؒ نے انہیں طریقت سے روشناس کرایا۔ خواجہ معین الدینؒ نے جب اجمیر کا سفر اختیار کیا تو خواجہ قطب الدینؒ بھی ایک دوسرے راستے سے اپنے مرشد کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ کچھ عرصہ ملتان میں قیام کرنے کے بعد وہ دہلی تشریف لائے تو والی ہند سلطان

Marfat.com

التتمش نے بذات خود ان کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ سلطان التتمش خواجہ قطب الدینؒ سے ہمیشہ گہری عقیدت کا اظہار کرتا رہا۔ دوسری طرف خواجہ قطب الدینؒ نے بھی اپنے روحانی فرض سے کبھی پس و پیش نہ کیا اور ہمیشہ سلطان کو بے لاگ انداز میں یہی نصیحت کی کہ وہ غریبوں اور ناداروں پر رحم کیا کرے۔ سلطان نے انہیں شیخ الاسلام کا عہدہ پیش کیا لیکن خواجہ قطب الدینؒ نے انکار کر دیا۔ چنانچہ یہ عہدہ شیخ نجم الدین صغریٰ کو عطا ہوا۔ یہ شیخ نجم الدین مختلف کینڈے کے انسان تھے۔ ملغوب الحسد تھے اور اولیاء سے سلطان کی عقیدت کو ناپسند کرتے تھے۔ مثال کے طور پر انہوں نے اس دور کی مقدس شخصیت شیخ جلال الدین تبریزیؒ پر بدکاری کا الزام لگایا لیکن اسے ثابت نہ کر سکے۔ شاہی دربار کی سب سے بڑی مذہبی شخصیت (شیخ نجم الدین) کے اس مضحکہ خیز کردار اور برتاؤ سے شیخ معین الدین چشتیؒ بڑے آزردہ ہوئے چنانچہ انہوں نے اپنے ممتاز مرید خواجہ قطب الدینؒ کو ہدایت کی کہ وہ دہلی چھوڑ کر اجمیر میں قیام پذیر ہوں۔ دہلی سے مرشد اور مرید کی روانگی پر نہ صرف عوام کو بلکہ خود سلطان کو بھی بڑی پریشانی ہوئی۔ سلطان عوام کے ساتھ دونوں درویشوں کے پیچھے آیا اور خواجہ معین الدین چشتیؒ سے استدعا کی کہ وہ خواجہ قطب الدینؒ کو دہلی لوٹنے کا حکم دیں۔ خواجہ معین الدینؒ عوام کی آہ وزاری سے پسیج گئے اور خواجہ قطب الدینؒ دہلی لوٹ آئے۔ یہ وہی خواجہ قطب الدین ہیں جن کی چند سال قبل ملتان کی مسجد مولانا منہاج الدین میں ایک ذہین نوجوان سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نوجوان کا نام فرید الدین مسعود تھا۔ نوجوان مسعود ان دنوں اسلامی قانون سے متعلق ایک قدیم کتاب ''النافع'' کا مطالعہ کر رہے تھے۔

ایک روز خواجہ قطب الدین نے پوچھا: ''نوجوان تم کیا پڑھتے ہو؟'' فرید الدین مسعود نے جواب دیا: ''حضور! ''النافع'' ہے''۔ شیخ نے جواب دیا: ''میرے بچے خدا کے فضل و کرم سے یہ کتاب تمہارے لیے نافع ہوگی''۔ فرید الدین مسعود چونک پڑے۔ ان کی نظروں کے سامنے ایک ولی کھڑے تھے جن کا کوئی ادعا نہیں تھا، جو اسلام کے ظاہری علوم کی تحصیل کے مخالف نہیں تھے اور جن کا چہرہ امن اور نیکی کے نور سے چمک رہا تھا۔ مسعود نے سوچا: ''کیا میں کسی ایسے ہی مرشد کی تلاش میں نہیں تھا؟ یہ خدا کا بڑا کرم ہے کہ مرشد کامل خود ہی میرے دروازے پر پہنچ گئے ہیں''۔ اور یہ حقیقت ہے کہ خدا نے ہی مستقبل کے مرشد کو مستقبل کے مرید کے پاس بھیجا تھا۔ فرید الدین مسعود خواجہ قطب الدینؒ پر فریفتہ ہو گئے۔ انہوں نے مرشد کے قدموں پر سر رکھتے ہوئے استدعا کی کہ مجھے مرید کیا جائے۔ خواجہ قطب الدینؒ نے اس استدعا کو قبول کیا۔ نوجوان مرید اپنے مرشد کی ذات بابرکات سے گویا چپک گیا اور ہر منزل میں مرشد کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت حاصل کی۔ مرشد کی پوری پوری خدمت کر کے روحانی اکملیت حاصل کرنے کے لیے فرید الدین مسعود نے ظاہری علوم کی تحصیل کو بھی ترک کرنا چاہا لیکن مرشد نے اجازت نہ دی بلکہ مرید کو حکم دیا کہ مذہبی تعلیم پر مکمل توجہ دو اور ساتھ ہی طریقت کا راستہ بھی اختیار کرو۔ درحقیقت خواجہ قطب الدینؒ کی یہ نصیحت تصوف کی روایت کے عین مطابق تھی کیونکہ تمام عظیم صوفیاء کے نزدیک تصوف کی راہ پر چلنے والوں کے لیے شریعت کا مکمل علم حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ چنانچہ فرید الدین ایسے ہونہار مرید کے لیے خواجہ قطب الدینؒ نے تکمیل علم شریعت کو نہایت ضروری جانا اور یہ زمانے کی ضروریات کے عین مطابق بھی تھا کیونکہ اسی وجہ سے صوفیاء نے اسلام کی تبلیغ بڑے مؤثر اور دلکش انداز میں کی اور ان کی کامیابیوں سے یہ قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ شریعت اور طریقت کی مفروضہ آویزش بہت بعد کے دور سے تعلق رکھتی ہے جب ایک محدود حلقے کو فروغ حاصل

Marfat.com

ہوا۔ ہمارے اس دعوے کے ثبوت میں ہمارے ایک معزز ہم عصر اور تصوف کے ماہر نے بھی دلائل دیے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''شریعت اور طریقت کے باہمی تعلق کا اس سے بہتر اور کوئی ثبوت نہیں مل سکتا کہ دنیا کے کئی خطوں میں اسلام تصوف کے باعث پھیلا۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں، جنوب مشرقی ایشیاء اور افریقہ کے بیشتر حصوں میں اسلام صوفی رہنماؤں کی ذاتی نظیر اور صوفیاء کے سلسلوں کے قیام سے پھیلا۔ اس کے بعد شریعت آئی اور اسلام وسیع پیمانے پر قبول کیا گیا۔ اگر تصوف اسلام سے علیحدہ ہوتا اور اس کی حیثیت اسلام میں ناخواندہ مہمان کی سی ہوتی، جیسا کہ متعدد مستشرقین ہمیں باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو پھر یہ شریعت کی توسیع کے لیے ہراول کا فرض کیوں ادا کرتا۔ شریعت اور طریقت کا یہ اندرونی رابطہ ہی تھا جس نے صوفی رہنماؤں اور اولیاء کی مدد سے دنیا کے کئی خطوں میں اسلام کا پھیلنا ممکن بنایا کیونکہ ان صوفیاء اور اولیاء نے لوگوں کے سامنے اسلامی روحانیت کی زندہ مثالیں پیش کیں۔ شریعت کے باطنی پہلو کی حیثیت سے طریقت کے کردار کی مکاتب فقہ کے مختلف بانیوں اور دوسرے ماہروں نے بھی شہادت دی ہے اور مسلم ضابطہ اخلاق کی پاکیزگی کے لیے اس کی اہمیت پر بڑا زور دیا ہے۔ مثال کے طور امام مالکؒ کا قول ہے: جو صرف فقہ پڑھتا ہے اور تصوف سے اغماض برتتا ہے فاسق ہو جاتا ہے۔ جو صرف تصوف پر توجہ دیتا ہے اور فقہ سے غافل رہتا ہے زندیق ہو جاتا ہے اور جو دونوں کی معرفت حاصل کرتا ہے وہ حقیقت کا سراغ پا لیتا ہے۔

من تفقه و لم يتصوف فقد تفسق و من تصوف و لم يتفقه فقد تزندق ، و من جمع بينهما فقد تحقق . ''

(''اسلام کے تصورات وحقائق'' مصنفہ سید حسین نصر، مطبوعہ لندن، ۱۹۶۶ء صفحہ ۱۲۵)

نوجوان مرید نے اپنے مرشد کی ہدایت پر عمل کیا۔ کم وبیش پانچ سال کے عرصے کے بعد مرشد اور مرید دہلی میں اکٹھے ہوئے جہاں فرید الدین مسعود نے اپنے شیخ کی نگرانی میں روحانی پاکیزگی کے لیے کٹھن ریاضت کی۔ وہ شب بیداری کرتے اور روزے رکھتے رہے۔ انہوں نے اپنی ریاضت کی تکمیل کے لیے دعائیں اور مناجاتیں بھی کیں۔ شیخ فریدؒ کی خوش قسمتی سے ان کے دادا مرشد شیخ معین الدین چشتیؒ بھی ایک مرتبہ دہلی تشریف لائے۔ شیخ فریدؒ اپنی عقیدت وخلوص، نفس کشی اور احترام شیخ کے جذبے کے باعث اپنے دونوں رہنماؤں کی نظروں میں سما گئے۔ دونوں مرشدوں نے انہیں داد دی اور ان کی کٹھن ریاضت پر اظہار پسندیدگی کرتے ہوئے ان کے بلند مرتبے کی تعریف کی اور انہیں ہدایت کی کہ اب وہ اپنی ریاضت کو قدرے آسان بنالیں کیونکہ وہ جسمانی طور پر کمزور ہو چکے تھے۔

شیخ فریدؒ نے اب خلیفہ کا مرتبہ حاصل کر لیا، یعنی ان کے مرشد نے ان پر اعتماد کر کے انہیں یہ اختیار دیا کہ وہ دوسروں کو جادہ طریقت پر چلانے کے لیے ان سے بیعت لے سکتے ہیں اور انکی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ شیخ فریدؒ کے دادا مرشد خواجہ معین الدینؒ نے انہیں ایک ایسے عقاب سے تشبیہ دی جس کا آشیانہ سدرۃ المنتہیٰ پر ہو۔ انہیں ایک ایسا چراغ قرار دیا گیا جس کی روشنی سے درویشوں کی تمام جماعت درخشاں ہے۔ شیخ فرید الدینؒ نے اپنی افتاد طبع کے پیش نظر اپنے مرشد کی

Marfat.com

اجازت سے ہانسی جانے کا فیصلہ کیا جو پنجاب کے ضلع حصار کا ایک نہایت اہم شہر تھا۔ انہیں توقع تھی کہ روحانی زندگی کے درجات عالی کے حصول کے لیے اس شہر میں انہیں مناسب سکون اور تنہائی میسر آجائے گی۔ شیخ فرید الدینؒ کو الوداع کہتے ہوئے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے پیش گوئی کی کہ وہ (خواجہ قطب الدین) شیخ فرید الدینؒ کی دہلی سے غیر حاضری کے دوران واصل بحق ہو جائیں گے۔ انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وصال کے وقت وہ شیخ فرید کے لیے کچھ تبرکات اپنے ایک اور مرید کے سپرد کر جائیں گے جن کے حصول کے بعد شیخ فریدؒ ان کے صحیح معنوں میں جانشین بن جائیں گے۔ گویا یہ تبرکات خواجہ قطب الدینؒ کی جانشینی کی نشانی ہوں گے۔

ہانسی پہنچنے کے بعد شیخ فرید الدینؒ نے روحانی ریاضتوں کے لیے ایک پروگرام ترتیب دیا۔ انہوں نے تشہیر سے حذر کیا اور گمنامی کو پسند کیا۔ دنیا اور اس کے امور سے الگ تھلگ رہ کر انہوں نے روحانی تربیت کا آغاز کیا۔ ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے مرشد انہیں دہلی بلا رہے ہیں۔ صبح ہوتے ہی وہ عازم دہلی ہو گئے۔ راہ میں ان کا ایک پیغام بر سے سامنا ہوا۔ اس پیغام بر نے جو ہانسی آ رہا تھا' انہیں مرشد کی وفات کی خبر سنائی۔ شیخ فریدؒ نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور جلد از جلد دہلی پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے اپنے مرشد کو خراج عقیدت پیش کیا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ایک اور مرید شیخ حمید الدین ناگوریؒ نے شیخ فریدؒ کو موعودہ تبرکات دیے۔ یہ تبرکات ایک خرقہ، ایک دستار اور لکڑی کی کھڑاؤں کے ایک جوڑے پر مشتمل تھے۔ ایک خصوصی دعا مانگنے کے بعد انہوں نے یہ تبرکات زیب تن کیے اور مرشد کے گھر پہنچ کر ان کی جگہ سنبھالی۔ خواجہ قطب الدینؒ کی یہ خواہش بھی تھی کہ شیخ فریدؒ ان کی بیوہ سے عقد کر لیں لیکن وہ اس پر اپنے آپ کو آمادہ نہ کر سکے۔

شیخ فریدؒ اب سلسلہ چشتیہ کے سربراہ بن کر ایک مصروف زندگی بسر کرنے لگے۔ اس مصروف زندگی کا ایک پہلو صحبت پسندی بھی تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ دعوتوں اور اسی قسم کی دوسری تقریبات میں شرکت کرنے سے ان کا خاصا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ جوں جوں دار الحکومت دہلی وسیع ہوتا جا رہا تھا شیخ فرید الدینؒ کی دعوتیں اور ان کے اعزاز میں منعقد ہونے والی دوسری تقریبات بھی بڑھتی جا رہی تھیں جس سے ان کی توانائی اور وقت ضائع ہوتا تھا اور یہ بات شیخ کو ناگوار گزرتی تھی۔ دریں اثنا ایک اور واقعہ بھی ہوا جس کی وجہ سے شیخ نے دہلی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہانسی کا ایک غریب انسان سرہنگا شیخ فرید الدینؒ سے ملنے کے لیے دہلی آیا لیکن کئی روز تک اس کی شیخ تک رسائی نہ ہو سکی۔ ایک صبح جب شیخ اپنے مکان سے برآمد ہوئے تو سرہنگا کو، جو باہر انتظار کر رہا تھا، موقع مل گیا۔ وہ شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور آنسو بہاتے ہوئے اور دہلی میں شیخ کے ناقابل حصول ہونے کا ماتم کرتے ہوئے بولا: "میرے آقا! ہانسی میں آپ سے ملنا کتنا آسان تھا۔" شیخ فریدؒ بڑے متاثر ہوئے۔ انہیں بھی یاد وطن نے بے قرار کر دیا اور انہیں بے اختیار وہ پر امن دن یاد آ گئے جو ہانسی میں گزرے تھے۔ انہوں نے اپنے لاتعداد مریدوں کی التجاؤں کے باوجود دہلی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ شاہی دربار، اس کے بے روح ٹھاٹھ باٹھ اور اس کی سازشوں کی فضا سے بھی دور رہنا چاہتے تھے۔ اگرچہ وہ حب جاہ سے کوسوں دور تھے تاہم انہوں نے محسوس کر لیا کہ وہ اکل کھرے لوگ، بے راہ روی جن کی فطرت ہوتی ہے، ان کے متعلق غلط فہمیوں کا شکار ہو جائیں گے اور انہیں اپنا رقیب سمجھنے لگیں گے۔ خصوصاً انہیں اس بات کا بڑا خدشہ تھا کہ ان کے اور شیخ بدر الدین کے

Marfat.com

درمیان کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو جائے۔ان شیخ بدرالدین کے دل میں بھی خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا جانشین بننے کی بڑی آرزو تھی لیکن وہ اس مرتبے کو حاصل نہ کر سکے۔ان تمام باتوں کے پیش نظر شیخ فرید الدینؒ نے ہانسی کے لیے رخت سفر باندھا لیکن ہانسی پہنچنے پر بھی انہیں اسی مسئلے کا سامنا کرنا پڑا جس سے وہ دہلی میں دوچار تھے۔خواجہ قطب الدینؒ کے جانشین کی حیثیت سے انکی شہرت ان سے پہلے ہانسی پہنچ چکی تھی۔چنانچہ یہاں بھی لوگ ہر وقت انہیں گھیرے رہتے تھے۔ہر گھڑی لوگوں میں گھرے رہنے کو ناپسند کرتے ہوئے آخر کار انہوں نے اجودھن جانے کا فیصلہ کیا جسکا محل وقوع بڑا اجاڑ تھا۔یہ مقام اگرچہ لاہور اور ملتان کے درمیان واقع تھا اور ماضی میں یہاں کئی جنگیں بھی ہوئی تھیں مگر پھر بھی یہ علاقہ بڑا الگ تھلگ تھا۔اس کے چاروں طرف صحرا تھا۔لوگ سرکش تھے۔اکثریت غیر مسلموں کی تھی جن کے دلوں میں درویشوں کا کوئی احترام نہیں تھا اور نہ ہی وہ درویشوں کے معتقد تھے۔اس علاقے میں کچھ یوگی بھی رہتے تھے جنہیں شیخ کی مہمان نوازی نے بڑا متاثر کیا۔اس امر میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ شیخ فریدؒ ممتاز صوفیوں کے اس سلسلے سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے کسی قسم کے مادی وسائل کی مدد کے بغیر زندگی بھر کی جدوجہد سے کفر والحاد کے اندھیرے دور کیے۔موجودہ دور کے مسلم دانشور ڈاکٹر عزیز احمد بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں،وہ لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں آنے والے مبلغین اسلام کو ایک نظر دیکھا جائے تو وہ صوفی جو تارک الدنیا اور زاہد مرتاض تھے علوم دین کے ماہروں کی نسبت عوام کے زیادہ قریب تھے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ علوم دین کے ماہر متعصب و متشدد تھے اور ان میں روحانی احساس اور بلند کرداری کی بھی کمی تھی۔شہروں،قصبوں اور دیہات میں صوفی اپنے مسلم مریدوں کے اندرونی دائرے اور غیر مسلم خصوصاً نیچ ذات کے ہندو مداحین کے بیرونی دائرے میں ایک محور کی حیثیت رکھتے تھے۔یہ غیر مسلم مداحین صوفیوں کی روحانیت اور بلند انسانی اقدار سے بڑا اچھا تاثر لیتے تھے چنانچہ بیرونی دائرہ بالواسطہ طور پر آہستہ آہستہ اسلام میں مدغم ہو جاتا تھا اور براہ راست تبلیغ کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔اس طرح یہ بیرونی دائرہ صوفیوں کی بلند کرداری سے متاثر ہو کر نور اسلام سے اپنے سینے منور کرتا اور مریدوں کے اندرونی دائرے میں شامل ہو جاتا تھا۔کئی بار ظاہری علوم کے متوالے بھی باطنی علوم کے شیدائی ہو جاتے تھے۔پس صوفیوں نے بے شمار ہندوؤں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔لیکن یہ نو مسلم اپنے نئے مذہب کا علی الاعلان مظاہرہ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ انہیں اپنے ماحول کے مطابق ذات برادری کے مقاطعے کا ڈر رہتا تھا اور اس مقاطعے سے انہیں اقتصادی نقصان بھی پہنچتا تھا۔

صوفیاء کے اکثر و بیشتر سلسلے اور متعدد صوفی ہند میں غیر مسلموں کے اسلام قبول کرنے کو اپنا اولین روحانی مقصد سمجھتے تھے۔ہند کے جنوبی ساحل کے موپلوں نے حضرت مالک بن دینارؒ (متوفی ۷۴۴ء) کے مریدوں کی مساعی سے اسلام قبول کیا۔گجرات کے ڈوڈوالے اور پنجارے الحلاجؒ (متوفی ۹۲۱ء) کی کوششوں سے،ترچناپلی کے لیے نتھار شاہؒ (متوفی ۱۰۳۹ء) کی تبلیغ سے،

Marfat.com

کچھ کے میمن یوسف الدین سندھی کی تبلیغ سے، سندھ اور بلوچستان کے داؤد پوتے سندھ کے قرمطی مبلغین کی کوششوں سے، گجرات کے بوہرے ابداللہ خزاریؒ کی تبلیغ سے، واخان کے قبائل اور آفریدی پٹھان ناصر خسروؒ کی جدوجہد سے اور گجرات کے خوجے نور ستگرؒ ایسے اسماعیلی مبلغین کی تبلیغ سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ غزنوی دور کے لاہور میں شیخ اسماعیل بخاریؒ نے بڑے منظم طریقے سے تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا۔ اسی طرح الہجویریؒ نے غزنوی دور کے ایک ہندو جرنیل رائے راجو کو مشرف بہ اسلام کیا۔ تیرہویں صدی میں اجمیر میں چشتی مہمان خانے اور ملتان میں سہروردی مہمان خانے کا قیام نہ صرف مذہبی وروحانی بلکہ ایک تبلیغی سرگرمی کے مترادف تھا۔ اجمیر ہندو فوجی امراء کا گڑھ تھا چنانچہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی طرف سے اسے اپنی تبلیغ کا مرکز بنانا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اولیائے کرام کی سوانح حیات پر ہونے والے کام کے مطابق چشتی صوفیاء میں سے شیخ فرید الدین گنج شکرؒ اور بوعلی قلندرؒ (متوفی ۱۳۲۴ء) اپنے تبلیغی کارہائے نمایاں کی بدولت بڑا بلند مقام رکھتے ہیں۔ محمد بن تغلق کے دباؤ کے باعث چشتی مبلغین نے دو پشتوں کے تعطل کے بعد حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور ان کے جانشینوں کی سرکردگی میں اپنی سرگرمیاں دوبارہ شروع کر دیں۔

قادری سلسلے میں تبلیغ کی سربراہی سولہویں صدی میں صرف حضرت داؤد کرمائیؒ کے ذمے تھی۔ بعد میں اس سلسلے سے منسلک صوفیاء نے عام تبلیغ شروع کر دی۔ سلسلہ کبرویہ نے بھی بے شمار غیر مسلموں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔ سید علی ہمدانیؒ سات سو مشائخ کو ساتھ لے کر کشمیر گئے اور وادی کشمیر کا گوشہ گوشہ اسلام کی روشنی سے جگمگا اٹھا۔

ان صوفی مبلغین کی پالیسی بڑی صلح کل تھی۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں پر اپنے اصولوں کی یکساں تبلیغ کرتے تھے اور ذکر (یعنی غیر مسلموں کو اپنے حلقہ اثر میں لانے کے لیے خدا کے ناموں اور صفتوں کا تذکرہ) کی تاثیر پر بڑا تکیہ کرتے تھے۔"

اب ہم پھر اپنے بیان کی طرف آتے ہیں۔ اجودھن کے باشندوں نے شیخ فرید الدین کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ شیخ اس عدم توجہی پر بڑے خوش ہوئے۔ انہوں نے پیلو کے درختوں کا ایک جھنڈ منتخب کیا اور ان کے نیچے اپنا مصلیٰ بچھا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ یہ گویا اجودھن میں کم وبیش ربع صدی کے قیام کا آغاز تھا جس سے اس علاقے کے نہ صرف جغرافیائی حالات تبدیل ہو گئے بلکہ پنجاب کے کئی قبائل کا مقدر بھی بدل گیا۔

آیئے اس مرحلے پر ایک لمحے کے لیے ذرا یہ بات پرکھیں کہ کیا شیخ نے اجودھن کی دہلی اور ہانسی پر محض تنہائی اور سکون کی خاطر ترجیح دی تھی؟ کچھ لوگوں کے مطابق یہ کہنا سادہ لوحی کی انتہا ہو گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے بالکل خواہش مند نہیں تھے اور افتادِ طبع کے اعتبار سے انہوں نے اپنی زندگی ذکر وفکر کے لیے وقف کی ہوئی تھی۔ وہ درباری علماء سے مزاحمت کے تمام امکانات کو بھی ختم کرنا چاہتے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو اپنے دور کے حکمرانوں کو

Marfat.com

اپنے بے پایاں اثر کے تحت اپنا بے دام غلام بنا سکتے تھے۔ ان کے مرشد خواجہ قطب الدین سے بھی سلطان شمس الدین التتمش بڑی محبت اور احترام سے پیش آتا تھا۔ یہ سلطان شمس الدین التتمش خود بھی ولیوں کے سے کردار کا حامل تھا اور خواجہ قطب الدین کے واصل بحق ہونے کے صرف چند ماہ بعد خود بھی وفات پا گیا تھا۔ ان دونوں کے تعلقات پر پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ان الفاظ میں بڑی جامعیت سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں غالباً التتمش ہی وہ واحد بادشاہ ہے جسے یہ منفرد عزت حاصل تھی کہ ایک عظیم چشتی ولی اسے دوست کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ واضح رہے کہ چشتی اولیاء بادشاہوں اور امراء کی صحبت سے عموماً اجتناب کیا کرتے تھے لیکن خواجہ قطب الدین کی خانقاہ میں التتمش کا ہمیشہ خیر مقدم ہوتا تھا۔ صوفیاء کے مؤقف میں اس استثناء کی وجہ یہ تھی کہ سلطان التتمش کا کردار دوسرے بادشاہوں سے بالکل مختلف تھا۔''

لیکن شیخ فرید کی باریک بین نگاہوں نے آنے والے دور کو پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ سلطان التتمش کی وفات کے بعد ان کے جانشینوں میں حصول تخت و تاج کے لیے تصادم ہوگا۔ علاوہ ازیں انہیں یہ بھی ادراک تھا کہ اسلام کا مستقبل سیاسی دائرے سے باہر رہ کر ہی محفوظ ہو سکتا ہے۔ مزید برآں ہندوؤں کے انحطاط پذیر رسوم و رواج کے باعث ایک عام سماجی بے کیفی بھی موجود تھی۔ چند مسلمان حکمرانوں کے متکبرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے بھی گروہ بندیوں سے آزاد اسلامی مساوات کا آفتاب گہنا گیا تھا۔ عوام سے ظاہری علماء کا رویہ بھی نا قابل برداشت تھا۔ اسلام اب صرف انہی مقامات پر برقرار رکھا جا سکتا تھا جو جذبات سے متاثر نہ ہوں۔ اگرچہ اجودھن بھی جذبات سے آزاد نہ تھا لیکن ان کی نوعیت مختلف تھی۔ اس علاقے کے لوگوں کی بدتمیزی اور بے فیضی نے شیخ کے مصائب برداشت کرنے کے جذبے کو اور مہمیز کیا۔ نچلے طبقے کے لوگوں کی حالت خصوصاً بڑی قابل رحم تھی۔ انہیں کوئی سماجی حیثیت حاصل نہ تھی اور وہ تعلیم سے بھی محروم تھے۔ ان طبقوں کے معدودے چند افراد نے بڑی جدوجہد کے بعد تعلیم حاصل کی اور جہالت کے چنگل سے آزاد ہو گئے لیکن اس کے باوجود انہیں احترام کے قابل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلبن کے عہد میں تو عین مین یہی حالات تھے کیونکہ وہ نچلے طبقوں اور غریب و پس ماندہ لوگوں سے بڑی نفرت کرتا تھا۔ اس نے نہایت بے رحمی سے ان لوگوں کو باوقار اور اعلیٰ عہدوں سے علیحدہ کر دیا۔ حقیقت میں بلبن نے بھی بادشاہت شیخ فرید الدینؒ کے طفیل حاصل کی تھی کیونکہ اس نے جب الغ خاں کی حیثیت سے شیخ سے ملاقات کی تھی تو شیخ نے اس کے حق میں دعا کی تھی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی ہمیں بتاتے ہیں کہ بلبن اپنے عہدے پر قانع نہیں تھا۔ چنانچہ وہ حصول تخت کے لیے اس دور کے اولیاء سے روحانی مدد حاصل کرنے کی غرض سے اولیاء کے پاس حاضری دیا کرتا تھا۔ ایک بار دہلی کے شہنشاہ ناصر الدین محمود نے اجودھن جا کر بابا فرید سے ملاقات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن بلبن نے اسے اجودھن جانے سے باز رکھا۔ اس نے سوچا کہ اس طرح بادشاہ اپنے دور کے ایک ایسے عظیم ولی سے تعلقات استوار کر لے گا جس کا عوام پر بے پناہ اثر ہے۔ اس نے سلطان کو یہ پٹی پڑھائی کہ میں خود اجودھن جا کر شیخ سے آپ کا سلام عرض کر دوں گا۔ امیر خورد لکھتے ہیں۔

''غیاث الدین بلبن کو تخت حاصل کرنے کی بڑی خواہش تھی چنانچہ اس نے یہ سوچا کہ

Marfat.com

اگر حکمرانی اس کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے اور شاہی تخت نے اس کی قدم بوسی کرنی ہے تو شیخ الشیوخ ضرور پیش گوئی کریں گے۔ ان توقعات کو دل میں لیے ہوئے بلبن شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہی تحائف پیش کیے۔ شیخ کے وجدان نے بلبن کی ذہنی کیفیات کو محسوس کر لیا چنانچہ انہوں نے یہ ابیات پڑھے:

فریدون فرخ فرشتہ نبود
زعود و زعنبر سر شتہ نبود
ز داد و دہش یافت آں خسروی
تو داد و دہش کن فریدوں توئی

(یعنی خوش قسمت فریدوں کوئی فرشتہ نہیں تھا اور نہ ہی اس کی سرشت عود وعنبر سے بنائی گئی تھی۔ اس نے خسروی داد و دہش کی بدولت حاصل کی۔ تو بھی داد و دہش سے کام لے کر فریدوں بن سکتا ہے۔)

لیکن جب بلبن دہلی کا بادشاہ بن گیا تو اس نے شیخ کی تعلیمات کو یکسر بھلا دیا اور معاشرے کے نچلے طبقوں کے بارے میں اس کا رویہ نا قابل برداشت ہو گیا۔ اس نے عام انسانوں سے بات کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ دہلی کے ایک امیر تاجر نے بادشاہ سے ملاقات کے لیے اپنی تمام دولت دینے کی پیش کش کی مگر اسکی آرزو کبھی پوری نہ ہو سکی۔ حتیٰ کہ بلبن اپنے ذاتی ملازمین سے بھی کبھی نرم دلی کا سلوک نہیں کرتا تھا''۔

(''ہندوستان میں مسلم حکمرانی کی بنیاد'' مصنفہ اے۔ بی۔ ایم۔ حبیب اللہ، مطبوعہ ۱۹۶۱ء، ص ۱۶۳)

''امیر خسرو کی تخلیقات و زندگی'' کے فاضل مصنف ڈاکٹر محمد وحید مرزا نے زیر بحث دور کے تاریخی پس منظر کو بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ فریدؒ اور نظام الدین اولیاءؒ (جن کے امیر خسرو مرید تھے) ایسے ولی شاہی دربار کے شان وشکوہ اور جاہ وجلال سے کیوں دور رہتے تھے۔ چونکہ یہ ولی ہمیشہ ذکر وفکر کے عادی تھے اس لیے شاہی دربار کا طمطراق انہیں ناگوار خاطر ہوتا تھا۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کا مؤقف اس سلسلے میں ان دونوں حضرات سے بالکل مختلف تھا۔ وہ ان دونوں ولیوں کے برعکس عوام سے اجتناب کرتے تھے اور صرف اعلیٰ طبقے کے لوگوں اور حکمرانوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ کرتے تھے تاکہ انہیں لغزشوں سے بچایا جا سکے اور وہ راہ راست سے بھٹکنے نہ پائیں۔ ڈاکٹر محمد وحید مرزا نے برنی کے حوالے سے اس دور کی تصویر کچھ یوں کھینچی ہے:

''برنی بھی یہی لکھتے ہیں اور ہم عوام کے رویے کی تبدیلی کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ بوڑھا شہنشاہ بلبن آہنی ہاتھوں لیکن لاریب عقل مندی اور منصف مزاجی سے حکومت کرتا تھا۔ تاہم اس کی سختی کے ڈانڈے کئی بار بے رحمی سے مل جاتے تھے مگر شاید یہ سختی اس

Marfat.com

افراتفری کے دور کے لیے ضروری تھی۔ وہ اپنے عہدے داروں کے انتخاب میں بڑا سخت تھا چنانچہ اس نے تمام ذمہ دارانہ عہدوں پر اعلیٰ نسب کے افراد کو، جو تجربہ کار، وفادار، عالی منش، فیاض اور دلیر تھے، فائز کیا ہوا تھا۔ نالائق، کاہل، کنجوس اور لالچی انسان کی بلبن کے دربار میں کوئی گنجائش نہیں تھی اور وہ انہیں کوئی بڑا عہدہ نہیں دیتا تھا۔ بلبن کو ہمیشہ اپنی شاہی زندگی زیادہ سے زیادہ پُرشکوہ بنانے کی فکر رہتی تھی کیونکہ اس کے خیال کے مطابق شاہی وقار قائم و برقرار رکھنے کے لیے یہ بہت ضروری تھا۔ برنی نے لکھا ہے کہ بلبن نے اپنے محافظ گھوڑ سوار دستے میں ہزاروں روپوں کے مشاہروں پر سیستانی پہلوانوں کو بھرتی کیا تھا جو اپنے کندھوں پر ننگی تلواریں رکھ کر اس کا تحفظ کرتے تھے اور جب بادشاہ اپنے اس محافظ گھڑ سوار دستے کو جلو میں لے کر باہر نکلتا تھا تو اس کے چہرے کی دمک اور ننگی تلواروں کی چمک سے عجیب نظارہ ہوتا تھا۔ سورج کی کرنیں جب ننگی تلواروں پر پڑتی تھیں تو دیکھنے والوں کی آنکھیں چکا چوند ہو جاتی تھیں۔ شہنشاہ کے چہرے کی دمک اور گھوڑ سوار دستے کے جاہ و جلال سے شاہی وقار عوام کی نظروں میں سوگنا بڑھ جاتا تھا اور وہ آب گوں آنکھوں سے شاہی سواری کی بڑے تعجب سے تعریف کرتے تھے۔ برنی کے الفاظ میں بلبن کا دربار بھی جاہ و جلال اور شان و شکوہ کا مرقع تھا۔ اس کے دربار عام میں نگران، حاجب، اسلحہ بردار، محافظ، چوب دار، سہم الحشام (کڑکیت)، ان کے نائب، چاؤش، نقیب اور پہلوان اپنے اپنے مقام پر ایستادہ رہتے تھے۔ دربار میں دائیں بائیں سجے ہوئے ہاتھیوں اور ساز و سامان سے آراستہ گھوڑوں کے پرے بھی ہوتے تھے۔ شہنشاہ اپنے سورج کی طرح چمکتے ہوئے چہرے اور کافور ایسی سفید داڑھی کے ساتھ جب ہیرے جواہرات سے مزین تخت پر بڑے ٹھسے اور وقار سے قدم دھرتا تھا تو حاضرین کے دل لرز جاتے تھے۔ تخت کے پیچھے خصوصی خدمت گاروں اور وفاداروں کی جگہ ہوتی تھی جب کہ ہاتھیوں کے مہاوت اور نگران، سر جنگ دار، خصوصی اسلحہ بردار، میر اصطبل اور غلاموں کے امیر تخت کے دائیں بائیں ہوتے تھے۔ ان کے ماتحت بھی اپنے اپنے مقام پر بتوں کی طرح ایستادہ ہوتے تھے۔ سہم الحشام یعنی کڑکیتوں، نقیبوں اور چاؤشوں کی گرج دار آوازیں دو کوس کے فاصلے تک سنی جا سکتی تھیں۔ جو لوگ ان آوازوں کو سنتے تھے، کانپنے لگتے تھے اور اکثر اوقات شاہی دربار میں موجود غیر ملکی سفراء اور دور دراز کے صوبوں کے رئیس یا رئیس زادے اور سردار جو شہنشاہ کو خراج تحسین ادا کرنے کے لیے دربار میں حاضر ہوتے تھے، غش کھا جاتے تھے۔

شان و شکوہ اور جاہ و جلال میں بلبن اپنے آقا سلطان شمس الدین التتمش سے بھی سبقت لے گیا تھا اور اگرچہ اس کا کڑا ضبط و نظم اور سنجیدگی دربار میں کسی مغنی اور مسخرے کو برداشت نہیں کر سکتی تھی تاہم وہ کبھی کبھار شاہی ایوانوں میں بڑی بڑی دعوتیں دیتا تھا جہاں خوب صورت قالین بچھے ہوتے تھے۔ دستر خوان پر منقش اور دلکش رنگوں والی طشتریاں اور سونے چاندی کے برتن

Marfat.com

چنے جاتے۔ ایوانوں کے دروازوں پر زرتار پردے لہراتے۔ ایوانوں کو سبز و شاداب پتوں اور نفیس پھولوں سے سجایا جاتا اور حاضرین کو لذیذ کھانے، عمدہ پھل، خنک شربت اور گلوریاں پیش کی جاتی تھیں۔ اس موقعے پر مغنی ہلکے سروں میں ساز بجاتے تھے اور شعراء مدحیہ قصائد پڑھتے تھے۔''

(ص ۲۶۔۲۷)

ان حالات کے باوجود شیخ فرید نے ایک بالکل ہی مختلف قسم کی مثال قائم کی۔ ان کی بارگاہ میں شہزادوں اور محتاجوں سے یکساں سلوک ہوتا تھا۔ اس دور کے حکمرانوں نے کئی مرتبہ شیخ کو جاگیریں دینے کی کوشش کی مگر شیخ نے انکار کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ کسی قسم کی املاک کے مالک نہیں بنیں گے اور تمام زندگی ایک غریب کاشتکار کی طرح بسر کریں گے۔ ان کی اسی زریں مثال کے باعث بے شمار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ تبلیغ اسلام میں ان کا وہی درجہ ہے جو ان کے دوست اور رشتے دار شیخ بہاء الدینؒ زکریا ملتانیؒ کا ہے۔ بابا فریدؒ کی تبلیغ سے کم وبیش سولہ قبائل نے اسلام قبول کیا۔ خانقاہ میں شیخ کے اہل خاندان کے لیے کچی اینٹوں کی ایک جھونپڑی تھی۔ کچی اینٹوں کا ہی ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس میں فقراء قیام کرتے تھے اور روحانی ریاضتیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک مسجد تھی۔ خانقاہ زائرین، ضرورت مندوں اور مسافروں کے لیے آدھی رات تک کھلی رہتی تھی۔ فتوح کو فقراء میں جلد از جلد تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اعلیٰ و ادنیٰ میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا تھا۔ یہ خانقاہ ان لوگوں کے لیے حقیقی معنوں میں جائے پناہ تھی جو دنیاوی جھگڑوں اور خود غرضیوں سے تنگ آ کر کچھ لمحے امن وسکون میں گزارنے کے لیے آتے تھے۔ یہ خانقاہ چھوٹے پیمانے پر ایک فلاحی مملکت بھی تھی اور اس ننھی سی فلاحی مملکت کو اس وجہ سے فضیلت حاصل تھی کہ مادی اشیاء میں تو تمام لوگ حصہ دار تھے لیکن مکینوں کی روحانی فلاح و بہبود پر صرف شیخ ہی توجہ دیتے تھے۔ شیخ کئی برس تک اس حیرت انگیز ادارے کے سربراہ رہے۔ اس دوران میں انہوں نے پند ونصائح اور ذاتی مثال سے مبتدیوں کی ہر طرح مدد کی تاکہ وہ ذاتی پاکیزگی کی جدوجہد میں کامیاب ہو کر خدائی علوم حاصل کر سکیں۔ شیخ نے مختصر سی علالت کے بعد ۵ محرم الحرام ۶۶۴ھ کو وفات پائی۔ علالت کے آخری ایام میں انہوں نے اپنے پیارے مرید شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو الوداع کہی اور وہ دہلی روانہ ہو گئے۔ شیخ فریدالدینؒ کی وفات کے بعد شیخ نظام الدین اولیاءؒ ان کے جانشین بنے اور انہوں نے مرشد کے بعد سلسلہ چشتیہ کی روایات کو برقرار رکھا۔ جس رات شیخ فریدؒ نے جان جان آفریں کے سپرد کی، اس رات وہ تین بار بیہوش ہوئے۔ جب انہیں ہوش آتا تو وہ حاضرین سے پوچھتے کہ کیا انہوں نے عشاء کی نماز ادا کر لی ہے؟ اس رات شیخ نے تین مرتبہ عشاء کی نماز پڑھی اور یہ کہتے رہے: ''کون جانے کیا ہوگا۔'' اس کے بعد یہ عظیم انسان دنیا سے کلیتاً منہ موڑ کر ذکر وفکر میں مشغول ہو گیا، حتیٰ کہ ان کی روح نے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ آخری وقت ان کی زبان پر یا حئی یا قیوم کے الفاظ تھے۔

شیخ کی وفات پر ان کے اہل خاندان کے پاس اتنی رقم بھی نہ تھی کہ وہ کفن اور قبر کے لیے کچی اینٹیں خرید سکیں۔ چنانچہ قبر بنانے کے لیے جھونپڑی کے دروازے سے اینٹیں نکالی گئیں۔ شیخ نے اپنے پیچھے پانچ صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں چھوڑیں۔ ان کی اولاد میں سے کئی لوگ بڑے اونچے مرتبے کے صوفی ہوئے۔ شیخ کی اولاد اب بھی موجود ہے اور عوام اس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے شیخ کی اولاد نے بعد میں ترک دنیا کا راستہ چھوڑ دیا جیسا کہ ا...

عبارت سے اس امر کی شہادت ملتی ہے:

''تغلق سلطان شیخ فرید کے خاندان کا بڑا احترام کرتے تھے کیونکہ دیپال پور، جو خاندان تغلق کے بانی کا علاقہ تھا، پاکپتن سے زیادہ دور نہیں تھا، ''جواہر فریدی'' کے مصنف دعویٰ کرتے ہیں کہ تغلق خاندان کے بانی ملک غازی نے شیخ فرید کے صاحب زادے شیخ علاء الدین کی دعا سے ہندوستان کی بادشاہت حاصل کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ محمد تغلق نے بابا فرید کی خانقاہ کے اندر شیخ علاء الدین کا بڑا عظیم مقبرہ تعمیر کرایا۔ اسے پاکستان میں مسلم فن تعمیر کی پہلی معیاری یادگار کہا جا سکتا ہے جس کا اس سے قبل مشاہدہ نہیں کیا گیا تھا۔ محمد تغلق شیخ علاء الدین کے دو صاحب زادوں معزالدین اور عالم الدین کو اپنے ساتھ دہلی لے گیا۔ معزالدین کو اس نے گجرات کا گورنر اور عالم الدین کو ہندوستان کا شیخ الاسلام مقرر کر دیا۔ اگرچہ اس سے قبل یہ خاندان حکومت کے امور میں مداخلت سے اجتناب کرتا تھا۔ شیخ کی اولاد کے سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کو کچھ لوگ تصوف کے سلسلہ چشتیہ کی روایات سے انحراف قرار دیتے ہیں۔''

(''پاکپتن اور بابا فرید گنج شکرؒ'' مصنفہ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، ص ۳۸)

صدیوں تک اس خانقاہ کے ساتھ خاصی املاک رہی کیونکہ عوام اور حکمران مسلسل مختلف نوعیت کی جائدادیں خانقاہ کے لیے وقف کرتے رہے۔ چونکہ اس امر کا خدشہ تھا کہ روحانیت کے موروثی نظام کے تحت اس وسیع خیراتی وقف املاک کے نظم و نسق میں بدعنوانیاں نہ پیدا ہو جائیں اس لیے چند سال قبل محکمہ اوقاف نے اس خانقاہ کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ ہر سال، محرم کو بابا فرید کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے جس میں پاکستان اور بھارت کے مختلف علاقوں سے بے شمار افراد شرکت کرتے ہیں۔ کیونکہ شیخ کی اولاد کا عوام کے دلوں میں بڑا احترام ہے اس لیے دیوان صاحب، جو شیخ کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے وارث ہیں، عرس کی تمام تقریبات میں شرکت کرتے ہیں تا کہ ان کا وقار بڑھے اور یہ تقریبات عوام میں مقبول ہوں۔

شیخ کے سفر

شیخ فرید کی تعلیمات پر بحث و تمحیص سے قبل یہ ضروری ہے کہ ان کے سفروں کی تعداد کے سوال کو حل کر لیا جائے۔ سفر بسا اوقات ایک صوفی کی تربیت کا حصہ ہوتا ہے اور تصوف کی کئی کتابوں میں سفر کے مقاصد اور آداب پر ہدایات بھی ملتی ہیں۔ فارسی میں لکھی ہوئی تصوف کی اولین کتاب ''کشف المحجوب'' میں، جو شیخ علی الہجویریؒ کی تصنیف ہے، ایک صوفی کے سفر کے لیے حسب ذیل قوانین کا تذکرہ کیا گیا ہے:

''سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ صوفی کو سفر ضرور کرنا چاہیے تا کہ اس کے دل میں باطنی نفسانی خواہشات سے نفرت پیدا ہو سکے۔ صوفی کے لیے لازمی ہے کہ وہ ہمیشہ پاکیزگی کی کیفیت میں رہے اور اپنی ریاضت سے غفلت نہ برتے۔ اس کے سفر کا مقصد یا توحج یا کفر و

Marfat.com

الحاد کے خلاف جہاد یا مقامات مقدسہ کی زیارت یا حصول علم کے لیے کسی مقدس ہستی یا شیخ کے پاس حاضری یا کسی بزرگ ولی کے مقبرے کی زیارت ہونا چاہیے۔ان کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے سفر کرنا غلط ہوگا۔سفر کرنے والے درویش کو ہمیشہ ہادی اعظم کے مسلک پر کار بند رہنا چاہیے۔سفر کے اختتام پر جب درویش کسی کے گھر میں داخل ہوتو اسے (درویش) ادب واحترام سے کام لینا چاہیے اور صاحب خانہ کو سلام کرنا چاہیے۔سب سے پہلے بائیں پاؤں کا جوتا اتارنا چاہیے جیسا کہ ہادی اعظم کیا کرتے تھے اور جب اسے جوتا پہننے کی حاجت ہوتو پہلے دائیں پاؤں میں جوتا پہننا چاہیے۔اسی طرح اسے پہلے دایاں پاؤں دھونا چاہیے اور پھر بایاں اور پھر دوبارسر جھکا کر اہل خانہ کو سلام کرنا چاہیے۔اسکے بعد اسے وہ تمام مذہبی فرائض سرانجام دینے چاہئیں جو درویشوں کے لیے لازمی ہوتے ہیں۔اسے کسی بھی حالت میں اہل خانہ کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔نہ ہی کسی کے ساتھ حد اعتدال سے بڑھ کر کسی قسم کا برتاؤ کرنا چاہیے۔
نہ ہی اپنے سفر کی مشکلات بیان کرنی چاہئیں، نہ ہی حکایات بیان کرنی چاہئیں اور نہ ہی حاضرین کو مختلف احکام وعقائد بتانے چاہئیں کیونکہ یہ سب باتیں نخوت وخود بینی کی غمازی کرتی ہیں۔اگر بیوقوف لوگ دق کریں تو صوفی کو صابر وشاکر رہنا چاہیے اور شریروں کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف فی سبیل اللہ برداشت کرنی چاہئیں کیونکہ صبر میں بڑی برکتیں ہوتی ہیں۔اگر اہل خانہ یا ان کے ملازم صوفی کو شہر کے لوگوں سے ملانے کے لیے باہر لے جانے کو کہیں تو اسے ان کی بات مان لینی چاہیے لیکن دل میں دنیا دار لوگوں سے ملنے اور ان کا احترام کرنے کو ناپسند کرنا چاہیے لیکن ان کے جو بھائی ایسا کرتے ہوں ان کے رویے پر نکتہ چینی نہیں کرنی چاہیے۔
ایک صوفی کو اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے کہ اسکے غیر مناسب مطالبات سے اہل خانہ کو تکلیف نہ پہنچے اور نہ ہی ذاتی خوشی کے لیے اسے اہل خانہ کو امراء یا اعلیٰ حکام کی بارگاہ میں کھینچنا چاہیے۔
سفر کرنے والے درویشوں اور ایک ہی جگہ مقیم رہنے والے درویشوں کو ہمیشہ باہم مل کر خدا کی رضائیں حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیے اور ایک دوسرے پر اعتماد کرنا چاہیے۔صوفی کو اپنے کسی ساتھی کے منہ پر یا اس کی عدم موجودگی میں تلخ باتیں نہیں کرنی چاہئیں کیونکہ ایک سچے صوفی کی نگاہ عمل کے معاملے میں ہمیشہ قوت عاملہ پر ہوتی ہے اور جہان تک انسان کا تعلق ہے وہ چاہے کسی بھی نوع کا ہو، بےعیب ہو یا عیب دار ہو، چھپا رستم ہو یا کھلی اور واضح طبیعت رکھنے والا ہو خدا کا بندہ اور اسکی مخلوق ہے۔کسی عمل پر خدا کی مخلوق سے جھگڑا کرنا گویا خدا سے جھگڑا کرنا ہے۔''

(آر۔اے نکلسن کا ترجمہ، صفحات ۳۴۶۔۳۴۷)

شیخ کے کئی ممتاز پیش رووں نے بڑے لمبے سفر کیے ہیں۔شیخ فرید سے منسوب کئی سفروں کو شاید کچھ مصنفین نے شرح وبسط سے بیان نہیں کیا تاہم شیخ نے ملتان، اوچ شریف، قندھار، دہلی اور ہانسی کا سفر کیا اور ان مقامات پر کافی عرصے

Marfat.com

تک قیام پذیر رہے۔ البتہ کشمیر، شمالی ہند، وسطی ایشیاء، شرق قریب اور شرق اوسط ایسے دور دراز علاقوں کے سفر کچھ مصنفین کے نزدیک مشتبہ اور غیر مستند ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی ان سفروں کو مسترد کرنے کے لیے حسب ذیل وجوہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اولین کتابیں ''فوائد الفواد''، ''خیر المجالس'' اور ''سیر الاولیاء'' میں شیخ فریدالدین کی غیر ملکی سیر و سیاحت کے بارے میں ایک لفظ بھی درج نہیں ہے۔ اگر بابا فرید نے اتنے وسیع سفر کیے ہوتے، جیسا کہ جعلی ملفوظ لٹریچر ہمیں باور کرانے کی کوشش کرتا ہے، تو امیر حسن اور امیر خورد نے یہ حقیقت کیوں واضح نہیں کی؟ بعد کے مصنفین مثلاً جمالی، علی اصغر اور اللہ دیا کے نزدیک شیخ نے غیر ملکی سفر کیے ہیں۔ ان کی معلومات کا ایک ہی ذریعہ ہے، اس دور کا غیر مستند لٹریچر، حکایات اور کہانیاں جو ان تک پہنچیں۔

۲۔ جس زمانے میں فرض کیا جاتا ہے کہ بابا فرید نے غیر ملکی سفر کیے وہ ہولناک ہلچل اور اضطراب کا زمانہ تھا۔ منگولوں کی تاخت نے کئی سرسبز و شاداب اسلامی شہروں کو تباہ و برباد کر دیا۔ مشرقی اسلامی ممالک کے ثقافتی مراکز تو حقیقی معنوں میں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو گئے۔ جہاں پہلے شاہی محل اور کتب خانے تھے وہاں صحرا اور کھنڈر نمودار ہو گئے۔

(''تاریخ عرب'' مصنفہ کے۔ حتی، صفحات ۴۸۲۔۴۸۳)

حتیٰ کہ ابن بطوطہ نے بھی جن دنوں بخارا، سمرقند، بلخ اور ماوراء النہر کے دوسرے شہروں کی سیاحت کی تھی تو یہ شہر کھنڈروں میں تبدیل ہو چکے تھے۔ ان حالات کے تحت تاجروں، سیاحوں اور صوفیوں کے لیے سفر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ ان علاقوں کے مہاجرین کا ایک لامتناہی سلسلہ پناہ حاصل کرنے کے لیے ہند میں داخل ہو رہا تھا۔

۳۔ بابا فرید کے روحانی مرشد چونکہ ہند میں مقیم تھے اس لیے غیر معین حالات کے تحت بابا فرید کے لیے غیر ملکی سفر ضروری نہیں تھا۔

ان حقائق کے پیش نظر یہ بات بعید از قیاس ہے کہ بابا فرید نے کسی بھی غیر ملک کا سفر کیا ہو۔ تاہم ایک استثنیٰ ضرور ہے اور وہ ہے سفر قندھار۔ بابا فرید نے یہ سفر بارہویں صدی کے آخری عشرے میں تکمیل علم کے لیے کیا تھا۔''

(شیخ فریدالدین گنج شکر کی زندگی اور دور، مصنفہ پروفیسر خلیق احمد نظامی، ۱۹۵۵ء، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، صفحات ۲۹۔۳۰)

اس سلسلے میں ایک نقطہ یہ بھی ہے کہ ازمنہ وسطیٰ کے ہند کے باہر جو تغیر پذیر حالات تھے شاید ان کے باعث مسلم دانش ور بیرون ملک سفر کرنا غیر ضروری سمجھتے تھے۔ علاوہ ازیں تاراج

Marfat.com

علاقوں کے دانش ور ہجوم در ہجوم دہلی پہنچ چکے تھے اور جہاں تک ذہنی و روحانی ضرورتوں کا معاملہ تھا شہر دہلی کچھ عرصے کے لیے خود کفیل ہو چکا تھا۔

(''ازمنہ وسطیٰ کے ہند کی تاریخ کا مطالعہ'' مصنفہ خلیق احمد نظامی ۱۹۵۶ء)

ان تمام باتوں کے باوجود شیخ کی ہمہ جہتی خیر و برکت کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ ان کے سفروں کے بارے میں اگر کوئی شک ہو بھی تو یہ بات شک سے بالاتر ہے کہ ان کا اثر بہت دور دور تک پہنچا ہوا تھا۔ ''بنگال میں صوفی ازم کی تاریخ'' کے فاضل مصنف ڈاکٹر انعام الحق کے مطابق شیخ فرید نے ایک مرتبہ بنگال کا سفر بھی کیا تھا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ بنگلہ دیش میں چاٹگام کے قریب ایک چشمہ ہے جس کا نام شیخ کے نام پر ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق نے فرید پور کے باشندوں کے اس عقیدے کا حوالہ بھی دیا ہے کہ بنگلہ دیش کے ضلع فرید پور کا نام بھی شیخ فرید کے نام پر رکھا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اس وسیلے میں اسلام کی تبلیغ کی اور کئی مقامات پر پہنچ کر بے شمار لوگوں کو مسلمان کیا۔ ڈاکٹر انعام الحق شہر فرید پور میں ایک قبے کا بھی پتا دیتے ہیں جو ان کے مطابق شیخ کی آمد کی یادگار ہے۔ تاہم ''تذکرہ صوفیائے بنگال'' کے فاضل مصنف مولانا اعجاز الحق قدوسی نے، جو برصغیر پاک و ہند میں تصوف پر اتھارٹی تسلیم کیے جاتے ہیں، ڈاکٹر انعام الحق کے نظریات کو باوجود اس کے کہ وہ بہت مقبول ہیں مسترد کیا ہے۔ مولانا قدوسی اس سلسلے میں یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ کسی بھی تذکرے میں ایسا کوئی حوالہ نہیں ہے۔

بہرحال راقم الحروف کے نزدیک شیخ فرید نے ملتان میں اپنے مرشد سے ملاقات کے بعد دہلی میں انہیں دوبارہ ملنے کے درمیانی عرصہ میں وسطی ایشیاء، شرق قریب اور شرق اوسط کا سفر کیا کیونکہ شیخ اس زمانے میں اپنی مذہبی تعلیم مکمل کر رہے تھے۔ اگر حصول تعلیم کے لیے وہ قندھار جا سکتے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ آگے سے اجتناب کرتے۔ مزید برآں شیخ اس وقت نوجوان تھے اور ہنگامہ خیزی کے اس دور میں طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کی قوت رکھتے تھے۔ حصول علم کے لیے سفر اختیار کرنا پیغمبرانہ روایت ہے اور اسکے ساتھ بڑی خوبیاں وابستہ ہیں۔ سو یہ بات بالکل ہی خارج از امکان نہیں کہ شیخ فرید نے ایشیا اور افریقہ کے کئی اسلامی ملکوں کا سفر اختیار کیا۔

دوم محض یہ حقیقت کہ پہلے زمانے کے اولیاء کے سوانح نگاروں نے کچھ مقامات کا تذکرہ نہیں کیا استراد کے لیے مناسب وجہ نہیں جیسے کہ ان کا بیان شیخ کی زندگی کی تمام تفصیلات کے بارے میں محتوی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہمارے خیال میں زبانی اور سنی سنائی روایت کو تاریخی علم کے ایک ذریعے کی حیثیت سے کتاب پرستی کے نظریے سے مربوط نہیں کرنا چاہیے۔

المختصر عالم اسلام کے کئی مقامات ایسے ہیں جو بابا فرید کے باعث بھی قابل احترام ہیں۔ سید مسلم نظامی نے اپنی تصنیف ''انوار الفرید'' میں کم و بیش پچیس مقدس مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں شیخ نے چلّے اور مراقبے کیے۔ ان مقامات میں مدینہ منورہ، بیت المقدس، حتیٰ کہ برما کا ایک شہر بھی شامل ہیں۔ توفیق کنعان نے اپنی کتاب ''فلسطین کے مسلم اولیاء اور عبادت گاہیں (۱۹۲۷ء)'' میں یہ قول نقل کیا ہے کہ فلسطین میں ایک زاویہ ہے جس کا نام شیخ فرید گنج شکر کے نام پر ہے۔ سید محمد لطیف نے اپنی تصنیف ''لاہور، اس کی تاریخ اور آثار قدیمہ (۱۸۹۲ء)'' میں بابا فرید کے ایک چلّے کا تذکرہ کیا ہے جو

Marfat.com

شیخ نے لاہور کی موجودہ ضلع کچہری کے مغرب میں واقع ایک اونچے ٹیلے پر کیا تھا۔ تقسیم ملک سے قبل ہر سال ۵ محرم کو مسلمان اور ہندو مل کر یہاں میلہ مناتے تھے۔ مختصر یہ کہ ہم چاہے شیخ کے سفروں کی تعداد اور حدود کو متعین نہ کر سکیں تاہم شیخ ایک ایسے ولی ہیں جن کی خیر و برکت دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔

شیخ کی شخصیت اور تعلیمات

شیخ فرید کی جو بات سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے' وہ ہے مصائب کے لیے ان کی محبت۔ انہوں نے تکالیف کا راستہ اختیار کیا اور شہرت پر گمنامی کو ترجیح دی۔ توطن کے لیے اجودھن کو منتخب کرنے سے متعلق ان کا فیصلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ ایک الگ تھلگ اور گمنام علاقے میں جی بھر کر عبادت، ریاضت، مراقبہ اور مناجات کرنے کے خواہش مند تھے۔ مزید برآں اجودھن میں قیام کرنے کا مقصد یہ بھی تھا کہ زندگی انتہائی کٹھنائیوں میں بسر کی جائے۔ یہ علاقہ نہ صرف ناخوش گوار تھا بلکہ غیر محفوظ بھی تھا چنانچہ شیخ کے کئی مریدوں کو سانپوں نے ڈسا۔ شیخ اور ان کے مریدوں کو زیادہ تر جنگلی پھلوں مثلاً پیلو اور ڈیلا اور بدمزہ سبزیوں پر بسر اوقات کرنا پڑتی تھی۔ جب حالات انتہائی کٹھن ہو جاتے تھے تو ایک مرید کاسہ دائی لے کر شہر جایا کرتا تھا اور خوراک جمع کر کے لایا کرتا تھا۔ فتوح لی جاتی تھی اور مستحقین میں بانٹ دی جاتی تھی۔ مریدوں میں کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا تھا حتیٰ کہ پارسائی کو بھی وجہ تفاخر نہیں سمجھا جاتا تھا اور شیخ کے ممتاز مریدوں مثلاً شیخ نظام الدین اولیاء، مخدوم علاء الدین صابر، شیخ بدر الدین اسحاق اور متعدد دوسروں کو چھوٹے موٹے اور معمولی کام تفویض کیے جاتے تھے۔

شیخ کی شخصیت کی ایک اور خصوصیت جو ان کی تعلیمات سے براہ راست نسبت رکھتی ہے' ان کا عزم محکم ہے۔ جب وہ ایک بار عزم کر لیتے تھے تو پھر کوئی بھی ان کے عزم میں مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ مثال کے طور پر اجودھن پہنچنے کے تھوڑے عرصے بعد انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کو کوٹھی وال بھیجا کہ وہ والدہ کو اجودھن لے آئیں۔ واپسی پر شیخ نجیب الدین متوکل والدہ محترمہ کو ایک جگہ بٹھا کر خود صحرا میں پانی تلاش کرنے کے لیے چلے گئے اور وہ قابل احترام خاتون جنگلی درندوں کے حملے سے جاں بحق ہو گئیں۔ شیخ فرید کی زندگی کا یہ پہلا بڑا المیہ تھا کیونکہ ان کی والدہ نے ان کی زندگی سنوارنے میں بڑا اہم اور مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ ان کی والدہ نے زہد کے رستے پر ثابت قدم رہنے کے لیے ہمیشہ ان کی حوصلہ افزائی کی۔ درحقیقت یہ بزرگ خاتون کاملیت کی حامی اور شیخ کی نہایت سخت گیر اتالیق تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے فرزند پر یہی زور دیا کہ چاہے کتنی ہی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے' وہ اپنی روحانی قوتوں کا زیادہ سے زیادہ ادراک کریں۔ اس محترم خاتون نے ہر حال میں مردانہ وار بیٹے کا ساتھ دیا لیکن ایسی والدہ کی وفات سے بھی اجودھن میں رہنے سے متعلق شیخ کا عزم متزلزل نہ ہوا۔ انہوں نے دنیا کی شان و شوکت سے الگ رہنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا چنانچہ انہوں نے سلطانوں سے کوئی جاگیر حاصل نہ کی اور نہ ہی با اثر لوگوں سے رعایتیں اور فوائد حاصل کرنے کی کوشش کی۔

شیخ کی شخصیت کی غالباً سب سے اہم خصوصیت ان کا بے پایاں خلوص ہے۔ ان کی نجی زندگی اور عوامی زندگی

میں کوئی تضاد نہیں تھا اور نہ ہی ان کے قول و فعل میں کوئی فرق تھا۔ شیخ بڑے رحم دل انسان تھے۔ نوع انسان کی تکالیف پر ان کی آنکھیں اشک آلود ہو جاتی تھیں۔ ان کا سلسلہ تصوف نہ تو مقامی نوعیت کا تھا اور نہ ہی اس کا حلقہ محدود تھا۔ تصوف کے تمام سلاسل کے اولیاء ان کے نزدیک قابل احترام تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ فرید شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف ''عوارف المعارف'' کے بڑے شائق تھے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی سے ان کی بغداد میں ملاقات ہوئی تھی اور شیخ شہاب الدین نے ان کا بڑا احترام کیا تھا۔ شیخ نے اپنے ایک فرزند کا نام بھی شیخ شہروردی کے نام پر شہاب الدین رکھا۔ اس صاحب زادے کی ولادت کی خبر شیخ کو اس وقت ملی تھی جب وہ ''عوارف المعارف'' پر اظہار خیال کر رہے تھے۔ طریقت کے دوسرے سلسلوں کے ہم عصر رہنماؤں خصوصاً اپنے پیارے دوست اور عزیز شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے بڑے خوش گوار تعلقات تھے۔ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی برصغیر میں سلسلہ سہروردیہ کے سربراہ تھے۔

شیخ فرید غیر مسلموں خصوصاً ہندوؤں سے بڑی خوش خلقی اور تواضع سے پیش آتے تھے اور یہ لوگ بھی شیخ کے اس وصف پر فریفتہ تھے۔ شیخ کی وجدانی قوتیں اتنی عظیم تھیں کہ ان پر ہر شخص کی خامیاں ظاہر ہو جاتی تھیں لیکن وہ کسی بھی موقع پر عیبی لوگوں کو شرمندہ نہیں کرتے تھے اور نہ ہی کسی پر تعزیز عاید کرتے تھے۔ ان کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ دانش مندانہ نصائح اور اچھی مثال سے لوگوں کے نقائص دور کیے جائیں اور انہیں اچھائی کی تعلیم دی جائے۔

شیخ اگرچہ زاہد مرتاض تھے لیکن طبیعت میں خشکی نام کو نہیں تھی۔ وہ اپنے اچھے اور لطیف مزاح سے افسردہ دل شکستہ لوگوں کو مسرور کر دیتے تھے۔ شیخ اپنی خوش گوار مسکراہٹ میٹھی اور رسیلی زبان، گونج دار آواز اور چہرے کے پُرکشش اور تابندہ تاثرات کے باعث بڑے ہر دلعزیز تھے۔ اسکے ساتھ ہی اگر وہ کوئی نکتہ اپنے کسی مرید کو سمجھانا ضروری خیال کرتے تھے تو اسے بڑے ٹھوس انداز میں سمجھاتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک بار شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے نمک ادھار خریدا لیکن جس خوراک میں وہ استعمال کیا گیا شیخ فرید نے اسے چکھنے سے انکار کر دیا۔ اس میں اہم نکتہ یہ تھا کہ شیخ کے اس پیارے مرید کی یہ عادت تھی کہ وہ ادھار لے کر رقم فقراء پر خرچ کر دیا کرتے تھے چنانچہ شیخ فرید نے ان کی یہ عادت چھڑانے کے لیے یہ شدید طریقہ اختیار کیا۔

گنج شکر

شیخ کو گنج شکر یعنی مٹھاس کا خزانہ کہا جاتا ہے۔ انہیں یہ لقب صرف اس لیے نہیں ملا تھا کہ ایک بار انہوں نے اپنی معجزاتی قوتوں سے کام لیتے ہوئے مٹی کو شکر میں تبدیل کر دیا تھا، بلکہ اس لیے کہ ان کا مزاج بڑا میٹھا تھا۔ اس مزاج کے باوجود دلوں میں ان کی شخصیت کے اجلال و احترام کا احساس بھی جاگ اٹھتا تھا۔ سو ان کی شخصیت ایک مکمل شخصیت تھی۔ ان کی روح آزاد تھی اور وہ جلال و جمال کا ایک نہایت حسین مرقع تھے۔

عظیم ماہر نفسیات

اب ہم نیچے شیخ کے منتخب مقولوں کا آزاد ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ یہ مقولے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے امیر خورد

Marfat.com

کی تصنیف سے نقل کیے ہیں۔ ان مقولوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ ایک اعلیٰ پائے کے نفسیات دان تھے اور ان کی نگاہ اتنی عمیق اور غائر تھی کہ انہیں انسانی فطرت کا مکمل ادراک تھا۔ انہوں نے جو بھی تعلیم دی ہے، وہ عظیم اور عملی ہے:

۱۔ جسم کی خواہشات کو پورا نہ کرو کیونکہ جتنا انہیں پورا کیا جائے گا اتنا ہی یہ بڑھتی جائیں گی۔

۲۔ وہ شے بیچنے کی کوشش نہ کرو جسے لوگ خریدنے کی خواہش نہ کریں۔

۳۔ کسی کی روٹی نہ کھاؤ بلکہ اپنی روٹی بھی دوسروں کو دے دو۔

۴۔ اپنے گناہوں پر ڈینگیں نہ مارو۔

۵۔ اپنے دل کو شیطان کا کھلونا نہ بناؤ۔

۶۔ اپنے باطن کو ظاہر سے بہتر بناؤ۔

۷۔ اونچا درجہ حاصل کرنے کی کوشش میں خود کو نہ جھکاؤ۔

۸۔ کمزور اور طاقت ور دونوں سے کوئی شے ادھار نہ لو۔

۹۔ قدیم خاندانوں کا احترام کرو۔

۱۰۔ ہر روز نئے روحانی جوہر کی آرزو کرو۔

۱۱۔ اچھی صحت کو خدائے عزوجل کا کرم سمجھو۔

۱۲۔ دوسروں سے اچھائی کرتے ہوئے یہ سوچو کہ تم اپنی ذات سے اچھائی کر رہے ہو۔

۱۳۔ اس چیز کی لگن کو فوراً چھوڑ دو جسے تمہارا دل برا سمجھے۔

۱۴۔ اچھائی کرنے کے لیے ہمیشہ کسی بہانے کی تلاش میں رہو۔

۱۵۔ کسی سے اس طرح لڑائی جھگڑا نہ کرو کہ مصالحت کی گنجائش ہی نہ رہے۔

۱۶۔ دشمن کتنا ہی رام کیوں نہ ہو جائے خود کو اس سے محفوظ نہ سمجھو۔

۱۷۔ جو تم سے خوف کھائے تم اس سے خوف کھاؤ۔

۱۸۔ جنسی خواہشات دبانے کے لیے ہر وقت ضبط نفس بہت ضروری ہوتا ہے۔

۱۹۔ امراء کی صحبت میں مذہب کو نہ بھولو۔

۲۰۔ وقت کے برابر کوئی شے قیمتی نہیں۔

۲۱۔ مغرور اور متکبر لوگوں سے سابقہ پڑے تو تمکنت ضروری ہو جاتی ہے۔

۲۲۔ مہمانوں کی خدمت کے لیے اسراف بیجا نہ کرو۔

زہد و ترک دنیا

زہد اور ترک دنیا شیخ کی فطرت ثانیہ بن چکا تھا اور انہوں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ اب اسے ختم کر دینا چاہیے۔ ایک بار ایک مرید نے انہیں نئی قمیض پیش کی جسے انہوں نے نہایت شفقت سے قبول کر لیا، لیکن قمیض زیب تن کرتے ہی

Marfat.com

انہیں تحریک ہوئی اور انہوں نے قمیض اتار کر شیخ نجیب الدین متوکل کو دے دی۔ ساتھ ہی یہ کہا کہ یہ قمیض پہن کر مجھے وہ روحانی انبساط نہیں ہوا جو اپنی بوسیدہ و دریدہ قمیض پہن کر ہوتا ہے۔ شیخ نے اپنی زندگی کے معتدبہ حصے میں مسلسل روزے رکھے۔ کئی بار انتہائی غربت کے باعث انہیں متواتر کئی کئی روز تک بغیر خوراک کے رہنا پڑتا تھا۔ شیخ کے تبرکات میں، جو پاکپتن کی خانقاہ میں محفوظ ہیں، لکڑی کے چھوٹے چھوٹے گول ٹکڑے بھی ہیں جنہیں بابا فرید کی لکڑی کی روٹیاں کہا جاتا ہے۔ شیخ بھوک لگنے پر ان لکڑی کی روٹیوں کو دانتوں سے کاٹ کر نفس کو مطمئن کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ جب ان کے مادی حالات قدرے بہتر ہو گئے۔ ان کی خانقاہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی اور خاصی فتوح خانقاہ میں پہنچنے لگی تو پھر بھی شیخ نے مسلسل روزے رکھنے کی عادت ترک نہ کی۔ ان کی روزانہ خوراک عموماً صبح کے وقت شربت کے چند جرعوں اور شام کو روٹی کے چند لقموں پر مشتمل ہوتی تھی۔ کچھ روایتوں کے مطابق وہ سال سال بھر مسلسل روزے رکھا کرتے تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شام کو صرف چند گھونٹ پانی پیا کرتے ہوں گے۔ ان سال سال بھر کے روزوں میں صرف وہ چند ایام خالی جاتے تھے جن ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے۔ ان کی ذاتی اشیاء نہایت قلیل تھیں۔ ان میں ایک پرانا کمبل بھی تھا جس کی لمبائی بہت کم تھی۔ آرام کے وقت شیخ اُسے نیچے بچھا کر لیٹ جاتے تھے اور تکیے کا کام اپنے عصا سے لیتے تھے۔ یہ عصا انہیں مرشد سے ملا تھا چنانچہ شیخ فرید اکثر اوقات اسے بوسہ دیا کرتے تھے۔ شیخ کے اہل خاندان نے بھی ان مصائب میں شیخ کا ساتھ دیا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ بھوک کی شدت سے شیخ کا ایک بچہ غش کھا گیا اور اس امر کا خدشہ ہو گیا کہ بچہ جاں بحق ہو جائے گا۔ شیخ کو جب اس واقع کی اطلاع ملی تو وہ بالکل مضطرب نہ ہوئے اور کچھ کرنے سے اپنی معذوری کا اظہار کیا، تاہم خدا کا فضل و کرم ہمیشہ شامل حال رہتا تھا لہٰذا شیخ کے خاندان میں ایسا کوئی المیہ رونما نہ ہوتا تھا۔ ایسی حکایات سے کسی کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ شیخ معاذ اللہ بے حس اور انسانی مصائب کے بارے میں سنگ دل تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے نرم دل انسان تھے اور بچوں کے خصوصاً بڑے شائق تھے۔ وہ بچوں سے بڑے پیار اور محبت سے پیش آتے تھے۔

رحم دلی

ایک مرتبہ شیخ نے آنے والے چند لوگوں کو تواضع کے لیے خود آٹا پیسا اور روٹیاں پکا کر ان کے سامنے رکھیں۔ ایک بار کچھ فقراء خانقاہ میں آئے۔ جب انہوں نے چلنے کی تیاری کی تو شیخ نے انہیں روکنے کی متعدد بار کوشش کی اور کہا کہ وہ ان کے پاس قیام کریں مگر فقراء نے کہ ضدی اور خود رائے تھے ایک نہ سنی۔ بالآخر شیخ نے ان سے التماس کی کہ وہ سفر کے دوران صحرا میں گھسنے سے اجتناب کریں مگر فقراء بگڑ گئے اور تاؤ کھا کر خانقاہ سے چل دیے۔ انہوں نے شیخ کی التجاؤں پر کان نہ دھرا۔ ان کے جانے کے بعد شیخ نے ان کے نقصان پر بڑا افسوس کیا۔ وہ کسی پریشان حال بچے کی طرح آنسو بہا رہے تھے۔ بعد میں پتہ چلا کہ تمام فقراء صحرا میں بھٹک کر ہلاک ہو چکے ہیں۔ اس قصے سے شیخ کی رحم دلی پر روشنی پڑتی ہے۔ کیونکہ انہیں اپنی وجدانی قوتوں سے فقراء کے انجام کا پتا چل گیا تھا۔

Marfat.com

وقار

جیسے کہ ہم پہلے مشاہدہ کر چکے ہیں شیخ بادشاہوں سے تعلقات قائم کرنے سے اجتناب کرتے تھے اور ان کی طرف سے کسی اراضی کا عطیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حق کی حمایت کرنے میں ان کی پوزیشن بڑی منفرد ہوتی تھی۔ ان کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ حکمرانوں کے نزدیک بڑے وزنی ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ان الفاظ میں سلطان سے ایک شخص کی سفارش کی:

> ''میں اس شخص کا معاملہ پہلے اللہ اور پھر آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اگر آپ اسے کچھ دیں گے تو حقیقت میں دینے والا خدا ہی ہوگا لیکن آپ اس عمل سے ثواب حاصل کریں گے اور سائل آپ کا احسان مند ہوگا۔ تاہم اسے کچھ نہ دے سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا اس شخص کو کچھ دینے کی راہ میں حائل ہے۔ پس آپ ہر قسم کے الزام سے مبرا ہوں گے۔''

بادشاہ کے نام شیخ کے مکتوب کے یہ الفاظ شیخ کا وقار ظاہر کرتے ہیں۔ درحقیقت شیخ کا وقار خدائی جاہ وجلال کا ایک پرتو تھا۔ ان الفاظ سے یہ پتا بھی چلتا ہے کہ شیخ خدائے عزوجل کو ہی صحیح قوت عاملہ سمجھتے تھے اور اسی لیے انہیں ہمیشہ اپنے خدا پر بھروسہ ہوتا تھا۔

کامل استاد

ایک اور موقع پر ایک حاکم ایک عہدہ دار سے ناراض ہو گیا۔ شیخ نے مورد عتاب عہدے دار کے حق میں حاکم سے اچھے الفاظ میں سفارش کی مگر حاکم پر کوئی اثر نہ ہوا، تاہم شیخ کو اس رحم کے طالب عہدے دار کو نصیحت کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے عہدے دار سے کہا:

> ''معلوم ہوتا ہے کہ تم خود بھی سخت دل ہو اور جو لوگ تم سے رحم کی التجا کرتے ہیں ناکام رہتے ہیں، یعنی تم بھی لوگوں پر رحم کر سکتے تھے لیکن نہیں کرتے تھے''۔

اسی اثنا میں حاکم بھی خانقاہ میں حاضر ہوا۔ اس نے شیخ کے الفاظ سنے تو اس کا دل پسیج گیا اور اس نے شیخ کے سامنے اپنے انفعال کا اظہار کرتے ہوئے معتوب عہدے دار کو معاف کر دیا اور شیخ کی خواہشات کے مطابق عمل کرنے کا عہد کیا۔ شیخ نے دونوں کے حق میں دعا کی اور دونوں نے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ ہمیشہ راہ راست پر چلیں گے۔ براہ راست نصیحت کرنے کا یہی وہ عجیب وغریب طریقہ ہے جس پر شیخ عمل کیا کرتے تھے۔

شیخ سماع کے بڑے دل دادہ تھے۔ ایک مرتبہ ان کی موجودگی میں سماع کے جواز وعدم جواز کی بحث چھڑ گئی۔ جب یہ بحث حد سے بڑھ گئی تو شیخ نے فرمایا:

> ''بڑائی تو صرف اللہ کی ذات کے لیے ہے۔ کوئی تو عشق الٰہی کی آگ میں جل کر فنا ہو گیا ہے اور دوسرے جواز وعدم جواز کی بحث میں الجھے ہوئے ہیں''۔

قاضی حمیدالدین ناگوریؒ کے پوتے شیخ شرف الدین کے دل میں شیخ فریدؒ کی کشش پیدا ہوئی چنانچہ انہوں نے اجودھن پہنچ کر شیخ کے سلسلہ تصوف میں شریک ہونے کا فیصلہ کیا۔ جب ان کی کنیز کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے اپنے آقا کو

Marfat.com

ایک دستار دی کہ یہ میری طرف سے شیخ فرید کو پیش کر دی جائے۔ شیخ نے شیخ شرف الدین کو طریقت میں شامل کیا اور کنیز کی بھیجی ہوئی دستار بھی قبول کر لی۔ اس کے ساتھ ہی ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: ''خدا اس کنیز کو آزاد کرے۔'' شیخ شرف الدین کو یقین ہو گیا کہ شیخؒ کی دعا سے کنیز واقعی آزادی حاصل کر لے گی لیکن کنیز چونکہ بڑی قیمتی تھی اس لیے شیخ شرف الدین اسے آزاد کرنے میں متامل ہوئے۔ انہوں نے سوچا کیوں نہ اس کنیز کو فروخت کر دیا جائے تا کہ اس کا دوسرا آقا اسے آزاد کرے اور مجھے کوئی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کے ذہن میں خیالات کی آویزش شروع ہو گئی کہ کنیز کو آگے فروخت کرنے میں کیا عقل مندی ہو گی۔ کیوں نہ میں ہی کنیز کو آزاد کر کے شیخؒ کی دعا کا ثواب حاصل کروں۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ طریقت میں شامل ہونے کے بعد اس نیک کام سے زندگی کا آغاز کیا جائے۔ وہ شیخ کے پاس پہنچے اور انہیں بتایا کہ میں نے کنیز کو آزاد کر دیا ہے۔ اس میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ شیخؒ نے اپنے اس نئے مرید کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ نیز کو آزاد کر دیا جائے، صرف اس کی آزادی کی دعا مانگ کر اپنی خواہش ظاہر کر دی اور باقی کا کام اپنے مرید کی اعلیٰ اقدار پر چھوڑ دیا۔

زہد کا پھل

شیخ کے متعلق لکھی جانے والی کتاب ''راحت القلوب'' سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ شیخؒ نے مسلسل بیس برس تک کھڑے ہو کر مراقبہ کیا اور خدا کے عجائب وغرائب پر غور وفکر کیا، حتیٰ کہ ان کے پاؤں سوج جاتے تھے اور اکثر اوقات ان سے خون بہنے لگتا تھا۔ شیخؒ اپنے چلّہ معکوس کی وجہ سے بھی بڑے مشہور ہیں، یعنی شیخ نے ایک کنویں کی منڈیر پر اگے ہوئے درخت سے رسا باندھا اور اپنے پاؤں اس رسے سے باندھ کر اور کنویں میں الٹا لٹک کر چالیس روز تک ریاضت کی۔ اسی قسم کا ایک چلّہ انہوں نے اوچ شریف کی مسجد حاجات میں کیا۔ ان کا ایک ہم راز تھا جس نے اس چلے میں ان کی مدد کی اور کسی کو اس کا علم نہ ہو سکا۔

اپنی زندگی کے آخری ایام میں شیخؒ اکثر یہ کہا کرتے:

> ''چالیس برس تک خدا کے بندے مسعود نے اپنے آقا کی اطاعت کی۔ اب گزشتہ چند برس سے یہ حالت ہے کہ آقا کی ذرہ نوازی سے مسعود کے فکر وخیال میں جو کچھ آیا وہ حقیقت ثابت ہوا اور مسعود نے جو بھی آرزو کی بار یاب ہوئی۔''

شیخ کی روزمرہ کی زندگی

شیخ کا معمول تھا کہ وہ اپنی خانقاہ آنے والوں کی سہولت کے لیے آدھی رات تک کھلی رکھتے تھے۔ رات کا زیادہ حصہ عبادت میں گزارتے تھے اور سورج طلوع ہونے کے بعد بھی عبادت میں گزارتے تھے اور سورج طلوع ہونے کے بعد بھی عبادت اور مراقبے میں مصروف رہتے تھے۔ طہارت وصفائی ان کی فطرت ثانیہ تھی۔ روزانہ غسل کرنا ان کی عادت تھی۔ ہر روز صبح وہ عبادت کے بعد دو گھنٹے تک طویل سجدہ کرتے تھے اور اس دوران میں کبھی خاموشی سے دعا مانگتے تھے، کبھی اپنے

Marfat.com

خالق کی حمد و ثنا میں اشعار پڑھتے تھے اور کبھی تمام مخلوق کی بخشش کی دعائیں مانگتے ہوئے بے حد گریہ وزاری کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ دوپہر تک آنے والوں سے ملاقات کرتے تھے۔ پھر تھوڑی دیر کے قیلولے کے بعد نماز پڑھتے تھے اور خانقاہ کے مکینوں کی ضروریات پوری کرنے پر توجہ دیتے تھے۔ پس اس طرح وہ خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ نوع بشر کی خدمت بھی کرتے تھے۔ ہر آنے والا ان تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ بعدہ شیخ آدھی رات تک دیگر متفرق کاموں میں مشغول رہتے تھے۔

بحرِ دانش

شیخ ایک ایسے سمندر کی مانند تھے جس میں بہت کچھ ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی ضرورت اور حد تک ان سے بہرور ہوتا تھا۔ شیخ نے کوئی تصنیفات نہیں چھوڑیں تاہم ان کے مقولوں کے مجموعے موجود ہیں۔ انہیں شیخ ابوالحسن الشاذلی سے مماثل قرار دیا جاسکتا ہے۔ شیخ ابوالحسن سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ یا شیخ! آپ نے کون سی کتاب لکھی ہے تو شیخ ابوالحسن نے اپنے مریدوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا تھا کہ میرے یہ مرید میری کتابیں ہیں۔ شیخ فرید نے بھی اپنے بعد بڑے ممتاز مرید چھوڑے۔ شیخ نے بڑی محبت سے اپنے ان مریدوں کی نگہداشت کی۔ انہیں طریقت کی راہ پر قدم بہ قدم گام زن کیا' کارآمد مشوروں اور مناسب حوصلہ افزائی سے ان کا بوجھ ہلکا کیا۔ انہیں برائیوں سے پاک کیا اور ان کی شخصیتوں کو بہترین صفات سے آراستہ کیا۔ چنانچہ اس طرح وہ عوام الناس کے رہنما بننے کے قابل ہو سکے اور انہوں نے بے شمار لوگوں کو تقدس اور نجات کی راہ دکھائی۔ شیخ کے مقولے دانش و حکمت سے پُر ہیں۔ مثال کے طور پر درویش کی یوں تعریف کی ہے:

> ''ایک درویش میں چار خصوصیات کا ہونا ضروری ہے: وہ نابینا ہو، بہرا ہو، گونگا ہو اور لنگڑا ہو، یعنی اسے دوسروں کی خامیوں کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لینی چاہئیں۔ بری باتیں سننے کے مقابلے میں بہرا ہو جانا چاہیے۔ اسے اپنی زبان پر بری باتیں نہیں لانی چاہئیں اور اپنے پاؤں سے کسی ایسے مقام پر نہیں جانا چاہیے جو خدا کے نزدیک قابل نفرت ہو۔''

شیخ فرید کے نزدیک ایک درویش کے دل میں اگر ذرہ برابر بھی دنیا کی محبت موجود ہے تو اس کا درویشی کا دعویٰ کذب و افترا پر مبنی ہے۔ ایک درویش کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی کو بددعا دے چاہے اس کے سر پر ننگی تلوار چمک رہی ہو اور موت بالکل قریب آگئی ہو۔ اس کے بجائے درویش کے لیے ضروری ہے کہ وہ دشمن کی بھی بھلائی چاہے اور اس سے جلد از جلد مصالحت کرے۔ ایک مرتبہ شیخ نے فرمایا:

> ''صرف وہی دل دانش کا گھر بن سکتا ہے جو تلون، وسواس، رشک و حسد اور حرص و طمع سے پاک ہو۔''

ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا:

> ''میں نے چار چیزوں کے بارے میں سات سو شیوخ سے تبادلہ خیال کیا ہے اور ان

Marfat.com

سب نے ان چار چیزوں کے بارے میں اتفاق رائے کا اظہار کیا ہے:

۱۔ صرف وہی شخص سب سے زیادہ دانا ہے جو دنیا سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔

۲۔ صرف وہی شخص سب سے زیادہ مقدس ہے جس کا عزم محکم ہو اور جسے کوئی تبدیل نہ کر سکے۔

۳۔ صرف وہی شخص سب سے زیادہ دولت مند ہے جو مطمئن اور قانع ہے۔

۴۔ صرف وہی شخص سب سے زیادہ ضرورت مند ہے جس میں قناعت کا فقدان ہے۔

ایک اور موقع پر شیخ نے صوفی کی تعریف یوں کی کہ صوفی وہ ہوتا ہے جو ہر شے کو پاک کرے اور اسے کوئی شے ناپاک و نجس نہ کر سکے۔ ایک بار شیخ کو کسی نے قینچی کا تحفہ دیا لیکن انہوں نے لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا: ''مجھے اس کی جگہ سوئی دو کیونکہ میں دلوں کو جوڑنے کے لیے آیا ہوں' انہیں توڑنے اور پارہ پارہ کرنے کے لیے نہیں''۔ شیخ اپنے پیروکاروں کو ہمیشہ یہی نصیحت کرتے تھے کہ وہ برائی کا جواب اچھائی سے دیں۔ اجودھن کے قاضی نے ایک مرتبہ شیخ کو مسلسل کئی برس تک عقوبت کا نشانہ بنائے رکھا لیکن انہوں نے مثالی صبر و تحمل سے تمام تکالیف برداشت کیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن شیخ نے اسے معاف کر دیا۔ وہ اپنے مریدوں کو بھی یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی تمہاری توہین کرے تو اسے معاف کر دو۔

زہد کے نزدیک شریعت کی تعریف

شیخ قوانین شریعت کی پابندی کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ وہ اسلام کے تمام ارکان پر بڑا زور دیتے تھے۔ انہوں نے ذاتی مثال سے مریدوں کو تعلیم دی کہ وہ عبادات کو بغیر کسی حیل و حجت کے بجالایا کریں۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ نے ایک سے زیادہ مرتبہ حج بیت اللہ کیا۔ وہ ہمیشہ عبادات اسلامی کے باطنی معانی پر زور دیا کرتے تھے اور اگر وہ یہ سمجھتے تھے کہ مریدوں کے لیے کسی مسئلے میں کمال حاصل کرنا ضروری ہے تو وہ انہیں اس مسئلے سے دور نہیں ہٹنے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ زکوٰۃ کی اہمیت پر خطبہ دے رہے تھے۔ زکوٰۃ کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

''زکوٰۃ کی تین قسمیں ہیں: شریعت کی زکوٰۃ، طریقت کی زکوٰۃ اور حقیقت کی زکوٰۃ۔ شریعت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسو درہموں پر پانچ درہم خدا کی راہ میں دے دیے جائیں۔ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسو درہموں پر فقیر پانچ درہم اپنے لیے رکھے اور باقی خدا کی راہ میں دے دے اور حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسو کے دوسو درہم خدا کی راہ میں خرچ کر دیے جائیں کیونکہ درویش ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ درویش اپنے آپ کو خدا کی ذات میں فنا کر دے اور اپنے پاس کچھ نہ رکھے۔''

اسلام کا چھٹا رکن

اجودھن کا ایک ملاّ عادتاً اہل تصوف کے طور طریقوں کی مذمت کرتا تھا جس سے شیخ کے مریدوں کو ایذا پہنچتی تھی۔ ایک مرتبہ شیخ نے اس سے پوچھا: ''اسلام کے ارکان کتنے ہیں؟'' ملاّ نے جواب دیا: ''اسلام کے پانچ ارکان ہیں''۔ شیخ نے فرمایا: ''اسلام کے چھ ارکان ہیں اور چھٹا رکن ہے ذریعہ معاش۔'' ملاّ کو اس پر بڑا تعجب ہوا تاہم اس نے اس سے کوئی سروکار نہ رکھا اور شیخ اور ان کے مریدوں کے خلاف عداوت پر کمر بستہ رہا۔ چند روز بعد وہ ملاج پر مکہ معظمہ روانہ ہوا۔ واپسی پر طوفان آ جانے سے جہاز تباہ ہو گیا لیکن ملاّ بال بال بچ گیا۔ سمندر کی موجوں نے اسے ایک ایسے ساحل پر لا پٹکا جو صحرا تھا۔ ملاّ کو ہوش آیا تو وہ صحرا میں خوراک اور پناہ کی تلاش میں مارا مارا پھرنے لگا۔ اچانک اس کے سامنے ایک بزرگ ظاہر ہوا۔ ملاّ نے اس کے سامنے دست سوال دراز کیا۔ بزرگ ملاّ کو خوراک مہیا کرنے پر رضامند ہو گیا لیکن شرط یہ عاید کی کہ وہ اس بات کو قبول کرے کہ اسلام کے چھ ارکان ہیں اور چھٹا رکن ذریعہ معاش ہے۔ مزید برآں بزرگ نے اس بات پر بھی اصرار کیا کہ ملا خوراک کے عوض اپنی تمام نیکیاں اس کے نام لکھ دے۔ ملاّ نے خوراک حاصل کرنے کے لیے یہ تمام شرائط بڑی مستعدی سے مان لیں۔ شیخ نے ایک کاغذ پر ملا کے دستخطوں سے ایک تحریر حاصل کرنے کے بعد اسے خوراک دی اور اس کی واپسی کے انتظامات بھی کیے۔ ملا بخیریت اجودھن پہنچ گیا اور کچھ عرصے بعد صحرا کی تمام واردات بھول کر پرانی عادت کے مطابق صوفیوں کو دق کرنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی اس نے یہ تنازعہ دوبارہ شروع کر دیا کہ ذریعہ معاش اسلام کا چھٹا رکن نہیں ہے۔ شیخ نے ملا کو خانقاہ میں بلایا اور اس کی آنکھوں کے سامنے ایک کتاب کھول کر حاضرین کی نظروں سے بچا کر اسے ایک کاغذ دکھایا جو کتاب کے صفحات میں اُڑسا ہوا تھا۔ اس کاغذ پر وہی تحریر تھی جو ملاّ نے اپنے دستخطوں سے صحرا میں بزرگ کو خوراک کے بدلے دی تھی۔ یہ کاغذ دیکھ کر ملا کو شدید اذیت ہوئی۔ حتیٰ کہ اسے غش آ گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے بڑے احترام اور خلوص سے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے اپنے گزشتہ رویے پر پشیمانی کا اظہار کیا۔ یہ حکایت خصوصاً ہمارے دور کے لیے بڑی مناسب ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ عوام کے اس عقیدے کے مخالف تھے کہ درویش وہی ہوتا ہے جو کسب معاش نہ کرے اور کاہل الوجود بن کر صرف خیرات پر گزر اوقات کرے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ کے تمام مریدوں کے لیے جنگل میں جا کر کام کرنا اور مہمان خانے میں عوام کی خدمت کرنا ضروری ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ معذور اور بزرگ ترین (تقدس و زہد کے اعتبار سے) مریدوں کو بھی یہی سبق ملتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی قسم کی خدمت ضرور بجا لایا کریں۔ یہ حکایت ظاہر کرتی ہے کہ حقیقت کی کئی سطحیں ہوتی ہیں اور زہد و ترک دنیا ہر ایک کے لیے نہیں ہے۔ عوام کو بنیادی ضرورتیں مہیا کرنا اسلام میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یعنی دین اور دنیا الگ الگ نہیں ہیں۔

شیخ فرید کی شاعری

شیخ فرید کے مریدوں میں اگرچہ امراء بھی شامل تھے لیکن وہ خود حقیقتاً عوامی درویش تھے۔ زہد، پاکیزگی اور محبت کے بارے میں ان کا پیغام عوام ہی کے نام تھا۔ ان کی شاعری بھی عوام کو تعلیم دینے کا ایک ذریعہ تھا۔ ہمارے دیہات میں بے شمار افراد ایسے ملتے ہیں جو ناخواندہ ہوتے ہیں لیکن انہیں شیخ کے دوہے زبانی یاد ہوتے ہیں۔ ان دوہوں میں ان کی تعلیمات ابھی تک محفوظ ہیں۔ اے۔ سی۔ دولنر کے نزدیک ان دوہوں میں پنجابی شاعری کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ وہ

Marfat.com

کہتے ہیں:

''پنجابی شاعری کا اپنا سحر ہے۔ اس کی زبان اردو اور ہندی سے قدیم ہے۔ اس کے تمام تر نقوش دیہاتی زندگی اور دیہاتیوں کے سادہ پن سے لیے گئے ہیں۔ پنجابی شاعری کو جنوبی فرانس کی پروونسل شاعری سے مماثل قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ پروونسل زبان بھی فرانسیسی زبان سے قدیم ہے۔ پنجابی شاعری کا تعلق دیہات، کھیتوں اور ایسے چھوٹے چھوٹے قصبات سے ہے جن میں منڈیاں لگتی ہیں۔ پنجابی شاعری کی جبلت میں وہی سادگی اور خلوص ہے جو کسی قدیم تر زبان کا تحفہ ہوتا ہے۔ پنجابی شاعری زیادہ تر محبت اور خدا کے نغمے الاپتی ہے۔ کئی مصنفین اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب کے اکثر شلوک شیخ فرید کے لکھے ہوئے ہیں۔ کچھ دانش وروں کے نزدیک ان شلوکوں کے مصنف شیخ ابراہیم فرید ثانی ہیں جو شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی اولاد میں سے تھے۔''

اس مسئلے پر ڈاکٹر لاجونتی راما کرشنا نے بھی اپنی کتاب ''پنجابی صوفی شاعر'' میں بحث کی ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

''جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا فرید ثانی شیخ ابراہیم کا لقب ہے جو انہیں ان کے تقدس کی بنا پر عوام سے ملا تھا اور انہوں نے اس لقب کو تخلص کی حیثیت سے استعمال کیا۔ پس یہ ایک عام عقیدہ ہے کہ آدگرنتھ میں جو اشعار فرید کے نام سے ہیں، وہ فرید اول کے لکھے ہوئے ہیں۔ میکلف کو یقین ہے کہ گرنتھ میں جو شلوک فرید کے نام سے موجود ہیں وہ شیخ براہیم کے لکھے ہوئے ہیں لیکن بابا بدھ سنگھ کی رائے یہ ہے کہ یہ شلوک ملے جلے ہیں اور فرید اول اور فرید ثانی کے لکھے ہوئے ہیں۔ میکلف کی یہ دلیل کہ فرید اول گورونانک کے عہد میں بقید حیات نہیں تھے اور گورو کی شیخ ابراہیم سے ملاقات ہوئی تھی اس لیے گرنتھ کے شلوک شیخ ابراہیم کے ہیں اتنی مضبوط اور منطقی نہیں۔ گرنتھ میں ایسے ولیوں کی مناجاتیں بھی شامل ہیں جو گرونانک سے بہت پہلے گزرے ہیں اور ایسے درویشوں کے اشعار بھی ہیں جن سے گورونانک کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی گورو کے ان سے ذاتی تعلقات تھے۔ بابا بدھ سنگھ دو حقایق کو اپنی دلیل کی بنیاد بناتے ہیں۔ وہ یہ کہ امیر خسرو، جو باہر سے ہند آئے تھے، بڑی اچھی طرح ہندی میں لکھ سکتے تھے تو پھر فریدالدین جن کی پرورش ہی پنجاب میں ہوئی تھی، پنجابی میں کیوں نہیں لکھ سکتے۔ کچھ شلوک مثلاً:

فریدا روٹی میری کاٹھ دی لاون میری بھکھ
جنہاں کھادیاں چوپڑیاں سو ای سہن گے دکھ

(اے فرید! میری روٹی لکڑی کی ہے جو میری بھوک مٹاتی ہے لیکن جنھوں نے چپڑی ہوئی کھائی ہیں وہ دکھ سہیں گے۔)

صاف طور پر ان واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو فرید اول کی زندگی میں رونما

Marfat.com

ہوئے، چنانچہ اس قسم کے شلوک یقیناً انہیں کے ہیں۔ بابا بدھ سنگھ کے نزدیک فرید کے نام سے لکھے ہوئے شلوکوں کے شیخ فرید اور شیخ ابراہیم مشترکہ مصنف ہیں۔ ان دو دلائل میں سے پہلی دلیل اتنی مؤثر نہیں ہے۔ رہی دوسری تو اسے اس حقیقت کی بنا پر بے نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی زندگی میں جو واقعات رونما ہوئے تھے وہ ان کی اولاد اور جانشینوں نے نظم کیے تھے۔''

اگرچہ میکلف کی دلیل بھی اسی طرح کمزور ہے تاہم اس سے ہم اتفاق کرتے ہیں کیونکہ اس نے جو نتیجہ نکالا ہے اسے شیخ فرید کے ایک شلوک کی تائید حاصل ہے۔ یہ شلوک، جو گرنتھ میں موجود ہے، یہ ہے:

شیخ حیاتی جگ نا کوئی تھرن رہیا

جسو آسن ہم بیٹھا کیتی باس گیا

(یعنی اے شیخ دنیاوی زندگی دائم نہیں ہے۔ جس نشست پر میں بیٹھا ہوں اس پر کئی اور بھی بیٹھ چکے ہیں۔)

مذکورہ بالا شلوک سے ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے خالق فریدالدین نہیں تھے بلکہ ان کی اولاد میں سے کوئی تھے جنہیں شیخ کی روحانی گدی ملی تھی اور ظاہر ہے کہ وہ فرید ثانی ہی تھے۔ یہ نتیجہ بھی پوری طرح قابل قبول نہیں ہے۔ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کو قدرت کی طرف سے حساس اور فنکارانہ مزاج عطا ہوا تھا۔ انہوں نے عمیق اور دین دارانہ لطافت و شائستگی ورثے میں پائی تھی اور اپنے روحانی آباؤ اجداد سے احساس کی دولت بھی حاصل کی تھی۔ ان کے سینے میں ایک ایسا دل دھڑکتا تھا جس میں خدا کا خوف تھا، خدا کی محبت تھی اور خدا کا ادراک تھا۔ لاریب وہ فارسی کی صوفیانہ شاعری کی قیمتی میراث کے وارث تھے چنانچہ اس میراث کو وہ وقتاً فوقتاً اپنے فاضل مریدوں کے سامنے کسی اعتقادی نکتے کو واضح کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے اور دنیادار لوگوں کو سمجھانے کے لیے وہ عموماً اپنی مادری زبان استعمال کرتے تھے جو مقامی بولی بھی تھی۔ ان کے اس عمل کا مقصد یہ تھا کہ عوام ان کی بات سمجھ سکیں، چنانچہ اس دستور العمل پر کسی حیرت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی تصنیف ''شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی زندگی اور دور'' میں امیر خورد کے حوالے سے شیخ کی کئی فارسی اور عربی نظموں کے منتخب اشعار نقل کیے ہیں۔ انہوں نے ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی کتاب ''زبان اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیاء کا حصہ'' کا بھی حوالہ دیا ہے اور نمونے کے طور پر بابا فرید کے اردو اشعار بھی نقل کیے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ڈاکٹر نظامی لکھتے ہیں کہ فاضل مصنف نے ان ذرائع کا انتقادی جائزہ نہیں لیا جن کی وساطت سے انہوں نے یہ اشعار جمع کیے ہیں۔ تاہم ان کی صداقت اس حقیقت کی بنا پر مشکوک ہو جاتی ہے کہ ان اشعار میں جو تخلص ہے وہ شیخ کبھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ ڈاکٹر نظامی بعدہ شیخ عبدالوحید ابراہیم کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شیخ فرید کے نام سے منسوب ہونے والے کئی اشعار شیخ عبدالوحید ابراہیم نے بھی نقل کیے ہیں۔ پاکستان کے ممتاز دانش ور مسٹر مسعود حسن شہاب نے اپنی کتاب ''خطہ پاک اوچ'' (صفحات ۳۸۶، ۳۷۷) میں شیخ فرید کی پنجابی شاعری پر مختصر روشنی ڈالی ہے۔ مسٹر

شہاب بڑے وثوق سے یہ کہتے ہیں کہ ملتانی بولی جو شیخ فرید نے استعمال کی ہے اور اوچ کے عوام کی موجودہ زبان میں بڑی مشابہت ہے۔ واضح رہے کہ شیخ فرید نے کچھ عرصہ اوچ میں قیام کیا تھا اور یہاں اپنا چلہ معکوس مکمل کیا تھا۔ یہ بھی یاد رہے کہ پنجابی زبان نہ صرف اردو سے کہیں پرانی ہے بلکہ اردو کا سرچشمہ بھی ہے۔ اردو کے مورخین میں اس بات پر اتفاق ہے کہ شیخ فرید بھی ان صوفیاء میں شامل تھے جنہوں نے اردو کے عنفوان شباب کے ادوار میں اردو کی ترقی میں حصہ لیا۔ اب رہے وہ پنجابی اشعار جو شیخ فرید سے منسوب ہیں تو سنی سنائی روایات سے مفر ناگزیر ہے اور اس مفروضے سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں سے کچھ اشعار یقیناً شیخ ہی کے لکھے ہوئے ہیں۔ جو لوگ اس بات کا شدت سے انکار کرتے ہیں کہ شیخ فرید شاعر تھے ان میں مسٹر وحید احمد مسعود بھی شامل ہیں۔ انہوں نے اپنی تصنیف لطیف ''سوانح حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ'' میں اس مسئلے پر بڑی ٹھوس اور جامع بحث کی ہے۔ تاہم ان کے تمام دلایل کو تسلیم کرنا ممکن نہیں۔ بہر حال ایک ولی کے لیے شاعر ہونا کوئی معیوب امر نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس صوفیانہ تجربات اکثر و بیشتر شاعرانہ اسلوب بیان کا جامہ پہن لیتے ہیں۔ ٹائٹس برک ہارٹ جب یہ کہتے ہیں تو کتنا درست کہتے ہیں کہ یہ بات بڑی معنی خیز اور اہم ہے کہ ایک بھی مسلم ماہر مابعد الطبیعیات ایسا نہیں ہے جس نے شعر نہ کہے ہوں اور جس کی دقیق نثر شاعرانہ تصورات سے مالا مال متناسب و رواں زبان میں نہ لکھی گئی ہو۔ دوسری طرف محبت کے ترانے گانے والے بیشتر شعراء مثلاً عمر بن الفریدؒ اور جلال الدین رومی کی شاعری عقلی شعور و ادراک سے مالا مال ہے۔

(''صوفیاء کے عقاید سے تعارف'' مصنفہ ٹائٹس برک ہارٹ، مطبوعہ لاہور)

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ شیخ فرید کے کچھ ہم عصر ممتاز صوفی اور شیخ کے دوست مثلاً لال شہباز قلندر اور عراقیؒ عظیم شاعر بھی تھے۔ نوع بشر کے قادر الکلام صوفی شاعر رومی بھی اسی دور سے تعلق رکھتے تھے اور اگرچہ ان کی اور شیخ فرید کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی تاہم ان میں بڑی واضح مماثلت ہے یا محدود الفاظ میں یوں کہہ لیجیے کہ کم از کم ان کی رسائی ایک سی ہے۔

رومی کی مثنوی ایک نَے کے شکوے سے شروع ہوتی ہے۔ یہ نَے انسانی روح کے اپنے منبع یعنی خدا کی جانب رجوع کرنے کی آرزو کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ شیخ فرید کی ایک مناجات میں بھی اسی آرزو کی جھلک ملتی ہے۔ اس مناجات کا جو ترجمہ میکس آرتھر میکلف نے اپنی کتاب میں کیا ہے، وہ پیش خدمت ہے:

''خدا سے جدائی کے باعث میں تپ کر شدید گرمی میں جل رہی ہوں اور کف افسوس ملتی ہوں۔ مجھے اپنے آپ سے ملنے کی آرزو نے سودائی بنا رکھا ہے۔ اے میرے آقا! آپ کے دل میں میرے لیے غصہ ہے اور اس کی وجہ میری خامیاں ہیں۔ میرے آقا کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ میرے مالک! میں آپ کی قدر و قیمت کو نہیں جانتی تھی۔ میں نے اپنی جوانی گنوادی۔ مجھے اس پر پشیمانی ہوئی، لیکن کتنی دیر سے ہوئی۔ او کالی کوئل تم کیوں کالی ہو؟

کوئل: میں اس لیے کالی ہوں کہ مجھے میرے محبوب کی جدائی نے جلا ڈالا ہے۔ کیا اپنے محبوب سے جدا رہنے والی کبھی سکھی رہ سکتی ہے؟ اگر میرے آقا کے دل میں رحم پیدا ہوا تو وہ

Marfat.com

اپنی اور میری ملاقات کے لیے کوئی سبب بنا دے گا۔ وہ کنواں کتنا اذیت ناک ہے جس میں اکیلی عورت گر پڑی ہے۔ اس کا کوئی ساتھی نہیں، کوئی مددگار نہیں۔ اے خدا! فضل و کرم سے کام لے اور اپنے ولیوں سے میری ملاقات کا سبب بنا۔ جب میں دوبارہ دیکھتی ہوں تو خدا کو اپنا مددگار پاتی ہوں۔ میری راہ بڑی کٹھن اور تھکا دینے والی ہے۔ یہ بڑی تنگ ہے اور دو دھاری تلوار سے بھی زیادہ تیز ہے۔ اسی راہ پر میں نے سفر کرنا ہے۔ اے شیخ فرید! اس کٹھن راہ پر سفر کرنے کے لیے پہلے ہی سے تیار ہو جاؤ۔''

دوسری طرف مسٹر مقبول الٰہی ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ پنجابی صوفیانہ شاعری کے ٹھوس مطالعے میں گزارا ہے۔ حال ہی میں انہوں نے گرنتھ صاحب کے شلوکوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ مسٹر مقبول الٰہی نے بابا فرید کے دوہے بھی مرتب کیے ہیں جنہیں مجلس شاہ حسین، لاہور نے ۱۹۶۷ء میں شایع کیا۔ اب ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ شیخ فرید شاعر نہیں تھے، ان سے منسوب اشعار لوگوں نے کہے ہیں' جب کہ دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ شیخ فرید شاعر تھے۔ سب کچھ کہنے سننے کے بعد سچائی غالباً ان دونوں انتہائی آراء کے بین بین ہے اور ہم بلاخوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ شیخ فرید نے یقیناً عربی، فارسی اور پنجابی میں کچھ اشعار کہے ہیں کیونکہ وہ یہ تینوں زبانیں بخوبی جانتے تھے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے زیادہ تر اشعار اپنی مادری زبان پنجابی میں لکھے۔ ہم یہاں مسٹر مقبول الٰہی کے انگریزی مجموعے میں سے شیخ فرید کا ایک دوہا نقل کرتے ہیں جو انتہائی مؤثر ہے:

فریدا! کالے مینڈے کپڑے، کالا مینڈا ویس
گناہیں بھریا میں پھراں لوک کہن درویش

(اے فرید! کالے میرے کپڑے ہیں اور کالا ہی میرا چغہ ہے۔ میں گناہوں کے بوجھ سے لدا ہوا گھومتا ہوں اور لوگ مجھے درویش کہتے ہیں۔)

ایک اور دانش ور مسٹر نجم حسین سید ہیں جو شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کو پنجابی کا پہلا شاعر قرار دیتے ہیں۔ انکی تصنیف لطیف ''پنجابی شاعری میں مکرر الوقوع نمونے'' میں ایک باب کا عنوان ہے: ''فرید کی شاعری میں سادگی و تیزی''۔ اس باب میں انہوں نے شیخ فرید کی شاعری کی روحانی و فنی خوبیوں پر بڑی مہارت سے بحث کی ہے۔ ہم یہاں سکون و اطمینان سے ان کا ایک پیراگراف نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''فرید کے اشعار ان کے فوری تجربات کا نچوڑ ہیں۔ یہ تجربات ہر انسان کو اس کی روزمرہ زندگی میں پیش آتے ہیں۔ کسانوں اور مزدوروں کی محنت کی تحسین شیخ فرید کی اساسی شاعری کا لطیف و نازک امتیازی لازمہ ہے اس لیے ان کی شاعری بظاہر روکھی پھیکی اور سب سے الگ تھلگ نظر آتی ہے:

کوک، فریدا کوک، توں جیویں راکھا جوار
جب لگ ٹانڈا نہ گرے تب لگ کو پکار

(یعنی اے فرید! جوار کی فصل کے محافظ کی طرح چیختے رہو۔تمہاری یہ چیخ پکار اس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک فصل پک کر کٹ نہ جائے۔)

فرید کے لہجے میں ایک چھپی ہوئی متانت ہے جو اس دوہے کے اشاراتی مافیہ کو واضح کرتی ہے۔ جب تک انسان باطنی پختگی حاصل نہ کر لے اسے بیدار مغزی سے کام لینا چاہیے اور اپنی زیادہ سے زیادہ چوکسی کرنی چاہیے۔ مزید برآں چوکس انسان کی چیخ پکار خود آگاہی اور نقصان سے دور رہنے کی نمائندگی کرتی ہے اور اس سے چوکیدار کے فکرمند ذہن کے احساسات کو بھی نکاسی کا راستہ ملتا ہے۔ جب فصل کے پکے ہوئے پودے حفاظت سے جمع کر لیے جاتے ہیں تو چیخ پکار رک جاتی ہے۔ اس طرح جب زندگی اپنے اختتام کو پہنچتی ہے اور دنیا میں قیام کا ثمر، جو رشک و حسد کی شاخ سے لگ کر پھولتا پھلتا ہے، حاصل ہو جاتا ہے تو آسودگی کی خاموشی طاری ہو جاتی ہے۔ فرید کے تصور نے اس تمام عمل اور اس کے اختتام کو چند الفاظ میں محیط کر دیا ہے۔ اس تصور کا، جو کھیت کی ہیجان خیز سرگرمی سے لیا گیا ہے، عارف کی مستحکم آواز سے اشتراک ہے۔

دوہوں پر واضح لیکن مختصر اً بحث کرتے ہوئے اس بات کی تعریف کی جا سکتی ہے کہ فرید کی شاعری اپنی مخصوص انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے مناسب طریقے سے پنجابی شاعری کی روایت میں اپنا مقام حاصل کرتی ہے۔ فرید کی قوت تخلیق اور جدت پسندی کی وجہ ان کا مزاج اور ان کے نظریات ہیں۔ ان کے اشعار سے یہ غلط فہمی نہیں پیدا ہو سکتی کہ وہ بعد کے شاعروں کے لکھے ہوئے ہیں۔ نہ صرف اس لیے کہ ان اشعار کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں بلکہ ان کی امتیازی حیثیت میں بھی کوئی فرق نہیں۔ اس پر بھی بعد کے شعراء شیخ فرید کو اپنا بزرگ قرار دینے کے دعوے میں حق بجانب ہوں گے۔ ہم اپنی حیثیت کے مطابق شیخ فرید میں ان مکرر الوقوع نمونوں کی پہلی نمود دیکھ سکتے ہیں جس نے روایت کی حرکت کے اظہار کے لیے دوسرے بڑے شعراء کی تخلیقات میں روح پھونکی۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اشعار کا تجزیہ کرنے سے ان نمونوں کو اس بات سے پہچانا جا سکتا ہے کہ فرید نے معانی کو زیادہ سے زیادہ واضح کرنے کے لیے فن کے مختلف پہلوؤں کو کام میں لاتے ہوئے آرائشی و زیبائشی الفاظ کے استعمال سے مکمل اجتناب کیا۔ انہوں نے جو کچھ بھی اور جس سطح پر بھی کہنا چاہا اس کے لیے بڑے اعتماد سے اپنے اشعار کی ساخت سادہ رکھی اور عام تجربے کے لیے اپنی قوت متخیلہ استعمال کی۔ مفکرانہ و مؤثر میلان طبع کے باوجود الفاظ کے استعمال میں ڈرامائی کفایت شعاری سے کام لیا اور بنیادی و ضروری مسائل کو اپنے اشعار کے موضوعات بنانے میں مستقل مزاجی کا مظاہرہ کیا۔'' (صفحات ۲۹۔۳۰)

ایک اور ممتاز متخصص سید مسلم نظامی اپنی کتاب ''انوار الفرید'' میں دوسرے دانش وروں کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ شیخ فرید ایک عظیم صوفی شاعر تھے، تاہم ان کا خیال ہے کہ شیخ کی مادری زبان فارسی تھی۔ وہ مزید دلیل دیتے

ہیں کہ شیخ ہمیشہ اپنے آپ کو مسعود کہتے تھے' فرید نہیں کہتے تھے۔ ان کا کوئی بھی ہندی دوہا شلوکوں سے کہیں عمدہ ہے اس لیے پنجابی اشعار جو شیخ سے منسوب کیے جاتے ہیں' ان کے نہیں ہیں۔ اگر ایسا ہو بھی تو اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زیر بحث پنجابی شاعری انسانی روح کی ان کیفیات اور نشیب و فراز کی تصویر کھینچتی ہے' جن کا بابا فرید کو تجربہ ہوا۔ یہ بات بھی قابل فہم ہے کہ شیخ روزمرہ کی بول چال میں تو اپنے آپ کو مسعود کہتے ہوں گے لیکن لفظ فرید انہوں نے تخلص کی حیثیت سے استعمال کیا۔ شیخ فرید ثانی کی مدد سے ہی عوام نے بابا فرید کی پنجابی شاعری ایک خزینے کی طرح محفوظ رکھی۔ یہ بات بھی ممکن ہے کہ شیخ بچپن سے ہی دو یا اس سے زیادہ زبانیں جانتے ہوں۔

آخر میں شیخ کی شاعری کے بارے میں ایک بالکل مختلف تناظر پر توجہ دینا بھی مناسب ہوگا۔ اے آئی۔ سیر یبرایا کوف مصنف ''پنجابی لٹریچر'' نے اختیار کیا ہے لیکن یہ دو اعتبار سے ناقص ہے۔ اول یہ کہ ایک سچے صوفی کو موت کے ناگزیر اور بے درد ہونے کا احساس ہو جائے تو اس کے دل و دماغ سے خدا کا خیال کم ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔ سلسلہ چشتیہ کے اولیاء نے ہمیشہ موت کو ایک ایسے پُل کی مانند سمجھا ہے جو محب و محبوب کو آپس میں ملا دیتا ہے۔ مزید برآں شیخ فرید خدا سے اپنی عقیدت کے معاملے میں کبھی ڈانواں ڈول نہ ہوئے اور زندگی کے آخری ایام میں ارادتاً نہیں بلکہ بغیر کسی سعی کے ہی یہ عقیدت ان کے دل میں راسخ ہو چکی تھی۔ وہ بڑے تواتر سے اس امر کا اقرار کیا کرتے تھے کہ میں خدا کے لیے زندہ ہوں اور اس کے لیے مرتا ہوں۔ اس اقرار نے درحقیقت انکی ہستی کی تراش خراش کی تھی۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ایک صوفی موت کے منفی پہلو پر غور کرتا ہے تاکہ وقت کے تخریبی پہلو اور تمام مظاہر قدرت کی حیات چند روزہ کا ادراک ہو سکے۔ اسی سے صوفی اس قادر مطلق ذات لاشریک اور ہمارے واحد منبع کے مثبت ادراک کی جانب رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ ہم موت کی وساطت سے خدا کی طرف رجعت کرتے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے گھر آ جائے۔ دوم یہ کہ شیخ فرید کی شاعری کے متعلق یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ تقلید پسند اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے خلاف تھی۔ وہ تقلید پسندی کے مخالف نہیں تھے کیونکہ تقلید پسندی پر سچے مذہب کی افقی سمت ہے اور نہایت ضروری ہے کیونکہ کوئی بھی بیج اگر چھلکے کے بغیر بویا جائے تو وہ نہیں اگتا۔ شیخ اگر مخالف تھے تو صرف مکر و ریا اور ظلمت پسندی کی سخت پرت کے۔ یہ پرت دراصل مذہب کے اجارہ داروں اور مذہب سے دنیوی فوائد اٹھانے والوں کی تھی۔ یہ لوگ تقلید پسندی کے متعلق اپنی حقیر فہم کو کاہم رسول اکرم صلعم کے مشن کے برابر گردانتے تھے اور یہ نہیں سمجھتے تھے کہ اس مشن کی ایک راسی سمت بھی ہے۔

ان دو استثنائی فقروں کے ساتھ ہم اپنے قارئین سے مسٹر سیر یبرایا کوف کی اس قیمتی تنقید و تحقیق کی تعریف و توصیف کرتے ہیں جو انہوں نے شیخ کی شاعری پر کی ہے:

> ''پہلے دور کے ہندو مسلمانوں کے تال میل سے پیدا ہونے والے ادب کا بہترین اسلوب بیان شیخ فرید گنج شکرؒ (۱۱۷۳ء-۱۲۶۶ء) نے پیش کیا۔ وہ امراء کے خاندان میں پیدا ہوئے۔ روایتی اسلامی تعلیم حاصل کی۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ ملتان میں گزرا جو بڑا اہم ثقافتی مرکز تھا اور جہاں قرمطی اثرات ابھی تک عام تھے۔ انہوں نے بغداد اور خراسان ایسے وقیع

Marfat.com

اسلامی مراکز کا بھی دورہ کیا۔

فرید کی شاعری میں سے ایک سو تیئیس نام نہاد شلوک ہم تک پہنچے ہیں ۔ یہ شلوک دراصل مختلف بحور کے دوہے ہیں۔ان کے علاوہ چالیس مصرعوں کی ایک نظم ''نصیحت نامہ'' بھی ہے۔اس نظم کی زبان ملتانی ہے جو از منہ وسطی کے پنجاب کی ادبی زبان تھی۔

ان کی تحریر پر ہندو شاعری کا نمایاں اثر محسوس ہوتا ہے خصوصا ''ناتھ اور بھگتی'' نامی نظم جس کا طرز تخیل صوفیانہ شاعری سے بڑی مماثلت رکھتا ہے۔تصوف یہ سکھاتا ہے کہ نجات صرف خدا کی معرفت سے ہی حاصل ہو سکتی ہے اور آدمی خدا کی معرفت درویش بننے سے حاصل کر سکتا ہے۔ درویش بننے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا سے کنارہ کشی کر کے روحانی مملکت کا وارث بنایا جائے کیونکہ اس طرح ہی بالآخر روح کا ذات مطلق سے اتحاد ہو گا۔انسان چاہے کتنا ہی عبادت گزار اور پارسا کیوں نہ ہو' خود اس راہ کو طے نہیں کر سکتا۔ اسے کسی مرشد یا پیر کی رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔اس راہ پر صرف وہی گام زن ہو سکتے ہیں جن کے دلوں میں خدا کی معرفت حاصل کرنے کی لگن اتنی سچی اور طاقت ور ہو کہ وہ اس کے لیے ہر دنیوی چیز کو چھوڑ دیں ۔سو یوں تصوف بھگتی کی تعلیمات سے بہت ملتا جلتا ہے ، دونوں کی قوت متخیلہ ایک سی ہے ۔ ارضی زندگی ایک دھوکا ہے ، برائی ہے ، زہر ہے ، ایک ایسی چنگاری ہے جو جذبات کی آگ بھڑکاتی ہے اور ایک ایسی آگ ہے جو راکھ تلے بھڑکتی رہتی ہے ۔ روح کے ذات واحد میں مدغم ہونے سے ہی نجات مل سکتی ہے کیونکہ ذات واحد ہی مظاہر کائنات میں ہمیشہ زندہ و باقی رہتی ہے ۔صرف مرشد ہی انسان کو ہستی کے طوفانی سمندر اور زندگی کے بے کراں دریا سے پار لے جا سکتا ہے۔ مرشد کے تجربہ کار ہاتھ ہی کشتی مراد کو منزل مقصود پر پہنچا سکتے ہیں۔اس منزل پر پہنچنے کے لیے انسان کے دل میں خالص اور مکمل ایمان کا ہونا ضروری ہے۔ایسا ایمان جو ایک جذبے کی مانند ہو، سوتوں کو جگانے والا ہو، پُر خلوص ہو۔ایسا ایمان جو انسان کو حرص، کاہلی اور کاسہ لیسی ایسے گناہوں سے پاک کر دے۔

شیخ فرید کی غنائی نظمیں انہی خیالات کی حامل ہیں ۔متعدد دانش ور انہیں ایک مذہبی شاعر سمجھتے ہیں مگر ان کے تخیل کی مذہبی شاعرانہ روایت سے مطابقت کی اکثر یوں تعمیم کی جاتی ہے کہ ان کی عام جذباتی نظموں میں بھی صوفیانہ معانی تلاش کر لیے جاتے ہیں حالانکہ یہ مشکل سے ہی صحیح ہوتا ہے۔ان کی اکثر نظموں میں ارضی جذبات کی رنگ آمیزی ہے۔مثلاً آج میں اپنے محبوب کے ساتھ رات نہ بسر کر سکی چنانچہ میرے جسم کی ایک ایک ہڈی دکھ رہی ہے۔کاش وہ آتا تو میں اس سے پوچھتی کہ وہ رات کیوں نہیں آیا؟''

تصوف اور بھگتی کی شاعری میں محبوب کا مطلب خدا ہوتا ہے، یعنی خدا کو روح کا محبوب

Marfat.com

سمجھا جاتا ہے۔ دوسری طرف پارسا اور عبادت گزار کی روح کو ایک ایسی بیوی یا مثالی خاتون تصور کیا جاتا ہے جو خدا سے ملنے کی سعی میں مصروف ہو۔ تاہم اگر اس توضیح کا شیخ فرید کے سادہ، فن کاری سے دور اور پُر خلوص مصرعوں پر اطلاق نہیں کیا جائے تو پھر بھی ان کی شاعرانہ عظمت برقرار رہتی ہے جب کہ صوفیانہ مذہبی متلازم ابدیت ضروری نہیں۔

ایک اور نظم میں عمر کے تیزی سے بڑھاپے کی جانب بڑھنے پر غور وفکر کیا گیا ہے۔ شاعر کہتا ہے:

'جن پرندوں نے تالاب میں بسیرا کیا تھا وہ اڑ گئے ہیں۔ اے فرید! ایک دن یہ سارا تالاب خشک ہو جائے گا، صرف ایک تھکا ماندہ کنول اکیلا رہ جائے گا۔'

زندگی اپنے اختتام کے قریب پہنچ رہی ہے اور فرید موت کے کٹھور پن کا احساس کرتے ہوئے اسکے ناگزیر ہونے پر شیون کرتے ہیں۔ سوائے قصداً توضیح و تشریح کے عمیق تصورات اور گیان دھیان کی کیفیت بھی خدا کے خیالات کو نہیں ابھارتی۔

اس طرح لگے بندھے صوفیانہ و مذہبی نظریات کے علی الرغم فرید کی شاعری میں وقت کے تقاضوں کے مطابق دور جدید کی امتیازی خصوصیات اور مخصوص رجحانات بھی در آئے ہیں۔ شاعر خود اپنی حیثیت کا بڑے غیر مبہم انداز میں اعلان کرتا ہے۔ اپنے مرید سید مولا کو تنبیہ کرتے ہوئے شیخ لکھتے ہیں:

''بادشاہوں اور امراء کی صحبت اختیار نہ کرو۔ یاد رکھو کہ تمہارا ان کے ہاں آنا جانا تمہاری روح کو مردہ کر دے گا''۔

امارت کے خلاف یہ رویہ قدرتاً عوامی ہمدردی کے پیش نظر اختیار کیا گیا تھا کیونکہ شیخ نے عوام سے جو پیمان وفا باندھا تھا' وہ اس سے آگاہ تھے۔

فریدا! میں جاتا دکھ مجھ کوں، دکھ سبائے جگ
اوچے چڑھ کے ویکھیا تاں گھر گھر ایہو اگ

(اے فرید! میں سوچتا تھا کہ روئے زمین پر صرف میں ہی دکھی ہوں، لیکن مجھے پتا چلا کہ تمام دنیا دکھی ہے۔ جب میں نے ایک ٹیلے پر چڑھ کر نظر ڈالی تو میں نے دیکھا کہ ہر گھر کے افراد اسی آگ میں جل رہے ہیں۔)

چونکہ ان مصرعوں کا پیغام ایک خاص پردے میں چھپا ہوا اور عوامی عقاید کے قریب تر ہے اس لیے عوام میں بڑا مقبول ہے۔ فرید نے نہایت مؤثر اور خوش گوار الفاظ کے انتخاب سے خاصا جمالیاتی نتیجہ حاصل کیا ہے۔ ان کی فنی پیچیدگیوں سے آزاد زبان اور سادہ نحو سے اس تمنا کا اظہار ہوتا ہے کہ عوام انہیں سمجھ سکیں، اس لیے وہ عوام سے انہی کے الفاظ

Marfat.com

میں خطاب کرتے ہیں۔ یہی ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے اور اس سے وہ تمام اعترافات وابستہ ہیں جو تقلید پسند مذہب کے خلاف ہیں۔''

(صفحات ۲۲۔۲۴)

تاریخ کا خراج عقیدت

ایم۔آئی۔فنلے اپنی تصنیف ''قدامت کے پہلو'' میں لکھتے ہیں:

''کئی مقامات ایسے ہوتے ہیں جو قدرتاً انسان کے دل میں اسراریت کی دھاک بٹھاتے ہیں۔اسے مذہب کے طالب علم خدا اور مذہب کے متعلق انسانی احساسات کی خوبی کہتے ہیں۔اس سلسلے میں ڈلفی کی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔یونان میں ڈلفی کا مندر دیکھنے والوں کو آج بھی جدید ہوٹلوں، بہترین دکانوں، کھڑی کاروں اور سیاحوں کی بسوں کی موجودگی میں سب سے زیادہ اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ یہاں غاریں اور چشمے بھی ہیں۔''

پاکپتن جانے والے زائر بھی اسے بہترین خدائی اور مذہبی مقام کہتے ہیں۔یہ شہر بڑا قدیم ہے اور اسی ضلع میں واقع ہے جہاں ہڑپہ ہے۔جنرل کننگھم کے نزدیک ''یہ وہ شہر ہے جسکے باشندوں کا سکندر اعظم کے عہد کے مورخوں اور دوسرے قدیم مصنفین نے بھی تفصیلی ذکر کیا ہے۔'' ماضی میں کئی فاتحین بھی اس مقام سے گزرے لیکن اس مقام کی موجودہ عظمت کے سامنے ان کی ان تھک دھاوے، ان کی خون آشام جنگیں اور خون رنگ فتوحات غیر اہم ہوکر رہ گئی ہیں۔کوئی خاص مورخ ہی ان معرکوں کو دوبارہ یاد کر کے گوشہ گمنامی سے نکال سکتا ہے۔پاکپتن جس کا قدیم نام اجودھن ہے، شیخ الاسلام شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ سے تعلق کی بنا پر ابدی تقدس حاصل کر چکا ہے۔پاکپتن کو یہ مقدس مذہبی اعزاز اس لیے حاصل ہے کہ یہاں شیخ فریدؒ کے مزار کی تابندگی ہے۔

یہ شہر بلند جگہ پر واقع ہے اور اس کا اونچا پہلو زائر کو خوش آمدید کہتا ہے۔جوں ہی زائر کی نگاہ اس عالی مرتبت شہر پر پڑتی ہے' اس کی روح بلند ہو جاتی ہے۔یہ وہ مقام ہے جو ہر طرف امن پھیلاتا ہے۔جب خوف ناک شہنشاہ تیمور اس شہر میں پہنچا تو اس کی پُرامن فضا نے اس پر معجزانہ اثر کیا۔تیمور خانقاہ کے حیرت انگیز تقدس سے بڑا مرعوب ہوا چنانچہ اس نے شیخ کی بزرگی کے احترام میں اس شہر کے باشندوں کی جاں بخشی کر دی۔دنیا کا عظیم سیاح ابن بطوطہ، جس نے شمالی افریقہ اور شرق اوسط کی بے شمار خانقاہیں دیکھی تھیں، جب اس شہر میں پہنچا تو شیخ کی خانقاہ میں اسے بڑی کشش محسوس ہوئی۔عظیم سلطان فیروز شاہ تغلق بھی ان بے شمار حکمرانوں میں شامل ہے جنہوں نے شیخ کو خراج عقیدت پیش کرنے اور ان کے مقدس مزار کی زیارت کے لیے بطور خاص اس شہر کا سفر اختیار کیا۔ہر دور کے مورخین شیخ کی عظمت کے ترانے گاتے رہے اور شیخ کا ذکر خیر کرتے رہے۔مثلاً ضیاء الدین برنی ''تاریخ فیروز شاہی'' میں ہمیں بتاتے ہیں کہ جب فیروز شاہ درگاہ پر حاضر ہوا تو اس نے شیخ کی اولاد پر خاص توجہ دی کیونکہ شیخ کی اولاد بڑے کٹھن دن بسر کر رہی تھی۔سلطان نے انہیں بے شمار عطیات دینے کے علاوہ اراضی بھی دی۔شیخ کو مزید خراج عقیدت پیش

Marfat.com

کرنے کے تحت سلطان نے اجودھن کے باشندوں کے حق میں بھی بڑی کریم النفسی سے کام لیا۔ تمام لوگوں کو کھلے ہاتھوں سے مال و دولت دی محتاجوں کو نہال کر دیا اور مستحقین کے وظایف بحال کر دیے۔ کافی عرصے کے بعد برصغیر میں دودمان مغلیہ کے بانی شہنشاہ بابر نے جب ان علاقوں پر تاخت و تاراج کی تو خونی جنگوں نے ایک بار پھر پاکپتن کو گھیر لیا اور اس شہر نے ایک مرتبہ پھر ان تمام لوگوں کو پناہ دی جو اپنی جان بچانے کے لیے اس شہر میں آ گئے تھے۔ بابر کے نامور پوتے اکبر کو اولاد نرینہ کی بڑی آرزو تھی۔ چنانچہ اس دور کے عظیم درویش شیخ سلیم چشتیؒ کی دعا سے اس کو خدا نے تین فرزند عطا کیے۔ یہ شیخ سلیم چشتیؒ شیخ فرید کی اولاد تھے۔ شہنشاہ اکبر نے پہلے پنجاب میں شیخ سلیم کے مولد کی زیارت کی اور پھر شیخ فریدؒ کی خانقاہ پر پہنچ کر انہیں ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ اجودھن کے قریب پہنچا تو گھوڑے سے اتر کر پاپیادہ ہو گیا اور کئی میل پیدل چل کر درگاہ پر حاضری دی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بادشاہ کے حاشیہ نشینوں نے بھی یہی طرز عمل اختیار کیا۔ اکبر کے اتالیق بیرم خاں خان خاناں نے بھی درج ذیل شعر میں شیخ کی عظمت کے گن گائے اور شیخ کے ایک معجزے کو زندہ جاوید کیا ہے:

کان نمک ، جہان شکر ، شیخ بحر و بر
آں کز نمک شکر کند وز نمک شکر

شہنشاہ شاہجہاں کے بڑے اور پیارے بیٹے شہزادہ داراشکوہ نے بھی اپنی کتاب ''سفینۃ الاولیاء'' میں شیخ کا ذکر بڑے احترام و عقیدت سے کیا ہے۔ یہ عقیدت و احترام آج بھی لاکھوں افراد کے دلوں میں موجود ہے۔ تصوف پر لکھنے والے اپنی تخلیقات کے صفحات شیخ کے احترام سے آراستہ کرنے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی بڑھ چڑھ کر کوشش کرتے رہتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو روحانی سکون حاصل کرنے اور دلوں کو منور کرنے کے لیے گھنٹوں درگاہ کے کسی حجرے میں خدا کی عبادت کرتے ہیں یا شیخ کی معطر قبر کے پاس بیٹھ کر تلاوت قرآن پاک اور سلسلہ چشتیہ کا ورد کرتے ہیں۔ برصغیر کے دور افتادہ علاقوں کے دانش ور، مذہبی رہنما اور عوام اب بھی درگاہ کی پُرامن اور پُرسکون فضا سے بڑے مسحور ہوتے ہیں۔ سالانہ عرس کی ایک اہم خصوصیت بہشتی دروازہ ہے۔ شیخ کے متعلق تحقیقی کام کرتے ہوئے اس دروازے کا بیان بھی بڑا ضروری ہے۔ شیخ ایک ایسے حجرے میں مدفون ہیں جس کے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ مشرق میں ہے اور دوسرا جنوب میں۔ زائرین عموماً مشرقی دروازے سے حجرے میں داخل ہوتے ہیں۔ حجرے میں داخل ہوں تو سب سے پہلے شیخ کے صاحب زادے شیخ بدرالدین سلیمان کی قبر آتی ہے جو باپ کی وفات پر پاکپتن کی گدی پر متمکن ہوئے تھے۔ دوسری قبر شیخ فریدؒ کی ہے۔ قبر کے مغرب میں خاصی جگہ ہے جہاں زائرین بیٹھ کر تلاوت کلام پاک کرتے ہیں۔ پیچھے شمال کی جانب جالی دار دیوار ہے۔ یہاں خواتین آ کر خراج عقیدت پیش کرتی ہیں۔ جنوبی دیوار میں بہشتی دروازہ ہے جو ہر سال محرم میں عرس کے موقع پر کھولا جاتا ہے۔ یہ تقریباً دو فٹ چوڑا اور اتنا نیچا ہے کہ کوئی بھی شخص جھکے بغیر اس میں سے گزر نہیں سکتا۔ اس دروازے میں سے گزرنے والوں کو یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ ان پر بہشت کے دروازے وا ہو گئے ہیں۔ یہ عقیدہ ایک قدیم زبانی روایت پر مبنی ہے اور اس کی بنیاد شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے ایک رویا پر ہے۔ تاہم کسی ہمعصر یا متاخر مصنف نے اس کا حوالہ نہیں دیا۔ پھر بھی اس تقریب کی تاثیر کے متعلق عوام کا عقیدہ غیر متزلزل ہے۔ بہر

Marfat.com

کیف اس تقریب کی ادائیگی عوام کو نہ صرف باطنی تناؤ سے نجات دیتی ہے بلکہ خدا کے بے پایاں رحمت وشفقت پر ان کا اعتماد بحال ہو جاتا ہے اور وہ پارسائی کی راہ پر زندگی کے تازہ دور کا آغاز کرتے ہیں۔

زائرین درگاہ سے ملحق مسجد نظامی میں بھی بڑے ذوق شوق سے نماز پڑھتے ہیں۔ یہ مسجد سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے اور مسلم فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اس کے ڈھانچے میں الوہی نفاست ونزاکت ہے اور سبک، روشن اور پھول کی طرح تروتازہ نظر آتی ہے۔ اسے شیخ فریدؒ کے روحانی جانشین شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی یاد میں تعمیر کیا گیا ہے جو اس مقام پر خدا کی عبادت کیا کرتے تھے اور جنہوں نے اپنے مرشد کے پیغام کی شمع نصف صدی تک دہلی میں روشن رکھی۔

بطور امر واقع آنے والی نسلوں پر شیخ فریدؒ کے اثرات معین کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی زندگی کا مقصدی مطالعہ کیا جائے۔ اس سلسلے میں ہم ایک معیاری کتاب سے طویل اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے اس امر کا اندازہ ہو سکے گا کہ شیخ فرید کے مشن نے بلاواسطہ اور کلی حیثیت سے کتنی کامیابی حاصل کی:

"لیکن اگر خسرو کو علاء الدین کے عہد میں تکالیف اور سختیاں برداشت کرنا پڑتیں تو وہ انہیں راضی برضا رہ کر بڑے سکون وصبر سے برداشت کرتے کیونکہ وہ اپنی زندگی کے ایک نئے دور میں داخل ہو چکے تھے۔ ۶۷۱ھ میں انہوں نے دہلی کے ممتاز ولی نظام الدین اولیاءؒ کے حلقہ ارادت میں شرکت کی کہ وہ ان ولی کو اپنے بچپن اور جوانی سے جانتے تھے، چنانچہ انہوں نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی مریدی اختیار کر کے ایک مکمل صوفی کی حیثیت سے زندگی کا آغاز کیا۔ محمد ابن احمد ابن علی البخاری نظام الدین اولیاءؒ، جو سلسلہ چشتیہ کے بڑے ممتاز اور قابل احترام ولی تھے اور لوگ انہیں سلطان الاولیاء کہتے تھے، بدایوں میں ۶۳۴ھ میں تولد ہوئے۔ ان کے دادا خواجہ علی بخارا سے نقل وطن کر کے ہند آئے۔ پہلے لاہور میں قیام کیا اور پھر بدایوں چلے گئے۔ چنانچہ شیخ بھی اپنے پیارے مرید خسرو کی طرح ترک نژاد تھے۔ جب شیخ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ ان کی نگہداشت ان کی والدہ بی بی زلیخا نے اپنے ذمے لے لی۔ بی بی زلیخا ایک نیک، پرہیزگار اور پاک دامن خاتون تھیں۔ روحانیت سے محبت شیخ نے اپنی والدہ سے ورثے میں پائی۔ کچھ عرصے کے بعد ماں بیٹا بدایوں سے دہلی آ گئے اور ایک مسجد کے نیچے معمولی سے مکان میں رہائش اختیار کر لی۔ ان کے لیے یہ زمانہ بڑے افلاس اور مصائب کا زمانہ تھا۔ تاہم نظام الدین نے اپنی ابتدائی تعلیم کی طرف سے غفلت نہ برتی اور اپنے دور کے عظیم دانش ور شمس الدین خوارزمی کے شاگرد ہو گئے۔ یہ شمس الدین خوارزمی وہی ہیں جنہیں ان کے علم وفضل کی بنا پر سلطان بلبن نے اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔ بارہ برس کی عمر تک پہنچنے سے قبل ہی نظام الدین نے علوم ظاہری وباطنی میں خاصی استعداد بہم پہنچا لی۔ شیخ فریدؒ کے بھائی شیخ نجیب الدین المتوکلؒ اس زمانے میں نظام الدینؒ کے ہمسائے تھے اور نظام الدینؒ وقتاً فوقتاً ان کے ہاں جایا کرتے تھے۔ ایک بار المتوکل کے مکان پر ملتان سے ابوبکر نامی ایک قوال آیا۔ اس نے راہ میں اجودھن میں واقع

Marfat.com

شیخ فریدؒ کی درگاہ پر بھی حاضری دی تھی۔ اس قوال نے بڑے ذوق وشوق سے درگاہ کے حالات سنائے، نوجوان صوفی نظام الدینؒ نے بڑی توجہ سے قوال کی باتیں سنیں اور شیخ فریدؒ کے تقدس اور بزرگی سے اتنا متاثر ہوئے کہ فوراً اجودھن جا کر ان کا مرید بننے کا فیصلہ کر لیا۔

نظام الدین کئی برس تک خواجہ فرید کے ساتھ رہے اور کمال جوشِ عقیدت سے مرشد کی خدمت کر کے ان کی خاص نظرِ عنایت حاصل کی۔ چنانچہ جب ان کی تربیت مکمل ہوئی تو مرشد نے انہیں ایک جبہ اور قالین عطا کیا اور دعائیں دے کر دہلی روانہ کر دیا۔ دہلی ہندوستان کا دارالحکومت ہونے کے باعث ہر طبقے اور ہر قسم کے لوگوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا۔ یہ شہر ان گناہوں اور جرائم سے آزاد نہیں تھا جو بڑے شہروں میں فصل کی طرح پھوٹ پڑتے ہیں۔ نظام الدین کافی عرصے تک اس شہر میں قیام پذیر ہونے سے تامل کرتے رہے۔ بالآخر انہوں نے قیام کا فیصلہ کر ہی لیا۔ انہوں نے سوچا کہ شہروں کی چہل پہل اور سرگرمیوں سے الگ تھلگ رہ کر اور گناہوں کی ترغیب و تحریص سے بچ کر راہبانہ زندگی بسر کرنا بڑا عظیم کام ہے لیکن لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے ان کے درمیان رہنا، گناہوں اور بدعنوانیوں کی فضا میں بھی پاکیزہ اور بے داغ زندگی بسر کرنا اور اپنی پاکیزگی کے طفیل غلط کار روحوں کو حق اور نیکی کی طرف لانے کی سعی کرنا اس سے بھی زیادہ عظیم کام ہے، چنانچہ انہوں نے شہر سے چند میل دور ایک گاؤں غیاث پور میں توطن اختیار کیا۔ اسی اثنا میں ان کے مرشد خواجہ فریدؒ واصل بحق ہونے سے قبل بیٹوں کی موجودگی کے باوجود انہیں اپنا جانشین بنا چکے تھے۔

مرشد و رہنما کی حیثیت سے حضرت نظام الدینؒ کی زندگی کے ابتدائی برس بڑے افلاس میں گزرے لیکن جلد ہی ان کی شہرت دور و نزدیک پھیل گئی۔ علاء الدین کے عہد میں ان کے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ ان کی خانقاہ ہر وقت درویشوں سے بھری رہتی تھی کہ انہیں وہاں خوراک اور قیام کی سہولتیں ملتی تھیں۔ برنی اس دور کے بارے میں لکھتے ہیں:

شیخ الاسلام نظام الدین نے عالمی حلقہ ارادت کا دروازہ کھول دیا تھا۔ وہ گناہگاروں کو اپنی نگرانی میں لے کر راہِ راست پر گام زن کیا کرتے تھے اور ان کی خامیوں سے چشم پوشی کر کے انہیں جبے عنایت کیا کرتے تھے۔ ان میں منفرد بھی ہوتے تھے اور عام بھی، امیر بھی ہوتے تھے اور غریب بھی، سردار بھی ہوتے تھے اور نادار بھی، عالم بھی ہوتے تھے اور ناخواندہ بھی، نرم مزاج بھی ہوتے تھے اور اکھڑ بھی، شہری بھی ہوتے تھے اور کسان بھی، فوجی بھی ہوتے تھے اور آزاد و غلام بھی۔ شیخ ہر آدمی کو دعائیں دے کر چوگوشیہ ٹوپی اور مسواک عطا کرتے تھے ...... یہ تمام لوگ شیخ پر اعتماد کر کے پارسائی اور مذہب سے عقیدت پختہ کرنے کے لیے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ مردوں اور عورتوں، جوانوں اور بوڑھوں، اعلیٰ اور ادنیٰ، ملازموں اور غلاموں،

Marfat.com

حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے بچوں نے بھی نماز با قاعدگی سے پڑھنی شروع کر دی۔ امیر اور مخیّر لوگوں نے شہر اور غیاث پور کے راستے میں جگہ جگہ متعدد دل خوش کن سایہ دار چبوترے تعمیر کرائے جہاں بڑے بڑے برتنوں میں پانی ہوتا تھا، وضو کے لیے مٹی کے لوٹے ہوتے تھے اور نماز کے لیے چٹائیاں بچھی ہوتی تھیں۔ ان چبوتروں پر چھپر کا سایہ ہوتا تھا اور ان کی حفاظت کے لیے محافظ اور نماز پڑھانے کے لیے پیش امام متعین تھے تاکہ شیخ کی خانقاہ کو جانے والے اور آنے والے لوگوں کو نماز کے وقت وضو، غسل اور نماز پڑھنے میں کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ ان جبوتروں پر نماز کے وقت بے شمار لوگ نماز پڑھتے نظر آتے تھے۔ عوام میں نہ صرف ارتکاب جرائم کو ہو گیا تھا بلکہ جرائم کے بارے میں گفت وشنید بھی ختم ہو گئی تھی۔ اب لوگ زیادہ تر مذہبی امور پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ پارسائی وعقیدت کا جذبہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ شاہی محل میں بھی بے شمار امراء، سلاح دار، محرر، سپاہی اور غلام، جو شیخ کے مرید بن چکے تھے، چاشت اور اشراق کی نماز ادا کرتے تھے اور فرض روزوں کے ساتھ عاشورہ محرم اور دیگر ایام کے نافلہ روزے رکھتے تھے۔ شہر میں کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جہاں بیس دن یا ایک ماہ بعد سماع کی محفل منعقد نہیں ہوتی تھی اور سامعین وجد میں آکر جزع و فزع نہیں کرتے تھے۔ سلطان علاؤ الدین اور اس کے تمام خاندان کو شیخ پر بڑا اعتماد تھا۔ ہر طبقے کے لوگوں کے قلوب نیکی و پاکیزگی کی طرف راغب تھے۔ خصوصاً سلطان علاء الدین کے عہد کے آخری زمانے میں عوام کے لب شراب، عورتوں کے ذکر، جرم وگناہ، قمار بازی اور دیگر گھٹیا حرکتوں کی گفتگو سے بھی کبھی آلودہ اور نجس نہیں ہوتے تھے۔ اکثر طالب علم، امراء اور بڑے آدمی، جنہیں شیخ کی محبت کی سعادت نصیب ہوتی تھی، تصوف اور اسلامی قوانین کی کتب کے مطالعے میں مصروف نظر آتے تھے۔ ''احیاء العلوم''، اس کا ترجمہ، ''عوارف المعارف''، ''کشف المحجوب''، ''قوت القلوب''، ''التعرف'' کی شرح، القشیری کا رسالہ ''مرصاد العباد''، ''مکتوبات عین القضاۃ''، قاضی حمید الدین ناگوری کی ''لوائح'' اور ''لوامع'' اور میر حسن کی ''فواد الفواد'' ایسی کتابیں بڑے ذوق شوق سے خریدی جاتی تھیں۔ لوگ کتب فروشوں سے الہیات اور تصوف کی کتابوں کے بارے میں استفسار کرتے رہتے تھے۔ کوئی بھی ایسی دستار دکھائی نہیں دیتی تھیں؛ جس میں مسواک یا کنگھی اڑسی ہوئی نہ ہو۔ لاتعداد صوفی خریداروں کے باعث چمڑے کے قرابوں اور برتنوں کی قلت ہو گئی تھی۔ ....

نظام الدین اولیاءؒ علم وتقویٰ میں عدیم المثال تھے۔ انہوں نے تمام عمر شادی نہ کی اور خواجہ قطبؒ کے اس خرقے کی توہین نہ ہونے دی جو خواجہ فریدؒ کی وفات کے بعد ان کے کندھوں پر پڑا ہوا تھا۔ نظام الدین اولیاءؒ ایک خشک زاہد مرتاض ہی نہیں تھے۔ ان کے دن روزہ، نماز اور مریدوں کی تعلیم میں اور راتیں شب بیداری اور ریاضت میں گزرتی تھیں۔ وہ صرف چند لمحوں کے

Marfat.com

لیے سوتے تھے۔ صبح ملاقات کے موقع پر مرید یہ دیکھتے تھے کہ ان کے مرشد کے چہرے پر ایک عجیب وجد آفریں تمتماہٹ اور آنکھوں میں ہلکی سرخی کی آمیزش ہے۔ مرشد کا چہرہ دیکھ کر ہی ایک مرتبہ خسرو نے ان سے کہا تھا:

''آپ، تھکے تھکے اور بے خواب نظر آتے ہیں۔ رات آپ نے کس کی آغوش میں گزاری کہ آپ کی آنکھوں میں ابھی تک مدہوشی اور نیم خوابیدگی کے آثار باقی ہیں؟

ان تمام اوصاف کے ساتھ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بڑے خوش طبع تھے۔ ہر طبقے کے عوام سے ملنا اور ان سے گفتگو کرنا انہیں بہت مرغوب تھا۔ شاعری کے متعلق بھی ان کا ذوق بڑا بلند تھا اور سماع کے بڑے دل دادہ تھے۔ ہر سال ۵ محرم کو ان کی خانقاہ میں خواجہ فریدؒ کا عرس منایا جاتا تھا۔ لوگ دور و نزدیک سے ماہر فن قوالوں کی قوالی سننے کے لیے آتے تھے اور حاضرین میں روح پھونک دیتے تھے۔''

(''امیر خسرو کی تخلیقات و زندگی'' مصنفہ ڈاکٹر محمد وحید مرزا، پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور ۱۹۶۲ء، صفحات ۱۱۲ تا ۱۱۶)

نظامی مسجد کے قریب ہی شیخ فریدؒ کے پوتے شیخ علاء الدین کا مزار ہے۔ یہ مزار شیخ فریدؒ کے مزار سے بڑا اور زیادہ مناسب ترتیب سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس میں خاندان کے کئی اور افراد کی قبریں بھی ہیں۔ یہ عالی شان مزار سلطان دہلی محمد تغلق نے تعمیر کرایا تھا جو شیخ علاء الدین کا بڑا معتقد تھا۔ مرکزی مسجد شیخ فریدؒ کے مزار کی شمال مغربی سمت میں بلند زمین پر واقع ہے۔ جنوب کی طرف حجروں کی قطار ہے۔ ان میں سے سب سے زیادہ مقدس حجرہ وہ ہے جس میں کلیر شریف کے مخدوم علی احمد صابرؒ رہا کرتے تھے۔ مخدوم صابر شیخ فریدؒ کے بھانجے، داماد اور ممتاز خلیفہ تھے۔ خانقاہ میں پیلو کا ایک قدیم درخت بھی ہے جو ان دنوں کی یاد دلاتا ہے جب اس علاقے میں جنگل ہی جنگل تھا اور اس قسم کے درخت خانقاہ کے مکینوں کو سایہ اور خوراک مہیا کرتے تھے۔ مزار کے مشرق میں ایک خوبصورت سے صحن کو عبور کرنے کے بعد خزانہ آتا ہے جہاں شیخ سے منسوب مقدس تبرکات محفوظ ہیں۔ ان میں چمڑے کے سلیپروں کا ایک جوڑا بھی ہے جو شیخ پہنا کرتے تھے۔ خانقاہ خاصے بڑے رقبے میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کا گوشہ گوشہ اپنے دامن میں زائر کے لیے جنت نگاہ کا سامان رکھتا ہے۔ درگاہ کے مرکزی دروازے کے باہر بازار ہے جس میں سرمے کی چھوٹی چھوٹی شیشیاں، گلاب کے پھول، تصوف کی کتابیں، جائے نماز اور مقامی دست کاروں کی بنی ہوئی اشیاء فروخت ہوتی ہیں۔ زائرین انہیں درگاہ میں حاضری کی یادگار کے طور پر خرید کر ساتھ لے جاتے ہیں۔ درگاہ پر دن رات زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے جس کا باعث درگاہ میں ہمہ وقت ذوق وشوق اور جوش وخروش کی فضا چھائی رہتی ہے۔ پاکپتن شہر میں شیخ فریدؒ کے نام پر ایک جدید کالج بھی قائم ہے۔ شہر کے باشندوں نے شیخ کی قائم کردہ مہمان نوازی کی روایت ابھی تک برقرار رکھی ہوئی ہے۔ یہ روایت گرد ونواح میں پھیلے ہوئے ہنستے مسکراتے کھیتوں سے بھی ٹپکتی ہے۔ بس یہ علاقہ جسے شیخ فریدؒ نے منتخب کیا تھا ابھی تک بار آوری اور زرخیزی کا ثبوت دے رہا ہے اور شیخ کی اس خوبصورت مملکت میں خدائی امن وسکون کا دور دورہ ہے۔

Marfat.com

اس خانقاہ کی موجودگی میں ان لوگوں کے باعث، جو بڑے خلوص اور مستقل مزاجی سے بابا فریدؒ کی پیروی کرنے کی سعی کرتے ہیں، تصوف کی زندہ روایت آج بھی سربلند و سرفراز ہے۔ یہ درگاہ بہترین آثار قدیمہ میں سے ہے اور اسلام کے مقدس فن کی عکاس ہونے کے ساتھ صوفیانہ عقاید کے تحفظ میں بھی ممد و معاون ہے۔ ان دونوں پہلوؤں پر ڈاکٹر مارٹن لنگز نے بھی روشنی ڈالی ہے اور اپنے مقالے کے حق میں دلایل دیتے ہوئے کئی دوسروں کے علاوہ تقابلی مذہب کے جدید ترین متخصص ایم فرد جوف شویاں کی مدد بھی حاصل کی ہے۔ ڈاکٹر مارٹن لنگز لکھتے ہیں:

''حسن بصری کا یہ کہنا تصوف میں ایک خصوصی امتیاز رکھتا ہے: 'وہ جو خدا کو جانتا ہے اس سے محبت کرتا ہے اور جو دنیا کو جانتا ہے اس سے اجتناب کرتا ہے'۔ ایک اور قدیم صوفی کا یہ کہنا بھی بڑا معنی خیز ہے کہ 'خدا کی انس اس کی آرزو سے زیادہ عمدہ اور شیریں ہے'۔

تاہم معرفت کی اس راہ کا ایک رخ اس اشاراتی نور کی عکاسی کرتا ہے جو قرآن پاک سے چھلکتا ہے اور قرآن کے قاری اس پر مسرت اور خیرہ کن نور کے باعث دوسری دنیا کے اسرار و رموز کا 'مزہ' چکھتے ہیں۔ دوسرا رخ نہ صرف قرآنی اصولوں کی کڑی سادگی کی بلکہ کچھ احادیث رسولؐ کی بھی عکاسی کرتا ہے جو ان کے بارے میں صریحاً خشک لذت اور مہک رکھتی ہیں۔ ایک متین واقعیت پسندی ہے جو ہر شے کو اس کے موزوں مقام پر رکھتی ہے مثلاً: 'اس دنیا میں ایک اجنبی یا ایک راہ گیر کی طرح رہو'، یا 'مجھے اس دنیا سے کیا لینا ہے۔ میری اور اس دنیا کی مثال ایک سوار اور درخت کی سی ہے۔ سوار چند لمحے درخت کے نیچے قیام کرتا ہے اور پھر درخت کو پیچھے چھوڑ کر اپنی راہ چل دیتا ہے'۔

اسلامی روحانیت کے یہ دو رخ تمام اسلامی متمدن اقوام میں بڑے متنوع طریقوں سے محسوس کیے جاتے ہیں اور بالخصوص اسلامی فن سے ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ حسب توقع یہ مقدس فن اسرار و رموز کا اظہار ہے اور اسی لیے اس کا سرچشمہ مذہب کی نہایت گہری تہہ سے پھوٹتا ہے۔ اسلامی فن بہت پیچیدہ و دقیق ہے لیکن اس کے ساتھ ہی شاعرانہ اور دل فریب بھی ہے۔ اس کے تانے بانے میں متانت اور شان و شوکت ہے .... اس میں نمو کی مسرت خیز فراوانی اور بلور کی خالص قوت کا جوہر متحد ہیں۔ یہ محراب عبادت ہے جسے طغرائی گل کاری سے آراستہ کیا گیا ہے اور اس گل کاری پر کبھی تو چمن کا اور کبھی برف کے گالے کا گمان ہوتا ہے۔ خوبیوں کی یہ آمیزش قرآن میں بھی ملتی ہے، جہاں خیالات کی وسعت تناسب و ترتیب کے شعلے میں پوشیدہ ہے۔ اگر کوئی اسے پالے تو وحدت کے نظارے سے مسحور ہو جائے۔ اسلام میں صحرا کی سادگی، سفیدی اور درشتی کا بھی پہلو ہے اور یہی اس کے فن میں آرائش و تزئین کی بلوریں مسرت کے ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے۔''

(''بیسویں صدی کا ایک مسلم درویش'' مصنفہ مارٹن لنگز، لندن ۱۹۶۱ء، صفحات ۴۶۔۴۷)

Marfat.com

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ پاکپتن شریف میں رہنے والا ہر قسم اور ہر نوع کا آدمی پاکپتن کے تعلق پر فخر کرتا ہے۔ تمام مورخ شیخ کی عظمت وشان کو تسلیم کرتے ہیں اور ان الفاظ میں مل کر صدائے تحسین و آفریں بلند کرتے ہیں:

''کوئی ولی عقیدت وخلوص اور توبہ واستغفار میں گنج شکر پر سبقت نہیں لے جاسکتا''۔ پروفیسر ایم۔ کبیر اپنی کتاب ''پاکستان کی مختصر تاریخ'' جلد دوم میں کہتے ہیں:

''اور یہ شیخ فریدالدینؒ پاکپتن شریف والے کی خصوصی مساعی کا نتیجہ ہے کہ سلسلہ چشتیہ کی شاخیں برصغیر پاک و ہند کے تمام بڑے بڑے اور اہم شہروں میں قائم ہوگئیں۔ شیخ فرید کو سب سے بہتر اور قیمتی ہدیہ عقیدت مولانا غلام قادر گرامی نے پیش کیا ہے جنہیں حکیم الامت علامہ اقبال بھی فارسی شاعری میں اپنا استاد اور رہنما سمجھتے تھے:

در شہر گرامی ست کہ معنی نظر ست
در پنجہ مرگ سخت بے بال و پر ست
در تلخی نزع حکم آمد بہ اجل
بگزار کہ ایں مرید گنج شکر ست

آخر میں ہم اس رسالے کو ایک بہترین مادہ تاریخ پر ختم کرتے ہیں جو مفتی غلام سرور نے نکالا ہے اور مولوی نور احمد چشتی کی کتاب ''تحقیقات چشتی'' میں بھی موجود ہے۔ یہ تاریخ کے خراج عقیدت کا ملخص ہے:

خواجہ ذی شاں فرید الدیں ، فرید دو جہاں
آں کہ از دل طالبش شد ، گشت مطلوب خدا
بود ذاتش مخزن حب خدا گنج شکر''
عقل سال نقل اور فرمود : محبوب خدا
۶۶۳ ہجری

کتابیات

☆ اخبار الاخیار مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔
☆ فوائد الفواد مصنفہ میر حسن علی سجزی (خواجہ حسن دہلوی) مرتبہ محمد لطیف ملک، مطبوعہ ملک سراج دین، کشمیری بازار، لاہور ۱۹۶۶ء
☆ سوانح حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ مصنفہ وحید احمد مسعود، پاک اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۱ء
☆ تبلیغ اسلام مصنفہ سرٹامس آرنلڈ، لندن ۱۸۹۶ء۔
☆ آباء صحرا مصنفہ ہیلن ویڈل، کولنز ۱۹۶۲ء۔
☆ بیسویں صدی کا ایک مسلم درویش مصنفہ مارٹن لنگز، لندن ۱۹۶۱ء۔
☆ ایک صوفی شہید مصنفہ اے۔ جے۔ آربری، لندن ۱۹۶۹ء۔
☆ ازمنہ وسطیٰ کے ہند کی تاریخ کا مطالعہ۔ مصنف خلیق احمد نظامی، علی گڑھ ۱۹۵۶ء۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

Marfat.com

نسب نامہ
حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ

حضرت بابا فریدالدین گنج شکر صاحب کی پیدائش ۵۷۵ ہجری میں ہوئی۔ اصلی نام مسعود تھا۔ آپ کے بزرگوں میں فرخ شاہ بادشاہ کابل تھے۔ چنانچہ ذیل کے شجرہ سے ظاہر ہوتا ہے:

شاہ احمد فرخ شاہ بادشاہ کابل

شہاب الدین

شیخ محمد

خواجہ یوسف شہزادہ

احمد شاہزادہ

شعیب

جمال الدین سلیمان

شیخ فریدالدین گنج شکر

آپ کے اشعار پنجابی، ہندی اور فارسی زبانوں میں ملتے ہیں۔ سری گورو گرنتھ صاحب میں آپ کے 130 شلوک اور 4 شبد (دو آسا راگ میں اور دو سوہی راگ میں) موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی پنجابی نظمیں آپ نے لکھیں۔ دیکھو اورینٹل کالج میگزین بابت ماہ نومبر 1930 ماہ فروری 1931ء حصہ پنجابی و ہندی۔

آپ کا جنم ملتان کے نزدیک موضع چاولی میں ہوا۔ ابتدائی تعلیم ملتان میں حاصل کی اور قرآن حفظ کیا۔ تحصیل علوم کے لیے آپ ملتان سے قندھار اور پھر وہاں سے بغداد تشریف لے گئے اور بڑے بڑے صاحب کمال بزرگوں سے علوم ظاہری اور باطنی کا اکتساب کیا۔ مقامات مقدسہ اور ایران و عرب کے بڑے بڑے شہروں کی زیارت کی، جب خواجہ فرید الدین عطار نیشاپوری سے شرف نیاز حاصل کیا تو آپ نے بھی اپنا نام تبرکاً فریدالدین رکھ لیا۔ گنج شکر کا لقب ان کی والدہ محترمہ نے انہیں عطا کیا، جن کا آپ کی اعلیٰ زندگی بنانے میں سب سے زیادہ حصہ تھا۔ آپ کئی کئی دن لگاتار روزہ رکھتے، یہاں تک کہ نفس کشی اور عبادت میں اتنے محو ہوئے کہ بے خودی طاری ہو گئی۔ جنگلوں، پہاڑوں و ندی نالوں کے کنارے تنہا رہا کرتے۔ آپ کی ایک شادی غیاث الدین بلبن شہنشاہ دہلی کی شاہزادی سے بھی ہوئی اور مذکورہ شاہزادی فقیرانہ لباس میں آپ کے ساتھ رہا کرتی تھی۔

Marfat.com

مجھے مسٹر اے۔ سی۔ ولنر، وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی و پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے ماہ اکتوبر 1932ء میں چند قلمی نسخے ریاست فرید کوٹ میں ملاحظہ کرنے کے لیے بھیجا۔ یہاں پر مجھے سردار اندر سنگھ صاحب بی۔ اے۔ پریذیڈنٹ کونسل آف ایڈمنسٹریشن، ریاست فرید کوٹ کی عین عنایت سے چند قیمتی کتابوں اور نسخوں کو سٹیٹ لائبریری میں دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ چلہ بابا فرید گنج شکر کے سجادہ نشین پیر شاہ محمد غوث صابری چشتی سے بھی شرف نیاز حاصل ہوا۔ اُنہوں نے چند کتابیں اور دیگر نہایت پرانے کاغذات شیخ فرید الدین گنج شکر کے متعلق مجھے دکھائے۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے میں خود بیٹھ کر نقل کر کے ان کو اپنے ہمراہ نہ لا سکا۔

بابا فرید الدین گنج شکر صاحب اور ریاست فرید کوٹ

بارہویں صدی عیسوی کے آخر میں بابا فرید الدین گنج شکر اپنے خیالات اور عقاید کا لوگوں میں پرچار کرتے ہوئے موکل نگر (جسے اب ریاست فرید کوٹ کہتے ہیں) کے باہر دو میل کے فاصلہ پر اپنی گدڑی سے کچھ گیان چرچا کرنے لگے۔ انہیں ایسا معلوم ہوا کہ گدڑی کہہ رہی ہے کہ اے فقیر! تیری مانتا میرے سبب سے ہے، اگر تو مجھے نہ اوڑھے تو تجھے کون پوچھے۔ حضرت فرید الدین نے گدڑی اُتار دی اور موکل نگر کے اندر قلعہ کی عمارت میں بیگار میں پکڑے گئے اور سر پر گارے کی ٹوکری اُٹھاتے وقت گدڑی یاد آئی۔ بابا فرید صاحب کے سر پر گارے کی ٹوکری اونچی اُٹھتی ہوئی دیکھ کر سب لوگ خوف زدہ ہوئے اور راجہ موکل دیو سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔

راجہ موکل دیو نے بابا فرید جی سے معافی طلب کی اور اپنا گاؤں و قلعہ بابا فرید جی کے نام سے بسایا اور فرید کوٹ نام رکھا جو اب ریاست فرید کوٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی یادگار میں تین جگہیں ریاست میں موجود ہیں:

(۱) یہ جگہ زنانہ محلات میں ہے جہاں راجہ موکل دیو نے بابا فرید جی سے معافی مانگی تھی۔

(۲) چلہ بابا فرید جہاں گارے کی ٹوکری سر سے اتار کر گارے والے ہاتھ ایک درخت سے صاف کئے تھے۔ یہاں سال میں ایک دفعہ بہت بھاری میلہ بھی لگتا ہے۔

(۳) وہ جگہ جہاں بابا فرید جی نے گدڑی سے گیان چرچا کہ یہ جگہ 'لیر مال صاحب' کے نام سے مشہور ہے اور شہر ریاست فرید کوٹ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی فارسی کی کچھ ایسی نظمیں جو ابھی تک کہیں نہیں چھپیں، مجھے جناب پیر محمد غوث صابری چشتی فرید سجادہ نشین چلہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر ریاست فرید کوٹ کے قلمی نسخوں سے ملی ہیں اور اس کے علاوہ حضرت بابا فرید صاحب کا شجرہ (بنساولی) بھی اُنہیں حضرت نے تیار کر کے مجھے ارسال فرمایا ہے جو ہم قارئین کرام کے مطالعہ کے لیے ذیل میں درج کرتے ہیں۔ پہلے ان کے اشعار اور پھر ان کا شجرہ درج کریں گے۔

حضرت بابا صاحب کے اشعار

حضرت بابا صاحب کی زبان مبارک سے [۱]

Marfat.com

(بہ سند قاضی حمیدالدین ناگوری)

عشق تو مرا اسیر وحیران کردہ است — درکوئے خرابات پریشان کردہ است
بااین ہمہ رنج ومحبت اے دوست ببیں — اسرار تو دردلم کہ پنہاں کردہ است

(درجوشِ اسرار دوست)

آنا نکہ در ہوای تو شید انشستہ اند — از جملہ کس بریدہ وتنہا نشستہ اند
خودر افدای نام تو اے دوست کردہ اند — آن عاشقان کہ برتو (کذا) شیدانشستہ اند
در عالم تفکر بردل نہادہ اند — گاہے فتادہ و گہے برپا نشستہ اند

اپنے پیرومرشد کی زبان مبارک سے سنا ہوا شعر جو وہ ہمیشہ پڑھا کرتے تھے:

دیدۂ کو جمال دوست بدید — تابود زندہ مبتلا باشد

(عام مجلس میں)

چودرویش را کار بالا کشید
بیک لحظ سرور ثریا کشید
چنان غرق گردد بدریائے عشق
کہ یکدم سراز عشق بالا کشید

فرمودۂ پیرومرشد جو حضرت نے ایک دم ہزار بار پڑھی:

اصل ہمہ عاشقی ز دیدار آید — چون دیدہ بدید آنکہ در کار آید
در دام بلا نہ مرغ بسیار آید — پروانہ بطمع نور در نار آید

(بسند قاضی حمیدالدین ناگوری)

گرمے ندہد ہجر تو وصلت یارم
با خاک سرکوئے تو کارے دارم

گیرم کہ بشب نماز بسیار کنی — درروز دوائے شخص بیمار کنی
تادل نہ کنی زغصہ وکین خالی — صد خرمن گل بر سر یکخار کنی

حضرت بابا فرید صاحب کا شجرۂ نسب

نوٹ: حضرت بابا صاحب کی کل اولاد ۲۹، جن میں سے چودہ لڑکے حقیقی اور ایک متبنٰے تھا۔ چودہ لڑکیاں تھیں، تیرہ خوردسالہ فوت ہوئیں، ایک بالغ جس کی شادی حضرت بابا صاحب کے حقیقی بھانجا احمد صابر کے ساتھ ہوئی، پندرہ لڑکوں میں سے پانچ کے اولاد ہوئی۔ چار حقیقی لڑکوں کے اور ایک متبنٰے لڑکے کے اولاد ہوئی۔ چار حقیقی لڑکوں کی اولاد پاک پتن خاص اور چند اضلاع پنجاب علاقہ بنگال و ہندوستان اور دکن حیدرآباد میں ہے، جن میں بیشتر رئیس اعظم جاگیردار ہیں جن

Marfat.com

کی جاگیر تقریباً پچاس لاکھ روپیہ کی ہوگی۔ متبنّٰے شیخ نصراللہ شاہ کی اولاد خاص پاک پتن و چند اضلاع پنجاب میں موجود ہے۔ بابا صاحب کے اُن چار لڑکوں کے نام جن کی اولاد اب تک موجود ہے یہ ہیں: (۱) شاہ و شیخ شہاب الدین گنج علم (۲) دیوان شاہ و شیخ محمد بدرالدین شاہ صاحب کی اولاد کھائی تحصیل و ضلع فیروزپور ضلع منٹگمری و ریاست بہاولپور و دیگر علاقہ جات پنجاب میں موجود ہے (۳) شاہ و شیخ محمد نظام الدین شاہ، ان کی اولاد بھی ہندوستان میں موجود ہے (۴) شاہ و شیخ محمد یعقوب شاہ۔ ان کی اولاد بھی ہندوستان میں موجود ہے۔

حضرت شیخ المشائخ

جناب شاہ و شیخ حضرت بابا فرید فرد مسعود العالمین گنج شکر قطب عالم اغیاث ہند عاشق و معشوق ذات احدیت ولایت درجہ زہد الانبیاء و فردیت رحمۃ اللہ علیہ تاریخ وفات محرم الحرام ۶۶۴ھ

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)
شاہ و شیخ	شاہ و شیخ محمد	شاہ و شیخ محمد	شاہ و شیخ محمد	شاہ و شیخ
شہاب الدین	بدرالدین شاہ	نظام الدین شاہ	یعقوب شاہ	نصراللہ شاہ متبنّٰی
گنج علم	ولایت سلیمانی	انکی اولاد مختلف	ان کی اولاد ہندستان	اُنکی اُولاد خاص پاک پتن
	دیوان قدس	علاقہ جات ہندوستان	کے مختلف علاقوں	و چند اضلاع پنجاب
	۶۶۹ھ سرہ العزیز	میں موجود ہے	میں موجود ہے	میں موجود ہے۔

شاہ و شیخ محمد بدرالدین

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)	(۶)
دیوان شاہ	شیخ	شاہ و شیخ	شاہ و شیخ	شاہ و شیخ	شاہ و شیخ
علاؤالدین	محمد شہید	محمود شاہ	تاج الدین احمد شاہ	موددو شاہ	موج دریا صابر

(نوٹ) حضرت شاہ و شیخ موددو شاہ صاحب کی اولاد حیدرآباد دکن میں بطور جاگیردار رئیس اعظم موجود ہے:

ثانی قدس سرہ العزیز ۷۲۳ھ

دیوان شاہ و شیخ معزالدین شاہ ۷ محرم ۷۴۹ھ — شاہ و شیخ علم دین

دیوان شاہ و شیخ محمد فضائل شاہ ۲۹ رجب ۷۵۶ھ — شاہ و شیخ صدرالدین

دیوان شاہ و شیخ منور شاہ — شاہ شیخ سعدالدین المعروف شمس الدین دریائی

دیوان شاہ و شیخ	دیوان شاہ و شیخ	شاہ و شیخ	شاہ و شیخ	شاہ و شیخ
نورالدین شاہ	بہارالدین شاہ	خواجہ محمد	محمد الدین	ابراہیم شاہ
۱۰۲۴ھ لاولد است	۸۴۲ھ			

Marfat.com

دیوان شاہ وشیخ محمد یونس

دیوان شاہ وشیخ احمد شاہ　　شاہ وشیخ

۸۷۷ھ　　نعمت اللہ شاہ

دیوان شاہ وشیخ احمد شاہ

دیوان شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ برہان الدین شاہ

عطا اللہ شاہ　　عزیز اللہ شاہ　　بہاؤ الدین (۱) ان کی اولاد موضع آصف والہ وغیرہ تحصیل

۸۹۰ھ　　فاضل کا فیروز پور ملک پنجاب میں موجود ہے۔

دیوان شاہ وشیخ شہاب الدین شاہ ۹۱۷ھ　　شاہ وشیخ قطب الدین شاہ

دیوان شاہ وشیخ محمد ابراہیم شاہ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ

المعروف براہم شاہ ۹۵۹ھ　　جلال شاہ　　خلیل شاہ

دیوان شاہ وشیخ محمد تاج الدین محمود حاجی الحرمین شریفین　　شاہ وشیخ منور شاہ

قدس سرہ العزیز ۱۰۲۳ھ

دیوان شاہ وشیخ فیض اللہ شاہ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ

۲۵ ذوالحجہ ۱۰۱۸ھ　　فتح اللہ شاہ　　غضنفر علی شاہ　　احمد قتال　　امان اللہ شاہ

شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ فرید محمد

عبدالواحد　　محمد مکی　　عبداللہ شاہ　　حسن شاہ　　برخوردار شاہ　　عرف قلاؤ الدین

شاہ شیخ برہان الدین　　شاہ وشیخ حسین شاہ　　شاہ وشیخ عین الدین شاہ

دیوان شاہ وشیخ فیض اللہ شاہ:

دیوان شاہ وشیخ محمد ابراہیم شاہ ثانی ۱۸ محرم ۱۰۳۱ھ

دیوان شاہ وشیخ محمد　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ

حامد شاہ صاحب ۱۰۸۳ھ　　خواجہ محمد　　الہ بخش　　غلام محمد　　جان محمد شاہ

دیوان شاہ وشیخ محمد اشرف شاہ

شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ　　شاہ وشیخ

لطف اللہ شاہ　　نعمت اللہ شاہ　　کرم اللہ شاہ　　فیض اللہ شاہ

۱۱۲۲ھ　　شاہ　　شاہ　　شاہ

دیوان شاہ وشیخ عطاء اللہ شاہ　　شاہ وشیخ محمد اعظم انکی اولاد

(نوٹ ۱)۔ دیوان شاہ وشیخ عطاء اللہ شاہ صاحبؒ کے زمانے کا ذکر ہے کہ بادشاہ دہلی کسی خاص وجہ سے علاقہ پاک پتن سے گزرتے ہوئے شاہ وشیخ غلام رسول شاہ صاحب کو گرفتار کر کے دہلی لے گئے اور ان کو کچھ عرصہ تک قلعہ

روہتاس میں نظر بند رکھا۔ اسی اثنا میں بادشاہ دہلی اُن کے معتقد ہو گئے اور ان کو رہا کر دیا۔ ان کو رہا کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا بھاری لشکر نیزے لیکر اس کے مارنے کے لیے مستعد ہے۔ اسی وقت بادشاہ نے خواب سے بیدار ہو کر غلام رسول شاہ صاحب کو رہا کر دیا اور کچھ نذر و نیاز بھی پیش کی۔ شاہ صاحب نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے ایک فوج جرار دی جائے جس کی مجھے خاص ضرورت ہے، چنانچہ شاہ صاحب مع فوج دہلی سے روانہ ہو کر پاک پتن شریف پہنچے اور وہاں دیوان عطاء اللہ شاہ صاحب کے ساتھ جنگ کی۔ دیوان عطاء اللہ شاہ کو شکست ہوئی۔ وہ شکست کھا کر پاک پتن سے روانہ ہو کر مقام کھائی تحصیل و ضلع فیروز پنجاب میں رونق افروز ہوئے۔ زاں بعد عطاء اللہ شاہ صاحب کا حق تلف کر کے غلام رسول شاہ پاک پتن میں گدی نشین ہوئے۔ فی الحقیقت یہ صاحب گدی کے وارث نہ تھے اور نہ ان کا کوئی حق تھا، نہ ہی اعلیٰ شاخ سے تھے۔ پیر عطاء اللہ شاہ صاحب اعلیٰ شاخ سے تھے اور اس گدی کی وارث اور حق دار اولاد عطاء اللہ شاہ صاحب ہے۔ ان میں سے موضع کھائی ضلع فیروز پور و ریاست فرید کوٹ خاص چلہ بابا فرید گنج شکر کے گدی نشین اب تک موجود ہیں اور ریاست فرید کوٹ میں جاگیردار ہیں۔

(نوٹ ۲)۔ بابا فرید شکر گنج سے شاہ و شیخ عطاء اللہ صاحب تک ان کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ پاک پتن شریف میں گدی نشین ہوتے چلے آئے ہیں۔

دیوان شاہ و شیخ عطاء اللہ شاہ

دیوان شاہ و شیخ غلام محمد الدین شاہ صاحب

دیوان شاہ و شیخ فخر الدین شاہ سیف اللہ ۱۴ اگست ۱۸۶۹ھ

شاہ شیخ مہر الٰہی شاہ صاحب	شاہ و شیخ خیر الدین شاہ صاحب	شاہ و شیخ فضل الدین شاہ صاحب
ان کی مزار مبارک فرید کوٹ خاص آستانہ چلہ بابا فرید گنج شکر میں موجود ہے	لاولد	لاولد ان کی مزار مبارک ریاست فرید کوٹ خاص آستانہ چلہ بابا فرید گنج شکر میں موجود ہے۔

شاہ و شیخ محمد غلام قادر شاہ صاحب

شاہ و شیخ محمد شاہ صاحب — حضرت قطب اقطاب معشوق الٰہی دیوان شاہ و شیخ شاہ محمد غوث صاحب مجدد الوقت سجادہ نشین چلہ حضرت بابا فرید صاحب فرید فرد گنج اغیاث ہند خاص ریاست فرید کوٹ جاگیردار

شاہ و شیخ محمد عقیل شاہ صاحب شاہ صاحب	شاہ و شیخ محمد عبدالرزاق خلیفہ اکبر شاہ صاحب	شاہ و شیخ نیاز علی	شاہ و شیخ شریف محمد شاہ	شاہ و شیخ غلام رسول	شاہ و شیخ محمد امین

شاہ و شیخ محمد الطاف حسین شاہ	شاہ و شیخ محمد اقبال شاہ	شاہ شیخ محمد اشرف شاہ	شاہ و شیخ

(در: اورینٹل کالج میگزین، فروری ۱۹۴۱ء، ص ۱۱۸-۱۲۷)

Marfat.com

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ

بابا فرید گنج شکرؒ، شیخ ابراہیم اور فرید ثانی

(اس مضمون کو ڈاکٹر موہن سنگھ صاحب نے بہت محنت سے مرتب کیا ہے۔ اس کے بعض حصے خصوصیت کے ساتھ ان اصحاب کے لیے اہمیت رکھتے ہیں، جو اصلی پنجابی متون سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ اس مضمون کو بغیر کسی قابل ذکر تصرف کے بجنسہٖ چھاپ دیا گیا۔ تا کہ مضمون نگار کا نقطۂ نظر پوری طرح سے واضح ہو۔ بعض اکابر صوفیہ کا ذکر اس طریق کے مطابق نہیں ہے، جو ہم میں متعارف ہیں مگر ایک غیر مسلم مضمون نگار اگر اس سے پوری طرح مانوس نہ ہو تو باعث تعجب نہیں ہونا چاہیے قارئین کرام سے توقع ہے کہ وہ ''خذ ما صفا'' پر عمل پیرا ہوں گے۔ ایڈیٹر ''میگزین'')

(۱) جس سوال کا حل مطلوب ہے، وہ یہ ہے کہ گورونانک کی ملاقات ان تین درویشوں میں سے کس سے ہوئی اور آدگرنتھ اور بابانانک کی جنم ساکھیوں میں جو کلام فرید سے منسوب ہے، وہ کس کا یا کن کن کا ہے۔

(۲) جن کتب سے ہم نے مندرجہ ذیل جواب کی ترتیب میں استناد کیا ہے وہ یہ ہیں:

الف۔ گورو گرنتھ صاحب کا قلمی نسخہ جو کرتار پور میں ہے، اور جس کے اختتام میں ۱۶۰۴ء ثبت ہے۔

ب۔ بابانانک کی ایک سوانح عمری جو پنجاب یونیورسٹی کے قلمی نسخہ ۴۱۴۱ میں شامل ہے۔ اس نسخہ کی تاریخ تحریر ۱۷۰۱ء ہے۔

ج۔ خلاصۃ التواریخ جو ۹۶۔۱۶۹۵ء میں تحریر ہوئی۔

د۔ کہیں کہیں ہم نے سیر الاولیاء، اخبار الاخیار، فوائد الفواد، تاریخ فرشتہ، آئین اکبری، اور تحقیقات چشتی سے استصواب کیا ہے اور اقتباسات لئے ہیں۔

(۳) بابانانک کا عہد حیات ۱۵۳۸ء۔۱۴۶۹ء ہے گورو امرداس تیسرے گورو کا ۱۵۷۴ء۔۱۴۷۹ء اور گورو ارجن دیو گورو گرنتھ صاحب کے مؤلف کا ۱۶۰۶ء۔۱۵۶۳ء۔

(۴) پہلے ہم شیخ فریدالدین ثانی سے نپٹ لیتے ہیں، خلاصۃ التواریخ (دہلی ۱۹۱۸ء) میں مرقوم ہے (صفحہ ۳۵-۳۴)

''سہرند، از شہر ہائے دیرین از اعمال سامانہ سلطان فیروز شاہ در زمان فرماں روائی خویش سنہ ہفت صد و شصت ہجری آں را از سامانہ جدا ساختہ پرگنہ علیحدہ مقرر ساخت و روز بروز آبادی و رونق آں زیادہ گشت، اگر چہ دراں خطہ بسیارے از نزدیکان درگاہ الٰہی خواب گاہ دارند اما از اولیائے زمان حال شیخ فریدالدین ثانی و شیخ محمد معصوم کابلی دراں شہر آسودہ

Marfat.com

اندوایں ہردو اولیاء ے عظام درزمان حضرت شاہ جہاں بادشاہ (۱۶۵۸ء۔۱۶۲۷ء) بہدایت خلائق کامرو ابودند وطوایف انام ارادت آوودہ بہرہ دینی ے اندوختند، اکنوں از اولادایشان سجادہ نشین ہستند۔''

(۵) اوپر کی تحریر سے ہم یہ استنباط کرتے ہیں کہ ۱۶۰۴ء میں تالیف شدہ آدگرنتھ میں جو کلام شیخ فرید کی طرف منسوب ہے وہ ان کا نہیں ہے اور نہ وہ شلوک جن پر تنقید کے رنگ میں نانک (۱۵۳۸ء۔۱۴۶۹ء) اور امرداس (۱۵۷۴ء۔۱۴۷۹ء) کے جوابی شلوک لکھے (جو نیچے درج ہوں گے) شیخ فرید ثانی کا کلام ہے (فرید ثانی کے زمانہ کے لیے دیکھو نمبر ۹ نیچے جہاں مزید تائیدی ثبوت دیا ہے۔)

(۶) ۱۷۰۱ء میں نقل شدہ جنم ساکھی (ب) میں یوں درج ہے (صفحات ۵۸۴/۲،۱۔۱/۵۸۹) ساکھی نمبر ۱۷

''راوی کے اس پار اور ویاہ (بیاس) کے آدھ میں ماجھہ کے بیچ میں جنگل ہیں، جنگل میں اُتراہ (تیراہی؟) پٹھانوں کے گاؤں تھے، اُن میں بابا نانک آنکلا، دوتین کوس تک اُجاڑ تھی۔ وہاں کے پٹھانوں کا پیر بابا فرید تھا، فرید کے تخت پر براہم (ابراہیم) بالا راجہ تھا۔ اس کا مرید لکڑیاں چننے کے لیے آیا ہوا تھا۔ کامل درویش، خبردار، خدا کا پیارا۔ پیر کے حکم کے مطابق لکڑیاں چننے کے لیے آیا تھا۔ اس اُجاڑ میں باباجی بیٹھے تھے، مردانہ رباب بجار ہا تھا، مردانہ نے سلوک پڑھا ------''

(۷) انڈیا آفس، لندن، کے ایک قلمی نسخہ کی ایک فوٹو رنگوگراف کردہ جلد (ڈیرہ دون ۱۸۸۵ء) یونیورسٹی لائبریری، لاہور میں ہے، اس جنم ساکھی (د) بابا نانک کو سترہویں صدی عیسوی کے نصف اول کی تصنیف قرار دیا جاتا ہے، اس میں لکھا ہے، (صفحہ ۲۱۴-۲۱۶)

''راوی چناؤ (چناب) دیکھ کر اجاڑ میں سے ہو کر چلا، پٹن دیس میں آنکلا، پٹن سے تین کوس پر اُجاڑ تھی، وہاں آ بیٹھا، مردانہ ساتھ تھا، پٹن کا پیر شیخ فرید تھا، اس کے تخت پر شیخ برہم (ابراہیم) تھا اُس کا ایک مرید صبح کے وقت لکڑیاں چننے آیا تھا، اس کا نام شیخ کمال تھا۔''

کامل درویش کے بجائے اس نسخہ میں شیخ کمال تحریر ہے (دیکھو نمبر ۳۶ ب نیچے)

(۸) بھائی گورداس بھلہ کی تاریخ وفات ۱۶۳۷ء ہے۔ ۱۵۷۹ء میں اس نے سکھ دھرم قبول کیا۔ اس کے قلم سے ایک وار ہے، جو حالات نانک پر مشتمل ہے۔ اُس وار میں یوں لکھا ہے (وار نمبر ۱۔ پوڑی نمبر ۴۴) اچل وٹالہ (ضلع گورداسپور) کے میلے سے بابا ملتان کی زیارت کے لیے گیا، وہاں ملتان کا پیر دودھ کا کٹورا بھر کر لایا، بابا نے بغل سے چنبیلی کا پھول نکال کر دودھ سے لبالب بھرے کٹورے کے اوپر رکھ دیا، ملتان کی زیارت کر کے بابا کرتار پور آ آیا۔

(۹) بابا فرید گنج شکر کی تاریخ وفات مختلف کتابوں میں مختلف لکھی گئی ہے۔ بیل (اوری انٹیل بایوگرفیز) ۱۲۶۵ء، تسلیم کرتا ہے اور صاحب ''خلاصۃ التواریخ'' روز شنبہ پنجم محرم سال شش صد وشصت وہفت ہجری یا ۱۲۶۴ء۔ گیانی لدھا سنگھ فرید کوٹی نے ''اورینٹل کالج میگزین'' بابت فروری ۱۹۳۳ء میں ایک مضمون شائع کیا تھا، اس میں اس نے شیخ فرید کا شجرہ دیا ہے۔ لکھا ہے کہ یہ شجرہ شیخ شاہ محمد غوث سے جو اس وقت چلہ بابا فرید گنج شکر واقعہ ریاست فرید کوٹ میں گدی نشین میں، حاصل ہوا۔ اس شجرہ (بنساولی) کی رُو سے شیخ ابراہیم دسویں پشت متصور ہوتے ہیں، اگر فی کس ۲۵ برس کی میعاد زیست

Marfat.com

تعین کریں تو ابراہیم کا زمانہ بابا گنج شکر کی تاریخ وفات سے ۲۲۵ برس بعد قرار پاتا ہے۔ یعنی ۱۲۶۵ء+ ۲۲۵ یا ۱۴۹۰ء کے قریب قریب شروع ہوتا ہے اور یہ زمانہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ جنم ساکھی قلمی محررہ ۱۰۷ اء کے مطابق گورونانک اپنے پہلے سفر کے دوران میں دوآبہ باری کے علاقوں کی سیاحت کر چکے تھے۔

(۱۰) پس ہماری رائے میں بابا نانک کے ہم عصر شیخ براہم یا ابراہیم تھے، انہی سے نانک کی ملاقات ہوئی اور نانک کو شاید پہلے پہل انہی سے وہ کلام ملا جس کے متعلق تحقیق کا ہم اب آغاز کرتے ہیں۔ اس نظریہ کی تائید میں وہ شجرہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے جو پاک پٹن کے گدی نشینوں کے قول کے مطابق ہے (دیکھو نمبر ۳۶ ب نیچے) اس فہرست میں شیخ ابراہیم کی گدی نشینی کی تاریخ ۹۴۰ھ (۱۵۳۳ء) ہے، گورد صاحب اس وقت حیات تھے۔

(۱۱) اوپر ہم کنایتہً عرض کر چکے ہیں کہ نانک اور امرداس ہر دو کو فرید سے منسوب کلام سے اظہار اختلاف کرنا پڑا اور طرفین کے شلوک پڑھنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ نانک اور امرداس کا کلام ''جوابی'' ہے۔

(۱۲) رہی یہ بات کہ کیا وہ کلام تحریر کی صورت میں نانک اور امرداس تک پہنچا یا کسی کی زبان سے جس کلام کے مضمون سے انہوں نے اختلاف رائے کی بنا پر جوابی شلوک کہے یا کہ وہ کلام خود مصنف کی زبان سے اُن تک پہنچا، کیا وہ اشعار جو جنم ساکھی ب میں شیخ ابراہیم نے نانک سے کہے لکھے ہیں وہ خود شیخ ابراہیم کے تھے یا اس گدی کے قائم کرنے والے فرید کے تھے۔ بہر کیف اگر جنم ساکھی اور آدگرنتھ دونوں میں درج اشعار میں فرید کا نام موجود ہے تو ہمیں یہ شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ خود ابراہیم کے بھی ہو سکتے ہیں۔

(۱۳) اب ہم جنم ساکھی ب کے اشعار کو لیتے ہیں اور نمبر ۱۴ میں انہی اشعار کی اس صورت کو لیں گے جس میں وہ شری گورو گرنتھ صاحب مؤلفہ ۱۶۰۴ء میں درج ہو چکے تھے۔

(۱) نانک — جنم ساکھی ب

آپے پٹی، قلم آپ، اپر لیکھ بھی توں
ایکو کہئے نانکا دوجا کاہے کوں

(۲) شیخ ابراہیم

اک صاحب تے ڈوہ ہادی
ہوں کیہڑا سیوی (یں) تے کیڑ اردی (یں)

(۳) نانک

ہک صاحب ہکا حد، ہکو سیویں دوجے رد
ودجا کاہے سریئے جمے تے مرجائے — ہکو سمرو نانکا جل تھل رہیا سمائے

(۴) ابراہیم

پاڑ پٹولا دھج کریں کملڑی پہراں — جنی ویسیں بہہ ملے ہوں سیسی دیس کراں

(۵) نانک

کاہے پٹولا دھج کریں کمل پہریں کائے
گھر ہی بیٹھیاں سہہ ملے جے چت رکھیں
ٹھائے گھر ہی مندھ ودیس پرنت سار سمالے
نانک ملایاں ڈھل نہ ہووئی جے نیت راس کرئے۔

(۶) ابراہیم

تنڈھی تھی نہ راو یاوڈی تھی گیاس

Marfat.com

دھن کو کیندی گور پئی تے سہہ نہ ملیاس

(۷) نانک
محل کچجی مروڑی کالی منوں کدھ
جے گنڑ ہودن تاں پرونے نانک اوگن مندھ

(۸) ابراہیم کچجی
کون سوا کھر کون گن سونیاں منت
کون سویس میں کریں جت وس آوی کنت

(۹)
نون سوا کھر کھون گن عبیا منیاں منت
یہ ترے بھینیں ویس کریں تاں وس آوی کنت
سیوا کرے جو کنت کی کنت تسی کا ہوئے
گر بی کنت نہ پایئے بھاویں کھری سوالیو ہوئے
سیوا ساتس بھاوسی جا کوں ندر کرئے
نانک سبھے سیہاں پلرے کنت تسی کا ہوئے

جنم ساکھی (د) میں اوپر ہی کی عبارات ہیں۔

(۱۴) شلوک نمبر ۶ گورو گرنتھ صاحب میں یوں ہے:

فرید انڈھی کنت نہ راویو وڈی تھی مئیاس
دھن کو کیندی گور میں تیس سہہ ناں ملیاس

نمبر ۴ یوں ہے:

فرید پاڑ پٹولا دھج کریں کنبلڑی پہریوں
جنی ویسیں سہہ ملے سے ای دیس کریوں

نمبر ۵ جو نمبر ۴ کا جواب ہے، وہ گورو نانک دیو سے نہیں بلکہ گورو امرداس (۱۴۷۹-۱۵۷۴) سے منسوب ہے۔ اس جوابی شلوک کے پہلے محلہ ۳ لکھا ہے۔ نیز جوابی کلام نمبر ۵ کا دوسرا شلوک گورو گرنتھ صاحب میں پہلے شلوک کے ساتھ درج نہیں۔ دوسرا شلوک کہاں پر ہے یہ میں ابھی تک معلوم نہیں کر سکا۔

یہی شلوک کبیر کے مجموعہ کلام میں معمولی اختلاف کے ساتھ ملتا ہے (دیکھو میری انگریزی کتاب ''کبیر اینڈ دی بھگتی مومنٹ''۔)

نمبر ۸ اور نمبر ۹ کے متعلق یوں ہے کہ نمبر ۹ کا دوسرا اور تیسرا شلوک پہلے کے ساتھ گورو گرنتھ صاحب میں درج نہیں، اور نمبر ۸ بالکل وہی عبارت ہے، فرید لفظ دونوں مجموعوں میں نہیں، نہ ہی گورو گرنتھ صاحب کے مطابق سوال و جواب دونوں میں نانک ہی کا نام ہے۔ اگرچہ نمبر ۸ سالم اور نمبر ۹ کا پہلا شلوک ''سلوکِ فرید جی'' کے عنوان سے درج ہیں۔

(۱۵) گورو گرنتھ صاحب میں اس طرح کے اختلافی اور جوابی شلوک ایک طرف فرید کے علاوہ کبیر سے بھی متعلق ہیں، اور دوسری طرف نانک اور امرداس کے علاوہ گورو ارجن دیو مؤلف آدگرنتھ کے قلم سے بھی موجود ہیں، ذیل کی

Marfat.com

اطلاعات معنوی اور تاریخی اعتبار سے نہایت مفید اور دلچسپ ہیں:۔

فریدکالی جنیں نہ راویا دھولی راوے کوئے　　کرسائیں سیوں پرہڑی رنگ نویلا ہوئے

گوروامرداس:۔

فریداکالی دھولی صاحب سدا ہے جے کو چت کریئے　　آپنالائیاں پرم نہ لگ ای جے لوچے سبھ کوئے

ایہہ پرم پیالہ خصم کا جیں بھاوے تیں دیئے

فرید:

فریدرتی رت نہ نکلے جے تن چیرے کوئے　　جوتن رتے رب سیوں تن تن رت نہ ہوئے

گوروامرداس:

ایہ تن سنھورت ہے رت بن تن نہ ہوئے

جوسہہ رتے آپنے تت تن لوبھ رت نہ ہوئے

بھے پئے تن کھین ہوئے لوبھ رت وچوں جائے

جیوں بسنیتر دھات سدھ ہوئے تیوں ہر کا بھو ورمت میل گوائے

نانک تے جن سوہنے جے رتے ہر رنگ لائے

فرید:

فریداپاڑپٹولا دھج کریں کنبلڑی بہرے اوں　　جنی ویسیں سہہ ملے سے ای ویس کرے اوں

گوروامرداس:

کائے پٹولا پاڑتی کنبلڑی پہریئے　　نانک گھر ہی بیٹھیاں سہہ ملے جے نیت راس کریئے

فرید:

فریدامن میدان کرٹوٹے ٹبے لاہ　　اگے مول نہ آوسی دوزک سندی بھاہ

گوروارجن دیو:

فریداخالق خلق میں خلق وسے رب ماہیں　　منداکسنوں آکھئے جاں تس بن کوئی ناہیں

فرید:۔فریدامیں جاپناڈکھ مجھکوں ڈکھ سباہئے جگ　　اوچے چڑھ کے دیکھیاں تاں گھر گھر ایہا اگ

گوروارجن دیو:

فریدا بھوم رنگاولی منجھ وسولا باگ　　جوجن پیرنوازیا تناں انچ نہ لاگ

گوروارجن دیو:

فریداا گرب جناں وڈیایاں دھن جوبن آگاہ　　خالی چلے دھنی سیوں ٹبے جیوں میہاہ

گوروارجن دیو:۔

فریداکنت رنگاولا وڈاوے محتاج　　اللہ سیتی رتیاں ایہہ سچاواں ساج

Marfat.com

فریدا دُکھ سکھ اک کر دل تے لا وکار اللہ بھاوے سو بھلا تاں لبھی دربار
فریدا دنی وجائی وجدی توں بھی وجیں نال سوئی جیوناں وجدا جس اللہ کروا سار
فریدا ول دتا اس دُنی سیوں دنی نہ کتے کم ثل فقیراں گا کھڑی سو پایئے پور کرم (شلوک نمبر ۱۱۱)

(۱۶) گورو گرنتھ صاحب میں شلوک نمبر ۱۱۲، ۱۱۳، جہاں سلوک فرید جی کے عنوان کے نیچے درج ہیں، وہاں وہ گورونانک کی بانی کے نیچے بھی کسی دوسری جگہ گورو گرنتھ صاحب میں درج ہیں۔

(۱۷) شلوک نمبر ۱۱۸ میں فرید کا نام موجود ہے۔

(۱۸) شلوک نمبر ۱۱۴ سے لے کر ۱۳۰ تک سوائے شلوک نمبر ۱۱۸ کے جس میں فرید کا نام ہے اور ۱۲۱ کے جس میں نانک آتا ہے باقی سب میں نہ نانک آتا ہے نہ فرید۔

(۱۹) جنم ساکھی ب کے مطابق ۱۲۶ شیخ ابراہیم نے کہا اور ۱۲۷ اس کے جواب میں بابا نانک نے کہا:

(۲۰) پڑھنے والوں پر یہ پوشیدہ نہ رہے کہ فرید سے منسوب شلوکوں میں ہر ایک میں فرید نہیں آیا

مثلاً! نمبر ۳۔۵، ۲۵، ۳۰، ۳۱، ۴۰، ۴۵، ۶۴، ۶۵، ۷۲، ۷۷، ۸۴، ۸۶، ۹۱، ۹۲، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰ میں فرید کا نام نہیں۔ اگرچہ ذیل کے شلوک گورونانک، گورو امرداس یا گورو ارجن دیو سے منسوب ہیں، مگر ان میں فرید کا نام آتا ہے، بطور خطاب مخاطب کے: ۱۳، ۷۵، ۸۲، ۸۳، ۱۰۵، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱

(۲۱) ذیل کے شلوک جوابی معلوم ہوتے ہیں، جوابی اشعار میں کہیں نانک کا نام ہے، کہیں نہیں، اُن پر محلہ یعنی کس گورو کی تصنیف ہے، درج نہیں۔ ان کو پہلے گورونانک ہی سے منسوب کیا جانا چاہیے، یہ اطلاع جنم ساکھیوں کی اطلاعوں پر اضافہ سمجھیے۔

فرید۔۳۱ سہرے ڈھوئی ناں لہے پیئے ناہیں تھاؤں
پروانڑی نہ پچھئی دھن سوہاگن ناؤں

نانک۔۳۲ ساہرے پئے کنت کی کنت اگم اتھاہ
نانک سوسہاگنی جو بھاوے بے پرواہ

فرید۔۶۴ کلر کیری چھپڑی آئے اُلتھے ہنجھ
چنجو بوڑن نال پیویں اُڈن سندی ڈنجھ

نانک۔۶۵ ہنس اُوڑ کودھرے پیا لوک وڈارن جائے
گہلا لوک نہ جاندا ہنس، نہ کودھرا کھائے

فرید۔۸۵ فریدا ڈکھاں سیتی دیہہ گیا سولاں سیتی رات
کھڑا پکارے پاتنی بیڑا کپڑ وات

Marfat.com

نانک ۔۸۶ لمی لمی ندی وہے کندھیں کیرے ہیت
بیڑے نوں کپر کیا کرے جے پاتن رہے سچیت

فرید۔۹۱ کاگر کرنگ ڈھڈولیا سگلا کھایا ماس
اے دوئے نیناں مت چھوہو پر دیکھن کی آس

نانک ۔۹۲ کاگا چونڈ نہ پنجرا بسے تاں اُڈر جاہیں
جت پنجرے میرا سہہ وسے ماس نہ تدو کھاہیں

فرید۔۱۱۲ پہلے پہرے پھلڑا پھل بھی پچھارات
جو جاگن لہن سے سائیں کنوں دات

نانک ۔۱۱۳ داتیں صاحب سندیاں کیا چلے تس نال
اک جاگیندے ناں لہن اکناں ستیاں دیئے اُٹھال

فرید۔۱۱۹ تن تپے تنور جیوں بالن ھڈ بلن
پیریں تھکاں سر جلاں جے مونہہ پری ملن

نانک ۔۱۲۰ تن نہ تپائے تنور جیوں بالن ھڈ نہ بال
سر پیریں کیا پھیڑیا اندر پری نہال

فرید۔۱۲۱ ہوں ڈھونڈیندی سجناں سجن میںڈے نال
نانک الکھ نہ لکھے گورمکھ دیئے وکھال

فرید۔۱۲۲ ہنساں ویکھ ترندیاں بگاں آیا چاؤ
ڈب روے بگ بپڑے سرتل اُچاؤ

فرید۔۱۲۳ میں جانیاں وڈ ہنس ہے تاں میں کیا سنگ
جے جاناں بگ بپڑا جنم نہ بھیڑیں اگ

نانک ۱۲۴ کیا ہنس کیا بگلا جا کوں ندر دھرے
جے تس بھاوے نانکا کاگوں ہنس کرے

فرید۔۱۲۹ اک پھکاناں گالائے سبھناں میں سچا دھنی
حیاؤ نہ کہی ٹھاہ مانک سبھا مولویں

نانک ۔۱۳۰ سبھناں من مانک ٹھاہن مول مچانگواں
جے تو پرٔیا دی سک حیاو یہ ٹھاہے کہیں دا

(۲۲) اپنی اس رائے کی تائید میں کہ "شلوک شیخ فرید کے" کے نیچے جو شلوک گورو گرنتھ صاحب میں درج ہیں' اُن میں سے کچھ شلوک جن میں نانک کا نام نہیں آتا اور جن کا مضمون جوابی رنگ میں ڈوبا ہوا ہے، ضرور نانک، پہلے گورد کے

Marfat.com

ہیں۔ ہم ذیل کی اطلاع پیش کرتے ہیں اور اس ثبوت کی طرف سکھ صاحبان کی توجہ بھی دلاتے ہیں۔

گورو گرنتھ صاحب میں ''سلوک واراں تے ودھیک'' کے عنوان کے نیچے ذیل کے شلوک گورو نانک دیو کی تصنیف سے درج ہیں، یہی شلوک پھر ''شلوک شیخ فرید کے'' کے نیچے درج ہیں۔

تن نہ تپائے تنور جیون بالن ہڈ نہ بال

سر پیریں کیا پھیڑیا اندر پری سمال، ۱۸

سبھنیں گھٹیں سہہ وسے سہہ بن گھٹ نہ کوئے

نانک تے سوہاگنی جناں گورمکھ پرگٹ ہوئے، ۱۹

نمبر ۱۸ ''سلوک شیخ فرید کے میں نمبر ۱۲۰ ہے اور فرد کے نمبر ۱۱۹ کے جواب میں سری اگ وار میں گورو نانک صاحب کے قلم سے مترشح بتایا گیا ہے۔

واتیں صاحب سندیاں کیا چلے تس نال اک جاگندے نال لہن اکناں ستیاں دیئے اٹھال

یہی شلوک ''سلوک شیخ فرید کے'' کے نیچے نمبر ۱۱۳ ہے یعنی فرید کے نمبر ۱۱۲ کا جواب۔ اسی سری راگ وار میں گورو نانک دیو کا یہ شلوک ہے۔

کیا ہنس کیا بگلا جاں کوں ندر کرے جوتس بھاوے نانکا کاگوں ہنس کرے

''یہ سلوک شیخ فرید کے'' میں نمبر ۱۲۴ ہے، فرید کے نمبر ۱۲۳ کے جواب میں۔

(۲۲) جنم ساکھی منقول ۱۰۱۷ء میں شیخ ابراہیم اور گورو نانک کے درمیان گفتگو کے سلسلہ میں منسلک اشعار پر ایک نظر پھر دوڑائی جاتی ہے (دیکھو نمبر ۱۱۳ اوپر)

آپے پٹی قلم آپ، اُپر لیکھ بھی توں اکو کہیے نانکا دوجا کاہے کوں

یہ گورو گرنتھ صاحب میں ایک جگہ تحریر ہے، وار راگ ملار میں۔

شیخ ابراہیم کا دوسرا منظوم سوال یا بیان کبیر سے بھی منسوب ہے، گورو گرنتھ صاحب میں یہ ''سلوک شیخ فرید کے'' کے نیچے درج ہے اور وہاں پر لفظ ''فریدا'' شروع میں ہے یعنی یہ شعر شیخ فرید کا ہے نہ کہ شیخ ابراہیم کی تصنیف۔ نمبر اس کا ۱۰۳ ہے مگر بخلاف جنم ساکھی کے، اس کا جواب نانک کی تصنیف نہیں، بلکہ تیسرے گورو امرداس صاحب کے قلم سے ہے اور الفاظ شلوک کے گورو گرنتھ صاحب میں جنم ساکھی کے الفاظ سے مختلف ہیں، گورو گرنتھ صاحب میں اس کا نمبر ۱۰۴ ہے۔ شلوک یوں ہے امرداس جی کا:۔

کاہے پٹولا پاڑتی کنبلڑی پہریئے نانک گھر ہی میٹھیاں سہہ ملے جے نیت راس کریئے

چار کے بجائے دو ہی مصرعے ہیں۔

شیخ ابراہیم کا کہا ہوا تیسرا شلوک بھی گورو گرنتھ صاحب کے مطابق فرید کا شلوک ہے۔ شروع میں فریدا ہے۔ وہاں اس کا نمبر ۵۴ ہے اور عبارت قدرے مختلف ہے جنم ساکھی ہے۔

فریدا انڈھیس کنت نہ راو یوو ڈی تھی مونیا سی

Marfat.com

دھن کو کیندی گور میں تیں سہہ ناں ملیاس

اس کا جواب نانک کی طرف سے ''سلوک فرید'' کے نیچے درج نہیں، بلکہ گورو گرنتھ صاحب میں راگ مارو کی وار میں تحریر ہے، جس کی عبارت یوں ہے:

محل کچی مڑوڑی کالی منوں کدھ

جے گن ہوون تا پرروئے نانک اوگن مندھ

جنم ساکھی اور گورو گرنتھ صاحب میں کوئی فرق نہیں۔

شیخ ابراہیم کا کہا ہوا چوتھا شلوک گورو گرنتھ صاحب میں نمبر ۱۲۶ ''سلوک شیخ فرید کے'' کے نیچے درج ہے' ذرا سے اختلاف الفاظ کے ساتھ:۔

کون سوا کھر کون کن کون سونیاں منت　　　　کون سو ویسو ہوں کریں جت وس آوے کنت

مگر فرید کا نام اس میں نہیں۔ اس سے یقینی طور پر کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ یہ کس کا شلوک ہے۔ اس کے جواب میں شلوک نمبر ۱۲۷ گورو گرنتھ صاحب میں اوپر کے شلوک کے بعد درج ہے، مگر اس میں نانک کا نام نہیں اور جنم ساکھی کے برخلاف چھ مصرعے نہیں، صرف دو ہی مصرعوں کا ایک شلوک ہے:

نون سوا کھر کھون گن جیہبا منیاں منت　　　　اے ترے بھینیں ویس کہ تاوس آوی کنت

(۲۴) ہم نے اوپر دیکھا کہ گورو گرنتھ صاحب میں کس قدر احتیاط' تحقیق اور جامعیت سے کام لیا گیا ہے۔ ''سلوک شیخ فرید کے'' کے زیرِ عنوان جو جوابی شلوک سکھ گورو صاحبان کے درج ہوئے، اُنہیں گورو صاحبان کی بانی میں مختلف راگوں کے نیچے دوسری جگہوں پر گورو گرنتھ صاحب میں درج کر دیا تا کہ شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ مثال کے طور پر گورو ارجن دیو جی نے فرید کے شلوکوں کے جواب میں چند ایسے بھی شلوک کہے جن میں فرید سے خطاب تھا، یعنی شروع میں لفظ فرید آتا تھا۔ اس سے یہ شک گذر سکتا تھا، کہ شاید یہ جوابی شلوک خود فرید ہی کے ہوں۔ گورو صاحب نے اپنے یہ جوابی شلوک فرید الفظ والے، اپنے کلام میں کسی دوسری جگہ درج کر دیئے، تا کہ پڑھنے والوں کو دھوکا نہ ہو۔ یہی برتاؤ کبیر کے جواب میں کہے۔ اپنے شلوکوں سے گورو ارجن دیو نے کیا۔ ایسے شلوکوں سے جن سے کبیر سے خطاب کی وجہ سے لفظ کبیرا شروع میں رکھا تھا، مگر ساتھ ہی اس بات کا احساس کر لیا تھا کہ اغلب ہے کہ پڑھنے والے اس شلوک کو کبیر کی اپنی تصنیف مان لیں۔

بابا فرید کا ایک غضب کا مؤثر شلوک تھا:۔

فریدا میں جانیا دُکھ مجھ کو دُکھ سبایے جگ　　　　اوچے چڑھ کے ویکھیا تا گھر گھر ایہا اگ

اُس کے جواب میں گورو ارجن دیو نے لکھا:۔

فریدا بھوم رنگاولی منجھ سولا باگ

جو جن پیر نوجیا تناں انچ نہ لاگ

''سلوک شیخ فرید کے''، میں بھی اس شلوک کے پہلے محلہ ۵ لکھ دیا اور اس شلوک کو الگ بھی رام کلی کی وار میں درج

کر دیا۔ یہی حال نیچے کے شلوک سے کیا، جو فرید کے ایک دوسرے شلوک کے جواب میں کہا تھا۔

گورو ارجن دیو:۔

فرید عمر سہاوڑی سنگ سوئری دیہہ ورلے کے ای پائین جنہاں پیارے نیہہ

یہی بات گورو امر دیو کے جوابی شلوکوں کے متعلق گورو گرنتھ صاحب میں واضح کر دی گئی ہے۔

بابا فرید کا شلوک نمبر ۵۱ ہے جس کے جواب میں گورو امر داس جی نے اشعار نمبر ۵۲ کہے۔ وہ جوابی اشعار ''سلوک شیخ فرید'' کے نیچے بھی درج ہیں اور رام کلی کی وار میں بھی تحریر ہیں۔ گورو امر داس جی کی دوسری بانی کے ساتھ۔

(۲۵) اوپر کے ثبوتوں سے یہ واضح ہوا کہ گورو گرنتھ صاحب میں درج ''شلوک شیخ فرید کے'' کسی مسلمان درویش فرید کے تھے، جو گورو نانک دیو (۱۵۴۸ء- ۱۴۶۹ء) گورو امرداس (۱۵۷۴ء-۱۴۷۹ء) اور گورو ارجن دیو (۱۶۰۶ء-۱۵۶۳ء) کے زیر مطالعہ رہے۔ یہ شلوک نہ شیخ ابراہیم کے ہیں نہ ہی فرید ثانی کے۔ جس کسی درویش کے ہیں وہ فرید ۱۴۶۹ء سے پہلے گذر چکا تھا۔ پندرہویں صدی یا اس سے پہلے کے ایک مسلمان فقیر کا ملتانی زبان کا کلام ہر لحاظ سے زیادہ سے زیادہ تحقیق، توجہ اور تحسین کا مستحق ہے۔

(۲۶) یہاں تک تو ہم نے شلوکوں ہی کا ذکر کیا ہے۔ گورو گرنتھ صاحب میں فرید کا اور کلام بھی ہے جس کی طرف مسلمان محققوں کی توجہ اب تک مبذول نہیں ہوئی۔ شمالی ہندوستان میں ہندی اور اُردو زبانوں کے ارتقا اور ترویج اور تعمیر پر اس فرید کے کلام سے کافی سے زیادہ روشنی پڑ سکتی ہے۔

فرید کی دوسری بانی تین راگوں کے نیچے گورو گرنتھ صاحب میں درج ہے۔ اب تک ہم شلوک ملاحظہ کرتے رہے ہیں۔ اس شلوک کو دوہا اور ساکھی بھی کہا گیا ہے، جیسے کبیر کے دوہے جنہیں خود کبیر ساکھیاں کہتا ہے۔ دوہے کے علاوہ ایک اور نظمی صورت ہے، جسے پادیا پدیا شبد یا بشن پدا کہتے آئے ہیں اور جو شلوک کے ساتھ خاص و عام میں مقبول و منظور ہوئی۔ اس شبد کے اجزائے تعمیر ان نمونوں سے ہویدا ہوں گے۔

راگ آسا، شبد نمبرا

(آسا راگ میں ملتانی کلام نہایت کثرت سے لکھا جاتا ہے، یہ راگ اس علاقہ سے خاص نسبت رکھتا ہے اور بیشتر اس راگ میں کہی ہوئی چیزوں میں ملتانی کا عنصر غالب ہے جیسا کہ گورو گرنتھ صاحب میں درج سکھ گوروؤں کے کلام سے ظاہر ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ ہر ایک راگ کا جس طرح خاص خاص مضمون سے تعلق ہے، اسی طرح خاص تعلق خاص بولی، خاص علاقہ یا دیس، خاص وقت اور خاص عروضی صورت سے بھی ہے)

آسا شیخ فرید جیو کی بانی

دلوں محبت جنہہ سیئی سچیا جنہہ من ہور مکھ ہور سے کانڈھے کچیا (۱)

رتے عشق خدائے رنگ دیدار کے وسریا جنہہ نام تے بھوئے بھار تھئے (۱)

رہاؤ

آپ لیے لڑ لائے در درویش سے تنہہ دھن جنیدی ماؤ آئے سپھل سے (۲)

Marfat.com

پروردگار اپار اگم بے انت توں	جنہاں پچھاتا سچ چماں پیر موں (۳)
تیری پنہ خدائے توں بخشند گی	شیخ فرید خیر دیجے بندگی (۴)

نمبر۲ آسا

بولئے شیخ فرید پیارے اللہ لگے ۹ ایہ تن ہوسی خاک نمانی گور گھرے (۱)

آج ملاوا شیخ فرید ٹاکم کونجڑیاں منوں مچندڑیاں (۱)

رہاؤ

جے جاناں مرجایئے گھم نہ آیئے	جھوٹھی دُنیا لگ نہ آپ ونجایئے (۲)
بولئے سچ دھرم جھوٹھ نہ بولئے	جو گور دسّے واٹ مریداں جولئے (۳)
چھیل لنگھندے پار گوری من دھیریا	کنچن ونے پاسے کلوت چیریا (۴)
شیخ حیاتی جگ نہ کوئی تھر رہیا	جس آس ہم بیٹھے کیتے بیس گیا (۵)
کتک کونجاں چیت ڈوساون بجلیاں	سیالے سوہندیاں پر گل بانہڑیاں (۶)
چلے چلن ہار وچارا لئے منوں	گنڈھیندیاں چھ ماہ تڑندیاں ہک کھنو (۷)
جمیں پچھے اسمان فریدا کھیوٹ کن گئے	جالن گوراں نال اُلامے جی سہے (۸)

راگ سوہی

(جو کچھ آسا راگ کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے اس کا اطلاق راگ سوہی پر بھی سمجھنا چاہیے)

شبد نمبر۳ راگ سوہی بانی شیخ فرید جی کی

تپ تپ لوہ لوہ ہاتھ مروروں	باول ہوئی سو سہہ لوروں
تیں سہہ من میں کیا روس	مجھ اوگن سہہ ناہی دوس (۱)
تیں صاحب کی میں سار نہ جانی	جوبن کھوئے پاچھے پچھتانی (۱)

رہاؤ

کالی کوئل توں کت گن کالی	اپنے پریتم کے ہوں برہے جالی
پریں بھونی کت سکھ پائے	جا ہوئے کرپال تال پربھو ملائے (۲)
ودھن کھوہی مندھ اکیلی	ناں کو ساتھی ناں کو بیلی
کر کر پار پربھ سادھ سنگ میلی	جال پھر ویکھاں تاں میرا اللہ بیلی (۳)
واٹ ہماری کھری اڈینی	کھنیوں تکھی بہت پئینی
اُس اوپر ہے مارگ میرا	شیخ فرید پنتھ سہارا سویرا

نمبر۴ سوہی للت

بیڑا بندھ نہ سکیو بندھن کی ویلا	بھر سرور جب اوچھلے تب ترن دُہیلا (۱)

ہتھ نہ لائے کسنبھڑے جل جاسی ڈھولا (۱)

رہاؤ

اک آپی نے پتلی سہہ کیرے بولا ‫ ‫ ددھا تھنیں نہ آوئی پھر ہوئے نہ میلا (۲)

کہے فرید سہیلیو سہہ لائسی ‫ ‫ ہنس چلسی ڈمناں ایہ تن ڈھیری تھیسی (۳)

(۲۷) کیا یہ شیخ فرید جس کا کلام اوپر درج ہوا، اور جو گورو نانک سے پہلے ہو چکا تھا، شیخ بابا فریدالدین گنج شکر اجودھنی یا پٹنی ہے؟

اس سوال کا فیصلہ کرنے کے لئے ہمیں کلام شیخ فرید مندرجہ گورو گرنتھ صاحب کے مضامین اور زبان دونوں پر غور کرنا ہوگا اور اس بات کا جواب بھی دینا ہوگا کہ کیا فرید گنج شکر کے زمانہ سے پہلے یا اسی عصر میں کسی اور مصنف نے پنجابی (لاہوری، ملتانی وغیرہ) میں کوئی نظم ونثر تصنیف کی؟ کیا شیخ فرید کا کلام ملتانی ہے؟ کیا اس کلام کی اندرونی مضمونی شہادت ایسی ہے، جو فرید کے حالات، عادات، خیالات سے جو تذکروں میں درج ہیں، کوئی تطابق رکھتی ہے؟ کیا گورو نانک، گورو امرداس، گورو ارجن دیو کو بابا فرید گنج شکرؒ کے کچھ حالات معلوم تھے؟ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے دوسرے نامور، معروف بھگتوں کے کلام کے جمع کرنے میں نہایت تحقیق اور تدقیق اور احتیاط سے کام لیا ہے، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ فریدالدین ملقب بہ گنج شکرؒ المشہور بابا فرید یا شیخ فرید کے کلام کے جمع کرنے میں بھی اسی احتیاط اور تجسس کو روا رکھا ہوگا؟ کیا گورو نانک کو جو کہ ملتان اور پٹن وغیرہ علاقوں میں کافی دیر تک سیاحت کرتے رہے، یہ معلوم نہ تھا کہ اُن اطراف میں فریدالدین گنج شکر بابا فرید کے نام سے مشہور ہے اور ان شیخ بابا فرید کا کلام لوگوں کی زبانوں پر ہے؟ کیا اس بات کا امکان نہیں ہے کہ بابا نانک نے بابا فرید کا کچھ کلام فرید کے جانشین یا خلیفہ ابراہیم سے حاصل کیا ہو؟

ہوسکتا ہے کہ کچھ کلام گورو امرداس نے بھی جو نانک سے دس ہی برس بعد تولد ہوئے اور جنہوں نے بابا سے انتیس برس بعد رحلت فرمائی' جمع کیا یا کچھ اشعار گورو ارجن دیو نے گورو گرنتھ صاحب کی تالیف وترتیب کے وقت بہم پہنچائے ہوں؟

(۲۸) پہلے ہم بابا فریدالدین ملقب بہ گنج شکر کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد کلام شیخ فرید کل کا کل درج کریں گے معہ اُردو ترجمہ کے، پھر مقابلہ کریں گے کہ کیا یہ کلام بابا فرید گنج شکر کا ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد کلام کی لسانی خصوصیات پر غور کریں گے۔ سارے کلام کا انڈکس تیار کریں گے۔ آخر میں فرید کے عہد سے پہلے کے مصنفین اور اس کے قریبی معاصر اور بعد میں آنے والے شعرا کا کچھ ذکر معہ مضمون ولسانی مقابلہ کے کریں گے۔

پرنسپل محمد شفیع صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ حالات بابا فرید کے لیے ''سیر الاولیاء'' کو دوسرے تذکروں پر ترجیح دینی چاہیے، یہ تذکرہ مولانا میر خورد خلیفہ حضرت سلطان المشائخ نے ۸۰۰ھ (۱۳۹۷ء) میں تصنیف کیا۔ اس تذکرہ کے بیانات کی تائید وتردید کے لئے ہم ''تاریخ فرشتہ'' اور ''فوائد الفواد'' (امیر حسن) سے مدد لے سکتے ہیں۔ ''سیر الاولیا'' لالہ چرنجی لال جینی رئیس قدیم درگاہ حضرت نظام الدین اولیا واقع غیاث پور نے دہلی سے ۱۸۸۵ء میں شائع کی۔

''سیر الاولیاء'' سے ضروری عبارات اخذ کر کے نیچے دی جاتی ہیں۔

Marfat.com

''شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین ------- جد بزرگوار شیخ قاضی شعیب باسہ پسر واتباع دخیل در دیار لاہور تشریف آوردند در قصبہ قسور (قصور) نزول فرمودند ------- بعدہ قضائے کھتوال کہ از ملتان نزدیک است بقاضی شعیب مفوض شدہ آنجا سکونت کرد۔ حق تعالیٰ از دودمان ایں بزرگ بادشاہے (فرید) را پیدا آورد -------- منقول است کہ شیخ (فرید) از عنفوان جوانی کہ قوت کامرانی است بعبادت ومحبت باری تعالیٰ مشغول گشت وترکے بہ یک باری پیش گرفت دار خویش وپیوند اجدا شد، چوں نیت صادق بود ----

ہم دریں حال شیخ بہ جہت تعلیم در ملتان رفت ------ شیخ در مسجدے فرود آمد ---- قطب الدین بختیار از اوش در ملتان رسیدہ ------- وخلاصہ ایں سخن ایں مصراع است کہ دریں باب برزبان سلطان المشائخ گذشتہ است مصرع بیرون دروں بہ کہ درون بیروں۔ شیخ (فرید) فرمود من ذوقے کہ درآں جامہ پارہ داشتم دریں جامہ تونیافتم۔

بعد آنکہ نجافت شیخ قطب الدین مخصوص شد وخلق ہجوم کرد ومطلوب ستر بود از شہر (دہلی) در ہانسی رفت، آنجا ساکن شد ومجاہدہ ومشغولی ظاہر وباطن مشغول گشت وخود در مستور ے داشت ونمے خواست کہ ہیچ آفریدہ برحال او مطلع شود -------- جامہاء شیخ شیوخ العالم ریمگیں وپارہ بود ---- چوں در ہانسی عظمت وکرامت شیخ خلق را روشن شد ازیں جانیز طرف کھتوال رفت کہ وطن قدیم آباواجداد ایں بادشاہ دیں بود ومدتے آنجا مشغول بود ------ پس پشت نماز گاہ کھتوال مشغول ے باشد ------ شیخ جلال الدین تبریزی آں انار پارہ کرد وخوردن گرفت۔ شیخ (فرید) صائم بود افطار نکرد ------ از آنجا در اجودہن آمد کہ مقامے مجہول بود۔ بروایتے شانزدہ سال وبروایتے بیست وچہار سال تا آخر عمر در اجودہن ماندہ وآں مقام بوجود مبارک او قبلہ ہندوستان وخراسان شد ------ در کھتوال کہ معاش کمتر باشد ومقامے مجہول است ساکن گشت۔ چوں آں مقام از ملتان نزدیک است انجا مستور نماند۔ بارہا خواستے کہ از آنجا ہم برود در لاہور کہ خراب است وآبے رواں دار دسکونت سازد فی الجملہ آخر عمر در اجودہن گذرانید۔ مقصود ازیں حکایت آں است کہ خود را مستور داشت۔ ودر اشتہار نکوشید۔ بارہا برزبان مبارک ایں بیت رفتے۔ ہر کہ در بند نام وآوازہ است خانہ او برون دروازہ است ----- در ہانسی ------ درآں ایام شیخ (فرید) را رزہ داؤوی بود ----- بخاطر شیخ علی گشت کہ چہ نیکو بود کہ شیخ (فرید) را صوم دوام بودے ---- شیخ (فرید) گفت آنچہ برخاطر خاصگان حق گذشت تکفل کردم --- کار شیخ (فرید) دیگر بود ترک خلق گرفت، ودشت وبیابان اختیار کرد، یعنی در اجودہن ساکن گشت۔ بنان درویشانہ پچیز ہائے کہ درآں دیار خیزد چوں پیلو ومانند آں قانع گشت ---- یعنی پیوستہ در باز بودے وطعام ونعمت موجود، از کرم خدا۔ وآیندہ وروندہ را ازاں نصیب شدے ----- ظاہر وباطن یک روش داشت ---- بیشتر افطار شیخ (فرید) بشربت بودے بعدہ پیش از نماز دو نان بروغن چرب کردے وبیاورندے۔ آں دونان کم از یک آثار بودے یک نان پارہ کردے بحاضراں رسانیدے ویک نان دیگر خود خوردے۔ وازیں نان خاص ہم کسے را کہ خاصے ہم نصیب کردے۔ بعد از ادائے نماز شام مشغول شدے۔ بعد ازاں مائدہ پیش اور آوردندے وطعام از ہر لون بودے، چوں طعام خرچ شدے بیش طعام دیگر نخوردے مگر باز بوقت افطار روز دیگر --- یک شب بوقت استراحت ---- کھٹے جنگلی راست کردند۔ ہماں گلیم کہ برآں روز نشستے ہماں بالائے کھٹ انداختندے۔ چنانچہ آں گلیم تا پایاں ملے رسید۔ آنجا کہ موضع پائے مبارک ایشاں بود شقہ آوردندے ونہادندے کہ اگر آ

Marfat.com

شفہ بالا کشیدے آں موضع از بستر خالی ماندے ----- و یک عصائے بود، کہ از قطب الدین یافتہ بود آن رائے آوردند وجانب سر آں کھٹ مے داشتند، شیخ (فرید) بداں متکا کردے و استراحت فرمودے۔ و بداں دست فرود آوردے و تقبیل کردے۔ شیخ (فرید) بیشتر نان زنبیل خوردے البتہ بوقت افطار یک دو پر کالہ نان زنبیل بیش بودے...... وقتے برائے شیخ (فرید) خادم یک دان رانمک دام کرد۔ شیخ بنور باطن دریافت فرمود ریں طعام بوئے تصرف سے آید-------- وانبا شد کہ من ایں طعام بخورم ----- چوں وقت افطار شد در خانہ خدمت شیخ چیز سے موجود نبود کہ از آں افطار شود شیخ (فرید) راحرم بسیار بود، وقتے نیز حرم ایشاں بخدمت شیخ آمد و گفت خواجہ امروز فلاں پسر از سبب گرسنگی در معرض ہلاکت شدہ است، شیخ سر از مشغولی برآوردند و فرمودند مسعود بندہ چہ کند۔ اگر تقدیر حق در آید و از جہاں سفر کندر سنے دریائے او بندی و بیرون بفگنی و بیائی بعدہ سلطان المشائخ فرمود خواجہ کہ خوش خور و خوش خسپد دعوے محبت خدا کند دروغ گفتہ باشد۔

شیخ (فرید) خواست کہ مجاہد پیش گیرد-------- سہ روز چیزے نخورد-------- سہ روز دیگر طے کرد---- چوں وقت افطار رشد ہیچ طعامے پیدا نشد۔ تا یک پاس شب گذشت۔ ضعف غالب تر شد، دست مبارک جانب زمیں فراز کرد و چند رنگ ریزہ کہ از زمین برداشت درد ہان مبارک خود انداخت۔ آں سنگ ریزہ از برکت دین مبارک او شکر شد ------ باخویش گفت نباید کہ از غایت ضعیف از طاعت باز مانم۔ باز چند سنگریزہ بستد در دہن انداخت شکر شد---- آنچہ از غیب برسد بداں افطار کنی----- شیخ قطب الدین (شیخ فرید را) فرمود کہ بلا برو چہلہ معکوس بردار۔ چہلہ معکوس آں باشد کہ چہل روز ہا چہل شب ہائے خود برشتہ بندند و در چاہے سرنگوں خدائے تعالیٰ را عبادت کنند...... شیخ (فرید) عزیمت چہلہ معکوس مصمم فرمود لیکن بنوعے بیت کہ ایں معنی مستور ماند۔ بعدہ در طلب مقامے شد کہ آنجا مسجدے باشد۔ و درون آں مسجد چاہے و نزدیک آں چاہ درختے کہ شاخ آں درخت بر سر آں چاہ رسیدن باشند و در آں مسجد موذنے باشد متدین، لائق صحبت درویشاں باشد و صاحب سر ایشاں۔

------ شیخ ایں چنیں مقامے----- تفحص کروند---- تا آنکہ در خطہ اُچہ رسید، آنجا مسجدے یافت ---- موذنے کہ نام او خواجہ رشید الدین----- بعد سرنگوں خود را دریں چاہ آویخت و مشغول شد------ شیخ (فرید) ہم چناں در چاہ بہ نماز معکوس مشغول شد---- ہم بریں جملہ چہل شب چہلہ معکوس داشت ------ و آں مسجد ہنوز در او چہ برقرار است ----- آن چہ فصاحت و بلاغت بود شیخ (فرید) ضاد بنوعے خواندے کہ ہیچ کس را میسر نشود ----- اے نگاہ دار سر خود در راز گوے گریبان خود ---------

شیخ (فرید) ے فرمود فقیر صابر بر غنی شاکر رجحان دار دزیرا کہ غنی شاکر بر شکر را وعدہ چیست مزید نعمت و فقیر را در صبر بشارت چست نعمت معیت۔ میانِ این مرتبہ وآن بہ بیں، فرق از کجا تا کجاست۔

شیخ معین الدین شیخ قطب الدین را گفت کہ بختیار ایں جوان (شیخ فرید) را چند از مجاہدہ خواہی سوخت چیزے بخش کن۔

------ شیخ (فرید) درویشے صاحبدل را دید، بشناخت، برفور در خانہ آمدہ در خانہ بجز قدرے جوارے چیزے دیگر نبود۔ آنرا خود آش کرد، در بروزن زدو نانے خود پخت در مسجد جمعہ کہ آن درویش فرود آمدہ بود آوردہ۔

Marfat.com

اب میں شیخ فرید کے کچھ اقوال بے مثال اُردو میں ترجمہ کر کے درج کرتا ہوں، تا کہ شیخ سے منسوب پنجابی (ملتانی ولاہوری) کلام کے اُردو ترجمہ سے موازنہ ہو سکے۔

(۱) اگر ہے تو بھی غم نہیں، اور اگر نہیں تو بھی غم نہ ہونا چاہیے۔

(۲) نامرادی کا دن، مردکے لیے اس کی شب معراج ہے۔

(۳) جس قدر تو رنج اٹھائے گا، اسی قدر سرِدی تجھے نصیب ہوگی، راتوں کو جاگ کر یادِ خدا میں مصروف رہنا مہتری لاتا ہے،

(۴) جب فقیر نیا جامہ پہنے تو یوں سمجھے گویا وہ کفن پہنتا ہے۔

(۵) جیسا کہ تو ہے خود کو ویسا ہی ظاہر کر ورنہ جیسا تو ہے، ویسا تجھے لوگ ظاہر کر دیں گے۔

(۶) اے دعوے دار تو اس دلیری سے دعوے مت کر کیونکہ معنی کی رُو سے ایک ایک حرف کے تین تین سو جواب ہو سکتے ہیں۔

کسی بزرگ نے فرید کے ملفوظات سے پانچ سو کلمات جمع کئے۔ اس مجموعہ سے ذیل کا انتخاب ہے:

(۷) خدا تعالیٰ سے بنانی چاہیے کہ اور سب تو ہم سے لیتے ہیں اور وہ دیتا ہے۔ جب وہ دیتا ہے تو کوئی ہم سے لے نہیں سکتا۔

(۸) اپنے سے بھاگنا حق تک پہنچنا سمجھ۔

(۹) اپنے تن کی خواہش پوری نہ کر، کیونکہ اس کی مرادوں اور تمناؤں کی حد نہیں۔

(۱۰) نادان کو زندہ نہ سمجھ۔

(۱۱) دانا نما نادان سے حذر کر۔

(۱۲) ایسا سچ جو جھوٹ سے ملتا جلتا ہے زبان سے مت کہہ۔

(۱۳) جسے کوئی نہ خریدے اُسے مت بیچ۔

(۱۴) جاہ و مال کے لیے پریشان نہ ہو اور خود کو خطرے میں نہ ڈال۔

(۱۵) ہر کسی کی روٹی (کادیا) مت کھا، لیکن سب کو روٹی دے۔

(۱۶) موت کو کسی بھی جگہ پر اور کسی بھی وقت میں فراموش نہ کر۔

(۱۷) قیاسی بات منہ سے نہ نکال۔

(۱۸) بلا و مصیبت کو اپنی ہوس کاری کا نتیجہ جان۔

(۱۹) اپنے گناہ کی لاف نہ مار۔

(۲۰) دل کو شیطان کی بازی گاہ نہ بنا۔

(۲۱) اپنے بھیدوں کو ظاہر کرنے سے چھپانا ہی بہتر سمجھ۔

(۲۲) اپنی آرائش و زیبائش میں وقت صرف نہ کر۔

Marfat.com

(۲۳) حصول جاہ میں اپنے آپ کو بے قدر نہ ہونے دے۔

(۲۴) کسی عاجز اور نوکیسہ سے قرض نہ لے۔

(۲۵) قدیم خاندان کی حرمت کا لحاظ رکھ۔

(۲۶) جہاں تک ہو سکے عورتوں کو گالی گلوچ کا عادی ہونے سے باز رکھ۔

(۲۷) احسان فراموش نہ بن اور کسی پر اپنا احسان نہ جتا۔

(۲۸) نیکی کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈھتا رہ۔

(۲۹) جو تجھ سے ڈرتا ہے اس سے ڈر۔

(۳۰) اپنی طاقت اور توانائی پر بھروسہ نہ کر۔

(۳۱) شہوت کے وقت اپنے پر دوسرے وقتوں سے زیادہ ضبط رکھ۔

(۳۲) جب اہل دولت کے پاس بیٹھے تو دین کو نہ بھول نہ جائیو۔

(۳۳) عدل اور انصاف میں ہی اپنی سچی عزت اور حشمت سمجھ۔

(۳۴) امیری کے دنوں میں بڑی ہمت والا بن۔

(۳۵) مہمانوں سے تکلف نہ برت۔

(۳۶) دانش اور تجرید کا توشہ جمع کر۔

(۳۷) جب خدا زحمت اور مصیبت بھیجے تو اس سے بھاگنے کی کوشش مت کر۔

(۳۸) اپنے عیبوں کو دیکھتا رہ۔

(۳۹) خوار ہو کر بھی ہنر حاصل کر۔

(۴۰) اپنی نیکیوں اور بدیوں کو پنہاں اور پوشیدہ رکھ۔

(۴۱) دین کی علم سے حفاظت کر۔

(۴۲) بلندی چاہتا ہے تو غریبوں (شکستہ حالوں) کے پاس بیٹھ۔

(۴۳) آسودگی چاہتا ہے تو حسد نہ کر۔

(۴۴) اس بات کی کوشش میں رہ کہ موت تیرے لئے زندگی جاوید ثابت ہو۔

بہاؤالدین بخدمت شیخ (فرید) کاغذے نوشت ---- سخن این بود کہ میان ماوشا عشق بازی است، جواب این معذرت شیخ (فرید) بنشت، میان ماوشا عشق ہمت و بازی نیست۔''

اب فرید گنج شکر کی کرامات کا ذکر ہوتا ہے۔

''(فرید) نماز بامداد کردہ بود وسر برزمین نہادہ ومستغرق شغل برین ہیہات بسیار بودے ---- درین میاں یکے بیامد و بآواز بلند سلام گفت ---- شیخ ہم چنان سر برزمین نہاد بود ---- گفت ایں کس کہ آمدہ است زنجیر درمیان دارد، (سلطان المشائخ) جواب دادم آرے، باز فرمود کہ در گوش چیزے دارد من درود یدم ہم چنان بود ---- این بار کہ گفتم

Marfat.com

آرے حلقہ درگوش دارو شیخ فرمود اورا بگو کہ برو۔

(شیخ فرید کو "سیر الاولیا" میں شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین شیخ کبیر لکھا ہے۔)

"سلطان المشائخ مے فرمود کہ مادرا جودہن میر فتیم، درصحرائے سرسی مرامار گزید ---- شیخ (فرید) گفت اگر کسے بر کسے تہور راندو آن کس تحمل کند و اگر او ہم از آن خود براند وا باشد، شیخ (فرید) گفت کہ اسے بیچارہ اگر خواندن برائے جدل است مخواں، و خلق ایذائے مرسال و اگر برائے عمل است ہمیں قدر کافی است کہ مے خوانند و عمل مے کنند، مقصود از خواندن علم شریعت برائے عمل ست نہ از برائے ایذائے خلق۔"

جہاں پنجابی کتابوں میں جو سکھوں اور ہندوں کی تصنیف ہیں، بابا فرید کے متعلق بہت سی باتیں اور کراماتیں، درج ہیں وہاں بابا فرید کی والدہ کے متعلق بھی ایک آدھ خاص بات مذکور ہے، اس لئے ہم "سیر الاولیاء" سے دو چار اقتباسات اور دیتے ہیں۔

"شیخ کبیر (فرید) را والدہ بود، بس بزرگ، تا شبے دزدے در خانہ درآمد اہل خانہ خفتہ بودند و والدہ شیخ بیدار بود بحق مشغول ---- والدہ شیخ کبیر دُعا کرد و او بینا شد و برفت ---- الغرض برکت آن ولیہ ہمہ مسلمان شدند۔

شیخ (فرید) را زحمت خلہ شد، بداں زحمت رحلت کردند۔

پوشیدہ نماند کہ تولد شیخ الشیوخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر در ۵۶۹ھ (۱۱۷۳ء) وفات حضرت ایشان در ۶۶۴ھ (۱۲۶۵ء) و عمر حضرت ایشان نود و پنج باشد۔"

"فواید الفواد" میں فرید کی عمر (صفحہ ۵۳) نود و سہ سال۔ (۹۳) برس لکھی ہے وہاں فرید کو شیخ کبیر اور شیخ الاسلام لکھا ہے۔

بیت مناسب این معنی بر زبان شیخ (فرید) گذشتہ است و آن بیت ایں است۔

رو دل بہ کسے دہ کہ نمیرد تا تو ۔۔۔ از درد فراق او نگری باری (صفحہ ۴۶۴)

درین معنی کہ خواجہ منصور را کہ پیش آمد بر زبان شیخ (فرید) این رباعی بارہا گذشتہ:

از نور جلال مرد مطلق خیرد
واز شوق خدا نگرچہ رونق خیزد
این خاطر مردان چہ عجائب بحرے است
چون موج زند ہمہ انا الحق خیزد

پیش شیخ (فرید) در اباحت و حرمت سماع کہ درآں اختلاف علما است ذکر کردند، فرمود سبحان اللہ یکے سوخت و خاکستر شد و دیگرے ہنوز در اختلاف است۔ تفاوت بہ بیں۔ شیخ سعدی گوید۔

آتش اندر پختگاں افتاد و سوخت ۔۔۔ خام طبعاں ہم چناں افسردہ اند

و نیز از شیخ (فرید) نقل کرد کہ ---- یعنی سماع آوازے موزون در حیتش مے آردلہائے شنوندگان را و مے افروزد آتش شوق را در سینہ ہائے مشتاقاں شیخ بدرالدین از شیخ (فرید) سوال کرد کہ بے ہوشی اہل سماع از کجاست حضرت فرمود از

Marfat.com

آنکہ ندائے الست بر بکم شنیدند بے ہوش گشتند۔ ازاں روز باز بے ہوشی در ایشان مرکوز است چوں سماع شنوند آں بے ہوشی در ایشاں اثر کند۔ حیرت وحرکت در ایشان ظاہر شود۔

روزے خواجہ خضر بخدمت شیخ (فرید) آمد و درویشاں سماع آغاز کردند، شیخ (فرید) بر سر سجادہ نشستہ بود، ہر دو دست مبارک خود برآورد و این بیت بلند خواند۔

صاحب دردے کجاست تا بنمایم   صد گریہ زار زیر ہر خندۂ خویش

وقتے شیخ (فرید) ایں بیت خواند۔

نظامی این چہ اسرار است کز خاطر عیاں کردی   کسے ہنرش نمے داند زباں درکش زباں درکش

ہر بار کہ ایں بیت بر لفظ مبارک مے راند تغیرے پیدا مے شد۔

درآں ایام ماضی قاضی بود ------ از غایت خصومت بہ ملتان رفت۔ باصدر وایمہ ملتان گفت کہ کجا روا باشد کہ یکے در مسجد نشیند وآنجا سماع فرماید وگاہ گاہ در رقص ہم باشد۔

بر لفظ گہر بار شیخ (فرید) رفتہ بود ---- مے باید کہ فرزند آدم بطاعت وتقوی بیروں آید خواہ مرد باشد ن خوان زن۔"

امیر حسن کی "فوایدالفواد" کا ذکر "سیرالاولیاء" میں موجود ہے، لہٰذا اب ہم "فوایدالفواد" سے چند اقتباسات درج کرتے ہیں: یہ کتاب امیر حسن المعروف حسن دہلوی کی تالیف ہے، (نولکشور ۱۹۰۸ء) تکمیل تالیف کا سن ۷۲۲ھ (۱۳۲۲ء) ہے۔

حسن بابا فرید کو شیخ الاسلام لکھتا ہے۔ اس کی بیشتر اطلاعات صاحب "سیرالاولیاء" نے شامل تحریر کرلی ہیں۔

شیخ الاسلام فرید الدین ہر شب آدینہ فرمودے -------- شیخ کبیر فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز ---- چہار شنبہ بست سوم ماہ محرم سنہ اثنی عشرہ وسبعمائۃ -----

بعد ازاں (نظام الدین اولیا) فرمود کہ من وقتے بخدمت شیخ کبیر (فرید) در اجودہن بودم، جوگی بود، بیاید من ازو پرسیدم کہ شما کدام راہ میروید۔ اصل کار در میان شاچیست، اوگفت در علم ما ہم چنیں آمدہ است کہ در نفس آدمی دو عالم است۔ یکے عالم علوی دوم عالم سفلی۔ از تارک تا ناف عالم علوی است واز ناف تا قدم عالم سفلی است۔ سبیل کار آں است کہ در عالم علوی ہمہ صدق وصفا واخلاق خوب وحسن معاملہ باشد ودر عالم سفلی نگاہداشت وپاکی وپارسائی، خواجہ (نظام الحق والدین) بر لفظ مبارک راند مرا این سخن او خوش آمد (صفحہ نمبر ۸۴۔۸۵)

وقتے شیخ بہاء الدین ذکریا وشیخ جلال الدین تبریزی وشیخ قطب الدین بختیار کاکی در ملتان بودند۔ لشکر کافرے زیر پائے ملتان آمد -----

دیگر شومت آں بود کہ ہمدراں ایام بعض سوداگران از لہاور طرف گجرات رفتہ اند ----- دراثنائے راہ شنیدند کفار مگوں سار بیامدند ولہاور خراب کروند۔

شیخ (فرید) در دہلی بود، چوں او بہ نماز جمعہ رفتے پیش از وقت رواں شدے تا مزاحمت خلق کمتر باشد، خلق ہم چناں

Marfat.com

پیش مے آمدند دست مے بوسیدند تا از خلق یکے حلقہ شدے ----- ہم بدین نوع تا تنگ آمدن گرفت۔ بعد ازاں خرّمن گفت کہ این نعمت خداست چرا تنگ مے آئی۔

تا چناں شد کہ بعد از ہر نماز مے دہ بارے گفتم کہ شیخ فرید الدین، پس آں محبت بغایتے رسید کہ جملہ یاراں مرا ازیں خبر شد، تا چناں شد کہ اگر از من سخنے پرسیدندے و خواستندے کہ سوگند وہند گفتندے سوگند شیخ فرید بخور (صفحہ نمبر ۱۴۹)

حج کسے رود کہ اورا پیر نباشد خواجہ (نظام الدین) چوں این سخن بشنید چشم پر آب کرد بعد ازاں فرمود کہ بعد از نقل شیخ (فرید) مرا اشتیاق حج عظیم غالب شد، گفتم بارے دراجودہن بردم۔ بزیارت شیخ۔ القصہ چون بزیارت، شیخ الاسلام رسیدم آن مقصود من حاصل گشت۔

وقتے پیرے بخدمت شیخ (فرید) آمد ----- یکے جوانکہ برابر خود آوردہ بود، آں پسر او بود، آں پسرک بے ادب ---- در بحث درآمد و گستاخ دار با شیخ بحث کردن گرفت چنانکہ سخن بلند شد شیخ ہم سخن بلند کرد ----- مولانا شہاب الدین در آمد و آں پسرک را سیلے زد، پسرک طیرہ شد خواست کہ بو مولانا بسفاہت درافتد۔ من (نظام الدین) دست آں پسرک بگرفتم، دریں میاں شیخ کبیر فرمود کہ صفا کنید، مولانا شہاب الدین جائی نقرہ بیاورد و مبلغ سیم بداں پسر و پدر داد، ہر دو خشنود شدند باز گشتند۔

شیخ کبیر، (فرید) چوں افطار کردے پس از آں مشغول شدے۔ مشغول شدنی عظیم تا آنگاہ کہ نماز خفتن درآمدے، از وقت افطار تا نماز خفتن مسافتے ہست ------"

شیخ احمد نہروالی شیخ بہاء الدین ذکریا کا ہم عصر تھا۔

"حکایت دریں افتاد کہ شیخ احمد نہروالی مرید کہ بود، فرمود کہ واللہ اعلم مرید کہ بود، بعد ازاں (نظام الدین) فرمود چنیں گویند کہ اورا نعمت از فقیہ مادھو رسیدہ بود، وایں فقیہ مادھو امام مسجد جامع، اجمیر بود، روزے شیخ احمد ہندوی مے گفت در عہد جوانی آوازے خوب داشت، ہندویہا خوش گفتے، چوں فقیہ مادھو بشنید گفت چنیں آوازے کہ تو داری دریغ باشد کہ در سرود ہندی خرچ کنی۔ فقیہ مادھو فرمود کہ قراں یاد گیر۔ شیخ احمد قرآن یاد گرفت ------ دراں سماع کہ واقعہ شیخ قطب الدین بختیار بود شیخ احمد نیز دراں مجلس حاضر بود (صفحہ نمبر ۱۷۴)

شیخ (فرید) فرمودے کہ ہر کہ بر من مے آید چیزے مے آرد، اگر مسکین بیاید و چیزے نیارد ہر آئینہ مرا چیزے بد و باید داد۔

شیخ (فرید) وقتے در حجرہ در بستہ کردہ بودند من بنوعے نظر کردہ دیدم کہ ہر بار ایستادہ مے شد و در سجدہ مے رفت، واین مصراع مے گفت۔ ؏ از سر تو میرم از برائے تو زیم۔

شیر خان والی اچہ و ملتان درحق شیخ (فرید) چنداں اعتقاد نداشت، تا بار ہا شیخ در معنی او ایں دو مصراع بگفتے ......

خواجہ (نظام الدین) فرمود کہ بنگر دریادِ حق (فرید) چگونہ مستغرق بودہ است کہ پسر خود را از چندیں تفہیم و تعریف بجا آوردہ۔

در لہاور دانشمند بودند، (صفحہ ۲۴۴)

Marfat.com

خواجہ (نظام الدین) گفت کہ وقتے بخدمت شیخ (فرید) بودم، آنجا جوگی حاضر بود، سخن در آں افتاد کہ بعضے فرزنداں بے ذوق بیروں مے آیند، از آں است کہ مردمان وقت مباشرت نمے دانند، بعد ازاں جوگی آغاز کرد کہ مہے سی روز ے باشد و نہ روز بازشد۔ ہر روز را خاصیتے است..... چوں آں جوگی سخن تمام کرد (خواجہ فرمود) من اثر آں روز بار اپرسیدن کرفتم

مردے بود یوسف نام از مریدان شیخ (فرید)، وقتے بخدمت شیخ عتاب گونہ مے کرد کہ من چندیں سال در بندگی مے باشم ہر کسے از خدمت شیخ بخشش یافت، مرا بلیتے کہ بیش از ہمہ بود۔ شیخ (فرید) فرمود کہ از جانب من تقصیرے نیست از جانب تو استعدادے و قابلیتے مے باید، و نیز من از آن خود مے کنم، اگر خدائے تعالیٰ بدھد اں را چہ تواں کرد۔''

لکھا ہے (صفحہ نمبر ۳۰) کہ بابا فرید جو کچھ کہتا تھا، خواجہ نظام الدین اُسے لکھ لیتا تھا۔

دیوانہ دقت صباح بروز استادہ بود---- (صفحہ نمبر ۲۹)

سخن در نگاہداشت فرمان پیرا فتاد، فرمود کہ وقتے شیخ (فرید) دست بدعائے برداشت مے فرمود کسے باشد کہ ایں یاد گیرد،------ من (نظام الدین) یاد گرفتم۔

از شیخ (فرید) شنیدم کہ در مدت عمر خود یک جرأت کردہ بودم۔ بخدمت پیر خود و آں چناں بود کہ وقتے من از شیخ اجازت طلبیدم تا یک چلہ برآرم۔ و عزلت گیرم۔ شیخ قطب الحق والدین بختیار فرمود کہ حاجت نیست۔ ازیں شہرت حاصل آید، از خواجگان ما ہم چنیں نیامدہ است۔ من جواب دادم----- کہ من برائے شہرت نمے کنم، حضرت قطب العالم ----- ساکت شد۔ بعد ازیں در ہمہ عمر خود پشیمانیہا خوردم و استغفار ہا کردم کہ چرا جوبے دادم کہ نہ موافق حکم ایشان بودہ است،

ایں لفظ آن روز از خدمت ایشاں (فرید) شنیدم (نظام الدین) کہ پیر مشاطۂ مرید باشد۔

(۲۹) اوپر کی شہادتوں سے جو چودھویں صدی عیسوی کی ہیں، ہم ذیل کی باتیں اخذ کر سکتے ہیں:

(۱) شیخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر کو مختصراً ''شیخ فرید'' کہتے تھے، اس کی حین حیات میں۔

(۲) شیخ کی والدہ کرامت کی مالکہ اور خدا پرستی میں ممتاز تھیں۔

(۳) شیخ نے اوائل عمر ہی میں درویشی کی راہ اختیار کی۔

(۴) شیخ کا طریق صوف میں طرۂ امتیاز زہد و ریاضت تھی، جس کو وہ انتہائی بلندی تک لے گیا تھا۔

(۵) شیخ کا مسلک یہ تھا کہ بُرائی کے عوض میں بھی بھلا ہی کیا جائے۔

(۶) شیخ نے طویل عمر پائی۔

(۷) شیخ کے پاس جوگی بھی آتے تھے۔

(۸) شیخ نے چہلہ معکوس کھینچا۔

(۹) چونکہ شیخ نے کھتوال، ملتان، لاہور، دہلی، ہانسی میں اکثر اقامت کی اور ان شہروں کے علاوہ اوچ، سندھ، غزنی، اجمیر، لکھنوتی، ناگور، بداؤں، گجرات، سرسہ، کیتھل، سیوستان وغیرہ سے آنے والوں کے ساتھ ان کی ہم کلامی اور صحبت

Marfat.com

رہی ۔ لہٰذا انہیں ان بلاد کی دیسی زبانوں سے کماحقہ واقفیت رہی ہوگی ۔ یہ تو غیر ممکن ہے کہ کھتوال میں تولد ہونے والا تمام مریدوں، نوکروں، درویشوں سے فارسی ہی میں بات چیت کرتا ہو۔

(۱۰) شیخ اپنے فرمودات وارشادات کونہایت احتیاط سے دوسروں سے قلم بند کراتے اوران کی صحت کی ضمانت کے لیے اُن تحاریر پرنظر ڈالتے تھے۔

(۱۱) اگر چہ ریاضت اور زہد سے شیخ کو خاص رغبت تھی، پھر بھی وہ رقص وسرود اور سماع کی مجالس گرم کرتے اوران سے فیض حاصل کرتے تھے۔

(۱۲) شیخ کو ادائے نماز وسجدہ اور مشغولی اوراد و وظائف سے اس قدر وابستگی تھی ، کہ وہ عام باتوں کو بھی بھول جاتے تھے،اورانتہائی انہماک کا اظہار کرتے تھے۔

(۱۳) شیخ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، تنہائی پسند تھے، سب سے میل جول کے پابند اور حسن اخلاق کی صفت سے مزین تھے۔

(۱۴) شیخ کا اثر صحبت بہت دُور دُور پہنچا۔

(۱۵) شیخ کا دروازہ سب کے لیے کھلا تھا۔ غصہ وغضب سے وہ دور تھے۔ آنیوالوں کوان کے لنگر سے حسب منشا ماحضر ضرور ملتا تھا۔

(۱۶) شیخ کے تصوف آمیز اسلام کا دائرہ بہت وسیع تھا اور تعصب اس میں نام کو نہ تھا۔

(۱۷) شیخ کی نان زنبیل ایک خاص ذکر کے قابل چیز تھی۔

(۱۸) شیخ کا باپ شیخ کے بچپن میں فوت ہو چکا تھا اور ماں کی عجیب وغریب موت بھی اُنہوں نے اپنی آنکھوں دیکھی۔

(۱۹) معقول اور دلپسند جائے عبادت کی تلاش میں اور ویسے اپنی خلوت پسندی کے زیر اثر شیخ جنگلوں اور ریگ زاروں میں پھرا کیے۔

(۲۰) شیخ نے گذرگاہ اجودہن کا انتخاب کیا اور وہاں اقامت مستقل اختیار کی۔ اُس گذرگاہ کے اِردگرد کے نظارے اور وہاں کی انسانی اور نباتاتی زندگی کا ان کی زبان وبیان پر اثر پڑا ہوگا۔

آگے چل کر شیخ فرید کے کلام کے مطالعہ کے وقت ہم دیکھیں گے کہ یہ سب باتیں اور حالات کلام سے بھی ٹپکتے ہیں۔

(۳۰) شیخ فرید کے متعلق جو باتیں سکھ اور ہندو حلقوں اور تصنیفوں میں پائی جاتی ہیں' اب ہم ان کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں۔

شیخ فرید کا ذکر اُن گوشٹوں یا فرضی ملاقاتوں میں آتا ہے، جو گورونانک کے متعلق بعد میں سوانح نویسوں نے اس لئے لکھیں کہ وہ طرفین کے خیالات کا موازنہ اور مقابلہ کر سکیں اور آخر میں نانک کی عظمت کا سکہ دوسری پارٹی کے دل پر بیٹھا دکھا سکیں، ان فرضی ملاقاتوں اور فرضی گفتگوؤں میں جن مقامات کا ذکر ہے، وہ بھی فرضی ہیں۔ یہ بات سوانح نویسوں نے

نہیں چھپائی نہ ہی وہ چھپا سکتے تھے، کیونکہ صدیوں پہلے اور صدیوں بعد آنے والے تاریخی اصحاب کو نانک سے لا بھڑایا ہے۔ دو جنم ساکھیوں سے میں اقتباسات دیتا ہوں۔

(اوّل) انڈیا آفس کی جنم ساکھی جو سترہویں صدی کی تصنیف بتائی جاتی ہے، مطبوعہ ۱۸۸۵ء

(دوسری) بھائی بالا کی جنم ساکھی، مطبوعہ ۱۹۲۵ء

اوّل، شیخ فرید سے گوشت (مکالمہ، مجادلہ، بات چیت) شیخ ابراہیم سے گوشت سے پہلے آتی ہے، عبادات یوں ہیں،

تب پھر آسا دیس میں آیا آگے شیخ فرید تھا، جنگل میں بیٹھا، تب وہاں بابا بھی آیا، تب شیخ فرید بولا، اللہ اللہ درویش۔ تب گورو بابا نے جواب دیا، آوازہ اللہ، اے فرید زیدی۔ ہمیشہ آؤ، شیخ فرید زیدی۔ اللہ اللہ۔ تب ''دست پنجہ'' لے کر بیٹھ گیا، تب شیخ فرید بابا کی صورت دیکھ کر بولا، شیخ فرید نے گوشت کی اور بابا سے پوچھا، کہا

(الف) اکے تاں لوڑ مقدمی اکے ناں اللہ توڑ

دوہوں بیریں ناں لت دھرمت وبخو دکھر بوڑ

تب گور بابا نے جواب دیا، سلوک

دوہیں بیڑیں لت دھر دہیں وکھر جاہڑ — کوئی بیڑی ڈبسی کوئی لنگھے پار

(ب) ناں پانی ناں بیڑیاں ناں ڈبے جائے — نانک وکھر سچ دھن سہجے رہیا سمائے

تب شیخ فرید نے کہا:

(ج) سلوک:۔

فریدا چوڑ یلی سیوں رتیاں دینا کوڑا بھیت — نانک اکھیں ویکھدیاں اُجڑ و نجے کھیت

تب گورو بابا نے جواب دیا:۔

(د) فریدا دُھروں شروع ہوندا آیا چوڑ یلی سیوں ہست

نانک کھیت نہ اُجڑے جے راکھا ہوئے سچیت،

(ر) تب شیخ فرید بولا، سلوک،

فریدا تن رہیا من پھٹیا طاقت رہی نہ کائے — پری طبیب تھیو کاری دارو لائے

(س) تب گورو بابا نے جواب دیا، سلوک،

سجن سچ پر کھ کھلا اون تھوتھرا — نانک من منجھا ہوں لکھ تدھوں دور ناں مور پلی

(ش) تب شیخ فرید نے کہا۔ شبد راگ سوہی میں۔

بیڑا بن نہ سکیو جاں نہیں کی ویلا — بھر سرور جب اُچھلے تب ترن دُہیلا

ہنس چلے گا ڈمنا ایہہ تن خاک رلیسی

تب گورو بابا نے جواب دیا' شبد کہا، راگ سوہی میں

Marfat.com

(ص) جب تپ کا بندھ بیڑلا جت لنگھیں وہیلا ناں سرورناں اُچھلے لے ایسا پنتھ سہیلا (۱)
تیراا کونام مجیٹھڑا جت راتا میرا چولا، سچ رنگ ڈھولا

رہاؤ

سجن چلے پیار کیوں میلا ہوئی جے گن ہوویں گھڑیاں میلے گا سوئی (۲)
ملیا ہوئے نہ وچھڑے جے ملیا ہوئی آوا گون نوراسی سچ دیوے سوئی (۳)
ہوں میں مار نبڑ یے سیتا میرا چولا گورنچنین سہہ پایا سہہ کے امرت بولا (۴)
نانک کہے سہلیو سہہ کھرا پیارا ہم سہہ کیریاں داسیاں سچا خصم ہمارا (۵)

تب شیخ فرید بولا، شبد راگ آسا میں

ص۱ راتے عشق خدائے ہنگ دیدار کے ------ شیخ فریدا خیر دیجے بندگی

ض۲ تب بابا بولا۔شبد، راگ سوہی میں

جاں تو ناں میں سبھ کوئے توں صاحب میری راس جیو

اک نانک کی ارداس جیو

تب بابا اور شیخ فرید دونوں ایک رات اکٹھے رہے جنگل میں۔ تب اک بندہ خدا کا آنکلا، وہ دیکھ کر گھر کو اُٹھ گیا۔ تب ایک طبل باز دودھ کا بھر کر لے آیا، اس میں چار مہریں ڈال کر پچھلی رات کو لے آیا، تب شیخ فرید نے اپنا بخرہ پالیا، اور گورو کا بخرہ رکھ چھوڑا تب شیخ فرید بولا:

(ط) سلوک:۔

جو جاگن سے سائیں پاسوں لین ذات پہلی رات پھلہڑا چل بھی پچھلی رات

(رات کے آخری پہر میں)

تب بابا نے جواب دیا، سلوک:۔

(ظ) داتیں صاحب سندیاں ------ اٹھال

تب بابا بولا، شیخ فرید، اس دودھ میں ہاتھ پھیر کر دیکھ کیا ہے، جب شیخ فرید نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ چاروں مہریں موجود ہیں، تب وہ طبل باز چھوڑ کر جاتا رہا، تب گورو بابا بولا، شبد، راگ تکھاری،

(ع) چھنت، پہلے پہرے نین سلونڑیے رین اندھیاری رام ----- اندھیریاں -----

نانک سرز سبد ملائے تن پر بھ کارن کیا (۵)

تب بابا اور شیخ فرید وہاں سے روانہ ہوئے، جب وہ آدمی لوٹا، اس نے دیکھا کہ طبل باز پڑا ہے، اُٹھایا تو اُسے سونے کا پایا، مہروں سے لبالب بھرا تھا، تب وہ پچھتانے لگا۔ اس نے کہا وہ دُنیادار فقیر تھے، اگر میری توجہ دوسری طرف ہوتی تو میں دوسری چیز یعنی دین حاصل کرتا، دُنیا لایا تھا، دُنیا ملی، تب وہ طبل باز لے کر گھر آیا، تب وہاں سے گورو بابا اور شیخ فرید آسا دیس میں آئے۔ تب آسا دیس کا راجہ سمندر تھا، وہ مر چکا تھا، اُس کی کھوپڑی جلتی نہ تھی، کئی جتن کئے، تب جوتشیوں

Marfat.com

سے پوچھا، جوتشیوں نے کہا، اس نے ایک بار جھوٹ کہا ہے اُس سے اس کا جی دُکھ پا رہا ہے۔ آسادیس کے لوگ راست گو تھے، (دیکھو فوائد الفواد صفحہ ۱۱۷) وہاں لاہور کی تباہی کا قصہ ہے، لاہور کے سوداگر گجرات گئے گجرات کے تمامی باشندے راست گو تھے۔ کیا آسادیس سے مراد گجرات کاٹھیاواڑ ہو سکتا ہے؟

دن کو بیچتے تھے اور رات کو کاٹتے تھے، تب آسادیس کے لوگوں نے ہائے ہائے کرنا شروع کیا، تب جوتشیوں نے کہا کہ اس کی نجات تب ہو سکتی ہے کہ کسی سادھو کے پاؤں اس کی کھوپڑی سے چھوئیں۔ تب لوگوں نے آسادیس کا راہ بند کر لیا، ایک دروازہ کھلا رکھا تھا، اگر کوئی فقیر اندر آئے گا تو اسی دروازے سے آئے گا۔ تب بابا اور شیخ فرید وہاں جا نکلے۔ جب نزدیک پہنچے تو گورونانک نے کہا، شیخ فرید، پیر دھر۔ تب شیخ فرید نے کہا، میری کیا مجال ہے جو میں آگے پاؤں رکھوں۔ تب بابا نے پاؤں رکھا اور کھوپڑی پھوٹ گئی۔ اُس جی کو نجات ملی۔ تب سارا آسادیس آ کر پاؤں پڑا۔ تب بابا بولا، شبد، راگ مارو میں،

(غ) مل مات پتا پنڈ کمائیا----- کہہ نانک دیوے کا ہو (۴)

تب روٹیاں لانے لگے، جو شخص شیخ فرید کو دے اُسے شیخ جواب دے میں کھا بھی چکا ہوں اور دامن میں بھی باندھ لی ہے۔ تب آسادیس کے لوگوں نے کہا او بندے خدا کے تو کوئی اسی ملک کا دروغ گو ہے جس ملک میں فرید رہتا ہے کہ روٹی تو اس کی کاٹھ کی ہے، مگر جب کوئی اُسے روٹی دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں کھا بھی چکا ہوں اور میرے دامن میں بندھی بھی ہے۔ تب شیخ فرید نے کاٹھ کی روٹی پھینک دی اور کہا ایک دفعہ دروغ کہنے کے بدلے راجہ کو اتنی عقوبت ملی، تب بابا خوش ہوا، شیخ فرید کو وداع کہا، تب بابا بولا شیخ فرید، سچ سچ تم میں خدا ہے مگر تو کوئی پیر پکڑ۔ تب شیخ فرید نے کہا بہت اچھا۔ تب شیخ فرید روانہ ہوا۔ گلے ملے۔ تب گورو بابا نے کہا شبد، راگ سری راگ میں۔

آوو بھینو گل ملوانگ سہیلڑیاں نانک سچا پاتشاہ آپے لئے ملائے (۴)

دوم۔ بھائی بالا کی جنم ساکھی میں یہی واقعات یا روایات اور یہی اشعار دیئے ہیں۔

راجہ کا نام سمندر کے بجائے شام سندر دیا ہے۔

(۳۱) ظاہر ہے کہ فرید اور نانک کے کلام میں کچھ مماثلت اور اختلافات دیکھ کر اُن کی ملاقات کی کہانی گھڑ لی گئی ہے۔ جہاں کچھ گنجائش دیکھی وہاں کے اسماء اور مضامین کے گرد تانا تن دیا اور اُن پر مشتمل ساکھیاں بنا ڈالیں یا زبان کی مماثلت دیکھی، یہ فیصلہ کیا کہ یہ فلاں علاقہ کی زبان ہو سکتی ہے۔ وہاں کے کسی مشہور صاحب قلم اور صاحب کرامت کے ساتھ گورو جی کی ملاقات اور بات چیت کرا دی اور دوران گفتگو میں وہ کلام گورونانک کے منہ سے نکلوا کر ارشادات کے مواقع بہم پہنچائے۔ کلام کی تشریح زمان و مکاں کے احاطہ میں خوب ہو جاتی ہے، اور یہی سوانح نویسوں کا مقصود اعظم تھا۔

اب ذرا اس کلام کے متعلق جو اوپر نمبر ۳۰ میں آیا ہے۔ کچھ تحقیق کرنی چاہیے۔

(الف) گورو گرنتھ صاحب میں نہیں۔

(ب) ایضاً

(ج) ایضاً

Marfat.com

(د) ایضاً

(ر) ایضاً

(س) گورو ارجن دیو کی تصنیف ہے، راگ مارو، وار

(ش،ص،ض (۱) گورو گرنتھ صاحب میں موجود ہیں، ان میں ش،ض ا اور ط فرید کے

ض (۲)، ط،ظ) ہیں اور باقی گورو نانک دیو کے۔

(ص) راگ سوہی میں ہے ض ۲ راگ سوہی میں۔

(۳۲) اچھے کلام کی تلاش سکھ گورو صاحبان ہی کو نہ تھی، بلکہ دوسروں کو بھی تھی۔ پھر جن عارفوں اور درویشوں کا کلام سکھ گورو صاحبان کی نظر میں ممتاز ثابت ہو چکا تھا، اُن کے کلام معرفت آموز کی تلاش کا جاری رکھنا ایک غیر متوقع بات نہیں، چنانچہ ایسا ہی ہم دیکھتے ہیں۔ شبد شلوک مجموعہ میں جو کسی سندھی صاحب ذوق کی تالیف ہے، کلام شیخ فرید موجود ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ایک قلمی نسخہ ہے جس میں فرید کا کلام ہے، (سلوک) وہ نسخہ ۱۸۰۴ء میں نقل کیا گیا۔

''حفظ العلوم'' لائبریری میں بھی ایک قلمی کتاب ہے جس میں فرید کا وہی کلام جو یونیورسٹی کے نسخے میں ہے، تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ درج ہے۔ وہاں پر ان شلوکوں کو نصیحت نامہ کہا گیا ہے۔ اس فریدی نصیحت نامہ کا ایک شعر تو ضرب المثل ہو چکا ہے۔ ہاں اس شعر کی صورت بس ایک مصرع کی رہ گئی ہے، اصل شعر یوں ہے:۔

نسخہ یونیورسٹی — موئی ابھنا موت تے ڈھونڈے کائے گلیہ

نسخہ حفظ العلوم — موئی انٹھا موت تے ڈھونڈے کائے گلی

چارے کنڈاں ڈھونڈیاں اگے موت کھلی

عوام کی زبان پر فقط اتنا ہے، ع موئی انٹھا موت تول اگے موت کھلی

میں نے اپنی کتاب ''تاریخ ادب پنجابی'' (ہسٹری آف پنجابی لٹریچر) میں دونوں نسخوں سے عبارت نقل کر دی ہے۔

(۳۳) اُردو دان اصحاب فارسی کی شہادتوں سے بہرہ اندوز نہیں ہوسکیں گے۔ ایک تو اس خیال سے اور دوسرے اس لحاظ سے کہ زبانی روایات جو پنجاب میں رائج ہیں ''تحقیقات چشتی'' میں آ گئی ہیں اور وہی روایات سکھ صاحبان کے لیے ماخذ رہی ہیں۔ ہم یہاں پر ''تحقیقات چشتی'' سے کچھ عبارت نقل کرتے ہیں۔

احوال مکان چلہ بابا فرید جس کو عام لوگ پھلیدانہ بولتے ہیں۔ اصل نام اس کا فرید آستانہ ہے۔ خواجہ مسعود اجودہنی المشہور ربابا فرید گنج شکر واسطے زیارت حضرت داتا گنج بخش کے لاہور میں تشریف لائے۔ بابا فرید نے اس ٹیلہ پر ادائے عبادت اور طلب امداد حضرت داتا صاحب کے واسطے چند مدت اعتکاف کیا ہے۔

تجرید اور تفرید بابا فرید کی نہایت مشہور و معروف ہے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ اپنے آپ کو مخفی رکھتے تھے اور اکثر لوگوں سے ان کو نفرت تھی۔ اس نظر سے شہر بشہر اور جابجا پھرتے رہتے تھے ------ اجودہن کے باہر بہت درخت کریر کے تھے ------ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ کے کپڑے میلے کچیلے ہو گئے تھے۔ ایک شخص آپ کے واسطے ایک پیراہن لایا، اور

آپ نے زیب تن فرمایا اور پہن کر اسی وقت اُتار ڈالا اور شیخ نجیب الدین متوکل کو جو آپ کے حقیقی بھائی تھے بخش دیا، اور کہا کہ جو لطف اس پیراہن کہنہ میں تھا اس پیراہن نو میں نہیں۔ اور اوقات بسری آپ کی ایسی تھی کہ حضرت ہمیشہ صائم رہتے تھے۔

جس گودڑی میں آپ بیٹھے رہتے تھے اسی کو بوقت شب اوپر لے کر استراحت فرماتے تھے اور وہ گودڑی اتنی لمبی نہ تھی کہ تمام بدن کو ڈھانپ سکے۔ اگر سر پر لیتے تھے، تو پاؤں برہنہ ہوتے تھے اور اگر پاؤں پر لیتے تھے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ دو خلفاء ان میں سے بڑے ہادی، صاحب خانوادہ ہوئے۔ ایک تو علی احمد صابر اور دوسرے حضرت نظام الدین دہلوی۔ حضرت نظام الدین فرماتے ہیں کہ جب ہم بخدمت حضرت بابا کے حاضر تھے تو ان کے گھر میں ڈیلا جس روز پکتا اور ہم سیر ہو کر کھاتے تھے تو ہم کو عید ہوتی تھی۔ جب موسم ڈیلے کا نہ ہوتا تھا، تب نان گدائی سے اوقات بسری ہوتی تھی۔ ایک روز ایک خادم حضرت کا ایک درم نمک قرض لایا، اور کھانا پکایا، جب کھانا آگے آیا تو آپ نے نور باطن سے یہ حال دریافت کر کے فرمایا کہ اس طعام سے ہم کو بوئے اسراف آتی ہے---- آپ نے فرمایا کہ جو چیز گھر میں موجود ہے وہ اپنے خورد و نوش کے تصرف میں لے کر آتی اسراف نہیں ہے اور قرض لا کر کھانا عین اسراف ہے۔

حضرت کو لوگ زہد الانبیاء بھی کہتے ہیں----- آپ پر اوّل بے ہوشی غالب ہوئی۔ بعدہ جب ذرا ہوش میں آئے تو خادموں سے پوچھا کہ ہم نے نماز عشاء پڑھی ہے یا نہیں۔ خادموں نے عرض کی کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ اور بھی سہی، اور اسی طرح تین دفعہ آپ کو نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ بعد اس کے تین دفعہ یا حی یا قیوم پڑھ کر جان بحق تسلیم فرمائی۔

اور یہ بھی حضرت کا مقولہ ہے-----اس کے معنی یہ ہیں کہ آفت تدبیر میں ہے اور سلامتی تسلیم میں ہے۔ اسرار عالم لوگ سب آدمیوں سے اشرف ہیں، یعنی بہترین اور فقیر لوگ بہترین بہتر اں، اور فقیر عالموں میں ایسا ہے جیسے کہ چاند ستاروں میں۔

ایک شخص حضرت کے پاس آیا، حاضر آیا اور عرض کی کہ میرے واسطے سلطان غیاث الدین کے نام خط لکھ دو کہ آپ کی سفارش سے میرا کام سرانجام پا جائے، حضرت نے یہ رقعہ لکھا، ترجمہ اس کا یہ ہے کہ سپرد کیا میں نے خرخشہ اس کا طرف اللہ کی اور بعد اس کے تیری طرف۔ اگر تو بخشے اس کو کوئی چیز فی الاصل بخشنے والا اللہ ہے، اور تو مشکور ہوگا اور اگر تو نہ بخشے اس کو کچھ تو منع کرنے والا اللہ ہے اور تو معذور ہے۔

اور حضرت بہ حین حیات بارہ برس صائم رہے۔ [اس اطلاح کا مخرج کیا ہے؟] اس عرصہ میں نہ کچھ کھایا نہ پیا اور گلے میں ایک روٹی کاٹھ کی رکھتے، جب بھوک بہت غلبہ کرتی تو آپ اس روٹی پر دانت مارتے تھے، چنانچہ اس روٹی پر نشان دانتوں کے اب تک دکھائی دیتے ہیں، بعد اس محنت بارہ سال کے جب اپنی والدہ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے ذکر چوبی روٹی کا سنا تو فرمایا کہ یہ کیسا روزہ ہے کہ کاٹھ کی روٹی رکھتے ہو گویا ابھی حرص روٹی کی نہیں گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہنوز نفس تم پر غالب ہے۔ جاؤ اور بغیر روٹی کے صائم رہو، چنانچہ حضرت نے کاٹھ کی روٹی پھینک دی اور پھر بارہ سال تک صائم رہے (جنم ساکھی سے مقابلہ کرنا چاہتے)۔

Marfat.com

بہ مقام فرید آستانہ المعروف پھلی دانہ ہر سال بتاریخ پنجم محرم میلہ ہوتا ہے اور اکثر حجام وہاں موجود رہتے ہیں اور آواز دیتے ہیں کہ سر منا جا اور کھل (کھلی) گڑ کھا جا۔ اکثر مرید اُن کے سر منڈاتے ہیں، (جوگیوں کی رسوم سے مقابلہ ہو) اور کھل گڑ کھاتے ہیں اور کئی لوگ رشتہ سیا بطور سیلی جس کو پنجابی زبان میں پیر بولتے ہیں، بیچتے ہیں۔ وہ لوگ تبرکاً لے کر پہنتے ہیں (جوگی رسم)

(۳۴) اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، شیخ عبدالحق محدث دہلی کی تصنیف ہے، وروناتک دیو کو شیخ فرید کا ملتانی کلام ملا۔ کیا کوئی اور شیخ فرید یا شیخ فرید الدین مشہور صوفی بابا فرید کھتوالی کے علاوہ گورونانک سے پہلے شہرت پا چکا تھا جو ملتانی زبان میں شعر کہتا ہو؟

''اخبار الاخیار'' کی رائے اس بارے میں قابل وثوق ہے۔ ''سیر الاولیا'' کو ہم دیکھ چکے۔ اب اس کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ محدث دہلوی سترہویں صدی کا بزرگ ہے، اور جامع اوراق گرنتھ بھی ۱۶۰۶ء میں ملک بقا کے راہی ہوتے ہیں۔

(صفحہ ۸۵) ''شیخ فرید الدین نبیرہ سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی است، مرید و خلیفہ وصاحب سجادہ جد بزرگوار خود است، سرور الصدور کہ از ملفوظات شیخ حمید الدینؒ است او جمع کردہ دووقت سلطان محمد تغلق از ناگور بدہلی قدوم آوردہ بود ساکن گشتہ، قبر او در فناء شہر قدیم است، سنگ خر اس در انجا افتادہ است۔ مردم گویند کو شیخ ایں را در حالت سکر در گردن داشت وہم بداں حالت از ناگور بدہلی آمدہ، واللہ اعلم۔''

شیخ فرید ناگوری تھا، دہلی میں آ کر رہا اور وہیں مرا۔ سلطان محمد تغلق کا زمانہ ۱۳۲۵ء سے ۱۳۵۱ء ہے۔
شیخ حمید الدین شیخ فرید الدین شکر گنج (''اخبار الاخیار'' میں شکر گنج لکھا ہے بجائے گنج شکر کے صفحہ ۳۶) کا ہم عصر تھا، شیخ فرید کی جانب ایک مکتوب بھی لکھا تھا۔

(صفحہ ۶۴) فرمود کار گرم خود را بہ سخن سرد مرد امان نباید گذاشت فرمود

دوشینہ شبنم دل حزنیم بگرفت	وندیشہ یار نازنیم بگرفت
گفتم بسرود یدروم بر در تو	اشکم بدو یو آستینم بگرفت

(۳۵) اب اتنا کہہ کر کہ بابا نانک نے جو شیخ فرید کی طرح اپنے کلام کی صحت سے قلم بندی کرانے میں اسقدر کوشاں اور محتاط تھا، ابراہیم سے پٹن میں ملاقات کے وقت ضرور تحقیق کر لی ہوگی کہ وہ کلام جو ابراہیم سے ملا ہے وہ ابراہیم جانشین فرید کا ہے، یا خود فرید کا۔ اہم گورو گرنتھ صاحب میں درج کلام شیخ فرید کا اُردو ترجمہ دیتے ہیں تاکہ کلام کی اندرونی شہادت پر غور کر کے نمبر ۲۹ میں دی ہوئی شہادت سے اس کا موازنہ کر لیں اور اس کا تطابق دیکھ لیں۔ اس کے بعد زبان فرید اور قدامت زبان ملتانی کے متعلق لکھیں گے۔

راگ آسا۔ شیخ فرید جیو کی بانڑیں

(اصل اشعار مئی ۱۹۳۸ء کے رسالہ میں صفحہ ۳۱۔۳۳ پر درج ہیں)

۱۔ جن کو اُس (خدا) سے دلی محبت ہے۔ وہی سچے (راست باز و راست کار) ہیں۔ جن کے دل میں کچھ اور ہے

اور زبان پر کچھ اور وہ خام (کار) (درگاہ سے) رد کئے جاتے ہیں۔

۲۔ (مبارک ہیں) وہ لوگ جو خدا کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور جو رنگِ دیدار میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور وہ جو خدا کے نام کو دل سے بھلا چکے ہیں وہ اس دین کے لئے (ناقابل برداشت) بوجھ ہیں۔

۳۔ اس کے در کے درویش وہی بن سکتے ہیں جن کو وہ خود اپنے دامن سے وابستہ کرنا چاہتا ہے۔ مبارک ہے وہ ماں جس کے بطن سے وہ پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا اس دنیا میں آنا بار آور ہے۔

۴۔ اے پروردگار تو حدود سے بیرون ہے۔ وہم و قیاس کی تجھ تک پہنچ نہیں۔ تو بے کراں ہے۔ جن لوگوں نے (تجھ) حق کو پہچانا۔ میں ان کے پاؤں چومنا چاہتا ہوں۔

۵۔ اے خداوند میں تیری پناہ ڈھونڈھتا ہوں۔ کہ تو بخش دینے والا ہے۔ شیخ فرید تجھ سے تیری عبادت اور متابعت کی خیرات مانگنے آیا ہے۔

۱۔ شیخ فرید کہتا ہے۔ جو (اس کے) پیارے ہیں یا (وہی اس کے) پیارے ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں (یا جنہوں نے اس سے رجوع کی) (اس سے رجوع کر لینا، ہی زندگی سے اپنا بہترین بھلا ہے۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ) یہ تن بدن ایک دن بیچاری گور کے گھر میں جا کر خاک ہو جائے گا۔

۲۔ شیخ فرید کہتا ہے کہ آج ہی وصال (خداوند سے) میسر آ سکتا ہے اگر میں اپنے دل کی خواہشات کو جو کونجوں کی طرح رو بہ پرواز رہتی ہیں روک لوں۔

۳۔ اگر سچ مچ ہمارے دل میں یہ یقین ہو کہ موت کے بعد قصہ ختم ہے اور دوبارہ حیات نصیب نہ ہوگی۔ تو ہم اس جھوٹی دنیا سے محبت کر کے اپنے آپ کو برباد نہ کر لیں۔

۴۔ حق اور مذہب کے مطابق بات کہنی چاہیے۔ جھوٹ نہ بولنا چاہیے۔ جس راہ پر چلنے کی مرشد ہدایت کرے اس پر کمال مریدی سے گامزن رہنا چاہیے۔

۵ جواں مردوں (مردان حق) کو دریا (بے ہستی) سے پار جاتے دیکھ کر بندی کو بھی ہمت بندھی (کہ ہاں سالک کے لئے کامیابی مشکل نہیں) اور مجھے یہ بھی عیاں ہو گیا۔ کہ جو لوگ دنیا کے زر و مال سے رجوع کرتے ہیں وہ (عاقبت میں) آرہ سے چیرے جاتے ہیں۔

۶۔ اے شیخ تیری عمر عمر رواں ہے۔ کسی کے جسم کو بقا نہیں۔ جس آسن پر ہم بیٹھے ہیں۔ ہم سے پہلے بہت بیٹھ چکے ہیں۔

۷۔ جیسے کاتک کے مہینے میں کونجیں سہاتی ہیں۔ چیت میں (جنگل کی) آگ اور ساون میں بجلیاں۔ ایسے ہی سرما میں محبوب کے گلے میں بانہیں زیب دیتی ہیں۔

۸۔ فانی کو فنا لابدی ہے۔ دل میں ذرا سوچو تو کہ (ہستی سے رشتہ) جوڑنے میں تو چھ ماہ لگتے ہیں۔ مگر ٹوٹنے میں ایک چھن۔

۹۔ اے فرید زمین آسمان سے (عبث) پوچھتی ہے۔ کہ وہ عظام کہاں گئے؟ جسم قبروں میں پڑے سڑتے ہیں اور روحیں اتہامات بدی بھگت کر رہی ہیں۔

راگ سوہی بانڑیں شیخ (سیکھ) فریدؒ جی کی۔

۱۔ تپ (فراق کے) میں مبتلا ہوں۔ (خنجر غم کے ہاتھوں جگر) پاش پاش ہو رہا ہے۔ ہاتھ مروڑتی ہوں۔ باؤلی ہو کر اس محبوب کی تلاش میں پھرتی ہوں۔

۲۔ اے خاوند حقیقی مجھ سے خفا نہ ہو۔ میں تو سر بسر گنہگار ہوں۔ اور تو ہر قسم کی لوث سے بری۔

۳۔ مجھ بد بخت پر تیری ذات کی حقیقت نہ کھل سکی۔ جوانی کھو چکی ہوں اور اب پچھتاتی ہوں۔

۴۔ اے کالی کوئل۔ تو کس وجہ سے کالی ہے۔ اس لئے کہ اپنے پریتم کے فراق کی آگ نے مجھ کو جلا دیا ہے۔ محبوب کے بغیر سکھ چین کہاں؟ جب وہ مالک مہربان ہوتا ہے۔ تب نعمت وصال سے سرفراز کرتا ہے۔

۵۔ (دنیا دکھ کا گھر) ایک اندھیرا کنواں ہے۔ جس میں بے ہوش تن تنہا پڑی ہوں۔ نہ کوئی ساتھی ہے، نہ بیلی مگر آہاہا۔ مالک مہربان ہوا اور مجھے صحبت صالح عطا ہوتی۔ اب جو میں دیکھتی ہوں تو میرا مددگار و یاور اللہ رحیم ہے۔

۶۔ سفر آخرت بہت مشکل ہے۔ تلوار سے زیادہ تیز اور نہایت تنگ۔ اس راہ سے مجھ کو گزرنا ہے۔

۷۔ اے شیخ فرید اس سفر کی تیاری میں جلد سے جلد مصروف ہو۔

سوہی للت:

۱۔ جب بیڑا پار کرنے کا وقت تھا۔ مجھ سے کچھ نہ ہو سکا۔ اب جب بحر مواج لہریں لے گا۔ تب تیرنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس (رنگ عارضی) پر نہ جا۔ اے دوست تیرا ہاتھ جل جائے گا۔

۲۔ مبارک ہیں وہ جنہوں نے اپنی آبرو رکھ لی۔ اور محبوب کے احکام کی پیروی کر لی۔ ظاہر ہے کہ دودھ تھن سے نکل کر پھر تھن میں نہیں بھر سکتا۔ حیات انسانی دوبارہ نصیب نہیں ہوتی۔

۳۔ فرید کہتا ہے۔ اے سہیلیوں۔ محبوب ہم سب کو جلد بلوا بھیجے گا۔ روحیں خوفزدہ ہو کر اِدھر اُدھر چل دیں گی اور اجسام یہیں ڈھیر وہ جائیں گے۔

شلوک شیخ فرید کے

۱۔ جس دن عورت کی نسبت ہوئی (سیاہ کے) اوقات لکھوا (معین کروا) لئے گئے۔ ملک (الموت) جس کے متعلق سنتے رہتے ہیں وہ (وقت مقررہ پر) آ منہ دکھائے گا۔ بیچاری زندگی کو ہڈیاں توڑ توڑ کر نکالے گا۔ مقررہ اوقات (سانس) میں تغیر نہیں ہو سکتا۔ اے انسان تو اسے اچھی طرح سمجھ لے۔ موت خاوند ہے اور زندگی اس

کی منسوب عورت۔ وہ ضرور اسے بیاہ کر لے جائے گا۔ جب وہ اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اپنے ساتھ لے جانے لگے گا۔ تو یہ (بھاگ کر) کس کے گلے سے چمٹے گی۔ اے لوگو تم نے بال سے باریک پل صراط کے متعلق کچھ نہیں سنا؟ اے فرید اُدھر سے آوازیں آ رہی ہیں۔ تم یہاں قیام کے خیال میں مست اپنے آپ کو مروانہ لینا۔

۲۔ اے فرید خدا کے دروازے کا درویش ہونا بہت مشکل کام ہے۔ میں تو دنیا ہی کی طرح چل رہا ہوں۔ (اس طرح سے) میں نے (گناہوں کی) ایک پوٹلی اٹھالی ہے۔ بتاؤ۔ اس بوجھ کو کیسے سر سے اتاروں۔

۳۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ دنیا ایک آتش زار پنہائی ہے۔ میرے مولا نے بخشش فرمائی ورنہ میں بھی جل جاتی۔

۴۔ اے فرید اگر میں سمجھتی ہوں۔ کہ تل تھوڑے ہیں تو مجھے سنبھل کر مٹی میں پکڑنے چاہئیں اگر میں جانتی ہوں۔ کہ میرا خاوند ابھی طفل ہے (جوان نہیں) تو مجھے تھوڑا ناز کرنا چاہیے۔

۵۔ اگر میں سمجھتی ہوں کہ میرا دامن پھٹ جائیگا۔ تو مجھے گرہ مضبوط دینی چاہیے۔ تجھ سا عظیم الشان دنیا میں اور کوئی نہیں۔ میں نے اچھی طرح سے دیکھ لیا ہے۔

۶۔ اے فرید اگر تو عقل لطیف کا مالک ہے۔ تو سیاہ کار نہ بن۔ سر نیچا کر کے اپنے گریبان میں دیکھ۔

۷۔ اے فرید جو لوگ تجھے مکے مارتے ہیں۔ تو بدلہ میں ان کو نہ پیٹ۔ ان کے پاؤں چوم اور اپنے گھر لوٹ۔

۸۔ اے فرید جب سچی کمائی کا موقعہ تھا۔ سب تو دنیاداری میں مصروف رہا۔ موت کی بنا پختہ ہوتی جاتی ہے۔ جونہی بیڑی بھر گئی۔ چل دینا ہوگا۔

۹۔ اے فرید دیکھ کہ کیا حال وہ گیا۔ ڈاڑھی بھوری ہوگئی ہے۔ عاقبت نزدیک آ چلی ہے اور دنیا بہت پیچھے رہی جاتی ہے۔

۱۰۔ اے فرید دیکھ کہ کیا تغیر ہوگیا۔ شکر زہر ہوگئی ہے۔ اس دکھ کی حقیقت اپنے مولا کے بغیر میں کس سے کہوں؟

۱۱۔ اے فرید تماشائے عالم سے آنکھیں سیر ہوگئیں (یا دیکھنے سے رہ گئیں) شورش عالم سے کان بھر گئے۔ شاخ ہستی خشک ہو چلی ہے۔ اب اس کا رنگ متغیر ہوگیا ہے۔

۱۲۔ اے فرید جنہوں نے کالے بالوں کے وقت اسے خوش نہ کیا۔ وہ ان کے سفید ہو جانے پر اسے کیسے خوش کر سکیں گے۔ مولا سے پریت لگا تاکہ تیرا رنگ نیا اور تازہ ہو جائے۔

گورو امرداس

۱۳۔ [اے فرید، کالی اور سفید ڈاڑھی کے اوقات کا تعین فضول ہے۔ خداوند قائم ودائم ہے۔ جب کوئی چاہے اس کی یاد میں محو ہو سکتا ہے۔ کوئی کتنی تمنا کرے۔ اس مالک کی مرضی کے بغیر اس سے محبت کا رشتہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کا عشق ایک پیالہ ہے۔ جس کو وہ خود ہی عنایت کرتا ہے۔ جس پر اس کا کرم ہو۔]

۱۴۔ اے فرید دنیا کو مسحور کرنے والی آنکھیں میں نے دیکھی ہیں۔ ایک وہ دن تھے۔ جب سرمہ کی لکیر بھی ان پر گراں

تھی۔ اور اب ان کے خولوں میں جانوروں کے بچے بیٹھے ہیں۔

۱۵۔ اے فرید ہر روز ان کو آوازیں پکاریں سنائی دیتی ہیں۔ ان کو نصیحتیں دی جاتی ہیں۔ مگر جن لوگوں کو ایک دفعہ شیطان نے مغلوب کر لیا ہے۔ وہ دل کو دنیا کی طرف سے کب ہٹاتے ہیں۔

۱۶۔ اے فرید اگر تو مالکِ کُل تک اپنی رسائی چاہتا ہے۔ تو پاؤں تلے کی (یا راستے کی) دوب ہو جا۔ پہلے اسے کاٹتے ہیں۔ پھر اسے دباتے ہیں۔ مگر اس کے بعد وہ مالک کے گھر میں جا داخل ہوئی ہے۔

۱۷۔ اے فرید خاک کو برا نہ کہہ۔ خاک کے برابر کس کا رتبہ ہے؟ ہماری زندگی میں تو یہ ہمارے پاؤں کے تلے ہے۔ مگر مرنے کے بعد یہ اوپر اور ہم نیچے۔

۱۸۔ اے فرید جہاں ہوس ہے وہاں عشق کا کیا کام۔ جہاں حرص و ہوس ہیں وہاں کا پیار جھوٹا ہے۔ اگر چھت شکستہ ہو تو بارش میں وہاں کیسے گزر ہو سکتی ہے؟

۱۹۔ اے فرید تو جنگلوں میں کیوں مارا مارا پھرتا ہے۔ اور کیوں بن کے کانٹوں سے الجھتا ہے۔ خدا تو تیرے دل میں بستا ہے اور تو اس کی تلاش جنگلوں میں کرتا ہے۔

۲۰۔ اے فرید وہ دن بھی تھے جب ان چھوٹی سی ٹانگوں سے میں تھل اور ڈونگر (ریتلے میدانوں) میں (آزادانہ اور بے تکان) پھرا کیا۔ مگر اب یہ حالت ہے کہ قریب پڑا ہوا کوزہ میرے لئے سو کوس کے فاصلے پر رکھی ہوئی شے ہو گئی ہے۔

۲۱۔ اے فرید راتیں بڑھ گئیں۔ عضو عضو میں آگ لگی ہے۔ حیف ہے ان کی زندگی پر جن کو (محبوب کی آمد کی) امید باقی نہیں رہی (یا تف ہے ان کی زندگی پر جن کو کسی دوسرے بیگانے کی آس ہے)۔

۲۲۔ اے فرید دوست کی آمد پر میری ہستی مکمل طور پر اس پر قربان ہو جاتی ہے۔ میری حالت اس وقت وہی ہوتی ہے۔ جو انگارے پر مجیٹھ کی۔

۲۳۔ اے فرید، دیکھ، جاٹ بوتا تو کیکر کے بیج ہے۔ مگر چاہتا ہے بجوری داکھ۔ کاتتا تو اون ہے اور چاہتا ہے کہ میں ریشم پہنوں۔

۲۴۔ اے فرید گلیوں میں کیچڑ ہے۔ گھر دور ہے۔ ادھر پیارے کی محبت (جوش زن ہے)۔ اگر جاتی ہوں تو کمبل بھیگتا ہے۔ اگر نہ جاؤں تو رشتہ محبت ٹوٹتا ہے۔

۲۵۔ اے کمبل بھیگ جا۔ تر بتر ہو جا۔ میرا اللہ مینہ برسا رہا ہے۔ میں ضرور جاؤں گی اور محبوب سے جا کر ملوں گی۔ محبت کے وعدے کو نہ توڑوں گی۔

۲۶۔ اے فرید دیکھ۔ تُو تو اپنی پگڑی پر مٹا ہوا ہے اور احتیاط کرتا ہے کہ میلی نہ ہو جائے مگر احمق یہ نہیں سوچتا۔ کہ پگڑی تو پگڑی رہی۔ تیرے سر تک کو ایک روز مٹی کھا جائے گی۔

۲۷۔ اے فرید شکر، کھانڈ، نبات، گڑ، شہد، بھینس کا دودھ سب شیریں چیزیں ہیں مگر وردِ خدا کی غذو بت کو نہیں پہنچتیں۔

Marfat.com

۲۸۔ اے فرید میری روٹی چوبی ہے اور بھوک سالن۔
جو لوگ چپڑی روٹیاں کھاتے ہیں۔ ان پر عذاب (بقدر عیش) اور بھی زیادہ ہوگا۔

۲۹۔ روکھی سوکھی کھا کر ٹھنڈا پانی پی لے۔ اے فرید دوسرے کی چپڑی دیکھ کر نہ للچا۔

۳۰۔ آج کی رات ہی میں خاوند کے ساتھ نہیں سوئی۔ دیکھو دردِ فراق سے میرا عضو عضو ٹوٹ رہا ہے۔ ذرا ان بدبختوں سے تو پوچھو کہ تم فراق کی راتیں کیونکر بسر کیا کرتی ہو۔

۳۱۔ نہ تو سسرال میں ان کو پناہ ملتی ہے۔ نہ میکے میں ان کے لئے جگہ ہے۔ خاوند اُن سے بات چیت نہیں کرتا۔ پھر بھی یہ عورتیں سہاگن کہلاتی ہیں۔

۳۲۔ [سسرال اور میکے کا ذکر کیا ہے۔ فکر تو رضائے خاوندی (خداوندی) کی ہے اور وہ پیارا خاوند تفہیم سے بالا اور بے پایاں۔ اے نانک جو عورت اس بے پروا کو پسند آ گئی وہی سہاگن ہے۔ (بن گئی)۔]

۳۳۔ جو (بظاہر) نہاتی دھوتی اور یاد کرتی ہے اور بے فکر سو جاتی ہے۔ اے فرید اس کی بیڑی ہینگ سے لدرہی ہے۔ نہ کہ کستوری سے۔

۳۴۔ جوانی کے چلے جانے کا ڈر نہیں۔ بشرطیکہ محبوب کی پریت دل سے نہ چلی جائے۔ اے فرید میں نے کتنے ہی جوبن دیکھے ہیں۔ جو پریت کے بغیر کملا گئے۔

۳۵۔ اے فرید فکرِ عاقبت میرا کھٹولا ہے۔ زہد میرا بان ہے۔ اور دردِ عشق بچھونا اور اوڑھنا۔ اے مالکِ حقیقی یہی میرا جیون ہے۔ تو براہ کرم اسے دیکھ۔

۳۶۔ لوگ فراق کو برا کہتے ہیں۔ مگر فراق تو سب سے مقدم اور سب سے محترم ہے۔ اے فرید جس تن میں فراق نہیں اگا وہ گورستان سے بیش نہیں۔

۳۷۔ اے فرید یہ (عورتیں) زہر کی شاخیں ہیں۔ جن کو نبات سے لپٹا دیا گیا ہے۔ بہت سے تو اس کے بونے میں رہ گئے اور کچھ بوئی ہوئی کو اجاڑ گئے۔

۳۸۔ اے فرید چار (پہر) تو تُو نے کام میں گزار دیئے اور چار (پہر) سو کر۔ ارے بندے۔ خداوند تعالیٰ حساب پوچھے گا۔ تو کیسے بسر کر رہا ہے۔

۳۹۔ اے فرید میں نے دروازے پر جا کر دیکھا کہ ایک گھڑیال ہے۔ جسے بے گناہ پیٹ رہے ہیں۔ اگر یہ حال ہے تو ہم گناہگاروں کا کیا حال ہوگا۔

۴۰۔ گھڑی گھڑی اسے مارتے ہیں۔ پہر پہر اسے سزا دیتے ہیں۔ ہم گنہگار بھی اسی طرح دکھ اٹھائیں گے۔

۴۱۔ شیخ فرید بوڑھا ہو گیا۔ دبن کانپنے لگا۔ اگر پورے سو برس جیا تو بھی کیا۔ آخر اس بدن کو خاک ہونا ہے۔

۴۲۔ فرید کہتا ہے (اے خدا) مجھے کسی دوسرے کا دروازہ نہ دکھا۔ اگر مجھے دوسروں کے در پر بٹھانا ہو۔ تو روح کو بدن سے قبض کر لے۔

۴۳۔ اے دنیادار۔ تیرے کندھے پر کلہاڑا ہے۔ میرے سر پر پانی کا ایک گھڑا ہے اور تو بن میں درخت کے پاس

Marfat.com

پھرتا ہے۔ فرید تجھ سے کہتا ہے کہ دیکھ، تجھ میں اور مجھ میں کس قدر فرق ہے۔ اس شجر زار عالم میں تو ایندھن ڈھونڈھتا ہے اور میں اپنا محبوب۔

۴۴۔ اے فرید آج یہاں کسی کے پاس تو ورثہ میں پایا آٹا ہے اور کسی کے پاس نمک بھی نہیں۔ اگلی دنیا میں چل کر بھید کھلے گا کہ ان میں سے کون کس چیز کا اصلی حقدار ہے اور کون سزا کا مستوجب۔

۴۵۔ جن کے پاس دمامہ تھے۔ جن کے سروں پر چھتر تھے۔ (دروازوں پر) نفیری (بجتی تھی) (جنکے لئے) قصیدہ خواں قصیدے کہتے تھے۔ وہ سب گورستان میں پہنچ گئے اور عالم بے چارگی میں یتیموں کی طرح پڑے ہوئے ہیں۔

۴۶۔ اے فرید مکان، منڈپ، محل تعمیر کرانے والے چل دیئے۔ انہوں نے جھوٹ کا (یا جھوٹا) بیوپار کیا۔ آخر قبروں میں چل بسے۔

۴۷۔ اے فرید گدڑی (کھنتھا: جوگیوں کی گدڑی) کو زیادہ دیر تک چلانے کے لیے تو نے پکے ٹانکے میخوں کی طرح سے لگالئے ہیں۔ مگر روح کو جسم میں قائم رکھنے کے لیے کوئی میخ نہیں۔ اپنی اپنی باری پر مشائخ اور شیخ سب بل دیئے۔

۴۸۔ اے فرید دیکھ دو چراغوں کے جلتے ملک (الموت) آ بیٹھا ہے۔ اس نے قلعہ تسخیر کرلیا۔ خزانے کے گھڑے کو لوٹ لیا۔ اور چراغ بجھا کر چلتا ہوا۔

۴۹۔ اے فرید دیکھ کپاس کے ساتھ کیا ہوا اور تلوں کے سر پر کیا گزری۔ پھر ا یکھ کے ساتھ کیا ہوا۔ کاغذ کو کیا کیا سہنا پڑا اور مٹی کی ہانڈی نے کیا کیا مصیبت جھیلی۔ کوئلہ کو کیا درپیش آیا۔ جو بدعمل ہیں ان کو یونہی سزائیں ملا کرتی ہیں۔

۵۰۔ کاندھے پر مصلے ہے۔ گلے میں صوف، مگر دل میں چھری اور زبان میں شیرینی۔ باہر سے تو روشن دکھائی دیتا ہے۔ مگر دل میں شب تار کا اندھیرا۔

۵۱۔ اے فرید۔ اگر کوئی ان کے بدن کو چیرے تو اس میں سیر سے رتی بھر خون بھی نہ نکلے گا۔ جو لوگ خدا کے عشق میں مگن ہیں ان کے جسم میں خون کہاں۔

گورو امرداس

[یہ جسم خون سے بھرا ہے۔ خون کے بغیر جسم کہاں۔ جو لوگ اپنے خاوند کی محبت سے پُر ہیں ان کے بدن میں ہوس اور حرص کا لہو نہیں ہوتا۔ جب دل میں خوف خدا جلوہ گر ہوتا ہے۔ تو جسم ضرور گھٹتا جاتا ہے اور اس میں سے حرص و ہوس کا خون سوکھتا جاتا ہے۔ جس طرح آگ سے سونا صاف ہوتا ہے۔ اسی طرح خوف خدا بدشعاری اور بدشعوری کی آلائش کو دور کر دیتا ہے۔ اے نانک وہ لوگ نہایت خوبصورت ہیں جو خدا تعالیٰ کی محبت کی رنگ میں رنگ چکے۔]

۵۳۔ اے فرید تو بڑے تالاب کی تلاش کرتا کہ اس میں سے کوئی چیز ہاتھ لگے۔ چھپڑ میں ڈھونڈھنے سے کیا ملے گا۔ سوائے اس کے کیچڑ سے ہاتھ لت پت ہو جائیں۔

Marfat.com

۵۴۔ اے فرید چھوٹی عمر (جوانی میں) میں خاوند کو خوش نہ کیا۔ بڑی عمر میں بس موت تک پہنچے اور کچھ نہ کر سکے۔ اب بچاری عورت قبر میں فریاد کر رہی ہے۔ کہ اے محبوب تجھ تک میری رسائی نہ ہو سکی۔

۵۵۔ اے فرید سر کے بال سفید ہو گئے۔ ڈاڑھی اور مونچھیں بھی سفید ہو گئیں۔ مگر اے غافل دل تو اب تک عشرت پرستی پر مائل ہے۔

۵۶۔ چھت پر کوئی کہاں تک ناچ کود سکتا ہے؟ اے دل تو اپنے محبوب حقیقی کی طرف سے غفلت کو ترک کر۔ تجھ کو انے گنے دن ملے تھے۔ سو تُو نے برے کاموں میں اِدھر اُدھر بھٹک کر گنوا دیئے۔

۵۷۔ اے فرید مکان منڈپ اور محل۔ ان سے محبت نہ کر۔ وہ دن دور نہیں جب تجھ پر کافی سے زیادہ مٹی ڈالی جائے گی اور کوئی ترا ساتھی نہ ہوگا۔

۵۸۔ اے فرید دل کو منڈپ اور مال سے وابستہ نہ کر۔ مرگ غالب کا دل میں دھیان کر۔ اس جگہ کی فکر کر جہاں تجھے آخر میں جانا ہے۔

۵۹۔ اے فرید جن کاموں میں کچھ خوبی نہیں۔ وہ کام ترک کر۔ ایسا نہ ہو کہ ان کاموں کے کرنے سے تو مالک کے دربار میں شرمندہ ہو۔

۶۰۔ اے فرید مالکِ کُل کی چاکری کر۔ دل سے دوسری سب تمناؤں اور توہموں کو دور کر۔ درویشوں کو درختوں کا سا تحمل اور صبر روا ہے (یا درویشوں کو شجر زاروں میں گزر کرنی چاہیے۔)

۶۱۔ اے فرید میرے کپڑے بھی کالے ہیں اور میرا بدن بھی سیاہ ہو گیا ہے۔ میں تو گناہ سے آلودہ پھرتا ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ درویش ہے۔

۶۲۔ پانی میں سڑی (چیز) کو لاکھ مرتبہ پانی میں ڈبو وہ تازہ اور نئی نہیں ہو سکتی۔ اے فرید جو خدا کی ماری ہوئی ہے۔ وہ عورت کسی طرح سے شاداں و فرحاں نہیں ہو سکتی اور ہمیشہ غمزدہ رہے گی۔

۶۳۔ جب کنواری ہوتی ہے تو بیاہ کا بہت چاؤ ہوتا ہے۔ جب بیاہی گئی تو پھر جنجال میں پڑ گئی اور معاملہ در معاملہ در پیش رہتا ہے۔ اے فرید حیف کہ اب پھر کنواری نہیں ہو سکتی۔

۶۴۔ کلر والے چھپڑ میں ہنس آ اترے ہیں۔ چونچیں ڈوبتے ہیں۔ مگر پیتے نہیں۔ ان کو تو اڑ چلنے کی فکر ہے۔

۶۵۔ راج ہنس اڑ کر کودوں کے کھیت میں چلا گیا۔ لوگ اسے اڑانے جا رہے ہیں۔ وہ غافل اور کم فہم لوگ نہیں جانتے کہ ہنس کدم نہیں کھاتا۔

۶۶۔ وہ پرندوں کے جھنڈ جن سے تالاب آباد تھے چل دیئے۔ اے فرید۔ بھرا تالاب بھی ایک دن سوکھ جائے گا۔ فقط کنول رہ جائیں گے۔

۶۷۔ اے فرید (ان یاد کر جب) اینٹ تیرے سرہانے ہوگی۔ زمین پر تو دراز ہوگا۔ کیڑے مکوڑے تیرے بدن کا گوشت پوست کھا ئیں گے۔ اور لاکھوں جگ تجھے ایک ہی پہلو پڑے پڑے گذر جائیں گے۔

۶۸۔ اے فرید خوبصورت برتن ٹوٹ گیا۔ خوبصورت رسی بھی ٹوٹ گئی۔ آج عزرائیل فرشتہ کس کے ہاں مہمان ہوگا؟

Marfat.com

۶۹۔ اے فرید خوبصورت برتن ٹوٹ گیا۔ خوبصورت رسی بھی ٹوٹ گئی۔ جو (خدا) دوست (مرنے سے) پہلے ہی مر چکے ہیں وہ آج (موت کا شکار ہو کر) کیوں آئیں گے؟

۷۰۔ اے فرید جو نماز نہیں پڑھتے۔ وہ کتوں سے بدتر ہیں۔ یہ شیوہ اچھا نہیں۔ پانچوں وقت چل کر مسجد میں نماز (ادا) کرنی چاہیے۔

۷۱۔ اے فرید اٹھ، وضو کر، صبح کی نماز گزار۔ جو سر مالک کی حضوری میں خم نہیں ہوتا اس کو دھڑ سے الگ کر دینا چاہیے۔

۷۲۔ جو سر خدا کی حضوری میں خم نہیں ہوتا۔ اس کا اور کوئی مصرف نہیں۔ اسے کاٹ کر ہانڈی کے نیچے ایندھن کے بجائے جلا دینا چاہیے۔

۷۳۔ اے فرید تیرے ماں باپ کہاں ہیں۔ جنہوں نے تجھے پیدا کیا۔ وہ تجھ سے دور چلے گئے۔ مگر ابھی تک تجھ کو اس (سفر آخرت) کی خبر و فکر نہیں ہوئی۔

۷۴۔ اے فرید من کو میدان بنا دے۔ نشیب و فراز دور کر دے۔ ایسا کرنے سے عاقبت میں تو دوزخ سپرد نہ ہوگا۔

گورو ارجن دیو:

۷۵۔ [اے فرید خالق خلق میں ہے اور خلق اپنے رب میں بستی ہے۔ برا کس کو کہا جائے۔ جب اس کے بغیر اور کوئی ہے ہی نہیں۔]

۷۶۔ اے فرید جس دن نال کاٹی تھی۔ اگر اس دن گلا کاٹ دیتے تو خوب ہوتا۔ اتنے معاملات تو نہ پیش آتے اور ہم اتنے دکھ تو نہ سہتے۔

۷۷۔ دانت' پاؤں' آنکھیں اور کان کام کرنے سے رہ گئے۔ بدن نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ میرے دوست چل دیئے۔

۷۸۔ اے فرید جو برا کرے۔ تو اس سے بھلا کر۔ دل میں غصہ کو جگہ مت دے۔ ایسا کرنے سے تجھے کوئی مرض لاحق نہ ہوگا اور تیری ہر مراد برآئے گی۔

۷۹۔ اے فرید پرندے مہمان ہیں اور دنیا سہانا باغ ہے۔ نوبت بجی، صبح کو اٹھ کر چل دینے کا ساز و سامان کر۔

۸۰۔ اے فرید رات میں کستوری بٹتی ہے۔ سوئے ہوؤں کو حصہ (شوق) نہیں ملتا۔ جن کی آنکھیں خواب آلود ہیں۔ ان کو دیدار و وصال کہاں؟

۸۱۔ اے فرید میں سمجھتا تھا کہ دکھ مجھی کو ہے۔ مگر دکھی تو سارا جہان ہے۔ اونچی جگہ پر چڑھ کر دیکھا تو گھر گھر آگ لگی ہے۔

گورو ارجن دیو:

۸۲۔ اے فرید یہ زمین تو ریگستان (عیش زار) ہے۔ ہاں اسکے عین بیچ ایک زہریلا باغ بھی ہے۔ جن کی پیر و مرشد نے نوازش کی۔ ان کو آنچ نہیں لگتی۔

Marfat.com

گورو ارجن دیو:

۸۳۔ اے فرید لمبی عمر اور مکمل صحت یہ نعمتیں بہت کم نصیب ہوتی ہیں۔انہیں کو ملتی دیکھی ہیں۔جن کے دل میں خدا کی محبت تھی۔

۸۴۔ اے (دریا کے) بہاؤ تو کناروں کو مت گرا۔ایک دن تجھے بھی حساب دینا ہوگا جس طرح رضائے خدا اشارہ کرتی ہے (یا کرے) اسی طرف بہاؤ اپنا رخ کرتا ہے۔(بہاؤ کو اپنا رخ کرنا چاہیے)۔

۸۵۔ اے فرید دن تو دکھ میں بیتا اور رات درد میں۔پٹن والا کھڑا پکارتا ہے کہ سنبھلو تمہاری بیڑی منجدھار کے منہ میں پڑتی ہے۔

۸۶۔ لمبی ندی کنارے کے ساتھ ساتھ بہہ رہی ہے۔دھارا بیڑے کو کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔اگر ملاح ہوشیار رہے۔

۸۷۔ اے فرید بات چیت میں بیسیوں دوستی کا دم بھرتے ہیں۔مگر ضرورت کے وقت ڈھونڈھوں تو ایک بھی نہیں ملتا۔ میرے پیارے (سچے) دوستوں کے غم میں تو میں ایسے دہک رہی ہوں جیسے گوبر کا اپلا۔

۸۸۔ اے فرید دل تو کتے کی طرح بھونکتا رہتا ہے۔اس کی باتوں کو سن سن کر کون دکھ اٹھائے۔میں نے تو کانوں میں روئی دے رکھی ہے۔اس کو بکنے دو۔

۸۹۔ اے فرید (وصال) محبوب حقیقی گویا پکی کھجوریں اور شہد کی بہتی ندیاں ہیں (جن کے لئے جلد سے جلد کوشش کرنی چاہیے) جو دن جاتا ہے۔وہ ہماری فرصت عمر میں کمی کر رہا ہے۔

۹۰۔ اے فرید جسم سوکھ گیا۔پنجر ہی پنجر رہ گیا۔یہاں تک کہ کوے آ آ کر میرے پاؤں کے تلوؤں کو ٹھونگتے ہیں۔مگر وائے قسمت ابھی تک اللہ کا دیدار نصیب نہیں ہوا۔

۹۱۔ اے کوے تُو نے میرا سارا پنجر ڈھونڈھ لیا۔اور سارا گوشت پوست اڑا لیا۔مگر تُو ان دونوں آنکھوں کو مت چھونا۔کیونکہ مجھے ابھی تک جلوہ دیدار کی امید باقی ہے۔

۹۲۔ اے کوے میرے پنجر کو مت چھوڑ۔اور یہاں سے ایک دم اڑ جا۔جس پنجر میں کبھی نہ کبھی آ کر میرا خاوند حقیقی بسے گا۔اس کے پوست کو مت چھو۔

۹۳۔ اے فرید بیچاری قبر آواز دیتی ہے۔کہ اے بے خانماں۔میرے یہاں آ جا۔تجھے میرے پاس آنا ہے۔موت سے مت ڈر۔

۹۴۔ میرے ان آنکھوں سے دیکھتے بہت سے چل بسے۔جو باقی ہیں وہ اپنی اپنی بسر اوقات کی فکر میں لگے ہیں۔مگر مجھے ایک اور ہی غم ہے۔

۹۵۔ اگر تم اپنی روح کے سنوارنے کی سعی کرو گے۔تو (خدا کہتا ہے کہ) میں تمہیں مل سکوں گا۔اور مجھے ملنے سے تمہیں ہر طرح کا سکھ چین ملے گا۔اے فرید (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اگر تُو میرا ہو کر رہے گا۔تو کل دنیا تیری ہو کر رہے گی۔

Marfat.com

۹۶۔ (دریا کے) کنارے کا درخت کب تک (جینے کی) امید لگائے رکھے گا۔ اے فرید کچے برتن کب تک پانی رہ سکتا ہے؟

۹۷۔ اے فرید محل خالی ہو گئے اور 'زیرزمین' بس گئی۔ انہی بیچاری قبروں میں اب روحیں ٹھکانا کئے ہوئے ہیں۔ اے شیخ بندگی کر۔ بس آج کل میں تجھے بھی چل دینا ہے۔

۹۸۔ اے فرید موت کی حدود مجھے یوں (صاف) دکھائی دیتی ہیں جیسے دریا کا وہ پار۔ سنتے ہیں کہ آگے (عاقبت میں) دوزخ تپ رہا ہے اور دوزخی چیخ پکار کر رہے ہیں۔ دیکھو کچھ تو سب اسرار سے آگاہ ہیں اور کچھ غافل پھر رہے ہیں۔ جو اعمال اس دنیا میں ہم سے سرزد ہوتے ہیں۔ وہی اس بارگاہ میں جا کر ہمارے گواہ بنتے ہیں۔

۹۹۔ اے فرید دریا کے کنارے بگلا بیٹھا کلول کر رہا ہے۔ کھیلتے ہوئے ہنس پر یکا یک باز جھپٹا۔ جب خدا کا باز آیا تو سب لہو و لعب بسر گیا جو باتیں ہمارے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالے سے وہی منشور ہوتی ہیں۔

۱۰۰۔ ساڑھے تین من کا یہ جسم ہے۔ جو غذا اور پانی کے سہارے چلتا ہے۔ انسان دنیا میں امیدیں اور آرزوئیں لئے آتا ہے (اور اپنے گرد فصیل تیار کر لیتا ہے) مگر ملک الموت جب آئے گا۔ تب سب دروازے توڑ دے گا۔ خویش و اقارب کی موجودگی میں اس کو باندھ لیتا ہے۔ دیکھو اب چار آدمیوں کے کندھے پر مرحوم جا رہا ہے۔ اے فرید درگاہ میں (اور کچھ کام نہیں آیا) سوائے ان اعمال نیک کے جو دنیا میں کئے ہیں۔

۱۰۱۔ اے فرید میں قربان ان پنچھیوں کے جو جنگل میں بود و باش رکھتے ہیں۔ کنکر چگتے ہیں اور ریگستان میں بسر کرتے ہیں۔ (مگر) ذکر (قرب) خدا نہیں بھولتے۔

۱۰۲۔ اے فرید موسم تبدیل ہو گیا۔ بن کانپ رہا ہے۔ پتے لگاتار جھڑ جھڑ کر زمین پر جمع ہو رہے ہیں۔ میں نے چاروں اطراف میں ڈھونڈھ لیا ہے۔ کہیں پناہ نہیں۔

۱۰۳۔ اے فرید ریشم کے کپڑوں کو پھاڑ کر تار تار کر دوں گا۔ اور کملی اوڑھ لوں گا۔ جس جس لباس کے زیب تن کرنے سے وہ خاوند (حقیقی) مل سکتا ہے۔ اسے پہنوں گا۔

گوروامرداس جی:

۱۰۴۔ [تو کیوں ریشم کو پھاڑتا ہے۔ اور کیوں کالی کملی پہنتا ہے؟ نانک کہتا ہے کہ گھر میں بیٹھے بٹھائے وہ خاوند مل سکتا ہے۔ اگر تو اپنی نیت کو راس لائے۔]

گوروارجن دیو جی:

۱۰۵۔ اے فرید جن کو اپنی بڑائی کا غرور ہے۔ جن کے پاس بے انتہا دھن ہے۔ جوانی ہے۔ وہ مالکِ کُل کی محبت سے خالی رہ گئے۔ یوں جیسے مینہ کے پانی سے ٹیلے۔

۱۰۶۔ اے فرید ان کے منہ ڈراؤنے (گھناؤنے) ہیں۔ جو خدا کے نام کو بھول گئے۔ ان کے لئے یہاں بھی بہت دکھ درد ہے۔ اور وہاں بھی کوئی ملجا و ماوا نہیں۔

۱۰۷۔ اے فرید تو پچھلی رات (کے پچھلے پہر) نہ جاگا۔ گویا تو جیتا ہی مر گیا۔ یاد رکھ کہ ہر چند تو نے رب کو بھلا دیا ہے۔

Marfat.com

مگر رب نے تو تجھے فراموش نہیں کیا۔

گورو ارجن دیو جی:

۱۰۸۔ اے فرید خاوند حقیقی بڑا رنگیلا (رنگین مزاج) ہے اور بہت بے محتاج (بے پروا) جو لوگ اللہ کی محبت میں رنگے جاتے ہیں۔ان کے لئے یہ سب سازو سامان (دنیا) (سچا) برحق ہے۔

گورو ارجن دیو جی:

۱۰۹۔ اے فرید تو دکھ اور سکھ کو ایک سا جان۔دل سے آلائشوں کو دور کر۔اگر اللہ تعالیٰ کو تیری بھلائی منظور ہوئی۔تب یقیناً تجھے اس کے دربار تک رسائی نصیب ہوگی۔

گورو ارجن دیو جی:

۱۱۰۔ اے فرید (عام لوگوں کے دلوں کا تار) دنیا کے بجانے سے بجتا ہے۔تیرا بھی یہی حال ہے۔مگر وہاں وہ روح اس طرح سے لرزش نہیں کرتی۔جس کی خود خدا تعالیٰ خبر گیری کرتا ہے۔

گورو ارجن دیو جی:

۱۱۱۔ اے فرید دل تو اس دنیا کے کاموں میں مستغرق ہے۔مگر یہ دنیا کسی کام کی نہیں۔فقیروں کی روش بہت مشکل ہے اور وہ اچھا نصیبہ ہو تبھی حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۱۲۔ (رات کے) پہلے پہر (جاگنے سے) پھول (حاصل ہوتے ہیں) اور پچھلے پہر میں (جاگنے سے) پھل بھی (میسر آتا ہے)۔جو (لوگ) جاگتے ہیں وہی اپنے سائیں سے نعمت پاتے ہیں۔

۱۱۳۔ نعمتیں اس مولا کی ہیں۔جس کے آگے کسی کی نہیں چلتی۔دیکھو کوئی تو جاگتے ہیں مگر کچھ نہیں پاتے۔اور کوئی جو سوئے رہتے ہیں ان کو جگا کر وہ عطائیں دیتا ہے۔

۱۱۴۔ اے سہاگ کی متلاشی عورت۔تجھ میں ضرور کسی بات کی کمی ہے۔جو (دراصل) سہاگن ہیں ان کو کسی طرح کی توقع نہیں ہوتی۔

۱۱۵۔ صبر کی کمان میں صبر ہی کا چلہ ہو۔صبر ہی کا تیر ہو۔پھر محبوب حقیقی کا شکار یقینی امر ہو جاتا ہے۔(پھر انسان خدا کو اپنا نشانہ بنانے میں خطا نہیں کر سکتا)۔

۱۱۶۔ صابر لوگ صبر میں یوں اپنا تن بدن پھونک لیتے ہیں کہ خدا کے قرب کو پا لیتے ہیں۔مگر اس کا بھید کسی کو نہیں بتاتے۔

۱۱۷۔ صبر میں اے بندے بڑا مزا ہے۔اگر تو اسے اختیار کرے۔دریا (طغیانی ضبط سے) اور زیادہ بڑھتا ہے۔(کناروں کے) ٹوٹنے سے محض نالا نہیں رہ جاتا۔

۱۱۸۔ اے فرید درویشی مشکل چیز ہے۔ہماری پریت تو اوپر ہی ہے۔کوئی ایک آدھ ہی درویشی کی ریت کو نبھا سکتا ہے۔

۱۱۹۔ تن تنور کی طرح تپ رہا ہے۔ہڈیوں کا اس میں ایندھن ہے۔اگر مجھے وہ پیارا مل سکے تو میں پاؤں سے چلتے

Marfat.com

چلتے تھک کر سر سے چل کر جاؤں گا۔

۱۲۰۔ تن کو تنور کی طرح نہ تپا۔ ہڈیوں کا ایندھن نہ جلا۔ سر اور پیروں نے کیا قصور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو اپنے اندر ہی دیکھ لے۔

گورونانک دیو:

۱۲۱۔ میں تو سجن کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ اور سجن میرے پاس ہے۔ نانک کہتا ہے کہ وہ الکھ (نظر نہ آسکنے والا) ہے۔ مگر ہاں مرشد کی وساطت سے اس کا جلوہ دیکھا جا سکتا ہے۔

۱۲۲۔ ہنسوں کو تیرتے دیکھ کر بگلوں کے دل میں بھی چاؤ پیدا ہوا۔ بد بخت بگلے ڈوب مرے۔ سر نیچے اور پاؤں اوپر۔

۱۲۳۔ میں نے سمجھا کہ وہ راج ہنس ہے۔ اس لئے میں نے اس سے صحبت رکھی۔ اگر میں جانتی کہ وہ کم بخت بگلا ہے تو میں کیوں عمر بھر اس سے اپنا کوئی انگ چھوتی۔

۱۲۴۔ کیا ہنس اور کیا بگلا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس پر اس کی نظر کرم ہو جائے۔ اے نانک جس کو وہ چاہتا ہے۔ کوے سے ہنس بنا دیتا ہے۔

۱۲۵۔ ایک تالاب ہے۔ ایک پنچھی۔ مگر پھنسانے والے پچاس۔ یہ جسم لہروں میں پھنس گیا ہے۔ اے سچے مالک تیرا ہی آسرا ہے۔

۱۲۶۔ وہ کون سا حرف ہے؟ وہ کونسی خوبی ہے۔ وہ کونسا من کا منتر ہے؟ وہ کونسا بھیس ہے جس کی وساطت سے میں اپنے خاوند کو بس میں کر سکتی ہوں؟

۱۲۷۔ خمیدہ سری وہ حرف ہے۔ تحمل و توکل وہ خوبی ہے۔ شیریں زبانی وہ منتر ہے۔ اے بہن یہ تین اوصاف تو جمع کر تب کنت تیرے قابو میں آجائے گا۔

۱۲۸۔ عقل ہو مگر خود کو انجان جانے۔ طاقت ہو مگر خود کو بے بس سمجھے۔ نکبت و افلاس میں بھی دوسروں سے بانٹ کھائے۔ جو ایسا کرے وہی بھگت اور عارف کہلا سکتا ہے۔

۱۲۹۔ کسی سے بدزبانی اور درشت کلامی نہ کر۔ کیونکہ سب میں وہ سچا دھنی بس رہا ہے۔ کسی کا دل نہ دکھا۔ سب ہیرے انمول ہیں۔

۱۳۰۔ سب کے دل مانک ہیں۔ کسی کا توڑنا اصلا اچھا نہیں۔ اگر تیرے دل میں محبوب کے لیے تڑپ ہے۔ تو کسی کا دل نہ دکھا۔

۱۳۲۔ کلام مذکورہ بالا کی اندرونی شہادت ساری کی ساری فرید گنج شکر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بالخصوص شلوک نمبر ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۳، ۲۴، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۳، ۳۵، ۳۷، ۴۱، ۴۳، ۴۴، ۴۷، ۵۰، ۵۱، ۵۶۴، ۵۵، ۶۱، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۸۴، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۸، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۵، ۱۱۶۔

نہ صرف فرید کے حالات سے یہ شہادت لگا کھاتی ہے۔ بلکہ فرید کے فارسی و عربی اقوال و ملفوظات اور روایات

کی بھی تائید کرتی ہے۔ کاٹھ کی روٹی، شکر اور زہر۔ چلہ، طول عمری، ادائے نماز کی تاکید، تسلیم و رضا، حلم، توکل، جسم کی نقاہت، تنہاپسندی، سادگی وغیرہ وغیرہ۔ زبان زیادہ تر ملتانی، استعارے ایسے جو جنگل اور لب آب کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ عربی لفظوں کی کثرت، کلام میں بے ساختگی۔ انداز میں فقیرانہ استغنا، بلاغت بیش، فصاحت کم، تصوف کے ابتدائی مدارج کا فلسفہ زہد و ریاضت نفس کشی، بردباری، توکل، ''میازار مورے'' کی تلقین۔

(۳۶ الف) وارث شاہ کی ہیر کے سب سے پرانے قلمی نسخہ میں جو ۱۸۶۳ء میں نقل ہوا۔ فرید گنج شکر کا ذکر یوں ہے۔

موجودہ تحقیق کے مطابق وارث پہلا شاعر ہے۔ جس نے فرید کا ذکر کیا ہے۔ وارث نے اپنی ہیر ۱۷۶۳ء میں ختم کی۔ وارث کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ فرید کی شہرت ان دنوں کن اوصاف پر مبنی تھی۔

(i) موودود والا ڈلا پیر چشتی شکر گنج مسعود بھر پور ہے جی۔

(ii) بائیس کتاب وچ پیر کامل جس دی عاجزی زہد منظور ہے جی۔

(iii) خاندان وچ چشتیاں کاملیت شہر فقر دا پٹن منصور ہے جی۔

(iv) شکر گنج توں آن مکان کیتا دکھ درد پنجاب دا دور ہے جی۔

۳۶ ب۔ آئین اکبری (ابوالفضل) میں شیخ فرید کے متعلق اجمالی تذکرہ ہے۔ وہی دو تین باتیں ہیں۔ جو عوام میں اول سے چلی آتی ہیں اور جو کلام فرید سے بھی صاف ٹپکتی ہیں۔

''شیخ فرید الدین گنج شکر زاد و بوم او قصبہ کھوتوال بملتان نزدیک۔ در سر آغاز برنائی برسمی دانش سرگرم بود (۱) و در اسخت آویزش ہا بانفس۔ رفت و فیروز مند آمد (۲) شیخ از قصبہ ہانسی بدیں آگہی (مرشد کی موت کی خبر سے) بدہلی آمد (گویا یہ ایک کرامت تھی جو عام مشہور ہو گئی) فراواں کس از و بہرداشت (۳) ابوالفضل نے ایک بڑی بات چند الفاظ میں کہہ دی۔

۳۷۔ فرید گنج شکر کا فارسی میں شعر کہنا مسلم ہے۔ گو بہت کم کہا مگر کہا ضرور۔ ملتانی میں کہہ لینا کسر شان نہ تھی بلکہ تلقین اسلام کا مؤثر ذریعہ و وسیلہ تھا۔ لہٰذا فرض عین۔ شیرانی تو کہیں سے فرید کا ریختہ بھی ڈھونڈھ کر اس قلمی نسخہ پر ایمان لا چکے ہیں۔

۳۸۔ فرید گنج شکر سے پہلے ناتھ پنتھی جوگی اپنا صوبجاتی اصوات سے مزین ہندوی کلام سارے شمالی ہند میں عوام تک پہنچا چکے تھے۔ انہی لسانی خصوصیات والا کلام فرید نے کہا۔ ملتانی لہجے میں اور مسلمانی رنگ میں، گورکھ، چرپٹ، مچھندر وغیرہ کا کلام میں اپنی انگریزی کتاب ''گورکھ ناتھ اینڈ میڈیول ہندو مسٹی سزم۔'' Gorakhnath and (Medieval Hindu Mysticism) میں دے چکا ہوں۔ فرید کا چھوٹا ہم عصر خسرو تھا۔ یعنی فرید کی وفات کے وقت خسرو کی عمر بارہ برس تھی اور فرید کے خلیفہ کا خلیفہ ہونیکی حیثیت میں فرید کا کلام اس تک ضرور پہنچا ہوگا۔

۳۹۔ دیسی زبانیں یکا یک تو اس قابل نہ ہو گئی تھیں کہ ان میں ایسا دل پذیر اور اخلاق آموز کلام لکھا جا سکے۔ اس لیاقت کے حاصل کرنے میں انہیں کافی عرصہ لگ گیا ہوگا۔ چرپٹ اور گورکھ وغیرہ کی زبان سے فرید کی زبان (ماسوائے

Marfat.com

خاص ملتانی صوتی خصوصیات کے) زمانے اور ارتقا کے لحاظ سے زیادہ دور نہیں۔ چرپٹ سے تو کل ڈیڑھ سو برس کی تفاوت ہے۔ پھر گورونانک فرید سے دو اڑھائی سو برس ہی دور ہے۔ کبیر اور بھی قریب ہے۔ نام دیو فرید کی موت سے دو برس پہلے جنم لے چکا تھا۔ ان سب کی بیان وزبان میں نبیادی مماثلت اور صوبجاتی صوتیاتی واصواتی اختلاف ہے۔ تب تو دیسی زبانیں اور پھر سست رفتاری سے بدلتی تھیں۔ اور ایک دوسرے کے زیادہ قریب تھیں۔ ہر چند کہ وہ ذرائع آمدورفت کی موجودہ ترقی سے نا آشنا تھیں۔ جوگیوں اور فقیروں نے زبان وبیان کو دور دور پہنچا دیا تھا۔ اور حدوں کی تفاوت کو گھٹا اور ایسے کلام کی مماثلت کو بڑھا دیا تھا۔

۴۰۔ لسانی تحقیق کے دلدادگاں کو دو باتوں سے خاص فائدہ ہوگا۔ ایک کلام فرید کے انڈکس سے اور دوسرے اس کے لسانی واصواتی مطالعہ سے۔ اول میں عربی فارسی کے الفاظ وتراکیب لیتا ہوں۔ جو فرید کے کلام میں ہیں اور ان کی حالت پر غور کرتا ہوں کہ پنجابی لہجہ نے ان میں کیا تبدیلیاں کر کے ان کو اپنایا۔ پھر میں ملتانی لب ولہجہ کی اپنی خصوصیات والے الفاظ فرید کے کلام سے انتخاب کروں گا۔ اس کے بعد دوسری باتوں کی چھان بین ہوگی۔ فرید عرب واُیران میں ہوآئے تھے عربی فارسی کے عالم متجر تھے۔ قرآن کریم کے ممتاز شارح ومفسر۔ ملتان اور دہلی کے علاقوں میں مسلمانوں کا دور دورہ تھا حکومت اسلامی کا یہ نتیجہ ہونا ہی تھا کہ عام بول چال میں ہندو لوگ مذہب، حکومت اور آداب مجالس سے متعلق الفاظ غیروں کے برتیں اور انہیں اپنے دیسی لفظوں پر ترجیح دیں۔ یہی حال فرانسیسی اور انگریزی کا کسی زمانہ میں تھا۔

پھر اس معاملہ میں تو مصنف خود ایک مسلمان درویش ہے۔ جس کی خدمت میں باریابی کی حاکموں تک کو تمنا رہی۔ تعجب تو اس بات کا ہے کہ غیر ہندی الفاظ زیادہ نہیں۔ کم ہیں۔ اللہ اللہ۔ اس فقیر کو اپنے ہم وطنوں اور اپنی مادری بولی سے کس قدر محبت اور ان کی کتنی قدر ہوگی۔

کلام فرید میں عربی فارسی الفاظ

ملتانی میں مستعمل صورت	اصلی صورت	عربی یا فارسی	صوتی تبدل پر غور
مُلک	مُلک	ع	
جند	زندہ، زندگی	ف	
پرسلات	پل صراط	ف، ع	
در	در	ف	
درویسی	درویشی	ف	خ، ش، ض، ف، ظ، گورمکھی
دنیاں	دنیا	ع	پنجابی میں نہیں گو اب ایک نقطہ کے
عقل	عقل	ع	اضافہ سے ان
لطیف	لطیف	ع	آوازوں کو رواج دیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

گری دان	گریبان	ف	
سر	سر	ف	
دنی	دنیا	ع	
مرگ	مرگ	ف	
دور	دُور	ف	
سکر	شکر	ع	
ساکھ	شاخ	ف	
سیطان	شیطان	ع	
کھاک	خاک	ف	
رب	رب	ع	
کوجڑا	کوزہ	ف	ڑلگا کر اسم تصغیر بنایا گیا ہے
بجوریا	بجور		
اللہ	اللہ	ع	
روح	روح	ع	پنجابی میں مذکر مستعمل ہے
نوات	نبات	ف	
صاحِب	صاحب	ع	
سلطان	سلطان	ع	
درواجا	دروازہ	ف	
حال	حال	ع	
سیکھ	شیخ	ع	
پھرید	فرید	ع	
تن	تن	ف	
بار	بار	ف	
دمامہ	دمامہ	ف	
اتیماں	یتیم کی جمع	ع	
گوریں	گور	ف	
مسائک	مشائخ	ع	
کاگد	کاغذ	ع	

Marfat.com

عمل	عمل	ع
سجائے	سزائے	ف
مصلا	مصلے	ع
صوف	تصوف	ع
دل	دل	ف
باہر	باہر	ع
مال	مال	ع
جائے	جائے	ف
سرمندا	شرمندہ	ف
دربار	دربار	ف
درویساں	درویشاں	ف
گنہی	گناہ (گناہوں سے)	ف
ماملے	معاملے	ع
اجرائیل	عزرائیل	ع
پھریستا	فرشتہ	ف
بےنواجا	بےنمازا	ف
وکھت	وقت	ع
اجو	وضو	ع
ساج	ساز	ف
صبح	صبح	ع
نواج	نواز	ف
گجار	گذار	ف
میدان	میداں	ف
دوجک	دوزخ	ف
جانی	جانی	ف
گستا	غصہ	ع۔ف
باگ	باغ	ف
نوبت	نوبت	ف

Marfat.com

ساج	ساز	ف
رجائے	رضائے	ع
عمر	عمر	ع
بندے	بندہ	ف
گوراں	گور	ف
روحاں	روح	ع
سیکھاں	شیخ	ع
بندگی	بندگی	ف
موتے	موت	ع
دریاوے	دریا	ف
ہول	ہول	ف
وے پرواہا	بے پروا	ف
درگہ	درگاہ، درگہ	ف
اوگاہا	گواہ	ف
باج	باز	ف
بندا	بندہ	ف
ملک الموت	ملک الموت	ع
صبر	صبر	ع
کمانڑ	کمان	ف
کھالک	خالق	ع
کھتا	خطا	ع
اندر	اندر	ف
صابری	صابری	ع
نجیک	نزدیک	ف
کھدائے	خدائے	ف
دریاؤ	دریا	ف
درویساوی	درویش (درویشوں کی)	ف
تنور	تنور	ف

Marfat.com

محبت	محبت	ع
اسک	عشق	ع
رنگ	رنگ	ف
دیدار	دیدار	ف
نام	نام	ف
پرودگار	پروردگار	ف
پنہ	پناہ، پنہ	ف
بکھسندگی	بخشندگی	ف
کھیر	خیر	ع
بندگی	بندگی	ف
پھریدے	فرید (نے)	ع
مریداں	مریداں	ع،ھ
حیاتی	حیات	ع
جمیں	زمیں	ف
اسمان	آسمان	ف
چاکر	چاکر	ف

ایک سو کے قریب عربی فارسی الفاظ ہیں۔ ان کو زیادہ تر پنجابی صوتیات کے تحت میں لا کر استعمال کیا گیا ہے۔ (تحریر میں لایا گیا ہے)۔ یہ بات خاص طور پر قابل مطالعہ ہے۔ آج کل اس کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے‘ جس کی وجہ سے پنجابی پنجابی نہیں رہی۔ غیر زبانوں کے الفاظ کو ''پنجابیا'' کر لکھنا چاہیے۔ یہی روش قدماء کی فرید سے نانک اور ارجن دیو اور گورو گوبند سنگھ سے محمد بوٹا اور چوہدری سر شہاب الدین تک چلی آئی ہے۔ آج بھی عام پنجابی پر سلات بولتے ہیں۔ غیر الفاظ کے اسماء سے افعال بنائے گئے ہیں اور اسماء کی صورت بدل دی گئی ہے۔ زیر اور زبر کو زبر اور زیر کر دیا گیا ہے۔

(در: اورینٹل کالج میگزین‘ فروری‘ مئی‘ اگست‘ نومبر ۱۹۳۸ء و فروری ۱۹۳۹ء)

Marfat.com

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

(صوفی غلام مصطفیٰ تبسم ممتاز شاعر، لسانیات کے محقق اور فارسی اور اردو کے نامور استاد تھے۔ وہ کچھ عرصہ لاہور سے شائع ہونے والے مشہور ہفت روزہ ''لیل و نہار'' سے بھی وابستہ رہے۔ حضرت بابا فریدالدین مسعودؒ کے بارے میں ان کی اہم تحریر 18 اگست 1957ء کو ''لیل و نہار'' میں شائع ہوئی (ص ۱۱-۱۲)۔ یہ ایک مختصر مضمون ہے جس میں بابا فریدؒ کی شخصیت، زندگی اور شاعری کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ کچھ ذکر ضلع کچہری لاہور کے عقب میں واقع بابا فریدؒ سے منسوب ٹبہ کے بارے میں ہے۔ اس ٹبہ پر بیٹھ کر بابا فریدؒ نے چلہ کاٹا تھا، جب وہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر حاضری دینے کیلئے آئے تھے۔)

بھاٹی دروازے کے باہر اور ضلع کچہری کے عقب میں ایک ٹیلہ ہے، جسے لاہور کے لوگ پھیلدانہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ پھیلدانہ غالباً لفظ فریدانہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے اور فریدانہ خود فرید آستانہ کا مخفف ہے یعنی آستانہ فرید۔ یہ آستانہ فرید فریدالدین گنج شکرؒ کے نام سے منسوب ہے۔

حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ ساتویں صدی ہجری میں ملتان کے ایک قصبے کھوتوال میں پیدا ہوئے اور ملتان میں تعلیم پائی۔ اس زمانے حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے زہد و اتقا کا بہت چرچا تھا اور ان کی درگاہ میں ہزاروں ارادت مند جمع تھے۔ حضرت گنج شکرؒ بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وابستگان بارگاہ میں شریک ہو گئے۔ رفتہ رفتہ عرفان اور روحانیت کے منازل طے کرنے میں سب پر سبقت لے گئے اور بالآخر اپنے پیر و مرشد کے جانشین اور خلیفہ مقرر ہوئے۔ صوفیاء میں ان کا مقام تجرید اور مقام تفرید بہت مشہور ہے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ عوام سے اپنے آپ کو چھپا کے رکھتے تھے۔ سیاحت کا بہت شوق تھا اور اکثر شہروں اور علاقوں میں گھومتے اور علماء اور صلحاء کی صحبت سے فیضیاب ہوتے۔

دستور کے مطابق روحانی منازل طے کر چکنے پر اجودھن پہنچے۔ یہ وہی مقام ہے جسے آج کل پاک پٹن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس علاقے کے لوگ بڑے خود سر اور کم اعتقاد تھے۔ غالباً اس مقام کو انتخاب کرنے میں بھی یہی مصلحت تھی کہ ایسے لوگوں کو اخلاقی طور پر مسخر کرنا از بس ضروری تھا۔ اول اول آپ ایک کریر کے درخت تلے بیٹھ کر عبادت میں مصروف ہو گئے۔ رفتہ رفتہ لوگ ان کے حال و قال کو دیکھ کر مائل ہونے لگے اور پھر سارے کا سارا علاقہ حلقہ بگوش ہو گیا۔ یہاں درس و تلقین کا سلسلہ ایسا استوار ہوا کہ آپ نے اسی مقام پر 664ھ میں وفات پائی۔

آپ کی کرامات کا سلسلہ طویل ہے لیکن آپ کی سب سے بڑی کرامت آپ کا روحانی فیض تھا جو ہر خاص و عام کو پہنچتا رہا۔ آپ کے سلسلہ ارادت میں بڑے بڑے بزرگوں کے نام شامل ہیں اور جلیل القدر شہنشاہوں کے سر آپ

Marfat.com

کے آستانے پر جھکتے رہے ہیں۔ آپ کے مرید ہندو پاکستان کی سرزمین کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔

ان کے مریدوں میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت علی احمد صابرؒ ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت سلطان المشائخ ان کے جانشین ہیں اور خلیفہ اعظم کہلاتے ہیں۔ انہی سے نظامیہ چشتیہ کا سلسلہ چلا۔ حضرت علی احمد صابر کلیری سے صابریہ چشتیہ کا سلسلہ منسوب ہے اور یہ دونوں بزرگوار صوفیہ میں مخصوص حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت گنج شکرؒ کے مزار کا ایک دروازہ بہشتی دروازہ کہلاتا ہے' اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت نظام الدینؒ اولیاء نے ایک دفعہ خواب میں آں حضرت صلعم کو اس دروازے میں کھڑا دیکھا وہ فرمارہے تھے من دخلہ کان امنا۔ یعنی جو بھی یہاں داخل ہوا وہ محفوظ ہوا۔ اسی اعتبار سے اس دروازے کو بہشتی دروازہ کہنے لگے۔

لاہور میں جس مقام کو فرید آستانہ کہا جاتا ہے' وہاں آپ نے کچھ دیر قیام کیا تھا۔ لاہور میں حضرت داتا گنج بخشؒ کا مزار ہمیشہ مرجع خلائق رہا ہے۔ یہاں حضرت معین الدینؒ نے آکر اعتکاف کیا اور چالیس دن عبادت میں مصروف رہے۔ حضرت گنج شکرؒ بھی اظہار عقیدت کیلئے حاضر ہوئے۔ احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے اور چلہ کیا۔ جس طرح حضرت معین الدین اجمیریؒ کا مقام اعتکاف مشہور ہوا اسی طرح اس مقام کو شہرت نصیب ہوئی۔ لوگ اسے بابا فرید کا ٹبہ بھی کہتے ہیں۔ یہاں ہر سال محرم کی پانچویں تاریخ کو جو حضرت گنج شکرؒ کی وفات کا دن ہے، عرس ہوتا ہے اور میلا لگتا ہے۔ ہر جمعرات اور شب برات کو بھی یہاں لوگ آتے ہیں مگر اب اس کی اہمیت کم ہوتی جارہی ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ یہ ٹبہ ایک بہت بڑے قبرستان کا حصہ تھا۔ یہاں باغات بھی تھے، جو ہمارے دیکھتے دیکھتے غائب ہو گئے اور ان کی جگہ مکانوں اور آبادی نے لی۔ ''تحقیقات چشتی'' کے مؤلف نے اس مقام کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اس وقت بھی اس ٹیلے کا ایک حصہ مسمار ہو چکا تھا لیکن اس کی اصل صورت ابھی قائم تھی۔ ایک طرف ضلع کچہری کی عمارت تھی اور دوسری طرف برف خانہ جو اب بھی موجود ہے۔ اب یہ ٹبہ چاروں طرف عمارتوں میں گھرا ہوا ہے اور جب تک خصوصیت سے دیکھنے کی کوشش نہ کی جائے نظر نہیں آتا اور جو کچھ نظر آتا ہے وہ بھی کچھ روز کا مہمان ہے۔

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ فارسی کے شاعر تھے بلکہ پروفیسر حافظ محمود شیرانی نے تو انہیں اردو کے شعراء میں بھی شمار کیا ہے اور ان کی ایک آدھ نظم یا غزل بھی اپنی کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں درج کی ہے۔ وہ غزل یہ ہے۔

وقت سحر مناجات ہے
خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا
خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
بادم خود ہمدم ہشیار باش
صحبت اغیار بری بات ہے
باتن تنہا چہ روی زیں زمین
نیک عمل کن کہ وہی بات ہے

Marfat.com

پند شکر گنج بدل و جاں شنو
ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے

اس غزل سے اس زمانے کی اردو زبان کے عام تیوروں کا پتہ چلتا ہے۔اس غزل میں پہلے مصرعے فارسی میں ہیں۔بعض اساتذہ کے کلام میں ایسی غزلیں ملتی ہیں جو دو زبانوں سے مرکب ہیں۔

لیکن بابا فریدؒ کی شاعری کے اصل جوہران کے پنجابی کلام میں کھلتے ہیں۔سکھوں کی مقدس کتاب میں جو حصہ مسلمان صوفیہ کا ہے وہ زیادہ تر حضرت فرید ثانیؒ کا ہے لیکن بعض اشعار حضرت گنج شکرؒ کے بھی ہیں۔اگر چہ دونوں کے کلام کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنا مشکل ہے۔

یہاں ہم حضرت گنج شکرؒ کے چند اشعار درج کرتے ہیں:

کلام

فریدا کن مصلا' صوف گل' دل کاتی 'گڑوات
باہر دسے چانناں' دل اندھیاری رات

ترجمہ:اے فرید! کاندھے پہ مصلا' گلے میں صوف (جبہ) دل سیاہ اور باتیں گڑ کی طرح میٹھی۔باہر سے روشنی نظر آتی ہے مگر دل میں رات کا سا اندھیرا چھایا ہوا ہے۔

فریدا رتی رت نہ نکلے جے تن چیرے کوئے
جوتن رتے رب سیوں' تن تن رت نہ ہوئے

ترجمہ:اے فرید! اگر کوئی (ان درویشوں کے) جسم کو چیرے تو ذرہ بھی خون نہ نکلے جو جسم اللہ کی یاد میں رنگا جاتا ہے اس جسم میں خون نہیں ہوتا۔

فریدا خاک نہ نندیئے' خاکوں جیڈ نہ کوئے
جیوندیاں پیراں تلے' مویاں اُپر ہوئے

ترجمہ:اے فریدا! خاک کو برا نہیں کہنا چاہیے (کیوں کہ) اس جیسی اور کوئی شے نہیں۔جیتے جی پاؤں تلے ہوتی ہے اور مرنے پر سر کے اوپر۔

اپنا لام پرم نہ لاگے جے لوچے سب کوئے
ایہہ پرم پیالہ خصم کا جس بھاوے تس دے

ترجمہ:اپنے لگانے سے محبت نہیں لگتی خواہ سب کا من للچائے۔یہ محبت خدا کا پیالہ ہے وہ جسے چاہے دے۔

Marfat.com

فریدا جاں لب تاں نیونہہ کیا' کب تاں کوڑا نیونہہ
کچرک جھت سنگھایئے' چھپر تٹے مینہہ

ترجمہ: اے فرید! جہاں طمع ہے وہاں محبت کہاں' طمع تو باطل محبت ہے۔ اگر چھپر ٹوٹ جائے تو بارش سے کیوں کر نجات ہو سکتی ہے۔

کوک' فریدا کوک توں جیوں راکھا جوار
جب لگ ٹانڈا نہ گرے تب لگ کوک پکار

ترجمہ: اے فرید! جس طرح مکی کے کھیت کے رکھوالے کی طرح فریاد کرتا رہ جب تک مکی کا ایک شاخہ بھی کھڑا ہے پکارتا چلا جا۔

فریدا میں جانیا دکھ مجھ کوں' دکھ سبائے جگ
اچے چڑھ کے ویکھیا' تاں گھر گھر ایہا اگ

ترجمہ: اے فرید! میں نے سمجھا تھا کہ شاید مجھ کو ہی دکھ ہے۔ دکھی تو سارا جہاں ہے۔ میں نے ذرا بلند ہو کر دیکھا (تو معلوم ہوا) کہ گھر گھر میں یہی آگ لگی ہے۔

فریدا کھنتھڑ سیکھاں اگلیاں' جند نہ کائے میکھ
واری آپو آپنی چلے مسایک سیکھ

ترجمہ: اے فرید! گودڑی (جسم) پر تو پلی سیخیں گڑھی ہیں مگر روح پر کوئی میخ نہیں۔ مشائخ' شیخ سب اپنی اپنی باری چلے جائیں گے۔

فریدا کالے مینڈے کپڑے' کالا مینڈا دیس
گنہی بھریا میں پھراں' لوک کہن درویش

ترجمہ: اے فرید! میرے کپڑے بھی سیاہ اور لباس بھی سیاہ ہے میں تو گنہگار (سیاہ کار) ہوں اور لوگ مجھے درویش کہتے ہیں۔

فریدا میں نوں مار کے منج کر' نکی کر کے کٹ
بھرے خزانے رب دے جو بھاوے سو لٹ

ترجمہ: اے فرید! ''میں'' کو مار کر مونجھ کی طرح باریک کر کے کوٹ۔ پھر خدا کے بھرے ہوئے خزانوں میں سے جس کو چاہے لوٹ لے۔

مولانا علم الدین سالک

حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ

آپ کا اسم گرامی مسعود اور لقب فرید الدینؒ اور گنج شکر ہے۔ آخری لقب کی کئی وجوہ بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن بیشتر تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک سوداگر شکر کی کچھ بوریاں لادے ملتان کی طرف آ رہا تھا۔ آپ نے دریافت کیا کہ ان بوریوں میں کیا ہے؟ اس نے ازراہ تمسخر کہا، نمک۔ شیخ نے فرمایا۔ ''بہت اچھا نمک ہوگا؟'' وہ پڑاؤ پر پہنچا تو دیکھا کہ تمام بوریوں میں نمک ہی نمک بھرا ہے۔ بہت پریشان اور مضطرب ہوا۔ اسی اضطراب کے عالم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ روتے روتے عذر پیش کیا۔ معافی چاہی، اپنی غلطی اور گستاخی پر پشیمانی کا اظہار کیا اور عرض کی کہ: ''دعا فرمائیں یہ نمک پھر شکر ہو جائے''۔ آپ نے توجہ فرمائی اور کہا ''جا ایسا ہی ہوگا''۔ چنانچہ نمک دوبارہ شکر ہو گیا۔

بیرم خان خاناں جو فقرا کا دوست اور امیری میں بھی درویشانہ مسلک رکھتا تھا' اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کان نمک، جہاں شکر شیخ بحر و بر
آں کز شکر نمک کند و از نمک شکر

آپ کا خاندان کابل میں آباد تھا اور بڑی عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب شاہ فرخ والی کابل اور سلطان ابراہیم ادھمؒ سے ہوتا ہوا جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ جمال الدین سلیمان تھے۔ جن ایام میں کابل پر چنگیز خانی لشکر نے حملہ کیا، آپ ایک معمولی حیثیت کے زمیندار تھے۔

آپ بھی اس فوج میں شریک ہوئے جو خوارزم شاہیوں نے تاتاریوں کے مقابلہ کے لئے تیار کی۔ جب اسے شکست ہوئی تو آپ ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ چندے یہاں قیام کیا پھر قصور چلے گئے اور وہاں سے ملتان کا راستہ لیا۔ آخر کار ایک چھوٹے سے قصبے کسوٹی وال (کسوتر وال) میں ڈیرے ڈالے۔ یہ مقام ضلع ملتان میں ہے۔ پاک پتن اور مہاران کے درمیان واقع ہے۔ اسے کبھی مشائخ کی چاولی بھی کہتے ہیں۔ کسوٹی وال میں ایک فاضل اور نیک دل عالم رہتے تھے۔ ان کی ایک بیٹی قرسم خاتون تھی۔ شیخ سلیمان کا نکاح ان سے ہوا اور ان کے بطن سے شیخ فرید الدین گنج شکرؒ پیدا ہوئے۔

آپ کی تاریخ ولادت میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ میر خورد صاحب ''سیر الاولیاء'' کا بیان ہے کہ آپ 569ھ میں پیدا ہوئے لیکن دوسرے مآخذ 584ھ آپ کی ولادت کا سال قرار دیتے ہیں مگر یہ محقق ہے کہ آپ 5 محرم 664ھ کو 95 برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ اس کی رو سے بھی آپ کی ولادت کا سال 70-569ھ برآمد ہوتا ہے۔ ابتدائی تعلیم آپ

Marfat.com

نے گھر پر حاصل کی۔ درسی کتب میں سے اکثر آپ نے اپنے نانا ملا وجیہہ الدین سے پڑھیں۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے ملتان کا رُخ کیا۔ کسوٹی وال اور ملتان میں کچھ ایسا فاصلہ نہیں مگر آپ نے اپنی تعلیم کے دوران میں ایک مرتبہ بھی گھر آنے اور خویش و اقارب سے ملنے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ یہ تھا وہ ولولہ جو اس زمانے کے طلبہ میں تھا۔ وہ جب تحصیل علم میں لگ جاتے تو دنیا و مافیہا سے بالکل بے نیاز ہو جاتے اور جب تک ان مقاصد کو حاصل نہ کر لیتے، کسی اور طرف توجہ مبذول نہ کرتے۔ آج اس جذبہ کا فقدان ہے۔ ملتان میں آپ نے ایک مسجد میں قیام کیا۔ وہاں کے مشہور اہل علم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مختلف علوم و فنون کی تکمیل کی، غرضیکہ فقہ، تفسیر، حدیث، منطق اور فلسفہ میں کمال پیدا کیا۔ قرأت سیکھی، قرآن پاک حفظ کیا اور قرآن پاک سے ایک خاص قلبی تعلق بھی یہیں پیدا ہوا جو زندگی کے آخری سانس تک قائم رہا۔ آپ یہ قرآنی شوق اپنے ہر مرید میں دیکھنا چاہتے تھے، چنانچہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

''بہترین عبادت تلاوت قرآن پاک اور اس کے مطالب پر غور کرنا ہے۔ جب ایک بندہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے تو گویا وہ اپنے مالک سے ہم کلام ہوتا ہے۔''

غور کیا جائے تو یہ کتنا بڑا اشرف ہے جو ایک بندہ ناچیز کو حاصل ہوتا ہے۔

قرآن پاک سے یہی قلبی لگاؤ تھا' جس کی بناء پر آپ نے اپنے پیارے خلیفہ اور ہندو پاکستان کے سب سے بڑے تاریخی مسلمان حضرت خواجہ نظام الدینؒ کو دہلی بھیجتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم سلطان الہند ہو۔ سلطان کے لئے تلوار لازمی ہوتی ہے۔ وہ میں کل دوں گا۔ دوسرے روز آپ نے قرآن پاک کا ایک نسخہ ان کے حوالے کیا اور فرمایا!

''یہ تمہاری تلوار ہے۔ جب تک اس کے احکام پر چلو گے اور اس کے ساتھ دلی تعلق رکھو گے تمہاری سلطانی قائم رہے گی۔ جاؤ اس سے روشنی حاصل کرو۔ تم کامران ہو گئے۔''

ملتان میں اس وقت خواجہ بہاء الدین زکریاؒ کی خانقاہ تھی۔ ان کی روحانیت بار شخصیت متلاشیان حق کو دور و نزدیک سے کھینچ کر ملتان لا رہی تھی۔ سکون قلب کے طالب وہاں آتے اور طمانیت کی دولت سے مالا مال ہوتے۔ آپ بھی ان کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے۔ ان کی مجالس وعظ و تذکیر میں بھی شریک ہوئے۔ انہی دنوں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بھی ملتان تشریف لائے۔ آپ ان کے پاس حاضر ہوئے۔ پہلی نظر نے کام کیا۔ آپ خود بخود اس جانب کشش محسوس کرنے لگے اور دل میں ہر وقت یہ ولولہ اٹھتا کہ آپ کی صحبت ہو اور میں ہوں۔ اس لئے ہر وقت ان کے پاس حاضر رہتے۔ ان مجالس نے آپ کی زندگی کا رخ بدلنے میں بڑی مدد دی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے روحانی بصیرت سے آپ کے ذوق و شوق کو بھانپ لیا۔ ایک دن اسی مسجد میں تشریف لائے جہاں آپ مقیم تھے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر کو علم ہوا۔ والہانہ جذبے کے ساتھ آگے بڑھے، دست بوسی کی سعادت حاصل کی۔ کچھ دیر بعد بیعت کی دولت سے بھی مشرف ہوئے۔ حضرت نصیر الدین شاہ چراغ دہلویؒ نے اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ آپ کو مخاطب کر کے یہ رباعی پڑھی:

مقبول توجز مقبل جاوید نہ شد
وزلطف تو ہیچ بندہ نومید نہ شد

لطف بہ کدام بندہ پیوست ولے
کان ذرہ بہ از ہزار خورشید نہ شد

جب شیخ عازم دہلی ہوئے تو آپ نے چلنے کی اجازت چاہی۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ ''پہلے تکمیل علم، کیونکہ صوفی بے علم مسخرہ شیطان باشد۔''

ملتان میں آپ کے استاد مولانا منہاج الدین ہیں جن سے اس زمانے کے اکثر ارباب کمال نے استفادہ کیا۔ آپ ترمذ سے ہجرت کر کے ملتان آباد ہوئے تھے۔ جب شیخ دہلی روانہ ہوئے تو آپ ان کے ارشاد کے مطابق ایک لمبے سفر پر روانہ ہوئے۔ آپ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ اس وقت تمام دنیائے اسلام میں فتنہ وفساد ہے۔ تاتاریوں نے قتل وغارت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ راستے غیر محفوظ ہیں، شہر خالی، گاؤں، اجاڑ اور آبادیاں درندوں کا مسکن ہیں۔ اس وقت سفر کرنا جان سے ہاتھ دھونا ہے، مگر پیر طریقت کے ارشاد کی تعمیل اور حصول تعلیم کا بے پناہ شوق ان تمام خطرات پر غالب آیا اور آپ اس پُر خطر سفر پر روانہ ہوئے۔ یہ سفر کئی سال تک جاری رہا۔ اس سفر کے جستہ جستہ حالات ''راحت القلوب'' میں ملتے ہیں۔

اس سفر کے دوران آپ بغداد پہنچے۔ یہاں آپ کو شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہونے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ مدت تک آپ شیخ کے ہاں آتے جاتے رہے۔ ان کی مشہور کتاب ''عوارف المعارف'' کے بعض حصے ان کی زبان سے سنے اور پڑھے۔ ان صحبتوں کا اثر آپ کی عمر کے آخری دم تک قائم رہا اور ''عوارف المعارف'' سے ایک خاص لگاؤ پیدا ہو گیا۔

آپ اس کا درس بڑی دلسوزی سے دیتے تھے۔ سلطان الاولیا شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں۔

''میں نے اس کتاب کے پانچ باب آپ سے پڑھے، جب آپ اس کا درس دیتے ہیں تو مجھ پر بے خودی کی حالت طاری ہو جاتی ہے''۔

شیخ شہاب الدین سے آپ کو جو تعلق پیدا ہو گیا تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹا عطا فرمایا تو آپ نے اس کا نام بھی شہاب الدین رکھا۔ بغداد میں آپ ایک مدت تک رہے اور وہاں تمام قابل ذکر علما اور مشائخ سے فیضان حاصل کیا۔ غزنی میں آپ کی ملاقات ایک بزرگ سے ہوئی جس نے آپ کو یہ نصیحت کی کہ:

''اگر راہ سلوک میں قدم رکھتے ہو تو اس کا توشہ جفاکشی اور محنت ہیں۔ جب تک سخت ریاضت اور مجاہدہ نہ کرو گے منزل مقصود کو نہ پاؤ گے کیونکہ اہل سلوک کا مقولہ ہے کہ اس راہ میں اصل چیز مجاہدہ ہے۔''

اسی مقام پر آپ ایک اور صاحب طریقت سے ملے۔

''اس نے کہا دنیا آدمی کی طرف پیٹھ رکھتی اور آخرت کی طرف منہ، زندگی میں یہ دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ آخرت کو مقدم رکھا جائے اور دنیا کو مؤخر کیوں کہ آخرت ہی کام آئے گی''۔

سیوستان میں آپ کی ملاقات شیخ اوحد الدین کرمانی سے بدخشاں میں شیخ عبدالواحد سے ہوئی۔ یہ عبدالواحد ذوالنون مصری کے خاندان سے تھے۔ غزنین کے ایک شیخ نے آپ سے کہا کہ:

''سب سے بڑی عبادت خدمت خلق ہے۔یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ مقبول ہے۔''

غرض آپ اس سفر کے بعد ملتان اور ہانسی سے ہوتے ہوئے دہلی پہنچے اور والہانہ شوق کے ساتھ اپنے اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے غزنین دروازہ کے پاس ایک جھونپڑی آپ کے لئے مقرر کی جہاں آپ مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ انہی ایام میں خواجہ غریب نواز معین الدینؒ دہلی تشریف لائے، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے آپ کا تذکرہ کیا۔ حکم ہوا کہ حاضر کرو۔ آپ کو ساتھ لے کر حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ غریب نواز کے حضور میں پہنچے، بابا فریدالدین نے دعا کی درخواست کی، خواجہ غریب نواز نے دعائے خیر فرمائی۔ ہاتف نے آواز دی۔

''من فرید را برگزیدم''

حضرت خواجہ نے بابا صاحبؒ کو سروپا عطا کیا اور آپ کے مرشد حضرت بختیار کاکیؒ نے اپنی پگڑی ان کے سر باندھی۔ خواجہ غریب نواز نے فرمایا:

''بابا قطب الدین شاہبازے
عظیم در دام آوری کہ بجز
سدرہ المنتہیٰ آشیانہ نمی گیرد''

ہانسی میں قیام

مرشد کو علم ہو گیا کہ بابا فریدؒ پر روحانیت کا رنگ چڑھ گیا اور اس کا ظاہر و باطن یک رنگ ہو گیا ہے اور آپ نے اپنے نفس کو مغلوب کر لیا ہے۔ آپ ہر طرح سے کامل ہو گئے ہیں تو انہوں نے حکم دیا کہ دہلی کی اقامت ترک کر کے ہانسی چلے آؤ۔ آپ فی الفور تیار ہو گئے۔ یہ خواجہ بختیار کاکیؒ کے آخری ایام زندگی تھے۔ اس لئے آپ نے رخصت کے وقت بابا فرید کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ پندونصیحت کی اور آخر فرمایا کہ:

''تم میری وفات کے وقت میرے پاس نہ ہو گے لیکن میری موت کے تین دن بعد میری قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے آؤ گے۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہانسی میں قیام کئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔ ایک رات بڑا پریشان کن خواب دیکھا۔ آپ سمجھ گئے کہ مرشد کا وصال ہو گیا ہے۔ آپ اسی وقت ہانسی سے چل کھڑے ہوئے تیسرے دن دہلی پہنچے۔ معلوم ہوا کہ تین دن ہوئے ہیں کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فوت ہو چکے ہیں۔ وہ دن 14 ربیع الاول 634ھ تھا۔ آپ مزار پر حاضر ہوئے، فاتحہ پڑھی۔

قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے حضرت خواجہ کا خرقہ اور دوسری امانتیں آپ کے حوالے کیں۔ آپ نے خرقہ پہنا اور خلافت کا بوجھ سنبھالا۔ جب تین دن کے بعد آپ ہانسی جانے لگے تو اہل دہلی نے التجا کی کہ آپ یہاں قیام فرمائیں مگر آپ نے دہلی ٹھہرنا پسند نہ کیا اور ہانسی آ گئے۔ جب یہاں عوام کا ہجوم زیادہ ہوا تو اجودھن جیسے بے آباد علاقے میں اقامت اختیار کی۔ آپ کو تنہائی اور سکون دونوں میسر آئے۔

اسی بناء پر آپ نے اسے مستقل مرکز بنایا اور تبلیغ اسلام کا باقاعدہ طور پر سلسلہ جاری کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں

Marfat.com

سارے علاقے کو نور اسلام سے منور کر دیا۔

اب پھر عوام کا ہجوم ہونے لگا۔ آپ اجودھن کو بھی ترک کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ خواب میں پیر طریقت کا اشارہ ہوا کہ یہاں کی سکونت ترک نہ کرو۔ یہاں سے رشد و ہدایت کے چشمے پھوٹیں گے۔ لوگوں کی جفا برداشت کرو۔ پریشان نہ ہو۔ آپ بالکل مطمئن ہو گئے۔ عوام کے ہجوم سے قطعاً آزردہ خاطر نہ ہوئے۔

متاہل زندگی

آپ نے شادی بھی کی۔ ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔ ان میں ایک الغ خان بلبن کی بیٹی تھی۔

آپ نے متاہل زندگی غالباً اجودھن کے قیام کے وقت سے اختیار کی۔ آپ کے چھ بیٹے تین بیٹیاں تھیں۔

متاہل زندگی سے آپ کے معمولات میں ذرہ بھر بھی فرق نہ آیا تھا۔ فقر و فاقہ' بے نیازی اور استغنا جو تجرد کی حالت میں رہی' اب بھی قائم تھی۔

آپ نے جب اجودھن میں مستقبل قیام اختیار کیا تو تھوڑے عرصہ میں آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا چرچا تمام علاقے میں ہونے لگا اور عوام نے آپ کی جانب رجوع کیا۔ آپ نے لنگر جاری کیا اور نذر سے جو کچھ حاصل ہوتا وہ تمام لنگر اور جماعت خانے پر صرف کر دیتے۔ آپ جتنا زیادہ خرچ کرتے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ آپ کو بھیج دیتا۔ بڑے بڑے امیر اور ارباب دول آپ کے اشارہ ابرو کے منتظر رہتے کہ آپ کسی خدمت کا اشارہ کریں اور وہ دل و جان سے بجالا کر سعادت دارین حاصل کریں۔ واقعات گواہ ہیں کہ آپ نے کسی شخص کو نہ تو اپنی ذات کے لئے اور نہ ہی لنگر اور جماعت خانے کے لئے کسی قسم کی زحمت دی۔ آپ نے زندگی کا یہ طریقہ پہلے دن اختیار کیا اور دم واپسیں تک اسے قائم رکھا۔

آپ کی زندگی اور معاشرت میں عجیب فقیرانہ شان جلوہ گر نظر آتی ہے۔ آپ نے زندگی کا ایک ایک دن بڑی عسرت اور درویشانہ استغنا کے ساتھ بسر کیا۔ لباس و غذا کے بارے میں آپ ہمیشہ بے نیاز رہے۔ لباس میں کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے۔ بعض بعض جگہ سے وہ بالکل بوسیدہ ہوتا مگر آپ اس میں خوش نظر آتے۔ ایک دفعہ آپ کا کرتہ بہت بوسیدہ ہو گیا تھا۔ آپ نے اسے جسم سے الگ کرنا گوارہ نہ کیا۔ ایک عقیدت مند نے یہ حالت دیکھ کر نیا کرتہ پیش کیا۔ آپ نے اس کی خاطر اسے پہن لیا اور فرمایا جو مزہ پرانے اور بوسیدہ کرتے میں ہے وہ اس میں کہاں۔ یہ فرمایا اور نیا کرتہ شیخ نجیب الدین متوکل کو دے دیا۔ دن کے وقت آپ جس کمبل پر بیٹھ کر درس و تدریس اور وعظ و تذکیر فرماتے' رات کے وقت اسے بستر بنا لیتے اور اگر سردی کا موسم ہوتا تو اسے اوڑھ لیتے اور اسی میں رات بسر کرتے۔ گھر میں اکثر فاقہ رہتا' مہینوں چولہا گرم نہ ہوتا البتہ لنگر ناغہ نہ ہوتا۔ اس میں مسافروں' طالب علموں اور مریدوں کے لئے ہر وقت کھانا موجود رہتا۔ آپ انہیں طرح طرح کے کھانے کھاتے ہوئے دیکھتے اور خوش ہوتے۔ ایک دفعہ ایک بیوی نے شکایت کی۔ فلاں لڑکا مارے بھوک کے مر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: فرید اس کا کیا کر سکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے تو میں اس پر راضی ہوں۔

آپ عام طور پر شربت یا پانی سے روزہ افطار کرتے۔ اس میں سے کبھی نصف اور کبھی دو تہائی آپ حاضرین میں تقسیم کر

Marfat.com

دیتے، باقی خود نوش فرماتے۔ اگر اس اثنا میں کوئی اور حاجت مند آ جاتا تو اسے دے دیتے۔

اگر گھر میں کچھ ہوتا تو آپ کے لئے دو چپڑی ہوئی روٹیاں اندر سے آتیں۔ ان میں سے ایک ٹکڑا آپ خود کھاتے، باقی حاضرین میں بانٹ دیتے۔ آپ کے لئے اکثر کریر کے درخت کا پھل جسے ''ڈیلا باٹا'' کہتے ہیں، ابال کر اوپر نمک چھڑکتے۔ کبھی کبھی اس میں سرکہ بھی ڈالتے۔ یہ آپ کی خوراک تھی۔ کبھی کبھی پیلو کھا کر گزارا کرتے۔

اہل ریاست سے تعلقات۔

عوام میں آپ بے حد ہردلعزیز تھے۔ وہ آپ کے راستے میں آنکھیں بچھاتے۔ آپ بھی ان کے اس جذبہ کی قدر کرتے اور خدمت خلق اہم فریضہ خیال کرتے۔ اس میں دل و جان سے کوشش کرتے۔ غریبوں سے ملتے تو بہت خوش ہوتے۔ اسی طرح میل ملاپ کی بناء پر وہ عوام میں اصلاح نفس کے جذبہ کو بیدا کرتے۔ مشرکانہ رسوم، ہندوانہ رواج اور بگڑی ہوئی عادات سنوارنے کی کوشش کرتے اور ان میں دین تبلیغ اور اصلاح معاشرت کا احساس پیدا کرتے جس کا اثر یہ ہوا کہ نہ صرف اس علاقے میں اسلام پھیلا بلکہ گرد و نواح بھی اسلام کے نور سے جگمگا اٹھا اور وہاں کے رہنے والوں میں اسلام کے ذریعہ سادگی، بے خوفی، اخوت اور مساوات پیدا ہوئی اور انسان ایک دوسرے کو انسان سمجھنے لگے۔

امراء، ارباب سیاست اور اغنیا سے دور دور رہتے۔ اگر کوئی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اس سے ملتے مگر کوشش کرتے کہ جلد اس سے کنارہ کشی کریں۔ وہ نذر نیاز پیش کرتے۔ آپ وہی ان کے سامنے محتاجوں میں تقسیم کر دیتے اور دامن جھاڑ کر اٹھ بیٹھتے۔ یہ اس وجہ سے بھی تھا کہ آپ کی طبیعت میں استغنا تھا جس کی تلقین اپنے مریدوں اور ملنے والوں کو بھی کرتے۔ اس بارے میں شیخ جمالی نے اپنی مشہور کتاب ''سیر العارفین'' میں چند واقعات لکھے ہیں جن سے آپ کا نقطہ نظر بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

دہلی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلیفہ شیخ بدر الدین غزنوی تھے۔ ان کی خدمت میں ملک نظام الدین خریطہ دار آیا کرتا۔ اس نے عقیدت مندی کی بناء پر آپ کے لئے خانقاہ تعمیر کرائی اور آپ کی راحت و آسائش کا پورا پورا سامان مہیا کیا۔ کچھ عرصہ بعد اس پر غبن کا الزام لگایا گیا اور وہ شاہی عتاب میں گرفتار ہوا۔ شیخ کے راحت و آرام میں خلل واقعہ ہوا۔ انہوں نے بابا فریدؒ کی جانب رجوع کیا، سارا ماجرا لکھا اور اس سلسلہ میں آپ کو جو بے چینی ہوئی اس کا بھی اظہار کیا۔ آپ نے اس خط کے جواب میں لکھا اور اس سلسلہ میں آپ کو جو بے چینی ہوئی اس کا بھی اظہار کیا۔ آپ نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ جو کوئی اپنے بزرگوں کا مسلک ترک کر کے نئی روش اختیار کرے گا وہ ضرور بے چین ہوگا اور ہمیشہ پریشان رہے گا۔ آپ پیران پاک کے معتقد ہیں۔ ان کے مسلک کے خلاف خانقاہ کیوں بنائی، اس میں کیوں بیٹھے؟ حضرت بختیار کاکیؒ اور ان کے روحانی پیشوا حضرت خواجہ معین الدین کی روش اور عادت تو یہ رہی ہے کہ انہوں نے نہ تو خانقاہ بنائی اور نہ ہی اس میں بیٹھے اور نہ ہی اپنی دکانداری چمکائی بلکہ ان کا شیوہ گمنامی اور بے نشانی تھا۔

اگر کسی وابستہ دربار یا حکومت سے تھوڑا سا تعلق پیدا ہو جاتا تو اسے پند و موعظت سے سیدھی راہ پر لاتے تا کہ وہ حقیقی معنوں میں خادم عوام ہو جائے۔ والئ اجودھن کا ایک پیش کار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ اس پر والی کسی بات پر ناراض ہو گیا اور اکثر اپنی ناخوشی کا اظہار کیا کرتا تھا۔ اس نے آپ کی خدمت میں فریاد کی اور چاہا کہ آپ سفارش کریں

Marfat.com

کہ والی اسے تنگ نہ کرے۔ آپ نے اپنا خادم یہ پیغام دے کر بھیجا کہ فرید پر احسان کرو اور اس پیشکار کو ایذا نہ پہنچاؤ مگر اس نے پرواہ نہ کی۔ پیش کار دوبارہ حاضر ہوا اور کہا کہ وہ موذی مجھے پہلے سے بھی زیادہ تنگ کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے کسی مظلوم کی سفارش نہیں سنی۔ وہ یہ بات سنکر رو پڑا۔ گذشتہ اعمال پر پشیمان ہوا اور آئندہ کے لئے وعدہ کیا وہ ایسا نہیں کرے گا اور کسی مظلوم کو ایذا نہیں دے گا۔ چنانچہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد والی اجودھن خوش ہو گیا۔ اس کے ساتھ حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ظلم و جور کو ترک کرنے کا وعدہ کیا۔ جب الغ خاں بلبن، غیاث الدین بلبن کے لقب سے ہندوستان کا مالک بنا، ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اس کے پاس آپ سے سفارش کرائے۔ آپ نے بلبن کو لکھا کہ "میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دیں گے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور ہم دونوں ممنون ہوں گے اور اگر آپ کچھ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ معذور ہوں گے۔"

جن ایام میں ہندوستان کی عنان حکومت درویش منش سلطان ناصر الدین محمود کے ہاتھ میں تھی، بلبن اس کا مختار کار تھا۔ ایک دفعہ سلطان ملتان کی جانب جا رہا تھا۔ اس نے بلبن کو دعا کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ حاضر ہوا اور عرض کی کہ سلطان اولاد نرینہ سے محروم ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی یہ تمنا پوری کرے اور دہلی کی سلطنت اس کے خاندان میں رہے۔ آپ نے اس کے جواب میں "شاہنامہ" سے یہ دو شعر پڑھے:

فریدون فرخ فرشتہ نبود
زعود و زعنبر سرشتہ نبود
ز داد و دہش یافتہ نیکوئی
تو ز داد و دہش کن فریدوں توئی

ایک مرتبہ سلطان خود آپ کے پاس آیا۔ وہ آپکی صحبت اور کردار سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنے عزیز الغ خاں کی وساطت سے آپ کو چار گاؤں کا پٹہ اور ایک بہت بڑی رقم بطور ہدیہ ارسال کی۔ آپ نے یہ رقم تو حاجت مندوں میں تقسیم کر دی اور پٹہ یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ:

"یہ اسے دو جو اس کا طالب ہو یا جسے اس کی ضرورت ہو۔ اگر میں اسے قبول کر لوں تو لوگ مجھے امیر کہیں گے اور میں درویش ان کو کیا منہ دکھاؤں گا۔"

(در: گل خنداں (لاہور) بزرگان دین نمبر، اکتوبر ۱۹۶۲ء، ۲۰۹-۲۲۰)

Marfat.com

نثار احمد فاروقی

بابا فریدؒ کی مبارک زندگی

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی مبارک زندگی میں آج بھی ہمارے لئے بہت سے سبق موجود ہیں۔ وہ ایک شمع ہے جو آج بھی ہمیں راستہ دکھا رہی ہے۔ یہ راستہ انسان دوستی، بیکس نوازی اور غریب پروری کا ہے۔ صوفیا کا قول ہے کہ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے، خدا سے محبت کرنے والا یہ نہیں کرسکتا کہ اس کے کنبے کے ایک فرد سے محبت کرے اور دوسرے سے نفرت کرے۔

حضرت بابا فریدؒ کے پاس دنیا کی دولت کے ذخیرے نہیں تھے، نہ کوئی بڑا عہدہ یا اقتدار تھا، نہ کچھ اور ایسے وسائل تھے جن سے سماجی پوزیشن مضبوط ہوتی ہے اور انسان اس قابل ہوتا ہے کہ دوسروں کی مدد کرسکے۔ مگر انہوں نے اس کامل فقر اور بے سروسامانی کے عالم میں رہ کر بھی خلق خدا کی اتنی خدمت کی کہ بڑی بڑی سلطنتیں رکھنے والے بھی نہیں کر سکے۔

حضرت بابا صاحب سوز مجسم تھے اور یہ تپش دوگونہ تھی ایک طرف محبت الٰہی کی آگ جو ماسوا کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے۔ دوسری طرف پسماندہ، مفلوک الحال اور درماندہ انسانوں کا غم تھا جو ایک درد بن کر سارے وجود میں سرایت کر گیا تھا۔

بابا صاحب کی خانقاہ میں صبح سے شام تک خستہ دل پریشان حال پراگندہ روزی اور دکھوں کے مارے ہوئے انسان آتے تھے۔ ان میں امراء بھی ہوتے تھے، علماء اور درویش، قلندر اور جوالقی، سپاہی اور تاجر، مزدور اور اہل حرفہ بھی مگر سماج کے کمزور ترین اور پسماندہ انسانوں کی تعداد ہی زیادہ ہوتی تھی۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ رات کو دیر گئے بند ہوتا تھا اور آدھی رات تک آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ بابا صاحب ہر آنیوالے سے ملتے تھے اور ہر ایک کا دکھ درد بانٹ لیتے تھے۔ ہر ایک کے مناسب حال اس کا مداوا فرماتے تھے۔ کسی کو تعویذ لکھ کر دے دیا کسی کیلئے ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھی اور دعا کر دی۔ کسی کو پڑھنے کیلئے کوئی وظیفہ بتا دیا۔ شروع زمانے میں جب حضرت نظام الدینؒ شہر دہلی میں رہتے تھے اور پہلی بار اجودھن جا رہے تھے‘ ان کے ایک پڑوسی کا نام محمد تھا۔ اسے ہر سال نارو کی بیماری ہو جاتی تھی، جس میں ریشہ نکلتا رہتا ہے۔ اس نے حضرت نظام الدینؒ کو اجودھن میں اس کی فرمائش کا دھیان آیا تو انہوں نے بابا صاحبؒ سے عرض کیا۔ فرمایا: ’’تم ہی لکھ لو۔‘‘ حضرت نظام الدینؒ نے تعویذ لکھ کر بابا صاحب کے دست مبارک میں دیا۔ آپ نے اسے ایک نظر دیکھا اور یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ دہلی جا کر اپنے پڑوسی کو دے دینا۔ حضرت نظام الدینؒ نے دہلی واپس آ کر تعویذ دیا تو پھر تمام عمر اسے نارو کی بیماری نہیں ہوئی۔ حضرت بابا صاحبؒ نے اپنے پیر و مرشد خواجہ قطب صاحب سے عرض کیا تھا کہ لوگ مجھ سے تعویذ مانگنے آتے ہیں، آپ کا کیا حکم ہے؟ کیا لکھ کر دے دیا کروں؟ قطب

Marfat.com

صاحب نے فرمایا۔" کام نہ تمہارے بس میں ہے نہ میرے اختیار میں اور تعویذ اللہ کا نام ہے اللہ کا کلام ہے، جو مانگے لکھ کر دیا کرو۔"

اس لئے بابا صاحب طالبوں اور حاجتمندوں کو تعویذ بھی لکھا کر دیا کرتے تھے۔ اکثر تعویذ لینے والوں کی خاصی بھیڑ جمع ہو جاتی تھی۔ حضرت بدر اسحاق کے ذمہ یہ بھی تھا کہ وہ تعویذ لکھ کر بابا صاحب کی خدمت میں پیش کرتے تھے اور بابا صاحب اسے اپنے ہاتھوں سے مس کر کے اہل حاجت کو دے دیتے تھے۔ ایک بار حضرت بدر اسحاق موجود نہیں تھے، بہت سے تعویذ لینے والے جمع ہو گئے۔ بابا صاحب نے حضرت نظام الدینؒ سے فرمایا کہ تم لکھو۔ یہ لکھتے رہے، لکھتے لکھتے انگلیاں شل ہو گئیں۔ بابا صاحبؒ نے ان کی طرف دیکھا اور پوچھا "کیا تھک گئے؟" انہوں نے عرض کیا کہ مخدوم بہتر جانتے ہیں۔ بابا صاحب نے فرمایا میں تمہیں تعویذ لکھنے کی اجازت دیتا ہوں جو کوئی مانگے اسے دے دیا کرو۔

یہ تعویذ وغیرہ تو عام انسانوں کی پریشانیاں دور کرنے کیلئے اپنی ہمت مصروف کرنے کا بہانہ تھا۔ بابا صاحب اپنی خانقاہ میں رہنے والوں کی اخلاقی حالت سدھارنے اور ان کے باطن کو روشن بنانے کی طرف خاص دھیان دیتے تھے۔ اس کا اندازہ ان تعلیمات سے ہو جاتا ہے، جو کبھی اپنے عمل سے، کبھی اشاروں کنایوں میں اور کبھی واضح الفاظ میں وہ اپنے زیر تربیت مریدوں کو دیتے رہتے تھے۔ جب حضرت نظام الدین اولیاء پہلی بار ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بابا صاحب نے فرمایا تھا کہ "اپنے مخالفوں کو خوش کرنا چاہیے اور حق جس کا ہو اسے دینا چاہیے۔" اسی طرح آپ صبر وضبط اور عفو و درگزر کی تعلیم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ کشندہ کشندہ (یعنی جو برداشت کر لیتا ہے وہ گویا اپنے دشمن کو ڈھیر کر دیتا ہے)۔ آپ ہر شخص کا عذر بھی قبول فرما لیتے تھے اور کسی سے بدگمان نہ ہوتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جاہل آدمی کو زندوں میں مت گنو۔ ایسا سچ بھی مت بولو جو جھوٹ سے ملتا جلتا ہو۔ جس متاع کا کوئی خریدار نہ ہو اسے بیچنے مت نکلو۔ دنیا کی نمود اور دولت کیلئے خطرے مول مت لو۔ ہر ایک کی روٹی مت کھاؤ مگر خود ہر ایک کو کھلاؤ۔ موت کو کسی وقت نہ بھولو۔ اٹکل سے باتیں مت کہو۔ جو بلا آئے اسے اپنی خواہشات کا نتیجہ سمجھو۔ اگر گناہ کیا ہے تو اس پر ڈینگ مت مارو۔ اپنے باطن کو اپنی ظاہری حالت سے اچھا بنا کر رکھو۔ ہر ایک کا احسان مانو مگر خود کسی پر احسان مت رکھو۔ دل جس چیز کی برائی پر گواہی دے اس سے فوراً ہاتھ کھینچ لو۔ نیکی کرنے کیلئے بہانے تلاش کرو۔ کسی سے پوری لڑائی نہ کرو۔ صلح کیلئے گنجائش چھوڑ دو۔ کسی چیز کو وقت کا بدل مت سمجھو۔ مہمانوں سے تکلف کا برتاؤ نہ کرو۔ دشمن کی تدبیر سے اور دوست کو تواضع سے رام کرو۔ اپنے عیبوں کو دیکھا کرو۔ اگر چاہتے ہو کہ رسوائی نہ ہو تو خوشامد مت کرو۔ آسودگی چاہتے ہو تو حسد مت کرو۔ ایسے کام کرو کہ مرنے کے بعد زندہ رہو۔

یہ ان ہزاروں لاکھوں قیمتی ملفوظات اور نصیحتوں میں سے چند بطور نمونہ ہیں جو بابا صاحبؒ اپنے مریدوں اور حاضر باش عقیدت مندوں سے فرماتے تھے۔ لیکن اجودھن جہاں آپ کا قیام تھا ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جو تہذیبی مرکزوں سے کوسوں دور تھا اور یہاں کے باشندے زیادہ تر ان پڑھ، اجڈ اور محنت مزدوری کرنیوالے لوگ تھے۔ بابا صاحبؒ ان کی تعلیم و تربیت سے غافل نہ تھے اور ایسی عام فہم زبان میں سیدھے سچے دل میں اتر جانے والے اسلوب میں ان کو نصیحت کرتے تھے جو ان کی روزمرہ کی زندگی اور مشغلوں اور مشاہدوں سے حاصل ہوئے استعاروں سے لی جاتی تھیں۔ بابا

Marfat.com

صاحبؒ ہر شخص سے اس کی لیاقت اور استعداد کے موافق گفتگو فرماتے تھے اور اخلاقیات، مذہب، تصوف یا روحانیات کے نہایت باریک مضامین بھی میٹھی اور آسان زبان میں بیان فرما دیتے تھے۔ اس مقصد کیلئے صوفیوں نے شاعری کا سہارا بھی لیا ہے کہ اس میں بڑا وسیع مفہوم چند الفاظ میں سما جاتا ہے اور اسے یاد رکھنے میں بھی سہولت ہوتی ہے۔ بیشتر صوفیا نے عوام کی اصلاح اور نصیحت کیلئے ہندوی دوہوں کا سہارا لیا کہ یہ عوام کی اپنی بولی میں ہوتے اور کسی دشواری کے بغیر ان کی سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے قدیم کلام جو ہندوستانی زبان میں ہے وہ حضرت بابا فرید ہی کا ملتا ہے۔ ان کے ایک سو تیس اشلوک (عام روایت 112 اشلوکوں کی ہے) اور چار شبد مقدس گرنتھ صاحب میں شامل ہیں، یہ ملتانی پنجابی کا وہ کلام ہے جو گرو وونا نک مہاراج کو پاک پتن کے سفر میں ملا تھا اور انہوں نے ایک صوفی کے ان حکمت بھرے اقوال کی ایسی قدر کی کہ اس کلام کو گرنتھ صاحب کا ایک حصہ بنا دیا۔ اس پنجابی کلام کے مستند ہونے میں شبہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ اس میں اسلامی تعلیمات کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ دوسرے بعض حضرات یہ شبہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے فارسی مصادر سے اس کلام کی تائید نہیں ہوتی۔ اس کے دو جواب ہیں: ایک تو یہ کہ ضروری نہیں فارسی مصادر میں ہر بات لازماً آ جائے اور دوسرے یہ کہ بابا صاحب کا پنجابی اور ہندوی کلام فارسی مصادر میں بھی ملتا ہے۔ چوتھی بات یہ کہ اس کلام کی ملکیت کا اور کوئی دعویدار آج تک سامنے نہیں آیا۔ یہ ہمیں پورے وثوق سے معلوم ہے کہ بابا صاحبؒ فارسی، عربی، ہندوی اور پنجابی کا بہترین ادبی ذوق رکھتے تھے اور ان زبانوں میں کبھی کبھی اشعار بھی موزوں کرتے تھے۔ ''شمائل الاتقیاء'' ایک قدیم تصوف کی کتاب ہے جو حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ حضرت برہان الدین غریب کی فرمائش پر 737ھ (1336ء) میں لکھی گئی۔ اس میں بابا صاحب کے دوہے کی ایک پنکتی ملتی ہے۔ ''جس کا سائیں جاگتا سو کیوں سووے سکھ۔'' بعض نسخوں میں یوں ہے۔ ''جس کا سائیں جاگتا سو کیوں سووے داس......؟''

علی اصغر بہدالوی کی ''جواہر فریدی'' 1622ء کی تالیف ہے۔ اس میں بابا صاحب کے دو دوہے نقل ہوئے ہیں:

فریدا دھڑ سولی سر پنجر سے تلیا تو کنڈ کاگ
رب اجیوں نباہڑے سو دھن ساڈے بھاگ

دوسری روایت اس کی یوں بھی ہے:

فریدا تن سکا پنجر تھیا تلیاں کھونڈے کاگ
اجے سو رب نہ باہوڑ یہو دیکھ بندے کے بھاگ

دوسرا دوہا یہ ہے:

ٹوپی لیندے باورے دیندے کھرے نلج
چوہا بل ناما توے پچھے بندھتے چھج

یعنی جو مرید ہو کر کلاہ کسی سے لیتے ہیں وہ باؤلے ہیں اور جو کلاہ ارادت دیتے ہیں وہ نرے بے شرم ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ چوہا خود تو بل میں سما نہیں رہا اوپر سے اپنی دم میں ایک چھاج بھی باندھ لیا۔ یعنی پہلے اپنی بخشش کا

یقین ہو تو کسی دوسرے کا ہاتھ تھامے۔

اتنا ہی نہیں کہ بابا صاحب نے روحانی و اخلاقی تعلیم کیلئے شاعری کا اور اپنی علاقائی بولی کا استعمال کیا بلکہ آپ کا اچھوتا کارنامہ یہ بھی ہے کہ عوام کو عربی الفاظ کی بجائے پنجابی زبان میں ذکر جہر کی تلقین فرماتے تھے۔ بہت سے قدیم مصادر سے ''ذکر ہندوی خامہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ'' کا تذکرہ ملتا ہے۔ انہوں نے پنجابی میں ایک ایک ضربی، دوضربی، سہ ضربی، پنج ضربی ذکر کی تعلیم دی

مثلاً:

اِتھے توں اُتھے توں توں ہی توں

ایہہ ول توں اوہ ول توں توں ہی توں

بعد کے زمانے میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ اور حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ بھی عوام کو اس فریدی ذکر کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

مجھے بابا صاحب کا کچھ اور پنجابی کلام بھی بہت پرانے ماخذوں میں ملا ہے جو ان کے زمانے سے بہت قریب کے ہیں مگر یہ فارسی رسم الخط میں ہے اور میں اس کو پوری طرح پڑھ نہیں سکا ہوں۔ انشاء اللہ پھر کسی موقع پر اس کا متن اور تشریح پیش کردوں گا۔

Marfat.com

خواجہ حسن ثانی نظامی

حضرت فرید گنج شکرؒ

پنجاب کی پوتر کوکھ سے جن بزرگ ہستیوں نے جنم لیا، ان میں حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ اس لحاظ سے بہت نمایاں ہیں کہ انہیں مسلمان ہی نہیں، ہندو اور سکھ بھی اپنا بزرگ مانتے ہیں۔ حضرت بابا صاحبؒ نے کبھی کسی کو غیر نہیں سمجھا۔ اس لئے خدا کی مخلوق بھی انہیں غیر نہیں جانتی۔ حضرت بابا صاحبؒ کو ایک دفعہ کسی نے تحفے میں قینچی پیش کی۔ انہوں نے یہ تحفہ واپس کر دیا اور فرمایا مجھے قینچی نہیں، سوئی دھاگہ دو۔ میں کاٹنے نہیں آیا ہوں جوڑنے آیا ہوں۔ ہندوستان میں صوفیوں کے چشتی سلسلے کے سب سے بڑے بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ہیں۔ حضرت خواجہ قطب صاحبؒ نے اپنی سگی اولاد کو چھوڑ کر گدی کیلئے ہزاروں لاکھوں مریدوں میں سے صرف بابا فرید گنج شکرؒ کا انتخاب کیا۔ شاید ان کی دوربین نظریں دیکھ رہی تھیں کہ ہندوستان کی آنے والی نسلوں کی نجات قینچی والے ہاتھ میں نہیں، سوئی دھاگے والے کے ہاتھ میں ہوگی اور ہمارا یہ جانشین ہندوستان کے ان برگزیدہ رہنماؤں کے ہاں جگہ پائے گا' جو اپنی مذہبی کتاب میں دوسرے دھرموں اور مذہبوں کی تعلیمات کو جگہ دے کر وسیع النظر اور بڑے دل کی ایک نئی روایت انسانی تاریخ میں قائم کریں گے۔

کہتے ہیں کہ اجودھیا، اجودھن اور اجین، ایک ساتھ بسنے والی بستیاں تھیں اور ہندوستان کی سب سے پرانی آبادیاں تھیں۔ اس لحاظ سے یہاں بڑے بڑے بزرگوں کے قدم آئے ہوں گے۔ بابا صاحبؒ نے اجودھن کا انتخاب محض اس وجہ سے نہ کیا ہوگا کہ یہ حکومت کے دارالسلطنت کے ہنگاموں سے دور ایک چھوٹی سی گمنام بستی تھی۔ بلکہ اس انتخاب میں یہ وجہ بھی شامل رہی ہو تو تعجب نہیں کہ اس جگہ کا تعلق ہندوستان کے قدیم اور پرانے روحانی رشتوں سے تھا۔ ایسا سمجھنے کی وجہ میرے نزدیک یہ ہے کہ حضرت بابا صاحب نے اپنے جانشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو دہلی بھیجنے سے پہلے ایک مرید کو اس طرف روانہ کیا تھا اور یہ ہدایت کی تھی کہ اندر پت میں قیام کرنا۔ یہ بزرگ دہلی اور اندر پت نہ آسکے مگر جب حضرت خواجہ نظام الدین اولیا دہلی آئے تو انہیں ایک غیبی آواز نے غیاث پور پہنچایا جو اندر پت کے علاقے میں چند جھونپڑیوں کا ایک گاؤں تھا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اندر پت وہ مقام ہے جہاں سب سے پہلے شری کرشن جی کا قیام بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ، سے ایک دفعہ ان کے مریدوں نے کسی جگہ قصہ بیان کیا کہ ہم وہاں پہنچے تو غیر معمولی کیفیات وہاں محسوس کیں۔ اس کی کوئی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ حضرت نے فرمایا کہ اس مقام پر خدا کا کوئی برگزیدہ بندہ کبھی بیٹھا ہوگا اس لئے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس مقام پر ایک تاثیر، ایک کیفیت محسوس کی جانے لگی۔ ان سب باتوں کو جوڑا جائے تو حضرت بابا صاحبؒ کے اجودھن کے قیام ہی میں نہیں بلکہ ان کی پوری تعلیمات میں ہندوستان کی

Marfat.com

قدیم روحانی روایت اور پھر حضرت کے بعد آنے والی روایت میں ایک ربط اور تعلق نظر آتا ہے۔

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے اپنی خانقاہ کے دروازے ہندو دونوں کیلئے کھول دیئے تھے اور اس طرح کے مواقع انہوں نے اپنے مریدوں کیلئے فراہم فرمائے تھے کہ وہ ہندوستان کے قدیم گیان سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیں تو آزادی سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے خانقاہ فریدی میں اپنے قیام کے زمانے کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ کچھ ہندو جوگی خانقاہ میں آئے۔ حضرت نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگ کس راہ جاتے ہیں اور کام کی بنیاد آپ کے نزدیک کیا ہے؟ جوگیوں نے کہا کہ ہم نے انسان کے دو حصے مانے ہیں ایک ناف یعنی پیٹ کی کوڑی سے اوپر کا حصہ اور ایک ناف سے نیچے کا حصہ۔ اوپر کے حصے میں سچائی اور خلوص اور اچھے اخلاق اور اچھے لین دین ہونے چاہئیں اور نیچے کے حصے میں حفاظت اور پوترتا اور پرہیزگاری! حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے جانشین حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے ہاں اس طرح نظر آتا ہے کہ وہ اپنے مسلمان مریدوں سے کہتے ہیں کہ ہندو جوگیوں کو دیکھو۔ وہ سانس گنے ہوئے لیا کرتے ہیں۔ تم اس سے سیکھو کہ کوئی سانس کوئی لمحہ ضائع نہ ہو، بیکار نہ جائے، اس سے کام لیا جائے، لیکن اس کھلے لین دین میں حضرت بابا صاحبؒ کے ہاں کی اس احتیاط کو بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے کہ ہندوستان کی پرانی روحانی روایت میں جو غیر ضروری چیزیں بعد کے لوگوں نے شامل کر دی تھیں ان سے پرہیز وہ ضروری سمجھتے تھے۔

اصل میں ہندوستان کی روحانیت کو ایسی ہی فضول باتیں اور بیکار رسمیں برباد کر رہی تھیں۔ سکھ دھرم نے جس اصلی روحانیت کو زندہ اور قائم کیا اور حضرت گورونانک نے سینکڑوں میل دور سے کھیتوں کو پانی دینے کے ذریعے غیر مفید رسم پرستی کے خلاف جو مہم چلائی وہ ایک ایسا آفاقی اور کائناتی تقاضا تھا، جس کو پورا کئے بغیر انسانیت کی نجات ممکن نہیں تھی۔ اس مشترکہ فکر اور سوچ کی جھلکیاں ہندو دونوں اور مسلمان سکھ بزرگوں کے ہاں یکساں نظر آتی ہیں۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے اپنے جانشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کو زندگی میں آخری بار رخصت کرتے وقت جو باتیں کہی تھیں ان میں سے ایک بات تو یہ تھی کہ انہوں نے دعا دی کہ خدا تجھے ایک ایسا سائے دار درخت بنائے جس کی چھاؤں میں خدا کی مخلوق آرام پائے اور دوسری باتیں یہ تھیں کہ اپنے دشمنوں کو خوش کرو۔ اور کسی کا حق ہو تو وہ ادا کرو۔ اصل میں یہ دوسری بات یعنی کسی کا حق ادا نہ کرنا ہی پہلی بات یعنی دشمنی کو جنم دیتا ہے۔ حق ادا ہوتا رہے تو دشمنی ہی پیدا نہ ہو۔

پچھلے دنوں مجھے خوش قسمتی سے بہاولپور کے گاؤں چاولی مشائخ جانے کا اتفاق ہوا جہاں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی پیدائش بتائی جاتی ہے۔ وہاں میں نے ایک عالیشان درگاہ دیکھی جہاں زائرین کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس کی درگاہ ہے تو عجیب دلچسپ کہانی سننے کو ملی۔ بتایا گیا کہ تاریخ میں یہ واقعہ لکھا ہوا موجود ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کی ماں بڑی نیک اور اللہ والی خاتون تھیں۔ ایک روز کوئی چور ان کے ہاں چوری کی نیت سے داخل ہوا مگر جیسے ہی اندر آیا اندھا ہو گیا اور اس نے چیخ کر کہا کہ اس گھر میں اگر کوئی مرد ہے تو میرا بھائی ہے اور عورت ہے تو میری بہن ہے۔ میں چوری کرنے آیا تھا مگر ایک دم اندھا ہو گیا ہوں۔ اب خدا کے سامنے چوری سے توبہ کرتا ہوں اور گھر والوں سے معافی مانگتا ہوں۔ یہ کہنا تھا کہ فوراً اس کی آنکھوں سے نظر آنے لگا۔ اس کے بعد اس چور کی ساری زندگی نیکی عبادت اور خدمت میں بسر ہوئی۔ چور سے وہ اللہ والا بن گیا۔ لوگوں نے انہیں بزرگ مان کر سر آنکھوں پر بٹھایا۔ یہ درگاہ جہاں آنیوالوں کا میلہ سا

Marfat.com

لگا ہوا تھا' انہی بزرگ کی درگاہ تھی جن کو بابا صاحبؒ کے گھر نے چور سے بزرگ بنا دیا تھا۔ اب میں حضرت بابا صاحبؒ کی روح کے سامنے اعتراف کرتا ہوں کہ حضرت میرے اور میرے جیسے خدا معلوم کتنے انسانوں کے دل میں چور ہے۔ حق ادا نہ کرنے کا چور، دشمنی قائم رکھنے کا چور شاید اسی لئے ہماری آنکھیں دیکھنے کے باوجود کچھ نہیں دیکھتیں۔ آپ اسی ماں کے تو لال ہیں جس نے چور سے چوری بھی چھڑائی اور آنکھوں کو روشنی بھی دی۔ ہماری آنکھوں کو بھی اصلی نور عطا ہو، چوری سے بزرگی ملے۔ آپ فرید کوٹ کے سامنے دریا کے اس پار دوسرے ملک میں آرام کر رہے ہیں۔ پرانی کہاوت ہے دریا کے دو کنارے کبھی نہیں ملا کرتے، لیکن ان کے بیچ میں بہنے والا پانی تو ملتا ہے اور ایک لہر دوسری لہر میں مل کر فنا ہونے کے باوجود کسی بڑی لہر کا روپ دھار لیتی ہے۔ کھیتوں اور انسانوں کی پیاس بجھاتی ہے۔ یہ سوکھی دھرتی، یہ پیاسے انسان آپ کی تعلیم آپ کے دریا کے اسی پانی کے طلب گار ہیں۔ آیئے اور اپنا یہ امرت چھلکایئے۔

Marfat.com

فیروز الدین احمد فریدی

فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کا دور، تعلیمات اور شخصیت

کسی عظیم شخصیت سے آگہی حاصل کرنے کے لیے ہمیں اس دور کا شعور ہونا چاہیے جس میں اس شخص نے اپنی عمر گزاری ہو۔ فرید الدین مسعود گنج شکر ۱۱۸۰ء اور ۱۲۷۱ء کے درمیان تقریباً نوے برس اس دنیا میں رہے۔ نوے برس کا یہ دور تاریخ میں قرونِ وسطیٰ یعنی Middle Ages کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ ایک عجیب وغریب دور تھا، ایک طرف مسلمانوں کی دنیاوی حکومت ان پستیوں میں گر گئی تھی جن کی مثال تاریخ میں کم ہی ملے گی۔ دوسری طرف اسلام کی روحانی سلطنت نے عروج کی ان بلندیوں کو چھوا جن کی مثال تاریخ میں کم ہی ملے گی۔ یہ وہ دور ابتلا تھا جب بغداد میں صدیوں سے قائم خلافت عباسیہ اور قرطبہ میں صدیوں سے قائم خلافت امویہ کا نام ونشان مٹ گیا تھا۔ یہی وہ دور تھا جب چنگیز خاں ۱۱۶۲ء میں یا اس کے لگ بھگ منگولیا میں پیدا ہوا۔ بابا صاحب اس کے ۱۸ برس بعد ملتان کے مضافات میں ایک قصبے ''کوٹھے وال'' یا ''کھتوال'' میں پیدا ہوئے جو ملتان سے دس میل شمال میں آج بھی موجود ہے۔ جب چنگیز خاں ۱۲۲۷ء میں مرا تو بابا صاحب ۴۶، ۴۷ سال کے تھے۔ یہی وہ دور تھا جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۹۳ء میں وفات پائی۔ بابا صاحب اس وقت بارہ تیرہ برس کے لڑکے تھے، یہی وہ دور تھا جب ۱۵ جون 1215ء کو شاہ انگلستان جان (John) نے میگنا کارٹا (Magna Carta) پر دستخط کیے، جب انگلستان میں رنی میڈ کے مقام پر اس دستاویز پر دستخط ہو رہے تھے تو بابا صاحب ۳۴، ۳۵ برس کے جوان تھے۔ اس وقت روم میں مشہور پوپ انوسنٹ سویم (Innocent-III) پاپائے روم تھا۔ کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ شاہ انگلستان جان کی اپیل پر اس مشہور پوپ نے میگنا کارٹا کو منسوخ قرار دیا تھا۔ ۱۲۳۶ء میں جب اسپین میں مسلم حکومت کے دارالسلطنت قرطبہ سے مسلمانوں کی حکومت ہمیشہ کے لیے ختم ہوئی، اس وقت بابا صاحب تقریباً ۵۵ برس کے تھے اور ۲۲ برس بعد جنوری ۱۲۵۸ء میں جب ہلاکو نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو بابا صاحب اسی برس کے پیٹے میں تھے۔

بغداد اور قرطبہ مشرق میں مغرب میں نہ صرف مسلم حکومتوں کے دارالخلافے اور مسلم تہذیب وتمدن بلکہ بین الاقوامی علوم وفنون کے مراکز تھے۔ تاریخ کی ستم ظریفی دیکھیے کہ ایک طرف مشرق اور مغرب میں عقل اور علم کے یہ قدیم مراکز اجڑ رہے تھے اور دوسری طرف اسی دور میں ۱۲۴۹ء میں مغرب میں آکسفورڈ کے مقام پر انگلستان کا پہلا کالج ''یونیورسٹی کالج آکسفورڈ'' کے نام سے قائم ہو رہا تھا اور ادھر مشرق میں بابا صاحب تقریباً ستر برس کی عمر میں پاک پتن میں جو اس وقت اجودھن کہلاتا تھا، عقل، علم اور عشق کے اس بین الاقوامی مرکز کی بنیاد رکھ رہے تھے جو بابا صاحب کا جماعت خانہ کہلاتا تھا۔ یہی وہ دور تھا جب ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین نے یروشلم فتح کیا جو اس کے بعد تقریباً آٹھ صدی تک

Marfat.com

یعنی ۱۹۶۷ء تک مسلمانوں کے پاس رہا۔ یہی وہ دور تھا جس میں ۱۱۸۹ء میں تیسری صلیبی جنگ کا آغاز ہوا جس میں انگلستان کا بادشاہ رچرڈ شیر دل شریک تھا اور سب سے آخر میں یہ بات کہ یہی وہ دور تھا جب سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۹۳ء میں نرائن کے مقام پر اجمیر اور دلّی کے راجہ پرتھوی راج کو شکست دے کر دلی پر قبضہ کر لیا۔ ۱۱۹۳ء ہی وہ سال تھا جب صلاح الدین ایوبی کا وصال ہوا، اس وقت بابا صاحب بارہ، تیرہ برس کے لڑکے تھے۔ ۱۲۰۶ء میں محمد غوری کے نامی گرامی غلام اور جنرل قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی۔ ایبک کے بعد مشہور سلاطین دہلی میں التمش، رضیہ سلطانہ، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن کے نام آتے ہیں۔ بلبن ۱۲۶۶ء میں سلطان دہلی بنا اور بابا صاحب نے بلبن کے ابتدائی دور سلطانی میں غالباً ۱۳ اگست ۱۲۷۱ء کو نوے برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس کا مشہور مورخ ضیاء الدین برنی تاریخ کی اپنی مشہور کتاب ''تاریخ فیروز شاہی'' میں لکھتا ہے:۔

''یہ عہد ایسے مشائخ کی موجودگی سے مزین اور مشرف تھا کہ ان جیسی ہستی مدت میں پیدا ہوتی ہے، مثلاً اس (یعنی بلبن) کے عہد کے ابتدائی دور میں شیخ شیوخ العالم فرید الدین مسعود بہ قید حیات تھے، وہ قطب عالم اور مدار جہاں تھے، اس خطہ زمین کے لوگوں کو انہوں نے اپنی پناہ اور اپنے سائے میں لے لیا تھا............ان کے قرب اور برکت انفاس کی وجہ سے لوگ دین و دنیا کی مصیبتوں سے نجات پاتے تھے اور جو اسکے اہل تھے، وہ ان کی ارادت کے ذریعے بلند مراتب حاصل کرتے تھے''۔

ضیاء الدین برنی کے یہ دل نشین اور مشہور فقرے پڑھ کر ہماری نظر بے ساختہ زمین سے اٹھ کر تصوف کے آسمان پر پڑتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ آسمان تصوف پر اتنے چمکتے دمکتے ستارے نہ کبھی پہلے ایک سات اس آب و تاب سے جگمگاتے نظر آئے اور نہ بعد میں۔ یوں سمجھ لیجیے کہ جیسے بعض زمینیں زرخیز ہوتی ہیں، ویسے ہی بعض زمانے بھی مردم خیز ہوتے ہیں۔ یہ دور ایک انتہائی مردم خیز دور تھا۔ بابا صاحب کے تیرہ مشہور ہم عصر صوفیہ کے نام یہ ہیں:۔

۱۔	محی الدین ابن عربی	۲۔	جلال الدین رومی
۳۔	شیخ سعدی	۴۔	شہاب الدین سہروردی
۵۔	لال شاہ باز قلندر (سہون)	۶۔	بہاء الدین زکریا (ملتان)
۷۔	جلال الدین بخاری (اوچ)	۸۔	معین الدین چشتی
۹۔	قطب الدین بختیار کاکی	۱۰۔	نظام الدین اولیاء
۱۱۔	علاء الدین صابر (کلیر)	۱۲۔	فرید الدین عطار
۱۳۔	ابوالحسن علی الشاذلی		

اس دور کے چودھویں عظیم بلکہ عظیم ترین صوفی عبد القادر جیلانی کا نام بزم صوفیہ کی اس فہرست میں صرف اس لیے شامل نہیں کیا گیا کیوں کہ ان کا وصال بابا صاحب کی ولادت سے تیرہ چودہ برس پہلے ہو گیا تھا۔ غور کیجئے کہ اسلامی تصوف کے عظیم سلسلوں سے دو یعنی ''قادریہ'' اور ''شاذلیہ'' سلسلوں کے بانی شیخ عبد القادر جیلانی اور شیخ ابوالحسن علی الشاذلی اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ دو عظیم سلسلوں یعنی چشتیہ اور سہروردیہ کے مشہور ترین صوفیہ یعنی خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ

Marfat.com

شہاب الدین سہروردی بھی اس زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ برصغیر پاک وہند سے باہر ابن عربی، جلال الدین رومی، شیخ سعدی اور فرید الدین عطار جیسے شہرہ آفاق نام اور برصغیر میں سہون کے لال شاہ باز قلندر، ملتان کے بہاء الدین زکریا، اوچ کے جلال الدین بخاری اور چشتیہ سلسلے کے قطب الدین بختیار، نظام الدین اولیا اور کلیر کے علاء الدین صابر سب اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایسا دور پہلے آیا، نہ بعد میں۔ دنیا کے بادشاہوں کی بربادی کا یہ دور دین کے شہنشاہوں کی تاج داری اور دنیاوی سلطنتوں کی تباہی کا یہ زمانہ دینی خانقاہوں کے قیام کا دور تھا۔

ایک عظیم صوفی یا پیغام بر کا پیغام اس کی شخصیت کا مظہر ہوتا ہے یا دوسرے الفاظ میں اس کی شخصیت اس کے پیغام میں مضمر ہوتی ہے۔ شخصیت سے صحیح معنوں میں شناسائی ہوگئی تو سمجھ لیجئے کہ پیغام تک رسائی ہوگئی۔ پیغام دل میں اتر گیا تو جان جائیے کہ شخصیت کے حضور میں حاضری ہوگئی اور نصیب یاور ہے تو حاضری سے حضوری قلب بھی مل گئی۔ ۱۹۹۸ء میں مجھے زندگی میں پہلی بار ضلع شیخوپورہ کے قصبے ننکانہ صاحب جانے کا موقع ملا۔ یہ قصبہ گرونانک کی جائے پیدائش ہے اور سکھوں کو اس جگہ سے وہی عقیدت ہے جو مسلمانوں کو مکے مدینے سے ہے۔ یہاں سکھوں کا ایک مقدس ترین قدیم گردوارہ ہے۔ جب میں اس گردوارے کی مختلف غلام گردشوں اور چھوٹے بڑے کمروں میں گردش کرتا گردوارے کے عین وسط میں پہنچا تو میں نے خالص چاندی کے ستونوں پر کھڑی ہوئی ایک خوبصورت چھتری دیکھی جس کے نیچے چاندی کے ورقوں میں لپٹی ہوئی ایک عظیم الجثہ کتاب بہت اہتمام سے رکھی تھی جو گرمکھی رسم الخط میں تھی۔ یہ سکھوں کی مقدس مذہبی کتاب ''گرنتھ صاحب'' تھی اور چاندی جیسی سفید ڈاڑھی والا ایک سکھ اسے بہت عقیدت سے گونجتی ہوئی آواز میں پڑھ رہا تھا۔ جو کچھ وہ پڑھ رہا تھا، وہ بابا صاحب سے منسوب، بابا صاحب کا کلام تھا جسے سنسکرت میں ''شلوک'' ہندی میں ''اشلوک'' اور اردو میں ''شعر'' کہہ سکتے ہیں۔ یہ اشلوک قدیم ملتانی یا سرائیکی زبان میں تھا اور گرنتھ صاحب میں اس کا نمبر ''۱۹'' ہے، اشلوک کے الفاظ یہ ہیں:۔

جنگل جنگل کیا بھویں؟ ون کنڈا موڑیں　　　　وسی رب ہیا لیے ، جنگل کیا ڈھونڈیں

اللہ کو پانے کا یہی وہ رستہ ہے جو مختلف زمینوں، زمانوں اور زبانوں میں اللہ جانے کب سے بتایا جا رہا ہے۔ گرونانک نے بابا صاحب سے منسوب اس مشہور اشلوک کو گرنتھ صاحب میں شامل کر کے، اس شعر کو سکھ مذہب میں وہ مقام دیا جو مسلمان قرآنی آیات کو دیتے ہیں۔

گرنتھ صاحب میں بابا صاحب سے منسوب کل ۱۱۲ اشلوک ہیں جو گرنتھ صاحب کے ایک علیحدہ باب میں درج ہیں، جس کا خصوصی عنوان ہے ''شلوک فرید جی کے''۔ بابا صاحب سے منسوب ایک اور اشلوک جو گرنتھ صاحب کا اشلوک نمبر ۲۸ ہے، یہ ہے:

روٹی میری کاٹھ کی ، لاون میری بھکھ　　　　جنھاں کھادی چوپڑی ، گھنے سہن گے دکھ

اس کا منظوم اردو ترجمہ یہ ہوسکتا ہے:

روٹی میری کاٹھ کی اور سالن میرا بھوک　　　　جو چکنی چپڑی کھاتا ہے، وہ دکھ بھی بہت اٹھاتا ہے

اسی مفہوم کا بابا صاحب کا ایک اور اشلوک، گرنتھ صاحب کا اشلوک نمبر ۲۹ ہے جس کے الفاظ اتنے عام فہم ہیں

Marfat.com

کہ آج کا انسان حیران ہو جاتا ہے کہ کیا سولہویں صدی عیسوی کی گرنتھ صاحب میں شامل یہ اشلوک واقعی اتنی صدیوں پرانا ہو سکتا ہے؟ اشلوک یہ ہے:

رکھی سکھی کھا کے ٹھنڈا پانی پی   دیکھ پرائی چوپڑی نہ ترسائیں جی

اس کا منظوم اردو ترجمہ یہ ہو سکتا ہے:

رکھی سوکھی کھا کے ٹھنڈا پانی پی   پرائی چپڑی دیکھ کر نہ کر میرا میلا جی

ان اشلوکوں کی عملی تفسیر بابا صاحب خود تھے۔ انہیں اپنے خالق سے عشق، اس کی مخلوق سے پیار اور دنیاوی دولت سے نفرت تھی۔ یہ زندگی بھر طرح طرح کے تحائف پیش ہوتے رہے لیکن انہیں رات تک رکھنے کی اجازت نہ تھی کیوں کہ یہ اللہ پر توکل کے اس معیار کے خلاف تھا جو آکسفورڈ یونیورسٹی کی ہم عصر اجودھن کی اس یونیورسٹی کے تعلیمی نصاب کا سب سے پہلا اور سب سے اہم سبق تھا۔

اور اجودھن کی یہ یونیورسٹی تھی کیا؟ گارے اور کچی اینٹوں سے بنا ہوا ایک بڑا سا کمرہ جس کی بنیادیں کعبہ مشرفہ کی طرح انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں رکھی گئیں۔ اس لمبے سے کچے کمرے میں نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ دوسرے ممالک کے صوفیہ، علماء اور بزرگان باصفا روکھی سوکھی کھاتے، ٹھنڈا پانی پیتے اور اپنے من میں بسے ہوئے اپنے رب کو تلاش کرتے۔ تن پر موٹے جھوٹے کپڑے، سر منڈے ہوئے، کچی زمین پر ساتھ ساتھ بستر، ہاتھوں میں کتابیں، دماغ میں رب کا تصور، دل میں رب کی یاد، زبان پر رب کا نام اور منہ میں روزہ، راتیں ذکر و فکر میں کٹتیں، سورج چڑھتا تو سب اپنے کام دھندے سے لگ جاتے، کوئی پانی بھر کر لاتا، کوئی جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا، کوئی برتن دھوتا، کوئی جنگلی پھول پھل اور پتے توڑ کر لاتا، کوئی انہیں پانی میں ابال کر کبھی نمکین اور کبھی بلا نمک کا سالن پکاتا، گندم کا آٹا مل جاتا تو اس کی روٹیاں پک جاتیں، نہ ملتا تو جوار کی موٹی موٹی روٹیوں پر ہی گزارا ہو جاتا، دسترخوان ہوتا تو اسے زمین پر بچھا کر کھانا اس پر چن دیا جاتا، نہ ہوتا تو ان اللہ والوں کے لیے اللہ کی زمین ہی دسترخوان کا کام دیتی، ہر ایک زمین پر زانو سے زانو ملا کر بیٹھتا، ہر ایک کو برابر کا کھانا ملتا، تخصیص کھانے میں ہوتی، نہ کھلانے میں ہوتی، نہ بٹھانے میں ہوتی۔

سچ تو یہ ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی میں، اس پورے برصغیر میں اگر زمین کا کوئی ٹکڑا ایسا تھا جہاں شاہ و گدا سب کا ایک جیسا استقبال اور سب سے ایک سا سلوک ہوتا تھا، تو وہ پنجاب کے اس دور افتادہ، ریتیلے اور گرم قصبے کے جماعت خانے اور اس کے اردگرد کی یہ چند سو مربع گز زمین تھی، یہ ایک اقامتی یونیورسٹی تھی جہاں نہ صرف تعلیم بلکہ تربیت، تجربہ، خوراک اور رہائش سب مفت تھی۔ اس یونیورسٹی کی تعلیم کا نصاب عقل، علم اور عشق تھے۔ یہاں کی تعلیم کا مقصد کسی ڈگری کا حصول نہ تھا، نہ کسی ملازمت کا۔ اس تعلیم کا واحد مقصد درویشی کی اس شمع کے نور اور اس کی حرارت کو زیادہ سے زیادہ جذب کرنا تھا، جس کے دم سے درویشی کے اس سلسلے کا ابد تک قایم رہنا ازل سے مقدر ٹھہر چکا تھا۔

فرید الدین مسعود گنج شکر اپنی مدھم، ملایم، میٹھی، موہنی اور مدھ بھری آواز میں، ٹھہر ٹھہر کر، بعض اوقات دہرا دہرا کر قرآن، حدیث، تصوف اور اسلامی قوانین کے انتہائی پیچیدہ مسائل یوں سمجھاتے کہ یہ ابدال اور نابغہ روزگار علماء اور فضلا جو یہاں طالب علم کی حیثیت سے مقیم تھے، عش عش کر اٹھتے۔ ان کا کہا اللہ کا کہا ہوتا تھا، گو وہ اللہ کے بندے کی زبان سے ادا

Marfat.com

ہورہا ہوتا تھا اور پھر تعلیم خالی زبان سے تو نہ تھی، سب سے بڑا معلم تو شیخ الجامعہ یعنی یونیورسٹی کے چانسلر کا اپنا کردار تھا۔ شفاف آئینے کی طرح ایک ایسا کردار جس میں عمر بھر ظاہر اور باطن میں ذرہ بھر فرق نہیں رہا۔ کھرے سونے کی طرح ٹھوس، پائیدار اور اندر باہر سے یکساں چمکیلا .... اور سب سے آخر میں اس تعلیم کا ذریعہ وہ باطنی توجہ تھی جو شیخ الجامعہ اپنے طالب علموں پر کرتے رہتے۔ نظر نہ آنے والی برقی شعاعیں شیخ کی آنکھوں سے اور محسوس نہ ہونے والی مقناطیسی لہریں شیخ کے دل اور دماغ سے نکلتیں اور تیر کی طرح مریدان باصفا کے قلب ونظر میں پیوست ہو جاتیں اور پھر وہ سرمدی سفر شروع ہو جاتا جہاں انسان تزکیہ نفوس، تصفیہ قلب، تجلیہ روح اور تخلیہ روح وقلب کی ارفع منازل طے کرتا، فنا سے بقا، مکاں سے لامکاں، بےخودی سے خودی اور خودی سے بےخودی کی اس ناقابل بیان لذت سے سرشار رہتا ہے، جہاں وہ خود کو پہچان کر سیدھا خدا تک پہنچ جاتا ہے۔

خدا نے انہیں وہ چشم بینا عطا کی تھی کہ چہرے پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہی دل کی تہ تک پہنچ جائے اور بعض اوقات یہ کام نظر ڈالے بغیر بھی ہو جاتا، ان کی صحبت میں آدمی انسان بن جاتا جس کا بننا فرشتے سے بہتر مگر اس سے کہیں زیادہ مشکل ہوتا ہے، دہلی کے اعلیٰ ترین درس گاہوں کے سند یافتہ یہ علماء اور فضلاء جب اجودھن کے جماعت خانے کے کچے فرش پر بیٹھ کر، جس کی بھربھری مٹی کی سوندھی مہک، شیخ کی گفتگو کی بھینی خوشبو سے مل کر فضا کو ہر لمحے معطر کیے رہتی، گنج شکر کی شکر بار زبان سے بڑے بڑے مسایل کا حل، چھوٹے چھوٹے سیدھے سادے جملوں میں سنتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ دریا کو کوزے میں بند کرنا کسے کہتے ہیں۔

آپ کا قول ہے کہ تدبیر میں نقصان اور تسلیم میں سلامتی ہے، قول مختصر لیکن اس کی گہرائی قابل غور ہے۔ جتنا غور کریں گے اتنی ہی گہرائی پاتے جائیں گے۔ آپ کا فرمان ہے کہ جو چڑیوں کو دانہ ڈالتا ہے ایک دن ہما بھی اسُ کے دام میں پھنس جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کو یہ صرف ایک خوبصورت فقرہ نظر آئے گا، کچھ کو اس سادے سے فقرے میں شاید بہت کچھ نظر آجائے گا: ایک مرتبہ کسی نے چھری پیش کی تو فرمایا، مجھے چھری نہ دو، مجھے سوئی دو کہ میں کاٹتا نہیں، سیتا ہوں۔ یہ ایک فقرہ نہیں بلکہ ان کی عظیم شخصیت کا ایک فوٹو ہے۔ یہ ایک دریا ہے جو ایک کوزے میں بند ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ سات سو بزرگان دین سے چار سوال کیے گئے، سب نے ایک سا جواب دیا، سوالات اور جوابات یہ تھے۔

سوال	جواب
ا۔ سب سے عقل مند کون ہے؟	جو دنیا چھوڑ دے۔
۲۔ سب سے مال دار کون ہے؟	جو قانع ہو۔
۳۔ سب سے مفلس کون ہے؟	جو قانع نہیں ہے۔
۴۔ سب سے ولی صفت کون ہے؟	جو کسی سے متغیر نہ ہو۔

جب ان سوالات کا مجسم جواب سننے والوں کو نظروں کے عین سامنے بیٹھا ہوا اور اپنی میٹھی اور مدھم آواز میں، ٹھہر ٹھہر کر، یہ جوابات بتا رہا ہو تو بھلا کون سا انسان ہے جس کے دل ودماغ کی گہرائیوں میں ایک ایک جواب نقش دوام کی طرح ثبت نہ ہو جائے۔

جیسے انسان کا رب ہر گھڑی اپنے بندے یا بندی کے ساتھ ہوتا ہے، ویسے ہی جو اپنے رب کا دوست ہوتا یا ہوتی ہے، وہ ہر گھڑی اور ہر صدی میں انسان کا دوست ہوتا یا ہوتی ہے، جس میں قوم، نسل، عقیدے، زبان، جنس، رنگ، عمر اور ذات پات کی قید نہیں ہوا کرتی۔ یہ قدرتی بات ہے کہ ہر انسان اپنے دوست کے بارے میں جاننا چاہتا ہے، اس انسان دوست درویش کی ذات والا صفات کا ایک عام دن یعنی Typical Day کیسے گزرتا تھا، اس کی ایک جھلک اس تحریر کا آخری اور خوش گوار حصہ ہے۔

بابا صاحب کم بولتے، بہت کم اور بہت سادہ کھاتے اور بہت ہی کم سوتے تھے۔ رات جب سارا سنسار سو رہا ہوتا، وہ جاگ رہے ہوتے، اجودھن کی تاریک رات کے مکمل سناٹے میں، وہ کبھی بے قراری کے عالم میں، اپنے ہاتھ پیچھے باندھے، اپنے اس چھوٹے سے کچے حجرے میں چہل قدمی کرنے لگتے جہاں وہ آج بھی آرام کر رہے ہیں۔ وہ اپنی مدھم، میٹھی، ملایم، مدھ بھری اور من موہنی آواز میں، چپکے چپکے سرگوشیوں میں اپنے محبوب سے کہتے:

"میرے محبوب میری بس ایک ہی آرزو رہ گئی ہے کہ جب تک جیوں صرف تیری یاد میں جیوں اور جب مروں تو تیرے قدموں میں گر کر تجھے دیکھنے کے لیے زندہ ہو جاؤں، مجھے بتا تو سہی کو دونوں جہان میں تیرے سوا میرا بھلا اور کون ہے؟ میں جیتا ہوں تو صرف تیرے لیے، مرتا ہوں تو صرف تیرے لیے"۔

رات جیسے جیسے تاریک، ساکت اور ساکن ہوتی جاتی ان کی بے چینی بڑھتی جاتی۔ وجد کا عالم طاری ہو جاتا، حجرے میں رقص کرنے لگتے، رات اور ساکت اور ساکن ہو جاتی۔ جب رب المشرقین والمغربین اپنے کسی بندے یا بندی پر اپنے فضل کی بوچھاڑ کرتا ہے تو یہی ہوا کرتا ہے۔ یہ وجد ایک فرد پر طاری ہوتا تھا نہ یہ رقص ایک فرد کا ہوتا تھا۔ یہ وجد ایک عالم پر اور یہ رقص رقصِ کائنات ہوتا تھا، جس میں ساری دوئیاں ختم اور سب دوریاں دور ہو جاتی تھیں۔

رات ختم ہوتی، سحری کا وقت آتا، فریدالدین مسعود کی سحری کیا ہوتی تھی؟ صرف اور صرف روزے کی نیت۔ فجر کی اذان بلند ہوتی تو نیچی چھت والے اس چھوٹے سے کچے حجرے کا لکڑی کا دروازہ آہستہ سے کھلتا، تاروں کی چھاؤں اور سحری کی ٹھنڈی ہواؤں میں وہ باہر آتے، ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم، نکلتا ہوا قد، صحت مند جسم، گندمی رنگ، اونچا ماتھا، بڑی بڑی روشن آنکھیں، چوڑے کندھے، فراخ سینہ، شب بھر کے رت جگے کے باوجود تر و تازہ گلاب کے مانند کھلا ہوا شاداب اور بھرا بھرا چہرہ جس سے نور بھی چھلکتا تھا اور جس سے دبدبہ بھی ٹپکتا تھا، جسے دیکھ کر کشش بھی محسوس ہوتی تھی اور رعب بھی طاری ہوتا تھا، جمال اور جلال کا حسین امتزاج، چاندی اور چاندنی کی طرح سفید براق داڑھی جو رخساروں پر چھدری اور ٹھوڑی پر گھنی تھی، ایک کرشماتی شخصیت جسے ایک بار دیکھ کر دوسری بار، دوسری بار دیکھ کر تیسری بار اور پھر بار بار دیکھنے کو جی چاہتا تھا اور کبھی جی نہ بھرتا تھا۔ اپنی شکر جیسی میٹھی آواز میں گنج شکرؒ اللہ کی مخلوق کو دعائیں دیتے، ان پر سلامی بھیجتے، حضور ﷺ کے حضور چپکے چپکے سلام پیش کرتے، اپنے اکلوتے محبوب کے نشے میں چور، اس کی دھن میں گم، اس کی لو سے لو لگائے، وقار سے آہستہ آہستہ نپے تلے قدم اٹھاتے، فجر کی نماز کی امامت کے لیے مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے۔ سینکڑوں مشتاق نظریں ان کی سر سے پاؤں تک بلائیں لیتیں، سینکڑوں با ادب ہاتھ ایک ساتھ سلام کے لیے اٹھتے، کتنی آنکھیں تھیں جو بھیگ

Marfat.com

جاتیں اور وقت تھم جاتا کہ امامت کے لیے امام وقت خود آ رہا ہے۔

نماز کی دو رکعتیں کیا پڑھاتے دلوں کی دنیا ہی بدل ڈالتے، لگتا تھا کہ وہ اپنے رب سے اور ان کا رب ان سے باتیں کر رہا ہے، اسی وجہ سے انہیں نماز پڑھتے دیکھ کر دیکھنے اور پڑھنے والوں پر دیر تک عجیب سا اثر طاری رہتا۔ ان کی نماز جنت کی خواہش میں ہوتی، نہ جہنم کے ڈر سے، وہ تو صرف اس ایک ذات کے لیے ہوتی جو ان کی نس نس میں سمایا ہوا تھا۔ اس نماز میں ان کا جسم ہی نہیں، ان کا خیال بھی اس ذات کے حضور سجدہ ریز ہوتا تھا جو ان کی زندگی کا مرکز اور محور تھی۔ نماز ختم ہوتی تو وہ آہستہ سے اپنے پھٹے پرانے مصلے سے اٹھتے اور نپے تلے قدم اٹھاتے، اپنے محب اور محبوب کی دھن میں گم، اس کی مخلوق کی توجہ کا مرکز بنے، ان کی امیدوں کا سہارا، ان کے غموں کا مداوا اور ان کے درد کا مسیحا بنے اپنے اسی حجرے میں پہنچ جاتے جہاں وہ آج بھی آرام کر رہے ہیں۔ یہ آرام گاہ ایک مزار یا مقبرہ نہیں بلکہ مرکز عشق ہے، جہاں آتے تو سب ہی ہیں لیکن جہاں انتظار عاشقوں کا رہتا ہے۔

کچے حجرے میں جاتے ہی لکڑی کا دروازہ اندر سے بند کر دیا جاتا اور اگلی دو گھڑی انسان تو انسان کسی فرشتے کو بھی اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ یہ وقت اس ایک ذات کے آگے اس ایک سجدے کے لیے وقف تھا جب مسعود اور اس کے معبود کے درمیان کسی غیر خیال کو غلطی سے گزرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ یہی وہ ایک سجدہ ہے جو قدسی مقال اقبال کے لافانی اور لاثانی الفاظ میں آدمی کو ہزاروں سجدے سے آزاد کرتا ہے، جس میں اللہ کے آخری رسول ﷺ اپنے دوست کے آگے رو رو کر کہا کرتے تھے۔ ''تیرے آگے میرا تمام جسم اور خیال بھی سجدہ کرتا ہے''۔

ظہر کی نماز کے بعد حجرے کا دروازہ کھول دیا جاتا، اللہ سے باتیں بہت ہو گئیں، اب وقت اللہ کے بندوں کے کام کرنے کا تھا۔ لوگ ایک ایک کر کے باری باری اندر آتے جاتے اور اپنی مشکلات اور مسایل بتاتے جاتے، کسی کو اپنی جوان بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرنے کا غم کھائے جا رہا تھا، کوئی کسی سرکاری افسر کے جبر کا شکار تھا، کسی کو سرکار دربار تک رسائی درکار تھی، کسی کا کوئی بھائی قریب المرگ تھا۔

آپ پوری توجہ اور ہمدردی سے ہر ایک کی پوری بات سنتے اور جب تک بات ختم نہ کر لیتا، روکتے نہ ٹوکتے، ہر ایک کی بپتا ایسے سنتے جیسے یہ اس پر نہیں ان پر بیت رہی ہو۔ ہر ایک کی دل جوئی کرتے، ہر ایک کی فوری اور پوری مدد کرتے، ان جیسا پیار بہتوں کو اپنوں میں بھی نہ ملتا تھا۔

بابا صاحب کے پاس جو بھی آتا کچھ لے کر جاتا اور جو بھی آتا کچھ لے کر آتا، جو شام ڈھلے تک اجودھن کے غربا اور مستحقین میں تقسیم ہو جاتا، کوئی خالی ہاتھ آتا تو حکم تھا کہ آنے والا خالی ہاتھ آ تو گیا ہے خالی ہاتھ واپس نہ جائے، سخی کے دربار کی یہ ریت اور شاہانہ روایت آج بھی یہ دستور قائم ہے۔ دربار سے خالی ہاتھ واپس آنے کی اجازت تب تھی نہ اب ہے۔

کبھی کسی حاجت مند سے اپنے مخصوص میٹھے لہجے میں آہستہ سے کہتے: ''جاؤ شکرانہ لے آؤ'' یہ اشارہ ہوتا کہ دعا قبول ہوئی، اگر کبھی سائلوں کی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے، ہر سائل سے فرداً فرداً ملنا محال نظر آتا تو حجرے سے باہر آ جاتے اور بلند آواز میں کہتے: ''لوگو! سنو! میرے پاس ایک ایک کر کے تسلی سے آؤ تا کہ میں ہر سائل کے مسائل پر الگ الگ اور پوری

توجہ دے سکوں۔'' اکثر کہا کرتے کہ جب تک میرے حجرے کے باہر ایک سائل بھی بیٹھا ہو، مجھے عبادت میں لطف نہیں آتا۔

اللہ کے بندوں سے باتیں ختم ہوتیں تو اللہ سے باتیں شروع ہو جاتیں۔ اب وہی حجرہ وہی بندہ، وہی درد و سوز، وہی شعر اور وہی سجدے، وہی سکیاں اور سسکیاں اور وہی سرگوشیاں، راز و نیاز کی وہی محفلیں اور کیف و مستی کی وہی مجلسیں، خلوتوں میں وہی جلوتیں اور جلوتوں میں وہی خلوتیں۔

افطار کا وقت آتا تو چوبیس گھنٹے بھوکے پیاسے رہنے کے بعد، اس درویش خدامست کے سامنے جو افطاری پیش کی جاتی، وہ شربت کا ایک پیالہ ہوتا جس میں سوکھی ہوئی سرخ کشمش کے گنے چنے دانے پڑے ہوتے اور اس کے ساتھ گھی میں چپڑی ہوئی سوسو گرام کی جوار کی دو موٹی موٹی روٹیاں۔ شربت کے تہائی یا آدھے پیالے سے دن بھر کی پیاس بجھاتے، باقی آدھے یا دو تہائی پیالے کو گھونٹ گھونٹ پی کر، آب کوثر پینے کی تمنا دل میں لیے، خدا جانے، کیسے کیسے اور کون کون لوگ، کہاں کہاں سے آئے، کب کب سے انتظار میں بیٹھے ہوتے، جوار کی ایک روٹی حاضرین میں تبرکاً بٹ جاتی، شربت کے پیالے کی طرح، دوسری روٹی بھی کبھی آدھی اور کبھی تہائی خود کھاتے، باقی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نصیب والوں کے پیٹ میں پڑتی، مغرب کی نماز باجماعت ہوتی اور پھر وہی محفل سج جاتی، جس میں اِدھر مسعود ہوتا اُدھر اس کا معبود ہوتا اور دونوں کے بیچ میں خدا جانے کیا ہوتا یا نہ ہوتا۔

پاک پتن کا آسمان روشن تاروں سے جگمگا اٹھتا تو جماعت خانے میں عشائیے یعنی Dinner کے لیے زمین پر سرخ کپڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا جاتا، روشنی کے لیے جماعت خانے کی ایک طاق میں سرسوں کے تیل سے بھرا مٹی کا ایک دیا رکھا ہوتا، جس میں پرانی روئی کی پتلی اور پیلی بتی سے سکون بخش ٹھنڈی روشنی نکلتی اور رات کی رانی کی خوشبو کی طرح پورے جماعت خانے میں پھیل جاتی، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ عشائیہ یعنی ڈنر تو ہے مگر دسترخوان نہیں، ایسے موقعوں پر ڈنر زمین پر بھی چن دیا جاتا، کبھی ایسا بھی وقت پڑتا کہ دسترخوان تو موجود ہے مگر عشائیہ نہیں۔

اور یہ عشائیہ یعنی ڈنر ہوتا کیا تھا؟ خواجہ نظام الدین اولیا کے الفاظ میں ''جس رات ہمیں شیخ کے گھر پیٹ بھر کر ''ڈیلے'' کھانے کو مل جاتے، وہ ہمارے لیے عید کا دن ہوتا۔'' ڈیلے ایک جنگلی پھل کا نام جو ان دنوں پاک پتن کے آس پاس کے جنگلات میں ''کریل'' نام کے درختوں پر خوب اگتا تھا۔ یہ درخت آج بھی پاک پتن کے قدیم قبرستان کے علاوہ، پاک پتن سے دیپال پور جانے والی شاہ راہ پر نظر آتے ہیں، مقامی لوگ اس درخت کو اب ''کری'' کہتے ہیں، لیکن اس کا پھل آج بھی ''ڈیلے'' ہی کہلاتا ہے۔

ہر ایک کو کھلاتے، گو اکثر خود کچھ نہ کھاتے۔ انگور بہت پسند تھے لیکن نفس کشی کی وجہ سے کم ہی کھاتے۔ کبھی کبھی پان بھی کھا لیتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پان کھانے کا رواج کم از کم آٹھ سو سال پرانا ہے۔ کھانے کے بعد عشا کی نماز باجماعت ادا کی جاتی اور اس کے بعد اس درویش خدامست کی کٹیا پر گدیلے یا توشک کا کام دیتا، تاہم کھٹیا کی پائنتی پر ایک چادر بچھانی پڑتی کیوں کہ یہ پرانا کمبل اتنا چھوٹا تھا کہ پوری چارپائی نہیں ڈھانپ سکتا تھا۔ اگر رات کی کسی گھڑی پائنتی پہ پڑی ہوئی یہ چھوٹی سی چادر اوڑھ لیتے تو ضعیف، بوڑھے اور مقدس پاؤں کے نیچے کوئی بچھونا نہ ہوتا، صرف اور صرف کھری

چار پائی ہوتی۔ ان کے پیر و مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے جو عصا عطا کیا تھا' اسے اپنے سرہانے رکھتے جس پر سر رکھنے سے پہلے کبھی عصا پر عقیدت سے ہاتھ پھیرتے تو کبھی اسے محبت سے بار بار چومتے۔ اس پر اپنا سفید ضعیف، تھکا ماندہ سر رکھ کر اپنے محبوب فارسی اشعار گنگنانا شروع کر دیتے، جن کا مفہوم ہے:

''میرے محبوب، میری بس ایک ہی آرزو رہ گئی ہے کہ جب تک جیوں صرف تیری یاد میں جیوں اور جب مروں تو تیرے قدموں میں گر کر تجھے دیکھنے کے لیے زندہ ہو جاؤں، مجھے بتا تو سہی کہ دونوں جہاں میں تیرے سوا میرا بھلا اور کون ہے؟ میں جیتا ہوں تو صرف تیرے لیے، مرتا ہوں تو صرف تیرے لیے''۔

اور پھر ہر رات کی طرح جیسے جیسے فضا میں سکوت اور سکون طاری ہوتا جاتا' فرید الدین مسعود کی بے چینی لحہ بہ لحہ بڑھتی جاتی۔ کبھی اپنے دل پسند شعر پڑھتے ہوئے چہل قدمی، کبھی سوز و درد، کبھی پیچ و تاب، کبھی مرشد کے عصا کے والہانہ بوسے، کبھی سبکیاں اور سسکیاں، کبھی سجدہ ریزی، کبھی وجد، کبھی پارے کی سی تڑپ اور کبھی رقص بسمل۔

ہر رات کی طرح یہ رات بھی بیت جاتی اور پھر ہر صبح کی طرح پاک پتن کی مسجد سے فجر کی اذان بلند ہوتی۔ لکڑی کا دروازہ حسب معمول آہستہ سے اندر کی طرف کھلتا، تاروں کی چھاؤں اور صبح کی ٹھنڈی ہواؤں میں یہ نوے سالہ درویش باہر آتا اور مسجد کی طرف روانہ ہو جاتا۔ سینکڑوں نظریں ان کی سر سے پاؤں تک بلائیں لیتیں، سینکڑوں ہاتھ بے اختیار ایک ساتھ سلام کے لیے اٹھتے، کتنی آنکھیں تھیں جو بھیگ جاتیں، کتنے دلوں کی دنیا دیکھتے دیکھتے بدل جاتی اور وقت تھم جاتا، ساکت ہو جاتا، ساکن ہو جاتا کہ اللہ اکبر! امامت کے لیے امام وقت خود چلا آ رہا ہے۔

۱۹۷۳ء میں حد پار بھارتیوں نے وہ کیا جس کی توفیق پاکستانیوں کو آج تک نہ ہو سکی۔ نومبر ۱۹۷۳ء میں بابا فرید میموریل سوسائٹی پٹیالہ نے بابا صاحب کا آٹھ سو سالہ جشن ولادت دہلی، اجمیر اور لکھنؤ میں بڑی دھوم دھام سے منایا جس میں صدر جمہوریہ ہند سے لے کر بھارت کے وزرا، سیاسی رہنما اور سرکاری عہدے دار سب ہی جوق در جوق شریک ہوئے۔ اس موقع پر بابا صاحب کی شان میں پانچ اشعار پر مشتمل ایک مختصر اور مشہور نظم پڑھنے کا اعزاز ایک سکھ کے نصیب میں آیا۔ اشعار یہ ہیں:

اے فرید الدین بابا، اے مرے گنج شکر	عالم الحاد تیرے خوف سے زیر و زبر
تو نے بخشا اک جہاں کو بادۂ عرفاں کا نور	زہد کا، اخلاص کا، تسلیم کا، ایماں کا نور
راہ حق سے اور حق سے تھی شناسائی تری	اس لیے ہوتی ہے ہر دل میں پذیرائی تری
ٹوٹ سکتا ہے نظام انجم و شمس و قمر	اور مٹ سکتے ہیں دنیا سے یہ دشت و بحر و بر
لیکن اے گنج شکر تو زندہ و پائندہ ہے	کل بھی تابندہ رہے گا آج بھی تابندہ ہے

اس سکھ کا نام تھا کنور مہندر سنگھ بیدی، اس کا تخلص تھا سحر۔

واہگہ کے سرحد پار کا یہ نام اردو ادب اور شاعری سے ذوق رکھنے والوں کے لیے کوئی اجنبی نام نہیں۔ یہ ایک انسان کے دل کی آواز ہے جس میں فرید الدین مسعود گنج شکر کی شخصیت اور ان کے پیغام کو ایسے پیش کیا گیا ہے جیسے ایک

Marfat.com

دریا کو ایک کوزے میں بند کر کے پیش کیا جاتا ہے۔ جس انسان میں یہ سب اوصاف یک جا ہو جائیں، وہ انسان اس شان سے زندہ رہتا ہے کہ نظام کائنات تو ٹوٹ سکتا ہے لیکن وہ انسان زندہ پائندہ اور تابندہ رہتا ہے اور اس کی آرام گاہ پر صدیوں سے یہ سرمدی نعرہ گونجتا رہا ہے اور گونجتا رہے گا:

حق فرید یا فرید　　　حق فرید بابا فرید

(در: معارف (اعظم گڑھ)، ستمبر ۲۰۰۳ء ص ۱۶۵-۱۷۸)

Marfat.com

قاضی جاوید

بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

پنجاب کی صوفیانہ تاریخ میں سید علی ہجویریؒ کے بعد جس ہستی نے ممتاز مقام حاصل کیا' وہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ ہیں۔ ان کا تعلق تصوف کے چشتی مکتبہ فکر سے تھا۔ شمالی ہند میں اسلامی حکومت کے ابتدائی دور میں اس مکتبہ فکر نے بہت زیادہ ثقافتی، فکری، سیاسی اور روحانی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ تاریخی حوالے سے تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ صوفیانہ دبستان مسلمان فاتحین اور حکمرانوں کے جواب دعویٰ کے طور پر مقبول ہوا تھا۔ حکمران طبقے قوت کی بالا دستی پر یقین رکھتے تھے اور قوتی فکر کے حاصل تھے۔ چشتی بزرگ محبت اور انسان دوستی کا درس دیتے تھے اور انہیں قوت کا منبع تصور کرتے تھے۔

تصوف کی چشتیہ روایت کا آغاز دسویں صدی عیسوی میں ہوا تھا۔ ہند پر سلطان محمود غزنوی کے حملوں کے دوران اس روایت کے علمبردار بہت سے بزرگوں نے پنجاب کا رخ کیا اور ہمیشہ کے لئے یہیں آباد ہو گئے۔ تاہم برصغیر میں اس روحانی سلسلے کا باقاعدہ آغاز خواجہ معین الدین چشتیؒ سے ہوا جو تاتاری یلغار سے کبیدہ خاطر ہو کر اپنے آبائی وطن سے ہندوستان ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے تھے۔ یہ پرتھوی راج کے عہد کا واقعہ ہے۔[1] یہاں آنے کے بعد انہوں نے اجمیر شریف کے سیاسی مرکز کو اپنی سرگرمیوں کا مستقر بنایا۔ خواجہ معین الدین چشتی محبت اور انسان دوستی کا پرچار کرنے والے تھے۔ ان کی سوچ کا محور یہ خیال تھا کہ اس جہانِ رنگ و بو کی تخلیق کے پس پردہ محبت کا جذبہ کارفرما ہے۔ خدا نے انسان کو اپنی محبت کے اظہار کے طور پر پیدا کیا اور اسی جذبے سے انسان اپنی ذات کے اعلیٰ ترین امکانات کی تکمیل کر سکتا ہے۔ یہ تکمیل ذات مطلق کے ساتھ ملاپ سے حاصل ہوتی ہے۔ انسان کا دل خدا کا گھر ہے۔ حقیر اور عارضی اشیاء کی لگن تعصبات، نفرت اور طبقہ بندیوں کی نفی کر کے ہی انسان اپنے باطن کی گہرائیوں میں ذات مطلق کا سراغ پا سکتا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کی وفات کے بعد چشتیہ قیادت کی ذمہ داری خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے سنبھالی۔ اس زمانے کے دہلی کے سلطان شمس الدین التمش سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ سلطان ان کا از حد احترام کرتا تھا۔ تاہم رفتہ رفتہ حالات بدلنے شروع ہوئے اور سلطان کے مذہبی امور کے مشیر نجم الدین صغرا سے خواجہ کے اختلافات پیدا ہو گئے۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد ۲۸ دسمبر ۱۲۳۵ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

اس زمانے تک شمالی ہندوستان میں چشتی مکتبہ فکر کی بنیادیں کافی مضبوط ہو چکی تھیں۔ قاضی حمید الدین ناگوری نے اس کی نظریاتی بنیادیں بھی فراہم کر دی تھیں۔ ہند میں اس سلسلے کی وسیع تر اشاعت کا سبب یہ بھی تھا کہ اس نے بہت سے مقامی اثرات قبول کرتے ہوئے خود کو مقامی حالات سے ہم آہنگ کر لیا تھا۔[2] چشتی بزرگ صداقت پر کسی ایک گروہ کی

Marfat.com

اجارہ داری کے تصور کو رد کرتے تھے۔ مذہبی، نسلی یا علاقائی برتری کے دعوے ان کے نزدیک بے معنی تھے۔ چنانچہ انہوں نے انسان دوستی کے رویے کو اختیار کرتے ہوئے ہندوستان میں ہندو مسلم ترکیبی ثقافت کی نشوونما میں بنیادی کردار ادا کیا۔

بابا فرید الدین مسعود نے چشتیہ روایت کو مزید نکھارا۔ وہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے بعد ہند میں اس عظیم روحانی سلسلے کے رہنما مقرر ہوئے تھے۔ ان کے والد بابا جمال الدین سلیمان سلطان شہاب الدین غوری کے عہد حکومت میں اس قصبے کے قاضی رہ چکے تھے۔ بابا سلیمان اپنے والد قاضی شعیب کے ہمراہ اپنے آبائی وطن سے ترک قبائل کے حملوں کی بنا پر پیدا ہونے والی ابتری اور بے چینی سے پریشان ہو کر ہندوستان آنے پر مجبور ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق افغانستان کے اشرافی طبقے سے تھا۔ قاضی شعیب اپنے اہل خانہ کو لئے کابل سے لاہور پہنچے اور چند روزہ قیام کے بعد قصور منتقل ہو گئے۔ قصور کے قاضی نے سلطان دہلی سے سفارش کر کے کھوتوال کا قاضی مقرر کروا دیا۔ ان کے صاحبزادے بابا سلیمان اس منصب پر ان کے جانشین بنے۔

بابا جمال الدین سلیمان کی شادی کھوتوال کے شیخ وحید الدین فجندی کی صاحب زادی سے ہوئی۔ [3] ان کا نام قریشم خاتون تھا۔ [4] اس پارسا خاتون کے بطن سے بابا فرید پیدا ہوئے تھے۔ بابا سلیمان عالم شباب میں انتقال کر گئے تھے۔ چنانچہ ہمارے ممدوح کی پال پوس اور تعلیم تربیت ان کی والدہ کی زیر نگرانی ہوئی۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ قریشم خاتون زہد و عبادت میں یکتا تھیں اور انہوں نے ہی اپنے صاحب زادے کو اعلیٰ روحانی آدرشوں کی لگن عطا کی تھی۔ یہ امر پیش نظر رہے کہ اکثر چشتی بزرگوں کی تربیت میں ان کی ماؤں نے فیصلہ کن کردار ادا کیا تھا۔ مخصوص چشتی شخصیت کی تشکیل میں یہ بہت اہم عامل ہے۔ محبت، انسان دوستی، اعتدال پسندی، موسیقی اور دیگر فنون لطیفہ سے رغبت وہ امتیازی چشتیہ اوصاف ہیں، جن کا وجود واضح طور پر نسوانی کردار کا مرہون منت ہے۔

بابا فریدؒ نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ سے حاصل کی۔ ذہنی صلاحیتوں نے انہیں لڑکپن ہی سے اپنے ہم عصروں سے ممتاز کر دیا تھا۔ انہوں نے اشرافی روایت کے مطابق باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور ملتان میں مولانا منہاج الدین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اسی شہر میں ان کی ملاقات ایک ایسی بزرگ ہستی سے ہوئی جس نے ان کی آئندہ زندگی کو سر تا پا بدل دیا۔ مشہور ہے کہ بابا فرید ''مدرسے میں'' ''کتاب النافع'' کا مطالعہ کر رہے تھے کہ کسی نے ان سے استفسار کیا کہ ''اے نوجوان! تم یہاں کس کتاب کا مطالعہ کر رہے ہو۔'' انہوں نے دیکھے بغیر جواب دیا ''یہ کتاب النافع ہے۔'' اس پر سائل نے دوبارہ پوچھا کہ ''یہ تمہیں کیا نفع دے گی۔'' نوجوان طالب علم نے جونہی نظریں اٹھائیں تو ایک نہایت باوقار مرد بزرگ کو اپنے روبرو پایا۔ اس کے جاہ و جلال سے متاثر ہو کر اس نے فوراً کہا ''اس کتاب سے تو نہیں، البتہ مجھے آپ سے ضرور فیض پہنچے گا۔'' یہ کہتے ہوئے نوجوان نے عقیدت سے سر جھکا دیا اور اس مفہوم کے شعر پڑھے کہ جس کو آپ قبول کریں وہ دائمی طور پر مقبول ہو جاتا ہے، کوئی ایسا نہیں جو آپ کے لطف و کرم سے مایوس ہوا ہو۔ جب کسی شے پر آپ کی ذرا سی بھی توجہ پڑتی ہے تو وہ اسے ہزار خورشید سے زیادہ روشن بنا دیتی ہے۔'' [5]

یہ بزرگ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ تھے جو دہلی جاتے ہوئے ملتان ٹھہرے تھے۔ نوجوان مرید سے متاثر ہو کر انہوں نے اسے اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر لیا تھا۔ جب وہ دوبارہ سفر پر روانہ ہونے لگے تو بابا فریدؒ نے بھی ساتھ

چلنے کی خواہش کی۔ خواجہ بختیار کاکیؒ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ علوم ظاہری کی تکمیل کے بغیر دریائے معرفت میں غوطہ زنی کی جائے۔ لہٰذا انہوں نے بابا فریدؒ سے کہا کہ ''زاہد بے علم مسخرہ شیطان ہوتا ہے۔ تم پر واجب ہے کہ پہلے علم حاصل کرو۔''[6]

بعد کے واقعات کے بارے میں تذکرہ نگار متفق نہیں۔ بعض لکھتے ہیں کہ بابا فرید اپنے مرشد کے ساتھ ہی دہلی چلے گئے تھے۔ دوسروں کے خیال میں بابا فرید نے اپنے رہنما کی ہدایت پر عمل کیا اور علوم ظاہری کی تکمیل کے لئے اپنے وطن سے چل نکلے۔ علم کی جستجو میں انہوں نے مشرق وسطیٰ کے مختلف علاقوں میں کم وبیش پانچ سال بسر کئے۔ اس زمانے میں انہوں نے اپنے عہد کے اکابر علمائے کرام اور صوفیاء سے فیض حاصل کیا۔ ان ممتاز افراد میں شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ سیف الدین حضری، شیخ بہاؤ الدین زکریا، شیخ اوحدالدین کرمانی، سعد حموی، بہاؤ الدین حموی اور شیخ فرید الدین نیشاپوری جیسی برگزیدہ ہستیاں شامل تھیں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی ان مورخین میں شامل ہیں جن کی رائے یہ ہے کہ بابا فریدؒ نے سیاحت نہیں کی تھی۔ پروفیسر موصوف چشتیہ خاندان کے ممتاز ترین مورخ ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ پرانے مستند تذکروں میں اس بارے میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ چنانچہ ''فوائد الفواد''، ''خیر المجالس'' اور ''سیر الاولیاء'' جیسی کتب اس بارے میں خاموش ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر بابا فرید کے سفر کے بارے میں روایات واقعاتی صداقت کی حامل ہوتیں تو امیر حسن اور امیر خورد جیسے چشتی تذکرہ نویس انہیں نظر انداز نہ کرتے۔ متاخرین نے ان کا ذکر کیا ہے۔ ان میں جمالی، علی اصغر اور اللہ دیا قابل ذکر ہیں۔ تاہم ان کی معلومات کا ذریعہ وہ حکایات ہیں جنہیں عام لوگوں نے گھڑ لیا تھا۔ مزید برآں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ بابا فریدؒ کا عہد مشرق وسطیٰ کی اسلامی دنیا کے لئے بہت زیادہ مصائب اور انتشار کا زمانہ تھا۔ ہر طرف اضطراب اور بے چینی کا دور دورہ تھا۔ نیم وحشی منگولوں نے دنیائے اسلام کے ثقافتی اور علمی مراکز کو تہ وبالا کر دیا تھا۔[7] ایک مدت کے بعد جب ابن بطوطہ نے ان مراکز کو دیکھا، تب بھی یہ کھنڈرات کی صورت میں موجود تھے۔ چنانچہ سمرقند، بخارا، بلخ اور ماوراء النہر کے بارے میں اس نے اپنے سفرنامے میں جو حالات درج کئے ہیں، ان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں کہ اس زمانے میں ان شہروں میں علم ودانش کی تلاش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ ان علاقوں کے بہت سے ارباب علم ودانش پناہ کی تلاش میں برصغیر کا رخ کر رہے تھے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے نزدیک ہمارے ممدوح کی بیرون ہند سیاحت کا جواز اس لئے بھی موجود نہیں تھا کہ ان کے مرشد ہندوستان ہی میں مقیم تھے۔ لہٰذا انہیں بدامنی اور انتشار کے زمانے میں دور دراز کے علاقوں کا سفر اختیار کرنے کی ضرورت نہ تھی۔[8]

اس بات کا فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ فرید کی سیاحت کے بارے میں کس رائے کو حتمی تصور کیا جائے۔ تاہم زیادہ شہادتیں ہمیں اس سیاحت کو تسلیم کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ خود پروفیسر نظامی نے بھی تسلیم کیا ہے کہ بابا فریدؒ نے کم از کم ایک بار بیرون ہند قندھار کا سفر کیا تھا۔ ہمارے ممدوح کے ایک اور ممتاز سوانح نگار جعفر قاسمی رقمطراز ہیں کہ بابا فرید نے ملتان میں اپنے مرشد سے ملاقات کے بعد وسط ایشیاء، مشرق قریب اور مشرق اوسط کا سفر کیا تھا۔ شیخ اس زمانے میں اپنی مذہبی تعلیم مکمل کر رہے تھے۔ اگر حصول تعلیم کے لئے وہ قندھار جا سکتے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ آگے جانے سے اجتناب

Marfat.com

کرتے۔ مزید برآں شیخ اس وقت نوجوان تھے اور ہنگامہ خیزی کے اس دور میں طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کی قوت رکھتے تھے۔ حصول علم کے لئے سفر اختیار کرنا پیغمبرانہ روایت ہے اور اس کے ساتھ بڑی خوبیاں وابستہ ہیں۔ سو یہ بات بالکل ہی خارج از بحث نہیں کہ شیخ فرید نے ایشیاء اور افریقہ کے کئی اسلامی ملکوں کا سفر اختیار کیا۔

''دوم محض یہ حقیقت کہ پہلے زمانہ[9] کے اولیاء کے سوانح نگاروں نے کچھ واقعات کا تذکرہ نہیں کیا، استرداد کے لئے مناسب وجہ نہیں، جیسے کہ ان کا بیان شیخ کی زندگی کی تمام تفصیلات کے بارے میں محتوی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہمارے خیال میں زبانی اور سنی سنائی روایت کو تاریخی علم کے ایک ذریعے کی حیثیت سے کتاب پرستی کے نظریے سے مربوط نہیں کرنا چاہیے۔''[9] یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے کہ عالم اسلام کے کئی مقامات بابا فرید کے حوالے سے واجب الاحترام قرار پائے ہیں۔ سید مسلم نظامی نے اپنی تصنیف ''انوار الفرید'' میں کم و بیش پچیس ایسے مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں ہمارے ممدوح نے مذہبی عبادتیں اور روحانی مجاہدے کئے تھے۔ ان مقامات میں مدینہ منورہ، بیت المقدس حتیٰ کہ برما کا ایک شہر بھی شامل ہے۔ توفیق کنعان ''فلسطین کے مسلم اولیاء اور عبادت گاہیں'' میں لکھتا ہے کہ فلسطین میں بابا گنج شکر کی ایک خانقاہ موجود ہے۔ اس طرح ڈاکٹر انعام الحق بنگال میں تصوف کی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ چاٹگام کے قریب ایک چشمہ ہے جس کا نام شیخ فرید کے نام پر ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق نے بنگلہ دیش کے ضلع فرید پور کے باشندوں کے اس عقیدے کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اس ضلع کا نام بابا فرید کے نام پر رکھا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اس علاقے میں اسلامی تعلیمات کو فروغ دیا تھا۔[10]

بابا فریدؒ کی سیاحت کے بارے میں رائے کچھ ہی کیوں نہ ہو، اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے اپنے عہد کے مروجہ ظاہری علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی۔ اس امر کی داخلی اور خارجی شہادتیں موجود ہیں۔ حصول علم کے بعد انہوں نے دہلی کا رخ کیا۔ جہاں ان کے مرشد محبت اور انسان دوستی کا پرچار کر رہے تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر اجمیر شریف میں چشتیہ سلسلے کے سربراہ خواجہ معین الدین چشتیؒ خدا کے بندوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔ بابا فریدؒ نے دہلی میں اپنے مرشد کی نگرانی میں روحانی تربیت کا آغاز کیا۔ خانقاہ میں ان کے لئے ایک حجرہ مخصوص تھا۔ اس زمانے میں ہمارے ممدوح نے سخت ریاضیت کی۔[11]

اس بارے میں بہت سے قصے مشہور ہیں۔ قیام دہلی کے دوران ہی بابا فرید کو اپنے دادا پیر خواجہ معین الدین چشتی سے فیض حاصل کرنے کا موقع بھی ملا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی دہلی آئے تو نوجوان فرید کی ریاضیت اور ذہانت سے بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے خواجہ بختیار کاکیؒ سے کہا:

> ''بابا بختیارؒ! تم نے ایک ایسے عظیم شہباز کو قابو میں کرلیا ہے جو سدرۃ المنتہیٰ کے سوا اور کہیں اپنا آشیانہ نہیں بنائے گا۔ فرید ایک ایسا چراغ جو خانوادہ درویشاں کو منور کرے گا۔''

پنجاب کی روحانی تاریخ میں اس بزرگ دانش ور کی پیش گوئی حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی ہے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ نے خواجہ بختیار کاکیؒ سے یہ بھی پوچھا کہ ''اس نوجوان کو کب تک مجاہدہ میں چلاتے رہو گے، اسے کچھ عطا بھی کرو''۔ روایت کے مطابق خواجہ بختیار کاکیؒ نے اپنی مخصوص انکساری سے اپنے مرشد کو جواب دیا کہ وہ ان کے روبرو کسی کو

Marfat.com

کچھ عطا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اس پر خواجہ معین الدین چشتیؒ نے نعمت عطا کی۔[12] بابا فریدؒ کے ایک تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ اس کے بعد خواجہ بختیار کا کیؒ نے بابا سے کہا:

''مسعود! دادا پیر کے قدموں پر سر رکھو''۔

مگر بابا صاحب نے حضرت خواجہ بختیار کا کیؒ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ انہوں نے پھر فرمایا۔

''میں کہتا ہوں کہ دادا پیر کے قدموں میں سر رکھو۔ تم میرے قدموں پر سر جھکاتے ہو۔''

بابا صاحب نے جواب دیا۔

''ان قدموں کے سوا اور قدم نظر نہیں آتے۔''

یہ جواب سن کر حضرت خواجہ صاحب اجمیری نے فرمایا:

''بختیار، بختیار، مسعود ٹھیک کہتا ہے۔ وہ منزل کے اس دروازے پر پہنچ گیا ہے کہ جہاں وحدت کے سوا دوئی کا نام نہیں رہتا، پھر کیونکر اس کو تیرے سوا میں نظر آؤں''۔[13]

چشتیہ خاندان میں جسمانی ریاضتوں اور ضبط نفس پر بہت توجہ دی جاتی تھی۔ خود ہمارے ممدوح کی شخصیت میں بھی ریاضت پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی پہنچنے کے بعد انہوں نے شدید ریاضت اور مجاہدوں کا آغاز کر دیا۔ اس سلسلے میں خصوصی طور پر چلہ معکوس کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ اس کے متعلق بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔ صاحب ''سیر الاولیاء'' کا بیان یہ ہے کہ بابا فریدؒ چالیس راتوں تک ایک کنویں کے اندر لٹک کر صلوات معکوس ادا کرتے رہے تھے۔[14] بعض روایات کے مطابق چلہ معکوس کا مشورہ خود خواجہ بختیار کا کیؒ نے انہیں دیا تھا۔ چنانچہ ان کا ایک سوانح نگار لکھتا ہے:

> ''جب حضرت قطب الدین بختیار کا کیؒ نے انہیں چلہ معکوس کا مشورہ دیا تو وہ ایسی جگہ کی تلاش میں رہنے لگے جہاں بالکل تنہائی ہو اور ایک مسجد اور کنواں بھی ہو۔ شہرت سے وہ گھبراتے اور نفرت کرتے تھے۔ اور ایسی جگہ کا ملنا بہت مشکل تھا............ آخر اوچ پہنچے۔ یہاں قصبے سے باہر ''مسجد حج'' ایک خاموش اور تنہا جگہ واقع تھی۔ موذن بھی بہت اچھا تھا۔ جس کا نام خواجہ رشید الدین مینائی تھا۔ ہانسی کا رہنے والا اور بابا صاحب کا بڑا معتقد تھا۔ اس بات کی پوری تشفی کرنے کے لئے کہ اسے راز دار بنایا جا سکتا ہے یا نہیں۔ حضرت بابا صاحب وہاں تین روز ٹھہرے اور خواجہ مینائی کے طور طریقے ملاحظہ کرتے رہے۔ پھر ایک روز نماز عشاء کے بعد انہوں نے موذن سے کہا کہ ایک رسی لاؤ۔ رسی کے ایک سرے سے ان کے پاؤں باندھ دیئے گئے اور دوسرا سرا درخت کی شاخ سے باندھ دیا گیا۔ موذن نے پھر انہیں الٹا کنویں میں لٹکا دیا۔ بابا صاحب نے کہا کہ وہ ہر صبح انہیں باہر نکال لیا کرے۔ وہ اس میں رات رات بھر عبادت کرتے رہتے تھے۔ صبح سویرے موذن انہیں باہر نکال لیتا اور وہ باہر زمین پر بھی اپنی عبادت جاری رکھتے تھے۔''[15]

عقیدت مندوں نے اس چلہ معکوس کے بارے میں کئی دلچسپ داستانیں گھڑ رکھی ہیں۔ ایسی ہی ایک داستان

Marfat.com

کے مطابق کنوئیں میں بابا فریدؒ کے جسم پر پرندوں نے گھونسلا بنا لیا تھا۔ جب عام لوگوں تک اس عبادت کے چرچے پہنچے تو وہ جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے۔ ہر وقت ہجوم رہنے لگا۔[16] بابا کو یہ صورت حال پسند نہ تھی۔ لہٰذا انہوں نے اپنے مرشد کی رضا مندی سے ہانسی کے دور دراز قصبہ میں اقامت اختیار کر لی۔ خواجہ بختیار کاکیؒ نے انہیں بادل نخواستہ جانے کی اجازت دی اور رخصت کے وقت کہا کہ ''شاید یہ مقدر میں نہیں تھا کہ آخری وقت میں تم میرے ساتھ ہوتے۔ بہر حال میں تمہاری امانتیں قاضی حمید الدین ناگوری کو سونپ جاؤں گا۔ میری وفات کے بعد تم ان سے حاصل کر لینا۔''

مندرجہ بالا الوداعی کلمات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا دشوار نہیں تھا کہ خواجہ بختیار کاکی نے اپنے جانشین کا انتخاب کر لیا تھا۔ ہانسی میں قیام کے ابتدائی ایام بابا فرید نے خاموشی سے اپنی مصروفیات میں بسر کئے۔ وہ عام طور پر الگ تھلگ رہتے تھے۔ لوگ ان سے بے خبر تھے۔ لیکن ایک روز ایک مقامی شعلہ بیان مقرر مولانا ترک نے قصبے کے لوگوں کو یہ کہہ کر چونکا دیا کہ الگ تھلگ رہنے والا درویش حقیقت میں بڑی صاحب کمال ہستی ہے۔ یوں ان کی شہرت جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اس واقعہ کے چند روز بعد بابا فرید کو مرشد کے وصال کی اطلاع ملی۔ وہ دہلی پہنچے جہاں خواجہ بختیار کاکی کی وصیت کے مطابق چشتیہ سلسلے کا سربراہ بنا دیا گیا۔

اس عظیم ذمہ داری کو قبول کرنے کے بعد بھی ہمارے ممدوح نے مسلم ہند کے دارالسلطنت میں مستقل قیام پسند نہ کیا۔ ان دنوں دہلی کے ارباب اقتدار کے ساتھ چشتیہ خاندان کے تعلقات خوش گوار تھے۔ پھر بھی عمومی صوفیانہ نفسیات کے مطابق بابا فریدؒ حکمرانوں سے دوری کو پسند کرتے تھے۔ اس باب میں وہ دیگر چشتی دانش وروں سے زیادہ محتاط اور دور بین تھے۔ انہوں نے سلطان شمس الدین التمش کی وفات کے بعد پیدا ہونے والے سیاسی خلا کو بھانپ لیا تھا۔ خود التمش کے زمانے میں بھی بعض موقعوں پر حکمرانوں کے ساتھ تصادم شدید ہو سکتا تھا۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں دنیائے اسلام پر منگولوں کے حملوں کی بنا پر بہت سے علماء ہندوستان کا رخ کر رہے تھے۔ علماء کی اس تازہ کھیپ کی آمد کے بعد مقامی طور پر راسخ الاعتقادیت کو فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ اس صورت حال میں چشتی مکتبہ فکر کے خلاف ردعمل کا پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ کیونکہ یہ مکتبہ فکر صوفیانہ آزاد خیالی کا مظہر تھا۔ چنانچہ جب دہلی کی حکومت نے مہاجر علماء کی سرپرستی کی اور انہیں اعلیٰ عہدوں سے نوازا تو اس کے ساتھ تصادم کا خدشہ بھی بڑھ گیا تھا۔ اس سے محفوظ رہنے کے لے بابا فریدؒ نے دارالسلطنت سے دور رہنے کی ٹھانی۔ دہلی سے نکلے اور ہانسی میں چند روزہ قیام کے بعد اجودھن جا پہنچے۔ دہلی سے دور پنجاب میں واقع اس قصبے کو انہوں نے اپنا مرکز بنانے کا فیصلہ کر لیا۔

بابا فرید کی بدولت اجودھن کے معمولی قصبے نے بڑی اہمیت حاصل کر لی۔ اس زمانے میں بھی اس کی قدامت اور تقدس کے بارے میں کئی روایات مشہور ہیں۔ پیر محمد حسین[16] جنہوں نے گزشتہ صدی کے اواخر میں بابا فرید الدین گنج شکر کے بارے میں ایک عجیب و غریب کتاب ''اسرار عزت فریدی'' لکھی تھی، اجودھن کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ قصبہ اول 611ء میں آباد ہوا۔ اس کا قدیمی نام شیریں پت اج گودھا تھا۔ چوبیس راجوں نے چار سو چوراسی برسوں کے دوران اس شہر کے چھبیس نام رکھے۔ اس دوران میں یہ شہر باد سخت سے الٹ پلٹ گیا اور کئی مرتبہ بھونچال سے مکانات سارے شہر کے منہدم ہو گئے اور بہت دفعہ بد عملی لوگوں کی وجہ سے شہر غرق ہو گیا۔ یعنی خداوند عزوجل بہ سبب کثرت گناہوں کی تمام شہر

Marfat.com

زمین میں غرق کر دیا۔ علی ہذا القیاس۔ ستر مرتبہ چار سو چوراسی برس کے عرصہ میں اجڑا اور بسایا گیا۔ آخر 1095ء مطابق 495 ہجری کے نیا نام اس شہر کا اجودھن رکھا گیا۔[۱۷]

اس افسانوی تاریخ سے قطع نظر یہ بات واضح ہے کہ اجودھن ایک قدیم تاریخی شہر ہے۔ اسے سلطان ابراہیم غزنوی نے 1079ء میں فتح کیا تھا۔ جب بابا فریدؒ یہاں پہنچے تو اگرچہ یہ علاقہ کافی عرصے سے مسلمانوں کے قبضے میں چلا آ رہا تھا۔ تاہم یہاں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ بقول امین الدین:

''اس زمانے میں یہ ہندوؤں کا خاص علاقہ تھا۔ جہاں ہندوؤں کا مشہور راج جوگی رہتا تھا، جس کا نام سمبھو ناتھ تھا۔ ہندوؤں پر اس کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ بابا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو مرشد گرامی نے ہدایت خلق اور تبلیغ اسلام کی خاص طور پر ہدایت فرمائی تھی۔ اس لئے آپ نے ہندوؤں کے اس علاقہ کو اپنی تبلیغ وہدایت کا مرکز بنایا تا کہ کفر کی تاریکیوں کو اسلام کی ضیاباری سے منور کریں۔ چنانچہ آپ کی مساعی سے اس علاقہ کی کایا پلٹ گئی۔ ہندو جوق در جوق اسلام قبول کر کے آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوتے گئے۔ سمبھو ناتھ بھی اسلام قبول کر کے درجہ ولایت کو پہنچا۔''[۱۸]

اجودھن پہنچنے کے بعد بابا فرید نے قصبے کے باہر ایک پرانے درخت کے نیچے قیام کیا۔ روحانی وظائف کی ادائیگی کے لیے یہ ماحول نہایت سازگار تھا۔ وہ ہر وقت اپنے اشغال میں مصروف رہتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہاں بھی ان کی شہرت پھیلنے لگی۔ بہت سے لوگ ان کی طرف رجوع کرنے لگے۔ بابا فرید نے یہاں قرون وسطیٰ کی عمومی صوفیانہ روایت کے مطابق ایک جماعت خانے کی بنیاد رکھی۔ یہ جماعت خانہ بعد ازاں شمالی ہند میں ایک بڑا صوفیانہ مرکز بن گیا۔ اس جماعت خانے کو ایسی خانقاہ قرار نہیں دینا چاہئے جس میں خارجی ماحول سے مطابقت اختیار کرنے میں ناکام رہنے والے مجہول افراد پناہ لیتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ یہ جماعت خانہ اس سماجی، معاشی نظریے اور آدرش کی تجسیم تھا، جس کا پرچار چشتی رہنما کرتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ ایک فعال اور تخلیقی مرکز تھا۔ قرون وسطیٰ کے برصغیر میں جب کہ سماجی تقسیموں پر بہت زیادہ زور دیا جاتا تھا' اس قسم کے صوفیانہ مراکز انسان دوستی کے آدرش کو برقرار رکھنے کا واحد ذریعہ رہ گئے تھے۔ اس عہد میں ان صوفیانہ مراکز کی تخلیقی فعالیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ''اسلام میں سائنس اور تمدن'' میں سید حسین نصر لکھتے ہیں کہ:

''اسلام کی ابتدائی صدیوں میں یہ مراکز توقع کے مطابق صوفیوں کے لیے اجتماعات کے مقام تھے۔ جہاں وہ جمع ہو کر مختلف روحانی ریاضتیں اور مناجات وغیرہ کرتے تھے اور خواہش مندوں کو باطنی اسرار و رموز سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ یہاں وہ لوگ جنہیں رسمی علم سے اطمینان نصیب نہیں ہوتا تھا اور وہ ایقان کی روشنی اور حقیقت کے براہ راست کشف کے طالب ہوتے تھے، مکتبی علمی بحث وتمحیص یعنی قیل وقال کو خیرباد کر دیتے تھے اور روحانی رہنما کی ہدایت کے مطابق غور وفکر سے انبساط حاصل کرتے تھے۔ اسی لئے عارفوں اور استدلال پسندوں کو بالترتیب صاحبان حال اور صاحبان قال کہا جاتا تھا۔ چنانچہ صوفیوں کے مراکز در حقیقت علمی ہوتے تھے۔ لیکن وہاں جو علم

Marfat.com

سکھایا جاتا تھا، وہ کتابوں میں نہیں ملتا تھا اور اس کے اکتشاف کے لئے ذہنی صلاحیتیں کی تربیت ہی کافی نہیں ہوتی تھی۔ ان مراکز میں اہل لوگ علم کی بلند ترین صورت یعنی باطنی اور روحانی علم کا ادراک کرتے تھے جس کی تحصیل کے لئے روح اور ذہن کی پاکیزگی ضروری ہوتی ہے۔

منگولوں کے حملے کے بعد صوفیا کے مراکز بہرحال ہمیشہ کے لئے بظاہر علمی اداروں کی شکل اختیار کر گئے .... چنانچہ خانقاہوں اور زاؤیوں میں جو پہلے ہی علمی مراکز تھے، روحانی و باطنی علوم کے ساتھ فنی اور سائنسی علوم نے بھی پناہ حاصل کی۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ علوم مساجد کے مدرسوں میں پڑھائے جاتے تھے۔ لہٰذا خانقاہ کو اسلام میں علم و فضل کے ایک نہایت اہم اور ضروری مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی۔''[19]

اجودھن کی خانقاہ میں ایک صوفیانہ درس گاہ کی جملہ خصوصیات موجود تھیں۔ اس خانقاہ میں قیام ہمارے ممدوح کی زندگی میں نمایاں تبدیلی کی نشاندہی کرتا ہے۔ بابا فریدؒ کی اب تک کی زندگی سخت ریاضتوں اور مجاہدوں میں بسر ہوئی تھی۔ وہ عام طور پر انسانوں سے دوری کو ترجیح دیتے رہے تھے۔ یہاں تک کہ تیرہویں صدی کے ہندوستان کے عظیم ترین روحانی سلسلے کے سربراہ مقرر ہونے کے بعد بھی انہوں نے الگ تھلگ رہنے کی عادت نہیں چھوڑی تھی۔ تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئی ذمہ داریوں نے رفتہ رفتہ انہیں اپنے رویے کو تبدیل کرنے پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ اجودھن کے جماعت خانے میں بہت سے دانش ور، صوفی اور درویش ہر وقت موجود رہتے تھے۔ علاوہ ازیں بابا فرید کے دروازے عام لوگوں کے لیے بھی کھول دیئے گئے تھے۔

اجودھن کی روحانی شان و شوکت اور دھوم دھام خارجی اقتدار کے نمائندوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔ چنانچہ ہمارے ممدوح کی انتہائی احتیاط کے باوجود خارجی قانون کے مقامی محافظ نے ان سے مقابلے کی ٹھان لی اور طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے بابا فریدؒ کو زک پہنچانے کی تاک میں رہنے لگا۔ مولانا جمالی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ''سیر العارفین'' میں وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''منقول ہے کہ قصبہ اجودھن کے قاضی کو حضرت (بابا فرید) سے بہت حسد اور دشمنی ہوگئی اور وہ ہمیشہ مخالفت میں رہتا اور اس مقام کے گروہ بند حضرات کو وقتاً فوقتاً اشتعال دیتا رہتا تھا .... یہاں تک کہ ایک مرتبہ انتہائے دشمنی کی وجہ سے قاضی نے شہر ملتان کے علماء کو اطلاع دی اور استفساراً لکھا کہ کیا یہ جائز ہے کہ ایک شخص جو اہل علم سے ہے خود کو درویش کہلوائے' ہمیشہ مسجد میں رہے اور وہاں گانا سنے اور رقص کرے۔ جب یہ استفسار شہر ملتان کے علماء کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ پہلے تم یہ بتاؤ کہ یہ بات تم نے کس کے متعلق لکھی ہے تاکہ ہم بتائیں۔ قاضی مذکور نے شیخ المشائخ فرید الدین مسعود کا نام لیا۔ جب انہوں نے حضرت کا نام مبارک سنا تو فوراً قاضی مذکور سے انکار کر دیا اور کہا کہ اے قاضی! تو نے ایسے درویش کا نام لیا ہے کہ مجتہدوں کو قوت نہیں ہے کہ اس کے قول و فعل پر اعتراض کریں اور اس کی مخالفت کریں۔ قاضی

Marfat.com

مذکور نے جب ان کی بات سنی تو شرمندہ اور پریشان ہوا اور اپنے مقام پر واپس آیا۔ لیکن وہ دشمنی سے باز نہیں آیا۔ جس جگہ حضرت سلطان المشائخ کے لڑکوں یا ان کے معتقدین کو دیکھتا حتی الامکان ان کو تکلیفیں پہنچاتا۔ انہوں نے شیخ المشائخ سے عرض کیا کہ قاضی اور یہاں کے گروہ بند لوگ بہت تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ ان کا ظلم وستم حد سے گزر گیا ہے۔ حضرت سلطان المشائخ نے یہی جواب دیا کہ ان کے ظلم برداشت کرو۔ ظالم ہمیشہ تباہ ہوتا ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ان کا نشان بھی نہ رہا اور جو لوگ باقی رہ گئے، وہ حضرت کے لڑکوں کے مطیع ہو گئے اور اب تک ویسے ہی مطیع ہیں۔'' [۲۰]

بابا فرید کی زندگی کے بارے میں جو داستانیں مشہور ہیں، ان میں سے ایک کا موضوع سلطان غیاث الدین بلبن کی بیٹی سے ان کی شادی ہے۔ [۲۱] پرانے تذکرہ نگاروں نے اس کا خوب چرچا کیا ہے۔ عہد حاضر میں اسے عام طور پر بے بنیاد افسانہ قرار دیا جاتا ہے۔ خاص طور پر پروفیسر محمد اسلم نے اس کو موضوع ٹھہرایا ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ''جہاں تک مستند تاریخی شواہد اور براہین کا تعلق ہے حضرت بابا صاحب کے ساتھ سلطان غیاث الدین بلبن کی کسی بیٹی کی نسبت محض ایک افسانہ ہے اور حقیقت سے اس کا دور کا بھی کوئی تعلق نہیں'' [۲۲] عقیدت مندوں نے یہ افسانہ گھڑتے وقت اس ٹھوس حقیقت کو نظر انداز کر دیا تھا کہ مخصوص نقطہ نظر اور فلسفہ حیات کے حوالے سے سلطان غیاث الدین جاہ پسند اور آزاد خیال حکمران تھا۔ سیاست اور مذہب کا سمبندھ اسے ناگوار گزرتا تھا۔ [۲۳] چنانچہ وہ اعلانیہ کہتا تھا کہ ''امور ملکی سیاسی مصلحتوں کے پابند ہیں نہ کہ شرع فقہا کے'' [۲۴] اس نے مسلم ہند میں لادین ریاست کی بنیاد رکھی تھی۔ مزید برآں وہ سماجی طبقہ بندیوں کا شدت سے قائل تھا۔ [۲۵] اور بین الطبقاتی روابط اور تعلقات کو ناپسند کرتا تھا۔ یہ تمام حقائق ہمارے ممدوح کے ساتھ اس کے کسی قریبی تعلق کے امکان کی نفی کرتے ہیں۔

شادی کی طرح شاعری بھی بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے سوانح نگاروں کے لئے اختلافی مسئلہ ہے۔ بلاشبہ چشتی روایت میں فنون لطیفہ اور خصوصاً موسیقی اور شاعری کے لیے امتیازی مقام موجود تھا۔ لہٰذا بابا فرید کا شاعری کی جانب توجہ دینا تعجب انگیز نہیں۔ تاہم اس بابا میں معاصر خارجی شہادت مفقود ہے۔ ہم تک ان سے منسوب شاعری زیادہ تر بابا گورونانک کے حوالے سے پہنچی ہے۔ سکھوں کی مذہبی روایات میں ان دونوں بزرگوں کے درمیان ملاقات کا بھی ذکر ملتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ:

> ''راوی کے اس پار اور دیاہ (بیاس) کے آدھ میں ماجھ کے بیچ میں جنگل میں اتراہ (تراہی؟) پٹھانوں کے گاؤں تھے۔ ان میں بابا نانک آنکلا۔ دو تین کوس تک اجاڑ تھی۔ وہاں کے پٹھانوں کا پیر بابا فرید تھا۔'' [۲۶]

اس میں شبہ نہیں کہ تاریخی واقعیت کے اعتبار سے یہ روایت غلط ہے۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بابا نانک کی ملاقات اصل میں بابا فرید کی بجائے شیخ ابراہیم فرید ثانی سے ہوئی تھی۔ [۲۷] نیز یہ کہ 1604ء میں تالیف شدہ آدگرنتھ میں جو کلام بابا فرید سے منسوب ہے، وہ ان کا نہیں ہے۔ [۲۸] یہ کلام بھی شیخ ابراہیم فرید ثانی کا ہے، جو بابا فرید کی

Marfat.com

اولاد میں سے تھے۔ بابا بدھ سنگھ کے خیال میں یہ کلام بابا فرید اور شیخ ثانی دونوں کا ملا جلا ہے۔

ظاہر ہے کہ آدگرنتھ میں صرف ان ولیوں کا کلام شامل نہیں۔ جن سے بابا نانک کی راہ رسم تھی۔ لہٰذا بابا فریدؒ اور بابا نانک کے درمیان ملاقات کی روایت کے غلط ہونے سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ آدگرنتھ میں شامل کلام بابا فریدؒ کا نہیں شاعر کے طور پر ہمارے ممدوح کی حیثیت مسلّم ہے۔ مولوی عبدالحق، پروفیسر خلیق احمد نظامی، مسعود حسن شہاب اور نجم حسین سید جیسے نقادوں نے بھی انہیں شاعر تسلیم کیا ہے۔

بابا فریدؒ کی زندگی کے آخری ایام بے سروسامانی اور غربت کے عالم میں بسر ہوئے تھے۔ بظاہر یہ بات تعجب انگیز ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں بابا فرید ایک نمایاں شخصیت بن چکے تھے۔ ہندوستان کے ہر حصے میں ان کے ارادت مند موجود تھے اور وہ ایک منظم روحانی سلسلے کے سربراہ تھے۔ غیر مسلموں میں بھی ان کو عزت واحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ بہت سے قبائل نے ان کی سیرت اور تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام بھی قبول کیا تھا۔[29]

بابا فریدؒ کی وفات کے بارے میں صاحب ''سیر الاقطاب'' نے 690ھ صاحب ''راحت القلوب'' نے 687ھ اور صاحب ''خزینۃ الاصفیاء'' نے 670ھ سن دیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور داراشکوہ نے 664ھ کا اندراج کیا ہے۔ ڈاکٹر فقیر محمد نے 5 محرم الحرام 664ھ/12 اکتوبر 1265ء تاریخ وفات درج کی ہے۔[30] امیر حسین سجزی نے ہمارے ممدوح کے جانشین خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے حوالہ سے لکھا ہے:[30]

''آپ (بابا فرید) پر پانچویں ماہ محرم کو بیماری نے غلبہ کیا۔ عشاء کی نماز با جماعت ادا کی۔ بعدازاں بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو لوگوں سے پوچھا کہ کیا میں نے عشاء کی نماز ادا کی ہے۔ کہا' کی ہے۔ فرمایا ایک دفعہ اور ادا کر لوں۔ کون جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا۔ پھر نماز ادا کی اور پہلے کی نسبت زیادہ بے ہوش ہو گئے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو پوچھا۔ کیا میں نماز ادا کر چکا ہوں؟ لوگوں نے کہا۔ دو مرتبہ۔ فرمایا۔ ایک دفعہ اور بھی ادا کر لوں۔ کون جانتا ہے کہ کل کیا ہو گا۔ پھر تیسری مرتبہ جب ادا کر چکے تو جان بحق تسلیم ہوئے۔''[31]

ایک پرانے تذکرہ نگار نے بابا فرید کو اولیائے کبار کا خلاصہ، اتقائے اخیاء کا انتخاب اور تقدس ربانی کے جنگل کا شیر قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ سلطان المشائخ فریدالدین مسعودؒ اولیائے کبار میں سے تھے اور طریقہ مشیخیت میں صاحب اعتبار تھے۔ وہ عجیب وغریب روش رکھتے تھے۔ بود و باش کا طریقہ بھی خوب تھا۔ کشف وکمالات میں درجہ عظیم اور تسلیم و رضا میں مستقیم تھے۔[32] تاہم ان کی تعلیمات اور خیالات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک مجموعے کی صورت میں مرتب کئے گئے تھے۔ اس مجموعے کو ''اسرار الاولیاء'' کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی ''راحت القلوب'' کے عنوان سے ایسا ہی ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ بابا فریدؒ کے خیالات جاننے کا ایک اور وسیلہ آدگرنتھ میں شامل ان سے منسوب کلام ہے' جس میں سے ایک سوتیئس اشلوک اور ایک نصیحت نامہ ہم تک پہنچا ہے۔[33]

مندرجہ بالا مجموعوں اور کلام کے مصدقہ ہونے میں شبہ کیا جا سکتا ہے۔ تاہم یہ حقیقت پیش نظر رہنی چاہئے کہ اگر ان ذرائع سے بابا فرید کے بارے میں مستند ترین مواد حاصل نہیں ہوتا تو بھی قدیم ترین مواد ضرور ملتا ہے۔ مزید براں اگر یہ

Marfat.com

منابع ہمارے ممدوح کی سیرت اور تعلیمات کے حقیقی خدوخال کو قطعی طور پر معروضی انداز میں پیش نہیں کرتے تب بھی ان کی تاریخی شخصیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ غالباً ہیروز کے معاملے میں یہ بات زیادہ اہم ہوتی ہے۔

بابا فرید گنج شکرؒ کی تعلیمات بنیادی طور پر وہی ہیں جو ان سے دو صدیاں پہلے سید علی ہجویریؒ پنجاب میں متعارف کرا چکے تھے۔ اس اعتبار سے بابا فریدؒ کی تعلیمات کو پنجاب کی صوفیانہ زریں روایت کا تسلسل تصور کرنا چاہیے۔ سید علی ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی مانند ان کے ہاں بھی مذہبی قانون اور داخلی صوفیانہ صداقت میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا رجحان غالب نظر آتا ہے۔

تصوف کی چشتیہ روایت میں عوام کے ساتھ قریبی تعلق پر بڑا زور دیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں اس روایت کی عام مقبولیت کی وجہ بھی یہی تھی۔ دہلی اور اجمیر کے مراکز میں خواجہ معین الدین چشتیؒ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے بھی اگرچہ عوام کے ساتھ براہ راست میل جول رکھا تھا۔ تاہم مسلم ہند کے سیاسی مرکز ہونے کی حیثیت سے یہ شہر عوامی تہذیب و تمدن کے اثرات سے نسبتاً دور تھے۔ ان کے مقابلے میں بعض دوسرے چشتی دانش وروں نے مرکزی علاقوں سے ہٹ کر ایک تہذیبی عمل کو تیز کیا جو ہندوستان کی دو بڑی متصادم تہذیبوں کے ملاپ کا سبب بنا۔ صوفی حمید الدین ناگوری کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرید تھے۔ دارا شکوہ نے انہیں اپنے عہد کے یکتا متقدمین مشائخ میں سے نہایت بلند درجہ رکھنے والے اور ظاہری و باطنی علوم میں جامع قرار دیا ہے۔[44] ان کا قیام ناگور کے قصبے میں تھا۔ ان کی بدولت یہ قصبہ تیرہویں صدی کے اوائل میں ایک ممتاز روحانی اور تہذیبی مرکز بن گیا تھا۔ اس مرکز میں مقامی اور اسلامی تہذیبیں باہم مل گئی تھیں۔[45] اسی طرح اجودھن کا مرکز بھی بابا فرید کی بدولت ایک ایسا علمی، ثقافتی اور روحانی مقام بن گیا تھا، جہاں ہندو مسلم ثقافتیں مل کر ایک نئی ثقافت کو جنم دے رہی تھیں۔

بابا فرید کے حوالے سے تصوف پنجاب میں ایک عوامی تحریک بن گئی۔ روحانی نجات کی تلاش میں لوگ دور دراز سے یہاں آنے لگے۔ دل اور ذہن تبدیل ہونے لگے۔ روحانیت کا چرچا ہونے لگا۔ اخلاق سدھرنے لگے۔ تعصبات مٹنے لگے۔ دوریاں کم ہونے لگیں اور فکر و نظر کی نئی راہیں کشادہ ہونے لگیں۔

ہمارے ممدوح کا نظام فکر بنیادی طور پر عقلیت پسندانہ رجحانات پر موسس ہے۔ عمومی صوفیانہ رواج کے برعکس وہ انسانی عقل کی ہمہ گیری اور عظمت کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک عقل خدائی عطیہ ہے۔ اس کا وظیفہ انسانوں کی رہنمائی کرنا ہے۔ عقل کی اہمیت کے بارے میں بابا فرید کے خیالات کا منبع ''راحت القلوب'' ہے۔ اس کتاب میں ایک ایسی مجلس کا ذکر کیا گیا ہے جس میں ہمارے ممدوح نے اپنے شاگردوں، مریدوں اور ساتھیوں کو عظمت شعور و دانش کا درس دیا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

> ''پھر عقل و حکمت کی نسبت باتیں ہونے لگیں۔ کتاب مفصل بھی آگے رکھی تھی۔ ارشاد ہوا کہ خداوند تعالیٰ کی بندوں پر دو عنائتیں ہیں۔ ایک ظاہری یعنی پیغمبروں کا بھیجنا اور دوسری باطنی۔ وہ عقل ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ حدیث شریف میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے کہ یقیناً علم عقل سے الگ ہے اور نہ عقل علم سے۔ پس لوگوں میں افضل کون ہے؟ وہ جو

Marfat.com

اپنے آپ کو پہچانے۔ تو اس صورت میں عقل ممتاز رہی۔''[۳۶]

صوفی حمید الدین ناگوری کی متابعت میں بابا فریدؒ نے عقلیت پسندی کے بارے میں یہ جرأت مندانہ تصور پیش کیا کہ عبادت کی انتہا عقل ہے۔ اس کی وجہ یہ دی گئی ہے کہ علم کے بغیر عبادت بے معنی اور عقل کے بغیر علم لایعنی ہوتا ہے محض عقل کے ذریعے سے جملہ اشیاء کا علم وشعور حاصل ہوتا ہے۔ یہ علم اور شعور ہمیں انسانی سطح پر زندگی بسر کرنے کا اہل بناتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ بھی عقل ہے۔ اس سے محروم انسان خدا کی معرفت سے محروم رہتا ہے۔

مندرجہ بالا گفتگو 21 ماہ شوال 655ھ کو ہوئی۔ جب 10 ماہ ذیقعد کو محفل دوبارہ آراستہ ہوئی تو علم کے مسئلے پر گفتگو ابھی جاری تھی۔ ''راحت القلوب'' میں اس مجلس کی روئیداد بھی درج ہے۔ اس کے مطالعے سے عظیم چشتی دانش ور کے خیالات جاننے میں بہت مدد ملتی ہے۔ چنانچہ علم کی عظمت کا چرچا کرتے ہوئے بابا فرید نے کہا کہ اگر لوگوں پر علم کی اہمیت کا راز افشا ہو جائے، تو وہ تمام کام چھوڑ کر اس کی تحصیل میں مصروف ہو جائیں۔ علم ایسا بادل ہے جس سے صرف رحمت برستی ہے، جو اس ابر کے زیر سایہ آجاتا ہے وہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ علم اخلاقی زندگی کی اولین شرط ہے۔

اسی مجلس میں بابا فریدؒ نے شیخ جلال الدین کے ساتھ اپنی ایک ملاقات کا ذکر بھی کیا۔ اس ملاقات میں دوران گفتگو علم کو شیشے میں روشن چراغ سے تعبیر کیا گیا تھا۔ علم کی اہمیت جتاتے ہوئے ہمارے صوفی دانش ور نے معاصر علما کے رویے پر نکتہ چینی بھی کی، انہوں نے کہا کہ ان عالموں نے علم کو تجارت بنا رکھا ہے۔ عقل و دانش کے غرور نے ان کے نفسوں کو فربہ کر دیا ہے۔ حالانکہ حقیقی علم انسانی شخصیت کو نکھارتا اور مہذب انکساری پیدا کرتا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد:

> ''شیخ الاسلام (بابا فرید) رونے لگے اور بولے کہ شرع علماء میں مرقوم ہے کہ فردائے قیامت کی ان صلحاء و علماء کے لئے جو دنیا میں اہل دنیا کے ساتھ مشغول رہتے تھے اور اپنا منصبی کام نہ کرتے تھے، حکم ہوگا کہ انہیں عرصات میں حاضر کرو۔ پھر فرشتگان عذاب سے کہا جائے گا کہ ان کی گردنیں آتشیں زنجیروں سے جکڑ کر دوزخ میں لے جاؤ۔ پھر فرمایا ان علماء سے مراد وہ علماء ہیں جو بظاہر پارسائی دکھاتے ہیں اور باطن میں علم پر عمل نہیں کرتے اور مکر و حیلے کے ساتھ دنیا کماتے ہیں۔''[۳۷]

یہاں عقل خدائی محبت اور معرفت کا وسیلہ ہے اور علم اخلاقی اور روحانی آدرشوں کے حصول کا ذریعہ۔ اس لئے زیادہ تر زور انسان کی اخلاقی بھلائی اور نجات کے حصول پر دیا گیا ہے۔ بابا فرید کے ہاں رہبانیت پسندانہ رجحان بھی اہم تھا۔ وہ زندگی کے عمومی عمل سے فاصلہ رکھنے پر اصرار کرتے تھے۔ درویشی کی صفات کا تجزیہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ دنیا کی خواہش رکھنے والا اور جاہ و رفعت کا طلب گار فرد درویش نہیں بلکہ طریقت کا مرتد ہے۔ فقر دنیا سے بے نیازی کا نام ہے۔ طریقت یہ کہ درویش کے دل میں دنیا اور اہل دنیا کی دوستی کا ذرہ بھر اثر نہ ہو۔ وہ اس سلسلے میں خواجہ شہاب الدین سہروردی کی حکایت بیان کیا کرتے تھے کہ ایک دفعہ وہ عراق کے بادشاہ سے ملنے گئے تو اس کی ایک ساعت کے بدلے انہیں سات برس تک عزلت گزین رہنا پڑا۔

ہمارے صوفی دانش ور کے خیال میں تصوف اور گوشہ نشینی ہم معنی قرار پاتے ہیں۔ جہاں وہ اس بات پر زور

Marfat.com

دیتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جس کا ظاہر اور باطن صفات سے خارج نہ ہو، وہیں وہ اس امر کو بھی واضح کر دیتے ہیں کہ صوفی کے لئے دنیا کی آسائشوں اور بشریت کی گندگی سے محفوظ رہنا بھی ناگزیر ہے۔ [۳۸] ان کے نزدیک جب تک کوئی شخص اپنے باطن کو دنیا کے تمام معاملات سے پاک نہیں کر لیتا، اسے واجب نہیں کہ خرقہ پہنے۔ خرقہ انبیاء اور اولیاء کا لباس ہے۔ دنیا کی آسائش میں مشغول رہتے ہوئے اگر کوئی یہ پیرہن استعمال کرتا ہے تو وہ اس کے تقاضے پورے نہیں کر سکتا۔ پس لازم ہے کہ وہ گمراہ ہو جائے۔ درویشانہ لباس پہننا آسان ہے مگر اس کی ذمہ داریاں پوری کرنا نہایت دشوار ہے۔ درویش وہ ہے جو اپنی کسی شے کو عزیز نہ رکھے۔ ہر شے کو خدا کی راہ میں تیاگ دے۔ اس کے بعد ''حضرت شیخ الاسلام نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ اے درویش! تصوف یہ ہے کہ تمہاری ملکیتی میں کچھ باقی نہ رہے۔ .... تصوف صاف دلی کے ساتھ مولا کی دوستی کا نام ہے۔ اور صوفیا دنیا اور آخرت میں سوائے مولا کی محبت کے اور کسی چیز پر فخر نہیں کرتے۔''

اس نقطہ نظر کے حوالے سے بابا فریدؒ امراء سے میل جول سخت ناپسند کرتے تھے۔ 15 ماہ شوال 655ھ کی روئیداد میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے یہ واقعہ درج کیا ہے کہ جب وہ اپنے مرشد کی صحبت سے لطف اندوز ہو رہے تھے تو ''والی اجودھن نے اپنے کارکنوں کے ہاتھ دو گاؤں کی مثل اور دو سو تنکا نقد حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے بھیجے۔ کارکنوں کو حکم ہوا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے اور مال و منال سامنے رکھ دیا۔ شیخ الاسلام نے مسکرا کر فرمایا کہ میں نے آج تک یہ قبول نہیں کیا اور نہ میرے خواجگان کی سنت ہے۔ واپس لے جاؤ اور کہو کہ اس کے طالب اور بہت ہیں۔ ان کو دے دو۔'' [۳۹]

اپنے مخصوص نقطہ نظر کے حوالے سے بابا فریدؒ نے انسانوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلی قسم میں مکمل طور پر دنیادار لوگ شامل ہیں۔ یہ لوگ اپنی ذات کا تعین اپنی دنیاوی حیثیت کے حوالے سے کرتے ہیں۔ دوسرا گروہ ایسے افراد پر مشتمل ہے جو دنیا سے عداوت رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ دنیا کا ذکر حسد، رنجش اور خصوصیت کے بغیر نہیں کرتے۔ تیسری قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو دنیا سے قطعی طور پر بے نیاز ہیں۔ وہ اسے دوست رکھتے ہیں اور نہ ہی دشمن سمجھتے ہیں۔ ہمارے ممدوح کے نزدیک یہ آخری گروہ پہلے دونوں گروہوں سے بہتر ہے۔

مؤخر الذکر گروہ کے بہترین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے گروہ کی زندگی حسی سطح پر بسر ہوتی ہے۔ یہ گروہ حسی سطح سے ماورا ہو کر زندگی کی اعلیٰ قدروں کی تلاش اور اپنی ذات کے پوشیدہ امکانات کی تکمیل سے بے خبر رہتا ہے۔ اس کی زندگی نفس امارہ اور اس کے تقاضوں کی تکمیل سے عبارت ہے۔ لہٰذا اس گروہ کو حیوانوں سے ممتاز نہیں کیا جا سکتا .... دوسرے گروہ کے افراد ذات مرکزیت کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی صرف اپنی ذات کے گرد گھومتی ہے۔ جب وہ اپنے آدرشوں کو پانے میں ناکام رہتے ہیں تو منفی ردعمل کے طور پر دنیا کے بارے میں عداوت اور دشمنی کے رجحان کے حامل ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ رویہ زندگی کی اعلیٰ قدروں کے ماتحت نہیں ہوتا۔ بلکہ ذاتی محرومیوں سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں تیسرا گروہ دنیا سے لاتعلقی کو شخصی انداز سے آزادانہ منتخب کرتا ہے۔ یہ گروہ ایسے افراد پر مشتمل ہوتا ہے جو حیات مصدقہ کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ نفس مطمئنہ کے مالک ہیں۔ وہ آزادی، انتخاب اور ذمہ داری کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا گروہوں میں نسل انسانی کی تقسیم وجودی سطح پر مثبت قدر و قیمت کی حامل ہے۔ تاہم وسیع تر معاشی

Marfat.com

مفادات کے اعتبار سے اسے مفید قرار دینا دشوار ہے۔ یہ زندگی کے حسن کو مردہ کر دیتی ہے اور انسانی کھیل کو بے رنگ اور بے کیف بنا دیتی ہے۔ زندگی کے تقاضوں کی تکمیل، جبلتوں کی صحت مندانہ تسکین، سماجی، سیاسی عمل میں شرکت اور مسرتوں کی تلاش اہم ہیں۔ اعلیٰ قدروں اور آدرشوں کو ان میں سے جنم لینا ہوگا۔ ان کے درمیان تضاد زندگی کی ہر شے کو فنا کر دیتا ہے۔

بہر طور بابا فریدؒ نے اپنے نصب العینی گروہ کے تصور کی وضاحت کے لئے رابعہ بصریؒ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ روایت ہے کہ اس برگزیدہ صوفی خاتون کے پاس ایک شخص آیا اور دنیا اور اہل دنیا کی مذمت کرنے لگا۔ اس پر گوشہ نشین رابعہ نے اس سے کہا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور دوبارہ میرے پاس آنے کی تکلیف نہ اٹھانا۔ کیونکہ تمہیں دنیا اور اہل دنیا سے اس قدر لگاؤ ہے کہ تم بار بار اسی کا ذکر کرتے ہو۔ اس کے بعد ہمارے صوفی دانش ور نے کہا ''اے درویش! ایک مرتبہ خواجہ بایزید قدس اللہ سرہ العزیز سے لوگوں نے پوچھا کہ بعض لوگ دنیا اور دنیا والوں کا ذکر بہت کرتے ہیں۔ آخر اس میں کیا بات ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ دنیا کے دوست ہیں۔ جب اپنے معشوق کو دوسروں کے قبضے میں دیکھتے ہیں تو اپنی محبت سے بے قرار ہو کر ضرور اس کو یاد کریں گے اور دن رات اس کا تذکرہ کریں گے۔''[۴۰]

یہ امر پیش نظر رہنا چاہیے کہ نظری سطح پر رہبانیت کا پرچار کرنے کے باوجود عملی طور پر بابا فرید انسانوں سے زیادہ دور نہیں تھے۔ ان کے ہاں گوشہ نشینی کا وہ تصور نہیں ملتا جو انسان کو اپنے ہی ہم جنسوں سے بے زار کر دیتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بابا فرید حکمرانوں اور امیروں سے میل ملاپ پسند نہیں کرتے تھے۔ اپنے مریدوں اور دوستوں کو بھی ان سے علیحدہ رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ البتہ جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے، خصوصاً اجودھن میں قیام کے بعد ان کے لئے اس صوفی بزرگ کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ مسلمان اور ہندو یکساں ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ خانقاہ میں ان سے سلوک بھی یکساں کیا جاتا تھا۔

بابا فریدؒ کے نزدیک اعلیٰ ترین خیر روحانی پاکیزگی کا حصول ہے۔ دل کی اصلاح کے بغیر روحانی پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی۔ کچھ عرصہ پیشتر پیر غلام دستگیر نامی نے ایک مختصر رسالہ ''گنج اسرار'' کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا۔ وہ مدعی ہیں کہ رسالہ بابا فرید کا تصنیف کردہ ہے۔ انہیں یہ رسالہ اپنے خاندانی کتب خانہ، رتہ پیراں تحصیل شاہدرہ ضلع سیالکوٹ کے ایک مجلّہ میں سے دستیاب ہوا تھا۔ اگر یہ دعویٰ درست ہے تو ہم دل کی اصلاح کے بارے میں بابا فرید کے خیالات تفصیل سے جان سکتے ہیں۔ ''گنج اسرار'' میں درج ہے کہ:

> ''اے عزیز! جان لے کہ اگر دنیا میں یہ دل اصلاح پذیر ہو جائے تو تمام سراپا اصلاح ہو جاتا ہے اور اگر اس میں فساد واقع ہو تو پھر تمام جسم کے لئے خرابی ہی خرابی ہے .... اے عزیز! اگر کوئی کہے کہ دل خواہ مومن کا ہو، صرف ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ وہ زمین و آسمان میں کس طرح وسیع ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وسعت سے مراد اس کی اصلاح (نیکی) اور راستی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ دل اصلاح تزکیہ (پاکیزگی) تصفیہ (صفا) اور تجلیہ (جلا) سے حاصل ہوتی ہے...... تزکیہ سے مراد یہ ہے کہ برے اوصاف سے نفس کو پاک کیا جائے۔ اور تصفیہ سے یہ کہ دل

Marfat.com

بری باتوں سے صاف رکھا جائے اور تجلیہ روح کی روشنائی کا نام ہے۔ جب تک دل، سوائے اللہ سے پاک نہ ہو، یہ صفات حاصل نہیں ہو سکتیں۔''[41]

یہ تصور پیش کرتے ہوئے کہ صوفی وہ ہے جس کے صفائے قلب کے سامنے کوئی شے پوشیدہ نہ رہے،[42] بابا فریدؒ نے دل کی صفائی کے لئے ریاضتوں اور مجاہدوں کو ضروری قرار دیا ہے۔ اس باب میں ان کا نقطۂ نظر عضویاتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نفس کی پاکیزگی اس وقت حاصل ہوتی ہے، جس وقت انسان کے جسم میں گوشت اور خون اس قدر کم ہو جائے کہ مغز کی ہڈیوں تک پہنچ جائے۔ یہاں تک کہ آخر کار مغز بھی ہڈیوں کو چھوڑ دے۔ جب تک صفائی قلب کا جوہر پیدا نہ ہو، دل پاک نہیں ہوتا۔ دل پاس انفاس سے پاک ہوتا ہے اور پاس انفاس سے مراد یہ ہے کہ جو سانس سینے میں آئے جائے، اس میں اللہ ہی کا ذکر ہو۔[43]

عمومی چشتیہ روایت کے مطابق بابا فریدؒ کا نظام فکر بھی مجموعی طور پر اعتدال پسند رجحان کا حامل ہے۔ انہیں نہ تو راسخ العقیدہ حلقوں میں شامل کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی آزاد خیال گروہ میں۔ وہ ان دونوں کے بین بین رہتے ہیں۔ اسلام کے مذہبی قانون سے ان کا رستہ مستحکم رہتا ہے۔ تاہم بہت سے مسائل میں ان کی رسائی عقیدہ پرست دانشوروں سے مختلف ہو جاتی ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت کے لیے ہم صحو اور سکر کے صوفیانہ مسئلے کو لے سکتے ہیں۔ قرون وسطیٰ کے صوفیانہ دانش کے مرکزوں میں اس مسئلے کو خاصی اہمیت حاصل تھی۔ عقیدہ پرست دانشور صحو کو سکر پر ترجیح دیتے تھے۔ بابا فریدؒ بھی عام طور پر یہی رائے رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ افشائے حقیقت کے باب میں سکر کو صحو پر برتری حاصل ہے۔ شیخ بدرالدین اسحاق نے ان سے یہ جملہ منسوب کیا ہے کہ ''اے درویش! جس طرح کی سخت آگ درویشوں کے سینے میں دبی ہوئی ہے۔ اگر اس میں سے ذرا سی بھی خدانخواستہ سکر کے عالم میں پھوٹ پڑے تو عرش سے فرش تک سب کو جلا کر بھسم کر دے۔''[44] یہی مرتب آگے چل کر ہمارے صوفی دانش ور سے اپنی ایک ملاقات کی یادداشت درج کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

> ''اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام (بابا فرید) نے فرمایا کہ اے درویش! احوال اسی کا نام ہے جس وقت صاحب اسرار مستغرق ہوتا ہے کچھ نہ کچھ ضرور ظاہر ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا جب اس درویش پر بھی حال طاری ہوتا ہے اس وقت دوست کے اسرار میں سے کچھ نہ کچھ ضرور راز ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ چنانچہ یہ خبر برادرم بہاؤالدین زکریا کے کانوں میں پہنچی۔ ان کو یہ بات پسند نہ آئی۔ انہوں نے فوراً خط لکھا اے درویش! یہ کیسی نادانی تم سے ہو رہی ہے کہ اسرار دوست کو عیاں کر رہے ہو اور یہ بات اہل اسرار کو پسند نہیں ہے۔ اس دعا گو نے جواب میں لکھا کہ اے بھائی! گفتگو کی حد سے معاملہ گزر چکا ہے اور اسرار دوست سے میرا سینہ مالا مال ہو چکا ہے۔ ذرا سی بھی جگہ اس میں خالی نہیں رہی ہے کہ مزید گنجائش ہو۔ اس لئے اس وقت جو کچھ اسرار دوست عالم انوار سے جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ جب وہ اندر نہیں سما سکتے تو لامحالہ وہ اسرار ظاہر ہی ہو جائیں گے۔ جب کسی چیز کی زیادتی ہو جائے تو پھر اِدھر اُدھر نکل ہی جائے

Marfat.com

گی۔بس اے بھائی! میں کتنی ہی حفاظت کرنی چاہتا ہوں کہ رمز اور اشارے سے ظاہر نہ ہوں، لیکن ایسا نہیں کر پاتا۔ بتاؤ کیا کروں؟ جب اس درویش کا خط ان کی خدمت میں پہنچا تو سر جھکا دیا اور کہا کہ میرے یار نے اپنا کام پورا کرلیا اور اپنے کو اعلیٰ منزل تک پہنچا دیا۔اس واقعہ کو ختم کرتے ہی شیخ الاسلام نے ایک نعرہ بلند کیا اور بے ہوش ہو گئے اور دو شبانہ یوم اپنے مصلے پر پڑے رہے۔اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ تھا۔''[۴۵]

سکر کے بارے میں یہ نرم رویہ فی الواقعہ ایک مکمل نظام فکر کا ناگزیر ضمنی نتیجہ ہے۔اس نظام فکر میں فنون لطیفہ کے لئے جگہ موجود رہتی ہے۔ چنانچہ دیگر چشتی بزرگوں کی طرح بابا فرید بھی موسیقی کے شائق تھے۔عقیدہ پرستوں کو یہ بات ناگوار گزرتی تھی۔ جب انہوں نے نکتہ چینی کی تو ہمارے ممدوح نے جواب دیا کہ ''بڑائی تو صرف اللہ کی ذات کے لئے ہے۔کوئی تو عشق الٰہی کی آگ میں جل کر فنا ہو گیا ہے اور دوسرے جواز اور عدم جواز کی بحث میں الجھے ہوئے ہیں۔''[۴۶] نکتہ چینیوں کی رائے کے برعکس بابا فریدؒ موسیقی کو غیر اسلامی فن تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے۔اس باب میں ان کا نقطہ نظر سید علی ہجویریؒ سے مشابہ تھا۔تاہم دونوں جلیل القدر بزرگوں میں اختلاف موجود ہے۔سید علی ہجویریؒ موسیقی کے حق میں جمالیاتی جواز کو اہم سمجھتے تھے۔بابا فریدؒ مذہبی دلائل پر انحصار کرتے ہیں۔[۴۷]

موسیقی کے باب میں بابا فریدؒ سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ رحمت باری تعالیٰ کا نزول تین مواقع پر ہوتا ہے۔ان میں سے ایک سماع، دوسرا درویشوں کے احوال بیان کرنے کے موقع پر اور تیسرا عاشقوں کے انوار تجلی کے عالم میں غرق ہو جانے کا موقع ہے۔بابا فریدؒ نے اپنے بزرگوں کے ساتھ موسیقی کی محفلوں میں شرکت کا ایک واقعہ بھی بیان کیا ہے۔اس محفل میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور خواجہ حمید الدین ناگوریؒ بھی موجود تھے۔موسیقی سے لطف اندوزی کا یہ عالم تھا کہ یہ دونوں بزرگ دن رات عالم بے خودی میں بیٹھے رہے۔انہوں نے بابا فریدؒ کو بھی پاس بٹھا لیا۔خواجگان کے اس عالم وجد میں قوال یہ اشعار گا رہے تھے: ''میں وہ نہیں ہوں کہ تیرے عشق سے باز آ جاؤں۔اگر تیغ سے بھی مجھ کو مارا جائے گا تو میں تیرا در نہ چھوڑوں گا۔مجھ سے شب ہجراں کے بارے میں مت پوچھ کہ کیسی گزرتی ہے؟ کسی شخص کو میرے جیسی سخت دشوار نصیب نہ ہو۔جب سے میں نے تیرے جمال کا سرو باغ دیکھ لیا ہے تو پھر کبھی کسی گلزار کی طرف جانے کی دل کو خواہش ہی نہیں ہوتی۔اگر کل قیامت میں مجھ کو جنت تمام لوازمات کے ساتھ دی جائے تو میں اس کو ایک دانے کے بدلے میں بھی نہیں خریدوں گا۔اس لئے کہ میں تیرے دیدار کا مشتاق ہوں۔''

شیخ بدرالدین اسحاق کہتے ہیں کہ بابا فریدؒ ایام گزشتہ کی یہ داستان سنانے کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور اندر چلے گئے۔اس کے ساتھ ہی مجلس برخاست ہو گئی۔

(در: پنجاب کے صوفی دانشور از قاضی جاوید'لاہور ۲۰۰۵ء'ص ۴۰-۶۵)

Marfat.com

حوالہ جات

1۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، ص142

2۔ یوسف حسین، قرون وسطی کی ہندوستانی ثقافت کی جھلکیاں، ص136 (انگریزی)

3۔ سید بشیر احمد سعدی، دس ولی، ص116

4۔ سید حسن علی شاہ بخاری النقوی، اظہار ملت رشیدی فی جواب عزت فریدی' ص12

5۔ پیر غلام دستگیر نامی سہروردی حکاری ابوسفیانی، گنج اسرار یعنی چراغ فریدی، ص13

6۔ حضرت بابا الدین فرید الدین گنج شکر، ماہنامہ اوقاف، اسلام آباد، ج2 ش11 جنوری 1978ء ص43

7۔ پی کے ہتی، تاریخ عرب' ص482-483

8۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی، شیخ فرید الدین گنج شکر کی زندگی اور عہد' ص29، 30 (انگریزی)

9۔ جعفر قاسمی۔ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر، اردو ترجمہ از طاہر اسدی۔ ص57، 58۔ اس کتاب کے آئندہ حوالہ جات اسی ترجمے سے ہیں۔

10۔ ایضاً' ص56-57

11۔ پی اے ملک، حضرت بابا فرید گنج شکر، ص12

12۔ پیر غلام دستگیر نامی سہروردی حاکمی حقاری ابوسفیانی، گنج اسرار یعنی چراغ فریدی' ص14

13۔ سید نصیر احمد جامعی، حضرت باب فرید گنج: (شیر اکیڈیمی سیریز) ص18

14۔ ادارہ تصنیف و تالیف، انوار اصفیاء، ص202، 203

15۔ سید نصیر احمد جامعی، حضرت بابا فرید گنج شکر، ص19

16۔ پیر محمد حسین بدری فریدی صابری چشتی پاکپتنی، اسرار عزت فریدی' ص154-161

17۔ وحید احمد مسعود، سوانح حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر، ص115

18۔ امین الدین، تذکرہ علی ہجویری، ص80-81

19۔ سید حسین نصر، اسلام میں سائنس اور تمدن، ص90-91۔ جعفر قاسمی' بابا فرید الدین مسعود، ص14-16

20۔ حامد بن افضل اللہ جمالی، سیر العارفین، اردو ترجمہ از محمد ایوب قادری، ص46۔ اس کتاب کے آئندہ حوالہ جات اسی ترجمے سے ہیں۔

21۔ مثال کے طور پر دیکھئے۔ محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، ج1، ص162

22۔ پروفیسر محمد اسلم، تاریخی مقالات، ص131

23۔ نظام الدین، طبقات اکبری، ج1 ص44

24۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ص107

Marfat.com

25۔ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، ج1، ص44

26۔ جنم ساکھی۔ ساکھی نمبر17

27۔ ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، بابا فرید گنج شکر اور شیخ ابراہیم فرید ثانی۔ اورنٹیل کالج میگزین، ج14، عدد مسلسل 52، فروری 1938ء میں 78۔

28۔ ایضاً، ص76 ۔

29۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، پنجاب میں اسلام کیسے پھیلا، پندرہ روزہ خدمت، لاہور، ج4 ش2 مئی 1977ء ص17

30۔ سید فیاض محمود، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج13 ص256

31۔ امیر حسن سجزی، فوائد الفواد، اردو ترجمہ (ملک چنن الدین ایڈیشن) ص65

32۔ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، ص42

33۔ آئی سیر بیراکوف، پنجابی ادب، انگریزی ترجمہ از ٹی اے زیٹ۔ ص 22-23

34۔ داراشکوہ سفینۃ الاولیاء اردو ترجمہ از محمد علی لطفی، ص129

35۔ عزیز احمد، ہندوستان میں اسلام کی فکری تاریخ، ص37 (انگریزی)

36۔ خواجہ نظام الدین اولیاء، راحت القلوب، اردو ترجمہ از سید ملا محمد واحدی دہلوی، ص64۔ اس کتاب کے آئندہ حوالہ جات اسی اردو ترجمے سے ہیں۔

37۔ ایضاً، ص67۔

38۔ شیخ بدر الدین اسحاق، اسرار الاولیاء اردو ترجمہ از پروفیسر محمد معین الدین دردائی، ص106۔ اس کتاب کے آئندہ حوالہ جات اسی اردو ترجمے سے ہیں۔

39۔ خواجہ نظام الدین الاولیاء، راحت القلوب، ص58

40۔ شیخ بدر الدین اسحاق، اسرار الاولیاء، ص191-192

41۔ بابا فرید الدین گنج شکر، گنج اسرار، اردو ترجمہ از پیر غلام دستگیر نامی، ص24۔ اس رسالہ کے آئندہ حوالہ جات اسی اردو ترجمے سے ہیں۔

42۔ شیخ بدر الدین اسحاق، اسرار الاولیاء، ص129

43۔ پیر غلام دستگیر نامی، گنج اسرار، ص25-26

44۔ شیخ بدر الدین اسحاق، اسرار الاولیاء، ص36

45۔ ایضاً، ص ص48-49

46۔ جعفر قاسمی، بابا فرید الدین گنج شکر، اردو ترجمہ از طاہر اسدی، ص73-74

محمد نسیم عباسی

صوفیائے برصغیر اور حضرت بابا صاحبؒ

اسلام برصغیر میں محمد بن قاسم کے ساتھ پہلی صدی ہجری میں آ گیا تھا۔ یہ مسلم حکومت ملتان میں چھٹی صدی ہجری تک قائم رہی۔ ازاں بعد غزنوی دور میں برصغیر کا شمالی علاقہ فتح ہوا تو لاہور اسلام کا دوسرا مرکز بن گیا۔ لیکن یہاں اسلام کی روحانی اور حقیقی فتوحات صوفیائے عظام کی تبلیغی مساعی کی مرہون منت ہیں۔ کفر و شرک کے اس گڑھے میں سب سے پہلے جس بزرگ نے اسلامی معارف کا پرچم لہرایا وہ ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوریؒ ہیں۔ ان کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (م 633ھ) نے عظیم خدمات انجام دیں۔ آپ کی تبلیغی مساعی سے حلقہ بگوشان اسلام کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی اور آپ کے تربیت یافتہ خلفاء دور دراز علاقوں تک گئے اور مخلوق خدا کی رہنمائی میں مشغول ہو گئے۔

دہلی میں حضرت خواجہ اجمیریؒ کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین کاکیؒ نے زبردست تبلیغی کام کیا۔ ان کے بعد سلسلہ چشتیہ کی رہنمائی و سیادت کا فریضہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ نے انجام دیا۔ یہاں تک کہ ان کے فیضان سے برصغیر کے باہر دیگر ممالک اسلامیہ بھی سیراب ہوئے۔

اس دور میں جو چھٹی اور ساتویں صدی ہجری سے عبارت ہے اور جو حضرت بابا صاحبؒ کا دور ہے، برصغیر پاک و ہند سے باہر حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، شیخ سعد الدین حمویؒ، حضرت جلال الدین رومیؒ، شیخ اوحد الدین کرمانیؒ، شیخ سعدی شیرازیؒ، اور خواجہ سیف الدین باخرزیؒ، جیسے بزرگان دین فیوض و برکات کے چشمے بہا رہے تھے۔ اس وقت پاک و ہند میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ، حضرت جمال الدین ہانسویؒ، حضرت حمید الدین ناگوریؒ، حضرت شیخ جلال الدین تبریزیؒ، حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ، حضرت شیخ بوعلی قلندرؒ، خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت شمس الدین ترکؒ پانی پتی اور خواجہ نجیب الدین متوکلؒ اسلام کی تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

سیاسی لحاظ سے حضرت بابا صاحبؒ کے دور حیات میں خاندان غلاماں کے سلطان قطب الدین ایبک، سلطان شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن جیسے نیک فطرت سلاطین برصغیر میں حکمران تھے۔ یہ دور حقیقتاً سیاسی اور مذہبی لحاظ سے برصغیر کی تاریخ میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں تبلیغ اسلام کا عظیم کارنامہ دو عظیم صوفیاء نے انجام دیا۔ ملتان میں حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ اور پاک پتن میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے جبکہ حضرت بابا صاحبؒ کے کام کی اہمیت خواجہ بہاء الدین زکریاؒ کے کام سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ اس دور میں پورا برصغیر

Marfat.com

حضرت بابا صاحبؒ کے خلفا کے فیوض و برکات سے مستنیر تھا۔ اس طرح اس دور کے حقیقی سرخیل حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ ہیں اور سچ یہ ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ کے بعد حضرت گنج شکرؒ پاکستان میں سب سے بڑے بزرگ اور سلسلہ چشتیہ کے سب سے اہم ستون سمجھے جاتے ہیں۔ آپ نے شریعت و طریقت کی ہم آہنگی سے ایک ایسا راہ اختیار کیا جس میں عشق کی وارفتگیاں اور عقل کے ضوابط بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تربیت یافتہ حضرات جہاں وادی عشق کے رہنما تھے اور زاہد و عابد اور متقی تھے، وہاں شرع محمدیؐ کے جید اور سر برآوردہ علمائے روزگار بھی تھے۔

نام ولقب

آپ کا اسم گرامی مسعود اور القابات فریدالدین اور گنج شکر ہیں۔ ایک روایت ہے کہ فریدالدین کا لقب آپ کو شیخ فریدالدین عطارؒ، صاحب ''تذکرۃ الاولیا'' نے اپنے لقب کی مناسبت سے عطا کیا تھا جب آپ کی ملاقات ان سے نیشاپور میں ہوئی تھی۔

گنج شکر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کئی روایات نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت جو زیادہ قریب الفہم ہے، درج ذیل ہے:

فرمایا کہ تمہارے پاس کیا سامان ہے۔ قافلے والوں نے جواب دیا، نمک ہے۔ آپ نے فرمایا نمک ہوگا۔ آپ کے ارشاد سے شکر کی سب بوریاں نمک بن گئیں۔ قافلے والوں پر جب یہ انکشاف ہوا تو وہ سخت پریشان ہوئے۔ سمجھ گئے اس درویش کی بددعا لگی ہے۔ آپ کے پاس حاضر ہو کر معافی کے طالب ہوئے تو آپ نے فرمایا غم نہ کر۔ اگر شکر تھی تو شکر ہو جائے گی۔ خان خاناں بیرم خان نے اس بارے میں یہ شعر کہا:

کان نمک جہان شکر شیخ بحر و بر
آں کز شکر نمک کند و از نمک شکر

(تذکرہ گلزار ابرار، ص 49 / اردو ترجمہ اخبار الاخیار، ص 119 / اردو ترجمہ گنج اسرار، ص 16)

مزید یہ کہ آپ کی شیریں کلامی خود شکر گوئی کا درجہ رکھتی تھی جیسا کہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند
زان قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

چنانچہ شکر گوئی اور شکر خائی وغیرہ کی تراکیب فارسی زبان میں شیریں کلامی اور بلیغ بیانی کے لئے اکابر شعراء و ادباء کے کلام میں عام استعمال ہوئی ہیں اور خلق شکریں (Sweet Manners) اس پر مزید اضافہ ہے۔

نسب نامہ اور جائے پیدائش

آپ کا نسب نامہ حضرت فرخ شاہ کابلیؒ کے واسطہ سے خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطابؓ تک جا پہنچتا ہے۔ حضرت فرخ شاہ کابلیؒ برصغیر کے کئی برگزیدہ بزرگوں کے جد اعلیٰ ہیں۔ مثلاً حضرت شاہ نصیرالدین چراغ دہلویؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، میاں میر لاہوریؒ۔

آپ کے والد جمال الدین سلیمان عالم فاضل اور بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ عابد اور شب زندہ دار تھے۔ اسی طرح

Marfat.com

آپ کی والدہ صاحبہ بی بی قرسم خاتون عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں اور درجہ ولایت پر فائز تھیں۔ آپ کے دادا محترم کا اسم گرامی حضرت شیخ شعیب تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد سلطان شہاب الدین غوری کے عہد حکومت میں کابل سے لاہور پہنچے۔ یہاں سے آپکے والد ملتان آ گئے اور موضع کھوتی وال (کھوتی جاٹوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے) موجودہ کوٹھی وال میں مقیم ہوئے۔ یہاں آپ کی شادی مولانا وجیہہ الدین خجندیؒ کی صاحبزادی بی بی قرسم خاتون کے ساتھ ہوگئی۔ اسی مقام پر آپ کی ولادت ہوئی۔

آپ کی ولادت کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ 569ھ (سیر الاولیاء ص 94)، 584ھ (تاریخ فرشتہ بمبئی 725:2) اور 575ھ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ 339:15) ان میں سے ہمارے نزدیک ''سیر الاولیاء'' کی روایت زیادہ قابل ترجیح ہے یعنی آپ 569ھ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت

ولادت کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت بابا صاحبؒ کے والد انتقال فرما گئے اور آپ کی تعلیم و تربیت کا سارا بار آپکی والدہ ماجدہ پر آ پڑا۔ سات سال کی عمر میں آپ نے ابتدائی دینی کتب ختم کر لیں تو مزید تعلیم کے لئے آپ کو ملتان بھیج دیا گیا۔ وہاں آپ نے مولانا منہاج الدین ترمذیؒ کی مسجد میں قیام کیا اور ان سے علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کرنی شروع کر دی۔ آپ نے دو تین سال کے اندر تفسیر، حدیث، اصول، معانی، فلسفہ، منطق، ریاضی، ہیئت وغیرہ کے اسباق ختم کر لئے۔ اسی دوران آپ نے قرآن کریم حفظ کیا۔ روایت ہے کہ ہر رات ایک قرآن کریم ختم کیا کرتے تھے۔

بیعت

تعلیم کے دوران جب آپ مولانا منہاج الدینؒ سے فقہ کی کتاب ''نافع'' پڑھ رہے تھے تو حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ ملتان تشریف لائے۔ ایک دن آپ نماز کے لئے اس مسجد میں تشریف لائے جہاں حضرت بابا صاحبؒ مقیم تھے اور اس وقت پڑھ رہے تھے۔ آپ کے دریافت کرنے پر حضرت بابا صاحبؒ نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا کہ ''نافع'' پڑھ رہا ہوں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا انشاء اللہ تیرے لئے نافع ہی ہوگی۔ آپ کی باطنی توجہ سے حضرت بابا صاحب کے دل میں ایک انقلاب برپا ہو گیا اور آپ پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی اور عرض کی کہ مجھے اپنے حلقہ ارادت میں شامل فرما لیں، تو آپ نے اپنا ہاتھ ان سے بیعت کے لئے بڑھایا۔ کتاب ''خیر المجالس'' میں ہے کہ اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی اور جب آپ نے حضرت بابا صاحبؒ کو بیعت فرمایا تو انہیں مخاطب کر کے یہ رباعی پڑھی:

مقبول توجز مقبل جاوید نہ شد
وزلطف تو ہیچ بندہ نو میدنہ شد
لطف بہ کدام بندہ پیوست دمے
کاں ذرہ بہ از ہزار خورشید نہ شد

جب آپ ملتان سے دہلی روانہ ہونے لگے تو حضرت بابا صاحبؒ بھی آپ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ حضرت بختیار کاکیؒ نے فرمایا: بابا فرید (اس زمانے میں بابا کا لفظ بچے کے لئے استعمال ہوتا تھا) ابھی کچھ عرصہ ملتان

Marfat.com

رہ کر علوم ظاہری حاصل کرو۔ اس کے بعد میرے پاس دہلی آ جانا۔ آپ نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی اور پانچ سال تک ملتان میں تحصیل علوم میں مصروف رہے اور اس کے بعد تکمیل علوم ظاہری و باطنی کے لئے بلخ، بخارا، بیت المقدس، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، غزنی، بغداد، سیستان، بدخشاں اور قندھار تشریف لے گئے اور وہاں کے مشائخ سے کسب فیض کیا۔ ان میں سے چند مشہور شخصیتوں کے نام یہ ہیں: شیخ شہاب الدین سہروردیؒ۔ م 633ھ، شیخ فریدالدین عطار نیشاپوریؒ۔ م 627ھ، شیخ اوحدالدین کرمانیؒ۔ م 635ھ، شیخ سعدالدین حمویؒ۔ م 658ھ، شیخ سیف الدین باخرزیؒ۔ م 658ھ اور دادا پیر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ۔ م 627ھ سے بھی استفادہ کیا۔

شیخ کی خدمت میں حاضری

طویل سیاحت کے دوران جب آپ علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کر چکے تو ملتان واپس ہوئے۔ ملتان ان دنوں حضرت بہاء الدین زکریا سہروردیؒ کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ آپ نے ان سے ملاقات کی۔ اس کے بعد آپ اپنی والدہ سے ملنے موضع کھوتی وال تشریف لے گئے۔ والدہ انہیں علوم و فضائل کا منتہی دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ چند دن قیام کے بعد آپ مرشد کی ملاقات کے لئے دہلی روانہ ہوئے۔ دہلی پہنچ کر آپ سیدھے مرشد کے ہاں حاضر ہوئے۔ حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ صاحب نے عطا و کرم کا دروازہ مجھ پر کھول دیا اور فرمایا کہ اے فرید! خوب ہوا، تم اپنا کام پورا کر کے میرے پاس آئے ہو۔ آپ نے انہیں مزید مجاہدات و ریاضات کا حکم دیا۔

خرقہ خلافت

جونہی آپ درجہ کمال کو پہنچے مرشد نے سند خلافت عطا کر دی اور ہدایت کی ہانسی جا کر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام کرو۔ آپ مرشد کے ارشاد کے مطابق ہانسی تشریف لے گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ کے شیخ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کا وصال ہو گیا۔ وصال سے قبل حضرت خواجہ صاحبؒ نے اپنا خرقہ، عصا، نعلین، مصلیٰ اور دیگر تبرکات اپنے ایک خلیفہ حضرت قاضی حمیدالدین ناگوریؒ کے سپرد کئے اور وصیت کی کہ میرا جانشین فریدالدین مسعود ہوگا اور یہ سب تبرکات میرے بعد اسے دے دیئے جائیں۔ حضرت بابا صاحبؒ مرشد کے وصال کے تیسرے دن دہلی پہنچے اور آپ کے مزار پر جا کر فاتحہ خوانی کی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ صاحبؒ کے سب خلفاء اور ارباب صحبت جمع ہوئے اور سب نے حضرت بابا صاحبؒ کو حضرت خواجہؒ کا جانشین تسلیم کر لیا۔ اسی مجلس میں تبرکات بھی آپ کے سپرد کر دیئے گئے۔ اس طرح پاک و ہند میں سلسلہ چشتیہ کی سیادت و رہنمائی کا کار عظیم حضرت بابا صاحبؒ کے سپرد ہوا۔ چنانچہ آپ شیخ کی وفات کے بعد ہانسی سے اجودھن (پاکپتن شریف) آ گئے اور آخر عمر تک یہیں ارشاد و ہدایت میں مصروف رہے۔ (سیر العارفین، ص 33)

اجودھن (پاکپتن) میں شہرت و مقبولیت

اجودھن میں آپ کی عبادت و ریاضت کی شہرت پھیلی اور آپ کے رشد و ہدایت کے اثرات سے نہ صرف پنجاب متاثر ہوا بلکہ تمام برصغیر میں آپ کی تعلیمات عام ہوئیں اور دور دور سے بندگان خدا حق کی تلاش کے لئے آپ کے آستانے پر حاضر ہونے لگے۔ ایک مرتبہ سلطان ناصرالدین محمود اپنے لشکر کے ہمراہ اجودھن سے گزرا تو سلطان نے آپ کی خدمت میں حاضری دی اور ملاقات کے بعد اپنے نائب السلطنت الغ خاں (سلطان غیاث الدین بلبن) کو ایک کثیر رقم

Marfat.com

اور چار گاؤں کا فرمان دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ زر نقد تو درویشوں کے کام آئے گا۔ لیکن چار گاؤں کی مجھے ضرورت نہیں، اس کے طالب اور بہت ہیں۔ (فوائد الفواد۔ ص 99) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں ہر قسم کے درویش اور غیر درویش پہنچتے تھے۔ (فوائد الفواد ص 5)۔ نیز فرماتے ہیں کہ طالبان حق اس شمع معرفت کے گرد ہر وقت جمع رہتے تھے اور آپ کی خانقاہ کا دروازہ آدھی رات تک کھلا رہتا تھا۔ (سیر الاولیاء، ص 64)

ریاضتیں ومجاہدے

راہ سلوک وطریقت میں آپ نے جو ریاضتیں اور مجاہدے کیے ہیں، مختلف تذکرہ نگاروں نے ان کی تفصیلات بیان کی ہیں: کتاب ''راحت القلوب'' میں خود آپ کا بیان ہے کہ آپ بیس سال تک اکثر عالم تفکر میں کھڑے رہتے تھے۔ جس سے ان کے پاؤں متورم ہو جاتے تھے۔ اوران سے خون بہنے لگتا تھا۔ (بزم صوفیہ بحوالہ راحت القلوب ص۔ 29)

''سیر الاولیاء'' میں حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بابا صاحبؒ بیمار ہوئے تو عصا کا سہارا لے کر چلنا چاہا۔ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا اور عصا کو پھینک دیا اور استفسار پر فرمایا کہ عصا کا سہارا لیا تھا تو مجھ پر عتاب ہوا کہ تم ہمارے سوا غیر کا سہارا لیتے ہو۔ (ص 81)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ مزید فرماتے ہیں کہ آپ نے مخلوق سے علیحدگی اختیار کر رکھی تھی۔ جنگلوں میں رہتے تھے اور درویشانہ روٹی اور جنگل کے پھول پھل کھا کر گزارہ کرتے تھے حالانکہ آپ کے پاس نعمتیں موجود تھیں۔ (سیر الاولیاء۔ ص 64) اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ اگر کوئی عارضہ لاحق ہوتا، فصد لیتے تب بھی روزہ افطار نہ کرتے تھے۔ (سیر العارفین۔ ص 48)

''اخبار الاخیار'' میں ہے کہ آپ شربت سے روزہ افطار کرتے تھے۔ ایک پیالہ شربت جس میں منقیٰ بھی ہوتا تھا، میں سے نصف تقسیم فرما دیتے اور باقی خود استعمال کرتے تھے۔ اسی طرح گھی والی دو روٹیاں لائی جاتیں تو آپ کچھ کھا کر بقیہ حاضرین میں تقسیم فرما دیتے اور اسی کمبل میں سوتے جس پر دن میں بیٹھتے تھے۔ یہ اس قدر چھوٹا تھا کہ آپ کے پاؤں باہر نکلے رہتے تھے۔ (اخبار الاخیار، ص 52)

''تاریخ مشائخ چشت'' میں پروفیسر خلیق احمد نظامی آپ کے مجاہدوں کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں: ''بابا فریدؒ نے عبادت وریاضت میں جو کوششیں کی تھیں وہ انہیں کا حصہ تھا۔ چلہ معکوس، مسلسل روزوں اور کریلے اور پیلو کی غذا نے ان کے جسم کو لاغر وناتواں بنا دیا تھا۔ آخر عمر میں ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ چالیس سال تک جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا بندہ مسعود نے وہی کیا۔ اب چند سال سے جو کچھ مسعود کے دل میں ہوتا ہے یا مانگتا ہے وہی پاتا ہے۔ (تاریخ چشت، ص 162)

ذوقِ سماع

سلسلہ چشتیہ کے بزرگوں کے اشغال میں سماع کو ہمیشہ خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ حضرت بابا صاحب اسی سلسلہ کے ایک گوہر تابدار تھے۔ آپ کی ہستی والا کو بھی سماع سے کافی شغف تھا۔ آپ کے ذوق سماع کا عجیب عالم تھا۔ آپ بڑے اہتمام سے سماع کی محفلیں منعقد فرماتے اور کیف وعرفان سے لبریز اشعار پر آپ پر وجد طاری ہو جاتا اور

Marfat.com

پہروں سر دھنتے رہتے۔ ایک مرتبہ ایک قوال محمد شاہ نے جب غزل پڑھنی شروع کی تو آپ پر وجد طاری ہو گیا۔ اس حال میں کبھی رقص بھی فرماتے تھے اور کبھی تحیر میں کھو جاتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن رات گزر گیا۔ نماز کے وقت ہوش میں آ جاتے، اس کے بعد پھر حالت وجد میں آ جاتے، غزل کا ایک شعر ہدیہ قارئین ہے:

نہ ہر تر دامنے را عشق زیبد
نشان عاشقی از دوز پید است

سماع کے بارے میں حضرت بابا صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر سماع اور تحیر میں مستغرق ہونیوالے گروہ پر حالت وجد میں لاکھ تلوار بھی چلائی جائے اور انہیں کچھ خبر نہ ہو تو اس گروہ کا سماع ٹھیک ہے۔ آپ نے اس سوال کے جواب میں کہ اہل سماع کی بے ہوشی کی وجہ کیا ہے؟ اپنے شیخ کے حوالہ سے ارشاد فرمایا: اہل سماع نے جس روز سے ''الست بربکم'' ندا سنی ہے وہ اسی روز سے بے ہوش ہیں اور اس دنیا میں ان کی بے ہوشی عالم ارواح کی اس بے ہوشی کا اثر ہے۔

خشیت الٰہی

حضرت بابا صاحبؒ کی خشیت الٰہی کی کیفیت کے بارے میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ حجرے میں تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ اٹھتے ہیں اور سجدہ میں جا کر یہ مصرعہ پڑھتے ہیں:

از مہر تو میرم از برائے تو زیم

(سیر العارفین، ص 54)

حضرت بابا صاحبؒ نہایت گداز قلب کے مالک تھے۔ دوسروں کو نصیحت کرتے ہوئے خود آپ پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ اس شعر کو جب پڑھتے تو ہائے ہائے کر کے روتے اور بے ہوش ہو جاتے:

در کوئے عاشقاں چناں جاں را بدہند
کانجا ملک الموت نگنجد ہر گز

حب رسولؐ

حضرت بابا صاحبؒ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی تھے اور انہوں نے اپنے آپ کو حضور اکرمؐ کی محبت میں فنا کر دیا تھا۔ جب مجلس میں آپ کا ذکر آ جاتا تو حضرت بابا صاحبؒ بے اختیار ہو جاتے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ اتباع سنت کا یہ عالم تھا کہ آپ کبھی غیر موکدہ سنن اور نوافل بھی ترک نہ کرتے تھے۔ آپ زندگی کے ہر شعبہ میں حضور اکرمؐ کے اسوہ حسنہ کو دلیل راہ سمجھتے تھے اور اس کی پیروی کو اپنے لئے اور دوسرے مسلمانوں کے لئے نجات کا باعث خیال کرتے تھے۔

اخلاق حسنہ

حضرت بابا صاحبؒ کا ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت ایک تھا۔ چنانچہ آپ نے کوئی ایسا مخفی کام نہیں کیا، جو ظاہر نہ فرما دیا ہو۔ آپ حد درجہ شیریں بیان تھے۔ دنیا آپ کو اسی وجہ سے گنج شکر کہتی تھی۔ متواضع و منکسر مزاج اتنے تھے کہ ایک مرتبہ پاؤں میں تکلیف تھی۔ مریدین کی مجلس میں گئے تو چارپائی پر بیٹھ گئے۔ لیکن اہل مجلس سے معذرت کرتے ہوئے

Marfat.com

فرمایا: ''حیات شامی باید و حیات ما متعلق بہ شما است''۔ (فوائد لفواد، ص 251)

آپ اپنے لئے فقیر، درویش اور عاجز کے الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ آپ نے تمام زندگی فقیرانہ شان اور درویشانہ بے نیازی کے ساتھ ایک کچے مکان اور اونچی خانقاہ میں گزار دی۔ استغناء کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ ہاتھ لگتا وہ راہ خدا میں تقسیم فرما دیتے۔ فرمایا کرتے تھے جو شخص رزق جمع کرتا ہے وہ اللہ کی تمام عنایتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

علم و فضل

آپ علوم رسمیہ و شرعیہ کے ماہر تھے۔ تعلیم و تعلم سے آپ کو خاص شغف تھا۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے آپ کو خاص عقیدت تھی۔ آپ نے ان سے ''عوارف المعارف'' پڑھی تھی۔ چنانچہ آپ اس کتاب کا درس دیتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کتاب کے پانچ باب آپ سے پڑھے ہیں۔ آپ ''عوارف المعارف'' کا درس اتنے دلکش انداز میں دیتے تھے کہ سامعین اس میں محو ہو جاتے تھے۔ آپ کے درس کی لذت کی کیفیت کو حضرت محبوب الٰہیؒ نے یوں بیان کیا ہے:

''از لذت بیان ایشاں مرا حالتے پیدا شدے کہ اگر در آں حالت کسے بہ میر دو دولتے حاصل نمودہ باشد۔''

اس کتاب کی تدریس کے دوران حضرت بابا صاحبؒ کے ہاں ایک صاحبزادہ تولد ہوا تو آپ نے اس کا نام بھی صاحب کتاب سے عقیدت کی بناء پر ان کے نام پر شہاب الدین رکھا۔ حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے آپ سے ابوشکور سالمی کی ''تمہید المہتدی'' پڑھی تھی۔ شیخ بدر الدین اسحاق جو ممتاز عالم تھے۔ انہوں نے اپنے علمی اشکال کے لئے جو دہلی کے علماء سے حل نہ ہوئے تھے، بخارا جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن جب اجودھن پہنچے تو حضرت بابا صاحبؒ نے ان کے تمام اشکال علمی بحث و تقریر اور حکایات سے اس طرح حل کر دیئے کہ آپ حیران رہ گئے، اور بخارا جانے کا ارادہ ترک کر کے آپ کی خدمت میں رہنے لگے۔ آپ نے انہیں اپنے حلقہ ارادت میں شامل کیا اور خلافت و دامادی کے شرف سے نوازا۔ (سیر الاولیا۔ ص 17)

تبلیغ

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے برصغیر میں طریقہ چشتیہ کا جو مبارک پودا لگایا تھا حضرت بابا صاحبؒ نے اس کی آبیاری اور پرداخت اس خوبی سے کی کہ حضرت خواجہ اجمیریؒ کے بعد وہ اس طریقہ کے موسس ثانی کی حیثیت اختیار کر گئے۔ چنانچہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے آپ کے متعلق جو پیش گوئی کی تھی کہ ''فرید ایک شمع ہے جس کی بدولت خانوادہ درویشاں منور ہو جائے گا'' پوری ہوئی۔ آپ نے تبلیغ اسلام کے لئے اپنے زیر تربیت خلفا پاک و ہند کے گوشے میں پھیلا دیئے۔ ''جواہر فریدیؒ'' کی روایت کے مطابق آپ کے خلفاء کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ جن میں سے حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ، مخدوم صابر کلیریؒ اور شیخ جمال الدین ہانسویؒ نے بے پناہ تبلیغی کام کیا اور ان سے تین عظیم ذیلی سلسلے نظامیہ، صابریہ اور جمالیہ جاری ہوئے۔ غرض روحانی فیوض و برکات کا چشمہ جو اجمیر شریف میں پھوٹا تھا، حضرت بابا صاحبؒ کی ان تھک محنت سے ایک طاقتور دھارا بن گیا۔ جس سے نہ صرف سرزمین پاک و ہند سیراب ہوئی بلکہ اس کی لہریں چین، ملایا، انڈونیشیا، برما اور افغانستان تک جا پہنچیں۔ برصغیر میں اس کے اہم مراکز اجمیر، دہلی، پاکپتن، ہانسی، کلیر

Marfat.com

شریف اور دیوگری وغیرہ علاقے تھے۔ جو طریقہ چشتیہ کی ترویج کی خانقاہوں ہی سے عبارت نہ تھے بلکہ برصغیر میں اشاعت اسلام کے سرچشمے بھی بن گئے۔

تعلیمات

حضرت بابا صاحبؒ کی تعلیمات کے منابع جو اس وقت ہمیں دستیاب ہیں، درج ذیل ہیں:

1۔ ان کی تالیفات ''گنج اسرار'' اور ''فوائد السالکین''۔ 2۔ ان کے ملفوظات ''راحت القلوب'' تالیف حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ۔ 3 ''جواہر فریدی''، ''سیر الاولیا'' اور ''سیر العارفین'' جیسے تذکروں میں ان کے اقوال وفرمودات اور ان کا فارسی کلام۔ 4۔ بول فریدی یا پنجابی نظمیں۔

حضرت بابا صاحبؒ کی عظیم شخصیت کی تعلیمات سے چند درج ذیل ہیں:

1۔ تزکیہ سے مراد ہے کہ نفس کو برائیوں سے پاک کیا جائے، تصفیہ کا مطلب ہے دل کو آلودگیوں سے صاف کیا جائے اور تجلیہ، روح کی روشنائی کا نام ہے۔

(اردو ترجمہ گنج اسرار۔ ص 24)

2۔ اگر لوگوں کو علم کا درجہ معلوم ہو جائے تو تمام کام چھوڑ کر تحصیل علم میں مشغول ہو جائیں۔

(راحت القلوب ص 58)

3۔ جو شخص خدا سے کلام کرنا چاہے، وہ قرآن مجید پڑھے۔ (راحت القلوب)

4۔ نفس ریاضت، مجاہدہ اور اطاعت الٰہی کے ذریعہ پاک ہوتا ہے۔ (گنج اسرار۔ ص 25)

5۔ دل کے سات گوشے ہیں، ہر گوشے میں ایک گوہر ہے۔ پہلا گوہر ذکر ہے، دوسرا محبت، تیسرا عشق، چوتھا سر (بھید)، پانچواں روح، چھٹا معرفت اور ساتواں فقر ہے۔ (گنج اسرار، ص 29)

6۔ حصول مدعا کے لئے عمل کے تین درجے ہیں، ایک شریعت، دوسرا طریقت اور تیسرا حقیقت۔ شریعت کے لئے تزکیہ نفس، طریقت کے لئے تجلیہ روح اور حقیقت سے مراد خدا کی رضا اور اس کا قرب ہے۔ (گنج اسرار۔ ص 31)

7۔ جو ذکر الٰہی کثرت سے کرتا ہے وہ دیو پری کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔

8۔ کرامت کو ظاہر نہیں کیا کرتے۔ (راحت القلوب۔ ص 53)

9۔ اس راہ (فقر) کا اصول دل کی صلاحیت ہے۔ یہ صلاحیت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب باطن تمام دنیاوی مذمومات جسد، تکبر اور حرص و بخل سے پاک ہو جائے۔ (راحت القلوب۔ ص 17)

10۔ فقراء اہل عشق ہیں اور علماء اہل عقل۔ حق آگاہ وہ ہے جس میں دونوں ہوں۔

حضرت بابا صاحبؒ کا کلام

حضرت بابا صاحبؒ فارسی میں شعر کہتے تھے۔ علاوہ ازیں انہوں نے برصغیر میں اردو اور پنجابی زبان وادب کی بنیاد رکھی۔ اردو زبان کے آغاز کے بارے میں روایت ہے کہ آپ آنکھ پر پٹی باندھے اپنے شیخ کو وضو کروا رہے تھے۔ انہوں نے پوچھا ایسا کیوں ہے۔ ہندی میں جواب دیا: ''آنکھ آئی ہے''۔ شیخ نے فرمایا: ''اگر آئی ہے چرا بستہ آید''۔

Marfat.com

علاوہ ازیں حضرت باباصاحبؒ سے اردواشعار بھی منسوب ہیں۔مثلاً:

وقت سحر وقت مناجات ہے
...... وقت کہ برکات ہے

آپ کا پنجابی کلام گرنتھ صاحب میں شامل ہے۔اب الگ بھی مطبوعہ ملتا ہےاور پنجابی زبان وادب کی اعلیٰ تعلیم میں شامل ہے۔تبرکاً ایک شعر پیش ہے:

رکھی سکی کھائے کے ٹھنڈا پانی پیئو
فریدا ویکھ چوپڑی نہ ترسائیں جیئو

آپ کے فارسی کلام کی ایک رباعی ہدیہ ناظرین ہے:

روگرد جہاں گردو پا آبلہ کن
گرہیچومنی یابی، مارابلہ کن
یک صبح باخلاص بیا بردرِ ما
گرکار تو برناید آنکہ گلہ کن
(خزینۃ الاصفیاء،ص182)

شادی اوراولاد

حضرت باباصاحبؒ کی زوجہ سلطان غیاث الدین بلبن کی بیٹی ہزیرہ تھیں۔ان سے آپکے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں،ان کے اسماء دیکھئے خزینۃ الاصفیاء۔ص286۔

خلفاء

حضرت باباصاحبؒ کے بے شمار خلفاء میں سے بیس کے اسما''سیرالاقطاب'' میں ملتے ہیں۔ان میں سے چند ممتاز خلفاء یہ ہیں:شیخ علی احد صابر کلیریؒ،خواجہ نظام الدین اولیاؒ،شیخ جمال الدین ہانسویؒ اورشیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ۔

وفات اورمزار

آپ کی وفات کی دوروایات یہ ہیں۔670ھ(تاریخ فرشتہ)اور664ھ(سیرالاولیاء)۔ان میں سے اہل تحقیق نے 5۔محرم664ھ/17اکتوبر1265ء(سیرالاولیاء)کوصحیح قراردیا ہے۔اس رو سے آپکی عمر95سال ہوئی۔ مزار پاکپتن شریف میں مرجع خلائق ہےاورمحکمہ اوقاف پنجاب کے زیرانتظام ہے۔یہاں کی ایک وجہ شہرت بہشتی دروازہ ہے۔

مآخذ

1۔خزینۃ الاصفیا:مفتی غلام سرور۔2۔اخبارالاخیار،اردوترجمہ:عبدالحق محدث دہلویؒ۔3۔گلزارابرار،اردو ترجمہ:محمد غوثی مانڈوی4۔گنج اسرار،اردوترجمہ:حضرت باباصاحبؒ۔5۔فوائد السالکین:حضرت باباصاحبؒ6۔

سیرالاولیاء: میرخورد کرمانی۔ 7۔ راحت القلوب (اردو ترجمہ): خواجہ نظام الدین اولیاؒ۔ 8۔ سیر العارفین۔ جمالی دہلوی۔ 9۔ سیر الاقطاب۔ اللہ دیا۔ 10۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج 15۔ مضمون حضرت فرید الدین گنج شکرؒ، 11۔ بول فریدی: ڈاکٹر فقیر محمد فقیر۔

(حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر: حیات، شخصیت، آثار اور تعلیمات۔ تحریر محمد نسیم عباسی۔ مطبوعہ لاہور)

Marfat.com

محمد مسعود خالد

فلسفہ تکریم انسانیت‘ معقولیت‘ فلسفہ کے جدید تصورات اور حضرت بابا صاحبؒ کی تعلیمات

دنیا میں کوئی شے جامد وساکت نہیں۔ ہر شے میں تغیر کا عمل جاری وساری ہے۔حتیٰ کہ انسانی معاشرہ اور انسان کے تصورات بھی ارتقاء پذیر ہیں۔ معاشرتی ارتقاء کے نتیجے میں جس طرح زندگی منظم ہو رہی ہے۔ معاشرے کی ہیئت ترکیبی اور ساخت میں نظم وضبط فروغ پارہا ہے۔ زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق ان میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے بہت سے ادارے منظم ہو چکے ہیں ان اداروں میں توافق پیدا کرنے کے لئے مزید ادارے وجود میں آ چکے ہیں اور بالآخر بین الاقوامی اداروں نے منتشر معاشروں کو ایک لڑی میں پرو لیا ہے۔ اسی طرح علوم وافکار میں بھی نکھار پیدا ہو رہا ہے۔ ان کے الگ الگ خدوخال نمایاں ہوئے ہیں اور یہ افکار اپنی جداگانہ حیثیت سے باقاعدہ علوم کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ مختلف علوم اپنی ابتدائی اور ناپختہ شکل میں مذہبی تعلیم ہی کا حصہ ہوا کرتے تھے مثال کے طور پر عمرانیات (Sociology) نے جداگانہ علم کی حیثیت بیسویں صدی میں اختیار کی ہے۔ عمرانیات کا موضوع انسانی معاشرے میں رونما ہونے والی تبدیلیوں میں کارفرما قوانین سے بحث کرنا اور معاشرے میں حرکت کے عمومی اصولوں کو دریافت کرنا ہے۔

جبکہ صدیوں پیشتر ابن خلدون نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''مقدمہ تاریخ ابن خلدون'' میں بھی مختلف معاشروں، تہذیبوں کے عروج وزوال میں کارفرما عوامل سے بحث کرتے ہوئے ایسے ہی عمرانی اصول وقواعد دریافت کئے ہیں۔ اسی وجہ سے آج ابن خلدون کو عمرانیات کا بانی تسلیم کیا جاتا ہے۔

جبکہ ان کے اپنے زمانے میں عمرانیات نامی کسی علم کا الگ وجود نہ تھا۔ اگرچہ تکریم انسانیت (Humanism) نے یورپ کے نشاۃ ثانیہ کے دور میں ایک باقاعدہ نظریاتی علم کی شکل اختیار کی۔ اٹلی کے پیٹرارک، لورینزو ویلا، جرمنی کے ایرازمس جان رچلن، برطانیہ کے جان لاک، سپنوزا، ہابز اور فرانس کے مونٹیسکو، دیدرو اور ہولباخ کی تکریم انسانیت سے متعلق خدمات کی اہمیت سے انکار نہیں۔ لیکن انکی ہی خدمات فلسفہ تکریم انسانیت کی تاریخ کو نشاۃ ثانیہ کے اس دور سے مخصوص کر دینے کا جواز فراہم نہیں کرتیں۔ بلاشبہ کسی فکر کا جنم لینا یا احساس کا پیدا ہونا کوئی اتفاقی یا حادثاتی امر نہیں ہے۔ ہر سیاسی فکر، معاشی نظریے، معاشرتی رویے اور اخلاقی ضابطے کے پیچھے ایک پوری تاریخ موجود ہوتی ہے۔ جوان افکار کے جنم لینے کے اسباب وحرکات کی نشاندہی کرتی ہے۔ جن حساس ذہنوں میں یہ افکار جنم لیتے ہیں۔ قومی طرز

Marfat.com

احساس بنانے میں انکا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ معروضی زندگی افکار کو جنم دیتی ہے اور جب ان افکار کا بیج قوم کے ذہنوں کی زمین میں بویا جائے تو زندگی کا ایک شگفتہ نمونہ بنکر نمودار ہوتے ہیں۔ جس طرح پھول زمین سے اپنا رنگ روپ لے کر کھلتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ وہ خاک سے بے رنگ اگتا ہے اور بعد میں اسکی پتیوں پر گلکاری کی جاتی ہے۔ اسی طرح افکار بھی کسی معاشرے کے مخصوص طرز احساس اور ثقافت و تہذیب کی زمین سے اپنے خدوخال لے کر ابھرتے ہیں۔ ہیومن ازم کی تحریک کا خطہ ایشیاء میں اپنا مخصوص رنگ ہے۔ پورے کرہ ارض پر ہیومن ازم کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی خود طبقاتی معاشرے کی۔ جوں جوں طبقوں میں تضاد اور جدل منظم ہوتا گیا' ویسے ہی ہیومن ازم کے نظریات اپنے خدوخال نمایاں کرتے رہے اور آج یہ نظریات نکھر کر ایک با قاعدہ اور الگ علم کی صورت میں منظم ہو چکے ہیں۔ ان نظریات کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے بہت سی قوتیں سرگرم عمل رہی ہیں۔

کیونکہ افکار اپنے اپنے وقت اور مقام کے لحاظ سے کسی نہ کسی طبقے کی سماجی ضرورتوں کو پورا کرنے لئے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس لئے کسی بھی فکر کی وسعت و گہرائی اور ہدف وسمت کے صحیح تعین کے لئے ضروری ہے کہ اس کے تہذیبی پس منظر اور ماحول کا مطالعہ کیا جائے۔

پس منظر

انسانی معاشرے کی تاریخ کی ابتداء میں جب غلاموں اور لونڈیوں کی خرید وفروخت کے لئے منڈیاں لگتی تھیں اور انسان بھیڑ بکریوں کی طرح خریدے اور بیچے جاتے تھے۔ ان سے کھیتی باڑی کا کام لیا جاتا تھا۔ غلام نہ اپنے جسم کے مالک نہ اپنی جان کے مالک اور نہ ہی اپنی محنت سے اُگائی ہوئی پیداوار کے مالک۔ جب بڑھاپے میں غلام اور لونڈیاں مشقت کرنے کے قابل نہیں رہتے تھے تو انہیں آبادی سے باہر ویران علاقوں میں بھاری لکڑیوں کے ساتھ باندھ کر مرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا تھا۔ غلام داری کو مروجہ مذاہب اور مروجہ قوانین کی حمایت حاصل تھی۔ غلام اور آقا کے تعلقات کے تعین کے لئے با قاعدہ قوانین موجود تھے اور اگر کوئی آقا اپنے غلام کو قتل کر دیتا تو یہ اس کا حق سمجھا جاتا تھا۔

جب زراعت نے کچھ ترقی اور معاشرہ غلام داری سماج سے جاگیرداری معاشرہ میں داخل ہوا تو نئی ضرورتوں اور تقاضوں کے مطابق نئی اقدار نے جنم لیا۔ اب طبقات کے درمیان تعلقات کی نوعیت کچھ بدل گئی مگر پھر بھی وسائل رزق سے محروم طبقہ پیٹ بھر روٹی' پورے تن کے کپڑے اور پناہ کے لئے چھت حاصل کرنے کی غرض سے اہل ثروت ہی کا محتاج رہا۔ پورے کنبے کی طویل بیگار اور جانکاہ مشقت سے ٹوٹے جسم' منہ کا نوالہ اور پیروں تلے زمین چھن جانے کا ہر وقت خوف، آقاؤں کے غرور تلے روندی ہوئی عزت نفس' درباری کتوں کی دست درازی سے غیر محفوظ دہشت زدہ عزتیں، اجڑی ہوئی گرہستی، فاقہ زدہ آنگن، مجبور ماممتا، محروم بچوں کی کبھی پوری نہ ہونے والی معصوم خواہشات، جبر واستبداد کے شکنجے اور آفات ناگہانی کی یلغار میں بے بس انسانیت کی ملتجی نظریں، سر پر دسترس سے بہت دور آسمان، پُر فریب سہاروں پر شکستہ اعتماد۔

یہ وہ فضا تھی جس میں دکھی انسانیت نے استبدادی قوتوں سے نجات حاصل کر کے پُرمسرت خوشحال زندگی

Marfat.com

گزارنے کے سہانے خواب دیکھے۔ اس نجات کی خواہش نے تکریم انسانیت کے خیالات کو جنم دیا۔ ہیومن ازم کے نظریات جبر و استبداد کے خلاف جدوجہد میں جمہور کا ہتھیار ثابت ہوئے۔ انسانی ہمدردی اور مساوات کے ان خیالات نے طبقاتی قدروں پر تشکیل پانے والے نظام کے قلعے میں دراڑیں ڈالنا شروع کر دیں۔

ہیومن ازم کے بنیادی خدوخال

چودہویں اور پندرہویں صدی کی فرانس کی صد سالہ جنگ نے اس وقت کے پیدا ہونے والے ادب پر گہرے اثرات چھوڑے۔ انسانیت نواز خیالات کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا جو بالآخر روسو کی کتاب ''معاہدہ عمرانی'' کی شکل میں تشکیل پائے اور تکمیل کو پہنچے۔ برطانیہ میں سپنوزا سے جان لاک تک تمام انسان نوازوں نے مذہبی آزادی، آزادی فکر اور آزادی اظہار کا دفاع کیا۔ اٹلی میں پیٹرارک نے نسلی امتیاز کے خلاف جہاد کیا۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے دور میں انسانیت نواز فلسفیوں نے قوانین فطرت دریافت کرنے پر زور دیا۔ تاکہ انسان فطرت کی قوتوں پر غالب آ کر فطرت کو اپنا غلام بنائے نہ کہ فطرت کا غلام رہے۔ سماجی ارتقاء کے اصول دریافت کرنے پر زور دیا۔ تاکہ سماج میں تبدیلی لانے والے قوانین دریافت کر کے پسماندہ طبقات کو دکھ درد سے نجات دلائی جائے اور دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کے لئے جنگ کے خلاف تحریک چلائی جائے۔

ہیومن ازم کے ان خیالات کا ہدف اپنے وقت کی طبقاتی قدریں تھیں۔ یہ خیالات استبدادی قوتوں کے خلاف پسماندہ طبقات کا نصب العین تھے۔ جب انسانیت نواز فکر نے جمہوریت کی قوت عمل کو متحرک کرنا شروع کیا تو اس کا نتیجہ طبقاتی تصادم کی صورت میں برآمد ہوا۔ بیرونی فوج کی یلغار کو ہتھیاروں سے روکا جا سکتا ہے۔ مگر نظریات کی یلغار ہتھیاروں سے نہیں روکی جا سکتی۔ ایسی صورت میں نظریات کے انجذاب اور پھیلاؤ کو روکنے کیلئے مدمقابل نظریات کا حفاظتی بند ہی مزاحم ہوسکتا ہے۔ مگر نظریات کی یلغار ہتھیاروں سے نہیں روکنا ممکن نہیں۔

جس طبقے کا غلبہ معاشرے کی مادی قوتوں پر ہوتا ہے اسی کے خیالات و افکار کا سکہ چلتا ہے۔ ٹکراؤ سے بچنے اور اپنے مفادات کو دوام بخشنے کے لئے وسائل رزق پر قابض طبقے نے اپنی حفاظت کے لئے قوانین بنائے اور ان قوانین پر عمل درآمد کروانے کے لئے ادارے قائم کئے، قید خانے تعمیر کروائے اور ان مادی ہتھکنڈوں کے ساتھ ساتھ ذہنی اور اخلاقی حربے استعمال کئے۔ جمہور کو پستی کا خوگر بنائے' اطاعت کے سانچوں میں ڈھالنے، لوگوں کو ہر حالت میں خود اطمینانی کا عادی بنانے کیلئے مخصوص نظام فکر و احساس وضع کیا۔ تاکہ لوگ غلامی کی زنجیروں کو اپنا زیور مانیں۔ اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کو برحق جانیں۔ اپنی مجبوریوں اور محرومیوں کو اپنا مقدر سمجھیں۔ اپنی بے بسی اور بے چارگی کو معاشرے میں امن و سکون قائم رکھنے کا ذریعہ گردانیں اور انتہا یہ کہ اپنی پستی کو اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ قرار دے کہ اپنی بربادیوں کا ذمہ دار بھی خود ہی کو ٹھہرائیں۔

بھیڑیں جب اتنی سدھ جائیں کہ چرواہے کی ایک ہانک کافی ہو تو کتوں سے کیوں کام لیا جائے۔ وہ ہیومن ازم جو استبدادی قوتوں کو شکست دینے کے لئے جمہور کا ایک ہتھیار تھا' ایک تحریک تھی۔ حکمرانوں کے درباری اہل قلم

مصاحبین نے اسے ایک جامد عقیدے میں ڈھال دیا، فلسفہ تکریم انسانیت کی سمت طبقاتی تصادم سے بدل کر طبقات میں مصالحت اور مفاہمت کی طرف کر دی۔ جمہور میں عاجزی' انکسار اور دنیا سے لاتعلقی پیدا کرنے کیلئے ہیومن ازم کو استعمال کیا گیا۔ جمہور میں اپنے حقوق کے طلب کی جستجو کو ماند کر دیا۔ اور لوگوں کو اپنے حقوق سے دستبردار ہونے پر مائل کیا۔ نتیجہ اس بحث سے یہ نکلا کہ ہیومن ازم دراصل جمہور کی ایک انقلابی تحریک ہے جو انسانیت کو اس کا کھویا ہوا مقام دلانے کیلئے مساوات انسانی کے قیام کے لئے آزادی فکر و اظہار فکر اور معقولیت یا خرد افروزی کی ایک تحریک ہے۔ انسانوں کے ایک گروہ نے دوسرے گروہ کو اپنے زیر تسلط اور دست نگر رکھنے کیلئے توہمات کی نظر آنے والی ہتھکڑیاں ڈال رکھی تھیں اور انہیں ذات پات اور اونچ نیچ کے خود ساختہ قیاسی عقائد سے جکڑ رکھا تھا۔ تو ہیومن ازم ہی ایک ایسی شمع تھی جس نے انسانیت کے تاریک مستقبل کے لئے اجالا کیا۔ لیکن بعد ازاں اسکی انقلابیت کو کند کر دیا گیا۔

ہندوستان میں ہیومن ازم کا تاریخی پس منظر

دنیا میں جہاں کہیں ایک ہی قسم کے اسباب پیدا ہوتے ہیں تو ان سے نتیجہ بھی ایک ہی قسم کا برآمد ہوتا ہے۔ بعض عوامل اپنے عہد کے تقریباً سبھی معاشروں اور تہذیبوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ اور ان عوامل سے پیدا ہونے والا نتیجہ شکل و صورت کے لحاظ سے مختلف ہو تو ہو مگر اپنے جوہر کے لحاظ سے یکساں ہوتا ہے۔

غلام داری سماج سے جاگیرداری دور تک کے ارتقاء کے عبوری دور میں برصغیر کا معاشرہ ذات پات کے قوانین میں جکڑا ہوا تھا۔ اس وقت مذہب، پیشہ اور ذات ایک ہی حقیقت کے تین پہلو تھے۔ لوگ اپنی اپنی ذات کے متعین طریقوں پر زندگی گزارتے۔

ذات پات کا نصب العین انفرادی و اجتماعی زندگی کی تفصیلات پر پوری طرح حاوی تھا۔ ذات کی سختی اور جکڑ بندی نے تمدن کو تنگ دائروں میں محدود کر رکھا تھا۔ لونڈی اور غلام رکھے جاتے تھے اور انہیں تحفتاً ایک دوسرے کو دیا کرتے تھے۔ اچھوتوں اور خاص پیشوں کے برتنے والوں کو بستیوں کے اندر رہنے کی اجازت نہ تھی۔ چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم تھیں اور پورے برصغیر کی معیشت زراعت ہی تھی۔ پرجا (عوام) محنت کرتی تھی اور پرجاپتی کے خزانے بھرتی تھی۔

ان امتیازی قدروں اور استبدادی سختیوں پر قانون، رواج اور مذہب کی مہر تھی۔ منوشاستر جو کہ اس وقت کا ضابطہ فوجداری اور دیوانی قوانین کے ساتھ ساتھ ایک مذہبی حیثیت رکھتا تھا' اس کے درج ذیل نکات سے ان حالات و واقعات اور طبقات کی سماجی حیثیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

1- جو کچھ اس دنیا میں ہے برہمن کا ہے چونکہ وہ خلقت میں سب سے بڑا ہے۔ کل چیز اسی کی ہے۔ (باب اول 100)۔

2۔ برہمن کو اگر ضرورت ہو تو وہ بلا کسی گناہ کے اپنے غلام شودر کا مال بہ جبر لے سکتا ہے۔ اس غضب پر اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا کیونکہ غلام صاحب جائیداد نہیں ہو سکتا۔ اسکی کل املاک مالک کا مال ہے (باب ہشتم 417)

3- سزائے موت کے عوض میں برہمن کا صرف سر مونڈا جائیگا۔ لیکن اور ذات کے لوگوں کو سزائے موت دی

Marfat.com

جائیگی (باب ہشتم 379)

4۔ اگر شودر کسی دوجے پر ہاتھ یا لکڑی اٹھائے تو اسکا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ اگر وہ غصے میں لات مارے تو اس کا پیر کاٹ ڈالا جائے (باب ہشتم 280)

5۔ اگر شودر کسی دوجے کے ساتھ ایک ہی جگہ بیٹھ جائے تو بادشاہ کو چاہیے کہ اس کے سرین دغوا دے۔ اسے ملک بدر کردے (باب ہشتم 281)

6۔ اگر شودر کسی دوسری جاتی کا نام بے حرمتی سے لے تو لوہے کی دس انگل لمبی کیل آگ میں سرخ کرکے اس کے منہ میں ڈالی جائے۔

7۔ بادشاہ اگر طفل نابالغ ہو تو اسے یہ خیال کرکے کہ یہ بھی انسان ہے حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ بادشاہ فی الواقع خدا ہے انسان کی شکل میں (باب ہفتم 8)

اس پورے دور میں ہیومن ازم کے خیالات کی دھندلی اور غیر متشکل جھلک ضرب المثلوں، لوک داستانوں، لوک گیتوں اور لوک شاعری میں نظر آتی ہے۔ وسائل سے محروم طبقے نے ان خیالات کو کہانیوں اور ضرب المثلوں کی شکل میں اپنے سینوں میں محفوظ رکھا اور انہیں نسل درنسل منتقل بھی کیا۔ ان لوک داستانوں میں محنت کش صناعوں اور دستکاری کی حیرت انگیز جائیداد کا ذکر ہے۔ رزمیہ داستانوں میں پابہ زنجیر غلاموں کی بہادری کو نمایاں کیا گیا ہے۔ جن کی وفاداری، جرأت اور قربانی کا جذبہ کسی لحاظ سے اپنے وقت کے راجاؤں اور شہزادوں سے کم نہیں۔ بعض داستانوں میں محنت کشوں کی اخلاقی برتری کو نمایاں کیا گیا ہے۔ جیسا کہ لکڑہارے کے کلہاڑے کے دریا میں گرنے کی کہانی آج بھی زبان زد عام ہے۔ یہ داستانیں لوک شاعری اور ضرب الامثال پسماندہ طبقات میں مقبول تھیں۔

لیکن نجات کی آرزو اوہام پرستی کے دبیز پردوں کو چاک کرکے نکلی اور جمود کو توڑتی ہوئی محروم طبقات میں سرایت کرگئی۔ اس دور میں بہت سی شخصیات پیدا ہوئیں جن کے فکر و عمل نے انسانیت کے وقار کو بلند کرنے کی سعی کی، مگر ان قدیم رہنماؤں میں سب سے بڑی ہستی گوتم بدھ کی ہے، بدھ نے لوگوں کو مقام، نسل، زبان و معاشرت کے فرق کو نظر انداز کرنا سکھایا۔ انہوں نے ذات پات کو انسانیت کا معیار نہیں مانا۔ بلکہ وہ کہتے ہیں ''برہمن وہ نہیں جو کہ برہمن کا بیٹا ہو۔ بلکہ وہ جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔ جو خود راہ راست پر چلے اور دوسرے کی راہنمائی کرے۔'' گوتم بدھ کی یہ تعلیم ذاتوں کی تقسیم کو اصولی حیثیت سے رد کرنے کے کام آتی رہی۔ جمہور نے بدھ کی آواز کو کان دھر کر سنا۔ محبت اور امید کی آواز تھی جو دفعتاً آسمان سے اتری اور عوام نے اسے صمیم قلب سے قبول کیا۔ لیکن ہیومن ازم کی یہ تحریک ایک جامد عقیدے میں ڈھل کر بادشاہوں کے ایوانوں کی بنیادوں میں دب گئی۔ اور اپنی چند داخلی کمزوریوں کی وجہ سے معاشرے میں تحریک پیدا کرنے کی بجائے عام لوگوں کو دنیا کے دکھوں کا گھر سمجھ کر غم و آلام اور پستی سے سمجھوتہ کرنے پر مائل کرتی رہی اور حقائق کا مقابلہ کرنے کی بجائے فرار اختیار کرنے کا سبق دیتی رہی۔

جب تک حالات ایک ہی ڈگر پر قائم رہے خیالات و افکار میں جمود طاری رہا۔ بارہویں اور تیرہویں صدی میں گھریلو صنعت اور دستکاری کے فروغ سے شہروں کی آبادی میں اضافہ ہوا۔ معاشرے میں نئے تضادات ابھرے، زندگی

Marfat.com

قدرے منظم ہونے لگی۔

یہ دور ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کا دور ہے۔ لیکن بارہویں صدی کے آخر اور تیرہویں صدی کے آغاز میں ہندوستان میں غوری سلطنت کے وائسرائے ہند قطب الدین ایبک نے خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے عہد سلاطین کا آغاز کر لیا ہوا تھا اور پورے خطے پر ان کا کنٹرول تھا۔ سلطنت دہلی کا مرکز سلطان تھا۔ اسکی زبان سے نکلا ہوا ہر کلمہ قانون کی حیثیت رکھتا تھا۔ مرکز سے دور علاقوں پر گورنر مقرر تھے۔ تمام عہدوں، جاگیروں اور منصبوں کا انحصار سلطان کی خوشنودی تھا۔ کوئی قانون یا قوت اس کے اختیار میں مانع نہیں ہو سکتی تھی اور نہ وہ اپنے کسی فعل کے لئے کسی کے سامنے جوابدہ تھا۔ خانوادہ شاہی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے متعدد کارخانے قائم تھے۔ مثلاً کپڑے کے کارخانے میں چار ہزار مزدور کام کرتے تھے۔ ان کارخانوں کی نگرانی معتبر امراء کے سپرد تھی۔ بادشاہ کے نچلے درجے پر اہل دولت کا طبقہ تھا۔ جو امرا دربار اور سالاران فوج پر مشتمل تھا اور یہ تمام کے تمام غیر ملکی تھے۔ ان میں کچھ ترک تھے کچھ افغان۔ سلطنت کے تمام بڑے بڑے عہدوں پر اہل دولت ہی کی اجارہ داری تھی۔ مگر ان کی آمدنی کا اصل ذریعہ وہ اراضیاں تھیں جو انہیں اقطاع کے طور پر سلطان عطا کرتا تھا۔ یہ امراء عموماً دارالسلطنت یا صوبے کے صدر مقام پر رہتے تھے۔ ان کی جاگیروں کا انتظام ان کے نائب کرتے یا جاگیریں ٹھیکہ پر دے دی جاتی تھیں۔ اہلِ ثروت بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے۔ زنان خانے میں کنیزیں اور خواجہ سرا، ڈیوڑھی پر چوبدار غلام، دسترخوان پر مہمانوں کا ہجوم۔ رقص و سرور کی محفلیں سجتیں اور پیشہ ور ناچنے والیوں سے صحبتیں گرم ہوتیں۔

دوسرا طبقہ جو دربار میں اثر و رسوخ رکھتا تھا، دین و قضاۃ کا تھا۔ جو سلطان کی مطلق العنانیت کو شرعی جواز فراہم کرتا۔ علماء قرآن و حدیث سے یہ ثابت کرتے کہ صاحب امر یعنی حاکم وقت کی اطاعت ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ سلطان کی نافرمانی شرع کی رو سے گناہ کبیرہ ہے۔ کسی مسلمان کو حاکم وقت کے انتخاب میں کوئی دخل نہ تھا، البتہ سلطان کی تابعداری ان پر واجب تھی۔ خواہ سلطان کا کردار کیسا ہی ہو۔ جامع مسجدوں میں سلطان کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

اور عظیم الشان سلطنتوں کے جاہ و جلال قائم رکھنے والے پوری مملکت کے انسانوں کے لئے غلہ پیدا کرنے والے، انسانوں کا تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا بننے والے نیم برہنہ مزدور، اندھیر کوٹھڑیوں میں رہ کر محلات کو قمقموں کی روشنی بخشنے والے امراء کے دسترخوان پر سجانے کے لئے رنگ برنگ کھانے پیدا کرنے والے فاقہ زدہ انسان جن کے درباری مورخوں نے کبھی اپنے قلم کو زحمت نہیں دی۔ جنہیں جمہور کہا جاتا ہے۔ جن کی محنت کے بل بوتے پر تہذیبوں کی عظیم الشان یادگاریں قائم رہتی ہیں۔ جو بذات خود کسی تہذیب کی روح ہوتے ہیں۔ وہ کس حال میں زندگی گزارتے تھے دراصل یہی طبقہ اس باب کا موضوع ہے۔

اس وقت بھی ملکی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی زراعت ہی تھی۔ ملک کی غالب اکثریت کا پیشہ کھیتی باڑی تھا۔ کوئی شخص اپنا آبائی پیشہ ترک نہیں کر سکتا تھا۔ پیشوں کی تقسیم عزت و دولت کی تقسیم تھی۔ کسانوں کی حالت شہر میں رہنے والے دستکاروں سے بدتر تھی۔ ان سے ہر طرح کی بے گار اور خدمت لی جاتی تھی۔ فوج کے اخراجات پورے کرنے کے لئے کسانوں سے پیداوار میں حصہ لیا جاتا تھا۔ اور پیداوار کے حصہ کی وصولی کے لئے عملہ تعینات تھا۔ عملہ کے اخراجات

Marfat.com

رے کرنے کے لئے مزید ٹیکس عائد کئے جاتے، کسانوں کی عورتیں اور بچے بوائی اور کٹائی کے وقت کسانوں کا ہاتھ اتے، امراء وسالار فاتحانہ تکبر سے بازاروں میں نکلتے، مفتوح آبادی کی جان، مال اور عزت پر بلا روک ٹوک ملکیت اور صرف کا حق رکھتے تھے، جمہور محنت کرتے اور امراء عیش وآرام۔

اور یہ سب کچھ کرنے کے باوجود جمہور نفرت وتحقیر کا نشانہ بنتے۔ غلامی کو اپنا مقدر سمجھتے، اپنی محنت اور خون کا دیا جلا کر سلطنتوں کا وقار بحال رکھنے کے باوجود خود تنگدستی اور مفلسی میں زندگی گزارنے پر مطمئن رہتے۔

صوفیائے کرام عوامی لوگ تھے۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا اسی طبقہ جمہور کے ساتھ تھا۔ اس لئے جمہور کے رنج والم اور دکھ درد کا گہرا مشاہدہ رکھتے تھے۔ صوفیائے کرام میں ایک نہایت عظیم ہستی حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ بھی تھی۔ جنہوں نے اپنے علم اور کردار سے انسانیت نوازی کی شمع روشن کی۔ آپ اپنے دور کے سب سے بڑے ہیومن اسٹ تھے۔ بدھ کے مقابلے میں حضرت بابا صاحبؒ کا فلسفہ تکریم انسانیت بہت مضبوط اور منطقی بنیادوں پر استوار ہے۔

حضرت بابا صاحبؒ کے فلسفہ تکریم انسانیت کا پس منظر

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی طبقاتی معاشرے میں ایک طبقے کے ہاتھوں دوسرے انسانوں کا استحصال ہوا وہاں انسانیت نواز خیالات نے جنم لیا۔ تکریم انسانیت کے ان خیالات کا ہدف طبقاتی قدریں تھیں اور ہیومن ازم کے یہ نظریات جبر واستبداد کے خلاف جمہور کا ہتھیار تھے' جو معاشرے میں اونچ نیچ ختم کر کے مساوات قائم کرنے کے متمنی تھے۔ حضرت بابا صاحبؒ کے دور کا معاشرہ بھی طبقاتی تھا اور آپ نے جبر واستبداد کی چکی میں پسی ہوئی جمہور کی بے زبان فریاد کو زبان بخشی۔ باباؒ فرماتے ہیں:

فریدا اکنا آٹا اگلا اکنا ناہی کون
اگے گئے سنجھا پسنھ چوٹاں کھاسی کون

اے فرید۔ ایک وہ ہیں جنہیں بہت زیادہ آٹا ملا ہے۔ ایک وہ ہیں جن کے پاس نمک تک نہیں۔ (یعنی ایک طرف فراوانی ہے اور دوسری طرف تنگدستی) اور پھر ان دونوں کی اچھائی برائی کا فیصلہ خدا پر چھوڑ دیا ہے۔

پھر پورے عوام کی حالت، نچلے طبقے کی زندگی کی عکاسی یوں فرمائی ہے:

فریدا میں جانیا دکھ مجھ کو دکھ سبھائے جگ
اچے چڑھ کے ویکھیا تاں گھر گھر ایہا اگ

اے فرید۔ میں نے سمجھا تھا کہ دکھ صرف مجھے ہی ملا ہے۔ مگر جب میں نے بلندی پر چڑھ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ (میری حیثیت کے) دوسرے لوگوں کی تکلیفیں اور پریشانیاں بھی میری پریشانیوں جیسی ہیں۔ ہر گھر میں دکھوں کی سلگتی ہوئی آگ۔ اور اونچا چڑھ کر دیکھنا بہت معنی خیز ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

فریدا چنت کھٹولا، وان دکھ، برہا وچھاون لیپھ
ایہہ ہمارا جیونا، تو صاحب سچے ویکھ

Marfat.com

اے فرید۔ تجسس ہماری چارپائی ہے۔ غم کے بان سے بنی ہوئی۔ منزل مقصود سے دوری اوڑھنا بچھونا ہے۔ یہ ہماری زندگی کا نقشہ ہے۔ اے سچے خدا تو ہماری یہ حالت دیکھ (قابل غور بات یہ ہے کہ چارپائی آرام وسکون کی جگہ ہوتی ہے)۔

پھر فرماتے ہیں:

فریدا ج دہ نالا کپیا جے گل کپہ چکھ
پون نہ اتی مالے سہاں نہ اتی دکھ

(جمہور کی کشمکش حیات کی تلخیوں کا ذکر ہے۔ جو انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہیں۔ بابا فرید فرماتے ہیں) جس دن میری نال کاٹی تھی (یعنی میری پیدائش ہوئی تھی) اگر اسی دن میرا گلہ کاٹ دیا جاتا تو میں اتنی پریشانیاں نہ اٹھاتا۔ (دکھ درد سے سمجھوتہ کر لینے والا انسان کبھی دکھوں کی شکایت نہیں کرتا، دکھ سے نجات حاصل کرنے کی آرزو ہی شکوہ بن کر زبان پر آتی ہے۔)

مہاتما بدھ اور بابا صاحب کے ہیومن ازم میں فرق

گوتم بدھ ریاضت اور غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ زندگی سراسر دکھ ہے۔ پیدا ہونا دکھ ہے، بیمار ہونا دکھ ہے۔ جن چیزوں سے ہمیں محبت ہو ان کا موجود نہ ہونا دکھ ہے، جو کچھ ہم اپنے لئے چاہتے ہوں اس کا نہ ملنا دکھ ہے۔

گوتم بدھ نے بتایا کہ دکھ کا سبب وہ خواہشیں اور میلانات ہیں جو انسان کو بار بار گھسیٹ کر اس دنیا میں لے آتے ہیں۔ انسان دکھ کا استیصال کر سکتا ہے اگر وہ اپنے دل سے ان میلانات کو نکال دے جو اس کے وجود کے سلسلے کی پہلی کڑیاں ہیں۔ اور ان کڑیوں کو توڑ کر اپنے اندر سکون اور بے تکلفی اور بے تعلقی کی کیفیت پیدا کر لے۔ نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ انسان اور دکھ لازم وملزوم ٹھہرے۔ اس بے تعلقی نے انسانیت کی رنج والم، ذلت وپستی سے مفاہمت کروادی۔ انسان کو غم سے خوگر ہونا سکھایا، بلکہ آہستہ آہستہ مصیبتیں اور آلام کو آئیڈیل بنا کر ان کی پرستش کی گئی۔ اسطرح مساوات انسانی کی مہاتما بدھ کی فکر تحریک بننے کی بجائے محض ایک جامد عقیدے کی شکل میں محفوظ رہی اور معاشرے کا جمود بھی برقرار رہا۔ لیکن اس کے برعکس بابا فرید نے کبھی دکھ کو آئیڈیل بنا کر پیش نہیں کیا۔ کیونکہ یہ معاشرے میں جمود قائم رکھنے کا ذریعہ ہے بلکہ آپ نے ہمیشہ انسانیت کو دکھ درد سے نجات دلانے کی بات کی ہے۔ کبھی آپ نے دکھ کو آگ سے تشبیہ دی۔ کبھی فرمایا کہ ''انسان پر جب مصیبت پڑے تو اسباب پر غور کرے اور سبق لے۔'' فرماتے ہیں:

دکھاں سیتی دینہ گیا سولاں سیتی رات
کھڑا پکارے پاتنی بیڑا کپر وات

دن دکھوں میں گذرا اور رات کانٹوں پر۔ ملاح کھڑا پکار رہا ہے کہ کشتی بھنور میں آ گئی ہے۔ جس معاشرے میں عام انسان کے شب وروز اس طرح دکھ درد میں گزر رہے ہیں۔ اس معاشرے کی ناؤ بھنور میں ہے۔ اور ملاح چیخ وپکار کر رہا ہے کہ معاشرہ تباہی کی طرف جا رہا ہے۔ ملاح یعنی پاتنی کا لفظ بڑا معنی خیز اور بلیغ ہے۔ آج کے دور کے مطابق یہ ایک رہنما

Marfat.com

کے مترادف ہے اور ہادی و پیشوا کے ہم معنی ہے۔ جس پر معاشرے کو تباہی سے بچانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ان اشعار کو جمودی فکر اور قیاسی فلسفہ کے جتنے بھی دبیز پردوں میں ملبوس کیا جائے ان کی داخلی انقلابیت کو دبایا نہیں جا سکتا۔ آپ نے ان خیال کی حمایت نہیں کی کہ انسان دنیا میں دکھ جھیلنے کے لئے ہی آیا ہے۔ بلکہ آپ انسانیت کے دکھوں کی سلگتی آگ کو گلزار میں بدلنے کے خواہاں ہیں۔ آپ خود ہی بھنور میں گھری ہوئی انسانیت کی ناؤ کے کھیون ہار ہیں اور کھیون ہار کی اہمیت کے متعلق فرماتے ہیں:

لمی لمی ندی وہے کندھی کیرے ہیت

بیڑے نوں کپر کیا کرے جے پاتن رہے سچیت

لمبی ندی کنارے گرانے کے واسطے چل رہی ہے لیکن بھنور بیڑے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اگر ملاح ہوشیار رہے۔ پہلے شعر اور اس شعر کا گہرا ربط ہے۔ وقت دریا کے بہاؤ کی طرح کناروں کو مسلسل گرا رہا ہے۔ وقت نہ تو رکے گا نہ بدلے گا یعنی حالات از خود تبدیل نہیں ہوں گے۔ دکھ کے شب و روز ویسے ہی رہیں گے۔ اگر ملاح ہوشیار رہے تو بھنور بیڑے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یعنی اگر معاشرے کے اہل نظر لوگ چوکنے رہیں تو معاشرہ تباہی کی دلدل میں نہیں پھنس سکتا۔

حضرت باباصاحب کے ہیومن ازم کے خدوخال

امتیازی قدروں کے خلاف، جمہور کی برابر سماجی حیثیت کو بحال کرنے، بحیثیت فرد انسان کی عزت نفس اور انسانی وقار کو بلند کرنے کے لئے حضرت باباصاحبؒ نے ہیومن ازم کے خیالات کو مضبوط اور منطقی بنیادوں پر استوار فرمایا۔ اور آپؒ جیسے سخی ہی یہ کام سرانجام دے سکتے تھے۔

پہلی خصوصیت

آپؒ کی تعلیمات اور جدوجہد کا محور خود انسان کی ذات ہے اور حضرت باباصاحبؒ کا انسان کسی خاص فرقے، عقیدے، قوم و ملت سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہ صرف انسان ہے۔ آپ کی فکر کی اسی ہمہ گیریت کیوجہ سے آپ اپنی زندگی میں ہی قلوب انسانیت کی عالمگیر سلطنت کے بادشاہ تھے۔ فرماتے ہیں:

سبھناں من مانک، ٹھاہن مول مچانگوا

جے تو پریا دی سک، ہیاؤ نہ ٹھاہیں کہیں دا

سبھناں کے لفظ میں بڑی وسعت و ہمہ گیریت ہے (آپ فرماتے ہیں) ہر ایک کا دل ایک موتی ہے۔ جسے ضرر پہنچانا بالکل اچھا نہیں۔ اگر تجھے خدا کی آرزو ہے تو کسی کے جذبات کو ٹھیس مت پہنچانا۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ:

اک پھکا نہ گالائیے۔ سبھنا میں سچا دھنی

ہیاؤ نہ ٹھاہیں کہیں دا۔ مانک سب امولوے

کسی کے دل کو ٹھیس مت پہنچانا کیونکہ یہ دل ایسے موتی ہیں؛ جن کا کوئی مول نہیں۔ سچا رب خاک کے ان پتلوں

Marfat.com

سے ماوراء نہیں ہے۔ اس لئے کسی سے ایک لفظ بھی روکھا نہ بولنا۔ جب سچا دھنی ایک ہی ہے اور وہ خاک کے سب پتلوں میں ہے تو کسی کو کسی پر فوقیت کیوں؟ اس لحاظ سے مساوات انسانی آپ کے ہیومن اسٹ فلسفہ کی پہلی خصوصیت ہے۔

دوسری خصوصیت

انسان کی پیدائش، انجام زندگی اور انسانی جسم کے دیگر طبعی افعال میں یکسانیت کو ہمہ گیر حیثیت حاصل ہے۔ ان فطری افعال میں کسی ادنیٰ و اعلیٰ کا کوئی امتیاز نہیں۔ اس لئے آپ نے انجام زندگی میں کارفرما یکسانیت اور مساوات کو اپنی شاعری کا بڑا موضوع بنایا ہے۔ اپنی بڑائی پر تکبر کرنے والوں کو احساس دلایا ہے کہ قدرت جب سب انسانوں کو ایک جیسا بھیجتی ہے اور بالآخر ایک ہی طریقے پر واپس بلا لیتی ہے تو انسانوں میں تفریق کا کیا جواز؟

فریدا میں بھلا وا پگ دا مت میلی ہو جاء
گیہلا روح نہ جان ای سر بھی منی کھا

اے فرید۔ میں تو اپنی پگڑی بچاتا تھا کہ کہیں میلی نہ ہو جائے۔ لیکن میری جان اس حقیقت سے غافل تھی کہ ایک دن اس سر کو بھی مٹی کھا جائے گی جس پر پگڑی قائم ہے۔ پگڑی سماجی حیثیت کی برتری کی علامت ہے۔ اسے برقرار رکھنے کے لئے انسان اسے بچا بچا کر رکھتا ہے اور معمولی نقصان بھی نہیں پہنچنے دیتا۔ لیکن یہ پگڑی جس سر کے اوپر رکھی ہوئی ہے۔ وہ سر ایک دن مٹی کھا جائیگی۔ بہت خوبصورت تقابل ہے۔ ایک طرف پگڑی یعنی معاشرے میں برتری کی مصنوعی تفریق اور دوسری قانون قدرت کی حقیقی مساوات جو ہر پگڑی اور بے پگڑی والے کے لئے برابر ہے۔ کہ ہر ایک کے سر کا انجام ایک ہے:

فریدا محل نسکھن رہ گئے واسا آیا تل
گوراں سے نمانیاں بہسن روحا مل

عالی شان رونق محل خالی رہ گئے۔ مکینوں کی موت کیوجہ سے انکی رہائش زمین کے نیچے ہوگئی۔ یہ بیچاری روحیں اب قبروں میں بیٹھیں گی۔

پاس دمامے، چھت سر، بھیری سد ورڈ
جاء ستے جیراں مہہ، تھئے اتیماں گڈ

جن کے سر پر چھتر تھے، جن کے پاس دمدمے بجتے تھے، شہنائیاں بجتی تھیں۔ قصیدہ گو بھاٹ ان کے پاس تھے۔ وہ قبرستان میں جا سوئے اور لاوارثوں میں مل گئے۔

اے فرید۔ مٹی کو برا نہ کہہ۔ زندگی میں ہمارے پاؤں تلے ہوتی ہے اور مرنے پر ہم اس کے تلے چلے جاتے ہیں۔ الغرض حضرت بابا فرید الدینؒ نے قانون قدرت کے ہر انسان کے ساتھ مساوی رویے کو بنیاد بنا کر انسان کی خود انسان ہی کے لئے پیدا کردہ مصنوعی تفریق کو مسترد فرمایا ہے۔

Marfat.com

تیسری خصوصیت

حضرت بابا صاحبؒ کے ہیومن اسٹ فلسفہ کی تیسری خصوصیت آپ کے امراء وسلاطین سے شعوری نفرت ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ امراء وسلاطین کی صحبت سے بچو۔کیونکہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے(سیر الاولیاء)
''اگر بزرگی چاہتے ہو تو بندگان شاہی سے التفات نہ کرو''۔''یک نصیحت زمن نگہ داری کہ بالموک وامراء اختلاط نہ کنی''۔اور اپنے خلفاء کو نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ''دیہہ وصلہ پادشاہاں نہ گیری''۔''گاؤں جاگیر میں قبول نہ کرنا وغیرہ۔''

امراء وسلاطین سے آپکی شعوری نفرت ظل الٰہی کے اس وقت کے مروجہ مذہب سے انکار ہے اور جمہور میں امراء سے نفرت پیدا کرنے میں ان کی عزت نفس کے تحفظ کے احساس کی پرورش کارفرما ہے۔

ایک ہی سماجی حیثیت رکھنے والے افراد میں ایک ہی طرح کے نظریات کا پھیلاؤ اور دوسری طرح کی سماجی حیثیت رکھنے والے افراد میں دوسری طرح کے نظریات کی پذیرائی کا تاریخی ریکارڈ اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ مختلف نظریات مختلف طبقوں کے مادی مفادات کی حفاظت کے لئے پروان چڑھتے رہے۔درباری علماء اور جمود قائم رکھنے والی دیگر قوتیں جب بادشاہ کو خدا کا سایہ قرار دیتی رہیں اور فتوؤں کے ذریعے جاگیرداروں،امراء وسلاطین کی غصب کی ہوئی دولت وثروت کی حفاظت کرتی رہیں اور عام انسانوں کی محرومیوں اور محتاجیوں کو ان کا مقدر قرار دیتی رہیں۔تو جمہور کے پیشواء مردان حق نے ان جمودی قوتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔حضرت امیر خسروؒ فرماتے ہیں۔''تاج سلطانی کے ہر موتی میں دہقانوں کی آنکھوں سے بہنے والے خون کے قطروں کی آب وتاب جھلکتی ہے''۔

وسائل رزق کا اقلیت کے چند طاقتور ہاتھوں میں سمٹنا اکثریت جمہور کو ان وسائل رزق کے استفادہ سے محروم کر دیتا ہے اور وسائل رزق کی اس تقسیم پر استوار معاشرے میں تمام قدروں اور قوانین کا جھکاؤ ایک ہی طرف ہو جاتا ہے۔اس طرح معاشرے کا توازن بگڑ جاتا ہے۔جب قانون،انصاف،رواج اور سماجی قدروں کا محور اہل ثروت طبقہ ہو تو محرومی اور پستی میں گھرا ہوا طبقہ اطمینان قلب کے لئے اور اپنے ذہن میں عدم مساوات کے خلاف پیدا کرنے والے خیالات کو نکالنے کے لئے اپنی محرومی کو قدرت کی منصوبہ بندی کا ایک اٹل فیصلہ خیال کر کے خاموش ہو جاتا ہے۔

لیکن حضرت بابا صاحبؒ چونکہ جمہور کو دوست رکھتے تھے اور جیسا کہ دوست کا دشمن،دشمن ہوتا ہے مصداق آپ امراو سلاطین کو جمہور کی زبوں حالی کا ذمہ دار سمجھتے ہوئے ان سے نفرت کرتے تھے اور انسان کے ایک طبقے کی پستی کو برحق قرار دینے والی محرومی کو قدرت کا منشا گردانے والی قیاس آرائیوں،معاشرے کی زندگی کے لئے زیردستوں پر بالادستی قائم کرنے کا جواز فراہم کرنے والی خود ساختہ توہمات سے چھٹکارا دلانے کے لئے آپ نے ظل الٰہی کے مروجہ عقیدے کی نفی کی۔

چوتھی خصوصیت

حضرت بابا صاحبؒ کے فلسفہ تکریم انسانیت کی چوتھی بنیاد معقولیت پسندی ہے۔سولہویں اور سترہویں صدی

Marfat.com

کے یورپ میں جب ہیومن ازم کو معقولیت پسندی کی بنیادیں فراہم ہوئیں تو ہیومن ازم کو علم فلسفہ کی ایک باقاعدہ شاخ سمجھا جانے لگا۔ لیکن ایشیا میں بارہویں اور تیرہویں صدی میں حضرت بابا صاحبؒ نے تکریم انسانیت کی بنیاد رکھی اس کی سب سے اہم خصوصیت آپکی معقولیت پسندی تھی۔ بابا صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

''انسان پر جب مصیبت پڑے تو اسباب پر غور کرے اور سبق لے۔''

سب سے پہلی بات جو بادی النظر میں آپکے فرمانے سے مترشح ہے وہ یہ کہ انسان کی زندگی میں (خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی) رونما ہونے والے واقعات محض اتفاقیہ نہیں ہوتے۔ جو بغیر کسی سبب یا علت کے ظہور پذیر ہو جائیں۔ بلکہ ان کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی سبب یا وجہ ضرور کارفرما ہوتی ہے۔ یعنی معاشرے میں رونما ہونے والی تبدیلیاں اور مظاہر کسی متعین قانون کے تابع ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا فرمان ''سبق لے'' سے مراد بھی ایسے اسباب وعلل کی دریافت ہے جنہیں دور کر کے انسان دکھوں سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔

دوسری بات جو سرسری نظر میں آپکے فرمان سے مترشح ہے وہ یہ کہ آپ نے مصیبت کو قدرت کا منشا سمجھ کر اس کے آگے سر جھکانے کی تلقین نہیں فرمائی بلکہ دکھ کے اسباب پر غور وفکر کرنا اور ان اسباب کی دریافت کے بعد انہیں دور کر کے انسان کو خوشحال دیکھنے کی خواہش کا اظہار ہے۔ تیسری بات جو آپکے فرمان سے مترشح ہے وہ یہ کہ آپ نے ان تمام توہمات کو مسترد فرما دیا ہے جن پر یقین کر لینے سے عام انسان اپنی پستی و ذلت کو کارخانہ حیات کے جاری رکھنے کے منصوبے کا لازمی حصہ سمجھ کر اپنی بے بسی اور بے چارگی سے سمجھوتہ کر لیتا ہے۔ جب انسانیت اپنے بلند مقام سے نیچے گری ہوئی تھی اور ایک گروہ نے دوسرے کو اپنے زیر تسلط رکھنے کے لئے توہمات کی نہ نظر آنے والی ہتھکڑیاں ڈال رکھی تھیں اور انہیں ایسے خود ساختہ قیاسی عقائد میں جکڑ رکھا تھا کہ لوگ اپنی پستی کے بارے میں سوچنا گناہ سمجھیں اور ان نظر نہ آنے والے توہمات کی ہتھکڑیوں کو پھولوں کو گجرے سمجھ کر ان سے پیار کریں ان حالات میں خرد افروزی ہی ایسی شمع تھی جو انسانیت کی تاریک مستقبل میں اجالا کرتی۔ حضرت بابا صاحبؒ نے امتیازی قدروں کی پاسبان توہمات سے نجات دلانے کے لئے علم اور عقل پر جتنا زور دیا ہے تاریخ تصوف اور دیگر فلاسفہ کے افکار میں اسکی مثال نہیں ملتی۔ تفصیل اس اجمال کی الگ الگ موضوعات کے تحت زیر بحث لائی گئی ہے۔

معقولیت پسندی (Rationalism)

فرانس کے فلسفی ڈیکارٹ (۱۵۹۶ء-۱۶۵۰ء) کو عام طور پر جدید فلسفے کا بانی کہا جاتا ہے۔ اس کے فلسفے کی بنیاد اس کے مشہور عالم قول ''میں سوچتا ہوں اس لئے میں ہوں۔'' پر ہے۔ اس کے خیال میں وہی شے صداقت کی حامل ہوتی ہے جو اتنی ہی واضح ہو جا جتنا کہ اسکا اپنا وجود یقینی ہے۔ اس کا وجود بلاشبہ ہے اور وجود کا جوہر عقل ہے جو سوچتی ہے اور سوچنا بذات خود اس کے اپنے وجود کی حقیقت پر دلالت کرتا ہے۔ اس طرح اس کی اپنی ذات اور اپنے افکار یقینی ہیں۔ جن سے تمام عالم خارجی کا وجود استنباط کیا جا سکتا ہے۔ ''میں سوچتا ہوں اس لئے میں ہوں'' کی بنیاد پر ڈیکارٹ نے تمام علم کی

عمارت تعمیر کرنے کی کوشش کی اور اس سے جو نتیجہ اخذ کیا وہ یہ کہ جن اشیاء کو ہمارا ذہن واضح طور پر سمجھتا ہے وہ صداقت کی حامل ہوتی ہیں۔ وہ کہتا ہے ''جو شے سوچتی ہے وہ ہے'' وہ شک کرتی ہے۔ سمجھتی ہے۔ ارادہ کرتی ہے۔ احساس رکھتی ہے چونکہ سوچنا عقل کا جوہر ہے اس لئے وجود کا احساس عقل کا مرہون منت ہے۔

حضرت بابا صاحبؒ فرماتے ہیں:

''احمق کو زندہ مت سمجھو۔''

''عقل اشرف ہے۔ اس لئے کہ اس سے معرفت الٰہی کا علم ہوتا ہے۔''

''علم بغیر عقل کے دردسر ہے۔''

''قیاس پر رائے قائم نہیں کرنا چاہیے۔''

خلافت مشائخ کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت بابا صاحبؒ نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے فرمایا کہ:

''باری تعالیٰ نے آپ کو علم، عقل اور عشق عطا فرمایا ہے۔ جو کوئی ان تینوں صفات سے موصوف ہوتا ہے خلافت مشائخ کے لائق ہوتا ہے۔'' (سیر الاولیاء)

تجربیت (Empiricism)

دوسرا نتیجہ جو ڈیکارٹ نے اپنے فلسفہ سے اخذ کیا وہ یہ کہ حسیات حصول علم کا وسیلہ ہیں۔ حقائق خواہ کتنے ہی بسیط اور مجرد کیوں نہ ہوں، بہرصورت انسانی تجربے ہی سے لئے جاتے ہیں۔ اس لئے صداقت صرف انسانی تجربے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ یورپ میں اس فلسفہ کے شارحین بیکن، جان لاک، بشپ بارکلے اور ہیوم ہیں۔ ان کے مطابق علم محض حسی مدرکات (حواس خمسہ کے افعال) سے حاصل ہوتا ہے۔ ادراک ہی حصول علم کی طرف پہلا قدم ہے۔ بشپ بارکلے نے کہا کہ وہی اشیاء موجود ہوسکتی ہیں جنکا ادراک کیا جائے۔ موجود کا مطلب ہے مدرک ہونا۔ علوم کے دائرہ کار کی جدید تقسیم میں ان خیالات کو تجربیت کا نام دیا گیا ہے۔ فلسفہ تجربیت جدید سائنسی نقطہ نظر کا آئینہ دار ہے اور اس کا اصل اصول وہی ہے جو سائنس کا ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے جو فرمادیا کہ ''عقل اشرف ہے''۔ تو عقل کو محض بے بنیاد قیاس آرائیوں کے لئے آزاد نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ فرماتے ہیں:

''قیاس پر رائے قائم نہیں کرنی چاہئے''۔ اس نامکمل فقرے کو اگر بابا حضور کے دوسرے قول:

''انسان پر جب مصیبت پڑے تو اسباب پر غور کرے اور سبق لے۔''

کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو یہ رمز آشکار ہو جاتی ہے کہ بابا حضورؒ کے نزدیک رائے قائم کرنے اور علم کے صحیح ہونے کا معیار کیا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ حضرت بابا صاحبؒ کے نزدیک انسانی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات محض حادثاتی یا اتفاقی امر نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے رونما ہونے کی کچھ وجوہات اور اسباب ہوتے ہیں اور کسی مظہر پر براہ راست یا بالواسطہ اثر انداز ہونے والے عوامل قیاس سے نہیں بلکہ حواس کے ذریعے قابل مشاہدہ ہیں چونکہ حواس عقل ہی

Marfat.com

کے آلات کار ہیں اوران آلات کار یعنی حواس ہی کے ذریعے انسان کا اپنے باہر کی دنیا سے ربط ہے اورانہی کے ذریعے انسان اپنے معروض کا مشاہدہ کرتا ہے۔ان مشاہدات وتاثرات میں ضبط ونظم پیدا کرنا عقل کا کام ہے اور وہی علم جو مشاہدہ پر مبنی ہو سچا علم ہے۔نہ کہ محض قیاس آرائی۔

آج بھی دنیا کے تمام علوم کی سب سے بڑی دو شاخیں ہیں۔ایک قیاسی علوم ہیں، مثلاً اسٹرالوجی اور دوسرے حواسی علوم ہیں۔مثلاً حیاتیات،طبیعیات وغیرہ۔بابا حضورؒ قیاس پر قائم کی گئی رائے کو بے بنیاد خیال فرماتے ہیں اور ٹھوس حقائق پر مشاہدہ کے ذریعے قائم کی گئی رائے کو علم کا صحیح معیار خیال فرماتے ہیں۔اور ایشیاء میں آپ ہی تجربیت کے پہلے شارح ہیں۔

عقل اور عشق کا تضاد

مولانا رومیؒ اور علامہ اقبالؒ نے عقل اور عشق کے لفظ کو جسطرح استعمال کیا ہے اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا ہے اور عقل کو عشق کے ہاتھوں شکست دلوائی ہے اسطرح سے کہ:

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عام مفہوم میں ''عشق'' کسی مقصد کی لگن اور اس کے طلب وحصول کی جستجو میں انجذاب واستغراق کی وہ کیفیت اور جذبے کی وہ شدت ہے جو کبھی کبھار شعور کی حدود سے تجاوز کر جائے۔

مقصود ومطلوب مختلف ہوسکتا ہے۔مگر حصول کے طرز عمل میں جو یکسانیت پائی جاتی ہے اسے عشق کہتے ہیں۔جو لوگ کسی مرئی یا غیر مرئی، محسوس یا غیر محسوس، دنیاوی یا اخروی، مجازی یا حقیقی مقصد کے حصول کے لئے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کرتے عاشق صادق کہلاتے ہیں اور عقل کو حیلہ ساز وخود بیں اور جذبات کی لونڈی قرار دے کر اسکی نفی کی جاتی ہے یا کم از کم عقل کی راہنمائی کے لئے عشق کو لازمی قرار دیا جاتا ہے۔یعنی عقل کی آنکھ عشق کی روشنی میں دیکھ سکتی ہے۔افلاطون کا قول ہے:

''جسے عشق چھو جائے وہ تاریکی سے نہیں گھبراتا''۔

حضرت بابا صاحبؒ نے مشائخ کی خلافت کے لئے جن اوصاف کا ذکر فرمایا ہے ان میں علم، عقل اور عشق کو ایک دوسرے کے برابر اور ہر ایک کو لازمی جزو قرار دیا ہے۔آپ فرماتے ہیں ''عبادت کی انتہا عقل ہے۔'' ''بغیر علم کے عبادت فضول اور علم بغیر عقل کے دردسر ہے۔'' ''عقل اشرف ہے اسلئے کہ اس سے معرفت الٰہی کا علم ہوتا ہے''۔پھر فرماتے ہیں ''وعظ ونصیحت بے کار ہے جب تک خود نمونہ نہ بنا جائے''۔فرماتے ہیں ''اپنی حرارت عملی کو لوگوں کی سرد باتوں سے ٹھنڈا

Marfat.com

نہ ہونے دے۔''

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بابا صاحبؒ میرے لئے دعا فرمایا کرتے تھے کہ ''خدائے عزوجل ترا دردی دہاد (فوائد الفواد) کہ اللہ تعالیٰ تجھے درد عطا فرمائے۔ میں حیران ہوتا کہ حضرت بابا صاحبؒ یہ کیا دعا فرماتے ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ کیسی نعمت غیر مترقبہ ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ انسانیت نوازی اور دردمندی خلق میں آپ کا کوئی ثانی نہیں۔

حضرت بابا صاحبؒ کے اقوال کو یکجا کر کے نتیجہ اخذ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ علم، عقل اور عشق ایک مربوط نظام فکر کے تشکیلی اجزاء ہیں اور آپکی تعلیمات کے نتیجے میں ''علم اگر زندگی کی ضروریات پوری کرے اور عقل و خرد ہر وقت عمل کی خدمت میں کمر بستہ رہے تو یہ عشق ہے۔''

یعنی علم، عقل اور عشق ایک دوسرے کے معاون ہیں نا کہ مخالف۔

عقل سے معرفت الٰہی کا علم

علمائے مابعد الطبیعات اور مذہبی مفکرین کی رائے میں خدا کی ہستی انسان کے حیطہ ادراک میں نہیں آسکتی۔ یہ مفکرین عقل کی کم مائیگی کے قائل ہیں۔ ان مفکرین کے نزدیک عقل صرف مادی اشیاء کا ادراک کر سکتی ہے۔ اور خدا کی ہستی لامحدود ہونے کی وجہ سے عقل کی سوچنے کی قوت کی محدود سرحدوں میں نہیں سما سکتی۔ اس لئے انسانی فکر کی کم مائیگی کی وجہ سے ہمیں غیب پر ایمان کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ لیکن حضرت بابا صاحبؒ عقل کی برتری کے قائل ہی اس لئے ہیں کہ یہ معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:۔

''عبادت کی انتہا عقل ہے۔ بغیر علم کے عبادت فضول اور علم بغیر عقل کے دردسر ہے۔ عقل اشرف ہے اسلئے کہ اس سے معرفت الٰہی کا علم ہوتا ہے۔''

[9] جدید حیاتیاتی سائنس اور فلسفہ پر نظر ڈالیں تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے جسے جان لاک (۱۶۳۲ء-۱۷۰۴ء) کے الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

ابتداء میں انسانی عقل ایک لوح سادہ کی طرح ہوتی ہے۔ جس پر حسیات یا حواس خمسہ کے دریچوں سے تاثرات ثبت ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اگلے مرحلے پر عقل تجربات، مشاہدات اور تاثرات کے اس مواد کو منظم کرتی ہے۔ ان میں ضبط و نظم پیدا کرنے کے بعد عقل اس مربوط مواد سے نتائج اخذ کرتی ہے۔ کائنات کے تخلیقی اصولوں کو سمجھتی ہے اور ان تخلیقی قوانین فطرت اور تصرف میں لا کر خود تخلیق کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

اکیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑے ہوئے کسی انسان کو ان تخلیقات کی فہرست گنوانے کی ضرورت نہیں۔ الغرض انسان قوانین فطرت کی دریافت اور انہیں تصرف میں لا کر تخلیق کرنے کی وجہ سے علیٰ حد بشریت خود خالق بھی ہے۔ اور انسان کا علیٰ حد بشریت خود خالق ہونے کا شعور عقل کے ذریعے اسکے اپنے خالق اور خالق کائنات کی طرف منعکس ہوتا ہے۔ اس طرح عقل ہی معرفت الٰہی کے علم کا ذریعہ ہے۔ ورنہ کرہ ارض پر جتنے نباتات، جمادات، حیوانات اور ذی روح

ہیں جن کی زندگی جبلت کی جمودی قوتوں کے تابع ہے خود خالق نہ ہونے کی وجہ سے خالق حقیقی کا شعور اس طرح نہیں رکھتے جس طرح کہ انسان، معرفت الٰہی کے علم کا انحصار عقل پر ہے۔ وہ علم جو عقل کے حسی مدرکات کے ذریعے حاصل نہ کیا گیا ہو۔ بلکہ محض تقلید ہو تو یہ علم دردسر ہے اور معرفت الٰہی کا علم جو عقل سے حاصل کیا جائے' کے بغیر عبادت فضول ہے۔ نتیجہ عبادت کی انتہا عقل ہے۔

سماجی انصاف (Social Justice)

رابرٹ بریفو اپنی کتاب ''تشکیل انسانیت'' میں لکھتا ہے کہ ''ایک انسان کا دوسرا انسان پر اقتدار خواہ کسی رنگ میں ہو استبداد ہے۔ طاقتور ہمیشہ کمزور کے حقوق کو غصب کرتا ہے۔ قوت عدل وانصاف کو پامال کر دیتی ہے۔''
یعنی قوت کا نتیجہ ظلم و بیدادگری ہے۔ جس معاشرے میں وسائل رزق چند ہاتھوں میں ہوں اور اکثریت جمہور اپنی جسمانی یا ذہنی محنت بیچ کر اپنی زندگی برقرار رکھنے پر مجبور ہوں۔ وہاں سماج کا پلڑا قوت واقتدار کی طرف جھکا ہوتا ہے۔ قانون اس طبقے کے مفادات کی حفاظت کرتا ہے۔ عدل وانصاف کے ترازو کا پلڑا انہیں کے حق میں جھکتا ہے۔ روایات اس طبقے کے مفادات کی نگرانی کرتی ہیں۔ توہمات اسکی تزئین کرتے ہیں۔ عجز واحتیاج انکی پرستش کرتے ہیں۔ خوش اعتقادی انہیں استحکام بخشتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ محتاج و کمزور طبقہ اپنے حقوق سے دستبردار ہو کر معاشرتی ناہمواری کو کارخانہ قدرت کو چلانے کے منصوبہ کا حصہ سمجھ کر قبول کر لیتا ہے۔ بلکہ اس معاشرتی ناہمواری کی پرستش بھی کرنے لگ جاتا ہے۔ جب معاشرتی جمود اس مرحلے میں داخل ہو جائے تو معاشرے کے اندر سے ہی بہت سے لوگ اس عدم توازن اور ناہمواری کے خلاف اپنی آواز بلند کرتے ہیں اور سماجی انصاف کے حصول کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ستاروں کی گزرگاہوں کو روندنے والا انسان اگر پلٹ کر اپنی تاریخ اور آج کے معاشروں پر نظر دوڑائے تو انسانیت ہنوز سماجی انصاف کے حصول میں سرگرداں نظر آتی ہے۔ بہت سے سماجی انصاف کے مفکرین کبھی مثالی حکومت کبھی فلاحی مملکت کے قیام پر زور دیتے ہیں۔ کبھی قانون کی بالادستی میں سماجی انصاف کو مضمر پاتے ہیں۔ اگر قانونی اصطلاحوں اور فلسفیانہ موشگافیوں سے قطع نظر کر کے سماجی ناانصافی پر غور کیا جائے اور سبق لیا جائے تو یہ رمز بھی آشکار ہو جاتی ہے کہ معاشرتی ناہمواری کی عمارت معاشی عدم توازن کی بنیادوں پر استوار ہے۔ اس کے برعکس جس معاشرے میں ہر شخص کی ضروریات بطریق احسن پوری ہوتی رہیں۔ اپنے اور افراد خانہ کے مستقبل کے متعلق کوئی خدشہ نہ ہو۔ تو اس معاشرے میں اجتماعی احساس تحفظ پیدا ہو جاتا ہے۔ جو بدی کے محرکات کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ ایسے معاشرے میں فرد کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کے مواقع فراہم ہو جاتے ہیں' جس کا نتیجہ اخلاقی' روحانی اور مادی ترقی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ ہر شخص کی اپنی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما کے لئے احتیاج سے بے نیاز ہونا ضروری ہے۔ اجتماعی احساس تحفظ فرد کی نشوونما کے لئے مساوی مواقع بہم پہنچائے جانے سے پیدا ہوتا ہے۔ تاکہ کسی فرد یا جماعت کے راستہ میں کوئی سیاسی، معاشرتی یا معاشی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ اس حقیقت کو حضرت بابا صاحبؒ نے سادہ اور عام فہم زبان میں یوں بیان فرمایا کہ:

''روٹی دین کا چھٹا ستون ہے''

Marfat.com

روٹی کو دین کا چھٹا ستون قرار دینے سے بابا صاحبؒ کے نزدیک معاشیات کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جو ہستی سراپا دین تھی، جن کی زندگی کا مقصد دین، جن کی وجہ سے دین، جن کا کیا ہوا دین، آپ کے فرمان سے فرد اور معاشرے کی زندگی کے لئے معیشت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ عیش عربی کا لفظ ہے جس کا مطلب روٹی (اور گندم) کے ہیں اور معاشیات روٹی سے متعلق مسائل کا علم المعیشتہ کا مطلب ہوا سامان زیست۔ اب جبکہ علم معیشت نے ایک باقاعدہ علم کی شکل اختیار کر لی ہے تو معاشیات کے علم کا دائرہ سامان زیست کی پیداوار اور تقسیم پر محیط ہے۔ اگر انسان کو روٹی یا فکر معاش کیطرف سے اطمینان نہ ہو تو اسکی تمام صلاحیتیں مرجھا جاتی ہیں۔ جو شخص افلاس و مسکنت کا شکار ہو جسے مستقبل کا غم کھائے جا رہا ہو اسے وعظ و نصیحت یا توکل و قناعت کا درس بدی کے ارتکاب سے باز نہیں رکھ سکتا۔ جس معاشرے میں افراد احتیاج کا شکار ہوں گے وہاں سماجی انصاف معدوم ہوگا۔ سماجی انصاف کے لئے روٹی کی احتیاج یا فکر معاش کیطرف سے بے نیاز ہونا ضروری ہے۔ چند افراد کے نیکی کی زندگی گزارنے سے اجتماعی ناانصافی کو دور نہیں کیا جا سکتا، اخلاقی محاسن اسی صورت میں پنپ سکتے ہیں جب معاشرے میں سماجی انصاف عملاً قائم کر دیا جائے۔ ایسا معاشرہ ایک صحت مند معاشرہ کہلائے گا۔ اور روٹی کی احتیاج سے پاک افراد پر مشتمل معاشرے کے افراد میں وہی شگفتگی اور تازگی ہوگی جو بہار کی کلیوں میں ہوتی ہے، اور ایسے معاشرے ہی میں انسان دوستی کی قدریں پنپ سکتی ہیں۔ اسی وجہ سے بابا حضورؒ نے احتیاط کو ناپسند فرمایا ہے:

فریدا بار پرائے بیسنا سائیں مجھے نہ دے
جے توں ایویں رکھسی جی سریروں لیہ

اے خدا کسی دوسرے کے در پر بیٹھنا (محتاجی) مجھے نہ دے اور ''جے توں ایویں رکھسی'' اگر خدا بھی اس حالت میں رکھنا چاہے تو بندہ فرید اس حالت میں نہیں رہنا چاہتا بلکہ موت کو محتاجی پر ترجیح دی ہے۔ کیونکہ احتیاج انسان کا سر گئی چوکھٹوں پر جھکاتی ہے، عدم تحفظ اور غیر یقینی کی کیفیت کو جنم دیتی ہے۔ اسطرح انسان کے حوصلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، انسانی وقار اور عزت نفس کا احساس مر جاتا ہے اور انسانیت خاموش اطاعت کی عادی ہو جاتی ہے اور یہ عادت سوچنے کا انداز بھی بدل دیتی ہے۔ اینگلز کا قول ہے:۔

''محل میں رہنے والا اور جھونپڑے میں رہنے والا مختلف طریقوں سے سوچتے ہیں یعنی احتیاج سوچنے کا انداز بھی بدل دیتی ہے۔'' بابا فرماتے ہیں:

فریدا راتی وڈیا دھکھ دھکھ اٹھن پاس
دھرگ تنہاں دا جیویا جنہاں ودانی آس

اے فرید رات بہت لمبی ہے۔ رات کا لفظ معنی خیز ہے ہمیشہ ظلم، ناہمواری اور ناانصافی کے دور کو رات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ بابا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اے فرید ظلم و ستم اور ناانصافی کی رات بہت لمبی ہے اور بے اطمینانی کی حالت میں اس رات میں پہلو بدل بدل کر گزارتے ہیں کیونکہ پہلو جل جل اٹھتے ہیں اور انکی زندگی پر افسوس ہے جو پرائی آس یا کسی دوسرے کی دولت پر امید رکھتے ہیں۔ یعنی خود جدوجہد کر کے اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

الغرض انسان دوستی کی قدروں کی نشوونما کے لئے ایسے معاشرے کا قیام ضروری ہے جس میں ہر فرد فکر معاش

Marfat.com

سے بے نیاز ہو۔ اسے روٹی کی احتیاج نہ ہو۔ اسکی ضروریات پوری کرنا ایسے معاشرے کی ذمہ داری ہے جو دین کے نفاذ کا دعویدار ہے۔ فرد کی معاشی ضروریات کے پورا کرنے سے پہلوتہی کرنے والے دین سے چشم پوشی کررہے ہوتے ہیں۔ بابا صاحبؒ فرماتے ہیں:

''قیاس پر رائے قائم نہیں کرنی چاہئے۔''

جولوگ حقائق سے فرار اختیار کر کے قیاس آرائیوں کی خوش فہم وادیوں میں پناہ لیتے ہیں ان کے لئے مندرجہ ذیل واقعہ حقیقت کشائی کے لئے کافی ہے۔

ایک روز ایک مغرور عالم حضرت بابا صاحبؒ کے پاس آیا۔ حضرت بابا صاحبؒ فرمارہے تھے کہ روٹی دین کا ایک رکن ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ روٹی اہل علم کے نزدیک کوئی شے نہیں۔ اسلام کے صرف پانچ رکن ہیں۔ بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے بھی اہل علم سے سنا ہے کہ روٹی نہ صرف اہم چیز ہے بلکہ یہ رکن دین بھی ہے۔ نصیحت کرنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔'' بابا صاحبؒ نے انہیں روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہ مانے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ تم لوگ بے علم اور کم عقل ہوتے ہو اور خواہ مخواہ عالم بننے کی کوشش میں غلط باتیں کرتے ہو۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد مولوی صاحب حج کو چلے گئے۔ وہاں سات سال رہے۔ ہر سال حج کئے، عبادتیں کیں، روزے رکھے، واپسی پر مولوی صاحب کا جہاز تباہ ہو گیا اور وہ ایک تختے پر بہتے ہوئے کسی آباد اور سنسان جزیرے میں پہنچ گئے۔ بھوک اور پیاس کے مارے جان لبوں پر آ گئی۔ چوتھے دن ایک آدمی خوان سر پر اٹھائے آواز لگاتا ہوا گزرا کہ روٹی بیچتا ہوں۔ مولوی صاحب نے اپنا حال بیان کیا اور روٹی مانگی۔ مگر اس شخص نے کہا کہ میں دکاندار ہوں۔ اگر قیمت ہے تو لے لو ورنہ آرام کرو۔ مولوی صاحب کے پاس دینے کو تھا ہی کیا۔ بہت لجاحت کی۔ دکاندار نے کاغذ قلم نکالا اور کہا کہ اس پر لکھ دو کہ تمام عبادت کا ثواب روٹی کے بدلے فروخت کردیا۔ مولوی صاحب نے تحریر لکھی۔ اس شخص نے کھانا کھلا کر اپنا راستہ لیا۔ چند دنوں بعد ایک جہاز ہندوستان کے حاجیوں کو لے کر جزیرے کے پاس سے گزرا۔ مولوی صاحب نے اپنا عمامہ لہرایا۔ جہاز والوں نے مولوی صاحب کو ایک چھوٹی کشتی کے ذریعے جہاز میں منگوا لیا۔ مولوی صاحب واپس آ گئے۔ جب مولوی صاحب کی بابا حضورؒ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے لمبی غیر حاضری کی وجہ دریافت فرمائی۔ کہا کہ حج بیت اللہ کو گیا تھا۔ سات حج کئے، سات رمضان کے روزے رکھے، نمازیں پڑھیں وغیرہ۔ باباؒ فرمانے لگے آپ ایسی مقدس جگہ سے اتنا ثواب لے کر آئے ہیں۔ اب تو ہم سے خفا نہیں رہے ہوں گے۔ مولانا نے کہا کہ میری خفگی آپ کی کم عملی پر تھی۔ آپ خواہ مخواہ روٹی کو دین کا چھٹا رکن بنا رہے تھے۔ باباؒ سرکار نے فرمایا کہ مولانا میں نے یہ بات ایک کتاب میں لکھی دیکھی ہے۔ مولانا نے کہا ہمیں بھی دکھایئے آپ نے کتاب مولانا کے ہاتھ میں دے دی۔ کتاب کھولتے ہی مولانا کی چیخ نکل گئی کہ ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر اسی کتاب میں تھی۔ کہ ''میں نے روٹی کے بدلے اپنی عبادت فروخت کی'' بس باباؒ کے قدموں میں گر پڑے اور بیعت کی۔

فلسفہ زماں

ازمنہ قدیم سے وقت یا زماں کا مسئلہ فلسفیوں کے لئے بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ ایک گروہ زماں کو حقیقی خیال

نہیں کرتا۔ ان کے نزدیک کائنات ایک کل ہے اور ہر جگہ حقیقت واحد ہی کا جلوہ ہے جو تمام حرکت وتغیر سے مبرا ہے' اس لئے ماضی حال اور مستقبل کی تفریق فریب نظر ہے۔ تغیر وحرکت کے افکار سے زماں حقیقی نہیں رہ سکتا۔

اس کے برعکس دوسرا گروہ زماں کو حقیقی خیال کرتا ہے۔ ان کے نزدیک تغیر وحرکت کائنات کا اصل اصول ہے اور اس کا احساس ہمیں حواس کے ذریعے ہوتا ہے اس لئے تغیر فریب نگاہ نہیں۔ ہمارے روزمرہ کے مشاہدے میں بہت سی ایسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جنہیں واپس نہیں لوٹایا جاسکتا۔ مثلاً ایک بیج جب زمین میں بودیا جائے اور زمین کے نمکیات پانی میں حل ہوکر بیج میں داخل ہوجائیں اور بیج کو پھاڑ کر اس سے ننھا سا پودا برآمد ہو۔ اس پودے کی جڑیں زمین سے نمکیات اور خوراک حاصل کرکے پودے کو درخت بنادیں۔ تو ہم اس تبدیلی کو ناقابل واپسی (Irreversible) تبدیلی کہیں گے۔ کیونکہ اس درخت کو واپس اسی پہلے بیج کی شکل میں لوٹایا نہیں جاسکتا۔ ایسی بے شمار ناقابل واپسی تبدیلیاں ہی ہمارے ذہن میں وقت کا تصور پیدا کرتی ہیں۔ پھر ہم ان تبدیلیوں کے حوالے سے ہی وقت کو ماضی، حال اور مستقبل میں تقسیم کرتے ہیں۔ اور جب ہم دنیا کی ہر شے کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی ہر شے ہر وقت تغیر پذیر ہے۔ حضرت باباصاحبؒ نے فرمایا۔ "وقت کا کوئی بدل نہیں" یعنی ایک وقت ایک ہی بار آتا ہے، ایک لحہ دوبار نہیں آسکتا۔ کسی ایک لمحے کا متبادل دوسرا لحہ نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آپ وقت کو ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ فرماتے ہیں:

فریدا چارگویاں ہنڈں کے چار گوائیاں سم
لیکھا رب منگیسیا توں آیوں کیہڑے کم

اے فرید چار ساعتیں گھوم پھر کر گنوادیں اور چار سونے میں برباد ہوگئیں۔ خدا کے سامنے کیا جواب دوں گا جب وہ حساب لے گا کہ تمہارا مقصد تخلیق کیا تھا۔

حاصل بحث

طبقاتی معاشرے میں جب علم وفن، قانون، سیاست، مذہب کا منصب بالادست طبقات کے مفادات کا تحفظ ہوجاتا رہا۔ پوری زندگی کے اعمال' سرگرمیاں اور جستجوؤں کا محور بالادست طبقات کو فائدہ پہنچانا ٹھہرا۔ علم بالادست طبقے کے مفادات کو ترویج دیتا رہا تو اس کے مدمقابل زیردست طبقوں کے مفادات، آزادی، مساوات اور نجات کے خیالات نے جنم لیا۔

خطہ ہند میں ان خیالات کے سب سے بڑے شارح حضرت بابا فریدؒ تھے۔ جنہوں نے عربی فارسی اسٹیبلشمنٹ کے دور میں عربی فارسی کے ماہر ہونے کے باوجود اسٹیبلشمنٹ کو تقویت پہنچانے کی بجائے جمہور میں بیداری اور خرد افروزی پیدا کی۔ انہیں مساوات انسانی اور تکریم انسانیت کا پیغام انہی کی زبان میں دیا۔ ہیومن ازم کے خالق پیٹرارک، لورینز دیلا یا موٹیسکو نہیں بلکہ ہیومن ازم کے سب سے پہلے شارح حضرت بابا فریدؒ ہیں۔

(در: بابا فریدؒ سائیں فرید گنج شکر کا فلسفہ انسانیت از محمد مسعود خالد لاہور، 1999ء ص 131-175)

Marfat.com

فیروزالدین احمد فریدی

فریدالدینؒ مسعود گنج شکرؒ کا سالِ وفات

فریدالدین مسعود گنج شکرؒ (باباصاحب) تیرہویں صدی عیسوی کی چھٹی دہائی میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ان کی وفات کے بعد،ان کی جائے ولادت کی طرح،ان کے سال وفات کے بارے میں بھی،آج تک،یعنی پچھلے سوا سات سو برسوں کے دوران،مختلف اور بعض اوقات متضاد روایات گردش کرتی رہی ہیں۔ان متضاد روایات کا سب سے حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ بہت سے علماء اور مورخین نے،جن میں قدیم اور جدید کی تخصیص نہیں،اپنی کتابوں اور مضامین میں،اگر ایک صفحے پر کوئی سنہ (مثلاً ۶۶۴ھ) میں باباصاحب کے سال وفات کے طور پر لکھا تو اسی تحریر کے کسی دوسرے صفحے پر (اور ''تاریخ فرشتہ'' میں تو اسی صفحے پر)،۶۶۴ھ کے بعد کسی اور سنہ (مثلاً ۶۶۹ھ) کا بھی یہ کہہ کر ذکر کر ڈالا کہ باباصاحب اس مؤخرالذکر سنہ میں زندہ تھے۔اگر یہ بدیہی تضاد کسی ایک کتاب میں ہوتا تو نظر انداز کر دیا جاتا لیکن جب گزشتہ سات صدیوں کے دوران،جدید اور قدیم،مطبوعہ اور قلمی سب ہی کتابوں میں یہ ہوتا چلا آرہا ہو تو یہی خیال آتا ہے کہ شاید کسی پُراسرار وجہ سے،باباصاحب کے سال وفات کے گرد نظر بندی کا ایسا حصار کھینچ دیا گیا کہ دیکھنے والے،دیکھنے کے باوجود،نہ دیکھ سکے بلکہ اپنے قلم سے ان تضادات کو اپنی تحریر میں دہراتے رہے۔

جائے ولادت کے مسئلے پر چھائی ہوئی دھند تو اب ان کے محبوب خلیفہ،محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی رہنمائی میں چھٹ گئی ہے،کیا عجب کہ اکیسویں صدی کے آغاز میں اب وہ گھڑی بھی آگئی ہو جب باباصاحب کے سال وفات پر چھائی ہوئی دھند بھی چھٹ جائے۔ہر کام کا وقت مقرر ہے۔

زیر نظر مضمون میں باباصاحب کے سال وفات کے بارے میں روایات یکجا کرنے کی ایک کوشش کی گئی ہے۔جس میں بعض جگہ راقم سطور نے اپنی خام رائے اور تبصرے بھی شامل کر دیئے ہیں۔یہ روایات نقل کرنے اور ان خام تبصروں کے اظہار میں جہاں غلطی ہوئی ہو اور غالباً جگہ جگہ ہوئی ہوگی،اس مضمون کے قارئین ان سے درگزر کر کے ان کی نشان دہی کریں تاکہ ان کی تصحیح ہو اور تحقیق آگے بڑھے جو اس تحریر کا محرک ہے۔

باباصاحب کے سال وفات کے بارے میں چار بنیادی سوالات یہ ہیں:

۱۔ اکثر عالمانہ کتابوں اور محققانہ مضامین میں،باباصاحب کا سال وفات ۶۶۴ھ (مطابق ۱۲۶۵ء) لکھا گیا ہے۔اس کا ماخذ کیا ہے؟

۲۔ کیا ۶۶۴ھ (مطابق ۱۲۶۵ء) صحیح سال وفات ہے؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں؟

۳۔ ۶۶۴ھ (مطابق ۱۲۶۵ء) کے علاوہ باباصاحب کے سال وفات کے بارے میں کیا روایتیں مشہور ہیں؟ اور و

کن سے منسوب ہیں؟

۴۔ صحیح سال وفات کیا ہو سکتا ہے؟ اور اس کی تائید میں کیا اسناد و شواہد ہیں؟

ا۔ سال وفات ۶۶۴ھ کا ماخذ

بابا صاحب کی تاریخ وفات بالاتفاق پانچ محرم ہے جس کا ماخذ، اور جس کی سند، خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات عالیہ ہیں جو ان کے مرید امیر حسن علاء سجزی نے، ۷۰۷ھ سے ۷۲۲ھ (مطابق ۱۳۰۸ء سے ۱۳۲۲ء) کے درمیان، ''فوائد الفواد'' میں ریکارڈ کیے۔ یہ سات سو سالہ پرانے ملفوظات اتنے مستند تسلیم کیے جاتے رہے ہیں کہ ان کی بنا پر بابا صاحب کی تاریخ وفات پر کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا، گو جیسا کہ اس مضمون میں آگے لکھا گیا ہے، بعض کتابوں میں جو بیسویں صدی عیسوی میں شائع ہوئیں، مصنف، کاتب یا پروف ریڈر کی سہو سے، بابا صاحب کی متفقہ تاریخ وفات بھی غلط لکھ دی گئی۔ اسی سہو کی بنا پر یہ قوی شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں بابا صاحب کے سال وفات کے بارے میں صدیوں سے پایا جانے والا یہ اختلاف بھی کسی مصنف، کاتب یا پروف ریڈر کی سہو کا نتیجہ تو نہیں جس نے بے خیالی میں مثلاً لفظ ''سبع'' کو ''تسع'' لکھ دیا ہو۔

تاریخ وفات پر اتفاق کی بنیاد تو معلوم ہوگئی، سال وفات پر عدم اتفاق کی سب سے بڑی وجہ بھی، بادی النظر میں، یہی لگتی ہے کہ سال وفات کا ذکر ''فوائد الفواد'' میں نہیں۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ ''فوائد الفواد'' کے پندرہ برس پر محیط یہ ملفوظات غیر رسمی نشستوں میں ہونے والی وہ دل نشیں گفتگو ہے جس کا واحد مقصد روحانی رہنمائی تھا، نہ کہ سوانح نگاری یا تاریخ نویسی۔ مشاہدے اور تجربے کی بات ہے کہ جب ہم اپنی رسمی گفتگو میں، کسی عزیز کی موت کا ذکر کرتے ہیں تو وفات کے وقت، دن یا تاریخ کا ذکر تو آتا ہے لیکن سال یا صدی کا کبھی نہیں۔ اگر غیر رسمی گفتگو میں، کسی عزیز کی موت کا ذکر کرتے ہوئے، وفات کے سال یا وفات کی صدی کا ذکر آنے لگے تو یہ نہ صرف انتہائی رسمی بلکہ غیر فطری لگے گا۔ اس نوع کا ذکر بات چیت میں نہیں بلکہ رسمی تحریر میں ہوتا ہے اور یہ تحریریں مؤرخوں اور سیرت نگاروں کی ہوتی ہیں، روحانی پیشواؤں کی نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مؤرخوں اور سیرت نگاروں نے بابا صاحب کے سال وفات کے بارے میں کیا لکھا۔

گزشتہ صدیوں میں، جب نہ کمپیوٹر تھا، نہ چھاپے خانے، کتابیں لکھنے کے دو طریقے ہو سکتے تھے۔ اولاً مصنف اپنے ہاتھ سے کتاب کا پہلا مسودہ لکھتا ہوگا اور بعد میں کاتب اسے نقل کرتے ہوں گے۔ ثانیاً مصنف کسی کاتب کو کتاب کی املا کرا دیتا ہوگا اور کتاب کی کتابت کاتب کرتے ہوں گے، گویا زورِ قلم مصنف کا اور قلم کاتب کا۔ اب ''کاتب'' کو کمپیوٹر پڑھیں۔ صدیوں پہلے کتابت شدہ کتابوں کے جو قلمی نسخے اب تک موجود ہیں، ان کے بارے میں اگر آج وثوق سے یہ کہا جا سکتا کہ وہ عہد قدیم کے مصنف کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں، یا یہ کہ کاتب سے کتابت کرانے کے بعد، مصنف نے مسودے کو پڑھ کر اسے درست قرار دیا تو حقائق کی صحت کا ذمہ دار مصنف ہوتا، لیکن اگر یہ قدیم قلمی نسخے کاتبوں کے ہاتھوں سے نکلی ہوئی نقول، بلکہ نقلوں کی نقلیں، ہوں جو مصنف کی وفات کے بعد صدیوں سے نقل کی جا رہی ہوں تو ان کے اندر، خصوصاً چند اعداد یا بعض الفاظ کے اندر، پائی جانے والی سہو کا ذمہ دار ضروری نہیں کہ مصنف ہو بلکہ عین ممکن ہے کہ کوئی کاتب ہو۔

Marfat.com

اگر کتاب مصنف کے ہاتھ سے بھی لکھی گئی ہو، تب بھی پانچ باتوں پر غور کرنا ضروری ہے۔ اولاً بڑے سے بڑے مصنف سے بھی دوران تحریر سہو ہو سکتا ہے۔ کتابوں کی بات چھوڑ یئے۔ بعض اوقات خط میں کوئی سہو ہو جائے تو صاحب تحریر، نظر ثانی کے دوران، اسے نہیں پکڑ پاتا، شاید یہ سہو مکرر، انسانی نفسیات کے اس پہلو کا عکاس ہو کہ انسان کی نظر اپنی غلطی پر کم ہی پڑتی ہے یا پھر اس بات کا مظہر ہو کہ مصنف اپنی تحریر، اپنی آنکھوں سے نہیں بلکہ اپنے دماغ سے پڑھتا ہے۔

ثانیاً کتاب کی تصنیف کا ایک مقصد ہوتا ہے۔ اگر مقصد کسی کی پیدائش یا موت کا سال بتانا ہو تو مصنف کی توجہ ان کی صحت بیان پر مرکوز ہو گی لیکن اگر مقصد کسی کی سیرت، کسی کا پیغام یا کسی کے بارے میں کوئی اہم واقعہ بیان کرنا ہو تو مصنف کی توجہ اس پر رہے گی، نہ کہ ان سنین پر جن میں یہ بات کہی گئی ہو یا وہ واقعہ رونما ہوا ہو۔ اگر سنین کا ذکر آئے گا تو مصنف کی توجہ کا مرکز سنین کی صحت اندراج نہیں بلکہ سیرت یا واقعات کا صحت بیان ہو گا۔

ثالثاً، زمانہ قدیم میں، کسی قلمی کتاب کا نسخہ سامنے رکھ کر، کاتب حضرات جن میں سے بیشتر، آج کی طرح، معاوضے پر کتابت کرتے تھے، جب کتابت کرنے بیٹھتے تھے تو عین ممکن ہے کہ کسی ضخیم کتاب کے اوراق کو، صبح سے شام تک نقل کرتے ہوئے، ان سے کہیں کوئی فقرہ چھوٹ جاتا ہو یا فقرے رہ جاتے ہوں، کہیں کوئی حرف یا لفظ ادل بدل ہو جاتا ہو اور اعداد کی غلطیوں میں اس قسم کے سہو دیکھنے کے لیے ہمیں زمانۂ قدیم کی کتب کو کھنگالنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسی عہد میں بابا صاحب کی دو سوانح ہائے حیات کی دو مثالیں کافی ہیں جن کا تفصیلی ذکر بعد کے صفحات میں آئے گا۔ ایک میں جو لاہور کے ایک خاصے جانے پہچانے اشاعتی ادارے نے شائع کی ہے، بابا صاحب کی تاریخ وفات ''پانچ'' محرم کی بجائے ''نو'' محرم لکھی ہے۔ دوسری میں، ملتان سے تعلق رکھنے والے ایک جانے پہچانے معلم اور مؤرخ نے بابا صاحب کی تاریخ وفات نہ صرف ''پانچ'' کی بجائے ''نو'' لکھی بلکہ ''نو محرم'' کی بجائے ''نو اکتوبر ۶۶۴ھ'' لکھ ڈالی، حالاں کہ ہجری تقویم میں اکتوبر کا مہینہ نہیں ہوتا۔ جب ایسی غلطیاں بیسویں صدی عیسوی میں ہو سکتی ہیں تو خیال کیجئے کہ گزشتہ صدیوں میں کیا کچھ ہوا ہو گا اور کیا کچھ نہ ہوا ہو گا۔

رابعاً قدیم فارسی اور عربی کے بعض ہندسے ''۶ اور ''۹'' اور گنتی کے الفاظ مثلاً ''سبع'' اور ''تسع'' اتنے ملتے جلتے ہیں کہ مصنف، اور مصنف سے کہیں زیادہ کاتب کی ذرا سی بھول چوک سے لفظ ''سبع'' کو ''تسع'' لکھنے میں کچھ دیر نہیں لگتی اور یہ معصوم سا سہو جو چھ سیکنڈ میں ہو گیا ہو، چھ صدیوں کی بحث کو جنم دے سکتا ہے۔

خامساً یہ بات یاد رکھی ضروری ہے کہ بابا صاحب، یا سلسلۂ چشت کے دوسرے صوفیائے کرام، کے بارے میں جو کتابیں ہم آپ آج کل پڑھ رہے ہیں، وہ زیادہ تر پچھلے سو، سوا سو سال کے دوران چھپے ہوئے وہ اردو تراجم ہیں جو مترجموں نے ان کتابوں کے فارسی نسخوں کی دستیاب قلمی نقول سامنے رکھ کر کیے ہیں اور فارسی قلمی نقول، جنہیں ہمارے محققین اور مورخین ''نایاب قلمی نسخے'' کہہ کر سند اور حوالے کے قطعی ثبوت کے طور پر استعمال کرتے ہیں، درحقیقت ان اصل قلمی مسودوں کی وہ نقول، اور بسا اوقات نقول در نقول ہیں، جو آج سے کئی صدیوں قبل، لیکن کتاب کے سنہ تصنیف کے کئی صدی بعد، کئی کاتبوں کے ہاتھوں سے نکلنے کے بعد، منصۂ شہود پر آئیں۔ ان کتابوں کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نقل مطابق اصل ہے بلکہ بعض جگہ تو یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ نقل کے لیے بھی عقل چاہیے۔

ان نایاب قلمی مخطوطات کے بارے میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ نایاب ہیں، قلمی ہیں اور قدیم ہیں۔ اور آگے واللہ اعلم۔ اب دیکھتے ہیں کہ بیسویں صدی عیسوی میں شائع ہونے والی کتب میں، بابا صاحب کے سال وفات کے بارے میں مختلف لکھنے والوں نے، کس کے حوالے سے، کیا لکھا۔ ان لکھنے والوں میں محقق، مؤرخ، معلم، عالم، بابا صاحب کے خانوادے سے تعلق رکھنے والے اور بابا صاحب کے عقیدت مند بھی شامل ہیں۔

شروع میں بابا صاحب کے سال وفات کے بارے میں میں جو چار بنیادی سوالات قائم کئے گئے تھے ان کی وجہ سے اس مضمون کو کئی حصوں میں منقسم کرنا پڑا۔

پہلا حصہ

اس حصے میں پہلے سوال پر بحث و تبصرہ کیا جائے گا۔

۱۔ آغاز پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم سے کرتے ہیں اور سرفہرست ان ہی کا نام ہونا چاہیے کیوں کہ انہوں نے، بہت محنت اور تحقیق سے، بابا صاحب کے بارے میں، غالباً ۱۹۵۳ء میں، انگریزی زبان میں، ایک فاضلانہ کتاب لکھی۔ نظامی صاحب مرحوم فریدی بھی تھے۔ تقریباً ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل، اس کتاب کا نام ہے:۔

"The Life and Times of Shaikh Fariduddin Ganj- i-Shakar"

کتاب کے جس ایڈیشن کے حوالے سے بات کی جارہی ہے، وہ یونیورسل بکس، لاہور نے شائع کیا۔ سال اشاعت کتاب پر درج نہیں ہے۔ اس کتاب سے چار فقرے نیچے درج کیے جاتے ہیں:

(i)In Jamadi I 664 A.H. /1265 A.D., Shaikh Nizamuddin visited his master for the last time.(صفحہ نمبر ۷۵)

(ii)On 13th Ramazan 664 A.H./1265 A.D. Shaikh Farid granted his Khilafat Namah in 1265 A.D.(صفحہ نمبر ۱۱۰)

صفحہ نمبر ۱۱۰ کی مزید تفصیل، صفحہ نمبر ۵۶ پر، ان الفاظ میں دی گئی ہے:

(iv)It was 5th Muharram 665 A.H. (October 15,1265).(صفحہ نمبر ۵۶)

اس کتاب کی تصنیف کے تیس برس بعد، ۱۹۸۳ء میں، قاضی محمد حفیظ اللہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو "المعارف" گنج بخش روڈ، لاہور نے "احوال و آثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ" کے نام سے شائع کیا۔ اس ترجمے میں، فاضل مترجم نے پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کی انگریزی زبان کی کتاب کی بعض صریح غلطیوں اور قابل توضیح باتوں کی تصحیح اور وضاحت' اپنے اردو ترجمے میں، حاشیے (Footnotes) دے کر کی۔ مذکورہ بالا چار انگریزی فقروں میں بھی، فاضل مترجم کو وضاحت کی جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی اسے انہوں نے اپنے اردو ترجمے میں کر دی جو مندرجہ ذیل سطور میں قوسین میں درج ذیل ہے:

(۱)۔ صفحہ نمبر ۱۵۸ جمادی الاول (جمادی الاولیٰ) ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء میں، شیخ نظام الدین اولیاء (تیسری اور) آخری بار بابا صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ملنے (اجودھن) گئے۔

Marfat.com

(۲)۔صفحہ نمبر ۱۵۹۔ تیرہ رمضان المبارک ۶۶۴ء/ ۱۲۶۵ء کو بابا صاحب نے شیخ نظام الدین اولیاء کو خلافت نامہ عطا فرمایا۔

(۳)۔صفحہ نمبر ۲۲۰ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ ۱۲۶۵ء میں واصل بحق ہوئے۔

(۴)۔صفحہ نمبر ۱۲۳ پانچ محرم ۶۶۴ھ کا دن تھا، پندرہ اکتوبر ۱۲۶۵ء۔

مندرجہ بالا ترجمہ سے واضح ہوتا ہے کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کی کتاب کی تصنیف کے تقریباً تیس برس بعد اس کتاب کے فاضل مترجم کو بابا صاحب کے سال وفات کے ۶۶۴ھ (مطابق ۱۲۶۵ء) ہونے کے بارے میں کسی قسم کا شک نہ تھا اور نہ وہ یقیناً اپنے ترجمے کے حاشیوں (Footnotes) کی صورت میں اس کا اظہار کر دیتے۔

۳۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی کا تعلق بھی بابا صاحب کے خاندان سے ہے۔ یہ تعلق صرف خاندانی نہیں بلکہ علم کے ناطے سے بھی ہے اور عقیدت کے حوالے سے بھی۔ ستمبر ۱۹۷۴ء میں، ماہنامہ ''منادی'' دہلی نے، جس کے مالک اور مدیر خواجہ حسن ثانی نظامی ہیں، ایک خصوصی نمبر، ''حضرت بابا فرید نمبر'' کے نام سے نکالا۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی نے اس خصوصی نمبر میں اپنے علم و تحقیق کی بنیاد پر، مختلف عنوانات سے سات مضامین لکھے۔ بابا صاحب کے سال وفات کے بارے میں، انہوں نے ان مضامین میں جو کچھ لکھا، وہ یہ ہے:

(۱)صفحہ نمبر ۱۳ ''حضرت بابا فریدؒ'' کے عنوان سے، اپنے پہلے مضمون میں، پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی لکھتے ہیں:۔

''حضرت بابا فریدؒ نے ۶۶۴ھ یعنی ۱۲۶۵عیسوی میں۔۔۔۔۔۔انتقال فرمایا۔''

(۲)صفحہ نمبر ۱۳

''بابا صاحب کے آخری زمانہ عمر میں سلطان غیاث الدین بلبن حکمراں تھا۔'' (واضح رہے کہ بلبن ۱۲۶۶ء میں سلطان بنا۔ اس پر تبصرہ بعد کے صفحات میں کیا گیا ہے۔)

(۳)صفحہ نمبر ۱۳۹ اپنے دوسرے مضمون میں، جو ''راحت القلوب۔ ایک تنقیدی جائزہ'' کے عنوان سے ہے، پروفیسر نثار احمد لکھتے ہیں:۔

''امیر خورد (کرمانی) دوسرے موقع پر لکھتے ہیں: سلطان المشائخ نے اپنے قلم مبارک سے لکھا ہے کہ شیخ الشیوخ حضرت بابا فریدؒ نے کاتب حروف کو بلایا، جمعہ کے دن نماز کے بعد، ۲۵ جمادی الاول (جمادی الاولیٰ) کو۔۔۔۔اور فرمایا تمہیں دین اور دنیا دے دی۔ یہاں تو یہی کچھ تھا۔ جاؤ ملک ہندوستان (کی ولایت) لے لو۔

اس صفحے (صفحہ نمبر ۱۳۹) کے حاشیے نمبر ۲ میں، پروفیسر نثار احمد لکھتے ہیں:

''یعنی یہ ۲۵ جمادی الاول (جمادی الاول) ۶۶۹ھ کا واقعہ ہے۔ اس تاریخ کو، حضرت محبوب الٰہی اجودھن میں حضرت بابا صاحبؒ کی خانقاہ میں مقیم تھے اور بابا صاحبؒ بقید حیات تھے مگر یہاں تاریخ میں کچھ غلطی واقع ہوتی ہے کیونکہ حضرت بابا صاحبؒ کا انتقال ۵ محرم ۶۶۴ھ کو ہوا ہے۔'' اخبار الاخبار۔ مطبع مجتبائی دہلی۔ ۱۳۳۲ھ۔ ص ۵۴)

(۴)صفحہ نمبر ۱۴۳ ''راحت القلوب ہے۔ ایک تنقیدی جائزہ'' کے عنوان سے اسی مضمون میں آگے تحریر ہے:

''بابا صاحب کا انتقال ۵ محرم ۶۶۴ھ کو ہوا ہے۔۔۔۔(خواجہ نظام الدین اولیاء) آخری بار رمضان ۶۶۳ھ میں اجودھن میں تھے۔شوال (۶۶۳ھ) میں بابا صاحب نے آپ کو دہلی کے لیے رخصت کر دیا تھا اور اس کے تین ماہ بعد محرم ۶۶۴ھ میں بابا صاحبؒ نے رحلت فرمائی۔''

اس صفحے کے حاشیے میں، پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:۔

''اسی سفر میں، تیرہ رمضان ۶۶۹ھ کو، بابا صاحبؒ نے (شیخ نظام الدین اولیاء کو) خلافت عطا فرمائی تھی (سیر الاولیاء:۱۱۶)''

واضح رہے کہ پروفیسر صاحب نے یہاں بھی ''سیر الاولیاء'' کے مذکورہ بالا بیان پر کسی ذہنی تحفظ کا اظہار نہیں کیا ہے۔

دوسرے صفحات کو فی الحال چھوڑ کر، اگر اس وقت صفحہ نمبر ۱۶۳ اور اس کے حاشیے پر لکھی ہوئی مندرجہ بالا دونوں تحریروں کو آمنے سامنے رکھیں تو یہ عیاں ہے کہ ماہنامہ ''منادی'' دہلی کے ایک ہی شمارے کے ایک ہی صفحے پر، پروفیسر صاحب کے قلم سے دو متضاد باتیں نکلیں۔پہلی یہ کہ بابا صاحب کا انتقال ۶۶۴ھ میں ہوا اور دوسری یہ کہ بابا صاحب، اس کے پانچ برس بعد، ۶۶۹ھ میں زندہ تھے اور اس سال تیرہ رمضان ۶۶۹ھ کو بابا صاحب نے خواجہ نظام الدین اولیاء کو خلافت نامہ عطا کیا۔یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسی ماہنامے کے اسی شمارے میں، صفحہ ۲۰۳ پر، پروفیسر صاحب نے اپنے ایک مختلف مضمون کے حاشیے میں (جس کا ذکر نیچے ہے) اس بات کا ۶۶۹ھ میں ہونا بھی غلط بتایا ہے اور اسی قطعی رائے کا اظہار کیا ہے کہ یہ سال (۶۶۹ھ کی بجائے) ۶۶۰ھ ہے۔(صفحہ نمبر ۲۰۳)

(۵) صفحہ نمبر ۱۴۵ اسی فاضلانہ مضمون میں ''تاریخی غلطیاں'' کے ذیلی عنوان اور ''سیر الاولیاء'' کا حوالہ دیتے ہوئے، پروفیسر صاحب نے لکھا ہے:

''شیخ سعدی الدین حمویہ نے ۶۵۵ھ میں انتقال کیا۔اس کے تین سال بعد ۶۵۸ھ میں شیخ سیف الدین باخرزی کی وفات ہوئی اور ان سے تین سال بعد ۶۶۱ھ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا وصال ہوا، اور ان سے تین سال بعد حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ نے ۶۶۴ھ میں انتقال فرمایا۔'' (حوالہ: سیر الاولیاء۔۹۱)

سنین کے بارے میں تفصیلی بحث تو اس مضمون کے بعد کے صفحات میں کی جائے گی لیکن یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ ''سیر الاولیاء'' کے جو فارسی اور اردو نسخے ہمارے سامنے ہیں یا ''سیر الاولیاء'' کے جن نسخوں کے حوالے سے پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی کے علاوہ، اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم کے استثناء کے ساتھ دوسرے فاضل مصنفین نے ''سیر الاولیاء'' کا مندرجہ بالا بیان نقل کیا ہے، ان نسخوں میں سنین درج نہیں، صرف چاروں صوفیائے کرام کی وفات میں تین تین سال کے وقفہ کا ذکر ہے۔مضمون کے پہلے اور چوتھے حصوں میں اس پر مزید تبصرہ کیا گیا ہے۔

(۶) صفحہ نمبر ۱۴۷ اسی مضمون میں وہ آگے لکھتے ہیں:

''یہ واقعہ حضرت نظام الدین کے آخری سفرِ اجودھن (۶۶۳ھ) کا ہوگا اور بابا صاحب کسی تبصرے، تحفظ یا تصحیح کے بغیر، یہ لکھ چکے ہیں کہ ''اسی سفر میں تیرہ رمضان ۶۶۹ھ کو، بابا صاحب نے (شیخ نظام الدین اولیاء کو) خلافت عطا فرمائی

Marfat.com

تھی۔'' اوراس کے بعد، پروفیسر نے اس رائے کا بھی اظہار کیا تھا کہ یہ سال ۶۶۰ھ ہے۔ (صفحہ نمبر ۲۰۳) اور اب وہ ۶۶۳ھ کو بھی یہ سال قرار دے رہے ہیں (صفحہ نمبر ۱۴۷)

(۷) صفحہ نمبر ۱۸۱ ''فوائد السالکین ہے۔ ایک تنقیدی جائزہ'' کے عنوان سے، ماہنامہ ''منادی'' دہلی میں شائع ہونے والے، اپنے تیسرے مضمون میں، ''سوانحی بیانات'' کے ذیلی عنوان سے، پروفیسر صاحب نے، اپنے وسیع مطالعہ اور علم کی بنا پر لکھا ہے:

''ہمیں معلوم ہے کہ بابا صاحبؒ نے ۶۶۴ھ میں نوے سال سے زائد (تقریباً ۹۳) کی عمر میں انتقال فرمایا ہے۔''

اس معلوم ہونے کی سند کے طور پر، پروفیسر صاحب نے اسی صفحے کے حاشیے پر، دو کتابیں یعنی ''فوائد الفواد: ۸۹'' اور ''سیر الاولیاء: ۹۱'' کے حوالے دیئے ہیں۔ ''فوائد الفواد'' کا حوالہ اس وجہ سے مکمل طور پر صحیح نہیں کہ ''فوائد الفواد'' میں، ایک مجلس کے علاوہ کہیں کوئی سنہ تحریر نہیں اور یہ واحد استثناء ''فوائد الفواد'' کی چوتھی جلد کی انتیسویں (۲۹ویں) مجلس ہے جو گیارہ جمادی الاول ۷۱۶ھ (مطابق یکم اگست ۱۳۱۶ء) اتوار کو منعقد ہوئی، جس میں خواجہ نظام الدین اولیا نے ایک مصرعے کے حروف سے التمش کا سال وفات نکالا تھا۔

(۸) صفحہ نمبر ۱۹۵ ''دررِ نظامیہ۔ حضرت بابا فریدؒ اور حضرت محبوب الٰہی کے حالات کا ایک ماخذ'' کے عنوان سے اپنے چوتھے مضمون میں پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی لکھتے ہیں:

''درر نظامیہ'' سے، حضرت نظام الدین اولیاء کے ایک سفر اجودھن کی تاریخ قطعیت سے معلوم ہو جاتی ہے۔ آپ ۲۶ رمضان ۶۶۰ھ بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اسی سال آپ کو خلافت نامہ عطا ہوا تھا (دررِ نظامیہ)'' اسی صفحے کے حاشیے میں، پروفیسر صاحب لکھتے ہیں: ''سیر الاولیاء میں بعض سنہ (سنین) صریحاً غلط ہیں۔ ان پر تفصیل سے بحث علیحدہ مضمون میں کی گئی ہے۔ اس موقع پر بھی سیر الاولیاء میں ۶۶۹ھ درج ہے حالاں کہ ۶۶۴ھ میں بابا صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔''

ہماری نظر سے پروفیسر صاحب کا وہ تحقیقی مضمون نہیں گزرا جس میں انہوں نے ۶۶۹ھ کو غلط ثابت کیا ہوگا اور ''سیر الاولیاء'' میں درج اسی نوع کے دوسرے ''صریحاً'' غلط سنین پر تفصیل سے بحث کی ہوگی، یہ مضمون یقیناً چھپ چکا ہوگا۔ تاہم یہاں غور کرنے والی بات صرف یہ ہے کہ کم از کم ستمبر ۱۹۷۴ء تک پروفیسر صاحب کی یہ مستحکم رائے تھی کہ بابا صاحب کا سال وفات ۶۶۴ھ ہے۔

''دررنظامیہ'' کے مصنف مولانا علی بن محمود جاندار ہیں۔ پروفیسر صاحب نے ماہنامہ ''منادی'' دہلی (ستمبر ۱۹۷۴ء) کے صفحہ ۱۹۰ پر لکھا ہے کہ اس کتاب کا واحد قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانے میں بتایا ہے اور اس کا فارسی متن ابھی تک (ستمبر ۱۹۷۴ء تک) غیر مطبوعہ ہے۔ صرف اردو ترجمہ دلی سے شائع ہوا ہے جس کا سنہ اشاعت دیا گیا ہے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ تاریخ کے اہم امور پر قطعی رائے قائم کرنے کے لیے، اس قسم کے ترجمے پر کلی انحصار کرنا کس حد تک مناسب اور محتاط ہوگا۔

Marfat.com

(۹) اسی صفحے پر لکھا ہے:

''بعض حضرات نے یہ خیال کیا ہے کہ بابا صاحبؒ کے برادرِ خورد حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کا انتقال بابا صاحب کے وصال سے ''چند ماہ'' قبل ہوا تھا مگر دررِ نظامیہ سے حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے انتقال کی تاریخ معلوم ہو جاتی ہے کہ انہوں نے نو رمضان ۶۶۰ھ کو سفرِ آخرت اختیار کیا تھا جب کہ بابا صاحبؒ پانچ محرم ۶۶۴ھ کو محبوب حقیقی سے واصل ہوئے ہیں۔''

(۱۰) اسی صفحے (صفحہ نمبر ۱۹۵) پر آگے یہ فقرہ آتا ہے:

''ہمیں معلوم ہے کہ انہوں نے (بابا صاحبؒ نے) ۶۶۴ھ میں انتقال فرمایا۔''

(۱۱) صفحہ نمبر ۲۰۳ (چوتھے) مضمون میں یہ لکھا گیا ہے:

(خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ) ''میں نے یہ دعا یاد کر لی اور شہر میں روز پڑھتا رہا۔ پھر چھبیسویں ماہ رمضان ۶۶۰ھ میں جو حاضرِ خدمت ہوا تو فرمایا کہ ۔۔۔۔ تم ایسے درخت بنو گے کہ تمہارے سائے میں خلق خدا آرام کرے گی ۔۔۔۔ بعدازاں مولانا بدرالدین اسحاق سے ارشاد کیا کہ کاغذ لا کر اجازت نامہ لکھ دو۔ انہوں نے اجازت نامہ تیار کیا۔ حضور نے اپنے دست خاص سے اجازت نامہ اور خلعت مجھے عنایت فرما کر ارشاد کیا کہ ہانسی میں مولانا جمال الدین اور دہلی میں قاضی منتجب الدین کو دکھا دینا۔''

اگر ماہنامہ منادی (ستمبر ۱۹۷۴ء) کے صفحات نمبر ۱۹۵ اور ۲۰۳ پر درج شدہ مندرجہ بالا بیانات کو درست مان لیا جائے تو اس سے دو نتائج نکلتے ہیں۔ اولاً بابا صاحب نے اپنے انتقال سے تین برس پہلے خواجہ نظام الدین اولیاء کو خلافت نامہ عطا فرمایا۔ ثانیاً جب یہ خلافت نامہ عطا کیا گیا تو مولانا جمال الدین ہانسی زندہ تھے۔ ان دونوں نتائج کے بارے میں، بہت محتاط الفاظ میں، یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ تحقیق طلب ہیں اور ایک محقق ہونے کی حیثیت سے، پروفیسر صاحب کو بغیر تحقیق یہ درج نہ کرنے چاہیے تھے۔

(۱۲) صفحہ نمبر ۲۰۳: اسی صفحے کے حاشیے میں، پروفیسر پھر یہ لکھتے ہیں: ''سیر الاولیاء: ۱۱۶ میں خلافت ملنے کی تاریخ تیرہ رمضان ۶۶۹ھ ملتی ہے لیکن یہ غلط ہے اور دررِ نظامیہ کی روایت یعنی ۶۶۰ھ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ تفصیلی بحث دوسرے موقع پر ہوگی۔''

یہ دوسرا موقع یقیناً آیا ہوگا جس میں پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی صاحب نے ''سیر الاولیاء'' کی روایت (۶۶۹ھ) کو غلط اور ''دررِ نظامیہ'' کی روایت (۶۶۰ھ) کو درست ثابت کیا ہوگا۔ بابا صاحب کے صحیح سال وفات کا تعین کرنے والے محققین کو، اس ''تفصیلی بحث'' کو حاصل کر کے، اس سے مکمل استفادہ کرنا چاہیے جس سے نہ صرف سال وفات کے صحیح تعین میں مدد ملے گی بلکہ یہ بھی معلوم ہوگا کہ بابا صاحب نے خواجہ نظام الدین اولیاء کو خلافت نامہ رمضان کی تیرہ تاریخ کو دیا تھا یا چھبیسویں تاریخ کو۔

۳۔ شیخ محمد اکرام مرحوم اس مرحوم سروس کے رکن تھے جو انگریزی دورِ حکومت میں ''انڈین سول سروس'' (I.C.S.) کہلاتی تھی، تاہم ان کی موت کے بعد ان کا نام زندہ ہے تو وہ ''آئی سی ایس'' افسر ہونے کی بنا پر نہیں جو ہزاروں ہوئے اور جن کا

Marfat.com

آج کوئی نام بھی نہیں جانتا، بلکہ اپنی تین معرکۃ الآرا تصانیف یعنی ''آبِ کوثر''، ''رودِ کوثر'' اور ''موجِ کوثر'' کے حوالے سے ہے۔ اپنی اولین تصنیف ''آبِ کوثر'' میں شیخ محمد اکرام مرحوم نے برصغیر پاکستان و ہند کے علماء فقہا اور صوفیہ کی تاریخ، اس برصغیر میں اسلام کی آمد سے خاندان لودھی تک قلم بند کی ہے۔ کتاب ۱۹۳۷ء میں لکھی گئی اور ہمارے سامنے اس کا سولہواں ایڈیشن ہے جو ۱۹۹۶ء میں ادارۂ ثقافت اسلامیہ نے لاہور سے شائع کیا۔ اس کے صفحہ نمبر ۲۱۸ پر درج ہے کہ ''اپنی وفات یعنی ۱۲۶۵ء تک (بابا فرید) وہیں (یعنی پاک پتن میں) رہے۔''

گو پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم اور شیخ محمد اکرام مرحوم، دونوں نے، بابا صاحب کا سال وفات ۱۲۶۵ء (مطابق ۶۶۴ھ) میں لکھا ہے لیکن انصاف کا تقاضا ہے کہ یہاں اس امر کا ذکر کر دیا جائے کہ جب (۱۹۳۷ء کے لگ بھگ) شیخ محمد اکرام مرحوم برصغیر پاک و ہند کے علماء، فقہاء اور صوفیہ کے بارے میں یہ عالمانہ کتاب لکھ رہے تھے تو ان کا مقصد اسلام کے ان عظیم سرداروں کی تاریخ پیدائش یا تاریخ وفات کا تعین نہ تھا۔ تاہم اگر شیخ محمد اکرام مرحوم نے اپنی عالمانہ اور محققانہ تصنیف میں جو ''آبِ کوثر'' کہلاتی ہے، بابا صاحب کا سال وفات ۱۲۶۵ء لکھا جو قمری تقویم کے مطابق ۶۶۴ھ بنتا ہے اور ''آبِ کوثر'' کے بعد کے ایڈیشنوں میں بھی یہی سنہ تواتر سے چھپتا رہا تو انہوں نے یہ سنہ کسی سند کی بنیاد پر لکھا ہوگا اور یہ سند وہ کتاب یا کتابیں ہوں گی جو ۱۹۳۷ء کے لگ بھگ شیخ محمد اکرام کے سامنے ہوں گی۔ شیخ محمد اکرام مرحوم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اگر اس مستند کتاب یا ان مستند کتب میں بابا صاحب کا سال وفات ۱۲۶۵ء لکھا ہے تو اسے درست تسلیم کر لینا چاہیے اور پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ شیخ محمد اکرام مرحوم کی تصنیف کا موضوع بابا فرید نہیں تھا بلکہ برصغیر پاک و ہند کے جملہ ممتاز علماء، فقہاء اور صوفیہ تھے۔ اس کے برعکس، سولہ برس بعد، ۱۹۵۳ء میں، جب پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم نے بابا صاحب کی حیات طیبہ پر کتاب لکھی تو کتاب کا مبارک موضوع بابا صاحب کی ذات والا صفات تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کی انگریزی زبان میں یہ کتاب، اس موضوع پر، کسی زبان میں، پہلی اور تا حال آخری، عالمانہ اور محققانہ تصنیف تھی، اور ہے۔ اس بنا پر پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم سے یہ توقع رکھنا بے جا نہ تھا کہ وہ ایک عظیم مسلم دانش گاہ اور درس گاہ کے محترم معلم، محقق، مورخ اور بابا صاحب کے خاندان سے نسبت رکھنے کے ناطے، بابا صاحب کے سال وفات کو اپنی محققانہ تصنیف میں جگہ دینے سے پہلے، ایک محقق، مورخ اور ناقد کی نظر سے یہ جانچنے کی کوشش کرتے کہ یہ سال وفات تاریخ کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔ اگر تاریخ پاک و ہند کا کوئی معلوم اور مسلمہ واقعہ یہ نشان دہی کرے کہ جس سنہ میں یہ مسلمہ واقعہ وقوع پذیر ہوا، اس سنہ میں بابا صاحب زندہ تھے یا جس قدیم ماخذ کو بنیاد بنا کر، پروفیسر صاحب نے، اپنی کتاب میں، بابا صاحب کا سال وفات ۱۲۶۵ء مطابق ۶۶۴ھ لکھا، اسی قدیم ماخذ میں یہ بھی ذکر ہوا اور یہ ذکر پروفیسر صاحب کی نظر سے گزرا اور ان کے اپنے قلم سے تحریر ہوا کہ بابا صاحب ۶۶۴ھ کے پانچ برس بعد ۶۶۹ھ میں بھی زندہ تھے، تو پروفیسر صاحب مرحوم کو، اپنی محققانہ کتاب میں، اس تضاد کی کم از کم نشان دہی ضرور کر دینی چاہیے تھی اور ۶۶۴ھ کو بابا صاحب کے سال وفات کے طور پر اپنی کتاب میں لکھنے سے اجتناب کرنا چاہیے تھا۔

ہم تو یہ کہیں گے کہ اگر بابا صاحب کے سال وفات کا صحیح تعین پروفیسر خلیق احمد نظام مرحوم کے ہاتھوں ہوتا، تو یہ

Marfat.com

پروفیسر صاحب کا فرض بھی بنتا تھا اور ان کا حق بھی۔ پروفیسر خلیق احمد نظام مرحوم نے بابا صاحب پر بہت محنت سے جو کتاب لکھی، اس کا کچھ اجر پروفیسر صاحب مرحوم کو اس جہاں میں ہی مل گیا، وہ مسلم نیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر اور شام میں بھارت کے سفیر ہوئے جو ہر چند کہ اعلیٰ مناصب ہیں لیکن دنیاوی، عارضی اور ادنیٰ ہیں' تاہم ان کی تصانیف خصوصاً بابا صاحب پر ان کی کتاب آج علمی دنیا میں ایک مقام اور حوالے کی کتب کا درجہ رکھتی ہیں۔ اگر پروفیسر صاحب مرحوم بابا صاحب سے منسوب بعض دیگر (متنازعہ) روایات کے بارے میں، جس میں بابا صاحب کا سال وفات بھی شامل ہے، ایک محقق اور مورخ کی حیثیت سے، اپنی وقیع رائے کا اظہار کر دیتے تو یہ بابا صاحب کے چاہنے والوں پر، پروفیسر مرحوم کا احسان ہوتا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم، پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی اور شیخ محمد اکرام مرحوم کے بعد، اب بیسویں صدی عیسوی کے ان سوانح نگاروں پر ایک نظر ڈالتے ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں بابا صاحب کا سال وفات وہی، یعنی ۶۶۴ھ لکھا ہے۔

۴۔ سید نصیر احمد جامعی کی کتاب کا نام ''حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ'' ہے جو سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور شائع کی۔ کتاب کا سال تصنیف اور سنہ اشاعت درج نہیں۔ صفحہ ۲۷ پر تحریر ہے:۔

''نو محرم ۶۶۴ھ مطابق پندرہ اکتوبر ۱۲۶۵ء بابا صاحب (نے)۔ جان بحق تسلیم کی۔''

مندرجہ بالا فقرے میں لفظ ''نو'' پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ مصنف یا کاتب کا سہو قلم ہے جو پروف پڑھتے وقت درست نہیں ہوا۔ بابا صاحب کی تاریخ وفات بالاتفاق پانچ محرم ہے، نو محرم نہیں۔ جب کتاب میں متفقہ تاریخ وفات میں یہ سہو ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ (غیر متفقہ) سال وفات کے بارے میں لکھتے وقت کسی تحقیق سے کام نہیں لیا گیا ہوگا۔

۵۔ مولانا نور احمد خاں فریدی کا تعلق سرائیکی علاقے اور محکمہ تعلیم سے تھا، ان کی متعدد تاریخی اور تحقیقی کتابوں میں سے ''مشائخ چشت'' ہے جو قصر الادب، رائٹرز کالونی، ملتان نے شائع کی۔ اس کتاب کا بھی سال تصنیف اور سنہ اشاعت درج نہیں۔ صفحہ نمبر ۱۶۷ پر لکھا ہے:

''نو اکتوبر ۶۶۴ھ بمطابق پندرہ اکتوبر ۱۲۶۵ء حضرت شیخ العالم (بابا صاحب) جان بحق تسلیم کی۔'' پہلی بدیہی غلطی تو یہی ہے کہ ہجری سال میں اکتوبر کا مہینہ نہیں ہوتا۔ دوسری یہ کہ مولانا نور احمد خاں فریدی سے بھی ''نو'' کی تاریخ لکھنے، یا پروف پڑھنے میں سہو ہو گئی۔ سرائیکی علاقے کے ایک ممتاز معلم اور مؤرخ ہونے کے ناطے، مولانا نور احمد خاں فریدی سے یہ توقع بے جا نہ تھی کہ ان کی محققانہ کتاب میں بابا صاحب کی تاریخ وفات کے بارے میں یہ دو غلطیاں نہ پائی جاتیں بلکہ ان سے تو بجا طور پہ یہ توقع رکھی جا سکتی تھی کہ اگر وہ بابا صاحب کے صحیح سال وفات کے تعین کی سعی نہیں کر سکتے تھے تو کم از کم اپنی کتاب میں بابا صاحب کے درج شدہ سال وفات یعنی ۶۶۴ھ، کے بارے میں اپنے تحفظات کا مختصر اظہار کر دیتے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ یہاں بھی یہ وضاحت کر دی جائے کہ مولانا نور احمد خان فریدی کا موضوع مشائخ چشت کی تاریخ تھا، بابا صاحب کی سوانح حیات یا ان کا سال وفات نہیں۔ اس لیے اگر مولانا نور احمد خان فریدی مرحوم نے بھی، دوسرے مؤرخین اور مصنفین کی طرح، یہ قیاس کر لیا کہ بابا صاحب کا جو سال وفات یعنی ۶۶۴ھ، بیشتر کتابوں میں لکھا

ہے، وہی درست ہوگا تو یہ قیاس قابل فہم ہے۔

۶۔ سید مسلم نظامی دہلوی کا تعلق بابا صاحب کے خانوادے سے ہے۔ تقسیم ہند سے قبل، وہ دِلی میں بستی نظام الدین میں رہتے تھے۔ جہاں بابا صاحب کے محبوب خلیفہ خواجہ نظام الدین اولیاء خوابیدہ ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد، وہ بابا صاحب کی خواب گاہ کی بستی پاک پتن میں بس گئے۔ سید مسلم نظامی دہلوی نے ''انوار الفرید المعروف بہ تاریخ فریدی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو صوفیہ دارالاشاعت، بیت الفرید، اُردو منزل، پاک پتن نے، ایک سے زائد بار، شائع کی۔ ہمارے سامنے جو نسخہ ہے، اس پر کتاب کا سال تصنیف اور سنہ اشاعت درج نہیں۔ صفحہ نمبر ۶۴ پر لکھا ہے:

''حضرت بابا صاحبؒ کے سنِ وفات ۶۶۴ھ پر سیرت نگاروں کی اکثریت ہے۔'' یہاں یہ بات نوٹ کرنے والی ہے کہ دوسرے مصنفین کے برعکس، جنہوں نے ۶۶۴ھ یا ۱۲۶۵ء کو، کسی تبصرے یا ذہنی تحفظ کے بغیر، بابا صاحب کے سال وفات کے طور پر بیان کیا ہے، سید مسلم نظامی دہلوی نے اس ایک فقرے میں اپنے تحفظات کا اظہار کر دیا ہے۔

۷۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم نے ۱۹۵۰ء میں ''بزم صوفیہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ہمارے سامنے اس کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ۱۹۷۱ء میں، مطبع دارالمصنفین اعظم گڑھ بھارت سے شائع ہوا۔ صفحہ نمبر ۱۷۴ پر لکھا ہے:

''گذشتہ اوراق میں ذکر آیا ہے کہ سیر الاولیاءٗ اخبارٗ جواہر فریدی اور سفینۃ الاولیاء میں تاریخ وفات ۵ محرم روز سہ شنبہ (منگل) ۶۶۴ھ ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔''

یہاں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ کتاب کے صفحہ نمبر ۱۳۰ پر، مصنف نے شیخ بہاء الدین زکریا کا سال وفات، ''سیر الاولیاء'' کے صفحہ ۹۱ کے حوالے سے، ''۶۶۷ھ'' لکھا ہے یعنی بابا صاحب کے وصال سے تین برس بعد۔

۸۔ شیخ مجدد الف ثانیؒ اور ابوالفضل کے ہم عصر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی مشہور کتاب ''اخبار الاخیار'' کا نقش اول، آج سے کوئی چار صدی پہلے مرتب کیا، گویا یہ بات گیارہویں صدی ہجری/سترہویں عیسوی کے ابتدائی دور کی ہے۔ ''مرآۃ الاسرار'' کے مصنف شیخ عبدالرحمٰن چشتی (جن کا ذکر آگے آئے گا۔) کا تعلق بھی اسی صدی سے ہے اور اسی طرح وہ ان متذکرہ بالا تین اصحاب کے ہم عصر خورد ہیں۔ مندرجہ ذیل جدول سے یہ بات مزید واضح ہو جائے گی:

نمبر شمار	نام	پیدائش		وفات		عمر
		ہجری سال	عیسوی سال	ہجری سال	عیسوی سال	عیسوی تقویم سے
۱۔	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۹۵۸ھ	۱۵۵۱ء	۱۰۵۲ھ	۱۶۴۲ء	۹۱ برس
۲۔	ابوالفضل	۹۵۸ھ	۱۵۵۱ء	۱۰۱۱ھ	۱۶۰۲ء	۵۱ برس
۳۔	شیخ مجدد الف ثانی	۹۷۱ھ	۱۵۶۳ء	۱۰۳۴ھ	۱۶۲۴ء	۶۱ برس
۴۔	شیخ عبدالرحمٰن چشتی	۱۰۰۵ھ	۱۰۹۴ء	۱۵۹۶ھ	۱۶۸۲ء	۸۶ برس

ہمارے سامنے ''اخبار الاخیار'' کے جو دو اردو تراجم ہیں، ان دونوں میں بابا صاحب کا سال وفات مختلف درج ہے۔ تفصیلات یہ ہیں:

Marfat.com

(۱)۔''اخبارالاخیار'' کے اردو ترجمے کا نام:''انوارصوفیہ'' مترجم: محمد لطیف ملک' سال اشاعت: پہلا اڈیشن :۱۹۵۸ء

ناشر شعاع ادب: لاہور ۱۹۲۲ء

دوسرے اڈیشن کے صفحہ ۱۱۱ پر تحریر ہے:

''حضرت بابا فرید گنج شکر پانچویں محرم ۶۶۴ھ میں اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ عمر شریف ۹۵ سال کی تھی۔''

(۲)۔اردو ترجمے کا نام:''اخبارالاخیار'' مترجم: اقبال الدین احمد۔ سال اشاعت: ۱۹۹۸ء

ناشر: دارالاشاعت: اردو بازار، کراچی

صفحہ نمبر ۸۶ پر تحریر ہے:

''بابا فرید گنج شکرؒ نے اپنی عمر کے (۵۹) سال پورے کر کے ۵ محرم ۶۶۸ھ میں وفات پائی۔''

ہمارا پہلا تبصرہ یہ ہے کہ ترجمہ نمبر (۲) میں ''۵۹'' کا عدد قوسین میں لکھنے کی کوئی وجہ بظاہر نظر نہیں آتی۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ کسی نے، جمع تفریق کرنے کے بعد، یہ عدد بعد میں لکھ دیا ہوا۔ ترجمہ (۱) میں ''۹۵'' کا عدد جو بابا صاحب کی عمر بتاتا ہے، قوسین سے باہر ہے، یہی ترجمہ نمبر (۲) میں بھی ہونا چاہیے تھا۔ ثانیاً ترجمہ نمبر (۲) میں ''۵۹'' کا عدد صریحاً غلط ہے۔ ''فوائد الفواد'' کے مطابق بابا صاحب کی عمر ۹۳ (قمری برس) اور ''سیرالاولیاء'' کے مطابق ۹۵ (قمری برس) تھی۔ اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ ترجمہ نمبر (۲) کے مترجم یا کاتب نے ''۹۵'' کو الٹ کر ''۵۹'' لکھ دیا ہو لیکن تب بھی ''۵۹'' کو قوسین میں لکھنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، لیکن تیسری اور سمجھ میں نہ آنے والی سب سے بڑی غلطی، ترجمہ نمبر (۲) کے صفحہ نمبر ۸۴ پر یہ ناقابل فہم اندراج ہے:

(بابا صاحب کی) ''پیدائش: ۹۰۶'' (اس عدد کے آگے ہجری کا نشان ہے نہ عیسوی سنہ کا) ''وفات'': ۶۶۸ھ''

ایسا لگتا ہے کہ کسی ستم ظریف نے (جو کاتب نہیں ہو سکتا) ترجمہ نمبر (۲) میں درج شدہ سنہ وفات یعنی ''۶۶۸'' سے ''۵۹'' منہا کرنے کے بعد ''۶۰۹'' کا جو عدد حاصل ہوا، وہ بھی ''۵۹'' کے عدد کی طرح، الٹ کر یہاں ''۹۰۶'' لکھ دیا۔ بابا صاحب کا سال وفات جن ناقابل یقین اغلاط کا شکار رہا ہے، یہ اس کی ایک شاہکار مثال ہے۔ غلطیاں اپنی جگہ، لیکن یہ بات تحقیق طلب ہے کہ ترجمہ نمبر (۲) میں ''۶۶۸'' ھ کا جو اندراج بابا صاحب کے سال وفات کے طور پر کیا گیا ہے، وہ مصنف نے اپنے کسی قلمی نسخے میں کیا ہے یا یہاں بھی مترجم، یا کاتب سے سہو ہوگئی ہے۔ جیسا کہ اس مضمون کے تیسرے حصے میں آگے چل کر بتایا گیا ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے معاصر ابوالفضل اور ان کے معاصرِ خورد شیخ عبدالرحمٰن چشتی نے اپنی تصانیف میں، جو بالترتیب ''آئین اکبری'' اور ''مرآۃ الاسرار'' کہلاتی ہیں، ۶۶۸ھ (مطابق ۱۲۶۹ء) کو ہی بابا صاحب کے سنہ وفات کے طور پر لکھا ہے۔ تاہم ''اخبارالاخیار'' کے مطبوعہ فارسی متن کے علاوہ اردو کے

Marfat.com

مندرجہ ذیل چار فاضل مصنفین نے ''اخبار الاخیار'' کے حوالے سے ہی، بابا صاحب کا سال وفات ۶۶۴ھ (مطابق ۱۲۶۵ء) لکھا ہے:

نمبر شمار	کتاب/رسالہ	مصنف	صفحہ	سنہ اشاعت
۱۔	بزم صوفیہ	سید صباح الدین عبدالرحمٰن	۱۷۴	پہلا ایڈیشن: ۱۹۵۰ء دوسرا: ۱۹۷ء
۲۔	تذکرہ حضرت بابا فرید گنج شکر	طالب ہاشمی	۱۷۴	نہیں دیا۔
۳۔	سوانح حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر	وحید احمد مسعود فریدی	۱۸۲ (حاشیہ)	پہلا ایڈیشن: ۱۹۶۵ء دوسرا: ۱۹۹۶ء
۴۔	ماہنامہ منادی دہلی	نثار احمد فاروقی فریدی	۱۳۹ (حاشیہ)	ستمبر ۱۹۶۶ء

۹۔ مغل بادشاہ شاہ جہاں کے سب سے بڑے بیٹے داراشکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے مترجم محمد علی لطفی اور ناشر نفیس اکیڈمی، سٹریچن روڈ، کراچی ہیں۔ ہمارے سامنے اس کا پانچواں ایڈیشن ہے جس کا سنہ اشاعت (جولائی) ۱۹۷۵ء ہے۔ داراشکوہ ۱۶۵۸ء میں، ۴۳ برس کی عمر میں، قتل کر دیا گیا۔ اس طرح یہ کتاب بھی سترہویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتی ہے۔ ترجمے کے صفحہ نمبر ۱۳۳ پر تحریر ہے:

''آپ (بابا صاحب) کی وفات سہ شنبہ (منگل) ۵ محرم ۶۶۴ھ کو ہوئی''

۱۰۔ مولانا علی اصغر چشتی کی کتاب کا نام ''جواہر فریدی'' ہے اور سنہ تصنیف ۱۰۳۳ھ (مطابق ۲۴-۱۶۲۳ء) یعنی سترہویں صدی عیسوی (پہلے نصف حصے) سے تعلق رکھتی ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کے مندرجہ ذیل دو سیرت نگاروں کے مطابق، ''جواہر فریدی'' میں بابا صاحب کا سنہ وفات ۶۶۴ھ مرقوم ہے۔ ان دونوں کتابوں کی جملہ تفصیلات، اس مضمون کے تیسرے حصے میں درج ہیں۔ ان کتابوں سے متعلقہ اقتباسات یہ ہیں:۔

(۱) ''سوانح عمری حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ'' مصنف: وحید احمد مسعود فریدی

پہلے ایڈیشن (۱۹۶۵ء) اور دوسرے ایڈیشن (۱۹۹۶ء) دونوں کے صفحات نمبر ۱۸۲-۱۸۱ کے حاشیے میں لکھا ہے:

''سال وفات کے بارے میں مختلف تذکرے مختلف البیان ہیں۔ ملاحظہ ہو:

جواہر فریدی: ۶۶۴ھ''

(۲) تذکرہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ مصنف: طالب ہاشمی صفحہ نمبر: ۱۷۴

''حضرت بابا صاحب نے بہ اختلاف روایت ۹۶ سے ۱۰۷ برس کے درمیان عمر پائی۔ آپ کے سال وفات کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں سخت اختلاف ہے۔ تاریخ فرشتہ میں ۶۶۰ھ۔ سیر الاولیاء، سفینۃ الاولیاء، اخبار الاخیار اور جواہر فریدی میں شب سہ شنبہ (منگل) ۵ محرم ۶۶۴ھ۔''

۱۱۔ سیر الاولیاء: سوال یہ ہے کہ ۶۶۴ھ (مطابق ۱۲۶۵ء) کے سال وفات ہونے کی روایت کہاں سے چلی؟ یہی

Marfat.com

وہ پہلا سوال تھا جو اس مضمون کے آغاز میں کیا گیا تھا۔ یہ روایت منسوب ہے سید محمد بن مبارک بن احمد کرمانی سے جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک عزیز مرید تھے اور ''امیر خورد کرمانی'' کے نام سے اس لیے مشہور ہیں کیوں کہ ان کے مشہور دادا سید احمد کرمانی فریدالدین مسعود گنج شکر کے ایک عزیز مرید تھے، گویا ایں خانہ ہمہ آفتاب ہست۔ امیر خورد کرمانی کا سنہ وفات ۷۷۰ھ (مطابق ۶۹۔۱۳۶۸ء) بتایا ہے۔ اس طرح ''سیر الاولیاء'' اب سے ساڑھے چھ صدی قبل آٹھویں صدی ہجری/ چودھویں صدی عیسوی میں لکھی گئی۔ ''سیر الاولیاء'' کے دو مصدقہ قلمی نسخے جن پر ان کا سنہ کتاب درج ہے، ان مقامات پر رکھے ہیں:۔

نمبر شمار	مقام	سنہ کتاب		ریمارکس
		ہجری سال	عیسوی سال	یہ کتابیں گیارہویں صدی ہجری/ سترہویں
۱۔	ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ کی لائبریری	۱۰۴۰ھ	۱۶۳۰ء	صدی عیسوی میں کتابت ہوئیں جب ابوالفضل، شیخ عبدالحق محدث دہلوی،
۲۔	انڈیا آفس، لندن	۱۰۹۳ھ	۱۶۸۲ء	دارا شکوہ، شیخ عبدالرحمٰن چشتی اور مولانا علی اصغر چشتی لکھ رہے تھے۔

''سیر الاولیاء'' کا ایک قلمی نسخہ کراچی کے قومی عجائب خانے میں بھی ہے جس پر اس کا سنہ کتاب درج ہے نہ اس کے صفحات پر نمبر ہیں۔

اب سے ایک صدی قبل، دہلی کے ایک ہندو رئیس ''چرنجی لال'' نے درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک بزرگ سے ''سیر الاولیاء'' کا ایک قدیم قلمی نسخہ حاصل کیا، اس کی طباعت کے لیے دلّی میں ایک پریس قائم کیا اور ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء میں، تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ''سیر الاولیاء'' کا فارسی ایڈیشن شائع کیا جو آج بھی ''چرنجی لال ایڈیشن'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایڈیشن اب قلمی نسخوں کی طرح نایاب ہے۔ اس کی طباعت کے ۹۳ برس بعد، ۱۹۷۸ء میں، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد نے، ''چرنجی لال ایڈیشن''، مطبع المعارف، شارع گنج بخش لاہور سے چھپوا کر شائع کیا، ۱۹۷۸ء کے اس ایڈیشن میں صفحات کی کل تعداد ۶۰۶ ہے، پہلے دس صفحات ''فہرستِ مندرجات اور (چرنجی لال کے یکم مئی ۱۸۸۵ء کے تحریر کردہ) دیباچے'' پر مشتمل ہیں۔ اس طرح ''سیر الاولیاء'' (لاہور۔۱۹۷۸ء) کے اصل فارسی متن کے صفحات کی تعداد ۵۹۶ ہے۔ اس تفصیل میں جانے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ اس مضمون کے گزشتہ (یا آئندہ) صفحات میں، جن فاضل سوانح نگاروں نے جہاں چرنجی لال (دہلی۔۱۸۸۵ء) ایڈیشن کے کسی صفحے کا حوالہ دیا ہے تو وہ لاہور۔۱۹۷۸ء ایڈیشن میں دس صفحات آگے ہوگا۔ مثلاً ''سیر الاولیاء'' کے دہلی۔۱۸۸۵ء ایڈیشن کے صفحے نمبر ۹۱ کا متن، لاہور۔۱۹۷۸ء ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۱۰۱ پر ہوگا۔

۱۹۲۳ء میں چرنجی لال فارسی ایڈیشن (دہلی۔۱۸۸۵ء) کا ترجمہ 'اردو میں' لاہور سے شائع ہوا جو، فارسی ایڈیشن کی طرح، اب نایاب ہے۔ ۵۷ برس بعد ۱۹۸۰ء میں مرکزی اردو بورڈ، ۲۹۹ اپر مال لاہور نے اردو ترجمہ دوبارہ

Marfat.com

شائع کرایا، ۱۹۷۸ء کا فارسی ایڈیشن اور ۱۹۸۰ء کا اردو ترجمہ بھی اب کمیاب ہیں۔

''سیر الاولیاء'' کے مندرجہ بالا دستیاب ایڈیشنوں کی روشنی میں، اب ہم بابا صاحب کے سال وفات سے تعلق رکھنے والے وہ چار اقتباسات پیش کرتے ہیں جو ان میں درج ہیں۔ قومی عجائب خانہ کراچی کے ''سیر الاولیاء'' کے قلمی نسخے میں صفحات پر نمبر نہیں ڈالے گئے، اگر ڈالے جاتے تو ان صفحات کے نمبر وہ ہوتے جو ''قومی عجائب خانے کا قلمی نسخہ'' کے عنوان کے تحت، نیچے قوسین میں درج کیے گئے ہیں۔ ان اقتباسات کا تعلق چار موضوعات سے ہے:

(۱) جمادی الاولی ۶۶۹ھ کی دعا کے بارے میں:

(۲) ماہ شعبان ۶۶۹ھ کی دعا کے بارے میں

(۳) ماہ رمضان میں خلافت نامہ ملنے کے بارے میں

(۴) بابا صاحب کے وفات کے بارے میں

نمبر شمار	موضوع	کراچی کے قومی عجائب خانہ کا قلمی نسخہ	چرنجی لال (لاہور۔۱۹۷۸ء)	اردو ترجمہ (لاہور۔۱۹۸۰ء)
(i)	ماہ جمادی الاولی ۶۶۹ھ کی دعا کے بارے میں	(مفروضہ صفحہ نمبر ۱۴۶) سلطان المشائخ بقلم مبارک بنشتہ است کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرّہٗ العزیز کاتب را بخواند درروزِ ادینہ، بعد از فراغ نماز، بیست وپنجم ماہ جمادی الاولی سنہ تسع وستین وستماتہ، از دہن لعاب از دہن مبارک دردہن کاتب کرد......خواجہ گفت دین ودنیا ترادادہ اند، ایں جاہمہ نیست، برو ملک ہندوستان گیرنظرۃ منک یکفی۔	(مفروضہ صفحہ نمبر ۱۳۳) سلطان المشائخ بقلم مبارک بنشتہ است کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرّہٗ العزیز کاتب الحروف رابخواند درروزِ ادینہ، بعداز فراغ نماز، بیست وپنجم ماہ جمادی الاولی سنہ تسع وستین وستماتہ، از دہن لعاب از دہن مبارک دردہن کاتب کرد......خواجہ گفت دین ودنیا ترادادہ اند، ایں جاہمہ نیست، بروملک ہندوستان گیرنظرۃ منک یکفی۔	(صفحہ نمبر ۲۳۵) سلطان المشائخ نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے کہ شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین قدس اللہ سرّہٗ العزیز نے کاتب الحروف کو بلایا۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد ۲۵ جمادی الاولی ۶۶۵ھ (۱۲۷۰ء) کو اپنے منہ کا لعاب اس کاتب الحروف کے منہ میں ڈالا...... پھر آپ نے فرمایا کہ ہم نے دین ودنیا تجھ کو دے دیں۔ اس جگہ لے دے کر یہی ہے۔ ہندوستان جا اور اس ملک کو لے۔ (ہند پر) تیری ایک نگاہ ہی میرے نزدیک کافی ہے۔

Marfat.com

(ii)	ماہ شعبان ۶۶۹ھ کی دعا کے بارے میں	(مفروضہ صفحہ نمبر۱۴۶) درغرہ ماہ مبارک شعبان سنہ تسع وستین وستمایۃ آں حضرت شیخ شیوخ العالم باجابت ومدد فاتحہ مقرون فرمود از برای آں کہ کاتب دربدرِ خلق نشود۔	(مفروضہ صفحہ نمبر۱۳۳) درغرہ مبارک شعبان سنہ تسع وستین وستمایۃ از حضرت شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہٗ العزیز التماس نمودہ آمد شیخ شیوخ العالم باجابت ومدد فاتحہ مقرون فرمود از برائے آں کہ کاتب دربدر خلق نہ گردد۔	(صفحہ نمبر۲۳۵) یکم شعبان ۶۶۹ھ کے (۱۲۷۱ء) کو میں نے شیخ شیوخ العالم سے التماس کی۔ اس کے لیے آپ نے فاتحہ پڑھ کر قبولیت کی دعا مانگی۔ وہ التماس یہ تھی کہ میں دربدر نہ ہوں۔
(iii)	ماہ رمضان میں خلافت نامہ ملنے کے بارے میں	(مفروضہ وصفحہ نمبر۱۴۱) یک روز خواجہ طلبید، سیزدہم ماہ رمضان سنہ وستین وستماتہ بود وفرمود کہ کاغذ بیادید، اجازت نامہ بنویسند، کاغذ آوردند، اجازت نامہ بنشد، بعدہٗ فرمود کر مولانا جمال الدین رادر ہانسی وقاضی منتجب رادر دہلی بنمائی۔	(مفروضہ صفحہ نمبر ۱۲۶) یک روز خواجہ طلبید، سیزدہم ماہ رمضان سنہ وستین وستماتہ بود...... و فرمود کہ کاغذ بیادید، اجازت نامہ بنویسند، کاغذ آوردند، اجازت نامہ بنشد، بعدہٗ فرمود کر مولانا جمال الدین رادر ہانسی وقاضی منتجب رادر دہلی بنمائی۔	(صفحہ نمبر ۲۲۸) ایک دن آپ نے مجھے طلب کیا۔ یہ رمضان المبارک کی ۱۳ تاریخ اور سنہ ۶۶۹ھ (۱۲۷۱ء) تھا...... فرمایا کہ کاغذ لاؤ تا کہ خلافت نامہ لکھا جائے چنانچہ کاغذ لایا گیا اور آپ نے خلافت نامہ لکھا۔ بعد میں ارشاد فرمایا کہ مولانا جمال الدین کو ہانسی میں اور قاضی منتجب الدین کو دہلی میں یہ خلافت نامہ دکھلا لینا۔
(iv)	بابا صاحب کی وفات کے بارے میں	(مفروضہ صفحات ۱۱۳۔۱۱۲) سلطان المشائخ فرمودہ کہ بجہت لحد شیخ شیوخ العالم خشتِ خام حاجت شد، چوں موجود نمی شود، درخانہ شیخ شیوخ العالم کہ بخشت خام برآوردہ بودند،	(صفحہ نمبر۱۰۱۔۱۰۰) سلطان المشائخ فرمودہ کہ بجہت لحد شیخ شیوخ العالم خشتِ خام حاجت شد، چوں موجود نمی شود، درخانہ شیخ شیوخ العالم کہ بخشت خام برآوردہ بودند، ازاں خشت فرود آوردند تا درلحد	(صفحہ نمبر۱۹۰) سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم کی لحد کے لیے کچی اینٹوں کی ضرورت پڑی لیکن وہ موجود نہ تھیں۔ مجبوراً شیخ کے مکان سے کچھ کچی اینٹیں نکال کر لحد میں لگائی گئیں۔ طیب اللہ مرقدہٗ وجعل حظیرۃ القدس

Marfat.com

		ازاں خشت فرود آور ندتا درلحد شیخ خرچ شدہ طیب اللہ مرقدہٗ وجعل حظرہ القدسٗ مثواہ، از سلطان المشائخ پرسیدند کہ عمرِ شیخ شیوخ العالم چند سال بود، فرمودند کہ نو دو پنج سال۔	شیخ خرچ شدہ طیب اللہ مرقدہٗ وجعل حظرہ القدس مثواہ، پوشیدہ نماند کہ تولدِ حضرت شیخ الشیوخ فریدالحق والدین مسعود گنج شکر در ۵۶۹، پانصد وشصت ونہ بود، ووفات حضرت ایشاں در شش صدوشصت وچہار بود۔ عمرِ حضرت ایشاں نودوپنج باشد واللہ اعلم۔	مثواہ۔ واضح رہے کہ سنہ ولادت حضرت شیخ الشیوخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر ۵۶۹ھ (۷۴-۱۱۷۳ء) اور آپ کی وفات کا سنہ ۶۶۴ھ (۶۶-۱۲۶۵ء) تھا۔ آپ کی عمر ۹۵ سال ہوئی۔

مندرجہ بالا چار اقتباسات پر ہمارے چار تبصرے ہیں:

(۱) پہلے اقتباس میں جو جمادیٰ الاولیٰ سے متعلق ہے، قومی عجائب خانے کراچی کے قلمی نسخے اور چرنجی لال (لاہور۔۱۹۷۸ء) ایڈیشن میں تقریباً کوئی فرق نہیں۔ یہاں نوٹ کرنے والی بات یہ ہے کہ دونوں کتابوں میں سنہ ۶۶۹ کا اندراج عربی الفاظ یعنی ''تسع وستین وستمائۃ'' میں ہے، فارسی الفاظ میں نہیں جو ''شش صد وشصت ونہ'' ہوتے۔ اسی طرح دونوں کتابوں میں، بابا صاحب کو ''شیخ شیوخ العالم فریدالحق والدین'' کہا گیا ہے، نہ کہ ''شیخ الشیوخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر۔''

(۲) دوسرے اقتباس میں جو ماہ شعبان سے متعلق ہے، قومی عجائب خانے کے قلمی نسخے میں یا تو ایک پورا فقرہ یعنی ''از حضرت شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہٗ العزیز التماس نمودہ آمد'' حذف ہے، یا چرنجی لال (لاہور۔۱۹۷۸ء) ایڈیشن میں اس پورے فقرے کا بعد میں اضافہ کیا گیا ہے۔ سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فقرہ قومی عجائب خانہ کراچی کے قلمی نسخے میں حذف ہے۔ تاہم قومی عجائب خانہ کے قلمی نسخے اور چرنجی لال (لاہور ۱۹۷۸ء) ایڈیشن میں اس باب میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ واقعہ ۶۶۹ھ میں ہوا اور دونوں کتابوں میں سنہ ۶۶۹ کا اندراج عربی الفاظ میں ہے، فارسی الفاظ میں نہیں۔ اسی طرح دونوں کتابوں کے اقتباسات میں بابا صاحب کو ''شیخ شیوخ العالم'' کہا گیا ہے۔

(۳) تیسرے اقتباس میں جو ماہ رمضان سے متعلق ہے، قومی عجائب خانہ کراچی کے قلمی نسخے میں ''سنہ وستین وستمائۃ'' لکھا ہے جس کا ترجمہ ۶۶۰ھ ہوگا جب کہ چرنجی لال (لاہور۔۱۹۷۸ء) ایڈیشن میں متعلقہ سنہ عربی الفاظ میں، حسب سابق، ۶۶۹ھ ہی تحریر ہے۔ سیاق وسباق سے یہاں پھر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قومی عجائب خانے کے قلمی نسخے میں گنتی کے ایک عربی لفظ کی کتابت لفظ ''سنہ'' اور لفظ ''وٗ'' کے درمیان ہونے سے رہ گئی۔ اس سنہ کا ۶۶۰ھ ہونا تاریخی طور پر غلط ہوگا۔ نوٹ کرنے والی بات یہاں بھی یہی ہے کہ دونوں کتابوں میں سنہ وفات الفاظ میں ہے، فارسی زبان میں نہیں۔ چھٹا حوالہ

Marfat.com

کیا ہے؟ یہ تحقیق طلب ہے۔

(۴) چوتھے اقتباس میں جو بابا صاحب کی وفات کے بارے میں ہے، مندرجہ ذیل فقرہ قومی عجائب خانہ کراچی کے قلمی نسخے میں نہیں ہے:۔

''پوشیدہ نماند کہ تولّدِ حضرت شیخ الشیوخ فرید الحق والدین مسعود گنج شکر در ۵۶۹، پانصد وشصت ونُہ بود، ووفاتِ حضرت ایشاں در شش صَد وشصت وچہارم۔۔۔واللہ علم۔''

پہلی بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا فقرے میں، دوسرے اقتباسات سے ہٹ کر، بابا صاحب کے لیے ''مسعود گنج شکر'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، اور ''شیخ شیوخ العالم'' کی بجائے بھی صرف ''شیخ الشیوخ'' کہا گیا ہے۔ دوسرا اہم نکتہ اخلاق حسین دہلوی مرحوم نے اٹھایا ہے کہ اس فقرے میں پہلی بار سنہ یا سنین عربی کے بجائے فارسی زبان میں لکھا گیا ہے یا لکھے گئے ہیں ورنہ ''سیر الاولیاء'' میں دوسرے مقامات پر سنین عربی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ تیسرا نکتہ یہ فطری سوال ہے کہ آیا اس بار بھی، حسب سابق، قومی عجائب خانہ کراچی کے قلمی نسخے کے کاتب سے مندرجہ بالا فقرے کی کتابت کرنے میں چوک ہوگئی، یا معاملہ اس کے برعکس ہے اور چرنجی لال (لاہور ـ ۱۹۷۸ء) ایڈیشن میں یہ فقرہ ''بعد کا اضافہ'' ہے جو ظاہر ہے کہ چرنجی لال (دہلی ـ ۱۸۸۵ء) ایڈیشن میں بھی اضافے کے طور پر موجود ہوگا اور اس اضافے کی بنیاد ''سیر الاولیاء'' کا وہ قدیم قلمی نسخہ ہوگا جو ''بندۂ ذوالجلال چرنجی لال'' نے، انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں، خواجہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے کسی بزرگ سے حاصل کیا تھا۔

اس فطری سوال کا فطری اور فوری جواب یہ ہے کہ اگر ایک شخص ۶۶۹ھ کے دو مختلف مہینوں میں زندہ بتایا جا رہا وہ تو وہ ۶۶۴ھ میں مرحوم کیسے ہوسکتا ہے؟ علاوہ ازیں مندرجہ بالا فقرے میں بعض الفاظ کا چناؤ، جن کی نشان دہی اوپر کی گئی ہے، ''سیر الاولیاء'' کے دوسرے اقتباسات کے ہم معنی الفاظ سے یکسر مختلف ہے چنانچہ یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قومی عجائب خانہ کراچی کے قلمی نسخے کے کاتب سے یہ فقرہ اپنے قلمی نسخے میں کتابت کرنے میں چوک ہوگئی۔ یہ فقرہ چرنجی لال ایڈیشن کے قدیم قلمی نسخے میں، جو درگاہ خواجہ نظام الدین اولیاء سے حاصل کیا گیا، ''بعد میں کیا گیا اضافہ'' معلوم ہوتا ہے۔ تاہم بات یہاں پر ختم نہیں ہوجاتی۔

ہمیں ابھی اپنے مضمون کے پہلے سوال کا جواب تلاش کرنا ہے کہ ۶۶۴ھ (مطابق ۱۲۶۵ء) کی روایت کہاں سے چلی؟ اگر یہ فقرہ جو ''پوشیدہ نماند'' سے شروع اور ''واللہ العالم'' پر ختم ہوتا ہے، ''سیر الاولیاء'' کے اصل مسودے میں نہیں تھا بلکہ ''بعد کا اضافہ'' ہے تو ظاہر ہے کہ یہ کام اجرت پر کام کرنے والے کاتب سے تو ہونے سے رہا۔ اچھے سے اچھا کاتب فقرہ چھوڑ تو سکتا ہے، جس کا مشاہدہ ہم ابھی، اقتباس نمبر (۲) میں، جو ماہ شعبان اور ماہ رمضان کے متعلق تھے، کر چکے ہیں لیکن برے کاتب سے بھی یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اعلان کر کے ''پوشیدہ نہ رہے'' بابا صاحب کا سنہ ولادت اور سنہ وفات خود ہی لکھ ڈالے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ''پوشیدہ نہ رہے'' لکھنے کے بعد، اس فقرے کے لکھنے والے نے، اس فقرے کے الفاظ کے ذریعے، بابا صاحب کے سنہ وفات کے گرد نظر بندی کا ایسا سنگین حصار کھینچ دیا کہ صدیاں بیت گئیں لیکن بابا صاحب کا صحیح سنہ وفات اب تک نظروں سے ''پوشیدہ'' ہے۔

Marfat.com

اب یہ اکیسویں صدی عیسوی میں اس کام کا بیڑا اٹھانے والے کا کام ہے کہ وہ اس حصار کو توڑے اور دریافت کرے کہ یہ اضافہ کس نے کیا؟ کب کیا؟ اور کیوں کیا؟ مانا کہ تاریخ میں غلط بیانی ہوتی رہی ہے لیکن ہر غلط بیانی کے پیچھے کوئی خود غرضانہ محرک ہوتا ہے۔ یہاں محرک ہی پوشیدہ ہے، خود غرضی تو بعد کی بات ہے۔

غور کرنے والی دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ فقرہ ''سیر الاولیاء'' میں نہیں تھا تو کہاں تھا۔ جہاں سے، سترہویں صدی عیسوی/ گیارہویں صدی ہجری میں داراشکوہ، مولانا علی اصغر چشتی اور (غالباً) شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتابوں میں ۶۶۴ھ کو بابا صاحب کے سنہ وفات کے طور پر لکھ دیا۔ یہ گتھی سلجھانے کے لیے ''سیر الاولیا'' کے ان قدیم قلمی نسخوں سے مدد مل سکتی ہے جو کلکتے یا لندن میں ہیں اور جن کے بارے میں کبھی قدسی مقال علامہ اقبال کا یہ شعر یاد آتا ہے:

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی — جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

اور کبھی غالب کا یہ شعر ایک نئے مفہوم سے یاد آتا ہے:

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں — ایک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

''سیر الاولیاء'' پر اپنا تبصرہ، ہم پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی کی اس تحریر سے ختم کریں گے جو ماہنامہ ''منادی'' دہلی کے ''حضرت بابا فرید نمبر'' (ستمبر ۱۹۷۴ء) کے صفحہ نمبر ۱۴۵ پر ہے۔ اپنے مضمون ''راحت القلوب۔ ایک تنقیدی جائزہ ''میں، پروفیسر صاحب نے چرنجی لال (دہلی۔ ۱۸۸۵ء) ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۹۱ کے حوالے سے، خواجہ نظام الدین اولیاء سے یہ بیان منسوب کیا ہے، جو ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں:۔

''شیخ سعدالدین حمویہ نے ۶۵۵ھ میں انتقال کیا ہے۔ اس کے تین سال بعد ۶۵۸ھ میں شیخ سیف الدین باخرزی کی وفات ہوئی۔ اور ان کے تین سال بعد ۶۶۱ھ میں شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کا وصال ہوا۔ اور ان سے تین سال بعد شیخ فرید الدین گنج شکر نے ۶۶۴ھ میں انتقال فرمایا ہے۔ (سیر الاولیاء-۹۱)''

مندرجہ بالا اقتباس میں جو ''سیر الاولیاء'' (چرنجی لال ایڈیشن۔ دہلی ۱۸۸۵ء۔ صفحہ نمبر ۹۱) کے حوالے سے دیا گیا ہے، وہ نہ ''سیر الاولیاء'' کے اس قلمی نسخہ سے مطابقت رکھتا ہے جو قومی عجائب خانے کراچی میں رکھا ہے، نہ ''سیر الاولیاء'' کے اس فارسی متن سے جو ۱۹۷۸ء میں لاہور سے مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان اسلام آباد نے شائع کیا اور جو چرنجی لال۔ دہلی ایڈیشن۔ ۱۸۸۵ء پر مبنی ہے۔ ۱۹۸۰ء میں، مرکزی اردو بورڈ نے ''سیر الاولیاء'' کا جو اردو ترجمہ لاہور سے شائع کیا، اس میں بھی سنین وفات کا ذکر نہیں۔ ایک تقابلی جائزہ نیچے پیش ہے:۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی کا سیر الاولیاء سے اقتباس	قومی عجائب خانے کراچی کے قلمی نسخے سے اقتباس (مفروضہ صفحہ: ۱۱۳)	سیر الاولیاء (فارسی) لاہور۔ ۱۹۷۸ء سے اقتباس: (صفحہ: ۱۰۱)	سیر الاولیاء (اردو) لاہور۔ ۱۹۸۰ء سے اقتباس: (صفحہ: ۱۹۱)
شیخ سعدالدین حمویہ نے ۶۵۵ھ میں انتقال کیا ہے۔ اس کے تین سال	سلطان المشائخ فرمود کر اول شیخ سعدالدین حمویہ نقل کرد، بعد از وسہ	سلطان المشائخ فرمود کر اول شیخ سعدالدین حمویہ نقل کرد، بعد از وسہ سال	سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ پہلے شیخ سعدالدین حمویہ نے وفات پائی اور ان کے تین

Marfat.com

بعد ۶۵۸ھ میں شیخ سیف الدین باخرزی کی وفات ہوئی اور ان کے تین سال بعد ۶۶۱ھ میں شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا وصال ہوا۔ اور ان سے تین سال بعد شیخ فریدالدین گنج شکرؒ نے ۶۶۴ھ میں انتقال فرمایا ہے۔(سیر الاولیاء:۹۱)	سال سیف الدین باخرزی، بعد از وبسہ سال شیخ بہاء الدین زکریا، بعد از وبسہ سال شیخ الشیوخ العالم فریدالدین ارواحہم۔	سیف الدین باخرزی، بعد از وبسہ سال شیخ بہاء الدین زکریا، بعد از وبسہ سال شیخ الشیوخ العالم فریدالدین قدس اللہ سرہٗ العزیز۔	سال بعد شیخ سیف الدین باخرزی نے۔ ان کے تین سال بعد شیخ بہاء الدین زکریا نے۔ان کے تین سال بعد شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہٗ العزیز نے وفات پائی۔

یہیں یہ بھی ذکر ہو جائے کہ ایک اور فاضل مصنف سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب ''بزم صوفیہ'' کے صفحہ نمبر ۱۳۰ پر، ''سیر الاولیاء'' کے صفحہ نمبر ۹۱ کے حوالے سے شیخ بہاء الدین زکریا کا سال وفات ۶۶۷ھ تحریر کیا ہے۔اس پر تبصرہ مضمون کے چوتھے حصے میں کیا گیا ہے۔یہاں بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ ان فارسی (قلمی اور مطبوعہ) اور اردو نسخوں میں جو ہمارے سامنے ہیں اس اقتباس میں، کسی ولی اللہ کا سنہ وفات درج نہیں، صرف تین تین برس کا وقفہ بتایا گیا ہے۔ تاہم ''سیر الاولیاء'' کے صفحہ نمبر ۹۱ کے حوالے سے، دو فاضل مصنفین سنین وفات درج کرتے ہیں جو تحقیق طلب امر ہے۔

ہم نے چند صفحات پہلے ''سیر الاولیاء'' کے مختلف نسخوں سے چار اقتباسات نقل کیے تھے اور بالائی سطور میں پانچواں اقتباس دیا ہے۔ان اقتباسات سے چار امور واضح ہوتے ہیں۔اولاً ''سیر الاولیاء'' کے جو نسخے آج ہم پڑھ رہے ہیں، خواہ وہ قلمی ہوں یا مطبوعہ، ان میں بابا صاحب کے سنہ وفات کے بارے میں اختلاف ہے جس کی تازہ ترین مثال پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی کا ''سیر الاولیاء'' سے اخذ کردہ مندرجہ بالا اقتباس ہے جس میں چار اولیائے کرام کے سنین وفات دیے گئے ہیں۔ پروفیسر صاحب جیسی علمی فضیلت کی حامل شخصیت سے یہ توقع تو نہیں ہو سکتی کہ وہ چرنجی لال دہلی۔ ۱۸۸۵ء ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۹۱ کا حوالہ درج کرنے کے بعد، صفحہ نمبر ۹۱ پر چھپے ہوئے اس متن میں، اپنی طرف سے، ہر ولی اللہ کے وصال کے ذکر کے ساتھ، ایک ایک سنہ وفات کا اضافہ کر دیں گے۔ دوسری طرف یہ بات بھی قابل غور ہے کہ پروفیسر صاحب کے اس مضمون اور دیگر مضامین کے ستمبر ۱۹۷۴ء کے ماہنامہ ''منادی'' دہلی میں شائع ہونے کے چار برس بعد، ۱۹۷۸ء میں لاہور سے ''سیر الاولیاء'' کا جو فارسی ایڈیشن، اور چھ برس بعد، ۱۹۸۰ء میں جو اردو ترجمہ شائع ہوا، ان میں متعلقہ اقتباس میں سنین وفات کا کہیں ذکر نہیں۔اب یہ بات تحقیق طلب ہے کہ ہم ''سیر الاولیاء'' کے کس نسخے کو، کس حد تک صحیح مانیں۔یاد رہے کہ ابھی ان اقتباسات کا ''سیر الاولیاء'' کے ان قدیم قلمی نسخوں سے تقابل کا کام باقی ہے جو کلکتے اور لندن میں ہیں اور جن کی کتابت گیارہویں صدی ہجری/ سترہویں صدی عیسوی میں ہوئی۔ یہ وہ صدی ہے جب (غالباً) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، دارا شکوہ اور مولانا علی اصغر چشتی بابا صاحب کا سنہ وفات ۶۶۴ھ لکھ رہے تھے اور ابوالفضل اور

Marfat.com

شیخ عبدالرحمٰن چشتی ۶۶۸ھ بتا رہے تھے۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی نے ماہنامہ ''منادی'' دہلی کے ''حضرت بابا فرید نمبر'' (ستمبر ۱۹۷۴ء) کے صفحہ نمبر ۱۹۵ کے حاشیے میں، اپنے ایک مضمون ''دُرِ نظامیہ'' میں لکھا ہے کہ ''سیر الاولیاء میں بعض سن (سنین) صریحاً غلط ہیں''۔ یہاں یہ ذکر برمحل ہوگا کہ ''سیر الاولیاء'' میں درج بعض بیانات بھی تاریخی حقائق پر مبنی نہیں ہیں۔ مثلاً ''سیر الاولیاء'' کے اس بیان کو لیجیے جو اس کے فارسی ایڈیشن (لاہور ۔ ۱۹۷۸ء) کے صفحات نمبر ۶۸ اور ۶۹ پر درج ہے اور بابا صاحب کے اجداد اور ان کی کابل سے ہندوستان کے لیے ہجرت کے بارے میں ہے۔ فارسی متن کا اردو ترجمہ یہ ہے:

''اہل ایمان کا یہ بادشاہ (بابا صاحب) کابل کے بادشاہ فرخ شاہ عادل کے خانوادے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس دور میں دنیا بھر کے ممالک کی حکومت فرخ شاہ کے ہاتھوں میں تھی اور تمام ممالک کے بادشاہ فرخ شاہ کے مطیع تھے۔ کابل کی سلطنت غزنی کی سلطنت سے بڑی تھی۔ جب سلطنت کابل حوادث زمانہ کی زد میں آ کر زوال پذیر ہوئی تو وہ شاہان غزنی کے ہاتھوں میں آ گئی تاہم فرخ شاہ کی اولاد کابل میں آباد رہی حتےٰ کہ چنگیز خاں کا خروج ہوا جس نے پہلے ایران اور ترکستان کو تباہ و برباد کیا اور پھر سلطنت غزنی پر لشکر کشی کی اور کابل کو بھی فتح کر کے تباہ کر ڈالا۔ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے جد بزرگوار قاضی شعیب اپنے تین بیٹوں ۔۔۔۔ کے ساتھ لاہور کے علاقے میں آ گئے اور قصور کے قصبے میں قیام پذیر ہو گئے۔''

تاریخ بتاتی ہے کہ چنگیز خاں غالباً ۵۵۷ھ مطابق ۱۱۶۲ء میں پیدا ہوا اور ۶۲۴ھ مطابق ۱۲۲۷ء میں فوت ہوا، اور اس نے ۶۱۷ھ مطابق ۱۲۲۱ء میں کابل پر حملہ کیا اور اسی صوبے ''بامیان'' میں بدھ مت کا مرکز تباہ کیا جو، ۲۰۰۱ء میں، طالبان حکومت کے ہاتھوں مہاتما بدھ کے چٹانوں میں تراشے ہوئے عظیم الجثہ مجسموں کو تباہ کرنے کی وجہ سے دوبارہ مشہور ہوا۔ بابا صاحب کی پیدائش ۵۷۳ھ مطابق ۱۱۷۷ء کے لگ بھگ ہوئی۔ جب چنگیز خاں نے کابل پر حملہ کیا تو بابا صاحب تقریباً ۴۴، ۴۵ سال کے تھے اور ہندوستان میں تھے۔ بابا صاحب کے والد اور دادا کبھی کے انتقال کر چکے تھے۔ ''سیر الاولیاء'' کا یہ بیان درست نہیں کہ بابا صاحب کے پردادا یا سکڑ دادا نے چنگیز خاں سے جنگ میں شہادت پائی۔ اسی طرح ''سیر الاولیاء'' کا یہ بیان کہ اس دور میں دنیا کے سب ممالک فرخ شاہ کے مطیع تھے، نہ صرف مبالغے کی بنا پر غلط ہے بلکہ اس وجہ سے بھی غلط ہے کہ اس دور میں اگر کہیں کوئی بادشاہ ایسی وسیع و عریض سلطنت کا حکمران ہوتا تو تاریخ میں سکندر کی طرح مشہور ہوتا' جب کہ تاریخ میں فرخ شاہ نام کے کسی شاہ کابل کا ذکر نہیں ملتا۔

ان تبصروں کی روشنی میں ''سیر الاولیاء'' کے کسی نسخے کو، خواہ وہ فارسی میں ہو یا اردو میں، قلمی ہو یا مطبوعہ، عجائب خانے میں ہو یا کتب خانے میں، بابا صاحب کے سال وفات کے بارے میں واحد اور قطعی ثبوت کے طور پر پیش کرنا محتاط اور معروضی عمل نہ ہوگا، جب تک کہ اس کی خارجی اور معتبر شواہد سے تائید اور تصدیق نہ ہو جائے۔ اگر بابا صاحب کے سال وفات کا مسئلہ ''سیر الاولیاء'' کے ان نسخوں سے سلجھ سکتا جن پر محققین اور مؤرخین نے اب تک انحصار کیا ہے، تو مسئلہ کبھی نہ الجھتا اور الجھتا تو سلجھ چکا ہوتا۔ یہ الجھاؤ ''سیر الاولیاء'' کی موجودگی میں، بلکہ اس کی وجہ سے، رہا ہے۔ جب ایک چراغ سے راہ نظر نہ آئے تو دوسرا چراغ جلانے میں حرج نہیں۔

Marfat.com

دوسرا حصہ

اس میں اس پر بحث کی جائے گی کہ باباصاحب کا سال وفات ۶۶۴ھ صحیح ہے۔ اگر نہیں تو کیوں؟

اس کا فوری اور مختصر جواب اس مضمون کے پہلے حصے کے آخری پیرے میں دیا جاچکا ہے۔ اس جواب کی تشریح کے لیے مناسب ہوگا کہ جن مصنفین اور محققین نے ۶۶۴ھ (مطابق ۱۲۶۵ء) کو باباصاحب کا سال وفات قرار دیا ہے یا سال وفات کے طور پر لکھا ہے ان کی عالمانہ نگارشات پر ایک ناقدانہ نظر ڈالیں۔ جب نظر ناقدانہ ہو تو بعض اوقات اور مقامات پر تنقید ناگریز ہوجاتی ہے جو قابل مذمت نہیں۔

۱۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کی کتاب سے چار فقرے اس مضمون کے پہلے حصے میں درج کیے گئے تھے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۵۷ پر، پروفیسر صاحب نے "سیر الاولیاء" کے حوالے سے لکھا ہے کہ جمادی الاولیٰ ۶۶۴ھ میں شیخ نظام الدین، آخری بار، اپنے پیرومرشد سے ملنے اجودھن گئے، رمضان ۶۶۴ھ میں باباصاحب نے شیخ نظام الدین کو خلافت نامہ عطا فرمایا اور اس سے قبل اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۵۶ پر لکھا ہے کہ پانچ محرم ۶۶۴ھ کو باباصاحب کا انتقال ہوا۔ محرم قمری سال کا پہلا، جمادی الاولی پانچواں اور رمضان نواں مہینہ ہوتا ہے۔ اگر باباصاحب نے ۶۶۴ھ کے نویں مہینے یعنی رمضان میں خواجہ نظام الدین اولیاء کو خلافت نامہ عطا کیا ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ باباصاحب نے، نو مہینے پہلے، ۶۶۴ھ کے پہلے مہینے یعنی محرم میں رحلت فرمائی ہو؟

اگر باباصاحب کی ذات، زندگی اور زمانے پر، پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کی لکھی ہوئی معرکۃ الآرا کتاب روایتی سیرت نگاری ہوتی تو اس پر ہمارا محتاط تبصرہ ہی ہوتا جو پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب میں روایتی سیرت نگاری کی بعض غیر محتاط کتابوں پر کیا ہے، لیکن پروفیسر صاحب مرحوم نے اپنی اس عالمانہ اور محققانہ تصنیف میں باباصاحب اور سلسلہ چشت کے دوسرے صوفیائے عظام سے منسوب گھڑی ہوئی ملفوظات، جعلی تصنیفات اور بے سند روایات کا جس طرح بھانڈا پھوڑا ہے اور اپنی کتاب میں درج شدہ کوائف اور سنین کی تصدیق وتائید میں جس طرح ہر جگہ، حاشیوں میں، ماخذ کے حوالے دیے ہیں، اس کے پس منظر میں، اور پروفیسر صاحب مرحوم کے مسلمہ علمی مقام کے پیش نظر، مندرجہ بالا بدیہی متضاد اور ناممکن تاریخوں کا ان کی کتاب میں جمع ہوجانا عجیب سا لگتا ہے۔ واضح رہے کہ کم از کم ۱۹۹۱ء تک پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم اپنے اس مؤقف پر قائم تھے کہ باباصاحب کا سال وفات ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۵ء ہے اور اپنی انگریزی تصنیف "The Life and Times of Shaikh Fariduddin Ganj-i-Shakar" کے صفحہ نمبر ۱۴ کے حاشیے نمبر ۸ میں لکھا ہے کہ باباصاحب نے ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء کو وفات پائی۔ یہ کتاب ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی۔

باباصاحب کی ذات، زندگی اور عہد پر، پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کی اس معرکۃ الآرا محققانہ تصنیف میں، تحقیق کی یہ واحد واضح لغزش نہیں۔ اس طرح کی دو غلطیاں، اس کتاب کے صفحات نمبر ۱۲۳ اور ۱۲۴ پر بھی نظر آتی ہیں۔ اول الذکر کتاب کا ضمیمہ دیعنی D ہے۔ اس ضمیمے میں باباصاحب کے سجادہ نشینوں کی فہرست دی گئی ہے جس میں دو قسم کی غلطیاں ہیں۔ اولاً فہرست میں درج شدہ سجادہ نشینوں کی تعداد غلط ہے۔ ضمیمے میں صرف پچیس (۲۵) سجادہ نشینوں کے نام ہیں حالاں کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کی اس کتاب کی تصنیف کے وقت، یعنی ۱۹۵۳ء میں، اٹھائیس (۲۸) سجادہ نشین ہو

Marfat.com

چکے تھے اور اٹھائیسویں سجادہ نشین ۲۵ دسمبر ۱۹۳۴ء سے، یعنی ان کی کتاب کے سال تصنیف سے اٹھارہ انیس برس پہلے سے، گدی نشین تھے۔ ثانیاً ضمیمے میں نام غلط یا نامکمل ہیں۔ مثلاً نمبر شمار ۲۵ پر، پچیسویں سجادہ نشین کا نام (جو اس ضمیمے کے مطابق آخری سجادہ نشین ہیں) شیخ شرف الدین لکھا گیا ہے جو پیر فتح محمد ہونا چاہئے تھا۔ کم از کم چار جگہ، سجادہ نشینوں کے نام نامکمل ہیں۔ مثلاً تین جگہ، یعنی نمبر شمار ۸، ۱۱ اور ۱۶ پر، سجادہ نشینوں کا نام صرف شیخ محمد لکھا گیا ہے جب کہ ان کے نام نمبر شمار ۸ پر شیخ محمد یونس، نمبر شمار ۱۱ پر شیخ محمد شہاب الدین اور نمبر شمار ۱۶ پر شیخ محمد حامد ہونے چاہیے تھے۔ اس طرح نمبر شمار ۹ پر، سجادہ نشین کا نام صرف ''شیخ احمد'' لکھا گیا ہے جب کہ پورا نام شیخ محمد احمد شاہ ہے۔ پروفیسر صاحب نے اس ضمیمے / فہرست کا ماخذ نہیں لکھا جس سے قدرتی طور پر یہ خیال ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب نے یہ ضمیمہ / فہرست اپنی ذاتی معلومات اور تحقیق کی بنا پر مرتب کیا۔ اگر یہ مفروضہ درست ہے تو ضمیمے میں پائی جانے والی غلطیوں کی نوعیت اور تعداد کے پیش نظر، ان غلطیوں کی ذمے داری کاتب یا پروف پڑھنے والے پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ واضح رہے کہ اس فہرست کے مندرجات کی تصدیق بآسانی پاک پتن سے کی، یا کروائی جا سکتی تھی۔ افسوس کہ یہ کی گئی نہ کرائی گئی۔

صفحہ نمبر ۱۲۴ ضمیمہ یعنی E ہے جو باب جنت کے بارے میں ہے۔ بابا صاحب کی خواب گاہ کے جنوب میں واقع پونے چھ فٹ اونچا اور ڈھائی فٹ چوڑا یہ دروازہ صدیوں سے برصغیر پاک و ہند میں ایسی شہرت کا حامل رہا ہے جو آج تک دنیا بھر میں کسی اور دروازے کو نصیب نہ ہو سکی۔ پروفیسر صاحب نے ضمیمہ یعنی E کا عنوان بہشتی دروازہ دے کر، اس قدیم اور تاریخی دروازے کے بارے میں ذکر کے لئے، کیپٹن ویڈ (Wade) نامی ایک جونیئر انگریز افسر کا انتخاب کیا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا ملازم تھا، اور جس کی غلطیوں سے بھری یہ تحریر کوئی پونے دو صدی پہلے، ۱۸۳۷ء میں، ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال کے قدیم مجلے میں شائع ہوئی۔ خدا جانے ''باب جنت'' کے بیان کے لئے، پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم نے اتنی پرانی تحریر اور اتنے جونیئر غیر مسلم افسر کا انتخاب کیوں کیا جب کہ وہ تحریر اغلاط سے بھی پُر ہے۔ ضمیمہ کے پہلے فقرے کا رواں اردو ترجمہ ہے:۔

''جس کمرے میں بابا صاحب مدفون ہیں، اس کے دو دروازے ہیں۔ ایک شمال اور دوسرا مشرق میں۔ مشرقی دروازے کو بہشتی دروازہ کہتے ہیں۔''

پروفیسر نظامی صاحب کی کتاب کے مترجم قاضی محمد حفیظ اللہ نے، جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، اپنے ترجمے کے صفحہ نمبر ۲۴۱ پر، اس ضمیمے کا ترجمہ دینے کے بعد، یہ حاشیہ لکھا ہے:

''یہاں مصنف سے سہو ہو گیا ہے۔ مزار کے دو دروازے ہیں۔ ایک مشرق کو جو مزار کا اصل دروازہ ہے اور ایک جنوب کو جس کو بہشتی دروازہ کہتے ہیں۔''

ایک معلم، مؤرخ، محقق اور بابا صاحب کے خاندان سے نسبت رکھنے والے عقیدت مند سے یہ توقع غالباً بے جا نہ ہو گی کہ وہ بابا صاحب کے مزار پر، کم از کم ایک بار حاضری دیتا، خصوصاً جب کہ وہ بابا صاحب پر ایک محققانہ کتاب لکھ رہا ہو۔ موجودہ دور میں علی گڑھ سے پاک پتن آتے تو یہ ناممکن تھا کہ وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک جونیئر انگریز افسر کی پرانی اور غلط تحریر کو اتنی اہمیت دیتے کہ اسے حوالے کے طور پر، بلا تصحیح و تبصرہ، اپنی محققانہ کتاب میں شامل کر لیتے۔ اس

Marfat.com

انگریز افسر نے دو دروازوں کا ذکر کیا ہے اور اتفاق سے دونوں کا ہی ذکر غلط کیا ہے جو صدیوں سے موجود زمینی حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔ پہلی غلطی یہ ہے کہ بابا صاحب کی خواب گاہ کے شمال میں کوئی دروازہ نہیں بلکہ دیوار ہے جس میں خواتین کے لیے جالیاں بنائی گئی ہیں۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ اس نے مشرقی دروازے کو بہشتی دروازہ قرار دیا ہے جب کہ جنوبی دروازہ ''باب جنت'' کہلاتا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کی محققانہ اور ناقدانہ نظر زمانہ قدیم کی مشہور کتب کی غلط بیانیوں اور بے سروپا روایات پر تو پڑی جو مسلم سیرت نگاروں اور خوش عقیدہ مریدوں سے صدیوں سے منسوب چلی آ رہی تھیں لیکن جب انہوں نے Journal of the Asiatic Society of Bengal کا نام پڑھا اور اس میں ۱۸۳۷ء کی یہ تحریر ان کی نظر سے گزری تو انہوں نے ایک مؤرخ اور محقق کے طور پر، اس تحریر کی صحت کے بارے میں تحقیق کی وہ ضرورت محسوس نہ کی جو وہ مسلمان علماء اور راویوں کی قدیم تحریروں کے بارے میں بجا طور پر، کرتے آئے تھے۔ واضح رہے کہ یہاں کسی لمبی چوڑی تحقیق کی ضرورت نہ تھی۔ دروازہ موجود تھا، صرف اسے خود دیکھنے کی ضرورت تھی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہیں اس بات کا ذکر بھی ہو جائے کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کی کتاب کے مترجم قاضی حفیظ اللہ نے باب جنت کے بارے میں، پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کی انگریزی کی کتاب میں پائی جانے والی غلطی کی نشان دہی تو اپنے اردو ترجمے کے صفحہ نمبر ۲۴۱ کے حاشیے کے ذریعے کر دی لیکن بابا صاحب کے سال وفات کے بارے میں ''سیر الاولیاء'' کے حوالے سے پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کے قلم سے جو واضح تضادات ان کی انگریزی کی کتاب میں پائے جاتے تھے، اور جن کی نشان دہی اوپر کی گئی ہے۔ ان پر فاضل مترجم کی بھی نظر نہ پڑی، ورنہ وہ اپنے ترجمے میں اس سہو کی نشان دہی بھی ایک حاشیے کے ذریعے کر دیتے۔

۲۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم کے دفاع میں غالباً یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بابا صاحب کی زندگی اور عہد پر کتاب لکھ رہے تھے اور بابا صاحب کا سال وفات کی تحریر یا توجہ کا مرکز نہیں تھا لیکن یہ بات پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی کے بارے میں نہیں کہی جا سکتی۔ وہ دہلی یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے فاضل استاد اور صدر بھی رہے، بابا صاحب کے خانوادے سے ہیں، بابا صاحب اور سلسلۂ چشت کے بزرگان کے عقیدت مند ہیں اور ان پر قابل قدر تحقیقی کام کر چکے اور کر رہے ہیں، ستمبر ۱۹۷۴ء میں، ماہنامہ ''منادی'' دہلی میں شائع شدہ اپنے چار مختلف مضامین میں، کم از کم نو (۹) مختلف مقامات پر، پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی صاحب نے بابا صاحب کا سال دفات ۶۶۴ھ (مطابق ۱۲۶۵ء) قرار دیا۔ دو مقامات یعنی ماہنامہ ''منادی'' کے صفحہ نمبر ۱۸۱ اور ۱۹۵ پر تو انہوں نے اپنی حتمی رائے کا آغاز یہ کہہ کر کیا کہ ''ہمیں معلوم ہے'' کہ بابا صاحب نے ۶۶۴ھ میں انتقال فرمایا۔ اپنے مضامین میں، مثلاً ماہنامہ ''منادی'' دہلی (دسمبر ۱۹۷۴ء) کے صفحہ نمبر ۲۰۳ کے حاشیے پر، انہوں نے ''سیر الاولیاء'' کے اس بیان کو غلط قرار دیا کہ بابا صاحب ۶۶۹ھ میں زندہ تھے۔

چودہ برس بعد، فروری ۱۹۸۹ء میں، جب پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی نے خواجہ حسن نظامی ثانی دہلوی کے ''فوائد الفواد'' کے اردو ترجمے پر ایک سو سے زائد صفحات پر مشتمل ایک تفصیلی مقدمہ لکھا تو اس کے صفحہ ۸۰ پر لکھا:

Marfat.com

''حضرت بابا صاحب کا انتقال پانچ محرم ۶۷۰ھ / تیرہ اگست ۱۲۷۱ء کو ہوا۔''

اس کے دس برس بعد کراچی کے رسالے ''جہانِ چشت'' کے اکتوبر ۱۹۹۹ء کے شمارے کے صفحہ نمبر ۴۲ پر، پروفیسر صاحب نے پھر یہ لکھا۔

''بابا صاحب کا وصال پانچ محرم ۶۷۰ھ کو ہوا اور اس وقت ان کی عمر نوے سال تھی۔''

ماہنامہ ''جہانِ چشت''

پروفیسر صاحب اگر ستمبر ۱۹۷۴ء میں دوبارہ یہ نہ لکھتے کہ ''ہمیں معلوم ہے'' تو اچھا کرتے۔ علم بعض اوقات حجابِ اکبر بن جاتا ہے۔ یہ قول ''فوائد الفواد'' کے اردو ترجمے کے صفحہ نمبر ۷۰ پر اپنے ۱۱۰ صفحات پر محیط عالمانہ مقدمے میں اس قول کا ذکر خود کیا ہے۔

۳۔ مولانا نور احمد خان فریدی کے بارے میں ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ یہاں بھی ایک فاضل معلم اور مؤرخ نے بابا صاحب کے سالِ وفات کے بارے میں تحقیق کی، نہ اسے خصوصی توجہ دی ورنہ ان کی کتاب میں یہ کبھی نہ لکھا ہوتا کہ بابا صاحب کی تاریخ وفات 'نو اکتوبر ۶۶۴ھ بمطابق پندرہ اکتوبر ۱۲۶۵ء' تھی۔

ہماری اب تک کی بحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مختلف مؤرخین، محققین اور سیرت نگاروں میں صرف پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی نے بابا صاحب کے سالِ وفات کے بارے میں خصوصی توجہ دی اور اپنی رائے کا کھل کر اظہار کیا۔ ستمبر ۱۹۷۴ء تک پروفیسر صاحب اپنی معلومات اور تحقیق کی بنا پر اصرار کرتے رہے کہ انہیں ''معلوم'' ہے کہ بابا صاحب کا سال وفات ۶۶۴ھ مطابق ۱۲۶۵ء ہے۔ تاہم ستمبر ۱۹۷۴ء اور فروری ۱۹۸۹ء کے درمیان' پروفیسر صاحب کی مزید معلومات اور تحقیق کی روشنی میں، جس کی تفصیلات ہمارے علم میں نہیں، انہیں معلوم ہوا کہ بابا صاحب کا سالِ وفات ۶۷۰ھ مطابق ۱۲۷۱ء ہے۔ دوسرے مورخین، محققین اور سیرت نگاروں نے بابا صاحب کا سال وفات ۶۷۰ھ مطابق ۱۲۷۱ء ہے۔ دوسرے مورخین، محققین اور سیرت نگاروں نے بابا صاحب کے سال وفات پر خصوصی توجہ نہ دی، یا بابا صاحب کے سال وفات کے بارے میں، ایسے واضح تضادات پائے جاتے ہیں جس کی بنا پر ان کا درج کردہ سال وفات بابا فرید نہ صرف مشتبہ بلکہ غلط لگتا ہے؟ کیوں غلط لگتا ہے؟ اسکا جواب مضمون کے بقیہ حصے میں ہے۔

ہماری نظر سے بابا صاحب کی کوئی سوانح حیات یا ان کے بارے میں لکھی ہوئی کوئی ایسی تحریر نہیں گزری جس میں یہ لکھا ہو کہ بابا صاحب کا انتقال غیاث الدین بلبن کے سلطان دہلی بننے سے پہلے ہو گیا تھا۔ اس کے برعکس، اس عہد کی مشہور اور مستند تاریخ میں جو ضیاء الدین برنی نے لکھی اور ''تاریخ فیروز شاہی'' کہلاتی ہے، یہ صراحتاً تحریر ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے ابتدائی دور میں بابا صاحب زندہ تھے۔ دوسری کتاب (مرآۃ الاسرار) میں یہ لکھا ہے کہ بابا صاحب کی وفات سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہوئی۔ واضح رہے کہ بلبن ۱۲۶۶ء میں سلطان بنا۔ یکم جنوری ۱۲۶۶ء کو ۲ ربیع الاولی ۶۶۴ھ تھا۔ ڈاکٹر منظور ممتاز نے اپنی کتاب ''پیام گنج شکر'' میں (جس کا ذکر آئے گا) صفحہ نمبر ۶۲ پر، بلبن کی تخت نشینی کی تاریخ اٹھارہ فروری ۱۲۶۶ء لکھی ہے جو گیارہ جمادی الاول ۶۶۴ھ بنتی ہے۔ تین کتابوں کے حوالے نیچے درج ہیں

Marfat.com

(۱) ''تاریخ فیروز شاہی'' مؤلف: ضیاء الدین برنی، مترجم: ڈاکٹر سید معین الحق، ناشر: شیخ غلام علی اینڈ سنز، فیروز پور روڈ لاہور، سال اشاعت: ۱۹۹۱ء صفحہ نمبر: ۱۹۳

''یہ عہد ایسے مشائخ کی موجودگی سے مزین اور مشرف تھا کہ ان جیسی ہستی مدت میں پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً اس (بلبن) کے عہد کے ابتدائی دور میں، شیخ شیوخ العالم فرید الدین مسعود بہ قید حیات تھے۔ وہ قطب عالم اور مدار جہاں تھے۔ اس خطہ زمین کے لوگوں کو انہوں نے اپنی پناہ اور سائے میں لے لیا تھا.......... ان کے قرب اور برکت انفاس کی وجہ سے لوگ دین و دنیا کی مصیبتوں سے نجات پاتے تھے اور جو اس کے اہل تھے (وہ) ان کی ارادت کے ذریعے بلند مراتب حاصل کرتے تھے۔''

اس کتاب کے فارسی نسخے کے مترجم ڈاکٹر سید معین الحق نے صفحہ نمبر ۱۹۳ کے حاشیے پر، اپنی طرف سے یہ (غلط) وضاحت کی ہے:

''شیخ فرید الدین گنج شکر نے ۵ محرم ۶۶۴ھ کو وفات پائی۔ بلبن اسی سال، تین ماہ بعد، یعنی جمادی الاول ۶۶۴ھ میں تخت پر بیٹھا۔''

بابا صاحب کے سال وفات کے بارے میں جو فکری انتشار پیدا ہوتا رہا ہے۔ مندرجہ بالا غیر ضروری) وضاحت اس کی سب سے واضح مثال ہے۔ فاضل مترجم نے یہ وضاحت کرتے وقت یہ بدیہی تضاد بھی مدنظر نہ رکھا کہ جمادی الاول محرم کے تین ماہ بعد آتا ہے۔ اگر بلبن جمادی الاول ۶۶۴ھ میں تخت پر بیٹھا (جو وہ اسی سطر میں خود لکھ رہے ہیں) اور اگر اس کے عہد کے ابتدائی دور میں بابا صاحب بہ قید حیات تھے تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ بابا صاحب بلبن کی تخت نشینی سے تین ماہ پہلے وفات پا چکے ہوں۔ یوں لگتا ہے کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم، پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی، ڈاکٹر معین الحق اور دیگر فاضل مؤرخین مثلاً ''تاریخ فرشتہ'' کا مصنف محمد قاسم ہندو شاہ کسی پُر اسرار وجہ سے، ایسی نظر بندی کا شکار ہوئے ہیں کہ اپنے قلم سے، ایک طرف یہ لکھا کہ بابا صاحب نے (۵ محرم) ۶۶۴ھ میں وفات پائی اور دوسری طرف وہ ماہ و سال لکھے جو (۵ محرم) ۶۶۴ھ کے کہیں بعد آتے ہیں اور لکھا کہ ان مؤخر الذکر دنوں میں بابا صاحب بہ قید حیات تھے۔ ایک دو سے یہ غلطی ہوئی تو قابل فہم ہو سکتی تھی لیکن یہاں تو ہر ایک ہی اس نظر بندی کا شکار نظر آتا ہے۔

(۲) ''مرأۃ الاسرار'' موف: شیخ عبدالرحمٰن چشتی (۱۰۰۰ھ تا ۱۰۹۴ھ) مترجم: کپتان واحد بخش سیال۔ ترجمے کے ناشر: الفیصل اردو بازار لاہور، سال اشاعت نہیں دیا۔ صفحہ: ۷۷۱

''آپ (بابا صاحب) کی وفات ...... سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہوئی''۔

(۳) ''پیام گنج شکر'' مصنف: ڈاکٹر منظور ممتاز، ناشر: نذیر سنز لاہور (۱۹۹۹ء) صفحات نمبر: ۳۰ اور ۶۲

- ☆ صفحہ نمبر ۳۰: سلطان ناصر الدین محمود دسمبر ۱۲۶۵ء میں بیمار ہوا اور فروری ۱۲۶۶ء میں وفات پائی۔
- ☆ صفحہ نمبر ۶۲: غیاث الدین بلبن ۱۸ فروری ۱۲۶۶ء کو تخت نشین ہوا۔

غیاث الدین بلبن کی ۱۲۶۶ء میں تخت نشینی کی تائید اور تصدیق کے لیے، دو جدید تاریخی کتابوں کے حوالے

Marfat.com

درج ذیل ہیں:

(A) A New History of India by Stanley Wolpert (Paperback) (3rd edition 1989) Publisher: Oxford University Press, Karachi - page 110

"Balban ruled as such until 1266 (A.D.) when he assumed the title as well as the powers of Sultan."

(B) A History of India (vol. II) by V.D. Mahajan - page 47 (2nd edition: 1996) Publisher: S. Chand & Co. Ltd., Ramnagar, New Delhi.

"When Nasiruddin Mahmud died in 1266 (A.D.), Balban himself became the Sultan".

ہماری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بابا صاحب غیاث الدین بلبن کی تخت نشینی کے سال یعنی ۱۲۶۶ء میں زندہ تھے تو ۱۲۶۵ء ان کا سال وفات نہیں ہوسکتا۔ اکتوبر ۱۲۶۵ء میں ہی (پانچ) محرم ۶۶۴ھ آیا، چنانچہ ۶۶۴ھ ان کا سال وفات نہیں ہوسکتا۔ یہ ۶۶۴ھ/ ۱۲۶۵ء کے بابا صاحب کے سال وفات نہ ہونے کی ایک ٹھوس خارجی اور تاریخی شہادت ہے۔ مزید ٹھوس اور خارجی شہادت کا استخراج خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات سے کیا گیا ہے، تاہم اس بات کا تعلق چوں کہ بنیادی طور پر اس مضمون کے آغاز میں پوچھے گئے چوتھے، اور آخری، سوال سے ہے۔ اس لیے اس کا تفصیلی ذکر بھی چوتھے اور آخری حصے میں کیا جائے گا۔

حصہ سوم

اس حصے میں تیسرے سوال کے متعلق یہ بحث ہوگی کہ ۶۶۴ھ (مطابق ۱۲۶۵ء) کے علاوہ، بابا صاحب کے سال وفات کے بارے میں کیا روایتیں ہیں؟ اور وہ کن سے منسوب ہیں؟ ان روایات کی تفصیلات اور راویوں کے نام یہ ہیں:

(۱) مرأۃ الاسرار: ''آپ (بابا فرید) کی وفات سہ شنبہ (منگل) کے دن پانچویں محرم ۶۶۸ھ، اور دوسری روایت کے مطابق ۶۶۹ھ میں، سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہوئی''۔

(۲) آئین اکبری مصنف: ابوالفضل۔ مترجم: محمد فدا علی طالب۔ ناشر: سنگ میل پبلی کیشنز۔ چوک اردو بازار لاہور۔ سال اشاعت نہیں دیا۔

جلد دوم کے صفحہ نمبر ۳۲۹ پر درج ہے:

''(شیخ فرید گنج شکر) روز شنبہ (ہفتہ) پانچویں محرم ۶۶۸ھ پٹن (پنجاب) میں جو اس وقت اجودھن کے نام سے مشہور تھا، اس دار ناپائدار سے رحلت فرمائی۔''

Marfat.com

ہمارے تبصرہ یہ ہے کہ ابوالنصر محمد خالدی کی رد تقویم ہجری وعیسوی'' مطبوعہ انجمن ترقی اردو پاکستان، بابائے اردو روڈ، کراچی (۱۹۷۴ء) کے مطابق، پانچ محرم ۶۶۸ھ کو ہفتہ نہیں، بدھ کا دن پڑتا ہے۔

(۳) سوانح حضرت بابافریدالدین مسعود گنج شکرؒ۔ مصنف: وحید احمد مسعود فریدی۔ ناشر: پہلا ایڈیشن (۱۹۶۵ء): پاک اکیڈمی، وحید آباد کراچی۔ ناشر: دوسرا ایڈیشن (۱۹۹۶ء): ضیاء القرآن پبلی کیشنز، داتا گنج بخش روڈ، لاہور

(i) صفحہ نمبر ۱۸ (دونوں ایڈیشنوں میں): ''میں نے حضرت سلطان المشائخ کی تقویت پر سال وفات ۶۶۱ھ لکھا ہے۔''

(ii) صفحہ نمبر ۱۸۱ (دونوں ایڈیشنوں میں): آخری شب۔ ۵ محرم ۶۶۱ھ (۱۲۶۲ء)

(iii) صفحہ نمبر ۱۸۱ اور ۱۸۲ کے فٹ نوٹ میں تحریر ہے:

سال وفات کے متعلق مختلف تذکرے مختلف البیان ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱) سیرالاقطاب	۶۹۰ھ
(۲) راحت القلوب۔	۶۸۷ھ
(۳) خزینۃ الاصفیاء۔	۶۷۰ھ
(۴) جواہر فریدی	
(۵) سیرالاولیاء	
(۶) اخبارالاخیار	۶۶۴ھ
(۷) سفینۃ الاولیاء	
(۸) فرشتہ	۶۶۰ھ

سب سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ بلبن نے ۶۸۵ھ (مطابق ۱۳۸۶ء) میں وفات پائی، چنانچہ ۶۹۰ھ اور ۶۸۷ھ باباصاحب کے سالہائے وفات نہیں ہوسکتے۔ اس کے بعد یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ ''خزینۃ الاصفیاء'' کے اس اردو ترجمے میں جو ہمارے سامنے ہے، باباصاحب کا سال وفات ۶۷۰ھ درج نہیں ہے۔ اس اردو ترجمے کے ضروری کوائف یہ ہیں:

(۴): ''خزینۃ الاصفیاء مصنف: مفتی غلام سرور لاہوری مترجم: اقبال احمد فاروقی۔ ناشر: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ لاہور۔ سال تالیف: ۱۸۶۴ء (۱۲۸۱ھ) سال طباعت: فارسی ایڈیشن: ۱۸۷۳ء (۱۲۹۰ھ) اردو ترجمہ: ۱۹۹۰ء۔ صفحہ نمبر ۱۳۶ پر تحریر ہے:

''حضرت خواجہ فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ''اخبارالاخیار'' اور ''سفینۃ الاولیاء'' میں پانچ محرم بروز منگل ۶۶۴ھ لکھی ہے مگر تواریخ فرشتہ میں ۶۶۶ھ، مجمع الواصلین اور تذکرہ العاشقین کے علاوہ شجرۂ چشتیہ میں معتبر اقوال کے ساتھ ۶۶۷ھ لکھا ہے۔ سیرالاقطاب کے مصنف نے ۶۹۰ھ لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی بات قابل تسلیم ہے۔''

Marfat.com

گویا ''خزینتہ الاصفیاء'' کے مطابق بابا صاحب کا سال وفات ۶۷۰ھ نہیں بلکہ ۶۹۰ھ ہے جسے تاریخ تسلیم نہیں کرتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ وحید احمد مسعود فریدی صاحب نے، فرشتہ کے حوالہ سے، بابا صاحب کا سال وفات ۶۶۰ھ لکھا ہے جب کہ ''خزینتہ لاصفیاء'' بتا رہی ہے کہ ''تاریخ فرشتہ'' میں یہ سال ۶۶۶ھ لکھا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کی اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد نمبر ۱۵۔۱۹۷۵ء) کے صفحہ نمبر ۳۳۹ کے مطابق ''تاریخ فرشتہ'' میں غالباً کتابت کی غلطی سے ۶۷۰ھ کی بجائے ۶۰ ۷ھ لکھا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ وحید احمد مسعود فریدی صاحب مرحوم اور پنجاب یونیورسٹی کی مندرجہ بالا عالمانہ تصنیف یعنی اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد نمبر ۱۵) دونوں ''تاریخ فرشتہ'' کا حوالہ دے رہے ہیں تاہم ایک کے مطابق فرشتہ نے سال وفات ۶۶۰ھ لکھا ہے اور دوسرے کے مطابق ۶۰ ۷ھ لکھا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کی اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق ۶۰ ۷ھ کتابت کی غلطی ہے اور ۶۰ ۷ کو ۶۷۰ ہونا چاہئے تھا۔ ہمارا ابتدائی تبصرہ یہ ہے کہ اگر ۶۰ ۷ کتابت کی غلطی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ ۶۰ ۷ کو ۶۷۰ ہونا چاہیے تھا۔ کتابت کی غلطی درست کرنے کا یہ طرز استدلال سہل اور دلچسپ تو ضرور ہے لیکن اسے درست قرار دینا خاصا مشکل نظر آتا ہے۔ اس پر مزید تبصرہ آگے کیا گیا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ وحید احمد مسعود فریدی مرحوم نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۹ پر یہ بھی لکھ دیا کہ انہوں نے خواجہ نظام الدین اولیاء کی ''تقویت'' پر بابا صاحب کا سال وفات ۶۶۱ھ لکھا ہے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کے مستند ملفوظات ''فوائد الفواد'' ہیں جن میں کہیں بھی بابا صاحب کے سال وفات کا ذکر نہیں، ۶۶۱ھ کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ وحید احمد مسعود فریدی مرحوم نے ہمیں اپنی مبینہ تقویت کے منبع کی تفصیلات سے آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھا چنانچہ مزید تبصرے کی ضرورت ہے نہ گنجائش۔

(۵): اردو دائرہ معارف اسلامیہ (جلد نمبر: ۱۵) پنجاب یونیورسٹی لاہور (۱۹۷۵ء) صفحہ نمبر: ۳۳۹

> ''۔۔۔۔اختلاف سنہ وفات میں بھی پایا جاتا ہے۔ (امیر خورد) کرمانی نے یہ تاریخ پانچ محرم ۶۶۴ھ/سترہ اکتوبر ۱۲۶۵ء (دوشنبہ) دی ہے اور تاریخ فرشتہ (بمبئی ۲: ۳۹ ۷) نے پانچ محرم ۶۷۰ھ/تیرہ اگست ۱۲۷۱ء (پنج شنبہ) لکھی ہے۔ دیگر قرائن سے مؤخر الذکر تاریخ وفات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ تاریخ فرشتہ میں غالباً کتابت کی غلطی سے ۶۷۰ھ کی بجائے ۶۰ ۷ھ لکھا گیا ہے۔''

مندرجہ بالا اقتباس پر، ہمارا پہلا تبصرہ یہ ہے کہ امیر خورد کرمانی کی ''سیر الاولیاء'' (کے جن نسخوں) میں جہاں بابا صاحب کا سال وفات ۶۶۴ھ لکھا گیا ہے، وہاں یوم وفات دوشنبہ (پیر) نہیں بلکہ سہ شنبہ (منگل) درج ہے۔ ہمیں علم نہیں کہ پاکستان کی اس قدیم اور عظیم یونیورسٹی کی ۲۷ جلدوں پر مشتمل اس ۳۴ سالہ (۱۹۶۴ء تا ۱۹۹۷ء) علمی کاوش میں ''پیر'' کا روز ''سیر الاولیاء'' کے کس قدیم قلمی نسخے سے اخذ کیا گیا ہے۔ اگر یہ نسخہ موجود ہے تو انتہائی نایاب مخطوطہ ہوگا۔

ہمارے دوسرے تبصرے کا تعلق مندرجہ بالا اقتباس کی آخری سطر سے ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ''تاریخ فرشتہ'' میں غالباً کتابت کی غلطی سے ۶۷۰ھ کی بجائے ۶۰ ۷ھ لکھا گیا ہے۔'' اس پر ایک جزوی اور ابتدائی تبصرہ تو گزشتہ سطور میں کیا جا چکا ہے، مزید اور مکمل تبصرے کے لیے سب سے مناسب یہ لگتا ہے کہ ''تاریخ فرشتہ'' سے متعلق اقتباس، بلا تبصرہ،

Marfat.com

قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

(۶): ''تاریخ فرشتہ'' مصنف: محمد قاسم ہندوشاہ۔ ناشر: منشی نول کشور، لکھنؤ۔ بھارت۔ سال اشاعت: ۱۸۶۴ء جلد دوئم کے صفحہ نمبر ۳۹۰ پر فارسی متن اور اس کا ترجمہ یہ ہے:

''آنگاہ سر بسجدہ گزاشت و در میان سجدہ رحلت کرد، وایں واقعہ شب پنج شنبہ، پنجم ماہ محرم، سنہ ستین وسبعمائتہ (۷۶۰) رونمود۔''

ترجمہ: اس وقت (بابا صاحب نے) سر سجدے میں رکھا اور سجدے کے دوران رحلت فرما گئے۔ یہ واقعہ جمعرات شب، پانچ محرم، سات سو ساٹھ (ہجری) ۷۶۰ (ہجری) میں ہوا۔

اگر مندرجہ بالا اقتباس میں، ۷۶۰ کا عدد صرف ہندسوں میں لکھا ہوتا تو کاتب کی غلطی سے ۶۷۰ کو ۷۶۰ لکھنا خارج از امکان نہ تھا لیکن یہاں تو ''۷۶۰'' پہلے الفاظ میں لکھا گیا تاکہ ہندسوں کے الٹ پھیر کی غلطی سے بچا جائے اور پھر تائید مکرر کے لیے ''۷۶۰'' ہندسوں میں بھی لکھا گیا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ۷۶۰ھ بابا صاحب کا سال وفات نہیں ہو سکتا۔ بلبن نے ۶۸۵ھ (مطابق ۱۲۸۶ء) میں وفات پائی۔ بابا صاحب اس سے کہیں پہلے رحلت کر گئے تھے۔ ''تاریخ فرشتہ'' کی یہ ایک بدیہی غلطی ہے لیکن سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اسی صفحے (۳۹۰) پر چند سطور کے بعد، ''تاریخ فرشتہ'' جو کچھ بتاتی ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بابا صحب ۶۶۹ھ میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے، اس کے بعد اکیانوے (۹۱) برس زندہ رہے اور تقریباً ۹۳ برس کی عمر میں ۷۶۰ھ میں انتقال کر گئے۔ صفحہ نمبر ۳۹۰ سے ہی دوسرے اقتباس کا فارسی متن یہ ہے:

''از شیخ نظام الدین اولیا منقول ہست کہ شیخ را رنجوری خلہ واقع شد کہ آخر بہمان زحمت برحمت حق پیوست و دراں رنجوری مرا بکسوت خاص نواختہ، در ماہ شوال سنہ تسع وستین وستمائتہ (۶۶۹) بجانب دہلی رواں ساخت و در وقت وداع آب در دیدہ گردانیدہ گفت بروترا بخدائے تعالیٰ سپردم۔''

ترجمہ: شیخ نظام الدین اولیاء سے روایت ہے کہ شیخ (بابا صاحب) کو خلہ کا مرض لاحق ہو گیا تھا اور اسی مرض میں آپ کا انتقال ہوا۔ اس بیماری میں، مجھے خلعت خاص سے نوازا اور شوال چھ سو انہتر (۶۶۹) کو دہلی رخصت کرتے وقت پُرنم آنکھوں سے کہا: جاؤ میں نے تمہیں اللہ کے سپرد کیا۔

(۷) ''آکھیا بابا فرید نے'' مصنف: محمد آصف خاں۔ ناشر: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ۔ لاہور۔ سال اشاعت: پہلا ایڈیشن: ۱۹۷۸ء۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۶ء

یہ کتاب پنجابی زبان میں ہے جس کے دوسرے ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۲۵ سے ایک اقتباس کا رواں اردو ترجمہ یہ ہے:

''فرشتہ کے علاوہ بیشتر مصنفین اس بات پر متفق ہیں کہ بابا فرید ''منگل، ۵ محرم'' کو

Marfat.com

وفات پا گئے، اب اگر ہم اس کا تعین کر سکیں کہ وہ کون سا برس تھا جس میں یہ دن اور تاریخ ایک ساتھ آئے تو بات خود بخود واضح ہو جائے گی ۔۔۔ ۶۷۹ھ میں، ۵ محرم اور منگل ایک ساتھ تھے ۔۔۔ یہ وہ تاریخ ہے جب بابا فرید اپنے رب سے جا ملے۔ انگریزی تقویم کے مطابق یہ ۷ مئی ۱۲۸۰ء، منگل تھا۔''

بابا صاحب کے سال وفات کے تعین کے لیے، پروفیسر آصف خان نے جو راہ عمل اختیار کی، وہ سہل تو ضرور تھی لیکن سیدھی اور صحیح نہیں تھی۔ وہ دو بدیہی غلطیوں کا شکار ہو کر، غلط نتیجے پر پہنچے۔

پہلی بدیہی غلطی تو یہ ہے، کہ ۶۷۹ھ (مطابق ۱۲۸۰ء) سے پورے آٹھ برس پہلے، یعنی ۶۷۱ھ (مطابق ۱۲۷۲ء) میں بھی ۵ محرم اور منگل ایک ساتھ آئے تھے۔ پروفیسر آصف خاں نے اپنی محققانہ کتاب میں اس کی کہیں تشریح نہیں کی کہ وہ ۶۷۱ھ چھوڑ کر، ۶۷۹ھ پر کیوں پہنچ گئے۔

دوسری بدیہی غلطی یہ ہے کہ بابا صاحب نے سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے ابتدائی دور میں وفات پائی۔ بلبن کا دور سلطانی ۱۲۶۶ء سے ۱۲۸۶ء (۶۶۴ھ سے ۶۸۵ھ) پر محیط ہے۔ اگر پروفیسر آصف خاں (۵ محرم) ۶۷۱ھ (مطابق ۱۲۷۲ء) کو جو منگل کا دن بھی تھا' بابا صاحب کا سال وفات قرار دیتے تو ان کی بات اس حد تک قابل قبول ہوتی کہ ۶۷۱ھ کو بلبن کے عہد کا ابتدائی دور شاید کہا جا سکتا تھا لیکن ۶۷۹ھ (مطابق ۱۲۸۰ء)، بلبن کے عہد کا آخری دور کہلائے گا، ابتدائی دور نہیں۔

ان دو غلطیوں کے علاوہ، پروفیسر آصف خاں کے طرز استدلال و استخراج پر، ڈاکٹر منظور ممتاز نے اپنی کتاب ''پیام گنج شکرؒ'' میں جو وزنی اعتراضات کیے ہیں، وہ ڈاکٹر منظور ممتاز کے اپنے الفاظ میں نیچے درج کیے جا رہے ہیں:

(۸) ''پیام گنج شکرؒ'' مصنف: ڈاکٹر منظور ممتاز۔ ناشر: نذیر سنز، ۴۰۔ اے اردو بازار لاہور۔ سال اشاعت: ۱۹۹۹ء۔ صفحہ نمبر: ۶۳

> ''پروفیسر آصف خاں نے اپنی پنجابی کتاب ''آکھیا بابا فرید نے'' میں صرف منگل، ۵ محرم کو پیش نظر رکھا ہے اور اسی سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے نہ تو بابا جیؒ کے رمضان میں لاحق ہونے والے مرض الموت کو ذہن میں رکھا ہے اور نہ رمضان میں مئی جون کے موسم کو جو حضرت بابا جیؒ کے علاقے میں خربوزے کی فصل کا موسم ہے اور نہ حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے سن (سنہ) انتقال کو کوئی اہمیت دی ہے اور نہ ہی شیر خان والی اُچ و ملتان سے متعلق حضرت بابا جی کے فرمان کی کڑی اپنے طریق استدلال سے ملائی ہے۔ اس لیے ان کی تحقیق ''فوائد الفواد'' کے شواہد اور واقعات کی بنا پر درست نہیں رہی۔''

پروفیسر محمد آصف خاں کے طرز استدلال پر ان برمحل اعتراضات کے بعد، ڈاکٹر منظور ممتاز نے (خصوصاً شیر خاں والی ملتان کے بارے میں) جو پُر پیچ طریق استدلال اختیار کیا ہے، اس کی وجہ سے ڈاکٹر منظور ممتاز اس غلط نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ''حضرت بابا جی کا وصال منگل ۴ محرم ۶۶۵ھ کو آدھی رات کے لگ بھگ ہوا اور تدفین ۵ محرم ۶۶۵ھ بروز بدھ

Marfat.com

ہوئی جو۱۶/اکتوبر (سولہ اکتوبر) ۱۲۶۶ءتھی۔"

واضح رہے کہ مندرجہ بالا غلط نتیجہ اخذ کرنے کے علاوہ، ڈاکٹر منظور ممتاز کی کتاب میں صفحہ نمبر ۶۳ پر بابا صاحب کی تاریخ وفات کا ۱۶/اکتوبر ۱۲۶۶ء درج ہے جو نتیجے کے لحاظ سے غلطی سہی، لیکن قمری تاریخ، ماہ سال (۵محرم ۶۶۵ھ) کی مطابقت کے اعتبار سے صحیح ہے۔

(۹)"مقام گنج شکرؒ" مصنف: کپتان واحد بخش سیال۔ناشر: پہلا ایڈیشن: ۱۹۷۹ء بختیار پرنٹرز، دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور۔دوسرا ایڈیشن: ۱۹۹۸ء: بزم اتحاد المسلمین، لاہور

(۱) پہلے ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۱۳۰، اور دوسرے ایڈیشن کے صفحات نمبر ۱۴۱ اور ۱۴۲ پر درج ہے:

"حضرت بابا فریدالدین مسعود کا..........سن (سنہ) وفات سیر الاولیاء کے مطابق ۶۶۴ھ ہے لیکن ہمارے شجرۂ شریف میں حضرت اقدس کا سن (سنہ) وفات ۶۶۹ھ ہے جو کشفی معلوم ہوتا ہے اور اصح (اصح) ہے"۔

(۲) پہلے ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۱۳۲ اور دوسرے ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۱۴۳ پر درج ہے:۔

"تاریخ وفات: پانچ محرم ۶۶۸ھ"

(۱۰)"فکر فرید" مصنف: سلیم یزدانی۔ناشر: ڈینز پبلی کیشنز، D / I / c جیکب لائنز، کراچی۔سال اشاعت: ۱۹۸۵ء۔ صفحہ نمبر: ۱۱۶

"حضرت بابا صاحب کی وفات ۵محرم ۶۶۳ھ کو ہوئی۔یہ واقعہ پنج شنبہ (جمعرات) کی رات کا ہے۔"

ہمارے تین تبصرے ہیں۔اولاً سلیم یزدانی صاحب نے بابا صاحب کا ایک بالکل مختلف سال وفات تو لکھ دیا لیکن اس کا ماخذ نہیں بتایا۔ثانیاً بلبن ۶۶۴ھ (۱۲۶۶ء) میں سلطان بنا اور معتبر تاریخ کی شہادت ہے کہ بابا صاحب اس وقت زندہ تھے۔اس لیے ۶۶۳ھ (۱۲۶۴ء) آپ کا سال وفات نہیں ہو سکتا۔ثالثاً ۵محرم ۶۶۳ھ کو منگل تھا۔جمعرات نہیں۔جمعرات کی روایت صرف "تاریخ فرشتہ" میں درج ہے لیکن اس میں بابا صاحب کا سنہ وفات، الفاظ اور اعداد دونوں میں ۶۷۰ھ درج ہے جو بدیہی طور پر غلط ہے۔

(۱۱)"تذکرہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ" مصنف: طالب ہاشمی۔ناشر: شعاع ادب، مسلم مسجد لاہور۔سال اشاعت: نہیں دیا، صفحہ نمبر: ۱۷۴

"حضرت بابا صاحب نے باختلاف روایت، ۹۷ سے ۱۰۷ برس کے درمیان عمر پائی۔آپ کے سال وفات کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں سخت اختلاف ہے۔تاریخ فرشتہ میں ۶۶۰ھ (پچھلے صفحات میں تبصرہ ہو چکا ہے کہ یہ سنہ تاریخ فرشتہ میں درج نہیں ہے)، سیر الاولیاء، سفینۃ الاولیاء، اخبار الاخیار اور جواہر فریدی میں شب سہ شنبہ (منگل) ۵محرم ۶۶۴ھ، سیر الاقطاب میں ۶۹۰ھ (پچھلے صفحات میں تبصرہ ہو چکا ہے کہ یہ سنہ درست نہیں ہو سکتا۔)، خزینۃ الاصفیاء اور سلسلۃ الاولیاء میں چہار شنبہ

(بدھ) ۵ محرم الحرام ۶۷۰ھ اور آئین اکبری میں ۶۶۸ھ درج ہے۔ مولوی محمد صالح کنجاہی نے ''سلسلۃ الاولیاء'' میں مرزا مظہر جان جاناں کا ایک تاریخی قطعہ درج کیا ہے جس سے ۶۷۰ھ تاریخ نکلتی ہے۔''

پچھلے صفحات میں ہم ''خزینۃ الاصفیاء'' پر ایک مختصر تبصرہ کر چکے ہیں جس کا سال تالیف ۱۲۹۱ھ/۱۸۶۴ء ہے۔ ہمارا مزید تبصرہ یہ ہے کہ ''خزینۃ الاصفیاء'' میں بابا صاحب کے مختلف سنین وفات کے مختلف تاریخی قطعے جمع کیے گئے ہیں۔ کسی تاریخی قطعے سے بابا صاحب کا سنہ وفات ۶۶۴ھ نکلتا ہے، کسی کے مطابق ۶۶۶ھ کسی کے مطابق ۶۷۰ھ اور خود ''خزینۃ الاصفیاء'' کے مؤلف کے مطابق ۶۹۰ھ ہے جو درست نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہ سنہ سلطان غیاث الدین بلبن کی وفات (۶۸۵ھ مطابق ۱۲۸۶ء) کے پانچ برس بعد ہے جب کہ بابا صاحب کا انتقال بلبن کے ابتدائی دور سلطانی میں ہوا۔ مزید تاریخی قطعے ''آکھیا بابا فرید نے'' نامی کتاب کے صفحات ۱۸-۱۹ پر درج ہیں۔ کسی تاریخی قطعے کے مطابق بابا صاحب کا سنہ وفات ۶۶۳ھ، کسی کے مطابق ۶۷۰ھ، کسی کے مطابق ۶۸۰ھ بنتا ہے۔ اس طرح ہم اس خاصی عجیب صورت حال سے دوچار ہیں کہ سات مختلف سال یعنی ۶۶۳ھ، ۶۶۴ھ، ۶۶۶ھ، ۶۷۰ھ، ۶۷۹ھ، ۶۸۰ھ اور ۶۹۰ھ تاریخی قطعات کی بنا پر، بیک وقت، بابا صاحب کے سنہ وفات ہونے کے دعوے دار بنے ہوئے ہیں۔

تاریخی قطعات کے ضمن میں، ایک کتاب کا ذکر ضروری ہے جو مغل بادشاہ شاہ جہاں کے دور میں مرتب ہوئی یعنی گیارہویں صدی ہجری/ تیرہویں صدی عیسوی کے دوران۔ یہاں پھر یاد دلاتے چلیں کہ یہ وہی صدی ہے جب داراشکوہ، مولانا علی اصغر چشتی اور (غالبا) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ۶۶۴ھ کو بابا صاحب کا سنہ وفات لکھ رہے تھے اور ابوالفضل اور شیخ عبدالرحمٰن چشتی ۶۶۸ھ بتا رہے تھے۔ کتاب کا نام ''مخبر الواصلین'' ہے اور یہ نامور صوفیہ کی تاریخ ہائے وفات کے تاریخی قطعوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں بابا صاحب کے سنہ وفات کے بارے میں جو تاریخی قطعہ درج ہے، اس کے مطابق سال وفات ۶۷۰ھ نکلتا ہے۔ اس کتاب کی دوسری اور انتہائی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شیخ بہاء الدین زکریا کے سنہ وفات کے بارے میں جو تاریخی قطعہ درج ہے، اس کے مطابق ان کا سنہ وفات ۶۶۷ھ نکلتا ہے۔ ہماری نظر سے یہ پہلی کتاب گزری ہے جس میں شیخ بہاء الدین زکریا اور بابا صاحب کی وفات کے درمیان، تین برس کا وہی فرق بتایا گیا ہے جو ''فوائد الفواد'' کے انگریزی ترجمے ''Morals for the Heart'' اور ''سیر الاولیاء'' میں خواجہ نظام الدین اولیاء سے منسوب ہے۔ کتاب کے کوائف یہ ہیں:

''مخبر الواصلین'' مؤلف: ابوعبداللہ محمد فاضل بن سید حسن حسینی ترمذی اکبرآبادی۔ عہد تالیف: عہد شاہ جہاں (۱۶۲۸ تا ۱۶۵۸ء) ناشر: کتب خانہ نذیریہ، مسلم منزل، کھاری باؤلی، دہلی۔ سال اشاعت نہیں دیا۔

صفحہ نمبر ۵۶: تاریخ رحلت: بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ

''لیک شد سال نقل او بہ یقیں شاہباز مقام علیین'' ۶۶۷ھ

صفحہ نمبر ۵۷: تاریخ رحلت: شیخ فرید الدین گنج شکر قدس سرہ

''فرید الدین ولی واصل حق'' ۶۷۰ھ

Marfat.com

یہ مصرع مرزا مظہر جان جاناں کے اس تاریخی قطعے کا حصہ ہے:

فرید الدین کہ او گنج شکر بود　　چو در ذات خدا شد محو مطلق
بمظہر گفت ہاتف سال نقلش　　فرید الدین ولی واصل حق

(۱۲)''فرمایا خواجہ گنج شکرؒ نے'' (زیر طبع) مصنف: ڈاکٹر اسلم فرخی

اردو کے نامور معلم، محقق، ادیب اور خواجہ نظام الدین اولیاء پر کئی کتابوں کے مصنف پروفیسر ڈاکٹر اسلم فرخی نے مندرجہ بالا زیر طبع کتابچے کے مسودے میں لکھا ہے:

''(بابا صاحب کے) سال وفات میں اختلاف ہے۔ ۶۶۴ھ یا ۶۷۰ھ۔ امیر خورد کرمانی) نے ''سیر الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ شیخ نے حضرت محبوب الٰہی کو خلافت نامہ بدھ، تیرہ رمضان ۶۶۹ھ کو عطا فرمایا تھا۔ اس بیان کی رو سے ۶۷۰ھ صحیح سال وفات قرار پاتا ہے۔''

ان حقائق اور تبصروں کی روشنی میں جو پچھلے صفحات میں ہیں' ۶۶۴ھ کے بارے میں اب اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ ۶۶۴ھ میں بابا صاحب زندہ تھے اور ''تاریخ فیروز شاہی'' کے الفاظ میں، ''اس خطہ زمین کے لوگوں کو انہوں نے اپنی پناہ اور اپنے سائے میں لے رکھا تھا۔ ان کے قرب اور برکت انفاس سے لوگ دین و دنیا کی مصیبتوں سے نجات پاتے تھے اور جو اسکے اہل تھے، وہ ان کی ارادت کے ذریعے بلند مراتب حاصل کرتے تھے''۔

حصہ چہارم

اس میں چوتھے سال پر بحث و تبصرہ کر کے دکھایا جائے گا کہ صحیح سنہ وفات کیا ہو سکتا ہے اور اس کی تائید میں کیا اسناد و شواہد ہیں؟

اب ہم اس (خشک) مضمون کے دلچسپ حصے پر آتے ہیں۔ بابا صاحب کے جائے ولادت کے تعین کی طرح، بابا صاحب کے سنہ وفات کے تعین کے لیے، رہنمائی خواجہ نظام الدین اولیاء سے ہی ملے گی۔ ''فوائد الفواد'' میں، اس بارے میں، تین اہم اشارے دیئے ہیں۔ پہلے یہ اشارے درج کیے جاتے ہیں اور پھر ان پر تبصرے۔

پہلا اشارہ: منگولوں کا ملتان پہنچ جانا

یہ اشارہ ''فوائد الفواد'' کی پانچویں جلد کی دوسری مجلس میں ہے جو نو (۹) رمضان ۷۱۹ھ (مطابق ۲۴/اکتوبر ۱۳۱۹ء) جمعرات کو دہلی میں منعقد ہوئی۔ فارسی ایڈیشن سے متعلقہ اقتباس اور اس کا اردو اور انگریزی ترجمہ یہ ہے:

(۱): ''فوائد الفواد'' ناشر: شیخ سراج الدین اینڈ سنز، کشمیری بازار، لاہور۔ سال اشاعت: ۱۹۶۶ء۔ صفحہ نمبر: ۳۷۴

''چوں شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز از دنیا برفت، ہماں سال کافران دراں دیار رسیدند۔''

(۲) ''فوائد الفواد'' مترجم: خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی۔ سال اشاعت نہیں دیا۔ صفحہ نمبر ۴۹۹

''جب شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز دنیا سے تشریف لے گئے، تو اسی سال کافر (منگول) علاقے پہنچ گئے''۔

Marfat.com

(۳) ''فوائد الفواد'' مترجم: محمد سرور۔ ناشر: علماء اکیڈیمی محکمہ اوقاف، حضوری باغ، لاہور۔ سال اشاعت: ۱۹۸۰ء۔ صفحہ نمبر: ۱۷۲

''جب شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز دنیا سے رحلت فرما گئے تو اسی سال کفاروں (تاتاریوں) نے اس علاقے پر یلغار کی۔''

("Morals for the Heart" Translator. Bruce B. Lawrence

Publisher = Paulist Press, New Jersey U.S.A. 1992, p. 327

"When Shaykh Farid-ad-Din died, the same year, the infidels (i.e., the Mongols) invaded the region (Uchch and Multan)."

دوسرا اشارہ: بابا صاحب اور شیخ بہاء الدین زکریا کی وفات کے درمیان تین برس کا وقفہ

یہ اشارہ ''فوائد الفواد'' کی چوتھی جلد کی گیارہویں مجلس میں ہے جو انتیس (۲۹) ذی الحجہ ۷۱۴ھ (مطابق پانچ اپریل ۱۳۱۵ء) ہفتے کے دن دہلی میں منعقد ہوئی۔ ''فوائد الفواد'' کے فارسی (لاہور، ۱۹۶۶ء) ایڈیشن اور دونوں اردو تراجم میں تحریر ہے کہ ''پہلے شیخ سعد الدین حمویہ کا انتقال ہوا، اور اس کے تین برس بعد شیخ فرید الدین کا''۔ (''فوائد الفواد'' کے انگریزی ترجمے کے صفحہ نمبر ۳۸۰ پر، نوٹ نمبر ۷۰ کے مطابق، شیخ سعد الدین حمویہ کا انتقال ۶۴۹ھ یا ۶۵۰ھ (مطابق ۱۲۵۱ء یا ۱۲۵۲ء) میں ہوا۔) ''فوائد الفواد'' کے انگریزی ترجمے کا متن ''فوائد الفواد'' کے مندرجہ بالا فارسی اور اردو متن سے مختلف ہے، اور ''سیر الاولیاء'' میں درج اس فرمودے سے مطابقت رکھتا ہے جو خواجہ نظام الدین اولیاء سے منسوب ہے۔ انگریزی ترجمے کا متن، جو کتاب کے صفحہ نمبر ۲۳۰ پر ہے، یہ ہے،

"Then the Master, may God remember him with favour - noted Shaykh Sad-ad-Din Hamuya died, then three years later Shaykh Sayf-ad-Din Bakharzi died, and three years after him Baha-ad-Din Zakariya, and finally three years later Shaykh Farid-ad-Din (also died)."

مضمون کے پہلے حصہ میں، قومی عجائب خانہ کراچی کے ''سیر الاولیاء'' کے قلمی نسخے (مفروضہ صفحہ نمبر ۱۱۳) اور لاہور سے چھپنے والے ''سیر الاولیاء'' (فارسی، ۱۹۷۸ء اور اردو ترجمہ، ۱۹۸۰ء) کے جن دو ایڈیشنوں کا ذکر ہوا تھا، ان کے متعلقہ اقتباسات کے متن اور مندرجہ بالا انگریزی ترجمے میں جو ''فوائد الفواد'' کے حوالے سے ہے، کوئی فرق نہیں۔ وہ ذی علم حضرات جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے سیرت نگار اور ''فوائد الفواد'' کے مستقل قاری ہیں، اس رائے کے حامل ہیں کہ ''فوائد الفواد'' کے فارسی نسخے مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء اور اس کے دونوں اردو تراجم میں جہاں اس بارے میں صرف شیخ سعد الدین حمویہ اور بابا صاحب کے وفات کے درمیان تین برس کا فرق خواجہ نظام الدین اولیاء سے منسوب کیا گیا ہے، ان

Marfat.com

نسخوں کا متن نامکمل ہے اور ''فوائد الفواد'' کا مکمل متن وہی ہونا چاہئے جو ''سیر الاولیاء'' یا ''فوائد الفوائد'' مندرجہ بالا انگریزی اقتباس میں دیا گیا ہے۔ ہم اس بنیاد پر آگے تبصرہ کریں گے۔ جو حضرات اس رائے سے اختلاف رکھتے ہوں، ان کے لئے تحقیق کا دروازہ کھلا ہے اور وہ شیخ سعد الدین حمویہ کے سنہ وصال کا صحیح تعین کرنے کے بعد، اس میں تین برس جمع کر کے، اپنے نتائج سے دوسروں کو بھی مستفید کریں۔

تیسرا اشارہ خربوزوں کا موسم

یہ اشارہ ''فوائد الفواد'' کی دوسری جلد کی آٹھویں مجلس میں ہے جو ستائیس (۲۷) ربیع الاول ۷۱۰ھ (مطابق ۲۴/اگست ۱۳۱۰ء) کی دہلی میں منعقد ہوئی۔ چوں کہ فارسی متن اور اس کے اردو اور انگریزی تراجم میں کوئی فرق نہیں، اس لئے متعلقہ اقتباس کا صرف ایک اردو ترجمہ نیچے پیش کیا جارہا ہے جو خواجہ حسن ثانی نظامی کے ترجمے کے صفحہ نمبر ۲۳۲ پر ہے:

> ''جب شیخ (بابا صاحب) کی بیماری بڑھی اور رمضان کا مہینہ آیا تو حضرت افطار فرماتے تھے (یعنی روزہ نہ رکھتے تھے) ایک روز کوئی خربوزہ لایا۔ اس کی قاشیں کر کے شیخ کے سامنے رکھی گئیں، شیخ انہیں تناول فرمارہے تھے۔ اس دوران خربوزے کی ایک قاش مجھے بھی مرحمت فرمائی، میں نے چاہا کہ کھالوں۔ دل میں خیال تھا کہ دو ماہ تک متواتر روزے رکھ کر اس کا کفارہ ادا کروں گا۔ یہ دولت کہ خود اپنے ہاتھ سے کوئی چیز عنایت فرماتے ہیں، پھر کہاں ملے گی۔ چنانچہ قریب تھا کہ میں اسے کھالیتا کہ حضرت نے (ٹوکا اور) کہا کہ نہیں مت کھاؤ۔ مجھے تو شریعت کی طرف سے اجازت ہے، تمہیں نہیں کھانا چاہیے۔''

اب ان اشاروں پر تبصرے ملاحظہ ہوں۔

Marfat.com

پہلا اشارہ

ہندوستان پر منگولوں (مغلوں) کی یلغار تو سلطان شمس الدین التمش کے عہد سے ہی شروع ہوگئی تھی اور غیاث الدین تغلق کے دور میں بھی جاری رہی، چنانچہ اس اشارے میں کافروں سے مراد منگول، علاقے سے مراد ملتان اور وہاں تک پہنچ جانے کی ایک توضیح، ملتان کی بربادی یا تسخیر بھی ہوسکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ تاریخ ہند کے مطابق وہ کون سا سنہ تھا جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے ان ملفوظات، یا اس کی مندرجہ بالا توضیح، سے مطابقت رکھتا ہو۔ اشارے کا تعلق چونکہ ملتان سے ہے، اس لئے ہم نے ملتان کی تاریخ پر مولانا نور احمد خان فریدی کی کتاب ''تاریخ الملتان'' سے رجوع کیا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ کتاب سے اقتباس یہ ہے:

تاریخ ملتان، مصنف مولانا نور احمد خان فریدی، ناشر: قصر الادب، رائٹرز کالونی، ملتان شہر، سال اشاعت: نہیں دیا۔

> ''ذی الحجہ ۶۸۳ھ (فروری ۱۲۸۵ء) میں دفعتاً اطلاع ملی کہ تیمور خان مغل تیس ہزار فوج کے ہمراہ لاہور کے قریب پہنچ چکا ہے۔ سلطان محمد (بلبن کے بیٹے اور ملتان کے گورنر کا

نام محمد سلطان تھا۔) نے ''سی'' (۳۰) ہزار کو ''سہ'' (۳) ہزار پڑھا۔ جس پر یہ دس ہزار سواروں کے ہمراہ لاہور پہنچا اور راوی کے کنارے کافروں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔''

مندرجہ بالا اقتباس پر ہمارے تین تبصرے ہیں۔ اول بابا صاحب کے سال وصال کے بارے میں جو روایتیں ہمارے علم میں ہیں، ان میں سے کوئی ۶۸۴ھ (مطابق ۱۲۸۵ء) نہیں۔ ثانیاً یہ جنگ لاہور میں راوی کے کنارے ہوئی جب کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات میں ذکر اس بات کا ہے کہ منگول ''علاقے'' یعنی ملتان میں پہنچ گئے، یا ملتان پر حملہ آور ہوئے۔ ثالثاً ذی الحجہ ۶۸۳ھ یا ۶۸۴ھ کے اوائل کا تعلق ۱۲۸۵ء سے ہے جو بلبن کی بادشاہت (۱۲۶۶ء سے ۱۲۸۶ء تک) کے بالکل آخری دور کی بات ہے جب کہ معتبر مؤرخین کے مطابق بابا صاحب کا انتقال بلبن کے سلطان دہلی بننے کے ابتدائی دور میں ہوا، نہ کہ آخری دور میں۔ اگر بابا صاحب کا انتقال تیرہویں صدی عیسوی کی چھٹی دہائی (کے آخری نصف حصے یعنی ۱۲۶۶ء سے ۱۲۷۰ء تک) میں ہوا تو یہ غالباً بلبن کا ابتدائی دور کہلائے گا۔ اگر بیسویں صدی عیسوی کی آٹھویں دہائی (کے پہلے نصف حصے کے آخر یعنی ۱۲۸۵ء) میں ہوا تو یہ یقیناً بلبن کا آخری دور حکومت کہلائے گا، ابتدائی دور حکومت نہیں کہلا سکتا۔

اگر بابا صاحب کا کوئی عقیدت مند جو تاریخ پاک و ہند پر دسترس رکھتا ہو، خواجہ نظام الدین اولیاء کے اس اشارے کی روشنی میں، تاریخ ملتان اور تاریخ پاک و ہند کی مستند کتابوں کے ذریعے اس برس کا تعین کر سکے جب منگولوں نے ملتان پر یلغار کی یا اسے تاراج یا تسخیر کیا تو اس سے بابا صاحب کے سال وصال کے صحیح تعین میں بہت مدد ملے گی۔

دوسرا اشارہ

''سیر الاولیاء'' کے مطابق، بابا صاحب کی وفات شیخ بہاء الدین زکریا کی رحلت کے تین برس بعد ہوئی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مختلف مؤرخین، محققین، سیرت نگاروں کی کتب اور انسائیکلو پیڈیا میں، شیخ بہاء الدین زکریا کا سال وصال کیا بتایا گیا ہے۔ اس کے بارہ حوالے درج ذیل ہیں:

(۱) پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم:

The Life and Times of Shaikh Fariduddin Ganj-i Shakar

صفحہ نمبر ۴۷ کے حاشیے میں ہے، شیخ بہاء الدین زکریا کا سال وصال ۶۶۱ھ مطابق ۱۲۶۲ء لکھا ہے۔

(۲) پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی، ماہنامہ ''منادی'' دہلی (ستمبر ۱۹۷۴ء) صفحات: ۱۶۵ اور ۱۶۹:

پہلے صفحہ نمبر ۱۶۵ پھر صفحہ نمبر ۱۶۹ پر، مضمون بعنوان ''اسرار الاولیاء۔ ایک تنقیدی جائزہ'' میں شیخ بہاء الدین زکریا کا سال وصال ۶۶۱ھ بتایا ہے۔ صفحہ نمبر ۱۶۹ پر درج شدہ سال وصال ''سیر الاولیاء'' کے حوالے سے ہے (جو ماہنامہ ''منادی'' کے صفحہ نمبر ۱۴۵ پر ہے اور مشتبہ لگتا ہے) اور صفحہ ۱۶۵ پر درج شدہ سال وصال ''اخبار الاخیار'' کے حوالے سے دیا گیا ہے۔

''اخبار الاخیار'' کے اس اردو ترجمے میں جو اقبال الدین احمد نے کیا اور ۱۹۹۷ء میں درار الاشاعت، اردو بازار، کراچی سے شائع ہوا صفحہ نمبر ۵۰ پر تحریر ہے ''شیخ زکریا نے ۷ صفر ۶۶۱ھ کو جام بقانوش کیا''۔

(۳) شیخ محمد اکرام، ''آب کوثر'' سال تصنیف: ۱۹۳۷ء سولہویں ایڈیشن کا سال اشاعت: ۱۹۹۶ء، ناشر: ادارۂ ثقافت

Marfat.com

اسلامیہ لاہور، صفحہ:۲۶۱

"(شیخ بہاء الدین زکریا) کی وفات ۶۶۱ھ/۱۲۶۲ء میں ہوئی۔"

(۴) "اردو دائرہ معارف اسلامیہ" (اردو اسلامک انسائکلو پیڈیا) پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ جلد نمبر ۵۔ سال اشاعت: ۱۹۸۵ء صفحہ نمبر ۹۵،

آپ (شیخ بہاء الدین زکریا) کا انتقال سات صفر ۶۶۱ھ/۲۱ دسمبر ۱۲۶۲ء کو ملتان میں ہوا۔

(۵) محکمہ اوقاف حکومت پنجاب:

محکمہ اوقاف، حکومت پنجاب نے شیخ زکریا کے مزار کے سرہانے ایک بورڈ پر آپ کے کوائف دیئے ہیں جس کے مطابق آپ کی "تصدیق شدہ" تاریخ وفات ۷ صفر ۶۶۱ھ بتائی گئی ہے۔

(۶) مولانا نور احمد خان فریدی مرحوم "شاہ رکن عالم ملتانی سہروردی قدس سرہ" سال تصنیف: ۱۳۸۰ھ (مطابق ۱۹۶۰ء ناشر: قصر الادب، رائٹرز کالونی، ملتان شہر، سال اشاعت: درج نہیں) صفحہ نمبر: ۳۵

"۷..... صفر ۶۶۱ھ کو.......... خواجہ بہاء الحق...... سرائے فانی سے عالم بقا کو انتقال کر گئے۔"

(۷) مولانا نور احمد خان فریدی مرحوم "تاریخ ملتان" سنہ تصنیف واشاعت درج نہیں۔ ناشر: قصر الادب، رائٹرز کالونی، ملتان شہر۔ صفحات: ۱۳۹، ۱۷۹، ۱۸۵

(۱) صفحہ نمبر ۱۳۹۔ جلد اول

"رحلت ۷ صفر المظفر ۶۶۱ھ"

(۲) صفحہ نمبر ۱۷۹۔ جلد اول

"۷ صفر ۶۶۱ھ بروز منگل.......... حضرت (صدر الدین) عارف باللہ گھبرا کر واپس لوٹے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت (بہاء الدین زکریا) کا سر نیاز سجدے میں ہے اور روح اعلیٰ علیین کو پرواز کر چکی ہے۔"

(۳) صفحہ نمبر ۱۸۵۔ جلد اول

".......... العزیز"، بہاول پور کے شمارہ فروری ۱۹۴۵ء میں ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں صاحب مضمون نے تحریر کیا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام (بہاء الدین زکریا) نے سید علی ہجویری کی مشہور عالم تصنیف کشف المحجوب کو بھی اپنے ہاتھ سے سپرد قلم فرمایا تھا.......... حال ہی میں جناب احمد ربانی صاحب نے محکمہ اوقاف کی اعانت سے کشف المحجوب کا ایک فارسی نسخہ طبع کرایا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے جس کی ڈھنڈیا پڑ رہی تھی۔ انہوں نے اس نسخے کا (کے) پہلے اور آخری صفحے کا عکس بھی دیا ہے مگر اسے حضرت شیخ الاسلام (بہاء الدین زکریا) سے منسوب کرنے میں چند اشکال حائل ہیں۔ ایک یہ کہ اس پر تاریخ ارقام ۶۶۴ھ درج ہے حالانکہ حضرت کا سن وصال بالاتفاق ۶۶۱ھ ہے۔"

(۸) سید صباح الدین عبدالرحمٰن "بزم صوفیہ" سال تصنیف: ۱۹۵۰ء ناشر مطبع معارف دار المصنفین، اعظم گڑھ، بھارت، سال اشاعت: پہلا ایڈیشن: ۱۹۵۰ء دوسرا ایڈیشن: ۱۹۷۱ء صفحہ: ۱۳۰

سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ "راحت القلوب" میں سال وفات ۶۵۶ھ، "سیر الاولیاء" (ص ۹۱) میں

Marfat.com

۶۶۷ھ ''اخبار الاخیار'' میں ۶۶۱ھ، ''سفینتہ الاولیاء'' اور ''فرشتہ'' میں ۶۶۶ھ اور ''مرأۃ الاسرار'' میں ۵۶۵ھ ہے۔''

(۹) ''مرأۃ الاسرار'' مصنف: شیخ عبدالرحمٰن چشتی (دوسرے کوائف اوپر درج کئے جا چکے ہیں۔) صفحہ: ۷۷۰، ۷۷۱۔

(۱) صفحہ نمبر ۷۷۰: آپ (شیخ بہاء الدینؒ زکریا) کا وصال سات ماہ صفر ۶۶۵ھ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں ہوا۔''

(ص ۷۷۱):

آپ (بابا صاحب) کی وفات سہ شنبہ (منگل) کے دن پانچویں ماہ محرم ۶۶۹ھ اور دوسری روایت کے مطابق، ۶۶۱ھ میں سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہوئی۔

(۱۰) ''سفینتہ الاولیاء'' مصنف: داراشکوہ کوائف مضمون کے پہلے حصے میں دیئے جا چکے ہیں۔ صفحہ نمبر ۱۵۲

آپ (شیخ بہاء الدین زکریا) کی وفات جمعرات کے دن.......... ۷ ماہ صفر ۶۶۶ھ کو ہوئی۔ (واضح رہے کہ اس کتاب کے صفحہ نمبر ۱۳۳ پر، بابا صاحب کا سال وصال (۵ محرم) ۶۶۴ھ بتایا گیا ہے، یعنی بابا صاحب دو برس پہلے انتقال کر گئے تھے۔)

(۱۱) ''آئین اکبری'' مصنف: ابوالفضل، کوائفؔ مضمون کے تیسرے حصے میں دیئے جا چکے ہیں۔ جلد دوئم کے صفحہ نمبر ۳۲۸ پر تحریر ہے:

''(شیخ بہاء الدین زکریا نے) ۶۶۵ ہجری ماہ صفر میں............ رحلت فرمائی۔''

(۱۲) ''مخبر الواصلین'' مؤلف: ابوعبداللہ محمد فاضل بن سید حسن حسینی ترمذی اکبر آبادی۔ کوائف مضمون کے تیسرے حصے میں ہیں۔

صفحہ نمبر ۵۶: ''تاریخ رحلت'': بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ:

''شاہ باز مقام علیین'' ۶۶۷ھ

اس مضمون کے پہلے حصہ میں، جب پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم، پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی، شیخ محمد اکرام مرحوم، مولانا نور احمد خان فریدی مرحوم اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی تحریروں سے وہ اقتباسات دیئے گئے تھے جن کے مطابق ۶۶۴ھ کو بابا صاحب کا سال وصال بتایا گیا ہے تو سوال اٹھا تھا: ۶۶۴ھ کی روایت کہاں سے چلی؟ اس کا جواب آنا ابھی باقی ہے، گو نظر ''سیر الاولیاء'' کی طرف اٹھتی ہے۔

اوپر کی سطروں میں، پروفیسر خلیق احمد نظامی مرحوم، پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، شیخ محمد اکرام مرحوم، پنجاب یونیورسٹی کی ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' اور مولانا نور احمد خان فریدی مرحوم کی تحریروں سے وہ اقتباسات دیئے گئے ہیں جن کے مطابق شیخ بہاء الدین زکریا کا انتقال ۶۶۱ھ میں ہونا بتایا گیا ہے۔ یہاں پھر وہی سوال اٹھتا ہے۔ ۶۶۱ھ کی روایت کہاں سے چلی؟

''سیر الاولیاء'' کے صفحہ نمبر ۹۱ کے حوالے سے، سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب ''بزم صوفیہ'' کے صفحہ

نمبر ۱۳۰ پر، شیخ بہاء الدین زکریا کا سالِ وصال ۶۶۷ھ درج کیا ہے، جب کہ ''سیر الاولیاء'' کے صفحہ نمبر ۹۱ کے حوالے سے ہی، پروفیسر نثار احمد فاروقی، ماہنامہ ''منادی'' دہلی ستمبر ۱۹۷۴ء کے صفحہ نمبر ۱۴۵ پر، چار صوفیائے کرام کے سنین وصال درج کرتے ہوئے، ۶۶۱ھ کو شیخ بہاء الدین زکریا کے سنہ وصال کے طور پر درج کر چکے ہیں۔

اب تحقیق طلب بات یہ ہے کہ ''سیر الاولیاء'' کے جس ایڈیشن کے صفحہ نمبر ۹۱ سے پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن دونوں نے استفادہ کیا ہے (اور یہ ایڈیشن چرنجی لال کا ۱۸۸۵ء۔ دہلی ایڈیشن ہو سکتا ہے۔) اس میں شیخ بہاء الدین زکریا کا سنہ وصال کیا لکھا ہے؟ ۶۶۱ھ لکھا ہے؟ ۶۶۷ لکھا ہے؟ یا کوئی سنہ بھی تحریر نہیں جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔)

ہمارا دوسرا تبصرہ یہ ہے کہ تاریخ ملتان (جلد اول) کے صفحہ نمبر ۱۸۵ پر، مولانا نور احمد خان فریدی مرحوم کی یہ قطعی رائے کہ شیخ بہاء الدین زکریا کا سنہ وصال ''بالاتفاق'' ۶۶۱ھ ہے، سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی کتاب ''بزم صوفیہ'' کے صفحہ نمبر ۱۳۰ پر چھ کتابوں کے جو حوالے دیئے گئے ہیں، اس سے عیاں ہے کہ یہ چھ کتب اگر متفق ہیں تو صرف اس نکتے پر کہ شیخ بہاء الدین زکریا کا سالِ وصال ۶۶۱ھ نہیں تھا۔ ان چھ کتب میں سے پانچ کتابوں میں شیخ بہاء الدین زکریا کا سنہ وصال ۶۶۱ھ کے علاوہ کوئی اور سنہ درج ہے۔ گو یہاں بھی غالباً کاتب کی بداحتیاطی اور پروف پڑھنے والے کی سہو سے، شیخ بہاء الدین زکریا کا سالِ وصال ۶۶۵ھ کے بجائے، جو ''مرآۃ الاسرار'' میں درج ہے، ۵۶۵ھ چھپ گیا ہے جو کوئی ایسی قابلِ گرفت بات نہیں۔

یوں لگتا ہے کہ جس طرح ماہنامہ ''منادی'' دہلی کے ''حضرت بابا فرید نمبر'' (ستمبر ۱۹۷۴ء) میں، پروفیسر نثار احمد فاروقی فریدی نے اپنے علم کی بنا پر یہ قطعی رائے قائم کر لی تھی کہ بابا صاحب کا سالِ وصال ۶۶۴ھ (مطابق ۱۲۶۵ء) ہے اور ''منادی'' کے اس شمارے میں شائع شدہ اپنے عالمانہ اور محققانہ مضامین میں اپنی بات کا آغاز، ایک سے زیادہ بار، یہ کہہ کر کیا تھا کہ ''ہمیں معلوم ہے کہ بابا صاحب نے ۶۶۴ھ میں.........انتقال فرمایا ہے۔'' اسی طرح مولانا نور احمد خاں فریدی مرحوم نے بھی اپنے علم کی بنا پر یہ قطعی رائے قائم کر لی کہ شیخ بہاء الدین زکریا کا سنہ وفات ۶۶۱ھ ہے اور اس بارے میں مزید تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھی ورنہ وہ یہ ہرگز نہ لکھتے کہ ''حضرت بہاء الدین زکریا کا سنہ وصال ۶۶۱ھ ہے۔'' اسی طرح وہ ''کشف المحجوب'' کے اس نسخے کو جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے شیخ بہاء الدین زکریا نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور اس پر اپنے دستخط کے ساتھ ۶۶۴ھ کا سنہ درج کیا ہے، شک کی نظر سے نہ دیکھتے اور یہ طنزیہ فقرہ نہ لکھتے کہ ''ان کا دعویٰ ہے کہ یہ وہی نسخہ ہے جس کی ڈھنڈیا پڑ رہی تھی۔''

ہمارا تیسرا اور آخری تبصرہ یہ ہے کہ ''مرآۃ الاسرار'' اور ''آئین اکبری'' کے مطابق، بابا صاحب اور شیخ بہاء الدین زکریا دونوں کا انتقال سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہوا۔ یہ بات ''مرآۃ الاسرار'' میں تو صراحتاً لکھی گئی ہے۔ غیاث الدین بلبن فروری ۱۲۶۶ء (مطابق جمادی الاول ۶۶۴ھ) میں سلطان بنا۔ ''مرآۃ الاسرار'' اور ''آئین اکبری'' کے مطابق شیخ بہاء الدین زکریا کا انتقال صفر ۶۶۵ھ (نومبر ۱۲۶۶ء) اور بابا صاحب کا انتقال محرم ۶۶۸ھ (مطابق ستمبر ۱۲۶۹ء) میں ہوا۔ ان دونوں کتابوں میں ان دونوں صوفیائے کرام کے درج شدہ سالہائے وصال میں تقریباً تین

برس کا وہی وقفہ ہے جو خواجہ نظام الدین اولیاء کے فرمودے سے مطابقت رکھتا ہے۔

تیسرا اشارہ:

خواجہ نظام الدین اولیاء کے تیسرے اشارے کے بارے میں، ڈاکٹر منظور ممتاز نے ''پیام گنج شکرؒ'' میں ایک نکتہ آفریں بحث کا آغاز کیا ہے۔ صفحہ نمبر ۵۸ پر، وہ لکھتے ہیں:۔

(ا) ''جس سن (سنہ) کے پانچ محرم کو حضرت بابا جی نے انتقال فرمایا، اس سے پہلے رمضان میں حضرت بابا جی پر بیماری غالب آ چکی تھی اور اس رمضان میں خربوزے کی فصل کا موسم تھا جو کہ پاک پتن (اجودھن) ساہیوال وغیرہ میں مئی جون میں ہوتا ہے اور اب بھی ہے کہ جون کے اواخر اور جولائی میں برسات کا موسم شروع ہو جاتا ہے اور خربوزے کی فصل ختم ہو جاتی ہے۔''

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں ''۶۶۲ھ، ۶۶۳ھ اور ۶۶۴ھ وہ تین سال ہیں جن میں رمضان جون میں آیا اور ۶۶۵ھ، ۶۶۶ھ اور ۶۶۷ھ وہ تین برس ہیں جن میں رمضان مئی میں آیا''۔

اس حقیقت کشا بیان کے بعد، ڈاکٹر منظور ممتاز جس پُر پیچ بحث میں الجھ گئے، اس سے انہوں نے، چند صفحات بعد، کتاب کے صفحہ نمبر ۶۳ پر یہ غلط نتیجہ اخذ کیا (جس کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں) کہ ''حضرت بابا جی کا وصال منگل چار محرم ۶۶۵ھ کو آدھی رات کے لگ بھگ ہوا اور تدفین پانچ محرم ۶۶۵ھ بروز بدھ ہوئی جو ۱۶/ اکتوبر ۱۲۶۶ء تھی۔

یہاں بھی ڈاکٹر منظور ممتاز، ان کے کاتب یا ان کی کتاب کے پروف پڑھنے والے سے یہ غلطی ہوئی کہ چھ اکتوبر کو غلطی سے سولہ اکتوبر لکھ گئے، گو اس سے پہلے، کتاب کے صفحہ نمبر ۳۰ پر، انہوں نے بابا صاحب کی تاریخ وفات، دو مرتبہ، چھ (۶) اکتوبر ہی لکھی ہے جو نتیجے کے اعتبار سے غلط لیکن تقویم کے لحاظ سے پانچ محرم ۶۶۵ھ سے مطابقت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر منظور ممتاز کی کتاب میں ''چھ'' اور ''سولہ'' اکتوبر کی غلطی تو بظاہر کاتب کی چوک لگتی ہے لیکن خود ڈاکٹر منظور ممتاز سے ایک بڑی اور بدیہی چوک یہ ہوگئی کہ انہوں نے پاک پتن میں خربوزوں کے موسم کو صرف مئی اور جون کے دو ماہ تک محدود رکھا، حالانکہ اس میں اپریل کا مہینا بھی شامل کرنا چاہیے تھا۔

کیوں کرنا چاہیے تھا؟ یہ اس جدول سے واضح ہو جائے گا جو رمضان ۶۶۲ھ سے رمضان ۶۷۲ھ، گیارہ برس کے دوران ہونے والے عیسوی تقویم کے سال، ماہ اور تاریخ کی نشان دہی کرتی ہے۔ اس ضمن میں، ''تاج العارفین'' کے مصنف اور چشتیاں، ضلع بہاول نگر کے اہل قلم جناب محمد اجمل چشتی کا یہ تبصرہ بھی مدنظر ہے کہ ''پنجاب میں خربوزے کی فصل ماہ بیساکھ میں تیار ہوتی ہے، یعنی نصف اپریل اور نصف مئی کے دوران'' محمد اجمل چشتی صاحب کا یہ تبصرہ ان کے خط میں درج ہے جو انہوں نے دس اکتوبر ۲۰۰۰ء کو راقم الحروف کو تحریر کیا تھا۔ جدول یہ ہے۔

پہلی جدول

نمبر شمار	گیارہ برس رمضان ۶۶۲ھ، رمضان ۶۷۲ھ	ماہ رمضان کی ان تاریخوں میں عیسوی کیلنڈر کی کیا تاریخیں تھیں؟	وصال کا دن	تاریخ وفات اور سال وصال مطابق قمری تقویم	مطابق عیسوی تقویم

Marfat.com

۱	یکم رمضان ۶۶۲ھ تا تیس رمضان ۶۶۲ھ	۲۷ جون ۱۲۶۴ء تا ۲۶ جولائی ۱۲۶۴ء	منگل	۵ محرم ۶۶۳ھ	۲۸ اکتوبر ۱۲۶۴ء
۲	" ۶۶۳ھ " ۶۶۳ھ	۱۷ جون ۱۲۶۵ء تا ۱۶ جولائی ۱۲۶۶ء	ہفتہ	۵ محرم ۶۶۴ھ	۱۷ اکتوبر ۱۲۶۵ء
۳	" ۶۶۴ھ " ۶۶۴ھ	۶ جون ۱۲۶۶ء تا ۵ جولائی ۱۲۶۶ء	بدھ	۵ محرم ۶۶۵ھ	۱۶ اکتوبر ۱۲۶۶ء
۴	" ۶۶۵ھ " ۶۶۵ھ	۲۶ مئی ۱۲۶۷ء تا ۲۴ جون ۱۲۶۷ء	پیر	۵ محرم ۶۶۶ھ	۲۶ ستمبر ۱۲۶۷ء
۵	" ۶۶۶ھ " ۶۶۶ھ	۱۵ مئی ۱۲۶۸ء تا ۱۳ جون ۱۲۶۸ء	جمعہ	۵ محرم ۶۶۷ھ	۱۴ ستمبر ۱۲۶۸ء
۶	" ۶۶۷ھ " ۶۶۷ھ	۴ مئی ۱۲۶۹ء تا ۲ جون ۱۲۶۹ء	بدھ	۵ محرم ۶۶۸ھ	۴ ستمبر ۱۲۶۹ء
۷	" ۶۶۸ھ " ۶۶۸ھ	۲۴ اپریل ۱۲۷۰ء تا ۲۳ مئی ۱۲۷۰ء	اتوار	۵ محرم ۶۶۹ھ	۲۴ اگست ۱۲۷۰ء
۸	" ۶۶۹ھ " ۶۶۹ھ	۱۳ اپریل ۱۲۷۱ء تا ۱۲ مئی ۱۲۷۱ء	جمعرات	۵ محرم ۶۷۰ھ	۱۳ اگست ۱۲۷۱ء
۹	" ۶۷۰ھ " ۶۷۰ھ	یکم اپریل ۱۲۷۲ء تا ۳۰ اپریل ۱۲۷۲ء	منگل	۵ محرم ۶۷۱ھ	۲ اگست ۱۲۷۲ء
۱۰	" ۶۷۱ھ " ۶۷۱ھ	۲۲ مارچ ۱۲۷۳ تا ۲۰ اپریل ۱۲۷۳ء	ہفتہ	۵ محرم ۶۷۲ھ	۲۲ جولائی ۱۲۷۳ء
۱۱	" ۶۷۲ھ " ۶۷۲ھ	۱۱ مارچ ۱۲۷۴ء تا ۹ اپریل ۱۲۷۴ء	بدھ	۵ محرم ۶۷۳ھ	۱۱ جولائی ۱۲۷۴ء

(ماخذ: ''تقویم ہجری وعیسوی مرتبہ: ابوالنصر محمد خالدی

ناشر: انجمن ترقی اردو پاکستان، بابائے اردو روڈ، کراچی سال اشاعت (سوئم): ۱۹۷۴ء)

مندرجہ بالا جدول میں، وہ گیارہ قمری برس درج کئے گئے ہیں جب ماہ رمضان کا آغاز یا اختتام، اس دور میں، اپریل سے جون کے مہینوں میں ہوا، خواہ اپریل، مئی اور جون کے ان مہینوں میں ایک آدھ روزہ ہی آیا ہو۔

اس جدول میں دی ہوئی تاریخوں کا مقابلہ، ڈاکٹر منظور ممتاز کے اس بیان سے کیجئے کہ ''۶۶۵ھ، ۶۶۶ھ اور

Marfat.com

۶۶۷ھ وہ تین برس ہیں جن میں رمضان مئی میں آیا۔" (پیام گنج شکر،صفحہ ۵۸)، تو معلوم ہوتا ہے کہ ان تین قمری برسوں یعنی ۶۶۵ھ اور ۶۶۶ھ اور ۶۶۷ھ میں، رمضان کی ابتداء تو ضرور ماہ مئی میں ہوئی، یعنی یکم رمضان ۶۶۵ھ کو ۲۶ مئی ۱۲۶۷ء تھی، یکم رمضان ۶۶۶ھ کو ۱۵ مئی ۱۲۶۸ء تھی اور یکم رمضان ۶۶۷ھ کو ۴ مئی ۱۲۶۹ء تھی، لیکن رمضان کے تیئس (۲۳) روزے ۶۶۸ھ میں، ماہ مئی ۱۲۷۰ء کے دوران آئے اور بارہ (۱۲) روزے ۶۶۹ھ مئی ۱۲۷۱ء میں آئے۔

دوسرے الفاظ میں، اس دور میں، ۶۶۵ھ، ۶۶۶ھ اور ۶۶۷ھ ہی صرف وہ تین برس نہیں جن میں رمضان کے روزے مئی میں آئے بلکہ ۶۶۵ھ سے ۶۶۹ھ تک، پانچ قمری سالوں میں، ماہ رمضان کے روزے ماہ مئی میں آتے رہے اور مئی کے یہ مہینے پانچ سال یعنی ۱۲۶۷ء، ۱۲۶۸ء، ۱۲۶۹ء، ۱۲۷۰ء اور ۱۲۷۱ء سے تعلق رکھتے ہیں۔

اگر ہم، بوجوہ، صرف ماہ مئی تک ہی محدود رہیں (جو غیاث الدین بلبن کی تخت نشینی کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔) تو بھی مندرجہ بالا جدول کے مطابق، بابا صاحب کا سال وصال (پانچ محرم) (۶۶۶ھ سے (پانچ محرم) ۶۷۰ھ کے درمیان، پانچ برسوں میں، کسی برس (پانچ محرم) کو ہوا۔ اگر ہم محمد اجمل چشتی صاحب کے مطابق، اس بنیاد پر چلیں کہ خربوزے کی فصل ماہ بیساکھ، یعنی وسط اپریل سے وسط مئی کے درمیان میں ہوئی ہے تو اس دور میں ماہ رمضان کا کہیں صرف ایک آدھ روزہ اور کہیں تقریباً سارا ماہ رمضان (۲۷ روزے) ۶۶۶ھ اور ۶۷۱ھ (۱۲۶۸ء تا ۱۲۷۳ء) کے درمیان کے چھ برسوں میں پڑتے ہیں، یہ حساب کتاب واضح کرنے کے لیے دوسری جدول پیش ہے:

دوسری جدول

نمبر شمار	رمضان	عیسوی تقویم کے مطابق تاریخ	وسط اپریل ۱۶ اپریل تا ۳۰ اپریل	وسط مئی یکم مئی تا پندرہ مئی	روزوں کی تعداد وسط اپریل ۱۶ اپریل تا ۳۰ اپریل	وسط مئی یکم مئی تا پندرہ مئی	رمضان میں کل روزوں کی تعداد
۱	۶۷۲ھ	۱۱ مارچ ۱۲۷۴ء تا اپریل ۱۲۷۴ء	اس عرصے میں وسط اپریل آیا نہ وسط مئی ۱۶ اپریل تا ۳۰ اپریل	یکم مئی تا پندرہ مئی	×	×	×

Marfat.com

۲	۶۷۱ھ	۲۲ مارچ ۱۲۷۳ء تا ۲۰ اپریل ۱۲۷۳ء	"	"	۵	×	۵☆
۳	۶۷۰ھ	یکم اپریل ۱۲۷۲ء تا ۳۰ اپریل ۱۲۷۲ء	"	"	۱۵	×	۱۵☆
۴	۶۶۹ھ	تیرہ اپریل ۱۲۷۱ء تا ۱۲ مئی ۱۲۷۱ء	"	"	۱۵	۱۲	۲۷ |
۵	۶۶۸ھ	۲۴ اپریل ۱۲۷۰ء تا ۲۳ مئی ۱۲۷۰ء	"	"	۷	۱۵	۲۲+
۶	۶۶۷ھ	۴ مئی ۱۲۶۹ء تا ۲ جون ۱۲۶۹ء	"	"	×	۱۲	۱۲××
۷	۶۶۶ھ	۱۵ مئی ۱۲۶۸ء تا ۱۳ جون ۱۲۶۸ء	"	"	×	۱	۱×××
۸	۶۶۵ھ	۲۶ مئی ۱۲۶۷ء تا ۵ جولائی ۱۲۶۶ء	"	"	×	×	×
۹	۶۶۴ھ	۶ جون ۱۲۶۶ء تا ۵ جولائی ۱۲۶۶ء	"	"	×	×	×
۱۰	۶۶۳ھ	۱۷ جون ۱۲۶۵ء تا ۱۶ جولائی ۱۲۶۵ء	"	"	×	×	×

☆ رمضان ۶۷۱ھ کے ۵ روزے: ۱۶ اپریل ۱۲۷۳ء سے ۲۰ اپریل ۱۲۷۳ء تک

☆ رمضان ۶۷۰ھ کے ۱۵ روزے: ۱۶ اپریل ۱۲۷۲ء سے ۳۰ اپریل ۱۲۷۲ء تک

| رمضان ۶۶۹ھ کے ۲۷ روزے: ۱۶ اپریل ۱۲۷۱ء سے ۳۰ اپریل ۱۲۷۱ء تک + یکم مئی ۱۲۷۰ء سے ۱۲ مئی ۱۲۷۱ء

Marfat.com

تک

+ رمضان ۶۶۹ھ کے ۲۲ روزے: ۲۴ اپریل ۱۲۷۰ء سے ۳۰ اپریل ۱۲۷۰ء تک + یکم مئی ۱۲۷۰ء سے پندرہ مئی ۱۲۷۰ء تک

xx رمضان ۶۶۷ھ کے ۱۲ روزے: ۴ مئی ۱۲۶۹ء سے ۱۵ مئی ۱۲۶۹ء تک

xxx رمضان ۶۶۶ھ کا ایک روزہ: ۱۵ مئی ۱۲۶۸ء

مندرجہ بالا جدول کے مطابق، یکم رمضان ۶۶۳ھ کو ۱۷ جون ۱۲۶۵ء تھا جب اس علاقے میں خربوزوں کا موسم گزر چکا تھا چنانچہ یہ روایت کہ بابا صاحب کا انتقال اس کے چار ماہ بعد، ۵ محرم ۶۶۴ھ (مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۲۶۵ء) کو ہوا جو ''سیر الاولیاء'' کے (بعض) قلمی نسخوں سے چلی اور جس کی تقلید بیشتر سیرت نگاروں نے کی، درست نہیں ہے۔ تاہم اس تاریخ کو بابا صاحب کے سال وصال کے طور پر تسلیم نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ وہ خارجی تاریخی شہادت ہے کہ غیاث الدین بلبن جمادی الاول ۶۶۴ھ (مطابق فروری ۱۲۶۶ء) میں سلطان دہلی بنا۔ ''تاریخ فروز شاہی'' اور ''مرآۃ الاسرار'' کے مطابق، بابا صاحب کی وفات سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہوئی جو ۱۲۶۶ء سے ۱۲۸۶ء تک ہے۔ اس طرح ۵ محرم ۶۶۴ھ (مطابق سترہ اکتوبر ۱۲۶۵ء) بابا صاحب کی تاریخ وفات نہیں ہوسکتی۔

پانچواں حصہ

اس میں نتائج سے بحث کی جائے گی۔

(۱) ٹھوس داخلی اور خارجی شواہد کی بنا پر، ۶۶۴ھ (مطابق ۱۲۶۵ء) کو بابا صاحب کا سنہ وصال سمجھنا درست نہیں ہے۔

(۲) خواجہ نظام الدین اولیاء کے اس فرمودے کی روشنی میں کہ بابا صاحب کی وفات شیخ بہاء الدین زکریا کی رحلت کے تین برس بعد ہوئی، ۶۶۱ھ (مطابق ۱۲۶۲ء) کو شیخ بہاء الدین زکریا کا سنہ وصال سمجھنا درست نہیں ہے۔ واضح رہے کہ اگر ۶۶۱ھ کو شیخ بہاء الدین زکریا کا سنہ وصال مان لیا جائے تو تین برس بعد، ۶۶۴ھ کو بابا صاحب کا سنہ وصال قرار دینا ہوگا اور ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ٹھوس داخلی اور خارجی شواہد کی بنا پر یہ درست نہیں ہے۔

(۳) مضمون کے چوتھے حصے میں دی ہوئی پہلی جدول میں ۶۶۲ھ سے ۶۷۲ھ تک وہ گیارہ قمری سال درج کئے گئے تھے جب ماہ رمضان کا آغاز یا اختتام، اس دور میں، اپریل سے جون کے تین مہینوں کے دوران ہوا، خواہ ان تین مہینوں میں رمضان کا ایک آدھ روزہ ہی آیا ہو۔ اب ہم رمضان کے بعد آنے والے گیارہ قمری برسوں یعنی ۶۶۳ھ سے ۶۷۳ھ تک، ہر سال کا جائزہ لیکر یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ ان میں بابا صاحب کے وصال کے وقوع ہونے کے کیا امکانات ہیں۔

گیارہ برسوں کا جائزہ (۶۶۳ھ تا ۶۷۳ھ)

نمبر شمار	قمری	عیسوی	دن	تبصرہ/جائزہ

Marfat.com

۱	۵محرم ۶۶۳ھ	۲۸ اکتوبر ۱۲۶۴ء	منگل	باباصاحب بلبن کے عہد سلطانی کے ابتدائی دور میں زندہ تھے۔بلبن کا عہد سلطانی گیارہ جمادی الاولی ۶۶۴ھ (مطابق اٹھارہ فروری ۱۲۶۶ء) سے شروع ہوتا ہے۔اگر باباصاحب مندرجہ بالا تاریخوں میں زندہ تھے، تو برس بھر پہلے کی کوئی تاریخ ان کا سنہ وصال نہیں ہوسکتی۔۶۶۳ھ کا بطور سال وصال ذکر سلیم یزدانی صاحب کے علاوہ مولوی نوراحمد چشتی کے ایک تاریخی قطعہ پر مبنی ہے جو''آ کھیابابافرید نے'' نامی کتاب کے صفحہ نمبر۱۹ پر درج ہے۔یہ سال وصال درست نہیں ہوسکتا۔
۲	۵محرم ۶۶۴ھ	۱۷ اکتوبر ۱۲۶۵ء	ہفتہ	سیرت نگاروں کی اکثریت ۶۶۴ھ کو باباصاحب کے سنہ وفات کے طور پر لکھتی رہی ہے۔چنانچہ اس مضمون میں تفصیلی جائزہ لے کر، یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ سال وصال درست نہیں ہوسکتا۔اسکی بنیاد''سیر الاولیاء'' بتائی جاتی ہے۔
۳	۵محرم ۶۶۵ھ	۱۶ اکتوبر ۱۲۶۶ء	بدھ	یہ بلبن کے عہد سلطانی کے ابتدائی دور میں پانچ محرم کی اولین تاریخ ہے۔اس کا ذکر صرف''پیام گنج شکر'' کے مصنف ڈاکٹر منظور ممتاز نے کیا ہے۔ہمیں ڈاکٹر منظور ممتاز کے طرز استدلال سے اتفاق ہے نہ ان کے اخذ کردہ نتیجے سے۔تاہم اس مضمون کا بنیادی مقصد کسی کو صحیح یا غلط ثابت کرنا نہیں بلکہ باباصاحب کے صحیح سنہ وفات کی کھوج ہے۔اس مسئلے سے دلچسپی رکھنے والے، ہماری رائے پر انحصار کرنے کی بجائے، ڈاکٹر منظور ممتاز کی کتاب، خصوصاً اس کے صفحات ۱۶ تا ۶۳ پڑھ کر خود اپنی رائے قائم کریں اور حسب توفیق وہدایت تحقیق کی نئی راہوں پر گامزن ہوں۔اس مبارک مقصد کے لئے ڈاکٹر منظور ممتاز کی کتاب (اور دوسری کتابوں) کے ملنے کا مکمل پتہ جو کتاب پر درج تھا۔اس مضمون کے متن میں، اور آخر میں کتابیات کے عنوان کے تحت دے دیا گیا ہے۔
۴	۵محرم ۶۶۶ھ	۲۶ ستمبر ۱۲۶۷ء	پیر	اس وقت بلبن کو سلطان بنے تقریباً ڈیڑھ برس کا عرصہ ہو چکا تھا۔اس سنہ وصال کی تائید میں''خزینۃ الاصفیاء'' کے دو تاریخی قطعے ہیں ورنہ سیرت یا تاریخ کی کسی مشہور کتاب میں اسکا ذکر نہیں ملتا۔باباصاحب کی تاریخ سال وفات کے مسئلے کا حل تاریخی قطعات میں نہیں، اگر ہوتا تو مسئلہ کبھی کا حل ہو چکا ہوتا۔قطعات کی یہ شہادت غیر متعلقہ نہیں لیکن

Marfat.com

				ناکافی ہے، بہر حال تحقیق کا دروازہ کھلا ہوا ہے، ''خزینۃ الاصفیاء'' کا مکمل پتہ، جو کتاب پر درج تھا، اس مضمون کے متن میں اور آخر میں ''کتابیات'' کے عنوان کے تحت دے دیا گیا ہے۔
۵	۵ محرم ۶۶۷ھ	۱۴ ستمبر ۱۲۶۸ء	جمعہ	اس وقت بلبن کو سلطان بنے تقریباً ڈھائی برس کا عرصہ ہو چکا تھا اس سنہ وصال کا ذکر ایک تو ''آکھیا بابا فرید نے'' نامی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۰ پر ملتا ہے اور اسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے منسوب کیا گیا ہے اور اس نسبت کی کچھ تفصیل کتاب ہذا کے صفحہ نمبر ۲۶ پر دی گئی ہے جو ناقابل فہم ہے اور دوسرے ''خزینۃ الاصفیاء'' کے صفحہ نمبر ۱۳۶ پر دو کتابوں یعنی ''مخبر الواصلین'' اور ''تذکرۃ العاشقین'' کے حوالے سے نظر آتا ہے۔ ''آکھیا بابا فرید نے'' اور ''خزینۃ الاصفیاء'' کے مکمل پتے یا مضمون کے متن اور کتابیات کے عنوان کے تحت دیئے گئے ہیں۔
۶	۵ محرم ۶۶۸ھ	۴ ستمبر ۱۲۶۹ء	بدھ	اس وقت بلبن کو سلطان بنے تقریباً ساڑھے تین برس کا عرصہ ہو چکا تھا۔ اس محرم سے تین ماہ پہلے رمضان کا تقریباً پورا مہینہ مئی کے مہینے میں تھا جو خربوزوں کی فصل کا موسم ہوتا ہے۔ ابوالفضل نے ''آئین اکبری'' اور شیخ عبدالرحمن چشتی نے ''مرآۃ الاسرار'' میں یہی بابا صاحب کا سال وصال بتایا ہے۔ ''مرآۃ الاسرار'' میں ۶۶۸ھ کے ساتھ ۶۶۹ھ کا بھی ذکر ہے لیکن ۶۶۹ھ کا ذکر روایت کے طور پر کیا گیا ہے، ۶۶۸ھ کا ذکر روایت کے حوالے سے نہیں کیا گیا۔ ''مقام گنج شکر'' تیسری کتاب ہے جس میں ۶۶۸ھ کو بابا صاحب کے سال وصال کے طور پر لکھا گیا ہے۔ مزید تبصرہ آگے کیا گیا ہے۔
۷	۵ محرم ۶۶۹ھ	۲۴ اگست ۱۲۷۰ء	اتوار	اس کی کوئی روایت ہماری نظر سے نہیں گذری۔
۸	۵ محرم ۶۷۰ھ	۱۳ اگست ۱۲۷۰ء	جمعرات	اس وقت بلبن کو سلطان بنے پورے ساڑھے پانچ برس ہو چکے تھے۔ اگر اس تاریخ کو بلبن کے عہد سلطانی کے ''ابتدائی دور'' میں شمار کیا جا سکتا ہے، تو ''سیر الاولیاء'' کے ان دو یا تین اقتباسات کی روشنی میں، جن میں بابا صاحب کو جمادی الاولی ۶۶۹ھ، شعبان ۶۶۹ھ اور رمضان ۶۶۹ھ میں زندہ بتایا گیا ہے، اس کے سنہ وصال ہونے کا قوی امکان ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر، مزید تبصرہ آگے کیا گیا ہے۔

Marfat.com

۹	۵ محرم ۶۷۱ھ	۲ اگست ۱۲۷۲ء	منگل	اس کی کوئی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری۔
۱۰	۵ محرم ۶۷۲ھ	۲۲ جولائی ۱۲۷۳ء	ہفتہ	اس کی کوئی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری۔
۱۱	۵ محرم ۶۷۳ھ	۱۱ جولائی ۱۲۷۴ء	بدھ	اس کی کوئی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری۔

(۶) اب ہم ایک تقابلی جائزہ پیش کرتے ہیں جس میں ''فوائد الفواد'' میں دیئے ہوئے تین اشاروں اور ''تاریخ فیروز شاہی'' کے متعلقہ اقتباس کی کسوٹی پر، ۶۶۸ھ اور ۶۷۰ھ کو جانچا گیا ہے۔

نمبر	اشارے	۶۶۸ھ	۶۷۰ھ
(۱)	بابا صاحب اور شیخ بہاء الدین زکریا کی وفات کے درمیان تین برس کا وقفہ	''آئین اکبری'' اور ''مرآۃ الاسرار'' میں، الگ الگ صفحات پر، بابا صاحب اور شیخ بہاء الدین زکریا کے یہ سنین وفات درج ہیں: آئین اکبری ۶۶۵ھ اور ۶۳۸ھ۔ مرآۃ الاسرار ۶۶۵ھ اور ۶۶۸ھ۔ ۶۶۵ھ اور ۶۶۸ھ میں تین برس کا یہ وہی فرق ہے جو ''فوائد الفواد'' کے انگریزی ترجمے اور ''سیر الاولیاء'' میں درج ہے۔ اس طرح ۶۶۸ھ اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔	اگر بابا صاحب کا سنہ وصال ۶۷۰ھ ہے تو شیخ بہاء الدین زکریا کا سنہ وصال ۶۶۷ھ ہونا چاہیے، ''۶۶۷ھ'' کا ذکر بطور سنہ وفات شیخ بہاء الدین زکریا صرف دو جگہ نظر آتا ہے، اولاً ''بزم صوفیہ'' کے صفحہ نمبر ۱۳۰ پر جو ''سیر الاولیاء'' کے صفحہ نمبر ۹۱ کے حوالے سے دیا گیا ہے اور دوسرا سترہویں صدی عیسوی کے قطعات تاریخ ہائے وفات کے شعری مجموعے ''مخبر الواصلین'' میں۔ ان دونوں پر تبصرے اوپر درج کیے جا چکے ہیں، ''سیر الاولیاء'' کا حوالہ خاصا مشکوک اور تحقیق طلب ہے۔
۲	منگولوں کا ملتان پہنچ جانا، یا ملتان پر یلغار کرنا، یا ملتان کی تسخیر	تاریخ ہند یا تاریخ ملتان کا جو موجود مواد ہماری نظر سے گزرا ہے اس سے یہ کہیں ظاہر نہیں ہوتا کہ منگول ۶۶۸ھ/ ۱۲۶۸ء میں ملتان پہنچ گئے یا انہوں نے ملتان پر یلغار کی یا ملتان کو فتح کیا۔	۶۶۸ھ والی صورت حال یہاں بھی پائی جاتی ہے۔ تاریخ ہند یا تاریخ ملتان کا کوئی ایسا حوالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا کہ ۶۷۰ھ اور ۱۲۷۱ء میں منگولوں نے ملتان پر یلغار کی یا ملتان کو فتح کیا۔

Marfat.com

۳	خربوزوں کی فصل کا موسم	۵ محرم ۶۶۸ھ سے قبل ، رمضان ۶۶۷ھ کے تقریباً تمام روزے ماہ مئی میں ہوئے جو خربوزوں کی فصل کا موسم ہوتا ہے۔	۵ محرم ۶۷۰ھ سے قبل ، رمضان ۶۶۹ھ کے روزے وسط اپریل اور وسط مئی کے درمیان ہوئے جو خربوزوں کا موسم ہے۔
۴	بابا صاحب بلبن کے ابتدائی دور میں زندہ تھے۔	بلبن گیارہ جمادی الاولی ۶۶۴ھ (مطابق اٹھارہ فروری ۱۲۶۶ء) کو سلطان دہلی بنا ، ۵ محرم ۶۶۸ھ (۴ ستمبر ۱۲۶۹ء) کو بلبن کو سلطان دہلی بنے ساڑھے تین برس سے اوپر ہو گئے تھے۔ یہ بلبن کے عہد سلطانی کا ابتدائی دور کہا جا سکتا ہے۔	۵ محرم ۶۷۰ھ (مطابق ۱۳ اگست ۱۲۷۱ء) کو بلبن سلطان دہلی بنے ساڑھے پانچ برس ہونے والے تھے یعنی بلبن کے بیس سالہ دور سلطانی (۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۶ء) کا چوتھائی حصہ گزر چکا تھا۔

(۵) اگر بابا صاحب کے سال وصال کا انتخاب ۶۶۸ھ اور ۶۷۰ھ کے مابین ہوتا ہے تو جو محققین ۶۶۸ھ کے حق میں ہیں، انہیں اولاً یہ تحقیق کرنا ہوگی کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ''اخبار الاخیار'' میں بابا صاحب کا سنہ وفات کیا ہے، ثانیاً ''سیر الاولیاء'' میں جمادی الاولی، شعبان اور غالباً رمضان ۶۶۹ھ کے جو واقعات درج ہیں، ان میں ۶۶۹ھ کو رد کرنے کے لیے ان کے پاس کیا دلائل وشواہد ہیں۔ جو محققین ۶۷۰ھ کے حق میں ہیں' انہیں سب سے پہلے اس حقیقت کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ ''سیر الاولیاء'' میں ''۶۷۰ھ'' کو کہیں بھی بابا صاحب کے سال وصال کے طور پر نہیں لکھا گیا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ بابا صاحب کا سال وصال کیوں نہیں دیا گیا۔ ۶۷۰ھ کا بطور سنہ وفات استخراج، جمادی الاولی، شعبان اور غالباً رمضان ۶۶۹ھ میں ہونے والے واقعات کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ چوں کہ ''سیر الاولیاء'' میں درج بعض تاریخی واقعات، جو بابا صاحب سے متعلق ہیں، تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتے، ''سیر الاولیاء'' کے سترہویں صدی عیسوی میں کتابت ہونے والے ان قدیم قلمی نسخوں کے ان کلیدی اقتباسات کا گہرا اور ناقدانہ مطالعہ کریں جو بابا صاحب کے وصال یا ان کے سنہ وصال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں دیکھنے والی اصل چیز یہ ہے کہ قومی عجائب خانہ کراچی کے ''سیر الاولیاء'' کے قلمی نسخے میں رمضان میں پیش آنے والے واقعات کے ضمن میں جو فقرہ نامکمل طور پر ''سنہ ستین وستماۃ'' لکھا گیا ہے، اس میں لفظ ''سنہ'' اور لفظ ''و'' کے بیچ میں کیا لفظ چھٹا ہے۔ کیا یہ ''سہو'' کسی پوشیدہ چیز کو ظاہر کرنے کی جانب اشارہ ہے؟ اگر کلکتے اور لندن کے قلمی نسخوں سے جو سترہویں صدی عیسوی/گیارہویں صدی ہجری میں کتابت ہوئے، یہ آشکار ہو جائے کہ نہ صرف رمضان میں ہونے والے واقعات، بلکہ اس سے پیشتر شعبان اور جمادی الاولی میں واقع ہونے والے واقعات میں بھی ''سنہ تسع وستین وست ماۃ'' کے بجائے ''سنۃ سبع وستین وستماۃ'' کے الفاظ لکھے گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ واقعات بھی ۶۶۹ھ کے بجائے ۶۶۷ھ میں وقوع پذیر ہوئے اور بابا صاحب کا انتقال، اگلے برس ۵ محرم ۶۶۸ھ (مطابق ۴ ستمبر ۱۲۶۹ء) ہوا، بدھ کے دن۔

Marfat.com

(۶) شیخ بہاء الدین زکریا کے نام پر آج ملتان میں ایک یونیورسٹی قائم ہے، جہاں سے ''پی، ایچ، ڈی'' کی ڈگریاں بھی دی جاتی ہیں۔ اس یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ اور فرض شناس اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ اس عظیم شیخ کے سنہ وصال کا صحیح تعین کریں جس کے نام اور دم قدمؒ کی برکت سے ملتان کو یہ دانش گاہ اور اس دانش گاہ میں کام کرنے والوں کو یہ مناصب ملے ہیں۔ یہ فرض ان پر ایک قرض بھی ہے جو انہیں اتارنا ہے۔

(۷) پنجاب کا محکمہ اوقاف، پچھلے چالیس برس سے، بابا صاحب اور شیخ بہاء الدین زکریا کے مزارات سے کروڑوں روپے کما چکا ہے۔ کیا یہ محکمہ یا وفاقی یا صوبائی حکومت کا کوئی محکمہ، یونیورسٹی یا غیر سرکاری ادارہ کسی عقیدت مند، دردمند اور تعلیم یافتہ شخص کو کلکتے اور لندن بھیج کر یہ بنیادی معلومات حاصل نہیں کر سکتا؟

اس مضمون کی تیاری میں راقم کو ڈاکٹر اسلم فرخی اور ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کے ذاتی کتب خانوں سے استفادہ کا موقع ملا، ان حضرات نے کتابوں کی جانب نشاندہی اور رہبری بھی کی، جس کے لئے ان حضرات کا ممنون ہوں۔

(در: معارف (اعظم گڑھ)' دسمبر ۲۰۰۱ء، ص ۴۳۲۔۴۴۹؛ جنوری ۲۰۰۲ء ص ۲۰۔۳۹؛ ستمبر ۲۰۰۲ء ص ۱۶۵۔۱۷۸)

Marfat.com

مولانا اخلاق حسین دہلوی

شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ
کے
ملفوظات "راحت القلوب" کا مطالعہ

"راحت القلوب" (فارسی نسخہ) مطبوعہ ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء مطبع قاسمی میرٹھ حجم ۶۸ صفحات، سائز ۲۶+۲۰/۸ مسطر ۲۵ سطری، قلم خفی۔ یہ چوبیس مجالس ملفوظات کے بیانات کا مجموعہ ہے، جو حضرت بابا فرید مسعود گنج شکر قدس اللہ سرہ العزیز کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اس کے جامع حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ ہیں۔ اس کتاب کا گہرا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ فی الحال چند اوراق منتشرہ کا مجموعہ ہے۔

۱۔ استناد وقدامت

یہ صحیح ہے کہ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ نے حضرت بابا فرید مسعود گنج شکر قدس اللہ سرہ العزیز کے ملفوظات کو جمع فرمایا تھا۔ چنانچہ ۲۸ شوال ۷۰۸ھ کی مجلس میں آپ نے فرمایا:

کلماتے کہ از شیخ استماع داشتم بنوشتم تا ایں غایت آں مجموعہ بر من است	جو باتیں میں نے اپنے شیخ سے سنیں وہ میں نے لکھ لیں، اور وہ مجموعہ ملفوظات میرے پاس محفوظ وموجود ہے۔
(فوائد الفواد، ص ۳۱)	

اس بیان کا تعلق خواجہ امیر حسن علاء سجزی کی اس عرضداشت سے ہے جو انہوں نے حضرت محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات کو جمع کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے حضرت والا کی خدمت میں پیش کی تھی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس سے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اس کا تعلق اجازت سے بھی ہے اور ہمت افزائی سے بھی ہے۔ اس گفتگو میں کتاب کے نام سے متعارف کرانا خالی از تکلف نہ ہوتا، کیونکہ مدعا اسی سے حاصل تھا جو کچھ آپ نے فرمایا تھا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "تا ایں غایت آں مجموعہ بر من است۔" اس سے بخوبی یہ مترشح ہے کہ اس وقت تک یہ مجموعہ ملفوظات معروف ومتداول نہ تھا۔ اس لیے بھی نام سے متعارف کرانے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ جو بھی آداب مجلس سے آگاہ اور رمز شناس ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ضمنی اذکار میں صورت حال یہی ہوتی ہے کہ کتاب کا نام نہیں لیا جاتا بلکہ کبھی اشارہ کنایہ سے اور کبھی مصنف کے ذکر پر اکتفا کرلیا جاتا ہے کہ فلاں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ "خیر المجالس" میں اور متعدد کتب میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت محبوب الٰہی کا یہ ارشاد اقتضائے حال کے بالکل مطابق ہے اور اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ جو کتاب آج ان ملفوظات پر مشتمل مانی جاتی ہے اور مانی جاتی رہی ہے اور جو معروف و

Marfat.com

متداول ہے اور داخلی و خارجی شواہد بھی اس کے حق میں ہیں، پھر بھی وہ کوئی اور کتاب ہے، مذکورہ ملفوظات کا مجموعہ نہیں ہے۔ یہ منطق لایعنی ہے۔ قابل قبول نہیں ہے۔ آئندہ شواہد بتائیں گے کہ ''راحت القلوب'' ان ہی ملفوظات کا مجموعہ ہے جن کا ذکر محبوب الٰہیؒ نے فرمایا تھا۔

یہ بھی ذہن نشین رکھنے کے لائق نکتہ ہے کہ یہ مجموعہ ملفوظات حضرت محبوب الٰہیؒ کو اس قدر مرغوب و محبوب تھا کہ نصف صدی کے قریب مدت گزر چکی تھی، مگر آپ نے اسے کلیجے سے لگائے رکھا اور ضائع ہونے نہ دیا تھا۔ کتنے پیار سے فرمایا ہے ''تا ایں غایت آں مجموعہ برمن است۔'' مزید یہ بھی فرمایا

ہم دراں ایام مردے مرا کاغذ ہائے سفید داد یکجا جلد کردہ، من آنرا بستدم، فوائد شیخ ہم دراں ثبت کردم، بالانشتم سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	ان دنوں میں ایک شخص نے سفید کاغذ یکجا جلد بستہ مجھے دیے جو میں نے لے لیے اور ان میں حضرت شیخ کے فرمودہ فوائد و اشارات قلم بند کیے، اوپر لکھا سبحان اللہ و الحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(فوائد الفواد، ص ۳۱)

ان بیانات سے بخوبی ثابت ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت بابا صاحبؒ کے ملفوظات جمع فرمائے تھے، جو آٹھویں صدی ہجری کے ربع اول تک آپ کے پاس محفوظ و موجود تھے، مگر ظن غالب یہ ہے کہ اس وقت تک یہ مجموعہ ملفوظات متداول و معروف نہ تھا۔ اگر ہوتا تو اعادہ ذکر کی ضرورت نہ ہوتی۔ تاہم اس کے مبارک نام کی اطلاع ہمیں اس سے قریب تر عہد ہی میں ''شمائل الاتقیاء و دلائل الاتقیا'' [۲] سے ملتی ہے، جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے معزز خلیفہ مولانا برہان الدین غریبؒ (المتوفی ۷۳۲ھ) کے ایماء سے اور ان ہی کی نگرانی میں ان کے لائق ترین مرید و مستند اہل قلم مولانا رکن الدین عماد کاشانی دبیرؒ نے تالیف کی تھی جس کی فہرست مآخذات میں اس کا نام موجود و مرقوم ہے۔

محل غور ہے کہ مولانا برہان الدین غریب علیہ الرحمۃ سالہا سال اور مدت مدید تک حضرت محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں رہے اور قریب تر رہے اور وہ ایسے محب صادق اور برگزیدہ بزرگ تھے کہ مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ انہیں عزیز رکھتے اور ان کا احترام ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ مولانا برہان الدین غریب کی وفات کے بعد بھی مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی اس روش میں فرق نہ آیا۔ ہر سال ان کا عرس کرتے اور خراج محبت پیش کیا کرتے تھے۔

ان حالات کے پیش نظر اس بدگمانی کی گنجائش کہاں رہتی ہے کہ مولانا برہان الدین غریبؒ جیسے جلیل القدر اور طبقہ اولیٰ کے بزرگ اس سے واقف نہ ہوں کہ وہ مجموعہ ملفوظات جو ''راحت القلوب'' کے نام سے منسوب ہے، ان ملفوظات پر مشتمل نہیں ہے جن کا ذکر خیر حضرت محبوب الٰہیؒ کی زبان مبارک پر آیا ہے۔ اگر ایسا ہوتا اور ''راحت القلوب'' کوئی جعلی کتاب ہوتی تو یقیناً وہ ہرگز یہ گوارا نہ کرتے کہ اسے فہرست ماخذات میں شامل کیا جائے۔ لہٰذا ''شمائل الاتقیاء و دلائل الاتقیاء'' کی فہرست ماخذات میں ''راحت القلوب'' کا شمول اور اس کو حضرت محبوب الٰہیؒ کی تالیف قرار دینا اس کا بین ثبوت ہے کہ ''راحت القلوب'' ان ہی ملفوظات کا مجموعہ ہے جن کا ذکر حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا تھا۔

Marfat.com

۷۲۵ھ میں حضرت محبوب الٰہیؒ نے پردہ فرمایا۔ ۷۲۸ھ عہد میں تغلق میں دہلی کا انخلاء عمل میں آیا اور بقول ابن بطوطہ دہلی میں کوئی بھی متنفس نہیں رہا تھا۔ ظن غالب یہ ہے کہ خواجہ رفیع الدین ہارون جنہیں حضرت محبوب الٰہیؒ نے متولی خانہ وحظیرہ بنایا تھا' وہ حضرت کے موقوفہ کتب خانے کو اپنے ہمراہ دیوگیر (دولت آباد) لے گئے، ممکن ہے کہ وہیں مولانا برہان الدین غریبؒ نے یا مولانا رکن الدین کاشانیؒ نے وہ نسخہ لے لیا ہو' جو حضرت محبوب الٰہیؒ کی تحویل میں تھا یا اس کی نقل حاصل کر لی ہو اور جب ہی سے اس کا نام زبان زدخلایق ہوا ہو۔

یہ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ اتنی قلیل مدت میں اور افراتفری کے زمانہ میں کسی نے جعلی کتاب کو حضرت محبوب الٰہیؒ سے منسوب کرنے کی جسارت کی ہو اور مولانا برہان الدین غریبؒ جیسے بزرگ نے بھی اسے تسلیم کر لیا ہو۔ یہ بدگمانی ہے اور سخت قسم کی بدگمانی ہے۔ کوئی دانشور اس لایعنی منطق کو قبول نہیں کر سکتا۔

اس کے برعکس ایسے شواہد بکثرت دستیاب ہوتے ہیں کہ بالیقین ''راحت القلوب'' ان ہی ملفوظات پر مشتمل ہے' جن کی طرف حضرت محبوب الٰہیؒ نے ایماء فرمایا ہے۔ مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے ایک بزرگ و عالم مرید مولانا محمد مجیر وجیہ ادیب کی تصنیف کتاب ''مفاتح الجنان'' [3] ہے جو انہوں نے ۷۵۶ھ میں لکھنی شروع کی تھی جس کی تصحیح خواجہ کمال الدین علامہ نے فرمائی تھی۔ اس میں وہ ملفوظات بکثرت منقول ہیں جو ''راحت القلوب'' کے سوا دیگر دستیاب شدہ کسی مجموعہ ملفوظات میں نہیں ہیں اور یہ امر بلاشبہ ''راحت القلوب'' کے استناد اور قدامت کی روشن دلیل ہے۔

صاحب ''سیر الاولیاء'' امیر خورد کرمانی نے بھی حضرت بابا صاحبؒ کے ان ملفوظات کا ذکر کیا ہے' جو حضرت محبوب الٰہیؒ نے قلمبند فرمائے تھے۔ انہوں نے لکھا ہے:

''بعضے ملفوظات شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز بخط مبارک خود قلم آورد'' (سیر الاولیاء' ص ۷۴ چ)

یہ صحیح ہے کہ امیر خورد کرمانی نے اس مجموعہ ملفوظات کا نام نہیں لکھا۔ اس کے گوناگوں اسباب ہو سکتے ہیں۔ مثلاً حضرتِ محبوب الٰہیؒ کی اتباع مقصود ہو یا انہیں کوئی ناقص نسخہ دستیاب ہوا ہو۔ انہوں نے ''درر نظامی'' اور ''خیر المجالس'' کا بھی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ وہ ان کے معاصرین کی یادگار ہیں۔ ان کا نام نہ لکھنا یا ذکر نہ کرنا ہرگز کسی کتاب کے جعلی اور وضعی ہونے کی یا عدم وجود کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً اس لیے کہ ان سے پیشتر و اور ان سے زیادہ معتمد و معتبر حضرات نے ''راحت القلوب'' سے استفادہ کیا اور نام لکھا ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۱ھ/ ۱۶۴۱ء) عہد مغلیہ میں جلیل القدر عالم و درویش اور باکمال اہل قلم گذرے ہیں۔ انہوں نے بھی ان مجموعہ ملفوظات کا ذکر کیا اور لکھا ہے [4]

''بعضے ملفوظات گنج شکر کہ بخط شیخ نظام الدین اولیاء یافتہ اند مکتوب می گردد۔''

(اخبار الاخیار' ص ۵۲ مطبع مجتبائی)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اصول تصوف سے بھی بہرہ کامل رکھتے تھے اور تعلیمات اسلامی سے بھی ان جیسے باکمال بزرگ سے ہرگز یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی نومولود اور جعلی نسخے کو حضرت محبوب الٰہیؒ نے منسوب فرماتے اور اس

سے استفادہ کرتے یا کسی ایسے نسخہ ملفوظات کو حضرت باباصاحبؒ کے ملفوظات سے تعبیر کرتے جو تعلیمات اسلامی یا اصول تصوف کے خلاف مضامین پر مشتمل ہوتا۔ بلاشبہ اگر وہ کم علمی یا بداحتیاطی کا شائبہ بھی پاتے تو ان کی حق گوئی ہرگز اس کے اظہار میں تامل نہ کرتی۔

شاہ محمد بولاق مرحوم وابستگان درگاہ حضرت محبوب الٰہیؒ سے تھے۔ خوش گو شاعر اور باکمال اہل قلم تھے۔ انہوں نے ۱۱۱۱ھ/ ۱۶۹۹ء میں ''مطلوب الطالبین''۵ نام سے حضرت محبوب الٰہیؒ کی سوانح حیات لکھی تھی۔ ''راحت القلوب'' سے استفادہ کیا ہے اور حوالہ دیا ہے۔ الغرض متعدد کتب تذکرہ و تصوف میں متواتر ''راحت القلوب'' کا ذکر ملتا ہے۔ حتیٰ کہ چودھویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم و عارف خواجہ غلام فرید چشتی علیہ الرحمتہ (التوفی ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء) کی زبان مبارک پر بھی ''راحت القلوب'' کا ذکر آیا اور انہوں نے فرمایا:

> ''اللہ تعالیٰ کی حکمت اس طرح ہے کہ مشائخ عظام کے ملفوظات مثلاً حضرت شیخ شیوخ العالم فرید الدین گنجشکر قدس اللہ سرہ کے ملفوظات ''سیر الاولیاء'' اور ''راحت القلوب'' میں بھی شیخ علی احمد صابر رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں آیا۔ (مقابیس المجالس، ص ۳۶۴ ترجمہ)

حضرت خواجہ غلام فرید چشتی کا مجموعہ ملفوظات ''مقابیس المجالس'' کا مطالعہ۶ شاہد ہے کہ حضرت خواجہ علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ کثیر المطالعہ تھے اور نگاہ تنقید سے مطالعہ فرماتے تھے۔

کتب تذکرہ و ملفوظات کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جاتا ہے تو قدم قدم پر ''راحت القلوب'' کی قدامت اور اس کے استناد کے شواہد دستیاب ہوتے اور اس کی روایتیں منقول ملتی ہیں اور اس کے جعلی و وضعی اور نومولد ہونے کا وسوسہ رفع ہو جاتا ہے اور اس کے معتبر و قدیم ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

بلاشبہ حوادث روزگار سے متاثر ہونا فطری امر ہے جس سے چارہ کار نہیں۔ قلمی کتابیں اکثر و بیشتر اس سے متاثر ملتی ہیں۔ بلاشبہ ''راحت القلوب'' ان ہی ملفوظات کا مجموعہ ہے' جن کا ذکر خیر حضرت محبوب الٰہیؒ کی مبارک زبان پر آیا تھا۔ ''راحت القلوب'' صحیفہ رشد و ہدایت بھی ہے اور اہل دل کے لیے سرمہ چشم بھی ہے۔ اس کے مطالعہ سے نیکی و نکوکاری کا ولولہ موجزن ہوتا اور توفیق عمل نصیب ہوتی ہے۔

۲۔ جعلی کا وسوسہ

جعلی کا وسوسہ بعض ان مستشرقین کو لاحق ہوا ہے جو صحیح ذوق تصوف نہیں رکھتے اور جو شعور دینی سے عاری ہیں اور انہوں نے بصیرت کی نگاہ سے ''راحت القلوب'' کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ انہیں ''خیر المجالس'' اور ''جوامع الکلم'' کی دو ایسی عبارتوں سے مغالطہ ہوا ہے جو الحاقی ہیں۔ مبہم و بے معنی اور بے ربط ہیں اور میزان سخن پر صحیح نہیں اتریں۔ بلکہ ناقص و از کار رفتہ ثابت ہوتی ہیں۔ جب صحیح تنقیدی شعور سے پرکھا جاتا ہے تو ان کی قباحتیں واضح ہو جاتی ہیں اور جعلی کا وسوسہ رفع ہو جاتا ہے۔

۳۔ تاریخی اندراجات

جب کسی ایسی قدیم کتاب پر اظہار خیال مقصود ہو، جس میں تاریخی اندراج ہوں، تو مناسب یہ ہے کہ پہلے

Marfat.com

تاریخی اندراجات کا جائزہ لیا جائے۔ اگر صحیح اور دستبرد زمانہ سے محفوظ ہیں تو فہو المراد۔ ورنہ انہیں مسترد قرار دیا جائے اور صحیح تاریخی اندراجات معلوم کرنے کی کوشش کی جائے اور صحیح تاریخی اندراجات کی روشنی میں واقعات کو پرکھا جائے۔ ورنہ کیا دھرا سب اکارت جائے گا۔

متعدد وجوہ کی بنا پر تاریخی اندراجات صحیح نہیں رہتے۔ حتیٰ کہ اس سقم سے تاریخ کی قدیم و معتبر کتابیں بھی مبرا نہیں ہیں۔ یہ طریقہ سنجیدہ اہل علم کا نہیں ہے کہ غلط تاریخی اندراجات کو اساس بنا کر کسی کتاب کے مندرجات کو خلاف واقعہ اور کتاب کو جعلی اور نامعتبر قرار دیا جائے۔ اگر یہ روش اختیار کی جائیگی تو ''طبقات ناصری''، ''منہاج سراج''، ''تاریخ فیروز شاہی''، ''ضیاء برنی'' اور ''تاریخ فرشتہ'' ابوالقاسم ہندوشاہ فرشتہ میں مندرج متعدد واقعات کو خلاف واقعہ اور ان کتابوں کو نامعتبر یا جعلی قرار دینا ہوگا۔ گویا کہ غلط تاریخی اندراجات کو بلاتحقیق معتبر مان کر واقعات کو پرکھنا اصولاً غلط ہے۔ جو ایسا کرتا ہے، وہ دراصل علمی قدروں سے بے بہرہ ہے اور اس کی کارکردگی ہرگز قابل اعتناء نہیں۔

الغرض ان مراعات کے ساتھ ہمیں ''راحت القلوب'' کے تاریخی اندراجات کا جائزہ لینا ہے۔ فی الحال میرے پیش نظر ''راحت القلوب'' کا مطبوعہ فارسی نسخہ بھی ہے اور اس کا وہ ترجمہ بھی ہے جو مولوی غلام احمد خاں بریاں مرحوم نے ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء میں کتاب ''ملفوظات خواجگان چشت'' کے مجموعہ میں شائع کیا تھا۔ تراجم اور بھی ہیں، مگر فی الحال ان ہی دونوں نسخوں سے تاریخی اندراجات نقل کیے جاتے ہیں۔ جن سے ان کی نوعیت و کیفیت واضح ہو جاتی ہے۔

۴۔ تاریخ اندراجات کا نقشہ

فارسی نسخہ راحت القلوب	ترجمہ بریاں	
۱۔ بدھ ۱۵ رجب ۶۵۵ھ	بدھ ۱۱ رجب ۶۵۵ھ	تقویم میں ۱۵ رجب کو اتوار ہے۔
۲۔ جمعرات ۱۶ شعبان "	ہفتہ ۱۶ "	۱۱ رجب کو پیر ہے۔
۳۔ پیر ۲۱ ماہ مذکور "	بدھ ۲ "	بدھ نہ پندرہ کو ہے نہ گیارہ کو۔
۴۔ اتوار ۲۷ "	منگل ۲۷ "	۱۶ شعبان کو بدھ ہے۔
۵۔ جمعرات ۲۹ شعبان "	جمعرات ۱۰ شعبان "	۱۶ رجب کو پیر ہے۔
		۲۰ شعبان کو اتوار ہے۔
		۲ رجب کو ہفتہ ہے۔
		۲۷ رجب ک بدھ ہے۔
		۲۹ شعبان کو منگل ہے۔
		۱۰ شعبان کو جمعرات ہے۔
فارسی نسخہ راحت القلوب	ترجمہ بریاں	
۶۔ اتوار ۱۱ ماہ مذکور	اتوار ۱۱ ماہ مذکور	
۷۔ " ۳ ماہ مذکور	" ۱۳ ماہ مذکور	
۸۔ " " ۲۵ "	" ۲۵ "	

Marfat.com

۹۔ " "۵رمضان	" ۵رمضان	
۱۰۔ پیر۲۵شوال	" ۵شوال	
۱۱۔ مذارد۱۵ماہ مذکور	" ۵ " "	
۱۲۔ " " ۲۰ "	" ۱۰ " "	
۱۳۔ " ۲۱ " ۶۵۵	" ۲۱ماہ مذکور	
۱۴۔ "۱۰ذیقعدہ ۶۵۵	" ۲ " ذیقعدہ	
۱۵۔ " ۲ "	" ۱۲ " "	۲۵شوال کو پیر ہے۔
۱۶۔ " ۲ ذی الحجہ	" ۲ذی الحجہ	ایک ہی تاریخ میں دو مجلسیں
۱۷۔ " ۷ "	" ۱۷ " "	ہیں یہ کیوں؟
۱۸۔ "۲۰ماہ مذکور	" ۲۰ " "	
۱۹۔ " ۲۷ "	" ۲۷ " "	
۲۰۔ " یکم ماہ محرم ۶۵۶ھ	" یکم محرم ۶۵۶ھ	
۲۱۔ "۱۰ماہ مذکور	" ۹ماہ مذکور	
۲۲۔ " ۴ماہ صفر	" ۴ صفر	
۲۳۔ " ۲۷ماہ مذکور	" ۲۵ "	
۲۴۔ " ۲ربیع الاول	" ۲ربیع الاول	

اس نقشے کے تقابلی مطالعہ سے یہ واضح ہے کہ ''راحت القلوب'' کے فارسی نسخہ میں اور ترجمہ بریاں میں تاریخوں کے ساتھ صرف پانچ پانچ دن لکھے ہیں۔ ان کا تقویم سے مقابلہ ہو سکتا ہے۔ باقی چونکہ ناتمام ہیں لہٰذا ان کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ ان پانچ پانچ کے تقابل سے یہ واضح ہے کہ صرف ایک ایک دن تقویم کے مطابق ہے۔ باقی نہیں۔

اس نقشہ کے تقابلی مطالعہ سے اور بھی نتائج برآمد ہوتے ہیں جو ترتیب وار درج ذیل ہیں:

(۱) دن اگرچہ صرف پانچ پانچ تاریخوں کے ساتھ ہیں۔ لیکن ایک ایک کے سوا تقویم سے کسی کی تصدیق نہیں ہوتی۔ باقی سب ہی غلط اور ناقابل قبول ہیں۔

(۲) فارسی نسخے میں کسی مہینے کی کوئی تاریخ ہے تو ترجمہ بریاں میں کوئی تاریخ ہے۔ مثلاً فارسی نسخے میں ۲، ۳، ۴، ۵ مجلسوں کی تاریخیں ۱۶/ ۲۰/ ۲۷/ ۲۹ شعبان ہیں اور ترجمہ بریاں میں ۱۶/ ۲ ۲۷/ رجب اور ۱۰ شعبان ہیں۔ مہینے کا بھی فرق ہے، مگر ترجمہ فارسی متن ہی کے مطابق ہے، دن بھی بدلے ہوئے ہیں۔ یہ اس قدر اختلاف کیوں ہے؟ ہو سکتا ہے کہ یہ اندراجات کسی اور کی صوابدید کا ثمرہ ہوں۔

(۳) مہینوں میں فرق ہونا زیادہ حیرت انگیز ہے اور سنین میں اس سے بھی زیادہ۔

(۴) اہم ترین بات یہ ہے کہ فارسی نسخے میں ۲۹ شعبان کے بعد ۱۱/ ۱۳/ ۱۵/ تاریخیں ہیں، جن کے ساتھ ماہ

مذکور لکھا ہے۔ اسی طرح ۲۵/شوال کے بعد ۱۵/ ۲۰/ ۲۱/ تاریخیں ہیں، ان کے ساتھ بھی ماہ مذکور لکھا ہے۔ اگر یہ تاریخیں شعبان و شوال ہی کی ہیں تو ۲۹ اور ۲۵ کے بعد کیوں ہیں؟ ان سے پہلے ہونی چاہیے تھیں۔ اگر کسی اور مہینے کی ہیں تو اس کا نام ہونا چاہیے تھا۔ یہ حالات بتاتے ہیں کہ فارسی مطبوعہ نسخہ کسی محفوظ نسخے سے منقول نہیں ہے۔ بلکہ کسی ایسے نسخے سے منقول ہے جو اوراق منتشرہ کا مجموعہ تھا اور تاریخی اندراج کے باب میں نہایت درجہ ناقص تھا۔ البتہ اس سے یہ ثابت ہے کہ کوئی جعلی نسخہ بھی نہیں تھا، کیونکہ کوئی جعل ساز افشائے راز کے خوف سے اس بے ہنگامی کو ہرگز گوارا نہیں کرتا۔ یہ ناشر کی دیانت داری ہے کہ اس نے جوں کا توں شائع کر دیا۔

(۵) سنین قطعاً غلط ہیں۔ ''راحت القلوب'' کی پہلی مجلس کے آغاز میں ۱۵ رجب ۶۵۵ھ اور آخری مجلس کے آغاز میں ۲ ربیع الاول ۶۵۶ھ مندرج ہے، یا تو یہ صحیح پڑھے نہیں جا سکے ہیں یا غلط بیانات سے متاثر ہو کر کسی نے تبدیل کر دیے ہیں۔ کیونکہ بعض ایسے بیانات بھی ملتے ہیں جو غلط فہمی اور غلط بیانی پر مبنی ہیں۔ الغرض تاوقتیکہ مصدقہ اقوال کی روشنی میں ان اندراجات کا جائزہ نہ لے لیا جائے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

تاریخ اندراجات کا جائزہ

ان تاریخی اندراجات کا جائزہ ان مصدقہ بیانات و اقوال کی روشنی میں لیا جا سکتا ہے، جو حضرت محبوب الٰہیؒ کی ولادت و ارادت اور خلافت و وفات سے متعلق معتبر کتابوں میں ملتے ہیں، جن میں سے بعض حضرت محبوب الٰہیؒ ہی کے اقوال و بیانات ہیں۔ امیر خورد کرمانیؒ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کی تاریخ وفات کے متعلق لکھا:

ہیز وہم ماہ ربیع الآخر خمس و عشرین و سبعمایۃ بعد طلوع آفتاب سلطان المشائخ بجوار رحمت رب العالمین پیوست	اٹھارہ ربیع الآخر ۷۲۵ھ ہجری کو سورج نکلنے کے بعد حضرت محبوب الٰہیؒ جوار رحمت رب العالمین میں تشریف لے گئے۔ وصال فرمایا۔

(سیر الاولیاء، ص ۱۵۵ اچ)

امیر خورد کرمانی نے آپ کی عمر عزیز کے متعلق یہ بھی صراحت فرمائی ہے:

عمر عزیز سلطان المشائخ ہشتاد سال کشید	حضرت محبوب الٰہیؒ کی عمر اسی سال کی ہو گئی تھی۔

(سیر الاولیاء، ص ۱۲۴ اچ)

خواجہ گیسو دراز بندہ نوازؒ نے اندازاً پچھتر برس کی بتائی ہے۔ (جوامع الکلم۔ مجلس ۱۴ شعبان ۸۰۲ھ قلمی نسخہ) خواجہ گیسو دراز بندہ نوازؒ ایک واسطے سے حضرت محبوب الٰہیؒ سے منسلک تھے۔ انہوں نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو دیکھا بھی نہ تھا۔ مگر جو روایت انہیں بزرگوں سے پہونچی، انہوں نے اُسے دہرا دیا ہے، جس کا تعلق اندازے اور تخمینے سے ہے۔

اس کے برعکس امیر خورد کرمانی نے حضرت محبوب الٰہیؒ کو دیکھا تھا۔ آپ ہی کے بابرکت عہد حیات میں پیدا ہوئے۔ پروان چڑھے اور آپ ہی کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی تھی اور آپ ہی سے شرف بیعت و ارادت حاصل کیا تھا۔ اس لیے امیر خورد کرمانی کے بیان کو ترجیح ہے۔ اس کے علاوہ امیر خورد کرمانی کے دادا بزرگوار سید محمد کرمانی حضرت محبوب الٰہیؒ کے ہم خرقہ تھے اور ان دونوں بزرگوں میں باہم ایسے خوشگوار تعلقات تھے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے ان دونوں

Marfat.com

بزرگوں کو رشتہ مواخات میں منسلک فرمادیا تھا۔(سیر الاولیاء ص ۲۰۹ چ) اسی لیے سید محمد کرمانی مع اہل وعیال دلی چلے آئے اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے ہمراہ زندگی بسر کی۔ان کے بعدان کی اولاد دراولاد بھی حضرت ہی کے سایہ عاطفت میں رہی جس پر حضرت محبوب الٰہیؒ خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ان حالات کے پیش نظر بھی امیر خورد کرمانی ہی کے قول کو ترجیح ہے۔تاہم یہ واضح ہے کہ متقدمین کی نگاہ میں حضرت محبوب الٰہیؒ کی عمر عزیز زمانہ وفات کے قریب اسی سال سے زیادہ نہ تھی اوران مؤقر بیانات کے مقابلہ میں بعد کے کسی بے سند بیان کو فوقیت نہیں ہوسکتی۔

حضرت محبوب الٰہیؒ کا سنہ وفات ۷۲۵ھ ہے اور عمر عزیز اسی برس کی ہوئی ہے۔اس اعتبار سے آپ کا سنہ ولادت ۶۴۵ھ قرار پاتا ہے، جو درویش صفت بادشاہ سلطان ناصر الدین محمود کا عہد معدلت مہد ہے۔اس کے علاوہ سنہ ولادت کی تصدیق دیگر بیانات سے بھی ہوتی ہے۔امیر خورد کرمانی لکھتے ہیں:

می فرمود کہ روز چہار شنبہ آخریں ماہ صفر قوی بابرکت است .... ومی فرمود کہ تولد ایں ضعیف ہم دریں روز است۔ (سیر الاولیاء ص ۳۸۷ چ)	آپ فرماتے تھے کہ صفر کے مہینے کا آخری بدھ بہت برکت والا دن ہے..........اور یہ بھی فرماتے تھے کہ میری ولادت اسی دن کی ہے، یعنی آخری بدھ کی ہے۔

اس اعتبار سے بعض اہل قلم نے آپ کا یوم ولادت آخری بدھ ۲۷ صفر لکھا ہے اور یہ صحیح ہے۔کیونکہ ۶۴۵ھ میں ۲۷ صفر کو بروئے تقویم آخری بدھ ہی ہے۔(تقویم ہجری وعیسوی ابوالنصر خالد) بعض سوانح نگاروں نے آپ کا سنہ ولادت ۶۳۴ھ اور ۶۳۶ھ لکھا ہے، جو خلاف تحقیق اور غلط ہے۔شاہ محمد بولاق مرحوم لکھتے ہیں۔

صاحب سیر الاولیاء در باب ہفتم فی نکتہ اوراد ہفتہ وسالینہ گذارش می نماید وثبت می فرماید کہ تولد سلطان المشائخ بروز آخریں چہار شنبہ بعد از طلوع آفتاب بتاریخ بست وہفتم شہر صفر سنہ ست وثلثین وست مایہ یعنی در سال شش صد سی وشش بوقوع آمد (روضہ اقطاب، ص ۵۰۔مطلوب الطالبین، ص ۸ قلمی)	صاحب سیر الاولیاء نے ساتویں باب کے نکتہ اوراد ہفتہ وسالینہ میں لکھا ہے کے سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ آخری بدھ کو آفتاب کے طلوع ہونے کے بعد ۲۷ ماہ صفر سنہ ۶۳۶ ہجری کو پیدا ہوئے۔

شاہ محمد بولاق مرحوم کا یہ بیان اگرچہ ''سیر الاولیاء'' سے ماخوذ ومنقول معلوم ہوتا ہے۔مگر حیرت ہے کہ ''سیر الاولیاء'' میں حضرت محبوب الٰہیؒ کی ولادت سے متعلق صرف وہی دو جملے ہیں جو نقل کیے جاچکے ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) روز چہار شنبہ آخریں ماہ صفر قوی بابرکت است

(۲) تولد ایں ضعیف ہم دریں روز است

(سیر الاولیاء، ص ۳۸۷ چ)

Marfat.com

ان جملوں میں نہ کوئی سنہ ہے نہ کوئی تاریخ اور نہ کوئی وقت۔نہیں معلوم شاہ محمد بولاق مرحوم کو کیا مغالطہ ہوا ہے کہ انہوں نے سنہ کا اور تاریخ و وقت کا اضافہ فرمادیا ہے اور یہ معلومات انہیں کہاں سے حاصل ہوئیں جو انہوں نے صاحب ''سیر الاولیاء'' امیر خورد کرمانی سے منسوب فرمادی ہیں۔جو ''سیر الاولیاء'' کے دستیاب شدہ قدیم نسخوں میں بھی نہیں ہیں۔ ان کے اس غیر مصدقہ بیان میں ۶۳۶ھ نہایت درجہ غلط ہے جس سے ان ہی کے بیان میں مطابقت برقرار نہیں رہتی۔ کیونکہ بروئے تقویم ۲۷ صفر ۶۳۶ھ کو آخریں چہار شنبہ (آخری بدھ) نہیں ہے۔بلکہ شنبہ (ہفتہ، سنیچر) ہے۔آخریں چہار شنبہ (آخری بدھ) ۲۴ صفر ۶۳۶ھ کو ہے (تقویم ہجری وعیسوی، ابونصر خالد) لہٰذا ان کا متعینہ سنہ ۶۳۶ھ غلط اور صریحاً غلط ہے۔مزید برآں اس سے امیر خورد کرمانیؒ کی نوشتہ عمر اور سنہ وفات بھی مطابقت برقرار نہیں رہتی۔

پھر یہ نکتہ بھی ہے کہ اگر امیر خورد کرمانی کو یہ تفصیل لکھنی ہوتی تو وہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی ولادت باسعادت کے ذکر کے ساتھ ہی لکھتے جو ''سیر الاولیاء'' (چرنجی لال ایڈیشن) کے صفحہ ۹۵ میں ہے۔غیر متعلق باب میں اتنی تفصیل سے کیوں لکھتے۔بہر حال شاہ محمد بولاق مرحوم کا مذکورہ بیان نہ تو ''سیر الاولیاء'' سے ماخوذ ہے اور نہ صحیح ہے اور نہ قابل قبول ہے۔شاہ محمد بولاق مرحوم نے ایسا ہی بیان بھی نقل کیا ہے، جو نہایت درجہ مشتبہ و مشکوک ہے۔بلکہ سراسر غلط ہے۔انہوں نے لکھا ہے:

سید محمد کرمانی مرید خاص وے در کتاب سیر الاولیاء کہ تصنیف و تالیف اوست سنہ عمر شریف در ایام مرض موت آں حضرت بہ نہجے کہ باید در باب چہارم فی نکتہ خلافتہا مقرر و معین می نماید کو چوں عمر سلطان المشائخ بہشتاد و نہ رسید......

(روضہ اقطاب، ص ۵۷)

سید محمد کرمانی آپ کے خاص مرید نے سیر الاولیاء میں جوان ہی کی تصنیف و تالیف ہے۔حضرت محبوب الٰہیؒ کے مرض موت کے دنوں میں آپ کی عمر شریف جس طرح کہ چاہیے تھی چوتھے باب میں (اور) خلافت کے نکتہ میں مقرر و معین فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ جب آپ کی عمر شریف نواسی سال کی ہوئی تھی۔

مگر حیرت یہ ہے کہ ''سیر الاولیاء'' (چرنجی لال ایڈیشن، ص ۱۲۴) باب چہارم اور نکتہ خلافت میں بہشتاد و نہ (نواسی) نہیں ہے۔بلکہ بہ ہشتاد و سال کشید (اسی سال کی ہوئی) ہے اور یہی صحیح ہے اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے ان بیانات کے مطابق بھی ہے جو بیعت و ارادت سے متعلق ہیں اور جنہیں امیر خورد کرمانی نے پوری احتیاط سے قلمبند کیا ہے جن کا ذکر آئندہ آئے گا۔

بہر حال شاہ محمد بولاق مرحوم نے حضرت محبوب الٰہیؒ کا سنہ ولادت جو ۶۳۶ھ لکھا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔جو مدت عمر لکھی ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے اور ان کا ''سیر الاولیاء'' سے ماخوذ بتانا بھی صحیح نہیں ہے۔

مولوی غلام احمد خاں بریاں مرحوم نے ترجمہ ''سیر الاولیاء'' میں جو انہوں نے ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں اردو ''سیر الاولیاء'' کے نام سے شائع کیا تھا۔غالباً شاہ محمد بولاق مرحوم کے بیان سے متاثر ہو کر ذکر وفات کے ضمن میں ''واضح'' ہو کے تحت یہ بیان الحاق فرمایا ہے:

Marfat.com

''واضح ہو کہ جناب سلطان المشائخ قدس سرہ رجب کی پندرہویں تاریخ ۶۵۵ھ میں شیخ شیوخ العالم کی شرف ارادت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت آپ کی بیس سال کی عمر تھی۔ آپ کی ولادت ۶۳۶ھ میں ہوئی اور انتقال ۷۲۵ھ میں ہوا اور جس وقت آپ کا انتقال ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر نواسی برس کی تھی۔'' (اردو سیر الاولیاء (ترجمہ بریاں) پندرہواں نکتہ، ص ۱۶۲)

مولوی غلام احمد خاں بریاں مرحوم کو اگر یہ اضافہ کرنا ہی تھا تو مناسب یہ تھا کہ وہ اسے حاشیہ میں لکھتے اور بتاتے کہ یہ ان ہی کی جدت طبع کا ثمرہ ہے، جو سراسر غلط ہے۔ اس طرح الحاق کر دینا بلاشبہ نہایت ہی نامناسب ہے۔ بہرحال ''سیر الاولیاء'' کے کسی فارسی نسخے میں ایسی کوئی عبارت نہیں ہے جس کا اس الحاقی بیان کو ترجمہ کہا جا سکے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ترجمہ بریاں ہی سے بعض اہل قلم کو مغالطہ ہوا ہے۔

پروفیسر محمد حبیب مرحوم کے پیش نظر بھی غالباً ترجمہ بریاں ہی تھا۔ انہوں نے لکھا ہے:

''امیر خورد لکھتے ہیں کہ انتقال کے وقت آپ کی عمر نواسی سال کی تھی۔ لیکن یہ صرف اندازہ معلوم ہوتا؟''

(کتاب حضرت نظام الدین اولیاء، حیات و تعلیمات۔ ص ۱۳۷)

امیر خورد کرمانی نے آپ کی عمر عزیز کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ نقل کیا جا چکا ہے۔ دراصل یہ شاہ بولاق مرحوم کی اختراع ہے، جسے مولوی غلام احمد خاں بریاں مرحوم نے ترجمہ ''سیر الاولیاء'' میں الحاق فرما دیا ہے، جس سے متعدد اہل قلم کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

جن صاحبوں نے حضرت محبوب الٰہیؒ کا سنہ ولادت ۶۳۴ھ لکھا ہے، انہوں نے بھی صحیح نہیں لکھا۔ ۶۳۴ھ میں آخری بدھ ۲۶ صفر کو ہے اور اس کے اعتبار سے عمر ۹۱ سال ہوتی ہے، جو خلاف تحقیق اور غلط ہے۔

۲۔ بیعت وخلافت سے متعلق صحیح بیانات

یہ ذکر آ چکا ہے کہ ''راحت القلوب'' میں مرقومہ تاریخی اندراجات اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے مفروضہ سنین ولادت ۶۳۶ھ اور ۶۳۴ھ کی تصدیق ان مصدقہ بیانات سے بھی نہیں ہوتی جو بیعت وخلافت سے متعلق ہیں اور حضرت محبوب الٰہیؒ ہی کے فرمودہ یا نوشتہ ہیں۔ امیر خورد کرمانی نے لکھا ہے:

سلطان المشائخ بقلم خود بنشتہ است کہ شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کاتب حروف را بخواند، در روز آدینہ بعد فراغ نماز بیست و پنجم ماہ جمادی الاول سنہ تسع وستین وست مأتہ لعاب دہن مبارک در دہن کاتب کرد و وصیت بحفظ کلام اللہ المجید رزقہ اللہ تعالیٰ فرمود............	حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنے مبارک قلم سے لکھا ہے کہ حضرت بابا صاحب نے جمعہ کے دن نماز سے فارغ ہونے کے بعد ۲۵ جمادی الاول ۶۶۹ھ کو مجھے بلایا اور اپنے مبارک دہن کا لعاب میرے منہ میں ڈالا اور قرآن پاک کو حفظ کرنے کی وصیت فرمائی۔

Marfat.com

(سیر الاولیاء، ص ۱۲۳ ج)

امیر خورد کرمانی نے اسی دوران قیام کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے:

درغرہ مبارک شعبان سنہ تسع وستین وست مآیۃ ازحضرت شیخ شیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز التماس نمودہ آمد، شیخ شیوخ العالم با جابت ومدد فاتحہ مقرون فرمود۔	شعبان ۶۶۹ھ کی پہلی تاریخ کو حضرت بابا صاحبؒ سے دعا کے لیے درخواست کی جو آپ نے منظور فرمائی اور فاتحہ خیر سے مدد فرمائی، یعنی دعا فرمائی۔

(سیر الاولیاء، ص ۱۲۳ ج)

اسی دوران قیام کا یہ تیسرا واقعہ بھی ہے جو امیر خورد کرمانی نے نقل کیا ہے:

سہ کرت از دہلی بخدمت شیخ شیوخ العالم رفتم، بعدہ یک روز خواجہ طلبید سیز دہم ماہ رمضان سنہ تسع وستین وست مآیۃ بود، فرمود کہ نظام! یاد داری آنکہ گفتہ بوم گفتم آرے۔ فرمود کہ کاغذ بیارید، اجازت نامہ بنویسند، کاغذ آوردند، واجازت نامہ بنشتند۔ (سیر الاولیاء، ص ۱۱۶ ج)	میں تین بار دہلی سے حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، تیسری بار حاضر ہونے کے بعد ایک دن حضرت بابا صاحب نے مجھے بلایا، رمضان المبارک ۶۶۹ھ کی تیرہویں تاریخ تھی۔ دریافت فرمایا، نظام! تمہیں یاد ہے جو میں نے کہا تھا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! یاد ہے۔ آپ نے فرمایا کاغذ لاؤ تاکہ اجازت نامہ (خلافت نامہ) لکھا جائے، کاغذ لا دیا اور اجازت نامہ لکھا گیا۔

حضرت محبوب الٰہیؒ پہلی بار حاضر خدمت ہوئے تھے تو حضرت بابا صاحبؒ نے یہ دعا کی: یا دائم الفضل علی البرید آپ کو عنایت فرمائی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا:

ایں دعا را یادگیر د مواظبت نمائی تا ترا خلیفہ خود گردانم (سیر الاولیاء، ص ۱۱۶ ج)	اس دعا کو یاد کرلو اور ہمیشہ پڑھتے رہو، تاکہ میں تمہیں اپنا خلیفہ بنادوں۔

یہ سوال کہ ''یاد داری آنکہ گفتہ بودم؟'' اسی دعا کے متعلق تھا۔ الغرض ان تینوں بیانوں سے یہ واضح ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ ۶۶۹ھ میں حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر تھے اور ان ہی ایام میں حضرت بابا صاحبؒ نے آپ کو اپنا خلیفہ بنایا اور سند خلافت عنایت فرمائی تھی۔ خواجہ امیر حسن علاء سجزی نے حضرت محبوب الٰہی کا بیان بھی نقل کیا ہے:

مرا در ماہ شوال بدہلی فرستادہ بود، نقل ایشاں درشب پنجم ماہ محرم بودہ است۔ (فوائد الفواد، ص ۵۲)	مجھے شوال کے مہینے میں دہلی بھیج دیا تھا اور حضرت بابا صاحب کا انتقال پانچویں محرم کی رات کو ہوا ہے۔

بروئے تحقیق حضرت بابا صاحب کا سنہ وفات ٦٧٠ھ ہے۔حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا فرمودہ قطعہ تاریخ یہ ہے:

فرید الدین کہ او گنج شکر بود چو در ذات خدا شد محو مطلق
بہ مظہر گفت ہاتف سال نقلش فرید الدین ولی واصل حق
(٦٧٠ھ)

بہر حال مذکورہ بیانات سے یہ واضح ہے کہ ماہ جمادی الاول ٦٦٩ھ سے شوال ٦٦٩ھ تک حضرت محبوب الٰہیؒ کا قیام اجودھن (پاکپتن) میں تھا اور آپ حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں تھے۔یہ تیسری بار کی حاضری تھی۔حضرت محبوب الٰہیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

سہ کرت بخدمت شیخ الاسلام فرید الحق و الشرع والدین قدس اللہ سرہ العزیز رفتہ بودم ہر سال یک بار بعد ازاں کہ نقل فرمود ہفت بار دیگر رفتہ شدہ است

میں تین بار حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں (اس طرح کہ) سال میں ایک بار،اس کے بعد کہ آپ کا انتقال ہوگیا تو سات بار اور جانا ہوا ہے۔

(فوائد الفواد ص ۴۲۔سیر الاولیاء ص ۱۰۷ ج)

اس بیان سے واضح ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت فیض درجت میں سال میں ایک بار حاضر ہوتے تھے۔اس طرح کہ آئے ہوئے پورا سال گذرنے نہ پاتا تھا کہ آپ دہلی سے اجودھن (پاکپتن) تشریف لے جاتے اور حاضر خدمت ہوتے تھے۔آمد و رفت میں کتنا وقت لگتا تھا۔صحیح نہیں بتایا جاسکتا۔گمان غالب یہ ہے کہ بیس دن کا سفر ہوتا تھا۔اس اعتبار سے چھ بار کی آمد و رفت میں چار ماہ کی مدت صرف ہوئی ہوگی اور تین بار کے دہلی اور اجودھن (پاکپتن) کے قیام میں چار سال کی مدت قرین قیاس ہے۔گویا کہ سفر حضر کی مدت چار ساڑھے چار سال ہوگی۔اگر اس سفر وحضر کی مدت کو ٦٦٩ھ میں سے وضع کر دیا جائے تو پہلا سفر ٦٦٩ھ میں قرار پاتا ہے۔گویا کہ ٦٦٥ھ میں حضرت محبوب الٰہیؒ کو شرف بیعت حاصل ہوا تھا۔کسی نے آپ سے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ

شما چند سالہ بودید کہ بدولت ارادت شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین طیب اللہ مرقدہ مشرف شدے فرمود بیست سالہ۔

آپ کی کتنی عمر تھی۔جب آپ حضرت بابا صاحب سے بیعت ہوئے تھے۔آپ نے فرمایا کہ بیس سال کی تھی۔

(سیر الاولیاء ص ۱۰۷ ج)

٦٦٥ھ جو آپ کی پہلی حاضری اور بیعت ہونے کا سنہ متعین ہوا ہے۔اس میں سے اگر بیس سالہ عمر وضع کر دی جائے تو سنہ ولادت ٦۴۵ھ قرار پاتا ہے۔یہ وہی سنہ ہے جو سنہ وفات ۷۲۵ھ میں اسّی سالہ مدت عمر وضع کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔گویا کہ ہر دو اعتبار سے حضرت محبوب الٰہیؒ کا سنہ ولادت ٦۴۵ھ قرار پاتا ہے اور داخلی شواہد سے

Marfat.com

بھی اس کی پوری پوری تائید ہوتی ہے اور اس طرح آپ کا سنہ بیعت وارادت ۶۶۵ھ متعین ہوتا ہے۔ ۶۵۵ھ نہیں ہوتا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ سات سو سال سے زیادہ مدت گذر چکی ہے اور حضرت محبوب الٰہیؒ کی متعدد سوانح حیات لکھی جا چکی ہیں اور سوانح نگاروں نے قیاس و تجسس سے سنین کی تعین کی ہے۔ لیکن کسی نے بھی حقائق سے اور داخلی شواہد سے کام نہیں لیا، اور بمصداق وکثر ا مایقدر اساھون الساھین (علامہ ابن ہمام) بھولے بھٹکے بھولے بھٹکوں کے قدم بقدم چلتے رہے۔ بعض لوگوں نے اگر کچھ کیا تو یہ کیا کہ اپنی اختراعات کو صاحب ''سیر الاولیاء'' امیر خورد کرمانی کے سر تھوپ دیا جو نہایت درج نازیبا ہے۔ اس سے سنین میں اور بھی خلفشار پیدا ہو گیا ہے اور واقعات کے تطابق میں مزید دشواری لاحق ہو گئی ہے اور معاندین کو اعتراض کا موقع ہاتھ آ گیا ہے۔ مگر یہ پیران عظام رحمہم اللہ کی کرامت یا ان کی توجہ کا ثمرہ ہے کہ اتنی مدت تک حقائق حقہ محفوظ رہے اور مجھ ناچیز کو اللہ پاک نے ان کے انکشاف کی سعادت نصیب فرمائی۔ الحمد اللہ علی ذلک۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

الغرض اس تحقیق کے دوران حضرت محبوب الٰہیؒ کے سوانح حیات سے متعلق اہم واقعات کے جو سنین مجھے دستیاب ہو سکے ہیں، مفاد عامہ کے لیے انہیں ترتیب وار پیش کیے دیتا ہوں۔ یقین ہے کہ کار آمد ثابت ہوں گے۔

۷۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کی سوانح حیات سے متعلق اہم سنین کا نقشہ

(۱)	ولادت	۶۴۵ھ
(۲)	دہلی تشریف لانا	۶۶۱ھ
(۳)	بیعت ہونا	۶۶۵ھ
(۴)	خلافت کی سند ملنا	۶۶۹ھ
(۵)	''مشارق الانوار'' کی سند ملنا	۶۷۹ھ
(۶)	غیاث پور میں قیام کی ابتداء	۶۸۰ھ تا ۶۸۶ھ کے درمیان
(۷)	سلطان بلبن کی وفات اور کیقباد کی تخت نشینی	۶۸۶ھ
(۸)	محضر سماع بعہد سلطان تغلق	۷۲۳-۲۴ھ
(۹)	وفات بعمر ۸۰ سال	۷۲۵ھ

۸۔ راحت القلوب کا عہد تدوین

اس تفصیل و تحقیق سے یہ واضح ہے کہ ''راحت القلوب'' کا عہد تدوین ۶۶۵ھ تا ۶۶۹ھ ہے۔ وجوہ کچھ بھی ہوں۔ تحریف ہو یا الحاق، کاتب و ناقل کا سہو ہو یا کسی کی غلط فہمی، بہر حال ''راحت القلوب'' کی مجالس کے آغاز میں جو تاریخی اندراجات ہیں وہ غلط ہیں۔ ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کی بنا پر ''راحت القلوب'' کو جعلی اور وضعی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ غلط روش اختیار کی جائے گی اور اس غلط کو صحیح سمجھا جائے گا تو بہت سی معتبر کتابوں کو جعلی اور وضعی

قرار دینا ہوگا۔

اس عہد تدوین کے صحیح اور معتبر ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس سے بہت سے شبہات اور بہت سے مغالطے رفع ہو جاتے ہیں اور کسی معترض کو یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ فلاں بزرگ بقید حیات تھے اور ان کا ذکر بطور متوفی کے ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بیان غلط نہیں ہے۔ بلکہ تاریخی اندراج غلط اور صحت طلب ہے۔ اس عہد تدوین کے تعین سے تاریخی اندراج کی صحت ہو جاتی ہے۔ ان شاء اللہ اب کوئی مغالطہ لاحق نہ ہوگا۔

۹۔ تذکروں میں سنین

تذکروں میں جو سنین مرقوم ملتے ہیں، ان میں سے کچھ صحیح ہیں اور کچھ غلط ہیں۔ ان کی بے ثباتی اس سے ظاہر ہے کہ بعض سنین مختلف ملتے ہیں تاوقتیکہ تحقیق کی کسوٹی پر ان کو پرکھا نہ جائے۔ نہ تو ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کو کسی پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔ قیاساً کسی کو ترجیح دینا صحیح نہ ہوگا اور اگرچہ ''راحت القلوب'' دستبرد زمانہ سے محفوظ نہیں اور غلط تاریخی اندراجات بھی اثر انداز ہیں۔ لیکن جہاں تک متن کا تعلق ہے اس کی صحت سے انکار ہرگز مناسب نہیں ہے۔

۱۰۔ تحقیقی کارنامہ

تحقیقی کارنامہ کیسا ہی صحت مند ہو، حرف آخر نہیں ہوا کرتا۔ تحقیق کا میدان بہت وسیع ہے۔ اولوالعزم جب میدان عمل میں اترتے ہیں تو کچھ نہ کچھ کر کے دکھاتے ہی ہیں۔ مجھے بھی یہ دعویٰ نہیں کہ میری یہ تحقیق حرف آخر ہے۔ مجھ سے جو بن پڑا بفضلہ تعالیٰ اپنی بساط کے مطابق میں نے کر دکھایا ہے۔ یہ نشان راہ ہے۔ جو زبان حال سے کہہ رہا ہے:

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

و ما توفیقی الا باللہ اعلی العظیم۔ دراصل یہ کرامت ہے چشم بینا کے لیے ان بزرگوں کی جو چودھویں صدی کی تاریکی میں چراغ راہ ہے۔

صریر قلمم دریں شب تار بے معنی خفتہ کرد بیدار

۱۱۔ نقل روایت

یہ انسانی فطرت ہے کہ جو روایتیں اور حکایتیں مجالس وعظ و نصائح میں سنی جاتی ہیں یا کتابوں میں پڑھتے ہیں انہیں برمحل بیان بھی کر دیا کرتے ہیں۔ صوفیہ کرام بھی بزرگان سلف سے مروی روایات کو بیان فرمایا کرتے تھے، بلکہ ملفوظات مشائخ کے مطالعہ کی تاکید بھی فرماتے تھے۔ قرآن پاک سے بھی اس کا استحسان واضح ہے۔

جو علم مجلسی سے آگاہ ہیں وہ جانتے ہیں کہ بیان کرنے والا خواہ ایک ہی شخص ہو، لیکن جب کسی ایک روایت کو مختلف مجالس میں بیان کرتا ہے تو حالات کے اقتضاء سے اسلوب و جزئیات میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اس امتیاز کو نقل میں بے احتیاطی سے وہی تعبیر کرے گا جو بیان کی نفسیات سے نابلد ہوگا۔ ''فوائد الفواد'' صفحات ۲۷ او ۱۷۶ـ۱۶۵ و ۲۰۲ـ ۵۲۱ و ۵۲۹ میں اور ''خیر المجالس'' صفحات ۱۳۱ و ۱۳۷ میں ایسی ہی روایتیں ہیں جن سے اس اسلوبی امتیاز کی تصدیق ہوتی ہے، جن کے بیان کرنے والے بھی ایک ہی بزرگ ہیں اور لکھنے والے بھی ایک ہی ایک صاحب کمال ہیں، مگر اسلوب کا یہ امتیاز پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہے۔ البتہ بعض جملے ایسے ہوتے ہیں جو بعینہ برقرار رہتے ہیں، بلکہ

Marfat.com

ضرب المثل بن جاتے ہیں۔

''راحت القلوب'' کی روایات کو بھی بیان کیا جاتا رہا ہے اور کیا جاتا ہے۔''فوائد الفواد'' میں متعدد روایتیں ایسی ہیں جو''راحت القلوب'' سے ماخوذ ہیں اور اسلوبی امتیاز کے وصف سے مالا مال ہیں۔ہونی بھی چاہیے تھیں۔کیونکہ وہ روایتیں حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت بابا صاحبؒ کی مبارک زبان سے سنی اور لکھی تھیں۔جن کے بعض بعض جملے آپ کو از بر تھے، تاہم اسلوب کا بعینہ برقرار رہنا خلاف فطرت ہے۔بعض جملے جو برجستہ اور رواں ہوتے ہیں۔وہ زبان زد رہتے ہیں اور جوں کے توں منتقل ہوتے رہتے ہیں اور وہی مشترک اور برقرار رہتے ہیں۔وہ دونوں کتابوں میں ہیں۔اشعار کا اعادہ بھی ہوسکتا ہے اور ہوتا ہے' جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔بہر حال ایسی بعض روایتوں کی نشاندہی مناسب ہوگی' جو''راحت القلوب'' سے ماخوذ اور''فوائد الفواد'' میں منقول ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱)	خرقہ معراج	راحت القلوب	ص ۳	فوائد الفواد	ص ۱۹۶	فارسی مطبوعہ نولکشور
(۲)	ترک اوراد	"	۲۲	"	۱۰۰	"
(۳)	ہفت مینارہ	"	۲۴	"	۱۲۳	"
(۴)	فضیلت ماہ صیام	"	۲۶	"	۲۰۹	"
(۵)	تحفہ درود شریف	"	۳۰_۳۱	"	۱۰۷	"
(۶)	عطیہ ناصری	"	۳۱	"	۹۹_۱۴۵	"
(۷)	مشارق الانوار	"	۳۲	"	۱۰۳	"
(۸)	تذکرہ شیخ حمویہ	"	۳۳	"	۱۲۹	"

حواشی

۱۔ پروفیسر محمد حبیب مرحوم نے اس عبارت کا کہ''مردے مرا کاغذ ہائے سفید داد یکجا جلد کردہ۔'' یہ ترجمہ لکھا کہ ایک شخص نے سفید کاغذ جلد بندھا ہوا مجھے دیا (حضرت نظام الدین اولیاء۔حیات و تعلیمات' ص ۶۸) یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔کاغذہا میں علامت جمع موجود ہے۔ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ ایک شخص نے جلد بستہ سفید کاغذوں کی بیاض مجھے دی۔

۲۔ مطبوعہ نسخہ''راحت القلوب'' (فارسی) میں کلمہ تمجید سبحان اللہ الخ بھی بالائی حصہ میں مرقوم نہیں ہے۔مجھے بھی اس باب میں تردد تھا۔مگر مطالعہ نے رہنمائی کی اور میرا یہ تردد رفع ہوگیا۔مطالعہ نے یہ بتایا کہ حوادثِ روزگار سے نقل و کتابت میں اس قسم کے سہو بکثرت واقع ہوئے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں۔یہ تو ہے بھی بے تعلق عبارت، ممکن ہے کہ کسی نے اسی بے تعلقی سے متاثر ہوکر اسے حذف کردیا وہ اور''فوائد الفواد'' کا بیان اسکے

Marfat.com

مطالعہ میں نہ ہو، یا ذہن میں محفوظ نہ ہو۔ قلمی کتابوں میں بعض مربوط عبارتوں کے ایسے جملے بھی محذوف ملتے ہیں جن سے عبارت بے ربط ہو جاتی ہے۔ اس کا تدارک یہ ہے کہ قلمی نسخوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ بلاشبہ یہ تردد رفع ہو جائے گا۔ بنظر اختصار اتنے ہی پر اکتفا مناسب ہے۔ تاہم اہل علم کے نزدیک ایسی خامی کسی کتاب کے جعلی ہونے کی دلیل نہیں ہوا کرتی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہر کسی قلمی نسخے میں بھی یہ عبارت نہیں ہے؟

''شمائل الاتقیا و دلائل الاتقیاء'' کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ کے ذخیرہ مخطوطات میں ہے اور ایک نسخہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں ہے اور یہ اسی نام سے ہیں۔ ایک قلمی نسخہ جو ۱۲۶۸ھ کا مکتوبہ ہے۔ حضرت مولانا نسیم احمد فریدی صاحب مدظلہ العالی مفتی امروہہ نے عاریتاً مجھے بھیجا تھا' جس سے میں نے استفادہ کیا ہے۔ اس کی فہرست ماخذات میں ڈیڑھ سو سے زیادہ کتب و رسائل کے نام مندرج ہیں۔ ان میں سے متعدد کتابیں جو نایاب و کمیاب ہیں، ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ مئی ۱۹۷۹ء کے حاشیہ میں ہے کہ یہ کتاب ۱۳۴۷ھ میں اشرف پریس حیدرآباد (آندھرا پردیش) سے ''شمائل الاتقیاء'' نام سے شائع ہوئی تھی۔

۳۔ ''مفاتح الجنان'' کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ کے ذخیرہ مخطوطات میں ہے اور ایک نسخہ راقم کے پاس ہے۔ ممکن ہے اور کہیں بھی ہو۔

۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''اسرار الاولیاء'' کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے کہیں مشائخ چشت کی کتب ملفوظات سے انکار نہیں کیا ہے۔

۵۔ ''مطلوب الطالبین'' کا ایک قلمی نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہے۔ ایک نسخہ رضا لائبریری رامپور میں ہے اور ایک نسخہ راقم کے پاس ہے۔

۶۔ ''مقابیس المجالس'' کے مترجم نے اس عبارت کے متعلق جو حاشیہ سپرد قلم فرمایا ہے' اس میں کتب ملفوظات مشائخ چشت کو جعلی ثابت کرنے کی ناکام اور لائق ندامت کوشش کی ہے جو سخن فہمی اور نکتہ دانی کے منافی ہے۔ بلاشبہ ایک جلیل القدر عالم و عارف کے مقابلہ میں یہ سطحی اور لایعنی اظہار رائے قابل ندامت جسارت ہے۔

۷۔ ''خیر المجالس'' اور ''جوامع الکلم'' کی مذکورہ عبارتوں کو حقیقت سے واقفیت کے لیے مضمون عنوانی ''مطالعہ ملفوظات خواجگان چشت کے مبادیات'' کا مطالعہ کارآمد ہے جو ''معارف'' اعظم گڑھ اگست، ستمبر، اکتوبر و نومبر ۱۹۷۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔

(۲)

اس قسم کی بعض اور روایتیں بھی ہیں۔ ان سے واضح ہے کہ ''راحت القلوب'' معتبر و مستند بھی ہے اور مابعد کی کتب ملفوظات کا ماخذ بھی ہے۔ اب ان کی سیر و سیاحت کا ذکر کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

۱۲۔ سیاحت

سیاحت عہد وسطیٰ کے درویشوں کا محبوب مشغلہ رہا تھا۔ وہ اس پُر آشوب زمانہ میں بھی برابر حرکت میں رہے ہیں۔ حرکت میں برکت بھی ہے اور سفر وسیلہ ظفر بھی ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے بھی اس عہد میں سیاحت فرمائی۔ بزرگوں کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اور اپنے فیوض و برکات سے مخلوق کو نوازا۔ یہ بہت بڑا کام تھا، جسے سرانجام فرمایا۔ ''اسرار الاولیاء'' میں اور ''راحت القلوب'' میں آپ کے ممالک غیر سے سفر و سیاحت کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ''راحت القلوب'' سے جن مقامات کی سیر و سیاحت کا پتہ چلتا ہے، وہ یہ ہیں: بخارا، غزنی، سیوستان، بدخشان، بغداد اور سمت مغرب۔

سمت مغرب سے مراد ملک شام اور فلسطین خصوصاً بیت المقدس ہو سکتا ہے، جہاں آپ نے جاروب کشی کی خدمت بھی انجام دی تھی۔

یقین ہے کہ بعض مقامات کا ذکر ملفوظات کے ان مجموعات میں بھی ہو گا جو دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے اور آج نایاب و ناپید ہیں۔ ''فوائد الفواد'' میں صرف ایسے سفر کا ذکر ملتا ہے جس کا تعلق اندرون ملک سے ہے۔ بیرونی ممالک کی سیاحت کا ذکر اس میں نہیں ہے۔ مگر وہ وجہ انکار نہیں ہو سکتی۔ خواجہ امیر حسن علاء سجزی کے اسلوب کا وصف ایجاز ہے جس کی بدولت کتنی ہی اطلاعات ناتمام رہ گئی ہیں۔

''فوائد الفواد'' میں وہ سب کچھ ہے جو حاضرین مجلس کے دکھ درد کی دوا ہے، مگر یہ سمجھنا کہ جو کچھ ''فوائد الفواد'' میں نہیں ہے، اس کا وجود ہی نہیں ہے، معقولیت سے بعید ہے۔ اس میں روغن فروش کی بیوی[۱] کا اور میر شکار[۲] کے واقعہ کا ذکر بھی نہیں ہے، جو نہایت درجہ حیرت انگیز اور بصیرت افروز ہے۔ اس میں لق و دق صحرائے اجودھن میں بڑے اور گھن دار[۳] درخت کے نیچے حضرت بابا صاحب کے قیام فرمانے کا اور حضرت بابا صاحب کے چلہ معکوس[۴] کا ذکر بھی نہیں ہے۔ (جو دیگر کتب میں ہے) تو کیا ان سبھی سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ ''فوائد الفواد'' بلاشبہ رشد و ہدایت کا صحیفہ ہے اور سالکان راہ سلوک کے لیے خضر راہ ہے۔ مگر انسانی کارنامہ ہے۔ جو سہو خطا سے مبرا نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا ہی ہو گا کہ ''راحت القلوب'' کا بیان صداقت پر مبنی ہے، جس کا تعلق حضرت محبوب الٰہیؒ کے قلم سے ہے اور اس باب میں ''راحت القلوب'' کو ہر اعتبار سے فوقیت ہے اور اس بنا پر حضرت بابا صاحب کی غیر ملکی سیاحت کا ذکر لائق تسلیم اور قابل قبول ہے۔

۱۳۔ خرق عادت و کرامت

کائنات عالم کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ہر شے عجائبات قدرت سے مالا مال ملے گی۔ جب یہ ہے تو خرق عادت اور کرامت سے وحشت کیوں؟ البتہ اتنی بات ہے کہ جو عجائبات دیکھنے میں آتے رہتے ہیں، طبیعت ان سے مانوس ہو جاتی ہے تو ان کا اعجوبہ پن نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اور جن سے گاہ بہ گاہ واسطہ پڑتا ہے، انہیں دیکھ کر انسان محو حیرت ہو جاتا ہے۔ ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جو ادراک میں سماتی نہیں۔ جیسے نابالغ بلوغ کی کیفیت کے احساس سے نابلد ہوتا ہے۔ مگر فی نفسہ بلوغ کی کیفیت کیفیت ہے، جو عمر کی مخصوص منزل سے متعلق ہے۔ اس سے انکار کی گنجائش نہیں۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے کیسی پیاری بات کہی ہے:

''جو بات عقل سے بعید ہے وہ کچھ اور ہے اور جو عقل میں نہ سمائے وہ کچھ اور ہے، وہی کرامت

Marfat.com

ہے"

(فوائد الفواد ص ۷)

ادراک کی معذوری ادراک ہی کا نقص ہے، ورنہ کرامت وخرق عادت فی نفسہٖ حقیقت حقہ ہیں جو بالطبع انسان کو مرغوب ہیں۔صوفیہ کرام نے اس وصف سے بھی کام لیا ہے جو آج نایاب ہے، جس سے کارہائے نمایاں ظہور میں آئے ہیں۔"راحت القلوب" میں بھی محیر العقول واقعات ہیں جو عہد وسطیٰ کے ادب عالیہ کا طرہ امتیاز ہے۔اگر "راحت القلوب" میں یہ وصف نہ ہوتا تو وہ عصری اثرات سے محروم ہوتی جو اس کی خوبی نہیں، نقص متصور ہوتا۔کرامت وخرق عادت ایک حقیقت ہے اور کسی حقیقت سے روگردانی بعید از عقل ہے۔

۱۴۔حوالہ جات

حضرت بابا صاحبؒ کے بیان کا یہ بھی وصف ہے کہ آپ دوران تقریر میں مآخذات کا بھی ذکر فرمادیا کرتے تھے اور یہ بڑی خوبی کی بات ہے۔"راحت القلوب" میں کم وبیش چونتیس حوالہ جات ہیں۔ان میں بعض وہ کتابیں ہیں جو اس عہد میں متداول تھیں اور آج بھی مستند ومعتبر ہیں، مثلاً:

(۱) قوت القلوب (ابو طالب مکی) (۲) کفایہ (امام شعبی)

(۳) کشاف (زمخشری معتزلی کی تفسیر) (۴) مفصل (زمخشری کی کتاب النحو)

(۵) تفسیر زاہدی (مولانا برہان الدین زاہد صاحب ہدایہ)

بعض ایسی کتب ورسائل ہیں جو اکابر صوفیہ سے متعلق ہیں مثلاً:

(۱) اوراد شیخ عثمان ہارونیؒ (۲) اوراد شیخ معین الدین سجزیؒ

(۳) اوراد خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ

(۴) شرح خواجہ معین الدین سجزیؒ (۵) اوراد شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

(۶) شنیدہ ام از زبان شیخ الاسلام قطب الدین بختیارؒ وغیرہ

بعض اور کتابیں بھی ہیں جن کا ذکر قدماء کی تصانیف میں ملتا ہے۔بہر حال حوالہ جات سے بیان کی اہمیت واضح ہوتی ہے، جس سے "راحت القلوب" کا مستند ومعتبر ہونا پوری طرح ثابت ہے۔

۱۵۔ادعیۂ ماثورہ

ادعیۂ ماثورہ سے رغبت اور ان کی طلب انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔تدابیر میں کامیابی کے لیے بھی انسانی فطرت ادھر ہی جھکتی ہے۔قرآن پاک ادعیہ کا خزینہ ہے۔کتب احادیث میں ادعیہ کے مستقل ابواب ہیں۔بعض بزرگوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ادعیہ سے بے اعتنائی خلاف فطرت ہے۔

اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ قدم قدم پر خدا کی یاد تازہ رہے۔مسلمان لمحہ بھر بھی یاد الٰہی سے غافل نہ ہو، اس لیے اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، غرض کہ ہر ہر نقل وحرکت کے لیے ادعیہ کا ذخیرہ موجود ہے۔اسے وظائف النبی صلعم سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔انسان جب مشکلات کی دلدل میں پھنستا ہے۔تدابیر بھی جواب دے بیٹھتی ہیں تو اس بے چارگی کے عالم میں

Marfat.com

ادعیہ ہی کے وسیلہ سے سہارا ملتا ہے۔ بلکہ کار برآری کی راہیں کھل جاتی ہیں۔ مستشرقین یورپ جنہوں نے اسلامیات کا اور مسلمانوں کے عروج وزوال کا گہرا مطالعہ کیا ہے انہیں بے تکلف یہ کہنا پڑا ہے کہ جب کبھی مسلمانوں پر برا وقت پڑا ہے تو تصوف ہی نے انہیں سہارا دیا ہے اور پستی سے بلندی پر لا بٹھایا ہے۔ ادعیہ بھی تصوف ہی کا ایک شعبہ عمل ہے۔ اس سے ادعیہ کی اہمیت ظاہر ہے۔

''فوائد الفواد'' میں منتشر طور پر ادعیہ کا اتنا ذخیرہ ہے کہ اگر یکجا کر لیا جائے تو اچھی خاصی کتاب الادعیہ تیار ہو جائے۔ ''راحت القلوب'' میں اتنا تو نہیں لیکن جتنا کچھ ہے گراں قدر ہے اور خوبی کی بات یہ ہے کہ زیادہ تر یکجا ہے۔ تلاش کرنے کی زحمت سے دوچار ہونا نہیں پڑتا۔

''راحت القلوب'' کا وہ حصہ جو ادعیہ ماثورہ پر مشتمل ہے منہ سے پڑا بول رہا ہے کہ معاشرہ کی وہ کیا کیفیت تھی جس کے تدارک کے لیے ان ادعیہ کی ضرورت تھی۔ ادعیہ کے رواج سے نکوکاری کو فروغ ہوتا ہے۔ معاشرے میں سدھار آتا ہے۔ صحت مند سوسائٹی وجود میں آتی ہے جو انسانیت کے عروج کے لیے بہت ضروری ہے۔ ادعیہ کو اپنانے کے لیے اخلاص عمل درکار ہے اور کچھ بھی نہیں، بقول شخصے کہ یہ سستے قسم کا لٹریچر سہی لیکن نہایت درجہ مفید اور کارآمد ہے۔

۱۶۔ اسلوب بیان

''راحت القلوب'' کی زبان اتنی سادہ سلیس اور بامحاورہ ہے کہ بے تکلف اسے سہل ممتنع سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ سلوک کے پیچیدہ اور اہم مسائل کو سلجھا کر اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ مفہوم ومطلب دل میں اترتا چلا جاتا ہے۔ ہر خطے اور ہر طبقے کا فارسی داں بآسانی سمجھ لیتا ہے۔ زبان کی یہ خوبی نادر ونایاب ہوتی ہے۔ مگر ''راحت القلوب'' اس وصف سے مالا مال ہے۔ اس کے اسلوب میں ایسی پذیرائی اور دلآویزی ہے کہ دامن دل کو پکڑے ہی رہتی ہے۔

اس میں کارآمد ہدایتیں اور نصیحتیں کچھ اس خوبی سے جلوہ پیرا ہیں کہ دل قبول کیے بغیر رہتا ہی نہیں ہے۔ بلکہ پڑھنے والا یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں ان ہدایتوں پر عامل ہو گیا ہوں اور مجھے ہدایت نصیب ہو گئی ہے۔ جو کچھ سیکھنا تھا سیکھ لیا ہے۔ عمل پیرا ہونا بھی کچھ مشکل نہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ نیک بندوں میں سے ہو گیا ہوں۔

ایسے بھی مقام آتے ہیں کہ طبیعت پر کیف طاری ہو جاتا ہے۔ آنکھیں پُرنم ہو جاتی ہیں اور دل رونے لگتا ہے۔ عجب کیف وسرور کا عالم ہوتا ہے جو احاطہ تحریر میں سما نہیں سکتا۔ رو دھو لیتا ہے تو اپنے کو ہلکا پھلکا اور صاف ستھرا پاتا ہے اور اپنے کو عجب نورانی فضا میں محسوس کرتا ہے۔

ترغیب وتحریص اور تخویف کچھ ایسے مؤثر انداز میں ہے کہ دل کو موہے بغیر رہتی نہیں ہے۔ کشش وجاذبیت کا یہ عالم ہے کہ کتاب کو ہاتھ میں لینے کے بعد چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ طبیعت ھل من مزید ہی کہتی رہتی ہیں۔ اہل دل اس کے کیف سے آج بھی متکیف ہو سکتے ہیں۔ یہ اسی وصف کا پرتو ہے کہ جس کی طرف حضرت محبوب الٰہیؒ نے اشارہ فرمایا تھا:

''بارہا در ذوق بیان ایشاں مردم چناں فرومی شدے کہ اگر ہمیں زماں مردم بمیر دنیکو باشد'' (فوائد الفواد ص ۷۵)۔

اسے حضرت محبوب الٰہیؒ کے اخلاص عمل سے تعبیر کیجئے یا حضرت بابا صاحبؒ کی تاثیر کلام سے۔ بات ایک ہی

Marfat.com

ہے۔کاش کہ ''راحت القلوب'' کا کوئی کامل نسخہ دستیاب ہوتا تو حقیقت حال زیادہ آشکارا ہوتی۔

۱۷۔نفس مضمون

''راحت القلوب'' کیا ہے۔اسلامی تعلیمات اور روحانی قدروں کا نچوڑ ہے۔اس کا لفظ لفظ ہدایت کے نور سے متجلی ہے۔چشم بصیرت ہے تو اس میں بہت کچھ ہے۔

دل کی نگاہ فکر کی بینائی چاہیے　　جلوے ہیں عام ظرف تماشائی چاہیے

اس میں بکثرت جواہر پارے ہیں، جن پر عمل پیرا ہونے سے زندگی بن جاتی ہے اور عاقبت بخیر ہوتی ہے۔ایسی تعلیمات کے کچھ نمونے یہ ہیں:

(۱) ''انسان جب تک محبت کی صیقل سے آئینہ دل کو صاف نہ کرلے گا۔اس وقت تک اللہ کے ذکر سے انسیت نہ ہوگی۔البتہ جب درمیان میں کوئی شے حائل نہ رہے گی تو وصال حق کی لذت سے بھی لطف اندوز ہوگا۔ورنہ خدارسی کی نعمت نصیب نہ ہوگی۔''

(۲) ''درویشوں کے متعلق بہرحال حسن ظن رکھنا چاہیے، تاکہ اس حسن ظن کی برکت سے حق کی حمایت حاصل رہے۔''

(۳) ''درویشی پردہ پوشی ہے۔خرقہ اسی کے لیے ہے جو ہر کسی کی پردہ پوشی میں ساعی ہے اور عیب جوئی سے محترز رہتا ہے۔جب یہ وصف پیدا ہوتا ہے تو اس وصف سے متصف درویشوں میں شامل ہو جاتا ہے اور اس کا مدعا پورا ہونے لگتا ہے۔''

(۴) ''جو کچھ خدائے پاک کی رضا کے مطابق صرف کیا جاتا ہے۔خواہ وہ کتنا ہی زیادہ ہو اسراف نہیں ہے۔البتہ جو کچھ اس کے خلاف صرف ہوگا وہ اسراف ہے۔اس سے محترز رہنا چاہیے۔لا اسراف فی الخیر۔''

(۵) ''جوہر سعادت تو سبھی میں ہے۔فضل الٰہی بھی ہر ایک کے شامل حال ہے۔تاہم جدوجہد لازم ہے۔اس لیے کہ جو بھی مرتبے کو پہونچا ہے۔کوشش ومجاہدے کے وسیلے سے پہونچا ہے۔''۔

(۶) ''انسان اور اللہ پاک کے درمیان دنیا سے بڑھ کر کوئی پردہ نہیں ہے۔یہی حجاب اکبر ہے۔''

(۷) ''دنیاوی کاموں میں مشغول رہنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔وہ شرائین خشک ہو جاتی ہیں جن پر احساسات لطیفہ کا دارومدار ہے۔ذاکر وشاغل رہنا چاہیے۔تاکہ دل ذکر وشغل کے نور سے منور اور زندہ رہے۔''

(۸) ''جو درویش دنیاوی مشاغل میں منہمک رہتا ہے اور عزوجاہ کا طالب ہے۔وہ درویش نہیں، مردود طریقت ہے۔''

(۹) ''جو خرقہ پہنے، درویشی کا روپ رچائے، پھر امیروں اور دنیاداروں سے میل ملاپ رکھے، مرغن کھانے کھائے وہ درویش نہیں، راہ گم کردہ ہے۔''

Marfat.com

(۱۰) ''ذکر میں اتنا منہمک رہنا چاہیے کہ رونگٹا رونگٹا ذاکر بن جائے .... جو شخص جو کچھ کرتا مرے گا وہی کرتا بروز قیامت اٹھے گا' زندہ ہوگا۔''

(۱۱) ''دل کا اللہ کی یاد میں لگا رہنا، راہ سلوک میں دل کا زندہ رہنا ہے۔ جو اصل حیات ہے۔ یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ یہ خوبی نصیب ہوتی ہے۔ اکل حلال سے اور دنیا داروں سے کنارہ کشی اختیار کرنے سے۔''

(۱۲) ''صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو علم و آگاہی حاصل کرتے تھے' اس سے اوروں کو بھی فیض یاب فرماتے تھے۔''

(۱۳) ''شیخ طریقت کو اتنی قدرت و کمال حاصل ہو کہ جب کوئی بیعت و ارادت کی غرض سے آئے تو اپنی ذاتی صلاحیت اور نور معرفت کی تاثیر سے طالب کے کدورت آلودہ دل کو آئینہ بنا دے۔ اگر یہ وصف نہیں ہے تو پیر و مرید دونوں گم کردہ راہ ہیں۔''

(۱۴) ''اگر کسی کو شیخ کامل نہ ملے تو اسے اہل سلوک کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے اور بقدر امکان عمل بھی۔ شیخ کامل نہ ملنے کی تلافی ہو جائے گی۔''

(۱۵) ''شیخ کو چاہیے کہ مرید کو ہدایت کرے کہ وہ سرمایہ داروں اور امیروں سے ربط ضبط نہ بڑھائے۔ بلکہ الگ تھلگ رہے۔ دنیاوی دولت کا طالب نہ ہو، زیادہ نہ بولے اور بلا ضرورت قدم باہر نہ نکالے۔''

(۱۶) ''نماز مومن کی معراج ہے۔ الصلوۃ معراج المومنین۔''

(۱۷) ''نیک بندوں اور نکوکاروں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے: صحبة الصالحین نور ورحمة للعلمین. (نیکوں کی صحبت نور ہے اور رحمت ہے تمام عالم کے لیے)۔''

(۱۸) ''جو خدائے پاک کے کام میں لگا رہتا ہے' احکام خداوندی کی تعمیل میں منہمک رہتا ہے' رب العزت اس کے کاموں میں آسانی فرماتے ہیں اور وہ بے تردد سر انجام ہو جاتے ہیں۔''

(۱۹) ''کسی کے پلے میں بندھ جاؤ۔ کسی کے مرید ہو جاؤ۔ کچھ نہیں تو مخلوق کی خدمت کے ہو رہو۔ کسی مقام عزت پر فائز ہو جاؤ گے۔''

(۲۰) ''درود وظائف کے لیے جو وقت مقرر کر لیا ہے، اس کا پابند رہنا چاہیے۔ اگر بشریت کے تقاضے سے وقت پر سر انجام نہ ہو سکے تو پھر کسی اور وقت اسے انجام دے دو۔ دن کو قضا ہو گیا ہے تو رات کو پورا کر لو، ترک نہ کرو۔''

(۲۱) ''ہر شے کی حد و انتہا ہوتی ہے اور غایت بھی۔ عبادت کی غایت عقل ہے اور فراست، علم کے بغیر عبادت رنج بیہودہ ہے اور علم عقل کے بغیر درد سر ہے۔''

Marfat.com

(۲۲) ''علم کیا ہے، ابر رحمت ہے۔ رحمت ہی رحمت اس سے برستی ہے''۔

(۲۳) ''حدیث شریف میں ہے: ایک فقیہ عالم ایسے ہزاروں عابدوں سے افضل ہے جو دن میں روزہ رکھتے ہیں اور رات کو کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں۔''

(۲۴) ''جب کوئی حصول علم میں غفلت روا نہیں رکھتا اور علم حاصل کر لیتا ہے تو اس کو حق جل شانہ حق کو باطل سے نیکی کو بدی سے اور حرام کو حلال سے امتیاز کرنے کی توفیق عنایت فرما دیتے ہیں''۔

(۲۵) ''زبان سے اللہ پاک کا ذکر کرتے رہنا ایمان کی نشانی ہے۔ نفاق سے رستگاری ہے، بلیات سے پناہ و حفاظت ہے اور اس کی بدولت دوزخ سے خلاصی نصیب ہوتی ہے۔''

(۲۶) ''کوئی ذکر قرآن پاک کی تلاوت کے برابر نہیں ہے۔ یہ سب سے افضل و بہتر ہے۔ اس کا اجر و ثمرہ تمام عبادتوں سے اعلیٰ و افضل ہے۔''

(۲۷) ''دعا سے بڑھ کر اللہ پاک کے نزدیک اور کوئی شے نہیں ہے۔ اللہ پاک کو سب سے پیارا وہ ہے جو دعا میں مشغول رہتا ہے۔ لیس شیئی اکبر عند اللہ من الدعاء (الحدیث)''

یہ ہیں معدودے چند جواہر پارے جن کی تعلیم حضرت بابا صاحبؒ نے فرمائی ہے اور جو ''راحت القلوب'' کے اوراق کی زینت ہیں۔

اہم ترین روایتیں

کتب ملفوظات کا مطالعہ شاہد ہے کہ کتب ملفوظات کے اسلوب اور نقطہ نظر میں ہم آہنگی ہے۔ البتہ جن مجالس میں ایسے ہی سامعین شریک ہوتے ہیں جنہیں مخلوق کی خدمت و رہنمائی کی اور شیخ کی جانشینی کی ذمہ داری سنبھالنی ہوتی ہے تو ان مجالس میں کچھ اہم ترین روایتیں بھی بیان کر دی جاتی ہیں، جو مفاد عامہ کے سوا خصوصی فوائد اور خصوصی رہنمائی کے وصف کی جامع ہوتی ہیں۔ ان ہی میں کچھ ایسے نکات بھی ہوتے ہیں کہ سطحی نگاہیں ان کی کنہ کو نہیں پہونچتیں۔ ''راحت القلوب'' میں بھی بعض ایسی ہی روایتیں ہیں جن کی تفہیم عام اذہان کی گرفت میں نہیں آتی۔ یہاں ان ہی کی قدرے موشگافی مقصود ہے تاکہ عوام تردد بے جا میں مبتلا ہو کر گمراہ نہ ہو جائیں، اللہ پاک حق کی حمایت کی توفیق عنایت فرمائیں۔ و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

روایت ا

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں بارگاہ رب العزت سے خرقہ عنایت ہوا تھا۔ آپؐ معراج سے تشریف لائے تو صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا مجھے بارگاہ ایزدی سے خرقہ ملا ہے اور حکم ربی یہ ہے کہ میں یہ خرقہ تم میں سے کسی ایک کو تفویض کروں۔ اب ایک بات میں تم سے دریافت کرتا ہوں، تم میں سے جو بھی صحیح جواب دے گا، یہ خرقہ میں اسے دے دوں گا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ سے دریافت کیا کہ اگر یہ خرقہ میں تمہیں دوں تو تم کیا کرو گے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سچائی اختیار کروں گا۔ خدائے پاک کی عبادت کروں گا اور جو دنیاوی مال و منال ہے، وہ سب راہ خدا میں صرف کر دوں گا۔ پھر امیر المومنین

Marfat.com

حضرت عمر فاروقؓ سے دریافت کیا کہ اگر یہ خرقہ میں تمہیں دوں تو تم کیا کرو گے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ میں عدل سے کام لوں گا اور بندگان خدا سے انصاف برتوں گا اور مظلوموں کی حمایت کروں گا۔ پھر امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ سے دریافت کیا کہ اگر یہ تمہیں دوں تو تم کیا کرو گے؟ تو حضرت عثمان غنیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں باہمی میل ملاپ سے کام کروں گا، حق کی پیروی کروں گا۔ شرم اختیار کروں گا اور سخاوت کروں گا۔ پھر آپ نے امیر المومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے دریافت کیا کہ اگر یہ خرقہ میں تمہیں دوں تو تم کیا کرو گے؟ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پردہ پوشی کروں گا اور بندگان خدا کے عیبوں کو چھپاؤں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! لو یہ خرقہ میں تمہیں دیتا ہوں۔ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہی حکم تھا کہ تمہارے احباب میں سے جو یہ جواب دے، اسی کو یہ خرقہ دے دینا۔ (راحت القلوب، ص ۳،۴)

حضرت بابا صاحبؒ یہ بیان کر کے زار وقطار رونے لگے اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا کہ ''درویشی پردہ پوشی است''، یعنی پردہ پوشی ہی کا نام درویشی ہے۔ پردہ پوشی کی عادت اخلاقیات کا اہم رکن ہے۔ اس کے فقدان سے انسان مہلک مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جس قدر بھی اس پر عمل پیرا ہو گا اتنا ہی وہ امن وعافیت سے رہے گا۔ اسے درویشی کا اصل اصول سمجھنا چاہیے۔ اس کے فضائل وفوائد احاطہ تحریر وتقریر میں سما نہیں سکتے ہیں۔ صوفیہ کرام کے خرقہ کو اسی خرقہ معراجیہ سے نسبت ہے۔

اس روایت میں دو نکتے ہیں، جن سے کچھ لوگ خلجان میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ خرقہ معراجیہ کو اپنی نافہمی سے مادی خرقہ تصور کرتے ہیں اور یہ غلط تصور ہے۔ خرقہ معراجیہ مادی خرقہ نہیں لطیفہ غیبی ہے۔ وائرلیس کے شعاعی حروف اور اس کی عکس گاہ کے تصور سے یہ معمہ حل ہو جاتا ہے۔ خلق قرآن کا قائل گروہ بھی اس نکتہ کو سمجھ نہ سکا تھا۔ خرقہ معراجیہ کے باب میں عالم وعارف خواجہ غلام فریدؒ (المتوفی ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء) کا ارشاد ہے:

''خرقہ معراجیہ ایک باطنی چیز ہے اور راز خفی ہے اور اشیائے محسوسہ میں سے نہیں ہے۔''

(مقابیس المجالس، ص ۳۵۶، ترجمہ)

دوسرا خلجان وہ ہے جس کی طرف خواجہ گیسو دراز بندہ نوازؒ نے ایماء فرمایا ہے:

''حدیث خرقہ .... اس حدیث اور قصے کو کتب حدیث میں جو صحیح ومعتبر ہیں، میں نے کہیں نہیں دیکھا۔''

(جوامع الکلم۔ ملفوظ ۱۹ شعبان ۸۰۲ھ)

نہ دیکھنا تو عدم وجود کی وجہ قرار نہیں پاتی، اگر فی الواقع ان کتب حدیث میں نہ بھی ہو جو صحیح اور مشہور ومعتبر ہیں تو بھی وجہ انکار لازم نہیں آتی۔ کیونکہ انحصا کا تصور ناروا ہے۔ پھر اس کے بیان کرنے والے وہ بزرگ ہیں جو متقیوں سے بڑھ کر متقی اور صاحب علم وعرفان اور بصیرت باطنی سے مالا مال تھے، جن کے قول پر پوری طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا ہے اور جو اصول حدیث سے بھی پوری آگاہی رکھتے تھے اور اصول حدیث کا درس بھی دیتے تھے۔ ۵

یہ روایت مدت مدید سے مروج ہے۔ ''اسرار الاولیاء'' میں بھی ہے اور ''سیر الاولیاء'' ۶ اور ''فوائد الفواد'' میں بھی ہے کہ جنہیں ادب صوفیہ میں بے مثل اور نہایت درجہ مستند مانا جاتا ہے، اہم ترین یہ ہے کہ موضوعات میں سے نہیں ہے۔

Marfat.com

بہرحال خرقہ معراجیہ لطیفہ غیبی اور امور باطنیہ سے متعلق ہے اور خرقہ فقر اسی کی نسبت سے مالا مال اور گوناگوں اوصاف کا جامع ہے۔ ان نکات کے ذہن نشین ہونے کے بعد اس روایت کو سمجھ لینے میں کوئی دشواری حائل نہیں رہتی۔

روایت ۲

حضرت محبوب الٰہیؒ نے لکھا ہے کہ محمد شاہ نامی ایک شخص آئے جو حضرت بابا صاحبؒ کے دوستوں میں سے تھے۔ وہ بہت ہی پریشان حال تھے۔ کیونکہ ان کا بھائی قریب المرگ اور حالت نزع میں تھا، وہ آتے ہی زمین بوس ہوئے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا بیٹھو! وہ بیٹھ گئے۔ حضرت بابا صاحبؒ روشن ضمیر تھے۔ سمجھ گئے کہ یہ پریشان حال کیوں ہیں، تاہم دریافت فرمایا کہ پریشان کیوں ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کو روشن ہے کہ بھائی کی حالت سے پریشانی ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے بلا تامل فرمایا: تمہارا بھائی تو اچھا ہو گیا ہے۔ جاؤ دیکھ لو۔ وہ حکم پاتے ہی گھر پہونچے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ بھائی بالکل تندرست ہو گیا ہے اور بیٹھا کھانا کھا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بیمار ہوا ہی نہ تھا۔ (راحت القلوب، ص۴)

اس بیان میں حضرت بابا صاحبؒ کی فرمودہ یہ تین چیزیں ہیں: بنشیں، چرا متغیری، برو برادر تو نیکو شدہ است۔ باقی پورا بیان حضرت محبوب الٰہیؒ کا نوشتہ ہے۔ یہی ذکر "فوائد الفواد" (ص۲۳۲) میں ہے، جو حضرت محبوب الٰہیؒ سے منقول اور خواجہ امیر حسان علاء سجزی کا نوشتہ ہے اور اگرچہ اسلوب بیان میں فرق ہونا فطری شے ہے۔ تاہم دیکھنا یہ ہے کہ جامعیت و بلاغت کے اعتبار سے ترجیح کسے ہے؟ چنانچہ جب حضرت بابا صاحبؒ نے یہ دریافت فرمایا کہ چرا متغیری؟ پریشان کیوں ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا: از حال برادر خود کہ روشن است، لیکن خواجہ امیر حسن علاء سجزی نے اس خیال کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> "فرمود چہ حال است؟ گفت برادرے دارم رنجور و درہم چنانکہ رمقے بیش نہ ماندہ است ایں ساعت کہ من بخدمت آمدم چہ عجب کہ تمام شدہ باشد بہ سبب آں درہم وزیروزبر ہستم۔" (۲۳۲)

محل غور ہے کہ حسن ادب اور جامعیت، بلاغت اس اختصار میں ہے کہ "از حال برادر خود کہ روشن است" یا اس تفصیل میں ہے جو خواجہ امیر حسن علاء سجزی کے قلم کا شاہکار ہے۔ اس کے علاوہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے بیان میں اور بھی خوبیاں ہیں، جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ البتہ ایک جملے کی طرف توجہ مبذول کرانا مناسب ہے جو حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت بابا صاحبؒ کی زبانی نقل فرمایا ہے۔ "برو برادر تو نیکو شدہ است۔" امیر حسن علاء سجزی نے لکھا ہے: "برو برادر تو صحت خواہد یافت۔" غور طلب یہ ہے کہ تسکین وطمانیت کے سروسامان کا زیادہ جامع جملہ کون سا ہے اور کون سا اقتضائے حال کے زیادہ مطابق ہے۔ بلا تکلف یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ "راحت القلوب" کے بیان کو ہر اعتبار سے "فوائد الفواد" کے بیان پر ترجیح ہے۔

روایت ۳

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں بغداد کی طرف مسافر تھا۔ میں شیخ اجل سنجری (س ن ج ر ی) سے ملا۔ وہ بزرگ اور بارعب پیر تھے۔ میں ان کے جماعت خانہ میں داخل ہوا۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میری طرف دیکھا اور فرمایا: آؤ شکر عالم آؤ، خوب آئے بیٹھو۔ میں بیٹھ گیا۔ اس تعمیل حکم سے وہ خوش

Marfat.com

ہوئے اور مجھ پر بہت کرم فرمایا۔ میں کئی دن ان کی خدمت میں رہا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی ان کی خانقاہ سے محروم گیا ہو۔ اگر کچھ نہ ہوتا تو وہ آنے والے کو چھوارے کی گٹھلی ہی دے دیتے اور یہ دعا دیتے کہ خدائے پاک تمہارے رزق میں برکت عنایت فرمائیں۔ میں نے وہاں کے رہنے والوں سے سنا ہے کہ آپ نے جس کسی کو یہ دعا دی وہ زندگی بھر کسی کا محتاج نہ ہوا۔ (راحت القلوب' ص ۵)

شیخ اجلؒ کا نام نامی کتب ملفوظات خواجگان چشت میں اکثر ملتا ہے' لیکن متداول تذکرے ان بزرگ کے احوال میں خاموش ہیں۔ کتابت کا یہ بھی کرشمہ ہے کہ شیخ اجل کو کہیں سنجری لکھا ہے' کہیں سرزی لکھا ہے اور کہیں شیرازی لکھ دیا ہے۔ ''فوائد الفواد'' (ص ۸) میں شیرازی ہے اور ص ۲۳ میں سرزی ہے۔ ''سیر الاولیاء'' ص ۳۲۵، ۳۳۸ میں سرزی ہے اور ص ۴۷۱ میں شیرازی ہے۔ ''اسرار الاولیاء'' (ص ۳۲) میں سوزی ہے اور ص ۳۳۔ ۶۵ میں سرزی ہے۔ ''راحت القلوب'' (ص ۵۷) میں سنجری ہے۔ بہر حال تاوقتیکہ کسی تذکرے سے تصدیق نہ ہو جائے اور یہ تحقیق نہ ہو جائے کہ وہ باشندے کہاں کے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فی الواقع شیخ اجل سنجری تھے یا شیرازی تھے یا سرزی تھے، کیونکہ کتب ملفوظات میں دو مختلف نسبتوں سے مرقوم ملتا ہے۔ البتہ ''راحت القلوب'' میں ایک ہی نسبت سے یاد کیا گیا ہے۔ پھر بھی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ لہٰذا یہ کہنا بالغ العلمی کے منافی ہے کہ سنجری ۸ غلط ہے اور سجزی (س ج ز ی) صحیح ہے۔ صحیح دونوں ہی ہیں۔ لیکن سہل الادا ہونے کی بنا پر سنجری کو سجزی پر فوقیت ہے۔ اس لیے سنجری (س ن ج ر ی) لکھا، پڑھا اور بولا جاتا ہے۔ لہٰذا جو کچھ حضرت بابا صاحبؒ نے بیان فرمایا اور جو کچھ حضرت محبوب الٰہیؒ نے نقل فرمایا، وہ حرف حرف صحیح ہے اور اس روایت کو تسلیم کرنے میں کوئی معقول وجہ مانع نہیں ہے۔

روایت ۴

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں کئی دن شیخ سیف الدین باخرزی کی خدمت میں رہا، ان سے رخصت ہونے کے بعد رات کو ایک مسجد میں قیام کیا، صبح کو میرے علم میں آیا کہ یہاں ایک صومعہ (عبادت خانہ) ہے اور اس میں ایک بزرگ رہتے ہیں۔ میں اس صومعہ میں داخل ہوا تو میں نے وہاں ایک بزرگ کو دیکھا جو بہت ہی باعظمت و ہیبت تھے۔ مجھے اس وقت تک ایسے باعظمت و ہیبت بزرگ سے شرف ملاقات نصیب نہیں ہوا تھا۔ وہ عالم تفکر میں کھڑے تھے اور آنکھیں ہوا کے رخ کھلی ہوئی تھیں۔ تین چار دن رات کے بعد وہ عالم صحو میں آئے، ہوشیار ہوئے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: میرے سبب سے تمہیں تکلیف ہوئی۔ اچھا بیٹھو! میں بیٹھ گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں شمس العارفین کے نبیوں (پوتوں یا نواسوں) میں سے ہوں اور تیس برس سے اس صومعہ میں معتکف ہوں، مگر اے فرید! اس تیس سالہ مدت میں حیرت و دہشت کے سوا مجھے کچھ نصیب نہیں ہوا.................

یہ حکایت طویل ہے اور حیرت انگیز ہے۔ لیکن بہت ہی سبق آموز ہے۔ شمس العارفین نام و لقب کے کتنے ہی بزرگ گذرے ہیں۔ ''خدائے عزوجل راچند شمس العارفین اند'' (فوائد الفواد' ص ۱۴) محمد عطا شمس العارفین ترک بیابانی کا مزار پُر انوار (ترکمان دروازہ) دہلی میں ہے۔ شاہ جمال شمس العارفین کا مزار پُر انوار علی گڑھ میں ہے۔ شیخ نظام الدین ابو المؤید کے پیر طریقت کا نام شیخ عبد الواحد غزنوی تھا' جو شمس العارفین لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ (خزینۃ الاصفیاء' ج ا

Marfat.com

ص ۳۰۸) غزنی میں ایک بزرگ مولانا حسام الدین نبہ (ن ب ہ) تھے، جو حضرت شمس العارفین کے آزاد کردہ غلام تھے۔ نبہ ان کے نام کا لاحقہ ہے۔ ان کا ذکر حضرت محبوب الٰہی کی مبارک زبان پر بھی آیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''مردے بود در غزنیں او را مولانا حسام الدین بہ گفتندے، نبہ شمس العارفین بود، او مرید خواجہ اجل سرزی بود۔'' (فوائد الفواد۔ ص ۵۴ نول کشوری)

نبہ دراصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام کا نام ہے۔ ۹ گو اس کے معنی ہیں مشہور، مگر اردو داں طبقہ اس لفظ سے فی الجملہ واقف نہیں ہے۔ چنانچہ ایک دانشور نے اسے نبیہ سمجھا۔ مگر یہ نہیں سمجھا کہ اگر یہ نبیہ ہے تو مولانا حسام الدین کا لاحقہ کیوں ہے؟ بہر حال یہ مولانا حسام الدین نبہ بھی خواجہ اجل سرزی کے مرید تھے۔ مگر یہ ہرگز شمس العارفین کے پوتے یا نواسے نہیں تھے۔ بلکہ حضرت شمس العارفین کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت بابا صاحبؒ کی ملاقات نبیہگان شمس العارفین میں سے جن بزرگ سے ہوئی تھی، وہ ہرگز مولانا حسام الدین نبہ نہ تھے۔ کوئی اور بزرگ تھے جو بخارا کی حدود میں کسی صومعہ میں معتکف تھے۔

روایت ۵

حضرت بابا صاحبؒ نے بسبیل تذکرہ فرمایا کہ شیر خاں اچ اور ملتان کا حاکم تھا۔ وہ مجھ سے متعلق کچھ ایسا عقیدہ نہ رکھتا تھا جو لائق ذکر ہو۔ بارہا یہ شعر اس کے متعلق پڑھا یا کہا گیا:

افسوس کہ از حال منت نیست خبر   آنگہ خبرت شود کہ افسوس خوری

(افسوس تجھے میرا حال معلوم نہیں، البتہ جب تجھے میرے حال سے آگاہی ہوگی تو تجھے ملال ہوگا) کچھ دنوں بعد ہی کفار نے اس شہر پر حملہ کیا اور لوٹ مار کر کے سب کچھ لے گئے۔

(راحت القلوب، ص ۱۶)

شیر خان والی اچ و ملتان تاتاری یورش کے دوران ۶۶۲ھ میں مارا گیا اور تاتاری سب کچھ لوٹ کر لے گئے تھے۔ یہ ذکر ''اسرار الاولیاء'' ص ۱۶۹ اور ''فوائد الفواد'' (ص ۲۲۰، ۲۲۱) میں بھی ہے۔ بیان میں وہی فرق ہے جو مختلف مجالس میں بیان کرنے یا مختلف اشخاص کے بیان کرنے میں ہوا کرتا ہے۔ یہ واقعہ حضرت بابا صاحبؒ کی حیات کا ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ حضرت بابا صاحبؒ کی وفات کے بعد بھی پیش آیا تھا، جس کا ذکر امیر خورد کرمانی نے کیا ہے اور جس میں حضرت بابا صاحبؒ کے لاڈلے بیٹے شیخ نظام الدین شہید ہوئے تھے۔ امیر خورد کرمانی کا بیان یہ ہے:

''چوں بعد نقل شیخ شیوخ العالم کفار در دیار اجودھن رسیدند خواجہ نظام الدین از جہت مردی دغایت ولاوری بحرب کفار پیوست، بعد قتال بسیار شہادت یافتند۔''

(سیر الاولیاء، ص ۱۹ اچ)

یہ واقعہ دراصل اس شعر سے متعلق ہے جو مولانا بدر الدین اسحاق نے ''اسرار الاولیاء'' (ص ۶۹) میں حضرت بابا صاحب کی زبانی نقل فرمایا ہے اور وہ یہ ہے۔

درویش بہ شہر نہ بدوے اگر مقام   گشتے سراسر ہمہ عالم خراب حال

Marfat.com

''فوائد الفواد'' کے بیان سے یہ مترشح ہے کہ شیر خاں کے ذکر کے ساتھ حضرت محبوب الٰہیؒ نے اس واقعہ کا ذکر بھی فرمایا تھا جو حضرت بابا صاحبؒ کی وفات کے بعد پیش آیا تھا اور جس میں آپ کے صاحبزادے شیخ نظام الدین شہید ہوئے تھے۔ اس ذکر سے مدعا کیا تھا۔ یہی کہ کسی کامل درویش کے اٹھ جانے سے مخلوق کو آفات و بلیات سے دوچار ہونا پڑ جاتا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں؛ اور اگرچہ خواجہ حسن علاء سجزی نے بعد ازاں کی پیوند کاری سے حادثہ اجودھن کو واقعہ شیر خاں سے علیحدہ کر دیا ہے۔ مگر ان کی ایجاز نگاری کی بدولت اس طرح ترتیب پایا اور ضم ہوا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ حادثہ اجودھن ہی وہ حادثہ ہے جس میں شیر خان مارا گیا تھا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ اس ابہام کے رفع ہونے سے واقعہ کی اصل کیفیت واضح ہو جاتی ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ابہام ہے تو ''فوائد الفواد'' کے بیان میں ہے۔ ''راحت القلوب'' کا بیان اقتضائے حال کے مطابق اور واضح ہے۔ جس سے ''راحت القلوب'' کا اعتماد بحال رہتا ہے اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دیرینہ روزی کے اثرات سے متاثر ہونے کے باوجود ''راحت القلوب'' کے بیانات معتبر ہیں اور ''راحت القلوب'' ہی ''فوائد الفواد'' کا ماخذ ہے۔

روایت ۶

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ ''ایک دفعہ میں بدخشاں کی طرف مسافر تھا۔ اس شہر میں بہت سے اولیاء اللہ تھے۔ چنانچہ حضرت ذوالنون مصری کے نبیرہ (پوتے یا نواسے) شیخ عبدالواحد بھی شہر کے باہر ایک غار میں رہتے تھے۔ جب میں نے یہ سنا تو میں اس غار کے پاس پہونچا اور دیکھا کہ وہ بزرگ نہایت زار و نزار اور لاغر و کمزور ہیں۔ ایک پیر ان کا غار کے اندر ہے اور دوسرا باہر کٹا پڑا ہے۔ ایک ہی پیر پر وہ عالم تحیر میں کھڑے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا، سلام کیا۔ انہوں نے میری طرف رخ کیا اور فرمایا: بایست بایست۔ یہی چاہیے یہی چاہیے (آپ کھڑے تھے، آپ فرماتے ہیں کہ) میں بھی تین رات دن کھڑا ہی رہا۔ مگر وہ میری طرف متوجہ نہ ہوئے۔ تین دن کے بعد عالم صحو میں آئے، ہوشیار ہوئے اور فرمایا کہ اے فرید! میرے پاس نہ آؤ، اگر آؤ گے تو جل کے خاک ہو جاؤ گے اور دور بھی نہ رہو ورنہ مہجور ہو جاؤ گے (دور ہی رہو گے، وصل الٰہی نصیب نہ ہوگا) لیکن میری کہانی سنو، ستر سال سے میں اس غار میں کھڑا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ کہیں جا رہی ہے۔ میرا دل مائل ہوا۔ میں نے باہر نکلنا چاہا۔ ہاتف غیب نے کہا کہ وعدہ تو یہ تھا کہ میرے سوا کسی طرف مائل نہ ہو گے۔ چھری میرے پاس تھی۔ میں نے اس پیر کو کاٹ کر باہر پھینک دیا۔ کیونکہ وہ خواہش نفسانی سے باہر نکلا تھا۔ اب کوئی تیس برس سے جو ستر سالہ عمر ہی میں شامل ہے' عالم تحیر میں ہوں اور ڈرتا ہوں کہ کل قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤں گا.............(راحت القلوب' ص ۱۰۶)

حکایت طویل ہے، مدعا اتنے ہی بیان سے واضح ہے کہ یہ واقعہ محیر العقول ہے، مگر عہد وسطیٰ کے سفر میں اکثر سیاحوں کو ایسے واقعات سے واسطہ پڑتا رہا ہے۔ تردد بیجا سے کچھ حاصل نہیں۔ ایسے تعلقات بھی اس عہد کے تارک الدنیا بزرگوں سے مختص ہیں کہ بعض نے جذبہ ندامت سے مغلوب ہو کر اپنے کو جسمانی تکالیف میں مبتلا کر لیا ہے۔ مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے بھی ایسے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ حالانکہ انہیں نہ اس نوعیت کے سفر سے واسطہ پڑا اور نہ انہوں نے بیرونی ممالک کے سفر کیے، مگر پھر بھی ایسے واقعات نقل فرمائے ہیں۔ مولانا حمید قلندر نے لکھا ہے کہ آپ نے بیان

Marfat.com

فرمایا:

(۱) ایک بزرگ نے جذبہ ندامت سے مغلوب ہوکر دونوں پیر کاٹ ڈالے تھے۔

(خیرالمجالس' ص ۲۶۵)

(۲) ایک بزرگ نے لذت ذائقہ کی سزا دہی میں زبان چبالی تھی۔

(ایضاً' ص ۲۷۸)

(۳) ایک بزرگ نے میں ایک عورت کو دیکھا اور دیکھنے کے جرم میں ایک آنکھ نکال پھینکی تھی۔

(ایضاً' ص ۲۵۳)

محیر العقول واقعات ''راحت القلوب'' ہی سے مخصوص نہیں، ان کتب ملفوظات میں بھی ہیں جو نہایت درجہ مستند سمجھے جاتے ہیں' جن میں سے ایک ''خیر المجالس'' بھی ہے۔ نیز یہ تصور کہ ہمارے مشائخ متقدمین نے جوگیوں اور سنیاسیوں کے مٹھوں میں حاضری دی ہے اور ان کی تعلیمات سے مستفید ہوئے ہیں اور یہ واقعات اسی استفادہ کا ثمرہ ہیں اور سراسر غلط ہے۔ (ومشائخنا بریئون عن ھذہ التھمۃ) بلکہ یہ تصور ہی احساس کمتری اور سیکولرزم کی ناروا فوقیت سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے جو قطعاً خلاف واقعہ ہے۔ دراصل ان اعمال کا منبع طبیعت کی لینت، گدازی اور خشیت ربی ہے۔ یہ روایت بھی خرق عادت ہونے کے باوجود وہی مقام رکھتی ہے جو ''خیرالمجالس'' کی روایات کا مقام ہے۔ اگر ''خیر المجالس'' نہایت درجہ مستند ہے، تو ''راحت القلوب'' اس سے کہیں زیادہ مستند ہے، جو اس سے ایک صدی پہلے کی یادگار ہے۔

روایت ۷

حضرت باباصاحبؒ نے فرمایا کہ قطب الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ایک دن میں اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ اور شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ ملتان میں تھے۔ اس زمانہ میں قباچہ ملتان کا حاکم تھا۔ وہ آیا اور اس نے کہا کہ مغل (تاتاری) شہر کے نزدیک پہونچ گئے ہیں' آپ کا کیا حکم ہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے پاس ایک تیر تھا۔ آپ نے وہ اسے دیا اور فرمایا کہ جاؤ! اسے ان کی طرف چلادو۔ اس نے ایسا ہی کیا، چنانچہ ایک بھی نہ رہا۔ سب ہی بھاگ گئے۔ (راحت القلوب' ص ۱۸، ۱۹)

یہ روایت خواجہ امیر حسن علاء سجزی نے بھی نقل کی ہے۔ میں ان دونوں کتابوں سے اس روایت کے آخری جملے نقل کرتا ہوں، تاکہ حقیقت حال واضح ہوجائے۔

''بحکم اشارت خواجہ ہمچناں کرد، یک نفر مغل نمانده بود، همه روبگریز نهاوند''	''قباچہ ہمچناں کرد، چوں روز شد یک تن از کافر نمانده، همه رفته بودند''۔
(راحت القلوب' ۱۸، ۱۹)	(فوائد الفواد' ص ۱۰۸)

غور طلب یہ ہے کہ ابہام مغل میں ہے یا کافر میں ہے۔ ''روبگریز نہاد'' روزمرہ بھی ہے اور محاورہ بھی ہے۔ کیا اسے ''ہمہ رفتہ بودند'' پر ترجیح نہیں ہے۔ العاقل تکفیه الاشارة۔ یہ واحد مثال ہی اسلوب کی جزالت

Marfat.com

اور بیان کی جامعیت کی اور روایت کے حسن ترتیب کی بیّن دلیل ہے۔

روایت ۸

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ جب برادرم شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز کا وقت آخر قریب آیا تو آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ صدر الدین دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ ایک ملفوف خط انہیں دیا اور کہا: اسے کھولنا نہیں، بند کا بند ہی اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کر دینا۔ مجھے یہی حکم ہے کہ یہ خط میں آپ کو دوں اور آپ اسے شیخ بہاء الدین زکریا کو پہونچا دیں، تاکہ وہی اسے پڑھیں۔ شیخ صدر الدین نے سرنامہ پڑھا تو زار و قطار رونے لگے اور کہا: یہ طلب دوست کیا ہے۔ ملک الموت ہے جو اس روپ میں آیا ہے۔ اس نے کہا: ہاں! یہی بات ہے۔ شیخ صدر الدین نے کہا: تم خود ہی کیوں نہیں چلے جاتے۔ اس نے کہا: مجھے حکم یہی ہے کہ میں تمہیں دوں اور تم خدمت شیخ میں پیش کرو۔ جب شیخ صدر الدین خط لے کر حاضر خدمت ہوئے تو شیخ بہاء الدین مشغول تھے۔ جب فارغ ہوئے تو شیخ صدر الدین نے بڑے ادب سے خط پیش کیا۔ شیخ بہاء الدین نے خط لیا، کھولا اور پڑھا۔ صاحبزادے سے کہا: تم چلے جاؤ۔ پھر سجدہ کیا اور جان بحق تسلیم کی۔ اندر سے آواز آئی کہ شیخ بہاء الدین دوست سے جا ملے۔اا..... (راحت القلوب' ص ۲۰، ۲۱)

خواجہ امیر حسن علاء سجزی نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ اگرچہ مختلف اشخاص کے بیان میں ممیز فرق ہوتا ہے، لیکن موازنہ میں دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ ایک ہی مضمون یا ایک ہی خیال کو کس نے زیادہ خوبی سے ادا کیا ہے۔ اس روایت کے آخری جملے دونوں کتابوں سے نقل کیے جاتے ہیں' جو خود منہ سے بولیں گے اور بتائیں گے کہ کس کا کیا مقام ہے:

این مکتوب بدست شیخ داد چوں شیخ این مکتوب رابسند باز کردو بشرف مطالعہ مشرف گشت فرمود دور شوید، آنگاہ سر بسجدہ نہاد و جان بداد، داز درون نعرہ برآمد کہ شیخ بہاء الدین بدوست پیوست۔

(راحت القلوب' ص ۲۰، ۲۱)

آں نامہ رابدست شیخ بہاء الدین داد، رحمتہ اللہ علیہ، شیخ چوں آں نامہ را بخواند پیچید و نعرہا خاست، وشب راواقعہ شیخ شد۔

(فوائد الفواد' ص ۲۲۱)

دونوں بیان پیش نظر ہیں جو منہ سے پڑے بول رہے ہیں کہ واقعہ کی صحیح عکاسی کس میں ہے۔ پوری کیفیت کا ترجمان کون سا بیان ہے اور تشنہ و ناتمام کون سا ہے۔ ''نعرہا خاست'' کیا ہے۔ اگر مبہم نہیں ہے تو اس کا مفہوم کیا یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ چیخ پکار کی آوازیں بلند ہوئیں جو خلاف واقعہ ہے۔ اس سے کب یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اندر سے آواز آئی کہ شیخ بہاء الدین اللہ سے جاملے۔ یہ کیا پیارا اسلوب ہے۔ مرزا غالب کو شاید ایسوں ہی سے واسطہ پڑا تھا جو انہوں نے کہا تھا:

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسدؔ ۔ پہلے دل گداختہ پیدا کرے گی

مختصر یہ ہے کہ ''راحت القلوب'' کی روایت کو زبان و بیان اور حسن ترتیب کے اعتبار سے پوری پوری فوقیت

Marfat.com

ہے' جو اس کے معتبر ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

روایت ۹

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ نے اپنے پیر شیخ نجم الدین کبریٰؒ کو خواب میں دیکھا کہ یہ فرماتے ہیں کہ تمہارا بہت اشتیاق ہے تم آ جاؤ۔ شیخ سیف الدین اس ہفتے متواتر وعظ کہتے رہے اور ان مواعظ میں جدائی اور فراق کا ذکر فرماتے رہے۔ سب وعظ سننے والے حیران تھے کہ یہ فراق وجدائی کے مضامین متواتر کیوں بیان کر رہے ہیں۔ آخر ایک دن جب آپ نے وعظ ختم کیا تو حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے مسلمانو! یہ بات جان لو کہ میرے پیر نے مجھے بلایا ہے اور خواب میں کہا ہے کہ اب چلے آؤ، لہٰذا اب میں جاتا ہوں، فراق وجدائی کے مضامین بیان کرنے کا مدعا یہی تھا۔ منبر سے اتر آئے اور گھر چلے گئے۔ جس رات آپ کا انتقال ہونے والا تھا' سب دوست بیٹھے تھے' مشعل روشن کر رکھی تھی اور شیخ سیف الدین پر فراق کی کیفیت طاری تھی۔ کوئی تین گھنٹے رات گذری تھی کہ ایک بزرگ آئے، جو اون کا لباس پہنے اور ہاتھ میں ایک سیب لیے ہوئے تھے، زمین بوس ہوئے اور وہ سیب شیخ سیف الدین کو دیا۔ جیسے ہی آپ نے اسے سونگھا' جان بحق تسلیم کی۔ (راحت القلوب' ص ۲۱)

یہ روایت خواجہ امیر حسن علاء سجزیؒ نے بھی نقل کی ہے۔ اختلاف بیان تو فطری شے ہے۔ لیکن سیر حاصل ہونا یا نہ ہونا امر دیگر ہے۔ اس روایت کے بھی آخری جملے بالمقابل نقل کیے جاتے ہیں۔ تاکہ موازنہ کی ترازو میں تول کر فیصلہ کیا جا سکے:

تذکیر تمام آورد' روئے سوئے جمع آوردہ گفت کہ اے مسلمانان بدانید کہ پیر من مرا در خواب می خواند و من می روم خیر باد ایں بود کہ گفتم فرود آمد و در خانہ رفت' ہماں شب کہ نقل خواہند کرد جملہ اصحاب نشستہ بودند مشعل می سوختند و شیخ سیف الدین در فراق پائے از شب گذشتہ کہ بزرگے صوف پوشیدہ سیب در دست گرفتہ بیامد روئے بر زمین آورد' و آں سیب بدست وے داد، بوی کردن ہماں بود، و جان بحق تسلیم کردن ہماں ۱۲۔ (راحت القلوب' ص ۲۱)	چوں تسمیہ تمام کرد، بعد ازاں روئے سوئے جمع کرد و گفت اے مسلمانان بدانید وآگاہ باشید کہ پیر من مرا در خواب گفتہ است کہ بیا' من می روم' خیر باد، ایں بگفت و از منبر فرود آمد، ہمدراں نزدیکی نقل فرمود۔ (فوائد الفواد' ص ۲۲۲)

غور طلب، بلکہ تصفیہ طلب یہ ہے کہ تکمیل کے سروسامان سے کون سا بیان آراستہ ہے اور کس سے طلب اور تشنگی رفع ہوتی ہے۔ نگارش کے ایجاز سے کس میں سقم پیدا ہو گیا ہے اور کس میں نہیں۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اطناب کے وصف

Marfat.com

نے مفہوم کو خبط کر دیا ہے اور مقصود و معنی بدل گئے ہیں یا اسے نقل میں بے احتیاطی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور کیا اس سے وضع وتحریف کی نشان دہی ہوتی ہے؟ نہیں! یہ سب وساوس ہیں اور علمی و ادبی قدروں سے کم آگاہی کی علامت ہے۔ ''راحت القلوب'' کی عبارت نہایت سنجیدہ و برجستہ، روزمرہ و محاورہ کے مطابق اسقام، اطناب و ایجاز سے پاک سادہ و دلآویز ہے۔ آخری جملہ ''کہ بوی کردن ہماں بود و جان بحق تسلیم کردن ہماں'' پورے بیان کی جان ہے' جو کسی اہل زبان صاحب کمال ہی کے قلم سے نکل سکتا ہے۔ اس کے سامنے اس جملے کی کیا حیثیت ہے کہ ''ہمدراں نزدیکی نقل فرمود'' حق یہ ہے کہ ''راحت القلوب'' میں جابجا حضرت بابا صاحبؒ کے بے مثل اسلوب کا پرتو اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے کمال علمیت کی آب و تاب جلوہ فرما ہے، جو آج بھی اہل دل کو مسخر کیے لیتی ہے۔ حالانکہ مدت مدید سے ''راحت القلوب'' کسمپرسی کے عالم میں ہے اور جواب اوراق منتشرہ کا مجموعہ ہے۔ جب اچھا وقت ہوگا تو کیا عالم ہوگا۔ ''راحت القلوب'' زبان حال سے کہہ رہی ہے۔ قیاس کن زخزان من بہار مرا۔

روایت ۱۰

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ رمضان کا مبارک مہینہ آ ہی گیا ہے۔ کوئی ہے کہ میں تراویح میں قرآن پاک ختم کیا کروں، (حضرت محبوب الٰہیؒ لکھتے ہیں کہ) سب ہی آمادہ ہو گئے، زمیں بوس ہوئے اور عرض کیا کہ اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوگی۔ پھر حضرت بابا صاحبؒ ہر شب تراویح میں دو قرآن پاک ختم فرماتے۔ ہر رکعت میں اکثر دس پارے پڑھتے اور ابھی کوئی تین گھنٹے رات رہتی کہ تراویح سے فارغ ہو جاتے تھے (حضرت محبوب الٰہیؒ فرماتے ہیں کہ) اس مہینہ میں بھی تراویح میں شریک رہا۔ (راحت القلوب' ص ۲۷)

یہ روایت بہت پُر لطف اور سبق آموز ہے۔ زبان و بیان کی جامع بھی ہے۔ اس لیے جو فارسی اسلوب سے کماحقہ آگاہی نہیں رکھتے وہ غلط سمجھتے اور الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ مثلاً حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا: ''اینک ماہ مبارک رمضان است'' جو صاحب اس کے معنی یہ سمجھے کہ ''یہ رمضان کا مہینہ ہے'' وہ غلط سمجھے اور غلط تاریخی اندراجات کا ارتکاب کر بیٹھے۔ مگر 'اینک' نے اس کارستانی کے چہرے سے نقاب اٹھا دیا ہے۔

'اینک' مرکب ہے۔ حرف اشارہ ایں قریب اور کاف تصغیر سے۔ مدعا یہ ہے کہ جس طرف اشارہ ہے وہ قریب تر تو ہے۔ مگر ہلکا سا فصل بھی ہے۔ یہ ایسا ہی اسلوب ہے جیسا کہتے ہیں کہ اب تو رمضان آ ہی گیا ہے۔ کل نہیں تو پرسوں پہلا روزہ ہے۔ جس طرح آ ہی گیا ہے کا مدعا یہ نہیں کہ ماہ رمضان میں یہ جملہ کہا گیا ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ آنے والا ہی ہے اور قریب تر ہے۔ اسی طرح حضرت بابا صاحبؒ کے اس ارشاد کا تعلق انتیس یا تیس شعبان سے ہے۔ لہٰذا مجلس کے آغاز میں ۵ رمضان کا اندراج غلط اور بالکل غلط ہے۔ اسے وہی صحیح جانے گا اور اس پر اعتماد کرے گا جو اسالیب بیان کی نزاکتوں سے بے بہرہ ہوگا۔ اگر یہ کہنا ہوتا کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے تو کہہ دیا جاتا ''ایں ماہ مبارک رمضان است۔'' کاف تصغیر کی ضرورت ہی کیا تھی۔

جنہوں نے تدریس کی تربیت پائی ہے اور مجموعی سوالات کی اہمیت سے آگاہ ہیں' وہ اس رمز سے بھی آگاہ ہیں کہ بعض اوقات مجمل سوال مفصل سے افضل ہوتا ہے جو سب ہی کو متاثر کرتا ہے۔ زباں داں بھی ایماء و اشارہ کو صراحت پر

Marfat.com

ترجیح دیتے ہیں۔ ان نکات کا تعلق علم بیان و معانی سے ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ کا یہ ارشاد کہ ''کسے باشد کہ در نماز تراویح ختم قرآن کنم'' ان ہی اوصاف کا جامع ہے جو انسانی نفسیات کے ماہر ہیں، وہ جانتے ہیں کہ عمومی حالات میں تحریص و ترغیب زیادہ کارآمد ہوتی ہے بمقابلہ تحکیم کے۔ لہٰذا حضرت بابا صاحبؒ کا مذکورہ جملہ علمی و ادبی اوصاف کا ایسا دلپذیر مرقع ہے جو تعریف و توصیف سے بالاتر ہے۔ اگر کوئی نہ سمجھے تو یہ اس کے فہم کا قصور ہے۔ عہد حاضر کے کم علم یک پاس کے معنی بھی خال خال ہی جانتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں تین گھنٹے کا وقفہ۔ ڈیڑھ گھنٹہ قرار دینا مضحکہ خیز ہے۔ اس روایت میں ایک جملہ یہ بھی ہے جو حضرت محبوب الٰہیؒ کا نوشتہ ہے کہ ''دو ہر رکعت دہ سیپارہ اکثر خواندے۔'' اس میں اکثر صفت ہے جو موصوف کی افزونی کو بتاتی ہے اور جو بطور استثنا اپنے موصوف سے پہلے آتی ہے۔ موصوف کبھی اسم ہوتا ہے اور کبھی فعل۔ اردو فارسی میں یکساں مروج ہے۔ مذکورہ جملے میں اکثر صفت خواندے کی ہے۔ اس کو دہ سیپارہ کی صفت قرار دینا اور دہ سیپارہ اکثر کے یہ معنی بیان کرنا کہ دس سیپاروں سے کچھ زیادہ غلط ہے۔ اگر دہ سیپارہ کی صفت ہوتی تو دہ سیپارہ سے پیشتر ہوتی۔ لہٰذا اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ حضرت بابا صاحبؒ اکثر و بیشتر ہر رکعت میں دس پارے پڑھتے تھے۔ یہ نہیں ہے کہ دس سے زیادہ پڑھتے تھے۔ یہ غلط معنی بیان کرنا علم صرف و نحو سے بے بہرہ ہونے کی دلیل ہے۔ اگر دس سے زیادہ بتانا مقصود ہوتا تو کہتے ہیں ''دہ سیپارہ اکثر خواندے وقدر دیگر خواندے۔''

اب رہی یہ بات کہ حضرت بابا صاحبؒ ہر شب تراویح میں دو قرآن پاک ختم کرلیا کرتے تھے اور تین گھنٹے رات باقی رہتی تھی کہ آپ فارغ ہو جاتے تھے۔ یہ حیرت انگیز صفت ہے۔ مگر اولیاء اللہ سے اس کا وقوع ناممکن نہیں ہے۔ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر۔ اس تعداد سے کہیں زیادہ تلاوت کرلینا اولیاء اللہ سے ثابت ہے۔ ''فوائد الفواد'' اور ''سیر الاولیاء'' کو نہایت درجہ مستند اور ادب صوفیہ میں بے مثل بتایا جاتا ہے اور اس میں کلام بھی نہیں اور یہ بھی مانا جاتا ہے کہ ان کتابوں میں جو حصہ کرامات وغیرہ سے متعلق ہے وہ غیر محتاط بیانوں سے پاک ہے۔ لہٰذا اگر ''فوائد الفواد'' اور ''سیر الاولیاء'' میں ایسا ہی کچھ ملتا ہے تو پھر مذکورہ وقفے میں دو قرآن پاک پڑھ لینے میں شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کا ارشاد ہے:

''پیر گفت من روز ے ہفت صد بار ختم قرآن می کنم .... وگفت ملفوظاً لاموموماً''

(فوائد الفواد ص ۷)

اور یہ بھی ہے:

''یکے از مریدان خاص بود، سوال کرد کہ ایں مگر کرامت باشد، خواجہ فرمود، آرے، کرامت باشد''

(فوائد الفواد ص ۷)

یہ بھی فرمایا:

''شیخ بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ شبے روئے بسوئے حاضراں کردہ گفت کسے ازشما باشد کہ امشب دو رکعت نماز کند، و در یک رکعت ختم قرآن کند، از حاضران کسے ایں معنی متکفل نہ گشت، شیخ بہاء الدین پیش رفت و در یک رکعت ختم قرآن کرد، چہار سیپارہ دیگر بخواند،

و در رکعت دوم سورۂ اخلاص خوانده نماز تمام کرد۔'' (فوائد الفواد ص ۶)

خواجہ امیر حسن علاء سجزی مزید لکھتے ہیں:

''ملائم ایں معنی حکایت دیگر فرمود کہ شیخ بہاء الدین علیہ الرحمۃ گفتے کہ ہر چہ بمن رسید از نماز و اوراد مشائخ از ہا ہمہ بکردم، مگر یک چیز نتوانستم کرد آں چناں بود کہ بمن رسانیدند کہ فلاں بزرگ از آغاز صبح تا طلوع آفتاب ختم قرآن می کند، ہر چند کہ بخواہتم نتوانستم۔''

(فوائد الفواد ص ۶)

حضرت محبوب الٰہیؒ کے ارشادات سے یہ واضح ہے کہ ایسے بزرگ بھی گذرے ہیں جو روزانہ سات سات سو مرتبہ قرآن پاک ختم کر لیتے تھے۔ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا نے ایک رکعت میں ایک قرآن پاک ختم کیا اور چار سیپارے مزید پڑھ لیے۔ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے بقول ان کے معاصرین میں ایک بزرگ ایسے بھی تھے جو آغاز صبح سے طلوع آفتاب تک ختم قرآن فرمالیا کرتے تھے۔ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے اس امر کو ناممکن قرار نہیں دیا' بلکہ اتباع کی کوشش فرمائی۔ یہ اپنی جگہ ایک بات ہے کہ ان کی مشق و مہارت نے ساتھ نہیں دیا، مگر وہ اس پر یقین رکھتے تھے کہ یہ ممکن ہے اور ظن غالب یہ ہے کہ انجام کار وہ اپنی سعی میں کامیاب بھی ہو گئے ہوں گے۔

امیر خورد کرمانی بھی اس نقطہ نظر سے متفق و متحد ہیں، چنانچہ ناصر الملۃ والدین حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کے مبارک ذکر میں لکھتے ہیں:

''تمامی کلام اللہ خواجہ ابو یوسف رامحفوظ شد، چنانکہ روز پنج ختم کردن گرفت

(سیر الاولیاء' ص ۴۲ چ)

امیر خورد کرمانی کے اس بیان کی تصدیق ''فوائد السالکین'' سے بھی ہوتی ہے۔ قطب الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ نے حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ کے مبارک ذکر میں فرمایا:

''در آخر عمر کار بحدے رسید کہ ہر روز پنج بار ختم قرآن کردے۔ بعد ازاں در تلاوت دیگر شدے''۔

(فوائد السالکین۔ مجلس پنجم ص ۲۷)

اس سے یہ بھی واضح ہے کہ ''سیر الاولیاء'' کا ماخذ ''فوائد السالکین'' ہی ہے۔ البتہ ''فوائد السالکین'' کے بیان میں ''سیر الاولیاء'' کے بیان سے زیادہ جامعیت ہے۔ جب پانچ پانچ قرآن پاک ہر روز ختم کیے جا سکتے ہیں تو آٹھ سات گھنٹے میں دو قرآن پاک ختم کر لینے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اب کوئی جوش عقیدت سے کنارہ کش ہو کر گنتی گنے اور حساب لگاتا رہے۔ لیکن ہرگز حقیقت تک رسائی نہ ہو گی۔ کیونکہ ان واقعات کا تعلق حضرت محبوب الٰہیؒ کے ارشاد (آرے کرامت باشد) کے مطابق کرامت سے ہے' جو حساب لگانے اور گنتی گنتے رہنے سے گرفت میں نہیں آسکتے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ جو قومیں آمادہ زوال ہوتی ہیں یا ہو چکی ہوتی ہیں' ان اقوام کے بعض تعلیم یافتہ اشخاص کا ذہن لطیف حقائق کے ادراک کی صلاحیت سے عاری ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لیے انہیں اپنے اکابر کے کارناموں سے انکار کرتے ہی بن پڑتی ہے۔ یہ قوم کی بدحالی کی علامت ہے' فال نیک نہیں ہے۔

Marfat.com

الغرض ان تشریحات سے وہ عقدے حل ہو جاتے ہیں جن تک سطحی اذہان کی رسائی نہیں ہے اور اس روایت کا اس طرح نقش عمل جمتا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ عشاء کی نماز کے بعد تراویح میں قرآن پاک اس طرح تلاوت فرماتے کہ چار رکعت میں دس دس پارے پڑھتے اور چھ رکعت میں بیس پارے پڑھ لیتے۔ باقی دس رکعات میں سورۃ اخلاص پڑھتے اور تین گھنٹے رات رہے فارغ ہو جاتے تھے۔ اس صورت حال سے ''در ہر رکعت دہ سیپارہ اکثر خواندے'' اور سورہ اخلاص کی مواظبت برقرار رہتی ہے، جس کا ذکر حضرت محبوب الٰہیؒ کی مبارک زبان پر آیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

''پیش شیخ من در تراویح سورۂ اخلاص می خواندند''۔ (سیر الاولیاء، ص ۳۷۹ ج)

ان تشریحات سے یہ بھی واضح ہے کہ یہ روایت اکابر صوفیہ کرام کے احوال و اعمال کے عین مطابق ہے اور کسی دانشور کو کلام کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ الحمدللہ وہ جملہ شبہات رفع ہو گئے، جو فارسی زبان سے کم آگاہی اور اصول تصوف سے عدم واقفیت اور احوال و اعمال صوفیہ سے بے خبر ہونے کی بنا پر لاحق تھے یا ہو سکتے تھے یا ہو سکتے ہیں۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم.

روایت ۱۱

حضرت محبوب الٰہیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت بابا صاحبؒ شیخ جمال الدین اوچہؒ کا ذکر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک بوڑھا جوگی کہیں دور سے آیا جس نے مجاہدے بھی بہت کیے تھے اور حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں زمیں بوس ہوا اور خاصی دیر زمین پر سر دھرے رہا۔ حضرت بابا صاحبؒ نے للکار کر کہا: سر اٹھاؤ۔ اس نے سر اٹھایا اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت بابا صاحبؒ نے دریافت کیا: کیسے ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ اچھے ہو، خوش ہو؟ کئی بار دریافت کیا تو اس نے دبی دبی زبان سے کہا: خوف کے مارے مجھ سے بولا نہیں جاتا۔

حضرت بابا صاحبؒ نے مجھ سے (حضرت محبوب الٰہیؒ سے) کہا کہ یہ جوگی بڑے دعوے سے آیا تھا۔ جیسے ہی اس نے سر زمین پر رکھا تو میرے جی میں آیا کہ یہ یوں ہی زمین پر سر رکھے رہے۔ ایسا ہی ہوا۔ اس نے کئی بار سر اٹھانے کی کوشش کی، مگر اٹھا نہ سکا۔ اگر تو یہ نہ کرتا تو قیامت تک یوں ہی رہتا۔

پھر حضرت بابا صاحبؒ نے جوگی سے دریافت کیا کہ تم نے کیا کمال حاصل کیا ہے؟ تو اس نے کہا: جوگیوں کے ہاں کمالیت یہ ہے کہ جوگی ہوا میں اڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا: اچھا تو ہمیں بھی دکھاؤ! جوگی نے ہوا میں پرواز کی تو حضرت بابا صاحبؒ نے اپنی نعلین مبارک کو تیر کی طرح چلتا کیا۔ اللہ کے حکم سے وہ نعلین جوگی کے سر پر جا پہونچی۔ جوگی جدھر کا رخ کرتا نعلین اس کے سر پر پڑتی۔ فوراً اتر آیا اور کہا کہ جس کی نعلین کا یہ مقام ہے، وہ خود کیسا ہوگا۔ پھر ایمان لایا اور واصلان حق میں سے ہو گیا۔ (راحت القلوب، ص ۲۷، ۲۸)

یہ روایت بہت سے اوصاف درویشی کی جامع ہے۔ شاذ و نادر ہی ایسی روایات ہیں، تاوقتیکہ اوصاف درویشی سے متعلق بعض مبادیات سے آگاہی نہ ہو۔ ذہن اس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ اس باب میں صوفیہ کرام کے اسلوب اصلاح کو ذہن نشین رکھنا مقدم ہے اور اگرچہ یہ موضوع تفصیل طلب ہے۔ مگر تفصیل کا محل

Marfat.com

نہیں ہے، مختصر طور پر عرض کرتا ہوں کہ بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم وسیع المطالعہ، وسیع المشرب اور نفسیات انسانی سے کمال آگاہی رکھتے تھے۔ صوفیہ کرام کے طریق اصلاح کے باب میں ان کے مطالعہ کا ماحصل یہ ہے:

''صوفی ہر ایک کے رنگ طبیعت کو دیکھتا ہے اور جیسی جس کی طبیعت کی افتاد ہوتی ہے۔ اسی ڈھنگ سے اس کی تربیت کرتا ہے اور اس میں بعض اوقات وہ شریعت سے تجاوز کرنے یا ارکان واصول کو ترک کرنے میں بھی مضایقہ نہیں کرتا۔ اس کی نظر انجام پر رہتی ہے۔.......... اصل صوفی بہت بڑا ماہر نفسیات ہوتا ہے.......... وہ علماء کی نسبت کہیں زیادہ زمانے کی نبض کو پہچانتا ہے اور دلوں کو ٹٹولتا ہے اور اسی پر بس نہیں کرتا، بلکہ دلوں کی تہ تک پہونچتا ہے۔ جہاں انسان کے اصلی اسرار چھپے اور دبے رہتے ہیں جن سے ہم خود بھی اکثر واقف نہیں ہوتے .... اس میں صوفی کی جیت ہے۔ اس کے بعد وہ نفس کی چوریاں اس آسانی، خوش اسلوبی اور لطف سے پکڑتا ہے اور ان کی اصلاح کرتا ہے کہ بعض اوقات مرید کو خبر بھی نہیں ہوتی''۔

(اردو کی ابتدائی نشو ونما میں صوفیہ کرام کا حصہ، ص۲)

یہ تو اسلوب اصلاح ہے۔ اوصاف درویشی سے متعلق بھی جو کچھ عرض کرنا مناسب ہے وہ کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ مولانا بدرالدین اسحاقؒ کی ابتدائی ملاقات کا واقعہ شاہد ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کی مبارک نظر آنے والوں کے قلوب پر رہتی تھی۔ آپ ان کی طلب سے آگاہ ہوتے اور اس خوبی سے تدارک فرماتے کہ وہ حضرت بابا صاحبؒ کے گرویدہ ہو جاتے تھے اور ہدایت کی راہ اختیار کر لیتے تھے۔ امیر خورد کرمانی نے حضرت بابا صاحب کے اس وصف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

''از ضمیر آینده حکایت می کند، و دل از دست می برد۔''	آنے والے کی دل کی بات بیان فرماتے اور دل کو لبھا لیتے تھے۔

(سیر الاولیاء، ص ۷۰ ج)

حضرت بابا صاحبؒ کے اوصاف میں ایک وصف یہ بھی تھا کہ آپ ادنیٰ سی توجہ سے یہ بھی معلوم کر لیتے تھے کہ سبیل کار کیا ہے۔ کس طرح یہ بیل منڈھے چڑھ سکتی ہے۔ میر شکار۱۴ اور روغن فروش کی بیوی ۱۵ کے واقعات سے اس وصف کا سراغ ملتا ہے۔ مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے روغن فروش کی بیوی کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

''زہے ولایت خدمت شیخ الاسلام فرید الدین در دل خود سیرے کرد کہ غرض او از کجا حاصل شود، ہم چناں فرمود''۔ (خیر المجالس، ص ۲۳۸)	حضرت بابا صاحب کی ولایت سبحان اللہ سبحان اللہ! ذرا قلب کی طرف توجہ فرمائی، مراقبہ کیا اور جان لیا کہ اس کا مقصد کہاں سے حاصل ہوگا۔ اور اسی کے مطابق اسے بتا دیا۔

Marfat.com

اس روایت کے ضمن میں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے قبول اسلام کا واقعہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ آپ شمشیر برہنہ لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادہ سے نکلے تھے، مگر توفیق الٰہی رہنما ہوئی۔ قبول اسلام کا جذبہ مستولی ہوا۔ آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قدم اندر رکھا ہی تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، دامن یا گریبان پکڑا اور نبوت کی پُر رعب آواز میں فرمایا: عمر! کیوں آیا ہے؟ کس ارادے سے آیا ہے؟ ۶؎ حضرت عمرؓ نبوت کی پُر رعب آواز سے کانپ گئے اور عاجزی و انکساری سے عرض کیا کہ مسلمان ہونے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ فاتر العقل کہے گا کہ یہ کہاں کا اخلاق ہے؟ مگر یہ ہے و جا د لھم بالتی ھی احسن کا کرشمہ جس سے اصلاح حال کی راہیں کھلتی ہیں۔ صوفیہ کرام کا وہ اسلوب اصلاح جس کی طرف بابائے اردو نے ایماء فرمایا ہے، وہ بھی اسی کا ہلکا سا پرتو ہے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے آپ بیتی خود بیان فرمائی ہے، جو ''عوارف'' کے سبق کے دوران پیش آئی تھی۔ (فوائد الفواد، ص ۲۶، ۲۷) جس کے بعد حضرت بابا صاحبؒ نے راز سربستہ کا انکشاف ان الفاظ میں فرمایا تھا۔

''ایں ہمہ برائے کمال حال تو می کردم.............. کہ پر مشاطہ مرید باشد۔'' (فوائد، ص ۱۷)

یہ جو کچھ کیا ہے۔ تمہاری فلاح و بہبود کے لیے کیا ہے۔ پیر مرید کا ایسا ہی بناؤ سنگار کرتا ہے جیسے دلہن بنانے والی کسی کو دلہن بناتی ہے۔ اس حکایت میں جوگی کے ساتھ جو کچھ کیا گیا ہے، وہ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

الغرض مذکورہ مبادیات کی روشنی میں اس روایت کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ اس وصف سے متصف تھے کہ آنے والے کی قلبی کیفیت آپ پر منعکس ہو جاتی تھی۔ (سیر الاولیاء، ص ۱۰۷) جوگی جس دعویٰ سے آیا تھا اس سے آپ ادنیٰ سی توجہ سے یہ بھی جان لیتے تھے کہ سبیل کار کیا ہونی چاہیے (خیر المجالس، ص ۲۳۸) لہٰذا آپ نے حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے واقعہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے رہنمائی حاصل کی (الفاروق) اور صوفیہ کرام کے طریق کار کو بلا خوف 'لومتہ لائم' اپنایا۔ دل میں یہ خیال گذرا کہ جوگی زمین سے سر نہ اٹھا سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جیسا کہ آپ نے چاہا تھا۔ (خیر المجالس ' ۱۸۲) اس عمل سے جوگی کے زعم باطل کو شکست ہوئی۔ اب جو پیوست قلبی رہ گئی تھی۔ اس عمل نعلین سے رفع فرمایا۔ جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نبوت کے پُر رعب لہجے میں کلام فرمایا تھا، جس سے حضرت عمرؓ جیسے بطل عظیم تھرتھرا اٹھے تھے۔ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اخلاق و شریعت کے منافی تھا اور نہ حضرت بابا صاحبؒ کا عمل نعلین منافی تھا۔ بلکہ صوفیہ کرام کے اسلوب اصلاح اور اسوۂ حسنہ اور بالخصوص و جا دلھم بالتی ھی احسن کے عین مطابق تھا۔ اگر اس پر کسی کو کلام ہے تو وہ رموز شریعت و طریقت سے ناواقف اور جاہل ہے۔

بہر حال حضرت بابا صاحبؒ کے اس کامیاب طریق کار کا ثمرہ یہ ہے کہ جوگی نے راہ ہدایت اختیار کی اور واصلان حق میں سے ہو گیا۔ یہ وسوسہ بھی گمراہ کن ہے کہ جوگی کا ذکر تذکروں میں کیوں نہیں ہے۔ جن کا مطالعہ وسیع ہے ان کے علم میں یہ کہ کتب سیر و تاریخ میں اور کتب ملفوظات میں بے شمار واصلان حق کے نام ملتے ہیں۔ مگر تذکرے ان کے باب میں خاموش ہیں۔ تذکروں میں معدودے چند چیدہ چیدہ و منتخب حضرات کا ذکر ہے۔ خصوصاً ان کا جنہیں

Marfat.com

عروج کمال نصیب ہوا اور مخلوق کی عظیم خدمات ان سے سرانجام ہوئیں۔ وہ بھی سیر حاصل نہیں، بلکہ نہایت تشنہ اور مختصر واصلان حق میں سے ہر ایک کے ذکر کی تذکروں میں تلاش وطلب حدود تذکرہ نویسی سے عدم واقفیت کی علامت ہے۔ جوگی بلاشبہ واصلان حق میں تھا۔ مگر ہر واصل حق کا ذکر کسی تذکرہ میں ملنا لازم نہیں۔ اس اعتبار سے اس روایت کا شمار شاہکار میں ہے، جس کی امثلہ کم ہی دستیاب ہوسکتی ہیں۔ اس روایت کے شمول سے ''راحت القلوب'' کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

روایت ۱۲

حضرت محبوب الٰہیؒ رقمطراز ہیں کہ ایک جوگی حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں آیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارا طریق کار کیا ہے؟ اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے تمہارا مقصد ومدعا کیا ہے۔ جو اصل کار ہے۔ جوگی نے کہا مجھے اتنا ہی معلوم ہے کہ انسان دو کیفیتوں یا دو عالموں سے مرکب ہے۔ ایک عالم علوی (اوصاف اعلیٰ) ہے اور دوسرا عالم سفلی (اوصاف ادنیٰ) سر سے ناف تک عالم علوی ہے اور ناف سے پیروں تک عالم سفلی ہے۔ (یہ نقطہ نظر ہے۔ اسی سے اصلاح حال کی تدبیر کرتے ہیں، جوگی نے اتنا ہی بتایا تھا کہ) حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا: ہاں! ایسا ہی ہے جیسا اس نے بیان کیا ہے۔ لیکن اتنا اور بھی ہے کہ عالم علوی سے متعلق صدق وصفا اخلاق پسندیدہ اور حسن معاملہ ہے اور عالم سفلی سے متعلق پاکی وپارسائی اور پرہیزگاری کی نگاہداشت ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے آبدیدہ ہوکر یہ بھی فرمایا کہ مجھے جوگی کی یہ بات بہت اچھی لگی۔

(راحت القلوب، ص۲۹)

اس روایت میں تو کوئی پیچیدگی ہے نہیں۔ البتہ یہ روایت خواجہ امیر حسن علاء سجزی نے بھی نقل کی ہے، جو محض قوت حافظہ سے کام لیتے تھے۔ غالباً انہیں سہو ہوا ہے اور انہوں نے حضرت بابا صاحبؒ کے ارشاد کو کچھ اس طرح ترتیب دیا ہے کہ وہ جوگی کا بیان لگنے لگا ہے۔ سہو وخطا تو انسان کی فطرت میں ہے: **الانسان مرکب من الخطا و النسیان**، خواجہ امیر حسن علاء سجزی نے اس طرح نقل فرمایا ہے:

''درنفس آدمی دو عالم است، یکے عالم علوی، دوم عالم سفلی، از تارک تا ناف عالم علوی است، واز ناف تا قدم عالم سفلی است، سبیل کار آنست کہ در عالم علوی ہمہ صدق وصفا واخلاق خوب وحسن معاملہ باشد، ودر عالم سفلی نگاہ داشت پاکی وپارسائی خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر ہر لفظ مبارک راند کہ مرا ایں سخن او خوش آمد۔'' (فوائد الفواد، ص۸۵)

یہ حقیقت واضح ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ حضرت بابا صاحبؒ کے ارشاد کو ہرگز جوگی سے منسوب نہیں فرما سکتے تھے اور نہ اپنے سے، بیان خود منہ سے پڑا بول رہا ہے کہ وہ کسی برگزیدہ اور جہاں دیدہ بزرگ ہی کا ہوسکتا ہے۔ کسی نوخیز ونوعمر کا نہیں ہوسکتا۔ بتانا مقصود یہ تھا کہ اس راہ سے مسلمان درویش بھی آگاہ ہیں بلکہ اس کے نکات وجزئیات سے بھی آگاہ ہیں۔ انہیں تم ناآشنا نہ سمجھو۔ کسی طالب کے سوال کا منشا یہ نہیں ہے کہ اس کے رہبر ورہنما اس سے آگاہ نہیں کہ تمہارے ہاں اصل کار کیا ہے اور تم کس راہ پر گامزن ہو۔ غالباً جوگی کو اشتباہ لاحق ہوا تھا جس کی تصحیح کے لیے حضرت بابا صاحب نے یہ

Marfat.com

روش اختیار کی تھی۔ بیان کی ایسی نزاکتیں عام نہیں ہیں۔ اس لیے ہر کسی ذہن کی رسائی ان تک نہیں ہوتی۔ یہ کلیہ ہے۔ بعض چیزیں فی نفسہٖ اچھی اور پسندیدہ ہوتی ہیں۔ لیکن جب وہ اپنے سے بہتر کے مقابلہ میں آتی ہیں تو ان کی آب وتاب وہ نہیں رہتی جو انفرادی حالت میں محسوس کی جاتی ہے۔ اونٹ جب پہاڑ تلے آتا ہے تو اس کی بلند قامتی کے چہرے سے نقاب اٹھ جاتا ہے۔ ''فوائد الفواد'' فی نفسہٖ بہت خوب ہے۔ مگر جب ''راحت القلوب'' کے مقابلہ میں آئے گی جو حضرت بابا صاحبؒ کے ارشادات پر مشتمل اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے اخلاص عمل کا ثمرہ ہے تو اس کی وہ آب وتاب ماند پڑ جائے گی جو انفرادی حالت میں ہوسکتی ہے۔ البتہ اس احساس کے لیے وجدان صحیح اور ذوق سلیم کا وصف درکار ہے۔

اسے کرامت سے تعبیر کیا جائے یا نہیں۔ مگر ''راحت القلوب'' کا یہ حیرت انگیز وصف ہے کہ وہ دیرینہ روزی کے اثرات سے سخت متاثر اور اوراق منتشرہ کا مجموعہ ہونے کے باوجود اسے ندرت بیان اور تدوین روایات کے اعتبار سے مابعد کی کتب ملفوظات پر بہمہ وجوہ فوقیت ہے، جو موازنہ سے واضح ہے۔

''راحت القلوب'' کی اس مجلس کے شرکاء میں شیخ بدرالدین غزنوی بھی ہے۔ جو قطب الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ کے خلیفہ اور حضرت بابا صاحبؒ کے ہم خرقہ اور ہم عصر تھے۔ شیخ بدرالدین غزنویؒ نماز درازی عمر بھی پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے نہایت طویل عمر پائی تھی۔ حضرت محبوب الٰہیؒ سے ملاقات بھی ثابت ہے۔ امیر خورد کرمانی نے لکھا ہے:

> ''حضرت سلطان المشائخ می فرمود کہ شیخ بدرالدین بسیار عمر شدہ بود............ ومی فرمود کہ وقتے شیخ بدرالدین غزنوی مرا گفت بیا من ترا اجازت نامہ سماع نویسم من گفتم مرا ایں مقدار قابلیت نیست۔ (سیر الاولیاء، ص ۵۰۵ چ)

امیر خورد کرمانی نے شیخ بدرالدین غزنویؒ سے حضرت محبوب الٰہیؒ کی ملاقات کے کئی واقعات اور بھی نقل کیے ہیں۔ (سیر الاولیاء، ص ۷۳، ۱۶۶ چ) اور اگرچہ ان کا خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین سنجری کے عصر حیات میں ہونا یقینی ہے۔ تاہم ان کا شمار طبقہ اولیٰ میں نہیں۔ بلکہ ان کا شمار حضرت بابا صاحب کے معاصرین میں ہے اور اگرچہ حضرت بابا صاحبؒ کو خواجہ بزرگ سے شرف ملاقات حاصل تھا، لیکن طبقہ اولیٰ میں آپ کا بھی شمار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے شیخ بدرالدین غزنوی کو طبقہ اولیٰ میں سمجھنا صحیح نہیں ہے اور ان کی شرکت حضرت بابا صاحبؒ کی مجالس میں صحیح اور بالکل صحیح ہے۔ شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ بہرحال ''راحت القلوب'' مستند ہے، اس کی قدامت ثابت ہے اور اس کی روایات مصدقہ ہیں۔

روایت ۱۴

حضرت محبوب الٰہیؒ رقمطراز ہیں کہ چھ یا سات درویش حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ جوان و نوعمر اور صاحب نعمت تھے۔ شاید ان کا تعلق خانوادہ خواجگان چشت سے تھا۔ انہوں نے حضرت بابا صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہم میں سے ہر ایک کی کچھ سرگذشت ہے۔ آپ کسی دوست کو حکم فرمائیں تاکہ وہ ہماری سرگذشت سن لے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کہ تم جاؤ اور ان کی سرگذشت سنو اور مولانا بدرالدین اسحاقؒ سے بھی فرمایا۔ مختصر یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے نہایت نرمی اور مہربانی سے گفتگو کرنے لگے اس طرح کہ اس دن آپ نے یہ فرمایا تھا اور میں

Marfat.com

نے یہ عرض کیا تھا۔ انہوں نے بہم اس طرح گفتگو کی کہ ہم دونوں لطف تقریر سے ایسے متاثر ہوئے کہ رونے لگے اور دل ہی دل میں کہنے لگے کہ یہ فرشتے ہیں جنہیں اللہ نے ہماری تعلیم کے لیے بھیجا ہے کہ اس طرح ماجرا بیان کرنا چاہیے۔ یہ واقعہ حضرت بابا صاحبؒ نے سنا تو آبدیدہ ہوئے اور فرمایا کہ سرگذشت اسی طرح بیان کرنی چاہیے کہ رگ گردن ابھرنے نہ پائے یعنی غصہ کا اثر کسی لفظ سے یا کسی حرکت سے ظاہر نہ ہو۔ (راحت القلوب' ص ۲۹، ۳۰)

یہ روایت صاف وسادہ ہے۔ بیان میں کوئی ایسی گنجلک نہیں جو تفہیم میں حائل ہو۔ یہ روایت خواجہ امیر حسن علاء سجزی نے بھی نقل کی ہے۔ مگر نقل قول کی تازگی سے محروم سی لگتی ہے۔ دونوں کے دو دو جملے نقل کیے دیتا ہوں:

فوائد الفواد	راحت القلوب
خداوند آدمی را فرمان دہد تا ماجرائے مارا بشنود۔ اینہا فرشتگان حق اند، برائے تعلیم ما آمدہ اند (فوائد الفواد' ص ۸۶)	(۱) خداوند یارے را فرمان دہد تا ماجرا بشنود (۲) اینہا فرشتگان حق اند برائے تعلیم ما فرستادہ اند (راحت القلوب' ص ۳۰)

دیگر امور سے قطع نظر صرف اتنا عرض کر دینا مناسب ہے کہ اگر آدمی را اور آمدہ اند فصیح ہیں تو ظاہر ہے کہ یارے را اور فرستادہ اند فصیح تر ہیں اور اس سے واضح ہے کہ جامع ''راحت القلوب'' کو قدرت بیان اور انتخاب الفاظ میں جامع ''فوائد الفواد'' پر فوقیت ہے اور ادبی نقطہ نظر سے ''راحت القلوب'' کو ترجیح ہے۔ مارا میں را کو کیا مخل فصاحت نہیں سمجھا جا سکتا۔ کیا آمدہ اند میں وہی وصف ہے جو فرستادہ اند میں ہے۔

روایت ۱۴

حضرت محبوب الٰہیؒ رقمطراز ہیں کہ ایک دن شمس دبیر نسخہ مطول لائے اور پڑھنے کے لیے اجازت چاہی۔ حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا بیٹھو، پڑھو۔ جس طرح شمس دبیر پڑھتے تھے۔ حضرت بابا صاحبؒ اسی طرح بار بار معنی بیان فرماتے اور بعض بعض جگہ اشعار میں اصلاح کرتے اور تعریف فرماتے جس سے شمس دبیر کا دل خوش ہوتا اور حوصلہ بڑھتا۔ اسی کے ساتھ حضرت بابا صاحبؒ نے یہ بھی دریافت فرمایا۔ تمہیں مطلوب کیا ہے۔ کیا چاہتے ہو۔ شمس دبیر نے عرض کیا کہ والدہ ضعیفہ ہیں۔ میں ہی ان کی خدمت کرتا ہوں۔ تنگ دست ہوں۔ (لونڈی خریدنے اور رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا) حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا: جاؤ! شکرانہ لاؤ۔ شمس دبیر گئے، کچھ یگانی جیتل (اس عہد کا معمولی سکہ) لائے جن پر تیر کا نشان تھا جو پچاس کے لگ بھگ تھے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔ ہر ایک کو اس کے لائق ملے۔ مجھے آپ نے اپنے دست مبارک سے چار جیتل عنایت فرمائے۔ پھر حضرت بابا صاحبؒ نے دعائے خیر فرمائی' جس کی برکت سے تنگ دستی جاتی رہی اور ان ہی ایام میں شمس دبیر سلطان غیاث الدین (بلبن) کے عملے میں منشی مقرر ہو گئے اور ان کا کام بن گیا۔ (راحت القلوب' ص ۳۱)

یہ صاف اور سادہ سی روایت ہے۔ البتہ اس میں نسخہ مطول تشریح طلب ہے جس سے کم علم اشخاص کو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ نسخہ کہتے ہیں لکھے ہوئے کاغذ کو اور کاغذ کے اس پرزے یا ٹکڑے کو جس پر اطباء ادویہ لکھ کر دیتے ہیں۔ لغوی معنی ہیں نوشتہ یا لکھا ہوا۔ مجازاً کتاب کو بھی نسخہ کہتے ہیں۔

Marfat.com

مطول، باب تفعیل سے مفعول ہے۔ اسکے معنی ہیں طویل کیا ہوا۔ نسخہ مطول مرکب توصیفی ہے۔ جس کے معنی ہیں لکھا ہوا بڑا سا کاغذ اور اس روایت میں غالباً وہ بڑا سا کاغذ ہی مراد ہے جس پر شمس دبیر اشعار لکھ کر لائے تھے۔ حکایت مطول اور شعرے مطول بھی مثل نسخہ مطول مرکب توصیفی ہیں۔

مولانا حمید قلندرؒ نے حکایت مطول لکھا ہے۔ ۱۷ اور خواجہ امیر حسن علاء سجزی نے شعر سے مطول لکھا ہے اور قدرے تشریح کے ساتھ لکھا ہے۔ ''شعرے آوردہ بود ہم در مدح شیخ شعرے مطول'' ۱۸ پھر بھی یہ وضاحت نہیں کہ شعرے مطول کا ذخیرہ نوشتہ تھا یا نہیں، مگر نسخہ مطول میں یہ وضاحت موجود ہے۔

مطول: سعدالدین علامہ تفتازانی (شافعی وخراسانی المتوفی ۷۹۲ھ) کی کتاب النحو کا نام بھی ہے۔ مگر نسخہ مطول سے یہ مفہوم مراد لینا کہ شمس دبیر علامہ تفتازانی کی تصنیف کتاب النحو اٹھا لائے تھے۔ معقولیت سے بعید ہے۔ مطول تو مطول، مطول کے مصنف بھی اس وقت عالم وجود میں نہیں آئے تھے۔ ان کا سنہ وفات ۷۹۲ھ ہے اور یہ واقعہ ہے ۶۶۵ھ تا ۶۶۹ھ کے درمیان کا۔ اس زمانہ کے اہل علم اس کتاب کے نام سے بھی واقف نہیں تھے۔ اس وقت نسخہ مطول کا مفہوم وہی تھا جو مرکب توصیفی کا ہونا چاہیے۔ یہ تاویل کہ مطول نحو کی ایک کتاب کا نام ہے اور اس کے مجلس میں پڑھنے کی اجازت طلب کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ اسی وقت مناسب ہو سکتی ہے جب کتاب کا وجود متیقن ہو۔ جب کتاب کا وجود ہی نہیں تو یہ تاویل مبنی بر جہل ہو گی۔

بہرحال اس بحث سے وہ خلفشار رفع ہو جاتا ہے جو کسی کم علم کو لاحق ہو سکتا ہے اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ شمس دبیر جو مجموعہ اشعار لائے تھے' وہ کثیر تھا۔ خواہ وہ بصورت بیاض تھا اور خواہ کسی طویل کاغذ پر نوشتہ تھا۔ نیز یہ جملہ کہ ''بعضے جا اصلاح در سخنان می نمود'' اس سے اس لایعنی تصور کی نفی ہو جاتی ہے کہ وہ نحو کی کتاب تھی۔ کیونکہ عرف عام میں سخن شعر کو اور سخن گو شاعر کو کہتے ہیں۔

یہ ذکر ۶۶۵ھ تا ۶۶۹ھ کا ہے، تو یہ عہد بلبن ہے۔ اسی عہد میں شمس دبیر بلبن کے کسی محکمہ میں منشی کے عہدے پر فائز ہو گئے تھے۔ اس عہد میں منشی کو، کاتب کو، نویسندہ کو اور انشاء پرداز و مضمون نگار کو دبیر ہی کہتے تھے، مگر اسے اتالیق کا مرادف تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بروئے لغت اتالیق کہتے ہیں استاد کو' ادب سکھانے والے کو اور تربیت دینے والے کو، اس لیے ہر دبیر کا اتالیق ہونا یا ہر اتالیق کا دبیر ہونا لازم نہیں۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے یہ نکتہ بھی بیان فرمایا ہے:

مشائخ شعر کم شنوند، خاصۂ در مدح خویش، کمالیت شیخ ببیں کہ بشنید واستحسان فرمود۔
(فوائد الفواد ص ۱۲۷)

مشائخ شعر نہیں سنتے، یا کم سنتے ہیں اور خاص طور سے اپنی تعریف میں (تو سنتے ہی نہیں) حضرت باباصاحبؒ کی کمالیت دیکھو کہ آپ نے شعر سنے اور تعریف بھی کی۔

بتانا مقصود یہ ہے کہ کامل الحال بزرگوں میں خودستائی اور خودنمائی کا جذبہ فنا ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر وہ طالبوں کی رہنمائی کے لیے آپ بیتی بیان کرتے ہیں یا اپنی کرامات کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مدعا ان کا رہنمائی ہوتا ہے۔ خودستائی

اور خود نمائی نہیں ہوتا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

تنقیص سے خفا نہ ستایش پسند تھے　　یہ دونوں پستیاں ہیں وہ ان سے بلند تھے

آخر میں یہ عرض کرنا بھی مناسب ہے کہ نقل روایت میں نقل وکاتب کا سہو بھی ہے جو قدیم نسخوں کے مقابلہ سے رفع ہو سکتا ہے۔ بہر نوع یہ روایت مستند ہے اور یہی ''فوائد الفواد'' کا ماخذ ہے اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ ''راحت القلوب'' حضرت باباصاحبؒ کے ملفوظات کا مستند مجموعہ ہے اور اس کے جامع حضرت محبوب الٰہیؒ میں تو ''راحت القلوب'' کی روایات کو حضرت محبوب الٰہی کا بکثرت بیان فرمانا قرین قیاس ہے۔ بلکہ اسکی بیّن دلیل ہے کہ ''راحت القلوب'' کے جامع حضرت محبوب الٰہیؒ ہیں اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

روایت ۱۵

بزرگان دین میں سے ایک بزرگ پانی پر مصلے بچھائے نماز پڑھ رہے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ اے اللہ! حضرت خضر گناہ کبیرہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ انہیں توفیق توبہ عنایت فرمایئے۔ اتنے میں حضرت خضر بھی تشریف لائے اور دریافت کیا کہ میرے بھائی! میں کس گناہ وجرم کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ مجھے بتاؤ تا کہ میں اس سے توبہ کرلوں۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ نے جنگل میں ایک درخت لگایا ہے۔ آپ اسُ کے سایہ میں بیٹھتے اور آرام کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے فی سبیل اللہ لگایا ہے۔ (گویا کہ آپ اپنے کو خدا قرار دیتے ہیں) حضرت خضر نے فوراہی توبہ کی۔

پھر ان بزرگ نے ترک دنیا سے متعلق گفتگو فرمائی اور ترک دنیا کی حقیقت بیان کی اور کہا کیا آپ ایسے ہی ہیں؟ پھر آپ کیسے رہتے ہیں؟ پھر فرمایا: میں ایسا ہوں کہ اگر تمام دنیا مجھے دی جائے اور یہ بھی کہا جائے کہ اس کا حساب بھی تم سے نہ لیا جائے گا اور یہ بھی کہیں کہ اگر قبول نہ کرو گے تو تمہیں دوزخ میں ڈال دیں گے تو میں دوزخ میں پڑنا قبول کر لوں گا۔ دنیا کو قبول نہ کروں گا۔ حضرت خضر نے دریافت کیا کہ یہ کیوں؟ انہوں نے بتایا کہ یہ اس لیے کہ دنیا خدا کی مبغوضہ ہے۔ خداوند عالم اس سے ناراض ہیں۔ میں بھی اس سے خوش نہیں۔ لہٰذا مجھے دوزخ قبول مگر دنیا قبول نہیں۔ (راحت القلوب' ص۳۴، ۳۵)

یہ روایت ''فوائد الفواد'' (ص۸۲، ۸۳ نولکشوری) میں بھی ہے اور ''اسرار الاولیاء'' (ص۴۴) میں بھی ہے اور حق یہ ہے کہ ''اسرار الاولیاء'' کا بیان ''فوائد الفواد' اور ''راحت القلوب'' سے زیادہ سلجھا ہوا ہے۔ ''راحت القلوب'' میں ہے:

''مصلی برروئے آب انداختہ بود نماز می گذارد و می گفت۔''

''فوائد الفواد'' میں ہے:

مصلی برروئے آب انداختہ بود و نماز می کرد و می گفت۔''

جملے دونوں یکساں ہیں۔ البتہ ایک فعل بدلا ہوا ہے اور اس میں کچھ مضایقہ نہیں۔ گویا کہ 'فوائد الفواد' حضرت محبوب الٰہیؒ ہی کی آواز بازگشت ہے۔ ''اسرار الاولیاء'' میں ہے:

مصلی برروئے آب انداختہ نماز می گذارد چوں از نماز فارغ شد سر بسجدہ نہاد در مناجات می گفت

....

Marfat.com

''نمازمی گذار دومی گفت'' اور ''نماز می کردومی گفت'' کے مقابلہ میں یہ کہنا کہ ''چوں از نماز فارغ شد سر بہ سجدہ نہاد در مناجات گفت'' کہنا کہیں افضل ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہی دعا کی جاتی ہے اور یہی صورت حال زیادہ مناسب ہے۔ تاہم اس سے یہ واضح ہے کہ ''فوائد الفواد'' کا ماخذ ''راحت القلوب'' ہی ہے۔ جس کی قدامت ''شمائل الاتقیاء و دلائل الاتقیاء'' (۷۳۲ھ) سے ثابت ہے اور یہ مہمل ہے کہ ''راحت القلوب'' میں ''فوائد الفواد'' سے روایات منقول ہیں۔ کیونکہ ''فوائد الفواد'' تو اس عہد (۶۶۵ھ تا ۶۶۹ھ) میں وجود ہی میں نہیں آئی تھی۔ ''فوائد الفواد'' کی تالیف کا سنہ آغاز ۷۰۷ھ ہے۔

بہر حال یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ''راحت القلوب'' حضرت بابا صاحب شیخ شیوخ العالم شیخ کبیر فریدالدین مسعود گنج شکرا جودہنی قدس اللہ سرہ العزیز ہی کے مبارک ملفوظات کا مجموعہ ہے اور اس کے جامع حضرت محبوب الٰہیؒ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہ العزیز ہیں اور تواتر سے اس کی قدامت اور اس کا مستند ہونا ثابت ہے۔ البتہ اس کی اشد ضرورت ہے کہ صحت و مقابلہ سے مزین کر کے اسے ازسرنو منظر عام پر لایا جائے۔ تاکہ معاشرہ میں سدھار آئے اور نیکی و نکوکاری کا جذبہ فروغ پائے۔ یہی وقت کا تقاضا ہے۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہوگی اور بے پناہ اجر ملے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۲۰) راحت القلوب کے قدیم قلمی نسخے

''راحت القلوب'' کے قدیم قلمی نسخوں سے متعلق ہندوستان کی مشہور لائبریریوں سے جو معلومات مجھے فراہم ہوئی ہیں' لائبریریوں کے ان ذمہ دار اصحاب کے شکریہ کے ساتھ پیش کرتا ہوں جنہوں نے از راہ علم نوازی زحمت گوارا کی اور اس ذرہ بے مقدار کو نوازا۔ مدعا اس سے یہ ہے کہ صحت و مقابلہ سے ''راحت القلوب'' کا کوئی نسخہ مرتب ہو سکے۔ اگر توفیق الٰہی سازگار ہوئی تو میں خود اس خدمت کو انجام دوں گا اور اگر خدائے پاک نے کسی اور کو یہ توفیق دی تو یہ میرے لیے مزید باعث مسرت ہوگا۔ میں جو تعاون کر سکتا ہوں اس میں دریغ نہ کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(۱) سالار جنگ میوزیم حیدرآباد (آندھرا پردیش) میں ۱۰۸۰ھ کا مکتوبہ ایک نسخہ ہے۔

(۲) مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں پانچ نسخے ہیں، ایک ۱۰۹۸ھ کا مکتوبہ ہے۔ دوسرا ۱۱۶۴ھ کا مکتوبہ ہے اور تین نسخے ناقص ہیں۔

(۳) ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ میں ایک نسخہ ہے جو ۱۱۸۱ھ کا مکتوبہ ہے۔ کٹیلاگ جو میرے پاس ہے' وہ کرم خوردہ اور از کار رفتہ ہے۔ ممکن ہے کوئی اور بھی ہو۔ میں نے کئی جوابی خط بھیجے مگر جواب سے محروم رہا۔

(۴) آندھرا پردیش گورنمنٹ اورینٹل مینوسکرپٹس لائبریری اینڈ ریسرچ انسٹیٹیوٹ حیدرآباد میں تین نسخے ہیں۔ ایک ۱۱۸۴ھ کا مکتوبہ ہے۔ دوسرا ۱۲۸۱ھ کا اور تیسرا ۵ جلوس عالمگیری (۱۰۷۳ھ) کا مکتوبہ ہے' جو معلومہ نسخوں میں قدیم ترین ہے۔

(۵) خدابخش اورنٹیل پبلک لائبریری پٹنہ میں تین نسخے ہیں۔ ایک ۱۲۷۸ھ کا مکتوبہ ہے۔ دوسرا بارہویں

صدی ہجری کا اور تیسرا تیرہویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے۔

(۶) عربی فارسی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ٹونک (راجستھان) میں ایک نسخہ ہے جس میں سنہ کتابت درج نہیں ہے۔

(۷) رضالائبریری رام پور میں تین نسخے ہیں جن میں سنہ کتابت درج نہیں ہے۔

(۸) دارالمصنفین (شبلی اکیڈمی) اعظم گڈھ میں ایک نسخہ ہے جس میں سنہ کتابت درج نہیں ہے۔

(معارف (اعظم گڑھ) نومبر ۱۹۸۱ء دسمبر ۱۹۸۱ء ص ۴۲۹-۴۴۸ ص ۳۲۵-۳۴۸ جنوری ۱۹۸۲ء ص ۴۳-۶۵)

حواشی

۱۔ خیر المجالس ص ۲۳۷

۲۔ ایضاً ۱۴۷-۱۴۸

۳۔ ایضاً ۸۹

۴۔ ''سیرالاولیاء'' ص ۶۸ و ۶۹ چ

۵۔ ایضاً ص ۱۱۷

۶۔ ایضاً ص ۳۵۲

۷۔ اس نکتہ کو سمجھنے کے لیے کہ یہ شکر عالم میں ''خیر المجالس'' ص ۲۳۸ میں مرقومہ روغن فروش کی بیوی کا واقعہ ذہن نشین رکھنا چاہیے۔ اس وصف کا تعلق اوصاف ولایت سے ہے۔

۸۔ زمانہ قدیم میں ایران کے جنوبی وکوہستانی علاقہ کو سنکستان اور ملک نیمروز کہتے تھے اور وہاں کے باشندوں کو سنگری کہتے تھے۔ سنجری (س ن ج ری) سنگری ہی کا معرب ہے۔ شیخ ابوالفضل نے لکھا ہے:

''خواجہ معین الدین از سیستان است واہل آں دیار را سنگری می خوانند واو را سجزی می نویسند کہ معرب سنگری است۔'' (اکبرنامہ ج ۲ ص ۱۵۴)

غالباً اہل ایران کے ذوق سلیم نے سنکستان کو گوارا نہیں کیا۔ انہوں نے اسے سیستان سے بدل دیا۔ چنانچہ ملک الشعراء فردوسی طوسی نے لکھا ہے:

منم کردہ ام رستم داستاں ولیکن یلے بود در سیستان

رستم کے باپ زال نے اسی کوہستانی علاقہ میں پرورش پائی تھی جسے سنکستان سے سیستان کہا جانے لگا تھا۔ عربوں کا لہجہ گ ادا کرنے سے قاصر تھا۔ ان کے حروف ابجد میں گاف نہیں ہے۔ لہٰذا عرب جغرافیہ نویسوں نے سنکستان کو سجستان لکھا ہے۔ جسے اکثر ہندوستانی اہل قلم نے اپنایا ہے۔ اسی سے اسم منسوب سجزی (س ج ز

Marfat.com

ی) ہے۔ مگر اسے رواج عام نصیب نہیں ہوا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس کے تلفظ میں عیب تنافر ہے۔ ج اور ز قریب المخرج ہونے کی وجہ سے بآسانی زبان سے ادا نہیں ہوتے۔ اہل علم تو بہ تکلف ادا کر لیتے ہیں۔ مگر عوام اس کا صحیح تلفظ ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ غالباً اسی لیے تذکرہ نویسوں نے سنجری ہی لکھا ہے۔ سجزی (س ج ز ی) نہیں لکھا۔ البتہ خواجہ امیر حسن علاء سجزی نے ضرورت شعری سے ایک شعر میں سجزی نظم کیا اور رلکھا ہے۔

صفحے کہ جمع کردم محط است پیش باراں　　　حسن علاء سجزی یکے از امید داراں

اس کے علاوہ میرے علم میں کوئی دوسری مثال نہیں ہے۔ مگر شعراء فارس نے اکثر سجزی اور سنجری ہی نظم کیا ہے۔ مولانا شیریں مغربی عرفائے کاملین میں خوش گو شاعر گذرے ہیں۔ جن کا کلام آج تک محافل سماع میں سماعت ہوتا ہے۔ ان کا مشہور قطعہ ہے۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد　　　در دل بود اگر ہوس ملک سنجرم

زاں دم کہ یافتم خبر ملک نیم شب　　　من ملک نیمروز بیک جونمی خرم

مشہور عرب جغرافیہ نویس بلاذری نے اپنے بیان کے ساتھ سجستان کا جو نقشہ شامل کیا ہے۔ اس میں ایک مقام کا نام سنج لکھا ہے۔ (فتوح البلدان جزو۲ حصہ ص ۵۵) غالباً یہ ہی مقام ہے جسے تذکرہ نویسوں نے قصبہ سنجر لکھا ہے۔ سنجری (س ن ج ری) قدیم سے زبان زد خاص و عام ہے اور بالکل صحیح ہے۔ اسے غلط بتانا ہی غلط ہے۔

۹۔ غیاث اللغات

۱۰۔ ناصر الدین قباچہ سلطان قطب الدین ایبک کا داماد تھا' جو قطب الدین ایبک کی وفات ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء کے بعد ملتان' اچ اور سندھ کا، خود مختار حاکم بن گیا تھا۔ ۶۲۲ھ/ ۱۲۲۶ء میں شمس الدین التمش نے اسے شکست دی۔ وہ کشتی میں بیٹھ کر بھاگا۔ کشتی ڈوب گئی۔ قباچہ بھی مر گیا۔ اس کا عہد حکومت ۶۰۷ھ/۱۲۰۲ء تا ۶۲۲ھ/ ۱۲۲۶ء ہے۔ پندرہ برس حکمراں رہا۔

۱۱۔ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریاؒ کا سنہ وفات بروئے تحقیق ۶۶۷ھ ہجری ہے۔ جنہوں نے ۶۶۱ھ لکھا ہے، غلط لکھا ہے۔

۱۲۔ شیخ سیف الدین باخرزی کا سنہ وفات بروئے تحقیق ۶۶۴ھ ہے، جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے ارشاد کے مطابق ہے۔

۱۳۔ کسے باشد کا محل استعمال ذہن نشین رہنا چاہیے اور دیگر بخواندے کا بھی۔

۱۴۔ خیر المجالس' ص ۱۴۷، ۱۴۸

۱۵۔ ایضاً' ص ۲۳۷، ۲۳۸۔

۱۶۔ شارحین کے بیان کے مطابق اس عمل سے مقصود یہ تھا کہ قلب کی تہ میں جو دنیاوی آلودگی پیوست ہے' وہ نکل جائے اور قلب صاف ستھرا ہو جائے۔ یہ بھی طریق اصلاح ہے۔

۱۷۔ خیر المجالس' ص ۹

۱۸۔ فوائد الفواد' ص ۱۲۷، ۱۲۸

Marfat.com

مولانا اخلاق حسین دہلوی

شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ
کے
مجموعہ ملفوظات ''اسرارالاولیاء'' کا مطالعہ

''اسرارالاولیاء'' (فارسی نسخہ) مطبوعہ ۱۳۳۴ھ/ 1915ء (بارششم) مطبوعہ مطبع نولکشور کانپور حجم ۹۴ صفحات سائز ۲۷×۱۰/ ۸ مسطر ۲۵ سطری قلم خفی۔ اس کتاب میں حضرت بابا صاحب کے ملفوظات ہیں۔ جو بائیس فصلوں پر مشتمل ہیں۔ ہر فصل کا عنوان جداگانہ ہے۔ اس کے جامع مولانا بدرالدین اسحاق ہیں، جو حضرت بابا صاحب کے خلیفہ و داماد اور حضرت باباصاحب کی خدمت میں ہمہ وقت کے حاضر باش تھے۔

''اسرارالاولیاء'' کی قدامت

عہد مغلیہ کے شہرہ آفاق عالم و درویش اور مسلم الثبوت اہل قلم شیخ عبدالحق محدث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۱ھ/ ۱۶۴۱ء) مولانا بدرالدین اسحاق کے احوال میں لکھتے ہیں۔

وے را رسالہ ایست مسمی اسرار الاولیاء کہ دروے ملفوظات گنج شکرؒ راجمع کرد در علم تصریف کتابے نظم کردہ است ؎ (اخبارالاخیار مجتبائی' ص ۶۷)	ان کا ایک رسالہ ہے جس کا نام اسرارالاولیاء ہے جس میں انہوں نے حضرت بابا صاحب کے ملفوظات جمع کئے ہیں، علم صرف میں ایک کتاب نظم کی ہے

مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم نے مولانا بدرالدین اسحاق کے ذکر میں لکھا ہے:

کتاب اسرارالاولیاء از تصنیف وے است (خزینۃ الاصفیاء جلد ا' ص ۳۱۹)	کتاب اسرار الاولیاء ان کی (مولانا بدر الدین اسحاق کی) تصنیف ہے۔

مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم نے امیر خورد کرمانیؒ کے ذکر میں یہ بھی لکھا ہے:

Marfat.com

درین خاندان دو کتاب بنام سیر الاولیاء معروف و مشہور است یکے تالیف مولانا بدر الدین اسحاق کہ از ملفوظات خواجہ فرید الحق والدین جمع آوردہ است دوم سیر الاولیاء تالیف سید محمد بن مبارک کرمانی رحمتہ اللہ علیہ (خزینتہ الاصفیاء جلد ا ص ۲۶۶ نولکشوری)	اس خاندان میں سیر الاولیاء نام سے دو کتابیں معروف و مشہور ہیں، ایک مولانا بدر الدین اسحاق کی تالیف ہے۔ جس میں حضرت بابا صاحب کے ملفوظات جمع کیے ہیں، دوسری سیر الاولیاء، سید محمد بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔

مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم کے بیان سے معلومات میں یہ اضافہ ہوتا ہے کہ ''سیر الاولیاء'' نامی کوئی کتاب مولانا بدر الدین اسحاق کی تالیف بھی ہے' جو حضرت بابا صاحب کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ جو ''اسرار الاولیاء'' کے علاوہ ہے، جس کا ذکر انہوں نے مولانا بدر الدین اسحاق کے احوال میں کیا ہے۔ مگر نہ تو مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم ہی نے متذکرہ ''سیر الاولیاء'' کا ذکر مولانا بدر الدین اسحاق کے احوال میں کیا ہے اور نہ کسی اور نے ممکن ہے کہ مغالطہ ہوا ہو۔ یہ کتاب ''سیر الاولیاء'' تالیف مولانا بدر الدین اسحاق ہمارے مطالعہ میں بھی نہیں آئی، اس لئے ہم اس کے متعلق اظہار خیال سے معذور ہیں۔

کتاب ''شمائل الاتقیاء دلائل الاتقیاء'' تالیف مولانا رکن الدین عماد کاشانی کی فہرست مآخذات میں ''اسرار المتحیرین'' نامی ایک کتاب ہے، جو حضرت بابا صاحب ہی کے ملفوظات پر مشتمل ہے، جو نایاب ہے۔ مؤلف کا نام بھی نہیں لکھا ہے۔ ممکن ہے متذکرہ ''سیر الاولیاء'' سے مراد یہی کتاب ہو، تاہم فی الحال وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت خواجہ غلام فرید چشتی (المتوفی ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) جو عہد ماضی قریب کے ممتاز ترین مشائخ میں تھے، جن کی عالمانہ اور درویشانہ شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، ان کے ملفوظات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ علوم و فنون سے انہیں کمال آگاہی تھی۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''بدر الدین اسحاق قدس اللہ سرہ، جو ''اسرار الاولیاء''ؒ کے جامع ہیں، ان کا ضبط تاریخ والفاظ اس قدر پختہ ہے کہ جو کچھ انہوں نے شیخ شیوخؒ کی زبان درفشاں سے سنا اسی طرح لکھ دیا۔ اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے''۔ (مقابیس المجالس۔ ص ۳۶۵ ترجمہ)

متاخرین میں یہ ان جلیل القدر بزرگ کا بیان ہے، جو علم و فضل اور بصیرت باطنی سے مالا مال تھے۔ اس بیان سے مترشح ہے کہ موصوف کے زیر مطالعہ ''اسرار الاولیاء'' کا کوئی مستند معتبر نسخہ تھا، جس کی صحت پر انہیں کامل بھروسہ تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا بیان نقل کیا جا چکا ہے۔ وہ نہایت درجہ ثقہ اور باکمال بزرگ تھے۔ یقیناً ان کے پیش نظر بھی ''اسرار الاولیاء'' کا کوئی قدیم و مستند نسخہ تھا۔ ممکن ہے کہ وہ قدامت کے جملہ اوصاف سے متصف ہو، تاہم شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسے باکمال بزرگ سے متعلق اس بدگمانی کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے کہ وہ کسی نومولود نسخے کو مولانا بدر الدین اسحاق سے منسوب فرماتے' جو اصول تصوف اور تعلیمات اسلامی کے خلاف مضامین پر مشتمل ہوتا۔ وہ اصول تصوف سے بھی بہرہ کامل رکھتے تھے اور تعلیمات اسلامی سے بھی۔ اگر کم علمی اور بداحتیاطی کا شائبہ بھی پاتے تو بلاشبہ ان کو حق گوئی ہرگز اس کے اظہار

Marfat.com

میں تامل نہ کرتی۔

سات سو برس سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے۔ ہزار ہا علمائے مشائخ اور صوفیائے کرام گزرے ہیں۔ ان بزرگوں کے جو ملفوظات دستیاب ہوتے ہیں ان سے واضح ہے کہ ان حضرات نے بھی ''اسرار الاولیاء'' سے استفادہ کیا ہے اور روگردانی نہیں فرمائی ہے۔ یہ بھی ہے کہ دستیاب شدہ کتب ملفوظات میں قدامت کے اعتبار سے جو فوقیت نسخہ ''اسرار الاولیاء'' کو حاصل ہے وہ اور کسی کو حاصل نہیں۔ کتب ملفوظات کے جو قدیم ترین نسخے ہندوستان کے مشہور و معتبر کتب خانوں (لائبریریوں) میں محفوظ ہیں، ان میں سب سے قدیم نسخہ ''اسرار الاولیاء'' ہی کا ہے، جو ۱۰۰۸ھ (دس سو آٹھ ہجری) کا مکتوبہ ہے اور جو مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (انڈیا) کے ذخیرہ مخطوطات کی زینت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر اعتبار سے ''اسرار الاولیاء'' کا قدیم و مستند ہونا اور مولانا بدرالدین اسحاق کی تالیف ہونا ثابت ہے، حتی کہ داخلی شواہد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، البتہ عصری حالات کی اثر اندازی سے اور الحاق و تحریف سے مبرا ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور اس سے کسی قلمی کاوش کو مفر نہیں ہے، لہٰذا ضرورت ہے کہ صحت و مقابلہ سے آراستہ کر کے ''اسرار الاولیاء'' کو منظر عام پر لایا جائے تاکہ متدین معاشرہ کو اور دینی و اخلاقی اور صوفیانہ قدروں کو از سر نو رواج عام نصیب ہو اور طالبانِ حق کی تشنگی رفع ہو۔

جوامع الکلم کا بیان

خواجہ سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز مخدوم نصیرالدین چراغ دہلیؒ کے خلفاء میں نامور شخصیت کے مالک گزرے ہیں۔ ان کے سوانح حیات سے واضح ہے کہ وہ مخدوم نصیرالدین چراغ دہلیؒ کی وفات (۷۵۷ھ) کے بعد عتبات عالیات کی زیارت کرتے ہوئے دہلی سے دکن تشریف لے گئے تھے۔ گلبرگہ میں قیام فرما ہوئے اور وہیں ۸۲۵ھ میں انتقال ہوا۔ مزار پُر انوار گلبرگہ ہی میں ہے، اور مرجع خلائق ہے۔

اس سفر کے دوران خواجہ گیسو دراز بندہ نوازؒ حضرت بابا صاحبؒ کے مزار پُر انوار کی زیارت کو بھی گئے تھے۔ ''جوامع الکلم'' کی ایک ژولیدہ عبارت یہ بتاتی ہے کہ قیام اجودھن (پاک پٹن) میں انہوں نے ایک مجموعہ ملفوظات دیکھا تھا، جسے بعض مولانا بدرالدین اسحاق کا مرتبہ بتاتے تھے، بعض کو اس سے انکار تھا ''جوامع الکلم'' کی مشمولہ عبارت یہ ہے:

ملفوظے از ان شیخ فریدالدین در اجودھن دیدم	میں نے اجودھن میں شیخ فریدالدین کا ایک
کہ آن را نسبت بہ مولانا بدرالدین اسحاق می	ملفوظ دیکھا ہے، جسے مولانا بدرالدین اسحاق
کنند سر بسر ہمہ افترا است می گویند کہ جمع	سے منسوب کرتے ہیں، وہ تمام تر بہتان ہے
کردہ مولانا بدرالدین اسحاق نیست (جوامع	، کہتے ہیں کہ مولانا بدرالدین اسحاق کا جمع کیا
الکلم ص ۱۴۴)	ہوا نہیں ہے۔

اس بیان کا اسلوب حضرت خواجہ گیسو دراز کے دیگر بیانات سے مختلف مشتبہ مذبذب اور مبہم ہے، یہ نہیں کھلتا کہ ''سر بسر ہمہ افترا'' کس سے متعلق ہے۔ ملفوظے سے متعلق ہے یا نسبت سے۔ اگر دونوں ہی سے ہے تو پھر ''می گویند جمع کردہ مولانا بدرالدین اسحاق نیست'' کیا ہے۔ ماننا ہوگا یہ حشو ہے، جس سے ابتدائی جملوں کا مفہوم مشتبہ اور مبہم ہو گیا ہے

Marfat.com

اور یہ اسقام بتاتے ہیں کہ یہ جملے حضرت خواجہ گیسودراز جیسے باکمال انشاپرداز کے نہیں ہو سکتے بلکہ کسی ایسے شخص کے نوشتہ ہیں جو انشاء میں کامل دسترس نہیں رکھتا تھا۔ یہی کیفیت ان عبارتوں کی ہے، جو ''سیر الاولیاء'' اور ''خیر المجالس'' میں الحاق کی گئی ہیں اور ایسے ہی اسقام سے الحاقی عبارتیں گرفت میں آتی ہیں، البتہ ذوق سلیم اور ادب وانشاء میں دسترس درکار ہوتی ہے۔

بہرحال اس مبہم ومشتبہ عبارت سے جو نکات برآمد ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) ایک صدی کے اندر ہی اندر مولانا بدرالدین اسحاق کے تالیف کردہ مجموعہ ملفوظات کا ذکر مل جاتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے، اس عہد کے خواندہ حضرات اس سے باخبر تھے، یہ علاحدہ بات ہے بقول غالب:

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے بایں ہمہ ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

پھر خواہ ''اسرار الاولیاء'' کا صحیح نسخہ دستیاب ہو سکا تھا یا نہیں مگر اس کے وجود کی نشان دہی ہوتی ہے، جس سے معقولیت کے ساتھ انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۲) اس بیان سے یہ بھی علم میں آتا ہے کہ اجودھن (پاکپٹن) میں مختلف الخیال دو گروہ تھے۔ ایک اس کا قائل تھا کہ مولانا بدرالدین اسحاق نے حضرت بابا صاحب کا مجموعہ ملفوظات تالیف کیا تھا، جو بقولہ مسخ شدہ صورت میں دستیاب ہو سکا تھا۔ دوسرا گروہ منکر تھا، جو کہتا تھا کہ ''جمع کردہ مولانا بدرالدین اسحاق نیست'' یعنی متذکرہ مسخ شدہ نسخہ ملفوظات مولانا بدرالدین اسحاق کا جمع کردہ نہیں ہے مگر اس سے انکار نہیں کہ انہوں نے حضرت بابا صاحب کا مجموعہ تالیف فرمایا تھا۔

(۳) امیر خورد کرمانی کے بیان سے بھی ثابت ہے کہ اجودھن (پاکپٹن) میں ایک گروہ ایسا تھا جو مولانا بدرالدین اسحاق سے عناد رکھتا تھا۔ اسی کی سازش سے شیخ بدرالدین سلیمان اور مولانا بدرالدین اسحاق کے درمیان کشیدگی ہوئی تھی اور مولانا بدرالدین اسحاق نے جامع مسجد اجودھن میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

شیخ بدرالدین سلیمان حضرت بابا صاحبؒ کے منجھلے صاحبزادے تھے، جو بھائیوں کے مشورے سے اور بعض عقیدتمندوں کے مشورے سے حضرت بابا صاحبؒ کے سجادہ نشین بنے تھے۔ مولانا بدرالدین اسحاق ان کی خدمت بھی اسی طرح کرتے تھے جس طرح حضرت بابا صاحبؒ کی کیا کرتے تھے، مگر حاسدوں کا وہ گروہ جو منصب خادمی یا بالفاظ دیگر قرب شیخ کا طالب تھا، وہی مولانا بدرالدین اسحاق کا مخالف تھا اور اسی کی سازش سے ان بزرگوں کے درمیان اختلاف کی خلیج حائل ہوئی تھی۔ امیر خورد کرمانی لکھتے ہیں۔

حاسدان میان شیخ بدرالدین سلیمانؒ ومیان خدمت مولانا بدر الدین اسحاق القاے عداوت کردند وخواستند کہ منصب خادمی خود فرو گیرند، خاطر مبارک خدمت مولانا بدر الدین اسحاق بدین سبب منغص شد..........	حاسدوں نے شیخ بدرالدین سلیمان اور مولانا بدرالدین اسحاق کے درمیان کشیدگی کرادی تھی اور وہ یہ چاہتے تھے کہ خادمی (قرب شیخ) کا منصب وہ حاصل کر لیں۔ مولانا بدر الدین اسحاق کی مبارک طبیعت ان حالات

Marfat.com

در مسجد جمعہ آمد و بہ نشست (سیر الاولیاء ص ۱۷۱ اچ) سے مکدر ہوئی..........لہٰذا حضرت مولانا بدر الدین اسحاق نے (کنارہ کشی اختیار کی) اور

..........جامع مسجد میں اقامت اختیار کرلی۔

اس کشیدگی کی تلخی مولانا بدرالدین اسحاق کی وفات کے بعد بھی برقرار رہتی محسوس ہوتی ہے کہ نامساعد حالات سے مجبور ہوکر مولانا بدرالدین اسحاق کی بیوہ جو حضرت بابا صاحب کی چھوٹی صاحبزادی تھیں گھر بار کو خیر باد کہہ کر دونوں یتیم بچوں سمیت دلی چلی آئی تھیں اور تا حیات وہ دہلی ہی میں رہیں اور حضرت محبوب الٰہی کی کفالت میں رہیں اور ان کے بعد ان کے دونوں بچوں نے حضرت محبوب الٰہی کی سر پرستی میں پرورش پائی اور پروان چڑھے۔ بلا شبہ حضرت محبوب الٰہی حضرت بابا صاحبؒ کے اصلی جانشین تھے، مگر فرد خاندان یا محرم نہیں تھے۔ اس سے شدید کشیدگی اور کیا ہوگی کہ اللہ والوں میں صلہ رحمی کا فقدان نظر آنے لگے۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

(۴) قیام اجودھن (پاکپتن) میں جس مجموعہ ملفوظات کا دیکھنا بتایا گیا ہے (ملفوظے ازاں شیخ فرید الدین) اس کے متعلق یہ بتانا تھا کہ نام اس کا کیا تھا، وہ نسخہ ''اسرار الاولیاء'' تھا یا کوئی مجموعہ اور تھا، کتنا حجم تھا، کب کا مکتوبہ تھا اور اس میں جو ملفوظ تھے جنہیں حضرت بابا صاحب نے منسوب بتایا ہے، وہ کیا تھے، کیسے تھے اور کیوں سر بسر ہمہ افترا کی حد میں تھے، خواہ وہ بے سر و پا حکایات کا مجموعہ ہی سہی تاہم یہ بتانا ضروری تھا کہ وہ تھے کیا جنہیں سر بسر ہمہ افترا کہا گیا ہے کیونکہ

دعویٰ بلا دلیل قبول خرد نہیں

یہ بھی حیرت انگیز ہے کہ اجودھن (پاکپتن) ہی میں ایسا مجموعہ ملفوظات حضرت بابا صاحب سے منسوب دکھانے کی جسارت کی جائے جو سر بسر ہمہ افترا کی حد میں داخل ہو، جہاں حضرت بابا صاحب کی تعلیمات سے دل و دماغ متاثر تھے۔ وہ کون ہوسکتا ہے جو ایسا از کار رفتہ مجموعہ ملفوظات دکھا سکتا تھا۔

الغرض یہ بیان نہایت درجہ مبہم اور بغایت از کار رفتہ ہے۔ اس میں حضرت بابا صاحب کو ایک عامی کی مثل یاد کیا گیا ہے۔ (ملفوظے ازاں شیخ فرید الدین) جو نظر عقیدت میں وقیع نہیں ہے۔ حضرت خواجہ گیسو دراز کے شیخ محترم مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی نے بھی کبھی اس طرح یاد نہیں فرمایا ہے۔ انکی مبارک زبان پر جب حضرت بابا صاحبؒ کا نام نامی آیا ہے کمال ادب و احترام سے آیا ہے، جو مشرقی تہذیب کا خاصہ ہے۔ آئندہ کا نقاد بتائے گا کہ یہ چیستان ہے کیا اور اس بیان کا ادب و انشاء میں کیا مقام ہے۔ صدیاں گزر گئیں، اہل علم میں سے کوئی بھی اس عبارت سے متاثر نہیں، نہ اسکے سہارے کسی نے ''اسرار الاولیاء'' کو ناقابل اعتنا قرار دیا ہے بلکہ معترف ہیں کہ ضبط الفاظ اس قدر پختہ ہے کہ بعینہٖ حضرت بابا صاحبؒ بیان معلوم ہوتا ہے۔ البتہ چودھویں صدی کے ربع آخر میں ایسے اشخاص جو ادب و انشا کی نزاکتوں سے ناآشنا ہیں وہ اس عبارت کے سہارے ''اسرار الاولیاء'' کو جعلی بتانے لگے ہیں۔

Marfat.com

(۵) جس نسخہ ملفوظات کا ذکر متذکرہ عبارت میں ہے اور جو سر بسر ہمہ افترا کی مد میں شمار ہے وہ کیا تھا، اس کا آج بھی کسی کو علم نہیں ہے، مگر ''اسرار الاولیاء'' کے دستیاب ہونے والے نسخے پر آج بھی سر بسر ہمہ افترا کا اطلاق نہیں ہوتا، کیونکہ ''اسرار الاولیاء'' کا متداول نسخہ اصول شریعت وطریقت کے بالکل مطابق ہے اور صحیفہ رشد وہدایت ہے اور اس کی روایات پر جو اعتراضات کیے ہیں، وہ سطحی ہیں۔

متذکرہ بیان جسے حضرت خواجہ گیسو دراز سے منسوب کیا گیا ہے اور جو فی الواقع ان کا نہیں ہے اور جو نہایت درجہ مبہم مشتبہ اور مذبذب اور جس سے صحیح نقطہ نظر واضح نہیں ہوتا' ہرگز قابل قبول نہیں ہے بلکہ اسکو حضرت خواجہ گیسو دراز سے منسوب کھلی افترا بھی ہے اور جب کبھی کوئی صاحب کمال ''جوامع الکلم'' پر لکھے گا تو پوست کندہ کیفیت سامنے آجائے گی۔

''جوامع الکلم'' حضرت خواجہ گیسو دراز کا مجموعہ ملفوظات ہے جسے ان کے صاحبزادے سید محمد اکبر حسینیؒ نے مرتب فرمایا تھا، جو تمام تر دس ماہ کا مجموعہ ملفوظات ہے، (۱۸ رجب ۸۰۲ھ تا ۲۲ ربیع الثانی ۸۰۳ھ) اس پر اعتراض بھی ہے۔ اس کے بعض بیانات سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ گیسو دراز مائل بہ شیعت تھے۔ مگر اس خیال کی تردید[۴] ''جوامع الکلم'' کے دیگر بیانات سے ہو جاتی ہے، لیکن یہ واقعہ ہے اور افسوس ناک واقعہ ہے کہ ''جوامع الکلم'' میں متعدد ایسی روایتیں ہیں کہ شرم وحیا سے آج بھی کوئی مہذب باپ اپنے بیٹے کے سامنے بیان نہیں کر سکتا۔ کتنی ہی ایسی روایتیں ہیں جن سے بمشکل ہی کوئی اچھا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ کتنی ایسی ہیں جن سے متدین اور نکوکار اشخاص کی شخصیت مجروح نظر آتی ہے حتیٰ کہ خواجہ اقبال تک بد دیانتی سے ملوث نظر آتے ہیں، جو بچپن سے بڑھاپے تک حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں رہے تھے اور خادم خاص کے منصب پر فائز تھے، بلکہ حضرت محبوب الٰہی کی ذات گرامی بھی ملوث دکھائی دیتی ہے۔[۵] یہ کیا ہے؟ اگر الحاق وتصرف نہیں ہے۔ اسی طرح ملفوظات کے متعلق جو کچھ ہے وہ بھی الحاق وتصرف ہی ہے اور وہ حضرت خواجہ گیسو دراز کا بیان نہیں ہے۔

تاریخی اندراج

کتب دینیات ہوں یا کتب تصوف' ان میں تاریخی اندراج کی نہ کچھ اہمیت تھی اور نہ عہد قدیم میں اس کا رواج و اہتمام تھا، چنانچہ متعدد کتابیں اس وصف سے معرا الملتی ہیں، غالباً ''اسرار الاولیاء' پہلا مجموعہ ملفوظات ہے جس کے آغاز میں ایک تاریخی اندراج ہے جو غلط اور محرف ہے۔ غلطی کا سبب کاتبوں اور ناقلوں کا سہو بھی ہو سکتا ہے، ورنہ تحریف والحاق کرنے والوں کی کارستانی ہے۔[۶]

نقاد ہو یا محقق یا سوانح نگار تاریخی اندراجات سے کام لینے سے پہلے اس کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ تاریخی اندراجات کو خوب اچھی طرح کسوٹی پر کس لے۔ اگر صحیح ہیں تو فہو المراد اور اگر غلط ہیں ان کو بے تکلف مسترد قرار دے اور تحقیق سے صحیح تاریخی تعین کی کوشش کرے اور ہرگز غلط تاریخی اندراج کو محور نہ بنائے، ورنہ کیا دھرا سب اکارت جائے گا۔ سنین کے اندراجات میں اکثر غلطیاں ہوئی ہیں۔ خواہ نقل وکتابت ہی اس کا سبب ہو۔ ''تاریخ فرشتہ'' نہایت متداول تاریخی کتاب ہے، مگر غلطیوں سے مبرا نہیں۔ ''طبقات ناصری'' اور ''تاریخ فیروز شاہی'' برنی بھی مستثنیٰ نہیں ہیں، مگر آج تک کسی دانشور نے غلط تاریخی اندراج کو صحیح ومعتبر قرار دے کر محور نہیں بنایا ہے۔ یہ انسانی لغزش ہے۔ اسے نظر انداز کرنا ہی

Marfat.com

ہوتا ہے۔

''اسرارالاولیاء'' کی پہلی فصل کے آغاز میں ایک تاریخی اندراج ہے جو غلط ہے' بلکہ محرف ہے۔ اس کے علاوہ اس میں اور کہیں کوئی تاریخی اندراج نہیں ہے اور وہ غلط اندراج یہ ہے۔

دوشنبہ ہیژدہم شعبان ۶۳۱ھ احدی وثلثین وستہ مایۃ (اسرارالاولیاء: ص ۳)

یعنی پیر کا دن، شب برات کے مہینے کی اٹھارہویں تاریخ ۶۳۱ ہجری۔ اس تاریخی اندراج کو تقویم کی کسوٹی پر کس کر دیکھنا چاہیے کہ صحیح ہے یا نہیں۔ اگر صحیح ہے تو فہوالمراد ہے اور اگر غلط ہے تو داخلی شواہد سے کام لے کر صحیح تاریخی اندراج کے استقراء کی کوشش کرنی چاہئے۔

تقویم بتاتی ہے کہ ۱۸ شعبان ۶۳۱ھ کو دوشنبہ نہیں جمعہ ہے۔ تقویم میں ایک دن کا فرق تو ہو سکتا ہے، مگر بالعموم اس سے زیادہ نہیں ہوتا۔ تقویم کے اعتبار سے ۲۹ کو چاند نظر آتا تھا۔ مگر کہیں مطلع صاف تھا اور کہیں نہ تھا، لہٰذا کہیں چاند نظر آیا اور کہیں نظر نہیں آیا۔ جہاں نظر آ گیا وہاں تقویم سے مطابقت برقرار رہی اور جہاں نظر نہیں آیا، وہاں ایک دن کا فرق پڑ گیا۔ ان ہی وجوہ کی بنا پر دو مختلف مقامات پر بعض اوقات دو مختلف دنوں میں عیدالفطر منائی جاتی رہی ہے۔ اگر اس میں دن تاریخ اور مہینے کو صحیح مان لیا جائے تو بھی داخلی شواہد بتاتے ہیں کہ ۶۳۱ھ غلط ہے، ۶۵۷ھ ہونا چاہئے' جو کاتب و ناقل کے سہو کی بنا پر یا تحریفی کارستانی کی بدولت غلط کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی ہے کہ ''اسرارالاولیاء'' کے مطبوعہ نسخے میں نقل و کتابت کی بکثرت غلطیاں ہیں، جن کی نشان دہی بآسانی کی جا سکتی ہے۔ حیرت ہے کہ مطبع نولکشور کانپور سے نسخہ ''اسرارالاولیاء'' اس قدر غلط کیسے شائع ہو گیا ہے۔

داخلی شواہد

داخلی شواہد سے کام لیا جائے تو یہ حقیقت مخفی نہیں رہی کہ ''اسرارالاولیاء'' کی تدوین و تالیف کا تعلق کس عہد سے ہے۔ داخلی شواہد میں سے بعض شواہد یہ ہیں:

(۱) امیر خورد کرمانی کا بیان ہے، دیگر تذکرہ نویس بھی اس سے متفق ہیں کہ مولانا بدرالدین اسحاق جب دلی سے بخارا کے لیے روانہ ہوئے اور اجودھن (پاکپتن) پہنچے تو انہوں نے حضرت بابا صاحب کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی تھی۔ (سیرالاولیاء۔ ص: ۷۰ اچ)

(۲) حضرت بابا صاحبؒ آخری چوتھائی مدت حیات میں اجودھن (پاکپتن) میں سکونت پذیر تھے۔ قیام اجودھن (پاکپتن) کی مدت امیر خورد کرمانی نے اٹھارہ یا چوبیس سال بتائی ہے۔ (سیرالاولیاء' ص ۶۳ چ) گویا کہ یقینی طور پر وہ بھی بتا نہیں سکے ہیں۔ علی بن محمود جاندار شاہ نے ستائیس سال بتائی ہے (درر نظامی ص ۱۲۸ ترجمہ) اس اعتبار سے اجودھن (پاکپتن) میں قیام کا آغاز ۶۵۲ھ یا ۶۴۶ھ یا ۶۴۳ھ سے ہوتا ہے لہٰذا جو مجموعہ ملفوظات حضرت بابا کی خدمت میں رہتے ہوئے اور دوران قیام اجودھن (پاکپتن) میں مرتب ہوتا ہے، وہ ۶۴۳ھ سے پہلے ہرگز مرتب نہیں ہو سکتا۔ سبب کچھ بھی ہو، مگر یہ تاریخی اندراج قطعاً غلط ہے اور تحقیقی و تنقیدی نقطہ نظر سے ہرگز اسے محور نہیں بنایا جا سکتا ہے۔

(۳) ۶۳۳ھ میں حضرت بابا صاحبؒ کا قیام بالاتفاق ہانسی میں تھا (سیرالاولیاء: ص ۹۴ چ)۔ قرین

Marfat.com

قیاس یہ ہے کہ ۶۳۱ھ میں بھی ہانسی ہی میں ہوگا۔ لیکن اگر ہانسی میں قیام نہ ہوتو نہ سہی تاہم اجودھن (پاکپتن) میں قیام ہرگز نہ تھا۔ واقعات شاہد ہیں کہ حضرت باباصاحب نے ۶۳۳ھ سے کہیں بعد اجودھن (پاکپتن) میں سکونت اختیار کی تھی۔ لہٰذا جو مجموعہ ملفوظات اجودھن (پاکپتن) میں مرتب ہوا ہے وہ ۶۳۱ھ میں مرتب نہیں ہوا ہے، بلکہ اس کے کہیں بعد ہوا ہے اور ''اسرارالاولیاء'' میں مندرجہ ۶۳۱ھ محرف اور قطعاً غلط ہے۔

(۴) جب خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ ''اسرارالاولیاء'' کا جائزہ لیا جاتا ہے اور مطالعہ کیا جاتا ہے، تو زیادہ نہیں تو دو نکتے ایسے ضرور ملتے ہیں، جن کی مدد سے ''اسرار'' کے عہد تدوین کا تعین بآسانی کیا جاسکتا ہے۔

(الف) ''اسرارالاولیاء'' کی آخری اور بائیسویں فصل کے اختتام پر یہ عبارت ملتی ہے:

''پس این بود کہ از اسرار انوار والفاظ او رشیخ الاسلام ور مدت دوازدہ سال شنیدہ است۔ دریں مجموعہ نوشتہ آمد'' (اسرارالاولیاء ص:۹۴)

گویا کہ یہ مجموعہ ملفوظات ''اسرارالاولیاء'' بارہ سالہ شغف وانہماک کا ثمرہ ہے جو مرتب کرنے والے کے فطری ذوق وشوق کا آئینہ دار ہے۔

(ب) ''اسرارالاولیاء'' کے مطالعہ سے یہ واضح ہے کہ پندرہویں فصل سے آخر تک آٹھ فصلوں کے شرکا میں حضرت محبوب الٰہی بھی ہیں جس سے یہ ثابت ہے کہ اس بارہ سالہ مدت میں وہ زمانہ بھی شامل ہے کہ جب حضرت محبوب الٰہی اجودھن (پاکپتن) میں حضرت باباصاحب کی خدمت میں تھے۔

امیر خورد کرمانی نے حضرت محبوب الٰہی کی خودنوشت یادداشت سے نقل کیا ہے کہ رمضان المبارک ۶۶۹ھ میں حضرت باباصاحبؒ نے حضرت محبوب الٰہی کو خلافت نامہ عنایت فرمایا تھا، (سیرالاولیاء ص:۱۱۶ج) اور خواجہ امیر حسنی علاء سجزی نے حضرت محبوب الٰہی کی زبانی یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت باباصاحب نے حضرت محبوب الٰہی کو شوال کی کسی تاریخ کو اجودھن (پاکپتن) سے دہلی بھیج دیا تھا اور محرم کی پانچویں کو حضرت باباصاحب واصل بحق ہوئے تھے، (فوائدالفواد ص:۵۲) لہٰذا اگر ۶۶۹ھ کو بارہواں سال مان لیا جائے جو قرین قیاس بلکہ صحیح ہے تو ''اسرارالاولیاء'' کی تدوین کا آغاز ۶۵۷ھ قرار پاتا ہے جو تقویم کے اعتبار سے بھی صحیح ہے، بلکہ ہر اعتبار سے صحیح ہے، اور واقعات کے مطابق بھی ہے۔

(۵) تقویم یہ بھی بتاتی ہے کہ ایک دن کا فرق ہے جو ہوسکتا ہے، تقویم میں ۱۸ شعبان ۶۵۷ھ کو یکشنبہ (اتوار) ہے اور جمادی الآخر کا مہینہ ۲۹ دن کا ہے، غالباً ۲۹ کو اجودھن (پاکپتن) میں مطلع صاف نہ تھا۔ اس لیے جمادی الآخر کو ۳۰ دن کا مہینہ مان لیا ہے، جیسا کہ ہوتا رہتا ہے۔ اس اعتبار سے ۱۸ شعبان ۶۵۷ھ کو دوشنبہ ہی ہے اور یہی آغاز ''اسرارالاولیاء'' کی صحیح تاریخ ہے۔

قلمی کتابوں میں جو غلطیاں ملتی ہیں، انہیں اس طرح سلجھانا ہوتا ہے۔ نقاد ہو یا محقق تاوقتیکہ اس کی کارگزاری میں اخلاق وخون جگر کی چاشنی نہ ہوگی، اس کی کارکردگی کی مقبولیت حاصل نہیں کرے گی، ہر حال میں کامل احتیاط سے حق تنقید ادا کرنا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ''اسرارالاولیاء'' کی پہلی فصل کے آغاز میں جو تاریخی اندراج ہے، اس کی وجوہ کچھ بھی

Marfat.com

ہوں، مگر وہ غلط ہے، اس لیے پہلے اس کی صحت کی جانب متوجہ ہونا ہوگا۔ جب صحیح حل مل جائے تو قدم آگے بڑھانا ہوگا، ورنہ غلط اندراج کی کسی حالت میں بھی اپنایا نہیں جا سکتا، لہٰذا تقویم کی مطابقت سے اور داخلی شواہد سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اسے صحیح تسلیم کرنا ہوگا۔ یہ بھی مناسب ہے کہ قدیم قلمی نسخوں کے مطالعہ سے بھی استفادہ کیا جائے۔

۴۔ ''اسرار الاولیاء'' کا عہد تدوین

تقویم کی مطابقت سے اور داخلی شواہد سے یہ ثابت ہے کہ ''اسرار الاولیاء'' کا عہد تدوین ۶۵۸ھ تا ۶۶۹ھ ہے اور یہ صحیح ہے۔ اس عہد تدوین کے اعتبار سے حضرت بابا صاحبؒ کی مجالس میں حضرت محبوب الٰہی کی اور بعض مجالس میں مولانا برہان الدین ہانسوی کی شرکت بھی صحیح قرار پاتی ہے اور شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی وفات کا ذکر بھی برمحل رہتا ہے۔ ان کے علاوہ دیگر تاریخی واقعات بھی برمحل قرار پاتے ہیں اور وہ خلفشار رفع ہو جاتا ہے، جو غلط تاریخی اندراج کی بنا پر لاحق ہوتا ہے، لہٰذا عہد تدوین ۶۵۷ھ تا ۶۶۹ھ کو صحیح تسلیم کر کے ''اسرار الاولیاء'' کا جائزہ لینا چاہیے۔ یقین ہے کہ پھر کوئی الجھن درپیش نہ ہوگی۔

(۵) امتیازی خصوصیات: ''اسرار الاولیاء'' میں بعض امتیازی خصوصیات ہیں جو اس سے پہلے کے ملفوظات کے مجموعوں میں یا تو ہیں نہیں یا اگر ہیں، تو شاذ و نادر ہی ہیں۔ اس اعتبار سے ''اسرار الاولیاء'' امتیازی و منفرد حیثیت کی مالک ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر خیر زیر قلم آتا ہے۔

۶۔ استفسار و مکالمہ

مولانا بدر الدین اسحاق کی پہلی حاضری کا واقعہ شاہد ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کی مبارک نظر طالبوں اور حاضر خدمت ہونے والوں کے قلوب پر بھی رہتی تھی۔ جو بھی سوال ان کے دل میں پیدا ہوتا، وہ بصیرت باطنی سے اسے معلوم کر لیتے اور تقریر ہی میں اسے حل فرما دیتے تھے۔ ؎ عموماً کسی کو دریافت کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ اگر کیفیات سے مغلوب ہو کر کسی کی زبان پر کچھ آ گیا ہے تو وہ مستثنیات میں سے ہے۔ ایسی مثالیں ''اسرار الاولیاء'' میں خال خال مل جاتی ہیں۔ اس کو مکالمہ سے تعبیر کر لیا جائے یا استفسار سے' دراصل ہے ملغوبیت کا تاثر، ورنہ دوران تقریر میں مداخلت و استفسار خوبی نہیں بلکہ معیوب ہے، جو بے ادبی کے مصداق بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال ایسی مثالیں متقدمین کی کتب ملفوظات کے بالمقابل امتیازی نوعیت کی مالک ہیں جس کی اتباع کے نقوش ''فوائد الفواد'' وغیرہ بعد کی کتب ملفوظات میں ملتے ہیں گویا کہ ''اسرار الاولیاء'' نقش اول ہے اور ''فوائد الفواد'' نقش ثانی ہے اور وہ مثالیں یہ ہیں۔

(الف) ہمیں کہ شیخ الاسلام این بیت بہ زبان راند عزیزے از اہل صفہ.......... روئے بہ زمیں آورد و عرض داشت کرد۔ الخ (اسرار الاولیاء فصل سوم ص ۱۶)

(ب) آں گاہ عزیزے از اہل صفہ حاضر بود۔ روئے بہ زمین آورد و عرض کرد و گفت الخ (ایضاً ص ۱۷)

(ج) درآں میان عزیزے حاضر بود عرض داشت کرد۔ الخ (اسرار الاولیاء فصل ۱۴ ص ۷۲)

ان مثالوں سے یہ واضح ہے کہ ''اسرار الاولیاء'' میں استفسار و مکالمہ ہے، مگر بقدر قلیل ہے تاہم اس سے ''اسرار الاولیاء'' کی اہمیت اور اس کی امتیازی نوعیت واضح ہے۔

Marfat.com

۷۔فصول

''اسرار الاولیاء'' کئی فصلوں پر منقسم ہے۔ ہر فصل کسی عنوان سے متعلق ہے، جو ہر فصل کے آغاز میں تحریر ہے۔ عنوان سے متعلق معلومات اس فصل میں فراہم کی ہیں، خواہ ان معلومات کا تعلق مختلف بیانات ہی سے کیوں نہ ہوتا ہم اس سے سہولت ہے کہ کسی ایک بات کو پوری کتاب میں تلاش کرنے کی زحمت سے دو چار نہیں ہونا پڑتا بلکہ کسی ایک عنوان کے تحت تلاش کر لینا کافی ہوتا ہے۔ تلاش میں نہ تو وقت ضائع ہوتا ہے اور نہ تکلیف گوارا کرنی پڑتی ہے، بلا شبہ یہ خوبی لائق تحسین ہے، جو اس سے پیشتر کی کتب ملفوظات میں نہیں ہے۔ علی بن محمود جاندار شاہ ''درر نظامی'' میں ''اسرار الاولیاء'' ہی کی اتباع کی ہے، جو اس لئے ''اسرار الاولیاء'' نقش اول ہے اور ''درر نظامی'' نقش ثانی ہے۔ مگر ''فوائد الفواد'' اور ''خیر المجالس'' میں یہ خوبی نایاب ہے۔

بعض فصلوں کے آغاز میں بعض ممتاز ترین شرکا کے اسمائے گرامی مندرج ہیں جن سے مجالس کی نوعیت و اہمیت واضح ہے۔ آخر میں اختتام کی نوعیت بھی واضح کی ہے، ''درر نظامی'' میں ان دونوں اوصاف کا فقدان ہے۔

۸۔عربی فارسی ہندی مرکبات

''اسرار الاولیاء'' میں کئی مقامات ایسے ہیں جن سے ہندی فارسی اور ہندی عربی مرکبات کے استعمال و رواج کا پتہ چلتا ہے اور لسانی اتحاد کی نشان دہی ہوتی ہے، گویا کہ یہ تخم ریزی ہے اردو زبان کے لیے جو پھلی پھولی اور پروان چڑھی۔ جو آج گونا گوں موانعات کے باوجود ہندو پاک کی شایستہ ترین زبان ہے۔ بعض مثالیں یہ ہیں:

(الف)	اور ابھیا غریب گفتند ے	اسرار الاولیاء فصل پہلی	ص ۴
(ب)	فریدا جودھنی	اسرار الاولیاء دوسری	ص ۱۴
(ج)	اور درویش بڈہنی گفتند ے	اسرار الاولیاء تیرہویں	ص ۷۰
(د)	خربزہ ہندی	اسرار الاولیاء تیرہویں	ص ۷۱

اس روش کی اتباع صاحب ''سیر الاولیاء'' امیر خورد کرمانی نے کی ہے۔ اس اعتبار سے ''اسرار الاولیاء'' نقش اول اور ''سیر الاولیاء'' نقش ثانی ہے۔ ''خیر المجالس'' میں اس اتباع کے گہرے نقوش ملتے ہیں۔

۹۔تبلیغی کارنامہ

''اسرار الاولیاء'' کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے کہ اس میں ایک تبلیغی کارنامہ کا ذکر ہے، جو ''راحت المحبین'' میں بھی ہے۔ مگر ''فوائد الفواد'' اور ''خیر المجالس'' جیسی بعد کی کتب ملفوظات میں نہیں ہے۔ اس اعتبار سے ''اسرار الاولیاء'' اولین اور منفرد اوصاف کی مالک ہے اور واقعہ یہ ہے کہ خواجہ قطب الدین چشتی جن سے مراد خواجہ قطب الدین مودود چشتی ہیں، ان کی مجلس میں حاضرین مجلس میں سے کسی نے دریافت کیا کہ کوئی کیسے جانے کہ وہ کامل ہو گیا ہے اور اس نے سلوک کی منازل طے کر لی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص کسی مردے پر دم کرے۔ اگر وہ بحکم الٰہی زندہ ہو جائے[۵] تو یہ علامت اس کی کمالیت کی ہے۔

Marfat.com

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید　　　دیگران ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

ابھی یہ گفتگو ختم ہونے نہ پائی تھی کہ ایک بڑھیا روتی دھوتی حضرت خواجہ قطب الدین چشتی کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا ایک ہی لڑکا تھا۔ بادشاہ نے بے گناہ اسے سولی پر چڑھا دیا ہے۔ آپ یہ سنتے ہی عصا ہاتھ میں لے کر اس کے ہمراہ ہو لئے۔ موقعہ واردات پر پہنچے۔ لڑکے کو سولی چڑھایا جا چکا تھا۔ آثار زندگی باقی نہ تھی۔ آپ نے دیکھا اور بارگاہ الٰہی میں التجا کی خداوندا!! اگر بادشاہ نے اسے بے جرم و خطا سولی پر چڑھوایا ہے تو آپ اسے زندہ فرما دیں۔ آپ نے فرمایا یہی تھا کہ وہ لڑکا زندہ ہو گیا۔ مولانا روم نے فرمایا ہے:

اولیاء راہست قدرت از الہ　　　تیر جستہ باز گرداند ز راہ

اس عمل کرامت کی برکت سے ہزاروں غیر مسلم جن کا تعلق کسی طرح ہندوستان سے تھا، مسلمان ہو گئے اور صحیح راہ عمل اختیار کر لی تھی۔ لکھا ہے۔

آن روز چند ہزار در ہزار ہندو مسلمان شدند، (اسرار الاولیاء، ص ۸۹)

ہندو سے مراد بدھسٹ بھی ہو سکتے ہیں جو چشت، خراسان اور بت بامیان کے علاقہ میں آباد تھے اور وہ ہندو بھی جو عہد غزنوی سے غزنی اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھے اور کھلم کھلا اپنے ٹھاکروں کی پوجا پاٹ کیا کرتے تھے۔ گبرو ترسا نہ تھے۔

استاد محترم

''اسرار الاولیاء'' ہی سے ہماری معلومات میں یہ اضافہ ہوتا ہے کہ حضرت بابا صاحب کے ایک استاد محترم کا نام نامی مولانا بہاء الدین بخاری تھا۔ آپ نے فرمایا:

''اے درویش وقتے از زبان استاد خود شنیدم مولانا بہاء الدین بخاری رحمتہ اللہ علیہ کہ وقتے خواجہ تمیم انصاری رحمتہ اللہ علیہ بردست حبشیان گرفتار شدہ بود'' (اسرار الاولیاء، ص ۳۷)

ایک دفعہ یہ بھی ذکر فرمایا:

''اے درویش از شیخ بہاء الدین بخاری کہ یکے از واصلان حق بود این قطعہ از یاد دارم امااز شوق گفتہ بود۔

من اول روز چوں در تو بدیدم شیفتہ گشتم　　　ندانستم تو بودے یا کہ بودست این کہ من دیدم

چناں در روئے آں جانان شدم من شیفتہ والہ　　　کہ من از خود شدم بیروں تر او رجان و تن دیدم''

الغرض ان امتیازات سے ''اسرار الاولیاء'' کی انفرادیت واضح ہے۔ ''اسرار الاولیاء'' کے مطالعہ سے معلومات میں وہ اضافہ ہوتا ہے، جو دیگر کتب ملفوظات کے مطالعہ سے نہیں ہوتا۔

''اسرار الاولیاء'' کی ضخامت

''اسرار الاولیاء'' کے فارسی مطبوعہ نسخے کا حجم ۹۴ صفحات ہے۔ مولانا بدر الدین اسحاق نے یہ بھی وضاحت

Marfat.com

فرمائی ہے کہ انہوں نے یہ صحیفہ رشد و ہدایت بارہ سال میں مرتب فرمایا ہے۔ اس بیان کے صحیح ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ حضرت محبوب الٰہی کا ارشاد ہے:

مولانا بدرالدین اسحاق چناں خادمی شیخ الشیوخ العالم قدس اللہ سرہ العزیز کردے کہ از دہ تن چنان خدمت نیامد باآں ہم مستغرق و مشغول حق بودے تا بحدے کہ بخدمت شیخ شیوخ العالم نشتہ مستغرق حق تعالیٰ بودے کہ از خود خبر نہ داشتے،
(سیر الاولیاء ص:۱۷۷)

مولانا بدرالدین اسحاق حضرت بابا صاحب کی ایسی خدمت کرتے تھے جو دس آدمی بھی نہیں کر سکتے تھے (اس مشغولی کے باوجود) نہایت مستغرق اور یاد حق میں محو رہتے تھے حتیٰ کہ جب حضرت بابا صاحب کی خدمت میں بیٹھے ہوتے تو بھی ہمہ تن یادالٰہی میں محو رہتے تھے، اپنا بھی ہوش نہ رہتا تھا۔

حضرت محبوب الٰہی نے یہ بھی فرمایا ہے:

وقتے مولانا بدر الدین اسحاق کہ تعویذ او نوشتے حاضر نہ بود، دخلقے بہ جہت تعویذ بروں آمدہ بودند، مرا اشارت کرد کہ تو بنویس من تعویذ نوشتم تا خلق انبوہ شد کتابت من بسیار شد و مزاحمت خلق بیشتر شد، درین میاں شیخ روئے سوئے من کردو فرمود کہ ملول شدی، من گفتم کہ وقت شیخ حاضر است
(فوائد الفواد ص:۲۰۰)

ایک دفعہ مولانا بدرالدین اسحاق موجود نہ تھے جو حضرت بابا صاحب کے حکم سے تعویذ لکھا کرتے تھے، تعویذ لینے والے آئے ہوئے تھے، حضرت بابا صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ تم لکھو۔ میں نے تعویذ لکھے، تعویذ لینے والے بہت ہی آ جمع ہو گئے۔ مجھے بہت ہی لکھنا پڑا، مخلوق کے ہجوم سے کام میں رکاوٹ بھی ہوتی تھی، حضرت بابا صاحب نے میری طرف رخ کیا اور فرمایا (کیا) تھک گئے، میں نے عرض کیا آپ پر سب کچھ روشن ہے۔

حضرت محبوب الٰہی کے بیان سے واضح ہے کہ مولانا بدرالدین اسحاق کو بھی ہجوم خلائق سے دوچار رہنا پڑتا تھا جس میں خاصا وقت صرف ہوتا تھا۔ اس انہماک و مشغولیت کے باوجود دیگر امور بھی ان کے سپرد تھے۔ مہمانوں کی تواضع اور خدمت، لنگر خانے کا انتظام و اہتمام بھی انہی کے سپرد تھا، حتیٰ کہ لنگر خانے کے لیے جنگل سے لکڑیاں بھی لاتے تھے، (سیر الاولیاء ص ۱۷۶) پھر جو شخص اس قدر منہمک اور مشغول بکار ہو اور جس کے لیے حضرت بابا صاحب کی خدمت مقدم ہو اور خدمت بھی ایسی کہ اس سے دس آدمی بھی عہدہ برآ نہ ہو سکیں اور ہمہ وقت مشغول بھی رہتا ہو، اس سے کتنی ضخیم کتاب کی تدوین متوقع ہو سکتی ہے، لہٰذا جو کچھ بھی کیا' وہ ان ہی کا کام تھا، جو انہوں نے کیا، دوسرا کوئی عہدہ برآ نہ ہو سکتا تھا۔

واقعات شاہد ہیں کہ یہ مجموعہ ملفوظات ''اسرار الاولیاء''، مولانا بدرالدین اسحاق ہی کے رشحات قلم کا ثمرہ ہے جو دست برد زمانہ سے ہم تک محفوظ نہیں پہنچا ہے، لیکن جو کچھ ہے، عقیدت مندوں کے لیے سرمہ چشم اور سالکان راہ سلوک کے لیے خضر راہ ہے۔

کتابوں کے حوالے

حضرت بابا صاحب کا مطالعہ وسیع اور حافظہ نہایت قوی تھا، آپ کو یہ یاد رہتا تھا کہ کس مضمون کا ماخذ کیا ہے، لہٰذا

Marfat.com

آپ گاہ بگاہ طالبوں کی رہنمائی کے پیش نظر جزدی یا کلی طور پر ماخذات کا ذکر بھی فرماتے رہتے تھے۔ یہ روش ملفوظات میں عام ہے، عموماً ہر مجموعہ ملفوظات میں ملتی ہے، ''اسرار الاولیاء'' میں بھی متعدد ماخذات کا ذکر ہے، مثلاً

(۱) قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ در تواریخ خود بہ نشستہ است (ص ۴، ۱۳)
(۲) خواجہ معین الدین سنجری جائے بہ نشستہ است (ص ۵)
(۳) درزاد المحبین بہ نشستہ دیدہ ام است (ص ۸)
(۴) خواجہ امام محمد طاہر غزالی در تواریخ خود بہ نشستہ است (ص ۱۳)
(۵) در آثار الاولیاء بہ نشستہ دیدہ ام (ص ۱۵)
(۶) شیخ الاسلام شہاب الدین قدس اللہ سرہ العزیز فرمودہ است (ص ۴۷)
(۷) در سلوک بہ نشستہ دیدہ ام (ص ۴۷، ۷۳) (سلوک سے مراد کتاب ''سلوک الاولیاء'')
(۸) در عہد خواجہ جنید بغدادی قدس اللہ روحہ دیدہ ام (ص ۴۷، ۷۸)
(۹) در اسرار العارفین بہ نشستہ دیدہ ام (ص ۵۰)
(۱۰) در کتاب محبت بہ نشستہ دیدہ ام (ص ۵۱، ۵۳)
(۱۱) در حجۃ العارفین آمدہ است (ص ۵۲)
(۱۲) خواجہ عبداللہ سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ جائے بہ نشستہ است (ص ۶۶)
(۱۳) در سلوک الاولیاء بہ نشستہ دیدہ ام (ص ۶۷)
(۱۴) از زبان شیخ اوحدالدین کرمانی شنیدہ ام (ص ۶۹)
(۱۵) شنیدم از زبان خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس اللہ سرہ العزیز (ص ۷۳)

تلاش و تفحص سے کچھ حوالے اور بھی ملتے ہیں، ماخذات کی یہ تعداد نہایت قلیل ہے۔ آٹھ سات کتابوں کے نام ہیں۔ دیگر حوالہ جات کا تعلق ذاتی معلومات اور ذاتی مطالعہ سے ہے۔ حوالہ جات کا یہی عالم دیگر کتب ملفوظات میں ہے۔ ''خیر المجالس'' میں اکتیس تو مستقل کتابوں کے نام ہیں اور متعدد حوالے ذاتی معلومات پر مبنی ہیں۔ ''خیر المجالس'' میں ماخذات کا ذکر کچھ اس طرح ہے۔

(۱) در کشاف نوشتہ است (ص ۸۳)
(۲) در کتابے نوشتہ است (ص ۶۶)
(۳) حجۃ الاسلام غزالی حکایت بزرگے نوشتہ است (ص ۹۵)
(۴) عین القضاۃ در کتاب خود نوشتہ است (ص ۹۷)
(۵) قول بزرگے فرمودند (ص ۱۵۵)
(۶) در عوارف است (ص ۱۵۵)
(۷) از بزرگے روایت فرمودند (ص ۱۵۳)

Marfat.com

(۸) در رسالہ بہ نشستہ دیدہ ام (ص ۲۳۵)

(۹) در فلاں کتاب نوشتہ است (ص ۲۳۹)

(۱۰) در کتابے دیدہ ام (ص ۲۵۷)

متقدمین کی اکثر و بیشتر کتابیں نایاب و ناپید ہیں، بعض کا پتہ نشان ''کشف الظنون'' (چلپی) کی سی کتب حوالہ جات سے مل سکتا ہے۔ لیکن کتب حوالہ جات بھی جز و کل پر حاوی نہیں ہوتیں۔ حال ہی میں پنجاب یونیورسٹی لاہور (پاکستان) سے ''تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند'' نام سے کئی جلدیں شائع ہوئی ہیں، لیکن متعدد کتابوں کا ذکر رہ گیا ہے، جن کی طرف ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، (جنوری و فروری ۱۹۸۰ء) میں توجہ دلائی گئی ہے۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ اگر بعض کتابوں کا ذکر نہیں ملتا تو یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ یہ کتابیں جعلی و فرضی ہیں۔ اولیاء اللہ سے متعلق کتابوں کے باب میں تو یہ بدگمانی نہایت درجہ مکروہ ہے۔ ان بعض الظن الثم. بدگمانی کا مرتکب وہی ہوگا، جو علمی قدروں سے نابلد ہوگا۔

الغرض ''اسرار الاولیاء'' میں ماخذات کے جو حوالے ملتے ہیں، وہ ''خیر المجالس'' کے حوالے سے زیادہ وقیع اور معتبر انداز میں ملتے ہیں۔ ان کے باب میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں، تقریر و بیان میں حوالہ جات کی یہی روش ہے، جو آج بھی ہے۔

اسفار و مشاہدات

کتب ملفوظات کا مطالعہ شاہد ہے کہ اولیاء اللہ کا یہ بھی معمول رہا ہے کہ وہ ملفوظات میں برمحل اپنے اسفار و مشاہدات کا ذکر فرماتے رہے ہیں۔ حضرت محبوب الٰہی کے اسفار نہایت قلیل ہیں۔ بدایوں سے دہلی اور دہلی سے اجودھن (پاکپتن) مگر آپ نے ان مختصر اسفار و مشاہدات کا بھی ذکر خیر فرمایا ہے' جو ''فوائد الفواد'' اور ''سیر الاولیاء'' کے اوراق کی زینت ہے۔ یہ صورت حال اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ بھی حضرت بابا صاحب کے اسفار و مشاہدات کی اور دیگر مشائخ عظام ہی کی اتباع ہے۔

حضرت بابا صاحبؒ کے اسفار و مشاہدات کا ذکر ''اسرار الاولیاء'' میں بھی ہے اور ''راحت القلوب'' میں بھی ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کے ملفوظات کے ان مجموعات میں بھی ہو، جو اب نایاب ہیں، ''فوائد الفواد'' میں بیشک حضرت بابا صاحبؒ کے ان سفروں اور مشاہدہ کے ذکر کو دہرایا نہیں گیا ہے جن کا تعلق دیگر ممالک سے ہے۔ ''فوائد الفواد'' نہ تو حضرت بابا صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، نہ حضرت بابا صاحب کی سوانح حیات ہے، نہ وہ کوئی انسائیکلو پیڈیا کہ اس میں وہ کچھ ہوتا، جو عمومی کتابوں میں نہیں ہوا کرتا، البتہ وہ صحیفہ رشد و ہدایت ہے طریقہ سلوک کے لیے، مگر کیا اس میں سلوک سے متعلق سب ہی کچھ ہے۔ پھر اگر حضرت بابا صاحبؒ کے اسفار و مشاہدات کا ذکر نہیں ہے تو وہ نفی اسفار کی دلیل کیسے ہوسکتی ہے؟ لزوم مالا یلزم بے معنی سی بات ہے،

حضرت بابا صاحبؒ کے جن سفروں کا ذکر ''اسرار الاولیاء'' کے اوراق کی زینت ہے وہ یہ ہیں:

ملک بالا (مقام سوتہ) بغداد، غزنی، طرف شام، بدخشاں، سیوستان (بدایوں) لاہور،

Marfat.com

ان کے علاوہ بھی دیگر معتبر ماخذات میں دیگر سفروں کا ذکر ملتا ہے، مثلاً
اجمیر، دہلی، ہانسی، ملتان، اچ، فرید کوٹ، علاقہ سہارن پور، مارواڑ، بخارا اور قندھار............

عہد وسطیٰ میں سیاحت مشائخ عظام کا خصوصی مشغلہ تھا۔ خواجہ عثمان ہارونی، خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین سجزیؒ، خواجہ قطب الدین بختیار اوشی، قاضی حمید الدین ناگوریؒ، شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ سعدی شیرازیؒ متواتر حرکت میں رہے ہیں اور اس پُر آشوب زمانے میں بھی عزلت گزین نہ ہوئے۔ اس باب میں حضرت باباصاحبؒ بھی ان ہی بزرگوں کے ہم ردیف رہے اور سیر وسیاحت کے فوائد سے مستفید ہوئے۔

تاریخی وقائع

ہر کتاب کا ایک موضوع اور نصب العین ہوتا ہے اور وہ اس علم وفن سے متعلق ہوتی ہے، اگر ضمناً دیگر علوم وفنون سے متعلق کچھ شامل ہو جائے اور وہ مربوط بھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ایسا خال خال ہی ہوتا ہے، ورنہ ہر کتاب اپنے فن سے متعلق رہتی ہے۔ فقہ، منطق، ریاضی، سائنس، دینیات، تصوف ان علوم سے متعلق جو کتابیں ہوں گی، ان میں ان وقائع کی تلاش بے سود اور لا حاصل ہے۔ کتب ملفوظات کی نوعیت بھی یہی ہے، کہ اذہان ایسی زرق برق میں مبتلا نہ ہوں، چنانچہ ''فوائد الفواد'' اور ''خیر المجالس'' میں بھی ان کے عہد تالیف کے تاریخی وقائع نہیں ملتے۔ لیکن یہ عجوبہ روزگار ہے ''اسرارالاولیاء'' میں مختصر سے دو تاریخی وقائع ملتے ہیں:

(۱) سلطان ناصرالدین محمود کا سفر ملتان (۶۵۵ھ) ص ۸۲

(۲) اچ پر مغلوں کی یورش والی ملتان شیر خان کا مارا جانا (۶۶۲ھ) ص ۶۹

اس اعتبار سے بھی ''اسرارالاولیاء'' کو دیگر کتب ملفوظات پر فوقیت حاصل ہے۔

کیفیات

''اسرارالاولیاء'' اگرچہ دستبرد زمانہ سے محفوظ نہیں، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حضرت باباصاحبؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ صدہا سال گزرنے کے باوجود آج بھی اس میں وہ کیفیت اور دلآویزی ہے، جو بیان میں سما نہیں سکتی، بار بار پڑھنے سے کیفیت میں متواتر اضافہ ہوتا رہتا ہے، ذرا بھی کمی نہیں آتی۔ پڑھنے والا نئی سے نئی کیفیت سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ کبھی کسی بیان سے اور کبھی کسی بیان سے پڑھنے والے پر لگاتار کچھ کیفیت طاری ہوتی رہتی ہے کہ وہ اپنے کو ہر بار کسی اور ہی عالم میں پاتا ہے۔ محسوس کرتا ہے کہ کیف وذوق سے طبیعت ایسی متکیف رہتی ہے کہ گویا وہ نغمۂ الست میں کھوسا گیا ہے، اور وہ تسنیم کی موجوں سے کھیلنے سا لگا ہے۔ کیف وسرور کے عالم میں مدہوش وبے خبر ہے اور اسی عالم میں رہنا چاہتا ہے۔ کبھی عالم سرور وبیخودی میں گنگنانے لگتا ہے:

کیش محبت میں کہ سب کچھ ہے روا　　حسرت حرمت بادہ و مزا میر نہ کھینچ

ضرورت حاضرہ کے پیش نظر میں نے ''اسرارالاولیاء'' کا از سر نو مطالعہ کیا کیا بتاؤں میں نے کیا پایا۔ کئی مقام ایسے آئے کہ روح میں اہتزاز پیدا ہو گیا، جی بھر آیا، آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے، حسرت وحیرت طاری ہو گئی، دل دنیا سے بیزار کچھ اور ہی چاہنے لگا۔ سب سے حیرت انگیز یہ کہ یہ بھی پتہ نہ چلا کہ یہ کیف وسرور، یہ سرمستی کس لفظ کس جملے یا کس

Marfat.com

عبارت سے حاصل ہوئی ہے۔ کہہ لیجئے کہ تدریجی طور سے جو کیفیت فراہم ہوتی رہی ہے' جب پیمانہ لبریز ہو گیا تو چھلک پڑا ہے۔

بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''اسرار الاولیاء'' از اول تا آخر کیف و مستی، شریعت و طریقت، ادب و زبان، نور و عرفان اور صداقت و دلربائی کا بیشل مرقع ہے۔ دیرینہ روزی کے اثرات سے متاثر ہونے کے باوجود تاثیر کا نشتر رگ جان میں پیوست ہوتا ہی چلا جاتا ہے۔ اگر چہ وہ زبان حال سے عقیدت مندوں کی سرومہری اور بے اعتنائی کی نوحہ خوان بھی ہے کہ وہ صحت و مقابلہ سے مزین ہو کر منظر عام پر نہ آسکی، جس کی اشد ضرورت ہے۔

عرفائے کاملین میں رشد و ہدایت کی بڑی اہمیت ہے اور وہ اس باب میں ضعیف سے ضعیف حدیث کو بھی روا رکھتے ہیں اور اس سے کام لینے میں تکلف نہیں برتتے۔ وہ طبیب روحانی ہوتے ہیں۔ حاذق اطباء سے بھی اس باب میں ان کا مقام بلند ہے۔ وہ دل کی نبض پر انگلی رکھتے ہیں اور تشخیص و تجویز کرتے ہیں اور تدبیر فرماتے ہیں۔ جس طرح حاذق اطباء کو ان ادویہ سے کام لینے کا استحقاق ہے، جو عام حالات میں شرعاً ممنوع اور حرام و ناروا ہیں' اسی طرح عرفاء بھی بوقت ضرورت ان تدابیر کو اپنا لیتے ہیں، جنہیں علمائے شریعت وقع نہیں جانتے اور ان سے اجتناب برتتے ہیں۔

خوارق عادات اور محیر العقول نقلیں اور تمثیلیں بالطبع انسان کو مرغوب ہیں۔ عرفائے کاملین نے ان سے بھی کام لیا ہے۔ انوار سہیلی (کلیلہ و منہ و پنچ تنتر) منطق الطیر اور مثنوی معنوی تمثیلی بیان کے شاہکار ہیں، جن کی حکایتوں اور تمثیلوں سے اہم اخلاقی نتائج برآمد ہوتے ہیں' جن سے دل و دماغ کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ حیرت انگیزی کا وصف دلوں کو موہ لیتا ہے اور آمادہ عمل بنا دیتا ہے۔ ''اسرار الاولیاء'' اس وصف سے خالی نہیں۔ اگر اس کو اسرار متحیرین سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا اور ''اسرار الاولیاء'' ہی کیا' عہد وسطیٰ کا جملہ ادب' مشرقی ہو یا مغربی' اس وصف سے مالا مال ہے۔ اگر ''اسرار الاولیاء'' میں یہ وصف نہ ہوتا تو نگاہ تحقیق میں یہ اس کا وصف نہ ہوتا' سقم ہوتا۔

یہ صحیح نہیں کہ محیر العقول واقعات سے ناممکنات کے یقین کا نقش جمانا مقصود ہوتا ہے، بلکہ مقصود ہوتا ہے۔ اس کا اثر و نتیجہ[9] اور در اصل اسلوب کی جاذبیت اور کشش مراد ہوتی ہے۔ بہر نوع دیرینہ روزی کے اثرات سے متاثر اور دستبرد زمانہ کے اثرات سے دوچار رہنے کے باوجود مجموعہ ملفوظات ''اسرار الاولیاء'' خوبیوں سے مالا مال اور لائق مطالعہ و استفادہ ہے، البتہ ضرورت ہے کہ صحت و مقابلہ سے آراستہ کر کے اسے منظر عام پر لایا جائے تاکہ معاشرہ میں ایمانی تنوع رونما ہو اور حقیقی راہنمائی حاصل ہو سکے۔

اسلوب بیان

''اسرار الاولیاء'' کا اسلوب بیان اگر چہ سادہ' سلیس اور عام فہم ہے، مگر نہ ایسا دہ سپاٹ اور بے آب و رنگ کہ مطالعہ سے امتلائے ادبی پیدا ہو اور نہ ایسا رنگین و دقیق اور مسجع و مقفی کہ اس پر مصنوعی ہونے کا اطلاق ہو سکے اور جس سے خاص و عام لطف اندوز نہ ہو سکیں۔ ''اسرار الاولیاء'' بلکہ جملہ ملفوظات کے مجموعات کا یہ عمومی وصف ہے کہ ہر طبقہ کا فارسی دان مفہوم و مضمون کو بآسانی سمجھ لیتا ہے اور اپنی استعداد کے مطابق استفادہ کر لیتا ہے۔ تصوف کے دقیق اور نازک مسائل کو اس خوبی سے بیان کرنا زبان دانی کا اور اسلوب بیان کا ایسا وصف ہے جو ہر تعریف و توصیف سے بالاتر ہے۔

اس وصف کا تعلق جامع سے بھی ہے اور صاحب ملفوظات سے بھی۔ جامع کتنے ہی فاضل سہی لیکن راہ سلوک میں وہ مبتدی ہوتے ہیں، اگر شیخ کا اسلوب کمالیت سے مالا مال نہ ہو تو وہ یقیناً عہد برآ نہ ہوں۔ گویا کہ ''اسرارالاولیاء'' کا اسلوب دراصل پرتو ہے حضرت باباصاحبؒ کے اسلوب کا۔ حضرت محبوب الٰہی کا ارشاد ہے۔

بارہا در ذوق بیان ایشاں مرحوم چناں فروی شد کہ تمنا بردہ شدے اگر ہمیں زماں مردم بمیر دنیکو باشد،	اکثر ایسا ہوا ہو کہ سامعین آپ کے (حضرت باباصاحبؒ کے) بیان کے کیف میں کھوسے گئے ہیں اور آرزو کرنے لگے ہیں کہ اسی کیف میں مرجائیں تو اچھا ہو۔
(فوائدالفواد، ص ۷۵)	

حضرت خواجہ غلام فرید چشتی (متوفی ۱۳۰۹ھ/۱۹۰۱ء) کا ارشاد ہے:

''شیخ بدرالدین اسحاق قدس سرہ جو ''اسرارالاولیاء'' کے جامع ہیں' ان کا ضبط الفاظ اس قدر پختہ ہے کہ جو کچھ انہوں نے شیخ شیوخ کی زبان درفشاں سے سنا اسی طرح لکھ دیا۔ اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے''۔ (مقابیس المجالس، ص ۳۶۵۔۳۶۶ ترجمہ)

یہ ان بزرگ کا بیان ہے، جو علم وفضل اور بصیرت باطنی سے مالا مال اور درویشانہ عالمانہ شخصیت کے جامع تھے۔ ان کے بیان کے بعد ''اسرارالاولیاء'' کے اسلوب بیان سے متعلق لب کشائی کی گنجائش نہیں رہتی، گویا کہ ''اسرارالاولیاء'' کا اسلوب بیان ہر اعتبار سے جامع اور بے مثل ہے۔

نفس مضمون

''اسرارالاولیاء'' جن جواہر پاروں کا خزینہ ہے، ان میں سے معدودے چند پیش کئے جاتے ہیں تا کہ نفس مضمون سے آگاہی حاصل ہو سکے اور ''اسرارالاولیاء'' کی اہمیت واضح ہو جائے۔ فرمایا ہے:

(۱) اے درویش جو بادہ محبت سے سرشار ہے وہی عرفاء کے کلام کا قدردان ہے۔ وہی جانتا اور سمجھتا ہے۔

(۲) اے درویش کلام معرفت کی قدر و منزلت سے وہی آگاہی ہے جس کے دل میں انوار عشق اور اسرار دوست نے گھر کر لیا ہے۔

ورنہ حقیقت یہ ہے:

اے کہ آگاہ نہ عالم درویشاں را تو چہ دانی کہ چہ سوداؤ سراست ایشاں را

(۳) اے درویش فقرا اہل عشق ہیں اور اہل عقل .... اور درویش کا عشق علماء کی عقل پر غالب ہے۔

(۴) اے درویش مردان خدا نے یہی کیا ہے کہ وہ جس کسی درماندہ اور محتاج کے پاس سے گزرے اسی کو نعمت دارین سے مالا مال کر دیا ہے۔

یہ فیض رسانی انسانی ہمدردی کے وصف کا ثمرہ ہے، جواب ناپید ہے۔

Marfat.com

(۵) اے درویش جس دل میں محبت گھر کر لیتی ہے، اس میں محبوب کے سوا اور کسی شے کے سمانے کی گنجائش نہیں رہتی..............وصال محبوب سے بار یاب وہی ہوتا ہے، جو دوئی کے عیب سے محفوظ و مبرا ہوتا ہے۔ (۱۷، ۱۸) پھر شرک و کفر کی گنجائش کہاں۔ عیب جوئی اور خوردہ گیری کا گزر کہاں:

(۶) اے درویش عشق میں محبت گی آگ درویش ہی کے دل میں سلگتی ہے، اس کی جلوہ آرائی کے لیے اور کوئی محل و مقام نہیں ہے،

سماع سے یہ آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ جو حضرت بابا صاحبؒ کا ارشاد ہے، السماع یحرک قلوب المستمعین و یو قد نار الشوق فی صدور المشتاقین [۱۱] (سیر الاولیاء، ص: ۴۹۲)

(۷) اے درویش اس عالم آب و گل سے جو کوئی ایمان سلامت لے گیا' یہ یقین جانو اس نے بڑا کام کیا، پالا مار لیا۔

سلامتی ایمان کا تو یہاں احساس تک نہیں۔ اللہ ہی انجام بخیر فرمائیں تو فرمائیں۔

(۸) جب کسی درویش پر کیفیت طاری ہوتی ہے، تو از عرش تا فرش بلکہ تحت الثریٰ تک کوئی شے اس سے چھپی نہیں رہتی۔ (۱۳)

یہ کیفیت فضل الٰہی پر منحصر ہے۔ یہ بڑا نازک مرحلہ ہے۔ اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگا گئے ہیں۔ عالم تحیر میں بسا اوقات اس کیف سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

(۹) دنیا طلبی مسلمانوں کے راس نہیں، مسلمانوں میں جو بھی طالب دنیا ہوگا وہ محروم ہی رہے گا، دنیا پاس بھی نہیں پھٹکے گی۔

بڑے گر کی بات ہے، معاشرہ کے نقص کی نشان دہی ہے، طلب دنیا کیا ہے، حق سے بے خبری اور روگردانی،

چیست دنیا، از خدا غافل بودن

(۱۰) اے درویش دنیا میں کوئی شے صدقے سے بہتر اور سخاوت سے افضل نہیں ہے۔ جس نے بھی کچھ پایا ہے، سخاوت ہی کی بدولت پایا ہے۔

ایثار و قربانی کی ترغیب و تحریص ہے۔ درویش اسی پر عامل ہوتے ہیں، سعدی علیہ الرحمتہ کا ارشاد ہے:

نیم نانے گر خورد مرد خدا بذل در درویشان کند نیم دگر

درویشی میں حاتم کا سا دل درکار ہے، قارون کی سی تنگ دلی مطلوب نہیں۔ آج کے درویش کیا طمع زر اور حب جاہ میں مبتلا نہیں ہیں؟

(۱۱) نزول رحمت کے تین وقت ہیں۔

(i) سماع کے دوران اہل سماع پر، اور ان کے یار و انصار پر نزول رحمت ہوتا ہے۔

(ii) اولیاء اللہ کے ذکر کے دوران شرکائے محفل پر نزول رحمت ہوتا ہے۔

Marfat.com

(iii) اہل دل جب انوار و تجلیات کے عالم میں مستغرق ہوتے ہیں تو ان پر نزول رحمت ہوتا ہے۔

سماع فی نفسہ مباح ہے، اس کی حرمت نص قطعی سے ثابت نہیں۔ جو سماع صوفیہ کرام کے ہاں مروج تھا، وہ اب نایاب ہے۔ قوالی جس کا رواج آج کل ہے، وہ سماع نہیں، سماع کی مسخ شدہ شکل ہے۔ موجودہ قوالی کو سماع سے تعبیر کرنا اور اس کے پردے میں سماع کو حرام بتانا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح مروجہ قوالی کو سماع سے تعبیر کرنا اور روا جاننا بھی صحیح نہیں ہے۔

جن کو نہیں شعور زیست ان کو یہ کہنا ہے روا حسن بلائے چشم ہے نغمہ و بال گوش ہے

(۱۲) اے درویش یاد الٰہی میں ہمہ تن مشغول رہنا چاہیے، بمصداق دل بیار دوست بکار۔ ہر کام اللہ کی رضا کے مطابق ہونا چاہیے۔ دیکھنا پھر تم کیسی کیسی نعمتوں سے نوازے جاتے ہو۔

خداوند عالم عمل صالح کی توفیق عنایت فرمائیں۔ یہی خلاصہ ہے، اسلامی تعلیمات کا۔

(۱۳) اے درویش مولیٰ اور بندے میں جو دوری ہے اور درمیان میں جو پردے حائل ہیں، وہ آلائش دل کا سبب ہیں۔ دل دنیاوی دھندوں میں الجھا ہوا ہے۔ اگر آلائش دل دور ہو جائے تو جو پردے حائل ہیں اٹھ جائیں گے، وصف مکاشفہ اور مقام مشاہدہ حاصل ہو جائے گا، جو بہت بڑی نعمت ہے۔ توبۃ النصوح سے یہ پردے مرتفع ہو سکتے ہیں۔

توبۃ النصوح کی تلقین اور خدارسی کی تعلیم ہے، جو انسانیت کا اعلیٰ وصف ہے، خدائے پاک توفیق نصیب فرمائیں۔

جب صبح ہوتی ہے تو جسم انسانی کے ساتوں حصے زبان سے پناہ مانگتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اے زبان! اگر تو نے اپنے کو قابو میں رکھا تو ہم ہلاکت سے محفوظ رہیں گے، ورنہ تباہ و برباد ہو جائیں گے، اے زبان! ہمارے حال پر رحم کر اور اپنے کو قابو میں رکھ تاکہ ہم ہلاکت سے محفوظ رہیں۔

ہفتہ اندام (۱) سر (۲) سینہ (۳) پیٹھ (۴، ۵) دونوں ہاتھ (۶، ۷) دونوں پیر۔ بعض نے دل، دماغ، کلیجہ، تلی، پھیپھڑا، پتہ، معدہ یا گردہ قرار دیئے ہیں لیکن ان کا تعلق دراصل علم طب سے ہے، عمومی طور پر ہفت اندام سے مراد پہلے ہی سات عضو انسانی ہیں۔

خواجہ حالی کی زبان گویا کا ماخذ یہی حکایت ہے۔ دیکھئے اہل کمال برادران وطن کی ضیافت کے لیے کہاں کہاں سے خوشہ چینی کرتے اور دستر خوان سجاتے ہیں:

تمع زہر گوشہ یافتم زہر خرمنے خوشہ یافتم

(۱۵) زبان کی آفت و بلا سے محفوظ رہنے کی ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ جو کوئی اس آفت سے محفوظ رہنا چاہے۔ وہ تازہ دم وضو کرے، دو رکعت نماز نفل پڑھے، پھر قبلہ رو بیٹھ کر جناب باری میں عرض کرے اله العلمین! میری زبان کو بدگوئی سے محفوظ رہنے کی توفیق نصیب فرمائیے اور یہ

وصف عنایت فرمایئے کہ ذکر الٰہی کے سوا کوئی ذکر زبان پر نہ آئے، اور ان باتوں سے میری زبان کو اپنی پناہ میں رکھے جو آپ کی رضا کے خلاف ہیں، (۲۳)

سمجھے یہ کیا ہے، معاشرے ہی کی عکاسی ہے۔ غیبت و بدگوئی کی بدولت جنگ و پیکار کا جو بازار گرم تھا، یہ اسی کا سدباب ہے۔ ''اسرارالاولیاء'' میں قدم قدم پر سماجی اور تہذیبی زندگی کا نہ صرف سراغ ملتا ہے، بلکہ سماجی خرابیوں کی اصلاح کی تدابیر بھی ملتی ہیں، مگر دیکھنے کے لیے دیدہ بینا درکار ہے۔

بے بصیرت یہ راز کیا جانے

(۱۶) اے درویش نکوکاری کا راز سربستہ یہی ہے کہ انسان اپنی نفسانی خواہشات کو قابو میں رکھے، طبیعت کے تقاضوں سے کنارہ کش رہے اور دنیاوی لذتوں میں مبتلا نہ ہو۔

یہ بھی وہی ہے جس سے معاشرہ مسموم تھا، آج بھی جن کے ایٹی کیٹ (Etiquette) دنیاوی مشاغل ہیں جن سے انہیں دم بھر کو مہلت نہیں ملتی، ان کا ذکر کیا، ان کا تصوف اور ان کی شریعت تو ان کی خواہشات ہیں۔

(۱۷) اے درویش سعادت کی نعمت جس کسی نے پائی ہے، خدمت ہی سے پائی ہے، دین و دنیا کی فلاح و بہبود مشائخ کی خدمت میں ہے، (۲۷)

ے ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد۔ بلاشبہ مشائخ کی خدمت بہت بڑی سعادت ہے۔

ے طریقت بجز خدمت خلق نیست۔ مگر اب مشائخ ہیں کہاں، جو ان کی خدمت سے دین و دنیا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوسکیں، علامہ اقبال بتا گئے ہیں۔

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد　　زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

(۱۸) صوفی وہ ہے جو دنیاوی آلائشوں سے پاک وصاف ہے۔ جس کا آئینہ دل مکدر یا زنگ آلود ہے، وہ صوفی نہیں۔

(۱۹) صوفی وہ ہے جس کا آئینہ دل صاف وشفاف ہو، حتیٰ کہ ہر شے اس میں منعکس ہو جائے۔ کچھ بھی پوشیدہ نہ رہے۔

(۲۰) تصوف سے مراد خدا کی دوستی ہے، نور وحدت کے سوا دل میں اور کچھ بھی نہ ہو۔

یہی صفائے باطن ہے، گو لفظ مختلف ہیں، مگر مفہوم واحد ہے، اللہ ہی کی دوستی ومحبت سے قلب آئینہ ہو جاتا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے قرآن پاک کی تلاوت سے اور موت کی یاد سے آئینہ دل کا زنگ چھوٹ جاتا ہے اور دل آئینہ بن جاتا ہے۔

(۲۱) حیات علم میں ہے، راحت معرفت میں ہے، شوق محبت میں ہے اور ذوق یاد میں ہے۔ (۵۵)

علم ومعرفت اور محبت و یاد سے مراد علم الٰہی، معرفت الٰہی، محبت الٰہی اور یاد الٰہی ہے اور یہ کیفیات سے متعلق کلام ہے۔

(۲۲) کوئی عبادت تلاوت قرآن سے بہتر نہیں، اس سے غفلت روا نہیں۔

Marfat.com

اولیاء اللہ تلاوت قرآن پاک میں اکثر محو رہتے تھے اور رات دن میں کئی کئی قرآن پاک ختم کرلیا کرتے تھے۔

(۲۳) قرآن پاک کی تلاوت کے دوران حضوری اور مشاہدے کی نعمت نصیب ہوتی ہے اور عالم بالا کے راز بھی تلاوت کرنے والے پر منکشف ہوتے رہتے ہیں۔

اللہ پاک قرآن پاک کی تلاوت کی سعادت نصیب فرمائیں اور ایسی توفیق عنایت فرمائیں کہ حق تلاوت ادا ہو جائے تو پھر سب ہی کچھ ہے۔

(۲۴) بھوک کیا ہے؟ ابر رحمت ہے، اس سے رحمت ہی کی بارش ہوتی ہے۔

حضرت بابا صاحبؒ نے حضرت محبوب الٰہی کو نصیحت فرمائی تھی، روزہ داشتن نیمے راہ است و اعمال دیگر چون نماز و حج (نفلی) نیمے راہ (اسرار الاولیاء ص:۱۲ چ)

(۲۵) ضرورت مندوں کی خدمت میں مشغول رہنا اوراد و وظائف سے افضل ہے۔

یہی راہ سلوک ہے کہ: طریقت بجز خدمت خلق نیست۔ یہی انسانیت کا اعلیٰ وصف ہے۔ یہی حضرت بابا صاحبؒ کا عمل تھا۔ حضرت محبوب الٰہی کا ارشاد ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ کا دستور یہ تھا کہ عصر کی نماز کے بعد بھی اگر ضرورت مند ہوتے یا آجاتے تو درود و وظائف میں مشغول نہ ہوتے، بلکہ ضرورت مندوں کی سنتے اور ان کے دکھ درد کا درماں فرماتے۔ حالانکہ عصر و مغرب کا درمیانی وقت صوفیہ کرام کے لیے مشغولی خاص کا وقت ہے۔ اس وقت یاد الٰہی کے سوا اور کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے، مگر حضرت بابا صاحبؒ فرماتے تھے ''یکے بر سر راہ محتاج بود و او مشغول بود و ماند، در چنین حالتے اگر کسے بہ وردے مشغول باشد چہ ذوق یابد'' (سیر الاولیاء ص ۴۴۳ چ)

ضرورت مند موجود ہوں، درود و وظائف میں دل کیسے لگے۔ گویا کہ ان کے دکھ درد کا احساس مشغولی میں مانع رہتا ہے۔ اس ذکر کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے یہ شعر بھی پڑھا تھا:

در کوے خرابات دسرائے اوباش منعے نہ بود بیا و بنشین و بباش

(۲۶) سجادہ طریقت اس کے لیے ہے، جو متوکلانہ بسر کرتا ہے، مخلوق سے کسی سے توقع نہیں رکھتا، اگر ایسا نہیں وہ لائق سجادہ طریقت نہیں ہے۔ مدعی دروغ زن ہے۔

آج اسکے برعکس عمل ہے۔ جو جتنا فراہمی زر میں مشغول ہے اور امرا کی دریوزہ گری کرتا پھرتا ہے، اتنا ہی وہ کامیاب سجادہ نشین ہے اور معزز و محترم ہے۔

(۲۷) اے درویش بیماری اچھی چیز ہے، اس کی وجہ سے انسان گناہ سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔

بیماری میں انسان اللہ کی طرف متوجہ ہوتا اور اس کو فریاد رس سمجھتا ہے۔ اس سے یقین کو تقویت حاصل ہوتی ہے، اعتماد باللہ کو استحکام نصیب ہوتا ہے، جو بڑی اہم چیز ہے۔

(۲۸) درویش کے روپ میں جو طلب دنیا میں مبتلا ہے، طلب جاہ و منزلت میں کوشاں ہے وہ درویش نہیں، وہ گمراہ ہے اور گمراہی کے دشت و بیابان میں مارا پڑا پھرتا۔

Marfat.com

درویش صورت رہزن سیرت بہروپیوں سے دور ہی رہنا چاہیے۔ان کے جال میں پھنسنا خسر الدنیا والآخرۃ ہے۔مولانا روم نے فرمایا ہے:

اے بسا ابلیس آدم روئے است　　پس بہر دستے نہ شاید داد دست

یہ ہیں معددوے چند جواہر پارے جو''اسرارالاولیاء'' کے اوراق کی زینت ہیں۔پوری کتاب ایسے ہی جواہر پاروں سے مالامال ہے۔پوری کتاب میں کوئی ایسی روایت یا کوئی مقولہ ایسا نہیں جو آئین شریعت واصول تصوف یا عقائد اہلسنت کے خلاف ہو۔اس سے یہ بھی واضح ہے کہ حوادث روزگار سے دوچار رہنے کے باوجود اور عقیدت مندوں کی سخت بے اعتنائی کے باوجود''اسرارالاولیاء'' بے پناہ قدر ومنزلت کی مستحق ہے اور اس سے کیا کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے، اخلاق و معاشرہ کی اصلاح کے لیے اس میں وہ کچھ ہے، جو ہمیں درکار ہے۔اللہ پاک اکتساب سعادت کی توفیق عنایت فرمائیں، آمین ثم آمین۔

بعض اہم ترین روایتیں

کتب ملفوظات کا مطالعہ شاہد ہے کہ بظاہر کتب ملفوظات کی روش میں نمایاں فرق نہیں ہے۔نقطہ نظر ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان قرآنی تعلیمات کی راہ نمائی کے سہارے خدارسیدہ ہو جائے۔جو واحد ذریعہ ہے خدارسی کا، اصلاح اخلاق، معاشرے کا سدھار، انسانی ہمدردی، غرض جو بھی کچھ ہے، اسی کے فرعات ہیں۔اسلام کا بنیادی نقطہ نظر یہی ہے، جو کلمہ لا الہ الا اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور جو کچھ ہے وہ اسی کی فروعات وثمرات ہیں۔صوفیائے کرام اسی روش پرکاربند رہے جس کی بدولت معاشرہ میں سدھار آیا اور انسانیت نے فروغ پایا۔

بہرحال جب کتب ملفوظات کی نظر تعمق سے مطالعہ کیا جاتا ہے، تو ہلکا سا امتیاز ملتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جن ملفوظات کے سامعین میں کوئی ایسی شخصیت بھی ہے، جسے مخلوق کی خدمت ورہنمائی اور شیخ کی جانشینی کی ذمہ داری سونپنی ہے، تو ان میں کچھ ایسی روایتیں بھی ہیں کہ سطحی نگاہ ان کی کنہ کو نہیں پہنچتی اور ان کی تفہیم سے وہ قاصر رہتے ہیں۔جو ذوق تصوف سے لذت آشنا نہیں ہوتے اور وہ تردد بے جا میں مبتلا ہو کر راہ حق سے دور جاپڑتے ہیں۔واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم.

''اسرارالاولیاء'' میں بھی ایسی روایتیں ہیں جن کی تفہیم سے خصوصاً مادہ پرست اذہان قاصر رہتے ہیں۔ان ہی میں سے بعض کو پیش کیا جاتا ہے اور مناسب محل طریق تفہیم کی یا اس کے پس منظر کی وضاحت اور ان نکات کی موشگافی کی کوشش کی جائے گی جو تفہیم میں قدرے حائل ہو سکتی ہیں جو دراصل تل اوجھل پہاڑ کی مصداق ہیں۔

روایت ا

مولانا بدرالدین اسحاق لکھتے ہیں:

''غلبات شوق میں حضرت باباصاحبؒ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ جب حضرت یوسف نے حضرت زلیخا کو چاہا اور بلایا تو وہ آئیں اور انہوں نے دین یعقوب علیہ السلام کو قبول کیا اور اللہ پاک کی عبادت میں مشغول رہنے لگیں، کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت یوسف نے ان سے

خلوت چاہی تو وہ بھاگیں۔ حضرت یوسف نے ان کا پیچھا کیا اور پکڑ لیا اور ان سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ پہلے تو تم میرا پیچھا کرتی اور مجھے پکڑتی تھیں۔ اب میں چاہتا ہوں تو تم مجھ سے بھاگتی ہو۔ حضرت زلیخا نے کہا کہ اے یوسف! جب تو میں خدا سے ناواقف تھی اور تمہارے سوا مجھے کسی سے محبت دانسیت نہ تھی لیکن اب میں نے رب کو پالیا ہے، اب میں اسی کی عبادت و پرستش میں لگی رہتی ہوں۔ مجاہدے سے مجھے مشاہدے کی نعمت نصیب ہوگئی ہے، اس کی محبت نے میرے دل میں گھر کرلیا ہے۔ اے یوسف! اب تم اور تم سے لاکھوں درجے افضل بھی کوئی ہو تو بھی میری نظر میں سما نہیں سکتا۔ پھر جب مجھے اللہ سے محبت ہوگئی اور میں اس کی ہوگئی ہوں تو اگر میں کسی اور سے محبت کرنے لگوں تو میں دروغ گو اور جھوٹی ہوں اور محبت میں یہ بات زیبا نہیں۔''

مقصد واضح ہے کہ اللہ کا ہونے کے بعد کسی اور کی چاہت یا طلب ہرگز مناسب نہیں۔ یہی تو توحید خالص ہے اور نہ سچی محبت اس کی اجازت دیتی ہے۔ بیان واقعہ سے واقعہ ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ اس کا اثر و نتیجہ بھی مراد ہوتا ہے۔ اس واقعہ سے مقصود استحکام محبت الٰہی کا اظہار ہے اور بس یہ حکایت قبل از تاریخ واقعات سے متعلق ہے۔ اس پر تاریخی واقعہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ فن تاریخ کا آغاز مسلمانوں کا مرہون منت ہے۔ دانشوران یورپ کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ اس روایت کو تاریخی واقعہ سے تعبیر کرنا عجز واقفیت کی علامت ہے البتہ اس کا تعلق اسرائیلیات سے ہے۔ قرون اولیٰ میں علمائے یہود جو مسلمان ہوگئے تھے، وہ قصص القرآن سے متعلق اسرائیلی روایات کو بھی بیان کیا کرتے تھے لہٰذا اگر وہ روایات کفر و شرک کی آمیزش سے پاک ہیں تو انہیں اپنا لینے میں مضائقہ نہیں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

حدثوا عن نبی اسرائیل و لا حرج — بنی اسرائیل کی روایات نقل کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس ارشاد کی تعمیل میں ہمارے علما و مفسرین نے متعدد روایتیں بنی اسرائیل سے نقل کی ہیں۔ یہ بھی انہی میں سے ہے۔ سورۂ یوسف کی تفسیر پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں اس روایت کو اپنایا ہے۔ ہمارے مشائخ کرام نے بھی اعتنا فرمایا ہے۔ برصغیر ہند و پاک کے سب سے پہلے مشہور و مقبول اسلامی مبلغ عالم درویش کامل حضرت داتا گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (سید علی ہجویری) نے لکھا ہے:

''چوں یوسف با یعقوب رسید خداوند ویرا وصال یوسف کرامت کرد، زلیخا را جوان کرد با اسلام راہ نمود، و بزنی یوسف داد، یوسف قصد وے کرد، زلیخا از وے گریخت'' (کشف المحجوب ص ۲۶۲)

حضرت بابا صاحبؒ نے ذکر فرمایا ہے جو عارف کامل اور بے مثل عالم شریعت و طریقت تھے، مولانا عبدالرحمن جامی نے مثنوی ''یوسف زلیخا'' میں کمال شستگی سے اس واقعہ کو بیان فرمایا ہے۔ یہ مثنوی مدارس اسلامیہ میں مدتوں سے داخل درس ہے۔ مولانا جامی وہ جلیل القدر عالم بلکہ عالم گر ہیں جن کی ''شرح جامی'' اسلامی درس گاہوں کے نصاب میں مدت مدید سے شامل اور آج تک داخل نصاب ہے۔ جسے پڑھ کر طالب علم عالم بنتے ہیں۔

ہمارے لیے اتنا ہی بہت ہے کہ ہمیں یہ روایت ثقہ بزرگوں سے پہنچی ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ یہ روایت

Marfat.com

آج یہودیوں کے علمی ذخیرے میں ہے، یا نہیں ہے کیونکہ ردوبدل ان کی دیرینہ عادت ہے اسی کی بدولت وہ کتاب مقدس توریت کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکے ہیں۔ رب العلمین کا یہ ارشاد ہے، ان ہی کے لیے یعرفون الکلم عن مواضعہ اور قدیم علماء سے یہود میں سے کسی نے انکار بھی نہیں کیا ہے۔ پھر ثقہ بزرگوں کی روایت کو ہر اعتبار سے ترجیح ہے۔ اس روایت کے متعلق اتنی ہی معلومات مناسب ہے جس سے اس کی نوعیت واہمیت واضح ہے۔

اس روایت میں کئی جملے ایسے ہیں جو روایت کی جان اور روح ورواں ہیں اور ایسے ہی بزرگ کے فرمودہ ہو سکتے ہیں جو توحید وحق شناسی کی نعمت سے مالا مال ہوگا۔ ان جملوں کو دہرایئے اور ان کی نورانیت اور کیف سے لطف حاصل کیجئے، عجب پُر کیف جملے ہیں۔

این زمان کہ حق تعالی راشناختم۔ در پرسش او مشغول شدم از مجاہدہ بمشاہدہ او تافتم۔ چون مراحق تعالی الفت شد۔ اگر بعد ازیں باغیرے او الفت گریم۔ مدعی دروغ زن بودم۔

یہی شواہد سراسر منہ سے پڑے بول رہے ہیں کہ ''اسرار الاولیاء'' کا انتساب حضرت بابا صاحبؒ سے بلاشبہ صحیح اور درست ہے۔

روایت ۲

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ یہ دعا گو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی اور قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے ساتھ محفل سماع میں تھا۔ سماع ہو رہا تھا۔ دونوں بزرگ سماع میں محو تھے۔ یک شبانہ روز رقص فرماتے رہے، البتہ نماز کے وقت نماز پڑھ لیتے تھے۔ کیف کے دوران میرا ہاتھ پکڑا اور محو کیف ہو گئے اور رقص فرمانے لگے۔ گانے والے جو قصیدہ گا رہے تھے، وہ یہ تھا:

من آں نیم کہ زعشق تو پائے پس آدم — اگر بہ تیغ کشدم در تو نہ گزارم
مپرس از شب ہجران چگو نہ می گزرد — مباد ہیچ کسے راقویست دشوارم
من از جمال تو اے سر و باغ نادیدم — ہوس نہ شد کہ گہے دل رود بہ گلزارم
اگر ہند بفرد ابہشت با ہمہ چیز — بحبہ نہ خرم مَن کہ مست دیدارم[۱۲]

اس روایت سے یہ واضح ہے کہ اتباع شریعت ان حضرات کی طبیعت ثانیہ تھی اور اتباع کا ملکہ ایسا راسخ اور پختہ تھا کہ کیسی ہی کیفیت ہو، نماز بروقت ادا فرماتے تھے، جو عجوبہ روزگا ہے۔ نماز دین کا ستون ہے، اگر ستون برقرار نہ رہے تو دین وایمان کہاں۔ تصوف کی معراج یہی ہے کہ صوفی عامل شریعت ہو۔ اگر یہ نہیں تو خاک بھی نہیں۔ اس روایت میں بروقت نماز پڑھنے کی عملی ترغیب وتحریص ہے۔ ممکن ہے کہ بے نمازیوں کو اس سے وحشت ہوتی ہو اور وہ اسے اقوال نامناسب میں شمار کرتے ہوں۔ یاد رہے شدند[۱۳] کے غلط معنی سے کوئی متاثر ہو، جس کی وضاحت حاشیہ میں آچکی ہو، ورنہ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ سادہ وصاف ہے، اعمال صوفیہ کے مطابق ہے۔

روایت ۳

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ دعا گو اور برادرم مولانا بہاء الدین (زکریا ملتانی) ایک جگہ بیٹھے ہوئے

Marfat.com

سلوک کی باتیں کرر ہے تھے۔ ذرا دیر بعد برادرم مولانا بہاء الدین اٹھ کھڑے ہوئے، زار وقطار رونے لگے اور کہا، انا اللہ و انا الیہ راجعون ۔ مابین نے کہا کیا بات ہے۔ انہوں نے کہا اٹھو اور دیکھو۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ دروازہ بغداد سے شیخ سعدالدین حمویہ کا جنازہ لائے ہیں اور بغداد کی جامع مسجد کے سامنے نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں۔

(اسرارالاولیاء ص ۱۱)

یہ روایت سادہ وصاف ہے۔ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے، البتہ سطحی علم رکھنے والوں کو دو اشکال لاحق ہو سکتے ہیں۔ ایک تاریخی اندراج سے متعلق اور دوسرا بصیرت باطنی سے متعلق۔ تاریخی خلفشار و اندراج کے متعلق یہ دو نکات ذہن نشین رکھنے چاہئیں۔ (۱) ''اسرارالاولیاء'' کا عہد تدوین ۶۵۷ھ تا ۶۶۹ھ ہے، البتہ اس کتاب کے آغاز میں جو ۶۳۱ھ لکھا ہے وہ غلط اور تحریف شدہ ہے، (۲) شیخ سعدالدین حمویہ کے سال وفات کے متعلق حضرت محبوب الٰہی کے ارشاد سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ حضرت والا کا ارشاد ہے:

اول شیخ سعدالدین حمویہ نقل کرد، بعد از وسہ	پہلے شیخ سعدالدین حمویہ نے انتقال فرمایا،
سال شیخ سیف الدین باخرزی	ان سے تین سال بعد شیخ سیف الدین
بعد از وسہ سال شیخ بہاء الدین زکریا	باخرزی نے انتقال فرمایا، ان سے تین سال
.... بعد از وسہ سال شیخ فرید الدین	بعد شیخ بہاء الدین زکریا نے انتقال فرمایا،
رحمتہ اللہ علیہم، (سیرالاولیاء، ص ۹۱ چ فوائد	ان سے تین سال بعد حضرت باباصاحبؒ
الفواد، ص ۱۳۰)	نے انتقال فرمایا، رحمتہ اللہ علیہم

تذکروں میں جو سنین مرقوم ملتے ہیں، وہ عموماً سماعی اور خلاف تحقیق ہوتے ہیں، اسی لیے وہ مختلف بھی ہیں، لہٰذا ان پر بلا تحقیق اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت محبوب الٰہی کے ارشادات کے مطابق اور بروئے تحقیق حضرت باباصاحبؒ کا سنہ وفات ۶۷۰ھ ہے۔ ۶۶۴ھ، ۶۶۲ھ وغیرہ سنین غلط اور بالکل غلط ہیں۔

شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا سنہ وفات بروئے تحقیق ۶۶۷ ہجری ہے۔ جو حضرت محبوب الٰہی کے مذکورہ بیان کے مطابق بھی ہے۔ ۶۶۱ھ غلط اور نہایت غلط ہے۔

شیخ سیف الدین باخرزی کا سنہ وفات حضرت محبوب الٰہی کے ارشاد کے مطابق اور حضرت باباصاحبؒ کے سنہ وفات کی مطابقت میں ۶۴-۶۶۳ھ ہے۔

شیخ سعدالدین حمویہ کا سنہ وفات بھی حضرت محبوب الٰہی کے ارشاد کے مطابق اور حضرت باباصاحبؒ کے سنہ وفات کی مطابقت میں ۶۱-۶۶۰ ہجری ہے۔ سنہ ۶۵۰ھ یا ۶۵۵ھ، یا ۵۶۰ھ غلط اور بالکل غلط ہے۔

حضرت محبوب الٰہی بصیرت باطنی سے مالا مال اور کثیر المطالعہ بزرگ تھے۔ تذکروں میں نوشتہ سنین کے غیر مستند ہونے کا یقیناً انہیں احساس تھا، تعجب نہیں کہ اسی احساس کی بنا پر ان بزرگوں کے انتقال کے باہمی فصل کا ذکر فرما دینا آپ نے مناسب سمجھا ہو اور جو کچھ آپ کے ارشاد کے مطابق ہے وہ حرف حرف صحیح ہے۔ تذکروں میں جو سنین لکھے ہیں، ان پر بلا تحقیق اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

Marfat.com

''اسرارالاولیاء'' کے عہد تدوین سے متعلق تحقیق سے بتایا جا چکا ہے کہ اس کا عہد تدوین ۶۵۷ھ تا ۶۶۹ھ ہے۔ لہٰذا جن بزرگ کا انتقال ۶۶۰-۶۱ھ میں ہوتا ہے، تو ان کا ذکر ۶۵۷ھ تا ۶۶۹ھ کی نوشتہ کتاب میں ہونا صحیح ہے اور ''اسرارالاولیاء'' میں شیخ سعدالدین حمویہ کی وفات کا ذکر صحیح اور برمحل ہے، اس میں اختلاف وتردد کی گنجائش نہیں ہے۔

دوسری مشکل جو سطحی علم رکھنے والوں کو لاحق ہوسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا نے اور حضرت باباصاحبؒ نے شیخ سعدالدین حمویہ کے نماز جنازہ کے منظر کو کیسے دیکھ لیا تھا، اس کا تعلق بصیرت باطنی سے ہے۔ مختصراً اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ یہ مشہور و معتبر روایت ہے کہ حضرت ساریہ مصر میں قبطیوں سے جنگ فرما رہے تھے۔ امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں جمعہ کی نماز کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا یا ساریۃ الجبل۔ حضرت ساریہ حضرت عمر کی آواز سے متنبہ ہوئے، پہاڑ کی طرف رخ کیا، جہاں قبطی چھپے ہوئے تھے اور اس انتظار میں تھے کہ حضرت ساریہ اور ان کا لشکر آگے نکل جائے تو پیچھے سے یہ حملہ کر دیں اور شکست خوردہ مصری فوج پلٹ کر مقابلہ کرنے لگے۔ اس طرح گھیر کر اسلامی لشکر کو شکست دے دیں۔ واقعہ سے آگاہی اور حضرت ساریہ کو متنبہ فرمانا اور حضرت ساریہؓ کا یقین واعتماد اور تعمیل ارشاد اسی پر شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کی اور حضرت باباصاحبؒ کی شیخ سعدالدین حمویہ کے واقعہ وفات سے آگاہی کو قیاس کر لینا چاہئے، ورنہ یہ تصوف کا اہم مسئلہ ہے۔ تاوقتیکہ مادیت کے پردے مرتفع نہ ہوں، اس کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ اس اشکال کے رفع ہونے کے بعد اس روایت کو درست مان لینے میں کوئی شے مانع نہیں رہتی۔

روایت نمبر۴

حضرت باباصاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی جب تلاوت قرآن پاک فرماتے اور کسی آیت وعید (عذاب کی آیت) پر پہنچتے تو سینے پر ہاتھ مارتے اور بیہوش ہو کر گر جاتے تھے۔ جب ہوش میں آتے تو پھر قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ہو جاتے اور اس طرح دن میں ہزار بار بیہوش ہوتے اور ہوش میں آتے تھے، (روزے ہزار بار بیہوش آمدے) اسی طرح جب آپ آیت مشاہدہ (دیدار الٰہی کی آیت) پر پہنچتے تو مسکراتے اور اٹھ کھڑے ہوتے اور عالم مشاہدہ میں متحیر رہتے۔ ایک رات دن عالم مشاہدہ میں ایسے متحیر رہتے کہ اپنی بھی خبر نہ رہتی۔ [15] یہ مخصوص ترین کیفیت ہے، جو عام حالات سے ممیز ہے۔ اس کا تعلق مراتب سلوک سے ہے۔

تو نظر باز نہ ورنہ تغافل نگر ست　　　　تو زبان فہم نہ ورنہ خموشی سخن ست

اس کا احساس تو کیا جا سکتا ہے، مگر اصل کیفیت کو نہ گرفت میں لایا جا سکتا ہے اور نہ بیان کیا جا سکتا ہے۔ کیفیات کی ترجمانی قوت بشری سے باہر ہے۔ اس میں یہی راز سربستہ ہے۔

اہل زبان کی روش سے کم آگاہی ہزار بار پر بھی انگلی دھرے گی، مگر سمجھ لینا چاہیے کہ عرف عام میں ہزار سے مراد گنتی نہیں کثرت ہے۔ مرزا غالب کہہ گئے ہیں:

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے　　　　بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

محاورے میں کہتے ہیں ہزار بار سمجھایا باز نہ آئے، اب بھگتو خمیازہ اس کا۔ یہ بھی ہے کہ ایسی حالت میں گنتی گنی ہی نہیں جاتی، قرینے ہی سے کہہ دیا جاتا ہے۔ مراد ہوتی ہے کثرت۔ اس روایت میں یہی دو نکتے تھے، جو حل ہو گئے، ورنہ ہر دانش ور ہر اعتبار سے روایت کی معنویت اور اسلوب کی لطافت کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

روایت نمبر ۵

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ کل قیامت کے دن جب عاشقوں کو مقام تجلی میں لایا جائے گا تو حکم ہوگا کہ آنکھیں کھولو، پھر عاشقوں میں سے ہر ایک کو آگے لایا جائے گا اور ہر ایک پر ہر بار تجلی ہوگی۔ وہ سات ہزار برس تک بیہوش رہیں گے، جب ہوش میں آئیں گے، تو فریاد کریں گے هل من مزید ان پر پھر تجلی ہوگی، ستر مرتبہ ایسا ہی ہوگا، پھر وہ اپنی جگہ آ جائیں گے۔ حضرت بابا صاحبؒ نے یہ بیان فرمانے کے بعد آہ کی اور بیہوش ہو گئے اور بیہوشی ہی کے عالم میں یہ رباعی پڑھی:

از بہر رخ تو مبتلا می باشم   اندر غم عشق در بلای باشم
وز یاد جمال توچناں مدہوشم   کز خود خبرے نیست کجامی باشم[۱۶]

اس بیان کا اور اس روایت کا تعلق عالم بقا سے ہے، جو اس عالم فنا سے مختلف ہے، یہ مادی ہے اور وہ غیر مادی۔ وہاں کی کیفیات کو اس عالم کی مشابہت سے بیان کرنا ہوتا ہے۔ لیکن جو کچھ بیان کیا جاتا ہے، وہ تشبیہ و تمثیل سے منزہ ہوتا ہے۔ بیہوشی سلوک کی اصطلاح ہے۔ اس حالت میں سالک صفات ذات میں محو ہوتا ہے۔ اسی سے عالم باقی کی اس کیفیت کا احساس کیا جا سکتا ہے جسے بیہوشی سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی فہمید کا تعلق عرفاء سے ہے، ہر کس و ناکس سے نہیں ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ منطق و فلسفہ کی اصطلاحات کو علمائے منطق و فلسفہ ہی جانتے ہیں۔ جو ان علوم سے آگاہ نہیں وہ نہیں جانتے۔

دوسری چیز ہے طول مدت۔ اس کا تصور واقعہ معراج سے کیا جا سکتا ہے کہ یہاں بستر بھی گرم رہا، کنڈی بھی ہلتی رہی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاب قوسین او ادنی کی سیر بھی فرما لی۔ ان نکات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس روایت کو سمجھا جا سکتا ہے، ورنہ نا آشنائے تصوف اس کی فہمید سے قاصر رہتے ہیں۔ وہ کچھ بھی کہیں ان کا کہنا معتبر نہیں۔

تلقین درس اہل نظر یک اشارتست   کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

روایت نمبر ۶

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ دعا گو اور خواجہ قطب الدین بختیار اوشی ملک بالا کی طرف سفر میں تھے۔ سوتہ نامی دریا کا کنارہ تھا۔ ہم دونوں جب وہاں پہنچے تو وہاں کوئی کشتی نہ تھی، جو ہم پار جاتے۔ مقام بھی خوف کا تھا، حضرت خواجہ نے فرمایا، فرید آؤ پار چلیں۔ میں نے عرض کیا زہے سعادت، مگر دل میں یہ بات آئی کہ کشتی تو ہے نہیں پار کیسے ہوں گے۔ دل میں یہ خطرہ گزر رہی تھا کہ اپنے کو اور حضرت خواجہ صاحب کو دریا پار کھڑے دیکھا۔ موقع ملا تو میں نے دریافت کیا کہ ہم کیسے پار ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جب دیکھا کہ دریا کے کنارے کشتی نہیں ہے تو میں نے سورہ اخلاص (قل هو الله احد) پڑھ کر دریا پر دم کیا دریا شق ہو گیا اور ہم پار چلے آئے (اسرار الاولیاء، ص:۴۷)

Marfat.com

پوری حکایت سادہ اور عام فہم ہے، البتہ دریا کا راستہ دینا خوارق عادت میں سے ہے لیکن صوفیہ کرام کے حالات میں ایسے واقعات بکثرت ملتے ہیں اور ان کتابوں میں ملتے ہیں جنہیں اولیا دشمن نہایت درجہ مستند اور ادب صوفیہ میں بے مثل مانتے ہیں، گویا کہ ایسے واقعات صوفیہ کے معمولات میں سے ہیں عجائبات میں سے نہیں ہیں۔

امیر خورد کرمانی لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری دریا کی طرف سفر میں تھے، .... ہم نے دریا پار جانا چاہا۔ کشتی تھی نہیں، ہم نے دعا کی تو بحکم خدا دریا نے ہمیں راستہ دیدیا۔ آپ کا مبارک بیان یہ ہے:

دست بدعا بر دیم بفرمان خدائے تعالٰے دریا دوشق شد زمین خشک پیدا شد، ما بگزشتیم ؎	ہم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے خدا کے حکم سے دریا شق ہو گیا، خشک زمین نکل آئی اور ہم دریا پار چلے گئے۔

امیر خورد کرمانی نے خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین سنجری کی زبانی نقل کیا ہے:

خواجہ معین الدین حسن سنجری طیب اللہ...... می فرمود کہ وقتے من برابر خواجہ عثمان ہارونی در سفر بودم در کنارہ دجلہ رسیدیم، کشتی نہ بود خواجہ عثمان قدس اللہ سرہ العزیز فرمود کہ چشم پیش کن چشم پیش کروم، خواجہ راو خود را در گزرائے دجلہ دیدم، از خواجہ عثمان قدس اللہ سرہ العزیز پرسیدم کہ شما ایں چہ کر دید، فرمود چند بار سوۃ فاتحہ خواندم۔ (سیر الاولیاء، ص ۴۴ چ)	خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین سنجری فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں خواجہ عثمان ہارونی کے ہمراہ سفر میں تھا، جب ہم دریائے دجلہ کے کنارے پہنچے تو وہاں کشتی نہ تھی۔ خواجہ عثمان ہارونی نے فرمایا، آنکھیں بند کر لو، میں نے آنکھیں بند کر لیں، آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ہم دونوں دریا کے پار ہیں، میں نے خواجہ عثمان ہارونی سے دریافت کیا تو فرمایا میں نے چند بار سورۃ الحمد شریف پڑھی تھی۔

مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی نے شیخ جلال الدین تبریزی کے ذکر میں فرمایا:

از وے روایت کردہ اند، پیر من ہفتاد مرید تارک داشت، پوشش ایشاں میرزی و عرق چیں در بر کلاہ بر سر او اگر آبے پیش آمدے و کشتی نہ بودے پائے می نہادندی گزشتند (خیر المجالس، ص ۱۵۱)	وہ یہ بیان کرتے تھے کہ میرے پیر کے ستر مرید تارک دنیا تھے، ان کا لباس تہمد تھا اور بدن میں عرق چین یعنی پسینہ کو جذب کرنے والا لباس اور سر پر ٹوپی (سارا ہی لباس سادہ تھا مگر ایسے باکمال تھے) کہ دریا آجاتا اور کشتی نہ ہوتی تو (پانی ہی پر) پیر رکھتے اور چلے جاتے تھے۔

گویا کہ "اسرار الاولیاء" کا مذکورہ واقعہ بھی کچھ ایسا واقعہ نہیں ہے، جو دیگر کتب ملفوظات میں مندرجہ واقعات

Marfat.com

کے لگ بھگ نہ ہو۔

روایت نمبر ۷

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں بغداد کی طرف مسافر تھا۔ دریائے دجلہ کے کنارے پہنچا تو دیکھا کہ ایک بزرگ پانی پر مصلیٰ بچھائے نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب نماز پڑھ چکے تو سجدہ میں سر رکھا اور سجدے ہی میں جناب باری میں التجا کرتے رہے کہ خداوندا! حضرت خضرؑ سے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب ہو رہا ہے، آپ انہیں توبہ کی توفیق عنایت فرمائیے۔ اتنے میں حضرت خضرؑ بھی آگئے اور دریافت کیا اے بزرگوار! میں کون سے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ تم نے جنگل میں (فی سبیل اللہ) درخت بویا۔ جب وہ بار آور ہو گیا تو تم اس کے سایے میں بیٹھتے اور آرام کرتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ درخت میں نے خدا کے لیے بویا ہے۔ حضرت خضرؑ نے توبہ کی۔

پھر ان درویش نے ترک دنیا اور درویشی سے متعلق حکایت بیان کر کے فرمایا کہ اس طرح رہو، جس طرح میں رہتا ہوں۔ حضرت خضرؑ نے دریافت کیا کہ آپ کس طرح رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ ان بزرگ نے کہا کہ میں اس طرح رہتا ہوں کہ اگر مجھے ساری دنیا عنایت فرمائیں اور کہیں کہ تم سے اس کا حساب بھی نہ لیا جائے گا اور یہ بھی کہیں اگر قبول نہ کرو گے تو دوزخ میں ڈال دیئے جاؤ گے تو میں دوزخ میں پڑنا قبول کر لوں گا، مگر دنیا کو لینا گوارا نہ کرونگا۔ حضرت خضرؑ نے دریافت کیا کہ کیوں۔ انہوں نے فرمایا اس لیے کہ وہ (دنیا) خدائے عزوجل کی مبغوضہ ہے۔ جس چیز کو اللہ پاک دشمن قرار دیں، میں اسے قبول نہ کرونگا، اس کی بجائے دوزخ کو قبول کر لوں گا۔

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں ان کے نزدیک ہوا اور سلام کیا، نہر حائل رہی۔ انہوں نے کہا آجاؤ۔ میں سوچنے لگا کہ پانی کو عبور کیسے کروں۔ میں اسی فکر میں تھا کہ خشکی نمودار ہوئی۔ میں چلا اور ان کے پاس پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے میری طرف رخ کیا اور فرمایا اے فرید! چالیس برس ہوئے کہ میں سونے کے لیے لیٹا تک نہیں۔ لیکن اے درویش! میرے مقام پر مجھے جو کھانے کو ملتا ہے، تو جب تک کوئی آنے والا آ نہیں جاتا اور میں اپنے ساتھ اسے کھلا نہیں لیتا مجھے اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ اتنے میں دو پیالے سالن کے اور چار روٹیاں ہلکی ہلکی سی عالم غیب سے آئیں۔ ایک پیالہ میرے آگے رکھا اور دوسرا اپنے آگے۔ دونوں نے کھانا کھایا۔ جب رات ہو گئی تو عشاء کی نماز پڑھی، پھر وہ بزرگ نماز نفل پڑھنے لگے۔ میں بھی ان کے ساتھ پڑھنے لگا۔ انہوں نے دو رکعات نماز میں چار بار قرآن پاک ختم کیا۔ ہر رکعت میں دو قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ اس کے بعد سلام پھیرا اور سر سجدے میں رکھا اور زار و قطار رونے لگے اور عرض کیا کہ خداوندا! میں نے آپ کے شایان شان عبادت نہیں کی جو میں یہ سمجھوں کہ میں نے کچھ کیا ہے۔ اس کے بعد صبح کی نماز پڑھی اور مجھے رخصت کیا۔ میں نے اپنے کو دریا کے کنارے کھڑا پایا اور وہ بزرگ نظروں سے غائب ہو گئے۔ نہیں معلوم کہاں گئے۔

اس کے بعد حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ اے درویش! درویشی یہ تھی جو وہ رکھتے تھے کہ دنیا کی چیزوں میں سے ان کے پاس ٹوٹی ہوئی پانی کی ٹھلیاں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ رات ہوتی تو اس کا پانی بھی پھینک دیتے تھے اور رات دن تجرید و محاسبہ میں مشغول رہتے تھے۔ (اسرار الاولیاء، ص ۴۴۔۴۵)

یہ حکایت بہت دلچسپ اور نہایت سبق آموز ہے۔ اس میں مافوق العادۃ عنصر بھی ہے۔ اس روایت کو خواجہ

Marfat.com

حسن علائے سجزی نے حضرت محبوب الٰہی کی زبانی نقل کیا ہے۔ بیان میں وہی فرق ہے جو فطرتاً دو صاحبوں کے بیان میں ہوا کرتا ہے۔[18] لیکن موازنہ یہ بتاتا ہے کہ مولانا بدر الدین اسحاق کا ضبط الفاظ خواجہ حسن علائے سجزی کے ضبط الفاظ سے افضل و اعلیٰ ہے۔ محل غور ہے کہ ایک ہی خیال کو دونوں صاحبوں نے کس کس طرح بیان فرمایا ہے۔ مولانا بدر الدین اسحاق نے لکھا ہے:

مصلّی بر آب انداختہ نمازی گزارد چوں از نماز فارغ شد، سر بسجدہ نہاد در مناجات می گفت،	پانی پر مصلّی ڈالے نماز پڑھ رہے ہیں، جب نماز سے فارغ ہوئے، سر سجدے میں رکھا اور التجا کرتے رہے۔

خواجہ امیر حسن علائے سجزی نے لکھا ہے:

مصلی بر روئے آب انداختہ بود نمازی کر دوی گفت خداوند! الخ	پانی پر مصلی ڈال رکھا تھا اور نماز پڑھتے رہے اور کہتے رہے کہ خداوندا

(فوائد الفواد، ص ۸۲)

جسے علم و فن سے ذرا بھی آگاہی ہے وہ ان جملوں کے اوصاف سے واقف ہے کہ ''چوں از نماز فارغ شد سر بسجدہ نہاد در مناجات می گفت'' اقتضائے حال کے مطابق ہے، یا یہ کہ ''نمازی کر دوی گفت'' (نماز پڑھتے رہے اور کہتے رہے) نماز میں کچھ کہتے رہنا کہاں تک مناسب ہے۔ اولیاء اللہ تو ہمہ تن ذات الٰہی میں محو ہو جاتے ہیں اور اگر چہ مدعا یہی ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دعا کی مگر ظاہر ہے ''اسرار الاولیاء'' کا اسلوب زیادہ اقتضائے حال کے مطابق ہے۔ بہر نوع ''اسرار الاولیاء'' کو اسلوب بیان اور ماخذ کے اعتبار سے ترجیح حاصل ہے۔

روایت نمبر ۸

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ زمانہ ماضی میں ایک بزرگ تھے جو بیس سال عالم تحیر[19] میں رہے۔ ایک سال گزرتا تو وہ عالم صحو[20] میں آتے۔ ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا، البتہ ایک چھوارا تھا، جو ان کی خانقاہ کے طاق میں رکھا رہتا تھا۔ جب بھوک کا غلبہ ہوتا تو وہ اس چھوارے کو طاق میں سے اٹھاتے اور چوس لیتے۔ پھر وہیں رکھ دیتے۔ کہتے ہیں کہ پچاس برس تک یہی کرتے رہے۔ ابھی وہ کچھ باقی ہی تھا کہ ان بزرگ کا انتقال ہو گیا اور وہ رحمت حق سے جا ملے۔ (اسرار الاولیاء، ص ۴۵)

اس حکایت میں سلوک کی دو اصطلاحیں آ گئی ہیں (۱) تحیر (۲) صحو۔ سالک کے مرتبہ احدیت میں محو ہونے اور مشاہدہ حق میں مستغرق رہنے کو حیرت و تحیر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور صحو کہتے ہیں ہوش میں آنے یا رہنے کو۔ مراد اس سے یہ ہے کہ انہماک و توحید حقیقی تک رسائی حاصل ہونے کے باوجود سالک حفظ مراتب سے غافل نہ ہو۔

یہ حکایت بلاشبہ عجائبات روزگار سے ہے، تاہم ہر عہد میں نجوبہ روزگار شخصیتیں عالم وجود میں آتی رہی ہیں اور کتب ملفوظات میں ایسے بزرگوں کا ذکر خوب ملتا ہے۔ خواجہ امیر حسن علائے سجزی حضرت محبوب الٰہی کی زبانی نقل فرماتے ہیں:

Marfat.com

بقالے بود علیہ الرحمتہ در مدت بست و پنج سال صائم بود، ہیچ کس را بر حال او اطلاع نہ بود کہ او صائم می باشد اگر در خانہ بودے چناں نمودے کہ در دکان چیزے خوردہ است و اگر در دکان بودے چناں بودے کہ در خانہ چیزے خوردہ است

(فوائد الفواد، ص ۲۴)

ایک بقال تھا اس پر خدا کی رحمت ہو، پچیس برس روزہ دار رہا، کسی کو خبر نہ ہوئی (کہ وہ روزے سے ہے) حتیٰ کہ اس کے گھر والوں کو بھی خبر نہ ہوئی۔ اگر وہ گھر میں ہوتا تو یہ ظاہر کرتا کہ اس نے دکان پر کھانا کھا لیا ہے اور دکان پر ہوتا تو یہ ظاہر کرتا کہ گویا اس نے گھر پر کھا لیا ہے۔

''اسرار الاولیا'' میں شیخ بزرگ کی حکایت ہے اور یہ ایک بقال کی کیفیت ہے۔ مخدوم نصیر الدین چراغ دہلوی نے رشید پنڈت کا ذکر فرمایا ہے کہ اسے کاروبار مشغولیت میں کھانا یاد ہی نہ آتا تھا اور یہ کلیہ بھی بیان فرمایا:

در عالم عشق ہم چنین است چوں دل عاشق بہ معشوق متعلق می شود، او را طعام و خواب یاد نمی آید، جائے کہ در عالم ظاہر این معاملہ است در عالم باطن ہر طریق اولی، آں کہ مشغول مشاہدات عالم غیبی باشد طعام کہ؟ آب کہ؟ خواب کہ؟ (خیر المجالس، ص ۹۳)

عشق کے عالم میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب محبّ کا دل محبوب سے متعلق ہو جاتا ہے تو اُسے کھانا اور سونا یاد نہیں آتا۔ جب عالم ظاہر میں یہ کچھ ہے، تو عالم باطن میں بطریق اولی ہے، جو بھی عالم غیب کے مشاہدے میں محو و مستغرق ہوتا ہے، اس کے لیے کھانا پینا اور سونا کیسا۔

حضرت مخدوم نے یہ بھی فرمایا ہے:

عبادت ظاہری سبب می شود برائے غذا ہمیں عبادت ظاہری جائے غذا می شود برائے اشتہا .... بعد ازاں فرمودند ذکر ہم سبب اشتہا است و ہم بجائے غذا اما مراقبہ در ہمہ حال بجائے غذا است زیرا کہ در مراقبہ حضور و مشاہدہ است، و جوارح در حرکت نمی آید، ملائم ایں فرمودند کہ خواجہ عقال مغربی چہار سال در کعبہ مراقب بود دریں چہار سال طعام و آب نخورد

(خیر المجالس، ص ۱۵۳، ۱۵۴)

عبادت ظاہری غذا کا سبب ہوتی ہے (عبادت ظاہری سے بھوک لگتی ہے) اور یہی ظاہری عبادت غذا بن جاتی ہے اور اگر کسی کو ذوق و شوق نہیں ہے تو وہی بھوک کا سبب ہو جاتی ہے۔ پھر فرمایا کہ ذکر بھوک بھی لگاتا ہے اور غذا بھی بن جاتا ہے، مگر مراقبہ ہر حال میں غذا کا قائم مقام ہے، کیونکہ مراقبے میں حضور و مشاہدہ ہے اور اعضا حرکت میں نہیں آتے، اسی سے متعلق یہ فرمایا کہ خواجہ عقال مغربی چار سال کعبۃ اللہ میں مراقب رہے، اس چہار سالہ مدت میں انہوں نے نہ کھایا نہ پیا۔

Marfat.com

خواجہ عقال مغربی کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے:

خواجہ عقال مغربی قدس اللہ سرہ العزیز ہفت سال طعام نہ خورد، چوں وقت نماز شدے بہ خود آمدے، برخاستے نماز گزاردے، باز در مراقبہ شدے، (خیر المجالس، ص ۹۲)	خواجہ عقال مغربی قدس اللہ سرہ العزیز نے سات برس کھانا نہیں کھایا جب نماز کا وقت ہوتا، ہوشیار ہو جاتے، اٹھتے نماز پڑھتے، پھر مراقبے میں مشغول ہو جاتے۔

کتب ملفوظات مشائخ چشت رحمہم اللہ میں ایسے واقعات اور بھی ملتے ہیں۔ حضرت خواجہ گیسو دراز نے فرمایا:

''شیخ شرف الدین (بو علی قلندر) پانی پتی نے تیس سال تک کھانا نہیں کھایا (جوامع الکلم، ملفوظ ۱۰، رمضان المبارک ۸۰۲ھ)

یہ بھی فرمایا ہے:

سید مصری ایک خطاط تھے، انہوں نے بتایا تھا کہ انہوں نے اٹھائیس برس سے پانی نہیں پیا ہے۔ (جوامع الکلم ملفوظ ۱۰، رمضان المبارک ۸۰۶ھ)

حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی نے اشتہا پیدا نہ ہونے اور مدتوں تک کچھ نہ کھانے پینے کی حکمت بھی فرما دی ہے۔ جنہیں علم تصوف سے ذرا بھی آگاہی ہے، وہ جانتے ہیں کہ راہ سلوک میں ایسے مقام بھی آتے ہیں، جن کی فہمید سے سطحی اذہان معذور رہتے ہیں۔ ''اسرار الاولیاء'' کی مذکورہ حکایت آئین تصوف کے مطابق اور نہایت درجہ موقر ہے۔

روایت نمبر ۹

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ بزرگان دین میں سے ایک بزرگ تھے، انہیں عبداللہ خفیف کہتے تھے۔ چالیس سال تک وہ رات کو نہیں سوئے بلکہ لیٹے تک نہیں اور وہ اللہ کے خوف سے اس قدر روئے کہ ان کے مبارک رخساروں پر گوشت نام کو بھی نہ رہا تھا۔ یہ کہتے ہیں کہ چڑیوں نے ان کے مبارک رخساروں میں گھونسلے بنا لیے تھے اور وہ خدائے تعالیٰ کے خوف سے ایسے حیران و سراسیمہ تھے کہ انہیں چڑیوں کی آمد و رفت کی خبر تک نہ ہوتی تھی۔ جب وہ بزرگ قیامت کی باتیں اور قبر کی کیفیت سے سنتے تو مثل بید کانپنے لگتے، زمین پر گر پڑتے اور ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگتے۔ جب ہوش میں آتے تو اٹھتے اور یہ آیت پڑھتے، فریق فی الجنة و فریق فی السعیر۔ زار و قطار روتے اور فرماتے میں کچھ نہیں جانتا کہ کس فریق میں ہوں گا۔ ساری عمر انہوں نے اسی طرح گزاری اور اللہ کو پیارے ہوئے۔ (اسرار الاولیاء، ص ۵۸)

یہ روایت بھی محیر العقول اور عجائبات روزگار میں سے ہے۔ لیکن ایسی روایتیں دیگر کتب ملفوظات میں بھی ہیں۔ اس لیے یہ ماننا ہوگا کہ صوفیہ کرام کے احوال سے ایسی روایات کو خصوصی علاقہ ہے۔ یہ بھی ذہن نشین رکھنے کے لائق ہے کہ یہ جملہ کہ یہ کہتے ہیں کہ چڑیوں نے ان کے مبارک رخساروں میں گھونسلے بنا لیے تھے۔ بعض نسخوں میں نہیں ہے۔ اس کے ماسوا ''چنانچہ می گویند'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ وہ روایت ہے، جو بطور افواہ عوام کی زبان پر ہے۔ اس کا کوئی معتبر راوی نہیں ہے۔ بات کا بتنگڑ بنا دینا عوام کی عادت ہے۔ اس نکتے کو سمجھ لینے کے بعد روایت میں کوئی خلفشار نہیں رہتا۔

اب رہی یہ بات کہ چالیس سال تک وہ رات کو نہ سوئے، تو کاملین صوفیہ کرام کے احوال میں ایسے واقعات ملتے ہی ہیں۔ چنانچہ حضرت محبوب الٰہی کا ارشاد ہے:

شجاع کرمانی چہل سال شب نہ خفت،	شجاع کرمانی چالیس سال تک رات کو نہ سوئے۔ (فوائد الفواد، ص ۴۰)

اسی روایت کو مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی نے دہرایا ہے۔ فرماتے ہیں:

شاہ شجاع کرمانی فرمودند چہل سال نہ خفت	شاہ شجاع کرمانی نے فرمایا کہ وہ چالیس سال سوئے نہیں۔ (خیر المجالس، ص ۲۳۹)

''فوائد الفواد'' اور ''خیر المجالس'' کے بیانات سے بھی اس خیال کو تقویت حاصل ہوتی ہے کہ یہ روایت بھی صوفیہ کرام سے خصوصی رابطہ رکھتی ہے اور خشیت ایزدی کی ترجمان ہے اور اس کا اسلوب بیان یہ بتاتا ہے کہ اس کا تعلق حضرت بابا ہی سے ہے۔

روایت نمبر ۱۰

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ اے درویش! شیر خاں ملتان کا حاکم تھا۔ وہ دعا گو سے صاف نہیں تھا، خلش رکھتا تھا۔ میں نے بارہا نہایت نرمی اور ہمدردی سے کہا اور سمجھایا کہ درویشوں سے بغض و کینہ مناسب نہیں ہے، بلکہ ملک کی تباہی و بربادی کا سبب ہے، مگر وہ نہ مانا اور من مانی ہی کرتا رہا۔ انجام کار تاتاریوں نے اچ پر یورش کی اور لوٹ مار بھی کی۔ قضاء، عنداللہ صرف وہی مارا گیا، پھر آپ نے یہ شعر پڑھا۔ (اسرار الاولیاء، ص: ۶۹)

دریش بہ شہر نہ بودے اگر مقام
گشتے سراسر ہمہ عالم خراب حال[۲۱]

یہ واقعہ بروئے تاریخ ۶۶۲ھ کا ہے۔ اسی واقعہ کو حضرت محبوب الٰہی نے بھی بیان فرمایا ہے۔ خواجہ امیر حسن علائے سجزی نے لکھا ہے:

شیر خان والی اچ و ملتان بود در حق شیخ الاسلام شیخ فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز چندان اعتقادے نداشت تا بارہا شیخ الاسلام در معنی او ایں دو مصرع بگفتے۔	شیر خان اچ اور ملتان کا حاکم تھا۔ حضرت بابا صاحبؒ کے متعلق کچھ اچھا اعتقاد نہ رکھتا تھا، یہاں تک کہ حضرت بابا صاحبؒ نے اس سے متعلق بارہا شعر پڑھا۔

افسوس کہ از حال منت نیست خبر
آنکہ خبرت شود کہ افسوس خوری

بعد ازاں فرمود کہ چوں شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز از دنیا برفت ہماں سال کافراں دراں دیار رسیدند (فوائد الفواد، ص ۲۲۰-۲۲۱)	افسوس کہ تجھے میرے حال کی کچھ بھی خبر نہیں البتہ جب تجھے پتہ چلے گا تو افسوس کرے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ حضرت بابا صاحبؒ کا انتقال ہوگیا، تو اسی سال کافر اس شہر میں آپہنچے۔

Marfat.com

مفہوم کے اعتبار سے دونوں بیان یکساں ہیں، الفاظ کا ردو بدل فطری شے ہے، جو دو مختلف اشخاص کے بیان میں ہوتا ہے۔ البتہ اشعار مختلف ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ ''فوائد الفواد'' میں بعدازاں جو کچھ لکھا ہے، اس کا تعلق اس واقعہ سے نہیں ہے۔ کیونکہ شیر خاں کا واقعہ ۶۶۲ھ کا ہے اور اس بیان میں حضرت بابا صاحبؒ کی وفات کے بعد کے واقعہ کا ذکر ہے۔ اس کا ذکر امیر خورد کرمانی نے بھی کیا ہے:

''بعد نقل شیخ شیوخ العالم کفار در دیار اجودھن رسیدند خواجہ نظام الدین از جہت مروی دغایت دلاوری بہ حرب کفار پیوست بعد اقبال بسیار شہادت یافت'' (سیر الاولیاء، ص ۱۹۰ ج)

یہ خواجہ نظام الدین حضرت بابا صاحبؒ کے چوتھے صاحبزادے تھے، غالباً حضرت محبوب الٰہی نے یہ بھی ذکر فرمایا تھا کہ حضرت بابا صاحبؒ کی وفات کے بعد یہ حادثہ بھی پیش آیا تھا، جو حضرت بابا صاحبؒ کے فرمودہ اس شعر سے بھی متعلق ہے، جو ''اسرار الاولیاء'' میں اس ذکر کے بعد ہے۔ خواجہ امیر حسن علاء سجزی کے اسلوب میں ایجاز ہے۔ انہوں نے بعدازاں اس واقعہ کو علیحدہ تو کر دیا ہے لیکن پھر بھی مبہم ہی رہا۔ اس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ وہی واقعہ ہے جس میں شیر خان مارا گیا تھا، مگر ایسا ہے نہیں کیونکہ یہ واقعہ حضرت بابا صاحبؒ کی وفات کے بعد کا ہے اور شیر خان کے مارے جانے کا واقعہ حضرت بابا صاحبؒ کی حیات ۶۶۲ھ کا ہے۔ یہ واقعہ حضرت محبوب الٰہی نے ''راحت القلوب'' میں بھی قلم بند فرمایا ہے۔ آپ کا مبارک بیان یہ ہے۔

شیر خان والی اچ و ملتان بود، درحق دعا گوے چنداں عقیدہ نہ داشت کہ برزبان آید بارہا درحق او ایں بیت گفتہ:

افسوس کہ از حال منت نیست خبر   انکہ خبرت شود کہ افسوس خودی

بعداز چند روز ہماں سال کفار در رسیدند تمام نہیب کردند و بردند

(راحت القلوب ص ۱۶-۱۷)

تینوں بیان سامنے ہیں، مگر یہ وضاحت صرف ''اسرار الاولیاء'' میں ہے کہ مغلوں کی یورش اچ کے گرد و نواح میں تھی۔ دوسرے یہ وضاحت بھی ''اسرار الاولیاء'' ہی میں ہے کہ حملہ آور مغل (تاتاری) تھے، کفار و کافراں میں یہ وضاحت کہاں ہے۔ اس اعتبار سے ''اسرار الاولیاء'' کے بیان کو ترجیح ہے۔ خواجہ امیر حسن علائے سجزی کا بیان ایجاز کی بنا پر قدرے گنجلک ہو گیا ہے۔ اس لیے اس کا مقام تیسرا ہے، اولیت ''اسرار الاولیاء'' کے بیان کو حاصل ہے اور یہ وصف تقابل میں بھی ''اسرار الاولیاء'' کے مستند ہونے کی بین دلیل ہے۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

روایت نمبر ۱۱

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا ایک دفعہ سلطان ناصر الدین (محمود) علیہ الرحمتہ والغفران ملتان جا رہا تھا تو جب اجودھن (پاکپتن) پہنچا تو مجھ سے ملنے آیا۔ جو آداب ملاقات ہیں اس نے انجام دیئے اور چلا گیا، (فوجی جو اس کے ساتھ تھے۔ وہ بکثرت آتے رہے) جب میں ہجوم خلق سے عاجز ہو گیا تو میں نے تنہائی اختیار کرنی چاہی۔ لیکن پھر یہ سوچا کہ ہمارے بزرگوں نے ایسا نہیں کیا ہے۔ سب ہی سے مصافحہ کیا ہے۔ میں ایک چھت پر جا کے بیٹھ گیا، ہاتھ نیچے لٹکا

Marfat.com

دیئے، آنے والے آتے اور مصافحہ کرتے۔ آنے والے بے حد و شمار آتے' مصافحہ کرتے اور کپڑے کا ٹکڑا عقیدت مندی سے پھاڑ کے لیجاتے۔ اس دن دس کرتے یکے بعد دیگرے پہننے پڑے۔ سب ہی پارہ پارہ ہو گئے۔ مجھے ان کی اس عقیدت مندی پر حیرت ہوئی کہ یہ کیسے خوش عقیدہ ہیں۔ جمعہ کا دن تھا میں نماز کو گیا۔ واپس آیا تو پھر مخلوق کا ہجوم ہو گیا۔ میں مصافحہ کرتے کرتے تنگ گیا تھا۔ اتنے میں ایک فراش نے میرا پیر پکڑ کر گھسیٹا۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی۔ فراش نے برجستہ کہا کہ شیخ فرید خدا کا شکر ادا کرو کہ اپنے ہی جیسے انسان پائے بوسی کے آرزو مند ہیں۔ مجھے اس کی یہ بات بہت پسند آئی کہ اس نے خوب کہا۔ (واقعہ میں مجھے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے) پھر فرمایا اے درویش! جو اللہ کو پیارا ہے، وہ سب ہی کو پیارا ہے۔ (اسرار الاولیاء' ص ۸۲۔۸۳)

اس روایت میں کئی اہم نکات ہیں:

(۱) یہ اس عہد کا یعنی ۶۵۵ ھ کا اہم تاریخی واقعہ ہے، جس کے پس منظر میں وہ سب کچھ ہے جس کا تعلق اس عہد کے سیاسی اور سماجی حالات سے ہے۔ اس باب میں ''اسرار الاولیاء'' پہلا مجموعہ ملفوظات ہے جو اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی احوال کی نشان دہی کرتا ہے اور اس باب میں دیگر کتب ملفوظات پر اسے فوقیت ہے۔

(۲) اس روایت سے حضرت باباصاحبؒ کی مقبولیت کے عمومی رجحان کی اور ان سے عقیدت مندی کی پوری کیفیت سے آگاہی ہو جاتی ہے اور معاشرے کا واضح نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

(۳) فراش کی بصیرت اور جسارت اور برمحل توجہ دلانا ایسا واقعہ ہے جو آپ اپنی نظیر ہے جس سے قرون اولیٰ کے کردار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے' جو صحت مند معاشرہ کی علامت ہے۔

یہ روایت ''فوائد الفواد'' (ص ۱۴۵) میں بھی ہے اور ''سیر الاولیاء'' (ص ۷۹ج) میں بھی ہے، بلکہ ''فوائد الفواد'' اور ''سیر الاولیاء'' میں ایک اور روایت بھی ہے، جس میں الغ خان (غیاث الدین بلبن) کے حضرت باباصاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر ہے۔ بہرحال یہ واضح ہے کہ ''اسرار الاولیاء''، ''فوائد الفواد'' کا ماخذ بھی ہے اور ''سیر الاولیاء'' کا بھی۔ اسلوب کی سادگی وصفائی اور دلآویزی منہ سے بڑی بول رہی ہے کہ یہ کلام حضرت باباصاحبؒ ہی کا ہے۔

روایت نمبر۱۲

حضرت باباصاحبؒ نے فرمایا کہ ایک شخص بیعت ہونے کی نیت سے دہلی سے اجودھن چلا تا کہ مجھ سے بیعت ہو، راستے میں ایک عورت سے ملاقات ہوئی۔ اس نے اس عورت سے دست درازی کرنی چاہی یا بات چیت کرنی چاہی۔ اچانک ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اس کے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ تو کسی سے بیعت ہونے کی نیت سے جا رہا ہے اور یہ کچھ کرنا چاہتا ہے۔ القصہ جب وہ شخص میرے پاس آیا تو سب سے پہلے میں نے اس سے یہی کہا کہ دیکھا اس دن اللہ پاک نے تجھے اس بلا سے کیسے محفوظ رکھا۔ (اسرار الاولیاء ص ۸۶)

حضرت باباصاحبؒ نے اس سے پہلے ایسے ہی ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کی خدمت میں بیعت ہونے کی نیت سے چلا تھا۔ راستے میں ایک مطربہ اس پر مائل ہوئی۔ اتفاق سے یہ دونوں ایک گاڑی میں ہمسفر ہوئے۔ کوئی دوسرا نہ تھا' تو اسے اس کی طرف کچھ رغبت ہوئی، کچھ دست درازی کی یا بات چیت کی۔

Marfat.com

اس حالت میں اس نے دیکھا کہ ایک شخص آیا، اس کے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ کس بزرگ کی خدمت میں جا رہا ہے اور کس نیت سے جا رہا ہے اور یہ کیا ہے جو کر رہا ہے۔ غرض کہ جب وہ حضرت قطب صاحب کی خدمت میں پہنچا تو سب سے پہلے آپ نے یہی فرمایا اللہ پاک نے اس دن تیری بہت ہی حفاظت فرمائی۔ (اسرار الاولیاء، ص ۸۶)

الغرض جو روایت حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے والے کے متعلق ہے، وہ ''فوائد الفواد'' (ص ۲۲۰، مطبوعہ مطبع نولکشور) میں بھی ہے، لیکن بعض تفصیلات جو اس شخص سے متعلق ہیں اور جو حضرت قطب صاحب کی خدمت میں بیعت و ارادت کی نیت سے چلا تھا۔ وہ بھی حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے والے سے متعلق ملتی ہیں۔ اس سے گمان یہ ہوتا ہے کہ ''فوائد الفواد'' کسی ناقص نسخے سے منقول ہے اور کسی کاتب و ناقل نے دونوں روایتوں کی معلومات کو خلط ملط کر کے ایک ہی سے وابستہ کر دیا ہے اور یہ قرین قیاس ہے، تاہم یہ واضح ہے کہ ''اسرار الاولیاء'' ہی ''فوائد الفواد'' کا ماخذ ہے، جو مستند و معتبر ہے۔ اس کے علاوہ حضرت بابا صاحبؒ نے جو اس شخص کا واقعہ بیان فرمایا ہے وہ برسبیل تذکرہ زبان پر آ گیا ہے۔ مقصود اظہار کرامت نہیں ہے۔ پھر ایسے واقعات سے آگاہی کو امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ساریہؓ کے واقعہ پر قیاس کرنا چاہیے جس کا تعلق بصیرت باطنی سے ہے جو بہ ادنیٰ توجہ حاصل ہو جاتی ہے، اس کے لیے ''خیر المجالس'' ص ۱۳۷۔۱۳۸ کی وہ روایت ذہن نشین رکھنی چاہیے جو روغن فروش کی بیوی سے متعلق ہے۔

روایت نمبر ۱۱

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں اور شیخ جلال الدین تبریزی قدس اللہ سرہ العزیز دونوں بدایوں گئے اور ایک دن ہم دونوں گھر کی دہلیز میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دہی بیچنے والا دہی کا ہنڈہ سر پر رکھے سامنے آیا۔ یہ دہی بیچنے والا مواسی[۲۲] کا رہنے والا تھا، جو بدایوں کے پاس ہی۔ اسے کہنم (کھیتر) کہتے ہیں۔ وہاں ڈاکو بہت رہتے تھے۔ دہی بیچنے والا بھی ان ہی میں سے تھا۔ الغرض جب دہی بیچنے والے کی نظر شیخ جلال الدین تبریزی کے مبارک چہرے پر پڑی، دیکھتے ہی وہ متاثر ہوا اور جب شیخ جلال الدین تبریزی نے اس کی طرف دیکھا تو کہنے لگا کہ دین محمد رسول اللہ ﷺ میں ایسے ایسے بزرگ بھی ہیں، فوراً ہی مسلمان ہو گیا۔ اس کا نام علی[۲۳] رکھا۔ جب مسلمان ہو گیا تو اپنے گھر گیا، اور فوراً ہی واپس آ گیا اور ایک لاکھ جیتل[۲۴] لا کر شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمت میں پیش کیے۔ شیخ جلال الدین تبریزی نے انہیں قبول فرمایا اور فرمایا انہیں تم اپنے ہی پاس رکھو اور جس طرح میں کہوں اس طرح خرچ کرتے رہو۔ چنانچہ کسی کو سو دلاتے اور کسی کو کم و بیش مگر پانچ سے کم کسی کو نہ دلاتے تھے۔ تمام رقم خرچ ہو گئی، صرف ایک درہم رہ گیا۔ علی کہتے ہیں مجھے تردد تھا کہ پانچ سے کم تو کسی کو دلاتے نہیں اور میرے پاس اب ایک ہی درہم ہے۔ اگر کسی کو پانچ دینے کو کہا تو میں کیا دوں گا۔ اتنے میں ایک مانگنے والا آیا، تو آپ نے فرمایا کہ ایک درہم اسے دیدو۔ علی کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر حیران رہ گیا ....

(اسرار الاولیاء، ص ۹۰)

یہ روایت بھی ''فوائد الفواد''[۲۵] کا ماخذ ہے

البتہ اسلوب و جزئیات میں قدرے فرق ہے، اس کا ایک سبب تو وہی ہے، جسے مطالعہ ملفوظات خواجگان چشت کے مبادیات[۲۶] کے زیر عنوان تفصیل سے لکھ چکا ہوں اور وہ یہ کہ جب ایک ہی شخص کسی واقعہ کو یا کسی حکایت کو ایک سے زیادہ مجالس میں بیان کرتا ہے تو اسلوب و جزئیات میں فرق ہو جاتا ہے اور جب دو مختلف شخص ایک ہی واقعہ کو بیان

Marfat.com

کریں تو اسلوب و جزئیات میں فرق ہونا فطری شے ہے۔

''اسرار الاولیاء'' کی روایت میں حضرت بابا صاحبؒ بھی شریک ہیں، مگر ''فوائد الفواد'' (ص ۱۳۲) کی روایت میں حضرت بابا صاحبؒ کا نام نہیں ہے۔ اسی طرح ''فوائد السالکین'' (ص ۱۳) کی حکایت طواف کعبہ میں قاضی حمید الدین ناگوری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ دونوں بزرگ ہیں۔ مگر ''فوائد الفواد'' (ص ۷) کی اسی روایت میں صرف قاضی حمید الدین ناگوری کا نام ہے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کا نام نہیں ہے اور ان بزرگ کا بھی نام نہیں ہے جن کی دونوں بزرگوں نے اتباع کی تھی اور جن کا نام ''فوائد السالکین'' میں شیخ عثمان لکھا ہے (اور انیز شیخ عثمان گفتندے)۔

اس کا سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خواجہ امیر حسن علاء سجزی چونکہ یادداشت قلم بند نہیں کرتے تھے' بلکہ صرف قوت حافظہ سے کام لیتے تھے اور یہ بہت لائق ستائش امر ہے لیکن یہ بھی ہے کہ قوت حافظہ خواہ کتنی قوی کیوں نہ ہو، تاہم تحریری یادداشت کی نسبت حافظہ میں سہو کا زیادہ امکان ہے اور انہیں اسکا اعتراف بھی ہے، انہوں نے لکھا ہے:

خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر سہ چہار بیت بخواند بندہ راایں دو بیت یاد آمد (فوائد الفواد ص ۱۵۰)	حضرت محبوب الٰہی نے تین چار شعر پڑھے تھے۔ مجھے یہ دو ہی یاد آئے ہیں۔

حضرت محبوب الٰہی نے بھی قوت حافظہ سے متعلق استعجاب کا اظہار فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا:

این کہ یادمی ماند عجب است (فوائد الفواد ص ۱۶۴)	یہ بات کہ (سب ہی کچھ یاد رہتا ہے) تعجب خیز ہے۔

تعجب نہیں کہ آپ پر یہ روشن ہو کہ سہو لاحق ہوتا ہے، اور آپ نے تنبیہاً یہ ذکر چھیڑا ہو اور اظہار استعجاب فرمایا ہو۔ قرینہ اسی پر دلالت کرتا ہے، بلاشبہ حضرت محبوب مکاشف عالم بھی تھے۔

الغرض ''فوائد الفواد'' کی مذکورہ روایت میں حضرت بابا صاحبؒ کا نام نامی ہونا ہرگز اس کی دلیل نہیں ہے کہ آپ شیخ جلال الدین تبریزی کے ہمراہ شریک سفر نہیں تھے، یا آپ کبھی بدایوں تشریف لے ہی نہیں گئے تھے۔ اس لیے کہ مذکورہ وجوہ کے علاوہ یہ بھی ہے کہ کسی کتاب میں کسی واقعہ کا نہ ہونا اسکی دلیل نہیں کہ واقعہ کا وجود ہی نہیں ہے۔ میر شکار کا واقعہ اور روغن فروش کی بیوی کا واقعہ نہ ''فوائد الفواد'' میں ہے اور نہ ''سیر الاولیاء'' میں، صرف ''خیر المجالس'' میں ہے۔ سلطان ناصر الدین محمود کے سفر ملتان کا اور حضرت بابا صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا واقعہ تاریخ ''طبقات ناصری'' میں نہیں ہے، جو اس عہد کی معتبر تاریخ ہے اور سلطان ناصر الدین محمود ہی سے منسوب ہے، مگر ''اسرار الاولیاء'' ''فوائد الفواد'' اور ''سیر الاولیاء'' میں ہے۔ تو کیا صرف اس لیے اس سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ ''طبقات ناصری'' میں نہیں ہے، جو اس عہد کی مستند تاریخ ہے۔ اصول یہ ہے کہ جب راوی مستند ہوتے ہیں تو خواہ کوئی واقعہ کسی کتاب میں ہو اور کسی میں نہ ہو، اسے مستند ہی مانا جاتا ہے۔ حضرت بابا صاحبؒ کے سوانح کے متعلق حضرت بابا صاحبؒ سے زیادہ اور کون مستند ہو سکتا ہے۔ یہ کہنا یا سمجھنا کہ اگر ہوتا تو فلاں کتاب مین ضرور ہوتا' یہ لزوم مالا یلزم ہے۔ ممکن تو ہے' مگر ہر کسی کتاب میں ہونا لازم نہیں۔

یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض امور کا ذکر ان مستند کتابوں میں ہوتا ہے، جو دستبرد زمانہ سے ناپید ہو چکی ہوتی ہیں۔ مگر ان ہی سے مابعد کی کتابوں میں بھی منقول ہو چکا ہوتا ہے، تو اگر کتاب معتبر ہے' تو اس کی روایت کو بھی منقول ہو چکا ہوتا ہے، تاہم تواتر بیان سے یہ ثابت ہے کہ ''اسرار الاولیاء'' مابعد کی کتب ملفوظات کا ماخذ اور بدرجہ اولیٰ افضل و معتبر ہے اور اس میں

Marfat.com

حضرت بابا صاحبؒ کے سفر بدایوں کا ذکر بھی معتبر ہے۔قرائن سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔امیر خورد کرمانی نے لکھا ہے:

''شیخ نجیب الدین متوکل را برادرے بود در بداؤں، ہر سال بدیدن او آن جا رفتے''

(سیر الاولیاء ص ۱۶۷ ج)

شیخ نجیب الدین متوکل حضرت بابا صاحبؒ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔جو ہر سال اپنے بھائی کی خدمت میں بدایوں تشریف لے جاتے تھے۔تو کیا حضرت بابا صاحبؒ کا بدایوں تشریف لے جانا ناممکنات سے ہے، جو انکار کیا جائے واقعات متعلقہ سے ''اسرار الاولیاء'' کے بیان کی پوری پوری تائید ہوتی ہے اور گونا گوں اوصاف کی بنا پر ''اسرار الاولیاء'' میں بیان کردہ مذکورہ سفر بدایوں کو تسلیم کرنا ہوتا ہے اور انکار کی کوئی معقول وجہ متبادر نہیں ہوتی اور یہ ماننا ہوگا کہ اگرچہ ''اسرار الاولیاء'' عقیدت مندوں کی بے اعتنائی کی بنا پر صحت و مقابلہ سے مزین ہوکر منظر عام پر نہیں آسکی ہے اور اس میں کتاب و طباعت کی بکثرت غلطیاں ہیں تاہم وہ بذات خود معتبر و مستند ہے اور اس کا استناد حضرت بابا صاحبؒ سے صحیح اور درست ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انوار الفرید ص:۱۶۱ مطبوعہ پاکستان میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے دینی مدارس میں جو کتابیں نصاب میں داخل ہیں، ان میں سے کئی کتابیں حضرت مولانا کی تصنیف تھیں۔ یہ بیان خلاف تحقیق غلط بلکہ افترا ہے۔مولانا موصوف سے منسوب صرف وہی کتابیں ہیں جن کا ذکر قدما کی کتابوں میں ملتا ہے۔(۱) اسرار الاولیاء (۲) علم صرف میں منظوم رسالہ جس کا نصاب تعلیم میں داخل ہونا ثابت نہیں۔

۲۔ مقابیس المجالس ص ۳۶۴ (ترجمہ) میں ''اسرار الاولیاء'' اور ''راحت القلوب'' دونوں ہی کا ذکر ہے۔اس کے حاشیے میں مترجم نے خواجہ موصوف کے مقابلے میں ''خیر المجالس'' اور ''جوامع الکلم'' کی بے صرفہ اور الحاقی عبارتیں نقل کر کے حضرت خواجہ غلام فرید کے مبارک بیان کی تردید کی ہے، جو نہایت درجہ غلط اور شرمناک ہے۔

۳۔ مجلس منعقدہ ۵ رمضان ۸۰۳ھ مجلس منعقدہ ۱۰ رمضان ۸۰۲ھ جوامع الکلم مطبوعہ کانپور، ۱۳۵۶ھ۔

۴۔ آغاز ہی میں ہے، افضل صحابہ ابوبکرؓ ثم عمرؓ ثم عثمانؓ ثم علیؓ

۵۔ جوامع الکلم۔مجلس منعقدہ رجب ۸۰۲ھ۔شعبان ۹، ۱۲، ۱۹، ۲۴، ۲۵، ۲۷، ۲۸، ۳۰، رمضان ۱، ۳، ۴، ۱۲، ۲۴ شوال ۳......

۶۔ اس مضمون کے تحریر کے دوران اتفاق سے گلبرگہ شریف کے معزز صحافی جناب عبدالحکیم صاحب ملاقات کو تشریف لائے۔دوران گفتگو میں ''جوامع الکلم'' کا ذکر آیا تو انہوں نے بتایا کہ جب ''جوامع الکلم'' گلبرگہ شریف سے شائع ہوئی تو ہنگامہ ہوا اور اس کے خلاف بہت کچھ لکھا گیا اور یہ نقطہ نظر طے پایا کہ زمانہ قدیم میں شیعہ حکومت کے زمانے میں گلبرگہ شریف پر متعین کسی شیعہ صوبہ دار کے ایماء سے یہ الحاق و تصرف عمل میں آیا

Marfat.com

تھا اور فحش مکروہ بیانات شامل کیے گئے تھے۔ یہ حرکت کسی شیعہ کی ہو یا کسی سنی کی مگر حضرت خواجہ گیسودراز کی ذات گرامی اس لغو بیانی سے مبرا ہے۔ (اخلاق)

۷۔ اسرارالاولیاء ص ۷۰ ج

۸۔ امیر خورد کرمانی نے حضرت محبوب الٰہی کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ تصور عوام در نفس ایشاں موثر آید۔ اولیارا آں تصور نفس غیر مؤثر آید......... اگر اصحاب کرامتے تصور کند در نفس غیرے اثر آں قصور حاصل می شود تا اگر موت شخصے تصور کند آن شخص بمیرد۔ واکر دیدن شخصے تصور کند در حال آں شخص حاضر شود (سیرالاولیاء ص ۳۶۲، ج)

۹۔ ماہنامہ معارف اعظم گڈھ، اگست ۱۹۷۹ء ص ۱۰۷

۱۰۔ سماع سننے والوں کے دلوں کو حرکت میں لاتا ہے اور مشتاقوں کے دل میں شوق کی آگ کو بھڑکاتا ہے۔

۱۱۔ مولوی غلام احمد خان بریان مرحوم نے ۱۳۲۰ھ میں ''سیرالاولیاء'' کا اردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا تھا اور اردو ''سیرالاولیاء'' نام رکھا تھا جو اب کمیاب ہے۔ اس میں انہوں نے نماز دیگر کا ترجمہ ظہر کی نماز کیا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ فارسی میں ظہر کی نماز کو نماز پیشین اور عصر کی نماز کو نماز دیگر کہتے ہیں۔ لاہور (پاکستان) میں آج تک یہ لفظ اسی طرح مستعمل اور اہل پنجاب کی زبان پر ہیں۔

۱۲۔ اسرارالاولیاء ص ۸۔۹

۱۳۔ ''در ہوا شدند'' کے معنی ہیں کہ ذوق وشوق میں محو ومستغرق ہو گئے۔ یہ ترجمہ غلط ہے کہ اڑنا شروع کیا یا ہوا میں کھڑے ہو گئے۔

۱۴۔ جرنل آف سکھ اسٹیڈیز (امرتسر) اگست ۱۹۷۶ء ص ۳۷ تا ۳۹۔ ماہنامہ معارف (اعظم گڈھ) مارچ ۱۹۸۰ء ص ۱۹۳ تا ۱۹۶۔

۱۵۔ اسرارالاولیاء ص ۳۱

۱۶۔ ایضاً ص ۳۲

۱۷۔ ایضاً ص ۵۲ ج

۱۸۔ تفصیل کے لیے ماہنامہ معارف (اعظم گڈھ) ستمبر ۱۹۷۹ء ص ۱۷۵ تا ۱۸۲ ملاحظہ فرمایئے۔

۱۹۔ عالم تحیر یا عالم سالک کا مرتبہ احد میں محو ہونا، اس مقام کی کیفیات احاطہ تحریر وتقریر میں نہیں سما سکتیں۔ اسی کو عالم سکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

۲۰۔ بیہوشی سے ہوش میں آنا یا سالک کا انتہائے توحید حقیقی میں پہنچ کر فرق مراتب سے غافل نہ ہونا، مگر یہاں پہلے ہی معنی مراد ہیں۔

۲۱۔ ''اسرارالاولیاء'' کی اصل فارسی عبارت یہ ہے:

اے درویش شیر خان والی ملتان بود، چندان عقیدہ بر دعا گوئے نداشت، ہر بار بہ طریق بہتری گفتم کہ با درویشاں کینہ کرون نیکو نیست کہ خلل ملک تو ست او التفات نہ کردے چنانچہ وقتے در حوالی اچ مغل رسید، ہیچ کشتہ نہ شد مگر ہمون، آں گاہ بر لفظ مبارک این دو مصرع راند بیت:

Marfat.com

درویش بہ شہر منہ بودے اگر مقام گشتے سراسر ہمہ عالم خراب حال

(اسرارالاولیاء ص ۶۹)

۲۲۔ موئی اس پناہ گاہ کو کہتے ہیں اور ایسی بستی کو بھی کہتے ہیں، جس کے گرداگرد فصیل یا خندق ہوتی ہے۔

۲۳۔ یہ بزرگ علی مولہ کے نام سے مشہور ہیں، حضرت محبوب الٰہی کی دستار بندی کی تقریب میں شریک تھے۔

۲۴۔ چیتل بہت کم قیمت کا سکہ ہوتا تھا، مگر یہاں چیتل سے مراد وہ رقم ہے، جس میں درہم اور چاندی کے سکے شامل تھے۔

۲۵۔ فوائد الفواد ص ۱۳۲

۲۶۔ معارف (اعظم گڈھ) ستمبر ۱۹۷۹ء اور ''فوائد الفواد'' ص ۱۷۲، ۱۷۶، ۱۶۵، ۲۰۲، ۵۲۱، ۵۹۔ نیز ''خیرالمجالس'' ص ۱۳۱، ۱۳۷

۲۷۔ ''ہشت بہشت'' نامی ترجمہ ملفوظات میں برہان الدین لکھا ہے' جو غلط ہے۔

روایت نمبر ۱۴

حضرت بابا صاحب نے فرمایا امام ابو یوسف (قاضی) کی روایت کے مطابق طاقیہ (کلاہ) دو طرح کا ہوتا ہے۔ (۱) لاطیہ (۲) ناشرہ۔ لاطیہ سر سے ملا ہوا ہوتا ہے، اور ناشرہ کسی قدر سر سے ابھرا ہوا ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلاہ لاطیہ اکثر استعمال کیا ہے اور کلاہ ناشرہ کم استعمال کیا ہے۔ کلاہ ناشرہ سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔ بعض مشائخ نے بھی کلاہ ناشرہ استعمال کیا ہے۔ (اسرارالاولیاء ص ۶۳)

حضرت بابا صاحب کے اس مبارک بیان سے کلاہ کی نوعیت واضح ہوگئی کہ کلاہ و طاقیہ جو صوفیہ میں مروج ہے، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہے اور سنت کا مرتبہ رکھتا ہے۔ اسرائیلیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسے دیومالا کی کہانی سے تعبیر کرنا نہایت درجہ گستاخی اور کم علمی کی علامت ہے۔

حضرت بابا صاحبؒ نے تفصیل سے اس موضع پر گفتگو فرمائی ہے جو ''اسرارالاولیاء'' کے اوراق کی زینت ہے اور وہ یہ کہ اس کا شمار مشائخ کے لباس میں ہوتا ہے۔ یہ بھی تاثیر و کیفیات سے مالا مال رہا ہے۔ اسے صوفیہ کرام کے یونی فارم کا جز و تصور کرنا چاہیے۔ یہ نادر معلومات ہے' جس کی استناد حضرت بابا صاحب کے بیان سے صحیح و درست ہے۔ یہ ذکر ''فوائد الفواد'' (ص ۱۳۸) میں بھی ہے۔

روایت ۱۵

حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا: ہمارے خواجگان کے نزدیک خرقہ کا تعلق حضرت رب العزت سے ہے اور یہ وہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شب معراج میں خرقہ عطا ہوا جسے خرقہ معراج کہتے ہیں اور یہ فرمان ہوا ہے کہ اپنے اصحاب میں سے اسے عنایت فرمایئے، جو یہ کہے کہ میں پردہ پوشی پر عمل کروں گا، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج سے تشریف لائے تو اصحاب کرامؓ سے دریافت کیا کہ اگر میں تمہیں یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے۔ صحابہؓ نے جو مناسب سمجھا جواب دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ میں پردہ پوشی سے کام لوں گا۔ مسلمانوں کے بلکہ جملہ بندگان خدا کے عیوب چھپاؤں گا۔ چونکہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جواب حضرت حق تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق تھا۔

Marfat.com

اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرقہ معراج سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عنایت فرما دیا۔ (اسرار الاولیاء، ص ۳۹)

حضرت بابا صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میرے پاس حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی یادگار ایک گلیم ہے۔ مجھے فرمانِ ربی یہ ہے کہ یہ گلیم علی بن ابی طالبؓ کو دیدوں تا کہ وہ میرے امتیوں کو پہنچا دیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حاضر خدمت تھے، لہٰذا وہ گلیم آپ نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عنایت فرما دی۔ اس سے یہ واضح ہے کہ گلیم پوشی کا آغاز حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ہے۔ (اسرار الاولیاء، ص ۴۵، ۴۶)

خرقہ کہتے ہیں پیوند لگے کُرتے کو اور گلیم کہتے ہیں کمبلی کو، جو زمانہ قدیم سے انبیاء علیہم اسلام اور صوفیہ کرام کا لباس ہے اور اس لباس صوفیہ کو خرقہ معراجیہ اور گلیم ابراہیمی سے نسبت ہے۔ لیکن خرقہ معراجیہ کو اور گلیم ابراہیمی کو مادی لباس سمجھنا صحیح نہیں، بلکہ وہ لطیفہ غیبی ہے، مادی نہیں ہے۔ خواجہ غلام فرید چشتیؒ کا ارشاد ہے۔

> ''خرقہ معراج ایک باطنی چیز ہے، اور راز خفی ہے۔ کپڑے اور اشیائے محسوسہ میں سے نہیں ہے .... خرقہ معراجیہ ایک مخفی راز ہے۔ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ہر اس شخص کو ملا جو اس نعمت عظمیٰ کے لائق تھا .... خرقہ معراجیہ ایک قسم کی خصوصیت تھی جو ان بائیس حضرات کے سوا کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس خصوصیت کو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ اپنے ساتھ قبر میں لے گئے۔'' (مقابیس المجالس، ص ۳۵۶)

خرقہ اور گلیم کا اسرائیلیات سے دور کا بھی رشتہ نہیں ہے اور نہ اسرائیلیات سے ان کا رشتہ جوڑا جا سکتا ہے۔ ایسا گمان کرنا کم علمی اور نافہمی کی علامت ہے۔ خرقہ معراجیہ کا اور ملائکہ کی گلیم پوشی کا ذکر ان کتابوں میں بھی ہے، جنہیں مخالفین ملفوظات نہایت درجہ مستند اور رد ادب صوفیہ میں بے مثل تسلیم کرتے ہیں۔ ان میں یہ روایت حضرت محبوب الٰہی سے منقول ہے۔

بعد ازاں از کرامت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حکایت فرمود کہ آں روز او چہل ہزار دینار بیاورد، و گلیمے پوشیدہ و میخے براں زدہ، بخدمت رسول علیہ السلام بیامد، ہماں زماں جبرئیل علیہ السلام بحضرت رسالت آمد، گلیمے پوشیدہ و میخے بران زدہ، رسول علیہ السلام پرسید کہ این چہ لباس است جبرئیل گفت یا رسول اللہ امروز بر جملہ ملائکہ را فرمان شدہ است تا بہ موافقت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ گلیمے پوشیدہ اند و میخے بران زدہ (فوائد الفواد، ۲۳، سیر الاولیاء ص: ۳۴۳)

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بزرگی کے متعلق حکایت بیان فرمائی کہ جس دن وہ چالیس ہزار دینار لائے تھے اس دن وہ کمبلی پہنے ہوئے اور کانٹے لگائے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اسی وقت جبرئیل بھی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے وہ بھی کمبلی پہنے ہوئے تھے اور اس میں کانٹے لگا رکھے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیا لباس ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ یا رسول اللہؐ! آج تمام فرشتوں کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی موافقت میں کمبلی پہننے کا حکم ہوا ہے۔ سب نے کمبلی پہنی ہے اور اس میں کانٹے لگائے ہیں۔

Marfat.com

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ (المتوفی ۴۶۵ھ) نے بھی اس روایت کی طرف ایما فرمایا اور لکھا ہے
''صدیق اکبر اندر حال تجریدش جامہ صوف پوشیدہ'' (کشف المحجوب' ص ۴۳)

حضرت محبوب الٰہیؒ نے یہ روایت بھی بیان فرمائی ہے، امیر خورد کرمانی لکھتے ہیں:

سلطان المشائخ می فرمود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم در شب معراج از حضرت عزت خرقہ یافت وآن را خرقہ فقر گویند بعدہ صحابہ راطلب کرد وگفت من از حضرت عزت خرقہ یافتہ ام و مرا فرمان است کہ آں را بیکے بدہم، بعدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم روئے سوئے ابوبکر کرد رضی اللہ عنہ وفرمود، اگر من ایں خرقہ بتو بدہم تو چہ کنی؟ ابوبکر گفت من صدق ورزم وطاعت کنم وعطا کنم بعدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وافرمود، اگر من ایں خرقہ بتو بدہم تو چہ کنی؟ عمر گفت عدل کنم وانصاف نگاہ دارم، بعدہ از حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پرسید، اگر من ایں خرقہ بتو بدہم تو چہ کنی، عثمان گفت من اتفاق کنم و سخاوت ورزم' بعدہ علی رضی اللہ عنہ راپرسید اگر من ایں خرقہ رابتو بدہم تو چہ کنی؟ علی گفت من پردہ پوشی کنم و عیب بندگان خدائے عزوجل بپوشم آں خرقہ بر علی داد کرم اللہ وجہہ وفرمود فرمان خدائے عزوجل بود، امر کہ ایں جواب گوید، ایں خرقہ اورا بدہی، (فوائد الفوادص ۱۹۶، سیر الاولیاء ص ۳۴۱،۳۴۲ج)

حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جو خرقہ اللہ پاک سے پایا، اسے خرقہ فقر کہتے ہیں۔ پھر صحابہ کرامؓ کو بلایا اور فرمایا کہ میں نے اللہ پاک سے خرقہ پایا ہے اور مجھے حکم ہے کہ میں یہ کسی ایک کو دوں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف رخ کیا اور دریافت فرمایا کہ اگر میں یہ خرقہ تمہیں دوں تم تم کیا کرو گے؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا کہ میں سچائی اختیار کروں گا، عبادت کروں گا اور بخشش کروں گا۔ پھر حضرت عمر فاروقؓ سے دریافت فرمایا، اگر یہ خرقہ میں تمہیں دوں تو تم کیا کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں انصاف کروں گا اور انصاف کی نگرانی کروں گا۔ پھر حضرت عثمان غنیؓ سے دریافت فرمایا کہ اگر یہ خرقہ میں تمہیں دوں تو تم کیا کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اتفاق اور باہمی میل جول سے کام لوں گا اور سخاوت کروں گا۔ پھر حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا کہ اگر یہ خرقہ میں تمہیں دوں تو تم کیا کرو گے۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ میں عیب پوشی کروں گا اور خدا کے بندوں کے عیبوں کو چھپاؤں گا۔ آپؐ نے وہ خرقہ حضرت علیؓ کو دے دیا اور فرمایا کہ مجھے اللہ پاک کا یہی حکم تھا کہ جو یہ جواب دے یہ خرقہ اسے دیدینا۔

حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ نے لکھا ہے۔

شعار متصوفہ لبس مرقعہ است ولبس مرقعات سنت است، ازاں جا کہ رسول گفت علیہ السلام علیکم بلبس الصوف تجدون حلاوتہ الایمان

گدڑی پہننا صوفیوں کا معمول ہے اور گدڑی پہننا سنت ہے۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اون پہننا اپنے لیے لازم جانو گے

Marfat.com

فی قلوبکم ونیز یکے گوید از صحابہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبس الصوف و یرکب الحمار .... حسن بصری گوید رحمتہ اللہ علیہ ہفتاد بدری را دیدم ہمہ را جامۂ پشمیں بود (کشف المحجوب، ص ۴۲،۴۳)

تو تم اپنے دلوں میں ایمان کی حلاوت پاؤ گے، (صحابہ میں سے) ایک (صحابی) یہ بھی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اون پہنتے تھے اور خچر پر سوار ہوتے تھے .... حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر اصحاب بدر کو دیکھا ہے' سب ہی صوف پوش تھے۔

خرقہ ابراہیمی کی روایت شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) نے اپنی مؤقر تصنیف ''عوارف المعارف'' (ص ۱۲۰) میں بھی نقل فرمائی ہے۔ ادب صوفیہ میں ''عوارف المعارف'' کا پایہ اعتبار متفق علیہ اور مسلم ہے۔ اس کے پانچ باب حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت بابا صاحبؒ سے پڑھے تھے۔[1]

بہرنوع ان مؤقر بیانات سے یہ واضح ہے کہ خرقہ وگلیم کا تعلق عین اسلامیات سے ہے اور ان کا استعمال سنت ہے۔ خرقہ ابراہیمی اور خرقہ معراجیہ لطیفہ غیبی سے ہیں اور خرقہ فقر کو ان سے گہری نسبت ہے اور صوفیہ کرام کے استعمال کی برکت سے خرقہ غیر معمولی اوصاف کا مالک ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امام جعفر صادقؒ از فرزندان حضرت مرتضی علی علیہ السلام وکرم اللہ وجہہ است و یک شعبہ خرقہ حضرت امیر المومنین مرتضی علی علیہ السلام از اں جانب می رود۔ (سیر الاولیاء، ص ۳۸۹ چ)

احادیث کی تدوین

مسلمانوں کا یہ زندہ جاوید کارنامہ ہے کہ انہوں نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قول وعمل کی کامل نگہداشت کی اور محنت وخلوص سے احادیث رسول اللہ علیہ وسلم کو مدون کیا۔ اس باب میں دنیا کی کسی قوم کو مسلمانوں سے ہمسری کا حق حاصل نہیں ہے۔ انہوں نے جمع وتدوین ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ احادیث کو پرکھنے کے لیے اصول وضوابط بھی بنائے اور پرکھ پرکھ کے احادیث کے مجموعات مرتب کیے۔ اصول حدیث مستقل فن اور علم کا ایک گراں قدر شعبہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی علم اسماء الرجال وجود میں آیا جو علوم وفنون میں منفرد حیثیت کا ملک ہے' جس کی بدولت آج تک مسلمانوں کو سر بلندی حاصل ہے۔

صوفیہ کرام میں بھی جید عالم گزرے ہیں۔ وہ اصول حدیث کے قائل اور اسے معتبر مانتے تھے۔ بلکہ اصول حدیث کا درس بھی دیتے تھے[2] اور حدیث کی مشہور ومعتبر کتابوں کو اسی نگاہ عظمت سے دیکھتے ہیں' جس سے علماؤ محدثین دیکھتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کا مشہور مقولہ ہے۔

آنچہ در صحیحین است آں صحیح است (فوائد الفواد' ص ۱۰۳)

اور اگرچہ احادیث مبارکہ کا بے پناہ ذخیرہ مہیا ہو چکا ہے، لیکن پھر بھی کوئی اس کا قائل نہیں کہ سب ہی کچھ مہیا ہوگیا ہے۔ اس تصور کو کہ سب ہی کچھ مہیا ہوگیا ہے' احصائے تعبیر کرتے ہیں اور احصاء کے تصور کو ناروا قرار دیتے ہیں۔ محمد بن اسمٰعیل امام بخاریؒ کا مشہور مقولہ ہے:

مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد تھیں۔ ان میں سے میں نے چھ ہزار کے انتخاب سے صحیح بخاری کو تدوین کیا ہے۔

Marfat.com

چورانوے ہزار صحیح حدیثوں کا ذخیرہ جو محفوظ نہیں‘ ان میں سے بھی کچھ ہوسکتی ہیں جو صوفیہ کرام کے ملفوظات کی زینت ہیں۔

صوفیہ کرام متقیوں سے زیادہ متقی اور بصیرت باطنی سے مالا مال تھے۔ صاحب ذوق سلیم بھی تھے اور کلام نبی صلعم سے لذت آشنا بھی تھے۔ اگر وہ کیفیت اندوز نہ ہوتے تو بے تکلف ان کی زبان پر آ جاتا تھا۔

لیس فیه ذوق کلامه علیه السلام (اصول السماء‘ قلمی ص ۲۴)

لہٰذا حضرت صوفیہ کرام نے جن احادیث نبوی کو اپنایا ہے، ان کے متعلق بھی کلام نہیں کیا جا سکتا اور اب حدیث کے باب میں صوفیہ کرام کا خصوصی نقطہ نظر ہے۔ جس کے متعلق حضرت محبوب الٰہی کا یہ ارشاد ہے۔

”حدیثے کہ مردم بشنوند نتوان گفت کہ این حدیث رسول صلعم نیست ، اما ایں تواں گفت‘ در کتبے کہ ایں احادیث جمع کردہ اند اعتبار یافتہ اند نیادہ است (فوائد الفواد، ص ۲۳۴)

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہے کہ حدیث خرقہ کا بھی معتبر مقام ہے۔ خرقہ انبیاء علیہم السلام کے شعار کی یادگار ہے۔ اس کا اسرائیلیات سے رشتہ قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس روایت خرقہ سے بھی یہ واضح ہے کہ ”اسرار الاولیاء“ حضرت باباصاحبؒ کے معتبر ملفوظات کا مجموعہ ہے اور بعد کی کتب ملفوظات کا ماخذ ہے اور کوئی ایسی معقول دلیل نہیں ہے جس کی بنا پر ”اسرار الاولیاء“ کو نا معتبر مانا جا سکے۔

فصول کا اختتامیہ

”اسرار الاولیاء“ میں ۲۲ فصلیں ہیں۔ ہر فصل کے آخر میں اختتام کی کیفیت لکھی ہے اور ان کی تفصیل یہ ہے (۱) چار فصلوں کے اختتام پر یہ ذکر ہے کہ اذان کی آواز آئی تو مجالس ختم ہوئیں۔ ان چار میں سے دو دو اذانیں ظہر کی تھیں (۸۔۱۲) دو اذانوں کے متعلق یہ صراحت نہیں کہ وہ کس وقت کی تھیں (۷۔۹) گمان غالب یہ ہے کہ وہ بھی ظہر ہی کی ہوں گی۔

(۲) تین کے اختتام پر آپ عالم تحیر میں کھڑے ہوگئے تھے۔ (۲، ۲۱، ۲۲) (۳) ایک کے اختتام کے بعد آپ تلاوت قرآن میں مشغول ہوگئے تھے۔ (۱۸) (۴) ایک کے اختتام کے بعد آپ دولت خانہ میں چلے گئے۔ (۵) (۵) ایک کے اختتام کے بعد آپ مشغول ہوگئے تھے۔ (۱۹) (۶) تین کے اختتام پر آپ بعجلت اٹھ کھڑے ہوئے۔ (۱۰، ۱۶، ۲۰) (۷) چھ کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور اندر چلے گئے۔ (۲، ۴، ۶، ۱۴، ۱۵، ۱۷) (۸) ایک کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ (۱۱) (۹) ایک کے اختتام پر آپ اٹھے اور عجلت سے اندر چلے گئے۔ (۱۳)

”بدواں برخاست و بدواں دروں رفت“ سے مراد یہ ہے کہ بعجلت آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور بعجلت اندر تشریف لے گئے۔ اندر تشریف لے جانے سے مراد غالباً حجرے میں تشریف لے جانا ہے۔ ایک جگہ یہ تشریح بھی ہے کہ اندر جا کر آپ تلاوت قرآن میں مشغول ہوگئے۔ تین کے اختتام پر یہ ہے کہ ”بدواں دروں رفت“ بعجلت اندر چلے گئے۔ غالباً مجالس میں وقت زیادہ صرف ہوا تھا۔ معمولات کو پورا کرنا ہی تھا۔ اس لیے آپ بعجلت اندر تشریف لے گئے۔ مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے فرمایا ہے۔

بیشتر احوال در مسجد اجودھن مشغول بودے، (خیر المجالس‘ ص ۸۹)

آپ اکثر اجودھن (پاکپتن) کی مسجد میں مشغول رہتے تھے۔

گویا کہ مسجد ہی میں اذان ہوتی اور مسجد ہی میں نماز با جماعت پڑھتے۔ خانقاہ میں اذان و نماز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔[۳۱] اس لیے یہ کہنا لا حاصل ہے کہ بابا صاحبؒ کی خانقاہ میں کبھی نماز با جماعت نہیں ہوتی تھی۔ تو ظاہر ہے کہ مسجد کے قریب ہونے اور مسجد میں اکثر مشغول رہنے کی بنا پر اس کی ضرورت ہی نہ تھی۔ مجلس کا اختتام عموماً ایسے اوقات میں ہوتا تھا جو اذان و نماز کے اوقات نہ ہوتے تھے۔ بائیس میں سے صرف چار کا اختتام اذان کی آواز پر ہوا ہے۔ اغلباً یہ چاروں مجلسیں موسم سرما کی تھیں، جو اذان ظہر کے وقت تک منعقد رہیں اور ''بدولت خانہ دروں رفت'' سے مراد غالباً گھر میں تشریف لے جانا ہے۔ اذان کے بعد ہی جو آپ دولت خانے میں تشریف لے گئے تو یقیناً کسی ضرورت سے گئے ہوں گے اور جماعت میں آ شریک ہوئے ہوں گے۔ چونکہ صرف اختتام کی کیفیت بتانی مقصود تھی۔ بعد کی تفصیلات میں جانا مقصود نہیں تھا۔ اس لیے اس کا ذکر بھی نہیں کیا اور نہ کرنا چاہئے تھا۔

کتابت کی غلطیاں

پیش نظر نسخہ ''اسرار الاولیاء'' میں بکثرت غلطیاں ہیں، مطبع نولکشور کانپور کی مطبوعہ کتابیں بکثرت مطالعہ میں آئی ہیں۔ مگر اس قدر اغلاط سے بھری کوئی کتاب دیکھنے میں نہیں آئی، اسماء کا تو ذکر ہی کیا، املا کی معمولی معمولی بکثرت غلطیاں ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جو نسخہ کاتب کے پیش نظر تھا' وہ بھی اغلاط سے پُر تھا۔ کاتب بھی فارسی زبان سے قطعاً ناواقف تھا۔ اس کے علاوہ نہ کسی نے کاپی کی تصحیح کی اور نہ پروف کو دیکھا اور متواتر غلط نسخے شائع ہوتے رہے اور وہ نسخہ بھی جو ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۵ء میں بار ششم شائع ہوا تھا' کثرت اغلاط سے مملو ہے۔ اغلاط کی امثلہ یہ ہیں۔

غلط	صفحہ	صحیح
دوگانہ بگذارد۔ وودزنو	ص ۷	دوگانہ بگزار۔ ودوزانو
برتور تجلی کنم	ص ۷	برتو تجلی کنم
رفت ایماں	ص ۱۱	رخت ایماں
کارزار گفتگوے گزشت	ص ۱۴	کاراز گفتگوے بگزشت
ورذکر رزق رجزان	ص ۱۵	درذکر رزق وجز آں
دوردراز	ص ۱۷	دوروزہ
اورا انکار برکرم حق	ص ۱۸	اورا نگاہ برکرم حق
سنگ را بشگفتم	ص ۱۹	سنگ را بشکستم
شس توعت	ص ۲۱	شش نوع است
صبح بدہد	ص ۲۳	صبح بدمید
اوقات	ص ۶۱	ملاقات
آزادی	ص ۶۲	آرزدے
بلاند	ص ۲۷	بداند

Marfat.com

بدال دروں رفت	ص ۷۱	بدداں دروں رفت
درمیاں رفتہ است	ص ۸۴	در بیابان رفتہ است

اسماء کی اہم غلطیاں

چوں برادرم مولانا بہاوالدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز کار خودرا درعشق و محبت بہ تکمیل	ص ۴۱	چوں برادرم مولانا بہاء الدین زکریا قدس اللہ سرہ العزیز کار خود را در عشق و محبت بہ تکمیل
رسانیدہ بخدمت شیخ بہاء الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز پیوست		رسانید بخدمت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز پیوست
ایں سخن بہ سمع شیخ بہاوالدین نوراللہ مرقدہ رسید فرمود	ص ۴۱	ایں سخن بہ سمع شیخ شہاب الدین نور اللہ مرقدہ رسید
اے درویش برابر شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ بعدازنقل پیرخود بخدمت شیخ بہاو الدین رحمۃ اللہ علیہ پیوست، اماچندان خدمت کرد کہ ہیچ خدمتگارے آن چنان خدمت نہ کند۔	ص ۲۷	اے درویش..........شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ بعدازنقل پیرخود بخدمت شیخ شہاب الدین سہروردی پیوست، اماچنداں خدمت کرد کہ ہیچ خدمتگارے آں چناں خدمت نہ کند (اسرار الاولیاء کے جس نسخے سے مولوی عبدالاحد مرحوم نے ترجمہ کیا ہے۔اس میں برابر نہیں ہے برادر ہے، مناسب یہ ہے کہ کچھ بھی نہ ہو)۔
اے درویش دعا گوے را برادرے بود شیخ نجم الدین نام او بود	ص ۶۱	اے درویش دعا گوے را برادرے بود ، شیخ نجیب الدین نام او بود
اے درویش دقت شیخ جلال الدین تبریزی ودعا گوے یک جابودیم مولانا علاء الدین صوفی می گزشت ، نظر شیخ برا و افتادہ اور را بخواند جامہاے خود برو داد پنج بار سورۂ اخلاص بخواند و بر رو میر حق تعالی؟ بر مولانا علاء الدین چنداں برکت ونعمت دادو بیداد گردانید از برکت شیخجلال الدین تبریزی بود۔	ص ۲۷	اے درویش وقتے شیخ جلال الدین تبریزی و دعا گوئے یک جابودیم مولانا علاء الدین اصولی می گزشت (مولانا علاء الدین اصولی بدایوں میں تھے اور حضرت محبوب الٰہیؒ کے استاد تھے اور یہ ان ہی کا واقعہ ہے، اصولی کی بجائے صوفی لکھ دیا گیا ہے) چنداں برکت ونعمت داد (بیداد تصحیح طلب ہے) گردانید۔

مولانا بدر الدین اسحاق و چند نفر درویش دیگر بخدمت حاضر بودند۔	ص ۷۱	مولانا بدر الدین و چند نفر (جس قلمی نسخے سے مولوی عبدالاحد مرحوم نے ''اسرار الاولیاء'' کا ترجمہ کیا ہے اس میں یہ نام نہیں ہے) البتہ اس نام کے ایک اور بھی بزرگ تھے، جو شیخ سیف الدین باخرزی سے اور شیخ نجم الدین کبریٰ سے فیض یافتہ تھے۔ ہندوستان آئے تھے، حضرت محبوب الٰہیؒ سے بھی فیض پایا تھا۔ سنہ وفات ۷۱۶ھ ہے۔ غالباً بدر الدین اسحاق سے مراد یہی بزرگ تھے، جو سمر قند کے باشندے تھے۔ ان کا مزار موضع سنکولہ میں ہے۔
خدمت خواجہ قطب الدین باو ملاقی شد۔	ص ۸۷	خدمت ہیسید قطب الدین باو ملاقی شد۔

تحریف جنگ غولان بیابانی

قلمی کتابوں میں تحریف کی امثلہ تو عموماً ملتی ہی ہیں، ''اسرار الاولیاء'' بھی اس سقم سے مبرا نہیں ہے۔ لیکن اہم ترین تحریف کا ایک واقعہ وہ ہے جو ''اسرار الاولیاء''، فصل ہفتم ص ۳۸ میں ہے اور جو سورہ اخلاص (قل ھو اللہ احد) کے اوصاف وفضائل اور خواص سے متعلق ہے۔ اسے واقعہ جنگ خیبر سے متعلق کر دیا ہے۔ وہ دراصل جنگ خیبر سے متعلق نہیں ہے، بلکہ جنگ غولان بیابانی سے متعلق ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا ہے۔

> ایک دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو جنگ غول بیابانی پر مامور فرمایا تھا۔ امیر المومنین (حضرت علیؓ) عرصے تک لڑائی میں مشغول رہے، مگر فتحیابی نہ ہوئی، ایک دن آپ نے ایک نعرہ بلند کیا کہ زمین وآسمان کے طبق گونج اٹھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک تک یہ آواز پہنچی۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور سورہ اخلاص لائے اور کہا کہ یہ سورت ان کے پاس بھیج دیجئے کہ وہ اس کی کثرت سے تلاوت کریں۔ چنانچہ آپ نے فورا بھیج دی۔ حضرت علیؓ نے ایک شبانہ روز اس کی مزاولت کی تھی کہ وہ مہم سر ہوگئی اور قلعہ فتح ہوگیا۔
> (راحت المحبین، ص ۲۷، ترجمہ مجتبائی)

''راحت المحبین'' حضرت امیر خسرو کی موقر تالیف ہے جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ اسے حضرت امیر خسرو نے کتاب ''افضل الفوائد'' کے بعد مرتب فرمایا تھا۔ یہ کتاب ''شمائل الاتقیاء ودلائل الاتقیاء'' کی فہرست ماخذات میں بھی شامل ہے، جو حضرت محبوب الٰہیؒ کے بزرگ خلیفہ مولانا برہان الدین غریبؒ (المتوفی ۷۳۲ھ) کی نگرانی میں مرتب ہوئی تھی، جس کا پایہ اعتبار مسلم ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے حضرت امیر خسرو کے مرتب کردہ کتب ملفوظات کے متعلق فرمایا ہے۔

Marfat.com

امیر خسرو ہم ملفوظ جمع کردہ لیکن آن قدر مقبول نیست (ملفوظات شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص ۲۷)

ضرورت ہے کہ ''اسرار الاولیاء'' کے قدیم قلمی نسخوں سے مقابلہ کر کے مذکورہ روایت کی تصحیح کی جائے۔ مجموعی اوصاف سے ''اسرار الاولیاء'' حضرت بابا صاحبؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور قدیم سے اہل کمال اس کی اہمیت کے معترف ہیں اور اس میں وہی کچھ ہے جو دیگر کتب ملفوظات میں ہے اور سب ہی کچھ شریعت و طریقت کے مطابق ہے۔

وقت کا تقاضا

وقت کا اہم تقاضا یہ ہے کہ مخلص عقیدت مند مجتمع ہوں اور اس پر غور کریں کہ یہ طرفہ تماشا کیا ہے۔ کیونکہ ''اسرار الاولیاء'' کو غیر مستند اور جعلی قرار دیا جا رہا ہے۔ مدافعت کی تدبیر یہ ہے کہ ''اسرار الاولیاء'' کو صحت و مقابلہ سے مزین کر کے منظر عام پر لایا جائے۔ یہی نہیں بلکہ اس کا صحیح ترجمہ بھی شائع کیا جائے اور ہر زبان میں کیا جائے۔ اسے رواج دیا جائے' روحیں اس کی متلاشی ہیں۔ اس سے معاشرے میں سدھار آئے گا اور اخلاقی قدریں جلوہ گر ہوں گی۔ یہ کام مخلص عقیدت مند ہی انجام دے سکتے ہیں۔ وہ نہیں جو حصول مقاصد کی طمع میں عقیدت مندی کا بہروپ بھرے بیٹھے ہیں۔ ان پر تو یہ مصرع صادق آتا ہے۔

دوست وہ کرتے ہیں دشمن سے جو ہو سکتا نہیں

بلاشبہ اگر مخلص عقیدت مند کمر ہمت باندھیں تو اس مشکل کو آسان کر سکتے ہیں اور ہدایت کی روشنی سے دنیا میں اجالا کر سکتے ہیں۔ یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ اللہ پاک ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کے لیے مقدر ہے۔ راقم حروف سے جو کچھ بن پڑا کیا ہے۔ کر رہا ہے اور کرتا رہیگا۔ انشاء اللہ اس کے لیے یہی توشہ آخرت ہے۔ اللہ پاک قبول فرمائیں۔

''اسرار الاولیاء'' کے قدیم نسخے

''اسرار الاولیاء'' کو مرتب کرنے کے لیے ''اسرار الاولیاء'' کے قدیم قلمی نسخوں سے آگاہی اور ان سے مقابلہ ''اسرار الاولیاء'' کی صحت کے لیے اشد ضروری ہے۔ اس ضرورت کے اقتضا سے میں نے ہندوستان کی مشہور مشہور لائبریریوں سے جو معلومات فراہم کی ہیں' وہ پیش کرتا ہوں۔ مدعا اس سے یہ ہے کہ صحت و مقابلہ سے ''اسرار الاولیاء'' کا کوئی نسخہ مرتب ہو کر شائع ہو جائے اور منظر عام پر آ جائے جو معاشرے کے سدھار میں بیحد مدد و معاون ہوگا۔

اگر توفیق الٰہی ساز گار ہوئی اور حیات مستعار نے ساتھ دیا تو میں خود اس خدمت کو انجام دونگا۔ مگر میں چراغ سحری ہوں، چاہتا ہوں کہ کوئی جواں سال و جوان ہمت اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے اور اپنے اخلاص اور اپنی کوشش سے دنیا میں اجالا کر دے۔ اگر خدائے پاک نے کسی اولوالعزم کو توفیق دی اور اس نے اس کام کو سنبھالا تو یہ میرے لیے انتہائی مسرت کا باعث ہوگا اور جو تعاون میں دے سکتا ہوں، اس میں مجھے ذرا بھی تامل نہ ہوگا۔ انشاء اللہ ''اسرار الاولیاء'' کے جو قدیم قلمی نسخے میرے علم میں آئے ہیں' وہ یہ ہیں۔

۱۔ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تین نسخے ہیں۔ ایک نسخہ ۱۰۰۸ ہجری کا مکتوبہ ہے، دوسرا ۱۰۸۲ھ کا مکتوبہ ہے اور تیسرے پر سنہ کتابت مرقوم نہیں ہے۔

۲۔ آندھرا پردیش گورنمنٹ اورینٹل مینوسکرپٹس لائبریری اینڈ ریسرچ انسٹیٹیوٹ حیدر آباد میں دو نسخے ہیں، مگر ان

Marfat.com

میں سے کسی میں سنہ کتابت مندرج نہیں ہے۔

۳۔ سالار جنگ میوزیم حیدر آباد میں ابتدائی بارہویں صدی ہجری کا ایک نسخہ ہے۔

۴۔ رضالائبریری رامپور میں ایک نسخہ ہے۔سنہ کتابت تحریر نہیں ہے۔

۵۔ عربی فارسی ریسرچ انسٹیٹیوٹ ٹونک (راجستھان) میں ایک نسخہ ہے۔سنہ کتابت درج نہیں ہے۔

نوٹ: میرے پاس ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ کی کیٹلاگ شکستہ اور کرم خوردہ ہے۔اس لئے وہاں کے نسخے کا پتہ نہیں چل سکا۔خط لکھنے پر جواب بھی نہیں آیا۔اگر کوئی صاحب وہاں کے یا اور کہیں کے قلمی نسخے کی نشاندہی کر سکیں تو ممنون ہوں گا۔مرا پتہ یہ ہے، اخلاق حسین دہلوی، لال محل بستی حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی، ۱۱۰۰۱۳۔

حواشی

۱۔ سیر الاولیاء، ص ۱۰۶ ج

۲۔ اسرار الاولیاء، ص ۱۰۶ ج ۔اصول حدیث کی معتبر کتاب ''تمہید المہتدی'' تصنیف شیخ ابوشکور سالمیؒ حضرت محبوب الٰہیؒ نے حضرت بابا صاحبؒ ہی سے پڑھی تھی۔

۳۔ حضرت محبوب الٰہیؒ پنجگانہ نماز اپنے جماعت خانہ میں ادا فرماتے تھے۔اس عہد میں غیاث پور میں کسی مسجد کا ذکر کسی تاریخ میں نہیں ملتا۔البتہ نماز جمعہ آپ جامع مسجد کھلوکری میں پڑھتے تھے۔

۴۔ نوٹ: سادات کرام کو خواجہ سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ سید قطب الدین کو خواجہ قطب الدین لکھ دیا ہے اور چونکہ بختیار اوشی یا بختیار کاکی نہیں ہے اس لیے یہ تسامح بھی واقعہ نہیں ہوتا۔

۵۔ حضرت جبرئیل کے سورۂ اخلاص کو لے کر آنے سے مراد سورہ کا نزول نہیں ہے۔کیونکہ سورۂ اخلاص مکی ہے اور یہ بعد کا واقعہ ہے۔

(در: معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۸۰ء-فروری ۱۹۸۱ء)

Marfat.com

بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ

سوانح، تصانیف، مطالعات

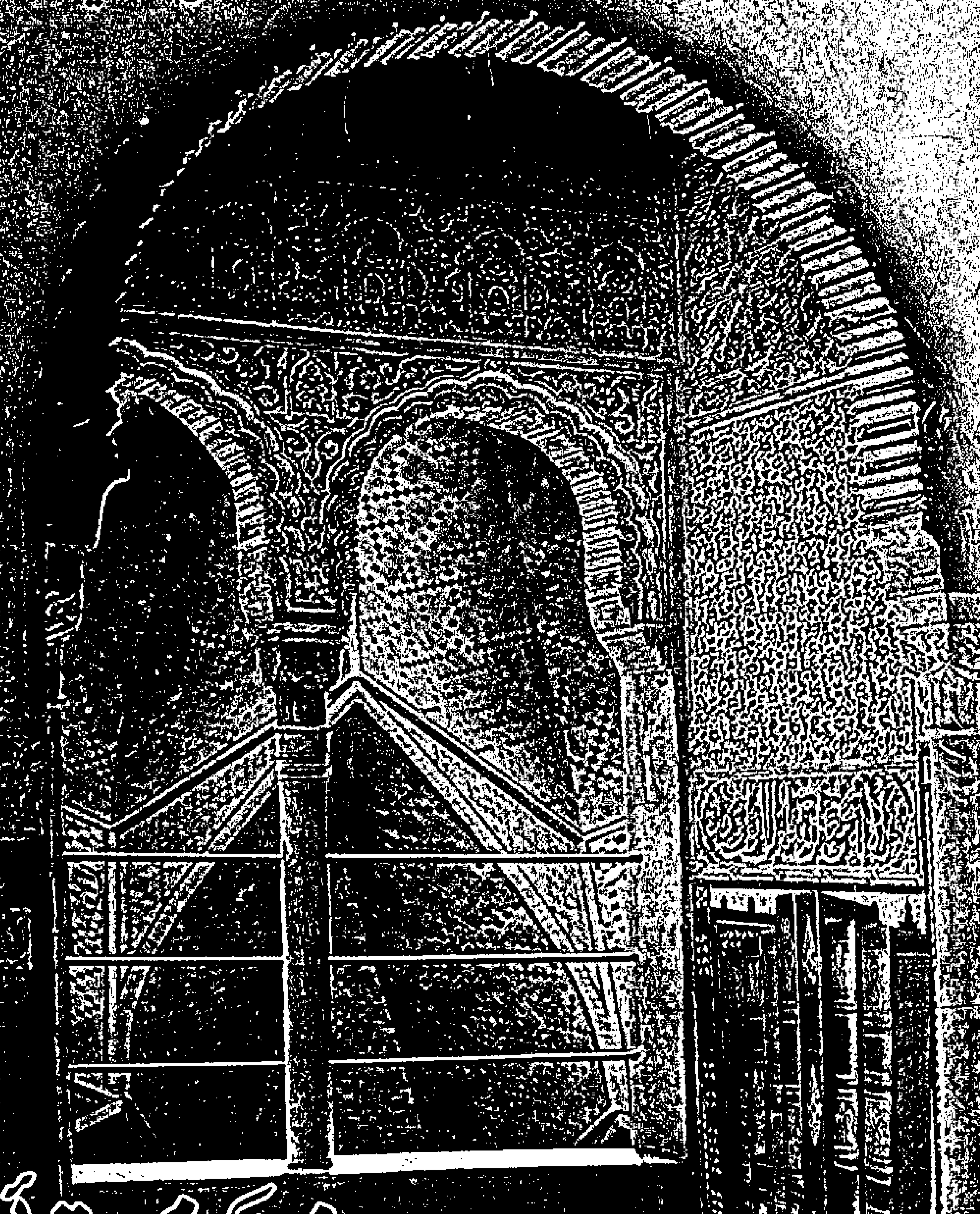

محمد اکرام چغتائی

Marfat.com